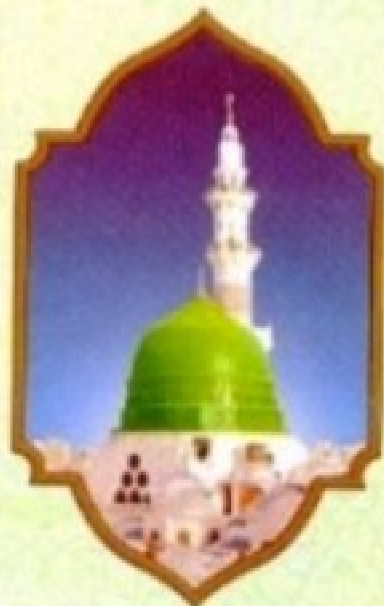
جلد اول

فضائلِ اعمال



حکایاتِ صحابہؓ — فضائلِ نماز

فضائلِ تبلیغ — فضائلِ ذکر

فضائلِ قرآن مجید — فضائلِ رمضان

مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج — فضائلِ درود

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فضائل اعمال

جلد اول

شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ

① حکایاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم
② فضائل نماز
③ فضائل تبلیغ
④ فضائل ذکر
⑤ فضائل قرآن مجید
⑥ فضائل رمضان شریف
⑦ مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج
⑧ فضائل درود شریف

پہلا ایڈیشن

ماہ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ مطابق ماہ فروری ۲۰۱۲ء

Compiler	مرتب
AHEM Charitable Trust	اہم چیریٹیبل ٹرسٹ

Contact : Idara-e-**DEENIYAT**, Opp. Maharashtra College, Bellasis Road, Mumbai Central, Mumbai - 4000 08

Tel. : 022 - 23051111 • Fax : 022 - 23051144

Website : www.deeniyat.com • E-mail : info@deeniyat.com

عرض ناشر

فضائل اعمال ایک مقبول ترین کتاب ہے، اس کی اہمیت وافادیت ہر ایک کے درمیان مسلم ہے، اس کتاب کے ذریعے بے شمار لوگوں کی اصلاح ہوئی ہے اور ان کی دینی وایمانی زندگی میں انقلاب پیدا ہوا ہے اور اس کی افادیت مسلسل وسیع سے وسیع تر ہوتی جارہی ہے۔ ادارۂ دینیات ممبئی کی یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ اس کو اکابر امت کے مشوروں سے ایسی اہم ترین کتاب کو کمپیوٹر کتابت سے آراستہ کرکے امت کے سامنے پیش کرنے کی سعادت میسر ہوئی۔ اس نسخے میں مندرجہ ذیل امور کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے:

(۱) مروجہ نسخوں سے ملایا گیا؛ خاص طور پر مظاہر علوم (جدید) سہارنپور کے امین عام مولانا شاہد صاحب کے پاس موجود قدیم نسخے سے از اول تا آخر مراجعت کی گئی ہے۔

(۲) الف: مشکل الفاظ کی تسہیل حاشیے میں کی گئی ہے، لفظی ترجمے کے بجائے سیاق وسباق کی مناسبت سے معنی کا انتخاب کیا گیا ہے۔

ب: تمام ''فارسی اشعار'' کا اُردو میں ترجمہ حاشیہ میں کردیا گیا ہے۔

ج: عربی عبارات کے ترجمے حسب ضرورت حاشیے میں دے دیے گئے ہیں۔

(۳) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کے ناموں اور مشکل الفاظ واسماء پر حرکات لگائے گئے ہیں۔

(۴) احادیث پر بالاستیعاب اعراب لگائے گئے ہیں۔

(۵) مآخذ سے رجوع کرکے احادیث کی کتابتی غلطیوں کی اصلاح کی گئی ہے۔

(۶) ''ص'' کو پورا ''ﷺ'' اور ''رض'' کو پورا ''رضی اللہ عنہ'' لکھا گیا ہے۔

(۷) ''آیات قرآنیہ'' کو قرآن ہی کے رسم الخط میں رکھا گیا ہے۔ نیز ''سورۃ'' اور ''آیت نمبر'' بھی دے دیا گیا ہے۔

(۸) ''حدیثوں'' کے ترجمے عربی عبارت کے سامنے رکھے گئے ہیں، حدیث کے تشریح وفوائد نئے پیراگراف سے شروع کیے گئے ہیں اور پڑھنے والوں کی آسانی کے لیے قرآن وحدیث کی عربی عبارت کو دو سطروں کے بیچ میں رکھا گیا ہے۔

(۹) حتی الامکان رموز اوقاف واملا کی رعایت کی گئی ہے۔

(۱۰) تمام کتب فضائل کی فہرست کتاب کے ابتدا میں یکجا کردی گئی ہے۔

(۱۱) سہولت کے خاطر ہر کتاب کو ممتاز کرنے کے لیے ٹیگ کا اضافہ کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کوشش کو شرف قبولیت بخشے اور دنیا وآخرت میں کامیابی وکامرانی کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

مقدمہ فضائل اعمال

از: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

کسے خبر تھی کہ چودھویں صدی میں قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر کے صدیقی شیوخ کی چند عظیم الشان ہستیوں میں سے حق تعالیٰ شانہ اپنے حبیب حضرت محمد مصطفی ﷺ کے لائے ہوئے دین کے اِحیاء کا کام اس طرح لیں گے کہ عرب وعجم سیراب ہوگا، جس کا آغاز تو مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ ہی سے ہوگیا تھا، مگر جوں جوں وقت گذرتا گیا آفتابِ ہدایت کی شعاعیں بلند ہی ہوتی گئیں، یہاں تک کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اورآپ کے برادرِ محترم مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ اوران کے صاحبزادے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کوحق تعالیٰ شانہ نے مشائخ عظام کی صف میں لاکر کھڑا کر دیا اورایک عظیم الشان دین کی خدمت کے لیے قبول فرمالیا۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کوقدرت نے ایک عظیم اہم کام کے لیے منتخب فرمایا جسے تبلیغ ودعوت کی تحریک سے یاد کیا جاتا ہے، اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ آپ امت کی اصلاح کے لیے نہایت مضطرب اور بے چین تھے ہر وقت یہی فکر دامن گیر تھی، ساری ساری رات روتے اور کراہتے گزر جاتی تھی، بقول مولانا ابوالحسن علی ندویؒ[1]۔

بعض اوقات ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپتے، آہیں بھرتے اور فرماتے، میرے اللہ! میں کیا کروں کچھ ہوتا نہیں، کبھی کبھی دین کے اس درد اوراس فکر میں بستر پر کروٹیں بدلتے اور بے چینی بڑھتی تو اُٹھ اُٹھ کر ٹہلنے لگتے، ایک رات والدۂ مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے پوچھا کہ آخر کیا بات ہے کہ نیند نہیں آتی، فرمایا کیا بتلاؤں اگر تم کو وہ بات معلوم ہوجائے تو جاگنے والا ایک نہ رہے دو ہوجائیں، بعض اوقات دیکھنے والوں کوترس آتا اور تسکین دیتے، بعض مرتبہ اس جوش کے ساتھ گفتگو کرتے کہ معلوم ہوتا سینہ میں تنور گرم ہے، حمیتِ اسلامی اور جذبات کا ایک طوفان برپا ہے، زبان ساتھ نہیں دیتی اور الفاظ مساعدت نہیں کرتے، بعض مرتبہ پورا درِ دل کہنے کے بعد غالب کے مشہور شعر کو بڑی لطیف ترمیم کے ساتھ پڑھتے۔

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا ــــ کچھ تو سمجھے خدا کرے کوئی

یہاں تک کہ آپ شوال ۱۳۴۴ھ میں دوسرے حج کے لیے اپنے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ کے ہمراہ روانہ ہوگئے، مولانا کی دینی دعوت میں ہے اور ''مدینہ طیبہ کا زمانہ جب ختم ہوا اور رفقاء چلنے کے لیے تیار ہوئے تو انھوں نے مولانا کو عجیب بے چینی واضطراب میں پایا، آپ کسی طرح مدینہ منورہ سے جدا ہونے کے لیے راضی نہ تھے، کچھ دن توقف کے بعد رفقاء نے مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے پھر ذکر کیا آپ

[1] حضرت مولانا محمد الیاسؒ اوران کی دعوت۔

نے مولانا کی حالت دیکھ کر فرمایا کہ تم ان سے چلنے کے لیے اصرار نہ کرو، ان پر ایک حالت طاری ہے یا تو تم اتنا انتظار کرو کہ یہ ازخود تمہارے ساتھ چلے جائیں یا تم خود چلے جاؤ یہ بعد میں آجائیں گے چنانچہ رفقاء ٹھہر گئے۔

مولاناؒ فرماتے تھے کہ مدینہ طیبہ کے اس قیام کے دوران میں مجھے اس کام (تبلیغ) کے لیے امر ہوا اور ارشاد ہوا کہ ہم تم سے کام لیں گے، کچھ دن میرے اس بے چینی میں گزرے کہ میں ناتواں کیا کرسکوں گا؟ کسی عارف سے ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا کہ پریشانی کی کیا بات ہے؟ یہ تو نہیں کہا گیا کہ تم کام کروگے، یہ کہا گیا ہے کہ ہم تم سے کام لیں گے، بس کام لینے والے کام لے لیں گے"۔

اس سے بڑی تسکین ہوئی اور آپ نے مدینہ منورہ سے مراجعت فرمائی، پانچ مہینے حرمین میں قیام رہا اور تیرہ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ کو کاندھلہ واپسی ہوئی دراصل[1] مولانا کے دل میں اس سفرِ حج میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈالی کہ ساری دنیا غفلت، جہالت اور دین سے بے طلبی کے ایک حصار میں گھری ہوئی ہے جس کی وجہ سے دین پر چلنا تقریباً ناممکن ہو گیا ہے، جب تک لوگوں کو ان کے اس ماحول اور مشاغل سے نکالا نہ جائے گا اور اہل اللہ اور بزرگانِ دین کی مجالس میں پھرایا نہ جائے گا اور اس نقل وحرکت میں دین کے بنیادی عقائد اور فرائض اور دین کی عمومی تعلیم کا عادی نہ بنایا جائے گا، دین کی طلب پیدا نہیں ہوسکتی، اس لیے مولانا نے لوگوں کو اپنے مشاغل سے نکلنے، گھروں کو چھوڑنے اور اپنے اخراجاتِ سفر خود برداشت کرنے اور اس راہ کی جہد ومشقت برداشت کرنے اور دین کے سیکھنے اور سکھانے اور جماعتیں بنا بنا کر قرنِ اول کی طرح ملکوں ملکوں پھرنے کی دعوت دینی شروع کردی، میوات سے اپنے پاس بستی حضرت نظام الدین دہلی میں آنا اور یہاں سے میوات اور یوپی کو جماعتیں بنا کر روانہ کرنا شروع کیا، چنانچہ پہلی جماعت اپنے وطن کاندھلہ کو روانہ فرمائی۔

مولانا جس کام کو شروع فرماتے تھے اپنی تمام قوتوں کو اس پر صَرف فرمادیتے تھے، دینی دعوت میں حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ فرماتے ہیں: "مولانا کی زندگی کا اصلی جوہر جس نے ان کو خدمتِ دین کے اس بلند مقام تک پہونچایا تھا ان کی بلند ہمتی ہے، خدمتِ دین اور اصلاحِ مسلمین کی کسی ابتدائی منزل پر مولانا کی بے قرار طبیعت نے قرار نہ پایا جب تک اس کو اصلی منزل نہ مل گئی اس نے کہیں دم نہ لیا اور کہیں آرام نہیں کیا"۔

جماعتوں کی نقل وحرکت میں ایسی کتابوں کی ضرورت پیش آئی جس میں ملت کے تمام طبقات مل جل کر صحیح دینی زندگی کی ایک ساخت پر ذہن بنا سکیں اور آپس میں کسی اختلاف یا افتراق کا شائبہ تک نہ آسکے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے "فضائل اعمال" کی کتابیں لکھوائی گئیں؛ چنانچہ حکایاتِ صحابہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے ارشاد پر: "فضائل قرآن مجید" حضرت حافظ محمد یٰسین صاحب نگینویؒ کے ارشاد پر: "فضائل نماز، فضائل ذکر، فضائل تبلیغ، فضائل رمضان" حضرت مولانا الیاسؒ کے ارشاد پر اور "فضائل صدقات وفضائل حج" وغیرہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی درخواست پر لکھی گئیں اور مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج" مولانا احتشام الحسن صاحب خلیفہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ

(۱) حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دعوت۔

نے اپنے شیخ و مرشد کی تعمیلِ حکم میں تصنیف فرمائی۔ یہ سب کتابیں جماعتوں کی تعلیم میں بے حد مفید ثابت ہوئیں، عرب و عجم میں ان کے فوائد و برکات نمایاں طور پر ظاہر ہوئے اور عربی، انگریزی اور مختلف زبانوں میں ان کے ترجمے شائع ہوئے۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اپنے ایک گرامی نامہ میں حضرت شیخؒ کے نام لکھتے ہیں: ''میرے عزیز! اس میں شک نہیں کہ آپ کی ہر طرح کی ہمت اور ہر طرح کی شرکت اس (تبلیغ) کے فروغ کا سبب ہے، اللہ جلَّ شانہٗ نے یہ جیسی تبلیغ کی نہایت فائدہ بخش اور اصولِ اسلام کو حاوی، نہایت سہل اور نہایت عظیم صورت، اس ناچیز کو عطا فرمائی ہے، یہ ناچیز اس نعمتِ عظیمہ جلیلہ کی قدر دانی اور شکر گذاری اور تواضع میں اپنے نفس کو بہت ہی کمزور پا کر اس نعمت کے کفرانِ نعمت سے بہت خائف ہے، نیز تمہاری اس ہمت کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ بندۂ ناچیز کو اس تبلیغ کے (چھ نمبر اور دیگر ضروری اجزاء کو) اصول قرار دینے میں آپ کی صحبت کو بہت زیادہ دخل ہے، حق تعالیٰ شانہٗ مجھے اس کے شکر کی توفیق بخشیں، اللہ کو منظور ہوا اور جیسے کہ آثار ہیں یہ تبلیغ فروغ پکڑے گی، ان شاء اللہ تمہاری تصانیف اور فیوض ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ عرب و عجم کو سیراب کریں گی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دیں، میری اس میں دعا سے ضرور ہی مدد کیجیو اور میں بھی دعا کرتا ہوں''۔

[حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دعوت]

یہ فضائل کی کتابیں جماعتوں کی نقل و حرکت میں اجتماعی تعلیم و تدریس کے لیے نہایت ضروری قرار دی گئیں اور صرف انھیں کتابوں کی تعلیم مفید سمجھی گئی۔

ان کے علاوہ دوسری مستند علماء کی تصانیف کو انفرادی مطالعہ کے لیے نافع سمجھا گیا مسائل کی تعلیم کو بھی ضروری سمجھا گیا؛ مگر انفرادی مطالعہ میں۔

فضائل کا درجہ مسائل سے قبل

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اپنے ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں: ''فضائل کا درجہ مسائل سے پہلے ہے، فضائل سے اعمال کے اجر پر یقین پیدا ہوتا ہے جو ایمان کا مقام ہے اور اس سے آدمی عمل کے لیے آمادہ ہوتا ہے، مسائل معلوم کرنے کا احساس تو تب ہی ہوگا جب وہ عمل پر تیار ہوگا اس لیے ہمارے نزدیک فضائل کی اہمیت زیادہ ہے''۔ [ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ]

کتب فضائل کے ماخذ

کتاب کے آخر میں کتب فضائل کے ماخذ کی تفصیل لکھی گئی ہے، جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت شیخؒ نے کتنی اہم کتب سے اور کتنی محنت اور توجہ سے کتب احادیث سے فضائلِ اعمال کو ترتیب دیا ہے، واضح ہو کہ وہ کتابیں اس میں شامل نہیں ہیں جن کا کسی حدیث پر کلام کرتے ہوئے حوالہ دیا ہے۔

[کتب فضائل پر اشکالات اور اس کے جوابات از مولانا محمد شاہد سہارنپوری]

کتب فضائل کے ماخذ

نمبر شمار	تصنیف	مصنف
۱	بخاری شریف	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیمؒ ۔متوفی ۲۵۶ھ
۲	فتح الباری	ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانیؒ ۔متوفی ۸۵۲ھ
۳	اُسدالغابہ	علامہ ابن اثیر جزریؒ ۔متوفی ۶۳۰ھ
۴	درمنثور	علامہ جلال الدین سیوطیؒ ۔متوفی ۹۱۱ھ
۵	خصائص کبریٰ	علامہ سیوطیؒ ۔متوفی ۹۱۱ھ
۶	تاریخ خمیس	شیخ حسین محمد ابن الحسنؒ ۔متوفی ۹۶۶ھ
۷	بیان القرآن	حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ ۔متوفی ۱۳۶۲ھ
۸	جمع الفوائد	محمد بن محمد بن سلیمانؒ ۔متوفی ۱۰۹۴ھ
۹	تاریخ الخلفاء	علامہ جلال الدین بن عبدالرحمٰن سیوطیؒ ۔متوفی ۹۱۱ھ
۱۰	شہر مشاہیر اسلام	رفیق بک العظمؒ
۱۱	مشکوٰۃ شریف	ابوعبداللہ ولی الدین محمد بن عبداللہ العمریؒ ۔متوفی ۷۳۷ھ
۱۲	احیاء العلوم	حجۃ الاسلام امام غزالیؒ ۔متوفی ۵۰۵ھ
۱۳	مسلم شریف	ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیریؒ ۔متوفی ۲۶۱ھ
۱۴	قیام اللیل	ابونصر محمد بن احمد بن علی مروزیؒ ۔متوفی ۲۹۴ھ
۱۵	ترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذیؒ ۔متوفی ۲۷۹ھ
۱۶	شمائل ترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذیؒ ۔متوفی ۲۷۹ھ
۱۷	تذکرۃ الحفّاظ	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبیؒ ۔متوفی ۷۴۸ھ
۱۸	بذل المجہود	حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنیؒ ۔متوفی ۱۳۴۶ھ
۱۹	شفا	قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ الیحصبیؒ ۔متوفی ۵۴۴ھ
۲۰	ابوداؤد شریف	ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانیؒ ۔متوفی ۲۷۵ھ
۲۱	موطا امام مالک	ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالکؒ ۔متوفی ۱۷۹ھ
۲۲	کتاب الاموال	امام ابوعبید القاسم بن سلامؒ ۔

۲۳	اقامۃ الحجۃ	حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ۔
۲۴	بیہقی	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی البیہقیؒ۔ متوفی ۴۵۸ھ
۲۵	درایہ	حافظ ابن حجرؒ۔
۲۶	اصابہ	حافظ ابن حجر العسقلانی الشافعیؒ۔ متوفی ۸۵۲ھ
۲۷	قرۃ العیون	شیخ ابواللیث سمرقندیؒ۔ متوفی ۶۰۶ھ
۲۸	تفسیر عزیزی	حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ۔ متوفی ۱۲۳۹ھ
۲۹	طبقات	محمد بن سعد کاتب الواقدیؒ۔ متوفی ۹۰۳ھ
۳۰	کتاب الامامۃ والسیاسۃ	عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہؒ۔ متوفی ۲۷۰ھ
۳۱	تلقیح فھوم اھل الاثر	جمال الدین عبدالرحمٰن بن الجوزیؒ۔ متوفی ۵۹۷ھ
۳۲	مسند احمد	ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبلؒ۔ متوفی ۲۴۱ھ
۳۳	مقدمہ اوجز المسالک	حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحبؒ
۳۴	ابن ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینیؒ۔ متوفی ۲۷۳ھ
۳۵	سنن دارمی	ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن تمیمی دارمیؒ۔ متوفی ۲۵۵ھ
۳۶	استیعاب	حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ۔ متوفی ۴۶۳ھ
۳۷	طبرانی	ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوبؒ۔ متوفی ۳۶۰ھ
۳۸	نسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب ابن علیؒ۔ متوفی ۳۰۳ھ
۳۹	الترغیب والترہیب	ابومحمد عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذریؒ۔ متوفی ۶۵۶ھ
۴۰	ابن حبان	ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبانؒ۔ متوفی ۳۵۴ھ
۴۱	مستدرک للحاکم	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ المعروف بالحاکم نیشاپوریؒ۔ متوفی ۴۰۵ھ
۴۲	الزواجر	امام ابن حجر المکی الہیثمیؒ۔ متوفی ۹۷۳ھ
۴۳	مسند بزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البز ارؒ۔ متوفی ۲۹۲ھ
۴۴	مصنف ابن ابی شیبہ	ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہؒ۔ متوفی ۲۳۵ھ
۴۵	مسند ابویعلی	احمد بن علی بن المثنی الموصلیؒ۔ متوفی ۳۰۷ھ
۴۶	سنن دارقطنی	ابوالحسن علی بن عمر بن احمدؒ۔ متوفی ۳۸۵ھ

۴۶	سنن دار قطنی	ابوالحسن علی بن عمر بن احمدؒ۔ متوفی ۳۸۵ھ
۴۷	شرح السنہ	حسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعیؒ۔ متوفی ۵۱۶ھ
۴۸	حلیۃ الاولیاء	حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانیؒ۔ متوفی ۴۳۰ھ
۴۹	رحمۃ المہتداۃ	علامہ ابوالخیر نورالحسن خاں الحسینیؒ۔
۵۰	کنز العمال	علامہ علی متقی برہان پوریؒ۔ متوفی ۹۷۵ھ
۵۱	مسند ابن خزیمہ	ابوبکر محمد بن اسحٰق ابن خزیمہؒ۔ متوفی ۳۱۱ھ
۵۲	مسند الفردوس	ابومنصور الدیلمیؒ۔
۵۳	مسند ابوعوانۃ	یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم نیشاپوریؒ۔
۵۴	زادالسعید فی ذکر النبی الحبیب	حضرت اقدس تھانویؒ۔ متوفی ۱۳۶۲ھ
۵۵	القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع	علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر السخاوی شافعیؒ۔ متوفی ۹۰۲ھ
۵۶	روض الفائق	شیخ شعیب الحریفیشؒ۔
۵۷	نزہۃ البساتین	ابومحمد عبداللہ بن اسعد یمنی یافعیؒ۔
۵۸	حرز ثمین فی مبشرات النبی الامین	سند ہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ۔ متوفی ۱۱۷۶ھ
۵۹	یوسف زلیخا	مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ۔
۶۰	قصائد قاسمی	قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ۔
۶۱	احکام القرآن	حجۃ الاسلام ابوبکر احمد بن علی رازی الجصاصؒ۔ متوفی ۳۷۰ھ
۶۲	عینی شرح بخاری	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینیؒ۔ متوفی ۸۵۵ھ
۶۳	مرقات شرح مشکوٰۃ	علامہ نورالدین علی بن سلطان محمد ہرویؒ۔ متوفی ۱۰۱۴ھ
۶۴	مظاہر حق	نواب قطب الدین خاں بہادرؒ۔ متوفی ۱۲۸۹ھ
۶۵	فتاویٰ عالمگیری	از علمائے ہندوستان در عہد حضرت عالمگیرؒ۔
۶۶	عون المعبود فی شرح سنن ابی داؤد	شیخ ابوعبدالرحمٰن شرف الحق المعروف بہ محمود اشرف عظیم آبادیؒ۔ متوفی ۱۳۲۶ھ
۶۷	تنبیہ الغافلین	شیخ ابواللیث سمرقندیؒ۔ متوفی ۶۰۶ھ

نمبر	کتاب	مصنف
۶۸	جمل	شیخ سلیمان الجملؒ۔
۶۹	حصن حصین	شیخ شمس الدین محمد بن محمد الجزری الشافعیؒ۔ متوفی ۸۲۳ھ
۷۰	مجمع الزوائد	حافظ نور الدین الہیثمیؒ۔ متوفی ۸۰۷ھ
۷۱	کوکب الدری	حضرت شیخ رشید احمد گنگوہیؒ
۷۲	حجۃ اللہ البالغہ	سند ہند شاہ ولی اللہ صاحبؒ۔ متوفی ۱۱۷۶ھ
۷۳	مقاصد حسنہ	شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاویؒ۔ متوفی ۱۱۷۶ھ
۷۴	جامع الصغیر	ابو الفضل عبدالرحمٰن جلال الدین السیوطیؒ۔ متوفی ۹۱۱ھ
۷۵	تفسیر کبیر	عماد الدین الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیرؒ۔ متوفی ۷۷۴ھ
۷۶	تفسیر خازن	علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیمؒ۔ متوفی ۷۴۱ھ
۷۷	اتحاف السادۃ المتقین	سید محمد ابن محمد الحسینی الزبیدیؒ۔ متوفی ۱۲۰۵ھ
۷۸	مستدرک حاکم	ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ المعروف بالحاکم نیشاپوریؒ۔ متوفی ۴۰۵ھ
۷۹	ارواحِ ثلاثہ	ترتیب مولانا ظہور الحسن صاحب کسولوی مظاہریؒ۔
۸۰	تہذیب التہذیب	شیخ الاسلام احمد بن علی ابن حجر عسقلانیؒ۔ متوفی ۸۵۲ھ
۸۱	مسامرات	شیخ اکبر ابن عربیؒ۔
۸۲	روض الریاحین	شیخ عبداللہ بن اسعد یمنی یافعیؒ۔
۸۳	مشیر العزم	جمال الدین عبدالرحمٰن بن الجوزیؒ۔ متوفی ۵۹۷ھ
۸۴	الکامل	عزیز الدین علی بن محمد المعروف باابن اثیر جزریؒ۔ متوفی ۶۳۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی :لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِھِمْ عِبْرَۃٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ [سورۂ یوسف:۱۱۱]

بے شک ان کے قصے میں (بڑی) عبرت ہے سمجھ داروں کے لیے۔



جس میں

حضرت مولانا الحافظ الحاج الشاہ **عبدالقادر** صاحبؒ کے ارشاد سے

فخر الاماثل زبدۃ الافاضل حضرت مولانا الحاج الحافظ المحدث **محمد زکریا** صاحبؒ

شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور نے

صحابی مردوں، صحابی عورتوں، صحابی بچوں کے زُہد وتقویٰ، فقر وعبادت علمی مشاغل،

ایثار وہمدردی، بے مثل جرأت وبہادری، حیرت انگیز جاں بازی وغیرہ کے

ایمان افروز حالات بیان کیے ہیں۔

تمہید

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَأَتْبَاعِهِ الْحُمَاةِ لِلدِّيْنِ الْقَوِيْمِ أَمَّا بَعْدُ

اللہ کے ایک برگزیدہ بندے اور میرے مُرَبِّی و مُحسن کا ارشاد ۱۳۵۳ھ میں ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے چند قصے بالخصوص کم سن صحابہ رضی اللہ عنہم اور عورتوں کی دین داری کی کچھ حالت اُردو میں لکھی جائے، تاکہ جو لوگ قصوں کے شوقین ہیں، وہ واہی تباہی جھوٹی حکایات کے بجائے اگر ان کو دیکھیں، تو ان کے لیے دینی ترقی کا سبب ہو اور گھر کی عورتیں اگر راتوں میں بچوں کو جھوٹی کہانیوں کے بجائے، ان کو سنائیں تو بچوں کے دل میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت اور عظمت کے ساتھ دینی امور کی طرف رغبت پیدا ہو، میرے لیے اس ارشاد کی تعمیل بہت ہی ضروری تھی کہ احسانات میں ڈوبے ہوئے ہونے کے علاوہ اللہ والوں کی خوشنودی دو جہاں میں فلاح کا سبب ہوتی ہے، مگر اس کے باوجود اپنی کم مائیگی سے یہ امید نہ ہوئی کہ میں اس خدمت کو مرضی کے موافق ادا کر سکتا ہوں، اس لیے چاؔر برس تک بار بار اس ارشاد کو سنتا رہا اور اپنی نااہلیت سے شرمندہ ہوتا رہا کہ صفر ۱۳۵۷ھ میں ایک مرض کی وجہ سے چند روز کے لیے دماغی کام سے روک دیا گیا، تو مجھے خیال ہوا کہ ان خالی ایام کو اس بابرکت مشغلہ میں گذار دوں کہ اگر یہ اوراق پسندِ خاطر نہ ہوئے تب بھی میرے یہ خالی اوقات تو بہترین اور بابرکت مشغلہ میں گذر ہی جائیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ والوں کے قصے اُن کے حالات یقیناً اس قابل ہیں کہ ان کی تحقیق اور تفتیش کی جائے اور ان سے سبق حاصل کیا جائے، بالخصوص صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جماعت جس کو اللہ جل شانہٗ نے اپنے لاڈلے نبی اور پیارے رسول ﷺ کی مُصاحبَت کے لیے چُنا، اس کی مستحق ہے کہ اس کا اِتّباع کیا جائے، اس کے علاوہ اللہ والوں کے ذکر سے اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے، صُوفیا کے سردار حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد ہے کہ حکایتیں اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے، جس سے مریدین کے دِلوں کو تقویت حاصل ہوتی ہے، کسی نے دریافت کیا کہ اس کی کوئی دلیل بھی ہے فرمایا: ہاں! اللہ جلّ شانہٗ کا ارشاد ہے ﴿ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ ﴾ [سورۂ ھود: ۱۲۰] ترجمہ ''اور پیغمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سارے قصے آپ سے بیان کرتے ہیں، جن کے ذریعہ سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں

(ایک فائدہ تو یہ ہوا) اور ان قصوں میں آپ کے پاس ایسا مضمون پہونچتا ہے، جو خود بھی راست اور واقعی ہے اور مسلمانوں کے لیے نصیحت ہے (اور اچھے کام کرنے کی) یاددہانی ہے"۔[بیان القرآن] ایک ضروری بات یہ بھی دل میں جما لینے کی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ کی حدیثیں ہوں یا بزرگوں کے حالات، اسی طرح مسائل کی کتابیں ہوں یا معتبر لوگوں کے وعظ وارشادات، یہ ایسی چیزیں نہیں ہوتیں کہ ایک مرتبہ دیکھ لینے کے بعد ہمیشہ کو ختم کر دیا جائے، بلکہ اپنی حالت او راستعداد کے موافق بار بار دیکھتے رہنا چاہیے۔

اَبوسُلیمان دارانیؒ ایک بزرگ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک واعظ کی مجلس میں حاضر ہوا، ان کے وعظ نے میرے دل پر اثر کیا، مگر جب وعظ ختم ہوا، تو وہ اثر بھی ختم ہوگیا، میں دوبارہ ان کی مجلس میں حاضر ہوا، تو اس وعظ کا اثر فارغ ہونے کے بعد گھر کے راستہ میں بھی رہا۔ تیسری مرتبہ پھر حاضر ہوا، تو اس کا اثر گھر میں پہونچنے پر بھی رہا، میں نے گھر جا کر اللہ کی نافرمانی کے جو اسباب تھے، سب توڑ دیے اور اللہ کا راستہ اختیار کرلیا، اسی طرح دینی کتابوں کا بھی حال ہے کہ محض سَرسَری طور پر ایک مرتبہ اُن کے پڑھ لینے سے اثر کم ہوتا ہے اس لیے کبھی کبھی پڑھتے رہنا چاہیے، پڑھنے والوں کی سہولت اور مضامین کے دل نشیں ہونے کے خیال سے میں نے اس رسالہ کو بارہ بابوں اور ایک خاتمہ پر تقسیم کیا ہے:

پہلا باب	: دین کی خاطر سختیوں کا برداشت کرنا اور تکالیف ومشقت کا جھیلنا۔
دوسرا باب	: اللہ جَلَّ جلالہٗ وعَمَّ نَوالہٗ کا خوف اور ڈر۔
تیسرا باب	: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زُہد اور فقر کے بیان میں۔
چوتھا باب	: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تقویٰ کے بیان میں۔
پانچواں باب	: نماز کا شَغف اور شوق اور اس میں خُشوع وخُضوع۔
چھٹا باب	: ایثار وہمدردی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔
ساتواں باب	: بہادری، دلیری اور موت کا شوق۔
آٹھواں باب	: علمی وَلوَلہ اور اس کا اِنہماک۔
نواں باب	: حضور ﷺ کی فرماں برداری اور اِمتثالِ حکم اور یہ دیکھنا کہ حضور ﷺ کا مَنشا کیا ہے۔
دسواں باب	: عورتوں کا دینی جذبہ۔
گیارہواں باب	: بچوں کا دینی جذبہ۔
بارہواں باب	: حضورِ اقدس ﷺ کے ساتھ محبت کا نمونہ۔
خاتمہ	: صحابہ رضی اللہ عنہم کے حقوق اور اُن کے مختصر فضائل۔

پہلا باب

دین کی خاطر سختیوں کا برداشت کرنا اور تکالیف ومَشقّت کا جھیلنا

حضورِاقدس ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے دین کے پھیلانے میں جس قدر تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کی ہیں؛ ان کا برداشت کرنا تو دَرکنار[1]، اُس کا ارادہ کرنا بھی ہم جیسے نالائقوں سے دشوار ہے۔ تاریخ کی کتابیں اِن واقعات سے بھری ہوئی ہیں، مگر اُن پر عمل کرنا تو علیحدہ رہا، ہم اُن کو معلوم کرنے کی بھی تکلیف نہیں کرتے۔ اِس باب میں چند قصوں کو نمونہ[2] کے طور پر ذکر کرنا ہے، اُن میں سب سے پہلے خود حضورِ اکرم ﷺ کے ایک قِصّہ سے ابتدا کرتا ہوں کہ حضور ﷺ کا ذکر برکت کا ذریعہ ہے۔

① حضورِاکرم ﷺ کے طائف کے سفر کا قصہ

نُبوّت مل جانے کے بعد ۹ ربرس تک نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں تبلیغ فرماتے رہے اور قوم کی ہدایت اور اصلاح کی کوشش فرماتے رہے؛ لیکن تھوڑی سی جماعت کے سوا، جو مسلمان ہوگئی تھی اور تھوڑے سے ایسے لوگوں کے علاوہ جو باوجود مسلمان نہ ہونے کے آپ کی مدد کرتے تھے؛ اکثر کفارِ مکہ آپ کو اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہر طرح کی تکلیفیں پہونچاتے تھے، مذاق اڑاتے تھے اور جو ہوسکتا تھا اس سے درگذر[3] نہ کرتے تھے۔ حضور ﷺ کے چچا ابوطالب بھی اُن ہی نیک دل لوگوں میں تھے، جو باوجود مسلمان نہ ہونے کے حضور ﷺ کی ہر قسم کی مدد فرماتے تھے۔ دسویں سال میں جب ابوطالب کا بھی انتقال ہوگیا، تو کافروں کو اور بھی ہر طرح کھلے مُہار[4] اسلام سے روکنے اور مسلمانوں کو تکلیف پہونچانے کا موقع ملا۔ حضورِاقدس ﷺ اس خیال سے طائف تشریف لے گئے کہ وہاں قبیلۂ[5] ثَقِیف کی بڑی جماعت ہے، اگر وہ قبیلہ مسلمان ہو جائے، تو مسلمانوں کو ان تکلیفوں سے نجات ملے اور دین کے پھیلنے کی بنیاد پڑ جائے۔ وہاں پہونچ کر قبیلہ کے تین[3] سرداروں سے جو بڑے درجے کے سمجھے جاتے تھے، گفتگو[6] فرمائی اور اللہ کے دین کی طرف بلایا اور اللہ کے رسول کی یعنی اپنی مدد کی طرف متوجہ کیا؛ مگر ان لوگوں نے بجائے اس کے کہ دین کی بات کو قبول کرتے یا کم سے کم عرب کی مشہور مہمان نوازی کے لحاظ سے ایک نَوْوَارِد[7] مہمان کی خاطر مُدارات[8] کرتے، صاف جواب دے دیا اور نہایت بے رُخی[9] اور بداخلاقی سے پیش آئے، اُن لوگوں نے یہ بھی گوارہ[10] نہ کیا کہ آپ یہاں قیام[11] فرمالیں۔ جن لوگوں کو سردار سمجھ کر بات کی تھی کہ وہ شریف ہوں گے اور مُہذّب[12] گفتگو کریں گے، ان میں سے ایک شخص بولا کہ اوہو! آپ ہی کو اللہ نے نبی بنا کر بھیجا ہے۔ دوسرا بولا: اللہ کو

حل لغات: ① الگ رہا۔ ② مثال۔ ③ رکتے نہ تھے۔ ④ آزادی سے۔ ⑤ خاندان۔ ⑥ بات چیت۔ ⑦ اجنبی۔ ⑧ مہمان نوازی۔ ⑨ بے توجہی۔ ⑩ برداشت۔ ⑪ ٹھہر جائیں۔ ⑫ اچھی۔

تمہارے سوا کوئی اور ملتا ہی نہیں تھا، جس کو رسول بنا کر بھیجتے۔ تیسرے نے کہا: میں تجھ سے بات کرنا نہیں چاہتا اِس لیے کہ اگر تُو واقعی نبی ہے جیسا کہ دعویٰ ہے، تو تیری بات سے انکار کر دینا مصیبت سے خالی نہیں اور اگر جھوٹ ہے، تو مَیں ایسے شخص سے بات کرنا نہیں چاہتا۔ اس کے بعد ان لوگوں سے نا اُمید ہو کر حضورِ اکرم ﷺ نے اور لوگوں سے بات کرنے کا ارادہ فرمایا کہ آپ تو ہمت و اِستقلال[1] کے پہاڑ تھے؛ مگر کسی نے بھی قبول نہیں کیا، بلکہ بجائے قبول کرنے کے حضور ﷺ سے کہا کہ ہمارے شہر سے فوراً نکل جاؤ اور جہاں تمہاری چاہت کی جگہ ہو وہاں چلے جاؤ۔ حضورِ اکرم ﷺ جب اُن سے بالکل مایوس[2] ہو کر واپس ہونے لگے، تو ان لوگوں نے شہر کے لڑکوں کو پیچھے لگا دیا کہ آپ کا مذاق اڑائیں، تالیاں پیٹیں، پتھر ماریں حتیٰ کہ آپ ﷺ کے دونوں جوتے خون کے جاری ہونے سے رنگین ہو گئے، حضورِ اقدس ﷺ اسی حالت میں واپس ہوئے، جب راستہ میں ایک جگہ ان شریروں سے اطمینان ہوا، تو حضور ﷺ نے یہ دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ إِلَيْكَ أَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِيْ، وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ، وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ، أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ، وَأَنْتَ رَبِّيْ إِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ إِلٰى بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ أَمْ إِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهٗ أَمْرِيْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا أُبَالِيْ وَلٰكِنَّ عَافِيَتَكَ هِيَ أَوْسَعُ لِيْ، أَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مِنْ أَنْ يَّنْزِلَ بِيْ غَضَبُكَ أَوْ يَحِلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ. لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ. [كذا في سيرة ابن هشام قلت: واختلفت الروايات في ألفاظ الدعاء كما في قرة العيون].	اے اللہ! تجھی سے شکایت کرتا ہوں میں اپنی کمزوری اور بے کسی کی اور لوگوں میں ذلت و رسوائی کی۔ اے ارحم الراحمین! تو ہی ضُعَفاء[3] کا رب ہے اور تو ہی میرا پروردگار ہے، تو مجھے کس کے حوالہ[4] کرتا ہے، کسی اجنبی بے گانہ[5] کے، جو مجھے دیکھ کر تُرش رُو[6] ہوتا ہے اور منہ چڑھاتا ہے یا کہ کسی دشمن کے جس کو تو نے مجھ پر قابو دے دیا۔ اے اللہ! اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے، تو مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے، تیری حفاظت مجھے کافی ہے، میں تیرے چہرہ کے اُس نور کے طُفیل[7]، جس سے تمام اندھیریاں روشن ہو گئیں اور جس سے دنیا اور آخرت کے سارے کام درست ہو جاتے ہیں، اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غصہ ہو، یا تو مجھ سے ناراض ہو، تیری ناراضگی کا اُس وقت تک دور کرنا ضروری ہے، جب تک تو راضی نہ ہو، نہ تیرے سوا کوئی طاقت ہے نہ قوت۔

مالکُ المُلک کی شانِ قہّاری[8] کو اس پر جوش آنا ہی تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر سلام کیا اور عرض

حل لغات: (۱) مضبوطی۔ (۲) ناامید۔ (۳) کمزوروں۔ (۴) سپرد۔ (۵) غیر۔ (۶) ناخوش۔ (۷) ذریعہ۔ (۸) اللہ کے غضب اور غصّہ کی شان۔

کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی وہ گفتگو جو آپ سے ہوئی سنی اور اُن کے جوابات سنے، اور ایک فرِشتہ کو، جس کے متعلق پہاڑوں کی خدمت ہے، آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ جو چاہیں اُس کو حکم دیں۔ اُس کے بعد اُس فرِشتہ نے سلام کیا اور عرض کیا کہ جو ارشاد ہو، میں اس کی تعمیل[1] کروں، اگر ارشاد ہو تو دونوں جانب کے پہاڑوں کو ملادوں، جس سے یہ سب درمیان میں کچل جائیں یا اور جو سزا آپ تجویز[2] فرمائیں۔ حضور ﷺ کی رحیم وکریم ذات نے جواب دیا کہ میں اللہ سے اس کی امید رکھتا ہوں کہ اگر یہ مسلمان نہیں ہوئے، تو اُن کی اولاد میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں، جو اللہ کی پَرَستِش[3] کریں اور اُس کی عبادت کریں۔

فائدہ: یہ ہیں اخلاق اُس کریم ذات کے جس کے ہم لوگ نام[4] لیوا ہیں کہ ہم ذرا سی تکلیف سے، کسی کی معمولی سی گالی دے دینے سے ایسے بھڑک جاتے ہیں کہ پھر عمر بھر اُس کا بدلہ نہیں اترتا، ظلم پر ظلم اُس پر کرتے رہتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں اپنے مُحمَّدی ہونے کا، نبی کے پَیرَو[5] بننے کا، نبی کریم ﷺ اتنی سخت تکلیف اور مشقت اُٹھانے کے باوجود نہ بددُعا فرماتے ہیں، نہ کوئی بدلہ لیتے ہیں۔

(۲) قِصّہ حضرت اَنَس بن نَضر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا

حضرت اَنَس بن نَضر رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے، جو بدر کی لڑائی میں شریک نہیں ہوسکے تھے، اُن کو اِس چیز کا صدمہ[6] تھا، اِس پر اپنے نفس کو ملامت[7] کرتے تھے کہ اسلام کی پہلی عظیم[8] الشان لڑائی اور تو اُس میں شریک نہ ہوسکا اِس کی تمنا تھی کہ کوئی دوسری لڑائی ہو تو حوصلے پورے کروں، اتفاق سے اُحد کی لڑائی پیش آگئی، جس میں یہ بڑی بہادری اور دلیری سے شریک ہوئے، اُحد کی لڑائی میں اوّل اوّل[9] تو مسلمانوں کو فتح ہوئی؛ مگر آخر میں ایک غلطی کی وجہ سے مسلمانوں کو شِکَست[10] ہوئی، وہ غلطی یہ تھی کہ حضور اکرم ﷺ نے کچھ آدمیوں کو ایک خاص جگہ مقرر فرمایا تھا کہ تم لوگ اتنے مَیں نہ کہوں اُس جگہ سے نہ ہٹنا کہ وہاں سے دشمن کے حملہ کرنے کا اندیشہ[11] تھا۔ جب مسلمانوں کو شروع میں فتح ہوئی، تو کافروں کو بھاگتا ہوا دیکھ کر یہ لوگ بھی اپنی جگہ سے یہ سمجھ کر ہٹ گئے کہ اب جنگ ختم ہوچکی، اِس لیے بھاگتے ہوئے کافروں کا پیچھا کیا جائے؛ اور غَنِیمت[12] کا مال حاصل کیا جائے، اُس جماعت کے سردار نے منع بھی کیا کہ حضور ﷺ کی ممانعت تھی تم یہاں سے نہ ہٹو، مگر اُن لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ حضور ﷺ کا ارشاد صرف لڑائی کے وقت کے واسطے تھا، وہاں سے ہٹ کر میدان میں پہونچ گئے، بھاگتے ہوئے کافروں نے اُس جگہ کو خالی دیکھ کر اُس طرف سے آکر حملہ کر دیا، مسلمان بےفکر تھے، اِس اچانک بےخبری کے حملہ سے مغلوب[13] ہوگئے اور دونوں طرف سے کافروں کے بیچ میں آگئے، جس کی وجہ سے اِدھر اُدھر پریشان بھاگ رہے تھے، حضرت اَنَس رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ

حل لغات: (۱) حکم پورا کروں۔ (۲) پسند۔ (۳) بندگی۔ (۴) نام لینے والا۔ (۵) فرمانبردار۔ (۶) رنج۔ (۷) بُرا بھلا کہنا۔ (۸) بہت بڑی۔ (۹) شروع شروع میں۔ (۱۰) ہار۔ (۱۱) ڈر۔ (۱۲) جہاد میں حاصل ہونے والا۔ (۱۳) دباؤ میں آنا۔

سامنے سے ایک دوسرے صحابی سَعد بن مُعاذ رضی اللہ عنہ آرہے ہیں۔ اُن سے کہا کہ: اے سعد! کہاں جارہے ہو؟ خدا کی قسم! جنت کی خوشبو اُحد کے پہاڑ سے آرہی ہے۔ یہ کہہ کر تلوار تو ہاتھ میں تھی ہی کافروں کے ہُجوم[1] میں گُھس گئے اور اتنے شہید نہیں ہوگئے؛ واپس نہیں ہوئے، شہادت کے بعد ان کے بدن کو دیکھا تو چھلنی ہو گیا تھا، اَسّی ۸۰ سے زیادہ زخم تیر اور تلوار کے بدن پر تھے، ان کی بہن نے انگلیوں کے پوروں سے ان کو پہچانا۔

فائدہ: جو لوگ اخلاص اور سچی طلب کے ساتھ اللہ کے کام میں لگ جاتے ہیں، ان کو دنیا ہی میں جنت کا مزہ آنے لگتا ہے۔ یہ حضرت اَنَس رضی اللہ عنہ زندگی ہی میں جنت کی خوشبو سونگھ رہے تھے، اگر اخلاص آدمی میں ہو جاوے، تو دنیا میں بھی جنت کا مزہ آنے لگتا ہے۔ میں نے ایک مُعتبر[2] شخص سے جو حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ کے مُخلِص خادم ہیں؛ حضرت کا مقولہ سنا ہے کہ "جنت کا مزہ آرہا ہے"۔ فضائلِ رمضان میں اِس قِصّہ کو لکھ چکا ہوں۔

③ صُلحِ حُدَیبِیَہ اور ابو جَندَل رضی اللہ عنہ اور ابو بَصِیر رضی اللہ عنہ کا قصہ

۶ھ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے ارادہ سے مکہ تشریف لے جارہے تھے، کفّارِ مکہ کو اِس کی خبر ہوئی اور وہ اس خبر کو اپنی ذلت[3] سمجھے، اِس لیے مُزاحَمت[4] کی اور حدیبیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رُکنا پڑا، جاں نِثار[5] صحابہ رضی اللہ عنہم ساتھ تھے، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جان قربان کرنا فخر سمجھتے تھے، لڑنے کو تیار ہوگئے؛ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کی خَاطر[6] سے لڑنے کا ارادہ نہیں فرمایا، اور صلح کی کوشش کی اور باوجود صحابہ رضی اللہ عنہم کی لڑائی پر مُستعِدّی[7] اور بہادری کے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی اِس قدر رعایت فرمائی کہ اُن کی ہر شرط کو قبول فرمالیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اِس طرح دَب کر صلح کرنا بہت ہی ناگوار[8] تھا؛ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے سامنے کیا ہو سکتا تھا کہ جاں نثار تھے اور فرماں بردار، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے بہادروں کو بھی دبنا پڑا۔ صلح میں جو شرطیں طے ہوئیں، ان شرطوں میں ایک یہ شرط بھی تھی کہ کافروں میں سے جو شخص اسلام لائے اور ہجرت کرے، مسلمان اُس کو مکہ واپس کردیں اور مسلمانوں میں سے خدانخواستہ[9] اگر کوئی شخص مرتَد[10] ہو کر چلا آئے، تو وہ واپس نہ کیا جائے۔ یہ صُلحَ نامَہ[11] ابھی تک پورا لکھا بھی نہیں گیا تھا کہ حضرت ابو جَندَل رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے، جو اسلام لانے کی وجہ سے طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کر رہے تھے اور زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے، اِسی حالت میں گرتے پڑتے مسلمانوں کے لشکر میں اِس اُمید پر پہونچے کہ اُن لوگوں کی حمایت[12] میں جاکر اِس مصیبت سے چھٹکارا پاؤں گا، اُن کے باپ سہیل نے جو اِس صلح نامہ میں کفار کی طرف سے وکیل تھے اور اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، فتح مکہ میں مسلمان ہوئے؛ انہوں نے

حل لغات: (۱) بھیڑ۔ (۲) بھروسے کے قابل۔ (۳) بے عزتی۔ (۴) روکا۔ (۵) جان قربان کرنے والے۔ (۶) خیال۔ (۷) تیاری۔ (۸) ناپسند۔ (۹) خدا نہ کرے۔ (۱۰) اسلام چھوڑ کر۔ (۱۱) آپسی فیصلہ کا مضمون۔ (۱۲) پناہ۔

صاحبزادے[1] کے طمانچے مارے اور واپس لے جانے پر اصرار[2] کیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی صُلح نامہ مُرتّب[3] بھی نہیں ہوا، اِس لیے ابھی پابندی کس بات کی؟ مگر انہوں نے اصرار کیا، پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی مجھے مانگا ہی دے دو؛ مگر وہ لوگ ضد پر تھے، نہ مانا۔ ابو جُندَل رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو پکار کر فریاد[4] بھی کی کہ میں مسلمان ہو کر آیا اور کتنی مصیبتیں اٹھا چکا، اب واپس کیا جارہا ہوں۔ اس وقت مسلمانوں کے دلوں پر جو گذر رہی ہوگی، اللہ ہی کو معلوم ہے؛ مگر حضور ﷺ کے ارشاد سے واپس ہوئے۔ حضور ﷺ نے تسلّی فرمائی اور صبر کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ عنقریب[5] حق تعالیٰ شانہٗ تمہارے لیے راستہ نکالیں گے۔ صلح نامہ کے مکمل ہوجانے کے بعد ایک دوسرے صحابی اَبُوبَصِیر رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو کر مدینہ منورہ پہونچے، کفار نے ان کو واپس بلانے کے لیے دو آدمی بھیجے، حضور اقدس ﷺ نے حسبِ[6] وعدہ واپس فرمادیا۔ اَبُوبَصِیر رضی اللہ عنہ نے عرض بھی کیا کہ یارسول اللہ! میں مسلمان ہو کر آیا، آپ مجھے کفار کے پنجہ[7] میں پھر بھیجتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ان سے بھی صبر کرنے کو ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ اِن شاء اللہ عنقریب تمہارے واسطے راستہ کھلے گا۔ یہ صحابی اُن دونوں کافروں کے ساتھ واپس ہوئے۔ راستہ میں اُن میں سے ایک سے کہنے لگے کہ یار! تیری یہ تلوار تو بڑی نفیس[8] معلوم ہوتی ہے، شیخی باز[9] آدمی ذرا سی بات میں پھول ہی جاتا ہے، وہ نیام سے نکال کر کہنے لگا کہ ہاں! میں نے بہت سے لوگوں پر اِس کا تجربہ کیا، یہ کہہ کر تلوار اُن کے حوالہ کردی، اُنہوں نے اُسی پر اُس کا تجربہ کیا۔ دوسرا ساتھی یہ دیکھ کر کہ ایک کو تو نمٹا[10] دیا، اب میرا نمبر ہے، بھاگا ہوا مدینہ آیا اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ساتھی مرچکا ہے، اب میرا نمبر ہے۔ اُس کے بعد ابو بَصِیر رضی اللہ عنہ پہونچے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ اپنا وعدہ پورا فرماچکے کہ مجھے واپس کردیا اور مجھ سے کوئی عہد[11] ان لوگوں کا نہیں ہے، جس کی ذمہ داری ہو، وہ مجھے میرے دین سے ہٹاتے ہیں، اِس لیے میں نے یہ کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ لڑائی بھڑکانے والا ہے، کاش کوئی اس کا مُعِین، مددگار ہوتا۔ وہ اِس کلام سے سمجھ گئے کہ اب بھی اگر کوئی میری طلب[12] میں آئے گا تو میں واپس کردیا جاؤں گا، اس لیے وہ وہاں سے چل کر سمندر کے کنارے ایک جگہ آپڑے۔ مکہ والوں کو اِس قِصَّہ کا حال معلوم ہوا تو ابو جُندَل رضی اللہ عنہ بھی (جن کا قصہ پہلے گذرا) چھپ کر وہیں پہونچ گئے، اِسی طرح جو شخص مسلمان ہوتا، وہ ان کے ساتھ جا ملتا۔ چند روز میں یہ ایک مختصر سی جماعت ہوگئی۔ جنگل میں جہاں نہ کھانے کا کوئی انتظام، نہ وہاں باغات اور آبادیاں، اِس لیے اُن لوگوں پر جو گذری ہوگی وہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے؛ مگر جن ظالموں کے ظلم سے پریشان ہو کر یہ لوگ بھاگتے تھے، اُن کا ناطِقہ[13] بند کردیا۔ جو قافلہ ادھر کو جاتا اس سے مقابلہ کرتے اور لڑتے،

حل لغات: (۱) بیٹے۔ (۲) ضد۔ (۳) تیار۔ (۴) ظلم وزیادتی کی شکایت۔ (۵) جلد ہی۔ (۶) وعدہ کے مطابق۔ (۷) قبضہ۔ (۸) بہترین۔ (۹) اِترانے والا۔ (۱۰) ختم کردیا۔ (۱۱) وعدہ۔ (۱۲) تلاش۔ (۱۳) تنگ کردیا۔

حتیٰ کہ کفّارِ مکہ نے پریشان ہوکر حضور ﷺ کی خدمت میں عاجزی اور مِنّت کر کے اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر آدمی بھیجا کہ اس بے سَرِی[1] جماعت کو آپ اپنے پاس بلالیں کہ یہ معاہدہ[2] میں تو داخل ہو جائیں اور ہمارے لیے آنے جانے کا راستہ کُھلے۔ لکھا ہے کہ حضور ﷺ کا اجازت[3] نامہ جب ان حضرات کے پاس پہونچا، تو ابوبَصِیر رضی اللہ عنہ مَرَضُ الموت[4] میں گرفتار تھے۔ حضور ﷺ کا والا[5] نامہ ہاتھ میں تھا کہ اسی حالت میں انتقال فرمایا۔ (رضی اللہ عنہ وارضاہ)　　[بخاری وفتح]

فائدہ: آدمی اگر اپنے دین پر پکّا ہو، بشرطیکہ دین بھی سچا ہو، تو بڑی سے بڑی طاقت اُس کو نہیں ہٹا سکتی اور مسلمان کی مدد کا تو اللہ کا وعدہ ہے، بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔

④ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا اسلام اور مَصَائِب[6]

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، جو مسجد نبوی کے ہمیشہ مؤذن رہے، شروع میں ایک کافر کے غلام تھے، اسلام لے آئے، جس کی وجہ سے طرح طرح کی تکلیفیں دیے جاتے تھے، اُمَیّہ بن خَلَف جو مسلمانوں کا سخت دشمن تھا، ان کو سخت گرمی میں دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر سیدھا لٹا کر ان کے سینہ پر پتھر کی بڑی چٹان رکھ دیتا تھا، تاکہ وہ حرکت نہ کرسکیں؛ اور کہتا تھا کہ یا اس حال میں مر جائیں، اور زندگی چاہیں تو اسلام سے ہٹ جائیں، مگر وہ اس حالت میں بھی اَحَدٌ اَحَدٌ کہتے تھے، یعنی معبود[7] ایک ہی ہے۔ رات کو زنجیروں میں باندھ کر کوڑے لگائے جاتے اور اگلے دن ان زخموں کو گرم زمین پر ڈال کر اور زیادہ زخمی کیا جاتا؛ تاکہ بے قرار[8] ہوکر اسلام سے پھر جاویں یا تڑپ تڑپ کر مر جائیں، عذاب دینے والے اُکتا[9] جاتے، کبھی ابوجہل کا نمبر آتا، کبھی اُمَیَّہ بن خَلَف کا، کبھی اوروں کا اور ہر شخص اس کی کوشش کرتا کہ تکلیف دینے میں زور ختم کر دے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس حالت میں دیکھا تو ان کو خرید کر آزاد فرمایا۔

فائدہ: چوں کہ عرب کے بُت پرست[10] اپنے بتوں کو بھی معبود کہتے تھے، اس لیے ان کے مقابلہ میں اسلام کی تعلیم توحید[11] کی تھی، جس کی وجہ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبان پر ایک ہی ایک کا وِرد[12] تھا۔ یہ تعلق اور عشق کی بات ہے، ہم جھوٹی محبتوں میں دیکھتے ہیں کہ جس سے محبت ہو جاتی ہے، اس کا نام لینے میں لطف آتا ہے، بے فائدہ اس کو رَٹا جاتا ہے تو اللہ کی محبت کا کیا کہنا، جو دین اور دنیا میں دونوں جگہ کام آنے والی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ہر طرح سے ستایا جاتا تھا، سخت سے سخت تکلیفیں پہونچائی جاتی تھیں، مکہ کے لڑکوں کے حوالے کر دیا جاتا کہ وہ ان کو گلی کوچوں میں چکر دیتے پھریں؛ اور یہ تھے کہ "ایک ہی ایک ہے"

حل لغات: (۱) سرکش، نافرمان۔ (۲) آپسی وعدہ۔ (۳) اجازت کا خط۔ (۴) وہ مرض جس میں مبتلا ہوکر آدمی مر جائے۔ (۵) خط۔ (۶) تکلیفیں۔ (۷) جس کی عبادت کی جائے۔ (۸) بے چین۔ (۹) تنگ آجاتے۔ (۱۰) بتوں کو پوجنے والے۔ (۱۱) اللہ کو ایک ماننا۔ (۱۲) وظیفہ۔

کی رَٹ لگاتے تھے، اسی کا یہ صِلہ[1] ملا کہ پھر حضور ﷺ کے دربار میں مؤذن بنے؛ اور سفر حضر[2] میں ہمیشہ اذان کی خدمت ان کے سپرد ہوتی۔ حضور ﷺ کے وصال[3] کے بعد مدینہ طیبہ میں رہنا اور حضور ﷺ کی جگہ کو خالی دیکھنا مشکل ہوگیا، اس لیے ارادہ کیا کہ اپنی زندگی کے جتنے دن ہیں، جہاد میں گذار دوں، اس لیے جہاد میں شرکت کی نیت سے چل دیے، ایک عرصہ تک مدینہ منورہ لوٹ کر نہیں آئے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''بلال! یہ کیا ظلم ہے، ہمارے پاس کبھی نہیں آتے'' تو آنکھ کُھلنے پر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ حضرت حسن، حسین رضی اللہ عنہما نے اذان کی فرمائش[4] کی، لاڈلوں کی درخواست ایسی نہیں تھی کہ انکار کی گنجائش ہوتی، اذان کہنا شروع کی؛ اور مدینہ میں حضور ﷺ کے زمانہ کی اذان کانوں میں پڑ کر کُہرام[5] مچ گیا۔ عورتیں تک روتی ہوئی گھر سے نکل پڑیں۔ چند روز قیام کے بعد واپس ہوئے؛ اور ۲۰ھ کے قریب دمشق میں وصال ہوا۔　[اُسد الغابہ]

⑤ حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ عنہ کا اسلام

حضرت اَبوذر غِفارِی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، جو بعد میں بڑے زاہدوں[6] اور بڑے علماء میں سے ہوئے۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے کہ ابوذر ایسے علم کو حاصل کیے ہوئے ہیں، جس سے لوگ عاجز ہیں، مگر انھوں نے اس کو محفوظ کر رکھا ہے۔ جب ان کو حضورِ اقدس ﷺ کی نبوت کی پہلے پہل خبر پہونچی، تو انھوں نے اپنے بھائی کو حالات کی تحقیق کے واسطے مکہ بھیجا کہ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میرے پاس وحی آتی ہے اور آسمان کی خبریں آتی ہیں، اس کے حالات معلوم کریں اور اس کے کلام کو غور سے سنیں۔ وہ مکہ مکرمہ آئے اور حالات معلوم کرنے کے بعد اپنے بھائی سے جا کر کہا کہ میں نے ان کو اچھی عادتوں اور عمدہ اخلاق کا حکم کرتے دیکھا اور ایک ایسا کلام سنا جو نہ شعر ہے، نہ کاہنوں[7] کا کلام ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کو اس مُجمَل[8] بات سے تَشفّی[9] نہ ہوئی، تو خود سامانِ سفر کیا اور مکہ پہونچے اور سیدھے مسجد حرام میں گئے، حضور ﷺ کو پہچانتے نہیں تھے اور کسی سے پوچھنا مَصلحت[10] کے خلاف سمجھا، شام تک اسی حال میں رہے۔ شام کو حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ نے دیکھا کہ ایک پردیسی مُسافر ہے، مُسافروں کی، غریبوں کی، پردیسیوں کی خبر گیری[11]، ان کی ضرورتوں کا پورا کرنا، اِن حضرات کی گُھٹی[12] میں پڑا ہوا تھا۔ اس لیے ان کو اپنے گھر لے آئے، میزبانی فرمائی، لیکن اس کے پوچھنے کی کچھ ضرورت نہ سمجھی کہ کون ہو، کیوں آئے۔ مسافر نے بھی کچھ ظاہر نہ کیا۔ صبح کو پھر مسجد میں آ گئے اور دن بھر اسی حال میں گذرا کہ خود پتہ نہ چلا اور دریافت[13] کسی سے کیا نہیں، غالباً اس کی وجہ یہ ہوگی کہ حضور ﷺ کے ساتھ دشمنی کے قصّے بہت مشہور تھے، آپ ﷺ کو اور آپ کے ملنے والوں کو ہر طرح کی

حل لغات: ① بدلہ۔ ② قیام، ٹھہرنا۔ ③ انتقال۔ ④ خواہش ظاہر کرنا۔ ⑤ چیخ و پکار۔ ⑥ دنیا سے بے رغبت لوگوں۔ ⑦ غیب کی خبریں بتانے والے۔ ⑧ مختصر۔ ⑨ تسلی۔ ⑩ عقلمندی۔ ⑪ دیکھ بھال۔ ⑫ عادت۔ ⑬ پوچھنا۔

تکلیفیں دی جاتی تھیں، ان کو خیال ہوا کہ صحیح حال معلوم نہیں ہوگا اور بدگمانی[1] کی وجہ سے مفت کی تکلیف علیحدہ رہی۔ دوسرے دن شام کو بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خیال ہوا کہ پردیسی مسافر ہے، بظاہر جس غرض کے لیے آیا ہے، وہ پوری نہیں ہوئی، اس لیے پھر اپنے گھر لے آئے اور رات کو کھلایا سلایا، مگر پوچھنے کی اس رات کو بھی نوبت[2] نہ آئی۔ تیسری رات کو پھر یہی صورت ہوئی، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: تم کس کام سے آئے ہو، کیا غرض ہے؟ تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اوّل ان کو قسم اور عہد و پیمان[3] دیے اس بات کے کہ وہ صحیح بتائیں، اس کے بعد اپنی غرض بتلائی۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ نے فرمایا: کہ وہ بے شک اللہ کے رسول ہیں اور صبح کو جب میں جاؤں، تو تم میرے ساتھ چلنا، میں وہاں تک پہونچا دوں گا، لیکن مخالفت[4] کا زور ہے اس لیے راستہ میں اگر مجھے کوئی شخص ایسا ملا، جس سے میرے ساتھ چلنے کی وجہ سے تم پر کوئی اندیشہ[5] ہو، تو میں پیشاب کرنے لگوں گا یا اپنا جوتا درست کرنے لگوں گا، تم سیدھے چلے چلنا، میرے ساتھ ٹھہرنا نہیں، جس کی وجہ سے تمہارا میرا ساتھ ہونا معلوم نہ ہو۔ چنانچہ صبح کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے پیچھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچے، وہاں جا کر بات چیت ہوئی، اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تکلیف کے خیال سے فرمایا کہ اپنے اسلام کو ابھی ظاہر نہ کرنا، چپکے سے اپنی قوم میں چلے جاؤ، جب ہمارا غلبہ[6] ہو جائے، اس وقت چلے آنا۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم، جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس کلمۂ توحید کو ان بے ایمانوں کے بیچ میں چلا کر پڑھوں گا؛ چنانچہ اسی وقت مسجد حرام میں تشریف لے گئے اور بلند آواز سے ''أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ'' پڑھا۔ پھر کیا تھا؛ چاروں طرف سے لوگ اُٹھے اور اس قدر مارا کہ زخمی کر دیا، مرنے کے قریب ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو اس وقت تک مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے، ان کے اُوپر بچانے کے لیے لیٹ گئے اور لوگوں سے کہا کہ کیا ظلم کرتے ہو، یہ شخص قبیلۂ غفار کا ہے اور یہ قبیلہ ملک شام کے راستہ میں پڑتا ہے، تمہاری تجارت وغیرہ سب ملکِ شام کے ساتھ ہے، اگر یہ مر گیا تو شام کا آنا جانا بند ہو جائے گا۔ اس پر اُن لوگوں کو بھی خیال ہوا کہ ملکِ شام سے ساری ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، وہاں کا راستہ بند ہو جانا مصیبت ہے، اس لیے ان کو چھوڑ دیا۔ دوسرے دن پھر اسی طرح انہوں نے جا کر بآوازِ بلند کلمہ پڑھا اور لوگ اس کلمہ کو سننے کی تاب[7] نہ لا سکتے تھے، اس لیے ان پر ٹُوٹ پڑے۔ دوسرے دن بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسی طرح ان کو سمجھا کر ہٹایا کہ تمہاری تجارت کا راستہ بند ہو جائے گا۔

فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے باوجود کہ ''اپنے اسلام کو چھپاؤ''، ان کا یہ فعل حق کے اظہار[8] کا ولولہ[9]

حل لغات: (۱) غلط خیال۔ (۲) وقت نہ ملا۔ (۳) وعدہ اور اقرار۔ (۴) دشمنی۔ (۵) ڈر۔ (۶) کثرت۔ (۷) برداشت نہ کر سکے۔ (۸) ظاہر کرنا۔ (۹) جوش۔

اور غلبہ تھا کہ جب یہ دین حق ہے، تو کسی کے باپ کا کیا اِجارہ[1] ہے، جس سے ڈر کر چھپایا جائے اور حضور ﷺ کا منع فرمانا شَفْقَتْ کی وجہ سے تھا کہ ممکن ہے تکالیف کا تحمل[2] نہ ہو۔ ورنہ حضور ﷺ کے حکم کے خلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ مجال[3] ہی نہ تھی، چناں چہ اس کا کچھ نمونہ مستقل باب میں آرہا ہے۔ چوں کہ حضورِ اقدس ﷺ خود ہی دین کے پھیلانے میں ہر قسم کی تکلیفیں برداشت فرمارہے تھے، اس لیے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے سہولت پر عمل کے بجائے حضور ﷺ کے اتباع کو ترجیح[4] دی۔ یہی ایک چیز تھی کہ جس کی وجہ سے ہر قسم کی ترقی دینی اور دنیوی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے قدم چوم رہی تھی اور ہر میدان اُن کے قبضہ میں تھا کہ جو شخص بھی ایک مرتبہ کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام کے جھنڈے کے نیچے آجاتا تھا، بڑی سے بڑی قوت بھی اس کو روک نہ سکتی تھی اور نہ بڑے سے بڑا ظلم اس کو دین کی اِشاعت[5] سے ہٹا سکتا تھا۔

⑥ حضرت خَبَّاب بن الارَتّ رضی اللہ عنہ کی تکلیفیں

حضرت خَبَّاب بن الارَتّ رضی اللہ عنہ بھی انہی مبارک ہستیوں[6] میں ہیں، جنہوں نے امتحان[7] کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا تھا اور اللہ کے راستہ میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کیں۔ شروع ہی میں پانچ، چھ آدمیوں کے بعد مسلمان ہوگئے تھے، اس لیے بہت زمانہ تک تکلیفیں اٹھائیں، لوہے کی زِرہ[8] پہنا کر ان کو دھوپ میں ڈال دیا جاتا، جس سے گرمی اور تپش کی وجہ سے پسینوں پر پسینے بہتے رہتے تھے۔ اکثر اوقات بالکل سیدھا گرم ریت پر لٹا دیا جاتا، جس کی وجہ سے کمر کا گوشت تک گل کر گر گیا تھا۔ یہ ایک عورت کے غلام تھے، اُس کو خبر پہونچی کہ یہ حضورِ اقدس ﷺ سے ملتے ہیں، تو اُس کی سزا میں لوہے کو گرم کر کے ان کے سر کو اس سے داغ دیتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عرصہ[9] کے بعد اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت خبَّاب رضی اللہ عنہ سے اُن تکالیف کی تفصیل پوچھی، جو ان کو پہونچائی گئیں۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ میری کمر دیکھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کمر دیکھ کر فرمایا کہ ایسی کمر تو کسی کی دیکھی ہی نہیں، انہوں نے عرض کیا کہ مجھے آگ کے انگاروں پر ڈال کر گھسیٹا گیا، میری کمر کی چربی اور خون سے وہ آگ بجھی۔ ان حالات کے باوجود جب اسلام کو ترقی ہوئی اور فتوحات[10] کا دروازہ کھلا، تو اس پر رویا کرتے تھے کہ خدانخواستہ[11] ہماری تکلیف کا بدلہ کہیں دنیا ہی میں تو نہیں مل گیا۔ حضرت خبَّاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ نے خلافِ عادت بہت ہی لمبی نماز پڑھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے متعلق عرض کیا: تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ رغبت وڈر کی نماز تھی، میں نے اس میں اللہ تعالیٰ سے تین[3] دعائیں کی تھیں، دو[2] اُن میں سے قبول ہوئیں اور ایک[1] کو انکار فرما دیا۔ میں نے یہ دعا کی کہ میری ساری اُمت قحط سے ہلاک نہ ہو جائے، یہ قبول ہوگئی۔

حل لغات: ① اختیار۔ ② صبر، برداشت۔ ③ ہمت۔ ④ بہتر سمجھنا۔ ⑤ پھیلانا۔ ⑥ شخصیتوں۔ ⑦ آزمائش۔ ⑧ لوہے کا لباس جو لڑائی میں پہنا جاتا ہے۔ ⑨ بہت دنوں۔ ⑩ کامیابیوں۔ ⑪ خدا نہ کرے۔

دوسری یہ دعا کی کہ ان پر کوئی ایسا دشمن مُسَلَّط[1] نہ ہو، جوان کو بالکل مٹادے، یہ بھی قبول ہوگئی۔ تیسری یہ دعا کی کہ ان میں آپس میں لڑائی جھگڑے نہ ہوں، یہ بات منظور نہیں ہوئی۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا انتقال ۳۷ھ میں ہوا اور کوفہ میں سب سے پہلے صحابی یہی دفن ہوئے۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کا گذر ان کی قبر پر ہوا، تو ارشاد فرمایا: اللہ خبَّاب پر رحم فرمائیں، اپنی رغبت سے مسلمان ہوا اور خوشی سے ہجرت کی اور جہاد میں زندگی گذار دی اور مصیبتیں برداشت کیں۔ مبارک ہے وہ شخص جو قیامت کو یاد رکھے اور حساب کتاب کی تیاری کرے اور گذارہ[2] کے قابل مال پر قناعت[3] کرے اور اپنے مولیٰ کو راضی کرلے۔ [اُسد الغابہ]

فائدہ: حقیقت میں مولیٰ کو راضی کرلینا اُن ہی لوگوں کا حصہ تھا کہ اُن کی زندگی کا ہر کام مولیٰ ہی کی رضا کے واسطے تھا۔

⑦ حضرت عمّار رضی اللہ عنہ اور ان کے والدین کا ذکر

حضرت عمّار رضی اللہ عنہ اور ان کے ماں باپ کو بھی سخت سے سخت تکلیفیں پہونچائی گئیں، مکہ کی سخت گرم اور ریتلی زمین میں ان کو عذاب دیا جاتا اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرف گذر ہوتا، تو صبر کی تلقین[4] فرماتے اور جنت کی بشارت[5] فرماتے، آخر ان کے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اسی حالتِ تکلیف میں وفات پاگئے، کہ ظالموں نے مرنے تک چین نہ لینے دیا اور ان کی والدہ حضرت سُمَیہ رضی اللہ عنہا کی شرمگاہ میں ابوجہل مَلعُون[6] نے ایک بَرچھا[7] مارا، جس سے وہ شہید ہوگئیں، مگر اسلام سے نہ ہٹیں، حالاں کہ بوڑھی تھیں، ضعیف تھیں؛ مگر اس بدنصیب نے کسی چیز کا بھی خیال نہیں کیا۔ اسلام میں سب سے پہلی شہادت ان کی ہے؛ اور اسلام میں سب سے پہلی مسجد حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی بنائی ہوئی ہے۔ جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرماکر مدینہ تشریف لے گئے، تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک مکان سایہ کا بنانا چاہیے، جس میں تشریف رکھا کریں، دوپہر کو آرام فرمالیا کریں اور نماز بھی سایہ میں پڑھ سکیں، تو قُبا میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اول پتھر جمع کیے اور پھر مسجد بنائی۔ لڑائی میں نہایت جوش سے شریک ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ مزے میں آکر کہنے لگے کہ اب جاکر دوستوں سے ملیں گے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت سے ملیں گے۔ اتنے میں پیاس لگی اور پانی کسی سے مانگا، اس نے دودھ سامنے کیا، اس کو پیا اور پی کر کہنے لگے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ تُو دنیا میں سب سے آخری چیز دودھ پیے گا، اس کے بعد شہید ہوگئے۔ اس وقت چورانوے (۹۴) برس کی عمر تھی۔ بعض نے ایک آدھ سال کم بتلائی ہے۔ [اُسد الغابہ]

⑧ حضرت صُہَیب رضی اللہ عنہ کا اسلام

حضرت صُہَیب رضی اللہ عنہ بھی حضرت عمّار رضی اللہ عنہ ہی کے ساتھ مسلمان ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اَرْقم صحابی رضی اللہ عنہ کے مکان پر

حل لغات: ① سوار۔ ② کام چلانا۔ ③ تھوڑے پر خوش رہنا۔ ④ تعلیم۔ ⑤ خوش خبری۔ ⑥ مردود۔ ⑦ نیزہ، بھالا۔

تشریف فرماتھے کہ یہ دونوں حضرات علیحدہ[1] علیحدہ حاضرِ خدمت ہوئے اور مکان کے دروازہ پر دونوں اتفاقیہ[2] اِکٹھے ہوگئے۔ ہرایک نے دوسرے کی غرض[3] معلوم کی، توایک ہی غرض یعنی اسلام لانا اورحضور ﷺ کے فیض سے مُستفید[4] ہونا دونوں کا مقصود[5] تھا۔ اسلام لائے اوراسلام لانے کے بعد جواُس زمانہ میں اس قلیل[6] اور کمزور جماعت کوپیش آنا تھا، وہ پیش آیا۔ ہرطرح سے ستائے گئے، تکلیفیں پہونچائی گئیں۔ آخر تنگ آکر ہجرت کاارادہ فرمایا،تو کافروں کو یہ چیز بھی گوارا[7] نہ تھی کہ یہ لوگ کسی دوسری ہی جگہ جاکرآرام سے زندگی بسر کرلیں،اس لیے جس کسی کی ہجرت کا حال معلوم ہوجاتا تھا،اس کوپکڑنے کی کوشش کرتے تھے کہ تکالیف سے نجات نہ پاسکے۔ چنانچہ ان کا بھی پیچھا کیا گیا اورایک جماعت ان کوپکڑنے کے لیے گئی، انہوں نے اپنا تَرکش[8] سنبھالا،جس میں تیر تھے؛ اوران لوگوں سے کہا: دیکھو تمہیں معلوم ہے کہ میں تم سب سے زیادہ تیرانداز ہوں، اتنے ایک بھی تیر میرے پاس باقی رہے گا،تم لوگ مجھ تک نہیں آسکوگے اورجب ایک بھی تیر نہ رہے گا،تو میں اپنی تلوار سے مقابلہ کروں گا، یہاں تک کہ تلوار بھی میرے ہاتھ میں نہ رہے؛ اس کے بعد جوتم سے ہوسکے کرنا، اس لیے اگرتم چاہو،تو اپنی جان کے بدلہ میں اپنے مال کا پتہ بتلاسکتا ہوں، جومکہ میں ہےاوردوباندیاں بھی ہیں، وہ سب تم لےلو۔ اس پروہ لوگ راضی ہوگئے اوراپنا مال دے کرجان چھڑائی، اسی بارہ میں آیت پاک ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۲۰۷﴾ [سورۂ بقرہ] نازل ہوئی [درمنثور]۔ ترجمہ: بعض لوگ ایسے ہیں، جواللہ کی رضا کے واسطے اپنی جان کوخرید لیتے ہیں اوراللہ تعالیٰ بندوں پرمہربان ہیں۔ حضور ﷺ اس وقت قبا میں تشریف فرماتھے،صورت دیکھ کرارشادفرمایا کہ نفع کی تجارت کی۔ صُہیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضوراقدس ﷺ اس وقت کھجور نوش[9] فرمارہے تھےاورمیری آنکھ دُکھ رہی تھی، میں بھی ساتھ کھانے لگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آنکھ تو دُکھ رہی ہے اور کھجوریں کھاتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ حضور! اُس آنکھ کی طرف سے کھاتا ہوں، جوتندرُست[10] ہے۔ حضور ﷺ یہ جواب سن کرہنس پڑے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بڑے ہی خرچ کرنے والے تھے، حتّٰی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ تم فضول خرچی کرتے ہو، انہوں نے عرض کیا کہ ناحق کہیں خرچ نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جب وصال[11] ہونے لگا،تو ان ہی کو جنازہ کی نمازپڑھانے کی وصیت فرمائی تھی۔ [اُسدالغابہ]

⑨ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کے پاک نام پرآج مسلمانوں کوفخر[12] ہےاورجن کے جوشِ ایمانی سے آج تیرہ سو (۱۳۰۰) برس بعد تک کافروں کے دل میں خوف ہے۔

حل لغات: ① الگ الگ۔ ② اچانک۔ ③ مقصد۔ ④ فائدہ حاصل کرنا۔ ⑤ مقصد۔ ⑥ چھوٹی۔ ⑦ پسند۔ ⑧ تیر رکھنے کا تھیلا۔ ⑨ کھارہے تھے۔ ⑩ صحیح۔ ⑪ انتقال۔ ⑫ ناز۔

اسلام لانے سے قبل مسلمانوں کے مقابلہ اور تکلیف پہونچانے میں بھی ممتاز[1] تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے قتل کے درپے[2] رہتے تھے۔ ایک روز کفار نے مشورہ کی کمیٹی قائم کی کہ کوئی ہے، جو (نعوذ باللہ) محمد کو قتل کر دے؟ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں کروں گا، لوگوں نے کہا کہ بے شک تمہیں کر سکتے ہو، عمر رضی اللہ عنہ تلوار لٹکائے ہوئے اُٹھے اور چل دیے، اسی فکر میں جا رہے تھے کہ ایک صاحب قبیلۂ زہرہ کے؛ جن کا نام حضرت سعد ابن اَبی وقاص رضی اللہ عنہ ہے اور بعضوں نے اور صاحب لکھے ہیں، ملے۔ انہوں نے پوچھا کہ عمر کہاں جا رہے ہو؟ کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) کے قتل کے فکر میں ہوں (نعوذ باللہ)۔ سعد نے کہا کہ بنو ہاشم اور بنو زہرہ اور بنو عبد مناف سے کیسے مطمئن ہو گئے، وہ تم کو بدلہ میں قتل کر دیں گے، اس جواب پر بگڑ گئے اور کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے، تُو بھی بے دین (یعنی مسلمان) ہو گیا، لا پہلے تجھی کو نمٹا دوں، یہ کہہ کر تلوار سونت[3] لی اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بھی یہ کہہ کر کہ ہاں! میں مسلمان ہو گیا ہوں، تلوار سنبھالی، دونوں طرف سے تلوار چلنے کو تھی کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی تو خبر لے، تیری بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ غصہ سے بھر گئے اور سیدھے بہن کے گھر گئے۔ وہاں حضرت خبّاب رضی اللہ عنہ جن کا ذکر نمبر چھ (۶) پر گذرا، کواڑ بند کیے ہوئے ان دونوں میاں بیوی کو قرآن شریف پڑھا رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کواڑ کھلوائے، ان کی آواز سے حضرت خباب رضی اللہ عنہ تو جلدی سے اندر چھپ گئے اور وہ صحیفہ[4] بھی جلدی میں باہر ہی رہ گیا؛ جس پر آیاتِ قرآنی لکھی ہوئی تھیں، ہمشیرہ[5] نے کواڑ[6] کھولے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی، جس کو بہن کے سر پر مارا، جس سے سر سے خون بہنے لگا اور کہا کہ اپنی جان کی دشمن! تُو بھی بد دین ہو گئی، اس کے بعد گھر میں آئے اور پوچھا کہ کیا کر رہے تھے اور یہ آواز کس کی تھی؟ بہنوئی نے کہا کہ بات چیت کر رہے تھے، کہنے لگے: ''کیا تم نے اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لیا''؟ بہنوئی نے کہا کہ اگر دوسرا دین حق ہو، تب؟ یہ سننا تھا کہ ان کی داڑھی پکڑ کر کھینچی اور بے تحاشا[7] ٹوٹ پڑے اور زمین پر گرا کر خوب مارا، بہن نے چُھڑانے کی کوشش کی، تو اُن کے منہ پر ایک طمانچہ اس زور سے مارا کہ خون نکل آیا۔ وہ بھی آخر عمر ہی کی بہن تھیں، کہنے لگیں کہ عمر ہم کو اس وجہ سے مارا جاتا ہے کہ ہم مسلمان ہو گئے؟ بے شک ہم مسلمان ہو گئے ہیں، جو تجھ سے ہو سکے، تُو کر لے، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ اس صحیفہ پر پڑی جو جلدی میں باہر رہ گیا تھا؛ اور غصہ کا جوش بھی اس مار پیٹ سے کم ہو گیا تھا اور بہن کے اس طرح خون میں بھر جانے سے شرم سی بھی آ رہی تھی، کہنے لگے کہ اچھا مجھے دکھلاؤ، یہ کیا ہے؟ بہن نے کہا کہ تُو ناپاک ہے اور اس کو ناپاک ہاتھ نہیں لگا سکتے، ہر چند اصرار[8] کیا، مگر وہ بے وضو اور غسل کے دینے کو تیار نہ ہوئیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غسل کیا

حل لغات: (۱) مشہور۔ (۲) پیچھے لگے رہنا۔ (۳) قتل کا ارادہ کرنا۔ (۴) قرآن کا کچھ حصہ۔ (۵) بہن۔ (۶) دروازہ۔ (۷) بے سوچے سمجھے، اندھا دھند۔ (۸) بہت ضد کرنا۔

اور اس کو لے کر پڑھا، اس میں ''سورۂ طٰہٰ'' لکھی ہوئی تھی، اس کو پڑھنا شروع کیا اور ﴿ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ﴿۱۴﴾ ﴾ [سورۂ طٰہٰ] تک پڑھنا تھا کہ حالت ہی بدل گئی، کہنے لگے کہ اچھا مجھے بھی محمد ﷺ کی خدمت میں لے چلو، یہ الفاظ سن کر حضرت خباب رضی اللہ عنہ اندر سے نکلے اور کہا کہ اے عمر! تمہیں خوش خبری دیتا ہوں کہ کل شب پنج شنبہ[1] میں حضور اقدس ﷺ نے دعا مانگی تھی کہ یا اللہ! عمر اور ابوجہل میں جو تجھے زیادہ پسند ہو، اس سے اسلام کو قوت عطا فرما (یہ دونوں قوت میں مشہور تھے)۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی دُعا تمہارے حق میں قبول ہوگئی۔ اس کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جمعہ کی صبح کو مسلمان ہوئے۔ [خصائص] ان کا مسلمان ہونا تھا کہ کفار کے حوصلے پست[2] ہونا شروع ہوگئے، مگر پھر بھی یہ نہایت مختصر جماعت تھی اور وہ سارا مکہ بلکہ سارا عرب، اس لیے اور بھی جوش پیدا ہوا اور جلسے کر کے مشورہ کر کے ان حضرات کو ناپید[3] کرنے کی کوشش ہوتی تھی؛ اور طرح طرح کی تدبیریں[4] کی جاتی تھیں، تاہم[5] اتنا ضرور ہوا کہ مسلمان مکہ کی مسجد میں نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر کا اسلام لانا، مسلمانوں کی فتح تھی اور ان کی ہجرت مسلمانوں کی مدد تھی اور ان کی خلافت رحمت تھی۔ [اُسد الغابہ]

⑩ مسلمانوں کی حبشہ کی ہجرت اور شِعبِ اَبی طَالب میں قید ہونا

مسلمانوں کو اور ان کے سردار فخر دو عالم ﷺ کو جب کفار سے تکالیف پہونچتی ہی رہیں اور آئے دن اُن میں بجائے کمی کے اضافہ[6] ہی ہوتا رہا، تو حضور اکرم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کی اجازت فرمادی کہ وہ یہاں سے کسی دوسری جگہ چلے جائیں؛ تو بہت سے حضرات نے حبشہ کی ہجرت فرمائی۔ حبشہ کے بادشاہ اگرچہ نصرانی[7] تھے اور اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے، مگر ان کے رحم دل اور مُنصِف[8] مزاج ہونے کی شُہرت[9] تھی، چنانچہ نبوت کے پانچویں برس رجب کے مہینہ میں پہلی جماعت کے گیارہ[11] یا بارہ[12] مرد اور چار[4] یا پانچ[5] عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ مکّہ والوں نے ان کا پیچھا بھی کیا کہ یہ نہ جاسکیں، مگر یہ لوگ ہاتھ نہ آئے۔ وہاں پہونچ کر ان کو یہ خبر ملی کہ مکّہ والے سب مسلمان ہوگئے اور اسلام کو غلبہ ہوگیا، اس خبر سے یہ حضرات بہت خوش ہوئے اور اپنے وطن واپس آگئے، لیکن مکہ مکرمہ کے قریب پہونچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی اور مکہ والے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ دشمنی اور تکلیفیں پہونچانے میں مصروف[10] ہیں، تو بڑی دِقّت[11] ہوئی۔ ان میں سے بعض حضرات وہیں سے واپس ہوگئے اور بعض کسی کی پناہ لے کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ یہ حبشہ کی پہلی ہجرت کہلاتی ہے۔ اس کے بعد ایک بڑی جماعت نے جو تراسی[83] مرد اور اٹھارہ[18] عورتیں بتلائی جاتی ہیں، مُتفرِّق[12] طور پر ہجرت کی اور یہ حبشہ کی دوسری ہجرت کہلاتی ہے۔

حل لغات: ① جمعرات کی رات۔ ② گھٹنا، کم ہونا۔ ③ ختم۔ ④ اسکیمیں، کوششیں۔ ⑤ پھر بھی۔ ⑥ بڑھنا، زیادہ ہونا۔ ⑦ عیسائی۔ ⑧ انصاف پسند۔ ⑨ چرچا۔ ⑩ مشغول۔ ⑪ پریشانی۔ ⑫ الگ الگ۔

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے دونوں ہجرتیں کیں اور بعض نے ایک۔ کفار نے جب یہ دیکھا کہ یہ لوگ حبشہ میں چین کی زندگی بسر کرنے لگے، تو ان کو اور بھی غصہ آیا اور بہت سے تحفے تحائف لے کر نجاشی شاہِ حبشہ[1] کے پاس ایک وفد[2] بھیجا، جو بادشاہ کے لیے بھی بہت سے تحفے لے کر گیا اور اس کے خواص[3] اور پادریوں[4] کے لیے بھی بہت سے ہدیے لے کر گیا، جا کر اوّل پادریوں اور حُکّام سے ملا اور ہدیے دے کر اُن سے بادشاہ کے یہاں اپنی سِفارِش کا وعدہ لیا اور پھر بادشاہ کی خدمت میں یہ وفد حاضر ہوا۔ اوّل بادشاہ کو سجدہ کیا اور پھر تحفے پیش کر کے اپنی درخواست پیش کی اور رشوت خور[5] حُکّام نے تائید[6] کی۔ انہوں نے کہا کہ اے بادشاہ! ہماری قوم کے چند بے وقوف لڑکے اپنے قَدِیمی[7] دین کو چھوڑ کر ایک نئے دین میں داخل ہو گئے، جس کو نہ ہم جانتے ہیں، نہ آپ جانتے ہیں؛ اور آپ کے ملک میں آ کر رہنے لگے، ہم کو شُرفائے مکہ[8] نے اور اُن لوگوں کے باپ، چچا اور رشتہ داروں نے بھیجا ہے کہ ان کو واپس لائیں، آپ ان کو ہمارے سپرد کر دیں۔ بادشاہ نے کہا کہ جن لوگوں نے میری پناہ پکڑی ہے بغیر تحقیق[9] ان کو حوالہ نہیں کر سکتا، اول ان سے بُلا کر تحقیق کر لوں، اگر یہ صحیح ہوا تو حوالہ کر دوں گا؛ چنانچہ مسلمانوں کو بلایا گیا۔ مسلمان اول بہت پریشان ہوئے، کیا کریں؟ مگر اللہ کے فضل نے بہت مدد کی اور ہمت سے یہ طے کیا کہ چلنا چاہیے اور صاف بات کہنا چاہیے، بادشاہ کے یہاں پہونچ کر سلام کیا۔ کسی نے اعتراض کیا کہ تم نے بادشاہ کو آدابِ شاہی[10] کے موافق سجدہ نہیں کیا، ان لوگوں نے کہا کہ ہم کو ہمارے نبی ﷺ نے اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دی، اس کے بعد بادشاہ نے ان سے حالات دریافت[11] کیے، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور فرمایا کہ ہم لوگ جہالت میں پڑے ہوئے تھے، نہ اللہ کو جانتے تھے، نہ اس کے رسولوں سے واقف تھے، پتھروں کو پُوجتے تھے، مُردار کھاتے تھے، بُرے کام کرتے تھے، رشتہ ناتوں[12] کو توڑتے تھے، ہم میں کا قوی[13] ضعیف[14] کو ہلاک کر دیتا تھا، ہم اسی حال میں تھے کہ اللہ نے اپنا ایک رسول بھیجا، جس کے نسب کو، اس کی سچائی کو، اس کی امانت داری کو، پرہیز گاری کو ہم خوب جانتے ہیں، اس نے ہم کو ایک اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ[15] کی عبادت کی طرف بلایا اور پتھروں اور بتوں کے پوجنے سے منع فرمایا، اس نے ہم کو اچھے کام کرنے کا حکم دیا، بُرے کاموں سے منع کیا، اس نے ہم کو سچ بولنے کا حکم دیا، امانت داری کا حکم کیا، صلہ رحمی[16] کا حکم کیا، پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا؛ نماز، روزہ، صدقہ، خیرات کا حکم دیا اور اچھے اخلاق تعلیم[17] کیے۔ زنا، بدکاری، جھوٹ بولنا، یتیم کا مال کھانا، کسی پر تُہمت لگانا، اور اس قسم کے بُرے اعمال سے منع فرمایا؛ ہم

حل لغات: (۱) حبشہ کے بادشاہ۔ (۲) مخصوص لوگوں کی جماعت۔ (۳) قریبی لوگ۔ (۴) عیسائی علماء۔ (۵) رشوت کھانے والے افسر۔ (۶) طرف داری۔ (۷) پرانے۔ (۸) مکہ کے باعزت لوگ۔ (۹) بغیر چھان بین۔ (۱۰) بادشاہوں کے دربار میں حاضری کے طور طریقے۔ (۱۱) معلوم۔ (۱۲) تعلقات۔ (۱۳) طاقتور۔ (۱۴) کمزور۔ (۱۵) جو ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ (۱۶) رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک۔ (۱۷) سکھائے۔

کو قرآن پاک کی تعلیم دی، ہم اس پر ایمان لائے اور اس کے فرمان کی تعمیل[1] کی، جس پر ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی اور ہم کو ہر طرح ستایا۔ ہم لوگ مجبور ہو کر تمہاری پناہ میں اپنے نبی ﷺ کے ارشاد سے آئے ہیں، بادشاہ نے کہا؟ جو قرآن تمہارے نبی ﷺ لے کر آئے ہیں، وہ کچھ مجھے سناؤ۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی اول کی آیتیں پڑھیں، جس کو سن کر بادشاہ بھی رو دیا اور اس کے پادری بھی جو کثرت سے موجود تھے، سب کے سب اس قدر روئے کہ داڑھیاں تر[2] ہوگئیں، اس کے بعد بادشاہ نے کہا کہ خدا کی قسم! یہ کلام اور جو کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے؛ ایک ہی نُور سے نکلے ہیں اور ان لوگوں سے صاف انکار کر دیا کہ میں ان کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا، وہ لوگ بڑے پریشان ہوئے کہ بڑی ذلّت اُٹھانا پڑی، آپس میں صلاح[3] کر کے ایک شخص نے کہا کہ کل میں ایسی تدبیر[4] کروں گا کہ بادشاہ ان کی جڑ ہی کاٹ دے، ساتھیوں نے کہا بھی کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے، یہ لوگ اگرچہ مسلمان ہو گئے، مگر پھر بھی رشتہ دار ہیں، مگر اس نے نہ مانا، دوسرے دن پھر بادشاہ کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، اُن کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے، بادشاہ نے پھر مسلمانوں کو بُلایا، صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ دوسرے دن کے بُلانے سے ہمیں اور بھی زیادہ پریشانی ہوئی، بہر حال گئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا: وہی کہتے ہیں، جو ہمارے نبی ﷺ پر اُن کی شان میں نازل ہوا کہ وہ اللہ کے بندے ہیں، اس کے رسول ہیں، اس کی روح ہیں اور اس کے کلمہ ہیں، جس کو خدا نے کنواری اور پاک مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا۔ نجاشی نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کے سوا کچھ نہیں فرماتے۔ پادری لوگ آپس میں کچھ چیخ[5] چیخ کرنے لگے۔ نجاشی نے کہا: تم جو چاہے کہو۔ اس کے بعد نجاشی نے اُن کے تحفے واپس کر دیے اور مسلمانوں سے کہا: تم امن سے ہو، جو تمہیں ستائے، اس کو تاوان[6] دینا پڑے گا اور اس کا اعلان بھی کرا دیا کہ جو شخص ان کو ستائے گا اس کو تاوان دینا ہوگا۔ [خمیس]

اس کی وجہ سے وہاں کے مسلمانوں کا اکرام اور بھی زیادہ ہونے لگا اور اس وفد کو ذِلّت سے واپس آنا پڑا، تو پھر کفارِ مکہ کا جتنا بھی غصہ جوش کرتا، ظاہر ہے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے نے ان کو اور بھی جلا رکھا تھا اور ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ لوگوں کا ان سے مِلنا جلنا بند ہو جائے اور اسلام کا چراغ کسی طرح بجھے، اس لیے سردارانِ مکہ کی ایک بڑی جماعت نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب کھلم کھلا محمد کو قتل کر دیا جائے، لیکن قتل کر دینا بھی آسان کام نہ تھا، اس لیے کہ بنو ہاشم بھی بڑے جتھے[7] اور اونچے طبقے کے لوگ شمار ہوتے تھے۔ وہ اگرچہ اکثر مسلمان نہیں ہوئے تھے، لیکن جو مسلمان نہیں تھے، وہ بھی حضور ﷺ کے قتل ہو جانے پر آمادہ[8] نہیں تھے، اس لیے ان سب کفار نے مل کر ایک معاہدہ کیا کہ سارے بنو ہاشم اور بنو المطلب

حل لغات: (۱) حکم کو پورا کرنا۔ (۲) بھیگ گئیں۔ (۳) مشورہ۔ (۴) چالاکی، کوشش۔ (۵) شور شرابا۔ (۶) جرمانہ۔ (۷) جماعت۔ (۸) تیار۔

کا بائیکاٹ کیا جاوے، نہ ان کو کوئی شخص اپنے پاس بیٹھنے دے، نہ ان سے کوئی خرید و فروخت کرے، نہ بات چیت[1] کرے، نہ ان کے گھر جائے، نہ ان کو اپنے گھر میں آنے دے اور اس وقت تک صلح نہ کی جائے، جب تک کہ وہ حضورِ اکرم ﷺ کو قتل کے لیے حوالہ نہ کر دیں۔ یہ معاہدہ زبانی ہی گفتگو پر ختم نہیں ہوا، بلکہ یکم محرم ۷؁ نبوی کو ایک معاہدہ تحریری لکھ کر بیت اللہ میں لٹکایا گیا، تا کہ ہر شخص اس کا احترام[2] کرے اور اس کو پورا کرنے کی کوشش کرے اور اس معاہدہ کی وجہ سے تین برس تک یہ سب حضرات دو پہاڑوں کے درمیان ایک گھاٹی میں نظر بند[3] رہے کہ نہ کوئی ان سے مل سکتا تھا، نہ یہ کسی سے مل سکتے تھے، نہ مکہ کے کسی آدمی سے کوئی چیز خرید سکتے تھے، نہ باہر کے آنے والے کسی تاجر سے مل سکتے تھے، اگر کوئی شخص باہر نکلتا تو پیٹا جاتا اور کسی سے ضرورت کا اظہار[4] کرتا تو صاف جواب پاتا۔ معمولی سا سامان، غلّہ وغیرہ جو ان لوگوں کے پاس تھا وہ کہاں تک کام دیتا۔ آخر فاقوں پر فاقے گذرنے لگے اور عورتیں اور بچے بھوک سے بے تاب[5] ہو کر روتے اور چلاتے اور ان کے اَعِزَّہ[6] کو اپنی بھوک اور تکالیف سے زیادہ ان بچوں کی تکالیف ستاتیں۔ آخر تین برس کے بعد اللہ کے فضل سے وہ صحیفہ دیمک کی نذر[7] ہوا؛ اور ان حضرات کی یہ مصیبت دور ہوئی۔ تین برس کا زمانہ ایسے سخت بائیکاٹ اور نظر بندی میں گذرا اور ایسی حالت میں ان حضرات پر کیا کیا مشقتیں گذری ہوں گی، وہ ظاہر ہے، لیکن اس کے باوجود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نہایت ثابت قدمی[8] کے ساتھ اپنے دین پر جمے رہے، بلکہ اس کی اِشاعت[9] فرماتے رہے۔

فائدہ: یہ تکالیف اور مشقتیں ان لوگوں نے اُٹھائی ہیں، جن کے آج ہم نام لیوا کہلاتے ہیں اور اپنے کو ان کا مُتَّبِع[10] بتلاتے ہیں اور سمجھتے ہیں، ہم لوگ ترقی کے باب میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جیسی ترقیوں کے خواب دیکھتے ہیں، لیکن کسی وقت ذرا غور کر کے یہ بھی سوچنا چاہیے کہ ان حضرات نے قربانیاں کتنی فرمائیں اور ہم نے دین کی خاطر، اسلام کی خاطر، مذہب کی خاطر کیا کیا؟ کامیابی ہمیشہ کوشش اور سعی کے مناسب ہوتی ہے۔ ہم لوگ چاہتے ہیں کہ عیش و آرام، بددینی اور دنیا طلبی[11] میں کافروں کے دوش بدوش[12] چلیں اور اسلامی ترقی ہمارے ساتھ ہو، یہ کیسے ہوسکتا ہے!

تَرسم نہ رَسی بکعبہ اے اَعرَابی[13]		ایں رَہ کہ تُو مِی رَوی بتُرکستان است

ترجمہ: مجھے خوف ہے او بدوی کہ تُو کعبہ کو نہیں پہونچ سکتا، اس لیے کہ یہ راستہ کعبہ کی دوسری جانب ترکستان کی طرف جاتا ہے۔

حل لغات: (۱) بات چیت۔ (۲) عزت۔ (۳) قید۔ (۴) بیان کرنا۔ (۵) بے چین۔ (۶) رشتہ داروں۔ (۷) اس ورق کو دیمک نے کھا لیا۔ (۸) مضبوطی۔ (۹) پھیلانا۔ (۱۰) اتباع کرنے والا۔ (۱۱) دنیا حاصل کرنا۔ (۱۲) ساتھ ساتھ۔ (۱۳) عرب کا دیہاتی۔

دوسرا باب: اللہ جَلَّ جلالہٗ وعَمَّ نوالہٗ کا خوف اور ڈر

دین کے ساتھ اس جاں فِشانی[1] کے باوجود، جس کے قصّے ابھی گذرے اور دین کے لیے اپنی جان، مال، آبرو سب کچھ فنا کر دینے کے بعد، جس کا نمونہ ابھی آپ دیکھ چکے ہیں، اللہ جلّ شانہٗ کا خوف اور ڈر جس قدر ان حضرات میں پایا جاتا تھا، اللہ کرے کہ اس کا کچھ شمّہ[2] ہم سے سیہ کاروں[3] کو بھی نصیب ہو جائے۔ مثال کے طور پر اس کے بھی چند قصے لکھے جاتے ہیں۔

① آندھی کے وقت حضور ﷺ کا طریقہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب اَبر[4]، آندھی وغیرہ ہوتی تھی، تو حضور اقدس ﷺ کے چہرۂ انور پر اس کا اثر ظاہر ہوتا تھا اور چہرہ کا رنگ فَق[5] ہو جاتا تھا اور خوف کی وجہ سے کبھی اندر تشریف لے جاتے، کبھی باہر تشریف لاتے اور یہ دعا پڑھتے رہتے: أَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهٖ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَ شَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهٖ. ترجمہ: یااللہ! اس ہوا کی بھلائی چاہتا ہوں اور جو اس ہوا میں ہو، بارش وغیرہ اس کی بھلائی چاہتا ہوں اور جس غرض سے یہ بھیجی گئی، اس کی بھلائی چاہتا ہوں، یااللہ! میں اس ہوا کی بُرائی سے پناہ مانگتا ہوں اور جو چیز اس میں ہے اور جس غرض سے یہ بھیجی گئی ہے، اس کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں اور جب بارش شروع ہو جاتی، تو چہرہ پر اِنبساط[6] شروع ہوتا۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! سب لوگ جب اَبر دیکھتے ہیں، تو خوش ہوتے ہیں کہ بارش کے آثار معلوم ہوئے؛ مگر آپ پر ایک گِرانی[7] محسوس ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: عائشہ! مجھے اس کا کیا اطمینان ہے کہ اس میں عذاب نہ ہو، قومِ عاد کو ہوا کے ساتھ ہی عذاب دیا گیا اور وہ اَبر کو دیکھ کر خوش ہوئے تھے کہ اس اَبر میں ہمارے لیے پانی برسایا جائے گا، حالانکہ اس میں عذاب تھا۔ [درمنثور] اللہ جلّ شانہٗ کا ارشاد ہے ﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ﴾ الاٰیۃ [سورۂ احقاف:۲۴] ترجمہ: اُن لوگوں نے (یعنی قوم عاد نے) جب اس بادل کو اپنی وادیوں کے مقابل آتے دیکھا، تو کہنے لگے: یہ بادل تو ہم پر بارش برسانے والا ہے۔ (ارشادِ خداوندی ہوا کہ) نہیں، برسنے والا نہیں، بلکہ یہ وہی (عذاب ہے) جس کی تم جلدی مچاتے تھے۔ (اور نبی علیہ السلام سے کہتے تھے کہ اگر تُو سچا ہے، تو ہم پر عذاب لا) ایک آندھی ہے، جس میں دردناک عذاب ہے، جو ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے ہلاک کر دے گی؛ چنانچہ وہ لوگ اُس آندھی کی وجہ سے ایسے تباہ ہو گئے کہ بجُز[8] اُن کے مکانات کے کچھ نہ دکھلائی دیتا تھا اور ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔ [بیان القرآن وغیرہ]

حل لغات: ① بڑی محنت۔ ② تھوڑی مقدار۔ ③ گناہگاروں۔ ④ بادل۔ ⑤ بدل جاتا۔ ⑥ خوشی کا اثر کھلنا۔ ⑦ بوجھ، بھاری پن۔ ⑧ علاوہ۔

فائدہ: یہ اللہ کے خوف کا حال اسی پاک ذات کا ہے، جس کا سید الاوّلین والآخرین ہونا خود اسی کے ارشاد سے سب کو معلوم ہے، خود کلام پاک میں یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ اُن میں آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دیں، اس وعدۂ خداوندی کے باوجود، پھر حضورِ اقدس ﷺ کے خوف الٰہی کا یہ حال تھا کہ ابر اور آندھی کو دیکھ کر پہلی قوموں کے عذاب یاد آجاتے تھے، اسی کے ساتھ ایک نگاہ اپنے حال پر بھی کرنا ہے کہ ہم لوگ ہر وقت گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں اور زلزلوں اور دوسری قسم کے عذابوں کو دیکھ کر بجائے اس سے متاثر ہونے کے توبہ استغفار، نماز وغیرہ میں مشغول ہونے کے دوسری قسم قسم کی لغو[1] تحقیقات میں پڑ جاتے ہیں۔

② اندھیرے میں حضرت اَنَسؓ کا فعل

نَضْر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ کی زندگی میں ایک مرتبہ دن میں اندھیرا چھا گیا۔ میں حضرت انسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں بھی اس قسم کی چیزیں پیش آتی تھیں؟ انہوں نے فرمایا: خدا کی پناہ! حضور ﷺ کے زمانہ میں تو ذرا بھی ہوا تیز ہوجاتی تھی، تو ہم لوگ قیامت کے آجانے کے خوف سے مسجدوں میں دوڑ جاتے تھے۔ ایک دوسرے صحابی اَبُوالدَّرْدَاءؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا معمول تھا کہ جب آندھی چلتی، تو حضور ﷺ گھبرائے ہوئے مسجد میں تشریف لے جاتے۔ [جمع الفوائد]

فائدہ: آج کسی بڑے سے بڑے حادثہ، مصیبت، بلا میں بھی مسجد کسی کو یاد آتی ہے؟ عوام کو چھوڑ کر خواص میں بھی اس کا اہتمام کچھ پایا جاتا ہے؟ آپ خود ہی اس کا جواب اپنے دل میں سوچیں۔

③ سورج گرہن میں حضورِ اکرم ﷺ کا عمل

حضورِ اقدس ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن ہوگیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو فکر ہوئی کہ اس موقع پر حضور ﷺ کیا عمل فرمائیں گے، کیا کریں گے، اس کی تحقیق کی جائے۔ جو حضرات اپنے اپنے کام میں مشغول تھے، چھوڑ کر دوڑے ہوئے آئے، نوعمر لڑکے جو تیر اندازی[2] کی مشق کررہے تھے، ان کو چھوڑ کر لپکے ہوئے آئے؛ تاکہ یہ دیکھیں کہ حضور ﷺ اس وقت کیا کریں گے۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے دو رکعت کسوف[3] کی نماز پڑھی، جو اتنی لانبی تھی کہ لوگ غش[4] کھا کر گرنے لگے، نماز میں نبیٔ اکرم ﷺ روتے تھے اور فرماتے تھے، اے رب! کیا آپ نے مجھ سے اس کا وعدہ نہیں فرما رکھا کہ آپ ان لوگوں کو میرے موجود ہوتے ہوئے عذاب نہ فرمائیں گے اور ایسی حالت میں بھی عذاب نہ فرمائیں گے کہ وہ لوگ استغفار کرتے رہیں۔ (سورۂ انفال میں اللہ جلَّ شانُہٗ نے اس کا وعدہ فرما رکھا ہے: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝﴾ [سورۂ انفال] پھر حضور ﷺ نے لوگوں کو نصیحت فرمائی کہ جب کبھی ایسا موقع ہو

حل لغات: ① بے کار۔ ② تیر چلانے۔ ③ سورج گرہن۔ ④ بے ہوش ہونا۔

اور آفتاب یا چاند گرہن ہو جائے، تو گھبرا کر نماز کی طرف متوجہ ہو جایا کرو، میں جو آخرت کے حالات دیکھتا ہوں، اگر تم کو معلوم ہو جائیں، تو ہنسنا کم کر دو اور رونے کی کثرت کر دو، جب کبھی ایسی حالت پیش آئے، نماز پڑھو، دعا مانگو، صدقہ کرو۔

④ حضورِ اکرم ﷺ کا رات بھر روتے رہنا

نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ تمام رات روتے رہے اور صبح تک نماز میں یہ آیت تلاوت فرماتے رہے:

﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾﴾ [سورۂ مائدہ]

اے اللہ! اگر آپ ان کو سزا دیں، جب بھی آپ مختار ہیں کہ یہ آپ کے بندے ہیں اور آپ ان کے مالک، اور مالک کو حق ہے کہ بندوں کو جرائم② پر سزا دے اور اگر آپ ان کو معاف فرمادیں، تو بھی آپ مختار ہیں کہ آپ زبردست قدرت والے ہیں تو معافی پر بھی قدرت ہے اور حکمت والے ہیں تو معافی بھی حکمت کے موافق ہوگی۔ [بیان القرآن] امام اعظمؒ کے متعلق بھی نقل کیا گیا ہے کہ وہ ایک شب تمام رات ﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾﴾ [سورۂ یٰس] پڑھتے رہے اور روتے رہے۔ مطلب آیت شریفہ کا یہ ہے کہ قیامت کے دن مجرموں کو حکم ہوگا کہ دنیا میں تو سب ملے جلے رہے، مگر آج مجرم لوگ سب الگ ہو جائیں اور غیر مجرم علیحدہ۔ اس حکم کو سن کر جتنا بھی رویا جائے، تھوڑا ہے کہ نہ معلوم اپنا شمار مجرموں میں ہوگا یا فرماں برداروں میں۔

⑤ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اللہ کا ڈر

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو باجماع③ اہلِ سنت، انبیاء کے علاوہ تمام دُنیا کے آدمیوں سے افضل ہیں اور ان کا جنتی ہونا یقینی ہے کہ خود حضورِ اقدس ﷺ نے ان کو جنتی ہونے کی بشارت دی، بلکہ جنتیوں کی ایک جماعت کا سردار بتایا اور جنت کے سب دروازوں سے اُن کی پکار اور بلاوے کی خوشخبری دی اور یہ بھی فرمایا کہ میری اُمت میں سب سے پہلے ابوبکر جنت میں داخل ہوں گے۔ اس سب کے باوجود فرمایا کرتے کہ کاش! میں کوئی درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا، کبھی فرماتے: کاش! میں کوئی گھاس ہوتا کہ جانور اس کو کھا لیتے، کبھی فرماتے: کاش! میں کسی مومن کے بدن کا بال ہوتا۔ ایک مرتبہ ایک باغ میں تشریف لے گئے اور ایک جانور کو بیٹھا ہوا دیکھ کر ٹھنڈا سانس بھرا اور فرمایا کہ تُو کس قدر لطف میں ہے کہ کھاتا ہے، پیتا ہے، درختوں کے سائے میں پھرتا ہے اور آخرت میں تجھ پر کوئی حساب کتاب نہیں، کاش ابوبکر بھی تجھ جیسا ہوتا۔ [تاریخ الخلفاء]

رَبیعہ اَسلَمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی بات پر مجھ میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں کچھ بات بڑھ گئی اور انہوں نے مجھے کوئی سخت لفظ کہہ دیا، جو مجھے ناگوار④ گذرا۔ فوراً ان کو خیال ہوا، مجھ سے فرمایا کہ تُو بھی مجھے کہہ

حل لغات: ① قدرت والے۔ ② گناہوں۔ ③ جس بات پر سب متفق ہوں۔ ④ ناپسند۔

دے تاکہ بدلہ ہوجائے، میں نے کہنے سے انکار کیا، تو انہوں نے فرمایا: یا تو کہہ لو، ورنہ میں حضور ﷺ سے جاکر عرض کروں گا، میں نے اُس پر بھی جوابی لفظ کہنے سے انکار کیا۔ وہ تو اُٹھ کر چلے گئے۔ بنو اَسلم کے کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے کہ یہ بھی اچھی بات ہے کہ خود ہی تو زیادتی کی اور خود ہی اُلٹی حضور سے شکایت کریں۔ میں نے کہا: تم جانتے بھی ہو، یہ کون ہیں؟ یہ ابوبکر صدیق ہیں، اگر یہ خفا[1] ہوگئے، تو اللہ کا لاڈلا رسول مجھ سے خفا ہوجائے گا اور اس کی خفگی[2] سے اللہ تعالیٰ شانہٗ ناراض ہوجائیں گے، تو ربیعہ کی ہلاکت میں کیا تردُّد[3] ہے۔ اس کے بعد میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قصہ عرض کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے۔ تجھے جواب میں اور بدلہ میں کہنا نہیں چاہیے، البتہ اس کے بدلے میں یوں کہہ کہ اے ابوبکر! اللہ تمہیں معاف فرماویں۔

فائدہ: یہ ہے اللہ کا خوف کہ ایک معمولی سے کلمہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بدلہ کا اس قدر فکر اور اہتمام ہوا کہ اوّل خود درخواست کی اور پھر حضور ﷺ کے واسطہ سے اس کا ارادہ فرمایا کہ ربیعہ رضی اللہ عنہ بدلہ لے لیں۔ آج ہم سینکڑوں باتیں ایک دوسرے کو کہہ دیتے ہیں، اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ اس کا آخرت میں بدلہ بھی لیا جائے گا، یا حساب کتاب بھی ہوگا۔

⑥ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خوف الٰہی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بسا[4] اوقات ایک تنکا ہاتھ میں لیتے اور فرماتے: کاش! میں یہ تنکا ہوتا، کبھی فرماتے: کاش! مجھے میری ماں نے جنا ہی نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ کسی کام میں مشغول تھے، ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ فلاں شخص نے مجھ پر ظلم کیا ہے، آپ چل کر مجھے بدلہ دلوا دیجیے۔ آپ نے اس کے ایک دُرّہ[5] مار دیا کہ جب میں اس کام کے لیے بیٹھتا ہوں، اس وقت تو آتے نہیں، جب میں دوسرے کاموں میں مشغول ہوجاتا ہوں، تو آکر کہتے ہیں کہ بدلہ دلوا، وہ شخص چلا گیا، آپ رضی اللہ عنہ نے آدمی بھیج کر اس کو بُلوایا اور دُرّہ اس کو دے کر فرمایا کہ بدلہ لے لو۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے اللہ کے واسطے معاف کیا۔ گھر تشریف لائے، دو رکعت نماز پڑھی، اس کے بعد اپنے آپ کو خطاب کر کے فرمایا: اے عمر! تُو کمینہ تھا، اللہ نے تجھ کو اونچا کیا، تُو گمراہ تھا، اللہ نے تجھ کو ہدایت کی، تُو ذلیل تھا، اللہ نے تجھے عزت دی، پھر لوگوں کا بادشاہ بنایا، اب ایک شخص آکر کہتا ہے کہ مجھے ظلم کا بدلہ دِلوا دے، تو تُو اس کو مارتا ہے، کل کو قیامت کے دن اپنے رب کو کیا جواب دے گا۔ بڑی دیر تک اسی طرح اپنے آپ کو ملامت کرتے رہے۔ [اُسد الغابہ] آپ کے غلام حضرت اَسلم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ "حَرّہ[6]" کی طرف جا رہا تھا، ایک جگہ آگ جلتی ہوئی جنگل میں نظر آئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شاید یہ کوئی قافلہ ہے، جو رات ہوجانے کی وجہ سے شہر میں نہیں گیا، باہر ہی ٹھہر گیا، چلو اس کی خیر خبر

حل لغات: ① ناراض۔ ② ناراضگی۔ ③ شک۔ ④ اکثر۔ ⑤ کوڑا۔ ⑥ مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔

لیں، رات کو حفاظت کا انتظام کریں۔ وہاں پہونچے تو دیکھا: ایک عورت ہے، جس کے ساتھ چند بچے ہیں، جو رو رہے ہیں اور چلا رہے ہیں اور ایک دیگچی چولھے پر رکھی ہے، جس میں پانی بھرا ہوا ہے اور اس کے نیچے آگ جل رہی ہے۔ انہوں نے سلام کیا اور قریب آنے کی اجازت لے کر اس کے پاس گئے اور پوچھا کہ یہ بچے کیوں رو رہے ہیں؟ عورت نے کہا کہ بھوک سے لاچار[1] ہو کر رو رہے ہیں۔ دریافت فرمایا کہ اس دیگچی میں کیا ہے؟ عورت نے کہا کہ پانی بھر کر بہلانے کے واسطے آگ پر رکھ دی ہے کہ ذرا ان کو تسلّی ہو جائے اور سو جائیں۔ امیر المومنین عمر کا اور میرا اللہ ہی کے یہاں فیصلہ ہوگا کہ میری اس تنگی کی خبر نہیں لیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا کہ اللہ تجھ پر رحم کرے، بھلا عمر کو تیرے حال کی کیا خبر ہے۔ کہنے لگی کہ وہ ہمارے امیر بنے ہیں اور ہمارے حال کی خبر بھی نہیں رکھتے، اَسلم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے ساتھ لے کر واپس ہوئے اور ایک بوری میں بیتُ المال میں سے کچھ آٹا اور کھجوریں اور چربی اور کچھ کپڑے اور کچھ درہم لیے، غرض اس بوری کو خوب بھر لیا اور فرمایا کہ یہ میری کمر پر رکھ دے۔ میں نے عرض کیا کہ میں لے چلوں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں میری کمر پر رکھ دے۔ دو تین مرتبہ جب میں نے اِصرار[2] کیا، تو فرمایا: کیا قیامت میں بھی میرے بوجھ کو تُو ہی اُٹھائے گا؟ اس کو میں ہی اُٹھاؤں گا، اس لیے کہ قیامت میں مجھ ہی سے اس کا سوال ہوگا۔ میں نے مجبور ہو کر بوری کو آپ کی کمر پر رکھ دیا۔ آپ نہایت تیزی کے ساتھ اس کے پاس تشریف لے گئے، میں بھی ساتھ تھا۔ وہاں پہونچ کر اس دیگچی میں آٹا اور کچھ چربی اور کھجوریں ڈالیں اور اس کو چلانا شروع کیا اور چولھے میں خود ہی پھونک مارنا شروع کیا۔ اَسلم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ کی گنجان[3] داڑھی سے دھواں نکلتا ہوا میں دیکھتا رہا؛ حتیٰ کہ حریرہ[4] سا تیار ہو گیا، اس کے بعد آپ نے اپنے دست مبارک سے نکال کر اُن کو کھلایا۔ وہ سیر[5] ہو کر خوب ہنسی کھیل میں مشغول ہو گئے اور جو بچا تھا وہ دوسرے وقت کے واسطے ان کے حوالے کر دیا۔ وہ عورت بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی: اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے، تم تھے اس کے مستحق کہ بجائے عمر کے تم ہی خلیفہ بنائے جاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو تسلّی دی اور فرمایا کہ جب تم خلیفہ کے پاس جاؤ گی، تو مجھ کو بھی وہیں پاؤ گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے قریب ہی ذرا ہٹ کر زمین پر بیٹھ گئے اور تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد چلے آئے اور فرمایا کہ میں اس لیے بیٹھا تھا کہ میں نے ان کو روتے ہوئے دیکھا تھا، میرا دل چاہا کہ تھوڑی دیر ان کو ہنستے ہوئے بھی دیکھوں۔ [اشہر مشاہیر منتخب کنز العمال] صبح کی نماز میں اکثر سورۂ کہف، طٰہٰ وغیرہ بڑی سورتیں پڑھتے اور روتے کہ کئی کئی صفوں تک آواز جاتی۔ ایک مرتبہ صبح کی نماز میں سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے ﴿اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ [سورۂ یوسف: ۸۶] پر پہونچے تو روتے روتے آواز نہ نکلی۔ تہجد کی نماز میں بعض مرتبہ روتے روتے گر جاتے اور بیمار ہو جاتے۔

حل لغات: (۱) مجبور۔ (۲) ضد۔ (۳) گھنی۔ (۴) ایک قسم کا میٹھا کھانا۔ (۵) پیٹ بھر کر۔

فائدہ: یہ ہے اللہ کا خوف اس شخص کا جس کے نام سے بڑے بڑے نامور[1] بادشاہ ڈرتے تھے اور کانپتے تھے۔ آج بھی ساڑھے تیرہ سو برس کے زمانہ تک اس کا دبدبہ مانا ہوا ہے۔ آج کوئی بادشاہ نہیں، حاکم نہیں، کوئی معمولی سا امیر بھی اپنی رعایا کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہے؟

⑦ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نصیحت

وَہْبْ بن مُنَبِّہؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ظاہری بینائی[2] جانے کے بعد میں ان کو لیے جارہا تھا، وہ مسجد حرام میں تشریف لے گئے، وہاں پہونچ کر ایک مجمع سے کچھ جھگڑے کی آواز آرہی تھی۔ فرمایا: مجھے اس مجمع کی طرف لے چلو۔ میں اس طرف لے گیا۔ وہاں پہونچ کر آپ نے سلام کیا۔ اُن لوگوں نے بیٹھنے کی درخواست کی، تو آپ نے انکار فرمادیا اور فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ کے خاص بندوں کی جماعت وہ لوگ ہیں، جن کو اس کے خوف نے چپ کر رکھا ہے، حالانکہ وہ نہ عاجز ہیں، نہ گونگے؛ بلکہ فصیح[3] لوگ ہیں، بولنے والے ہیں، سمجھدار ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے ذکر نے ان کی عقلوں کو اُڑا رکھا ہے[4]، اُن کے دل اس کی وجہ سے ٹوٹے رہتے ہیں اور زبانیں چپ رہتی ہیں اور جب اس حالت پر ان کو پختگی[5] میسر[6] ہوجاتی ہے، تو اس کی وجہ سے نیک کاموں میں وہ جلدی کرتے ہیں، تم لوگ ان سے کہاں ہٹ گئے؟ وہبؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے دو آدمیوں کو بھی ایک جگہ جمع نہیں دیکھا۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اللہ کے خوف سے اس قدر روتے تھے کہ چہرہ پر آنسوؤں کے ہر وقت بہنے سے دو نالیاں سی بن گئی تھیں۔ اوپر کے قصہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نیک کاموں پر اہتمام کا یہ ایک سہل[7] نسخہ بتلایا ہے کہ اللہ کی عظمت اور اس کی بڑائی کا سوچ کیا جائے کہ اس کے بعد ہر قسم کا نیک عمل سہل ہے اور پھر وہ یقیناً اخلاص سے بھرا ہوا ہوگا۔ رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں اگر تھوڑا سا وقت بھی ہم لوگ اس سوچنے کی خاطر نکال لیں، تو کیا مشکل ہے؟

⑧ تبوک کے سفر میں قومِ ثمود کی بستی پر گذر

غزوۂ[8] تبوک مشہور غزوہ ہے اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ روم کا بادشاہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے اور بہت بڑا لشکر لے کر شام کے راستے سے مدینہ کو آرہا ہے، اس خبر پر پانچ رجب ۹ ھ پنج شنبہ[9] کو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مقابلہ کے لیے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوگئے، چوں کہ زمانہ سخت گرمی کا تھا اور مقابلہ بھی سخت تھا، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اعلان فرمادیا تھا کہ روم کے بادشاہ سے مقابلہ کے لیے چلنا ہے، تیاری کر لی جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کے لیے چندہ

حل لغات: ① مشہور۔ ② آنکھ کی روشنی۔ ③ اچھی طرح بات کرنے والے۔ ④ حیران کرنا۔ ⑤ مضبوطی۔ ⑥ آسانی سے مل جانا۔ ⑦ آسان۔ ⑧ وہ جنگ جس میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم شریک ہوئے ہوں۔ ⑨ جمعرات۔

فرمانا شروع کیا، یہی لڑائی ہے، جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر کا سارا سامان لے آئے اور جب اُن سے پوچھا کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ تو فرمایا کہ ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر کے پورے سامان میں سے آدھا لے آئے جس کا قصہ چار، باب نمبر چھ میں آتا ہے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک تہائی لشکر کا پورا سامان مُہیا[1] فرمایا اور اسی طرح ہر شخص اپنی حیثیت سے زیادہ ہی لایا، اس کے باوجود چوں کہ عام طور سے تنگی تھی، اس لیے دس دس آدمی ایک اونٹ پر تھے کہ نوبت[2] بہ نوبت اس پر سوار ہوتے تھے، اسی وجہ سے اس لڑائی کا نام جَیشُ[3] العُسرہ بھی تھا۔ یہ لڑائی نہایت ہی سخت تھی کہ سفر بھی دُور کا تھا اور موسم بھی اس قدر سخت کہ گرمی کی انتہا نہیں تھی اور اس کے ساتھ ہی مدینہ طیبہ میں کھجور کے پکنے کا زمانہ زور پر تھا کہ سارے باغ بالکل پکے ہوئے کھڑے تھے اور کھجور ہی پر مدینہ طیبہ والوں کی زندگی کا زیادہ دارو[4] مدار تھا کہ سال بھر کی روزی کے جمع کرنے کا گویا یہی زمانہ تھا۔ ان حالات میں یہ وقت مسلمانوں کے لیے نہایت سخت امتحان کا تھا کہ ادھر اللہ کا خوف، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جس کی وجہ سے بغیر جائے نہ بنتی تھی اور دوسری جانب یہ ساری دِقتیں[5] کہ ہر دِقت مستقل روک تھی، بالخصوص سال بھر کی محنت اور پکے پکائے درختوں کا یوں بے یارو[6] مددگار چھوڑ جانا جتنا مشکل تھا وہ ظاہر ہے، مگر اس سب کے باوجود اللہ کا خوف ان حضرات پر غالب تھا، اس لیے بجز[7] منافقین اور معذور[8] ین جن میں عورتیں اور بچے بھی داخل تھے اور وہ لوگ بھی جو بضرورت مدینہ طیبہ میں چھوڑے گئے یا کسی قسم کی سواری نہ مل سکنے کی وجہ سے روتے ہوئے رہ گئے تھے، جن کے بارے میں ﴿تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ﴾ [سورۂ توبہ:۹۲] نازل ہوئی اور سب ہی حضرات ہم رکاب[9] تھے۔ البتہ تین حضرات بلا عذر کے شریک نہیں تھے، جن کا قصہ آئندہ آرہا ہے۔ راستہ میں قوم ثمود کی بستی پر گذر ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دامن سے اپنے چہرۂ انور کو ڈھانک لیا اور اُونٹنی کو تیز کر دیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی حکم فرمایا کہ یہاں سے تیز چلو اور ظالموں کی بستیوں میں سے روتے ہوئے گذرو اور اس سے ڈرتے ہوئے گذرو کہ تم پر بھی خدانخو[10] استہ وہ عذاب کہیں نازل نہ ہو جائے، جو ان پر نازل ہوا تھا۔　　[اسلام خمیس]

فائدہ: اللہ کا پیارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور لاڈلا رسول صلی اللہ علیہ وسلم عذاب والی جگہ سے ڈرتا ہوا، خوف کرتا ہوا گذرتا ہے اور اپنے جاں[11] نثار دوستوں کو، جو اس سخت مجبوری میں بھی جاں نثاری کا ثبوت دیتے ہیں، روتے ہوئے جانے کا حکم فرماتا ہے کہ خدانخواستہ وہ عذاب ان پر نہ نازل ہو جائے۔ ہم لوگ کسی بستی میں زلزلہ آجائے، تو اس کو سیر[12] گاہ بناتے ہیں۔ کھنڈروں کی تفریح کو جاتے ہیں اور رونا تو در کنار[13]، رونے کا خیال بھی دل میں نہیں لاتے۔

حل لغات: (۱) حاضر۔ (۲) باری باری۔ (۳) تنگی کا لشکر۔ (۴) بنیاد۔ (۵) مشکلیں۔ (۶) بے سہارا۔ (۷) علاوہ۔ (۸) مجبور لوگ۔ (۹) ساتھ میں سفر کرنے والے۔ (۱۰) خدا نہ کرے۔ (۱۱) وفادار۔ (۱۲) گھومنے کی جگہ۔ (۱۳) الگ رہا۔

⑨ تبوک میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی غیر حاضری اور توبہ

اسی تبوک کی لڑائی میں معذورین کے علاوہ اسّی[۸۰] سے زیادہ تو منافق اور انصار میں سے تھے اور اتنے ہی تقریباً بدوی[۱] لوگوں میں سے، ان کے علاوہ ایک بڑی جماعت باہر کے لوگوں میں سے ایسی تھی، جو شریک نہیں ہوئے اور اتنا ہی نہیں، بلکہ یہ لوگ دوسروں کو بھی ﴿لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ﴾ [سورۂ توبہ:۸۱] کہہ کر روکتے تھے (گرمی میں نہ نکلو) حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ ''جہنم کی آگ کی گرمی بہت سخت ہے''۔ ان کے علاوہ تین سچے پکے مسلمان بھی ایسے تھے جو بلا کسی قوی عذر[۲] کے اس لڑائی میں شریک نہیں ہو سکے، ایک کَعب بن مالک رضی اللہ عنہ، دوسرے ہِلال بن اُمیّہ رضی اللہ عنہ، تیسرے مُرارۃ بن رَبیع رضی اللہ عنہ، یہ تینوں حضرات کسی نفاق یا عذر سے نہیں ٹھہرے، بلکہ خوش حالی[۳] ہی سبب رہ جانے کا بن گئی۔ کعب رضی اللہ عنہ اپنی سرگذشت[۴] جو اس موقع پر پیش آئی، مفصل[۵] سناتے ہیں جو آئندہ آرہی ہے۔

مُرارۃ بن رَبیع رضی اللہ عنہ کا باغ خوب پھل رہا تھا، ان کو خیال ہوا کہ اگر میں چلا گیا، تو یہ سب ضائع ہو جائے گا، ہمیشہ میں لڑائیوں میں شریک ہوتا ہی رہا ہوں، اگر اس مرتبہ رہ گیا تو کیا مضائقہ[۶] ہے، اس لیے ٹھہر گئے، مگر جب تنبّہ[۷] ہوا، تو چوں کہ باغ ہی اس کا سبب ہوا تھا، اس لیے سب کو اللہ کے راستہ میں صدقہ کر دیا۔

ہلال رضی اللہ عنہ کے اہل واعزّہ[۸] جو کہیں کہیں گئے ہوئے تھے، اتفاق سے اس موقع پر سب جمع ہو گئے، ان کو بھی یہی خیال ہوا کہ ہمیشہ شرکت کرتا ہی رہتا ہوں، اگر اس موقع پر نہ جاؤں تو کیا حرج ہے، اس لیے ٹھہر گئے؛ مگر تنبّہ ہونے پر سب سے تعلقات منقطع[۹] کر لینے کا ارادہ کیا کہ یہ تعلقات ہی اس لڑائی میں شرکت نہ کر سکنے کا سبب ہوئے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا قصّہ احادیث میں کثرت سے آتا ہے، وہ اپنی سرگذشت بڑی تفصیل سے سنایا کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں تبوک سے پہلے کسی لڑائی میں بھی اتنا قوی و مالدار نہیں تھا، جتنا کہ تبوک کے وقت تھا، اس وقت میرے پاس خود اپنی ذاتی دو اُونٹنیاں تھیں، اس سے پہلے کبھی بھی دو اُونٹنیاں میرے پاس ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ حضورِ اکرم ﷺ کی ہمیشہ عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جس طرف لڑائی کا ارادہ ہوتا تھا، اس کا اظہار نہیں ہوتا تھا؛ بلکہ دوسری جانبوں کے احوال دریافت فرماتے تھے، مگر اس لڑائی میں چوں کہ گرمی بھی شدید[۱۰] تھی اور سفر بھی دُور کا تھا، ان کے علاوہ دشمنوں کی بھی بہت بڑی جماعت تھی، اس لیے صاف اعلان فرما دیا تھا؛ تاکہ لوگ تیاری کر لیں؛ چنانچہ مسلمانوں کی اتنی بڑی جماعت حضور ﷺ کے ساتھ ہو گئی کہ رجسٹر میں ان کا نام بھی لکھنا دشوار تھا اور مجمع کی کثرت کی وجہ سے کوئی شخص اگر چھپنا چاہتا کہ میں نہ

حل لغات: ① عرب کے دیہاتی۔ ② سخت مجبوری۔ ③ مالداری۔ ④ کہانی۔ ⑤ تفصیل کے ساتھ۔ ⑥ حرج۔ ⑦ آگاہی ہوئی۔ ⑧ گھر والے اور رشتہ دار۔ ⑨ ختم۔ ⑩ سخت۔

جاؤں، نہ پتہ چلے، تو دشوار نہ تھا، اس کے ساتھ ہی پھل بالکل پک رہے تھے، میں بھی سامانِ سفر کی تیاری کا صبح ہی سے ارادہ کرتا، مگر شام ہو جاتی اور کسی قسم کی تیاری کی نوبت نہ آتی؛ لیکن میں اپنے دل میں خیال کرتا کہ مجھے وُسعت[1] حاصل ہے، جب ارادہ پُختہ[2] کروں گا فوراً ہو جائے گا، حتّٰی کہ حضورِ اقدس ﷺ روانہ بھی ہو گئے اور مسلمان آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ؛ مگر میرا سامانِ سفر تیار نہ ہوا، پھر بھی یہی خیال رہا کہ میں ایک دو روز میں تیار کر کے جا ملوں گا، اسی طرح آج کل پر ٹلتا رہا، حتّٰی کے حضور ﷺ کے وہاں پہونچنے کا زمانہ تقریباً آ گیا، اس وقت میں نے کوشش بھی کی؛ مگر سامان نہ ہو سکا، اب میں جب مدینہ طیبہ میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہوں، تو صرف وہی لوگ ملتے ہیں، جن کے اوپر نفاق کا بدنُما داغ لگا ہوا تھا یا وہ معذور[3] تھے اور حضور ﷺ نے بھی تبوک پہونچ کر دریافت فرمایا کہ کعب نظر نہیں پڑتے، کیا بات ہوئی؟ ایک صاحب نے کہا: یارسول اللہ! اس کو اپنے مال و جمال[4] کی اَکڑ[5] نے روکا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غلط کہا، ہم جہاں تک سمجھتے ہیں وہ بھلا آدمی ہے، مگر حضورِ اقدس ﷺ نے بالکل سکوت[6] فرمایا اور کچھ نہیں بولے، حتّٰی کہ چند روز میں مَیں نے واپسی کی خبر سنی، تو مجھے رنج و غم سوار ہوا اور بڑا فکر ہوا، دل میں جھوٹے جھوٹے عذر آتے تھے کہ اس وقت کسی فرضی عُذر[7] سے حضور ﷺ کے غصہ سے جان بچا لوں، پھر کسی وقت معافی کی درخواست کر لوں گا اور اس بارے میں اپنے گھرانے کے ہر سمجھ دار سے مشورہ کرتا رہا، مگر جب مجھے معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ تشریف لے ہی آئے، تو میرے دل نے فیصلہ کیا کہ بغیر سچ کے کوئی چیز نجات نہ دے گی اور میں نے سچ سچ عرض[8] کرنے کی ٹھان ہی لی۔ حضور ﷺ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو اوّل مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت تَحِیَّۃُ الْمَسْجِد پڑھتے اور وہاں تھوڑی دیر تشریف رکھتے کہ لوگوں سے ملاقات فرمائیں؛ چنانچہ حسبِ[9] معمول حضور ﷺ تشریف فرما رہے اور منافق لوگ آکر جھوٹے جھوٹے عُذر کرتے اور قسمیں کھاتے رہے۔ حضور ﷺ ان کے ظاہر حال کو قبول فرماتے رہے اور باطن[10] کو اللہ کے سپرد فرماتے رہے کہ اتنے میں مَیں بھی حاضر ہوا اور سلام کیا۔ حضور ﷺ نے ناراضگی کے انداز میں تبسّم فرمایا اور اِعْرَاض[11] فرمایا۔ میں نے عرض کیا: یا نبی اللہ! آپ نے اعراض فرما لیا؟ میں خدا کی قسم! نہ تو منافق ہوں، نہ مجھے ایمان میں کچھ تَرَدُّد[12] ہے۔ ارشاد فرمایا کہ یہاں آ۔ میں قریب ہو کر بیٹھ گیا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تجھے کس چیز نے روکا؟ کیا تُو نے اونٹنیاں نہیں خرید رکھی تھیں؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر میں کسی دنیا دار کے پاس اس وقت ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ میں اس کے غصہ سے معقول[13] عذر کے ساتھ خلاصی[14] پا لیتا کہ مجھے بات کرنے کا سلیقہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، لیکن آپ ﷺ کے متعلق

حل لغات: (۱) گنجائش۔ (۲) پکا۔ (۳) مجبور۔ (۴) خوبصورتی۔ (۵) گھمنڈ۔ (۶) خاموشی۔ (۷) بہانے۔ (۸) بیان۔ (۹) عادت کے مطابق۔ (۱۰) اندرونی حالت۔ (۱۱) منہ پھیر لیا۔ (۱۲) شک۔ (۱۳) مناسب۔ (۱۴) چھٹکارا۔

مجھے معلوم ہے کہ اگر آج جھوٹ سے آپ کو راضی کر لوں، تو قریب ہے کہ اللہ جلَّ جلالہٗ مجھ سے ناراض ہوں گے اور اگر آپ ﷺ سے صاف صاف عرض کر دوں، تو آپ ﷺ کو غصہ آئے گا؛ لیکن قریب ہے کہ اللہ کی پاک ذات آپ کے عتاب[1] کو زائل[2] فرما دے گی؛ اس لیے سچ ہی عرض کرتا ہوں کہ واللہ مجھے کوئی عذر نہیں تھا اور جیسا فارغ اور وُسعت[3] والا میں اس زمانہ میں تھا، کسی زمانہ میں بھی اس سے پہلے نہیں ہوا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔ پھر فرمایا کہ اچھا اُٹھ جاؤ، تمہارا فیصلہ حق تعالیٰ شانہٗ فرمائیں گے۔ میں وہاں سے اُٹھا، تو میری قوم کے بہت سے لوگوں نے مجھے ملامت کی کہ تُو نے اس سے پہلے کوئی گناہ نہیں کیا تھا، اگر تُو کوئی عذر کر کے حضور ﷺ سے استغفار کی درخواست کرتا، تو حضور ﷺ کا استغفار تیرے لیے کافی تھا۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ کوئی اور بھی ایسا شخص ہے، جس کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہو؟ لوگوں نے بتلایا کہ دو شخصوں کے ساتھ اَور بھی یہی معاملہ ہوا کہ انہوں نے بھی یہی گفتگو کی، جو تُو نے کی اور یہی جواب اُن کو ملا، جو تجھ کو ملا۔ ایک ہِلال بن اُمَیَّہ رضی اللہ عنہ۔ دوسرے مُرارۃ بن رَبیع رضی اللہ عنہ۔ میں نے دیکھا کہ دو صالح[4] شخص جو دونوں بدری[5] ہیں، وہ بھی میرے شریکِ حال ہیں۔ حضورِ اقدس ﷺ نے ہم تینوں سے بولنے کی ممانعت بھی فرما دی کہ کوئی شخص ہم سے کلام[6] نہ کرے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ غصہ اسی پر آتا ہے، جس سے تعلق ہوتا ہے اور تنبیہ اُسی کو کی جاتی ہے، جس میں اس کی اہلیت[7] بھی ہو۔ جس میں اصلاح و صَلاح[8] کی قابلیت ہی نہ ہو اُس کو تنبیہ ہی کون کرتا ہے۔ کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ممانعت پر لوگوں نے ہم سے بولنا چھوڑ دیا اور ہم سے اجتناب[9] کرنے لگے اور گویا دنیا ہی بدل گئی، حتیٰ کہ زمین باوجود اپنی وسعت کے مجھے تنگ معلوم ہونے لگی، سارے لوگ اجنبی معلوم ہونے لگے، در و دیوار اُوپرے[10] بن گئے، مجھے سب سے زیادہ اس کا فکر تھا کہ میں اس حال میں مر گیا، تو حضور ﷺ جنازے کی نماز بھی نہ پڑھیں گے اور خُدانخواستہ[11] حضور ﷺ کا وِصال[12] ہو گیا، تو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایسا ہی رہوں گا، نہ مجھ سے کوئی کلام کرے گا، نہ میری نماز پڑھے گا کہ حضور ﷺ کے ارشاد کے خلاف کون کر سکتا ہے، غرض ہم لوگوں نے پچاس دن اسی حال میں گزارے۔ میرے دونوں ساتھی تو شروع ہی سے گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے، میں سب میں قوی[13] تھا، چلتا پھرتا، بازار میں جاتا، نماز میں شریک ہوتا، مگر مجھ سے بات کوئی نہ کرتا، حضور ﷺ کی مجلس میں حاضر ہو کر سلام کرتا اور بہت غور سے خیال کرتا کہ حضور ﷺ کے لبِ مبارک جواب کے لیے ہلے یا نہیں، نماز کے بعد حضور ﷺ کے قریب ہی کھڑے ہو کر نماز پوری کرتا اور آنکھ چرا[14] کر دیکھتا کہ حضور ﷺ مجھے دیکھتے بھی ہیں یا نہیں، جب

حل لغات: (۱) غصہ۔ (۲) ختم۔ (۳) کشادگی۔ (۴) نیک۔ (۵) بدری وہ لوگ کہلاتے ہیں جو بدر کی لڑائی میں شریک ہوئے۔ ان کی بزرگی اور بڑائی مسلّم ہے، احادیث میں بھی ان کی فضیلت آئی ہے، کتنی ہی حدیثوں میں ان کی مغفرت اور اللہ تعالیٰ کی ان سے خوش ہونے کی بشارتیں آئی ہیں۔ (۶) بات۔ (۷) صلاحیت۔ (۸) درستگی اور بھلائی کی صلاحیت۔ (۹) بچنا۔ (۱۰) اجنبی۔ (۱۱) خدا نہ کرے۔ (۱۲) انتقال۔ (۱۳) طاقتور۔ (۱۴) چپکے چپکے دیکھنا۔

میں نماز میں مشغول ہوتا، تو حضور ﷺ مجھے دیکھتے اور جب میں اُدھر متوجہ ہوتا، تو حضور ﷺ منہ پھیر لیتے اور میری جانب سے اعراض فرمالیتے۔

غرض یہی حالات گذرتے رہے اور مسلمانوں کا بات چیت بند کرنا مجھ پر بہت ہی بھاری ہو گیا، تو میں اَبوقتادہ رضی اللہ عنہ کی دیوار پر چڑھا، وہ میرے رشتہ کے چچا زاد بھائی بھی تھے اور مجھ سے تعلقات بھی بہت ہی زیادہ تھے، میں نے اوپر چڑھ کر سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب نہ دیا، میں نے ان کو قسم دے کر پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے؟ انہوں نے اس کا بھی جواب نہ دیا۔ میں نے دوبارہ قسم دی اور دریافت کیا، وہ پھر بھی چپ ہی رہے۔ میں نے تیسری مرتبہ پھر قسم دے کر پوچھا، انہوں نے کہا: اللہ جانے اور اس کا رسول۔ یہ کلمہ سن کر میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور وہاں سے لوٹ آیا۔ اسی دوران میں ایک مرتبہ مدینہ کے بازار میں جارہا تھا کہ ایک قبطی[1] کو جو نصرانی[2] تھا اور شام سے مدینہ منورہ اپنا غلّہ[3] فروخت[4] کرنے آیا تھا، یہ کہتے ہوئے سنا کہ کوئی کعب بن مالک کا پتہ بتا دو، لوگوں نے اس کو میری طرف اشارہ کر کے بتایا، وہ میرے پاس آیا اور غسّان[5] کے کافر بادشاہ کا خط مجھے لا کر دیا، اس میں لکھا ہوا تھا: ہمیں معلوم ہوا کہ تمہارے آقا نے تم پر ظلم کر رکھا ہے، تمہیں اللہ ذلّت کی جگہ نہ رکھے اور نہ ضائع کرے، تم ہمارے پاس آ جاؤ، ہم تمہاری مدد کریں گے۔ (دنیا کا قاعدہ ہوتا ہے کہ کسی بڑے کی طرف سے اگر چھوٹوں کو تنبیہ ہوتی ہے، تو اُن کو بہکانے والے اور زیادہ کھونے کی کوشش کیا کرتے ہیں اور خیر خواہ[6] بن کر اس قسم کے الفاظ سے اشتعال[7] دلایا ہی کرتے ہیں) کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ خط پڑھ کر ''اِنَّا لِلّٰہِ'' پڑھی کہ میری حالت یہاں تک پہونچ گئی کہ کافر بھی مجھ میں طمع[8] کرنے لگے اور مجھے اسلام تک سے ہٹانے کی تدبیریں ہونے لگیں، یہ ایک اور مصیبت آئی اور اس خط کو لے جا کر میں نے ایک تنّور میں پھونک دیا اور حضور ﷺ سے جا کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کے اعراض[9] کی وجہ سے میری یہ حالت ہوگئی کہ کافر مجھ میں طمع کرنے لگے۔ اسی حالت میں چالیس روز ہم پر گزرے تھے کہ حضور ﷺ کا قاصد[10] میرے پاس حضور ﷺ کا یہ ارشاد[11] والا لے کر آیا کہ اپنی بیوی کو بھی چھوڑ دو، میں نے دریافت کیا کہ کیا منشاء[12] ہے، اس کو طلاق دے دوں؟ کہا: نہیں، بلکہ علیٰحدگی[13] اختیار کرلو اور میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی ان ہی قاصد کی معرفت[14] یہی حکم پہونچا، میں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تُو اپنے میکہ میں چلی جا، جب تک اللہ تعالیٰ شانہٗ اس امر کا فیصلہ فرمائیں؛ وہیں رہنا۔ ہِلال بن اُمَیَّہ رضی اللہ عنہ کی بیوی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ ہلال بالکل بوڑھے شخص ہیں، کوئی خبر گیری[15] کرنے والا نہ ہوگا، تو

حل لغات: ① مصر کا رہنے والا۔ ② عیسائی۔ ③ اناج۔ ④ بیچنا۔ ⑤ ایک ملک۔ ⑥ بھلائی چاہنے والا۔ ⑦ بھڑکانا۔ ⑧ لالچ۔ ⑨ منہ پھیرنے۔ ⑩ پیغام لانے والا۔ ⑪ حکم۔ ⑫ ارادہ۔ ⑬ جدائی۔ ⑭ ذریعہ سے۔ ⑮ دیکھ بھال۔

ہلاک ہو جائیں گے، اگر آپ اجازت دیں اور آپ کو گرانی[1] نہ ہو، تو میں کچھ کام کاج ان کا کر دیا کروں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: مضائقہ[2] نہیں، لیکن صحبت نہ کریں۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس چیز کی طرف تو اُن کو میلان بھی نہیں، جس روز سے یہ واقعہ پیش آیا، آج تک اُن کا وقت روتے ہی گزر رہا ہے۔ کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھ سے بھی کہا گیا[3] کہ ہلال کی طرح تُو بھی اگر بیوی کی خدمت کی اجازت لے لے، تو شاید مل جائے۔ میں نے کہا: وہ بوڑھے ہیں، میں جوان ہوں، نہ معلوم مجھے کیا جواب ملے؟ اس لیے میں جرأت[4] نہیں کرتا۔ غرض اس حال میں دس روز اور گزرے کہ ہم سے بات چیت، میل جول چُھٹے ہوئے پورے پچاس دن ہو گئے، پچاسویں دن کی صبح کی نماز اپنے گھر کی چھت پر پڑھ کر میں نہایت غمگین بیٹھا ہوا تھا، زمین مجھ پر بالکل تنگ تھی اور زندگی دوبھر[5] ہو رہی تھی کہ "سَلَع" پہاڑ کی چوٹی پر سے ایک زور سے چلّانے والے نے آواز دی کہ کعب! خوشخبری ہو تم کو۔ میں اتنا ہی سن کر سجدے میں گر گیا اور خوشی کے مارے رونے لگا اور سمجھا کہ تنگی دور ہو گئی۔ حضورِ اقدس ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد ہماری معافی کا اعلان فرمایا۔ جس پر ایک شخص نے تو پہاڑ پر چڑھ کر زور سے آواز دی کہ وہ سب سے پہلے پہونچ گئی۔ اس کے بعد ایک صاحب گھوڑے پر سوار بھاگے ہوئے آئے، میں جو کپڑے پہن رہا تھا، وہ نکال کر بشارت[6] دینے والے کی نذر[7] کر دیے، خدا کی قسم! ان دو کپڑوں[8] کے سوا اور کوئی کپڑا اس وقت میری مِلک[9] میں نہ تھا۔ اس کے بعد میں نے دو کپڑے مانگے ہوئے پہنے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اسی طرح میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی خوشخبری لے کر لوگ گئے۔ میں جب مسجدِ نبوی میں حاضر ہوا، تو وہ لوگ جو خدمتِ اقدس میں حاضر تھے، مجھے مبارک باد دینے کے لیے دوڑے اور سب سے پہلے ابوطلحہ نے بڑھ کر مبارک باد دی اور مصافحہ کیا، جو ہمیشہ ہی یادگار رہے گا۔ میں نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں جا کر سلام کیا، تو چہرۂ انور کِھل رہا تھا اور انوار خوشی کے چہرے سے ظاہر ہو رہے تھے۔ حضورِ اقدس ﷺ کا چہرۂ مبارک خوشی کے وقت میں چاند کی طرح چمکنے لگتا تھا، میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میری توبہ کی تکمیل[10] یہ ہے کہ میری جائداد جو ہے، وہ سب اللہ کے راستے میں صدقہ ہے (کہ یہ ثروت[11] ہی اس مصیبت کا سبب بنی تھی) حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس میں تنگی ہو گی، کچھ حصہ اپنے پاس بھی رہنے دو، میں نے عرض کیا کہ بہتر ہے خیبر[12] کا حصہ رہنے دیا جائے، مجھے سچ ہی نے نجات دی، اس لیے میں نے عہد کر لیا کہ ہمیشہ ہی سچ بولوں گا۔ [درمنثور، فتح الباری]

فائدہ: یہ ہے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اطاعت اور دین داری کا اور اللہ کے خوف کا نمونہ کہ ہمیشہ جنگ میں یہ

حل لغات: (۱) ناراضگی۔ (۲) حرج۔ (۳) ممکن ہے کہ بیوی نے کہا ہو کہ بیویوں سے علیحدگی کا حکم اب تک نہیں ہوا تھا یا کسی بچے یا منافق نے کہا ہو کہ صحابہ رضی اللہ عنہم تو بولتے ہی نہ تھے۔ (۴) ہمت۔ (۵) دشوار۔ (۶) خوشخبری۔ (۷) حوالے۔ (۸) اگرچہ کپڑے کے سوا اور مال موجود تھا، مگر اس وقت کی عام زندگی یہی تھی کہ فضول چیزیں زیادہ نہ ہوتی تھیں، اس لیے کپڑے ۲ رہی تھے۔ (۹) قبضہ۔ (۱۰) کامل ہونا۔ (۱۱) مالداری۔ (۱۲) ملک عرب کی ایک جگہ کا نام۔

حضرات شریک رہے؛ ایک مرتبہ کی غیر حاضری پر کیا کیا عتاب[1] ہوا اور اس کو کس فرمانبرداری سے برداشت کیا کہ پچاس دن رو کر گزار دیے اور مال جس کی وجہ سے یہ واقعہ پیش آیا تھا، وہ بھی صدقہ کر دیا اور کافروں نے طمع[2] دلائی، تو بجائے مشتعل[3] ہونے کے اور زیادہ پشیمان[4] ہوئے اور اس کو بھی اللہ کا عتاب اور حضور ﷺ کے اعراض[5] کی وجہ سے سمجھا کہ میرے دین کا ضعف[6] اس درجہ تک پہونچ گیا کہ کافروں کو اس کی طمع ہونے لگی کہ وہ مجھے بے دین بنادیں۔ ہم لوگ بھی مسلمان ہیں، اللہ اور اس کے پاک رسول ﷺ کے ارشادات بھی سامنے ہیں، بڑے سے بڑا حکم، نماز ہی کا لے لو کہ ایمان کے بعد اس کے برابر کوئی چیز بھی نہیں۔ کتنے ہیں جو اس حکم کی تعمیل[7] کرتے ہیں؟ اور جو کرتے ہیں، وہ بھی کیسی کرتے ہیں؟ اس کے بعد زکوٰۃ اور حج کا تو پوچھنا ہی کیا کہ اس میں تو مال بھی خرچ ہوتا ہے۔

⑩ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہنسنے پر حضور ﷺ کی تنبیہ اور قبر کی یاد دہانی

نبیٔ اکرم ﷺ ایک مرتبہ نماز کے لیے تشریف لائے، تو ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ کھل کھلا کر ہنس رہی تھی اور ہنسی کی وجہ سے دانت کھل رہے تھے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر موت کو کثرت سے یاد کیا کرو، تو جو حالت میں دیکھ رہا ہوں وہ پیدا نہ ہو، لہٰذا موت کو کثرت سے یاد کیا کرو، قبر پر کوئی دن ایسا نہیں گزرتا، جس میں وہ یہ آواز نہ دیتی ہو کہ میں بے گانگی[8] کا گھر ہوں، تنہائی کا گھر ہوں، مٹی کا گھر ہوں، کیڑوں کا گھر ہوں۔ جب کوئی مؤمن قبر میں رکھا جاتا ہے، تو وہ کہتی ہے کہ تیرا آنا مبارک ہے، بہت اچھا کیا تُو آ گیا، جتنے آدمی زمین پر چلتے تھے، تُو اُن سب میں مجھے زیادہ پسند تھا، آج جب تُو میرے پاس آیا ہے، تو میرے بہترین سلوک[9] کو دیکھے گا۔ اس کے بعد وہ قبر جہاں تک مُردے کی نظر پہونچ سکے، وہاں تک وسیع[10] ہو جاتی ہے اور ایک دروازہ اس میں جنت کا کھل جاتا ہے، جس سے وہاں کی ہوا اور خوشبوئیں اس کو آتی رہتی ہیں اور جب کوئی بدکردار[11] قبر میں رکھا جاتا ہے، تو وہ کہتی ہے کہ تیرا آنا نامبارک ہے، بُرا کیا جو تُو آیا۔ زمین پر جتنے آدمی چلتے تھے، اُن سب میں تجھ ہی سے مجھے زیادہ نفرت تھی، آج جب تُو میرے حوالہ ہوا ہے، تو میرے برتاؤ کو بھی دیکھ لے گا۔ اس کے بعد وہ اس طرح سے اس کو دباتی ہے کہ پسلیاں آپس میں ایک دوسرے میں گُھس جاتی ہیں اور ستّر اژدہے اُس پر ایسے مسلّط[12] ہو جاتے ہیں کہ اگر ایک بھی زمین پر پھنکار[13] مارے، تو اس کے اثر سے زمین پر گھاس تک باقی نہ رہے، وہ اس کو قیامت تک ڈستے رہتے ہیں۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''قبر'' یا جنت کا ایک باغ ہے یا جہنم کا ایک گڑھا ہے۔ [مشکوٰۃ]

حل لغات: ① غصہ۔ ② لالچ۔ ③ بھڑکنا۔ ④ شرمندہ۔ ⑤ منھ پھیرنا۔ ⑥ کمزوری۔ ⑦ حکم پورا کرنا۔ ⑧ اجنبیت۔ ⑨ برتاؤ۔ ⑩ کشادہ، چوڑی۔ ⑪ گنہگار۔ ⑫ مقرر۔ ⑬ پھونک۔

فائدہ: اللہ کا خوف بڑی ضروری اور اہم چیز ہے؛ یہی وجہ ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ اکثر کسی گہری سوچ میں رہتے تھے اور موت کا یاد کرنا اس کے لیے مفید ہے، اسی لیے حضورِ اقدس ﷺ نے یہ نسخہ ارشاد فرمایا۔ کبھی کبھی موت کو یاد کرتے رہنا بہت ہی ضروری اور مفید ہے۔

⑪ حضرت حَنظَلَہ رضی اللہ عنہ کو اپنے متعلق نِفَاق کا ڈر

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضور ﷺ کی مجلس میں تھے، حضورِ اقدس ﷺ نے وعظ[1] فرمایا، جس سے قلوب[2] نرم ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اپنی حقیقت ہمیں ظاہر ہو گئی۔ حضور ﷺ کی مجلس سے اُٹھ کر میں گھر آیا، بیوی بچے پاس آ گئے اور کچھ دنیا کا ذکر تذکرہ شروع ہو گیا اور بچوں کے ساتھ ہنسنا بولنا، بیوی کے ساتھ مذاق شروع ہو گیا اور وہ حالت جاتی رہی، جو حضور ﷺ کی مجلس میں تھی۔ دفعۃً[3] خیال آیا کہ میں پہلے سے کس حال میں تھا، اب کیا ہو گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ تُو تو منافق[4] ہو گیا کہ ظاہر میں حضورِ اقدس ﷺ کے سامنے تو وہ حال تھا اور اب گھر میں آ کر یہ حالت ہو گئی، میں اس پر افسوس اور رنج کرتا ہوا اور یہ کہتا ہوا گھر سے نکلا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ سامنے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لا رہے تھے، میں نے ان سے عرض کیا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا، وہ یہ سن کر فرمانے لگے کہ سبحان اللہ! کیا کہہ رہے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ میں نے صورت بیان کی کہ ہم لوگ جب حضور ﷺ کی خدمت میں ہوتے ہیں اور حضور ﷺ دوزخ اور جنت کا ذکر فرماتے ہیں، تو ہم لوگ ایسے ہو جاتے ہیں، گویا وہ دونوں ہمارے سامنے ہیں اور جب حضور ﷺ کے پاس سے آ جاتے ہیں، تو بیوی، بچوں اور جائداد وغیرہ کے دھندوں میں پھنس کر اس کو بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بات تو ہم کو بھی پیش آتی ہے، اس لیے دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جا کر حنظلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں تو منافق ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا بات ہوئی؟ حنظلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ جب ہم لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ جنت و دوزخ کا ذکر فرماتے ہیں، تب تو ہم ایسے ہو جاتے ہیں کہ گویا وہ ہمارے سامنے ہیں؛ لیکن جب خدمتِ اقدس سے چلے جاتے ہیں، تو جا کر بیوی، بچوں اور گھر، باہر کے دھندوں میں لگ کر بھول جاتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر تمہارا ہر وقت وہی حال رہے، جیسا میرے سامنے ہوتا ہے، تو فرشتے تمہارے سے بستروں پر اور راستوں میں مصافحہ کرنے لگیں، لیکن حنظلہ بات یہ ہے کہ گاہے[5] گاہے گاہے گاہے۔ [اِحیاء، مسلم]

حل لغات: ① دین کی بات بتلانا۔ ② دل۔ ③ اچانک۔ ④ وہ شخص جو ظاہر میں مسلمان ہو گیا ہو، مگر دل سے کافر۔ ⑤ یعنی کبھی کبھی۔

فائدہ: یعنی آدمی کے ساتھ انسانی ضرورتیں بھی لگی ہوئی ہیں، جن کو پورا کرنا بھی ضروری ہے، کھانا پینا، بیوی بچے اور ان کی خیر خبر لینا یہ بھی ضروری چیزیں ہیں، اس لیے اس قسم کے حالات کبھی کبھی حاصل ہوتے ہیں، نہ ہر وقت یہ حاصل ہوتے ہیں اور نہ اس کی اُمید رکھنا چاہیے۔ یہ فرشتوں کی شان ہے کہ ان کو کوئی دوسرا دھندہ ہی نہیں، نہ بیوی بچے، نہ فکرِ معاش[1] اور نہ دنیوی قصے؛ اور انسان کے ساتھ چوں کہ بشری[2] ضروریات لگی ہوئی ہیں، اس لیے وہ ہر وقت ایک سی حالت پر نہیں رہ سکتا، لیکن غور کی بات یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے دین کی کتنی فکر تھی کہ ذرا سی بات سے کہ حضور ﷺ کے سامنے جو حالت ہماری ہوتی ہے، وہ بعد میں نہیں رہتی، اس سے اپنے منافق ہونے کا ان کو فکر ہو گیا۔ ''عشق است و ہزار بدگمانی''، عشق جس سے ہوتا ہے، اس کے متعلق ہزار طرح کی بدگمانی اور فکر ہو جاتا ہے۔ بیٹے سے محبت ہو اور وہ کہیں سفر میں چلا جائے، پھر دیکھئے ہر وقت خیریت کی خبر کا فکر رہتا ہے اور جو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ وہاں طاعون ہے یا فساد ہو گیا، پھر خدا جانے کتنے خطوط اور تار پہونچیں گے۔

تکمیل: اللہ کے خوف کے متفرق[3] احوال[4]

قرآن شریف کی آیات اور حضور ﷺ کی احادیث اور بزرگوں کے واقعات میں اللہ جلّ شانہٗ سے ڈرنے کے متعلق جتنا کچھ ذکر کیا گیا ہے، اس کا احاطہ[5] تو دشوار[6] ہے؛ لیکن مختصر طور پر اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ دین کے ہر کمال کا زینہ[7] ''اللہ کا خوف ہے''۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ حکمت کی جڑ اللہ کا خوف ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بہت رویا کرتے تھے، حتیٰ کہ روتے روتے آنکھیں بھی بیکار ہو گئی تھیں، کسی شخص نے ایک مرتبہ دیکھ لیا، تو فرمانے لگے کہ میرے رونے پر تعجب کرتے ہو؟ اللہ کے خوف سے سورج روتا ہے۔ ایک مرتبہ ایسا ہی قصہ آیا تو فرمایا کہ اللہ کے خوف سے چاند روتا ہے۔ ایک نوجوان صحابی پر حضور ﷺ کا گزر ہوا، وہ پڑھ رہے تھے جب ﴿فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٣٧﴾﴾ [سورۂ رحمٰن] پر پہونچے، تو بدن کے بال کھڑے ہو گئے، روتے روتے دَم گُھٹنے[8] لگا اور کہہ رہے تھے: ہاں! جس دن آسمان پھٹ جاویں گے، (یعنی قیامت کے دن) میرا کیا حال ہوگا؟ ہائے میری بربادی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اس رونے کی وجہ سے فرشتے بھی رونے لگے۔ ایک انصاری نے تہجد پڑھا اور پھر بیٹھ کر بہت روئے، کہتے تھے: اللہ ہی سے فریاد کرتا ہوں جہنم کی آگ کی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے آج فرشتوں کو رُلا دیا۔ عبداللہ بن رَوَاحہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، رو رہے تھے، بیوی بھی ان کی اس حالت کو دیکھ کر رونے لگیں،

حل لغات: (۱) روزی کی فکر۔ (۲) انسانی۔ (۳) مختلف۔ (۴) حالتیں۔ (۵) تمام چیزوں کو جمع کرنا۔ (۶) مشکل۔ (۷) سیڑھی۔ (۸) سانس رکنا۔

پوچھا کہ تم کیوں روتی ہو؟ کہنے لگیں کہ جس وجہ سے تم روتے ہو۔ عبداللہ بن رَوَاحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ جہنم پر تو گزرنا ہے ہی، نہ معلوم نجات ہو سکے گی یا وہیں رہ جاؤں گا۔ [قیام اللیل]

زُرارہ بن اَوفیٰؒ ایک مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے ﴿فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ﴿٨﴾﴾ الآیۃ [سورۂ مدثر] پر جب پہونچے، تو فوراً گر گئے اور انتقال ہو گیا، لوگ اُٹھا کر گھر تک لائے۔ حضرت خُلَیدؒ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ [سورۂ آل عمران: ۱۸۵] پر پہونچے، تو اس کو بار بار پڑھنے لگے، تھوڑی دیر میں گھر کے ایک کونے سے آواز آئی کہ کتنی مرتبہ اس کو پڑھو گے؟ تمہارے اس بار بار کے پڑھنے سے چار جن مر چکے ہیں۔ ایک اور صاحب کا قصہ لکھا ہے کہ پڑھتے پڑھتے جب ﴿وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ﴾ [سورۂ یونس: ۳۰] پر پہونچے، تو ایک چیخ ماری اور تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ اور بھی اس قسم کے واقعات کثرت سے گزرے ہیں۔ حضرت فضیلؒ مشہور بزرگ ہیں کہتے ہیں کہ اللہ کا خوف ہر خیر کی طرف رہبری[1] کرتا ہے۔ حضرت شبلیؒ کے نام سے سب ہی واقف ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جب بھی میں اللہ سے ڈرا ہوں، اس کی وجہ سے مجھ پر حکمت[2] اور عبرت کا ایسا دروازہ کھلا ہے، جو اس سے پہلے نہیں کھلا۔ حدیث میں آیا ہے: اللہ جلَّ شانہٗ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے پر دو خوف جمع نہیں کرتا اور دو بےفکریاں نہیں دیتا، اگر دنیا میں مجھ سے بےفکر رہے، تو قیامت میں ڈراتا ہوں اور دنیا میں ڈرتا رہے، تو آخرت میں بےفکری عطا کرتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے، اس سے ہر چیز ڈرتی ہے اور جو غیر اللہ سے ڈرتا ہے، اس کو ہر چیز ڈراتی ہے۔ یحییٰ بن معاذؒ کہتے ہیں کہ آدمی بےچارہ اگر جہنم سے اتنا ڈرنے لگے، جتنا تنگدستی[3] سے ڈرتا ہے، تو سیدھا جنت میں جائے۔ ابوسلیمان دارانیؒ کہتے ہیں کہ جس دل سے اللہ کا خوف جاتا رہتا ہے، وہ برباد ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس آنکھ سے اللہ کے خوف کی وجہ سے ذرا سا آنسو خواہ[4] مکھی کے سر کے برابر ہی کیوں نہ ہو، نکل کر چہرہ پر گرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس چہرہ کو آگ پر حرام فرما دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے کہ جب مسلمان کا دل اللہ کے خوف سے کانپتا ہے، تو اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں، جیسے درختوں سے پتے جھڑتے ہیں۔ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کے خوف سے روئے، اس کا آگ میں جانا ایسا ہی مشکل ہے، جیسا دودھ کا تھنوں میں واپس جانا۔ حضرت عُقْبَہ بن عامر رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ نجات کا راستہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی زبان کو روکے رکھو، گھر میں بیٹھے رہو اور اپنی خطاؤں[5] پر روتے رہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ آپ کی اُمت میں کوئی ایسا بھی ہے، جو بےحساب کتاب جنت میں داخل ہو؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

حل لغات: ① راستہ دکھانا۔ ② سمجھ اور نصیحت۔ ③ غریبی۔ ④ چاہے۔ ⑤ غلطیوں۔

فرمایا: ہاں! جو اپنے گناہوں کو یاد کر کے روتا رہے۔ میرے آقا ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے کہ اللہ کے نزدیک دو قطروں سے زیادہ کوئی قطرہ پسند نہیں: ایک آنسو کا قطرہ، جو اللہ کے خوف سے نکلا ہو، دوسرا خون کا قطرہ، جو اللہ کے راستہ میں گرا ہو۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ قیامت کے دن سات آدمی ایسے ہوں گے، جن کو اللہ جلَّ شانہٗ اپنا سایہ عطا فرماویں گے، ایک وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی وجہ سے اس کی آنکھ سے آنسو بہنے لگیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جو رو سکتا ہو وہ روئے، اور جس کو رونا نہ آئے، وہ رونے کی صورت ہی بنالے۔ محمد بن مُنْکَدِرؒ جب روتے تھے، تو آنسوؤں کو اپنے منہ اور داڑھی سے پونچھتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھے یہ روایت پہونچی ہے کہ جہنم کی آگ اس جگہ کو نہیں چھوتی، جہاں آنسو پہونچے ہوں۔ ثابت بنانیؒ کی آنکھیں دکھنے لگیں، طبیب نے کہا کہ ایک بات کا وعدہ کرلو، آنکھ اچھی ہو جاوے گی کہ رویا نہ کرو۔ کہنے لگے: آنکھ میں کوئی خوبی ہی نہیں اگر وہ روئے نہیں۔ یزید بن مَیْسَرَہؒ کہتے ہیں کہ رونا سات وجہ سے ہوتا ہے: (۱) خوشی سے (۲) جنون[۱] سے (۳) درد سے (۴) گھبراہٹ سے (۵) دکھلاوے سے (۶) نشہ سے (۷) اور اللہ کے خوف سے۔ یہی ہے وہ رونا کہ اس کا ایک آنسو بھی آگ کے سمندروں کو بجھا دیتا ہے۔ کَعْبِ اَحْبَارؒ کہتے ہیں: اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! کہ اگر میں اللہ کے خوف سے روؤں اور آنسو میرے رخسار[۲] پر بہنے لگیں، یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کروں۔ ان کے علاوہ اور بھی ہزاروں ارشادات ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی یاد میں اور اپنے گناہوں کی فکر میں رونا کیمیا[۳] ہے اور بہت ہی ضروری اور مفید اور اپنے گناہوں پر نظر کر کے یہی حالت ہونا چاہیے؛ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کی اُمید میں بھی کمی نہ ہو۔ یقیناً اللہ کی رحمت ہر شئے[۴] کو وسیع[۵] ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر قیامت میں یہ اعلان ہو کہ ایک شخص کے سوا سب کو جہنم میں داخل کرو، تو مجھے اللہ کی رحمت سے یہ اُمید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں اور اگر یہ اعلان ہو کہ ایک شخص کے سوا سب کو جنت میں داخل کرو، تو مجھے اپنے اعمال سے یہ خوف ہے کہ وہ شخص میں ہی نہ ہوں۔ اس لیے دونوں چیزوں کو علیحدہ علیحدہ سمجھنا اور رکھنا چاہیے۔ بالخصوص[۶] موت کے وقت میں اُمید کا معاملہ زیادہ ہونا چاہیے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص نہ مرے، مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ حُسنِ ظن[۷] رکھتا ہوا۔ امام احمد بن حنبلؒ کا جب انتقال ہونے لگا، تو انہوں نے اپنے بیٹے کو بلایا اور فرمایا کہ ایسی احادیث مجھے سناؤ، جن سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُمید بڑھتی ہو۔

حل لغات: (۱) پاگل پن۔ (۲) گال۔ (۳) بہت مفید چیز۔ (۴) چیز۔ (۵) گھیرے ہوئے۔ (۶) خاص طور سے۔ (۷) اچھا گمان۔

تیسرا باب: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زُہد[1] اور فقر[2] کے بیان میں

اس بارہ میں خود نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا معمول اور اس کے واقعات جو اس امر[3] پر دلالت[4] کرتے ہیں کہ یہ چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خود اختیار فرمائی ہوئی اور پسند کی ہوئی تھی؛ اتنی کثرت سے حدیث کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں کہ ان کا مثال کے طور پر بھی جمع کرنا مشکل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "فقر مومن کا تحفہ ہے"۔

① حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہاڑوں کو سونا بنا دینے سے انکار

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "میرے رب نے مجھ پر یہ پیش کیا کہ میرے لیے مکہ کے پہاڑوں کو سونے کا بنا دیا جائے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ! مجھے تو یہ پسند ہے کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں، تو دوسرے دن بھوکا رہوں، تا کہ جب بھوکا ہوں تو تیری طرف زاری[5] کروں اور تجھے یاد کروں اور جب پیٹ بھروں، تو تیرا شکر کروں، تیری تعریف کروں"۔ [ترمذی]

فائدہ: یہ اس ذاتِ مقدس کا حال ہے جس کے ہم نام لیوا ہیں اور اس کی اُمت میں ہونے پر فخر ہے، جس کی ہر بات ہمارے لیے قابلِ اتباع ہے۔

② حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وسعت[6] طلب کرنے پر تنبیہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گزر کی حالت

بیویوں کی بعض زیادتیوں پر ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھالی تھی کہ ایک مہینہ تک ان کے پاس نہ جاؤں گا، تا کہ ان کو تنبیہ[8] ہو اور علیحدہ اوپر ایک حُجرہ[9] میں قیام فرمایا تھا۔ لوگوں میں یہ شہرت ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت اپنے گھر تھے، جب یہ خبر سنی تو دوڑے ہوئے تشریف لائے، مسجد میں دیکھا کہ لوگ مُتفرق[10] طور پر بیٹھے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رنج اور غصہ کی وجہ سے رو رہے ہیں، بیبیاں بھی سب اپنے اپنے گھروں میں رو رہی ہیں۔ اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے، وہ بھی مکان میں رو رہی تھیں، فرمایا کہ اب کیوں رو رہی ہے؟ کیا میں ہمیشہ اس سے ڈرایا نہیں کرتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کی کوئی بات نہ کیا کر؟ اس کے بعد مسجد میں تشریف لائے، وہاں ایک جماعت منبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی، تھوڑی دیر وہاں بیٹھے رہے، مگر شدتِ[11] رنج سے بیٹھا نہ گیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس جگہ تشریف فرما تھے، اس کے قریب تشریف لے گئے اور حضرت رباح رضی اللہ عنہ ایک غلام کے ذریعہ سے جو دو بارّی[12] کے زینہ[13] پر پاؤں

حل لغات: ① دنیا سے بے رغبتی۔ ② غریبی۔ ③ بات۔ ④ ثبوت دینا۔ ⑤ عاجزی۔ ⑥ کشادگی، خوشحالی۔ ⑦ خرچ کو بڑھانے کی درخواست۔ ⑧ نصیحت، عبرت۔ ⑨ کمرہ۔ ⑩ الگ الگ۔ ⑪ غم کی زیادتی۔ ⑫ اوپر کا کمرہ۔ ⑬ سیڑھی۔

لٹکائے بیٹھے تھے؛ اندر حاضری کی اجازت چاہی، انہوں نے حاضرِ خدمت ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اجازت مانگی، مگر حضور ﷺ نے سکوت[1] فرمایا، کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت رباح رضی اللہ عنہ نے آ کر یہی جواب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دے دیا کہ میں نے عرض کر دیا تھا، مگر کوئی جواب نہ ملا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مایوس ہو کر منبر کے پاس آ بیٹھے، مگر بیٹھا نہ گیا، تو پھر تھوڑی دیر میں حاضر ہو کر حضرت رباح رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے اجازت چاہی۔ اسی طرح تین مرتبہ پیش آیا کہ یہ بے تابی[2] سے غلام کے ذریعہ اجازت حاضری کی مانگتے، ادھر سے جواب میں سکوت اور خاموشی ہی ہوتی۔ تیسری مرتبہ جب لوٹنے لگے، تو حضرت رباح رضی اللہ عنہ نے آواز دی اور کہا کہ تمہیں حاضری کی اجازت ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے، تو دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ ایک بورئیے[3] پر لیٹے ہوئے ہیں، جس پر کوئی چیز بچھی ہوئی نہیں ہے، اس وجہ سے جسمِ اَطہر پر بوریے کے نشانات بھی اُبھر آئے ہیں۔ خوب صورت بدن پر نشانات صاف نظر آیا ہی کرتے ہیں اور سرہانے[4] ایک چمڑے کا تکیہ ہے، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی۔ میں نے سلام کیا اور سب سے اوّل تو یہ پوچھا کیا آپ نے بیویوں کو طلاق دے دی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ اس کے بعد میں نے دل بستگی[5] کے طور پر حضور ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم قریشی لوگ عورتوں پر غالب رہتے تھے، مگر جب مدینہ آئے، تو دیکھا کہ انصار کی عورتیں مردوں پر غالب ہیں، ان کو دیکھ کر قریش کی عورتیں بھی اس سے متاثر ہوگئیں۔ اس کے بعد میں نے ایک آدھ بات اور کی، جس سے نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ انور پر تبسم[6] کے آثار ظاہر ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ گھر کا کل سامان یہ تھا: تین چمڑے بغیر دباغت[7] دیے ہوئے اور ایک مٹھی جَو ایک کونے میں پڑے ہوئے تھے۔ میں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑا کر دیکھا، تو اس کے سوا کچھ نہ ملا، میں دیکھ کر رو دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیوں رو رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیوں نہ روؤں کہ یہ بوریے کے نشانات آپ ﷺ کے بدن مبارک پر پڑ رہے ہیں اور گھر کی کل کائنات[8] یہ ہے، جو میرے سامنے ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! دعا کیجیے کہ آپ کی اُمت ﷺ پر بھی وسعت[9] ہو، یہ روم و فارس[10] بے دین ہونے کے باوجود کہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے، ان پر تو یہ وسعت، یہ قیصر[11] و کسریٰ[12] تو باغوں اور نہروں کے درمیان ہوں اور آپ اللہ کے رسول اور اس کے خاص بندہ ہو کر یہ حالت؟ نبیٔ اکرم ﷺ تکیہ لگائے ہوئے لیٹے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر بیٹھ گئے اور فرمایا: ”عمر! کیا اب تک اس بات کے اندر شک میں پڑے ہوئے ہو؟ سنو! آخرت کی وسعت دنیا کی وسعت سے بہت بہتر ہے، ان کفار کو طَیِّبَات[13] اور اچھی چیزیں دنیا میں مل

حل لغات: (۱) خاموش رہے۔ (۲) بے چینی۔ (۳) چٹائی۔ (۴) سر رکھنے کی جگہ۔ (۵) دل بہلانا۔ (۶) مسکراہٹ۔ (۷) وہ چمڑا جس کو درست نہ کیا گیا ہو۔ (۸) پونجی۔ (۹) کشادگی۔ (۱۰) دو ملکوں کے نام۔ (۱۱) ملک شام کے بادشاہ کا لقب۔ (۱۲) ملک فارس کے بادشاہ کا لقب۔ (۱۳) عمدہ چیزیں۔

گئیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہیں''، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے لیے استغفار فرمائیں کہ واقعی میں نے غلطی کی۔ [فتح]

فائدہ: یہ دین و دنیا کے بادشاہ اور اللہ کے لاڈلے رسول ﷺ کا طرزِ عمل[1] ہے کہ بوریے پر کوئی چیز بچھی ہوئی بھی نہیں، نشانات بدن پر پڑے ہوئے ہیں، گھر کے ساز و سامان کا حال بھی معلوم ہو گیا؛ اس پر ایک شخص نے دعا کی درخواست کی، تو تنبیہ فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپ کے گھر میں حضور ﷺ کا بسترہ کیسا تھا؟ فرمایا: کہ ایک چمڑہ کا تھا، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بھی کسی نے پوچھا: کہ آپ کے گھر میں حضور ﷺ کا بسترہ کیسا تھا؟ فرمایا کہ: ایک ٹاٹ[2] تھا، جس کو دوہرا[3] کر کے حضور ﷺ کے نیچے بچھا دیتی تھی؛ ایک روز مجھے خیال ہوا کہ اگر اس کو چوہرا[4] کر کے بچھا دوں، تو زیادہ نرم ہو جائے؛ چنانچہ ہم نے بچھا دیا۔ حضور ﷺ نے صبح کو فرمایا کہ رات کیا بچھا دیا تھا؟ ہم نے عرض کر دیا کہ وہی ٹاٹ تھا، اس کو چوہرا کر دیا تھا۔ فرمایا: اس کو ویسا ہی کر دو جیسا پہلے تھا، اس کی نرمی رات کو اُٹھنے میں مانع[5] بنتی ہے۔ [شمائل] اب ہم لوگ اپنے نرم نرم اور روئیں دار گدّوں پر بھی نگاہ ڈالیں کہ اللہ نے کس قدر وسعت فرما رکھی ہے اور پھر بھی بجائے شکر کے ہر وقت تنگی کی شکایت ہی زبان پر رہتی ہے۔

③ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بھوک کا حال

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کَتّان[6] کے کپڑے میں ناک صاف کر کے فرمانے لگے:

کیا کہنے ابوہریرہ کے! آج کَتّان کے کپڑے میں ناک صاف کرتا ہے، حالانکہ مجھے وہ زمانہ بھی یاد ہے، جب حضور اقدس ﷺ کے منبر اور حجرہ کے درمیان میں بے ہوش پڑا ہوا ہوتا تھا اور لوگ مجنون[7] سمجھ کر پاؤں سے گردن دباتے تھے، حالانکہ جنون نہیں تھا، بلکہ بھوک تھی۔

فائدہ: یعنی بھوک کی وجہ سے کئی کئی روز کا فاقہ ہو جاتا تھا، بے ہوشی ہو جاتی تھی اور لوگ سمجھتے تھے کہ جنون ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں مجنون کا علاج گردن کو پاؤں سے دبانے سے کیا جاتا تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بڑے صابر اور قانع[8] لوگوں میں تھے، کئی کئی وقت فاقہ میں گزر جاتے تھے۔ حضور ﷺ کے بعد اللہ نے فُتوحات[9] فرمائیں، تو ان پر تونگری[10] آئی، اس کے ساتھ ہی بڑے عابد تھے۔ ان کے پاس ایک تھیلی تھی، جس میں کھجور کی گٹھلیاں بھری رہتی، اُس پر تسبیح پڑھا کرتے، جب وہ ساری تھیلی خالی ہو جاتی، تو باندی اس کو پھر بھر کر پاس رکھ دیتی۔ ان کا یہ بھی معمول تھا کہ خود اور بیوی اور خادم تین آدمی رات کے تین حصے کر لیتے اور نمبروار ایک شخص تینوں میں سے عبادت میں مشغول رہتا۔ [تذکرۃ الحفاظ]

حل لغات: ① زندگی گذارنے کا ڈھنگ۔ ② بوری کا کپڑا۔ ③ دومرتبہ موڑ کر۔ ④ چار مرتبہ موڑ کر۔ ⑤ روکنے والی۔ ⑥ ایک قسم کا باریک کپڑا۔ ⑦ پاگل۔ ⑧ تھوڑی چیز پر راضی رہنے والا۔ ⑨ کامیابیاں۔ ⑩ مالداری۔

میں نے اپنے والد[1] صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ میرے دادا[2] صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تقریباً یہی معمول تھا کہ رات کو ایک بجے تک والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مطالعہ میں مشغول رہتے۔ ایک بجے دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ تہجد کے لیے اُٹھتے، تو تقاضا فرما کر والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سلا دیتے اور خود تہجد میں مشغول ہو جاتے اور صبح سے تقریباً پون گھنٹہ قبل[3] میرے تائے[4] صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو تہجد کے لیے جگا دیتے اور خود اتباعِ سنت میں آرام فرماتے، اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ اِتِّبَاعَهُمْ۔

④ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیت المال سے وظیفہ[5]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے یہاں کپڑے کی تجارت ہوتی تھی اور اسی سے گذر اوقات تھا، جب خلیفہ بنائے گئے، تو حسبِ[6] معمول صبح کو چند چادریں ہاتھ پر ڈال کر بازار میں فروخت[7] کے لیے تشریف لے چلے، راستہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملے، پوچھا: کہاں چلے؟ فرمایا: بازار جا رہا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اگر تم تجارت میں مشغول رہو گے، تو خلافت کے کام کا کیا ہوگا؟ فرمایا: پھر اہل و عیال کو کہاں سے کھلاؤں؟ عرض کیا کہ ابوعبیدہ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امین[8] ہونے کا لقب دیا ہے، ان کے پاس چلیں، وہ آپ کے لیے بیت المال سے کچھ مقرر کر دیں گے۔ دونوں حضرات ان کے پاس تشریف لے گئے، تو انہوں نے ایک مہاجری کو جو اوسطاً ملتا تھا، نہ کم نہ زیادہ وہ مقرر فرما دیا۔ ایک مرتبہ بیوی نے درخواست کی کہ کوئی میٹھی چیز کھانے کو دل چاہتا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے پاس تو دام نہیں کہ خریدوں۔ اہلیہ نے عرض کیا کہ ہم اپنے روز کے کھانے میں سے تھوڑا تھوڑا بچا لیا کریں، کچھ دنوں میں اتنی مقدار ہو جائے گی۔ آپ نے اجازت فرما دی، اہلیہ نے کئی روز میں کچھ تھوڑے سے پیسے جمع کیے، آپ نے فرمایا کہ تجربے سے یہ معلوم ہوا کہ اتنی مقدار ہمیں بیت المال سے زیادہ ملتی ہے، اس لیے جو اہلیہ نے جمع کیا تھا وہ بھی بیت المال میں جمع فرما دیا اور آئندہ کے لیے اتنی مقدار جتنا انہوں نے روزانہ جمع کیا تھا، اپنی تنخواہ میں سے کم کر دیا۔

فائدہ: اتنے بڑے خلیفہ اور بادشاہ پہلے سے اپنی تجارت بھی کرتے تھے اور وہ ضروریات کو کافی بھی تھی، جیسا کہ اس اعلان سے معلوم ہوتا ہے، جو بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے، تو آپ نے فرمایا کہ میری قوم کو یہ بات معلوم ہے کہ میرا پیشہ[9] تجارت میرے اہل و عیال کے خرچ کو نا کافی نہیں تھا؛ لیکن اب خلافت کی وجہ سے مسلمانوں کے کاروبار میں مشغولی ہے، اس لیے بیت المال سے میرے اہل و عیال کا کھانا مقرر ہوگا۔ اس کے باوجود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وصال[10] ہونے لگا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وصیت فرمائی کہ میری ضرورتوں میں جو چیزیں بیت المال کی ہیں، وہ

حل لغات: ① حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ ② حضرت مولانا اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ ③ پہلے۔ ④ باپ کے بڑے بھائی یعنی حضرت مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ ⑤ تنخواہ۔ ⑥ عادت کے موافق۔ ⑦ بیچنا۔ ⑧ امانت دار۔ ⑨ بزنس، کاروبار۔ ⑩ انتقال۔

میرے بعد آنے والے خلیفہ کے حوالے کر دی جائیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی دینار یا درہم نہیں تھا، ایک اُونٹنی دودھ کی، ایک پیالہ، ایک خادم تھا۔ بعض روایات میں ایک اُوڑھنا ایک بچھونا بھی آیا ہے، یہ اشیاء[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب نیابت[2] میں پہونچیں، تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم فرمائیں کہ اپنے سے بعد والے کو مشقت[3] میں ڈال گئے۔ [فتح]

⑤ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیت المال سے وظیفہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تجارت کیا کرتے تھے، جب خلیفہ بنائے گئے تو بیت المال سے وظیفہ مقرر ہوا۔ مدینہ طیبہ میں لوگوں کو جمع فرما کر ارشاد فرمایا کہ میں تجارت کیا کرتا تھا، اب تم لوگوں نے اس میں مشغول کر دیا، اس لیے اب گذارہ کی کیا صورت ہو؟ لوگوں نے مختلف مقداریں تجویز[4] کیں، حضرت علی کرّم اللہ وجہہ، چپ بیٹھے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ توسُّط[5] کے ساتھ جو تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو کافی ہو جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور قبول کر لیا اور مُتوسّط[6] مقدار تجویز ہو گئی۔ اس کے بعد ایک مرتبہ ایک مجلس میں جس میں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے اور حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ شریک تھے، یہ ذکر آیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وظیفہ میں اضافہ کرنا چاہیے کہ گذر میں تنگی ہوتی ہے، مگر ان سے عرض کرنے کی ہمت نہ ہوئی، اس لیے ان کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہونے کی وجہ سے اُم المومنین[7] بھی تھیں، ان کی خدمت میں یہ حضرات تشریف لے گئے اور ان کے ذریعہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت اور رائے معلوم کرنے کی کوشش کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ ہم لوگوں کے نام معلوم نہ ہوں، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے جب عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا، تو چہرہ پر غصہ کے آثار ظاہر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نام دریافت کیے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ پہلے آپ کی رائے معلوم ہو جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اُن کے نام معلوم ہو جاتے، تو اُن کے چہرے بدل دیتا، یعنی ایسی سخت سزائیں دیتا کہ منہ پر نشان پڑ جاتے۔ تُو ہی بتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمدہ سے عمدہ لباس تیرے گھر میں کیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا کہ دو کپڑے گیروی[8] رنگ کے، جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن یا کسی وفد[9] کی وجہ سے پہنتے تھے، پھر فرمایا کہ کون سا کھانا تیرے یہاں عمدہ سے عمدہ کھایا؟ عرض کیا کہ ہمارا کھانا جَو کی روٹی تھی، ہم نے گرم گرم روٹی پر گھی کے ڈبہ کی تلچھٹ[10] اُلٹ کر اس کو ایک مرتبہ چُپڑ[11] دیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس کو مزے لے کر نوش فرما رہے تھے اور دوسروں کو بھی کھلاتے تھے، فرمایا: کون سا بستر ہ عمدہ ہوتا تھا، جو تیرے یہاں بچھاتے تھے؟ عرض کیا: ایک

حل لغات: ① چیزیں۔ ② نائب ہونا، جانشین ہونا۔ ③ تکلیف۔ ④ طے۔ ⑤ برابر نہ کم نہ زیادہ۔ ⑥ درمیانی۔ ⑦ تمام مسلمانوں کی ماں۔ ⑧ گہرا گلابی۔ ⑨ مخصوص جماعت۔ ⑩ نیچے جمی ہوئی چیز۔ ⑪ چکنی چیز لگانا، گھی لگانا۔

موٹا سا کپڑا تھا، گرمی میں اس کو چوہرا کر کے بچھا لیتے تھے اور سردی میں آدھے کو بچھا لیتے اور آدھے کو اُوڑھ لیتے۔ فرمایا کہ حفصہ! ان لوگوں تک یہ بات پہونچا دے کہ حضور ﷺ نے اپنے طرزِ عمل[1] سے ایک اندازہ مقرر فرما دیا اور اُمید (آخرت) پر کفایت[2] فرمائی، میں بھی حضور ﷺ کا اتباع کروں گا، میری مثال اور میرے دو ساتھی حضورِ اقدس ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مثال ان تین شخصوں کی سی ہے، جو ایک راستہ پر چلے: پہلا شخص ایک توشہ[3] لے کر چلا اور مقصد کو پہونچ گیا، دوسرے نے بھی پہلے کا اتباع کیا اور اسی کے طریقہ پر چلا، وہ بھی پہلے کے پاس پہونچ گیا، پھر تیسرے شخص نے چلنا شروع کیا، اگر وہ دونوں کے طریقہ پر چلے گا، تو ان کے ساتھ مل جائے گا اور اگر ان کے طریقہ کے خلاف چلے گا، تو کبھی بھی ان کے ساتھ نہیں مل سکے گا۔ [اشہر]

فائدہ: یہ اس شخص کا حال ہے، جس سے دنیا کے بادشاہ ڈرتے تھے، کانپتے تھے کہ کس زاہدانہ[4] زندگی کے ساتھ عمر گزار دی۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ خطبہ پڑھ رہے تھے اور آپ کی لنگی میں بارہ پیوند[5] تھے، جن میں سے ایک چمڑہ کا بھی تھا۔ ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کے لیے تشریف لانے میں دیر ہوئی، تو تشریف لا کر معذرت فرمائی کہ مجھے اپنے کپڑے دھونے میں دیر ہوئی اور ان کپڑوں کے علاوہ اور تھے نہیں۔ [اشہر] ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھانا نوش فرما رہے تھے، غلام نے آ کر عرض کیا کہ عُتبہ بن ابی فَرقَد رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے ہیں، آپ نے اندر آنے کی اجازت فرمائی اور کھانا کی تواضع[6] فرمائی، وہ شریک ہو گئے، تو ایسا موٹا کھانا تھا کہ نگلا نہ گیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ چھنے ہوئے آٹے کا کھانا بھی تو ہو سکتا تھا؟ آپ نے فرمایا: کیا سب مسلمان میدہ[7] کھا سکتے ہیں؟ عرض کیا کہ سب تو نہیں کھا سکتے۔ فرمایا کہ افسوس! تم یہ چاہتے ہو کہ میں اپنی ساری لذّتیں دنیا ہی میں ختم کر دوں۔ [اُسد الغابہ]

اس قسم کے سینکڑوں ہزاروں نہیں، بلکہ لاکھوں واقعات ان حضراتِ کرام کے ہیں۔ ان کا اتباع نہ اب ہو سکتا ہے، نہ ہر شخص کو کرنا چاہیے کہ قُویٰ[8] ضعیف ہیں، جس کی وجہ سے تحمّل[9] بھی ان کا اس زمانہ میں دشوار ہے، اسی وجہ سے اس زمانہ میں مشائخِ تصوف ایسے مجاہدوں کی اجازت نہیں دیتے، جس سے ضُعف[10] پیدا ہو کہ قوتیں پہلے ہی سے ضعیف ہیں، ان حضرات کو اللہ جلَّ شانہٗ نے قوّتیں بھی عطا فرمائی تھیں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اتباع کی خواہش اور تمنا ضرور رکھنا چاہیے کہ اس کی وجہ سے آرام طلبی میں کچھ کمی واقع ہو اور نگاہ کچھ تو نیچی رہے اور اس زمانہ کے مناسب اعتدال[11] پیدا ہو جائے کہ ہم لوگ ہر وقت لذاتِ دنیا میں

حل لغات: (۱) زندگی گزارنے کا طریقہ۔ (۲) بس کرنا۔ (۳) راستے کا سامان۔ (۴) دنیا سے بے رغبتی۔ (۵) پھٹے ہوئے کپڑے میں لگے ہوئے جوڑ۔ (۶) مہمان نوازی۔ (۷) چھنا ہوا آٹا۔ (۸) طاقتیں۔ (۹) برداشت کرنا۔ (۱۰) کمزوری۔ (۱۱) برابری۔

بڑھتے جاتے ہیں اور ہر شخص اپنے سے زیادہ مال و دولت والے کی طرف نگاہ رکھتا ہے اور اس حسرت میں مرا جاتا ہے کہ فلاں شخص مجھ سے زیادہ وسعت میں ہے۔

⑥ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ کے لیے ایک مشرک سے قرض

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ایک صاحب نے پوچھا کہ حضورِ اقدس ﷺ کے اخراجات[1] کی کیا صورت ہوتی تھی؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے پاس کچھ جمع تو رہتا ہی نہیں تھا، یہ خدمت میرے سپرد تھی، جس کی صورت یہ تھی کہ کوئی مسلمان بھوکا آتا، تو حضورِ اقدس ﷺ مجھے ارشاد فرما دیتے، میں کہیں سے قرض لے کر اس کو کھانا کھلا دیتا۔ کوئی ننگا آتا، تو مجھے ارشاد فرما دیتے، میں کسی سے قرض لے کر اس کو کپڑا بنا دیتا، یہ صورت ہوتی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک مشرک مجھے ملا، اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے وسعت اور ثروت[2] حاصل ہے، تُو کسی سے قرض نہ لیا کر، جب ضرورت ہُوا کرے، مجھ ہی سے قرض لے لیا کر۔ میں نے کہا: اس سے بہتر کیا ہوگا، اس سے قرض لینا شروع کر دیا۔ جب ارشادِ عالی[3] ہوتا، اس سے قرض لے آیا کرتا اور ارشادِ والا کی تعمیل[4] کر دیتا۔ ایک مرتبہ میں وضو کر کے اذان کہنے کے لیے کھڑا ہی تھا کہ وہی مشرک ایک جماعت کے ساتھ آیا اور کہنے لگا: او حبشی! میں اُدھر متوجہ ہوا، تو ایک دم بے تحاشا[5] گالیاں دینے لگا اور بُرا بھلا جو منہ میں آیا، کہا اور کہنے لگا کہ مہینہ ختم ہونے میں کتنے دن باقی ہیں؟ میں نے کہا: قریب ختم کے ہے۔ کہنے لگا کہ چار دن باقی ہیں، اگر مہینہ کے ختم تک میرا سب قرضہ ادا نہ کیا، تو تجھے اپنے قرضہ میں غلام بناؤں گا اور اسی طرح بکریاں چَراتا پھرے گا جیسا پہلے تھا۔ یہ کہہ کر چلا گیا، مجھ پر دن بھر جو گذرنا چاہیے تھا، وہی گذرا، تمام دن رنج و صدمہ سوار رہا اور عشاء کی نماز کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں تنہائی میں حاضر ہوا اور سارا قصہ سنایا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! نہ آپ کے پاس اس وقت ادا کرنے کو فوری انتظام ہے اور نہ کھڑے کھڑے میں کوئی انتظام کر سکتا ہوں، وہ ذلیل کرے گا، اس لیے اگر اجازت ہو تو اتنے قرض اُترنے کا انتظام ہو میں کہیں روپوش[6] ہو جاؤں۔ جب آپ کے پاس کہیں سے کچھ آ جائے تو میں حاضر ہو جاؤں گا۔ یہ عرض کر کے میں گھر آیا، تلوار لی، ڈھال[7] اُٹھائی، جوتہ اُٹھایا۔ یہ ہی سامانِ سفر تھا اور صبح ہونے کا انتظار کرتا رہا کہ صبح کے قریب کہیں چلا جاؤں گا، صبح قریب ہی تھی کہ ایک صاحب دوڑے ہوئے آئے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں جلدی چلو، میں حاضرِ خدمت ہوا، تو دیکھا کہ چار اُونٹنیاں جن پر سامان لدا ہوا تھا، بیٹھی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: خوشی کی بات سناؤں کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے قرضہ کی بے باقی[8] کا انتظام فرما دیا، یہ اونٹنیاں بھی تیرے حوالے اور ان کا سب سامان بھی، فدک[9] کے رئیس نے یہ نذرانہ[10] مجھے بھیجا ہے۔ میں

حل لغات: ① خرچ۔ ② مالداری۔ ③ آپ ﷺ کا حکم۔ ④ حکم پورا کرنا۔ ⑤ بہت زیادہ۔ ⑥ چھپ جانا۔ ⑦ تلوار وغیرہ سے بچاؤ کا ہتھیار۔ ⑧ قرض ادا کرنا۔ ⑨ ایک گاؤں کا نام۔ ⑩ ہدیہ۔

نے اللہ کا شکر ادا کیا اور خوشی خوشی ان کو لے کر گیا اور سارا قرضہ ادا کر کے واپس آیا۔ حضور اقدس ﷺ اتنے مسجد میں انتظار فرماتے رہے۔ میں نے واپس آ کر عرض کیا کہ حضور! اللہ کا شکر ہے، حق تعالیٰ نے سارے قرضے سے آپ کو سُبکدوش[1] کر دیا اور اب کوئی بھی چیز قرضہ کی باقی نہیں رہی۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ سامان میں سے بھی کچھ باقی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ: جی ہاں! کچھ باقی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسے بھی تقسیم ہی کر دے، تاکہ مجھے راحت ہو جائے، میں گھر میں بھی اس وقت تک نہیں جانے کا جب تک یہ تقسیم نہ ہو جائے۔ تمام دن گزر جانے کے بعد عشاء کی نماز سے فراغت پر حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ وہ بچا ہوا مال تقسیم ہو گیا یا نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ کچھ موجود ہے، ضرورت مند آئے نہیں، تو حضور ﷺ نے مسجد ہی میں آرام فرمایا۔ دوسرے دن عشاء کے بعد پھر حضور ﷺ نے فرمایا: کہو جی کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے آپ کو راحت عطا فرمائی کہ وہ سب نمٹ گیا۔ حضور ﷺ نے اللہ جلّ جلالہٗ کی حمد و ثنا فرمائی۔ حضور ﷺ کو یہ ڈر ہوا کہ خدانخواستہ موت آ جائے اور کچھ حصہ مال کا آپ کی مِلک[2] میں رہے۔ اس کے بعد گھروں میں تشریف لے گئے اور بیویوں سے ملے۔ [بذل]

فائدہ: اللہ والوں کی یہ بھی خواہش رہتی ہے کہ ان کی مِلک میں مال و متاع کچھ نہ رہے، پھر حضور اقدس ﷺ کا تو کیا پوچھنا، جو سارے نبیوں کے سردار، سارے اولیاء کے سرتاج۔ حضور ﷺ کو اس کی خواہش کیوں نہ ہوتی کہ میں دنیا سے بالکل فارغ ہو جاؤں۔ میں نے معتبر[3] ذرائع[4] سے سُنا ہے کہ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نوّر اللہ مرقدہٗ کا معمول یہ تھا کہ جب نذرانوں کی رقم کچھ جمع ہو جاتی، تو اہتمام سے منگوا کر سب تقسیم فرما دیتے اور وصال[5] سے قبل تو اپنے پہننے کے کپڑے وغیرہ بھی اپنے خادم خاص حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب مدّ ظلّہٗ کو دے دیے تھے اور فرمایا تھا کہ بس اب تم سے مُستعار[6] لے کر پہن لیا کروں گا۔ اور اپنے والد صاحب[7] کو میں نے بارہا دیکھا ہے کہ مغرب کے بعد جو کوئی روپیہ پاس ہوتا، وہ کسی قرض خواہ کو دے دیتے کہ کئی ہزار کے مقروض تھے اور یہ فرمایا کرتے کہ یہ جھگڑے کی چیز، مَیں رات کو اپنے پاس نہیں رکھتا۔ اس نوع[8] کے بہت سے حالات اکابر کے ہیں، مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر شیخ کا ایک ہی رنگ ہو، مشائخ کے اَلوان[9] مختلف ہوتے ہیں اور چمن کے پھولوں میں ہر پھول کی صورت، سیرت ممتاز[10] ہوتی ہے۔

⑦ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھوک میں مسئلہ دریافت کرنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم لوگ اس وقت ہماری حالتیں دیکھتے کہ ہم میں سے بعضوں کو کئی کئی وقت تک اتنا کھانا نہیں ملتا تھا، جس سے کمر سیدھی ہو سکے۔ میں

حل لغات: ① فارغ۔ ② قبضہ۔ ③ بھروسے مند۔ ④ واسطے۔ ⑤ انتقال۔ ⑥ مانگ کر۔ ⑦ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ۔ ⑧ قسم۔ ⑨ یعنی الگ الگ مزاج اور طبیعتیں۔ ⑩ الگ الگ۔

بھوک کی وجہ سے جگر کو زمین سے چپٹا دیتا اور کبھی پیٹ کے بَل پڑا رہتا تھا اور کبھی پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا۔ ایک مرتبہ میں راستہ میں بیٹھ گیا، جہاں کو ان حضرات کا راستہ تھا، اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گزرے، میں نے ان سے کوئی بات پوچھنا شروع کردی، خیال تھا کہ یہ بات کرتے ہوئے گھر تک لیتے جائیں گے اور پھر عادتِ شریفہ کے موافق جو موجود ہوگا، اس میں تواضع[1] فرمائیں گے ہی، مگر انھوں نے ایسا نہ کیا (غالباً ذہن منتقل نہیں ہوا یا اپنے گھر کا حال معلوم ہوگا کہ وہاں بھی کچھ نہیں)۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، ان کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی، پھر نبیٔ اکرم ﷺ تشریف لائے اور مجھے دیکھ کر مسکرائے اور میری حالت اور غرض سمجھ گئے اور ارشاد فرمایا: ابوہریرہ! میرے ساتھ آؤ۔ میں ساتھ ہولیا۔ حضور ﷺ گھر تشریف لے گئے، میں ساتھ اندر حاضری کی اجازت لے کر حاضر ہوا، گھر میں ایک پیالہ دودھ کا رکھا ہوا تھا، جو خدمتِ اقدس میں پیش کیا گیا۔ دریافت فرمایا کہ کہاں سے آیا ہے؟ عرض کیا کہ فلاں جگہ سے حضور کے لیے ہدیہ میں آیا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابوہریرہ جاؤ، اہلِ صُفّہ کو بُلا لاؤ۔ اہلِ صُفّہ اسلام کے مہمان شمار ہوتے تھے، یہ وہ لوگ تھے، جن کے نہ گھر تھا، نہ در، نہ ٹھکانہ، نہ کھانے کا کوئی مستقل[2] انتظام، ان حضرات کی مقدار[3] کم وبیش ہوتی رہتی تھی، مگر اس قصہ کے وقت ستّر تھی۔ حضور ﷺ کا معمول یہ بھی تھا کہ ان میں سے دو دو، چار چار کو کسی کھاتے پیتے صحابی کا کبھی کبھی مہمان بھی بنا دیتے اور خود اپنا معمول یہ تھا کہ کہیں سے صدقہ آتا، تو اُن لوگوں کے پاس بھیج دیتے اور خود اس میں شرکت نہ فرماتے اور کہیں سے ہدیہ آتا، تو اُن کے ساتھ حضورِ اقدس ﷺ خود بھی اس میں شرکت فرماتے۔ حضور ﷺ نے بلانے کا حکم دیا، مجھے گراں[4] تو ہوا کہ اس دودھ کی مقدار ہی کیا ہے، جس پر سب کو بُلا لاؤں، سب کا کیا بَھلا ہوگا؟ ایک آدمی کو بھی مشکل سے کافی ہوگا اور پھر بلانے کے بعد مجھ ہی کو پلانے کا حکم ہوگا، اس لیے نمبر بھی اخیر میں آئے گا، جس میں بچے گا بھی نہیں؛ لیکن حضور ﷺ کی اطاعت بغیر چارہ ہی کیا تھا، میں گیا اور سب کو بلا لیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لے، ان کو پلا۔ میں ایک ایک شخص کے پیالہ حوالہ کرتا اور وہ خوب سیر[5] ہوکر پیتا اور پیالہ مجھے واپس دیتا، اسی طرح سب کو پلایا اور سب سیر ہوگئے، تو حضور ﷺ نے پیالہ دستِ مبارک میں لے کر مجھے دیکھا اور تبسّم[6] فرمایا، پھر فرمایا کہ بس اب تو مَیں اور تُو ہی باقی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ بے شک۔ فرمایا کہ لے پی، میں نے پیا۔ ارشاد فرمایا: اور پی۔ میں نے اور پیا، بالآخر میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اب میں نہیں پی سکتا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے سب کا بچا ہوا خود نوش فرمایا۔

حل لغات: (۱) مہمان نوازی۔ (۲) ہمیشہ کا۔ (۳) تعداد۔ (۴) بھاری۔ (۵) پیٹ بھر کر۔ (۶) مسکرانا۔

⑧ صرف دنیاوی شرافت[1] کی اللہ کے یہاں کوئی وقعت[2] نہیں

نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر تھے کہ ایک شخص سامنے سے گزرا، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم لوگوں کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے؟ عرض کیا کہ یارسول اللہ! شریف لوگوں میں ہے، واللہ[3] اس قابل ہے کہ اگر کہیں نکاح کا پیام دے دے تو قبول کیا جائے، کسی کی سفارش کر دے تو مانی جائے۔ حضور ﷺ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد ایک اور صاحب سامنے سے گزرے۔ حضور ﷺ نے ان کے متعلق بھی سوال کیا۔ لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! ایک مسلمان فقیر ہے، کہیں منگنی کرے تو بیاہا[4] نہ جائے، کہیں سفارش کرے تو قبول نہ ہو، بات کرے تو کوئی متوجہ نہ ہو۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس پہلے جیسوں سے اگر ساری دنیا بھر جائے، تو ان سب سے یہ شخص بہتر ہے۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ محض دنیاوی شرافت اللہ کے یہاں کچھ بھی وقعت نہیں رکھتی۔ ایک مسلمان فقیر جس کی دنیا میں کوئی بھی وقعت نہ ہو، اس کی بات کہیں بھی نہ سنی جاتی ہو، اللہ کے نزدیک سینکڑوں اُن شُرَفاء[5] سے بہتر ہے، جن کی بات دنیا میں بڑی وقعت سے دیکھی جاتی ہو اور ہر شخص ان کی بات سننے اور ماننے کو تیار ہو؛ لیکن اللہ کے یہاں اس کی کوئی وقعت نہ ہو۔ دنیا کا قیام ہی اللہ والوں کی برکت سے ہے۔ یہ تو حدیث میں خود موجود ہے کہ جس دن دنیا میں اللہ کا نام لینے والا نہ رہے گا، قیامت آ جائے گی اور دنیا کا وجود ہی ختم ہو جائے گا، اللہ کے پاک نام ہی کی یہ برکت ہے کہ یہ دنیا کا سارا نظام قائم ہے۔

⑨ حضور ﷺ سے محبت کرنے والے پر فقر[6] کی دوڑ

ایک صحابی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے آپ سے محبت ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: دیکھ کیا کہتا ہے۔ انہوں نے پھر یہی عرض کیا کہ مجھے آپ سے محبت ہے، حضور ﷺ نے پھر یہی ارشاد فرمایا، جب تین مرتبہ یہ سوال و جواب ہوا، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اچھا! اگر تم اپنی بات میں سچے ہو، تو فقر کے اوڑھنے بچھانے کے لیے تیار ہو جاؤ، اس لیے کہ مجھ سے محبت رکھنے والوں کی طرف فقر ایسے زور سے دوڑتا ہے، جیسا کہ پانی کی رَو[7] نیچان[8] کی طرف دوڑتی ہے۔

فائدہ: یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تو اکثر فقر و فاقہ میں رہے ہی، اکابرِ محدثین، اکابرِ صوفیاء، اکابرِ فقہاء بھی تونگری[9] میں زیادہ نہیں رہے۔

حل لغات: ① بزرگی۔ ② عزت۔ ③ اللہ کی قسم۔ ④ شادی۔ ⑤ دنیاوی عزت والے لوگ۔ ⑥ غریبی۔ ⑦ بہاؤ۔ ⑧ نیچے۔ ⑨ مالداری۔

⑩ سَرِیَّۃُ العَنبَر میں فقر کی حالت

نبیٔ اکرم ﷺ نے رجب ۸ھ میں سمندر کے کنارے ایک لشکر تین سو آدمیوں کا جن پر حضرت ابوعُبیدہ رضی اللہ عنہ امیر بنائے گئے تھے، بھیجا۔ حضور اقدس ﷺ نے ایک تھیلی میں کھجوروں کا توشہ بھی ان کو دیا، پندرہ روز ان حضرات کا وہاں قیام رہا اور توشہ ختم ہوگیا۔ حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے جو اس قافلہ میں تھے، مدینہ منوّرہ میں قیمت ادا کرنے کے وعدہ پر قافلہ والوں سے اونٹ خرید کر ذبح کرنا شروع کیے اور تین اونٹ روزانہ ذبح کرتے، مگر تیسرے دن امیرِ قافلہ نے اس خیال سے کہ سواریاں ختم ہوگئیں، تو واپسی بھی مشکل ہوجائے گی؛ ذبح کی ممانعت کی اور سب لوگوں کے پاس اپنی اپنی جو کچھ کھجوریں موجود تھیں، جمع کر کے ایک تھیلی میں رکھ لیں اور ایک ایک کھجور روزانہ تقسیم فرما دیا کرتے، جس کو چوس کر یہ حضرات پانی پی لیتے اور رات تک کے لیے یہی کھانا تھا۔ کہنے کو مختصر سی بات ہے، مگر لڑائی کے موقع پر جب کہ قوّت اور طاقت کی بھی ضرورت ہو، ایک کھجور پر دن بھر گذار دینا، دل وجگر کی بات ہے؛ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جب یہ قصہ لوگوں کو حضور ﷺ کے بعد سنایا، تو ایک شاگرد نے عرض کیا کہ حضرت! ایک کھجور کیا کام دیتی ہوگی؟ آپ نے فرمایا: اس کی قدر جب معلوم ہوئی، جب وہ بھی نہ رہی کہ اب بجز فاقہ کے کچھ نہ تھا، درخت کے خشک پتّے جھاڑتے اور پانی میں بھگو کر کھا لیتے، مجبوری سب کچھ کرا دیتی ہے اور ہر تنگی کے بعد اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کے یہاں سے سہولت ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ نے ان تکالیف اور مشقّتوں کے بعد سمندر میں سے ایک مچھلی ان لوگوں کو پہونچائی، جس کو "عَنبر" کہتے ہیں۔ اتنی بڑی تھی کہ اٹھارہ روز تک یہ حضرات اس میں سے کھاتے رہے اور مدینہ منورہ پہونچنے تک اس کا گوشت توشوں میں ساتھ تھا۔ حضور ﷺ کے سامنے جب سفر کا مفصَّل قصہ سنایا گیا، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کا ایک رزق تھا، جو تمہاری طرف بھیجا گیا۔

فائدہ: مشقت اور تکالیف اس دنیا میں ضروری ہیں اور اللہ والوں کو خاص طور پر پیش آتی ہیں، اسی وجہ سے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو سب سے زیادہ مشقت میں رکھا جاتا ہے، پھر جو سب سے افضل ہوں، پھر ان کے بعد جو بقیہ میں افضل ہوں۔ آدمی کی آزمائش اس کی دینی حیثیت کے موافق ہوتی ہے اور ہر مشقت کے بعد، اللہ کی طرف سے اس کے لُطف وفضل سے سہولت بھی عطا ہوتی ہے۔ یہ بھی غور کیا کریں کہ ہمارے بڑوں پر کیا کیا گزر چکا اور یہ سب دین ہی کی خاطر تھا، اس دین کے پھیلانے میں جس کو آج ہم اپنے ہاتھوں سے کھو رہے ہیں، ان حضرات نے فاقے کیے، پتّے چابے، اپنے خون بہائے اور اس کو پھیلایا، جس کو ہم آج باقی بھی نہیں رکھ سکتے۔

حل لغات: ① جس میں حضور ﷺ خود شریک نہ ہوئے ہوں بلکہ کسی صحابی کو لشکر کا امیر بنا کر روانہ کیا ہو۔ ② سفر کا سامان۔ ③ منع کرنا، روکنا۔ ④ ہمت، صبر۔ ⑤ سوائے۔ ⑥ سوکھے۔

چوتھا باب: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تقویٰ کے بیان میں

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ہر عادت، ہر خصلت اس قابل ہے کہ اس کو چنا جائے اور اس کا اتباع کیا جائے اور کیوں نہ ہو؟ کہ اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے لاڈلے اور محبوب رسول ﷺ کی مُصاحبت[۱] کے لیے، اس جماعت کو چُنا اور چھانٹا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''میں بنی آدم کے بہترین قرن[۲] اور زمانہ میں بھیجا گیا''۔ [شفا] اس لیے ہر اعتبار سے یہ زمانہ خیر کا تھا اور زمانہ کے بہترین آدمی حضور ﷺ کی صحبت[۳] میں رکھے گئے۔

① حضور ﷺ کی ایک جنازہ سے واپسی اور ایک عورت کی دعوت

حضور اقدس ﷺ ایک جنازہ سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ ایک عورت کا پیام[۴] کھانے کی درخواست لے کر پہونچا۔ حضور ﷺ خدام[۵] سمیت تشریف لے گئے اور کھانا سامنے رکھا گیا، تو لوگوں نے دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ لقمہ چبارہے ہیں، نگلا نہیں جاتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بکری کا گوشت، مالک کی بغیر اجازت لے لیا گیا۔ اس عورت نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے ریوڑ[۶] میں بکری خریدنے آدمی بھیجا تھا، وہاں ملی نہیں، پڑوسی نے بکری خریدی تھی، میں نے اس کے پاس قیمت سے لینے کو بھیجا، وہ تو ملے نہیں، ان کی بیوی نے بکری بھیج دی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیدیوں کو کِھلا دو۔ [ابوداؤد]

فائدہ: حضور ﷺ کی عُلوِّشان[۷] کے مقابلہ میں ایک مشتبہ[۸] چیز کا گلے میں اَٹک جانا، کوئی ایسی اہم بات نہیں کہ حضور ﷺ کے ادنیٰ غلاموں کو بھی اس قسم کے واقعات پیش آجاتے ہیں۔

② حضور ﷺ کا صدقہ کی کھجور کے خوف سے تمام رات جاگنا

ایک مرتبہ نبیِ اکرم ﷺ تمام رات جاگتے رہے اور کروٹیں بدلتے رہے۔ اَزواجِ[۹] مُطہَّرات میں سے کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! آج نیند نہیں آتی؟ ارشاد فرمایا کہ ایک کھجور پڑی ہوئی تھی، میں نے اٹھا کر کھالی تھی کہ ضائع نہ ہو۔ اب مجھے یہ فکر ہے کہ کہیں وہ صدقہ کی نہ ہو۔

فائدہ: اَقرب[۱۰] یہی ہے کہ وہ حضور ﷺ کی اپنی ہی ہوگی، مگر چوں کہ صدقہ کا مال بھی حضور ﷺ کے یہاں آتا تھا، اس شبہ کی وجہ سے نبیِ اکرم ﷺ کو رات بھر نیند نہ آئی کہ خدانخواستہ وہ صدقہ کی ہو اور اس صورت میں صدقہ کا مال کھایا گیا ہو۔ یہ تو آقا کا حال ہے کہ محض شُبہ پر رات بھر کروٹیں بدلیں اور نیند نہیں آئی، اب

حل لغات: ① ساتھ رہنا۔ ② زمانہ۔ ③ ساتھ۔ ④ بُلاوا۔ ⑤ ساتھیوں۔ ⑥ بکریوں کا مجمع۔ ⑦ اونچی شان۔ ⑧ شک وشبہ والی۔ ⑨ پاک بیویاں۔ ⑩ غالب گمان۔

غلاموں کا حال دیکھو کہ رشوت، سود، چوری، ڈاکہ، ہر قسم کا ناجائز مال کس سُرخ[1] رُوئی سے کھاتے ہیں اور ناز سے اپنے کو غلامانِ محمد ﷺ شمار کرتے ہیں۔

(۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک کاہن[2] کے کھانے سے قے کرنا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا، جو غلّہ (غلام پر کوئی تعداد مُعیّن کردی جائے کہ اتنا روزانہ یا ماہوار[3] ہمیں دے دیا کرو باقی جو کماؤ وہ تمہارا، یہ غلہ کہلاتا ہے، یہ جائز ہے اور اس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی غلاموں سے مقرر کرلیا جاتا تھا) کے طور پر اپنی آمدنی میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا، ایک مرتبہ وہ کچھ کھانا لایا اور حضرت نے اس میں سے ایک لقمہ نوش فرمالیا، غلام نے عرض کیا کہ آپ روزانہ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کس ذریعے سے کمایا؟ آج دریافت نہیں فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ بھوک کی شدّت[4] کی وجہ سے دریافت کرنے کی نَوبت نہیں آئی، اب بتاؤ۔ عرض کیا کہ میں زمانۂ جاہلیّت میں ایک قوم پر گذرا اور ان پر مَنتر پڑھا، انہوں نے مجھ سے وعدہ کررکھا تھا، آج میرا گذر اُدھر کو ہوا تو ان کے یہاں شادی ہورہی تھی، انہوں نے یہ مجھے دیا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تُو مجھے ہلاک ہی کردیتا۔ اس کے بعد حلق میں ہاتھ ڈال کر قَے کرنے کی کوشش کی، مگر ایک لقمہ وہ بھی بھوک کی شدّت کی حالت میں کھایا گیا تھا، نہ نکلا۔ کسی نے عرض کیا کہ پانی سے قے ہوسکتی ہے، ایک بہت بڑا پیالہ پانی کا منگوایا اور پانی پی پی کر قے فرماتے رہے، یہاں تک کہ وہ لقمہ نکالا۔ کسی نے عرض کیا کہ اللہ آپ پر رحم فرمائیں! یہ ساری مشقت اس ایک لقمہ کی وجہ سے برداشت فرمائی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میری جان کے ساتھ بھی یہ لقمہ نکلتا، تو میں اس کو نکالتا، میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ ''جو بدن مالِ حرام سے پرورش پائے، آگ اس کے لیے بہتر ہے''۔ مجھے یہ ڈر ہوا کہ میرے بدن کا کوئی حصّہ اس لقمہ سے پرورش نہ پاجائے۔ [منتخب کنز العمال]

فائدہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس قسم کے واقعات متعدد بار پیش آئے کہ احتیاط مزاج میں زیادہ تھی، تھوڑا سا بھی شُبہ ہوجاتا تھا، تو قے فرماتے۔ بخاری شریف میں ایک اور قصہ اسی قسم کا ہے کہ کسی غلام نے زمانۂ جاہلیت میں کوئی کَہانَت یعنی غیب کی بات نجومیوں[5] کے طور پر کسی کو بتلائی تھی، وہ اتفاق سے صحیح ہوگئی، ان لوگوں نے غلام کو کچھ دیا، جس کو انہوں نے اپنی مقررہ[6] رقم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لاکردے دیا۔ حضرت نے نوش فرمایا اور پھر جو کچھ پیٹ میں تھا، سب قے کیا۔ ان واقعات میں غلاموں کا مال ضروری نہیں کہ ناجائز ہی ہو، دونوں احتمال[7] ہیں، مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کمال احتیاط نے اس مشتبہ[8] مال کو بھی گوارا[9] نہ کیا۔

حل لغات: (۱) فخر۔ (۲) غیب کی باتیں بتانے والا۔ (۳) مہینہ کا۔ (۴) زیادتی۔ (۵) غیب کی خبریں بتلانے والے۔ (۶) متعین۔ (۷) گمان۔ (۸) شبہ والے۔ (۹) پسند۔

④ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صدقہ کے دودھ سے قے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ دودھ نوش فرمایا کہ اس کا مزہ کچھ عجیب سانیا سا معلوم ہوا۔ جن صاحب نے پلایا تھا، ان سے دریافت فرمایا کہ یہ دودھ کیسا ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ فلاں جنگل میں صدقہ کے اونٹ چر رہے تھے، میں وہاں گیا تو اُن لوگوں نے دودھ نکالا، جس میں سے مجھے بھی دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منہ میں ہاتھ ڈالا اور سارے کا سارا قے فرمادیا۔ [مؤطا امام مالک]

فائدہ: ان حضرات کو اس کا ہمیشہ فکر رہتا تھا کہ مشتبہ مال بھی بدن کا جزو[1] نہ بنے، چہ جائے کہ بالکل حرام، جیسا کہ ہمارے اس زمانہ میں شائع ہوگیا۔

⑤ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا احتیاطاً باغ وقف کرنا

ابن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جب وفات کا وقت قریب آیا، تو آپ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ بیت المال سے کچھ لوں، مگر عمر نے نہ مانا کہ دِقّت[2] ہوگی اور تمہاری تجارت کی مشغولی سے مسلمانوں کا حرج[3] ہوگا، اس مجبوری سے مجھے لینا پڑا، اس لیے اب میرا فلاں باغ اس کے عوض[4] میں دے دیا جائے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وِصال[5] ہوگیا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آدمی بھیجا اور والد کی وصیّت کے موافق وہ باغ دے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ شانہٗ تمہارے باپ پر رحم فرمائیں، انہوں نے یہ چاہا کہ کسی کو لب کُشائی[6] کا موقع ہی نہ دیں۔ [کتاب الاموال]

فائدہ: غور کرنے کی بات ہے کہ اوّل تو وہ مقدار ہی کیا تھی، جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لی؟ اس کے بعد لینا بھی اہلُ الرّائے[7] کے اِصرار[8] سے تھا اور مسلمانوں کے نفع کی وجہ سے۔ اس میں بھی جتنی ممکن سے ممکن احتیاط ہوسکتی تھی، اس کا اندازہ قصہ ۴/ باب: ۳/ سے معلوم ہوگیا کہ بیوی نے تنگی اُٹھا کر پیٹ کاٹ کر کچھ دام[9] میٹھے کے لیے جمع کیے، تو ان کو بیت المال میں جمع فرمادیا اور اتنی مقدار مستقل کم کردی۔ اس سب کے بعد یہ آخری فعل ہے کہ جو کچھ لیا، اس کا بھی مُعاوضہ[10] داخل کردیا۔

⑥ حضرت علی بن معبد رحمہ اللہ کا کرایہ کے مکان سے تحریر کو خشک[11] کرنا

علی بن معبد رحمہ اللہ ایک محدث ہیں، فرماتے ہیں: میں ایک کرایے کے مکان میں رہتا تھا، ایک مرتبہ میں نے کچھ لکھا اور اس کو خشک کرنے کے لیے مٹی کی ضرورت ہوئی، کچی دیوار تھی، مجھے خیال آیا کہ اس پر سے ذرا سی کھرچ کے تحریر پر ڈال لوں، پھر خیال آیا کہ مکان

حل لغات: ① حصہ۔ ② پریشانی۔ ③ نقصان۔ ④ بدلہ۔ ⑤ انتقال۔ ⑥ بولنے۔ ⑦ مشورہ والے۔ ⑧ ضد، بار بار تقاضا کرنا۔ ⑨ پیسے۔ ⑩ بدلہ۔ ⑪ سکھانا۔

کرایہ کا ہے (جو رہنے کے واسطے کرایہ پر لیا گیا، نہ مٹی لینے کے واسطے) مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ اتنی ذرا سی مٹی میں کیا مضائقہ[1] ہے معمولی چیز ہے۔ میں نے مٹی لے لی اور رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک صاحب کھڑے ہیں، جو یہ فرما رہے ہیں کہ کل قیامت کو معلوم ہوگا، یہ کہنا کہ معمولی مٹی کیا چیز ہے۔

فائدہ: ''کل معلوم ہوگا''، کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ تقویٰ کے درجات بہت زیادہ ہیں، کمال[2] درجہ یہ یقیناً تھا کہ اس سے بھی احتراز[3] کیا جاتا؛ اگرچہ عرفاً[4] معمولی چیز شمار ہونے سے جواز کی حد میں تھا۔ [اِحیاء]

⑦ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک قبر پر گذر

کُمَیلؒ ایک شخص ہیں، کہتے ہیں کہ میں حضرت علی کرّم اللہُ وجہہٗ کے ساتھ ایک مرتبہ جا رہا تھا، وہ جنگل میں پہونچے، پھر ایک مَقبَرہ[5] کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے مقبرہ والو! اے بوسیدگی والو! اے وحشت اور تنہائی والو! کیا خبر ہے؟ کیا حال ہے؟ پھر ارشاد فرمایا کہ ہماری خبر تو یہ ہے کہ تمہارے بعد اموال تقسیم ہوگئے، اولادیں یتیم ہوگئیں، بیویوں نے دوسرے خاوند[6] کر لیے، یہ تو ہماری خبر ہے کچھ اپنی تو کہو۔ اس کے بعد میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ کُمیل! اگر ان لوگوں کو بولنے کی اجازت ہوتی اور یہ بول سکتے تو یہ لوگ جواب میں یہ کہتے کہ بہترین توشہ[7] تقویٰ ہے۔ یہ فرمایا اور پھر رونے لگے اور فرمایا، اے کُمَیل قبر عمل کا صندوق[8] ہے اور موت کے وقت بات معلوم ہو جاتی ہے۔ [منتخب کنز]

فائدہ: یعنی آدمی جو کچھ اچھا یا بُرا کام کرتا ہے، وہ اس کی قبر میں محفوظ رہتا ہے جیسا کہ صندوق میں۔ متعدّد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ نیک اعمال اچھے آدمی کی صورت میں ہوتے ہیں، جو میّت کے جی بہلانے اور اُنس[9] پیدا کرنے کے لیے رہتا ہے اور اس کی دلداری[10] کرتا ہے۔ اور بُرے اعمال بری صورت میں بدبودار بن کر آتے ہیں جو اور بھی اذیّت[11] کا سبب ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ آدمی کے ساتھ تین چیزیں قبر تک جاتی ہیں: اس کا مال جیسا کہ عرب میں دستور تھا، اس کے رشتہ دار اور اس کے اعمال، دو چیزیں: مال اور رشتہ دار دفن کر کے واپس آ جاتے ہیں، عمل اس کے ساتھ رہ جاتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری مثال اور تمہارے اہل[12] و عیال اور مال و اعمال کی مثال کیا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دریافت فرمانے پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک شخص کے تین بھائی ہوں اور وہ مرنے لگے، اس وقت ایک بھائی کو وہ بلائے اور پوچھے کہ بھائی تجھے میرا حال معلوم ہے کہ مجھ پر کیا گذر رہی ہے، اس وقت تو میری کیا مدد کرے گا؟ وہ جواب دیتا ہے کہ تری تیمارداری[13] کروں گا، علاج کروں گا، ہر قسم کی خدمت کروں گا، جب تو مر جائے گا تو

حل لغات: ① حرج۔ ② اونچا۔ ③ بچنا۔ ④ عام طور پر۔ ⑤ قبرستان۔ ⑥ شوہر۔ ⑦ سفر کا سامان۔ ⑧ سامان رکھنے کی پیٹی۔ ⑨ جان پہچان۔ ⑩ تسلی۔ ⑪ تکلیف۔ ⑫ گھر والوں۔ ⑬ دیکھ بھال۔

نہلاؤں گا، کفن پہناؤں گا اور کاندھے پر اُٹھا کر لے جاؤں گا اور دفن کے بعد تیرا ذکر خیر کروں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ بھائی تو اہل وعیال ہیں۔ پھر وہ دوسرے بھائی سے یہی سوال کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ میرا تیرا واسطہ زندگی کا ہے، جب تو مر جائے گا تو میں دوسری جگہ چلا جاؤں گا، یہ بھائی مال ہے۔ پھر وہ تیسرے بھائی کو بُلا کر پوچھتا ہے، وہ کہتا ہے کہ میں قبر میں تیرا ساتھی ہوں، وحشت[1] کی جگہ تیرا دل بہلانے والا ہوں، جب تیرا حساب کتاب ہونے لگے تو نیکیوں کے پلڑے میں بیٹھ کر اس کو جھکاؤں گا، یہ بھائی عمل ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اب بتلاؤ کون سا بھائی کار آمد[2] ہوا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہی بھائی کار آمد ہے، پہلے دو تو بے فائدہ ہی رہے۔ [منتخب کنز]

⑧ حلال مال کھانے کی ترغیب اور حرام مال سے بچنے کی تاکید

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ خود پاک ہیں اور پاک ہی مال قبول فرماتے ہیں، مسلمانوں کو اسی چیز کا حکم دیا جس کا اپنے رسولوں کو حکم فرمایا؛ چنانچہ کلام پاک میں ارشاد ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۚ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝۵۱﴾ [سورۂ مؤمنون] ''اے رسولو! پاک چیزوں کو کھاؤ اور نیک عمل کرو''۔ میں تمہارے اعمال سے باخبر ہوں، دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ [سورۂ بقرہ:۱۷۲] ''اے ایمان والو! ہمارے دیے ہوئے پاک رزق میں سے کھاؤ''۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ لمبے لمبے سفر کرتا (اور مسافر کی دعا قبول ہوتی ہے) اور اس کے ساتھ ہی بکھرے ہوئے بالوں والا، غُبار آلود[3] کپڑوں والا (یعنی پریشان حال) دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر کہتا ہے: اے اللہ، اے اللہ، اے اللہ! لیکن کھانا بھی اس کا حرام ہے، پینا بھی حرام ہے، لباس بھی حرام ہے، ہمیشہ حرام ہی کھایا، تو اس کی دعا کہاں قبول ہوسکتی ہے۔ [جمع الفوائد]

فائدہ: لوگوں کو ہمیشہ سوچ رہتا ہے کہ مسلمانوں کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں، لیکن حالات کا اندازہ اس حدیث شریف سے کیا جاسکتا ہے؛ اگرچہ اللہ جلّ شانہٗ اپنے فضل سے کبھی کافر کی بھی دعا قبول فرما لیتے ہیں، چہ جائیکہ فاسق کی؛ لیکن متّقی کی دعا اصل چیز ہے، اسی لیے متّقیوں سے دعا کی تمنا کی جاتی ہے۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ ہماری دعائیں قبول ہوں، ان کو بہت ضروری ہے کہ حرام مال سے احتراز[4] کریں، اور ایسا کون ہے جو یہ چاہتا ہے کہ میری دعا مقبول نہ ہو۔

⑨ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی انتہائی احتیاط

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک مرتبہ بحرَین سے مُشک آیا، ارشاد فرمایا کہ کوئی اس کو تول کر مسلمانوں میں

حل لغات: ① گھبراہٹ۔ ② کام آنے والا۔ ③ گرد میں بھرا ہوا۔ ④ بچنا۔

تقسیم کر دیتا، آپ کی اہلیہ حضرت عاتِکہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: میں تول دوں گی۔ آپ نے سن کر سکوت[1] فرمایا۔ تھوڑی دیر میں پھر یہی ارشاد فرمایا کہ کوئی اس کو تول دیتا تا کہ میں تقسیم کر دیتا، آپ کی اہلیہ نے پھر یہی عرض کیا، آپ نے سکوت فرمایا، تیسری دفعہ میں ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ تو اس کو اپنے ہاتھ سے ترازو کے پلڑے میں رکھے، اور پھر ان ہاتھوں کو اپنے بدن پر پھیر لے، اور اتنی مقدار کی زیادتی مجھے حاصل ہو۔

فائدہ: یہ کمال[2] احتیاط تھی اور اپنے آپ کو محلِ تُہمت[3] سے بچانا، ورنہ جو بھی تولے گا، اس کے ہاتھ کو تو لگے ہی گا، اس لیے اس کے جواز میں کوئی تردُّد[4] نہ تھا؛ لیکن پھر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کے لیے اس کو گوارا نہ فرمایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جن کو عُمرِ ثانی[5] بھی کہا جاتا ہے، ان کے زمانہ میں ایک مرتبہ مشک تَولا جا رہا تھا، تو انھوں نے اپنی ناک بند فرمالی اور ارشاد فرمایا کہ مشک کا نفع تو خوشبو ہی سونگھنا ہے۔ [اِحیاء]

فائدہ: یہ ہے احتیاط ان صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی اور ہمارے بڑوں کی، پیشواؤں کی۔

(۱۰) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا حجّاج کے حاکم کو حاکم نہ رکھنا

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک شخص کو کسی جگہ کا حاکم بنایا۔ کسی نے عرض کیا کہ یہ صاحب حجاج بن یوسف کے زمانہ میں اس کی طرف سے بھی حاکم رہ چکے ہیں، عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان حاکم کو معزول[6] کر دیا۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں نے تو حجّاج بن یوسف کے یہاں تھوڑے ہی زمانہ کام کیا، عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا: کہ برا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تو اس کے ساتھ ایک دن یا اس سے بھی کم رہا۔ [اِحیاء]

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ پاس رہنے کا اثر ضرور پڑتا ہے، جو شخص متقیوں کے پاس رہتا ہے، اس کے اوپر غیر معمولی[7] اور غیر محسوس[8] طریقہ سے تقویٰ کا اثر پڑتا ہے اور جو فاسقوں کے پاس رہتا ہے، اس کے اوپر فسق کا اثر ہوتا ہے، اسی وجہ سے بری صحبت سے روکا جاتا ہے، آدمی تو درکنار[9] جانوروں تک کے اثرات پاس رہنے سے آتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فخر اور بڑائی اونٹ اور گھوڑے والوں میں ہوتی ہے اور مَسکنت[10] بکری والوں میں۔ [بخاری] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صالح آدمی کے پاس بیٹھنے والوں کی مثال اس شخص کی سی ہے، جو مشک والے کے پاس بیٹھا ہے کہ اگر مُشک نہ بھی ملے تب بھی اس کی خوشبو سے دماغ کو فرحت[11] ہوگی اور بُرے ساتھی کی مثال آگ کی بھٹی والے کی سی ہے کہ اگر چنگاری نہ بھی پڑے تو دھواں تو کہیں گیا ہی نہیں۔ [جمع]

حل لغات: (۱) خاموش رہے۔ (۲) بہت زیادہ۔ (۳) بدگمانی کی جگہ۔ (۴) شک۔ (۵) دوسرا عمر۔ (۶) عہدہ سے ہٹا دینا۔ (۷) بہت زیادہ۔ (۸) انجانے، احساس ہوئے بغیر۔ (۹) الگ رہا۔ (۱۰) عاجزی، تواضع۔ (۱۱) تازگی۔

پانچواں باب: نماز کا شغف اور شوق اور اس میں خشوع وخضوع

نماز ساری عبادتوں میں سب سے زیادہ اہم چیز ہے۔ قیامت میں ایمان کے بعد سب سے پہلے نماز ہی کا سوال ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ کفر اور اسلام کے درمیان میں نماز ہی آڑ ہے، اس کے علاوہ اور بہت سے ارشادات اس بارہ میں وارد ہیں، جو میرے ایک دوسرے رسالہ[1] میں مذکور ہیں۔

① اللہ تعالیٰ کا ارشاد نوافل والے کے حق میں

حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں: جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے، میری طرف سے اس کو لڑائی کا اعلان ہے، اور کوئی شخص میرا قُرب[2] اس چیز کی بہ نسبت زیادہ حاصل نہیں کرسکتا، جو میں نے اس پر فرض کی ہے، یعنی سب سے زیادہ قُرب اور نزدیکی مجھ سے فرائض کے ادا کرنے سے حاصل ہوتی ہے، اور نوافل کی وجہ سے بندہ مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں، تو پھر میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنے، اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھے، اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کسی چیز کو پکڑے، اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلے، اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں، اور کسی چیز سے پناہ چاہتا ہے، تو میں پناہ دیتا ہوں۔ [جمع الفوائد]

فائدہ: آنکھ، کان بن جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دیکھنا، سننا، چلنا پھرنا سب میری خوشی کے تابع بن جاتا ہے، اور کوئی بات بھی میری خلافِ مرضی نہیں ہوتی۔ کس قدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ، جن کو فرائض کے بعد نوافل پر کثرت کی توفیق ہو اور یہ دولت نصیب ہو جائے، اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل سے مجھے اور میرے دوستوں کو بھی نصیب فرمائیں۔

② حضور ﷺ کا تمام رات نماز پڑھنا

ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ کی کوئی عجیب بات جو آپ نے دیکھی ہو وہ سنادیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی کون سی بات عجیب نہ تھی، ہر بات عجیب ہی تھی۔ ایک دن رات کو تشریف لائے اور میرے پاس لیٹ گئے، پھر فرمانے لگے: لے چھوڑ، میں تو اپنے رب کی عبادت کروں۔ یہ فرما کر نماز کے لیے کھڑے ہوگئے اور رونا شروع کیا، یہاں تک کہ آنسو سینہ مبارک تک بہنے لگے، پھر رکوع فرمایا، اس میں بھی روتے رہے، پھر سجدہ کیا، اس میں بھی اسی طرح روتے رہے، پھر

حل لغات: ① فضائل نماز۔ ② نزدیکی۔

سجدہ سے اُٹھے، اس میں بھی اسی طرح روتے رہے، یہاں تک کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آکر صبح کی نماز کے لیے آواز دی، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اتنے روئے، حالانکہ آپ معصوم ہیں، اگلے پچھلے سب گناہوں کی (اگر بالفرض ہوں بھی تو) مغفرت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرما رکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھر میں شکرگذار نہ بنوں؟ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں ایسا کیوں نہ کرتا، حالانکہ آج مجھ پر یہ آیتیں نازل ہوئیں ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ آل عمران کا اخیر رکوع۔ [إقامۃ الحُجّۃ] یہ متعدد روایات میں آیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اس قدر لمبی نماز پڑھا کرتے تھے کہ کھڑے کھڑے پاؤں پر وَرَم(۱) آگیا تھا، لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اتنی مشقت اُٹھاتے ہیں، حالانکہ آپ بخشے بخشائے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں شکرگذار بندہ نہ بنوں؟۔ [بخاری]

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چار رکعت میں چھ(۶) پارے پڑھنا

حضرت عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب(۲) تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک فرمائی، وضو فرمایا اور نماز کی نیت باندھ لی، میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں شریک ہوگیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ بقرہ ایک رکعت میں پڑھی، اور جو آیت رحمت کی آتی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ دیر تک رحمت کی دعا مانگتے رہتے، اور جو آیت عذاب کی آتی اس جگہ دیر تک عذاب سے پناہ مانگتے رہتے، سورت کے ختم پر رکوع کیا اور اتنا ہی لمبا رکوع کیا جتنی دیر میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی اور رکوع میں سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْعَظَمَةِ پڑھتے جاتے تھے، پھر اتنا ہی لمبا سجدہ کیا، پھر دوسری رکعت میں اسی طرح سورۂ آل عمران پڑھی، اور اسی طرح ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورت پڑھتے رہے۔ اس طرح چار رکعتوں میں سوا چھ(۶¼) سپارے ہوتے ہیں، یہ کتنی لمبی نماز ہوئی ہوگی، جس میں ہر آیتِ رحمت اور آیتِ عذاب پر دیر تک دعا کا مانگنا اور پھر اتنا ہی لمبا رکوع اور سجدہ تھا۔ حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہ بھی اپنا ایک قصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے کا اسی طرح سے نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ چار رکعتوں میں چار سورتیں: سورۂ بقرہ سے لے کر سورۂ مائدہ کے ختم تک پڑھیں۔

فائدہ: ان چار سورتوں کے سوا چھ(۶¼) سپارے ہوتے ہیں، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکعتوں میں پڑھے، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ تجوید(۳) وترتیل کے ساتھ پڑھنے کی تھی، جیسا کہ اکثر احادیث میں ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہر آیتِ رحمت اور آیتِ عذاب پر ٹھیرنا اور دعا مانگنا، پھر اتنا ہی لمبا رکوع سجدہ، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس طرح چار رکعات میں کس قدر وقت خرچ ہوا ہوگا۔ بعض مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت میں سورۂ بقرہ، آل عمران، مائدہ تین سورتیں پڑھیں، جو تقریباً پانچ پارے ہوتے ہیں۔ یہ جب ہی

حل لغات: (۱) سوجن، پھول جانا۔ (۲) سفر میں ساتھ ہونا۔ (۳) حروف کی صحیح ادائیگی اور اطمینان۔

ہوسکتا ہے، جب نماز میں چین اور آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہوجائے۔ نبی اکرم ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ اِتِّبَاعَہٗ۔

④ حضرت ابوبکر صدیق وحضرت ابن زبیر وحضرت علی رضی اللہ عنہم وغیرہ کی نماز کے حالات

مجاہدؒ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا حال نقل کرتے ہیں کہ جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک لکڑی گڑی ہوئی ہے۔[تاریخُ الخُلفاء]، یعنی بالکل حرکت نہیں ہوتی تھی۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نماز سیکھی اور انھوں نے حضور ﷺ سے، یعنی جس طرح حضور ﷺ نماز پڑھتے تھے اسی طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پڑھتے تھے اور اسی طرح عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما۔ ثابتؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی نماز ایسی ہوتی تھی کہ گویا لکڑی ایک جگہ گاڑ دی۔ ایک شخص کہتے ہیں کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما جب سجدہ کرتے تو اس قدر لمبا اور بے حرکت ہوتا تھا کہ چڑیاں آکر کمر پر بیٹھ جاتیں، بعض مرتبہ اتنا لمبا رکوع کرتے کہ تمام رات صبح تک رکوع ہی میں رہتے، بعض اوقات سجدہ اتنا ہی لمبا ہوتا کہ پوری رات گذر جاتی۔ جب حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے لڑائی ہورہی تھی تو ایک گولہ مسجد کی دیوار پر لگا، جس سے دیوار کا ایک ٹکڑا اُڑا اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے حلق اور داڑھی کے درمیان کو گذرا، مگر نہ ان کو کوئی انتشار[1] ہوا، نہ رکوع سجدہ مختصر کیا۔ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے، بیٹا جس کا نام "ہاشم" تھا، پاس سو رہا تھا، چھت میں سے ایک سانپ گرا اور بچہ پر لپٹ گیا، وہ چلایا، گھر والے سب دوڑے ہوئے آئے، شور مچ گیا، اُس سانپ کو مارا، ابن زبیر رضی اللہ عنہما اسی اطمینان سے نماز پڑھتے رہے، سلام پھیر کر فرمانے لگے، کچھ شور کی سی آواز آئی تھی، کیا تھا؟ بیوی نے کہا: اللہ تم پر رحم کرے! بچہ کی تو جان بھی گئی تھی تمھیں پتہ ہی نہ چلا، فرمانے لگے: تیرا ناس ہو، اگر نماز میں دوسری طرف توجہ کرتا تو نماز کہاں باقی رہتی (ہدایہ وغیرہ)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اخیر زمانہ میں جب ان کے خنجر مارا گیا، جس کی وجہ سے ان کا انتقال ہوا، تو ہر وقت خون بہتا تھا اور اکثر غفلت بھی ہوجاتی تھی؛ لیکن اس حالت میں بھی جب نماز کے لیے متنبہ[2] کیے جاتے، تو اسی حالت میں نماز ادا فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں جو نماز چھوڑ دے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تمام رات جاگتے اور ایک رکعت میں پورا قرآن شریف ختم کرلیتے۔[منتخب کنز] حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب نماز کا وقت آجاتا، تو بدن میں کپکپی آجاتی اور چہرہ زرد[3] ہوجاتا، کسی نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ فرمایا کہ اس امانت کا وقت ہے جس کو اللہ جلّ شانہٗ نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر اتارا، تو وہ اس کے تحمّل[4] سے عاجز ہوگئے اور میں نے اس کا تحمّل کیا ہے۔ خلف بن ایوب رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ

حل لغات: ① گھبراہٹ۔ ② خبردار کرنا، ہوشیار کرنا۔ ③ پیلا۔ ④ برداشت۔

تمھیں نماز میں مکّھیاں دِق[1] نہیں کرتیں؟ فرمایا کہ فاسق لوگ حکومت کے کوڑے کھاتے ہیں، اور حرکت نہیں کرتے اور اس پر فخر کرتے ہیں، اور اپنے صبر وتحمل پر اَکڑتے ہیں کہ اتنے کوڑے مارے، میں ہلا تک نہیں، میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوں اور ایک مکّھی کی وجہ سے حرکت کر جاؤں۔ مسلم بن یَسارؒ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے گھر والوں سے کہتے کہ تم باتیں کرتے رہو، مجھے تمھاری بات کا پتہ ہی نہیں چلے گا۔ ایک مرتبہ بَصرہ کی جامع مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مسجد کا ایک حصہ گرا، لوگ اس کی وجہ سے دوڑے، وہاں جمع ہوئے شور وشَغب ہوا؛ مگر ان کو پتہ ہی نہ چلا۔ حاتم اَصَمؒ سے کسی نے ان کی نماز کی کیفیت پوچھی تو کہنے لگے کہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو وضو کے بعد اس جگہ پہونچ کر جہاں نماز پڑھوں؛ تھوڑی دیر بیٹھتا ہوں کہ بدن کے تمام حصے میں سکون پیدا ہو جائے، پھر نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں، اس طرح کہ بیت اللہ کو اپنی نگاہ کے سامنے سمجھتا ہوں، اور پُل صِراط کو پاؤں کے نیچے، جنت کو دائیں طرف، اور جہنم کو بائیں طرف، اور موت کے فرشتے کو اپنے پیچھے کھڑا ہوا خیال کرتا ہوں، اور سمجھتا ہوں کہ یہ آخری نماز ہے، اس کے بعد پورے خشوع خضوع سے نماز پڑھتا ہوں، اور اس کے بعد امید اور ڈر کے درمیان رہتا ہوں کہ نہ معلوم قبول ہوئی یا نہیں۔ [اِحیاء]

⑤ ایک مُہاجر اور ایک انصاری کی چوکیداری اور انصاری کا نماز میں تیر کھانا

نبیٔ اکرم ﷺ ایک غزوہ[2] سے واپس تشریف لا رہے تھے، شب[3] کو ایک جگہ قیام فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ آج شب کو حفاظت اور چوکیدارہ کون کرے گا؟ ایک مہاجری اور ایک انصاری حضرت عَمّار بن یاسِر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبّاد بن بِشر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہم دونوں کریں گے۔ حضور ﷺ نے ایک پہاڑی جہاں سے دشمن کے آنے کا راستہ ہو سکتا تھا، بتادی کہ اس پر دونوں قیام کرو۔ دونوں حضرات وہاں تشریف لے گئے، وہاں جا کر انصاری نے مہاجری سے کہا کہ رات کو دو حصوں پر مُنقسم[4] کر کے ایک حصہ میں آپ سو رہیں، میں جاگتا رہوں، دوسرے حصہ میں آپ جاگیں، میں سوتا رہوں کہ دونوں کے تمام رات جاگنے میں یہ بھی احتمال ہے کہ کسی وقت نیند کا غلبہ ہو جائے اور دونوں کی آنکھ لگ جائے، اگر کوئی خطرہ جاگنے والے کو محسوس ہو تو اپنے ساتھی کو جگا لے۔ رات کا پہلا آدھا حصہ انصاری کے جاگنے کا قرار پایا اور مہاجری سو گئے، انصاری نے نماز کی نیت باندھ لی، دشمن کی جانب سے ایک شخص آیا اور دور سے کھڑے ہوئے شخص کو دیکھ کر تیر مارا اور جب کوئی حرکت نہ ہوئی، تو دوسرا اور پھر اسی طرح تیسرا تیر مارا، اور ہر تیر ان کے بدن میں گھستا رہا، اور یہ ہاتھ سے اس کو نکال کر پھینکتے رہے، اس کے بعد اطمینان سے رکوع کیا، سجدہ کیا، نماز پوری کر کے اپنے ساتھی کو جگایا۔ وہ تو ایک کی جگہ دو کو دیکھ

حل لغات: ① تنگ۔ ② وہ جنگ جس میں خود حضور ﷺ نے شرکت کی ہو۔ ③ رات۔ ④ تقسیم کرنا، بانٹنا۔

کر بھاگ گیا کہ نہ معلوم کتنے ہوں، مگر ساتھی نے جب اُٹھ کر دیکھا تو انصاری کے بدن سے تین جگہ سے خون ہی خون بہہ رہا تھا، مُہاجر نے فرمایا: سبحان اللہ! تم نے مجھے شروع ہی میں نہ جگالیا، انصاری نے فرمایا کہ میں نے ایک سورت (سورۂ کہف) شروع کر رکھی تھی، میرا دل نہ چاہا کہ اس کو ختم کرنے سے پہلے رکوع کروں، اب بھی مجھے اس کا اندیشہ[1] ہوا کہ ایسا نہ ہو، میں بار بار تیر لگنے کی وجہ سے مر جاؤں اور حضور ﷺ نے جو حفاظت کی خدمت سپرد کر رکھی ہے وہ فوت[2] ہو جائے، اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا تو میں مر جاتا، مگر سورت ختم کرنے سے پہلے رکوع نہ کرتا۔ [بیہقی، ابوداؤد]

فائدہ: یہ تھی اُن حضرات کی نماز اور اس کا شوق کہ تیر پر تیر کھائے جائیں اور خون ہی خون ہو جائے، مگر نماز کے لطف[3] میں فرق نہ پڑے۔ ایک ہماری نماز ہے کہ اگر مچھر بھی کاٹ لے تو نماز کا خیال جاتا رہے، بھِڑ[4] کا تو پوچھنا ہی کیا۔ یہاں ایک فقہی مسئلہ بھی اختلافی ہے کہ خون نکلنے سے ہمارے امام یعنی امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا ممکن ہے کہ ان صحابی کا مذہب بھی یہی ہو، یا اس وقت تک اس مسئلہ کی تحقیق نہ ہوئی ہو کہ حضور اکرم ﷺ اس مجلس میں تشریف فرما نہ تھے، یا اس وقت تک یہ حکم ہوا ہی نہ ہو۔

(۶) حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا نماز میں خیال آجانے سے باغ وقف کرنا

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، ایک پرندہ اڑا اور چوں کہ باغ گنجان[5] تھا، اس لیے اس کو جلدی سے باہر جانے کا راستہ نہ ملا، کبھی اِس طرف کبھی اُس طرف اُڑتا رہا اور نکلنے کا راستہ ڈھونڈتا رہا، ان کی نگاہ اس پر پڑی اور اس منظر کی وجہ سے اُدھر خیال لگ گیا، اور نگاہ اس پرندہ کے ساتھ پھرتی رہی۔ دفعتاً[6] نماز کا خیال آیا تو سہو[7] ہو گیا کہ کون سی رکعت ہے، نہایت قلق[8] ہوا کہ اس باغ کی وجہ سے یہ مصیبت پیش آئی کہ نماز میں بھول ہوئی۔ فوراً حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا قصہ عرض کر کے درخواست کی کہ اس باغ کی وجہ سے یہ مصیبت پیش آئی، اس لیے میں اس کو اللہ کے راستہ میں دیتا ہوں، آپ جہاں دل چاہے اس کو صرف[9] فرما دیجیے۔ اسی طرح ایک اور قصہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں پیش آیا کہ ایک انصاری اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، کھجوریں پکنے کا زمانہ شباب[10] پر تھا، اور خوشے[11] کھجوروں کے بوجھ اور کثرت سے جھکے پڑے تھے، نگاہ خوشوں پر پڑی اور کھجوروں سے بھرے ہونے کی وجہ سے بہت ہی اچھے معلوم ہوئے، خیال اِدھر لگ گیا، جس کی وجہ سے یہ بھی یاد نہ رہا کہ کَے رکعتیں ہوئیں، اس کے رنج اور صدمہ کا ایسا غلبہ ہوا کہ اس کی وجہ سے یہ ٹھان

حل لغات: (۱) فکر۔ (۲) چھوٹنا۔ (۳) مزہ۔ (۴) ایک کیڑا جس کے ڈنک میں زہر ہوتا ہے۔ (۵) گھنا۔ (۶) اچانک۔ (۷) بھول۔ (۸) افسوس۔ (۹) خرچ کرنا۔ (۱۰) زوروں پر۔ (۱۱) گچھے۔

لی کہ اس باغ ہی کو اب نہیں رکھنا، جس کی وجہ سے یہ مصیبت پیش آئی؛ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آکر عرض کیا کہ یہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں، اس کو جو چاہے کیجیے۔ انھوں نے اس باغ کو پچاس ہزار (٥٠٠٠٠) میں فروخت کر کے اس کی قیمت دینی کاموں میں خرچ فرمادی۔ [مؤطا امام مالک]

فائدہ: یہ ایمان کی غیرت ہے کہ نماز جیسی اہم چیز میں خیال آجانے سے پچاس ہزار (٥٠٠٠٠) درم کا باغ ایک دم صدقہ کر دیا۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے قولِ جمیل میں صوفیہ کی نسبت کی قسمیں تحریر فرماتے ہوئے اس کے متعلق تحریر فرمایا ہے: کہ یہ نسبت ہے اللہ کی طاعت کو ماسوی[1] پر مقدم[2] رکھنا اور اس پر غیرت کرنا کہ ان حضرات کو اس پر غیرت آئی کہ اللہ کی طاعت میں کسی دوسری چیز کی طرف توجہ کیوں ہوئی؟۔

⑦ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نماز کی وجہ سے آنکھ نہ بنوانا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی آنکھ میں جب پانی اُتر آیا، تو آنکھ بنانے والے[3] حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ اجازت ہو تو ہم آنکھ بنا دیں، لیکن پانچ دن تک آپ کو احتیاط کرنا پڑے گی کہ سجدہ بجائے زمین کے کسی اونچی لکڑی پر کرنا ہوگا، انھوں نے فرمایا: یہ ہرگز نہیں ہوسکتا، واللہ! ایک رکعت بھی اس طرح پڑھنا مجھے منظور نہیں، حضور ﷺ کا ارشاد مجھے معلوم ہے کہ جو شخص ایک نماز بھی جان کر چھوڑ دے، وہ حق تعالیٰ شانہٗ سے ایسی طرح ملے گا کہ حق سبحانہٗ وتقدس اس پر ناراض ہوں گے۔ [درمنثور]

فائدہ: اگرچہ شرعاً نماز اس طرح سے مجبوری کی حالت میں پڑھنا جائز ہے اور یہ صورت نماز چھوڑنے کی وعید میں داخل نہیں ہوتی، مگر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو نماز کے ساتھ جو شغف[4] تھا اور نبی اکرم ﷺ کے ارشاد پر عمل کی جس قدر اہمیت تھی، اس کی وجہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آنکھ بنوانے کو بھی پسند نہ کیا، کہ اُن حضرات کے نزدیک ایک نماز پر ساری دنیا قربان تھی، آج ہم بے حیائی سے جو چاہے ان مَر مٹنے والوں کی شان میں منھ سے نکال دیں، جب کل اُن کا سامنا ہوگا اور یہ فدائی[5] میدانِ حشر کی سیر کے لُطف[6] اُڑا رہے ہوں گے، جب حقیقت معلوم ہوگی کہ یہ کیا تھے اور ہم نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔

⑧ صحابہ رضی اللہ عنہم کا نماز کے وقت فوراً دکانیں بند کر دینا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ بازار میں تشریف رکھتے تھے کہ جماعت کا وقت ہوگیا، دیکھا کہ فوراً سب کے سب اپنی اپنی دکانیں بند کر کے مسجد میں داخل ہوگئے، ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان ہی لوگوں کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ

حل لغات: ① دوسری چیزوں۔ ② پہلے۔ ③ آنکھ کا علاج کرنے والے۔ ④ بہت زیادہ دلچسپی۔ ⑤ جان قربان کرنے والے۔ ⑥ مزہ۔

ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ [سورۂ نور:۳۷] ترجمہ پوری آیت شریفہ کا یہ ہے کہ ''ان مسجدوں میں ایسے لوگ صبح اور شام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں، جن کو اللہ کی یاد سے اور بالخصوص[1] نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے، نہ خریدنا غفلت میں ڈالتا ہے نہ بیچنا، وہ ایسے دن کی پکڑ سے ڈرتے ہیں، جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں اُلٹ جائیں گی''۔ [ماخوذ از بیان القرآن]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ لوگ تجارت وغیرہ اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے تھے، لیکن جب اذان کی آواز سنتے، تو سب کچھ چھوڑ کر فوراً مسجد میں چلے جاتے، ایک جگہ کہتے ہیں: کہ خدا کی قسم یہ لوگ تاجر تھے، مگر ان کی تجارت ان کو اللہ کے ذکر سے نہیں روکتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ بازار میں تشریف رکھتے تھے کہ اذان ہوگئی، انھوں نے دیکھا کہ لوگ اپنے اپنے سامان کو چھوڑ کر نماز کی طرف چل دیے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہی لوگ ہیں جن کو اللہ جلَّ شانہٗ نے ﴿ لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ [سورۂ نور:۳۷] سے یاد فرمایا۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن جب حق تعالیٰ شانہٗ تمام دنیا کو ایک جگہ جمع فرمائیں گے، تو ارشاد ہوگا۔ کہاں ہیں وہ لوگ، جو خوشی اور رنج دونوں حالتوں میں اللہ کی حمد کرنے والے تھے؟ تو ایک مختصر جماعت اُٹھے گی اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جائے گی، پھر ارشاد ہوگا کہاں ہیں وہ لوگ، جو راتوں میں اپنی خوابگاہ[2] سے دور رہتے اور اپنے رب کو خوف اور رغبت کے ساتھ یاد کرتے تھے؟ تو ایک دوسری مختصر جماعت اُٹھے گی اور وہ بھی جنت میں بغیر حساب کے داخل ہو جائے گی، پھر ارشاد ہوگا: کہاں ہیں وہ لوگ، جن کو تجارت یا بیچنا اللہ کے ذکر سے نہیں روکتا تھا؟ تو ایک تیسری جماعت مختصر سی کھڑی ہوگی اور جنت میں بغیر حساب داخل ہوگی، اس کے بعد بقیہ لوگوں کا حساب شروع ہو جائے گا۔ [درمنثور]

⑨ حضرت خُبیب رضی اللہ عنہ کا قتل کے وقت نماز پڑھنا اور زید رضی اللہ عنہ وعاصم رضی اللہ عنہ کا قتل

اُحد کی لڑائی میں جو کافر مارے گئے تھے، ان کے عزیزوں میں انتقام[3] کا جوش زور پر تھا، سُلَافہ نے، جس کے دو بیٹے اس لڑائی میں مارے گئے تھے، منت مانی تھی کہ اگر عاصم کا (جنھوں نے اس کے بیٹوں کو قتل کیا تھا) سَر ہاتھ آجائے تو اس کی کھوپڑی میں شراب پیوں گی، اس لیے اس نے اعلان کیا تھا کہ جو عاصم کا سَر لائے گا اس کو سو اُونٹ انعام دوں گی، سفیان بن خالد کو اس لالچ نے آمادہ کیا کہ وہ ان کا سَر لانے کی کوشش کرے، چنانچہ اس نے عَضَل وَقَارَہ کے چند آدمیوں کو مدینہ منورہ بھیجا، ان لوگوں نے اپنے کو مسلمان ظاہر کیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم وتبلیغ کے لیے اپنے ساتھ چند حضرات کو بھیجنے کی درخواست کی اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو بھی ساتھ بھیجنے کی درخواست کی کہ ان کا

حل لغات: ① خاص طور سے۔ ② سونے کی جگہ۔ ③ بدلہ۔

وعظ پسندیدہ بتلایا، چنانچہ حضور ﷺ نے دس آدمیوں کو اور بعض روایات میں چھ آدمیوں کو ان کے ساتھ کر دیا، جن میں حضرت عاصم رضی اللہ عنہ بھی تھے، راستہ میں جاکر ان لے جانے والوں نے بدعہدی[1] کی اور دشمنوں کو مقابلہ کے لیے بلایا، جو دوسو آدمی تھے اور ان میں سے سو آدمی بہت مشہور تیرانداز[2] تھے اور بعض روایات میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان حضرات کو مکہ والوں کی خبر لانے کے لیے بھیجا تھا، راستہ میں بنولحیان[3] کے دوسو آدمیوں سے مقابلہ ہوا، یہ مختصر جماعت دس آدمیوں کی یا چھ آدمیوں کی یہ حالت دیکھ کر ایک پہاڑی پر، جس کا نام فَدفَد تھا چڑھ گئی، کفار نے کہا کہ ہم تمہارے خون سے اپنی زمین رنگنا نہیں چاہتے، صرف اہل مکہ سے تمہارے بدلہ میں کچھ مال لینا چاہتے ہیں، تم ہمارے ساتھ آجاؤ، ہم تم کو قتل نہ کریں گے، مگر انھوں نے کہا کہ ہم کافر کے عہد[4] میں آنا نہیں چاہتے اور ترکش[5] سے تیر نکال کر مقابلہ کیا، جب تیر ختم ہو گئے تو نیزوں سے مقابلہ کیا، حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے جوش میں کہا کہ تم سے دھوکہ کیا گیا، مگر گھبرانے کی بات نہیں، شہادت کو غنیمت سمجھو، تمہارا محبوب تمہارے ساتھ ہے اور جنت کی حوریں تمہاری منتظر ہیں، یہ کہہ کر جوش سے مقابلہ کیا اور جب نیزہ بھی ٹوٹ گیا، تو تلوار سے مقابلہ کیا، مقابلوں کا مجمع کثیر[6] تھا، آخر شہید ہو گئے اور دعا کی کہ یا اللہ! اپنے رسول ﷺ کو ہمارے قصہ کی خبر کر دے، چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اور اسی وقت اس واقعہ کا علم حضور ﷺ کو ہو گیا اور چونکہ عاصم رضی اللہ عنہ یہ بھی سن چکے تھے کہ سلافہ نے میرے سَر کی کھوپڑی میں شراب پینے کی منت مانی ہے، اس لیے مرتے وقت دعا کی کہ یا اللہ! میرا سر تیرے راستے میں کاٹا جا رہا ہے تو ہی اس کا مُحافظ[7] ہے، وہ دعا بھی قبول ہوئی اور شہادت کے بعد جب کافروں نے سَر کاٹنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کا اور بعض روایتوں میں بھڑوں کا ایک غول[8] بھیج دیا، جنھوں نے ان کے بدن کو چاروں طرف سے گھیر لیا، کافروں کو خیال تھا کہ رات کے وقت جب یہ اُڑ جائیں گی، تو سَر کاٹ لیں گے، مگر رات کو ایک بارش کی رَو[9] آئی اور اُن کی نعش کو بہا کر لے گئی، اسی طرح سات آدمی یا تین آدمی شہید ہو گئے، غرض تین باقی رہ گئے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اور زید بن دَثِنَہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ، ان تینوں حضرات سے پھر انھوں نے عہد[10] پیمان کیا کہ تم نیچے آجاؤ، ہم تم سے بدعہدی نہ کریں گے، یہ تینوں حضرات نیچے اُتر آئے اور نیچے اُترنے پر کفار نے ان کی کمانوں کی تانت[11] اُتار کر اُن کی مشکیں[12] باندھیں، حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ پہلی بدعہدی ہے، میں تمہارے ساتھ ہرگز نہ جاؤں گا، ان شہید ہونے والوں کا اقتدا[13] ہی مجھے پسند ہے، انھوں نے زبردستی ان کو کھینچنا چاہا، مگر یہ نہ ٹلے، تو ان لوگوں نے ان کو بھی شہید کر دیا، صرف دو حضرات ان کے ساتھ رہے، جن کو لے جاکر ان لوگوں نے مکہ والوں

حل لغات: (۱) وعدہ خلافی۔ (۲) تیر چلانے میں ماہر۔ (۳) قبیلہ کا نام۔ (۴) وعدہ۔ (۵) تیر رکھنے کی تھیلی۔ (۶) زیادہ۔ (۷) حفاظت کرنے والا۔ (۸) جماعت۔ (۹) پانی کی تیز دھار۔ (۱۰) وعدہ۔ (۱۱) کمان کی رسّی۔ (۱۲) گرفتار کرلیا۔ (۱۳) پیروی۔

کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ ایک حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ، جن کو صفوان بن اُمیہ نے پچاس اونٹ کے بدلہ میں خریدا، تاکہ اپنے باپ اُمیّہ کے بدلہ میں قتل کرے، دوسرے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ جن کو حُجیر بن ابی اہاب نے سو اونٹ کے بدلہ میں خریدا، تاکہ اپنے باپ کے بدلہ میں ان کو قتل کرے، بخاری شریف کی روایت ہے کہ حارث بن عامر کی اولاد نے خریدا کہ انھوں نے بدر میں حارث کو قتل کیا تھا، صفوان نے تو اپنے قیدی حضرت زید رضی اللہ عنہ کو فوراً ہی حَرم سے باہر اپنے غلام کے ہاتھ بھیج دیا کہ قتل کر دیے جاویں، اس کا تماشا دیکھنے کے واسطے اور بھی بہت سے لوگ جمع ہوئے، جن میں ابوسفیان بھی تھا، اس نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے شہادت کے وقت پوچھا کہ اے زید! تجھ کو خدا کی قسم! سچ کہنا، کیا تجھ کو یہ پسند ہے کہ محمد (ﷺ) کی گردن تیرے بدلہ میں ماردی جائے اور تجھ کو چھوڑ دیا جائے کہ اپنے اہل وعیال[1] میں خوش وخرّم رہے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ حضور اقدس ﷺ جہاں ہیں، وہیں ان کے ایک کانٹا بھی چُبھے اور ہم اپنے گھر آرام سے رہیں، یہ جواب سن کر قریش حیران رہ گئے، ابوسفیان نے کہا کہ محمد (ﷺ) کے ساتھیوں کو جتنی ان سے محبت دیکھی، اس کی نظیر[2] کہیں نہیں دیکھی، اس کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ ایک عرصہ تک قید میں رہے، حجیر کی باندی جو بعد میں مسلمان ہوگئیں، کہتی ہیں کہ جب خبیب رضی اللہ عنہ ہم لوگوں کی قید میں تھے، تو ہم نے دیکھا کہ خبیب ایک دن انگور کا بہت بڑا خوشہ[3] آدمی کے سَر کے برابر ہاتھ میں لیے ہوئے انگور کھا رہے تھے اور مکہ میں اس وقت انگور بالکل نہیں تھا۔ وہی کہتی ہیں کہ جب ان کے قتل کا وقت قریب آیا، تو انھوں نے صفائی کے لیے اُسترہ مانگا، وہ دے دیا گیا، اتفاق سے ایک کمسِن[4] بچہ اس وقت خبیب کے پاس چلا گیا، ان لوگوں نے دیکھا کہ اُسترہ ان کے ہاتھ میں ہے اور بچہ ان کے پاس، یہ دیکھ کر گھبرائے، خبیب نے فرمایا: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں بچہ کو قتل کر دوں گا؟ ایسا نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد اُن کو حرم سے باہر لایا گیا اور سُولی پر لٹکانے کے وقت آخری خواہش کے طور پر پوچھا گیا کہ کوئی تمنا ہو تو بتاؤ، انھوں نے فرمایا کہ مجھے اتنی مہلت دی جائے کہ دو رکعت نماز پڑھ لوں کہ دنیا سے جانے کا وقت ہے اور اللہ جلّ شانہٗ کی ملاقات قریب ہے، چنانچہ مہلت دی گئی، انھوں نے دو رکعتیں نہایت اطمینان سے پڑھیں اور پھر فرمایا کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم لوگ یہ سمجھوگے کہ میں موت کے ڈر کی وجہ سے دیر کر رہا ہوں تو دو رکعت اور پڑھتا۔ اس کے بعد سولی پر لٹکا دیے گئے، تو انھوں نے دعا کی کہ یا اللہ! کوئی ایسا شخص نہیں ہے، جو تیرے رسول پاک ﷺ تک میرا آخری سلام پہونچا دے؛ چنانچہ حضور ﷺ کو بذریعہ وحی اُسی وقت سلام پہونچایا گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: وعلیکم السلام یا خبیب! اور ساتھیوں کو اطلاع فرمائی کہ خبیب کو قریش نے قتل کر دیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو جب سولی پر چڑھایا گیا، تو چالیس کافروں نے نیزے

حل لغات: (۱) گھر والوں۔ (۲) مثال۔ (۳) گچھا۔ (۴) چھوٹا۔

لے کر چاروں طرف سے ان پر حملہ کیا اور بدن کو چھلنی کر دیا، اس وقت کسی نے قسم دے کر یہ بھی پوچھا کہ تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیں اور تم کو چھوڑ دیں؟ انھوں نے فرمایا: واللہ العظیم! مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ میری جان کے فدیہ[1] میں ایک کانٹا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چبھے۔ [فتح اسلام]

فائدہ: ویسے تو ان قصوں کا ہر ہر لفظ عبرت ہے، لیکن اس قصہ میں دو چیزیں خاص طور سے قابلِ قدر قابلِ عبرت ہیں: ان حضرات کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت وعشق کہ اپنی جان جائے اور اس کے بدلہ میں اتنا لفظ کہنا بھی گوارا نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی تکلیف معمولی سی بھی پہونچ جائے، اس لیے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ سے صرف زبان سے ہی کہلانا چاہتے تھے اور صرف زبان سے کہنا ہی تھا، ورنہ بدلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہونچانے پر تو اُن کفار کو بھی قدرت نہ تھی؛ بلکہ وہ لوگ خود ہی ہر وقت تکلیف پہونچانے کی کوشش میں رہتے تھے، جس میں بدلا بے بدلا سب برابر تھا، دوسری چیز نماز کی عظمت اور اس کا شغف[2] کہ ایسے آخری وقت میں عام طور سے بیوی بچوں کو آدمی یاد کرتا ہے، صورت دیکھنا چاہتا ہے، پیام وسلام کہتا ہے؛ مگر ان حضرات کو پیام وسلام دینا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آخری تمنا ہے تو دو رکعت نماز کی۔

⑩ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جنت میں مَعِیَّت[3] کے لیے نماز کی مدد

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رات گذارتا تھا اور تہجد کے وقت وضو کا پانی اور دوسری ضروریات مثلاً مسواک مصلّٰی وغیرہ رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میری خدمات سے خوش ہو کر فرمایا: مانگ کیا مانگتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! جنت میں آپ کی رفاقت[4]، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور کچھ کہ بس یہی چیز مطلوب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا میری مدد کیجیو سجدوں کی کثرت[5] سے۔ [ابوداؤد]

فائدہ: اس میں تنبیہ ہے اس امر[6] پر کہ صرف دعا پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھنا چاہیے؛ بلکہ کچھ طلب اور عمل کی بھی ضرورت ہے، اور اعمال میں سب سے اہم نماز ہے کہ جتنی اس کی کثرت ہوگی اتنے ہی سجدے زیادہ ہوں گے۔ جو لوگ اس سہارے پر بیٹھے رہتے ہیں کہ فلاں پیر، فلاں بزرگ سے دعا کرائیں گے، سخت غلطی ہے۔ اللہ جلَّ شانہٗ نے اس دنیا کو اسباب کے ساتھ چلایا ہے، اگرچہ بے اسباب ہر چیز پر قدرت ہے اور قدرت کے اظہار کے واسطے کبھی ایسا کر بھی دیتے ہیں، لیکن عام عادت یہی ہے کہ دنیا کے کاروبار اسباب سے لگا رکھے ہیں، حیرت ہے کہ ہم لوگ دنیا کے کاموں میں تو تقدیر پر اور صرف دعا پر بھروسہ کر کے کبھی نہیں بیٹھتے، پچاس طرح کی کوشش کرتے ہیں، مگر دین کے کاموں میں تقدیر اور دعا بیچ میں آجاتی ہے، اس میں شک نہیں کہ اللہ والوں کی دعا نہایت اہم ہے؛ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ ارشاد فرمایا کہ سجدوں کی کثرت سے میری دعا کی مدد کرنا۔

حل لغات: ① بدلے۔ ② بہت زیادہ دلچسپی۔ ③ ساتھ۔ ④ ساتھ۔ ⑤ زیادتی۔ ⑥ بات۔

چھٹا باب: ایثار و ہمدردی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا

ایثار کہتے ہیں: اپنی ضرورت کے وقت دوسرے کو ترجیح دینا، اول تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہر ادا، ہر عادت ایسی ہی ہے، جس کی برابری تو درکنار[1]، اس کا کچھ بھی حصہ کسی خوش قسمت کو نصیب ہو جائے تو عین سعادت[2] ہے، لیکن بعض عادتیں ان میں سے ایسی ممتاز[3] ہیں کہ انھیں کا حصہ تھیں، ان کے منجملہ ایثار ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے کلام اللہ شریف میں اس کی تعریف فرمائی اور ﴿يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ [سورۂ حشر:۹] میں اس صفت کو ذکر فرمایا کہ ''وہ لوگ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، گو ان پر فاقہ ہی ہو''۔

① صحابی کا مہمان کی خاطر چراغ بجھا دینا

ایک صحابی حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بھوک اور پریشانی کی حالت کی اطلاع دی، حضور ﷺ نے اپنے گھروں میں آدمی بھیجا، کہیں کچھ نہ ملا، تو حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کوئی شخص ہے جو اِن کی ایک رات کی مہمانی قبول کرے؟ ایک انصاری صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں مہمانی کروں گا۔ ان کو گھر لے گئے اور بیوی سے فرمایا کہ یہ حضور ﷺ کے مہمان ہیں، جو اکرام کر سکے اس میں کسر[4] نہ کرنا اور کوئی چیز چھپا کر نہ رکھنا۔ بیوی نے کہا: خدا کی قسم! بچوں کے قابل کچھ تھوڑا سا رکھا ہے اور کچھ بھی گھر میں نہیں۔ صحابی نے فرمایا! بچوں کو بہلا کر سلا دیجیو اور جب وہ سو جائیں تو کھانا لے کر مہمان کے ساتھ بیٹھ جاویں گے، اور تو چراغ کے درست کرنے کے بہانے سے اُٹھ کر اس کو بجھا دینا؛ چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا اور دونوں میاں بیوی اور بچوں نے فاقہ سے رات گذاری، جس پر یہ آیت ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ﴾ [سورۂ حشر:۹] نازل ہوئی، ترجمہ: اور ترجیح دیتے ہیں اپنی جانوں پر اگر چہ ان پر فاقہ ہی ہو۔

فائدہ: اس قسم کے متعدد واقعات ہیں، جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے یہاں پیش آئے، چنانچہ ایک دوسرا واقعہ اسی قسم کا لکھا ہے۔

② روزہ دار کے لیے چراغ بجھا دینا

ایک صحابی روزہ پر روزہ رکھتے تھے، افطار کے لیے کوئی چیز کھانے کی میسر نہ آتی تھی۔ ایک انصاری صحابی حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے تاڑ[5] لیا۔ بیوی سے کہا کہ میں رات کو ایک مہمان کو لاؤں گا، جب کھانا شروع کریں تو تم چراغ کو درست کرنے کے حیلہ[6] سے بجھا دینا اور اتنے مہمان کا پیٹ نہ بھر جائے خود نہ کھانا؛ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، ساتھ میں سب شریک رہے جیسے کھا رہے ہوں، صبح کو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ جب حضور ﷺ کی

حل لغات: ① الگ رہا۔ ② حقیقی خوش قسمتی۔ ③ انوکھی۔ ④ کمی۔ ⑤ سمجھ لیا۔ ⑥ بہانہ۔

مجلس میں حاضر ہوئے، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ رات کا تمہارا اپنے مہمان کے ساتھ کا برتاؤ حق تعالیٰ شانہٗ کو بہت ہی پسند آیا۔ [ابوداؤد]

۳ ایک صحابی کا زکوٰۃ میں اونٹ دینا

حضرت اُبَی ابن کَعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ نے زکوٰۃ کا مال وصول کرنے کے لیے بھیجا، میں ایک صاحب کے پاس گیا اور ان سے ان کے مال کی تفصیل معلوم کی، تو ان پر ایک اونٹ کا بچہ ایک سالہ واجب تھا، میں نے ان سے اس کا مطالبہ کیا۔ وہ فرمانے لگے کہ ایک سال کا بچہ نہ دودھ کے کام کا، نہ سواری کے کام کا، انھوں نے ایک نفیس عمدہ جوان اونٹنی سامنے کی کہ یہ لے جاؤ۔ میں نے کہا کہ میں تو اس کو نہیں لے سکتا کہ مجھے عمدہ مال لینے کا حکم نہیں، البتہ اگر تم یہی دینا چاہتے ہو تو حضورِ اقدس ﷺ سفر میں ہیں اور آج کا پڑاؤ[1] فلاں جگہ تمہارے قریب ہی ہے، حضور ﷺ کی خدمت میں جا کر پیش کر دو، اگر منظور فرمالیا تو مجھے انکار نہیں، ورنہ میں معذور[2] ہوں، وہ اس اونٹنی کو لے کر میرے ساتھ ہو لیے، اور حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس آپ کے قاصد[3] زکوٰۃ کا مال لینے آئے تھے اور خدا کی قسم مجھے آج تک یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی کہ رسول اللہ یا ان کے قاصد نے میرے مال میں کبھی تصرّف[4] فرمایا ہو، اس لیے میں نے اپنا سارا مال سامنے کر دیا، انھوں نے فرمایا کہ اس میں ایک سالہ اونٹ کا بچہ زکوٰۃ کا واجب ہے۔ حضور! ایک سال کے بچہ سے نہ تو دودھ کا ہی نفع[5] ہے نہ سواری کا، اس لیے میں نے ایک عمدہ جوان اونٹنی پیش کی تھی، جس کو انھوں نے قبول نہیں فرمایا، اس لیے میں خود لے کر حاضر ہوا ہوں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم پر واجب تو وہی ہے، جو انھوں نے بتلائی، مگر تم اپنی طرف سے اس سے زیادہ اور عمدہ مال دو تو قبول ہے، اللہ تمہیں اس کا اجر مرحمت[6] فرمائیں، انھوں نے عرض کیا کہ یہ حاضر ہے، حضور ﷺ نے قبول فرمالیا اور برکت کی دعا فرمائی۔

فائدہ: یہ زکوٰۃ کے مال کا منظر ہے، آج بھی اسلام کے بہت سے دعوے دار ہیں اور حضور ﷺ کی محبت کا دم بھی بھرتے ہیں، لیکن زکوٰۃ کے ادا کرنے میں زیادتی کا تو کیا ذکر ہے، پوری مقدار بھی ادا کرنا موت ہے۔ جو اونچے طبقے والے زیادہ مال والے کہلاتے ہیں، ان کے یہاں تو اکثر و بیشتر اس کا ذکر ہی نہیں، لیکن جو متوسّط[7] حیثیت کے لوگ ہیں اور اپنے کو دین دار بھی سمجھتے ہیں، وہ بھی اس کی کوشش کرتے ہیں کہ جو خرچ اپنے عزیز رشتہ داروں میں، یا کسی دوسری جگہ مجبوری سے پیش آ جائے، اس میں زکوٰۃ ہی کی نیت کر لیں۔

حل لغات: ① ٹھہرنا۔ ② مجبور۔ ③ پیغام لانے والا۔ ④ دخل دیا ہو۔ ⑤ فائدہ۔ ⑥ عنایت۔ ⑦ درمیانی۔

④ حضرات شیخین کا صدقہ میں مقابلہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا، اتفاقاً اس زمانہ میں میرے پاس کچھ مال موجود تھا، میں نے کہا: آج میرے پاس اتفاق سے مال موجود ہے، اگر میں ابوبکر سے کبھی بھی بڑھ سکتا ہوں، تو آج بڑھ جاؤں گا، یہ سوچ کر خوشی خوشی میں گھر گیا اور جو کچھ بھی گھر میں رکھا تھا، اس میں سے آدھا لے آیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا کہ چھوڑ آیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا: آدھا چھوڑ آیا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو کچھ رکھا تھا سب لے آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر! گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ انھوں نے فرمایا: ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ آیا۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی برکت اور ان کی رضا[1] اور خوشنودی کو چھوڑ آیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے کہا حضرت ابوبکر سے کبھی نہیں بڑھ سکتا۔

فائدہ: خوبیوں اور نیکیوں میں اس کی کوشش کرنا کہ دوسرے سے بڑھ جاؤں یہ مُستحسَن[2] اور مندوب[3] ہے، قرآن پاک میں بھی اس کی ترغیب آئی ہے، یہ قصہ غزوۂ تبوک کا ہے، اس وقت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چندہ کی خاص طور سے ترغیب فرمائی تھی، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے حوصلہ کے موافق، بلکہ ہمت و وسعت سے زیادہ اعانتیں[4] فرمائیں، جن کا ذکر باب: ۲ کے قصہ: ۹ میں بھی مختصر طور پر گذرا ہے۔ جزاهم الله عنا وعن سائر المسلمين أحسن الجزاء.

⑤ صحابہ رضی اللہ عنہم کا دوسروں کی وجہ سے پیاسے مرنا

حضرت ابوجُہَم بن حُذَیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یرمُوک کی لڑائی میں مَیں اپنے چچازاد بھائی کی تلاش میں نکلا کہ وہ لڑائی میں شریک تھے اور ایک مَشکیزہ پانی کا میں نے اپنے ساتھ لیا کہ ممکن ہے وہ پیاسے ہوں، تو پانی پلاؤں، اتفاق سے وہ ایک جگہ اس حالت میں پڑے ہوئے ملے کہ دم توڑ رہے تھے اور جاں کنی[5] شروع تھی، میں نے پوچھا: پانی کا گھونٹ دوں؟ انھوں نے اشارے سے ہاں کی، اتنے میں دوسرے صاحب نے، جو قریب ہی پڑے تھے اور وہ بھی مرنے کے قریب تھے، آہ کی۔ میرے چچازاد بھائی نے آواز سنی، تو مجھے ان کے پاس جانے کا اشارہ کیا۔ میں ان کے پاس پانی لے کر گیا، وہ ہشام بن ابی العاص رضی اللہ عنہ تھے، ان کے پاس پہونچا ہی تھا کہ اُن کے قریب ایک تیسرے صاحب اسی حال میں پڑے دم توڑ رہے تھے، انھوں نے آہ کی، ہشام رضی اللہ عنہ نے مجھے ان کے پاس جانے کا اشارہ کر دیا، میں اُن کے پاس پانی لے کر پہونچا، تو اُن کا دَم نکل چکا تھا، ہشام رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آیا، تو وہ بھی جاں بحق[6] ہو چکے تھے، ان کے پاس سے اپنے بھائی کے پاس لوٹا، تو اتنے میں وہ بھی ختم ہو چکے تھے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون [درایہ]

حل لغات: ① خوشی۔ ② بہتر۔ ③ مستحب۔ ④ امداد۔ ⑤ جان نکلنے کی گھڑی۔ ⑥ انتقال۔

فائدہ: اس نوع[1] کے متعدّد واقعات کُتبِ حدیث میں ذکر کیے گئے، کیا انتہا ہے اس ایثار کی کہ اپنا بھائی آخری دم توڑ رہا ہو اور پیاسا ہو، ایسی حالت میں کسی دوسرے کی طرف توجہ کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے، چہ جائیکہ اُس کو پیاسا چھوڑ کر دوسرے کو پانی پلانے چلا جائے اور ان مرنے والوں کی روحوں کو اللہ جلَّ شانہٗ اپنے لطف وفضل سے نوازیں کہ مرنے کے وقت بھی جب ہوش وحواس سب ہی جواب دے دیتے ہیں، یہ لوگ ہمدردی میں جان دیتے ہیں۔

⑥ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کفن

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے اور بے دَرد[2] کافروں نے آپ رضی اللہ عنہ کے کان ناک وغیرہ اعضا کاٹ دیے اور سینہ چیر کر دل نکالا اور طرح طرح کے ظلم کیے، لڑائی کے ختم پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم شہیدوں کی نعشیں[3] تلاش فرما کر ان کی تجہیز وتکفین کا انتظام فرما رہے تھے، کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں دیکھا، نہایت صدمہ[4] ہوا اور ایک چادر سے ان کو ڈھانک دیا، اتنے میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں کہ اپنے بھائی کی حالت کو دیکھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس خیال سے کہ آخر عورت ہے، ایسے ظلموں کو دیکھنے کا تحمل[5] مشکل ہوگا، ان کے صاحبزادہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ اپنی والدہ کو دیکھنے سے منع کرو، انھوں نے والدہ سے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھنے کو منع فرما دیا، انھوں نے کہا کہ میں نے یہ سنا ہے کہ میرے بھائی کے ناک کان وغیرہ کاٹ دیے گئے، اللہ کے راستے میں یہ کون سی بڑی بات ہے؟ ہم اس پر راضی ہیں، میں اللہ سے ثواب کی امید رکھتی ہوں اور انشاء اللہ صبر کروں گی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر اس کلام کا ذکر کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب کو سن کر دیکھنے کی اجازت عطا فرما دی، آ کر دیکھا، انا للہ پڑھی اور ان کے لیے استغفار اور دعا کی۔ ایک روایت میں ہے کہ غزوۂ احد میں جہاں نعشیں رکھی ہوئی تھیں ایک عورت تیزی سے آ رہی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھو! عورت کو روکو، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے پہچان لیا کہ میری والدہ ہیں، میں جلدی سے روکنے کے لیے بڑھا، مگر وہ قوی تھیں، ایک گھونسا میرے مارا اور کہا پَرے ہٹ، میں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، تو فوراً کھڑی ہو گئیں، اس کے بعد دو کپڑے نکالے اور فرمایا کہ میں اپنے بھائی کے کفن کے لیے لائی تھی کہ میں ان کے انتقال کی خبر سن چکی تھی، ان کپڑوں میں ان کو کفنا دینا، ہم لوگ وہ کپڑے لے کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو کفنانے لگے کہ برابر میں ایک انصاری شہید پڑے ہوئے تھے، جن کا نام حضرت سہیل رضی اللہ عنہ تھا، ان کا بھی کفار نے ایسا ہی حال کر رکھا تھا، جیسا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا تھا، ہمیں اس بات سے شرم آئی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دو کپڑوں میں کفن دیا جائے اور انصاری کے پاس ایک بھی نہ ہو، اس لیے ہم نے دونوں کے لیے ایک ایک

حل لغات: ① قسم۔ ② بے رحم۔ ③ لاشیں۔ ④ تکلیف۔ ⑤ برداشت۔

کپڑا تجویز[1] کر دیا، مگر ایک کپڑا ان میں بڑا تھا، دوسرا چھوٹا، تو ہم نے قرعہ[2] ڈالا کہ قرعہ میں جو کپڑا جن کے حصہ میں آجائے گا، وہ ان کے کفن میں لگایا جائے، قرعہ میں بڑا کپڑا حضرت سہیل رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا اور چھوٹا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا، جو اُن کے قد سے بھی کم تھا کہ اگر سر کو ڈھانکا جاتا، تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں کی طرف کیا جاتا، تو سر کھل جاتا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سر کو کپڑے سے ڈھانک دو اور پاؤں پر پتے وغیرہ ڈال دو۔ [خمیس]

ابن سعدؒ کی روایت میں ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جب دو کپڑے لے کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش پر پہونچیں، تو ان کے قریب ہی ایک انصاری اسی حال میں پڑے ہوئے تھے، تو ایک ایک کپڑے میں دونوں کو کفن دیا گیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کپڑا بڑا تھا۔ یہ روایت مختصر ہے اور خمیس کی روایت مفصل ہے۔

فائدہ: یہ دو جہاں کے بادشاہ کے چچا کا کفن ہے، وہ بھی اس طرح کہ ایک عورت اپنے بھائی کے لیے دو کپڑے دیتی ہے، اس میں یہ گوارا نہیں کہ دوسرا انصاری بے کفن رہے، ایک ایک کپڑا بانٹ دیا جاتا ہے، اور پھر چھوٹا کپڑا اُس شخص کے حصہ میں آتا ہے، جو کئی وجہ سے ترجیح[3] کا استحقاق[4] بھی رکھتا ہے، غریب پروری[5] اور مساوات[6] کے دعوے دار اگر اپنے دعوؤں میں سچے ہیں، تو ان پاک ہستیوں کا اتباع[7] کریں، جو کہہ کر نہیں، بلکہ کر کے دکھلا گئے، ہم لوگوں کو اپنے لیے اُن کا پیرو[8] کہنا بھی شرم کی بات ہے۔

⑦ بکرے کی سِری[9] کا چکر کاٹ کر واپس آنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک صحابی کو کسی شخص نے بکرے کی سری ہدیہ کے طور پر دی، انھوں نے خیال فرمایا کہ میرے فلاں ساتھی زیادہ ضرورت مند ہیں، کنبہ والے ہیں، وہ اور ان کے گھر والے زیادہ محتاج ہیں، اس لیے ان کے پاس بھیج دی، ان کو ایک تیسرے صاحب کے متعلق یہی خیال پیدا ہوا اور ان کے پاس بھیج دی، غرض اسی طرح سات گھروں میں پھر کر وہ سری سب سے پہلے صحابی کے گھر لوٹ آئی۔ [درمنثور]

فائدہ: اِس قصہ سے اُن حضرات کا عام طور سے محتاج اور ضرورت مند ہونا بھی معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی کہ ہر شخص کو دوسرے کی ضرورت اپنے سے مُقدّم[10] معلوم ہوتی تھی۔

⑧ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی بیوی کو زچگی[11] میں لے جانا

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے خلافت کے زمانہ میں بسا اوقات[12] رات کو چوکیدارہ کے طور پر شہر کی حفاظت بھی فرمایا کرتے تھے، ایک مرتبہ اسی حالت میں ایک میدان میں گذر

حل لغات: ① طے کرنا۔ ② چٹھی ڈالی۔ ③ فضیلت۔ ④ حق۔ ⑤ سخاوت۔ ⑥ برابری۔ ⑦ پیروی کرنا۔ ⑧ اتباع کرنے والا۔ ⑨ ذبح کیے ہوئے جانور کا سر۔ ⑩ پہلے۔ ⑪ بچے کی پیدائش کا وقت۔ ⑫ اکثر مرتبہ۔

ہوا، دیکھا کہ ایک خیمہ بالوں کا بنا ہوا لگا ہوا ہے، جو پہلے وہاں نہیں دیکھا تھا، اس کے قریب پہونچے، تو دیکھا کہ ایک صاحب وہاں بیٹھے ہیں اور خیمہ سے کچھ کراہنے کی آواز آرہی ہے، سلام کر کے ان صاحب کے پاس بیٹھ گئے اور دریافت[1] کیا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے کہا ایک مسافر ہوں، جنگل کا رہنے والا ہوں، امیر المومنین کے سامنے کچھ اپنی ضرورت پیش کر کے مدد چاہنے کے واسطے آیا ہوں، دریافت فرمایا کہ یہ خیمہ میں سے آواز کیسی آرہی ہے؟ ان صاحب نے کہا: میاں جاؤ اپنا کام کرو، آپ نے اصرار فرمایا کہ نہیں بتادو، کچھ تکلیف کی آواز ہے، ان صاحب نے کہا کہ عورت کی وِلادت[2] کا وقت قریب ہے، دردِزِہ[3] ہو رہا ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ کوئی دوسری عورت بھی پاس ہے؟ اُنہوں نے کہا کوئی نہیں، آپ رضی اللہ عنہ وہاں سے اُٹھے اور مکان تشریف لے گئے اور اپنی بیوی حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا سے فرمایا، کہ ایک بڑے ثواب کی چیز مقدّر[4] سے تمہارے لیے آئی ہے، انھوں نے پوچھا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک گاؤں کی رہنے والی بے چاری تنہا ہے، اس کو دردِزِہ ہو رہا ہے، انھوں نے ارشاد فرمایا کہ ہاں ہاں تمہاری صلاح[5] ہو، تو میں تیار ہوں اور کیوں نہ تیار ہوتیں کہ یہ بھی آخر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ہی صاحبزادی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ولادت کے واسطے جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہو، تیل، گودڑ[6] وغیرہ لے لو اور ایک ہانڈی اور کچھ گھی اور دانے وغیرہ بھی ساتھ لے لو، وہ لے کر چلیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود پیچھے پیچھے ہو لیے، وہاں پہونچ کر حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا تو خیمہ میں چلی گئیں اور آپ نے آگ جلا کر اس ہانڈی میں دانے اُبالے، گھی ڈالا، اتنے میں ولادت سے فراغت ہوگئی، اندر سے حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا نے آواز دے کر عرض کیا: امیر المومنین! اپنے دوست کو لڑکا پیدا ہونے کی بشارت دیجیے، امیر المومنین کا لفظ جب ان صاحب کے کان میں پڑا تو بڑے گھبرائے، آپ نے فرمایا: گھبرانے کی بات نہیں، وہ ہانڈی خیمہ کے پاس رکھ دی کہ اس عورت کو بھی کچھ کھلادیں، حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا نے اس کو کھلایا اس کے بعد ہانڈی باہر دے دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بدو[7] سے کہا کہ لو تم بھی کھاؤ، رات بھر تمہاری جاگنے میں گذر گئی، اس کے بعد اہلیہ کو ساتھ لے کر گھر تشریف لے آئے اور ان صاحب سے فرما دیا کہ کل آنا تمہارے لیے انتظام کر دیا جائے گا۔ [اشہر]

فائدہ: ہمارے زمانے کا کوئی بادشاہ یا رئیس نہیں، کوئی معمولی حیثیت کا مالدار بھی ایسا ہے جو غریب کی ضرورت میں مسافر کی مدد کے واسطے اس طرح بیوی کو رات کو جنگل میں لے جائے اور خود اپنے آپ چولھا دھونک[8] کر پکائے؟ مالدار کو چھوڑیے کوئی دین دار بھی ایسا کرتا ہے؟ سوچنا چاہیے کہ جن کے نام لیوا ہیں اور ان جیسی برکات کی ہر بات میں امید رکھتے ہیں، کوئی کام بھی ہم ان جیسا کر لیتے ہیں؟۔

حل لغات: ① پوچھا۔ ② بچے کی پیدائش۔ ③ بچہ جننے کا درد۔ ④ قسمت۔ ⑤ مشورہ۔ ⑥ پُرانے کپڑے۔ ⑦ عرب کے دیہاتی۔ ⑧ پھونک کر آگ جلانا۔

⑨ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا باغ وقف[1] کرنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں سب سے زیادہ اور سب سے بڑے باغ والے تھے، ان کا ایک باغ تھا جس کا نام بیرحاء تھا، وہ ان کو بہت ہی زیادہ محبوب تھا، مسجدِ نبوی کے قریب تھا، پانی بھی اس میں نہایت شیریں[2] اور اِفراط[3] سے تھا، حضور ﷺ بھی اکثر اس باغ میں تشریف لے جاتے اور اس کا پانی نوش[4] فرماتے، جب قرآن شریف کی آیت ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ [سورۂ آل عمران:۹۲] ترجمہ: "تم نیکی کے (کامل) درجہ کو نہیں پہونچ سکتے جب تک ایسی چیزوں سے خرچ نہ کرو گے جو تم کو پسند ہیں"۔ نازل ہوئی، تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے اپنا باغ بیرحاء سب سے زیادہ محبوب ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ محبوب مال اللہ کے راستہ میں خرچ کرو، اس لیے وہ اللہ کے راستہ میں دیتا ہوں، آپ جیسا مناسب سمجھیں، اس کے موافق اس کو خرچ فرمادیں، حضور ﷺ نے بہت زیادہ مسرّت[5] کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ بہت ہی عمدہ مال ہے، میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو اپنے اہلِ قرابت[6] میں تقسیم کردو، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم فرمادیا۔ [درمنثور]

فائدہ: ہم بھی اپنا کوئی محبوب ترین مال جائداد کوئی ایک آدھ وعظ سُن کر قرآن پاک کی کوئی آیت پڑھ کر یا سُن کر اس طرح بے دھڑک خیرات کردیتے ہیں، اگر وقف وغیرہ کرنے کا خیال بھی آتا ہے، تو زندگی سے مایوس ہوجانے کے بعد یا وارثوں سے خفا[7] ہو کر اُن کو محروم کرنے کی نیت سے اور برس کے برس اس سوچ میں لگادیتے ہیں کہ کوئی صورت ایسی پیدا ہوجائے کہ میری زندگی میں تو میرے ہی کام آئے، بعد میں جو ہو وہ ہوتا رہے، ہاں نام[8] و نمود کی کوئی چیز ہو، بیاہ شادی کی تقریب[9] ہو تو سودی قرض سے بھی انکار نہیں۔

⑩ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا اپنے خادم کو تنبیہ فرمانا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، جن کے اسلام لانے کا قصہ باب :ا رکے پانچویں قصہ میں گذر چکا، یہ بڑے زاہد[10] لوگوں میں تھے، مال نہ اپنے پاس جمع رکھتے تھے، نہ یہ چاہتے تھے کہ کوئی دوسرا جمع رکھے، مالدار لوگوں سے ہمیشہ لڑائی رہتی تھی، اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے رَبذہ میں رہنے لگے تھے، جو جنگل میں ایک معمولی سی آبادی تھی، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس چند اونٹ تھے اور ایک ناتواں[11] ضعیف سا چرواہا تھا، جو اِن کی خبر گیری[12] کرتا تھا، اُسی پر گذر تھا، ایک شخص قبیلۂ بنو سلیم کے خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ تمنا ظاہر کی کہ میں آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں، تاکہ آپ کے فیوض سے اِستفادہ[13] کروں، میں آپ کے چرواہے کی مدد کرتا رہوں گا اور آپ کی برکات سے فائدہ بھی حاصل

حل لغات: ① خدا کے نام پر چھوڑنا۔ ② میٹھا۔ ③ زیادتی۔ ④ پینا۔ ⑤ خوشی۔ ⑥ رشتے داروں۔ ⑦ ناراض۔ ⑧ شہرت، دکھاوا۔ ⑨ موقع۔ ⑩ پرہیزگار۔ ⑪ دُبلا پتلا، کمزور۔ ⑫ دیکھ بھال۔ ⑬ فائدہ حاصل کرنا۔

کروں گا، حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دوست وہ ہے جو میری اطاعت کرے، اگر تم بھی میری اطاعت کے لیے تیار ہو، شوق سے رہو، کہنا نہ مانو تو تمہاری ضرورت نہیں۔ سلیمی صاحب نے عرض کیا کس چیز میں آپ اپنی اطاعت چاہتے ہیں؟ فرمایا کہ جب میں اپنے مال میں سے کسی چیز کے خرچ کا حکم کروں، تو عمدہ سے عمدہ مال خرچ کیا جائے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے قبول کیا اور رہنے لگا، اتفاق[1] سے ایک دن اُن سے کسی نے ذکر کیا کہ پانی پر کچھ لوگ رہتے ہیں، جو ضرورت مند ہیں، کھانے کے محتاج ہیں، مجھ سے فرمایا: ایک اونٹ لے آؤ، میں گیا، میں نے دیکھا کہ ایک بہت ہی عمدہ اونٹ ہے، جو نہایت قیمتی نہایت کار آمد[2] اور سواری میں مُطیع[3] میں نے حسبِ وعدہ[4] اس کو لے جانے کا ارادہ کیا، مگر مجھے خیال ہوا کہ غرباء[5] کو کھلانا ہی تو ہے اور یہ اونٹ بہت زیادہ کار آمد ہے، حضرت کی اور متعلقین کی ضرورت کا ہے، اس کو چھوڑ کر اس سے ذرا کم درجہ کی عمدہ اونٹنی کہ اس اونٹ کے علاوہ اور باقی سب سے بہتر تھی لے کر حاضرِ خدمت ہوا، فرمایا کہ تم نے خیانت کی، میں سمجھ گیا اور واپس آکر وہی اونٹ لے گیا، پاس بیٹھنے والوں سے ارشاد فرمایا کہ دو آدمی ایسے ہیں، جو اللہ کے واسطے ایک کام کریں؟ دو آدمی اٹھے، انھوں نے اپنے کو پیش کیا، فرمایا کہ اس کو ذبح کرو اور ذبح کے بعد گوشت کاٹ کر جتنے گھر پانی پر آباد ہیں ان کو شمار کر کے ابو ذر کا یعنی اپنا گھر بھی ایک عدد ان میں شمار کر لو اور سب کو برابر تقسیم کر دو، میرے گھر بھی اتنا ہی جائے جتنا اُن میں سے ہر گھر میں جائے، انھوں نے تعمیل[6] ارشاد کی اور تقسیم کر دیا، اس کے بعد مجھے بلایا اور فرمایا کہ تو نے میری وصیت عمدہ مال خرچ کرنے کی جان بوجھ کر چھوڑی یا بھول گیا تھا؟ اگر بھول گیا تھا تو معذور ہے، میں نے عرض کیا کہ بھولا تو نہیں تھا، میں نے اوّل اسی اونٹ کو لیا تھا، مگر مجھے خیال ہوا کہ یہ بہت کار آمد ہے، آپ کو اکثر اس کی ضرورت رہتی ہے، محض[7] اس وجہ سے چھوڑ دیا تھا۔ فرمایا کہ محض میری ضرورت سے چھوڑا تھا؟ عرض کیا کہ محض آپ کی ضرورت سے چھوڑا تھا۔ فرمایا: اپنی ضرورت کا دن بتاؤں؟ میری ضرورت کا دن وہ ہے جس دن میں قبر کے گڑھے میں اکیلا ڈال دیا جاؤں گا، وہ دن میری ضرورت اور احتیاج کا ہے، مال کے اندر تین حصہ دار ہیں: ایک تقدیر جو مال کے لے جانے میں کسی چیز کا انتظار نہیں کرتی، اچھا بُرا ہر قسم کا لے جاتی ہے، دوسرا وارث جو اس کے انتظار میں ہے، تو مَرے تو وہ لے لے، اور تیسرا حصہ دار تو خود ہے، اگر ہو سکتا ہو اور تیری طاقت میں ہو، تو تینوں حصہ داروں میں سب سے زیادہ عاجز[8] نہ بن، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ [سورۂ آل عمران: ۹۲] اس لیے جو مال مجھے سب سے زیادہ پسند ہے، اس کو میں اپنے لیے آگے چلتا کروں تا کہ وہ میرے لیے جمع رہے۔ [درمنثور]

حل لغات: (۱) اچانک۔ (۲) فائدہ مند۔ (۳) فرمانبردار۔ (۴) وعدہ کے مطابق۔ (۵) غریب لوگ۔ (۶) حکم پورا کیا۔ (۷) صرف۔ (۸) مجبور۔

فائدہ: تین حصہ داروں میں سب سے زیادہ عاجز نہ بن کا مطلب یہ ہے کہ جو ہو سکے اپنے لیے آخرت کا ذخیرہ[1] جمع کرلے، ایسا نہ ہو کہ مقدر غالب آجائے، اور وہ مال تجھ سے ضائع ہو جائے، یا تُو مر جائے اور وہ دوسروں کے قبضہ میں آجائے کہ بعد میں کوئی کسی کو نہیں پوچھتا۔ آل اولاد بیوی بچے سب تھوڑے بہت دنوں روکر چپ ہو جائیں گے۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ مرنے والے کے لیے بھی کچھ صدقہ خیرات کردیں اور اُس کو یاد رکھیں۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد وَارد ہے: آدمی کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال، حالانکہ اُس کا مال صرف وہ ہے جو کھالیا اور ختم کردیا، یا پہن لیا اور پُرانا کردیا، یا اللہ کے راستے میں خرچ کردیا اور اپنے لیے خزانہ میں جمع کردیا، اس کے سوا جو کچھ ہے وہ دوسروں کا مال ہے، لوگوں کے لیے جمع کر رہا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: تم میں سے ایسا کون شخص ہے، جس کو اپنے وارث کا مال اپنے سے اچھا لگے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) ایسا کون ہوگا، جس کو دوسرے کا مال اپنے سے زیادہ محبوب ہو، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنا مال صرف وہی ہے جو آگے بھیج دیا جائے، اور جو چھوڑ دیا وہ وارث کا مال ہے۔ [مشکوٰۃ]

⑪ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے عبد اللہ کی فیاضی[2]

حضرت جعفرِ طیّار رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے چچازاد بھائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی ہیں، اول تو یہ سارا ہی گھرانہ اور خاندان، بلکہ آل اولاد سخاوت، کرم، شجاعت بہادری میں ممتاز[3] رہے اور ہیں، لیکن حضرت جعفر رضی اللہ عنہ مساکین[4] کے ساتھ خاص تعلق رکھتے تھے اور زیادہ اُٹھنا بیٹھنا غربا[5] ہی کے ساتھ ہوتا تھا، کفار کی تکالیف سے تنگ ہوکر اول حبشہ کی ہجرت کی، اور کفار نے وہاں بھی پیچھا کیا تو نجاشی کے یہاں اپنی صفائی پیش کرنا پڑی، جس کا قصہ پہلے باب کے نمبر دس[10] میں گذرا۔ وہاں سے واپسی پر مدینہ طیبہ کی ہجرت کی اور غزوۂ مُوتہ میں شہید ہوئے، جس کا قصہ اگلے باب کے ختم پر آرہا ہے، ان کے انتقال کی خبر پر حضور ﷺ اُن کے گھر تعزیت[6] کے طور پر تشریف لے گئے اور اُن کے صاحبزادوں عبد اللہ اور عون اور محمد کو بلایا، وہ سب کم عمر تھے، ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا فرمائی، ساری ہی اولاد میں باپ کا رنگ تھا، مگر عبد اللہ میں سخاوت کا مضمون بہت زیادہ تھا۔ اِسی وجہ سے ان کا لقب قطبُ السخا، سخاوت کا قطب تھا، سات برس کی عمر میں حضور اقدس ﷺ سے بیعت ہوئے، انہی عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے کسی شخص نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کے یہاں سفارش کرائی، اُن کی سفارش پر اس کا کام ہوگیا، تو اُس نے نذرانہ[7] کے طور پر چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) درہم بھیجے، انھوں نے واپس کردیے کہ ہم لوگ اپنی نیکی کو فروخت نہیں کیا

حل لغات: ① پونجی۔ ② سخاوت۔ ③ مشہور۔ ④ غریبوں۔ ⑤ غریب لوگ۔ ⑥ انتقال کرنے والے کے وارثوں سے ہمدردی کو ظاہر کرنے کے لئے جانا۔ ⑦ ہدیہ۔

کرتے۔ ایک مرتبہ کہیں سے دو ہزار درہم نذرانہ میں آئے، اُسی مجلس میں تقسیم فرما دیے۔ ایک تاجر بہت سی شکر لے کر آیا، مگر بازار میں فروخت نہ ہوئی، اُس کو فکر و رنج ہوا، عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے اپنے کارِندوں[1] سے کہا کہ ساری شکر اس سے خرید لو اور لوگوں میں مفت لٹا دو۔ رات کو قبیلہ میں جو مہمان آجاتا تھا، وہ اُن کے یہاں سے کھانا پینا ہر قسم کی ضرورت پوری کرتا۔　　[اصابہ]

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ایک لڑائی میں شریک تھے، ایک دن اپنے بیٹے عبداللہ کو وصیت فرمائی کہ میرا خیال یہ ہے کہ آج میں شہید ہو جاؤں گا، تم میرا قرضہ ادا کر دینا اور فلاں فلاں کام کرنا، یہ وصیتیں کر کے اسی دن شہید ہو گئے، صاحبزادہ نے جب قرضہ کو جوڑا تو بائیس لاکھ (۲۲۰۰۰۰۰) درہم تھے، اور یہ قرضہ بھی اس طرح ہوا تھا کہ امانت دار بہت مشہور تھے، لوگ اپنی اپنی امانتیں بہت کثرت سے رکھتے، یہ فرما دیتے کہ رکھنے کی جگہ تو میرے پاس نہیں، یہ رقم قرض ہے، جب تمہیں ضرورت ہو، لے لینا، یہ کہہ کر اُس کو صدقہ کر دیتے اور یہ بھی وصیت کی کہ جب کوئی مشکل پیش آئے، تو میرے مولیٰ سے کہہ دینا، عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مولیٰ کو نہ سمجھا، میں نے پوچھا کہ آپ کے مولیٰ کون؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تمام قرضہ ادا کیا، کہتے ہیں کہ جب کوئی دِقت پیش آتی میں کہتا کہ اے زبیر کے مولیٰ! فلاں کام نہیں ہوتا، وہ فوراً ہو جاتا، یہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ اِن عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میرے والد کے قرضہ کی فہرست میں تمہارے ذمہ دس لاکھ (۱۰۰۰۰۰۰) درم لکھے ہیں، کہنے لگے کہ جب چاہو لے لو، اس کے بعد معلوم ہوا کہ مجھ سے غلطی ہوئی، میں دوبارہ گیا، میں نے کہا کہ وہ تو تمہارے ان کے ذمہ ہیں، کہنے لگے کہ میں نے معاف کر دیے، میں نے کہا کہ میں معاف نہیں کراتا، کہنے لگے کہ جب تمہیں سہولت ہو دے دینا، میں نے کہا: اس کے بدلہ میں زمین لے لو، غنیمت کے مال میں زمین بہت سی آئی ہوئی تھی، عبداللہ ابن جعفر رضی اللہ عنہما نے کہا: اچھا میں نے ایک زمین ان کو دے دی جو معمولی حیثیت کی تھی، پانی وغیرہ بھی اس میں نہیں تھا، انھوں نے فوراً قبول کر لی اور غلام سے کہا کہ اس زمین میں مصلّٰی بچھا دے، اس نے مصلّٰی بچھا دیا، دو رکعت نماز وہاں پڑھی اور بہت دیر تک سجدہ میں پڑے رہے، نماز سے فارغ ہو کر غلام سے کہا کہ اس جگہ کو کھودو، اس نے کھودنا شروع کیا ایک پانی کا چشمہ وہاں سے اُبلنے لگا۔　　[اُسد الغابہ]

فائدہ: ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہاں یہ اور اس قسم کی چیزیں جو اس باب میں لکھی گئیں، کوئی بڑی بات نہ تھی، ان حضرات کی عام عادتیں ایسی ہی تھیں۔

حل لغات: (۱) نوکروں۔

ساتواں باب: بہادری، دلیری اور موت کا شوق

جس کا لازمی نتیجہ بہادری ہے کہ جب آدمی مَرنے ہی کے سَر ہو[1] جائے تو پھر سب کچھ کر سکتا ہے۔ ساری بزدِلی، سوچ، فکر زندگی ہی کے واسطے ہے اور جب مَرنے کا اشتیاق[2] پیدا ہو جائے، تو نہ مال کی محبت رہے نہ دشمن کا خوف، کاش مجھے بھی ان سچوں کے طُفیل[3] یہ دولت نصیب ہو جاتی۔

① ابن جَحَش اور سعد رضی اللہ عنہما کی دعا

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے غزوۂ احد میں حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے سعد! آؤ مل کر دعا کریں، ہر شخص اپنی ضرورت کے موافق دعا کرے، دوسرا آمین کہے، کہ یہ قبول ہونے کے زیادہ قریب ہے۔ دونوں حضرات نے ایک کونے میں جا کر دعا فرمائی۔ اول حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دعا کی: یا اللہ! جب کل کو لڑائی ہو، تو میرے مقابلہ میں ایک بڑے بہادر کو مقرر فرما، جو سخت حملہ والا ہو، وہ مجھ پر سخت حملہ کرے اور میں اس پر زوردار حملہ کروں، پھر مجھے اس پر فتح نصیب فرما، کہ میں اس کو تیرے راستہ میں قتل کروں اور اس کی غنیمت حاصل کروں، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آمین کہی۔ اور اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی، اے اللہ! کل کو میدان میں ایک بہادر سے مقابلہ کرا، جو سخت حملہ والا ہو، میں اس پر شدت[4] سے حملہ کروں وہ بھی مجھ پر زور سے حملہ کرے اور پھر وہ مجھے قتل کر دے، پھر میرے ناک کان کاٹ لے، پھر قیامت میں جب تیرے حضور[5] میں پیشی[6] ہو، تو تو کہے کہ عبداللہ! تیرے ناک کان کیوں کاٹے گئے؟ میں عرض کروں: یا اللہ! تیرے اور تیرے رسول ﷺ کے راستے میں کاٹے گئے، پھر تو کہے کہ سچ ہے میرے ہی راستے میں کاٹے گئے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آمین کہی۔ دوسرے دن لڑائی ہوئی اور دونوں حضرات کی دعائیں اسی طرح سے قبول ہوئیں جس طرح مانگی تھی۔ [خمیس]

سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی دعا میری دعا سے بہتر تھی، میں نے شام کو دیکھا کہ ان کے ناک کان ایک تاگے میں پروئے[7] ہوئے ہیں، اُحد کی لڑائی میں ان کی تلوار بھی ٹوٹ گئی تھی، حضور ﷺ نے ان کو ایک ٹہنی عطا فرمائی، جو ان کے ہاتھ میں جا کر تلوار بن گئی اور عرصہ تک بعد میں رہی اور دوسو دینار کو فروخت ہوئی۔ دینار سونے کے ایک سکہ کا نام ہے۔ [اِصابہ]

فائدہ: اس قصہ میں جہاں ایک جانب کمال[8] بہادری ہے کہ بہادر دشمن سے مقابلہ کی تمنا ہے، وہاں دوسری جانب کمال عشق بھی کہ محبوب کے راستے میں بدن کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی تمنا کرے اور آخر

حل لغات: ① پیچھے پڑ جائے۔ ② شوق۔ ③ ذریعہ، وسیلہ۔ ④ زور، سختی۔ ⑤ دربار۔ ⑥ حاضری۔ ⑦ کسی چیز میں سوراخ کر کے دھاگا ڈالنا۔ ⑧ انتہائی۔

میں جب وہ پوچھیں کہ یہ سب کیوں ہوا؟ تو میں عرض کروں کہ تمہارے لیے۔

رہے گا کوئی تو تیغِ[1] ستم کے یادگاروں میں
مرے لاشے کے ٹکڑے دفن کرنا سو مزاروں میں

﴿۲﴾ اُحد کی لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہادری

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو کچھ شکست ہوئی تھی، جس کی بڑی وجہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد پر عمل نہ کرنا تھی، جس کا ذکر باب: ۱رقصہ: ۲رمیں گذر چکا۔ اس وقت مسلمان چاروں طرف سے کفار کے بیچ میں آ گئے، جس کی وجہ سے بہت سے لوگ شہید بھی ہوئے اور کچھ بھاگے بھی، نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کفار کے ایک جتھے[2] کے بیچ میں آ گئے اور کفار نے یہ مشہور کر دیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اس خبر سے بہت پریشان حال تھے اور اسی وجہ سے بہت سے بھاگے بھی اور اِدھر اُدھر متفرق[3] ہو گئے۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ جب کفار نے مسلمانوں کو گھیر لیا اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میری نظر سے اُوجھل[4] ہو گئے، تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اول زندوں میں تلاش کیا، نہ پایا، پھر شہداء میں جا کر تلاش کیا، وہاں بھی نہ پایا، تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ ایسا تو ہو نہیں سکتا، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی سے بھاگ جائیں، بظاہر حق تعالیٰ شانہٗ ہمارے اعمال کی وجہ سے ہم پر ناراض ہوئے، اس لیے اپنے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر اُٹھا لیا، اس لیے اب اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کہ میں بھی تلوار لے کر کافروں کے جتھے میں گھس جاؤں، یہاں تک کہ مارا جاؤں۔ میں نے تلوار لے کر حملہ کیا؛ یہاں تک کہ کفار بیچ میں سے ہٹتے گئے اور میری نگاہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑ گئی، تو بے حد مسرّت[5] ہوئی اور میں نے سمجھا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے ملائکہ کے ذریعہ سے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی، میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر کھڑا ہوا کہ ایک جماعت کی جماعت کفار کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کے لیے آئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علی! ان کو روکو، میں نے تنہا اس جماعت کا مقابلہ کیا اور ان کے منھ پھیر دیے[6] اور بعضوں کو قتل کر دیا، اس کے بعد پھر ایک اور جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کی نیت سے بڑھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا، انھوں نے پھر تنہا اس جماعت کا مقابلہ کیا، اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس جواں مَردی[7] اور مدد کی تعریف کی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”إِنَّهٗ مِنِّيْ وَأَنَا مِنْهُ“ بے شک علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔ یعنی کمال اتحاد[8] کی طرف اشارہ فرمایا، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: ”وَأَنَا مِنْكُمَا“ میں تم دونوں سے ہوں۔ [قرۃ العیون]

فائدہ: ایک تنہا آدمی کا جماعت سے بھڑ جانا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات کو نہ پا کر مرجانے کی نیت

حل لغات: ① ظلم وستم کی تلوار۔ ② مجمع۔ ③ الگ الگ۔ ④ غائب۔ ⑤ خوشی۔ ⑥ بھگا دیا۔ ⑦ بہادری۔ ⑧ بہت زیادہ محبت۔

سے کفار کے جمگھٹے[1] میں گھس جانا، جہاں ایک طرف حضور ﷺ کے ساتھ سچی محبت اور عشق کا پتہ دیتا ہے، وہاں دوسری جانب کمال بہادری اور دلیری، جرأت کا بھی نقشہ ہے۔

③ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

غزوۂ اُحد میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اول سے شریک نہیں تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کی نئی شادی ہوئی تھی، بیوی سے ہمبستر ہوئے تھے، اس کے بعد غسل کی تیاری کر رہے تھے اور غسل کرنے کے لیے بیٹھ بھی گئے، سر کو دھو رہے تھے کہ ایک دم مسلمانوں کی شکست کی آواز کان میں پڑی، جس کی تاب[2] نہ لا سکے، اسی حالت میں تلوار ہاتھ میں لی اور لڑائی کے میدان کی طرف بڑھے چلے گئے اور کفار پر حملہ کیا اور برابر بڑھتے چلے گئے کہ اسی حالت میں شہید ہو گئے، چوں کہ شہید کو اگر جنبی[3] نہ ہو تو بغیر غسل دیے دفن کیا جاتا ہے، اس لیے ان کو بھی اسی طرح کر دیا، مگر حضورِ اکرم ﷺ نے دیکھا کہ ملائکہ[4] ان کو غسل دے رہے ہیں، حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملائکہ کے غسل دینے کا تذکرہ فرمایا۔ ابوسعید ساعدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد سن کر حنظلہ رضی اللہ عنہ کو جا کر دیکھا تو ان کے سَر سے غسل کا پانی ٹپک رہا تھا۔ حضورِ اقدس ﷺ نے واپسی پر تحقیق فرمایا، تو ان کے بغیر نہائے جانے کا قصہ معلوم ہوا۔ [قرۃ العیون]

فائدہ: یہ بھی کمال بہادری ہے، بہادر آدمی کو اپنے ارادہ میں تاخیر کرنا دشوار ہوتا ہے، اسی لیے اتنا انتظار بھی نہیں کیا کہ غسل پورا کر لیتے۔

④ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی تمنائے شہادت

حضرت عَمْرو بن جموح رضی اللہ عنہ پاؤں سے لنگڑے تھے، ان کے چار بیٹے تھے، جو اکثر حضور ﷺ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے اور لڑائیوں میں بھی شرکت کرتے تھے۔ غزوۂ اُحد میں عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو بھی شوق پیدا ہوا کہ میں بھی جاؤں، لوگوں نے کہا کہ تم معذور ہو، لنگڑے پن کی وجہ سے چلنا دشوار ہے۔ انھوں نے فرمایا: کیسی بُری بات ہے کہ میرے بیٹے تو جنت میں جائیں اور میں رہ جاؤں۔ بیوی نے بھی اُبھارنے کے لیے طعنہ کے طور پر کہا کہ میں تو دیکھ رہی ہوں کہ وہ لڑائی سے بھاگ کر لوٹ آیا عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر ہتھیار لیے اور قبلہ کی طرف منھ کر کے یہ دعا کی ”اَللّٰهُمَّ لَا تَرُدَّنِيْ إِلٰى أَهْلِيْ“ (اے اللہ! مجھے اپنے اہل کی طرف نہ لوٹائیو) اس کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اپنی قوم کے منع کرنے کا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا اور کہا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اپنے لنگڑے پیر سے جنت میں چلوں پھروں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے تم کو معذور کیا ہے، تو نہ جانے میں کیا حرج ہے۔ انھوں نے پھر خواہش کی، تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو رضی اللہ عنہ کو لڑائی میں دیکھا کہ اکڑتے ہوئے جاتے تھے

حل لغات: ① مجمع۔ ② برداشت نہ کر سکے۔ ③ ناپاک۔ ④ فرشتے۔

اور کہتے تھے کہ خدا کی قسم! میں جنت کا مشتاق[1] ہوں۔ ان کا ایک بیٹا بھی ان کے پیچھے دوڑا ہوا جاتا تھا، دونوں لڑتے رہے حتّٰی کہ دونوں شہید ہوئے۔ ان کی بیوی اپنے خاوند اور بیٹے کی نعش کو اونٹ پر لاد کر دفن کے لیے مدینہ لانے لگیں، تو وہ اونٹ بیٹھ گیا، بڑی دِقت[2] سے اُس کو مار کر اُٹھایا اور مدینہ لانے کی کوشش کی، مگر وہ اُحد ہی کی طرف کا منہ کرتا تھا۔ ان کی بیوی نے حضور ﷺ سے ذِکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اونٹ کو یہی حکم ہے، کیا عمرو چلتے ہوئے کچھ کہہ کر گئے تھے؟ انھوں نے عرض کیا کہ قبلہ کی طرف منھ کر کے یہ دعا کی تھی "اَللّٰهُمَّ لَا تَرُدَّنِيْ إِلٰى أَهْلِيْ"۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسی وجہ سے یہ اونٹ اس طرف نہیں جاتا۔ [قرۃ]

فائدہ: اسی کا نام ہے جنت کا شوق اور یہی ہے وہ سچا عشق اللہ کا اور اس کے رسول ﷺ کا، جس کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کہاں سے کہاں پہونچ گئے کہ ان کے جذبے مرنے کے بعد بھی ویسے ہی رہتے، بہتیری کوشش کی کہ اونٹ چلے، مگر وہ یا تو بیٹھ جاتا یا اُحد کی طرف چلتا تھا۔

⑤ حضرت مُصْعَب بن عُمَیر رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت مُصْعَب بن عُمَیر رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے بڑے ناز[3] کے پلے ہوئے اور مالدار لڑکوں میں تھے، ان کے باپ ان کے لیے دو دو سو درم کا جوڑا خرید کر پہناتے تھے، نوعمر تھے، بہت زیادہ ناز[4] و نعمت میں پرورش پاتے تھے۔ اسلام کے شروع ہی زمانے میں گھر والوں سے چھپ کر مسلمان ہو گئے، اور اسی حالت میں رہتے۔ کسی نے ان کے گھر والوں کو بھی خبر کر دی، انھوں نے ان کو باندھ کر قید کر دیا، کچھ روز اسی حالت میں گذرے اور جب موقع ملا تو چھپ کر بھاگ گئے اور جو لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے ان کے ساتھ ہجرت کر کے چلے گئے، وہاں سے واپس آ کر مدینہ منورہ کی ہجرت فرمائی اور زہد و فقر[5] کی زندگی بسر کرنے لگے، اور ایسی تنگی کی حالت تھی کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ تشریف فرما تھے، حضرت مصعب رضی اللہ عنہ سامنے سے گذرے، ان کے پاس صرف ایک چادر تھی، جو کئی جگہ سے پھٹی ہوئی تھی اور ایک جگہ بجائے کپڑے کے چمڑے کا پیوند لگا ہوا تھا، حضور ﷺ ان کی اِس حالت اور اُس پہلی حالت کا تذکرہ فرماتے ہوئے آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ غزوۂ اُحد میں مہاجرین کا جھنڈا اُن کے ہاتھ میں تھا، جب مسلمان نہایت پریشانی کی حالت میں منتشر ہو رہے تھے، تو یہ جمے ہوئے کھڑے تھے، ایک کافر اُن کے قریب آیا اور تلوار سے ہاتھ کاٹ دیا کہ جھنڈا گر جاوے اور مسلمانوں کو گویا کھلی شکست ہو جائے، انھوں نے فوراً دوسرے ہاتھ میں لے لیا۔ اُس نے دوسرے ہاتھ کو بھی کاٹ ڈالا، انھوں نے دونوں بازوؤں کو جوڑ کر سینہ سے جھنڈے کو چمٹا لیا کہ گرے نہیں، اُس نے ان کے تیر مارا جس سے شہید ہو گئے، مگر زندگی میں جھنڈے کو نہ گرنے دیا، اس کے بعد جھنڈا گرا، جس کو فوراً دوسرے شخص نے اُٹھا لیا، جب اُن کو دفن کرنے کی نوبت

حل لغات: ① شوق رکھتا ہوں۔ ② مشکل۔ ③ لاڈ۔ ④ لاڈ و پیار، عیش و آرام۔ ⑤ غربت۔

آئی تو صرف ایک چادر ان کے پاس تھی، جو پورے بدن پر نہیں آتی تھی، اگر سَر کی طرف سے ڈھانکا جاتا، تو پاؤں کُھل جاتے اور پاؤں کی طرف کی جاتی، تو سَر کُھل جاتا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چادر کو سر کی جانب کر دیا جائے اور پاؤں پر اِذخر کے پتے ڈال دیے جائیں۔ [قرۃ، اصابہ]

فائدہ: یہ آخری زندگی ہے، اس نازک اور نازوں پر پلے ہوئے کی، جو دو سو درم کا جوڑا پہنتا تھا کہ آج اُس کو کفن کی ایک چادر بھی پوری نہیں ملتی اور اس پر ہمت یہ کہ زندگی میں جھنڈا نہ گرنے دیا، دونوں ہاتھ کٹ گئے، مگر پھر بھی اُس کو نہ چھوڑا، بڑے نازوں کے پلے ہوئے تھے، مگر ایمان اُن لوگوں کے دلوں میں کچھ ایسی طرح سے جمتا تھا کہ پھر وہ اپنے سوا کسی چیز کا بھی نہ چھوڑتا تھا، روپیہ پیسہ راحت آرام ہر قسم کی چیز سے ہٹا کر اپنے میں لگا لیتا تھا۔

⑥ یَرمُوک کی لڑائی میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا خط

عراق کی لڑائی کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارادہ خود لڑائی میں شرکت فرمانے کا تھا، عوام اور خواص دونوں قسم کے مجمعوں سے کئی روز تک اس میں مشورہ ہوتا رہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خود شریک ہونا زیادہ مناسب ہے یا مدینہ رہ کر لشکروں کے روانہ کرتے رہنے کا انتظام زیادہ مناسب ہے۔ عوام کی رائے تھی کہ خود شرکت مناسب ہے، خواص کی رائے تھی کہ دوسری صورت زیادہ بہتر ہے۔

مشوروں کی گفتگو میں حضرت سَعد بن اَبی وقاص رضی اللہ عنہ کا بھی تذکرہ آ گیا، اُن کو سب نے پسند کر لیا کہ ان کو اگر بھیجا جاوے تو بہت مناسب ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جانے کی ضرورت نہیں، حضرت سعد رضی اللہ عنہ بڑے بہادر اور عرب کے شیروں میں شمار ہوتے تھے، غرض یہ تجویز[1] ہو گئی اور اُن کو بھیج دیا گیا، جب قادسیہ[2] پر حملہ کے لیے پہونچے، تو شاہِ کسریٰ نے اُن کے مقابلہ کے لیے رستم کو جو مشہور پہلوان تھا تجویز[3] کیا۔ رستم نے ہر چند[4] کوشش کی اور بادشاہ سے بار بار اس کی درخواست کی کہ مجھے اپنے پاس رہنے دیں، خوف کا غلبہ تھا، مگر اظہار اس کا کرتا تھا کہ میں یہاں سے لشکروں کے بھیجنے میں اور صلاح مشورہ میں مدد دوں گا، مگر بادشاہ نے جس کا نام یزدجرد تھا، قبول نہ کیا اور اُس کو مجبوراً جنگ میں شریک ہونا پڑا۔ [اشہر] حضرت سعد رضی اللہ عنہ جب روانہ ہونے لگے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو وصیت فرمائی، جس کے الفاظ کا مختصر ترجمہ یہ ہے: ''سعد! تمہیں یہ بات دھوکے میں نہ ڈالے کہ تم حضور ﷺ کے ماموں کہلاتے ہو اور حضور ﷺ کے صحابی ہو، اللہ تعالیٰ بُرائی کو بُرائی سے نہیں دھوتے، بلکہ بُرائی کو بھلائی سے دھوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے اور بندوں کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے، اُس کے یہاں صرف اُس کی بندگی مقبول ہے، اللہ کے یہاں شریف رذیل[5] سب برابر ہیں، سب ہی اس کے بندے ہیں اور وہ سب کا رب ہے، اُس کے انعامات بندگی سے حاصل

حل لغات: ① طے کرنا۔ ② عراق میں کوفہ کے قریب ایک گاؤں۔ ③ چُنا۔ ④ بہت۔ ⑤ ذلیل۔

ہوتے ہیں، ہر اَمْر[1] میں اس چیز کو دیکھنا جو حضور ﷺ کا طریقہ تھا، وہی عمل کی چیز ہے، میری اِس نصیحت کو یاد رکھنا، تم ایک بہت بڑے کام کے لیے بھیجے جارہے ہو، اس سے چھُٹکارا صرف حق کے اِتباع[2] سے ہوسکتا ہے، اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو خوبی کا عادی بنانا، اللہ کے خوف کو اختیار کرنا اور اللہ کا خوف دو باتوں میں جمع ہوتا ہے، اُس کی اطاعت میں اور گناہ سے پرہیز کرنے میں اور اللہ کی اطاعت جس کو بھی نصیب ہوئی، دنیا سے بُغض[3] اور آخرت کی محبت سے نصیب ہوئی''۔ [اشہر]

اِس کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نہایت بشاشت[4] سے لشکر لے کر روانہ ہوئے، جس کا اندازہ اُس خط سے ہوتا ہے، جو انھوں نے رستم کو لکھا ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں: ''فَإِنَّ مَعِيَ قَوْمًا يُّحِبُّوْنَ الْمَوْتَ كَمَا يُحِبُّوْنَ الْأَعَاجِمُ الْخَمْرَ'' بے شک میرے ساتھ ایسی جماعت ہے، جو موت کو ایسا ہی محبوب رکھتی ہے، جیسا کہ تم لوگ شراب پینے کو محبوب رکھتے ہو۔ [تفسیر عزیزی اوّل]

فائدہ: شراب کے دلدادوں[5] سے پوچھو کہ اس میں کیا مزہ ہے، جو لوگ موت کو ایسا محبوب رکھتے ہوں کامیابی کیوں نہ ان کے قدم چومے۔

⑦ حضرت وَہَب بن قابوس رضی اللہ عنہ کی اُحد میں شہادت

حضرت وَہَب بن قَابُوس رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، جو کسی وقت میں مسلمان ہوئے تھے اور اپنے گھر کسی گاؤں میں رہتے تھے، بکریاں چراتے تھے، اپنے بھتیجے کے ساتھ ایک رسّی میں بکریاں باندھے ہوئے مدینہ منورہ پہونچے، پوچھا کہ حضور ﷺ کہاں تشریف لے گئے؟ معلوم ہوا کہ اُحد کی لڑائی پر گئے ہوئے ہیں، بکریوں کو وہیں چھوڑ کر حضور ﷺ کے پاس پہونچ گئے، اتنے میں ایک جماعت کفار کی حملہ کرتی ہوئی آئی، حضور ﷺ نے فرمایا: جو اِن کو منتشر[6] کردے وہ جنت میں میرا ساتھی ہے، حضرت وہب رضی اللہ عنہ نے زور سے تلوار چلانی شروع کی اور سب کو ہٹا دیا۔ دوسری مرتبہ پھر یہی صورت پیش آئی، تیسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا، حضور ﷺ نے اُن کو جنت کی خوشخبری دی، اس کا سننا تھا کہ تلوار لے کر کفار کے جمگھٹے[7] میں گھس گئے اور شہید ہوئے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے وہب رضی اللہ عنہ جیسی دلیری اور بہادری کسی کی بھی کسی لڑائی میں نہیں دیکھی، اور شہید ہونے کے بعد حضور ﷺ کو میں نے دیکھا کہ وہب رضی اللہ عنہ کے سرہانے کھڑے تھے، اور ارشاد فرماتے تھے کہ اللہ تم سے راضی ہو، میں تم سے راضی ہوں، اس کے بعد حضور ﷺ نے خود اپنے دستِ مبارک سے دفن فرمایا، باوجود یہ کہ اس لڑائی میں حضور اقدس ﷺ خود بھی زخمی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مجھے کسی کے عمل پر بھی اتنا رشک نہیں آیا، جتنا وہب رضی اللہ عنہ کے عمل پر آیا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اللہ کے یہاں ان جیسا اعمال نامہ لے کر پہونچوں۔ [اِصابہ، قرۃ]

حل لغات: ① معاملہ۔ ② پیروی۔ ③ نفرت۔ ④ خوش دلی۔ ⑤ عاشقوں۔ ⑥ بکھیر دے۔ ⑦ مجمع۔

فائدہ: ان پر رشک اس خاص کارنامہ کی وجہ سے ہے کہ جان کو جان نہیں سمجھا، ورنہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات کے دوسرے کارنامے اس سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں۔

⑧ بِیرِ مَعُونَہ کی لڑائی

بیر معونہ کی ایک مشہور لڑائی ہے، جس میں ستّر صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت پوری کی پوری شہید ہوئی، جن کو "قُرّاء" کہتے ہیں، اس لیے کہ سب حضرات قرآن مجید کے حافظ تھے اور سوائے چند مہاجرین کے اکثر انصار تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے ساتھ بڑی محبت تھی، کیوں کہ یہ حضرات رات کا اکثر حصہ ذکر و تلاوت میں گذارتے تھے اور دن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کے گھروں کی ضروریات لکڑی پانی وغیرہ پہونچایا کرتے تھے، اس مقبول جماعت کو نجد کا رہنے والا، قومِ بنی عامر کا ایک شخص جس کا نام عامر بن مالک اور کنیت ابو براء تھی، اپنے ساتھ اپنی پناہ میں تبلیغ اور وعظ کے نام سے لے گیا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد بھی فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے اصحاب کو مضرّت[1] نہ پہونچے، مگر اُس شخص نے بہت زیادہ اطمینان دلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ستّر صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہمراہ[2] کر دیا اور ایک والا نامہ[3] عامر بن طفیل کے نام جو بنی عامر کا رئیس تھا تحریر[4] فرمایا، جس میں اسلام کی دعوت تھی، یہ حضرات مدینہ سے رُخصت ہو کر بیر معونہ پہونچے، تو ٹھہر گئے، اور دو ساتھی ایک حضرت عمر بن اُمیہ رضی اللہ عنہ، دوسرے حضرت منذر بن عمر رضی اللہ عنہ سب کے اونٹوں کو لے کر چرانے کے لیے تشریف لے گئے اور حضرت حرام رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ دو حضرات کو ساتھیوں میں سے لے کر عامر بن طفیل کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ دینے کے لیے تشریف لے گئے، قریب پہونچ کر حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے اپنے دو ساتھیوں سے فرمایا کہ تم یہیں ٹھہر جاؤ میں آگے جاتا ہوں، اگر میرے ساتھ کوئی دغا[5] نہ کی گئی تو تم بھی چلے آنا، ورنہ یہیں سے واپس ہو جانا کہ تین کے مارے جانے سے ایک کا مارا جانا بہتر ہے، عامر بن طفیل اس عامر بن مالک کا بھتیجا تھا، جو اُن صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے ساتھ لایا تھا، اُس کو اسلام اور مسلمانوں سے خاص عداوت[6] تھی۔ حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے والا نامہ دیا، تو اس نے غصہ میں پڑھا بھی نہیں، بلکہ حضرت حرام رضی اللہ عنہ کے ایک ایسا نیزہ مارا جو پار نکل گیا، حضرت حرام رضی اللہ عنہ فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ (رب کعبہ کی قسم میں تو کامیاب ہو گیا) کہہ کر جاں[7] بحق ہوئے۔ اس نے نہ اس کی پرواہ کی کہ قاصد[8] کو مارنا کسی قوم کے نزدیک بھی جائز نہیں، اور نہ اس کا لحاظ کیا کہ میرا چچا ان حضرات کو اپنی پناہ میں لایا ہے، ان کو شہید کرنے کے بعد اس نے اپنی قوم کو جمع کیا اور اس پر آمادہ کیا کہ ان مسلمانوں میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑو، لیکن ان لوگوں نے ابو براء کی پناہ کی وجہ سے تردّد کیا، تو اس نے آس پاس کے اور لوگوں کو جمع کیا اور بہت بڑی جماعت کے ساتھ ان ستّر صحابہ رضی اللہ عنہم کا مقابلہ کیا، یہ حضرات آخر کہاں تک مقابلہ کرتے اور چاروں طرف سے کفار میں گھرے ہوئے تھے، بجز ایک کعب بن زید رضی اللہ عنہ کے جن

حل لغات: ① تکلیف۔ ② ساتھ۔ ③ خط۔ ④ لکھا۔ ⑤ غداری۔ ⑥ دشمنی۔ ⑦ شہید ہوئے۔ ⑧ پیغام لانے والے۔

میں کچھ زندگی کی رَمق[1] باقی تھی اور کفار ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے، باقی سب شہید ہو گئے، حضرت مُنذِر اور عمرو رضی اللہ عنہما جو اونٹ چَرانے گئے ہوئے تھے، انھوں نے آسمان کی طرف دیکھا، تو مُردار[2] خور جانور اڑ رہے تھے، دونوں حضرات یہ کہہ کر لوٹے کہ ضرور کوئی حادثہ پیش آیا، یہاں آکر دیکھا تو اپنے ساتھیوں کو شہید پایا اور سواروں کو خون کی بھری ہوئی تلواریں لیے ہوئے ان کے گرد چکر لگاتے دیکھا، یہ حالت دیکھ کر دونوں حضرات ٹھٹکے[3] اور باہم مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے؟ عمرو بن اُمیہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ چلو واپس چل کر حضور ﷺ کو اطلاع دیں، مگر حضرت منذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ خبر تو ہو ہی جاوے گی، میرا تو دل نہیں مانتا کہ شہادت کو چھوڑوں اور اس جگہ سے چلا جاؤں، جہاں ہمارے دوست پڑے سو رہے ہیں، آگے بڑھو اور ساتھیوں سے جا ملو، چنانچہ دونوں آگے بڑھے اور میدان میں کود گئے، حضرت منذر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور حضرت عمرو بن اُمیہ رضی اللہ عنہ گرفتار ہوئے، مگر چوں کہ عامر کی ماں کے ذمہ کسی منت کے سلسلہ میں ایک غلام کا آزاد کرنا تھا، اس لیے عامر نے اُن کو اس منت میں آزاد کیا۔ [اسلام]

اِن حضرات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت عامر بن فُہَیرَہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، ان کے قاتل جبار بن سَلمیٰ کہتے ہیں کہ میں نے جب ان کے برچھا مارا اور وہ شہید ہوئے تو انھوں نے کہا: فُزْتُ وَاللّٰہِ (خدا کی قسم! میں کامیاب ہوا) اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ان کی نعش آسمان کو اڑی چلی گئی، میں بہت متحیر[4] ہوا اور میں نے بعد میں لوگوں سے پوچھا کہ میں نے خود برچھا مارا وہ مرے، لیکن پھر بھی وہ کہتے ہیں: ''میں کامیاب ہو گیا''، تو وہ کامیابی کیا تھی؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ کامیابی جنت کی تھی، اس پر میں مسلمان ہو گیا۔ [خمیس]

فائدہ: یہ ہی ہیں وہ لوگ جن پر اسلام کو بجا طور پر فخر ہے، بے شک موت ان کے لیے شراب سے زیادہ محبوب تھی اور کیوں نہ ہوتی؟ جب دنیا میں کام ہی ایسے کیے تھے، جن پر اللہ کے یہاں کی سُرخ روئی[5] یقینی تھی، اسی لیے جو مرتا تھا وہ کامیاب ہوتا تھا۔

⑨ حضرت عُمیر رضی اللہ عنہ کا قول کہ کھجوریں کھانا طویل[6] زندگی ہے

غزوۂ بدر میں حضور اقدس ﷺ ایک خیمہ میں تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا کہ اُٹھو اور بڑھو ایسی جنت کی طرف، جس کی چوڑائی آسمان و زمین سے کہیں زیادہ ہے اور مُتقیوں کے واسطے بنائی گئی ہے۔ حضرت عمیر بن الحُمام رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، وہ بھی سن رہے تھے کہنے لگے: واہ واہ، حضور ﷺ نے فرمایا واہ واہ کس بات پر کہا؟ عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے یہ تمنا ہے کہ میں بھی ان میں سے ہوتا، آپ ﷺ نے فرمایا: تم بھی ان میں سے ہو، اس کے بعد جھولی میں سے چند کھجوریں نکال کر

حل لغات: ① تھوڑی سی جان۔ ② مُردے کھانے والے۔ ③ حیرت کے مارے رک گئے۔ ④ حیران۔ ⑤ کامیابی۔ ⑥ لمبی۔

کھانے لگے، اس کے بعد کہنے لگے کہ ان کھجوروں کے ختم ہونے کا انتظار جو ہاتھ میں ہے، بڑی لمبی زندگی ہے، کہاں تک انتظار کروں گا؛ یہ کہہ کر ان کو پھینک دیا اور تلوار لے کے مجمع میں گھس گئے اور شہید ہونے تک لڑتے رہے۔ [طبقات ابن سعد]

فائدہ: حقیقت میں یہی لوگ جنت کے قدر داں[1] ہیں اور اس پر یقین رکھنے والے۔ ہم لوگوں کو بھی اگر یقین نصیب ہو جائے تو ساری باتیں سہل ہو جائیں۔

⑩ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہجرت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تو ذکر ہی کیا ہے، بچہ بچہ ان کی بہادری سے واقف اور شجاعت[2] کا معترف[3] ہے۔ اسلام کے شروع میں جب مسلمان سب ہی ضعف[4] کی حالت میں تھے، حضور ﷺ نے خود اسلام کی قوت کے واسطے عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی دعا کی اور قبول ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ کعبہ کے قریب اس وقت تک نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، جب تک کہ عمر مسلمان نہیں ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اول اول ہر شخص نے ہجرت چھپ کر کی، مگر جب عمر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو تلوار گلے میں ڈالی، کماں[5] ہاتھ میں لی اور بہت سے تیر ساتھ لیے، اوّل مسجد میں گئے، طواف اطمینان سے کیا، پھر نہایت اطمینان سے نماز پڑھی، اس کے بعد کفار کے مجمعوں میں گئے اور فرمایا کہ جس کا دل یہ چاہے کہ اس کی ماں اس کو روئے، اس کی بیوی رانڈ[6] ہو، اس کے بچے یتیم ہوں، وہ مکہ سے باہر آ کر میرا مقابلہ کرے۔ یہ الگ الگ جماعتوں کو سنا کر تشریف لے گئے۔ کسی ایک شخص کی بھی ہمت نہ پڑی کہ پیچھا کرتا۔ [اُسد الغابہ]

⑪ غزوۂ مُوتہ کا قصہ

حضور اقدس ﷺ نے مختلف بادشاہوں کے پاس تبلیغی دعوت نامے ارسال[7] فرمائے تھے، ان میں ایک خط حضرت حارث بن عُمَیر اَزْدِی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ[8] بصریٰ کے بادشاہ کے پاس بھی بھیجا تھا۔ جب یہ مُوتہ پہونچے تو شرحبیل غسانی نے، جو قیصر کے حُکّام میں سے ایک شخص تھا، ان کو قتل کر دیا۔ قاصدوں[9] کا قتل کسی کے نزدیک بھی پسندیدہ نہیں۔ حضور ﷺ کو یہ بات بہت گراں[10] ہوئی اور آپ ﷺ نے تین ہزار کا ایک لشکر تجویز فرما کر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ان پر امیر مقرر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر یہ شہید ہو جائیں، تو جعفر بن ابی طالب امیر بنائے جائیں، وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رَوَاحہ رضی اللہ عنہ امیر ہوں، وہ بھی شہید ہو جائیں، تو پھر مسلمان جس کو دل چاہے امیر بنالیں۔ ایک یہودی اس گفتگو کو سن رہا تھا، اس نے کہا: یہ تینوں تو ضرور شہید ہوں گے، پہلے انبیاء کی اس قسم کے کلام کا یہی مطلب ہوتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ایک سفید جھنڈا بنا کر حضرت زید رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمایا

حل لغات: ① قدر کرنے والے۔ ② بہادری۔ ③ اقرار کرنے والا۔ ④ کمزوری۔ ⑤ تیر چلانے کا آلہ۔ ⑥ بیوہ۔ ⑦ بھیجنا۔ ⑧ افسروں۔ ⑨ پیغام لے جانے والا۔ ⑩ ناپسند۔

اور خود معؔ ایک جماعت کے ان حضرات کو رخصت فرمانے تشریف لے گئے۔ شہر کے باہر جب پہونچانے والے واپس آنے لگے، تو ان مجاہدین کے لیے دعا کی کہ حق تعالیٰ شانہ تم کو سلامتی کے ساتھ، کامیابی کے ساتھ واپس لائے اور ہر قسم کی برائی سے محفوظ رکھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں تین شعر پڑھے، جن کا مطلب یہ تھا کہ میں تو اپنے رب سے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ ایک ایسی تلوار ہو، جس سے میرے خون کے فوّارے چھوٹنے لگیں یا ایسا بَرچھاؔ ہو جو آنتوں اور کلیجہ کو چیرتا ہوا نکل جائے اور جب لوگ میری قبر پر گذریں، تو یہ کہیں کہ اللہ تجھ غازی کو رشیدؔ اور کامیاب کرے، واقعی تُو تو رشید اور کامیاب تھا۔ اس کے بعد یہ حضرات روانہ ہو گئے، شُرَحْبِیل کو بھی ان کی روانگی کا علم ہوا، وہ ایک لاکھ فوج کے ساتھ مقابلہ کے لیے تیار ہوا۔ یہ حضرات کچھ آگے چلے، تو معلوم ہوا کہ خود ہرقل، روم کا بادشاہ بھی ایک لاکھ فوج ساتھ لیے ہوئے مقابلہ کے لیے آ رہا ہے۔ ان حضرات کو اس خبر سے تردّدؔ ہوا کہ اتنی بڑی جمعیّتؔ کا مقابلہ کیا جاوے، یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی جاوے؟ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے للکار کر فرمایا: اے لوگو! تم کس بات سے گھبرا رہے ہو، تم کس چیز کے ارادہ سے نکلے ہو، تمہارا مقصود شہید ہو جانا ہے، ہم لوگ کبھی بھی قوتؔ اور آدمیوں کی کثرت کے زور پر نہیں لڑے، ہم صرف اس دین کی وجہ سے لڑے ہیں، جس کی وجہ سے اللہ نے ہمیں اکرام نصیب فرمایا ہے، آگے بڑھو، دو کامیابیوں میں سے ایک تو ضروری ہے، یا شہادت یا غلبہ۔ یہ سن کر مسلمانوں نے ہمت کی اور آگے بڑھ گئے، حتّٰی کہ مُوتہ پر پہونچ کر لڑائی شروع ہو گئی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور میدان میں پہونچے، گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی، شُرَحْبِیل کا بھائی بھی مارا گیا اور اس کے ساتھی بھاگ گئے، خود شُرَحْبِیل بھی بھاگ کر ایک قلعہ میں چھپ گیا اور ہرقل کے پاس مدد کے لیے آدمی بھیجا، اس نے تقریباً دو لاکھ فوج بھیجی اور لڑائی زور سے ہوتی رہی، حضرت زید رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا اور اپنے گھوڑے کے خود ہی پاؤں کاٹ دیے، تاکہ واپسی کا خیال بھی دل میں نہ آئے اور چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے: ''اے لوگو! کیا ہی اچھی ہے جنت اور کیا ہی اچھا ہے اس کا قریب ہونا، کتنی بہترین چیز ہے اور کتنا ٹھنڈا ہے اس کا پانی، اور ملک روم کے لوگوں پر عذاب کا وقت آ گیا، مجھ پر بھی لازم ہے کہ ان کو ماروں''۔ یہ اشعار پڑھے اور اپنے گھوڑے کے پاؤں خود ہی کاٹ چکے تھے کہ واپسی کا خیال بھی دل میں نہ آوے اور تلوار لے کر کافروں کے مجمع میں گھس گئے، امیر ہونے کی وجہ سے جھنڈا بھی اُنہی کے پاس تھا، اول جھنڈا دائیں ہاتھ میں لیا، کافروں نے دایاں ہاتھ کاٹ دیا کہ جھنڈا گر جائے، انھوں نے فوراً بائیں ہاتھ میں لیا، انھوں نے وہ بھی کاٹا، تو انھوں نے دونوں بازوؤں سے اُس کو تھاما اور منہ سے مضبوط پکڑ لیا، ایک شخص نے

حل لغات: (١) ساتھ۔ (٢) نیزہ۔ (٣) ہدایت پایا ہوا۔ (٤) فکر۔ (٥) فوج۔ (٦) طاقت۔

پیچھے سے ان کے دوٹکڑے کر دیے، جس سے یہ گر پڑے، اُس وقت اُن کی عمر تینتیس ۳۳ سال کی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ہم نے بعد میں نعشوں میں سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو جب اُٹھایا، تو ان کے بدن کے اگلے حصہ میں نوّے زخم تھے۔ جب یہ شہید ہو گئے، تو لوگوں نے عبداللہ بن رَوَاحہ رضی اللہ عنہ کو آواز دی، وہ لشکر کے ایک کونہ میں گوشت کا ٹکڑا کھا رہے تھے کہ تین دن سے کچھ چکھنے کو بھی نہ ملا تھا، وہ آواز سنتے ہی گوشت کے ٹکڑے کو پھینک کر اپنے آپ کو ملامت[۱] کرتے ہوئے کہ جعفر تو شہید ہو جائیں اور تو دنیا میں مشغول رہے، آگے بڑھے اور جھنڈا لے کر قتال شروع کر دیا، انگلی میں زخم آیا وہ لٹک گئی، تو انھوں نے پاؤں سے اس کٹی ہوئی انگلی کو دبا کر ہاتھ کھینچا وہ الگ ہوگئی، اُس کو پھینک دیا اور آگے بڑھے، اس گھمسان[۲] اور پریشانی کی حالت میں تھوڑا سا تردّد[۳] بھی پیش آیا کہ نہ ہمت نہ مقابلہ کی طاقت، لیکن اس تردّد کو تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ اپنے دل کو مخاطب بنا کر کہا: او دل! کس چیز کا اب اشتیاق[۴] باقی ہے، جس کی وجہ سے تَردّد ہے، کیا بیوی کا ہے تو اس کو تین طلاق، یا غلاموں کا ہے تو وہ سب آزاد، یا باغ کا ہے تو وہ اللہ کے راستہ میں صدقہ۔ اس کے بعد چند شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے: ''قسم ہے او دل! تجھے اُترنا ہوگا، خوشی سے اُتر یا ناگواری سے اُتر، تجھے اطمینان کی زندگی گذارتے ہوئے ایک زمانہ گذر چکا، سوچ تو آخر تُو ایک قطرۂ منی ہے، دیکھ کافر لوگ مسلمانوں پر کھنچے ہوئے آرہے ہیں، تجھے کیا ہوا کہ جنت کو پسند نہیں کرتا، اگر تُو قتل نہ ہوا تو ویسے بھی آخر مرے گا ہی۔'' اس کے بعد گھوڑے سے اُترے، ان کے چچازاد بھائی گوشت کا ایک ٹکڑا لائے کہ ذرا سا کھا لو، کمر سیدھی کر لو، کئی دن سے کچھ نہیں کھایا۔ انھوں نے لے لیا، اتنے میں ایک جانب سے ہلّے[۵] کی آواز آئی، اس کو پھینک دیا اور تلوار لے کر جماعت میں گُھس گئے اور شہید ہونے تک تلوار چلاتے رہے۔ [خمیس]

فائدہ: صحابہ رضی اللہ عنہم کی پوری زندگی کا یہی نمونہ ہے، ان کا ہر ہر قصہ دنیا کی بے ثباتی[۶] اور آخرت کے شوق کا سبق دیتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تو پوچھنا ہی کیا، تابعین پر بھی یہی رنگ چڑھا ہوا تھا۔ ایک قصہ پر اس باب کو ختم کرتا ہوں، جو دوسرے رنگ کا ہے۔ دشمن سے مقابلہ کے نمونے تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں، اب حکومت کے سامنے کا منظر بھی دیکھ لیجیے۔

⑫ سعید بن جُبیر رحمہ اللہ اور حَجّاج کی گفتگو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ ''بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے''۔ حَجّاج کا ظلم وستم دنیا میں مشہور ہے، گو اُس زمانہ کے بادشاہ باوجود ظلم وستم کے دین کی اشاعت کا کام بھی کرتے رہتے تھے؛ لیکن پھر بھی دین دار اور عادل[۷] بادشاہوں کے لحاظ سے وہ

حل لغات: ① برا بھلا کہنا۔ ② سخت لڑائی۔ ③ ہچکچاہٹ۔ ④ شوق۔ ⑤ حملہ، شور۔ ⑥ باقی نہ رہنا۔ ⑦ انصاف پسند۔

بدترین شمار ہوتے تھے اور اس وجہ سے لوگ ان سے بیزار[1] تھے۔ سعید بن جُبیرؒ نے بھی ابنُ الاَشعَثُ کے ساتھ مل کر حَجَّاج کا مقابلہ کیا۔ حَجَّاج عبدُ المَلِک بن مَروان کی طرف سے حاکم تھا۔ سعید بن جُبیرؒ مشہور تابعی ہیں اور بڑے علماء میں سے ہیں۔ حکومت اور بالخصوص حَجَّاج کو ان سے بُغض وعداوت[2] تھی اور چونکہ مقابلہ کیا تھا، اس لیے عداوت کا ہونا بھی ضروری تھا۔ مقابلہ میں حَجَّاج اُن کو گرفتار نہ کر سکا، یہ شکست کے بعد چھپ کر مکہ مکرمہ چلے گئے، حکومت نے اپنے ایک خاص آدمی کو مکہ کا حاکم بنایا اور پہلے حاکم کو اپنے پاس بلالیا، اس نئے حاکم نے جا کر خطبہ پڑھا، جس کے اخیر میں عبدُ المَلِک بن مروان بادشاہ کا یہ حکم بھی سنایا کہ جو شخص سعید بن جبیر کو ٹھکانا دے اس کی خیر نہیں، اس کے بعد اُس حاکم نے خود اپنی طرف سے بھی قسم کھائی کہ جس کے گھر میں وہ ملے گا، اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کے گھر کو، نیز اس کے پڑوسیوں کے گھر کو ڈھاؤں گا۔ غرض بڑی دِقّت[3] سے مکہ کے حاکم نے ان کو گرفتار کر کے حَجَّاج کے پاس بھیج دیا، اُس کو غصہ نکالنے اور ان کو قتل کرنے کا موقع مل گیا، سامنے بلایا اور پوچھا۔ حَجَّاج: تیرا کیا نام ہے؟ سعیدؒ: میرا نام سعید ہے۔ حَجَّاج: کس کا بیٹا ہے؟ سعید: جُبیر کا بیٹا ہوں (سعید کا ترجمہ نیک بخت ہے اور جبیر کے معنیٰ: اصلاح کی ہوئی چیز) اگرچہ ناموں میں معنی اکثر مقصود نہیں ہوتے؛ لیکن حَجَّاج کو ان کے نام کا اچھے معنی والا ہونا پسند نہیں آیا، اس لیے کہا: نہیں تو شَقی بن کُسیر ہے (شقی کہتے ہیں بد بخت کو اور کسیر: ٹوٹی ہوئی چیز)۔ سعیدؒ: میری والدہ میرا نام تجھ سے بہتر جانتی تھیں۔ حَجَّاج: تُو بھی بد بخت، تیری ماں بھی بد بخت۔ سعید: غیب کا جاننے والا تیرے علاوہ اور کوئی ہے (یعنی عَلّامُ الغیُوب)۔ حَجَّاج: دیکھ میں اب تجھے موت کے گھاٹ اُتارتا ہوں۔ سعید: تو میری ماں نے میرا نام درست رکھا۔ حَجَّاج: اب میں تجھ کو زندگی کے بدلہ کیسا جہنم رسید کرتا ہوں۔ سعید: اگر میں جانتا کہ یہ تیرے اختیار میں ہے تو تجھ کو معبود بنالیتا۔ حَجَّاج: حضور اقدس ﷺ کی نسبت تیرا کیا عقیدہ ہے؟ سعید: وہ رحمت کے نبی تھے اور اللہ کے رسول تھے، جو بہترین نصیحت کے ساتھ تمام دنیا کی طرف بھیجے گئے۔ حَجَّاج: خلفاء کی نسبت تیرا کیا خیال ہے؟ سعید: میں ان کا محافظ نہیں ہوں، ہر شخص اپنے کیے کا ذمہ دار ہے۔ حَجَّاج: میں ان کو بُرا کہتا ہوں یا اچھا؟ سعید: جس چیز کا مجھے علم نہیں ہے، میں اس میں کیا کہہ سکتا ہوں، مجھے اپنا ہی حال معلوم ہے۔ حَجَّاج: ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ تیرے نزدیک کون ہے؟ سعید: جو سب سے زیادہ میرے مالک کو راضی کرنے والا تھا۔ بعض کتب میں بجائے اس کے یہ جواب ہے کہ ان کے حالات بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں۔ حَجَّاج: سب سے زیادہ راضی رکھنے والا کون تھا؟ سعید: اُس کو وہی جانتا ہے، جو دل کے بھیدوں اور چھپے ہوئے رازوں سے واقف ہے۔ حَجَّاج: حضرت علی رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں یا دوزخ میں؟ سعید: اگر میں جنت اور جہنم میں جاؤں اور وہاں والوں کو دیکھ لوں تو بتلا سکتا ہوں۔ حَجَّاج: میں

حل لغات: (۱) ناراض، پریشان۔ (۲) دشمنی۔ (۳) دشواری۔

قیامت میں کیسا آدمی ہوں گا؟ سعید: میں اس سے کم ہوں کہ غیب پر مطّلع[1] کیا جاؤں۔ حَجَّاج: تو مجھ سے سچ بولنے کا ارادہ نہیں کرتا؟ سعید: میں نے جھوٹ بھی نہیں کہا۔ حَجَّاج: تُو کبھی ہنستا کیوں نہیں؟ سعید: کوئی بات ہنسنے کی دیکھتا نہیں اور وہ شخص کیا ہنسے جو مٹی سے بنا ہوا اور قیامت میں اس کو جانا ہوا اور دنیا کے فتنوں میں دن رات رہتا ہو۔ حَجَّاج: میں تو ہنستا ہوں۔ سعید: اللہ نے ایسے ہی مختلف طریقوں میں ہم کو بنایا ہے۔ حَجَّاج: میں تجھے قتل کرنے والا ہوں۔ سعید: میری موت کا سبب پیدا کرنے والا اپنے کام سے فارغ ہو چکا۔ حَجَّاج: میں اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ محبوب ہوں۔ سعید: اللہ پر کوئی بھی جرأت نہیں کر سکتا، جب تک کہ اپنا مرتبہ معلوم نہ کر لے اور غیب کی اللہ ہی کو خبر ہے۔ حَجَّاج: میں کیوں نہیں جرأت کر سکتا حالانکہ میں جماعت کے بادشاہ کے ساتھ ہوں اور تُو باغیوں[2] کی جماعت کے ساتھ ہے؟ سعید: میں جماعت سے علیحدہ نہیں ہوں اور فتنہ کو خود ہی پسند نہیں کرتا اور جو تقدیر میں ہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ حَجَّاج: ہم جو کچھ امیر المؤمنین کے لیے جمع کرتے ہیں، اس کو تو کیسا سمجھتا ہے؟ سعید: میں نہیں جانتا کہ کیا جمع کیا۔ حَجَّاج نے سونا چاندی کپڑے وغیرہ منگا کر اُن کے سامنے رکھ دیے۔ سعید: یہ اچھی چیزیں ہیں، اگر اپنی شرط کے موافق ہوں۔ حَجَّاج: شرط کیا ہے؟ سعید: یہ کہ تو اُن سے ایسی چیزیں خریدے جو بڑے گھبراہٹ کے دن یعنی قیامت کے دن اَمن پیدا کرنے والی ہوں، ورنہ ہر دودھ پلانے والی دودھ پیتے کو بھول جائے گی اور حمل گر جائیں گے اور آدمی کو اچھی چیز کے سوا کچھ بھی کام نہ دے گی۔ حَجَّاج: ہم نے جو جمع کیا، یہ اچھی چیز نہیں؟ سعید: تُو نے جمع کیا تُو ہی اس کی اچھائی کو سمجھ سکتا ہے۔ حَجَّاج: کیا تو اس میں سے کوئی چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے؟ سعید: میں صرف اس چیز کو پسند کرتا ہوں، جس کو اللہ پسند کرے۔ حَجَّاج: تیرے لیے ہلاکت ہو۔ سعید: ہلاکت اس شخص کے لیے ہے، جو جنت سے ہٹا کر جہنم میں داخل کر دیا جائے۔ حَجَّاج: (دِق[3] ہو کر) بتلا کہ میں تجھے کس طریقہ سے قتل کروں؟ سعید: جس طرح سے قتل ہونا اپنے لیے پسند ہو۔ حَجَّاج: کیا تجھے معاف کر دوں؟ سعید: معافی اللہ کے یہاں کی معافی ہے، تیرا معاف کرنا کوئی چیز نہیں۔ حَجَّاج نے جلّاد[4] کو حکم دیا کہ اس کو قتل کر دو۔ سعید: باہر لائے گئے اور ہنسے۔ حَجَّاج کو اس کی اطلاع دی گئی پھر بلایا اور پوچھا۔ حَجَّاج: تُو کیوں ہنسا؟ سعید: تیری اللہ پر جرأت اور اللہ تعالیٰ کے تجھ پر حلم سے۔ حَجَّاج: میں اس کو قتل کرتا ہوں جس نے مسلمانوں کی جماعت میں تفریق[5] کی، پھر جلّاد سے خطاب کر کے کہا: میرے سامنے اس کی گردن اُڑاؤ۔ سعید: میں دو رکعت نماز پڑھ لوں، نماز پڑھی، پھر قبلہ رُخ ہو کر ﴿وَجَّهۡتُ وَجۡهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِيۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝۷۹﴾ [سورۂ انعام] پڑھا، یعنی میں نے اپنا منہ اس پاک ذات کی طرف کیا جس نے آسمان و زمین بنائے اور میں سب طرف سے ہٹ کر اُدھر متوجہ ہوا اور نہیں ہوں

حل لغات: (۱) خبر دینا۔ (۲) حکومت کے مخالف لوگ۔ (۳) پریشان۔ (۴) مجرموں کو قتل کرنے والا۔ (۵) دشمنی پیدا کرنا۔

مشرکین سے۔ حجّاج: اس کا منہ قبلہ سے پھیر دو اور نصاریٰ کے قبلہ کی طرف کر دو کہ انھوں نے بھی اپنے دین میں تفریق کی اور اختلاف پیدا کیا، چنانچہ فوراً پھیر دیا گیا۔ سعید: ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ الْكَافِي بِالسَّرَائِرِ جدھر تم منہ پھیرو اُدھر بھی خدا ہے، جو بھیدوں کا جاننے والا ہے۔ حجّاج: اَوندھا ڈال دو، (یعنی زمین کی طرف منہ کر دو) ہم تو ظاہر پر عمل کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ سعید: ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى ﴿٥٥﴾﴾ [سورۂ طٰہٰ] ''ہم نے زمین ہی سے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ اُٹھائیں گے۔'' حجّاج: اس کو قتل کر دو۔ سعید: میں تجھے اس بات کا گواہ بناتا ہوں، ((أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ)) تو اس کو محفوظ رکھنا، جب میں تجھ سے قیامت کے دن ملوں گا تو لے لوں گا۔ اس کے بعد وہ شہید کر دیے گئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. ان کے انتقال کے بعد بدن سے خون بہت زیادہ نکلا، جس سے حجّاج کو بھی حیرت ہوئی، اپنے طبیب سے اس کی وجہ پوچھی، اس نے کہا کہ ان کا دل نہایت مطمئن تھا اور قتل کا ذرا بھی خوف ان کے دل میں نہیں تھا، اس لیے خون اپنی اصلی مقدار پر قائم رہا، بخلاف اور لوگوں کے کہ خوف سے اُن کا خون پہلے ہی خشک ہو جاتا ہے۔ [علمائے سلف کتاب الامامت والسّیاست]

فائدہ: اس قصہ کے سوال جواب میں کتب میں کمی زیادتی بھی ہے اور بھی بعض سوال جواب نقل کیے گئے ہیں، ہمیں تو نمونہ ہی دکھانا تھا، اس لیے اسی پر اکتفا کیا گیا، تابعین کے اس قسم کے قصے بہت زیادہ ہیں۔ حضرت امام اعظم، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ حضرات اسی حق گوئی[1] کی وجہ سے ہمیشہ مشقتیں برداشت فرماتے رہے، لیکن حق کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

آٹھواں باب: علمی ولولہ[2] اور اس کا انہماک[3]

چوں کہ اصل دین کلمۂ توحید ہے اور وہی سب کمالات کی بنیاد ہے، جب تک وہ نہ ہو کوئی کارِ خیر[4] بھی مقبول نہیں۔ اس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ہمت بالخصوص ابتدائی زمانہ میں زیادہ تر کلمۂ توحید کے پھیلانے اور کفار سے جہاد کرنے میں مشغول تھی اور وہ علمی انہماک کے لیے فارغ ویکسونہ[5] تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان مشاغل کے ساتھ ان کا انہماک اور شوق وشغف[6] جس کا ثمرہ[7] آج چودہ سو برس تک علوم قرآن وحدیث کا بقا[8] ہے؛ ایک کھلی ہوئی چیز ہے۔ ابتدائے اسلام کے بعد جب کچھ فراغت ان حضرات کو میسر ہو سکی اور جماعت میں بھی کچھ اضافہ ہوا تو آیت کلام اللہ ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۭ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ

حل لغات: (۱) سچ بات کہنا۔ (۲) شوق۔ (۳) بہت زیادہ مشغولی۔ (۴) نیک کام۔ (۵) پورے طور پر فرصت میں نہ تھے۔ (۶) محبت۔ (۷) پھل۔ (۸) باقی رہنا۔

كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ [سورۂ توبہ] نازل ہوئی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے: مسلمانوں کو یہ نہ چاہیے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں، سوایسا کیوں نہ کیا جاوے کہ ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ باقی ماندہ[1] لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تاکہ وہ قوم کو جب وہ اُن کے پاس واپس آویں ڈراویں تاکہ وہ احتیاط رکھیں۔ [بیان القرآن]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا﴾ [سورۂ توبہ: ۴۱] اور ﴿اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ [سورۂ توبہ: ۳۹] سے جو عموم[2] معلوم ہوتا ہے اس کو ﴿مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً﴾ [سورۂ توبہ: ۱۲۲] نے منسوخ[3] کر دیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حق تعالیٰ شانہ نے جامعیت[4] عطا فرمائی تھی اور اس وقت کے لیے یہ چیز نہایت ہی ضروری تھی، کہ وہی ایک مختصر سی جماعت دین کے سارے کام سنبھالنے والی تھی، مگر تابعین کے زمانہ میں جب اسلام پھیل گیا اور مسلمانوں کی بڑی جماعت اور جمعیت ہوگئی، نیز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جیسی جامعیت بھی باقی نہ رہی، تو ہر ہر شعبۂ دین کے لیے پوری توجہ سے کام کرنے والے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے۔ مُحدِّثین کی مستقل جماعت بننی شروع ہوگئی، جن کا کام احادیث کا ضبط[5] اور ان کا پھیلانا تھا۔ فُقہاء کی علیحدہ[6] جماعت ہوئی۔ صوفیا، قرّاء، مجاہدین غرض دین کے ہر ہر شعبہ کو مستقل سنبھالنے والے پیدا ہوئے، اُس وقت کے لیے یہی چیز مناسب اور ضروری تھی، اگر یہ صورت نہ ہوتی تو ہر شعبہ میں کمال اور ترقی دُشوار تھی، اس لیے کہ ہر شخص تمام چیزوں میں انتہائی کمال پیدا کر لے یہ بہت دشوار ہے، یہ صفت حق تعالیٰ شانہ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، بالخصوص سید الانبیاء علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام ہی کو عطا فرمائی تھی، اس لیے اس باب میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ اور دیگر حضرات کے واقعات بھی ذکر کیے جائیں گے۔

① فتوے کا کام کرنے والی جماعت کی فہرست

اگر چہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جہاد اور اِعلاء[7] کلمۃُ اللہ کی مشغولی کے باوجود سب ہی علمی مشغلہ[8] میں ہر وقت مُنْہمک[9] تھے اور ہر شخص ہر وقت جو کچھ حاصل کر لیتا تھا، اس کو پھیلانا پہونچانا یہی اس کا مشغلہ تھا، لیکن ایک جماعت فتوے کے ساتھ مخصوص تھی، جو حضورِ اقدس ﷺ کے زمانہ میں بھی فتوے کا کام کرتی تھی۔ وہ حضرات ذیل ہیں: حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، اُبَی بن کعب، حضرت عبداللہ بن مسعود، مُعاذ بن جَبَل، عَمّار بن یاسِر، حُذیفہ، سلمان فارسی، زید بن ثابت، ابوموسیٰ، اَبُوالدَّرْدَاء رضی اللہ عنہم اجمعین۔ [تلقیح]

حل لغات: ① باقی بچے ہوئے۔ ② عام ہونا۔ ③ ختم۔ ④ ہر طرح کی خوبی۔ ⑤ حفاظت۔ ⑥ الگ۔ ⑦ اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا۔ ⑧ کام۔ ⑨ بہت زیادہ مشغول۔

فائدہ: یہ ان حضرات کے کمالِ علم کی بات ہے کہ حضور ﷺ کی موجودگی میں یہ لوگ اہلِ فتویٰ شمار کیے جاتے تھے۔

② حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مجموعۂ احادیث کو جلا دینا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے باپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پانچ سو (۵۰۰) احادیث کا ایک ذخیرہ جمع کیا تھا۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ وہ نہایت بے چین ہیں، کروٹیں بدل رہے ہیں۔ مجھے یہ حالت دیکھ کر بے چینی ہوئی۔ دریافت کیا کہ کوئی تکلیف ہے؟ یا کوئی فکر[۱] کی بات سننے میں آئی ہے؟ غرض تمام رات اس بے چینی میں گذری اور صبح کو فرمایا کہ وہ احادیث جو میں نے تیرے پاس رکھوا رکھی ہیں، اٹھالا۔ میں لے کر آئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اُن کو جلا دیا۔ میں نے پوچھا کہ کیوں جلا دیا؟ ارشاد فرمایا کہ مجھے اندیشہ[۱] ہوا کہیں ایسا نہ ہو کہ میں مَر جاؤں اور یہ میرے پاس ہوں، ان میں دوسروں کی سنی ہوئی روایتیں بھی ہیں کہ میں نے معتبر سمجھا ہو، اور وہ واقع[۲] میں معتبر نہ ہوں اور اس کی روایت میں کوئی گڑبڑ ہو، جس کا وبال[۳] مجھ پر ہو۔ [تذکرۃ الحفاظ]

فائدہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ علمی کمال اور شغف[۴] تھا کہ انھوں نے پانچ سو (۵۰۰) احادیث کا ایک رسالہ جمع کیا اور اس کے بعد اس کو جلا دینا یہ کمال احتیاط تھا۔ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا حدیث کے بارے میں احتیاط کا یہی حال تھا، اِسی وجہ سے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایتیں بہت کم نقل کی جاتی ہیں۔ ہم لوگوں کو اس واقعہ سے سبق لینے کی ضرورت ہے، جو منبروں پر بیٹھ کے بے دھڑک احادیث نقل کر دیتے ہیں۔ حالانکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر وقت کے حاضر[۵] باش، سفر حضر کے ساتھی، ہجرت کے رفیق۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہم میں بڑے عالم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے وصال[۶] کے بعد جب بیعت کا قصہ پیش آیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تقریر فرمائی، تو کوئی آیت اور کوئی حدیث ایسی نہیں چھوڑی؛ جس میں انصار کی فضیلت آئی ہو اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی تقریر میں نہ فرما دی ہو۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن پاک پر کتنا عُبور[۷] تھا اور احادیث کس قدر یاد تھیں، مگر پھر بھی بہت کم روایتیں حدیث کی آپ سے منقول ہیں۔ یہی راز ہے کہ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ سے بھی حدیث کی روایتیں بہت کم نقل کی گئی ہیں۔

③ تبلیغ حضرت مُصْعَب بن عُمَیر رضی اللہ عنہ

مُصْعَب بن عُمَیر رضی اللہ عنہ جن کا ایک قصہ ساتویں باب کے نمبر پانچ پر بھی گذر چکا ہے، ان کو حضورِ اقدس ﷺ نے مدینہ منورہ کی اس جماعت کے ساتھ، جو سب سے پہلے منیٰ کی گھاٹی میں مسلمان ہوئی تھی، تعلیم اور دین کے سکھانے کے لیے بھیج دیا تھا۔ یہ مدینہ طیبہ میں ہر وقت تعلیم اور تبلیغ میں مشغول رہتے، لوگوں کو قرآن

حل لغات: ① فکر۔ ② حقیقت۔ ③ عذاب۔ ④ شوق۔ ⑤ ساتھ رہنے والے۔ ⑥ انتقال۔ ⑦ مہارت۔

شریف پڑھاتے اور دین کی باتیں سکھلاتے تھے۔ اسعد بن زُرارہ رضی اللہ عنہ کے پاس ان کا قیام تھا اور مُقرِیُ (پڑھانے والا، مُدرِّس) کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ سعد بن مُعَاذ رضی اللہ عنہ اور اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ یہ دونوں سرداروں میں تھے۔ ان کو یہ بات ناگوار ہوئی۔ سعد رضی اللہ عنہ نے اُسید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم اسعد کے پاس جاؤ اور اُن سے کہو کہ ہم نے یہ سنا ہے کہ تم کسی پردیسی کو اپنے ساتھ لے آئے ہو، جو ہمارے ضعیف لوگوں کو بیوقوف بناتا ہے، بہکاتا ہے۔ وہ اسعد رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور اُن سے سختی سے یہ گفتگو کی۔ اسعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم اُن کی بات سن لو، اگر تمہیں پسند آئے قبول کرلو، اگر سننے کے بعد ناپسند ہو، تو روکنے کا مضائقہ[1] نہیں۔ اُسید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ انصاف کی بات ہے، سننے لگے۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اسلام کی خوبیاں سنائیں اور کلامُ اللہ شریف کی آیتیں تلاوت کیں۔ حضرت اُسید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا ہی اچھی باتیں ہیں اور کیا ہی بہتر کلام ہے، جب تم اپنے دین میں کسی کو داخل کرتے ہو، تو کس طرح داخل کرتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا کہ تم نہاؤ، پاک کپڑے پہنو، اور کلمۂ شہادت پڑھو۔ حضرت اُسید رضی اللہ عنہ نے اسی وقت سب کام کیے اور مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد یہ سعد کے پاس گئے اور ان کو بھی اپنے ہمراہ[2] لائے، ان سے بھی یہی گفتگو ہوئی۔ سعد ابن مُعاذ رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہوتے ہی اپنی قوم بَنُوالْاَشْہَل کے پاس گئے۔ ان سے جاکر کہا کہ میں تم لوگوں کی نگاہ میں کیسا آدمی ہوں؟ انھوں نے کہا کہ ہم میں سب سے افضل اور بہتر ہو، اس پر سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے تمہارے مردوں اور عورتوں سے کلام حرام ہے، جب تک تم مسلمان نہ ہو جاؤ اور محمد ﷺ پر ایمان نہ لاؤ۔ ان کے اس کہنے سے قبیلۂ اَشْہَل کے سب مرد عورت مسلمان ہو گئے اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہ ان کو تعلیم دینے میں مشغول ہو گئے۔ [تلقیح]

فائدہ: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عام دستور تھا کہ جو شخص بھی مسلمان ہو جاتا، وہ مستقل ایک مُبَلِّغ ہوتا اور جو بات اسلام کی اس کو آتی تھی، اس کا پھیلانا اور دوسروں تک پہونچانا، اُس کی زندگی کا ایک مستقل کام تھا، جس میں نہ کھیتی مانع[3] تھی، نہ تجارت، نہ پیشہ، نہ ملازمت۔

④ حضرت اُبَیُّ بن کَعْب رضی اللہ عنہ کی تعلیم

حضرت اُبَیُّ بن کَعْب رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ اور مشہور قاریوں میں ہیں۔ اسلام لانے سے پہلے سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے، عرب میں لکھنے کا عام دستور[4] نہیں تھا، اسلام کے بعد سے اس کا چرچا ہوا؛ لیکن یہ پہلے سے واقف تھے۔ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر رہ کر وحی بھی لکھا کرتے تھے، قرآن شریف کے بڑے ماہر تھے اور ان لوگوں میں تھے، جنھوں نے حضور ﷺ کی زندگی ہی میں تمام قرآن شریف حفظ کرلیا تھا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت کے بڑے قاری اُبَیُّ بن کَعْب ہیں۔ تہجد میں آٹھ[8] راتوں میں قرآن پاک کے ختم

حل لغات: ① حرج۔ ② ساتھ۔ ③ روکنے والی۔ ④ رواج۔

کرنے کا اہتمام تھا۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے مجھے ارشاد فرمایا ہے کہ تمہیں قرآن شریف سناؤں۔ عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر کہا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں تمہارا نام لے کر کہا۔ یہ سن کر فرطِ[1] خوشی سے رونے لگے۔ ع

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے

جُندُب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ علم حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوا، تو مسجدِ نبوی میں حدیث پڑھانے والے مُتعدّد حضرات تھے اور شاگردوں کے حلقے متفرق طور پر علیٰحدہ علیٰحدہ، ہر استاد کے پاس موجود تھے۔ میں اُن حلقوں پر گذرتا ہوا ایک حلقہ پر پہونچا، جس میں ایک صاحب مُسافرانہ[2] ہیئت کے ساتھ صرف دو کپڑے بدن پر ڈالے ہوئے بیٹھے حدیث پڑھا رہے تھے۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ بتایا کہ مسلمانوں کے سردار اُبَی بن کَعب ہیں۔ میں ان کے حلقۂ درس میں بیٹھ گیا۔ جب حدیث سے فارغ ہوئے تو گھر جانے لگے، میں بھی پیچھے ہولیا، وہاں جا کر دیکھا ایک پُرانا سا گھر، خَستہ[3] حالت، نہایت معمولی سامان، زَاہدانہ زندگی۔ [طبقات]

حضرت اُبَی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے (میرا امتحان لیا) ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف میں سب سے بڑی آیت (برکت اور فضل کے اعتبار سے) کونسی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضور ﷺ نے دوبارہ سوال فرمایا، مجھے ادب مانع ہوا، میں نے پھر وہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ پھر ارشاد فرمایا، میں نے عرض کیا: آیۃُ الکُرسی۔ حضور ﷺ خوش ہوئے اور فرمایا: اللہ تجھے تیرا علم مبارک کرے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نماز پڑھا رہے تھے، ایک آیت چھوٹ گئی، حضرت اُبی رضی اللہ عنہ نے نماز میں لقمہ دیا، حضور ﷺ نے نماز کے بعد ارشاد فرمایا کہ کس نے بتایا؟ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے بتایا تھا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرا بھی یہ گمان تھا کہ تم نے ہی بتایا ہوگا۔ [مُسند احمد]

فائدہ: یہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ باوجود اس علمی شَغف[4] اور قرآن پاک کی مخصوص خدمات کے حضور ﷺ کے ساتھ ہر غزوہ میں شریک ہوئے ہیں، حضور ﷺ کا کوئی جہاد ایسا نہیں جس میں ان کی شرکت نہ ہوئی ہو۔

⑤ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا فتنوں کے معلوم کرنے کا اہتمام

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ میں ہیں، صاحبُ السِّر (بھیدی) اُن کا لقب ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے منافقین اور فتنوں کا علم ان کو بتایا تھا، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے قیامت تک جتنے فتنے آنے والے ہیں، سب کو نمبروار بتایا تھا، کوئی ایسا فتنہ جس میں تین سو[۳۰۰] آدمیوں کے بقدر لوگ شریک ہوں، حضور ﷺ نے نہیں چھوڑا، بلکہ اس فتنہ کا حال اور اس کے مُقتدا[5] کا حال

حل لغات: ① بہت زیادہ خوشی۔ ② مسافروں جیسی حالت۔ ③ بُری حالت۔ ④ شوق ⑤ لیڈر، پیشوا۔

مع اس کے نام کے، نیز اس کی ماں کا نام، اس کے باپ کا نام، اس کے قبیلہ کا نام صاف صاف بتا دیا تھا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کی باتیں دریافت کیا کرتے تھے اور میں بُرائی کی باتیں دریافت کیا کرتا تھا، تاکہ اس سے بچا جائے، ایک مرتبہ میں نے دریافت کیا: یارسول اللہ! یہ خیر وخوبی جس پر آج کل آپ کی برکت سے ہم لوگ ہیں، اس کے بعد بھی کوئی بُرائی آنے والی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! بُرائی آنے والی ہے، میں نے عرض کیا کہ اس بُرائی کے بعد پھر بھلائی لوٹ کر آئے گی یا نہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حذیفہ! اللہ کا کلام پڑھ اور اس کے معانی پر غور کر، اس کے احکام کی اتباع کر، (مجھے فکر سوار تھا) میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اُس بُرائی کے بعد بھلائی ہوگی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! پھر بھلائی ہوگی، لیکن دل ایسے نہیں ہوں گے، جیسے پہلے تھے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس بھلائی کے بعد پھر بُرائی ہوگی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے، جو آدمیوں کو گمراہ کریں گے اور جہنم کی طرف لے جائیں گے، میں نے عرض کیا کہ اگر میں اس زمانہ کو پاؤں تو کیا کروں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مسلمانوں کی کوئی مُتّحِدہ[1] جماعت ہو اور ان کا کوئی بادشاہ ہو، تو اس کے ساتھ ہو جانا، ورنہ ان سب فرقوں کو چھوڑ کر ایک کونہ میں علیحدہ بیٹھ جانا یا کسی درخت کی جڑ میں جا کر بیٹھ جانا اور مرنے تک وہیں بیٹھے رہنا، چوں کہ ان کو منافقوں کا حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کا بتلا دیا تھا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے دریافت فرمایا کرتے تھے کہ میرے حُکّام[2] میں کوئی منافق تو نہیں؟ ایک مرتبہ انھوں نے عرض کیا کہ ایک منافق ہے، مگر میں نام نہیں بتاؤں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول[3] کر دیا، غالبًا اپنی فراست[4] سے پہچان لیا ہوگا، جب کوئی شخص مرجاتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تحقیق فرماتے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ ان کے جنازہ میں شریک ہیں یا نہیں، اگر حذیفہ رضی اللہ عنہ شریک ہوتے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی نماز پڑھتے، ورنہ وہ بھی نہ پڑھتے۔ حضرت حُذَیفہ رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہونے لگا، تو نہایت گھبراہٹ اور بے چینی میں رو رہے تھے، لوگوں نے دریافت کیا، فرمایا کہ دنیا کے چھوٹنے پر نہیں رو رہا ہوں، بلکہ موت تو مجھے محبوب ہے، البتہ اس پر رو رہا ہوں کہ مجھے اس کی خبر نہیں کہ میں اللہ کی ناراضی پر جا رہا ہوں یا خوشنودی[5] پر، اس کے بعد کہا کہ یہ میری دنیا کی آخری گھڑی ہے، یا اللہ! تجھے معلوم ہے کہ مجھے تجھ سے محبت ہے، اس لیے اپنی ملاقات میں برکت عطا فرما۔ [ابوداؤد وأسد الغابہ]

⑥ حضرت اَبُوہُرَیرَہ رضی اللہ عنہ کا احادیث کو حفظ کرنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نہایت مشہور اور جلیل[6] القدر صحابی ہیں اور اتنی کثرت سے ان سے حدیثیں نقل ہیں کہ کسی دوسرے صحابی سے اتنی زیادہ نقل کی ہوئی موجود نہیں، اس پر لوگوں کو تعجب ہوتا تھا کہ ۷ھ میں یہ مسلمان ہو کر تشریف لائے اور ۱۱ھ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال[7] ہو گیا۔ اتنی قلیل مدت میں، جو

حل لغات: ① اتفاق رکھنے والی۔ ② افسروں۔ ③ ہٹا دیا۔ ④ سمجھ داری۔ ⑤ خوشی۔ ⑥ بڑی شان والے۔ ⑦ انتقال۔

تقریباً چار برس ہوتی ہے، اتنی زیادہ حدیثیں کیسے یاد ہوئیں؟ خود ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس کی وجہ بتاتے ہیں، فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ بہت روایتیں نقل کرتے ہیں، میرے مہاجر بھائی تجارت پیشہ[1] تھے، بازار میں آنا جانا پڑتا تھا اور میرے انصاری بھائی کھیتی کا کام کرتے تھے، اس کی مشغولی ان کو درپیش رہتی تھی اور ابوہریرہ اصحابِ صفہ کے مساکین میں سے ایک مسکین تھا، جو حضورِ اقدس ﷺ کی خدمتِ اقدس میں جو کچھ کھانے کو مل جاتا تھا، اُس پر قناعت[2] کیے پڑا رہتا تھا، ایسے اوقات میں موجود ہوتا تھا، جس میں وہ نہیں ہوتے تھے اور ایسی چیزیں یاد کر لیتا تھا جن کو وہ یاد نہیں کر سکتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے حضور ﷺ سے حافظہ[3] کی شکایت کی، حضور ﷺ نے فرمایا: چادر بچھا، میں نے چادر بچھائی، حضور ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے اس میں کچھ اشارہ فرمایا، اس کے بعد فرمایا، اس چادر کو ملا لے، میں نے اپنے سینہ سے ملا لیا، اس کے بعد سے کوئی چیز نہیں بھولا۔ [بخاری]

فائدہ: اصحابِ صُفّہ وہ لوگ کہلاتے ہیں، جو حضورِ اقدس ﷺ کی گویا خانقاہ کے رہنے والے تھے، ان حضرات کے اخراجات[4] کا کوئی خاص نظم نہیں تھا، گویا حضور ﷺ کے مہمان تھے، جو کہیں سے کچھ ہدیہ یا صدقہ کے طور پر آتا، اس پر ان کا زیادہ تر گذر تھا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ان ہی لوگوں میں تھے، بسا اوقات کئی کئی وقت کے فاقے بھی اُن پر گذر جاتے تھے، بعض اوقات بھوک کی وجہ سے جنون[5] کی سی حالت ہو جاتی تھی، جیسا کہ تیسرے باب کے قصہ نمبر ۳و۷ر میں گذرا، لیکن اس کے باوجود احادیث کا کثرت سے یاد کرنا ان کا مشغلہ تھا، جس کی بدولت آج سب سے زیادہ احادیث انہی کی بتائی جاتی ہیں۔ ابن جوزیؒ نے تلقیح میں لکھا ہے کہ پانچ ہزار تین سو چوہتّر (۵۳۷۴) حدیثیں ان سے مروی ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جنازہ کے متعلق ایک حدیث بیان کی کہ حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: جو شخص جنازہ کی نماز پڑھ کر واپس آ جائے، اس کو ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو دفن تک شریک رہے، اس کو دو قیراط ثواب ملتا ہے اور ایک قیراط کی مقدار اُحد کے پہاڑ سے بھی زیادہ ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اس حدیث میں کچھ تردّد[6] ہوا، انھوں نے فرمایا: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سوچ کر کہو، ان کو غصہ آ گیا، سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور جا کر عرض کیا، کہ میں آپ رضی اللہ عنہا کو قسم دے کر پوچھتا ہوں، یہ قیراط والی حدیث آپ نے حضور ﷺ سے سنی؟ انھوں نے فرمایا: ہاں سنی ہے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ مجھے حضور ﷺ کے زمانہ میں نہ تو باغ میں کوئی درخت لگانا تھا، نہ بازار میں مال بیچنا تھا، میں تو حضور ﷺ کے دربار میں پڑا رہتا تھا اور صرف یہ کام تھا کہ کوئی بات یاد کرنے کو مل جائے یا کچھ کھانے کو مل جائے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بے شک تم ہم لوگوں سے زیادہ

حل لغات: (۱) تجارت کرنے والے۔ (۲) تھوڑی چیز پر راضی ہونا۔ (۳) یاد رکھنے کی قوت۔ (۴) خرچ۔ (۵) پاگل پن۔ (۶) شک۔

حاضر باش[1] تھے اور احادیث کو زیادہ جاننے والے۔ [مسند احمد] اس کے ساتھ ہی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے کہ میں بارہ ہزار مرتبہ روزانہ استغفار پڑھتا ہوں اور ایک تاگہ ان کے پاس تھا، جس میں ایک ہزار گرہ لگی ہوئی تھیں، رات کو اس وقت تک نہیں سوتے تھے، جب تک اس کو سبحان اللہ کے ساتھ پورا نہ کر لیتے تھے۔ [تذکرہ]

⑦ قتلِ مُسَیلَمہ و قرآن کا جمع کرنا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال[2] کے بعد مسیلمہ کذاب کا، جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا، اثر بڑھنے لگا اور چوں کہ عرب میں ارتداد[3] بھی زور شور سے شروع ہو گیا تھا، اس سے اس کو اور بھی تقویت[4] پہونچی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے لڑائی کی، حق تعالیٰ شانہٗ نے اسلام کو قوت عطا فرمائی اور مسیلمہ قتل ہوا؛ لیکن اس لڑائی میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بھی ایک بڑی جماعت شہید ہوگئی، بالخصوص قرآن پاک کے حافظوں کی ایک بڑی جماعت شہید ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس لڑائی میں قاری بہت شہید ہو گئے، اگر اسی طرح ایک دو لڑائی میں اور شہید ہو گئے، تو قرآن پاک کا بہت سا حصہ ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے، اس لیے اس کو ایک جگہ لکھوا کر محفوظ کر لیا جائے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسے کام کی کیسے جرأت[5] کرتے ہو، جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر اصرار فرماتے رہے اور ضرورت کا اظہار کرتے رہے، بالآخر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے بھی موافق ہوگئی، تو حضرت زید بن ثابت کو، جن کا قصہ باب: ۱۱/ قصہ: ۱۸/ پر آ رہا ہے بلایا، زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تشریف رکھتے تھے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اول اپنی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ساری گفتگو نقل فرمائی، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ تم جوان ہو اور دانشمند[6]، تم پر کسی قسم کی بدگمانی بھی نہیں اور ان سب باتوں کے علاوہ یہ کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی تم وحی کے لکھنے پر مامور[7] رہ چکے ہو، اس لیے اس کام کو تم کرو، لوگوں کے پاس سے قرآن پاک جمع کرو اور اس کو ایک جگہ نقل کر دو۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر مجھے یہ حکم فرماتے کہ فلاں پہاڑ کو توڑ کر اِدھر سے اُدھر منتقل کر دو، تو یہ حکم بھی میرے لیے قرآن پاک جمع کرنے کے حکم سے سہل[8] تھا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ حضرات ایسا کام کس طرح کر رہے ہیں، جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ وہ حضرات مجھے سمجھاتے رہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر تم عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت[9] کرو، تو میں اس کا حکم دوں اور نہیں تو پھر میں بھی ارادہ نہ کروں۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ طویل[10] گفتگو کے بعد، حق تعالیٰ شانہٗ نے میرا بھی اسی

حل لغات: ① حاضر رہنے والے۔ ② انتقال۔ ③ اسلام سے پھر جانا۔ ④ طاقت۔ ⑤ دلیری، ہمت۔ ⑥ سمجھدار۔ ⑦ متعین۔ ⑧ آسان۔ ⑨ اتفاق۔ ⑩ لمبی۔

جانب شرحِ[1] صدر فرما دیا کہ قرآن پاک کو یک[2] جا جمع کیا جائے، چنانچہ میں نے تعمیل ارشاد میں لوگوں کے پاس، جو قرآن شریف متفرق[3] طور پر لکھا ہوا تھا، اور جو اُن حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سینوں میں بھی محفوظ تھا، سب کو تلاش کر کے جمع کیا۔ [بخاری]

فائدہ: اس قصہ میں اوّل تو ان حضرات کے اتباع کا اہتمام معلوم ہوتا، کہ پہاڑ کا منتقل[4] کرنا ان کے لیے اس سے سہل[5] تھا کہ کوئی ایسا کام کیا جائے، جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، اس کے بعد کلام پاک کا جمع کرنا، جو دین کی اصل ہے، اللہ نے ان حضرات کے اعمال نامہ میں رکھا تھا، پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اتنا اہتمام اس کے جمع فرمانے میں کیا کہ کوئی آیت بغیر لکھی ہوئی نہیں لیتے تھے، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی لکھی ہوئی تھیں، اُن ہی سے جمع کرتے تھے اور حُفّاظ[6] کے سینوں سے اُس کا مقابلہ کرتے تھے، اور چوں کہ تمام قرآن شریف متفرق جگہوں میں لکھا ہوا تھا، اس لیے اُس کی تلاش میں، گو[7] محنت ضرور کرنا پڑی، مگر سب مل گیا۔ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ جن کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کا سب سے زیادہ ماہر بتایا، ان کی اعانت[8] کرتے تھے اس محنت سے کلام اللہ شریف کو ان حضرات نے سب سے پہلے جمع فرمایا۔

⑧ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی احتیاط روایتِ حدیث میں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بڑے مشہور صحابہ میں ہیں اور ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار ہے جو فتوے کے مالک تھے، ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے اور حبشہ[9] کی ہجرت بھی کی تھی، تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے ہیں اور مخصوص خادم ہونے کی وجہ سے صاحبُ النّعل، صاحبُ الوِسَادہ، صاحبُ المُطَہّرۃ، جوتے والے، تکیہ والے، وضو کے پانی والے، یہ القاب بھی ان کے ہیں؛ اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خدمتیں اکثر ان کے سپرد[10] رہتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے بارے میں یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر میں کسی کو بغیر مشورہ امیر بناؤں، تو عبداللہ بن مسعود کو بناؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد تھا کہ تمھیں ہر وقت حاضری کی اجازت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جس شخص کو قرآن شریف بالکل ایسی طرح پڑھنا ہو جس طریقہ سے اُترا ہے، تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے طریقہ کے موافق پڑھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جو حدیث تم سے بیان کریں اس کو سچ سمجھو۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ جب یمن سے آئے، تو ایک زمانہ تک ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اہلِ بیت[11] میں سے سمجھتے رہے، اس لیے کہ اتنی کثرت سے ان کی اور ان کی والدہ کی آمد و رفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تھی، جیسی گھر کے آدمیوں کی ہوتی ہے۔ [بخاری]

حل لغات: ① دل کا اطمینان۔ ② ایک جگہ۔ ③ الگ الگ۔ ④ ہٹانا۔ ⑤ آسان۔ ⑥ حافظ کی جمع۔ ⑦ اگرچہ۔ ⑧ مدد۔ ⑨ ایک ملک۔ ⑩ ذمے۔ ⑪ گھر والے۔

لیکن ان سب باتوں کے باوجود ابوعَمْروشَیبانی ﷛ کہتے ہیں کہ میں ایک سال تک ابن مسعود ﷛ کے پاس رہا، میں نے کبھی ان کو حضور ﷺ کی طرف منسوب[1] کر کے بات کرتے نہیں سنا، لیکن کبھی اگر حضور ﷺ کی طرف کوئی بات منسوب کر دیتے تھے، تو بدن پر کپکپی آ جاتی تھی۔ عمرو بن میمون ﷛ کہتے ہیں کہ میں ہر جمعرات کو ایک سال تک ابن مسعود ﷛ کے پاس آتا رہا، میں نے کبھی حضور ﷺ کی طرف نسبت کر کے بات کرتے نہیں سنا۔ ایک مرتبہ حدیث بیان فرماتے ہوئے زبان پر یہ جاری ہو گیا کہ حضور ﷺ نے یہ اِرشاد فرمایا: تو بدن کانپ گیا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے، پیشانی پر پسینہ آ گیا، رگیں پھول گئیں اور فرمایا ان شاء اللہ یہی فرمایا تھا یا اس کے قریب قریب تھا یا اس سے کچھ زیادہ یا اس سے کچھ کم۔ [مقدمہ اوجز، مسند احمد]

فائدہ: یہ تھی ان حضرات صحابۂ کرام ﷡ کی احتیاط حدیث شریف کے بارہ میں، اس لیے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو میری طرف سے جھوٹ نقل کرے، اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے؛ اس خوف کی وجہ سے یہ حضرات باوجود یہ کہ مسائل حضور ﷺ کے ارشادات اور حالات ہی سے بتاتے تھے، مگر یہ نہیں کہتے تھے کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے، کہ خدانخواستہ جھوٹ نہ نکل جائے۔ اس کے بالمقابل ہم اپنی حالتیں دیکھتے ہیں کہ بے دھڑک بے تحقیق حدیث نقل کر دیتے ہیں۔ ذرا بھی نہیں جھجکتے، حالانکہ حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے بات کا نقل کرنا بڑی سخت ذمہ داری ہے، فقہ حنفی انہی عبداللہ بن مسعود ﷛ سے زیادہ تر لیا گیا ہے۔

⑨ حضرت اَبُوالدَّرْدَاء ﷛ کے پاس حدیث کے لیے جانا

کثیر بن قَیْس ؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوالدرداء ﷛ کے پاس دمشق کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا، ایک شخص ان کی خدمت میں آئے اور کہا کہ میں مدینہ منورہ سے صرف ایک حدیث کی وجہ سے آیا ہوں، میں نے سنا ہے کہ وہ آپ نے حضور اقدس ﷺ سے سنی ہے، ابوالدرداء ﷛ نے پوچھا کوئی اور تجارتی کام نہیں تھا؟ انھوں نے کہا نہیں، ابوالدرداء ﷛ نے پھر پوچھا کہ کوئی دوسری غرض تو نہ تھی، کہا: نہیں صرف حدیث ہی معلوم کرنے کے لیے آیا ہوں، ابوالدرداء ﷛ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص کوئی راستہ علم حاصل کرنے کے لیے چلتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کے لیے جنت کا راستہ سہل[2] فرما دیتے ہیں، اور فرشتے اپنے پَر طالب علم کی خوشنودی کے واسطے بچھا دیتے ہیں، اور طالب علم کے لیے آسمان زمین کے رہنے والے استغفار کرتے ہیں، حتیٰ کہ مچھلیاں جو پانی میں رہتی ہیں وہ بھی استغفار کرتی ہیں، اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے، جیسا کہ چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے، اور علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کسی کو دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے، بلکہ علم کا وارث بناتے ہیں، جو شخص علم کو حاصل کرتا ہے، وہ ایک بڑی دولت کو حاصل کرتا ہے۔ [ابن ماجہ]

حل لغات: ① نسبت۔ ② آسان۔

فائدہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فقہائے صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہیں، حکیمُ الاُمت کہلاتے ہیں، فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے وقت میں تجارت کیا کرتا تھا، میں نے مسلمان ہونے کے بعد چاہا کہ تجارت اور عبادت دونوں کو جمع کروں، مگر دونوں اکٹھی نہ رہ سکیں، تو مجھے تجارت چھوڑنا پڑی، اب میرا دل یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ بالکل دروازہ ہی پر دکان ہو، جس کی وجہ سے ایک بھی نماز فوت[1] نہ ہو اور روزانہ چالیس دینار کا نفع ہو اور میں ان سب کو صدقہ کردوں، کسی نے پوچھا کہ ایسی تجارت سے کیوں خفا ہوئے کہ نماز بھی نہ جائے اور اتنا نفع روزانہ کا اللہ کے راستہ میں خرچ ہو، پھر بھی پسند نہیں کرتے؟ فرمایا: حساب تو دینا ہی پڑے گا۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مجھے موت سے محبت ہے، اپنے مولیٰ سے ملاقات کے شوق میں اور فقر سے محبت ہے تواضع کے واسطے اور بیماری سے محبت ہے گناہ دُھلنے کے واسطے۔ [تذکرہ]

اوپر کے قصہ میں ایک حدیث کی خاطر اتنا طویل سفر کیا ہے، ان حضرات کے یہاں حدیث حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا کچھ اہم نہیں تھا، ایک ایک حدیث سننے اور معلوم کرنے کے لیے دور دور کا سفر طے کرلینا ان حضرات کو بہت سہل تھا، شعبیؒ ایک مشہور محدث ہیں، کوفہ کے رہنے والے ہیں، اپنے کسی شاگرد کو ایک مرتبہ حدیث سنائی اور فرمایا کہ لے گھر بیٹھے مفت مل گئی، ورنہ اس سے کم کے لیے بھی مدینہ منورہ کا سفر کرنا پڑتا تھا کہ ابتداء میں حدیث کا مخزن[2] مدینہ طیبہ ہی تھا، علمی شغف[3] رکھنے والے حضرات نے بڑے بڑے طویل[4] سفر علم کی خاطر اختیار فرمائے ہیں۔ سعید بن المسیّبؒ جو ایک مشہور تابعی ہیں، کہتے ہیں کہ میں ایک ایک حدیث کی خاطر راتوں اور دنوں پیدل چلا ہوں۔ امام الائمہ امام بخاریؒ شوال ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے، ۲۰۵ھ میں یعنی گیارہ سال کی عمر میں حدیث پڑھنا شروع کی تھی۔ عبداللہ بن مبارکؒ کی سب تصانیف[5] بچپن ہی میں حفظ کرلی تھیں، اپنے شہر میں جتنی احادیث مل سکیں ان کو حاصل کرلینے کے بعد ۲۱۶ھ میں سفر شروع کیا، والد کا انتقال ہو چکا تھا، اس وجہ سے یتیم تھے، والدہ سفر میں ساتھ تھیں، اس کے بعد بَلْخ، بغداد، مکہ مکرمہ، بَصْرہ، کُوفہ، شام، عَسقلان، حِمْص، دِمَشْق ان شہروں میں گئے اور ہر جگہ جو ذخیرہ حدیث کا مل سکا، حاصل فرمایا اور ایسی نوعمری میں استاد حدیث بن گئے تھے کہ منہ پر داڑھی کا ایک بال بھی نہیں نکلا تھا۔ کہتے ہیں کہ میری اٹھارہ برس کی عمر تھی، جب میں نے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کے فیصلے تصنیف[6] کیے۔ حاشدؒ اور ان کے ایک ساتھی کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ ہم لوگوں کے ساتھ اُستاد کے پاس جایا کرتے، ہم لوگ لکھتے اور بخاریؒ ویسے ہی واپس آجاتے، ہم نے کئی روز گزر جانے پر ان سے کہا کہ تم وقت ضائع کرتے ہو، وہ چُپ ہوگئے، جب کئی مرتبہ کہا تو کہنے لگے کہ تم نے دِق[7] ہی کردیا، لاؤ تم نے کیا لکھا ہے، ہم نے اپنا مجموعہ[8] احادیث نکالا جو پندرہ ہزار (۱۵۰۰۰) حدیثوں سے زیادہ مقدار میں تھا، انھوں نے ان سب کو حفظ سنادیا، ہم دنگ رہ گئے۔

حل لغات: (۱) نہ چھوٹے۔ (۲) خزانہ۔ (۳) شوق۔ (۴) لمبے۔ (۵) لکھی ہوئی کتابیں۔ (۶) لکھا۔ (۷) پریشان۔ (۸) ذخیرہ۔

⑩ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا انصاری کے پاس جانا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے وِصال[1] کے بعد، میں نے ایک انصاری سے کہا کہ حضور ﷺ کا تو وصال ہوگیا، ابھی تک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی جماعت موجود ہے، آؤ اُن سے پوچھ پوچھ کر مسائل یاد کریں۔ اُن انصاری نے کہا: کیا ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے ہوتے ہوئے بھی لوگ تم سے مسئلہ پوچھنے آئیں گے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی جماعت موجود ہے، غرض ان صاحب نے تو ہمت کی نہیں، میں مسائل کے پیچھے پڑ گیا اور جن صاحب کے متعلق بھی مجھے علم ہوتا کہ فلاں حدیث انھوں نے حضور ﷺ سے سُنی ہے ان کے پاس جاتا اور تحقیق کرتا۔ مجھے مسائل کا بہت بڑا ذخیرہ انصار سے ملا۔ بعض لوگوں کے پاس جاتا اور معلوم ہوتا کہ وہ سو رہے ہیں، تو اپنی چادر وہیں چوکھٹ پر رکھ کر انتظار میں بیٹھ جاتا، گو ہَوا سے منھ پر اور بدن پر مٹی بھی پڑتی رہتی، مگر میں وہیں بیٹھا رہتا، جب وہ اُٹھتے تو جس بات کو معلوم کرنا تھا وہ دریافت کرتا۔ وہ حضرات کہتے بھی کہ تم نے حضور ﷺ کے چچازاد بھائی ہو کر کیوں تکلیف کی؟ مجھے بُلا لیتے، مگر میں کہتا کہ میں علم حاصل کرنے والا ہوں، اس لیے میں ہی حاضر ہونے کا زیادہ مستحق تھا۔ بعض حضرات پوچھتے کہ تم کب سے بیٹھے ہو؟ میں کہتا: بہت دیر سے، وہ کہتے کہ تم نے بُرا کیا، مجھے اطلاع کر دیتے۔ میں کہتا: میرا دل نہ چاہا کہ تم میری وجہ سے اپنی ضروریات سے فارغ ہونے سے پہلے آؤ، حتیٰ کہ ایک وقت میں یہ نوبت[2] بھی آئی کہ لوگ علم حاصل کرنے کے واسطے میرے پاس جمع ہونے لگے، تب اُن انصاری صاحب کو بھی قلق[3] ہوا، کہنے لگے کہ یہ لڑکا ہم سے زیادہ ہوشیار تھا۔ [دارمی]

فائدہ: یہی چیز تھی، جس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے وقت میں ''حَبرُ الاُمّۃ'' اور ''بَحرُ العِلم'' کا لقب دلوایا۔ جب اُن کا وصال ہوا تو طائف میں تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحب زادہ ''محمد رحمہ اللہ'' نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور فرمایا کہ اس امت کا امام ربّانی آج رخصت ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما آیتوں کے شانِ نزول[4] جاننے میں سب سے ممتاز[5] ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُن کو علماء کی ممتاز صف میں جگہ دیتے تھے۔ یہ سب اسی جاں فشانی[6] کا ثمرہ تھا، ورنہ اگر یہ صاحبزادگی[7] کے زعم[8] میں رہتے، تو یہ مراتب[9] کیسے حاصل ہوتے۔

⑪ علم کی عظمت اور اس کے آداب

خود آقائے نامدار نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جن سے علم حاصل کرو، ان کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ''۔

بخاری میں مجاہد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص پڑھنے میں حیا کرے یا تکبر کرے، وہ علم حاصل نہیں کرسکتا۔

حل لغات: ① انتقال۔ ② حالت۔ ③ افسوس۔ ④ قرآن کی آیتوں کے اترنے کا موقع۔ ⑤ جدا، الگ۔ ⑥ کوشش۔ ⑦ بڑے کی اولاد۔ ⑧ گھمنڈ، غرور۔ ⑨ مرتبے۔

حضرت علی کَرَّمَ اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے مجھ کو ایک حرف بھی پڑھا دیا، میں اس کا غلام ہوں، خواہ وہ مجھے آزاد کر دے یا بیچ دے۔ یحیٰ بن کثیرؒ کہتے ہیں کہ علم تن پَروری[1] کے ساتھ حاصل نہیں ہوتا۔ امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ جو شخص علم کو بے دلی اور استغنا[2] کے ساتھ حاصل کرے، وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہاں! جو شخص خاکساری[3] اور تنگ دستی[4] کے ساتھ حاصل کرنا چاہے، وہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ مغیرہؒ کہتے ہیں کہ ہم لوگ اپنے استاد ابراہیمؒ سے ایسے ڈرتے تھے، جیسا کہ بادشاہ سے ڈرا کرتے ہیں۔ یحیٰ بن معینؒ بہت بڑے محدّث ہیں، امام بخاریؒ ان کے متعلق کہتے ہیں کہ محدثین کا جتنا احترام وہ کرتے تھے، اتنا کسی دوسرے کو کرتے میں نے نہیں دیکھا۔ امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ جو استاد کی قدر نہیں کرتا، وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ اس قصہ میں جہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اساتذہ کے ساتھ تواضع[5] اور انکساری معلوم ہوتی ہے، اس کے ساتھ ہی علم کا شغف[6] اور اہتمام بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کے پاس کسی حدیث کا ہونا معلوم ہوتا، فوراً جاتے، اس کو حاصل فرماتے، خواہ اس میں کتنی ہی مشقت، محنت اور تکلیف اُٹھانا پڑتی۔ اور حق یہ ہے کہ بے محنت اور مشقت کے علم تو درکنار، معمولی سی چیز بھی حاصل نہیں ہوتی اور یہ تو ضرب المثل[7] ہے: ''مَنْ طَلَبَ الْعُلٰى سَهِرَ اللَّيَالِيْ'' جو شخص بلند مرتبوں کا طالب ہوگا، راتوں کو جاگے گا۔

⑫ متفرق علمی کارنامے

حارث بن یزید، ابن شُبْرُمَہ، قَعْقَاع، مُغِیرہ رحمہم اللہ، چاروں حضرات عشاء کی نماز کے بعد علمی بحث شروع کرتے، صبح کی اذان تک ایک بھی جدا نہ ہوتا۔ لیث بن سعدؒ کہتے ہیں کہ امام زہریؒ عشاء کے بعد باوضو بیٹھ کر حدیث کا سلسلہ شروع فرماتے، تو صبح کر دیتے۔ [دارمی]

دَراوَرْدیؒ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کو میں نے دیکھا کہ مسجد نبوی میں عشاء کے بعد سے ایک مسئلہ میں بحث شروع فرماتے اور وہ بھی اس طرح کہ نہ کوئی طعن[8] تشنیع ہوتی، نہ تغلیط[9] اور اسی حالت میں صبح ہو جاتی اور اسی جگہ صبح کی نماز پڑھتے۔ [مقدمہ]

ابنِ فُرات بغدادیؒ ایک محدّث ہیں، جب انتقال ہوا، تو اُٹھارہ صندوق[10] کتابوں کے چھوڑے؛ جن میں سے اکثر خود اپنے قلم کی لکھی ہوئی تھیں اور کمال یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک صحت[11] نقل اور عمدگی[12] ضبط کے اعتبار سے ان کا لکھا ہوا حجت[13] بھی ہے۔ ابن جوزیؒ مشہور محدث ہیں، تین سال کی عمر میں باپ نے مفارقت[14] کی، یتیمی کی حالت میں پرورش پائی؛ لیکن محنت کی حالت یہ تھی کہ جمعہ کی نماز کے علاوہ گھر سے دُور

حل لغات: ① عیش وآرام۔ ② بے پرواہی۔ ③ عاجزی۔ ④ غریبی۔ ⑤ عاجزی۔ ⑥ شوق۔ ⑦ کہاوت۔ ⑧ بُرا بھلا کہنا۔ ⑨ کسی کو غلط کہنا۔ ⑩ پیٹی۔ ⑪ صحیح لکھنا۔ ⑫ اچھے طریقے سے محفوظ کرنا۔ ⑬ دلیل۔ ⑭ انتقال ہوگیا۔

نہیں جاتے تھے۔ ایک مرتبہ منبر پر کہا کہ میں نے اپنی ان انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں، ڈھائی سو سے زیادہ خود ان کی اپنی تصنیفات ہیں۔ کہتے ہیں کہ کوئی وقت ضائع نہیں جاتا تھا، چار جُز روزانہ لکھنے کا معمول تھا۔ درس کا یہ عالم تھا کہ مجلس میں بعض مرتبہ ایک لاکھ سے زیادہ شاگردوں کا اندازہ کیا گیا، اُمَراء[1]، وُزَراء[2]، سلاطین[3] تک مجلسِ درس میں حاضر ہوتے تھے۔ ابن جوزیؒ خود کہتے ہیں کہ ایک لاکھ آدمی مجھ سے بیعت ہوئے اور بیس ہزار میرے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں۔ اس سب کے باوجود شیعوں کا زور تھا، اس وجہ سے تکلیفیں بھی اُٹھانا پڑیں۔ [تذکرہ] احادیث لکھنے کے وقت میں قلموں کا تراشہ جمع کرتے رہتے تھے۔ مرنے کے وقت وصیت کی تھی کہ میرے نہانے کا پانی اسی سے گرم کیا جائے۔ کہتے ہیں کہ صرف غسلِ میت کے پانی گرم کرنے ہی کے لیے کافی نہ تھا، بلکہ گرم کرنے کے بعد بچ بھی گیا تھا۔

یحیٰی بن مَعینؒ حدیث کے مشہور استاذ ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ان ہاتھوں سے دس لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔ ابنِ جَریر طَبَریؒ مشہور مؤرخ ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے احوال[4] کے ماہر، چالیس سال تک ہمیشہ چالیس ورق روزانہ لکھنے کا معمول تھا۔ ان کے انتقال پر شاگردوں نے روزانہ کی لکھائی کا حساب لگایا، تو بلوغ کے بعد سے مرنے تک چودہ ورق روزانہ کا اوسط[5] نکلا۔ ان کی تاریخ مشہور ہے، عام طور سے ملتی ہے، جب اس کی تصنیف[6] کا ارادہ ظاہر کیا، تو لوگوں سے پوچھا کہ تمام عالم کی تاریخ سے تو تم لوگ بہت خوش ہوگے؟ لوگوں نے پوچھا کہ اندازاً کتنی بڑی ہوگی؟ کہنے لگے کہ تقریباً تیس ہزار ورق پر آئے گی۔ لوگوں نے کہا: اس کے پورا کرنے سے پہلے عمریں فنا[7] ہو جائیں گی۔ کہنے لگے کہ اِنَّا لِلّٰہِ ہمتیں پست ہوگئیں۔ اس کے بعد مختصر کیا اور تقریباً تین ہزار (۳۰۰۰) ورق پر لکھی۔ اسی طرح ان کی تفسیر کا بھی قصہ ہوا، وہ بھی مشہور ہے اور عام طور سے ملتی ہے۔

دارِ قطنیؒ حدیث کے مشہور مُصنِّف ہیں۔ حدیث حاصل کرنے کے لیے بغداد، بَصرہ، کوفہ، واسِط، مصر اور شام کا سفر کیا۔ ایک مرتبہ استاذ کی مجلس میں بیٹھے تھے، استاذ پڑھ رہے تھے اور یہ کوئی کتاب نقل کر رہے تھے؛ ایک ساتھی نے اعتراض کیا کہ تم دوسری طرف متوجہ ہو، کہنے لگے کہ میری اور تمہاری توجہ میں فرق ہے۔ بتاؤ استاذ نے اب تک کتنی حدیثیں سنائیں؟ وہ سوچنے لگے، دارِ قُطنیؒ نے کہا کہ شیخ نے اُٹھارہ (۱۸) حدیثیں سنائی ہیں، پہلی یہ تھی، دوسری یہ تھی، اسی طرح ترتیب[8] وار سب کی سب مع[9] سند کے سُنا دیں۔

حافظ اَثرَمؒ ایک محدِّث ہیں۔ احادیث کے یاد کرنے میں بڑے مشّاق[10] تھے۔ ایک مرتبہ حج کو تشریف لے گئے، وہاں خراسان کے دو بڑے استاذِ حدیث آئے ہوئے تھے اور حرم شریف میں دونوں علیحدہ علیحدہ

حل لغات: ① مالدار لوگ۔ ② وزیر لوگ۔ ③ بادشاہ۔ ④ حالات۔ ⑤ درمیانی حساب۔ ⑥ لکھنا۔ ⑦ ختم۔ ⑧ ایک کے بعد دوسری۔ ⑨ ساتھ۔ ⑩ ماہر۔

میں کچھ زندگی کی رمق[1] باقی تھی اور کفار ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے، باقی سب شہید ہوگئے، حضرت مُنذِر اور عمر رضی اللہ عنہما جو اونٹ چَرانے گئے ہوئے تھے، انھوں نے آسمان کی طرف دیکھا، تو مُردار خور[2] جانور اڑ رہے تھے، دونوں حضرات یہ کہہ کر لوٹے کہ ضرور کوئی حادثہ پیش آیا، یہاں آکر دیکھا تو اپنے ساتھیوں کو شہید پایا اور سواروں کو خون کی بھری ہوئی تلواریں لیے ہوئے ان کے گرد چکر لگاتے دیکھا، یہ حالت دیکھ کر دونوں حضرات ٹھٹکے[3] اور باہم مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے؟ عمر بن اُمیہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ چلو واپس چل کر حضور ﷺ کو اطلاع دیں، مگر حضرت منذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ خبر تو ہو ہی جاوے گی، میرا تو دل نہیں مانتا کہ شہادت کو چھوڑوں اور اس جگہ سے چلا جاؤں، جہاں ہمارے دوست پڑے سو رہے ہیں، آگے بڑھو اور ساتھیوں سے جاملو، چنانچہ دونوں آگے بڑھے اور میدان میں کود گئے، حضرت منذر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور حضرت عمر بن اُمیہ رضی اللہ عنہ گرفتار ہوئے، مگر چوں کہ عامر کی ماں کے ذمہ کسی منت کے سلسلہ میں ایک غلام کا آزاد کرنا تھا، اس لیے عامر نے اُن کو اس منت میں آزاد کیا۔ [اسلام]

اِن حضرات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت عامر بن فُہَیرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، ان کے قاتل جبار بن سَلمٰی کہتے ہیں کہ میں نے جب ان کے برچھا مارا اور وہ شہید ہوئے تو انھوں نے کہا: فُزْتُ وَاللّٰہِ (خدا کی قسم! میں کامیاب ہوا) اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ان کی نعش آسمان کو اڑی چلی گئی، میں بہت متحیر[4] ہوا اور میں نے بعد میں لوگوں سے پوچھا کہ میں نے خود برچھا مارا وہ مَرے، لیکن پھر بھی وہ کہتے ہیں: "میں کامیاب ہوگیا"، تو وہ کامیابی کیا تھی؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ کامیابی جنت کی تھی، اس پر میں مسلمان ہوگیا۔ [خمیس]

فائدہ: یہ ہی ہیں وہ لوگ جن پر اسلام کو بجا طور پر فخر ہے، بے شک موت ان کے لیے شراب سے زیادہ محبوب تھی اور کیوں نہ ہوتی؟ جب دنیا میں کام ہی ایسے کیے تھے، جن پر اللہ کے یہاں کی سُرخ روئی[5] یقینی تھی، اسی لیے جو مرتا تھا وہ کامیاب ہوتا تھا۔

(۹) حضرت عُمیر رضی اللہ عنہ کا قول کہ کھجوریں کھانا طویل[6] زندگی ہے

غزوۂ بدر میں حضور اقدس ﷺ ایک خیمہ میں تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا کہ اُٹھو اور بڑھو ایسی جنت کی طرف، جس کی چوڑائی آسمان و زمین سے کہیں زیادہ ہے اور مُتّقیوں کے واسطے بنائی گئی ہے۔ حضرت عمیر بن الحُمام رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، وہ بھی سن رہے تھے کہنے لگے: واہ واہ، حضور ﷺ نے فرمایا واہ واہ کس بات پر کہا؟ عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے یہ تمنا ہے کہ میں بھی ان میں سے ہوتا، آپ ﷺ نے فرمایا: تم بھی ان میں سے ہو، اس کے بعد جھولی میں سے چند کھجوریں نکال کر

حل لغات: (۱) تھوڑی سی جان۔ (۲) مُردے کھانے والے۔ (۳) حیرت کے مارے رک گئے۔ (۴) حیران۔ (۵) کامیابی۔ (۶) لمبی۔

کھانے لگے، اس کے بعد کہنے لگے کہ ان کھجوروں کے ختم ہونے کا انتظار جو ہاتھ میں ہے، بڑی لمبی زندگی ہے، کہاں تک انتظار کروں گا؛ یہ کہہ کر ان کو پھینک دیا اور تلوار لے کے مجمع میں گھس گئے اور شہید ہونے تک لڑتے رہے۔ [طبقات ابن سعد]

فائدہ: حقیقت میں یہی لوگ جنت کے قدردان[1] ہیں اور اس پر یقین رکھنے والے۔ ہم لوگوں کو بھی اگر یقین نصیب ہوجائے تو ساری باتیں سہل ہوجائیں۔

⑩ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہجرت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تو ذکر ہی کیا ہے، بچہ بچہ ان کی بہادری سے واقف اور شجاعت[2] کا معترف[3] ہے۔ اسلام کے شروع میں جب مسلمان سب ہی ضعف[4] کی حالت میں تھے، حضور ﷺ نے خود اسلام کی قوت کے واسطے عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی دعا کی اور قبول ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ کعبہ کے قریب اس وقت تک نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، جب تک کہ عمر مسلمان نہیں ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اول اول ہر شخص نے ہجرت چھپ کر کی، مگر جب عمر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو تلوار گلے میں ڈالی، کمان[5] ہاتھ میں لی اور بہت سے تیر ساتھ لیے، اوّل مسجد میں گئے، طواف اطمینان سے کیا، پھر نہایت اطمینان سے نماز پڑھی، اس کے بعد کفار کے مجمعوں میں گئے اور فرمایا کہ جس کا دل یہ چاہے کہ اس کی ماں اس کو روئے، اس کی بیوی رانڈ[6] ہو، اس کے بچے یتیم ہوں، وہ مکہ سے باہر آکر میرا مقابلہ کرے۔ یہ الگ الگ جماعتوں کو سنا کر تشریف لے گئے۔ کسی ایک شخص کی بھی ہمت نہ پڑی کہ پیچھا کرتا۔ [اُسد الغابہ]

⑪ غزوۂ مُوتہ کا قصہ

حضور اقدس ﷺ نے مختلف بادشاہوں کے پاس تبلیغی دعوت نامے ارسال[7] فرمائے تھے، ان میں ایک خط حضرت حارث بن عُمَیر اَزْدِی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ[8] بصریٰ کے بادشاہ کے پاس بھی بھیجا تھا۔ جب یہ مُوتہ پہونچے تو شرحبیل غسانی نے، جو قیصر کے حُکّام میں سے ایک شخص تھا، ان کو قتل کر دیا۔ قاصدوں[9] کا قتل کسی کے نزدیک بھی پسندیدہ نہیں۔ حضور ﷺ کو یہ بات بہت گراں[10] ہوئی اور آپ ﷺ نے تین ہزار کا ایک لشکر تجویز فرما کر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ان پر امیر مقرر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر یہ شہید ہوجائیں، تو جعفر بن ابی طالب امیر بنائے جائیں، وہ بھی شہید ہوجائیں تو عبداللہ بن رَوَاحہ رضی اللہ عنہ امیر ہوں، وہ بھی شہید ہوجائیں، تو پھر مسلمان جس کو دل چاہے امیر بنالیں۔ ایک یہودی اس گفتگو کو سن رہا تھا، اس نے کہا: یہ تینوں تو ضرور شہید ہوں گے، پہلے انبیاء کی اس قسم کے کلام کا یہی مطلب ہوتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ایک سفید جھنڈا بنا کر حضرت زید رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمایا

حل لغات: ① قدر کرنے والے۔ ② بہادری۔ ③ اقرار کرنے والا۔ ④ کمزوری۔ ⑤ تیر چلانے کا آلہ۔ ⑥ بیوہ۔ ⑦ بھیجنا۔ ⑧ افسروں۔ ⑨ پیغام لے جانے والا۔ ⑩ ناپسند۔

اور خود مع[1] ایک جماعت کے ان حضرات کو رخصت فرمانے تشریف لے گئے۔ شہر کے باہر جب پہونچانے والے واپس آنے لگے، تو ان مجاہدین کے لیے دعا کی کہ حق تعالیٰ شانہ، تم کو سلامتی کے ساتھ، کامیابی کے ساتھ واپس لائے اور ہر قسم کی برائی سے محفوظ رکھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں تین شعر پڑھے، جن کا مطلب یہ تھا کہ میں تو اپنے رب سے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ ایک ایسی تلوار ہو، جس سے میرے خون کے فوّارے چھوٹنے لگیں یا ایسا برچھا[2] ہو جو آنتوں اور کلیجہ کو چیرتا ہوا نکل جائے اور جب لوگ میری قبر پر گذریں، تو یہ کہیں کہ اللہ تجھ غازی کو رشید[3] اور کامیاب کرے، واقعی تُو تو رشید اور کامیاب تھا۔ اس کے بعد یہ حضرات روانہ ہو گئے، شُرَحْبِیل کو بھی ان کی روانگی کا علم ہوا، وہ ایک لاکھ فوج کے ساتھ مقابلہ کے لیے تیار ہوا۔ یہ حضرات کچھ آگے چلے، تو معلوم ہوا کہ خود ہرقل، روم کا بادشاہ بھی ایک لاکھ فوج ساتھ لیے ہوئے مقابلہ کے لیے آ رہا ہے۔ ان حضرات کو اس خبر سے تردّد[4] ہوا کہ اتنی بڑی جمعیّت[5] کا مقابلہ کیا جاوے، یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی جاوے؟ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے للکار کر فرمایا: اے لوگو! تم کس بات سے گھبرا رہے ہو، تم کس چیز کے ارادہ سے نکلے ہو، تمہارا مقصود شہید ہو جانا ہے، ہم لوگ کبھی بھی قوت[6] اور آدمیوں کی کثرت کے زور پر نہیں لڑے، ہم صرف اس دین کی وجہ سے لڑے ہیں، جس کی وجہ سے اللہ نے ہمیں اکرام نصیب فرمایا ہے، آگے بڑھو، دو کامیابیوں میں سے ایک تو ضروری ہے، یا شہادت یا غلبہ۔ یہ سن کر مسلمانوں نے ہمت کی اور آگے بڑھ گئے، حتیٰ کہ مُوتہ پر پہونچ کر لڑائی شروع ہو گئی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور میدان میں پہونچے، گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی، شُرَحْبِیل کا بھائی بھی مارا گیا اور اس کے ساتھی بھاگ گئے، خود شُرَحْبِیل بھی بھاگ کر ایک قلعہ میں چھپ گیا اور ہرقل کے پاس مدد کے لیے آدمی بھیجا، اس نے تقریباً دو لاکھ فوج بھیجی اور لڑائی زور سے ہوتی رہی، حضرت زید رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا اور اپنے گھوڑے کے خود ہی پاؤں کاٹ دیے، تاکہ واپسی کا خیال بھی دل میں نہ آئے اور چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''اے لوگو! کیا ہی اچھی ہے جنت اور کیا ہی اچھا ہے اس کا قریب ہونا، کتنی بہترین چیز ہے اور کتنا ٹھنڈا ہے اس کا پانی، اور ملک روم کے لوگوں پر عذاب کا وقت آ گیا، مجھ پر بھی لازم ہے کہ ان کو ماروں''۔ یہ اشعار پڑھے اور اپنے گھوڑے کے پاؤں خود ہی کاٹ چکے تھے کہ واپسی کا خیال بھی دل میں نہ آوے اور تلوار لے کر کافروں کے مجمع میں گھس گئے، امیر ہونے کی وجہ سے جھنڈا بھی اُنہی کے پاس تھا، اول جھنڈا دائیں ہاتھ میں لیا، کافروں نے دایاں ہاتھ کاٹ دیا کہ جھنڈا گر جائے، انھوں نے فوراً بائیں ہاتھ میں لیا، انھوں نے وہ بھی کاٹا، تو انھوں نے دونوں بازوؤں سے اُس کو تھاما اور منہ سے مضبوط پکڑ لیا، ایک شخص نے

حل لغات: (۱) ساتھ۔ (۲) نیزہ۔ (۳) ہدایت پایا ہوا۔ (۴) فکر۔ (۵) فوج۔ (۶) طاقت۔

پیچھے سے ان کے دو ٹکڑے کر دیے، جس سے یہ گر پڑے، اُس وقت اُن کی عمر تینتیس[۳۳] سال کی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ہم نے بعد میں نعشوں میں سے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو جب اُٹھایا، تو ان کے بدن کے اگلے حصہ میں نوّے زخم تھے۔ جب یہ شہید ہو گئے، تو لوگوں نے عبداللہ بن رَوَاحہ رضی اللہ عنہ کو آواز دی، وہ لشکر کے ایک کونہ میں گوشت کا ٹکڑا کھا رہے تھے کہ تین دن سے کچھ چکھنے کو بھی نہ ملا تھا، وہ آواز سنتے ہی گوشت کے ٹکڑے کو پھینک کر اپنے آپ کو ملامت[۱] کرتے ہوئے کہ جعفر تو شہید ہو جائیں اور تو دنیا میں مشغول رہے، آگے بڑھے اور جھنڈا لے کر قتال شروع کر دیا، انگلی میں زخم آیا وہ لٹک گئی، تو انھوں نے پاؤں سے اس کٹی ہوئی انگلی کو دبا کر ہاتھ کھینچا وہ الگ ہو گئی، اُس کو پھینک دیا اور آگے بڑھے، اس گھمسان[۲] اور پریشانی کی حالت میں تھوڑا سا تردّد[۳] بھی پیش آیا کہ نہ ہمت نہ مقابلہ کی طاقت، لیکن اس تَرَدّد کو تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ اپنے دل کو مخاطب بنا کر کہا: او دل! کس چیز کا اب اشتیاق[۴] باقی ہے، جس کی وجہ سے تَرَدّد ہے، کیا بیوی کا ہے تو اس کو تین طلاق، یا غلاموں کا ہے تو وہ سب آزاد، یا باغ کا ہے تو وہ اللہ کے راستہ میں صدقہ۔ اس کے بعد چند شعر پڑھے، جن کا ترجمہ یہ ہے: ”قسم ہے او دل! تجھے اُترنا ہوگا، خوشی سے اُتر یا ناگواری سے اُتر، تجھے اطمینان کی زندگی گذارتے ہوئے ایک زمانہ گذر چکا، سوچ تو آخر تُو ایک قطرۂ منی ہے، دیکھ کافر لوگ مسلمانوں پر کھنچے ہوئے آ رہے ہیں، تجھے کیا ہوا کہ جنت کو پسند نہیں کرتا، اگر تُو قتل نہ ہوا تو ویسے بھی آخر مرے گا ہی۔“ اس کے بعد گھوڑے سے اُترے، ان کے چچازاد بھائی گوشت کا ایک ٹکڑا لائے کہ ذرا سا کھا لو، کمر سیدھی کر لو، کئی دن سے کچھ نہیں کھایا۔ انھوں نے لے لیا، اتنے میں ایک جانب سے حملے[۵] کی آواز آئی، اس کو پھینک دیا اور تلوار لے کر جماعت میں گُھس گئے اور شہید ہونے تک تلوار چلاتے رہے۔ [خمیس]

فائدہ: صحابہ رضی اللہ عنہم کی پوری زندگی کا یہی نمونہ ہے، ان کا ہر ہر قصہ دنیا کی بے ثباتی[۶] اور آخرت کے شوق کا سبق دیتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تو پوچھنا ہی کیا، تابعین پر بھی یہی رنگ چڑھا ہوا تھا۔ ایک قصہ پر اس باب کو ختم کرتا ہوں، جو دوسرے رنگ کا ہے۔ دشمن سے مقابلہ کے نمونے تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں، اب حکومت کے سامنے کا منظر بھی دیکھ لیجیے۔

⑫ سعید بن جُبیرؒ اور حَجّاج کی گفتگو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ ”بہترین جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے“۔ حَجّاج کا ظلم و ستم دنیا میں مشہور ہے، گو اُس زمانہ کے بادشاہ باوجود ظلم و ستم کے دین کی اشاعت کا کام بھی کرتے رہتے تھے؛ لیکن پھر بھی دین دار اور عادل[۷] بادشاہوں کے لحاظ سے وہ

حل لغات: ① برا بھلا کہنا۔ ② سخت لڑائی۔ ③ ہچکچاہٹ۔ ④ شوق۔ ⑤ حملہ، شور۔ ⑥ باقی نہ رہنا۔ ⑦ انصاف پسند۔

بدترین شمار ہوتے تھے اور اس وجہ سے لوگ ان سے بیزار[1] تھے۔ سعید بن جُبیرؒ نے بھی ابنُ الاَشعَثُ کے ساتھ مل کر حَجّاج کا مقابلہ کیا۔ حَجّاج عبدُالملِک بن مَروان کی طرف سے حاکم تھا۔ سعید بن جُبیرؒ مشہور تابعی ہیں اور بڑے علماء میں سے ہیں۔ حکومت اور بالخصوص حَجّاج کو ان سے بُغض وعداوت[2] تھی اور چونکہ مقابلہ کیا تھا، اس لیے عداوت کا ہونا بھی ضروری تھا۔ مقابلہ میں حَجّاج اُن کو گرفتار نہ کرسکا، یہ شکست کے بعد چھپ کر مکہ مکرمہ چلے گئے، حکومت نے اپنے ایک خاص آدمی کو مکہ کا حاکم بنایا اور پہلے حاکم کو اپنے پاس بلالیا، اس نئے حاکم نے جا کر خطبہ پڑھا، جس کے اخیر میں عبدُالملِک بن مروان بادشاہ کا یہ حکم بھی سنایا کہ جو شخص سعید بن جبیر کو ٹھکانا دے اس کی خیر نہیں، اس کے بعد اُس حاکم نے خود اپنی طرف سے بھی قسم کھائی کہ جس کے گھر میں وہ ملے گا، اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کے گھر کو، نیز اس کے پڑوسیوں کے گھر کو ڈھاؤں گا۔ غرض بڑی دِقّت[3] سے مکہ کے حاکم نے ان کو گرفتار کر کے حَجّاج کے پاس بھیج دیا، اُس کو غصہ نکالنے اور ان کو قتل کرنے کا موقع مل گیا، سامنے بلایا اور پوچھا۔ حَجّاج: تیرا کیا نام ہے؟ سعیدؒ: میرا نام سعید ہے۔ حَجّاج: کس کا بیٹا ہے؟ سعید: جُبیر کا بیٹا ہوں (سعید کا ترجمہ نیک بخت ہے اور جبیر کے معنیٰ: اصلاح کی ہوئی چیز) اگرچہ ناموں میں معنی اکثر مقصود نہیں ہوتے؛ لیکن حَجّاج کو ان کے نام کا اچھے معنی والا ہونا پسند نہیں آیا، اس لیے کہا: نہیں تو شَقی بن کُسیر ہے (شقی کہتے ہیں بدبخت کو اور کسیر: ٹوٹی ہوئی چیز)۔ سعیدؒ: میری والدہ میرا نام تجھ سے بہتر جانتی تھیں۔ حَجّاج: تُو بھی بدبخت، تیری ماں بھی بدبخت۔ سعید: غیب کا جاننے والا تیرے علاوہ اور کوئی ہے (یعنی عَلّامُ الغیُوب)۔ حَجّاج: دیکھ میں اب تجھے موت کے گھاٹ اُتارتا ہوں۔ سعید: تو میری ماں نے میرا نام درست رکھا۔ حَجّاج: اب میں تجھ کو زندگی کے بدلہ کیسا جہنم رسید کرتا ہوں۔ سعید: اگر میں جانتا کہ یہ تیرے اختیار میں ہے تو تجھ کو معبود بنالیتا۔ حَجّاج: حضور اقدس ﷺ کی نسبت تیرا کیا عقیدہ ہے؟ سعید: وہ رحمت کے نبی تھے اور اللہ کے رسول تھے، جو بہترین نصیحت کے ساتھ تمام دنیا کی طرف بھیجے گئے۔ حَجّاج: خلفاء کی نسبت تیرا کیا خیال ہے؟ سعید: میں ان کا محافظ نہیں ہوں، ہر شخص اپنے کیے کا ذمہ دار ہے۔ حَجّاج: میں ان کو بُرا کہتا ہوں یا اچھا؟ سعید: جس چیز کا مجھے علم نہیں ہے، میں اس میں کیا کہہ سکتا ہوں، مجھے اپنا ہی حال معلوم ہے۔ حَجّاج: ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ تیرے نزدیک کون ہے؟ سعید: جو سب سے زیادہ میرے مالک کو راضی کرنے والا تھا۔ بعض کتب میں بجائے اس کے یہ جواب ہے کہ ان کے حالات بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں۔ حَجّاج: سب سے زیادہ راضی رکھنے والا کون تھا؟ سعید: اُس کو وہی جانتا ہے، جو دل کے بھیدوں اور چھپے ہوئے رازوں سے واقف ہے۔ حَجّاج: حضرت علی رضی اللہ عنہ جنت میں ہیں یا دوزخ میں؟ سعید: اگر میں جنت اور جہنم میں جاؤں اور وہاں والوں کو دیکھ لوں تو بتلاسکتا ہوں۔ حَجّاج: میں

حل لغات: (۱) ناراض، پریشان۔ (۲) دشمنی۔ (۳) دشواری۔

قیامت میں کیسا آدمی ہوں گا؟ سعید: میں اس سے کم ہوں کہ غیب پر مطّلع[1] کیا جاؤں۔ حجّاج: تو مجھ سے سچ بولنے کا ارادہ نہیں کرتا؟ سعید: میں نے جھوٹ بھی نہیں کہا۔ حجّاج: تُو کبھی ہنستا کیوں نہیں؟ سعید: کوئی بات ہنسنے کی دیکھتا نہیں اور وہ شخص کیا ہنسے جو مٹی سے بنا ہوا اور قیامت میں اس کو جانا ہو اور دنیا کے فتنوں میں دن رات رہتا ہو۔ حجّاج: میں تو ہنستا ہوں۔ سعید: اللہ نے ایسے ہی مختلف طریقوں میں ہم کو بنایا ہے۔ حجّاج: میں تجھے قتل کرنے والا ہوں۔ سعید: میری موت کا سبب پیدا کرنے والا اپنے کام سے فارغ ہو چکا۔ حجّاج: میں اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ محبوب ہوں۔ سعید: اللہ پر کوئی بھی جرأت نہیں کر سکتا، جب تک کہ اپنا مرتبہ معلوم نہ کر لے اور غیب کی اللہ ہی کو خبر ہے۔ حجّاج: میں کیوں نہیں جرأت کر سکتا حالانکہ میں جماعت کے بادشاہ کے ساتھ ہوں اور تُو باغیوں[2] کی جماعت کے ساتھ ہے؟ سعید: میں جماعت سے علیحدہ نہیں ہوں اور فتنہ کو خود ہی پسند نہیں کرتا اور جو تقدیر میں ہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ حجّاج: ہم جو کچھ امیر المؤمنین کے لیے جمع کرتے ہیں، اس کو تو کیسا سمجھتا ہے؟ سعید: میں نہیں جانتا کہ کیا جمع کیا۔ حجّاج نے سونا چاندی کپڑے وغیرہ منگا کر اُن کے سامنے رکھ دیے۔ سعید: یہ اچھی چیزیں ہیں، اگر اپنی شرط کے موافق ہوں۔ حجّاج: شرط کیا ہے؟ سعید: یہ کہ تو اُن سے ایسی چیزیں خریدے جو بڑے گھبراہٹ کے دن یعنی قیامت کے دن اَمن پیدا کرنے والی ہوں، ورنہ ہر دودھ پلانے والی دودھ پیتے کو بھول جائے گی اور حمل گر جائیں گے اور آدمی کو اچھی چیز کے سوا کچھ بھی کام نہ دے گی۔ حجّاج: ہم نے جو جمع کیا، یہ اچھی چیز نہیں؟ سعید: تُو نے جمع کیا تُو ہی اس کی اچھائی کو سمجھ سکتا ہے۔ حجّاج: کیا تو اس میں سے کوئی چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے؟ سعید: میں صرف اس چیز کو پسند کرتا ہوں، جس کو اللہ پسند کرے۔ حجّاج: تیرے لیے ہلاکت ہو۔ سعید: ہلاکت اس شخص کے لیے ہے، جو جنت سے ہٹا کر جہنم میں داخل کر دیا جائے۔ حجّاج: (دِق[3] ہو کر) بتلا کہ میں تجھے کس طریقہ سے قتل کروں؟ سعید: جس طرح سے قتل ہونا اپنے لیے پسند ہو۔ حجّاج: کیا تجھے معاف کر دوں؟ سعید: معافی اللہ کے یہاں کی معافی ہے، تیرا معاف کرنا کوئی چیز نہیں۔ حجّاج نے جلّاد[4] کو حکم دیا کہ اس کو قتل کر دو۔ سعید: باہر لائے گئے اور ہنسے۔ حجّاج کو اس کی اطلاع دی گئی پھر بلایا اور پوچھا۔ حجّاج: تُو کیوں ہنسا؟ سعید: تیری اللہ پر جرأت اور اللہ تعالیٰ کے تجھ پر حلم سے۔ حجّاج: میں اس کو قتل کرتا ہوں جس نے مسلمانوں کی جماعت میں تفریق[5] کی، پھر جلّاد سے خطاب کر کے کہا: میرے سامنے اس کی گردن اُڑاؤ۔ سعید: میں دو رکعت نماز پڑھ لوں، نماز پڑھی، پھر قبلہ رُخ ہو کر ﴿وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَاْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٧٩﴾﴾ [سورۂ انعام] پڑھا، یعنی میں نے اپنا منہ اس پاک ذات کی طرف کیا جس نے آسمان و زمین بنائے اور میں سب طرف سے ہٹ کر اُدھر متوجہ ہوا اور نہیں ہوں

حل لغات: (۱) خبر دینا۔ (۲) حکومت کے مخالف لوگ۔ (۳) پریشان۔ (۴) مجرموں کو قتل کرنے والا۔ (۵) دشمنی پیدا کرنا۔

مشرکین سے۔ حَجّاج: اس کا منہ قبلہ سے پھیر دو اور نصاریٰ کے قبلہ کی طرف کر دو کہ انھوں نے بھی اپنے دین میں تفریق کی اور اختلاف پیدا کیا، چنانچہ فوراً پھیر دیا گیا۔ سعید: ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ الْكَافِيْ بِالسَّرَائِرِ جدھر تم منہ پھیرو اُدھر بھی خدا ہے، جو بھیدوں کا جاننے والا ہے۔ حَجّاج: اَوندھا ڈال دو، (یعنی زمین کی طرف منہ کر دو) ہم تو ظاہر پر عمل کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ سعید: ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى ﴿٥٥﴾﴾ [سورۂ طٰہٰ] ''ہم نے زمین ہی سے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ اُٹھائیں گے۔'' حَجّاج: اس کو قتل کر دو۔ سعید: میں تجھے اس بات کا گواہ بناتا ہوں، ((أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ)) تو اس کو محفوظ رکھنا، جب میں تجھ سے قیامت کے دن ملوں گا تو لے لوں گا۔ اس کے بعد وہ شہید کر دیے گئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. ان کے انتقال کے بعد بدن سے خون بہت زیادہ نکلا، جس سے حَجّاج کو بھی حیرت ہوئی، اپنے طبیب سے اس کی وجہ پوچھی، اس نے کہا کہ ان کا دل نہایت مطمئن تھا اور قتل کا ذرا بھی خوف ان کے دل میں نہیں تھا، اس لیے خون اپنی اصلی مقدار پر قائم رہا، بخلاف اور لوگوں کے کہ خوف سے اُن کا خون پہلے ہی خشک ہو جاتا ہے۔　[علمائے سلف کتاب الامامت والسّیاست]

فائدہ: اس قصہ کے سوال جواب میں کتب میں کمی زیادتی بھی ہے اور بھی بعض سوال جواب نقل کیے گئے ہیں، ہمیں تو نمونہ ہی دکھانا تھا، اس لیے اسی پر اکتفا کیا گیا، تابعین کے اس قسم کے قصے بہت زیادہ ہیں۔ حضرت امام اعظم، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ حضرات اسی حق گوئی[1] کی وجہ سے ہمیشہ مشقتیں برداشت فرماتے رہے، لیکن حق کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

آٹھواں باب: علمی ولولہ[2] اور اس کا انہماک[3]

چوں کہ اصل دین کلمۂ توحید ہے اور وہی سب کمالات کی بنیاد ہے، جب تک وہ نہ ہو کوئی کارِ خیر[4] بھی مقبول نہیں۔ اس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ہمت بالخصوص ابتدائی زمانہ میں زیادہ تر کلمۂ توحید کے پھیلانے اور کفار سے جہاد کرنے میں مشغول تھی اور وہ علمی انہماک کے لیے فارغ و یکسونہ[5] تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان مشاغل کے ساتھ ان کا انہماک اور شوق و شغف[6] جس کا ثمرہ[7] آج چودہ سو برس تک علوم قرآن و حدیث کا بقا[8] ہے؛ ایک کھلی ہوئی چیز ہے۔ ابتدائے اسلام کے بعد جب کچھ فراغت ان حضرات کو میسر ہو سکی اور جماعت میں بھی کچھ اضافہ ہوا تو آیت کلام اللہ ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۭ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ

حل لغات: ① سچ بات کہنا۔ ② شوق۔ ③ بہت زیادہ مشغولی۔ ④ نیک کام۔ ⑤ پورے طور پر فرصت میں نہ تھے۔ ⑥ محبت۔ ⑦ پھل۔ ⑧ باقی رہنا۔

كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ [سورۂ توبہ] نازل ہوئی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے: مسلمانوں کو یہ نہ چاہیے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں، سوایسا کیوں نہ کیا جاوے کہ ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تا کہ باقی ماندہ[1] لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تا کہ وہ قوم کو جب وہ اُن کے پاس واپس آویں ڈراویں تا کہ وہ احتیاط رکھیں۔ [بیان القرآن]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا﴾ [سورۂ توبہ:۴۱] اور ﴿اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ [سورۂ توبہ:۳۹] سے جو عموم[2] معلوم ہوتا ہے اس کو ﴿مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً﴾ [سورۂ توبہ:۱۲۲] نے منسوخ[3] کر دیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حق تعالیٰ شانہٗ نے جامعیت[4] عطا فرمائی تھی اور اس وقت کے لیے یہ چیز نہایت ہی ضروری تھی، کہ وہی ایک مختصر سی جماعت دین کے سارے کام سنبھالنے والی تھی، مگر تابعین کے زمانہ میں جب اسلام پھیل گیا اور مسلمانوں کی بڑی جماعت اور جمعیت ہوگئی، نیز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جیسی جامعیت بھی باقی نہ رہی، تو ہر ہر شعبۂ دین کے لیے پوری توجہ سے کام کرنے والے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے۔ مُحدّثین کی مستقل جماعت بنی شروع ہوگئی، جن کا کام احادیث کا ضبط[5] اور ان کا پھیلانا تھا۔ فُقہاء کی علیحدہ[6] جماعت ہوئی۔ صوفیا، قرّاء، مجاہدین غرض دین کے ہر ہر شعبہ کو مستقل سنبھالنے والے پیدا ہوئے، اُس وقت کے لیے یہی چیز مناسب اور ضروری تھی، اگر یہ صورت نہ ہوتی تو ہر شعبہ میں کمال اور ترقی دُشوار تھی، اس لیے کہ ہر شخص تمام چیزوں میں انتہائی کمال پیدا کرلے یہ بہت دشوار ہے، یہ صفت حق تعالیٰ شانہٗ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، بالخصوص سید الانبیاء علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام ہی کو عطا فرمائی تھی، اس لیے اس باب میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ اور دیگر حضرات کے واقعات بھی ذکر کیے جائیں گے۔

① فتوے کا کام کرنے والی جماعت کی فہرست

اگر چہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جہاد اور اعلاءِ کلمۃُ اللہ[7] کی مشغولی کے باوجود سب ہی علمی مشغلہ[8] میں ہر وقت مُنْہَمِک[9] تھے اور ہر شخص ہر وقت جو کچھ حاصل کر لیتا تھا، اس کو پھیلانا پہونچانا یہی اس کا مشغلہ تھا، لیکن ایک جماعت فتوے کے ساتھ مخصوص تھی، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی فتوے کا کام کرتی تھی۔ وہ حضرات ذیل ہیں: حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، اُبَی بن کعب، حضرت عبداللہ بن مسعود، مُعاذ بن جَبَل، عَمّار بن یاسِر، حُذیفہ، سلمان فارسی، زید بن ثابت، ابوموسیٰ، اَبُوالدَّرْدَاء رضی اللہ عنہم اجمعین۔ [تلقیح]

حل لغات: ① باقی بچے ہوئے۔ ② عام ہونا۔ ③ ختم۔ ④ ہر طرح کی خوبی۔ ⑤ حفاظت۔ ⑥ الگ۔ ⑦ اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا۔ ⑧ کام۔ ⑨ بہت زیادہ مشغول۔

فائدہ: یہ ان حضرات کے کمالِ علم کی بات ہے کہ حضور ﷺ کی موجودگی میں یہ لوگ اہلِ فتویٰ شمار کیے جاتے تھے۔

② حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مجموعۂ احادیث کو جلا دینا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے باپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پانچ سو (۵۰۰) احادیث کا ایک ذخیرہ جمع کیا تھا۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ وہ نہایت بے چین ہیں، کروٹیں بدل رہے ہیں۔ مجھے یہ حالت دیکھ کر بے چینی ہوئی۔ دریافت کیا کہ کوئی تکلیف ہے؟ یا کوئی فکر کی بات سننے میں آئی ہے؟ غرض تمام رات اس بے چینی میں گذری اور صبح کو فرمایا کہ وہ احادیث جو میں نے تیرے پاس رکھوا رکھی ہیں، اٹھالا۔ میں لے کر آئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اُن کو جلا دیا۔ میں نے پوچھا کہ کیوں جلا دیا؟ ارشاد فرمایا کہ مجھے اندیشہ[1] ہوا کہیں ایسا نہ ہو کہ میں مَر جاؤں اور یہ میرے پاس ہوں، ان میں دوسروں کی سنی ہوئی روایتیں بھی ہیں کہ میں نے معتبر سمجھا ہو، اور وہ واقع[2] میں معتبر نہ ہوں اور اس کی روایت میں کوئی گڑبڑ ہو، جس کا وبال[3] مجھ پر ہو۔ [تذکرۃ الحفاظ]

فائدہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ علمی کمال اور شغف[4] تھا کہ انھوں نے پانچ سو (۵۰۰) احادیث کا ایک رسالہ جمع کیا اور اس کے بعد اس کو جلا دینا یہ کمال احتیاط تھا۔ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا حدیث کے بارے میں احتیاط کا یہی حال تھا، اِسی وجہ سے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایتیں بہت کم نقل کی جاتی ہیں۔ ہم لوگوں کو اس واقعہ سے سبق لینے کی ضرورت ہے، جو منبروں پر بیٹھ کے بے دھڑک احادیث نقل کر دیتے ہیں۔ حالانکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر وقت کے حاضر باش[5]، سفر حضر کے ساتھی، ہجرت کے رفیق۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہم میں بڑے عالم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے وصال[6] کے بعد جب بیعت کا قصہ پیش آیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تقریر فرمائی، تو کوئی آیت اور کوئی حدیث ایسی نہیں چھوڑی؛ جس میں انصار کی فضیلت آئی ہو اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی تقریر میں نہ فرما دی ہو۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن پاک پر کتنا عُبور[7] تھا اور احادیث کس قدر یاد تھیں، مگر پھر بھی بہت کم روایتیں حدیث کی آپ سے منقول ہیں۔ یہی راز ہے کہ حضرت امام اعظمؒ سے بھی حدیث کی روایتیں بہت کم نقل کی گئی ہیں۔

③ تبلیغ حضرت مُصْعَب بن عُمَیر رضی اللہ عنہ

مُصْعَب بن عُمَیر رضی اللہ عنہ جن کا ایک قصہ ساتویں باب کے نمبر پانچ پر بھی گذر چکا ہے، ان کو حضورِ اقدس ﷺ نے مدینہ منورہ کی اس جماعت کے ساتھ، جو سب سے پہلے مِنیٰ کی گھاٹی میں مسلمان ہوئی تھی، تعلیم اور دین کے سکھانے کے لیے بھیج دیا تھا۔ یہ مدینہ طیبہ میں ہر وقت تعلیم اور تبلیغ میں مشغول رہتے، لوگوں کو قرآن

حل لغات: ① فکر۔ ② حقیقت۔ ③ عذاب۔ ④ شوق۔ ⑤ ساتھ رہنے والے۔ ⑥ انتقال۔ ⑦ مہارت۔

شریف پڑھاتے اور دین کی باتیں سکھلاتے تھے۔ اسعد بن زُرارہ رضی اللہ عنہ کے پاس ان کا قیام تھا اور مُقرِیُ (پڑھانے والا، مُدرِّس) کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ سعد بن مُعَاذ رضی اللہ عنہ اور اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ یہ دونوں سرداروں میں تھے۔ ان کو یہ بات ناگوار ہوئی۔ سعد رضی اللہ عنہ نے اُسید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم اسعد کے پاس جاؤ اور اُن سے کہو کہ ہم نے یہ سنا ہے کہ تم کسی پردیسی کو اپنے ساتھ لے آئے ہو، جو ہمارے ضعیف لوگوں کو بیوقوف بناتا ہے، بہکاتا ہے۔ وہ اسعد رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور اُن سے سختی سے یہ گفتگو کی۔ اسعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم اُن کی بات سن لو، اگر تمہیں پسند آئے قبول کرلو، اگر سننے کے بعد ناپسند ہو، تو روکنے کا مضائقہ[1] نہیں۔ اُسید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ انصاف کی بات ہے، سننے لگے۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اسلام کی خوبیاں سنائیں اور کلامُ اللہ شریف کی آیتیں تلاوت کیں۔ حضرت اُسید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا ہی اچھی باتیں ہیں اور کیا ہی بہتر کلام ہے، جب تم اپنے دین میں کسی کو داخل کرتے ہو، تو کس طرح داخل کرتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا کہ تم نہاؤ، پاک کپڑے پہنو، اور کلمۂ شہادت پڑھو۔ حضرت اُسید رضی اللہ عنہ نے اسی وقت سب کام کیے اور مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد یہ سعد کے پاس گئے اور ان کو بھی اپنے ہمراہ[2] لائے، ان سے بھی یہی گفتگو ہوئی۔ سعد ابن مُعاذ رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہوتے ہی اپنی قوم بَنُوالْاَشْہَل کے پاس گئے۔ ان سے جا کر کہا کہ میں تم لوگوں کی نگاہ میں کیسا آدمی ہوں؟ انھوں نے کہا کہ ہم میں سب سے افضل اور بہتر ہو، اس پر سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے تمہارے مردوں اور عورتوں سے کلام حرام ہے، جب تک تم مسلمان نہ ہو جاؤ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لاؤ۔ ان کے اس کہنے سے قبیلۂ اَشْہَل کے سب مرد عورت مسلمان ہو گئے اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہ ان کو تعلیم دینے میں مشغول ہو گئے۔ [تلقیح]

فائدہ: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عام دستور تھا کہ جو شخص بھی مسلمان ہو جاتا، وہ مستقل ایک مُبَلِّغ ہوتا اور جو بات اسلام کی اس کو آتی تھی، اس کا پھیلانا اور دوسروں تک پہونچانا، اُس کی زندگی کا ایک مستقل کام تھا، جس میں نہ کھیتی مانع[3] تھی، نہ تجارت، نہ پیشہ، نہ ملازمت۔

④ حضرت اُبَیّ بن کَعب رضی اللہ عنہ کی تعلیم

حضرت اُبَیّ بن کَعب رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ اور مشہور قاریوں میں ہیں۔ اسلام لانے سے پہلے سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے، عرب میں لکھنے کا عام دستور[4] نہیں تھا، اسلام کے بعد سے اس کا چرچا ہوا؛ لیکن یہ پہلے سے واقف تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہ کر وحی بھی لکھا کرتے تھے، قرآن شریف کے بڑے ماہر تھے اور ان لوگوں میں تھے، جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں تمام قرآن شریف حفظ کرلیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت کے بڑے قاری اُبَیّ بن کَعب ہیں۔ تہجد میں آٹھ[8] راتوں میں قرآن پاک کے ختم

حل لغات: ① حرج۔ ② ساتھ۔ ③ روکنے والی۔ ④ رواج۔

کرنے کا اہتمام تھا۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے مجھے ارشاد فرمایا ہے کہ تمہیں قرآن شریف سناؤں۔ عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر کہا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں تمہارا نام لے کر کہا۔ یہ سن کر فرطِ[1] خوشی سے رونے لگے۔ ع

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے

جُنْدُب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ علم حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوا، تو مسجدِ نبوی میں حدیث پڑھانے والے مُتعدّد حضرات تھے اور شاگردوں کے حلقے متفرق طور پر علیٰحدہ علیٰحدہ، ہر استاد کے پاس موجود تھے۔ میں اُن حلقوں پر گذرتا ہوا ایک حلقہ پر پہونچا، جس میں ایک صاحب مُسافرانہ[2] ہیئت کے ساتھ صرف دو کپڑے بدن پر ڈالے ہوئے بیٹھے حدیث پڑھا رہے تھے۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ بتایا کہ مسلمانوں کے سردار اُبَی بن کَعب ہیں۔ میں ان کے حلقۂ درس میں بیٹھ گیا۔ جب حدیث سے فارغ ہوئے تو گھر جانے لگے، میں بھی پیچھے ہولیا، وہاں جا کر دیکھا ایک پُرانا سا گھر، خَستہ[3] حالت، نہایت معمولی سامان، زَاہدانہ زندگی۔ [طبقات]

حضرت اُبَی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے (میرا امتحان لیا) ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف میں سب سے بڑی آیت (برکت اور فضل کے اعتبار سے) کونسی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضور ﷺ نے دوبارہ سوال فرمایا، مجھے ادب مانع ہوا، میں نے پھر وہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ پھر ارشاد فرمایا، میں نے عرض کیا: آیۃُ الکُرسی۔ حضور ﷺ خوش ہوئے اور فرمایا: اللہ تجھے تیرا علم مبارک کرے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نماز پڑھا رہے تھے، ایک آیت چھوٹ گئی، حضرت اُبی رضی اللہ عنہ نے نماز میں لقمہ دیا، حضور ﷺ نے نماز کے بعد ارشاد فرمایا کہ کس نے بتایا؟ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے بتایا تھا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرا ابھی یہ گمان تھا کہ تم نے ہی بتایا ہوگا۔ [مُسنداحمد]

فائدہ: یہ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ باوجود اس علمی شَغف[4] اور قرآن پاک کی مخصوص خدمات کے حضور ﷺ کے ساتھ ہر غزوۂ میں شریک ہوئے ہیں، حضور ﷺ کا کوئی جہاد ایسا نہیں جس میں ان کی شرکت نہ ہوئی ہو۔

⑤ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا فتنوں کے معلوم کرنے کا اہتمام

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ میں ہیں، صاحبُ السِّر (بھیدی) اُن کا لقب ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے منافقین اور فتنوں کا علم ان کو بتایا تھا، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے قیامت تک جتنے فتنے آنے والے ہیں، سب کو نمبروار بتایا تھا، کوئی ایسا فتنہ جس میں تین سو آدمیوں کے بقدر لوگ شریک ہوں، حضور ﷺ نے نہیں چھوڑا، بلکہ اس فتنہ کا حال اور اس کے مُقتدا[5] کا حال

حل لغات: ① بہت زیادہ خوشی۔ ② مسافروں جیسی حالت۔ ③ بُری حالت۔ ④ شوق ⑤ لیڈر، پیشوا۔

مع اس کے نام کے، نیز اس کی ماں کا نام، اس کے باپ کا نام، اس کے قبیلہ کا نام صاف صاف بتا دیا تھا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ حضور ﷺ سے خیر کی باتیں دریافت کیا کرتے تھے اور میں بُرائی کی باتیں دریافت کیا کرتا تھا، تاکہ اس سے بچا جائے، ایک مرتبہ میں نے دریافت کیا: یارسول اللہ! یہ خیر و خوبی جس پر آج کل آپ کی برکت سے ہم لوگ ہیں، اس کے بعد بھی کوئی بُرائی آنے والی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں! بُرائی آنے والی ہے، میں نے عرض کیا کہ اس بُرائی کے بعد پھر بھلائی لوٹ کر آئے گی یا نہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حذیفہ! اللہ کا کلام پڑھ اور اس کے معانی پر غور کر، اس کے احکام کی اتباع کر، (مجھے فکر سوار تھا) میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اُس بُرائی کے بعد بھلائی ہوگی؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں! پھر بھلائی ہوگی، لیکن دل ایسے نہیں ہوں گے، جیسے پہلے تھے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس بھلائی کے بعد پھر بُرائی ہوگی؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں! ایسے لوگ پیدا ہوجائیں گے، جو آدمیوں کو گمراہ کریں گے اور جہنم کی طرف لے جائیں گے، میں نے عرض کیا کہ اگر میں اس زمانہ کو پاؤں تو کیا کروں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر مسلمانوں کی کوئی مُتَّحِدہ[1] جماعت ہو اور ان کا کوئی بادشاہ ہو، تو اس کے ساتھ ہوجانا، ورنہ ان سب فرقوں کو چھوڑ کر ایک کونہ میں علیحدہ بیٹھ جانا یا کسی درخت کی جڑ میں جا کر بیٹھ جانا اور مرنے تک وہیں بیٹھے رہنا، چوں کہ ان کو منافقوں کا حال حضور ﷺ نے سب کا بتلا دیا تھا، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے دریافت فرمایا کرتے تھے کہ میرے حُکّام[2] میں کوئی منافق تو نہیں؟ ایک مرتبہ انھوں نے عرض کیا کہ ایک منافق ہے، مگر میں نام نہیں بتاؤں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول[3] کر دیا، غالبًا اپنی فراست[4] سے پہچان لیا ہوگا، جب کوئی شخص مرجاتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تحقیق فرماتے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ ان کے جنازہ میں شریک ہیں یا نہیں، اگر حذیفہ رضی اللہ عنہ شریک ہوتے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی نماز پڑھتے، ورنہ وہ بھی نہ پڑھتے۔ حضرت حُذَیفہ رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہونے لگا، تو نہایت گھبراہٹ اور بے چینی میں رو رہے تھے، لوگوں نے دریافت کیا، فرمایا کہ دنیا کے چھوٹنے پر نہیں رو رہا ہوں، بلکہ موت تو مجھے محبوب ہے، البتہ اس پر رو رہا ہوں کہ مجھے اس کی خبر نہیں کہ میں اللہ کی ناراضی پر جا رہا ہوں یا خوشنودی[5] پر، اس کے بعد کہا کہ یہ میری دنیا کی آخری گھڑی ہے، یا اللہ! تجھے معلوم ہے کہ مجھے تجھ سے محبت ہے، اس لیے اپنی ملاقات میں برکت عطا فرما۔ [ابوداؤد و اُسد الغابہ]

⑥ حضرت اَبُوہُرَیرہ رضی اللہ عنہ کا احادیث کو حفظ کرنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نہایت مشہور اور جلیل القدر[6] صحابی ہیں اور اتنی کثرت سے ان سے حدیثیں نقل ہیں کہ کسی دوسرے صحابی سے اتنی زیادہ نقل کی ہوئی موجود نہیں، اس پر لوگوں کو تعجب ہوتا تھا کہ ۷ھ میں یہ مسلمان ہو کر تشریف لائے اور ۱۱ھ میں حضور اقدس ﷺ کا وصال[7] ہوگیا۔ اتنی قلیل مدت میں، جو

حل لغات: ① اتفاق رکھنے والی۔ ② افسروں۔ ③ ہٹا دیا۔ ④ سمجھ داری۔ ⑤ خوشی۔ ⑥ بڑی شان والے۔ ⑦ انتقال۔

تقریباً چار برس ہوتی ہے، اتنی زیادہ حدیثیں کیسے یاد ہوئیں؟ خود ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس کی وجہ بتاتے ہیں، فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ بہت روایتیں نقل کرتے ہیں، میرے مہاجر بھائی تجارت پیشہ[1] تھے، بازار میں آنا جانا پڑتا تھا اور میرے انصاری بھائی کھیتی کا کام کرتے تھے، اس کی مشغولی ان کو درپیش رہتی تھی اور ابوہریرہ اصحاب صفہ کے مساکین میں سے ایک مسکین تھا، جو حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں جو کچھ کھانے کو مل جاتا تھا، اُس پر قناعت[2] کیے پڑا رہتا تھا، ایسے اوقات میں موجود ہوتا تھا، جس میں وہ نہیں ہوتے تھے اور ایسی چیزیں یاد کر لیتا تھا جن کو وہ یاد نہیں کر سکتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے حضور ﷺ سے حافظہ[3] کی شکایت کی، حضور ﷺ نے فرمایا: چادر بچھا، میں نے چادر بچھائی، حضور ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے اس میں کچھ اشارہ فرمایا، اس کے بعد فرمایا، اس چادر کو ملا لے، میں نے اپنے سینہ سے ملا لیا، اس کے بعد سے کوئی چیز نہیں بھولا۔ [بخاری]

فائدہ: اصحابِ صُفّہ وہ لوگ کہلاتے ہیں، جو حضور اقدس ﷺ کی گویا خانقاہ کے رہنے والے تھے، ان حضرات کے اخراجات[4] کا کوئی خاص نظم نہیں تھا، گویا حضور ﷺ کے مہمان تھے، جو کہیں سے کچھ ہدیہ یا صدقہ کے طور پر آتا، اس پر ان کا زیادہ تر گذر تھا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ان ہی لوگوں میں تھے، بسا اوقات کئی کئی وقت کے فاقے بھی اُن پر گذر جاتے تھے، بعض اوقات بھوک کی وجہ سے جنون[5] کی سی حالت ہو جاتی تھی، جیسا کہ تیسرے باب کے قصہ نمبر ۳و۷ رمیں گذرا، لیکن اس کے باوجود احادیث کا کثرت سے یاد کرنا ان کا مشغلہ تھا، جس کی بدولت آج سب سے زیادہ احادیث انہی کی بتائی جاتی ہیں۔ ابن جوزیؒ نے تلقیح میں لکھا ہے کہ پانچ ہزار تین سو چوہتّر (۵۳۷۴) حدیثیں ان سے مروی ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جنازہ کے متعلق ایک حدیث بیان کی کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: جو شخص جنازہ کی نماز پڑھ کر واپس آجائے، اس کو ایک قیراط ثواب ملتا ہے اور جو دفن تک شریک رہے، اس کو دو قیراط ثواب ملتا ہے اور ایک قیراط کی مقدار اُحد کے پہاڑ سے بھی زیادہ ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اس حدیث میں کچھ تردُّد[6] ہوا، انھوں نے فرمایا: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سوچ کر کہو، ان کو غصہ آگیا، سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور جا کر عرض کیا، کہ میں آپ رضی اللہ عنہا کو قسم دے کر پوچھتا ہوں، یہ قیراط والی حدیث آپ نے حضور ﷺ سے سنی؟ انھوں نے فرمایا: ہاں سنی ہے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ مجھے حضور ﷺ کے زمانہ میں نہ تو باغ میں کوئی درخت لگانا تھا، نہ بازار میں مال بیچنا تھا، میں تو حضور ﷺ کے دربار میں پڑا رہتا تھا اور صرف یہ کام تھا کہ کوئی بات یاد کرنے کو مل جائے یا کچھ کھانے کو مل جائے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بے شک تم ہم لوگوں سے زیادہ

حل لغات: (۱) تجارت کرنے والے۔ (۲) تھوڑی چیز پر راضی ہونا۔ (۳) یاد رکھنے کی قوت۔ (۴) خرچ۔ (۵) پاگل پن۔ (۶) شک۔

حاضر باش[1] تھے اور احادیث کو زیادہ جاننے والے۔ [مسند احمد] اس کے ساتھ ہی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے کہ میں بارہ ہزار مرتبہ روزانہ استغفار پڑھتا ہوں اور ایک تاگہ ان کے پاس تھا، جس میں ایک ہزار گرہ لگی ہوئی تھیں، رات کو اس وقت تک نہیں سوتے تھے، جب تک اس کو سبحان اللہ کے ساتھ پورا نہ کر لیتے تھے۔ [تذکرہ]

⑦ قتلِ مُسَیلَمَہ و قرآن کا جمع کرنا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال[2] کے بعد مسیلمہ کذاب کا، جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا، اثر بڑھنے لگا اور چوں کہ عرب میں اِرتداد[3] بھی زور شور سے شروع ہو گیا تھا، اس سے اس کو اور بھی تقویت[4] پہونچی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے لڑائی کی، حق تعالیٰ شانہٗ نے اسلام کو قوت عطا فرمائی اور مسیلمہ قتل ہوا؛ لیکن اس لڑائی میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بھی ایک بڑی جماعت شہید ہوگئی، بالخصوص قرآن پاک کے حافظوں کی ایک بڑی جماعت شہید ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس لڑائی میں قاری بہت شہید ہو گئے، اگر اسی طرح ایک دو لڑائی میں اور شہید ہو گئے، تو قرآن پاک کا بہت سا حصہ ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے، اس لیے اس کو ایک جگہ لکھوا کر محفوظ کر لیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسے کام کی کیسے جرأت[5] کرتے ہو، جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر اصرار فرماتے رہے اور ضرورت کا اظہار کرتے رہے، بالآخر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے بھی موافق ہوگئی، تو حضرت زید بن ثابت کو، جن کا قصہ باب: ۱۱/ قصہ: ۱۸/ پر آ رہا ہے بلایا، زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تشریف رکھتے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اول اپنی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ساری گفتگو نقل فرمائی، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ تم جوان ہو اور دانشمند[6]، تم پر کسی قسم کی بدگمانی بھی نہیں اور ان سب باتوں کے علاوہ یہ کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی تم وحی کے لکھنے پر مامور[7] رہ چکے ہو، اس لیے اس کام کو تم کرو، لوگوں کے پاس سے قرآن پاک جمع کرو اور اس کو ایک جگہ نقل کر دو۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر مجھے یہ حکم فرماتے کہ فلاں پہاڑ کو توڑ کر اِدھر سے اُدھر منتقل کر دو، تو یہ حکم بھی میرے لیے قرآن پاک جمع کرنے کے حکم سے سہل[8] تھا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ حضرات ایسا کام کس طرح کر رہے ہیں، جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ وہ حضرات مجھے سمجھاتے رہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر تم عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت[9] کرو، تو میں اس کا حکم دوں اور نہیں تو پھر میں بھی ارادہ نہ کروں۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ طویل[10] گفتگو کے بعد، حق تعالیٰ شانہٗ نے میرا بھی اسی

حل لغات: ① حاضر رہنے والے۔ ② انتقال۔ ③ اسلام سے پھر جانا۔ ④ طاقت۔ ⑤ دلیری، ہمت۔ ⑥ سمجھ دار۔ ⑦ متعین۔ ⑧ آسان۔ ⑨ اتفاق۔ ⑩ لمبی۔

جانب شرح صدر[1] فرمادیا کہ قرآن پاک کو یک جا[2] جمع کیا جائے، چنانچہ میں نے تعمیل ارشاد میں لوگوں کے پاس، جو قرآن شریف متفرق[3] طور پر لکھا ہوا تھا، اور جو اُن حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سینوں میں بھی محفوظ تھا، سب کو تلاش کر کے جمع کیا۔ [بخاری]

فائدہ: اس قصہ میں اوّل تو ان حضرات کے اتباع کا اہتمام معلوم ہوتا، کہ پہاڑ کا منتقل[4] کرنا ان کے لیے اس سے سہل[5] تھا کہ کوئی ایسا کام کیا جائے، جس کو حضور ﷺ نے نہیں کیا، اس کے بعد کلام پاک کا جمع کرنا، جو دین کی اصل ہے، اللہ نے ان حضرات کے اعمال نامہ میں رکھا تھا، پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اتنا اہتمام اس کے جمع فرمانے میں کیا کہ کوئی آیت بغیر لکھی ہوئی نہیں لیتے تھے، جو حضور اقدس ﷺ کے زمانہ کی لکھی ہوئی تھیں، اُن ہی سے جمع کرتے تھے اور حُفّاظ[6] کے سینوں سے اُس کا مقابلہ کرتے تھے، اور چوں کہ تمام قرآن شریف متفرق جگہوں میں لکھا ہوا تھا، اس لیے اُس کی تلاش میں، گو[7] محنت ضرور کرنا پڑی، مگر سب مل گیا۔ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ جن کو خود حضور ﷺ نے قرآن پاک کا سب سے زیادہ ماہر بتایا، ان کی اعانت[8] کرتے تھے اس محنت سے کلام اللہ شریف کو ان حضرات نے سب سے پہلے جمع فرمایا۔

⑧ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی احتیاط روایتِ حدیث میں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بڑے مشہور صحابہ میں ہیں اور ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں شمار ہے جو فتوے کے مالک تھے، ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے اور حبشہ[9] کی ہجرت بھی کی تھی، تمام غزوات میں حضور ﷺ کے ساتھ شریک رہے ہیں اور مخصوص خادم ہونے کی وجہ سے صاحبُ النّعل، صاحبُ الوِسَادہ، صاحبُ المُطَہّرۃ، جوتے والے، تکیہ والے، وضو کے پانی والے، یہ القاب بھی ان کے ہیں؛ اس لیے کہ حضور اقدس ﷺ کی یہ خدمتیں اکثر ان کے سپرد[10] رہتی تھیں۔ حضور ﷺ کا ان کے بارے میں یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر میں کسی کو بغیر مشورہ امیر بناؤں، تو عبداللہ بن مسعود کو بناؤں۔ حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد تھا کہ تمہیں ہر وقت حاضری کی اجازت ہے، حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جس شخص کو قرآن شریف بالکل ایسی طرح پڑھنا ہو جس طریقہ سے اُترا ہے، تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے طریقہ کے موافق پڑھے۔ حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جو حدیث تم سے بیان کریں اس کو سچ سمجھو۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ جب یمن سے آئے، تو ایک زمانہ تک ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اہلِ بیت[11] میں سے سمجھتے رہے، اس لیے کہ اتنی کثرت سے ان کی اور ان کی والدہ کی آمد و رفت حضور ﷺ کے گھر میں تھی، جیسی گھر کے آدمیوں کی ہوتی ہے۔ [بخاری]

حل لغات: ① دل کا اطمینان۔ ② ایک جگہ۔ ③ الگ الگ۔ ④ ہٹانا۔ ⑤ آسان۔ ⑥ حافظ کی جمع۔ ⑦ اگرچہ۔ ⑧ مدد۔ ⑨ ایک ملک۔ ⑩ ذمے۔ ⑪ گھر والے۔

لیکن ان سب باتوں کے باوجود ابوعَمْرو شَیبانی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک سال تک ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، میں نے کبھی ان کو حضور ﷺ کی طرف منسوب[1] کر کے بات کرتے نہیں سنا، لیکن کبھی اگر حضور ﷺ کی طرف کوئی بات منسوب کر دیتے تھے، تو بدن پر کپکپی آ جاتی تھی۔ عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ہر جمعرات کو ایک سال تک ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آتا رہا، میں نے کبھی حضور ﷺ کی طرف نسبت کر کے بات کرتے نہیں سنا۔ ایک مرتبہ حدیث بیان فرماتے ہوئے زبان پر یہ جاری ہو گیا کہ حضور ﷺ نے یہ اِرشاد فرمایا: تو بدن کانپ گیا، آنکھوں میں آنسو بھر آئے، پیشانی پر پسینہ آ گیا، رگیں پھول گئیں اور فرمایا ان شاء اللہ یہی فرمایا تھا یا اس کے قریب قریب تھا یا اس سے کچھ زیادہ یا اس سے کچھ کم۔ [مقدمہ اوجز، مسند احمد]

فائدہ: یہ تھی ان حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی احتیاط حدیث شریف کے بارہ میں، اس لیے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو میری طرف سے جھوٹ نقل کرے، اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے؛ اس خوف کی وجہ سے یہ حضرات باوجود یہ کہ مسائل حضور ﷺ کے ارشادات اور حالات ہی سے بتاتے تھے، مگر یہ نہیں کہتے تھے کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے، کہ خدانخواستہ جھوٹ نہ نکل جائے۔ اس کے بالمقابل ہم اپنی حالتیں دیکھتے ہیں کہ بے دھڑک بے تحقیق حدیث نقل کر دیتے ہیں۔ ذرا بھی نہیں جھجکتے، حالانکہ حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے بات کا نقل کرنا بڑی سخت ذمہ داری ہے، فقہ حنفی انہی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ تر لیا گیا ہے۔

⑨ حضرت اَبُوالدَّرْدَاء رضی اللہ عنہ کے پاس حدیث کے لیے جانا

کثیر بن قَیس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا، ایک شخص ان کی خدمت میں آئے اور کہا کہ میں مدینہ منورہ سے صرف ایک حدیث کی وجہ سے آیا ہوں، میں نے سنا ہے کہ وہ آپ نے حضور اقدس ﷺ سے سنی ہے، ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے پوچھا کوئی اور تجارتی کام نہیں تھا؟ انھوں نے کہا نہیں، ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا کہ کوئی دوسری غرض تو نہ تھی، کہا: نہیں صرف حدیث ہی معلوم کرنے کے لیے آیا ہوں، ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص کوئی راستہ علم حاصل کرنے کے لیے چلتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کے لیے جنت کا راستہ سہل[2] فرما دیتے ہیں، اور فرشتے اپنے پَر طالب علم کی خوشنودی کے واسطے بچھا دیتے ہیں، اور طالب علم کے لیے آسمان زمین کے رہنے والے استغفار کرتے ہیں، حتیٰ کہ مچھلیاں جو پانی میں رہتی ہیں وہ بھی استغفار کرتی ہیں، اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے، جیسا کہ چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہے، اور علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کسی کو دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے، بلکہ علم کا وارث بناتے ہیں، جو شخص علم کو حاصل کرتا ہے، وہ ایک بڑی دولت کو حاصل کرتا ہے۔ [ابن ماجہ]

حل لغات: ① نسبت۔ ② آسان۔

فائدہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فقہائے صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہیں، حکیم الاُمت کہلاتے ہیں، فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے وقت میں تجارت کیا کرتا تھا، میں نے مسلمان ہونے کے بعد چاہا کہ تجارت اور عبادت دونوں کو جمع کروں، مگر دونوں اکٹھی نہ رہ سکیں، تو مجھے تجارت چھوڑنا پڑی، اب میرا دل یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ بالکل دروازہ ہی پر دکان ہو، جس کی وجہ سے ایک بھی نماز فوت[1] نہ ہو اور روزانہ چالیس دینار کا نفع ہو اور میں ان سب کو صدقہ کردوں، کسی نے پوچھا کہ ایسی تجارت سے کیوں خفا ہوئے کہ نماز بھی نہ جائے اور اتنا نفع روزانہ کا اللہ کے راستہ میں خرچ ہو، پھر بھی پسند نہیں کرتے؟ فرمایا: حساب تو دینا ہی پڑے گا۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مجھے موت سے محبت ہے، اپنے مولیٰ سے ملاقات کے شوق میں اور فقر سے محبت ہے تواضع کے واسطے اور بیماری سے محبت ہے گناہ دُھلنے کے واسطے۔ [تذکرہ]

اوپر کے قصہ میں ایک حدیث کی خاطر اتنا طویل سفر کیا ہے، ان حضرات کے یہاں حدیث حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا کچھ اہم نہیں تھا، ایک ایک حدیث سننے اور معلوم کرنے کے لیے دور دور کا سفر طے کرلینا ان حضرات کو بہت سہل تھا، شعبیؒ ایک مشہور محدث ہیں، کوفہ کے رہنے والے ہیں، اپنے کسی شاگرد کو ایک مرتبہ حدیث سنائی اور فرمایا کہ لے گھر بیٹھے مفت مل گئی، ورنہ اس سے کم کے لیے بھی مدینہ منورہ کا سفر کرنا پڑتا تھا کہ ابتداء میں حدیث کا مخزن[2] مدینہ طیبہ ہی تھا، علمی شغف[3] رکھنے والے حضرات نے بڑے بڑے طویل[4] سفر علم کی خاطر اختیار فرمائے ہیں۔ سعید بن المسیّبؒ جو ایک مشہور تابعی ہیں، کہتے ہیں کہ میں ایک ایک حدیث کی خاطر راتوں اور دنوں پیدل چلا ہوں۔ امام الائمہ امام بخاریؒ شوال ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے، ۲۰۵ھ میں یعنی گیارہ سال کی عمر میں حدیث پڑھنا شروع کی تھی۔ عبداللہ بن مبارکؒ کی سب تصانیف[5] بچپن ہی میں حفظ کر لی تھیں، اپنے شہر میں جتنی احادیث مل سکیں ان کو حاصل کر لینے کے بعد ۲۱۶ھ میں سفر شروع کیا، والد کا انتقال ہو چکا تھا، اس وجہ سے یتیم تھے، والدہ سفر میں ساتھ تھیں، اس کے بعد بَلْخ، بغداد، مکہ مکرمہ، بَصْرہ، کُوفہ، شام، عَسقلان، حِمْص، دِمَشْق ان شہروں میں گئے اور ہر جگہ جو ذخیرہ حدیث کا مل سکا، حاصل فرمایا اور ایسی نوعمری میں استاد حدیث بن گئے تھے کہ منہ پر داڑھی کا ایک بال بھی نہیں نکلا تھا۔ کہتے ہیں کہ میری اٹھارہ برس کی عمر تھی، جب میں نے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کے فیصلے تصنیف[6] کیے۔ حاشدؒ اور ان کے ایک ساتھی کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ ہم لوگوں کے ساتھ اُستاد کے پاس جایا کرتے، ہم لوگ لکھتے اور بخاریؒ ویسے ہی واپس آجاتے، ہم نے کئی روز گزر جانے پر ان سے کہا کہ تم وقت ضائع کرتے ہو، وہ چُپ ہو گئے، جب کئی مرتبہ کہا تو کہنے لگے کہ تم نے دِق[7] ہی کر دیا، لاؤ تم نے کیا لکھا ہے، ہم نے اپنا مجموعہ[8] احادیث نکالا جو پندرہ ہزار (۱۵۰۰۰) حدیثوں سے زیادہ مقدار میں تھا، انھوں نے ان سب کو حفظ سنا دیا، ہم دنگ رہ گئے۔

حل لغات: (۱) نہ چھوٹے۔ (۲) خزانہ۔ (۳) شوق۔ (۴) لمبے۔ (۵) لکھی ہوئی کتابیں۔ (۶) لکھا۔ (۷) پریشان۔ (۸) ذخیرہ۔

⑩ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا انصاری کے پاس جانا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وِصالؔ[1] کے بعد، میں نے ایک انصاری سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو وصال ہوگیا، ابھی تک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی جماعت موجود ہے، آؤ اُن سے پوچھ پوچھ کر مسائل یاد کریں۔ اُن انصاری نے کہا: کیا ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے ہوتے ہوئے بھی لوگ تم سے مسئلہ پوچھنے آئیں گے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی جماعت موجود ہے، غرض ان صاحب نے تو ہمت کی نہیں، میں مسائل کے پیچھے پڑ گیا اور جن صاحب کے متعلق بھی مجھے علم ہوتا کہ فلاں حدیث انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے ان کے پاس جاتا اور تحقیق کرتا۔ مجھے مسائل کا بہت بڑا ذخیرہ انصار سے ملا۔ بعض لوگوں کے پاس جاتا اور معلوم ہوتا کہ وہ سو رہے ہیں، تو اپنی چادر وہیں چوکھٹ پر رکھ کر انتظار میں بیٹھ جاتا، گو ہَوا سے منھ پر اور بدن پر مٹی بھی پڑتی رہتی، مگر میں وہیں بیٹھا رہتا، جب وہ اُٹھتے تو جس بات کو معلوم کرنا تھا وہ دریافت کرتا۔ وہ حضرات کہتے بھی کہ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہو کر کیوں تکلیف کی؟ مجھے بُلا لیتے، مگر میں کہتا کہ میں علم حاصل کرنے والا ہوں، اس لیے میں ہی حاضر ہونے کا زیادہ مستحق تھا۔ بعض حضرات پوچھتے کہ تم کب سے بیٹھے ہو؟ میں کہتا: بہت دیر سے، وہ کہتے کہ تم نے بُرا کیا، مجھے اطلاع کر دیتے۔ میں کہتا: میرا دل نہ چاہا کہ تم میری وجہ سے اپنی ضروریات سے فارغ ہونے سے پہلے آؤ، حتیٰ کہ ایک وقت میں یہ نوبتؔ[2] بھی آئی کہ لوگ علم حاصل کرنے کے واسطے میرے پاس جمع ہونے لگے، تب اُن انصاری صاحب کو بھی قلقؔ[3] ہوا، کہنے لگے کہ یہ لڑکا ہم سے زیادہ ہوشیار تھا۔ [دارمی]

فائدہ: یہی چیز تھی، جس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے وقت میں ''حَبرُ الاُمّۃ'' اور ''بَحرُ العِلم'' کا لقب دلوایا۔ جب اُن کا وصال ہوا تو طائف میں تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحب زادہ ''محمدؒ'' نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور فرمایا کہ اس امت کا امام ربّانی آج رخصت ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما آیتوں کے شانِ نزولؔ[4] جاننے میں سب سے ممتازؔ[5] ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُن کو علماء کی ممتاز صف میں جگہ دیتے تھے۔ یہ سب اسی جاں فشانیؔ[6] کا ثمرہ تھا، ورنہ اگر یہ صاحبزادگیؔ[7] کے زعمؔ[8] میں رہتے، تو یہ مراتبؔ[9] کیسے حاصل ہوتے۔

⑪ علم کی عظمت اور اس کے آداب

خود آقائے نامدار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جن سے علم حاصل کرو، ان کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ''۔

بخاری میں مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص پڑھنے میں حیا کرے یا تکبر کرے، وہ علم حاصل نہیں کرسکتا۔

حل لغات: ① انتقال۔ ② حالت۔ ③ افسوس۔ ④ قرآن کی آیتوں کے اترنے کا موقع۔ ⑤ جدا، الگ۔ ⑥ کوشش۔ ⑦ بڑے کی اولاد۔ ⑧ گھمنڈ، غرور۔ ⑨ مرتبے۔

حضرت علی کَرَّمَ اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے مجھ کو ایک حرف بھی پڑھا دیا، میں اس کا غلام ہوں، خواہ وہ مجھے آزاد کردے یا بیچ دے۔ یحییٰ بن کثیرؒ کہتے ہیں کہ علم تن پروری[1] کے ساتھ حاصل نہیں ہوتا۔ امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ جو شخص علم کو بے دلی اور استغنا[2] کے ساتھ حاصل کرے، وہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔ ہاں! جو شخص خاکساری[3] اور تنگ دستی[4] کے ساتھ حاصل کرنا چاہے، وہ کامیاب ہوسکتا ہے۔ مغیرہؒ کہتے ہیں کہ ہم لوگ اپنے استاد ابراہیمؒ سے ایسے ڈرتے تھے، جیسا کہ بادشاہ سے ڈرا کرتے ہیں۔ یحییٰ بن معینؒ بہت بڑے محدّث ہیں، امام بخاریؒ ان کے متعلق کہتے ہیں کہ محدثین کا جتنا احترام وہ کرتے تھے، اتنا کسی دوسرے کو کرتے میں نے نہیں دیکھا۔ امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ جو استاد کی قدر نہیں کرتا، وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ اس قصہ میں جہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اساتذہ کے ساتھ تواضع[5] اور انکساری معلوم ہوتی ہے، اس کے ساتھ ہی علم کا شغف[6] اور اہتمام بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کے پاس کسی حدیث کا ہونا معلوم ہوتا، فوراً جاتے، اس کو حاصل فرماتے، خواہ اس میں کتنی ہی مشقت، محنت اور تکلیف اُٹھانا پڑتی۔ اور حق یہ ہے کہ بے محنت اور مشقت کے علم تو درکنار، معمولی سی چیز بھی حاصل نہیں ہوتی اور یہ تو ضرب المثل[7] ہے: "مَنْ طَلَبَ الْعُلٰی سَهِرَ اللَّيَالِي" جو شخص بلند مرتبوں کا طالب ہوگا، راتوں کو جاگے گا۔

⑫ متفرق علمی کارنامے

حارث بن یزید، ابن شُبْرُمَہ، قَعْقَاع، مُغیرہ رحمہم اللہ، چاروں حضرات عشاء کی نماز کے بعد علمی بحث شروع کرتے، صبح کی اذان تک ایک بھی جدا نہ ہوتا۔ لیث بن سعدؒ کہتے ہیں کہ امام زہریؒ عشاء کے بعد باوضو بیٹھ کر حدیث کا سلسلہ شروع فرماتے، تو صبح کر دیتے۔ [دارمی]

دَراوَرْدیؒ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کو میں نے دیکھا کہ مسجد نبوی میں عشاء کے بعد سے ایک مسئلہ میں بحث شروع فرماتے اور وہ بھی اس طرح کہ نہ کوئی طعن[8] تشنیع ہوتی، نہ تغلیط[9] اور اسی حالت میں صبح ہوجاتی اور اسی جگہ صبح کی نماز پڑھتے۔ [مقدمہ]

ابنِ فُرات بغدادیؒ ایک محدّث ہیں، جب انتقال ہوا، تو اُٹھارہ صندوق[10] کتابوں کے چھوڑے؛ جن میں سے اکثر خود اپنے قلم کی لکھی ہوئی تھیں اور کمال یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک صحت[11] نقل اور عمدگی[12] ضبط کے اعتبار سے ان کا لکھا ہوا حجت[13] بھی ہے۔ ابن جوزیؒ مشہور محدث ہیں، تین سال کی عمر میں باپ نے مفارقت[14] کی، یتیمی کی حالت میں پرورش پائی؛ لیکن محنت کی حالت یہ تھی کہ جمعہ کی نماز کے علاوہ گھر سے دُور

حل لغات: ① عیش وآرام۔ ② بے پرواہی۔ ③ عاجزی۔ ④ غریبی۔ ⑤ عاجزی۔ ⑥ شوق۔ ⑦ کہاوت۔ ⑧ بُرا بھلا کہنا۔ ⑨ کسی کو غلط کہنا۔ ⑩ پیٹی۔ ⑪ صحیح لکھنا۔ ⑫ اچھے طریقے سے محفوظ کرنا۔ ⑬ دلیل۔ ⑭ انتقال ہوگیا۔

نہیں جاتے تھے۔ ایک مرتبہ منبر پر کہا کہ میں نے اپنی ان انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں، ڈھائی سو سے زیادہ خود ان کی اپنی تصنیفات ہیں۔ کہتے ہیں کہ کوئی وقت ضائع نہیں جاتا تھا، چار جز روزانہ لکھنے کا معمول تھا۔ درس کا یہ عالم تھا کہ مجلس میں بعض مرتبہ ایک لاکھ سے زیادہ شاگردوں کا اندازہ کیا گیا، اُمَراء[1]، وُزَراء[2]، سلاطین[3] تک مجلسِ درس میں حاضر ہوتے تھے۔ ابن جوزیؒ خود کہتے ہیں کہ ایک لاکھ آدمی مجھ سے بیعت ہوئے اور بیس ہزار میرے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں۔ اس سب کے باوجود شیعوں کا زور تھا، اس وجہ سے تکلیفیں بھی اُٹھانا پڑیں۔ [تذکرہ] احادیث لکھنے کے وقت میں قلموں کا تراشہ جمع کرتے رہتے تھے۔ مرنے کے وقت وصیت کی تھی کہ میرے نہانے کا پانی اسی سے گرم کیا جائے۔ کہتے ہیں کہ صرف غسلِ میت کے پانی گرم کرنے ہی کے لیے کافی نہ تھا، بلکہ گرم کرنے کے بعد بچ بھی گیا تھا۔

یحییٰ بن مَعینؒ حدیث کے مشہور استاذ ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ان ہاتھوں سے دس لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔ ابنِ جَریر طَبَریؒ مشہور مؤرخ ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے احوال[4] کے ماہر، چالیس سال تک ہمیشہ چالیس ورق روزانہ لکھنے کا معمول تھا۔ ان کے انتقال پر شاگردوں نے روزانہ کی لکھائی کا حساب لگایا، تو بلوغ کے بعد سے مرنے تک چودہ ورق روزانہ کا اوسط[5] نکلا۔ ان کی تاریخ مشہور ہے، عام طور سے ملتی ہے، جب اس کی تصنیف[6] کا ارادہ ظاہر کیا، تو لوگوں سے پوچھا کہ تمام عالم کی تاریخ سے تو تم لوگ بہت خوش ہوگے؟ لوگوں نے پوچھا کہ اندازاً کتنی بڑی ہوگی؟ کہنے لگے کہ تقریباً تیس ہزار ورق پر آئے گی۔ لوگوں نے کہا: اس کے پورا کرنے سے پہلے عمریں فنا[7] ہو جائیں گی۔ کہنے لگے کہ إِنَّا لِلّٰهِ ہمتیں پست ہوگئیں۔ اس کے بعد مختصر کیا اور تقریباً تین ہزار (۳۰۰۰) ورق پر لکھی۔ اسی طرح ان کی تفسیر کا بھی قصہ ہوا، وہ بھی مشہور ہے اور عام طور سے ملتی ہے۔

دارِ قطنیؒ حدیث کے مشہور مُصنّف ہیں۔ حدیث حاصل کرنے کے لیے بغداد، بَصرہ، کوفہ، واسط، مصر اور شام کا سفر کیا۔ ایک مرتبہ استاذ کی مجلس میں بیٹھے تھے، استاذ پڑھ رہے تھے اور یہ کوئی کتاب نقل کر رہے تھے؛ ایک ساتھی نے اعتراض کیا کہ تم دوسری طرف متوجہ ہو، کہنے لگے کہ میری اور تمہاری توجہ میں فرق ہے۔ بتاؤ استاذ نے اب تک کتنی حدیثیں سنائیں؟ وہ سوچنے لگے، دارِ قُطنیؒ نے کہا کہ شیخ نے اُٹھارہ (۱۸) حدیثیں سنائی ہیں، پہلی یہ تھی، دوسری یہ تھی، اسی طرح ترتیب[8] وار سب کی سب مع[9] سند کے سُنا دیں۔

حافظ اَثرمؒ ایک محدِّث ہیں۔ احادیث کے یاد کرنے میں بڑے مشّاق[10] تھے۔ ایک مرتبہ حج کو تشریف لے گئے، وہاں خراسان کے دو بڑے استاذِ حدیث آئے ہوئے تھے اور حرم شریف میں دونوں علیحدہ علیحدہ

حل لغات: (۱) مالدار لوگ۔ (۲) وزیر لوگ۔ (۳) بادشاہ۔ (۴) حالات۔ (۵) درمیانی حساب۔ (۶) لکھنا۔ (۷) ختم۔ (۸) ایک کے بعد دوسری۔ (۹) ساتھ۔ (۱۰) ماہر۔

درس دے رہے تھے، ہر ایک کے پاس پڑھنے والوں کا ایک بڑا مجمع موجود تھا، یہ دونوں کے درمیان میں بیٹھ گئے اور دونوں کی حدیثیں ایک ہی وقت میں لکھ ڈالیں۔

عبداللہ بن مبارکؒ مشہور محدّث ہیں۔ حدیثیں حاصل کرنے میں ان کی محنتیں مشہور ہیں۔ خود کہتے ہیں کہ میں نے چار ہزار [4000] اُستاذوں سے حدیث حاصل کی ہے۔ علی بن الحسنؒ کہتے ہیں کہ ایک رات سخت سردی تھی، میں اور ابن مبارکؒ مسجد سے عشاء کے بعد نکلے، دروازہ پر ایک حدیث میں گفتگو شروع ہوگئی، میں بھی کچھ کہتا رہا، وہ بھی فرماتے رہے۔ وہیں کھڑے کھڑے صبح کی اذان ہوگئی۔ حُمَیدیؒ ایک مشہور محدث ہیں، جنھوں نے بخاری اور مسلم کی احادیث کو ایک جگہ جمع بھی کیا ہے، رات بھر لکھتے تھے اور گرمی کے موسم میں جب گرمی بہت ستاتی، تو ایک لگن[1] میں پانی بھر لیتے اور اس میں بیٹھ کر لکھتے، سب سے الگ رہتے تھے، شاعر بھی ہیں، ان کے شعر ہیں:

لِقَاءُ النَّاسِ لَيْسَ يُفِيْدُ شَيْئًا   سِوَى الْهَذْيَانِ مِنْ قِيْلٍ وَّقَالٍ

فَـأَقْلِلْ مِـنْ لِقَاءِ النَّاسِ إِلَّا   لِأَخْذِ الْعِلْمِ أَوْ إِصْلَاحِ حَالٍ

ترجمہ: لوگوں کی ملاقات کچھ فائدہ نہیں دیتی، بجز[2] قیل وقال[3] کی بکواس کے، اس لیے لوگوں کی ملاقات کم کر، بجز اس کے کہ علم حاصل کرنے کے واسطے استاذ سے یا اصلاحِ نفس کے واسطے کسی شیخ سے ملاقات ہو۔

امام طَبَرانیؒ مشہور محدث ہیں۔ بہت سی تصانیف فرمائی ہیں۔ کسی نے ان کی کثرتِ[4] تصانیف کو دیکھ کر پوچھا کہ کس طرح لکھیں؟ کہنے لگے کہ تیس [30] برس بوریے پر گزار دیے، یعنی رات دن بوریے پر پڑے رہتے تھے۔ ابو العبّاس شیرازیؒ کہتے ہیں کہ میں نے طبرانیؒ سے تین لاکھ [300000] حدیثیں لکھی ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ بڑی شدّت[5] کے ساتھ ناسخ اور منسوخ احادیث کی تحقیق فرماتے تھے۔ کُوفہ جو اس زمانہ میں علم کا گھر کہلاتا تھا، اس میں جتنے محدثین تھے، سب کی احادیث کو جمع فرمایا تھا اور جب کوئی باہر سے محدث آتے، تو شاگردوں کو حکم فرماتے کہ ان کے پاس کوئی ایسی حدیث ہو، جو اپنے پاس نہ ہو تو اس کی تحقیق کرو۔ ایک علمی مجلس امام صاحبؒ کے یہاں تھی، جس میں محدث، فقیہ، اہل لغت کا مجمع تھا۔ جب کوئی مسئلہ درپیش[6] ہوتا، تو اس مجلس میں اس پر بحث ہوتی اور بعض مرتبہ ایک ایک مہینہ بحث رہتی، اس کے بعد جب کوئی بات طے ہوتی، تو وہ مذہب قرار دی جاتی اور لکھ لی جاتی۔

امام ترمذیؒ کے نام سے کون ناواقف ہوگا۔ احادیث کا کثرت سے یاد کرنا اور یاد رکھنا، ان کی خصوصی شان تھی اور قوتِ حافظہ میں ضَرَبُ[7] المَثَل تھے۔ بعض محدثین نے اُن کا امتحان لیا اور چالیس [40] حدیثیں ایسی

حل لغات: (۱) بڑا برتن۔ (۲) سِوائے۔ (۳) اِدھر اُدھر کی بات۔ (۴) بہت ساری کتابیں۔ (۵) بڑی محنت۔ (۶) پیش آنا۔ (۷) مشہور۔

سنائیں جو غیر معروف[1] تھیں، امام ترمذیؒ نے فوراً سنا دیں۔ خود امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ میں نے مکہ مکرمہ کے راستے میں ایک شیخ کی احادیث کے دو جُزو نقل کیے تھے، اتفاق سے خود ان شیخ سے ملاقات ہوگئی، میں نے درخواست کی کہ وہ دونوں جزو احادیث کے، استاذ سے سُن بھی لوں، انھوں نے قبول کرلیا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ جزو میرے پاس ہیں، مگر استاد کی خدمت میں گیا تو بجائے ان کے دو سادے جُزو ہاتھ میں تھے۔ استاذ نے سنانا شروع کیا اتفاقاً ان کی نظر پڑی تو میرے ہاتھ میں دو سادے جزو تھے، ناراض ہوکر فرمایا: تمھیں شرم نہیں آتی؟ میں نے قصہ بیان کیا اور عرض کیا کہ آپ جو سناتے ہیں وہ مجھے یاد ہو جاتا ہے۔ اُستاد کو یقین نہ آیا، فرمایا: اچھا سناؤ، میں نے سب حدیثیں سنا دیں۔ فرمایا کہ یہ تم کو پہلے سے یاد ہوں گی۔ میں نے عرض کیا کہ اور نئی حدیثیں سنا دیجیے، انھوں نے چالیس[40] حدیثیں اَور سنا دیں میں نے ان کو بھی فوراً سنا دیا اور ایک بھی غلطی نہیں کی۔

مُحَدِّثینؒ نے جو جو محنتیں احادیث کے یاد کرنے میں، ان کو پھیلانے میں کی ہیں، اُن کا اِتّباع تو درکنار؛ ان کا شمار کرنا بھی مشکل ہے۔ قُرطُمہؒ ایک مُحدِّث ہیں، زیادہ مشہور بھی نہیں ہیں، ان کے ایک شاگرد داؤدؒ کہتے ہیں کہ لوگ ابوحاتمؒ وغیرہ کے حافظہ کا ذکر کرتے ہیں، میں نے قرطمہؒ سے زیادہ حافظ نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ میں ان کے پاس گیا، کہنے لگے کہ ان کتب میں سے جونسی دل چاہے اُٹھالو، میں سنادوں گا۔ میں نے کتابُ الاَشْرِبَہ اُٹھائی، وہ ہر باب کے اخیر سے اوّل کی طرف پڑھتے گئے اور پوری کتاب سنادی۔

ابوزُرعہؒ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ کو دس لاکھ[1000000] حدیثیں یاد تھیں۔ اسحاق بن رَاہُوَیہؒ کہتے ہیں کہ ایک لاکھ[100000] حدیثیں میں نے جمع کی ہیں اور تیس ہزار[30000] مجھے اَزبَر[2] یاد ہیں۔ خُفَافؒ کہتے ہیں کہ اسحاقؒ نے گیارہ ہزار[11000] حدیثیں اپنی یاد سے ہمیں لکھوائیں اور پھر ان کو نمبر وار سنایا، نہ کوئی حرف کم ہوا، نہ زیادہ۔

اَبوسعد اَصْبہانی بغدادیؒ سولہ[16] سال کی عمر میں اَبُونَصرؒ کی احادیث سننے کے لیے بغداد پہونچے، راستے میں اُن کے انتقال کی خبر سنی، بے ساختہ رو پڑے، چیخیں نکل گئیں کہ ان کی سَند کہاں ملے گی؟ اتنا رنج کہ رونے میں چیخیں نکل جائیں، جب ہی ہوسکتا ہے، جب کسی چیز کا عشق ہوجائے۔ ان کو مسلم شریف پوری حفظ یاد تھی اور حفظ ہی طلبہ کو لکھوایا کرتے تھے، گیارہ[11] حج کیے، جب کھانا کھانے بیٹھتے، تو آنکھوں میں آنسو بھر آتے۔ ابوعمر ضریرؒ پیدائشی نابینا تھے، مگر حُفَّاظِ حدیث میں شمار ہے، علم فقہ، تاریخ، فرائض، حساب میں کامل مہارت رکھتے تھے۔

ابوالحسینؒ اصبہانی کو بخاری شریف اور مسلم شریف دونوں یاد تھیں، بالخصوص بخاری شریف کا تو یہ حال تھا کہ جو کوئی سَنَدْ پڑھتا، اس کا مَتَنْ یعنی حدیث پڑھ دیتے اور جو متن پڑھتا، اس کی سند پڑھ دیتے

حل لغات: (۱) جس کو عام طور پر لوگ نہیں جانتے۔ (۲) زبانی۔

تھے۔ شیخ تقی الدین بَعْلَبَکِّیؒ نے چار مہینے میں مسلم شریف تمام حفظ کر لی تھی اور جَمْعُ بَیْنَ الصَّحِیْحَیْن کے بھی حافظ تھے۔ صاحبِ کرامات بزرگ تھے، قرآن پاک کے بھی حافظ تھے۔ کہتے ہیں کہ سورۂ انعام ساری ایک دن میں حفظ کر لی تھی۔ ابنُ السُّنِّیؒ امام نسائیؒ کے مشہور شاگرد ہیں۔ حدیث لکھنے میں اخیر تک مشغول رہے۔ اُن کے صاحب زادے کہتے ہیں کہ میرے والدؒ نے لکھتے لکھتے دوات میں قلم رکھا اور دونوں ہاتھ دُعا کے واسطے اُٹھائے اور اسی حال میں انتقال ہوگیا۔ علامہ ساجیؒ نے بچپن میں فقہ حاصل کیا، اس کے بعد علم حدیث کا شغل رہا۔ ''ہَرَاتْ'' میں دَس[۱۰] برس قیام کیا، جس میں چھ[۶] مرتبہ ترمذی شریف اپنے ہاتھ سے لکھی۔ ابن مَنْدَہؒ سے غَرائبِ شُعبہ پڑھ رہے تھے کہ اسی حال میں ابن مَنْدَہؒ کا عشاء کی نماز کے بعد انتقال ہوا، پڑھنے والے سے پڑھانے والے کا ولولہ علمی ہے کہ اخیر وقت تک پڑھاتے رہے۔

ابوعَمرو خُفَافؒ کو ایک لاکھ[۱۰۰۰۰۰] حدیثیں اَز بر[۱] تھیں۔ امام بخاریؒ کے استاذ عاصم بن علیؒ جب بغداد پہونچے، تو شاگردوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ اکثر ایک لاکھ[۱۰۰۰۰۰] سے زائد ہوجاتے تھے۔ ایک مرتبہ اندازہ لگایا گیا، تو ایک لاکھ بیس ہزار[۱۲۰۰۰۰] ہوئے۔ اسی وجہ سے بعض الفاظ کو کئی کئی مرتبہ کہنا پڑتا۔ ان کے ایک شاگرد کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ کو چودہ[۱۴] مرتبہ کہنا پڑا۔ ظاہر بات ہے کہ سَوا لاکھ[۱۲۵۰۰۰] آدمیوں کو آواز پہونچانے کے واسطے بعض لفظوں کو کئی کئی مرتبہ کہنا ہی پڑے گا۔ ابو مُسْلِم بَصَرِیؒ جب بغداد پہونچے، تو ایک بڑے میدان میں حدیث کا درس شروع ہوا، سات[۷] آدمی کھڑے ہو کر لکھواتے تھے، جس طرح عید کی تکبیریں کہی جاتی ہیں۔ سبق کے بعد دواتیں شمار کی گئیں تو چالیس ہزار[۴۰۰۰۰] سے زیادہ تھیں اور جو لوگ صرف سننے والے تھے وہ ان سے علیٰحدہ۔ فِرْیَابِیؒ کی مجلس میں اسی طرح لکھوانے والے تین سو سولہ[۳۱۶] تھے، اس سے مَجْمَعْ کا اندازہ اپنے آپ ہوجاتا ہے۔ اس محنت اور مشقت سے یہ پاک علم آج تک زندہ ہے۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے چھ لاکھ[۶۰۰۰۰۰] حدیثوں میں سے انتخاب کر کے بخاری شریف لکھی ہے، جس میں سات ہزار دو سو پچھتر[۷۲۷۵] حدیثیں ہیں اور ہر حدیث لکھتے وقت دو[۲] رکعت نفل نماز پڑھ کر حدیث لکھی ہے۔ جب یہ بغداد پہونچے، تو وہاں کے محدّثین نے ان کا امتحان لیا؛ اس طرح کہ دَس[۱۰] آدمی متعین ہوئے، ان میں سے ہر شخص نے دَس دَس[۱۰] حدیثیں چھانٹیں، جن کو بدل بدل کر ان سے پوچھا۔ یہ ہر سوال کے جواب میں ''مجھے معلوم نہیں'' کہتے رہے، جب دَس[۱۰] کے دَس[۱۰] پوچھ چکے، تو انھوں نے سب سے پہلے پوچھنے والے کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم نے سب سے پہلی حدیث یہ پوچھی تھی، تم نے اس طرح بیان کی یہ غلط ہے اور صحیح اس طرح ہے۔ دوسری حدیث یہ پوچھی تھی، وہ اس طرح تم نے بیان کی، یہ غلط ہے اور صحیح اس طرح ہے، غرض اسی طرح سَو[۱۰۰] کی سَو[۱۰۰] حدیثیں ترتیب وار بیان فرمادیں کہ ہر حدیث کو اوّل اس طرح

حل لغات: (۱) زبانی یاد۔

پڑھتے، جس طرح امتحان لینے والے نے پڑھا تھا، پھر کہتے کہ یہ غلط ہے اور صحیح اس طرح ہے۔
امام مسلمؒ نے چودہ ۱۴ برس کی عمر میں حدیث پڑھنا شروع کی تھی، اسی میں اخیر تک مشغول رہے۔ خود کہتے ہیں کہ میں نے تین لاکھ ۳۰۰۰۰۰ احادیث میں سے چھانٹ[۲] کر مسلم شریف تصنیف[۱] کی ہے، جس میں بارہ ہزار ۱۲۰۰۰ حدیثیں ہیں۔ امام ابو داوٗدؒ کہتے ہیں کہ میں نے پانچ لاکھ ۵۰۰۰۰۰ احادیث سنی ہیں، جن میں سے انتخاب[۲] کر کے سنن ابو داوٗد شریف تصنیف کی ہے، جس میں چار ہزار آٹھ سو ۴۸۰۰ حدیثیں ہیں۔ یوسف مِزّیؒ مشہور محدث ہیں، اَسماءِ رِجال[۳] کے امام ہیں۔ اول اپنے شہر میں فقہ اور حدیث حاصل کیا، اس کے بعد مکّہ مکرّمہ، مدینہ منوّرہ، حَلَبْ، حَمَاۃ، بَعْلَبَکْ وغیرہ کا سفر کیا۔ بہت سی کتابیں اپنے قلم سے لکھیں۔ ''تہذیبُ الکمال'' دوسو ۲۰۰ جلدوں میں تصنیف کی اور ''کتابُ الاَطراف'' اَسّی جلدوں سے زیادہ میں۔ ان کی عادتِ شریفہ تھی کہ اکثر چپ رہتے، بات کسی سے بہت ہی کم کرتے تھے، اکثر اوقات کتاب دیکھنے میں مشغول رہتے تھے، حاسدوں کی عداوت[۴] کا شکار بھی بنے؛ مگر انتقام[۵] نہیں لیا۔
ان حضرات کے حالات کا احاطہ دشوار ہے۔ بڑی بڑی کتابیں ان کے حالات اور جاں فَشانیوں[۶] کا احاطہ نہیں کر سکیں۔ یہاں نمونہ کے طور پر چند حضرات کے دو چار ۲،۴ واقعات کا ذکر اس لیے کیا، تاکہ یہ معلوم ہو کہ وہ علم حدیث جو آج ساڑھے تیرہ سو برس ۱۳۵۰ تک نہایت آب وتاب[۷] سے باقی ہے، وہ کس محنت اور جاں فَشانی سے باقی رکھا گیا ہے اور جو لوگ علم حاصل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، اپنے آپ کو ''طالب علم'' کہتے ہیں، وہ کتنی محنت اور مشقّت اس کے لیے گوارا کرتے ہیں۔ اگر ہم لوگ یہ چاہیں کہ ہم اپنی عیش وعشرت، راحت وآرام، سیر وتفریح اور دنیا کے دوسرے مشاغل[۸] میں لگے رہیں اور حضور ﷺ کے پاک کلام کا یہ شُیُوع[۹] اسی طرح باقی رہے؛ تو ''اِیں خیال اَست ومحال[۱۰] است وجُنوں'' کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے؟۔

نواں ۹ باب: حضور ﷺ کی فرماں برداری اور امتثالِ[۱۱] حکم اور یہ دیکھنا کہ حضور ﷺ کا منشا[۱۲] مبارک کیا ہے

ویسے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ہر فعل[۱۳] فرمانبرداری تھا اور گزشتہ قصوں سے بھی یہ بات خوب روشن ہے، لیکن خاص طور پر چند قصّے اس باب میں اس لیے ذکر کیے جاتے ہیں کہ ہم لوگ اپنی حالتوں کا، اس باب سے خاص طور سے مقابلہ کرکے دیکھیں کہ ہم اللہ کی اور اس کے رسول پاک ﷺ کے احکام کی فرماں

حل لغات: (۱) لکھنا۔ (۲) چھانٹنا۔ (۳) حدیث کے راویوں کی جانچ کا فن۔ (۴) دشمنی۔ (۵) بدلہ۔ (۶) کوششوں۔ (۷) چمک دمک۔ (۸) کاموں۔ (۹) پھیلنا۔ (۱۰) یہ صرف خیال ہے، ناممکن ہے اور پاگل پن ہے۔ (۱۱) حکم بجالانا۔ (۱۲) چاہت۔ (۱۳) کام۔

برداری کہاں تک کرتے ہیں؟ جس پر ہم لوگ ہر وقت اس کے بھی منتظر رہتے ہیں کہ وہ برکات، ترقیات اور ثمرات[1] جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوتے تھے، ہمیں بھی حاصل ہوں؛ اگر واقعی ہم لوگ اس چیز کے متمنّی[2] ہیں، تو ہمیں بھی وہ کرنا چاہیے جو وہ حضرات کر کے دکھلا گئے ہیں۔

① حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا چادر کو جلا دینا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفر میں ہم لوگ حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھ تھے، میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میرے اوپر ایک چادر تھی، جو کُسُم[3] کے رنگ میں ہلکی سی رَنگی ہوئی تھی، حضور ﷺ نے دیکھ کر فرمایا: یہ کیا اوڑھ رکھا ہے؟ مجھے اس سوال سے حضور ﷺ کی ناگواری کے آثار معلوم ہوئے، گھر والوں کے پاس واپس ہوا، تو انھوں نے چولھا جلا رکھا تھا، میں نے وہ چادر اس میں ڈال دی۔ دوسرے روز جب حاضری ہوئی، تو حضور ﷺ نے فرمایا: وہ چادر کیا ہوئی؟ میں نے قصہ سنا دیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عورتوں میں سے کسی کو کیوں نہ پہنا دی؟ عورتوں کے پہننے میں تو مضائقہ[4] نہ تھا۔　[ابوداؤد]

فائدہ: اگرچہ چادر کے جلا دینے کی ضرورت نہ تھی، مگر جس کے دل میں کسی کی ناگواری اور ناراضی کی چوٹ لگی ہوئی ہو، وہ اتنی سوچ کا متحمّل[5] ہی نہیں ہوتا کہ اس کی کوئی اور صورت بھی ہوسکتی ہے۔ ہاں! مجھ جیسا نالائق ہوتا، تو نہ معلوم کتنے احتمالات[6] پیدا کر لیتا کہ یہ ناگواری کس درجہ کی ہے اور دریافت تو کر لوں اور کوئی صورت اجازت کی بھی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور حضور ﷺ نے پوچھا ہی تو ہے، منع تو نہیں کیا وغیرہ وغیرہ۔

② انصاری کا مکان کو ڈھا دینا

حضورِ اقدس ﷺ ایک مرتبہ دولت کدہ[7] سے باہر تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں ایک قُبَّہ (گنبد دار حُجرہ) دیکھا، جو اونچا بنا ہوا تھا۔ ساتھیوں سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ فلاں انصاری نے قُبَّہ بنایا ہے۔ حضور ﷺ سن کر خاموش ہو رہے۔ کسی دوسرے وقت وہ انصاری حاضرِ خدمت ہوئے اور سلام کیا، حضور ﷺ نے اِعْراض[8] فرمایا، سلام کا جواب بھی نہ دیا۔ انھوں نے اس خیال سے کہ شاید خیال نہ ہوا ہو، دوبارہ سلام کیا، حضورِ اقدس ﷺ نے پھر بھی اعراض فرمایا اور جواب نہیں دیا، وہ اس کے کیسے متحمّل ہوسکتے تھے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو وہاں موجود تھے، دریافت کیا، پوچھا، تحقیق کیا کہ میں آج حضور ﷺ کی نظروں کو پھرا ہوا پاتا ہوں، خیر تو ہے؟ انھوں نے کہا کہ حضور ﷺ باہر تشریف لے گئے تھے، راستے میں تمہارا قُبَّہ دیکھا تھا اور دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا ہے؟ یہ سن کر وہ انصاری فوراً گئے اور اس کو توڑ کر ایسا زمین کی برابر کر دیا کہ نام و نشان بھی نہ رہا اور پھر آ کر عرض بھی نہیں کیا۔ اتفاقاً حضور ﷺ ہی کا اس جگہ کسی دوسرے موقع پر گزر ہوا، تو دیکھا کہ وہ

حل لغات: ① فائدے۔ ② تمنا کرنے والے، خواہش کرنے والے۔ ③ ایک سرخ رنگ کا پھول جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں۔ ④ حرج۔ ⑤ برداشت کرنے والا۔ ⑥ شک وشبہ۔ ⑦ مکان۔ ⑧ منہ پھیر لیا۔

قُبَّہ وہاں نہیں ہے۔ دریافت فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ انصاری نے آنحضرت ﷺ کے اِعْرَاض کا، کئی روز ہوئے ذکر کیا تھا، ہم نے کہہ دیا تھا کہ تمہارا قُبَّہ دیکھا ہے، انھوں نے آ کر اس کو بالکل توڑ دیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر تعمیر[1] آدمی پر وبال ہے، مگر وہ تعمیر جو سخت ضرورت اور مجبوری کی ہو۔ [ابوداؤد]

فائدہ: یہ کمالِ عشق کی باتیں ہیں، ان حضرات کو اس کا تحمل ہی نہیں تھا کہ چہرۂ انور کو رنجیدہ[2] دیکھیں یا کوئی شخص اپنے سے حضور ﷺ کی گِرانی[3] کو محسوس کرے۔ اُن صحابی نے قُبَّہ کو گرایا اور پھر یہ بھی نہیں کہ گرانے کے بعد جتانے کے طور پر آ کر کہتے کہ آپ کی خوشی کے واسطے گرا دیا، بلکہ جب حضور ﷺ کا خود ہی اتفاق سے اُدھر کو تشریف لے جانا ہوا، تو ملاحظہ[4] فرمایا۔ حضور ﷺ کو تعمیر میں روپے کا ضائع کرنا خاص طور سے ناگوار[5] تھا۔ بہت سی احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے۔ خود ازواجِ مُطَہَّرات کے مکانات کھجور کی ٹہنیوں کے ٹٹّے[6] تھے، جن پر ٹاٹ کے پردے پڑے رہتے تھے، تاکہ اجنبی نگاہ اندر نہ جا سکے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کہیں سفر میں تشریف لے گئے، حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو کچھ ثَروت[7] حاصل تھی، انھوں نے اپنے مکان پر بجائے ٹٹوں کے کچّی اینٹیں لگالیں۔ واپسی پر جب حضور ﷺ نے ملاحظہ فرمایا، تو دریافت کیا کہ یہ کیا کیا؟ انھوں نے عرض کیا کہ اس میں بے پردگی کا احتمال[8] رہتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بدترین چیز جس میں آدمی کا روپیہ خرچ ہو، تعمیر ہے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مَیں اور میری والدہ اپنے مکان کی ایک دیوار کو جو خراب ہو گئی تھی، درست کر رہے تھے۔ حضور ﷺ نے ملاحظہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ موت اس دیوار کے گرنے سے زیادہ قریب ہے۔ [ابوداؤد]

③ صحابہ رضی اللہ عنہم کا سُرخ[9] چادروں کو اُتارنا

حضرت رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ سفر میں حضور اقدس ﷺ کے ہمرِکاب[10] تھے اور ہمارے اونٹوں پر چادریں پڑی ہوئی تھیں، جن میں سرخ ڈورے[11] تھے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں دیکھتا ہوں کہ یہ سرخی تم پر غالب ہوتی جاتی ہے۔ حضور ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا تھا کہ ہم لوگ ایک دم ایسے گھبرا کے اُٹھے کہ ہمارے بھاگنے سے اونٹ بھی اِدھر اُدھر بھاگنے لگے اور ہم نے فوراً سب چادریں اونٹوں سے اتار لیں۔ [ابوداؤد]

فائدہ: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں اس قسم کے واقعات کوئی اہمیت نہیں رکھتے، ہاں ہماری زندگی کے اعتبار سے ان پر تعجب ہوتا ہے۔ اُن حضرات کی عام زندگی ایسی ہی تھی۔ عُروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب صُلحِ حُدَیبیہ میں جس کا قصہ باب: ۱ ر کے: ۳ ر پر گزرا، کفّار کی طرف سے قاصد کی حیثیت سے آئے تھے، تو مسلمانوں کی حالت کا بڑی غور سے مطالعہ کیا تھا اور مکّہ واپس جا کر کفار سے کہا تھا کہ میں بڑے بڑے بادشاہوں کے

حل لغات: ① عمارت۔ ② ناراض۔ ③ ناراضگی۔ ④ دیکھا۔ ⑤ ناپسند۔ ⑥ کھجور کی ٹہنیوں سے بنے ہوئے چھپر۔ ⑦ مالداری۔ ⑧ خوف۔ ⑨ لال رنگ۔ ⑩ ساتھ۔ ⑪ دھاگے۔

یہاں قاصد[1] بن کر گیا ہوں، فارس ورُوم اور حَبَشہ کے بادشاہوں[2] سے ملا ہوں، میں نے کسی بادشاہ کے یہاں یہ بات نہیں دیکھی کہ اس کے درباری، اس کی اس قدر تعظیم[3] کرتے ہوں، جتنی محمد (ﷺ) کی جماعت اُن کی تعظیم کرتی ہے، کبھی اُن کا بَلْغَم زمین پر نہیں گرنے دیتی، وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ پر پڑتا ہے اور وہ اس کو منہ اور بدن پر مَل لیتا ہے، جب وہ کوئی حکم کرتے ہیں تو ہر شخص دوڑتا ہے کہ تعمیل کرے، جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کا پانی بدن پر مَلنے اور لینے کے واسطے ایسے دوڑتے ہیں، گویا آپس میں جنگ[3] وجَدل ہو جاوے گا اور جب وہ بات کرتے ہیں تو سب چُپ ہو جاتے ہیں، کوئی شخص ان کی طرف عظمت[4] کی وجہ سے نگاہ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔

④ حضرت وَائل رضی اللہ عنہ کا ذُباب کے لفظ سے بال کٹوا دینا

وَائل بن حُجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حاضر خدمت ہوا، میرے سَر کے بال بہت بڑھے ہوئے تھے، میں سامنے آیا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ذُباب ذُباب. میں یہ سمجھا کہ میرے بالوں کو ارشاد فرمایا۔ میں واپس گیا اور ان کو کٹوا دیا۔ جب دوسرے دن خدمت میں حاضری ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہیں نہیں کہا تھا، لیکن یہ اچھا کیا۔ [ابوداؤد]

فائدہ: ذُباب کے معنیٰ منحوس کے بھی ہیں اور بُری چیز کے بھی، یہ اشاروں پر مرمٹنے کی بات ہے کہ مَنشا[5] سمجھنے کے بعد خواہ وہ غلط ہی سمجھا ہو، اس کی تعمیل[6] میں دیر نہ ہوتی تھی۔ یہاں حضور ﷺ نے ارشاد ہی فرما دیا کہ تم کو نہیں کہا تھا، مگر یہ چونکہ اپنے متعلق سمجھے، اس لیے کیا مجال تھی کہ دیر ہوتی۔

ابتدائے[7] اسلام میں نماز میں بولنا جائز تھا، پھر منسوخ[8] ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حاضرِ خدمت ہوئے، حضور ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، انھوں نے حسبِ[9] معمول سلام کیا، چونکہ نماز میں بولنا منسوخ ہو چکا تھا، حضور نے جواب نہ دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے جواب نہ دینے سے نئی اور پرانی باتیں یاد آ کر مختلف خیالات نے مجھے آ گھیرا، کبھی سوچتا: فلاں بات سے ناراضی ہوئی، کبھی خیال کرتا کہ فلاں بات پیش آئی۔ آخر حضور ﷺ نے جب سلام پھیرا اور ارشاد فرمایا کہ نماز میں کلام کرنا منسوخ ہو گیا ہے، اس لیے میں نے سلام کا جواب نہیں دیا تھا، تب جان میں جان[10] آئی۔

⑤ حضرت سُہَیل بن حَنْظَلِیَّہ رضی اللہ عنہ کی عادت اور خُرَیم رضی اللہ عنہ کا بال کٹوا دینا

دمشق میں سہیل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ نامی ایک صحابی رہا کرتے تھے، جو نہایت یکسُو[11] تھے، بہت کم کسی سے ملتے جلتے تھے اور کہیں آتے جاتے نہ تھے، دن بھر نماز میں مشغول رہتے یا تسبیح اور وظائف میں، مسجد میں آتے جاتے۔ راستے میں حضرت اَبُوالدَّرْدَاء رضی اللہ عنہ پر جو مشہور صحابی ہیں؛ گذر

حل لغات: ① پیغام لے جانے والا۔ ② عزت۔ ③ لڑائی جھگڑا۔ ④ بزرگی۔ ⑤ چاہت۔ ⑥ حکم پورا کرنا۔ ⑦ شروع۔ ⑧ ختم۔ ⑨ عادت کے مطابق۔ ⑩ اطمینان ہوا۔ ⑪ لوگوں سے الگ رہنے والے۔

ہوتا۔ ابو الدّرداء رضی اللہ عنہ فرماتے کہ کوئی کلمۂ خیر سناتے جاؤ، تمھیں کوئی نقصان نہیں، ہمیں نفع ہوجائے گا، تو وہ کوئی واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا یا کوئی حدیث سنا دیتے۔ ایک مرتبہ اسی طرح جارہے تھے۔ ابو الدّرداء رضی اللہ عنہ نے معمول کے موافق درخواست کی کہ کوئی کلمۂ خیر سناتے جائیں۔ کہنے لگے کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خُرَیم اَسَدی اچھا آدمی ہے، اگر دو باتیں نہ ہوں، ایک: سر کے بال بہت بڑھے رہتے ہیں، دوسرے: لنگی ٹخنوں سے نیچے باندھتا ہے۔ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پہونچا، فوراً چاقو لے کر بال کانوں کے نیچے سے کاٹ دیے اور لنگی آدھی پنڈلی تک باندھنا شروع کر دی۔ [ابوداؤد]

فائدہ: بعض روایات میں آیا ہے کہ خود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ان دونوں باتوں کو ارشاد فرمایا اور انھوں نے قسم کھا کر کہا کہ اب سے نہ ہوں گی، مگر دونوں روایتوں میں کچھ اشکال[1] نہیں۔ یہ ہوسکتا ہے کہ خود ان سے بھی ارشاد فرمایا ہو اور غَیبَت[2] میں بھی ارشاد فرمایا ہو، جو سننے والے نے ان سے جا کر عرض کر دیا۔

⑥ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنے بیٹے سے نہ بولنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا تھا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دے دیا کرو۔ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے ایک صاحبزادہ نے عرض کیا کہ ہم تو اجازت نہیں دے سکتے، کیونکہ وہ اس کو آئندہ چل کر بہانہ بنالیں گی آزادی اور فساد و آوارگی[3] کا۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما بہت ناراض ہوئے، برا بھلا کہا اور فرمایا کہ میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سناؤں اور تو کہے کہ اجازت نہیں دے سکتے۔ اس کے بعد ہمیشہ کے لیے ان صاحبزادہ سے بولنا چھوڑ دیا۔ [مسلم، ابوداؤد]

فائدہ: صاحبزادہ کا یہ کہنا کہ فساد کا حِیلہ[4] بنالیں گی، اپنے زمانہ کی حالت کو دیکھ کر تھا۔ اسی وجہ سے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ کی عورتوں کا حال دیکھتے، تو ضرور عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع فرما دیتے، حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا زمانہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ زیادہ بعد کا نہیں، لیکن اس کے باوجود حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کو اس کا تحمّل نہیں ہوسکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو سن کر اس میں کوئی تردّد[5] یا تأمّل[6] کیا جائے اور صرف اس بات پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر انھوں نے انکار کیا، عمر بھر نہیں بولے۔ اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس میں دِقّتیں[7] اٹھانا پڑیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد کی اہمیت کی وجہ سے، جو ان کی جان تھی؛ مسجد سے روکنا بھی مشکل تھا اور زمانہ کے فساد کی وجہ سے جس کا اندیشہ اُسی وقت سے شروع ہوگیا تھا، اجازت بھی مشکل تھی۔ چنانچہ حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا جن کے کئی نکاح ہوئے، جن میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ہوا، وہ مسجد میں تشریف لے جاتی تھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو

حل لغات: ① اعتراض۔ ② غیر موجودگی۔ ③ بے حیائی۔ ④ بہانہ۔ ⑤ انکار۔ ⑥ سوچ بچار۔ ⑦ مشکلیں۔

گِراں[1] ہوتا تھا۔ کسی نے ان سے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ کو گراں ہوتا ہے، انھوں نے کہا کہ اگر ان کو گراں ہے، تو منع کر دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وِصال[2] کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا، اُن کو بھی یہ چیز گراں تھی، مگر روکنے کی ہمت نہ ہوئی، تو ایک مرتبہ عشاء کی نماز کے لیے یہ جہاں کو جاتی تھیں راستہ میں بیٹھ گئے اور جب یہ پاس کو گزریں تو ان کو چھیڑا، خاوند تھے اس لیے ان کو تو جائز تھا ہی، مگر ان کو خبر نہ ہوئی، اندھیرا تھا کہ یہ کون ہیں؟ اس کے بعد سے انھوں نے جانا چھوڑ دیا۔ دوسرے وقت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ مسجد میں کیوں جانا چھوڑ دیا؟ کہنے لگیں کہ اب زمانہ نہیں رہا۔

⑦ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کہ نمازِ قصر قرآن میں نہیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے پوچھا کہ قرآن شریف میں مقیم کی نماز کا بھی ذکر ہے اور خوف کی نماز کا بھی، مسافر کی نماز کا ذکر نہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ بِرَادر[3]زادہ! اللہ جلَّ شانہٗ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا، ہم لوگ انجان تھے، کچھ نہیں جانتے تھے، بس جو ہم نے اُن کو کرتے دیکھا ہے وہ کریں گے۔ [شفا]

فائدہ: مقصود یہ ہے کہ ہر مسئلہ کا صَراحۃً[4] قرآن شریف میں ہونا ضروری نہیں، عمل کے واسطے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جانا کافی ہے۔ خود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے قرآن شریف عطا ہوا اور اس کے برابر اور احکام دیے گئے، عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ پیٹ بھرے لوگ اپنے گدّوں پر بیٹھ کر کہیں گے کہ بس قرآن شریف کو مضبوط پکڑلو، جو اس میں احکام ہیں ان پر عمل کرو۔ [ابوداؤد]

فائدہ: پیٹ بھرے سے مراد یہ ہے کہ اس قسم کے فاسد[5] خیال، دولت کے نشہ سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔

⑧ حضرت ابنِ مُغَفَّلُ رضی اللہ عنہ کا خَذَف کی وجہ سے کلام چھوڑ دینا

عبداللہ بن مُغَفَّلُ رضی اللہ عنہ کا ایک نوعمر بھتیجا ''خَذَف'' سے کھیل رہا تھا۔ انھوں نے دیکھا اور فرمایا کہ برادرزادہ! ایسا نہ کرو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس سے فائدہ کچھ نہیں، نہ شکار ہو سکتا ہے، نہ دشمن کو نقصان پہونچایا جا سکتا ہے اور اتفاقاً کسی کے لگ جائے تو آنکھ پھوٹ جائے، دانت ٹوٹ جائے۔ بھتیجا کم عمر تھا، اس نے جب چچا کو غافل دیکھا تو پھر کھیلنے لگا، انھوں نے دیکھ لیا، فرمایا کہ میں تجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سناتا ہوں، تو پھر اسی کام کو کرتا ہے، خدا کی قسم! تجھ سے کبھی بات نہیں کروں گا، ایک دوسرے قصہ میں اس کے بعد ہے: خدا کی قسم! نہ تیرے جنازہ میں شریک ہوں گا، نہ تیری عیادت[6] کروں گا۔ [ابن ماجہ، دارمی]

فائدہ: ''خذف'' اس کو کہتے ہیں کہ انگوٹھے پر چھوٹی سی کنکری رکھ کر اس کو انگلی سے پھینک دیا جائے۔

حل لغات: ① ناپسند۔ ② انتقال۔ ③ بھتیجا۔ ④ صاف صاف۔ ⑤ غلط۔ ⑥ بیمار کی دیکھ بھال۔

بچوں میں عام طور سے اس طرح کھیلنے کا مرض ہوتا ہے، وہ ایسا تو ہوتا نہیں کہ اس سے شکار ہو سکے، ہاں آنکھ میں کسی کے اتفاقاً لگ جائے تو اُس کو زخمی کر ہی دے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کو اس کا تحمل[1] نہ ہو سکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنانے کے بعد بھی، وہ بچہ اس کام کو کرے۔ ہم لوگ صبح سے شام تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے ارشادات سنتے ہیں اور ان کا کتنا اہتمام کرتے ہیں؟ ہر شخص خود ہی اپنے متعلق فیصلہ کر سکتا ہے۔

⑨ حضرت حکیم بن حِزَام رضی اللہ عنہ کا سوال سے عہد

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کچھ طلب کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا، پھر کسی موقع پر کچھ مانگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مرحمت[2] فرما دیا، تیسری دفعہ پھر سوال کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ حکیم! یہ مال سبز[3] باغ ہے، ظاہر میں بڑی میٹھی چیز ہے، مگر اس کا دستور[4] یہ ہے کہ اگر یہ دل کے استغنا[5] سے ملے، تو اس میں برکت ہوتی ہے اور اگر طمع اور لالچ سے حاصل ہو، تو اس میں برکت نہیں ہوتی، ایسا ہو جاتا ہے (جیسے جُوْعُ الْبَقَر کی بیماری ہو) کہ ہر وقت کھائے جائے اور پیٹ نہ بھرے۔ حکیم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کے بعد اب کسی کو نہیں ستاؤں گا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں حکیم رضی اللہ عنہ کو بیت المال سے کچھ عطا فرمانے کا ارادہ کیا، انھوں نے انکار کر دیا، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں بار بار اصرار کیا، مگر انھوں نے انکار ہی فرما دیا۔ [بخاری]

فائدہ: یہی وجہ ہے کہ ہم لوگوں کے مالوں میں برکت نہیں ہوتی کہ لالچ اور طمع میں گھرے رہتے ہیں۔

⑩ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا جاسوسی کے لیے جانا

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خندق میں ہماری ایک طرف تو مکّہ کے کفار اور اُن کے ساتھ دوسرے کافروں کے بہت سے گروہ تھے، جو ہم پر چڑھائی کر کے آئے تھے اور حملہ کے لیے تیار تھے، اور دوسری طرف خود مدینہ منوّرہ میں بنُوْ قُرَیْظَہ کے یہود ہماری دشمنی پر تُلے ہوئے تھے، جن سے ہر وقت اندیشہ تھا کہ کہیں مدینہ منورہ کو خالی دیکھ کر وہ ہمارے اہل وعیال کو بالکل ختم نہ کر دیں۔ ہم لوگ مدینہ منورہ سے باہر لڑائی کے سلسلہ میں پڑے ہوئے تھے۔ منافقوں کی جماعت گھر کے خالی اور تنہا ہونے کا بہانہ کر کے اجازت لے کر اپنے گھروں کو واپس جا رہی تھی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر اجازت مانگنے والے کو اجازت مرحمت فرما دیتے تھے۔ اسی دوران میں ایک رات آندھی اس قدر شدت[6] سے آئی کہ نہ اس سے پہلے کبھی اتنی آئی، نہ اس کے بعد، اندھیرا اس قدر زیادہ کہ آدمی کو پاس والا آدمی تو کیا، اپنا ہاتھ بھی نظر نہ آتا تھا اور ہَوا اتنی سخت کہ اس کا شور بجلی کی طرح گرج رہا تھا۔ منافقین اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ ہم

حل لغات: ① برداشت۔ ② دینا۔ ③ ہرا بھرا۔ ④ قاعدہ۔ ⑤ بے پروائی۔ ⑥ تیزی۔

تین[۱] سو کا مجمع اسی جگہ تھا، حضورِ اقدس ﷺ ایک ایک کا حال دریافت فرمارہے تھے اور اس اندھیری میں ہر طرف تحقیقات فرمارہے تھے۔ اتنے میں میرے پاس کو حضور ﷺ کا گزر ہوا، میرے پاس نہ تو دشمن سے بچاؤ کے واسطے کوئی ہتھیار، نہ سردی سے بچاؤ کے لیے کوئی کپڑا، صرف ایک چھوٹی سی چادر تھی جو اوڑھنے میں گھٹنوں تک آتی تھی اور وہ بھی میری نہیں، بیوی کی تھی؛ میں اس کو اوڑھے ہوئے گھٹنوں کے بَل زمین سے چمٹا ہوا بیٹھا تھا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: کون ہے؟ میں نے عرض کیا: حذیفہ، مگر مجھ سے سردی کے مارے اٹھا بھی نہ گیا اور شرم کے مارے زمین سے چمٹ گیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اٹھ کھڑا ہو اور دشمنوں کے جتھے میں جا کر ان کی خبر لا کہ کیا ہو رہا ہے؟ میں اس وقت گھبراہٹ، خوف اور سردی کی وجہ سے سب سے زیادہ خستہ[۲] حال تھا، مگر تعمیلِ[۳] ارشاد میں اُٹھ کر فوراً چل دیا، جب میں جانے لگا تو حضور ﷺ نے دعا دی: اَللّٰهُمَّ احْفَظْهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ وَعَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَمِنْ فَوْقِهٖ وَمِنْ تَحْتِهٖ ”یا اللہ! آپ اس کی حفاظت فرمائیں سامنے سے اور پیچھے سے، دائیں سے اور بائیں سے، اوپر سے اور نیچے سے“۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا تھا، گویا مجھ سے خوف اور سردی بالکل ہی جاتی رہی اور ہر ہر قدم پر یہ معلوم ہوتا تھا، گویا گرمی میں چل رہا ہوں۔ حضور ﷺ نے چلتے وقت یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ کوئی حرکت نہ کر کے آئیو، چپ چاپ دیکھ کر آجاؤ کہ کیا ہو رہا ہے۔ میں وہاں پہونچا، تو دیکھا کہ آگ جل رہی ہے اور لوگ سینک رہے ہیں، ایک شخص آگ پر ہاتھ سینکتا ہے اور کوکھ[۴] پر پھیرتا ہے اور ہر طرف سے ”واپس چل دو، واپس چل دو“ کی آوازیں آرہی ہیں، ہر شخص اپنے قبیلہ والوں کو آواز دے کر کہتا ہے کہ واپس چلو اور ہوا کی تیزی کی وجہ سے چاروں طرف سے پتھر ان کے خیموں پر برس رہے تھے، خیموں کی رسّیاں ٹوٹتی جاتی تھیں اور گھوڑے وغیرہ جانور ہلاک ہو رہے تھے، ابوسفیان جو ساری جماعتوں کا اس وقت گویا سردار بن رہا تھا، آگ پر سینک رہا تھا، میرے دل میں آیا کہ موقع اچھا ہے اس کو نمٹاتا چلوں، ترکش[۵] سے تیر نکال کر کمان[۶] میں بھی رکھ لیا، مگر پھر حضور ﷺ کا ارشاد یاد آیا کوئی حرکت نہ کیجیو، دیکھ کر چلے آنا، اس لیے میں نے تیر کو ترکش میں رکھ دیا، ان کو شبہ ہو گیا، کہنے لگے: تم میں کوئی جاسوس ہے، ہر شخص اپنے برابر والے کا ہاتھ پکڑ لے، میں نے جلدی سے ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا: تو کون؟ وہ کہنے لگا سبحان اللہ! تو مجھے نہیں جانتا؟ میں فلاں ہوں، میں وہاں سے واپس آیا، جب آدھے راستہ پر تھا، تو تقریباً بیس (۲۰) سوار عمامہ باندھے ہوئے مجھے ملے، انھوں نے کہا: اپنے آقا سے کہہ دینا کہ اللہ نے دشمنوں کا انتظام کر دیا، بےفکر رہیں، میں واپس پہونچا تو حضور ﷺ ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے نماز پڑھ رہے تھے، یہ ہمیشہ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی گھبراہٹ کی بات پیش آتی، تو حضور ﷺ نماز کی طرف متوجہ ہو جایا

حل لغات: (۱) مجمع۔ (۲) پریشان۔ (۳) حکم پورا کرنا۔ (۴) پیٹ۔ (۵) تیر رکھنے کے تھیلے۔ (۶) تیر چلانے کا آلہ۔

کرتے تھے، نماز سے فراغت پر میں نے وہاں کا جو منظر دیکھا تھا عرض کر دیا، جاسوس کا قصّہ سن کر دَندانِ مبارک چمکنے لگے، حضور ﷺ نے مجھے اپنے پاؤں مبارک کے قریب لٹالیا اور اپنی چادر کا ذرا سا حصہ مجھ پر ڈال دیا، میں نے اپنے سینے کو حضور ﷺ کے تلوؤں سے چمٹالیا۔ [درمنثور]

فائدہ: ان ہی حضرات کا یہ حصّہ تھا اور ان ہی کو زیبا[1] تھا کہ اس قدر سختیوں اور دِقتوں[2] کی حالت میں بھی تعمیلِ ارشاد، تن من، جان مال، سب سے زیادہ عزیز تھی، اللہ جلّ شانہٗ بِلا اِستحقاق[3] اور بلا اَہلیت[4] مجھ ناپاک کو بھی ان کے اِتباع کا کوئی حصہ نصیب فرما دیں، تو زہے قسمت۔

دسواں باب: عورتوں کا دینی جذبہ

حقیقت یہ ہے کہ اگر عورتوں میں دین کا شوق اور نیک اعمال کا جذبہ پیدا ہو جائے، تو اولاد پر اس کا اثر ضروری ہے، اس کے برخلاف ہمارے زمانہ میں اولاد کو شروع ہی سے ایسے ماحول میں رکھا جاتا ہے، جس میں اس پر دین کے خلاف اثر پڑے یا کم از کم یہ کہ دین کی طرف سے بے توجہی پیدا ہو جائے، جب ایسے ماحول میں ابتدائی[5] زندگی گذرے گی، تو اس سے جو نتائج پیدا ہوں گے، وہ ظاہر ہیں۔

(۱) تسبیحاتِ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک شاگرد سے فرمایا کہ میں تمہیں اپنا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کا، جو حضور ﷺ کی سب سے زیادہ لاڈلی بیٹی تھیں، قصہ سناؤں؟ شاگرد نے کہا: ضرور، فرمایا کہ وہ اپنے ہاتھ سے چکّی پیستی تھیں، جس کی وجہ سے ہاتھ میں نشان پڑ گئے تھے اور خود پانی کی مَشک بھر کر لاتی تھیں، جس کی وجہ سے سینے پر مشک کی رسّی کے نشان پڑ گئے تھے اور گھر کی جھاڑو وغیرہ بھی خود ہی دیتی تھیں، جس کی وجہ سے تمام کپڑے میلے کچیلے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کے پاس کچھ غلام باندیاں آئیں، میں نے فاطمہ سے کہا کہ تم بھی جا کر حضور ﷺ سے ایک خدمتگار[6] مانگ لو، تاکہ تم کو کچھ مدد مل جاوے، وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، وہاں مجمع تھا اور شرم مزاج میں بہت زیادہ تھی، اس لیے شرم کی وجہ سے سب کے سامنے باپ سے بھی مانگتے ہوئے شرم آئی، واپس آ گئیں، دوسرے دن حضور اقدس ﷺ خود تشریف لائے، ارشاد فرمایا کہ فاطمہ! کل تم کس کام کے لیے گئی تھیں، وہ شرم کی وجہ سے چُپ ہو گئیں، میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ان کی یہ حالت ہے کہ چکّی کی وجہ سے ہاتھوں میں گٹّے پڑ گئے اور مشک کی وجہ سے سینہ پر رسّی کے نشان ہو گئے، ہر وقت کے کاروبار کی وجہ سے کپڑے میلے رہتے ہیں، میں نے ان سے کل کہا تھا کہ آپ کے پاس خادم آئے ہوئے

حل لغات: (۱) لائق۔ (۲) پریشانیوں۔ (۳) بغیر حق کے۔ (۴) بغیر صلاحیت کے۔ (۵) شروع کی۔ (۶) خادم، نوکر۔

ہیں، ایک یہ بھی مانگ لیں، اس لیے گئی تھیں۔ بعض روایات میں آیا ہے: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے اور علی کے پاس ایک ہی بسترہ ہے اور وہ بھی مینڈھے کی ایک کھال ہے، رات کو اس کو بچھا کر سو جاتے ہیں، صبح کو اُسی پر گھاس دانہ ڈال کر اونٹ کو کھلاتے ہیں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیٹی صبر کر، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی بیوی کے پاس دس[1] برس تک ایک ہی بچھونا (بسترہ) تھا، وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چُوغہ[1] تھا، رات کو اسی کو بچھا کر سو جاتے تھے، تُو تقویٰ حاصل کر اور اللہ سے ڈر اور اپنے پروردگار کا فریضہ ادا کرتی رہ اور گھر کے کاروبار کو انجام دیتی رہ اور جب سونے کے واسطے لیٹا کرے، تو سبحان اللہ تینتیس ۳۳ مرتبہ، الحمد للہ تینتیس ۳۳ مرتبہ اور اللہ اکبر چونتیس ۳۴ مرتبہ پڑھ لیا کر، یہ خادم سے زیادہ اچھی چیز ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: میں اللہ سے اور اس کے رسول سے راضی ہوں۔ [ابوداؤد]

فائدہ: یعنی جو اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی رضا میرے بارے میں ہو، مجھے بخوشی منظور ہے، یہ تھی زندگی دو جہان کے بادشاہ کی بیٹی کی، آج ہم لوگوں میں سے کسی کے پاس دو پیسہ ہو جائیں، تو اس کے گھر والے گھر کا کام کاج درکنار، اپنا کام بھی نہ کر سکیں، پاخانہ میں لوٹا بھی ماما[2] ہی رکھ کر آئے، اس واقعہ میں جو اوپر ذکر کیا گیا، صرف سونے کے وقت کا ذکر ہے۔ دوسری حدیثوں میں ہر نماز کے بعد تینتیس ۳۳ مرتبہ یہ تینوں کلمے اور ایک مرتبہ " لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ، لَاشَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ " بھی آیا ہے۔

② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا صدقہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں دو گونیں دِرہموں کی بھر کر پیش کی گئیں، جن میں ایک لاکھ سے زیادہ درہم تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے طَباق[3] منگایا اور ان کو بھر بھر کر تقسیم فرمانا شروع کر دیا اور شام تک سب ختم کر دیے، ایک درہم بھی باقی نہ چھوڑا، خود روزہ دار تھیں، افطار کے وقت باندی سے کہا کہ اِفطار کے لیے کچھ لے آؤ، وہ ایک روٹی اور زیتون کا تیل لائیں اور عرض کرنے لگیں: کیا اچھا ہوتا کہ ایک درہم کا گوشت ہی منگا لیتیں، آج ہم روزہ گوشت سے افطار کر لیتے، فرمانے لگیں: اب طعن[4] دینے سے کیا ہو، اس وقت یاد دلاتی تو میں منگا لیتی۔ [تذکرہ]

فائدہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں اس نوع[5] کے نذرانے، امیر مُعاوِیہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما وغیرہ حضرات کی طرف سے پیش کیے جاتے تھے، کیونکہ وہ زمانہ فُتُوحات[6] کی کثرت کا تھا، مکانوں میں غلّہ کی طرح سے اشرفیوں کے اَنبار[7] پڑے رہتے تھے اور اس کے باوجود اپنی زندگی نہایت سادہ اور نہایت معمولی گزاری جاتی تھی، حتیٰ کہ افطار کے واسطے بھی ماما کے یاد دِلانے کی ضرورت تھی۔ پچیس ۲۵۰۰۰ ہزار

حل لغات: ① جُبّہ۔ ② خادم۔ ③ بڑی تھالی۔ ④ ملامت کرنا۔ ⑤ قسم، طرح۔ ⑥ آمدنیوں، وُسعت۔ ⑦ ڈھیر۔

روپے کے قریب تقسیم کر دیا اور یہ بھی خیال نہ آیا کہ میرا روزہ ہے اور گوشت بھی منگانا ہے۔ آج کل اس قسم کے واقعات اتنے دور ہو گئے ہیں کہ خود واقعہ کے سچا ہونے میں تردّد[1] ہونے لگا، لیکن اس زمانہ کی عام زندگی جن لوگوں کی نظر میں ہے، اُن کے نزدیک یہ اور اس قسم کے سینکڑوں واقعات کچھ بھی تعجب کی چیز نہیں۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بہت سے واقعات اس کے قریب قریب ہیں۔ ایک دفعہ روزہ دار تھیں اور گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا، ایک فقیر نے آکر سوال کیا، خادمہ سے فرمایا کہ وہ روٹی اس کو دے دو، اس نے عرض کیا کہ افطار کے لیے گھر میں کچھ بھی نہیں، فرمایا: کیا مضائقہ[2] ہے؟ وہ روٹی اس کو دے دو، اس نے دے دی۔ [موطا] ایک مرتبہ ایک سانپ مار دیا، خواب میں دیکھا: کوئی کہتا ہے کہ تم نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا۔ فرمایا: اگر وہ مسلمان ہوتا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے یہاں نہ آتا، اس نے کہا: مگر پردے کی حالت میں آیا تھا، اس پر گھبرا کر آنکھ کھل گئی اور بارہ ہزار درہم، جو ایک آدمی کا خُون بَہا[3] ہوتے ہیں، صدقہ کیے۔ عُروہؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ ستر ہزار درہم صدقہ کیے اور اپنے کرتہ میں پیوند[4] لگ رہا تھا۔ [طبقات]

③ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو صدقہ سے روکنا

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے اور وہ ان سے بہت محبت فرماتی تھیں، انھوں نے ہی گویا بھانجے کو پالا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس فیاضی[5] سے پریشان ہو کر کہ خود تکلیفیں اُٹھائیں اور جو آئے وہ فوراً خرچ کر دیں، ایک دفعہ کہہ دیا کہ "خالہ کا ہاتھ کسی طرح روکنا چاہیے"، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی یہ فِقرَہ[6] پہونچ گیا، اس پر ناراض ہو گئیں کہ میرا ہاتھ روکنا چاہتا ہے اور ان سے "نہ بولنے کی" نذر[7] کے طور پر قسم کھالی، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو خالہ کی ناراضی کا بہت صدمہ ہوا، بہت سے لوگوں سے سفارش کرائی، مگر انھوں نے اپنی قسم کا عذر فرما دیا۔ آخر جب عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما بہت ہی پریشان ہوئے، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ننھیال کے دو حضرات کو سفارشی بنا کر ساتھ لے گئے، وہ دونوں حضرات اجازت لے کر اندر گئے، یہ بھی چھپ کر ساتھ ہو لیے، جب وہ دونوں پردہ کے پیچھے بیٹھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پردہ کے اندر بیٹھ کر بات چیت فرمانے لگیں، تو یہ جلدی سے پردہ میں چلے گئے اور جا کر خالہ سے لپٹ گئے اور بہت روئے اور خوشامد[8] کی، وہ دونوں حضرات بھی سفارش کرتے رہے اور مسلمان سے بولنا چھوڑنے کے متعلق، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات یاد دِلاتے رہے اور احادیث میں جو ممانعت اس کی آئی ہے، وہ سناتے رہے، جس کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان احادیث میں جو ممانعت اور مسلمان سے بولنا چھوڑنے پر جو عِتاب[9] وارد ہوا ہے، اس کی تاب[10] نہ لا سکیں اور رونے لگیں، آخر معاف فرما دیا اور

حل لغات: ① شک۔ ② حرج۔ ③ وہ رقم جو قاتل کی طرف سے مقتول کے وارثوں کو دی جائے۔ ④ وہ ٹکڑا جو پھٹے ہوئے کپڑے میں لگایا جائے۔ ⑤ سخاوت۔ ⑥ جملہ۔ ⑦ منت۔ ⑧ منانا۔ ⑨ وعید۔ ⑩ برداشت نہ کر سکنا۔

بولنے لگیں؛ لیکن اپنی اس قسم کے کفّارہ میں بار بار غلام آزاد کرتی تھیں، حتیٰ کہ چالیس غلام آزاد کیے اور جب بھی اس قسم کے توڑنے کا خیال آجاتا، اتنا روتیں کہ دوپٹہ تک آنسوؤں سے بھیگ جاتا۔ [بخاری]

فائدہ: ہم لوگ صبح سے شام تک کتنی قسمیں ایک سانس میں کھالیتے ہیں اور پھر اس کی کتنی پرواہ کرتے ہیں؟ اس کا جواب اپنے ہی سوچنے کا ہے، دوسرا شخص کون ہر وقت پاس رہتا ہے جو بتاوے؛ لیکن جن لوگوں کے یہاں اللہ کے نام کی وقعت ہے اور اللہ سے عہد کر لینے کے بعد پورا کرنا ضروری ہے؛ ان سے پوچھو کہ عہد کے پورا نہ ہونے سے دل پر کیا گزرتی ہے، اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب یہ واقعہ یاد آتا تھا، تو بہت زیادہ روتی تھیں۔

④ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حالت اللہ کے خوف سے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنی محبت تھی، وہ کسی سے مخفی نہیں، حتیٰ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ تو آپ نے فرمایا: عائشہ سے۔ اس کے ساتھ ہی مسائل سے اتنی زیادہ واقف تھیں کہ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم، مسائل کی تحقیق کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کو سلام کرتے تھے۔ جنت میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔ منافقوں نے آپ پر تُہمت لگائی، تو قرآن شریف میں آپ کی براءۃ نازل ہوئی، خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دس خصوصیات مجھ میں ایسی ہیں کہ کوئی دوسری بیوی ان میں شریک نہیں۔ ابنِ سعد رحمہ اللہ نے ان کو مفصّل نقل کیا ہے۔ صدقہ کی کیفیت پہلے قصّوں سے معلوم ہو ہی چکی، لیکن ان سب باتوں کے باوجود اللہ کے خوف کا یہ حال تھا: فرمایا کرتیں کہ کاش! میں درخت ہی ہوجاتی کہ تسبیح کرتی رہتی اور کوئی آخرت کا مطالبہ مجھ سے نہ ہوتا، کاش! میں پتھر ہوتی، کاش میں مٹی کا ڈَلا ہوتی، کاش میں پیدا ہی نہ ہوتی، کاش میں درخت کا پتہ ہوتی، کاش میں کوئی گھاس ہوتی۔ [ابن سعد]

فائدہ: اللہ کے خوف کا یہ منظر دوسرے باب کے پانچویں، چھٹے قصہ میں بھی گزر چکا ہے، ان حضرات کی یہ عام حالت تھی، اللہ سے ڈرنا انھیں کا حصہ تھا۔

⑤ حضرت اُمّ سَلَمہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کی دعا اور ہجرت

اُمّ المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت ابو سلمہ صحابی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، دونوں میں بہت ہی زیادہ محبت اور تعلق تھا، جس کا اندازہ اس قصہ سے ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے یہ سُنا ہے کہ اگر مرد اور عورت دونوں جنتی

حل لغات: ① چھپی ہوئی۔ ② ماہر۔ ③ خوشخبری۔ ④ صفائی۔ ⑤ تفصیل سے۔ ⑥ ڈھیلا۔ ⑦ شوہر۔

ہوں اور عورت مرد کے بعد، کسی سے نکاح نہ کرے، تو وہ عورت جنت میں اسی مرد کو ملے گی، (اگر عورت دوسرے خاوند سے نکاح کرلے تو اس میں دو حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ وہ دوسرے کو ملے گی اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اس کو اختیار دے دیا جاوے گا کہ جس خاوند کے پاس رہنا چاہے اس کو اختیار کرلیں، یہ دوسری حدیث زیادہ مشہور ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جن عورتوں کو دونوں خاوند برابر ہوں ان کے حق میں پہلی حدیث ہو اس بارہ میں بھی روایات مختلف ہیں کہ ہر شخص کو کتنی بیبیاں ملیں گی۔) اسی طرح اگر مرد دوسری عورت سے نکاح نہ کرے، تو وہی عورت اس کو ملے گی، اس لیے لاؤ ہم اور تم دونوں عہد کرلیں کہ ہم میں سے جو پہلے مَر جائے؛ دوسرا نکاح نہ کرے۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم میرا کہنا مان لوگی؟ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں تو اسی واسطے مشورہ کررہی ہوں کہ تمہارا کہنا مانوں۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تو میرے بعد تم نکاح کرلینا، پھر دعا کی کہ یا اللہ! میرے بعد اُم سلمہ کو مجھ سے بہتر خاوند عطا فرما، جو نہ اس کو رنج پہونچائے، نہ تکلیف دے۔ ابتدائے[1] اسلام میں دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی ہجرت ساتھ ہی کی، اس کے بعد وہاں سے واپسی پر مدینہ طیبہ کی ہجرت کی، جس کا مفصل قصہ خود اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ابوسلمہ نے ہجرت کا ارادہ کیا، تو اپنے اونٹ پر سامان لادا اور مجھے اور میرے بیٹے سلمہ کو سوار کرایا اور خود اونٹ کی نکیل[2] ہاتھ میں لے کر چلے، میرے میکے کے لوگوں بَنُومغیرہ نے دیکھ لیا، انھوں نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم اپنی ذات کے بارے میں تو آزاد ہوسکتے ہو، مگر ہم اپنی لڑکی کو تمہارے ساتھ کیوں جانے دیں؟ کہ یہ شہر در شہر پھرے، یہ کہہ کر اونٹ کی نکیل ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے چھین لی اور مجھے زبردستی واپس لے آئے۔ میری سسرال کے لوگ بنوعبدالاسد کو جو ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے، جب اس قصہ کی خبر ملی، تو وہ میرے میکہ والوں بَنُومُغِیرہ سے جھگڑنے لگے کہ تمھیں اپنی لڑکی کا تو اختیار ہے، مگر ہم اپنے لڑکے سلمہ رضی اللہ عنہ کو تمہارے پاس کیوں چھوڑدیں، جب کہ تم نے اپنی لڑکی کو اس کے خاوند کے پاس نہیں چھوڑا؟ اور یہ کہہ کر میرے لڑکے سلمہ رضی اللہ عنہ کو بھی مجھ سے چھین لیا، اب میں اور میرا لڑکا اور میرا شوہر تینوں جدا جدا ہوگئے، خاوند تو مدینہ چلے گئے، میں اپنے میکہ میں رہ گئی اور بیٹا اپنی ددھیال میں پہونچ گیا۔ میں روز میدان میں نکل جاتی اور شام تک رویا کرتی، اسی طرح پورا ایک سال مجھے روتے گزر گیا، میں نہ خاوند کے پاس جاسکی، نہ بچّہ مجھے مل سکا، ایک دن میرے ایک چچازاد بھائی نے میرے حال پر ترس کھا کر اپنے لوگوں سے کہا کہ تمھیں اس مِسْکِیْنَہ پر ترس نہیں آتا کہ اس کو بچہ اور خاوند سے تم نے جدا کر رکھا ہے، اس کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟ غرض میرے چچازاد بھائی نے کہہ سُن کر اس بات پر ان سب کو راضی کرلیا، انھوں نے مجھے اجازت دے دی کہ تُو اپنے خاوند کے پاس جانا چاہتی ہے تو چلی جا، یہ دیکھ کر بنوعَبدالاَسَد نے بھی مجھے لڑکا

حل لغات: (۱) شروع زمانہ۔ (۲) ناک میں ڈالی ہوئی رسی۔

دے دیا۔ میں نے ایک اونٹ تیار کیا اور بچہ گود میں لے کر اونٹ پر تنہا سوار ہو کر مدینہ کو چل دی، تین، چار میل چلی تھی کہ تنعیم[1] میں عثمان بن طلحہ مجھے ملے، مجھ سے پوچھا کہ اکیلی کہاں جا رہی ہو؟ میں نے کہا کہ اپنے خاوند کے پاس مدینہ جا رہی ہوں، انھوں کہا: کوئی تمہارے ساتھ نہیں؟ میں نے کہا: اللہ کی ذات کے سوا کوئی نہیں ہے، انھوں نے میرے اونٹ کی نکیل پکڑی اور آگے آگے چل دیے، خدا پاک کی قسم! مجھے عثمان سے زیادہ شریف آدمی کوئی نہیں ملا، جب اُترنے کا وقت ہوتا، وہ میرے اونٹ کو بٹھا کر خود علیحدہ درخت کی آڑ میں ہو جاتے، میں اُتر جاتی اور جب سوار ہونے کا وقت ہوتا، اونٹ کو سامان وغیرہ لاد کر میرے قریب بٹھا دیتے، میں اس پر سوار ہو جاتی اور وہ آ کر اس کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چلنے لگتے، اسی طرح ہم مدینہ منورہ پہونچے، جب قبا میں پہونچے، تو انھوں نے کہا کہ تمہارا خاوند یہیں ہے، اس وقت تک ابوسلمہ رضی اللہ عنہ قبا ہی میں مقیم تھے، عثمان مجھے وہاں پہونچا کر خود مکہ مکرمہ واپس ہو گئے، پھر کہا کہ خدا کی قسم! عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کریم اور شریف آدمی میں نے نہیں دیکھا اور اس سال میں جتنی مشقت اور تکلیف میں نے برداشت کی ہے، شاید ہی کسی نے کی ہو۔　[اُسد الغابہ]

فائدہ: اللہ پر بھروسہ کی بات تھی کہ تنہا ہجرت کے ارادہ سے چل دیں، اللہ جلَّ شانہٗ نے اپنے فضل سے ان کی مدد کا سامان مہیّا[2] کر دیا، جو اللہ پر بھروسہ کر لیتا ہے اللہ جلَّ شانہٗ اس کی مدد فرماتا ہے، بندوں کے دل اسی کے قبضہ میں ہیں۔ ہجرت کا سفر اگر کوئی مَحرم نہ ہو، تو تنہا بھی جائز ہے، بشرطیکہ ہجرت فرض ہو، اس لیے ان کے تنہا سفر پر شرعی اشکال نہیں۔

⑥ حضرت اُمِّ زِیاد رضی اللہ عنہا کی چند عورتوں کے ساتھ خیبر میں شرکت

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مردوں کو تو جہاد کی شرکت کا شوق تھا ہی، جس کے واقعات کثرت سے نقل کیے جاتے ہیں، عورتیں بھی اس چیز میں مردوں سے پیچھے نہیں تھیں، ہمیشہ مشتاق رہتی تھیں اور جہاں موقع مل جاتا، پہونچ جاتیں، اُمِّ زیاد رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ خیبر کی لڑائی میں ہم چھ عورتیں جہاد میں شرکت کے لیے چل دیں، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو ہم کو بلایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر غصہ کے آثار تھے، ارشاد فرمایا کہ تم کس کی اجازت سے آئیں اور کس کے ساتھ آئیں؟ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم کو اُون بُننا آتا ہے اور جہاد میں اس کی ضرورت پڑتی ہے، زخموں کی دوائیں بھی ہمارے پاس ہیں اور کچھ نہیں تو مجاہدین کو تیر ہی پکڑانے میں مدد دے دیں گے اور جو بیمار ہو گا اس کی دوا دارو کی مدد ہو سکے گی، ستّو وغیرہ گھولنے اور پلانے میں کام دے دیں گے؛ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھہر جانے کی اجازت دے دی۔　[ابوداؤد]

حل لغات: ① مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام۔ ② حاضر۔

فائدہ: حق تعالیٰ شانہٗ نے اس وقت عورتوں میں بھی کچھ ایسا وَلوَلہ[1] اور جُرأت[2] پیدا فرمائی تھی، جو آج کل مردوں میں بھی نہیں ہے، دیکھیے یہ سب اپنے شوق سے خود ہی پہونچ گئیں اور کتنے کام اپنے کرنے کے تجویز کر لیے۔ حُنین کی لڑائی میں اُم سلیم رضی اللہ عنہا باوجود یکہ حاملہ تھیں، عبداللہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ پیٹ میں تھے؛ شریک ہوئیں اور ایک خنجر ساتھ لیے رہتی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کس لیے ہے؟ عرض کیا کہ اگر کوئی کافر میرے پاس آئے گا، تو اس کے پیٹ میں بھونک دوں گی۔ اس سے پہلے اُحد وغیرہ کی لڑائی میں بھی یہ شریک ہوتی تھیں، زخمیوں کی دوا دارو، بیماروں کی خدمت کرتی تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ اور اُم سلیم رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ نہایت مستعدی[3] سے مشک بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں اور جب خالی ہو جاتی، تو پھر بھر لاتیں۔

⑦ حضرت اُمِّ حرام رضی اللہ عنہا کی غزوۃُ البحر میں شرکت کی تمنا

حضرت اُم حرام رضی اللہ عنہا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے ان کے گھر تشریف لے جاتے اور کبھی دوپہر وغیرہ کو وہیں آرام بھی فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر آرام فرما رہے تھے کہ مسکراتے ہوئے اُٹھے، اُم حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کس بات پر آپ مسکرا رہے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کے کچھ لوگ مجھے دکھلائے گئے، جو سمندر پر لڑائی کے ارادہ سے اس طرح سوار ہوئے، جیسے تختوں پر بادشاہ بیٹھے ہوں، اُمِّ حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! دعا فرما دیجیے کہ حق تعالیٰ شانہٗ مجھے بھی ان میں شامل فرما دیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بھی ان میں شامل ہو گی، اس کے بعد پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام فرمایا اور پھر مسکراتے ہوئے اُٹھے، اُمّ حرام رضی اللہ عنہا نے پھر مسکرانے کا سبب پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اسی طرح ارشاد فرمایا، اُم حرام رضی اللہ عنہا نے پھر وہی درخواست کی کہ یا رسول اللہ! آپ دعا فرماویں کہ میں بھی اُن میں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم پہلی جماعت میں ہو گی، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں امیر مُعَاویہ رضی اللہ عنہ نے جو شام کے حاکم تھے، جزائرِ قبرص پر حملہ کی اجازت چاہی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی، امیر مُعَاوِیہ رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر کے ساتھ حملہ فرمایا، جس میں اُم حرام رضی اللہ عنہا بھی اپنے خاوند[4] حضرت عُبَادہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ لشکر میں شریک ہوئیں اور واپسی پر ایک خچّر پر سوار ہو رہی تھیں کہ وہ بِدکا[5] اور یہ اس پر سے گِر گئیں، جس سے گردن ٹوٹ گئی اور انتقال فرما گئیں اور وہیں دفن کی گئیں۔ [بخاری]

فائدہ: یہ ولولہ تھا جہاد میں شرکت کا کہ ہر لڑائی میں شرکت کی دعا کراتی تھیں، مگر چونکہ ان دونوں لڑائیوں میں سے پہلی لڑائی میں انتقال فرمانا متعین تھا، اس لیے دوسری لڑائی میں شرکت نہ ہو سکی؛ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں شرکت کی دعا بھی نہ فرمائی تھی۔

حل لغات: ① شوق۔ ② ہمت۔ ③ چستی۔ ④ شوہر۔ ⑤ چونکا۔

⑧ حضرت اُمِّ سُلیم رضی اللہ عنہا کی لڑکے کے مرنے پر خاوند سے ہم بستری

اُم سلیم رضی اللہ عنہا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں، جو اپنے پہلے خاوند یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے والد کی وفات کے بعد بیوہ ہوگئی تھیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی پرورش کے خیال سے کچھ دنوں تک نکاح نہیں کیا تھا، اس کے بعد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا، جن سے ایک صاحبزادہ ابوعُمیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، جن سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کے گھر تشریف لے جاتے، تو ہنسی بھی فرمایا کرتے تھے، اتفاق سے ابوعمیر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا، اُمِّ سُلیم رضی اللہ عنہا نے ان کو نہلایا دھلایا، کفن پہنایا اور ایک چار پائی پر لٹا دیا، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا روزہ تھا، اُمِّ سُلَیم رضی اللہ عنہا نے ان کے لیے کھانا وغیرہ تیار کیا اور خود اپنے آپ کو بھی آراستہ کیا، خوشبو وغیرہ لگائی، رات کو خاوند آئے، کھانا وغیرہ بھی کھایا، بچہ کا حال پوچھا، تو انھوں نے کہہ دیا کہ اب تو سکون ہے، معلوم ہوتا ہے بالکل اچھا ہوگیا، وہ بےفکر ہوگئے، رات کو خاوند نے صحبت بھی کی، صبح کو جب وہ اُٹھے، تو کہنے لگیں کہ ایک بات دریافت کرنا تھی: اگر کوئی شخص کسی کو مانگی چیز دے دے، پھر وہ اسے واپس لینے لگے، تو واپس کر دینا چاہیے یا اسے روک لے، واپس نہ کرے؟ وہ کہنے لگے کہ ضرور واپس کر دینا چاہیے، روکنے کا کیا حق ہے؟ مانگی چیز کا تو واپس کرنا ہی ضروری ہے، یہ سن کر اُم سُلیم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ تمہارا لڑکا جو اللہ کی امانت تھا، وہ اللہ نے لے لیا، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو اس پر رنج[1] ہوا اور کہنے لگے کہ تم نے مجھ کو خبر بھی نہ کی؟ صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس سارے قصہ کو عرض کیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی اور فرمایا کہ شاید اللہ جلّ شانہٗ اس رات میں برکت عطا فرماویں۔ ایک انصاری کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت دیکھی کہ اس رات کے حمل سے عبداللہ بن ابی طلحہ پیدا ہوئے جن کے نو بچے ہوئے، سب نے قرآن شریف پڑھا۔ [بخاری، فتح]

فائدہ: بڑے صبر اور ہمت کی بات ہے کہ اپنا بچہ مر جائے اور ایسی طرح اس کو برداشت کرے کہ خاوند کو بھی محسوس نہ ہونے دے، چونکہ خاوند کا روزہ تھا، اس لئے خیال ہوا کہ خبر ہونے پر کھانا بھی مشکل ہوگا۔

⑨ حضرت اُمِّ حَبِیْبَہ رضی اللہ عنہا کا اپنے باپ کو بستر پر نہ بٹھانا

اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عبداللہ ابن جحش کے نکاح میں تھیں، دونوں خاوند بیوی ساتھ ہی مسلمان ہوئے اور حبشہ کی ہجرت بھی اِکٹھے ہی کی، وہاں جا کر خاوند مرتد[2] ہوگیا اور اسی حالتِ اِرتداد[3] میں انتقال کیا، حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے یہ بیوگی[4] کا زمانہ حبشہ ہی میں گذارا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں نکاح کا پیام بھیجا اور حبشہ کے بادشاہ کی معرفت[5] نکاح

حل لغات: ① افسوس۔ ② اسلام سے پھر گیا۔ ③ کفر کی حالت، بے دینی۔ ④ بیوہ ہونے کی حالت۔ ⑤ ذریعہ، واسطہ۔

ہوا، جیسا کہ باب کے ختم پر بیبیوں کے بیان میں آئے گا، نکاح کے بعد مدینہ طیبّہ تشریف لائیں، صلح کے زمانہ میں اُن کے باپ ابوسفیان مدینہ طیبّہ آئے کہ حضور ﷺ سے صلح کی مضبوطی کے لیے گفتگو کرنا تھی، بیٹی سے ملنے گئے، وہاں بستر بچھا ہوا تھا، اس پر بیٹھنے لگے تو حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے وہ بستر اُلٹ دیا، باپ کو تعجّب ہوا کہ بجائے بستر بچھانے کے، اس بچھے ہوئے کو بھی اُلٹ دیا، پوچھا کہ یہ بستر ہ، میرے قابل نہیں تھا، اس لیے لپیٹ دیا، یا میں بستر ہ کے قابل نہیں تھا؟ حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ اللہ کے پاک اور پیارے رسول ﷺ کا بستر ہے اور تم بوَجہ مشرک ہونے کے ناپاک ہو، اس پر کیسے بٹھا سکتی ہوں؟ باپ کو اس بات سے بہت رنج ہوا اور کہا کہ تم مجھ سے جدا ہونے کے بعد بُری عادتوں میں مبتلا ہو گئیں؛ مگر اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے دل میں حضور ﷺ کی جو عظمت تھی، اس کے لحاظ سے وہ کب اس کو گوارا[1] کر سکتی تھیں کہ کوئی ناپاک مشرک، باپ ہو یا غیر ہو؛ حضور ﷺ کے بستر پر بیٹھ سکے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ سے چاشت کی بارہ[12] رکعتوں کی فضیلت سُنی تو ہمیشہ ان کو پابندی سے نبھا دیا۔ ان کے والد بھی جن کا قصہ ابھی گذرا ہے، بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا، تو تیسرے دن خوشبو منگائی اور اس کو استعمال کیا اور فرمایا کہ مجھے نہ خوشبو کی ضرورت، نہ رغبت؛ مگر میں نے حضور اقدس ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ عورت کو جائز نہیں کہ خاوند کے علاوہ کسی پر تین[3] دن سے زیادہ سوگ[2] کرے، ہاں! خاوند کے لیے چار[4] مہینہ دس[10] دن ہیں؛ اس لیے خوشبو استعمال کرتی ہوں کہ سوگ نہ سمجھا جائے۔ جب خود اپنے انتقال کا وقت ہوا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے کہا کہ میرا تمہارا معاملہ سَوکَن[3] کا تھا اور سَوکنوں میں آپس میں کسی نہ کسی بات پر تھوڑی بہت رنجش ہو ہی جاتی ہے، اللہ مجھے بھی معاف فرماویں اور تمہیں بھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تمہیں سب معاف کرے اور درگذر فرمائیں، یہ سن کر کہنے لگیں کہ تم نے مجھے اس وقت بہت خوشی پہونچائی، اللہ تمہیں بھی خوش وخُرّم رکھے، اس کے بعد اسی طرح اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی آدمی بھیجا۔ [طبقات]

فائدہ: سَوکنوں کے جو تعلقات آپس میں ہوتے ہیں، وہ ایک دوسرے کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہا کرتیں، مگر ان کو یہ اہتمام تھا کہ دنیا کا جو معاملہ ہو، وہ یہیں نمٹ[5] جائے، آخرت کا بوجھ سر پر نہ رہے اور حضور ﷺ کی عظمت اور محبت کا اندازہ تو اس بستر ہ کے معاملہ سے ہو ہی گیا۔

(۱۰) حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا اِفک کے معاملہ میں صفائی پیش کرنا

اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا رشتہ میں حضور اقدس ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ شروع ہی زمانہ میں مسلمان ہو گئی تھیں، ابتداءً میں آپ کا نکاح حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ہوا، جو حضور ﷺ کے آزاد کیے ہوئے غلام تھے اور حضور ﷺ کے متبنّٰی بھی تھے، جس کو ''لے پالک'' کہتے ہیں، اسی

حل لغات: (۱) منظور، پسند۔ (۲) رنج وغم۔ (۳) شوہر کی دوسری بیوی۔ (۴) بگاڑ۔ (۵) ختم۔

وجہ سے زید بن محمد کہلاتے تھے، مگر حضرت زید رضی اللہ عنہ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نِباہ نہ ہو سکا، تو انھوں نے طلاق دے دی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ زمانۂ جاہلیت کی ایک رسم ٹوٹے، وہ یہ کہ متبنّٰی بالکل ہی بیٹے جیسا ہوتا ہے اور اس کی بیوی سے نکاح بھی نہ کرنا چاہیے؛ اس لیے اپنے نکاح کا پیام بھیجا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ اپنے رب سے مشورہ کرلوں، یہ کہہ کر وضو کیا اور نماز کی نیت باندھی کہ اللہ سے مشورہ بغیر میں کچھ جواب نہیں دیتی، جس کی برکت یہ ہوئی کہ اللہ جلّ شانہٗ نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کیا اور قرآن پاک کی آیت ﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝۳۷﴾ [سورۂ احزاب] (پس جب زید نے اپنی حاجت کو اس سے پورا کرلیا، تو ہم نے اس کو تمہارے نکاح میں دے دیا، تاکہ نہ رہے مؤمنین پر تنگی اپنے لے پالکوں کی بیبیوں کے بارہ میں، جبکہ وہ اپنی حاجت ان سے پوری کرچکیں اور اللہ کا حکم ہو کر ہی رہا) نازل ہوئی۔ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اس آیت کے نازل ہونے پر نکاح کی خوش خبری دی گئی، تو جس نے بشارت[1] دی تھی، اس کو وہ زیور نکال کر دے دیا جو وہ اس وقت پہن رہی تھیں اور خود سجدہ میں گر گئیں اور دو مہینے کے روزوں کی منّت مانی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اس بات پر بجا[2] طور پر فخر تھا کہ سب بیبیوں کا نکاح ان کے عزیز، رشتہ داروں نے کیا، مگر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح آسمان پر ہوا اور قرآن پاک میں نازل ہوا، اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مقابلہ کی نوبت بھی آجاتی تھی کہ ان کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ محبوبہ ہونے پر ناز تھا اور ان کو آسمان کے نکاح پر ناز تھا؛ لیکن اس کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت[3] کے قصہ میں، جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منجملہ اوروں کے، ان سے بھی دریافت کیا تو انھوں نے عرض کیا کہ میں عائشہ میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتی۔ یہ تھی سچی دینداری، ورنہ یہ وقت سوکن کے الزام لگانے کا تھا اور خاوند کی نگاہ سے گرانے کا، بالخصوص اس سوکن کے جو لاڈلی بھی تھی؛ مگر اس کے باوجود زور سے صفائی کی اور تعریف کی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بڑی بزرگ تھیں، روزے بھی کثرت سے رکھتی تھیں اور نوافل بھی کثرت سے پڑھتی تھیں، اپنے ہاتھ سے محنت بھی کرتی تھیں اور جو حاصل ہوتا تھا، اس کو صدقہ کردیتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال[4] کے وقت ازواجِ مطہّرات نے پوچھا کہ ہم میں سب سے پہلے آپ سے کون سی بیوی ملے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا ہاتھ لمبا ہو۔ وہ لکڑی لے کر ہاتھ ناپنے لگیں؛ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ ہاتھ کے لمبا ہونے سے، بہت زیادہ خرچ کرنا مراد تھا، چنانچہ سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہی کا وصال ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ازواجِ مطہّرات کی تنخواہ مقرر فرمائی اور ان کے پاس ان کے حصّے کا مال بارہ ہزار درہم بھیجے، تو یہ سمجھیں کہ یہ سب کا ہے، فرمانے لگیں کہ

حل لغات: (۱) خوشخبری۔ (۲) صحیح، درست۔ (۳) غلط الزام۔ (۴) انتقال۔

تقسیم کے لیے تو اور بیبیاں زیادہ مناسب تھیں، قاصد نے کہا کہ یہ سب آپ ہی کا حصّہ ہے اور تمام سال کے لیے ہے، تو تعجب سے کہنے لگیں: سبحان اللہ! اور منھ پر کپڑا اڈال لیا کہ اس مال کو دیکھیں بھی نہیں، اس کے بعد فرمایا کہ حُجرہ کے کونہ میں ڈال دیا جائے اور اس پر ایک کپڑا اڈلوادیا، پھر برزہ رحمۃ اللہ علیہا سے فرمایا (جو اس قصہ کو نقل کر رہی ہیں) کہ اس میں سے ایک مُٹھی بھر کر فلاں کو دے آؤ اور ایک مٹھی فلاں کو، غرض رشتہ دار اور غریبوں، بیواؤں کو ایک ایک مٹھی تقسیم کر دیا، اس میں جب ذرا سا رہ گیا تو برزہ رحمۃ اللہ علیہا نے بھی خواہش ظاہر کی فرمایا کہ جو کپڑے کے نیچے رہ گیا، وہ تم لے جاؤ، وہ کہتی ہیں کہ میں نے جو رہ گیا تھا وہ لے لیا اور لے کر گنا تو چورا[۱]سی درہم تھے۔ اس کے بعد دونوں ہاتھ اُٹھا کر دعا کی کہ یا اللہ! آئندہ سال یہ مال مجھے نہ ملے کہ اس کے آنے میں بھی فتنہ ہے، چنانچہ دوسرے سال کی تنخواہ آنے سے پہلے ہی اُن کا وِصَال ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی کہ وہ بارہ ہزار تو ختم کر دیے گئے، تو انھوں نے ایک ہزار اور بھیجے کہ اپنی ضرورتوں میں خرچ کریں، انھوں نے وہ بھی اُسی وقت تقسیم کر دیے۔ باوجود کثرتِ فتوحات[۱] کے، انتقال کے وقت نہ کوئی درہم چھوڑا نہ مال، صرف وہ گھر ترکہ[۲] تھا جس میں رہتی تھیں۔ صدقہ کی کثرت کی وجہ سے مَأوی المُساکین (مساکین کا ٹھکانا) ان کا لقب تھا۔ [طبقات] ایک عورت کہتی ہیں کہ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے یہاں تھی اور ہم گیرو[۳] سے کپڑے رنگنے میں مشغول تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، ہم کو رنگتے ہوئے دیکھ کر واپس تشریف لے گئے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو خیال پیدا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیز ناگوار ہوئی، سب کپڑوں کو جو رنگے تھے فوراً دھوڈالا، دوسرے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، جب دیکھا کہ وہ رنگ کا منظر نہیں ہے، تو اندر تشریف لائے۔ [ابوداؤد]

فائدہ: عورتوں کو بِالخُصُوص مال سے جو محبت ہوتی ہے، وہ بھی مخفی[۴] نہیں اور رنگ وغیرہ سے جو اُنس[۵] ہوتا ہے، وہ بھی محتاج بیان نہیں؛ لیکن وہ بھی آخر عورتیں تھیں جو مال کا رکھنا جانتی ہی نہ تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمولی سا اشارہ پا کر سارا رنگ دھوڈالا۔

(۱۱) حضرت خَنْسَاء رضی اللہ عنہا کی اپنے چا[۱]ر بیٹوں سَمیت جنگ میں شرکت

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا مشہور شاعرہ ہیں، اپنی قوم کے چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ آ کر مسلمان ہوئیں۔ ابنِ اثیرؒ کہتے ہیں کہ اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی عورت نے ان سے بہتر شعر نہیں کہا، نہ ان سے پہلے، نہ ان کے بعد۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ۱۶ھ میں قادِسِیَّہ کی لڑائی ہوئی، جس میں خنساء رضی اللہ عنہا اپنے چاروں بیٹوں سمیت شریک ہوئیں۔ لڑکوں کو ایک دن پہلے بہت نصیحت کی اور لڑائی کی شرکت پر بہت اُبھارا، کہنے لگیں کہ میرے بیٹو! تم اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے

حل لغات: (۱) بہت زیادہ وسعت۔ (۲) مرنے کے بعد انسان کی چھوڑی ہوئی چیزیں۔ (۳) ایک قسم کی لال مٹی۔ (۴) چھپی ہوئی۔ (۵) محبت۔

ہو اور اپنی ہی خوشی سے تم نے ہجرت کی، اُس ذات کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ جس طرح تم ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہو، اسی طرح ایک باپ کی اولاد ہو، میں نے نہ تمہارے باپ سے خیانت کی، نہ تمہارے ماموں کو رُسوا[1] کیا، نہ میں نے تمہاری شرافت میں کوئی دَھبّہ لگایا، نہ تمہارے نسب کو میں نے خراب کیا، تمہیں معلوم ہے کہ اللہ جلَّ شانہٗ نے مسلمانوں کے لیے کافروں سے لڑائی میں کیا کیا ثواب رکھا ہے، تمہیں یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ آخرت کی باقی رہنے والی زندگی، دنیا کی فنا[2] ہو جانے والی زندگی سے کہیں بہتر ہے۔ اللہ جلَّ شانہٗ کا پاک ارشاد ہے: ﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝﴾ [سورۂ آل عمران] (اے ایمان والو! تکالیف پر صبر کرو (اور کفار کے مقابلہ میں) صبر کرو اور مقابلہ کے لیے تیّار رہو، تا کہ تم پورے کامیاب ہو)۔ [بیان القرآن] لہٰذا کل صبح کو جب تم صحیح و سالم اُٹھو، تو بہت ہوشیاری سے لڑائی میں شریک ہو اور اللہ تعالیٰ سے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد مانگتے ہوئے بڑھو اور جب تم دیکھو کہ لڑائی زور پر آ گئی اور اس کے شعلے[3] بھڑکنے لگے، تو اس کی گرم آگ میں گھس جانا اور کافروں کے سردار کا مقابلہ کرنا، ان شاء اللہ جنت میں اکرام کے ساتھ کامیاب ہو کر رہو گے۔ چنانچہ جب صبح کو لڑائی زوروں پر ہوئی، تو چاروں لڑکوں میں سے ایک ایک نمبر وار آگے بڑھتا تھا اور اپنی ماں کی نصیحت کو اشعار میں پڑھ کر اُمنگ[4] پیدا کرتا تھا اور جب شہید ہو جاتا تھا، تو اسی طرح دوسرا بڑھتا تھا اور شہید ہونے تک لڑتا رہتا تھا، بالآخر چاروں شہید ہوئے اور جب ماں کو چاروں کے مرنے کی خبر ہوئی، تو انھوں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ جس نے ان کی شہادت سے مجھے شرف[5] بخشا، مجھے اللہ کی ذات سے اُمّید ہے کہ اس کی رحمت کے سایہ میں ان چاروں کے ساتھ میں بھی رہوں گی۔ [اُسد الغابہ]

فائدہ: ایسی بھی اللہ کی بندی مائیں ہوتی ہیں، جو چاروں جوان بیٹوں کو لڑائی کی تیزی اور زور میں گُھس جانے کی ترغیب دیں اور جب چاروں شہید ہو جائیں اور ایک ہی وقت میں سب کام آ جائیں، تو اللہ کا شکر ادا کریں۔

⑫ حضرت صَفِیّہ رضی اللہ عنہا کا یہودی کو تنہا مارنا

حضرت صَفِیّہ رضی اللہ عنہا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن تھیں۔ اُحد کی لڑائی میں شریک ہوئیں اور جب مسلمانوں کو کچھ شکست ہوئی اور بھاگنے لگے، تو وہ بَرچھا[6] ان کے منہ پر مار مار کر واپس کرتی تھیں۔ غزوۂ خندق میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سب مستورات کو ایک قلعہ میں بند فرما دیا تھا اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بطور محافظ[7] کے چھوڑ دیا تھا، یہود کے لیے یہ موقع بہت غنیمت تھا کہ وہ تو اندرونی دشمن تھے ہی۔ یہود کی ایک جماعت نے عورتوں پر حملہ کا ارادہ کیا اور ایک یہودی حالات معلوم کرنے کے لیے قلعہ پر پہونچا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہیں سے دیکھ لیا، حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ

حل لغات: ① ذلیل۔ ② ختم۔ ③ لڑائی زور پر ہونا۔ ④ جوش۔ ⑤ عزت۔ ⑥ بھالا۔ ⑦ حفاظت کرنے والا۔

یہودی موقع دیکھنے آیا ہے، تم قلعہ سے باہر نکلو اور اس کو مار دو، وہ ضعیف[1] تھے، ضعف کی وجہ سے ان کی ہمت نہ ہوئی تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ایک خیمہ کا کھونٹا[2] اپنے ہاتھ میں لیا اور خود نکل کر اس کا سر کچل دیا، پھر قلعہ میں واپس آ کر حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ چوں کہ وہ یہودی مرد تھا، نامحرم ہونے کی وجہ سے میں نے اس کا سامان اور کپڑے نہیں اتارے، تم اس کے سب کپڑے اُتار لاؤ اور اس کا سر بھی کاٹ لاؤ۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ ضعیف تھے، جس کی وجہ سے اس کی بھی ہمت نہ فرما سکے، تو دوبارہ تشریف لے گئیں اور اس کا سَر کاٹ لائیں اور دیوار پر کو یہود کے مجمع میں پھینک دیا۔ وہ دیکھ کر کہنے لگے کہ ہم تو پہلے ہی سے سمجھتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عورتوں کو بالکل تنہا نہیں چھوڑ سکتے ہیں، ضرور ان کے محافظ مرد اندر موجود ہیں۔　[اُسد الغابہ]

فائدہ: ۲۰ھ میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا اس وقت ان کی عمر تہتّر (۷۳) سال کی تھی، اس لحاظ سے خندق کی لڑائی میں جو ۵ھ میں ہوئی، ان کی عمر اَٹھاون (۵۸) سال کی ہوئی۔ آج کل اس عمر کی عورتوں کو گھر کا کام بھی دوبھر[3] ہو جاتا ہے، چہ جائیکہ ایک مرد کا اس طرح تنہا قتل کر دینا اور ایسی حالت میں کہ یہ تنہا عورتیں اور دوسری جانب یہود کا مجمع۔

(۱۳) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا عورتوں کے اجر کے بارے میں سوال

اسماء بنت یزید انصاری صحابیہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں مسلمان عورتوں کی طرف سے بطور قاصد کے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں، بے شک آپ کو اللہ جلَّ شانہٗ نے مرد اور عورت دونوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا، اس لیے ہم عورتوں کی جماعت آپ پر ایمان لائی اور اللہ پر ایمان لائی؛ لیکن ہم عورتوں کی جماعت مکانوں میں گِھری رہتی ہے، پردوں میں بند رہتی ہے، مَردوں کے گھروں میں گڑی رہتی ہے اور مردوں کی خواہشیں ہم سے پوری کی جاتی ہیں، ہم ان کی اولاد کو پیٹ میں اٹھائے رہتی ہیں اور ان سب باتوں کے باوجود مرد بہت سے ثواب کے کاموں میں ہم سے بڑھے رہتے ہیں، جمعہ میں شریک ہوتے ہیں، جماعت کی نمازوں میں شریک ہوتے ہیں، بیماروں کی عیادت کرتے ہیں، جنازوں میں شرکت کرتے ہیں، حج پر حج کرتے رہتے ہیں اور اس سب سے بڑھ کر جہاد کرتے رہتے ہیں اور جب وہ حج کے لیے یا عمرہ کے لیے یا جہاد کے لیے جاتے ہیں، تو ہم عورتیں ان کے مالوں کی حفاظت کرتی ہیں، ان کے لیے کپڑا بُنتی ہیں، ان کی اولاد کو پالتی ہیں، کیا ہم ثواب میں ان کے شریک نہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ سُن کر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ تم نے دین کے بارے میں اس عورت سے بہتر سوال کرنے والی کوئی سُنی؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم کو خیال بھی نہ تھا کہ عورت بھی ایسا سوال

حل لغات: (۱) کمزور۔ (۲) وہ لوہا یا لکڑی جس میں خیمہ کو باندھا جاتا ہے۔ (۳) مشکل۔

کرسکتی ہے۔ اس کے بعد حضورِ اقدس ﷺ اسماء رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ غور سے سُن اور سمجھ، اور جن عورتوں نے تجھ کو بھیجا ہے ان کو بتا دے کہ عورت کا اپنے خاوند کے ساتھ اچھا بَرتاؤ کرنا اور اس کی خوشنودی[1] کو ڈھونڈھنا اور اس پر عمل کرنا، ان سب چیزوں کے ثواب کے برابر ہے۔ اسماء رضی اللہ عنہا یہ جواب سن کر نہایت خوش ہوتی ہوئی واپس ہوگئیں۔ [اُسد الغابہ]

فائدہ: عورتوں کا اپنے خاوندوں[2] کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور ان کی اطاعت وفرماں برداری کرنا بہت ہی قیمتی چیز ہے، مگر عورتیں اس سے بہت ہی غافل ہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ عجمی[3] لوگ اپنے بادشاہوں اور سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں، آپ اس کے زیادہ مستحق[4] ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کیا کریں۔ حضورِ اقدس ﷺ نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر میں اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنے کا حکم کرتا، تو عورتوں کو حکم کرتا کہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں، پھر حضور ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ عورت اپنے رب کا حق اس وقت تک ادا نہیں کرسکتی، جب تک کہ خاوند کا حق ادا نہ کرے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک اونٹ آیا اور حضور ﷺ کو سجدہ کیا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ جب یہ جانور آپ کو سجدہ کرتا ہے، تو ہم زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں، حضور ﷺ نے منع فرمایا اور یہی ارشاد فرمایا کہ اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ کسی کو اللہ کے سوا سجدہ کرے تو عورت کو حکم کرتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو عورت ایسی حالت میں مرے کہ خاوند اس سے راضی ہو، وہ جنت میں جائے گی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر عورت خاوند سے ناراض ہوکر علیحدہ رات گذارے، تو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ دو آدمیوں کی نماز قبولیت کے لیے آسمان کی طرف اتنی بھی نہیں جاتی کہ سر سے اوپر ہی ہوجائے، ایک: وہ غلام جو اپنے آقا سے بھاگا ہوا اور ایک: وہ عورت کہ جو خاوند کی نافرمانی کرتی ہو۔

⑭ حضرت اُمِّ عُمَارہ رضی اللہ عنہا کا اسلام اور جنگ میں شرکت

حضرت اُمِّ عُمَارہ انصاریہ رضی اللہ عنہا ان عورتوں میں ہیں، جو اسلام کے شروع زمانہ میں مسلمان ہوئیں اور بَیْعَۃُ الْعَقَبَہ میں شریک ہوئیں، عقبہ کے معنی گھاٹی[5] کے ہیں۔ حضور ﷺ اَوّل چھپ کر مسلمان کرتے تھے، کیوں کہ مشرک وکافر لوگ نومسلموں کو سخت تکلیف پہونچاتے تھے، مدینہ کے کچھ لوگ حج کے زمانہ میں آتے تھے اور مِنیٰ کے پہاڑ میں ایک گھاٹی میں چھپ کر مسلمان ہوتے تھے۔ تیسری مرتبہ جو لوگ مدینہ سے آئے ہیں، ان میں یہ بھی تھیں۔ ہجرت کے بعد جب لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ اکثر لڑائیوں میں شریک ہوئیں بالخصوص اُحد، حُدَیبیہ، خیبر، عُمرۃُ القضا، حُنَین اور یَمامہ

حل لغات: ① خوشی۔ ② شوہروں۔ ③ عربی لوگوں کے علاوہ۔ ④ حق دار۔

کی لڑائی میں۔ اُحد کی لڑائی کا قصّہ خود ہی سناتی ہیں کہ میں مشکیزہ پانی کا بھر کر اُحد کو چل دی کہ دیکھوں مسلمانوں پر کیا گذری اور کوئی پیاسا زخمی ملا، تو پانی پلا دوں گی۔ اس وقت ان کی عمر تینتالیس[۴۳] برس کی تھی۔ ان کے خاوند اور دو بیٹے بھی لڑائی میں شریک تھے، مسلمانوں کو فتح اور غلبہ ہو رہا تھا، مگر تھوڑی دیر میں جب کافروں کو غلبہ ظاہر ہونے لگا، تو میں حضور ﷺ کے قریب پہنچ گئی اور جو کافر ادھر کا رخ کرتا تھا، اُس کو ہٹاتی تھی۔ ابتدا[۱] میں ان کے پاس ڈھال بھی نہ تھی، بعد میں ملی، جس پر کافروں کا حملہ روکتی تھیں۔ کمر پر ایک کپڑا باندھ رکھا تھا، جس کے اندر مختلف چیتھڑے[۲] بھرے ہوئے تھے، جب کوئی زخمی ہو جاتا، تو ایک چیتھڑا نکال کر جلا کر اس زخم میں بھر دیتیں۔ خود بھی کئی جگہ سے زخمی ہوئیں، بارہ، تیرہ جگہ زخم آئے، جن میں ایک بہت سخت تھا۔ اُم سعید رحمۃ اللہ علیہا کہتی ہیں کہ میں نے ان کے مونڈھے پر ایک بہت گہرا زخم دیکھا، میں نے پوچھا کہ یہ کس طرح پڑا تھا؟ کہنے لگیں کہ اُحد کی لڑائی میں جب لوگ اِدھر اُدھر پریشان پھر رہے تھے، تو ابنِ قَمِیَّہ یہ کہتا ہوا بڑھا کہ محمد (ﷺ) کہاں ہیں؟ مجھے کوئی بتا دو کہ کدھر ہیں؟ اگر آج وہ بچ گئے، تو میری نجات نہیں۔ مُصعب بن عُمیر رضی اللہ عنہ اور چند آدمی اس کے سامنے آ گئے، جن میں مَیں بھی تھی، اس نے میرے مونڈھے پر وار کیا، میں نے بھی کئی وار کیے، مگر اس پر دوہری[۳] زِرہ[۴] تھی، اس لیے زرہ سے حملہ رک جاتا تھا۔ یہ زخم ایسا سخت تھا کہ سال بھر تک علاج کیا، مگر اچھا نہ ہوا۔ اسی دوران میں حضور ﷺ نے حَمْرَاءُ الاَسَد کی لڑائی کا اعلان فرما دیا، اُم عُمارہ رضی اللہ عنہا بھی کمر باندھ تیّار ہو گئیں، مگر چوں کہ پہلا زخم بالکل ہرا تھا، اس لیے شریک نہ ہو سکیں۔ حضور ﷺ جب حمراء الاسَد سے واپس آئے، تو سب سے پہلے اُم عُمارہ رضی اللہ عنہا کی خیریت معلوم کی اور جب معلوم ہوا کہ افاقہ ہے، تو بہت خوش ہوئے۔ اس زخم کے علاوہ اُحد کی لڑائی میں اور بھی بہت سے زخم آئے تھے۔ اُمّ عُمارہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اصل میں وہ لوگ گھوڑے سوار تھے اور ہم پیدل تھے، اگر وہ بھی ہماری طرح سے پیدل ہوتے جب بات تھی، اس وقت اصل مقابلہ کا پتہ چلتا، جب کوئی گھوڑے پر آتا اور مجھے مارتا، تو اس کے حملوں کو میں ڈھال پر روکتی رہتی اور جب وہ مجھ سے منھ موڑ کر دوسری طرف چلتا تو میں اس کے گھوڑے کی ٹانگ پر حملہ کرتی اور وہ کٹ جاتی، جس سے وہ بھی گرتا اور سوار بھی گرتا اور جب وہ گرتا تو حضور ﷺ میرے لڑکے کو آواز دے کر میری مدد کے لیے بھیجتے، میں اور وہ دونوں مل کر اس کو نمٹا دیتے۔ ان کے بیٹے عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے بائیں بازو میں زخم آیا اور خون تھمتا[۵] نہ تھا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس پر پٹّی باندھ لو، میری والدہ آئیں، اپنی کمر سے کچھ کپڑا نکالا، پٹّی باندھی اور باندھ کر کہنے لگیں کہ جا کافروں سے مقابلہ کر۔ حضورِ اقدس ﷺ اس منظر کو دیکھ رہے تھے، فرمانے لگے: اُمّ عُمارہ! اتنی ہمت کون رکھتا ہوگا، جتنی تُو رکھتی ہے۔ حضورِ اقدس ﷺ نے اس دوران

حل لغات: (۱) شروع۔ (۲) کپڑے کے ٹکڑے۔ (۳) موٹی۔ (۴) لوہے کا کرتا جو لڑائی میں پہنتے ہیں۔ (۵) رُکتا نہ تھا۔

میں ان کو اور ان کے گھرانے کو کئی بار دُعائیں بھی دیں اور تعریف بھی فرمائی۔ اُم عمارہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اسی وقت ایک کافر سامنے آیا تو حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ یہی ہے، جس نے تیرے بیٹے کو زخمی کیا ہے۔ میں بڑھی اور اس کی پنڈلی پر وار کیا جس سے وہ زخمی ہوا اور ایک دم بیٹھ گیا، حضور ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ بیٹے کا بدلہ لے لیا۔ اس کے بعد ہم لوگ آگے بڑھے اور اس کو نمٹا[1] دیا۔ حضور ﷺ نے جب ہم لوگوں کو دعائیں دیں، تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! دُعا فرمایئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ جنت میں آپ کی رفاقت[2] نصیب فرمائیں، جب حضور ﷺ نے اس کی دعا فرمادی، تو کہنے لگیں کہ اب مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ دنیا میں مجھ پر کیا مصیبت گذری۔ اُحد کے علاوہ اور بھی کئی لڑائیوں میں ان کی شرکت اور کارنامے ظاہر ہوئے ہیں۔ حضورِ اقدس ﷺ کے وصال[3] کے بعد جب ارتداد[4] کا زور[5] شور ہوا اور یمامہ میں زبردست لڑائی ہوئی، اس میں بھی امّ عُمارہ رضی اللہ عنہا شریک تھیں، ان کا ایک ہاتھ بھی اس میں کٹ گیا تھا اور اس کے علاوہ گیارہ[11] زخم بدن پر آئے تھے، انہیں زخموں کی حالت میں مدینہ طیّبہ پہونچیں۔ [طبقات]

فائدہ: ایک عورت کے یہ کارنامے ہیں، جن کی عمر اُحد کی لڑائی میں تینتالیس[43] برس کی تھی، جیسا کہ پہلے گزرا اور یمامہ کی لڑائی میں تقریباً باوَن[52] برس کی، اس عمر میں ایسے معرکوں[6] کی اس طرح شرکت کرامت ہی کہی جاسکتی ہے۔

⑮ حضرت اُمِّ حکیم رضی اللہ عنہا کا اسلام اور جنگ میں شرکت

اُمّ حکیم بنت حارث رضی اللہ عنہا جو عِکرمہ ابن ابی جہل کی بیوی تھیں اور کفار کی طرف سے اُحد کی لڑائی میں بھی شریک ہوئی تھیں۔ جب مکّہ مکرمہ فتح ہوگیا، تو مسلمان ہوگئیں۔ خاوند سے بہت زیادہ محبت تھی، مگر وہ اپنے باپ کے اثر کی وجہ سے مسلمان نہیں ہوئے تھے اور جب مکّہ فتح ہوگیا، تو یمن بھاگ گئے تھے۔ انھوں نے حضور ﷺ سے اپنے خاوند کے لیے امن چاہا اور خود یمن پہونچیں۔ خاوند کو بڑی مشکل سے واپس آنے پر راضی کیا اور کہا کہ محمد ﷺ کی تلوار سے ان کے دامن ہی میں پناہ مل سکتی ہے، تم میرے ساتھ چلو۔ وہ مدینہ طیّبہ واپس آکر مسلمان ہوئے اور دونوں میاں بیوی خوش وخُرّم رہے۔ پھر حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جب روم کی لڑائی ہوئی، تو اس میں عکرمہ رضی اللہ عنہ بھی شریک ہوئے اور یہ بھی ساتھ تھیں۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اس میں شہید ہوگئے تو خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کرلیا اور اسی سفر میں مَرْجُ الصُّفَّرْ ایک جگہ کا نام ہے، وہاں رُخصتی کا ارادہ کیا۔ بیوی نے کہا کہ ابھی دشمنوں کا جمگھٹا[7] ہے، اس کو نمٹنے دیجیے۔ خاوند نے کہا: مجھے اس معرکہ[8] میں اپنے شہید ہونے کا یقین ہے، وہ بھی چپ ہوگئیں اور وہیں ایک منزل پر خیمہ میں رُخصتی ہوئی، صبح کو ولیمہ کا انتظام ہو ہی رہا تھا کہ

حل لغات: ① قتل کردینا۔ ② ساتھ۔ ③ انتقال۔ ④ اسلام سے پھر جانا۔ ⑤ تیزی سے پھیلنا۔ ⑥ جنگوں۔ ⑦ مجمع۔ ⑧ لڑائی۔

رومیوں کی فوج چڑھ آئی اور گھمسان[1] کی لڑائی ہوئی، جس میں خالد بن سعید رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ اُم حکیم رضی اللہ عنہا نے اس خیمہ کو اُکھاڑا جس میں رات گذری تھی اور اپنا سب سامان باندھا اور خیمہ کا کھونٹا لے کر خود بھی مقابلہ کیا اور سات آدمیوں کو تنِ تنہا قتل کیا۔ [اُسدالغابہ]

فائدہ: ہمارے زمانہ کی کوئی عورت تو درکنار، مرد بھی ایسے وقت میں نکاح کو تیار نہ ہوتا اور اگر نکاح ہو بھی جاتا، تو اس اچانک شہادت پر روتے روتے نہ معلوم کتنے دن سوگ[2] میں گذرتے، اس اللہ کی بندی نے خود بھی جہاد شروع کر دیا اور عورت ہو کر سات آدمیوں کو قتل کیا۔

⑯ حضرت سُمَیَّہ اُمِّ عمّار رضی اللہ عنہا کی شہادت

سُمَیَّہ بنت خَیَّاط رضی اللہ عنہا حضرت عمّار رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں، جن کا قصّہ پہلے باب کے ساتویں نمبر پر گذر چکا ہے۔ یہ بھی اپنے لڑکے حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور اپنے خاوند حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کی طرح اسلام کی خاطر قسم قسم کی تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کرتی تھیں، مگر اسلام کی سچی محبت جو دل میں گھر کر[3] چکی تھی، اس میں ذرا بھی فرق نہ آتا تھا۔ ان کو گرمی کے سخت وقت دھوپ میں کنکریوں پر ڈالا جاتا تھا اور لوہے کی زِرہ[4] پہنا کر دھوپ میں کھڑا کیا جاتا تھا، تاکہ دھوپ سے لوہا تپنے لگے اور اس کی گرمی سے تکلیف میں زیادتی ہو۔ حضور اقدس ﷺ کا ادھر کو گذر ہوتا، تو صبر کی تلقین فرماتے اور جنت کا وعدہ فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت سُمَیَّہ رضی اللہ عنہا کھڑی تھیں کہ ابوجہل کا ادھر کو گذر ہوا، بُرا بھلا کہا اور غصہ میں برچھا شرمگاہ پر مارا، جس کے زخم سے انتقال فرما گئیں۔ اسلام کی خاطر سب سے پہلی شہادت انہیں کی ہوئی۔ [اُسدالغابہ]

فائدہ: عورتوں کا اس قدر صبر، ہمّت اور اِستِقلال[5] قابلِ رشک[6] ہے، لیکن بات یہ ہے کہ جب آدمی کے دل میں کوئی چیز گھر کر جاتی ہے، تو اس کو ہر بات سہل ہو جاتی ہے۔ اب بھی عشق کے بیسیوں قصّے اس قسم کے سننے میں آتے ہیں کہ جان دے دی، مگر یہی جان دینا اگر اللہ کے راستہ میں ہو، دین کی خاطر ہو، تو دوسری زندگی میں جو مرنے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتی ہے، سُرخ[7] رُوئی کا سبب ہے اور اگر کسی دنیاوی غرض سے ہو، تو دنیا تو گئی تھی ہی، آخرت بھی برباد ہوئی۔

⑰ حضرت اَسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کی زندگی اور تنگی

حضرت اَسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سوتیلی بہن، مشہور صحابیات میں ہیں۔ شروع ہی میں مسلمان ہو گئیں تھیں۔ کہتے ہیں کہ سترہ[1] آدمیوں کے بعد یہ مسلمان ہوئی تھیں۔ ہجرت سے ستائیس[2] سال پہلے پیدا ہوئیں اور جب حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہجرت کے بعد مدینہ طیّبہ پہونچ گئے، تو حضرت زید رضی اللہ عنہ وغیرہ کو

حل لغات: ① زبردست۔ ② غم۔ ③ بسنا۔ ④ لوہے کا لباس۔ ⑤ جماؤ۔ ⑥ تمنا کیے جانے کے لائق۔ ⑦ کامیابی۔

بھیجا کہ ان دونوں حضرات کے اہل وعیال[1] کو لے آئیں، ان کے ساتھ ہی حضرت اَسماء رضی اللہ عنہا بھی چلی آئیں، جب قُبا میں پہونچیں تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور ہجرت کے بعد سب سے پہلی پیدائش ان کی ہوئی۔ اس زمانہ کی عام غربت، تنگ دستی، فقر وفاقہ مشہور ومعروف ہے اور اس کے ساتھ ہی اس زمانہ کی ہمت، جفا[2] کشی، بہادری، جرأت ضَرب[3] المثل ہیں۔ بخاری میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا طرزِ زندگی[4] خود ان کی زبان سے نقل کیا ہے: فرماتی ہیں کہ جب میرا نکاح زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوا، تو ان کے پاس نہ مال تھا، نہ جائداد، نہ کوئی خادم کام کرنے والا، نہ کوئی اور چیز، ایک اونٹ پانی لاد کر لانے والا اور ایک گھوڑا، میں ہی اونٹ کے لیے گھاس وغیرہ لاتی تھی اور کھجور کی گُٹھلیاں کُوٹ کر دانہ کے طور پر کھلاتی تھی، خود میں پانی بھر کر لاتی اور پانی کا ڈول پھٹ جاتا، تو اس کو آپ ہی سیتی تھی اور خود ہی گھوڑے کی ساری خدمت، گھاس دانہ وغیرہ کرتی تھی اور گھر کا سارا کاروبار بھی انجام دیتی تھی؛ مگران سب کاموں میں گھوڑے کی خبر گیری اور خدمت میرے لیے زیادہ مشقت کی چیز تھی۔ روٹی البتہ مجھے اچھی طرح پکانا نہیں آتی تھی، تو میں آٹا گوندھ کر اپنے پڑوس کی انصار عورتوں کے یہاں لے جاتی، وہ بڑی سچّی مخلص عورتیں تھیں، میری روٹی بھی پکا دیتی تھیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہونچنے پر زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک زمین جاگیر کے طور پر دے دی، جو دو میل کے قریب تھی، میں وہاں سے اپنے سَر پر کھجور کی گُٹھلیاں لاد کر لایا کرتی تھی۔ میں ایک مرتبہ اسی طرح آرہی تھی اور گٹھری میرے سَر پر تھی، راستہ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مل گئے، اونٹ پر تشریف لا رہے تھے اور انصار کی ایک جماعت ساتھ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر اونٹ ٹھہرایا اور اس کو بیٹھنے کا اشارہ کیا، تا کہ میں اس پر سوار ہو جاؤں۔ مجھے مردوں کے ساتھ جاتے ہوئے شرم آئی اور یہ بھی خیال آیا کہ زبیر کو غیرت بہت ہی زیادہ ہے، ان کو بھی یہ ناگوار ہو گا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے انداز ے سے سمجھ گئے کہ مجھے اس پر بیٹھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، میں گھر آئی اور زبیر رضی اللہ عنہ کو قصّہ سنایا کہ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم ملے اور یہ ارشاد فرمایا، مجھے شرم آئی اور تمہاری غیرت کا بھی خیال آیا۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدا کی قسم! تمہارا گُٹھلیاں سر پر رکھ کر لانا میرے لیے اس سے بہت زیادہ گراں[5] ہے۔ (مگر مجبوری یہ تھی کہ یہ حضرات خود تو زیادہ تر جہاد میں اور دین کے دوسرے اُمور میں مشغول رہتے تھے، اس لیے گھر کے کاروبار عام طور پر عورتوں ہی کو کرنا پڑتے تھے)۔ اس کے بعد میرے باپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک خادم، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیا تھا، میرے پاس بھیج دیا، جس کی وجہ سے گھوڑے کی خدمت سے مجھے خَلاصی[6] ملی، گویا بڑی قید سے میں آزاد ہو گئی۔ [بخاری، فتح]

فائدہ: عرب کا دستور پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے کہ کھجور کی گٹھلیاں کوٹ کر یا چکّی میں دَل[7] کر پھر پانی میں بھگو کر جانوروں کو دانہ کے طور پر کھلاتے ہیں۔

حل لغات: (۱) گھر والے۔ (۲) محنت۔ (۳) بہت مشہور۔ (۴) زندگی گذارنے کا انداز۔ (۵) ناپسند۔ (۶) چھٹکارا۔ (۷) پیس کر۔

⑱ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہجرت کے وقت مال لے جانا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا اپنے دادا کو اطمینان دلانا

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہجرت فرما کر تشریف لے جا رہے تھے، تو اس خیال سے کہ نہ معلوم راستہ میں کیا ضرورت در پیش[1] ہو کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ تھے، اس لیے جو کچھ مال اس وقت موجود تھا، جس کی مقدار پانچ چھ ہزار درہم تھی، وہ سب ساتھ لے گئے تھے۔ ان حضرات کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابو قُحافہ جو نابینا ہو گئے تھے، اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، پوتیوں کے پاس تسلّی کے لیے آئے، آ کر افسوس سے کہنے لگے کہ میرا خیال ہے کہ ابوبکر نے اپنے جانے کا صدمہ بھی تم کو پہونچایا اور مال بھی شاید سب لے گیا کہ یہ دوسری مشقت تم پر ڈالی۔ اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے کہا: نہیں دادے ابّا، وہ تو بہت کچھ چھوڑ کر گئے ہیں، یہ کہہ کر میں نے چھوٹی چھوٹی پتھریاں جمع کر کے گھر کے اس طاق[2] میں بھر دیں، جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے درہم پڑے رہتے تھے اور ان پر ایک کپڑا ڈال کر دادے کا ہاتھ اس کپڑے پر رکھ دیا، جس سے انھوں نے ہاتھ سے یہ اندازہ کیا کہ یہ درہم بھرے ہوئے ہیں۔ کہنے لگے: خیر یہ اس نے اچھا کیا، تمہارے گذارہ کی صورت اس میں ہو جائے گی۔ اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ خدا کی قسم! کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا، مگر میں نے دادے کی تسلّی کے لیے یہ صورت اختیار کی کہ ان کو اس کا صدمہ نہ ہو۔ [مسند احمد]

فائدہ: یہ دل گردہ[3] کی بات ہے، ورنہ دادے سے زیادہ ان لڑکیوں کو صدمہ ہونا چاہیے تھا اور جتنی بھی شکایت اس وقت دادا کے سامنے کرتیں، درست تھا کہ اس وقت کا ظاہری سہارا ان پر ہی تھا، ان کے متوجہ کرنے کی بظاہر بہت ضرورت تھی کہ ایک تو باپ کی جدائی، دوسرے گذارہ[4] کی کوئی صورت ظاہراً نہیں، پھر مکّہ والے عام طور سے دشمن اور بے تعلق، مگر اللہ جلّ شانہٗ نے ایک ایک ادا اُن سب حضرات کو مرد ہوں یا عورت، ایسی عطا فرمائی تھی کہ رشک آنے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اوّل میں نہایت مالدار اور بہت بڑے تاجر تھے، لیکن اسلام کی اور اللہ کی راہ میں یہاں تک خرچ فرمایا کہ غزوۂ تبوک میں جو کچھ گھر میں تھا، سب ہی کچھ لا دیا۔ جیسا کہ چھٹے باب کے چوتھے قصے میں مُفصّل گذرا ہے۔ اِسی وجہ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں پہونچایا، جتنا ابوبکر کے مال نے، میں ہر شخص کے احسانات کا بدلہ دے چکا ہوں، مگر ابوبکر کے احسانات کا بدلہ اللہ ہی دیں گے۔

⑲ حضرت اَسماء رضی اللہ عنہا کی سخاوت

حضرت اَسماء رضی اللہ عنہا بڑی سخی تھیں، اوّل جو کچھ خرچ کرتی تھیں، اندازہ سے ناپ تول کر خرچ کرتی تھیں، مگر جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

حل لغات: ① پیش آنا۔ ② الماری۔ ③ ہمت۔ ④ خرچ۔

نے ارشاد فرمایا کہ باندھ باندھ کر نہ رکھا کر اور حساب نہ لگایا کر، جتنا بھی قدرت[1] میں ہو خرچ کیا کر، تو پھر خوب خرچ کرنے لگیں۔ اپنی بیٹیوں اور گھر کی عورتوں کو نصیحت کیا کرتی تھیں کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے اور صدقہ کرنے میں ضرورت سے زیادہ ہونے اور بچنے کا انتظار نہ کیا کرو، کہ اگر ضرورت سے زیادتی کا انتظار کرتی رہوگی، تو ہونے کا ہی نہیں (کہ ضرورت خود بڑھتی رہتی ہے) اور اگر صدقہ کرتی رہو گی، تو صدقہ میں خرچ کر دینے سے نقصان میں نہ رہوگی۔ [طبقات]

فائدہ: ان حضرات کے پاس جتنی تنگی اور ناداری[2] تھی، اتنی ہی صدقہ وخیرات اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی گنجائش اور وسعت تھی۔ آج کل مسلمانوں میں افلاس[3] و تنگی کی عام شکایت ہے، مگر شاید ہی کوئی ایسی جماعت نکلے، جو پیٹ پر پتھر باندھ کر گذر کرتی ہو، یا ان پر کئی کئی دن کا مسلسل فاقہ ہو جاتا ہو۔

⑳ حضور ﷺ کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہجرت اور انتقال

دو جہان کے سردار حضور اقدس ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نبوت کے دس برس پہلے جب کہ حضور ﷺ کی عمر شریف تیس برس کی تھی، پیدا ہوئیں اور خالہ زاد بھائی اَبوالعاص بن رَبیع سے نکاح ہوا۔ ہجرت کے وقت حضور ﷺ کے ساتھ نہ جا سکیں، ان کے خاوند بدر کی لڑائی میں کفّار کے ساتھ شریک ہوئے اور قید ہوئے، اہل مکہ نے جب اپنے قیدیوں کی رہائی کے لیے فدیے[4] اِرسال[5] کیے، تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے خاوند کی رہائی کے لیے مال بھیجا، جس میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جہیز میں دیا تھا، نبیٔ اکرم ﷺ نے اس کو دیکھا، تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد تازہ ہوگئی، آبدیدہ[6] ہوئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے یہ قرار پایا کہ اَبوالعاص کو بلافِدیَہ کے، اس شرط پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ واپس جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ طیبہ بھیج دیں، حضور ﷺ نے دو آدمی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو لینے کے لیے ساتھ کر دیے کہ وہ مکّہ سے باہر ٹھہر جائیں اور ان کے پاس تک اَبوالعاص پہونچوا دیں، چنانچہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے دیور کِنَانہ کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہوئیں۔ کفار کو جب اس کی خبر ہوئی، تو آگ بگولہ[7] ہوگئے اور ایک جماعت مُزاحمت[8] کے لیے پہونچ گئی، جن میں ھَبّار بن اسود جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی کا لڑکا تھا اور اس لحاظ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا بھائی ہوا، وہ اور اس کے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا، ان دونوں میں سے کسی نے اور اکثروں نے ھبار ہی کو لکھا ہے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نیزہ مارا، جس سے وہ زخمی ہو کر اونٹ سے گریں، چوں کہ حاملہ تھیں، اس وجہ سے پیٹ سے بچہ بھی ضائع ہوا۔ کِنَانہ نے تیروں سے مقابلہ کیا، ابوسفیان نے ان سے کہا کہ محمد (ﷺ) کی بیٹی اور اس طرح علی الاعلان[9] چلی

حل لغات: ① طاقت۔ ② غربت۔ ③ غربت۔ ④ وہ مال یا روپیہ جسے دے کر قیدی کو آزاد کرایا جائے۔ ⑤ بھیجنا۔ ⑥ آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ⑦ بہت زیادہ غصہ ہونا۔ ⑧ روکنا۔ ⑨ کھلم کھلا۔

جائے، یہ تو گوارا[1] نہیں، اس وقت واپس چلو پھر چپکے سے بھیج دینا۔ کِنَانَہ نے اس کو قبول کرلیا اور واپس لے آئے، دو ایک روز بعد پھر روانہ کیا۔ حضرت زینب ﷺ کا یہ زخم کئی سال تک رہا اور کئی سال اس میں بیمار رہ کر ۸ھ میں انتقال فرمایا۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ میری سب سے اچھی بیٹی تھی، جو میری محبت میں ستائی گئی۔ دفن کے وقت نبیٔ اکرم ﷺ خود قبر میں اترے اور دفن فرمایا۔ اُترتے وقت بہت رنجیدہ[2] تھے، جب باہر تشریف لائے تو چہرہ کھلا ہوا تھا۔ صحابہ ﷺ نے دریافت کیا، تو ارشاد فرمایا کہ مجھے زینب کے ضعف[3] کا خیال تھا، میں نے دعا کی کہ قبر کی تنگی اور اس کی سختی اُس سے ہٹادی جائے، اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا۔ [خمیس، اُسد الغابہ]

فائدہ: حضور اقدس ﷺ کی تو صاحبزادی اور دین کی خاطر اتنی مشقت اُٹھائی کہ جان بھی اُسی میں دی، پھر بھی قبر کی تنگی کے لیے حضور ﷺ کی دعا کی ضرورت پیش آئی، تو ہم جیسوں کا کیا پوچھنا، اس لیے آدمی کو اکثر اوقات قبر کے لیے دعا کرنا چاہیے۔ خود نبی اکرم ﷺ تعلیم کی وجہ سے اکثر اوقات عذابِ قبر سے پناہ مانگتے تھے: اَللّٰھُمَّ[4] احْفَظْنَا مِنْهُ بِمَنِّكَ وَكَرَمِكَ وَفَضْلِكَ.

⑵① حضرت رُبَیِّعْ بنت مُعوِّذ ﷺ کی غیرتِ دینی

رُبَیِّعْ بنت مُعوِّذ ﷺ ایک انصاری صحابیہ ہیں۔ اکثر لڑائیوں میں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ شریک ہوئی ہیں، زخمیوں کی دوا دارو[5] فرمایا کرتی تھیں اور مقتولین اور شہداء کی نعشیں اُٹھا کر لایا کرتی تھیں۔ حضور ﷺ کی ہجرت سے پہلے مسلمان ہوگئی تھیں۔ ہجرت کے بعد شادی ہوئی، حضور اکرم ﷺ بھی شادی کے دن اُن کے گھر تشریف لے گئے تھے، وہاں چند لڑکیاں خوشی میں شعر پڑھ رہی تھیں، جن میں انصار کے اسلامی کارنامے اور ان کے بڑوں کا ذکر تھا، جو بدر کی لڑائی میں شہید ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے یہ مصرع بھی پڑھا: "وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَّعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ" (ہم میں ایک ایسے نبی ہیں، جو آئندہ کی باتوں کو جانتے ہیں) حضور ﷺ نے اس کے پڑھنے کو منع فرمادیا، کیوں کہ آئندہ کے حالات اللہ ہی کو معلوم ہیں۔ رُبَیِّعْ کے والد حضرت مُعوِّذ ﷺ، ابوجہل کے قتل کرنے والوں میں ہیں، ایک عورت جس کا نام اسماء تھا، عطر بیچا کرتی تھی، وہ ایک مرتبہ چند عورتوں کے ساتھ حضرت رُبَیِّعْ ﷺ کے گھر بھی گئی اور ان سے نام، حال، پتہ وغیرہ جیسے کہ عورتوں کی عادت ہوتی ہے، دریافت[6] کیا۔ انھوں نے بتادیا، اُن کے والد کا نام سُن کر وہ کہنے لگی کہ تُو اپنے سردار کے قاتل کی بیٹی ہے، ابوجہل چوں کہ عرب کا سردار شمار کیا جاتا تھا، اس لیے اپنے سردار کا قاتل کہا۔ یہ سن کر رُبَیِّعْ ﷺ کو غصہ آگیا، کہنے لگیں کہ میں اپنے غلام کے قاتل کی بیٹی ہوں۔ رُبَیِّعْ ﷺ کو غیرت آئی کہ ابوجہل کو اپنے باپ کا سردار سُنے، اس لیے انھوں نے اپنے غلام کے لفظ سے

حل لغات: ① برداشت۔ ② اداس۔ ③ کمزوری۔ ④ اے اللہ تو اپنے احسان اور فضل وکرم سے عذاب قبر سے ہماری حفاظت فرما۔ ⑤ علاج معالجہ۔ ⑥ پوچھنا۔

ذکر کیا۔ اسماء کو ابوجہل کے متعلق غلام کا لفظ سُن کر غصہ آیا اور کہنے لگی کہ مجھ پر حرام ہے کہ تیرے ہاتھ عطر فروخت کروں، رُبَیِّعؓ نے کہا کہ مجھ پر بھی حرام ہے کہ تجھ سے عطر خرید وں، میں نے تیرے عطر کے سوا کسی عطر میں گندگی اور بدبو نہیں دیکھی۔ [اُسد الغابہ]

فائدہ: رُبَیِّعؓ کہتی ہیں کہ میں نے بدبو کا لفظ، اس کے جلانے کو کہا تھا۔ یہ حَمِیّت[1] اور دینی غیرت تھی کہ دین کے اس سخت دشمن کے متعلق وہ سرداری کا لفظ نہ سن سکیں۔ آج کل دین کے بڑے سے بڑے دشمن پر بھی اس سے اونچے اونچے لفظ بولے جاتے ہیں اور کوئی شخص اگر منع کرے تو وہ تنگ نظر[2] بتادیا جاتا ہے۔ نبیٔ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ منافق کو سردار مت کہو، اگر وہ تمہارا سردار ہوگیا، تو تم نے اپنے رب کو ناراض کیا۔ [ابوداؤد]

معلومات: حضور ﷺ کی بیبیاں اور اولاد

اپنے آقا اور دوجہان کے سردار حضورِ اقدس ﷺ کی بیبیوں اور اولاد کا حال معلوم کرنے کا اشتیاق[3] ہوا کرتا ہے اور ہر مسلمان کو ہونا چاہیے بھی، اس لیے مختصر حال ان کا لکھا جاتا ہے کہ تفصیلی حالات کے لیے تو بڑی ضخیم[4] کتاب چاہیے۔ حضورِ اقدس ﷺ کا نکاح جن پر مُحدِّثین اور مُؤرِّخین کا اتفاق ہے، گیارہ[11] عورتوں سے ہوا۔ اس سے زیادہ میں اختلاف ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ ان سب میں پہلا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا، جو بیوہ تھیں۔ حضور ﷺ کی عمر شریف اس وقت پچیس[25] برس کی تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس[40] برس کی تھی۔ حضور ﷺ کی اولاد بھی بجز حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے، سب انہیں سے ہوئی، جن کا بیان بعد میں آئے گا۔

① حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حالات

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی سب سے اوّل تجویز وَرَقَہ ابن نَوفَل سے ہوئی تھی، مگر نکاح کی نوبت نہیں آئی۔ اس کے بعد دو شخصوں سے نکاح ہوا۔ اہلِ تاریخ کا اس میں اختلاف ہے کہ ان دونوں میں پہلے کس سے ہوا؟ اکثر کی رائے یہ ہے کہ پہلے عَتِیق بن عَائِذ سے ہوا، جن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، جن کا نام ''ھِنْد'' تھا اور وہ بڑی ہو کر مسلمان ہوئیں اور صاحبِ اولاد بھی اور بعضوں نے لکھا ہے کہ عتیق سے ایک لڑکا بھی ہوا، جس کا نام عبداللہ یا عبدِ مُناف تھا۔ عتیق کے بعد پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوہَالَہ سے ہوا، جن سے ہِند اور ہَالَہ دو اولاد ہوئیں۔ اکثروں نے کہا ہے کہ دونوں لڑکے تھے اور بعضوں نے لکھا ہے کہ ہِند لڑکا ہے اور ہَالَہ لڑکی۔ ہند حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت تک زندہ رہے۔ ابوہَالَہ کے انتقال کے بعد حضورِ اقدس ﷺ سے نکاح ہوا، جس وقت کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس[40] برس کی تھی۔ نکاح کے بعد پچیس[25] برس حضور ﷺ کے نکاح میں رہیں اور رمضان ۱۰ھ میں پینسٹھ[65] برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حضورِ اقدس ﷺ کو ان سے بے حد محبت

حل لغات: ① غیرت، شرم۔ ② کم ظرف، کمینہ۔ ③ شوق۔ ④ بہت بڑی۔

تھی اور ان کی زندگی میں کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ ان کا لقب اسلام سے پہلے ہی سے "طَاہِرہ" تھا، اسی وجہ سے ان کی اولاد جو دوسرے خاوندوں سے ہے وہ بھی "بنُوالطّاہرہ" کہلاتی ہے۔ ان کے فضائل حدیث کی کتابوں میں کثرت سے ہیں۔ ان کے انتقال پر حضورِ اقدس ﷺ نے خود قبرِ مبارک میں اُتر کر ان کو دفن فرمایا تھا۔ نمازِ جنازہ اس وقت تک مشروع① نہیں ہوئی تھی۔ ان کے بعد اسی سال شوال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا، اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان دونوں میں کس کا نکاح پہلے ہوا؟ بعض مُؤرِّخین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح پہلے ہونا لکھا ہے اور بعضوں کی رائے یہ ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے پہلے ہوا، بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے۔

② حضرت سَوْدَہ رضی اللہ عنہا کے حالات

حضرت سَودَہ رضی اللہ عنہا بھی بیوہ تھیں، ان کے والد کا نام زَمْعَہ بن قیس ہے، پہلے سے اپنے چچا زاد بھائی سکران بن عَمرو رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، دونوں مسلمان ہوئے اور ہجرت فرما کر حبشہ تشریف لے گئے اور حبشہ میں سکران کا انتقال ہو گیا، بعض مُؤرِّخین نے لکھا ہے کہ مکّہ واپس آ کر انتقال فرمایا۔ ان کے انتقال کے بعد ١٠ھ نبوی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے کچھ دنوں بعد، ان سے نکاح ہوا اور رُخصتی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رُخصتی سے، سب کے نزدیک پہلے ہی ہوئی۔ حضور ﷺ کی عادتِ شریفہ تو کثرت سے نماز میں مشغول رہنا تھی ہی۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ سے انھوں نے عرض کیا کہ رات آپ نے اتنا لمبا رکوع کیا کہ مجھے اپنی ناک سے نکسیر② نکلنے کا ڈر ہو گیا۔ (یہ بھی حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہی تھیں، چوں کہ بدن کی بھاری تھیں، اس وجہ سے اور بھی مشقت ہوئی ہوگی) ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا، انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے خاوند کی خواہش نہیں؛ مگر یہ تمنّا ہے کہ جنت میں حضور ﷺ کی بیویوں میں داخل رہوں، اس لیے مجھے آپ طلاق نہ دیں، میں اپنی باری عائشہ کو دیتی ہوں، اس کو حضور ﷺ نے قبول فرما لیا اور اس وجہ سے ان کی باری کا دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حصّہ میں آتا تھا۔ ۵۴ھ یا ۵۵ھ میں اور بعض نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اخیر زمانۂ خلافت میں وفات پائی۔ ان کے علاوہ ایک سودہ اور بھی ہیں، جو قریش ہی کی ہیں، حضور ﷺ نے ان سے نکاح کا ارادہ فرمایا، انھوں نے عرض کیا کہ مجھے ساری دنیا میں سب سے زیادہ محبوب آپ ہیں، مگر میرے پانچ، چھ بچے ہیں، مجھے یہ بات گراں③ ہے کہ وہ آپ کے سرہانے روئیں چلائیں۔ حضور ﷺ نے ان کی اس بات کو پسند فرمایا، تعریف کی اور نکاح کا ارادہ ملتوی④ فرما دیا۔

③ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی نکاح مکّہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے شوال ١٠ھ نبوی میں ہوا، جس وقت کہ اُن کی عمر

حلِ لغات: ① اسلام میں نماز جنازہ کے متعلق کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ ② ناک سے خون بہنا۔ ③ ناپسند۔ ④ ختم کر دینا۔

چھ سال کی تھی۔ حضور ﷺ کی بیویوں میں یہی صرف ایک ایسی ہیں، جن سے کنوارے پن میں نکاح ہوا اور باقی سب سے نکاح بیوگی کی حالت میں ہوا۔ نبوت سے چار سال بعد یہ پیدا ہوئیں اور ہجرت کے بعد جب کہ ان کی عمر کو نواں برس تھا، رخصتی ہوئی اور اَٹھارہ سال کی عمر میں حضور ﷺ کا وصال[1] ہوا اور ۶۶ سال کی عمر میں ۱۷ رمضان ۵۷ھ کو منگل کی شب میں ان کا وصال ہوا۔ خود ہی وصیت فرمائی تھی کہ مجھے عام قبرستان میں جہاں اور بیبیاں دفن کی گئی ہیں، دفن کیا جائے، حضور ﷺ کے قریب حجرۂ شریفہ میں نہ دفن کیا جائے، چنانچہ بقیع[2] میں دفن کی گئیں۔ عرب میں یہ مشہور تھا کہ شوال کے مہینہ میں نکاح نامبارک ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرا نکاح بھی شوال میں ہوا، رخصتی بھی شوال میں ہوئی۔ حضور ﷺ کی بیویوں میں کون سی مجھ سے زیادہ نصیبہ ور[3] اور حضور ﷺ کی محبوبہ تھی؟

حضرت خَدِیجَہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد خولہ رضی اللہ عنہا، حکیم کی بیٹی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نکاح نہیں کرتے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: کس سے؟ عرض کیا: کنواری بھی ہے، بیوہ بھی ہے، جو منظور ہو، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: تو عرض کیا کہ کنواری تو آپ کے سب سے زیادہ دوست ابوبکر کی لڑکی ''عائشہ'' ہے اور بیوہ ''سودہ بنت زمعہ''۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا تذکرہ کر کے دیکھ لو، وہ وہاں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر آئیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ اُمِّ رومان رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ میں ایک بڑی خیر و برکت لے کر آئی ہوں، دریافت کرنے پر کہا کہ حضور ﷺ نے مجھے عائشہ سے منگنی کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ اُمِّ رومان رضی اللہ عنہا نے کہا: وہ تو ان کی بھتیجی ہے، اس سے کیسے نکاح ہوسکتا ہے؟ اچھا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آنے دو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت گھر پر موجود نہ تھے، ان کے تشریف لانے پر ان سے بھی یہی ذکر کیا، انھوں نے بھی یہی جواب دیا کہ وہ تو حضور ﷺ کی بھتیجی ہے، حضور ﷺ سے کیسے نکاح ہوسکتا ہے؟ خولہ رضی اللہ عنہا نے جا کر حضور ﷺ سے عرض کیا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ میرے اسلامی بھائی ہیں، ان کی لڑکی سے میرا نکاح جائز ہے۔ خولہ رضی اللہ عنہا واپس ہوئیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جواب سنایا، وہاں کیا دیر تھی؟ کہا: بلالاؤ، حضور ﷺ تشریف لے گئے اور نکاح ہوگیا۔ ہجرت کے بعد چند مہینے گذر جانے پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ آپ اپنی بیوی عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیوں نہیں بلا لیتے؟ حضور ﷺ نے سامان مہیّا[4] نہ ہونے کا عذر فرمایا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نذرانہ[5] پیش کیا، جس سے تیاری ہوئی اور شوال ۱ھ یا ۲ھ میں چاشت کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کے دولت کدہ[6] پر بنا، یعنی رخصتی ہوئی۔ یہ تین نکاح حضور ﷺ کے ہجرت سے پہلے ہوئے۔ اس کے بعد جتنے نکاح ہوئے وہ ہجرت کے بعد ہوئے۔

حل لغات: (۱) انتقال۔ (۲) مدینہ منورہ کا قبرستان۔ (۳) خوش قسمت۔ (۴) موجود۔ (۵) تحفہ۔ (۶) گھر۔

④ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حالات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نبوت سے پانچ برس قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔ پہلا نکاح مکہ ہی میں خُنَیس بن حُذَافہ رضی اللہ عنہ سے ہوا، یہ بھی پرانے مسلمان ہیں، جنھوں نے اوّل حبشہ کی ہجرت کی پھر مدینہ طیبہ کی ہجرت کی۔ بدر میں بھی شریک ہوئے اور اسی لڑائی میں یا اُحد کی لڑائی میں، ان کے ایسا زخم آیا جس سے اچھے نہ ہوئے اور ۲ھ یا ۳ھ میں انتقال فرمایا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ ہی آ گئی تھیں۔ جب بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ میں حفصہ کا نکاح تم سے کرنا چاہتا ہوں، انہوں نے سکوت① فرمایا، اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا جب انتقال ہوا، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ذکر فرمایا، انہوں نے فرمادیا کہ میرا تو اس وقت نکاح کا ارادہ نہیں، حضور ﷺ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی شکایت کی، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں حفصہ کے لیے عثمان سے بہتر خاوند اور عثمان کے لیے حفصہ سے بہتر بیوی بتاتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ۲ھ یا ۳ھ میں خود نکاح کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح اپنی صاحبزادی حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا سے کر دیا۔ ان کے پہلے خاوند کے انتقال میں مُؤرِّخین کا اختلاف ہے کہ بدر کے زخم سے شہید ہوئے یا اُحد کے۔ بدر ۲ھ میں ہے اور اُحد ۳ھ میں، اسی وجہ سے ان کے نکاح میں بھی اختلاف ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب تم نے حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا ذکر کیا تھا اور میں نے سکوت کیا تھا، تمہیں اس وقت ناگواری② ہوئی ہوگی، مگر چوں کہ حضورِ اقدس ﷺ ان سے نکاح کا تذکرہ فرما چکے تھے، اس لیے نہ تو میں قبول کر سکتا تھا اور نہ حضور ﷺ کے راز کو ظاہر کر سکتا تھا، اس لیے سکوت کیا تھا، اگر حضور ﷺ ارادہ ملتوی③ فرما دیتے، تو میں ضرور کر لیتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے ابوبکر کے سکوت کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انکار سے بھی زیادہ رنج④ تھا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بڑی عابدہ زاہدہ تھیں، رات کو اکثر جاگتی تھیں اور دن میں کثرت سے روزہ رکھا کرتی تھیں۔ کسی وجہ سے حضورِ اقدس ﷺ نے ان کو ایک طلاق بھی دی تھی، جس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بہت رنج ہوا اور ہونا بھی چاہیے تھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا: اللہ جلَّ شانہٗ کا ارشاد ہے کہ حفصہ سے رجوع کر لو، یہ بڑی شب⑤ بیدار اور کثرت سے روزہ رکھنے والی ہیں اور عمر کی خاطر⑥ بھی منظور ہے، اس لیے حضور ﷺ نے رجوع⑦ فرما لیا۔ جمادی الاولیٰ ۴۵ھ میں جب کہ ان کی عمر تقریباً ۶۳ برس کی

حل لغات: ① خاموشی۔ ② بُرا لگنا۔ ③ ختم۔ ④ غم۔ ⑤ رات بھر عبادت کرنے والی۔ ⑥ دلداری۔ ⑦ نکاح میں واپس لے لیا۔

تھی، مدینہ طیبہ میں انتقال فرمایا۔ بعض نے ان کا انتقال ۴۱ھ میں اور عمر ساٹھ برس کی لکھی ہے۔

⑤ حضرت زینب بنتِ خُزَیمہ رضی اللہ عنہا کے حالات

ان کے بعد حضور ﷺ کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا خُزَیمہ کی بیٹی، جن کے پہلے نکاح میں اختلاف ہے، بعض نے لکھا ہے کہ پہلے عبداللہ بن جَحش رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا تھا، جب وہ غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے، جن کا قصہ باب: ۷؍ کی پہلی حدیث میں گذرا، تو حضور ﷺ نے نکاح کیا اور بعض نے لکھا کہ اُن کا پہلا نکاح طُفَیل بن حارث سے ہوا تھا، ان کے طلاق دینے کے بعد ان کے بھائی عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے ہوا، جو بدر میں شہید ہوئے۔ اس کے بعد حضور اقدس ﷺ سے ہجرت کے اکتیس مہینے بعد رمضان ۳ھ میں ہوا۔ آٹھ مہینے حضور ﷺ کے نکاح میں رہیں اور ربیع الآخر ۴ھ میں انتقال فرمایا۔ حضور ﷺ کی بیویوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا دو ہی بیبیاں ایسی ہیں جن کا وصال حضور ﷺ کے سامنے ہوا، باقی ۹؍ حضور ﷺ کے وصال[1] کے وقت تک زندہ تھیں، جن کا بعد میں انتقال ہوا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بڑی سخی[2] تھیں، اسی وجہ سے ان کا نام اسلام سے پہلے بھی ''اُمُّ المَسَاکِیْن'' (مسکینوں کی ماں) تھا۔

⑥ حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے حالات

ان کے بعد حضور اقدس ﷺ کا نکاح حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا ابو اُمَیّہ کی بیٹی تھیں، جن کا پہلا نکاح اپنے چچازاد بھائی ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا، جن کا نام عبداللہ بن عبدالاسد تھا، دونوں میاں بیوی ابتدائی مسلمانوں میں ہیں، کُفّار کے ہاتھ سے تنگ آ کر اوّل دونوں نے حبشہ کی ہجرت کی، وہاں جا کر ایک لڑکا پیدا ہوا، جن کا نام سلمہ رضی اللہ عنہ تھا۔ حبشہ سے واپسی کے بعد مدینہ طیبہ کی ہجرت کی، جس کا قصہ اسی باب کے ۵؍ پر مفصّل گذر چکا ہے۔ مدینہ منورہ پہونچ کر ایک لڑکا عمر اور دو لڑکیاں دُرَّہ اور زینب پیدا ہوئیں۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ دس آدمیوں کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ بدر اور اُحد کی لڑائی میں بھی شریک ہوئے تھے۔ اُحد کی لڑائی میں ایک زخم آ گیا تھا، جس کی وجہ سے بہت تکلیف اُٹھائی۔ اس کے بعد صفر ۴ھ میں ایک سَرِیَّہ[3] میں تشریف لے گئے، تو واپسی پر وہ زخم پھر ہَرا ہو گیا اور اسی میں ۸؍ جمادی الاخری ۴ھ میں انتقال کیا۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا اس وقت حاملہ تھیں اور زینب رضی اللہ عنہا پیٹ میں تھیں، جب وہ پیدا ہوئیں تو عدت[4] پوری ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح کی خواہش فرمائی، تو انھوں نے عذر[5] کر دیا۔ اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے ارادہ فرمایا، انھوں نے عرض کیا کہ میرے بچے بھی ہیں اور میرے مزاج میں

حل لغات: ① انتقال۔ ② بہت خیرات کرنے والی۔ ③ وہ جنگ جس میں حضور ﷺ نے خود شرکت نہ کی ہو، بلکہ کسی صحابی کو لشکر کا امیر بنا کر بھیجا ہو۔ ④ وہ مدت جس میں عورت نکاح نہیں کر سکتی۔ ⑤ انکار۔

غیرت کا مضمون بہت ہے اور میرا کوئی ولی[1] یہاں ہے نہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بچوں کا اللہ محافظ ہے اور یہ غیرت بھی ان شاء اللہ جاتی رہے گی اور کوئی ولی اس کو ناپسند نہیں کرے گا؛ تو انھوں نے اپنے بیٹے سلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضور ﷺ سے میرا نکاح کردو۔ اخیر شوال ۴ھ میں حضور ﷺ سے نکاح ہوا، بعض نے ۳ھ میں اور بعض نے ۲ھ میں لکھا ہے۔ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا تھا کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پہونچے اور وہ یہ دعا کرے: ''اَللّٰهُمَّ اٰجِرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاخْلُفْنِيْ خَيْراً مِّنْهَا'' ''اے اللہ! مجھے اس مصیبت میں اجر[2] عطا فرما اور اس کا نعم البدل[3] نصیب فرما'' تو اس کو اللہ جلَّ شانہٗ بہترین بدل عطا فرماتے ہیں۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے مرنے پر میں یہ دعا تو پڑھ لیتی، مگر یہ سوچتی تھی کہ ابوسلمہ سے بہتر کون ہوسکتا ہے؟ اللہ نے حضور ﷺ سے نکاح کرادیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان کے حُسن کی بہت شہرت تھی، جب نکاح ہوگیا تو میں نے چھپ کر حیلہ[4] سے جاکر دیکھا، تو جیسا سُنا تھا اس سے زیادہ پایا۔ میں نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا، انھوں نے کہا: نہیں ایسی حسین نہیں ہیں، جتنی شہرت ہے۔ اُمہات المؤمنین میں سب سے اخیر میں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۹ھ یا ۶۲ھ میں ہوا۔ اس وقت ۸۴ سال کی عمر تھی۔ اس لحاظ سے نبوت سے تقریباً ۹ برس پہلے پیدا ہوئیں۔ حضرت زینب بنت خُزَیمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ان سے نکاح ہوا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے مکان میں مُقیم[5] ہوئیں۔ انھوں نے وہاں دیکھا کہ ایک مٹکے میں جَو رکھے ہیں اور ایک چکّی اور ہانڈی بھی۔ انھوں نے جَو خود پیسے اور چکنائی ڈال کر ملیدہ تیار کیا اور پہلے ہی دن حضور ﷺ کو وہ ملیدہ کھلایا، جو نکاح کے دن اپنے ہی ہاتھ سے پکایا تھا۔

⑦ حضرت زَیْنَبْ بنتِ جَحْش رضی اللہ عنہا کے حالات

ان کے بعد حضور اقدس ﷺ کا نکاح زینب بنتِ جَحْش رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ یہ حضور اقدس ﷺ کی پھوپھی زاد بہن ہیں۔ ان کا پہلا نکاح حضور ﷺ نے اپنے مُتَبنّٰی[6] حضرت زید بن حارِثہ رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔ ان کے طلاق دینے کے بعد اللہ جلَّ شانہٗ نے خود ان کا نکاح حضور ﷺ سے کردیا، جس کا قصہ سورۂ احزاب میں بھی ہے، اس وقت ان کی عمر پینتیس ۳۵ سال کی تھی۔ مشہور قول کے موافق ذی قعدہ ۵ھ میں نکاح ہوا، بعض نے ۳ھ میں لکھا ہے، مگر صحیح ۵ھ ہے اور اس حساب سے نبوت سے گویا ۱۷ سال قبل ان کی پیدائش ہوئی۔ ان کو اس پر فخر تھا کہ سب عورتوں کا نکاح ان کے اولیاء[7] نے کیا اور ان کا نکاح اللہ جلَّ شانہٗ نے کیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جب ان کو طلاق دی اور عدّت[8] پوری ہوگئی، تو حضور ﷺ نے ان کے پاس پیام بھیجا۔ انھوں نے جواب میں عرض کیا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتی، جب تک اپنے اللہ سے

حل لغات: ① سرپرست، ذمہ دار۔ ② ثواب۔ ③ اچھا بدل۔ ④ بہانا۔ ⑤ رہنے لگیں۔ ⑥ منہ بولے بیٹے۔ ⑦ سرپرستوں۔ ⑧ وہ مدت جس میں عورت نکاح نہیں کرسکتی۔

مشورہ نہ کرلوں اور یہ کہہ کر وضو کیا اور نماز کی نیت باندھ لی اور یہ دعا کی کہ یا اللہ! تیرے رسول مجھ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں، اگر میں ان کے قابل ہوں تو میرا نکاح ان سے فرما دے۔ ادھر حضور ﷺ پر قرآن شریف کی آیت ﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا﴾ [سورۂ احزاب: ۳۷] نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے خوشخبری بھیجی، حضرت زینب رضی اللہ عنہا خوشی کی وجہ سے سجدہ میں گر گئیں۔ حضور اقدس ﷺ نے ان کے نکاح کا ولیمہ بڑی شان سے کیا: بکری ذبح کی اور گوشت روٹی کی دعوت فرمائی۔ ایک ایک جماعت کو بلایا جاتا تھا اور جب وہ فارغ ہو جاتی تھی، تو دوسری جماعت اسی طرح بلائی جاتی، حتیٰ کہ سب ہی لوگوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بڑی سخی[1] تھیں اور بڑی محنتی، اپنے ہاتھ سے محنت کرتیں اور جو حاصل ہوتا وہ صدقہ کر دیتیں۔ ان ہی کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ مجھ سے سب سے پہلے مرنے کے بعد وہ ملے گی، جس کا ہاتھ لانبا ہوگا، بیبیاں ظاہری لمبائی سمجھیں اس لیے لکڑی لے کر سب کے ہاتھ ناپنے شروع کر دیے، دیکھنے میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ سب سے لانبا ملا، مگر جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال سب سے پہلے ہوا؛ جب یہ سمجھیں کہ ہاتھ کی لمبائی سے مراد صدقہ کی کثرت تھی۔ روزے بھی بہت زیادہ رکھتی تھیں، ۲۰ھ میں انتقال فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ پچاس (۵۰) برس کی عمر تھی۔ ان کا قصہ اسی باب کے ۱۰ر پر بھی گذرا ہے۔

⑧ حضرت جُوَیرِیہ رضی اللہ عنہا کے حالات

ان کے بعد آپ ﷺ کا نکاح حضرت جُوَیرِیہ بنت الحارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ یہ غزوۂ مُرَیسِیع میں قید ہو کر آئی تھیں اور غنیمت میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں۔ قید ہونے سے پہلے مُسافِع ابن صفوان کے نکاح میں تھیں۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے ان کو ۹ر اُوقیہ سونے پر مُکاتَب کر دیا۔ مُکاتَب اس غلام یا باندی کو کہتے ہیں: جس سے یہ مقرر کر لیا جاوے کے اتنے دام تم اگر دے دو تو تم آزاد۔ ایک اُوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم تقریباً ساڑھے تین آنے کا، اس حساب سے نو (۹) اُوقیہ کی قیمت ($\frac{48}{12}$) ہوئی اور چار آنے کا اگر درہم ہو، تو ۹۰ر ہوئی۔ یہ حضور ﷺ کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اپنی قوم کے سردار: حارث کی بیٹی جُوَیرِیہ ہوں، جو مصیبت مجھ پر نازل ہوئی، آپ کو معلوم ہے۔ اب اتنی مقدار پر میں مُکاتَب ہوئی ہوں اور یہ مقدار میری طاقت سے باہر ہے، آپ کی اُمید پر آئی ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تجھے اس سے بہتر راستہ بتاؤں کہ تجھے مال ادا کر کے آزاد کرا دوں اور تجھ سے نکاح کر لوں؟ ان کے لیے اس سے بہتر کیا تھا؟ بخوشی منظور کر لیا۔ اور ۵ھ میں مشہور قول کے موافق اور بعضوں نے ۶ھ میں اس قصہ کو بتایا ہے؛ نکاح ہو گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب سنا کہ بنو المُصطَلِق حضور ﷺ کی سسرال بن گئی

حل لغات: ① بہت خیرات کرنے والی۔

تو انھوں نے بھی اس رشتہ کے اعزاز[1] میں اپنے اپنے غلام آزاد کر دیے۔ کہتے ہیں کہ ایک حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے سو گھرانے آزاد ہوئے، جن میں تقریباً سات سو آدمی تھے۔ اس قسم کی مصلحتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سب نکاحوں میں تھیں۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نہایت حسین تھیں، چہرے پر ملاحت تھی۔ کہتے ہیں کہ جو نگاہ پڑ جاتی تھی، اٹھتی نہ تھی۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے اس لڑائی سے تین دن پہلے ایک خواب دیکھا تھا کہ یثرب سے ایک چاند چلا اور میری گود میں آ گیا۔ کہتی ہیں کہ جب میں قید ہوئی تو مجھے اپنے خواب کی تعبیر کی اُمید بندھی۔ اس وقت ان کی عمر بیس[۲۰] سال کی تھی اور ربیع الاول ۵۰ھ میں صحیح قول کے موافق پینسٹھ[۶۵] برس کی عمر میں مدینہ طیبہ میں انتقال ہوا اور بعضوں نے ان کا انتقال ۵۶ھ میں ستّر[۷۰] برس کی عمر میں لکھا ہے۔

⑨ حضرت اُمِّ حَبِیْبَہ رضی اللہ عنہا کے حالات

اُمُّ المومنین حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا ابوسفیان کی صاحبزادی، ان کے نام میں اختلاف ہے۔ اکثروں نے "رملہ" اور بعض نے "ہند" بتایا ہے۔ ان کا پہلا نکاح عبید اللہ بن جَحْش سے مکّہ مکرمہ میں ہوا تھا۔ دونوں میاں بیوی مسلمان ہو گئے تھے۔ کفار کی تکالیف کی بدولت[2] وطن چھوڑنا پڑا اور حبشہ کی ہجرت دونوں نے کی۔ وہاں جا کر خاوند نصرانی[3] ہو گیا، یہ اسلام پر باقی رہیں۔ انھوں نے اُسی رات میں اپنے خاوند کو خواب میں نہایت بُری شکل میں دیکھا، صبح کو معلوم ہوا کہ وہ نصرانی ہو گیا ہے، اِس تنہائی میں اِس حالت میں ان پر کیا گزری ہو گی، اللہ ہی کو معلوم ہے؛ لیکن حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کا نِعْمَ الْبَدَل[4] یہ عطا فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آ گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس پیام بھیجا کہ ان کا نکاح مجھ سے کر دو، چنانچہ نجاشی نے ایک عورت اَبْرَہَہ کو ان کے پاس اس کی خبر کے لیے بھیجا، انھوں نے خوشی میں اپنے دونوں کنگن جو پہن رہی تھیں، اس کو عطا کر دیے اور پاؤں کے چھلّے کڑے وغیرہ متعدد[5] چیزیں دیں۔ نجاشی نے نکاح کیا اور اپنے پاس سے چارسو دینار مَہر کے ادا کیے اور بہت کچھ سامان دیا، جو لوگ مجلسِ نکاح میں موجود تھے، ان کو بھی دینار دیے اور کھانا کھلایا۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ نکاح ۷ھ میں ہوا، جیسا کہ اکثر کا قول ہے، یا ۶ھ میں جیسا کہ بعض نے کہا ہے۔ صاحبِ تاریخِ خُمیس نے لکھا ہے کہ ان کا نکاح ۶ھ میں ہوا اور رخصتی ۷ھ میں، جب یہ مدینہ طیبہ پہونچیں۔ نجاشی نے بہت سی خوشبو اور سامانِ جہیز وغیرہ دے کر ان کو نکاح کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا۔ بعض کتب وتواریخ اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے باپ نے نکاح کیا، مگر یہ صحیح نہیں؛ اس لیے کہ ان کے باپ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، وہ اس قصہ کے بعد مسلمان ہوئے ہیں۔ ان کا ایک قصہ اسی باب کے ۹/ پر گذر چکا ہے۔ ان کے انتقال میں بہت اختلاف ہے، اکثر نے ۴۴ھ بتایا ہے اور اس کے علاوہ ۴۲ھ اور ۵۵ھ اور ۵۰ھ وغیرہ اقوال بھی ہیں۔

حل لغات: ① عزت۔ ② وجہ سے۔ ③ عیسائی۔ ④ اچھا بدل۔ ⑤ بہت سی۔

⑩ حضرت صَفِیَّہ رضی اللہ عنہا کے حالات

اُمُّ المومنین حضرت صَفِیَّہ رضی اللہ عنہا، حُیَیْ کی بیٹی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ اوّل سَلاَّم ابن مِشْکَم کے نکاح میں تھیں، اس کے بعد کِنانہ بن اَبی حُقَیق کے نکاح میں آئیں۔ اس سے نکاح اُس زمانہ میں ہوا تھا کہ خیبر کی لڑائی شروع ہوگئی تھی اور ان کا خاوند قتل ہوگیا تھا، خیبر کی لڑائی کے بعد دِحیہ کلبی ایک صحابی تھے، انھوں نے حضور ﷺ سے ایک باندی مانگی، حضور ﷺ نے ان کو مَرحمت[1] فرما دیا چوں کہ مدینہ میں بھی دو قبیلے قُرَیظہ اور نضیر، آباد تھے اور یہ سردار کی بیٹی تھیں، اس لیے لوگوں نے عرض کیا کہ یہ بات بہت سے لوگوں کو ناگوار[2] ہوگی، صفیہ کو اگر حضور ﷺ اپنے نکاح میں لے لیں، تو بہت سے لوگوں کی دِلداری[3] ہے؛ اس لیے حضور ﷺ نے دِحیہ رضی اللہ عنہ کو خاطر خواہ عوض دے کر ان کو لے لیا اور ان کو آزاد فرما کر نکاح کر لیا اور خیبر سے واپسی میں ایک منزل پر ان کی رُخصتی ہوئی۔ صبح کو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس جو چیز کھانے کی ہو وہ لے آئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس مُتفرِّق[4] چیزیں کھجور، پنیر، گھی وغیرہ جو تھا، وہ لے آئے۔ ایک چمڑے کا دستر خوان بچھا دیا اور اس پر وہ سب ڈال دیا گیا اور سب نے شریک ہو کر کھا لیا، یہی ولیمہ تھا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو اختیار دے دیا تھا کہ اگر تم اپنی قوم اور اپنے ملک میں رہنا چاہو، تو آزاد ہو، چلی جاؤ اور میرے پاس میرے نکاح میں رہنا چاہو تو رہو۔ انھوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں شرک کی حالت میں حضور کی تمنا کرتی تھی، اب مسلمان ہو کر کیسے جاسکتی ہوں؟ اس سے مراد غالباً ان کا وہ خواب ہے، جو انھوں نے مسلمان ہونے سے پہلے دیکھا تھا کہ ایک چاند کا ٹکڑا میری گود میں ہے۔ اس خواب کو انھوں نے اپنے خاوند[5] کنانہ سے کہا۔ اس نے ایک طمانچہ اس زور سے منہ پر مارا کہ آنکھ پر اس کا نشان پڑ گیا اور یہ کہا کہ تو یثرب[6] کے بادشاہ کے نکاح کی تمنا کرتی ہے۔ ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ آفتاب ان کے سینہ پر ہے۔ خاوند سے اس کو بھی ذکر کیا، اس نے اس پر بھی یہی کہا کہ تُو یہ چاہتی ہے کہ یثرب کے بادشاہ کے نکاح میں جائے۔ ایک مرتبہ انھوں نے چاند کو گود میں دیکھا تو اپنے باپ سے ذکر کیا۔ اس نے بھی ایک طمانچہ مارا اور یہ کہا کہ تیری نگاہ یثرب کے بادشاہ پر جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ چاند کا وہی ایک خواب خاوند اور باپ دونوں سے کہا ہو یا چاند دو مرتبہ دیکھا ہو۔ رمضان ۵۰ھ ہجری میں صحیح قول کے موافق انتقال ہوا اور تقریباً ۶۰ ؍ برس کی عمر پائی۔ خود کہتی ہیں کہ میں جب حضور ﷺ کے نکاح میں آئی، تو میری عمر ۱۷ ؍ سال کی نہیں ہوئی تھی۔

⑪ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے حالات

اُمُّ المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا، حارث بن حَزَن کی بیٹی، ان کا اصل نام بَرَّہ تھا۔ حضور ﷺ نے بدل کر میمونہ رکھا۔ پہلے

حل لغات: ① دے دیا۔ ② ناپسند۔ ③ تسلّی۔ ④ الگ الگ۔ ⑤ شوہر۔ ⑥ مدینہ منورہ کا پُرانا نام۔

سے ابورہم بن عبد العزّیٰ کے نکاح میں تھیں، اکثر مُؤرِخین کا یہی قول ہے اور بھی بہت سے اقوال ان کے پہلے خاوند کے نام میں ہیں، بعض نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ سے پہلے بھی دو[2] نکاح ہوئے تھے، بیوہ ہوجانے کے بعد ذی قعدہ ۷ھ میں جب حضور اقدس ﷺ عمرہ کے لیے مکّہ مکرمہ تشریف لے جارہے تھے، موضعِ سَرِف میں نکاح ہوا۔ حضور ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ عمرہ سے فراغت کے بعد مکہ میں رخصتی ہوجائے؛ مگر مکہ والوں نے قیام کی اجازت نہ دی؛ اس لیے واپسی میں سرف ہی میں رخصتی ہوئی اور سرف ہی میں خاص اسی جگہ جہاں رخصتی کا خیمہ تھا، ۵۱ھ میں صحیح قول کے موافق انتقال ہوا اور بعض نے ۶۱ھ میں لکھا ہے، اس وقت ان کی عمر اکیاسی[81] برس کی تھی اور اسی جگہ قبر بنی، یہ بھی عبرت کا مقام ہے اور تاریخ کا عجوبہ ہے کہ ایک سفر میں وہاں نکاح ہوا اور دوسرے سفر میں وہاں رخصتی اور عرصہ کے بعد اسی جگہ قبر بنی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میمونہ رضی اللہ عنہا ہم سب میں زیادہ متقی[1] اور صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔ یزید بن اصم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان کا مشغلہ[2] ہر وقت نماز تھا یا گھر کا کام، اگر دونوں سے فراغت ہوتی تو مسواک کرتی رہتی تھیں۔ جن عورتوں کے نکاح پر مُحدِّثین و مُؤرِخین کا اتفاق ہے ان میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سب سے آخری نکاح ہے۔ ان کی درمیانی ترتیب میں البتہ اختلاف ہے؛ جس کی وجہ سے ان نکاحوں کی تاریخ کا اختلاف ہے، جیسا کہ مختصر طور پر معلوم ہوا۔ ان گیارہ[11] بیویوں میں سے دو[2] کا وصال حضور ﷺ کے سامنے ہوچکا تھا: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا اور حضرت زینب بنت خُزَیمہ رضی اللہ عنہا کا، باقی ۹ بیبیاں حضور ﷺ کے وصال کے وقت موجود تھیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بعض نکاح، بعض مُحدِّثین اور مُؤرِخین نے لکھے ہیں، جن کے ہونے میں اختلاف ہے؛ اس لیے انہیں بیبیوں کا ذکر لکھا ہے جن پر اتفاق ہے۔

معلومات: حضور ﷺ کی اولاد

مُؤرِخین[3] اور مُحدِّثین[4] کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کے چار[4] لڑکیاں ہوئیں اور اکثر کی تحقیق یہ ہے کہ ان میں سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں، پھر حضرت رُقیّہ رضی اللہ عنہا، پھر حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا، پھر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ لڑکوں میں البتہ بہت اختلاف ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب حضرات بچپن ہی میں انتقال فرماگئے تھے اور عرب میں اس زمانہ میں تاریخ کا اہتمام کچھ ایسا نہ تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے جاں نثار[5] بھی اس وقت تک کثرت سے نہیں ہوئے تھے، جو ہر بات پوری پوری محفوظ رہتی۔ اکثر کی تحقیق یہ ہے کہ تین لڑکے: حضرت قاسم رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ہوئے۔ بعضوں نے کہا کہ چوتھے صاحبزادے حضرت طیب رضی اللہ عنہ اور پانچویں حضرت طاہر رضی اللہ عنہ تھے، اس طرح پانچ[5] ہوئے۔ بعض کہتے

حل لغات: (۱) پرہیزگار۔ (۲) کام۔ (۳) تاریخ لکھنے والے۔ (۴) علم حدیث جاننے والے۔ (۵) جان قربان کرنے والے۔

ہیں کہ طَیِّب اور طاہر دونوں ایک ہی صاحبزادہ کے نام ہیں، اس طرح چار[۴] ہوئے اور بعض نے کہا کہ حضرت عبداللہ ہی کا نام طیّب اور طاہر تھا، اس طرح تین[۳] ہی لڑکے ہوئے اور بعضوں نے دو[۲] لڑکے اور بھی بتائے: مُطیَّب رضی اللہ عنہ اور مُطہِّر رضی اللہ عنہ، اور لکھا ہے کہ طَیِّب رضی اللہ عنہ اور مُطیِّب رضی اللہ عنہ ایک ساتھ پیدا ہوئے اور طاہر اور مُطہِّر ایک ساتھ پیدا ہوئے اس طرح سات[۷] لڑکے ہوئے؛ لیکن اکثر کی تحقیق تین[۳] لڑکوں کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سوا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی سے پیدا ہوئی۔

① حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

لڑکوں میں حضرت قاسم رضی اللہ عنہ سب سے پہلے پیدا ہوئے؛ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اُن سے بڑی تھیں یا چھوٹی؟ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ نے بچپن ہی میں انتقال فرمایا۔ دو[۲] سال کی عمر اکثر نے لکھی ہے اور بعضوں نے اس سے کم یا زیادہ بھی لکھی ہے۔

② حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

دوسرے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، جو نبوت کے بعد پیدا ہوئے اور اسی وجہ سے ان کا نام طیب رضی اللہ عنہ اور طاہر رضی اللہ عنہ بھی پڑا اور بچپن ہی میں انتقال ہوا۔ اُن کے انتقال پر اور بعض نے لکھا ہے کہ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کے انتقال پر کفّار بہت خوش ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل منقطع[۱] ہوگئی، جس پر سورۂ اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰا نازل ہوئی اور کفار کے اس کہنے کا کہ جب نسل ختم ہوگئی تو کچھ دنوں میں نام مبارک بھی مٹ جائے گا، یہ جواب ملا کہ آج ساڑھے تیرہ سو[۱۳۵۰] برس بعد تک بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے فِدائی کروڑوں موجود ہیں۔

③ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

تیسرے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ تھے، جو ہجرت کے بعد مدینہ طیّبہ میں بالاتفاق ذی الحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی حضرت مارِیہ رضی اللہ عنہا کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے آخری اولاد ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں دن ان کا عقیقہ کیا اور دو[۲] مینڈھے ذبح کیے اور بالوں کے برابر چاندی صدقہ فرمائی اور بالوں کو دفن کرایا۔ ابو ھِند بَیَاضِی رضی اللہ عنہ نے سر کے بال اتارے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر نام رکھا ہے۔ اور سولہ[۱۶] مہینے کی عمر میں ان صاحبزادہ نے بھی ۱۰ر ربیع الاوّل ۱۰ھ میں انتقال فرمایا۔ بعضوں نے اُٹھارہ مہینے کی عمر بتلائی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ابراہیم کے لیے جنت میں دودھ پلانے والی تجویز[۲] ہوگئی۔

④ حضرت زینب رضی اللہ عنہا

صاحبزادیوں میں سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں اور جن مُؤرِّخین نے اس کے خلاف لکھا ہے، غلط ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح سے پانچ[۵] برس بعد جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف تیس[۳۰] برس کی تھی، پیدا ہوئیں اور اپنے والدین کے آغوش[۳] میں جوان

حل لغات: ① ختم۔ ② متعین۔ ③ گود۔

ہوئیں، مسلمان ہوئیں اور اپنے خالہ زاد بھائی اَبوالعَاص بن رَبیع سے نکاح ہوا۔ غزوۂ بدر کے بعد ہجرت کی، جس میں مشرکین کی ناپاک حرکتوں سے زخمی ہوئیں۔ جس کا قصہ اسی باب کے ۲۰ر پر گذر چکا ہے اور اسی بیماری کا سلسلہ اخیر تک چلتا رہا، یہاں تک کہ ۸ ھ کے شروع میں انتقال فرمایا۔ ان کے خاوند بھی ۶ ھ یا ۷ ھ میں مسلمان ہوکر مدینہ منورہ پہونچ گئے تھے اور انہی کے نکاح میں رہیں، ان سے دوؔ بچے ہوئے: ایک لڑکا، ایک لڑکی۔ لڑکے کا نام حضرت علی رضی اللہ عنہ تھا، جنھوں نے اپنی والدہ کے انتقال کے بعد بلوغ کے قریب حضور ﷺ کی زندگی ہی میں انتقال فرمایا۔ فتحِ مکہ میں حضور ﷺ کے ساتھ اونٹنی پر جو سوار تھے، وہ یہی حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ لڑکی کا نام حضرت اُمامہ رضی اللہ عنہا تھا، جن کے متعلق حدیث کی کتابوں میں کثرت سے قصہ آتا ہے کہ جب حضور ﷺ نماز میں سجدہ کرتے تو یہ کمر پر سوار ہوجاتیں، یہ حضور ﷺ کے بعد تک زندہ رہیں۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد جو اُن کی خالہ تھیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے ان سے نکاح کیا اور ان کے وصال کے بعد مُغیرہ بن نوفلؒ سے نکاح ہوا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کوئی اولاد ان سے نہیں ہوئی؛ البتہ مغیرہؒ سے بعضوں نے ایک لڑکا یحییٰ لکھا ہے اور بعضوں نے انکار کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خود وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح بھانجی سے کردیا جائے۔ ان کا انتقال ۵۰ ھ میں ہوا۔

⑤ حضرت رُقَیَّہ رضی اللہ عنہا

حضور ﷺ کی دوسری صاحبزادی حضرت رُقَیَّہ رضی اللہ عنہا تھیں، جو اپنی بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے تینؔ برس بعد پیدا ہوئیں، جبکہ حضور ﷺ کی عمر شریف ۳۳ر برس کی تھی اور بعضوں نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے بڑا بتایا ہے؛ لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے چھوٹی تھیں۔ حضور ﷺ کے چچا اَبولَہَب کے بیٹے عُتْبہ سے نکاح ہوا تھا، جب سورۂ تَبَّتْ نازل ہوئی، تو اَبولَہَب نے ان سے اور ان کے دوسرے بھائی عُتَیْبہ سے، جس کے نکاح میں حضور ﷺ کی تیسری صاحبزادی حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں؛ یہ کہا کہ میری ملاقات تم دونوں سے حرام ہے، اگر تم محمد کی بیٹیوں کو طلاق نہ دے دو، اس پر دونوں نے طلاق دے دی۔ یہ دونوں نکاح بچپن میں ہوئے تھے، رُخصتی کی نوبت بھی نہیں آئی تھی، اس کے بعد فتحِ مکہ پر حضرت رُقَیَّہ رضی اللہ عنہا کے خاوند عُتْبہ مسلمان ہوگئے تھے؛ مگر بیوی کو پہلے ہی طلاق دے چکے تھے اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرصہ ہوا ہوچکا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے دونوں مرتبہ حبشہ کی ہجرت کی تھی، جس کا بیان پہلے باب کے ۱۰ر پر گذر چکا، اس کے بعد جب حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ مجھے بھی ہجرت کا حکم ہونے والا ہے اور مدینہ منورہ میری ہجرت کی جگہ ہوگی، تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے مدینہ طیبہ کی ہجرت شروع کردی، اسی سلسلہ میں حضور ﷺ سے پہلے ہی یہ دونوں حضرات بھی مدینہ طیبہ پہونچ گئے تھے۔ حضور ﷺ کی ہجرت کے بعد

جب حضور ﷺ بدر کی لڑائی میں تشریف لے جانے لگے، تو حضرت رُقیَّہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں: اسی لیے حضور ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی تیمارداری[1] کے واسطے مدینہ چھوڑ گئے، بدر کی فتح کی خوشخبری مدینہ طیبہ میں اس وقت پہونچی جب یہ حضرات حضرت رُقیَّہ رضی اللہ عنہا کو دفن کر کے آرہے تھے، اسی وجہ سے حضورِ اقدس ﷺ ان کے دفن میں شرکت نہ فرما سکے، حضرت رُقیَّہ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند کے یہاں رُخصتی بھی نہیں ہوسکی تو اولاد کا کیا ذکر؛ البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ایک صاحبزادہ جن کا نام "عبداللہ" تھا، حبشہ میں پیدا ہوئے تھے، جو اپنی والدہ کے انتقال کے بعد تک زندہ رہے اور ۶/ سال کی عمر میں ۴ھ میں انتقال فرمایا اور بعض نے لکھا ہے کہ اپنی والدہ سے ایک سال پہلے انتقال کیا، ان کے علاوہ کوئی اور اولاد حضرت رُقیَّہ رضی اللہ عنہا سے نہیں ہوئی۔

⑥ حضرت اُمِّ کُلثُوم رضی اللہ عنہا

حضورِ اقدس ﷺ کی تیسری صاحبزادی حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں، اس میں اختلاف ہے کہ ان میں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میں سے کون سی بڑی تھیں، اکثر کی رائے یہ ہے کہ اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا بڑی تھیں، اوّل عُتَیبہ بن اَبی لہب سے نکاح ہوا، مگر رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ سورۂ تَبَّت کے نازل ہونے پر طلاق کی نوبت آئی، جیسا کہ حضرت رُقیَّہ رضی اللہ عنہا کے بیان میں گذرا؛ لیکن ان کے خاوند تو بعد میں مسلمان ہوگئے تھے، جیسا کہ گذر چکا اور اِن کے خاوند عُتَیبہ نے طلاق دی اور حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں آکر نہایت گستاخی، بے ادبی اور نامناسب الفاظ بھی زبان سے نکالے، حضور ﷺ نے بددعا دی کہ "یا اللہ! اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مُسلّط[2] فرما"۔ ابوطالب اس وقت موجود تھے باوجود مسلمان نہ ہونے کے سہم[3] گئے اور کہا کہ اس کی بددعا سے تجھے خلاصی[4] نہیں، چنانچہ عُتَیبہ ایک مرتبہ شام کے سفر میں جارہا تھا، اس کا باپ ابولہب باوجود ساری عداوت اور دشمنی کے کہنے لگا: مجھے محمد کی بددعا کا فکر ہے، قافلہ کے سب لوگ ہماری خبر رکھیں، ایک منزل پر پہونچے، وہاں شیر زیادہ تھے، رات کو تمام قافلہ کا سامان ایک جگہ جمع کیا اور اس کا ٹیلہ سا بنا کر اس پر عُتَیبہ کو سلایا اور قافلہ کے تمام آدمی چاروں طرف سوئے، رات کو ایک شیر آیا اور سب کے منہ سونگھے، اس کے بعد ایک زقند[5] لگائی اور اس ٹیلے پر پہونچ کر عُتَیبہ کا سر بدن سے جدا کر دیا، اس نے ایک آواز دی، مگر ساتھ ہی کام تمام ہو چکا تھا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ مسلمان ہوگیا تھا اور یہ قصہ پہلے بھائی کے ساتھ پیش آیا۔ بہر حال حضرت رُقیَّہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہروں میں سے ایک مسلمان ہوئے، دوسرے کے ساتھ یہ عبرت کا واقعہ پیش آیا؛ اسی واسطے اللہ والوں کی دشمنی سے ڈرایا جاتا ہے، خود اللہ جلَّ شانہٗ کا ارشاد ہے ﴿مَنْ عَادٰی لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ﴾ (جو میرے کسی ولی کو ستائے، اس کو میری طرف سے لڑائی کا اعلان ہے)۔ حضرت رُقیَّہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ربیع الاول ۳ھ میں حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

حل لغات: ① بیمار کی دیکھ بھال۔ ② مقرر۔ ③ ڈر۔ ④ چھٹکارا۔ ⑤ چھلانگ۔

سے ہوا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نے اُم کلثوم کا نکاح آسمانی وحی کے حکم سے عثمان سے کیا۔ بعض روایات میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا دونوں کے متعلق یہی ارشاد فرمایا، پہلے خاوند کے یہاں تو رخصتی بھی نہیں ہوئی تھی، اولاد کوئی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی نہیں ہوئی اور شعبان ۹ھ میں انتقال فرمایا، حضور ﷺ نے ان کے انتقال کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر میرے سو لڑکیاں ہوتیں اور انتقال کرتیں، تو اسی طرح ایک دوسری کے بعد سب کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ سے کرتا۔

⑦ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

حضور ﷺ کی چوتھی صاحبزادی، جنّتی عورتوں کی سردار، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو عمر میں اکثر مؤرخین کے نزدیک سب سے چھوٹی ہیں، نبوت کے ایک سال بعد جب کہ حضور ﷺ کی عمر شریف ۴۱؍ برس کی تھی، پیدا ہوئیں اور بعض نے نبوت سے ۵؍ سال پہلے ۳۵؍ سال کی عمر میں لکھا ہے، کہتے ہیں کے ان کا نام ''فاطمہ'' اِلہام یا وحی سے رکھا گیا، فَطْمٌ کے معنٰی روکنے کے ہیں یعنی یہ جہنم کی آگ سے محفوظ ہیں، ۲ھ محرم یا صفر یا رجب یا رمضان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے نکاح ہوا اور نکاح سے ۷؍ ماہ اور ۱۵؍ دن بعد رخصتی ہوئی، یہ نکاح بھی اللہ جلّ شانہٗ کے حکم سے ہوا۔ کہتے ہیں کہ نکاح کے وقت آپ کی عمر ۱۵؍ سال ۵؍ ماہ کی تھی، اس سے بھی ۴۱ ؍ویں سال میں پیدائش یعنی پہلے قول کی تائید ہوتی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر ۲۱؍ سال ۵؍ ماہ یا ۲۴؍ سال ڈیڑھ ماہ کی تھی۔ حضور ﷺ کو اپنی تمام صاحبزادیوں میں ان سے زیادہ محبت تھی، جب حضور ﷺ سفر کو تشریف لے جاتے، تو سب سے اخیر میں ان سے رخصت ہوتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے ان کے پاس تشریف لے جاتے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے ابو جہل کی لڑکی سے دوسرے نکاح کا ارادہ فرمایا، تو ان کو رنج ہوا، حضور ﷺ سے شکایت کی، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہ میرے بدن کا ٹکڑا ہے، جس نے اس کو رنج پہونچایا؛ اس نے مجھے رنج پہونچایا، اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی زندگی میں کوئی نکاح نہیں کیا۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کی بھانجی اُمامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا؛ جس کا ذکر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بیان میں گذرا۔ نبیٔ اکرم ﷺ کے وصال کے ۶؍ مہینے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں اور ایک روز خادمہ سے فرمایا کہ میں غسل کروں گی، پانی رکھ دو، غسل فرمایا، نئے کپڑے پہنے، پھر فرمایا کہ میرا بستر ہ گھر کے بیچ میں کر دو، اس پر تشریف لے گئیں اور قبلہ رُخ لیٹ کر داہنا ہاتھ رُخسار کے نیچے رکھا اور فرمایا کہ بس اب میں مَرتی ہوں، یہ فرما کر وصال فرمایا۔ حضور اکرم ﷺ کی اولاد کا سلسلہ انہیں سے چلا اور ان شاء اللہ قیامت تک چلتا رہے گا، ان کی چھ اولاد: تین لڑکے، تین لڑکیاں ہوئیں۔ سب سے اول حضرت حسن رضی اللہ عنہ نکاح سے دوسرے سال میں پیدا ہوئے، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ تیسرے سال میں یعنی ۴ھ میں، پھر حضرت محسّن رضی اللہ عنہ (یہ س کی تشدید کے ساتھ ہے) پیدا ہوئے؛ جن کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا۔ صاحبزادیوں میں سے حضرت رُقیَّہ رضی اللہ عنہا کا

انتقال بچپن ہی میں ہوگیا تھا؛ اسی وجہ سے بعض مؤرخین نے ان کو لکھا بھی نہیں، دوسری صاحبزادی حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت عمر امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ سے ہوا، جن سے ایک صاحبزادے زیدؒ اور صاحبزادی رُقیہؒ پیدا ہوئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عَوْنُ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ہوا، ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے بھائی محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ہوا، ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، جو بچپن ہی میں انتقال کرگئی، ان کے انتقال کے بعد ان کے تیسرے بھائی عبداللہ ابن جعفر رضی اللہ عنہ سے ہوا، ان سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی اور انہیں کے نکاح میں حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا اور اسی دن ان کے صاحبزادے زیدؒ کا بھی انتقال ہوا، دونوں جنازے ساتھ ہی اُٹھے اور کوئی سلسلہ اولاد کا ان سے نہیں چلا۔ یہ تینوں[۱] بھائی وہی عبداللہ اور عَوْنُ اور محمد رضی اللہ عنہم ہیں جن کا قصہ چھٹے باب کے ۱۱ر پر گذرا ہے، یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھتیجے اور جعفر طیّار رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تیسری صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں، جن کا نکاح عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ہوا اور دو صاحبزادے عبداللہ اور عَوْنُ پیدا ہوئے اور ان کے ہی نکاح میں انتقال فرمایا۔ ان کے انتقال کے بعد عبداللہ بن جعفر کا نکاح ان کی ہمشیرہ[۱] حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا سے ہوا تھا، یہ اولاد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہے، ورنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی دوسری بیویوں سے جو بعد میں ہوئیں؛ اور بھی اولاد ہے۔ مؤرخین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تمام اولاد ۳۲ر لکھی ہے، جن میں ۱۶ر لڑکے، ۱۶ر لڑکیاں اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ۱۵ر لڑکے، ۸ر لڑکیاں اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ۶ر لڑکے، ۳ر لڑکیاں۔ رَضِيَ[۲] اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ وَأَرْضَاهُمْ أَجْمَعِيْنَ. وَجَعَلَنَا بِهَدْيِهِمْ مُتَّبِعِيْنَ. وَاللّٰهُ أَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ أَتَمُّ. ملخص من الخميس والزرقاني على المواهب والتلقيح والإصابه وأسد الغابة.

گیارہواں باب: بچوں کا دینی جذبہ

کمسن[۳] اور نوعمر بچوں میں جو دین کا جذبہ تھا؛ وہ حقیقت میں بڑوں کی پرورش کا ثمرہ[۴] تھا، اگر ماں باپ اور دوسرے اولیا[۵]، اولاد کو شفقت میں کھو دینے اور ضائع کر دینے کے بجائے شروع ہی سے ان کی دینی حالت کی خبرگیری[۶] اور اس پر تنبیہ رکھیں، تو دین کے اُمور بچوں کے دلوں میں جگہ پکڑیں اور بڑی عمر میں جاکر وہ چیزیں ان کے لئے بمنزلۂ عادت کے ہوجائیں؛ لیکن ہم لوگ اس کے برخلاف بچے کی ہر بُری بات پر بچہ سمجھ کر چشم پوشی[۷] کرتے ہیں؛ بلکہ زیادہ محبت کا جوش ہوتا ہے، تو اس پر خوش ہوتے ہیں اور دین میں جتنی کوتاہی دیکھتے ہیں اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دیتے ہیں کہ بڑے ہوکر سب درست ہوجاوے گا، حالانکہ بڑے

حل لغات: (۱) بہن۔ (۲) اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہووے اور ان سب کو خوش کرے۔ اے اللہ ہمیں انکے راستے کی پیروی کرنے والا بنادے۔ (۳) چھوٹی عمر۔ (۴) نتیجہ۔ (۵) سرپرست، ذمے دار۔ (۶) دیکھ بھال۔ (۷) معاف کرنا۔

ہوکر وہی عادات پکتی ہیں جن کا شروع میں بیج بویا جاچکا ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ بیج چنے کا ڈالا جائے اور اس سے گیہوں پیدا ہو، یہ مشکل ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ بچے میں اچھی عادتیں پیدا ہوں، دین کا اہتمام ہو، دین پر عمل کرنے والا ہو، تو بچپن ہی سے اس کو دین کے اہتمام کا عادی بنائیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بچپن سے ہی اپنی اولاد کی نگہداشت[1] فرماتے تھے اور دینی امور کا اہتمام کراتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ایک شخص پکڑ کر لایا گیا، جس نے رمضان میں شراب پی رکھی تھی اور روزہ سے نہیں تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ تیرا ناس[2] ہو، ہمارے تو بچے بھی روزہ دار ہیں۔

فائدہ: یعنی تُو اتنا بڑا ہو کر بھی روزہ نہیں رکھتا، اس کے بعد ۸۰ کوڑے شراب کی سزا میں مارے اور مدینہ منورہ سے نکل جانے کا حکم فرما کر ملک شام کو چلتا کر دیا۔ [بخاری]

① بچوں کو روزہ رکھوانا

رُبَیِّعْ بنت مُعَوِّذ رضی اللہ عنہا جن کا قصہ پہلے باب کے اخیر میں گذرا ہے۔ کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اعلان کرایا کہ آج عاشورہ کا دن ہے سب کے سب روزہ رکھیں، ہم لوگ اس کے بعد سے ہمیشہ روزہ رکھتے رہے اور اپنے بچوں کو بھی روزہ رکھواتے تھے۔ جب وہ بھوک کی وجہ سے رونے لگتے، تو روئی کے گالے کے کھلونے بنا کر ان کو بہلایا کرتے تھے اور افطار کے وقت تک اسی طرح ان کو کھیل میں لگائے رکھتے تھے۔ [بخاری]

فائدہ: بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ مائیں دودھ پیتے بچوں کو دودھ نہیں پلاتی تھیں، اگرچہ اس وقت قُویٰ[3] نہایت قَوِی تھے اور اب بہت ضعیف، وہ لوگ اور وہ بچے اس کے مُتحمِّل[4] تھے؛ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جتنے کا اب تحمّل ہے وہی کہاں کیا جاتا ہے تحمّل کا دیکھنا تو نہایت ضروری ہے؛ مگر اب جس کا تحمّل ہے، اس میں کوتاہی یقیناً نامناسب ہے۔

② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث اور ان کا علمی ذوق

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چھ[۶] سال کی عمر میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں، مکہ مکرمہ میں نکاح ہوا اور نویں[۹] سال کی عمر میں مدینہ طیبہ میں رخصتی ہوئی، اٹھارہ[۱۸] سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ اٹھارہ[۱۸] سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے؛ جس میں اس قدر دینی مسائل اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور اَفعال[5] اُن سے نقل کیے جاتے ہیں کہ حد نہیں۔ مَسْرُوق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بڑے بڑے صحابہ کو میں نے دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مردوں سے زیادہ مسائل سے واقف اور عالم تھیں۔ ابوموسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو علمی مشکل ہمیں درپیش آتی تھی؛ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس کے متعلق تحقیق ملتی تھی۔ [اِصابہ] دو ہزار دو سو دس[۲۲۱۰] حدیثیں کتب حدیث میں ان کی

حل لغات: ① نگرانی۔ ② برا۔ ③ یعنی بدن کے اعضاء۔ ④ برداشت کرنے والے۔ ⑤ کیے ہوئے کام۔

ملتی ہیں۔[تلقیح] خود فرماتی ہیں کہ "میں مکہ مکرمہ میں بچپن میں کھیل رہی تھی، اس وقت حضورِ اقدس ﷺ پر سورۂ قمر کی آیت ﴿ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴾ نازل ہوئی۔[بخاری] مکہ مکرمہ میں آٹھ برس کی عمر تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رہی ہیں، اس کم عمری میں اس آیت کے نازل ہونے کی خبر ہونا اور پھر اس کا یاد بھی رکھنا، دین کے ساتھ خاص ہی لگاؤ سے ہوسکتا ہے، ورنہ آٹھ برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے؟

③ حضرت عُمیر رضی اللہ عنہ کا شوقِ جہاد

حضرت عُمیر رضی اللہ عنہ آبی اللّحم کے غلام اور کم عمر بچے تھے، جہاد میں شرکت کا شوق اس وقت ہر بڑے چھوٹے کی جان تھا۔ خَیبَر کی لڑائی میں شرکت کی خواہش کی، ان کے سرداروں نے بھی حضورِ اقدس ﷺ کی بارگاہ میں سفارش کی کہ اجازت فرمادی جائے، چنانچہ حضور ﷺ نے اجازت فرمادی اور ایک تلوار مرحمت فرمائی؛ جو گلے میں لٹکالی، مگر تلوار بڑی تھی اور قد چھوٹا تھا، اس لیے وہ زمین پر گھسٹتی جاتی تھی، اسی حال میں خیبر کی لڑائی میں شرکت کی، چونکہ بچے بھی تھے اور غلام بھی، اس لیے غنیمت کا پورا حصہ تو ملا نہیں، البتہ بطورِ عطا[1] کے کچھ سامان حصہ میں آیا۔ [ابوداؤد]

فائدہ: ان جیسے حضرات کو یہ بھی معلوم تھا کہ غنیمت میں ہمارا پورا حصہ بھی نہیں، اس کے باوجود پھر یہ شوق کہ دوسرے حضرات سے سفارشیں کرائی جاتی تھیں، اس کی وجہ دینی جذبہ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے سچے رسول ﷺ کے وعدوں پر اطمینان کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے؟

④ حضرت عُمَیر رضی اللہ عنہ کا جنگِ بدر میں چھپ کر شریک ہونے کی کوشش

حضرت عُمَیر بن ابی وَقَّاص رضی اللہ عنہ ایک نوعمر صحابی ہیں، شروع ہی میں مسلمان ہوگئے تھے، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مشہور صحابی کے بھائی ہیں۔ سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی عمیر کو بدر کی لڑائی کے وقت دیکھا کہ لشکر کی روانگی کی تیاری ہو رہی تھی اور وہ اِدھر اُدھر چُھپتے پھر رہے تھے کہ کوئی دیکھے نہیں۔ مجھے یہ بات دیکھ کر تعجب ہوا، میں نے ان سے پوچھا کہ کیا ہوا، چھپتے کیوں پھر رہے ہو؟ کہنے لگے: مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں حضورِ اقدس ﷺ مجھے نہ دیکھ لیں اور بچہ سمجھ کر جانے کی ممانعت کردیں کہ پھر نہ جاسکوں گا اور مجھے تمنا ہے کہ لڑائی میں ضرور شریک ہوں، کیا بعید ہے اللہ تعالیٰ مجھے بھی کسی طرح شہادت نصیب فرمائیں۔ آخر جب لشکر پیش ہوا، تو جو خطرہ تھا وہ پیش آیا اور حضورِ اقدس ﷺ نے ان کے کم عمر ہونے کی وجہ سے انکار فرمادیا اور جو خطرہ تھا وہ سامنے آگیا؛ مگر شوق کا غلبہ تھا تحمّل[2] نہ کرسکے اور رونے لگے۔ حضورِ اقدس ﷺ کو شوق کا اور رونے کا حال معلوم ہوا، تو اجازت عطا فرمادی۔ لڑائی میں شریک ہوئے اور دوسری تمنا بھی پوری ہوئی کہ اسی لڑائی میں شہید ہوئے۔ ان کے بھائی سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں

حل لغات: ① بخشش، انعام۔ ② برداشت۔

کہ ان کے چھوٹے ہونے اور تلوار کے بڑے ہونے کی وجہ سے میں اس کے تسموں[1] میں گرہیں لگاتا تھا تاکہ اونچی ہو جائے۔ [اصابہ]

⑤ دو انصاری بچوں کا ابوجہل کو قتل کرنا

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مشہور اور بڑے صحابہ میں ہیں، فرماتے ہیں کہ میں بدر کی لڑائی میں میدان میں لڑنے والوں کی صف میں کھڑا تھا، میں نے دیکھا کہ میرے دائیں اور بائیں جانب انصار کے دو کم عمر لڑکے ہیں، مجھے خیال ہوا کہ میں اگر قوی اور مضبوط لوگوں کے درمیان ہوتا تو اچھا تھا کہ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی مدد کر سکتے، میرے دونوں جانب بچے ہیں، یہ کیا مدد کر سکیں گے؟ اتنے میں ان دونوں لڑکوں میں سے ایک نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا: چچا جان! تم ابوجہل کو بھی پہچانتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں پہچانتا ہوں، تمہاری کیا غرض ہے؟ اس نے کہا: مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گالیاں بکتا ہے، اُس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر میں اس کو دیکھ لوں تو اس وقت تک اس سے جدا نہ ہوں گا کہ وہ مر جائے یا میں مر جاؤں۔ مجھے اس کے سوال اور جواب پر تعجب ہوا۔ اتنے میں دوسرے نے یہی سوال کیا اور جو پہلے نے کہا تھا، وہی اس نے بھی کہا۔ اتفاقاً میدان میں ابوجہل دوڑتا ہوا مجھے نظر پڑ گیا۔ میں نے ان دونوں سے کہا کہ تمہارا مطلوب جس کے بارہ میں تم مجھ سے سوال کر رہے تھے، وہ جا رہا ہے۔ دونوں یہ سن کر تلواریں ہاتھ میں لیے ہوئے ایک دم بھاگے چلے گئے اور جا کر اس پر تلوار چلانی شروع کر دی، یہاں تک کہ اس کو گرا دیا۔ [بخاری]

فائدہ: یہ دونوں صاحبزادے مُعاذ بن عَمْرو بن جَمُوح رضی اللہ عنہ اور مُعاذ بن عَفْراء رضی اللہ عنہما ہیں۔ مُعاذ بن عَمْرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں لوگوں سے سنتا تھا کہ ابوجہل کو کوئی نہیں مار سکتا، وہ بڑی حفاظت میں رہتا ہے، مجھے اسی وقت سے خیال تھا کہ میں اس کو ماروں گا۔ یہ دونوں صاحبزادے پیدل تھے اور ابوجہل گھوڑے پر سوار تھا، صفوں کو درست کر رہا تھا، جس وقت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دیکھا اور یہ دونوں دوڑے تو گھوڑے سوار پر براہِ راست[2] حملہ مشکل تھا، اس لیے ایک نے گھوڑے پر حملہ کیا اور دوسرے نے ابوجہل کی ٹانگ پر حملہ کیا، جس سے گھوڑا بھی گرا اور ابوجہل بھی گرا اور اُٹھ نہ سکا۔ یہ دونوں حضرات اس کو ایسا کر کے چھوڑ آئے تھے کہ اُٹھ نہ سکے، وہیں پڑا تڑپتا رہے؛ مگر مُعوّذ بن عَفراء رضی اللہ عنہما ان کے بھائی نے اور ذرا ٹھنڈا کر دیا، کہ مبادا[3] اُٹھ کر چلا جائے، لیکن بالکل انھوں نے بھی نہ نمٹایا، اس کے بعد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بالکل ہی سَر جُدا کر دیا۔ مُعاذ بن عَمْرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس وقت میں نے اس کی ٹانگ پر حملہ کیا، تو اس کا لڑکا عِکرمہ ساتھ تھا، اُس نے میرے مونڈھے پر حملہ کیا، جس سے میرا ہاتھ کٹ گیا اور صرف کھال میں لٹکا ہوا رہ گیا۔ [اُسد الغابہ]

حل لغات: ① چمڑے کا ٹکڑا۔ ② ڈائریکٹ، سیدھا۔ ③ ایسا نہ ہو کہ۔

میں نے اس لٹکے ہوئے ہاتھ کو کمر کے پیچھے ڈال لیا اور دن بھر دوسرے ہاتھ سے لڑتا رہا، لیکن جب اس کے لٹکے رہنے سے دِقّت[1] ہوئی، تو میں نے اس کو پاؤں کے نیچے دبا کر زور سے کھینچا، وہ کھال بھی ٹوٹ گئی؛ جس سے وہ اٹک رہا تھا اور میں نے اس کو پھینک دیا۔ [خمیس]

⑥ حضرت رافع رضی اللہ عنہ اور حضرت سَمُرہ بن جُندُب رضی اللہ عنہ کا مقابلہ

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب لڑائی کے لیے تشریف لے جاتے تو مدینہ منورہ سے باہر جانے کے بعد لشکر کا معائنہ[2] فرماتے، ان کے احوال کو، ان کی ضرورتوں کو دیکھتے اور لشکر کی اصلاح فرماتے، کم عمر بچوں کو واپس فرما دیتے۔ یہ حضرات شوق میں نکل پڑتے۔ چنانچہ اُحد کی لڑائی کے لیے جب تشریف لے جانا ہوا تو ایک موقع پر جا کر لشکر کا معائنہ فرمایا اور نوعمروں کو لڑکپن کی وجہ سے واپس فرما دیا؛ جن میں حضراتِ ذَیل[3] بھی تھے: عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، اُسامہ بن زید، زید بن اَرقم، براء بن عازِب، عَمرو بن حَزم، اُسید بن ظُہیر، عَرابۃ بن اَوس، ابوسعید خُدری، سَمُرۃ بن جُندُب، رافع بن خَدِیج رضی اللہ عنہم کہ ان کی عمریں تقریباً تیرہ[13]، چودہ[14] برس کی تھیں۔ جب ان کو واپسی کا حکم ہوا تو حضرت خَدِیج رضی اللہ عنہ نے سفارش کی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرا لڑکا رافع تیر چلانا بہت اچھا جانتا ہے اور خود رافع بھی اجازت کے اشتیاق میں اُبھر اُبھر کر کھڑے ہوتے تھے کہ قد لانبا معلوم ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت عطا فرما دی تو سَمُرۃ بن جُندُب رضی اللہ عنہ نے اپنے سوتیلے باپ مُرّۃ بن سِنان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رافع کو تو اجازت مرحمت فرما دی اور مجھے اجازت نہیں عطا فرمائی، حالانکہ میں رافع رضی اللہ عنہ سے قوی ہوں، اگر میرا اور اس کا مقابلہ ہو تو میں اس کو پچھاڑ لوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کا مقابلہ کرایا تو سَمُرہ رضی اللہ عنہ نے رافع رضی اللہ عنہ کو واقعی پچھاڑ لیا، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سَمُرہ رضی اللہ عنہ کو بھی اجازت عطا فرما دی، اس کے بعد اور بچوں نے بھی کوشش کی اور بعضوں کو اور بھی اجازت مل گئی، اسی سلسلے میں رات ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام لشکر کی حفاظت کا انتظام فرمایا اور پچاس[50] آدمیوں کو پورے لشکر کی حفاظت کے واسطے متعین فرمایا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہماری حفاظت کون کرے گا؟ ایک صاحب اُٹھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمھارا کیا نام ہے؟ انھوں نے کہا: ذَکوان، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا بیٹھ جاؤ، پھر فرمایا: ہماری حفاظت کون کرے گا؟ ایک صاحب اُٹھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نام دریافت کیا، عرض کیا: ابوسَبُع (سبع کا باپ)، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹھ جاؤ، تیسری مرتبہ پھر ارشاد ہوا کہ ہماری حفاظت کون کرے گا؟ پھر ایک صاحب کھڑے ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نام دریافت کیا، انھوں نے عرض کیا ابنُ عبدِ القَیس (عبدِ قیس کا بیٹا)، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اچھا بیٹھ جاؤ۔ اس کے تھوڑی دیر بعد ارشاد ہوا کہ تینوں آدمی آجاؤ، تو ایک صاحب حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حل لغات: ① تکلیف۔ ② نظر ڈالنا، دیکھنا۔ ③ نیچے لکھے ہوئے لوگ۔

کہ تمہارے دونوں ساتھی کہاں گئے؟ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! تینوں دفعہ میں ہی اٹھا تھا، حضور ﷺ نے دعا دی اور حفاظت کا حکم فرمایا۔ رات بھر یہ حضور ﷺ کے خیمہ کی حفاظت فرماتے رہے۔　　[خمیس]

فائدہ: یہ شوق اور وَلوَلے تھے ان حضرات کے کہ بچہ ہو یا بڑا، ہر شخص کچھ ایسا مَست تھا کہ جان دینا مستقل مقصود تھا، اسی وجہ سے کامیابی ان کے قدم چومتی تھی۔ رافع بن خَدِیج رضی اللہ عنہ نے بدر کی لڑائی میں بھی اپنے آپ کو پیش کیا تھا، مگر اس وقت اجازت نہ مل سکی تھی، پھر اُحد میں پیش کیا، جس کا قصّہ ابھی گذرا، اس کے بعد سے ہر لڑائی میں شریک ہوتے رہے۔ اُحد کی لڑائی میں سینے میں ایک تیر لگا، جب اس کو کھینچا گیا تو سارا نکل آیا، مگر بھَالْ[1] کا حصہ اندر بدن میں رہ گیا، جس نے زخم کی صورت اختیار کی اور آخیر زمانہ میں بڑھاپے کے قریب یہی زخم ہرا[2] ہو کر موت کا سبب بنا۔　　[اُسد الغابہ]

⑦ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا حافظِ قرآن ہونے کی وجہ سے اِعزاز[3]

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی عمر ہجرت کے وقت گیارہ سال کی تھی اور چھ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے تھے۔ بدر کی لڑائی میں اپنے آپ کو پیش کیا، اجازت نہ ملی، پھر اُحد کی لڑائی میں نکلے، مگر واپس کر دیے گئے، جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ چوں کہ سَمُرہ رضی اللہ عنہ اور رافع رضی اللہ عنہ دونوں کو اجازت ہو چکی تھی، جیسا کہ اس سے پہلے قصہ میں گذرا، اس لیے ان کو بھی اجازت ہو گئی تھی۔ اس کے بعد سے ہر لڑائی میں شریک ہوتے رہے۔ تبوک کی لڑائی میں بنو مالک کا جھنڈا حضرت عُمارہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ حضور ﷺ نے عُمارہ رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت زید رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ عُمارہ رضی اللہ عنہ کو فکر ہوا کہ شاید مجھ سے کوئی غلطی صادر ہوئی یا کوئی وجہِ ناراضی پیش آئی۔ دریافت کیا: یارسول اللہ! میری کوئی شکایت حضور تک پہونچی ہے؟ ارشاد فرمایا: یہ بات نہیں، بلکہ زید قرآن شریف تم سے زیادہ پڑھا ہوا ہے، قرآن نے اس کو جھنڈا اُٹھانے میں مقدم کر دیا۔　　[اُسد الغابہ]

فائدہ: حضورِ اقدس ﷺ کا عام معمول تھا کہ فضائل میں دین کے اعتبار سے ترجیح[4] فرماتے تھے، یہاں اگرچہ لڑائی کا موقع تھا اور قرآن شریف کے زیادہ پڑھے ہوئے ہونے کو اس میں کوئی دخل نہیں تھا، اس کے باوجود حضور ﷺ نے قرآن پاک کی زیادتی کی وجہ سے جھنڈے کے اُٹھانے میں ان کو مُقدَّم فرمایا۔ اکثر چیزوں میں حضورِ اقدس ﷺ اس کا لحاظ فرماتے تھے، حتیٰ کہ اگر کئی آدمیوں کو کسی ضرورت سے ایک قبر میں دفن فرمانے کی نوبت آتی، تو جس کا قرآن شریف زیادہ پڑھا ہوا ہوتا تھا، اس کو مُقدَّم فرماتے، جیسا کہ غزوۂ اُحد میں کیا۔

حل لغات: ① تیر کی نوک۔ ② زخم کا تازہ ہو جانا۔ ③ عزت، مرتبہ۔ ④ آگے بڑھانا۔

⑧ حضرت ابوسعید خُدری ؓ کے بچپن میں ان کے والد کی شہادت

حضرت ابوسعید خُدری ؓ فرماتے ہیں کہ میں اُحد کی لڑائی میں پیش کیا گیا، تیرہ[13] سال کی میری عمر تھی، حضور ﷺ نے قبول نہیں فرمایا۔ میرے والد نے سفارش بھی کی کہ اس کے قُویٰ[1] اچھے ہیں، ہڈّیاں بھی موٹی ہیں۔ حضورِ اقدس ﷺ نگاہ میری طرف اوپر کو اٹھاتے تھے، پھر نیچے کرلیتے تھے، بالآخر کم عمر ہونے کی وجہ سے اجازت نہیں دی۔ میرے والد اس لڑائی میں شریک ہوئے اور شہید ہوگئے۔ کوئی مال وغیرہ کچھ نہ تھا، میں حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں سوال کرنے کی غرض سے حاضر ہوا، حضور ﷺ نے مجھے دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ جو صبر مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو صبر عطا فرماتے ہیں اور جو پاکبازی اللہ سے مانگتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کو پاکباز بنادیتے ہیں اور جو غِنا[2] چاہتا ہے، اس کو غنا عطا فرماتے ہیں۔ میں نے یہ مضمون حضور ﷺ سے سنا، پھر کچھ نہ مانگا، چپکے ہی واپس آگیا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ نے اُن کو وہ رتبہ عطا فرمایا کہ نوعمر صحابہ میں اس بڑے درجہ کا عالم دوسرا مشکل سے ملے گا۔ [اصابہ، استیعاب]

فائدہ: بچپن کی عمر اور باپ کے صدمہ کے علاوہ ضرورت کا وقت، لیکن نبیٔ اکرم ﷺ کی ایک عام نصیحت کو سُن کر چُپ چاپ چلے آنا اور اپنی پریشانی کا اظہار تک نہ کرنا، کیا آج کل کوئی بڑی عمر والا بھی کرسکتا ہے؟ سچ یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے رسول ﷺ کی مُصاحَبت[3] کے لیے ایسے ہی لوگ چُنے تھے، جو اس کے اہل[4] تھے، اسی لیے حضور ﷺ کا ارشاد ہے جو خاتمہ میں آتا ہے کہ ''اللہ نے سارے آدمیوں میں میرے صحابہ کو چُنا ہے''۔

⑨ حضرت سَلَمہ بن اَکْوَع ؓ کا تنِ تنہا ایک جماعت سے مقابلہ

''غابہ'' مدینہ طیبہ سے چار پانچ میل پر ایک آبادی تھی، وہاں حضورِ اقدس ﷺ کے کچھ اونٹ چرا کرتے تھے۔ کافروں کے ایک مجمع کے ساتھ عبدالرحمٰن فَزَاری نے ان کو لوٹ لیا، جو صاحب چَراتے تھے ان کو قتل کردیا اور اونٹوں کو لے کر چل دیے۔ یہ لُٹیرے لوگ گھوڑوں پر سوار تھے اور ہتھیار لگائے ہوئے تھے۔ اتفاقاً حضرت سلمہ بن اَکْوَع ؓ صبح کے وقت پیدل، تیر کمان لیے ہوئے غابہ کی طرف چلے جارہے تھے کہ اچانک ان لٹیروں پر نگاہ پڑی، بچّے تھے، دوڑتے بہت تھے، کہتے ہیں کہ ان کی دوڑ ضَرْبُ المَثَل[5] اور مشہور تھی، یہ اپنی دوڑ میں گھوڑے کو پکڑلیتے تھے اور گھوڑا ان کو نہیں پکڑسکتا تھا، اس کے ساتھ ہی تیراندازی میں بھی مشہور تھے۔ حضرت سَلَمہ بن اَکْوَع ؓ نے مدینہ منورہ کی طرف منہ کرکے ایک پہاڑی پر چڑھ کر لُوٹ کا اعلان کیا اور خود تیر کمان ساتھ تھی ہی، ان لٹیروں کے پیچھے دوڑ لیے، حتیٰ کہ ان کے پاس تک پہونچ گئے اور تیر مارنے شروع کیے اور اس پُھرتی سے دَمادَم[6] تیر برسائے کہ وہ لوگ بڑا

حل لغات: ① یعنی بدن کے اعضاء۔ ② مالداری۔ ③ ساتھ رہنا۔ ④ لائق۔ ⑤ بہت مشہور۔ ⑥ لگاتار۔

مجمع سمجھے اور چوں کہ خود تنہا تھے اور پیدل بھی تھے، اس لیے جب کوئی گھوڑا لوٹا کر پیچھا کرتا تو کسی درخت کی آڑ میں چُھپ جاتے اور آڑ میں سے اس کے گھوڑے کو تیر مارتے جس سے وہ زخمی ہوتا اور وہ اس خیال سے واپس جاتا کہ گھوڑا اگر گیا تو میں پکڑا جاؤں گا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: غرض وہ بھاگتے رہے اور میں پیچھا کرتا رہا، حتّٰی کہ جتنے اونٹ انھوں نے حضور ﷺ کے لُوٹے تھے، وہ میرے پیچھے ہوگئے اور اس کے علاوہ تیس بَرچھے اور تیس چادریں وہ اپنی چھوڑ گئے۔ اتنے میں عُیَیْنَہ بن حِصن کی ایک جماعت مدد کے طور پر ان کے پاس پہونچ گئی اور ان لٹیروں کو قوت حاصل ہوگئی، یہ بھی ان کو معلوم ہوگیا کہ میں اکیلا ہوں۔ انھوں نے کئی آدمیوں نے مل کر میرا پیچھا کیا، میں ایک پہاڑ پر چڑھ گیا وہ بھی چڑھ گئے، جب میرے قریب ہوگئے تو میں نے زور سے کہا کہ ذرا ٹھیرو پہلے میری ایک بات سنو، تم مجھے جانتے بھی ہو کہ میں کون ہوں؟ انھوں نے کہا کہ بتا کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں اِبنُ الاَکْوَع ہوں، اُس ذات پاک کی قسم جس نے محمد ﷺ کو عزت دی! تم میں سے اگر کوئی مجھے پکڑنا چاہے تو نہیں پکڑ سکتا اور تم میں سے جس کو میں پکڑنا چاہوں، وہ مجھ سے ہرگز نہیں چھوٹ سکتا۔ ان کے متعلق چوں کہ عام طور سے یہ شہرت تھی کہ بہت زیادہ دوڑتے ہیں حتّٰی کہ عربی گھوڑا بھی ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اس لیے یہ دعویٰ کچھ عجیب نہیں تھا۔ سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اسی طرح ان سے بات چیت کرتا رہا اور میرا مقصود یہ تھا کہ ان لوگوں کے پاس تو مدد پہونچ گئی ہے، مسلمانوں کی طرف سے میری مدد بھی آجائے کہ میں بھی مدینہ میں اعلان کرکے آیا تھا، غرض ان سے اسی طرح میں بات کرتا رہا اور درختوں کے درمیان سے مدینہ منورہ کی طرف غور سے دیکھتا تھا کہ مجھے ایک جماعت گھوڑے سواروں کی دوڑ کر آتی ہوئی نظر آئی، ان میں سب سے آگے اَخْرَم اَسَدِی رضی اللہ عنہ تھے، انھوں نے آتے ہی عبدالرحمٰن فَزاری پر حملہ کیا اور عبدالرحمٰن بھی ان پر متوجہ ہوا، انھوں نے عبدالرحمٰن کے گھوڑے پر حملہ کیا اور پاؤں کاٹ دیے، جس سے وہ گھوڑا گرا اور عبدالرحمٰن نے گرتے ہوئے ان پر حملہ کردیا، جس سے وہ شہید ہوگئے اور عبدالرحمٰن فوراً ان کے گھوڑے پر سوار ہوگیا، ان کے پیچھے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ تھے، فوراً انھوں نے حملہ شروع کردیا، عبدالرحمٰن نے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے پاؤں پر حملہ کیا، جس سے وہ گرے اور گرتے ہوئے انھوں نے عبدالرحمٰن پر حملہ کیا، جس سے وہ قتل ہوگیا اور ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فوراً اس گھوڑے پر جو اَخْرَم اَسَدِی رضی اللہ عنہ کا تھا اور اب اس پر عبدالرحمٰن سوار ہو رہا تھا، سوار ہوگئے۔ [ابوداؤد]

فائدہ: بعض تواریخ میں لکھا ہے کہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے اَخْرَم اَسَدِی رضی اللہ عنہ کو حملہ سے روکا بھی تھا کہ ذرا ٹھہر جاؤ۔ اپنا مجمع اَور آنے دو، مگر انھوں نے فرمایا کہ مجھے شہید ہونے دو۔ کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں صرف یہی شہید ہوئے اور کفار کے بہت سے آدمی اس لڑائی میں مارے گئے، اس کے بعد بڑا مجمع مسلمانوں کا پہونچ

حل لغات: (۱) نیزے۔

گیا اور وہ لوگ بھاگ گئے تو حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے ساتھ سَو آدمی کر دیں، میں اُن کا پیچھا کروں، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اپنی جماعتوں میں پہونچ گئے۔ اکثر تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت بارہ یا تیرہ برس کی تھی، بارہ تیرہ برس کا لڑکا گھوڑے سواروں کی ایک بڑی جماعت کو اس طرح بھگا دے کہ ہوش وحَواس گُم ہو جائیں، جو لُوٹا تھا وہ بھی چھوڑ دیں اور اپنا بھی سامان چھوڑ جائیں، یہ اسی اخلاص کی برکت تھی، جو اللہ جلَّ شانہٗ نے اس جماعت کو نصیب فرمایا تھا۔

⑩ بدر کا مقابلہ اور حضرت براء رضی اللہ عنہ کا شوق

بدر کی لڑائی سب سے افضل اور سب سے زیادہ مُہتَم بالشَّان[1] لڑائی ہے، اس لیے کہ اس میں مقابلہ نہایت سخت تھا، مسلمانوں کی جماعت نہایت قلیل[2] کل تین سو پندرہ آدمی تھے، جن کے پاس صرف ۳/ گھوڑے، ۶ یا ۹/ زِرہیں[3] اور آٹھ تلواریں تھیں اور ۷۰/ اونٹ تھے، ایک ایک اونٹ پر کئی کئی آدمی باری باری سوار ہوتے تھے، اور کفار کی جماعت ایک ہزار کے قریب تھی، جن میں سَو گھوڑے اور سات سو اونٹ اور لڑائی کا کافی سامان تھا؛ اسی وجہ سے وہ لوگ نہایت اطمینان کے ساتھ باجوں اور گانے والی عورتوں کے ساتھ میدان میں آئے۔ اِدھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت مُتفکِّر[4] کہ مسلمان نہایت کمزوری کی حالت میں تھے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں جماعتوں کا اندازہ فرمایا تو دعا مانگی: یااللہ! یہ مسلمان ننگے پاؤں ہیں، تُو ہی ان کو سواری دینے والا ہے؛ یہ ننگے بدن ہیں، تُو ہی ان کو کپڑا پہنانے والا ہے؛ یہ بھوکے ہیں، تو ہی ان کا پیٹ بھرنے والا ہے؛ یہ فقیر ہیں، تُو ہی ان کو غنی کرنے والا ہے، چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی۔ ان سب باتوں کے باوجود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت بَراء بن عازب رضی اللہ عنہما دونوں حضرات لڑائی میں شرکت کے شوق میں گھر سے چل دیے، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ ہونے کی وجہ سے راستہ میں سے لوٹا دیا۔ [خمیس]

یہ دونوں حضرات اُحد کی لڑائی میں سے بھی واپس کیے گئے تھے، جیسا کہ پہلے قصہ میں گذر چکا ہے۔ اُحد کی لڑائی بدر کی لڑائی سے ایک سال بعد ہوئی، جب اس میں بھی یہ بچوں میں شمار کیے گئے تو بدر میں بطَریق[5] اَوْلی بچے تھے، مگر ان حضرات کا شوق تھا کہ بچپن ہی سے یہ ولولہ اور شوق دل میں جوش مارتا تھا اور ہر لڑائی میں شریک ہونے اور اجازت ملنے کی کوشش کرتے تھے۔

⑪ حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن اُبَی رضی اللہ عنہ کا اپنے باپ سے معاملہ

۵ ھ میں بنو المُصْطَلِق کی مشہور جنگ ہوئی، اس میں ایک مُہاجِری اور انصاری کی باہم[6] لڑائی ہوگئی، معمولی بات تھی مگر بڑھ گئی، ہر ایک نے اپنی اپنی قوم سے دوسرے کے خلاف مدد چاہی اور دونوں طرف جماعتیں پیدا ہوگئیں اور قریب تھا کہ آپس میں لڑائی کا معرکہ[7] گرم ہو جائے کہ

حل لغات: ① اہم، عظیم الشان۔ ② تھوڑی۔ ③ لوہے کا لباس۔ ④ فکرمند۔ ⑤ یقیناً۔ ⑥ آپس میں۔ ⑦ ہنگامہ۔

درمیان میں بعض لوگوں نے پڑ کر صلح کرادی۔ عبداللہ بن اُبَی منافقوں کا سردار اور نہایت مشہور منافق اور مسلمانوں کا سخت مخالف تھا؛ مگر چوں کہ اسلام ظاہر کرتا تھا، اس لیے اس کے ساتھ خلاف کا برتاؤ نہ کیا جاتا تھا اور یہی اس وقت منافقوں کے ساتھ عام برتاؤ تھا۔ اس کو جب اس قصے کی خبر ہوئی، تو اس نے حضور اقدس ﷺ کی شان میں گستاخانہ لفظ کہے اور اپنے دوستوں سے خطاب کر کے کہا کہ یہ سب کچھ تمہارا اپنا ہی کیا ہوا ہے، تم نے ان لوگوں کو اپنے شہروں میں ٹھکانا دیا، اپنے مالوں کو ان کے درمیان آدھوں آدھ بانٹ لیا، اگر تم ان لوگوں کی مدد کرنا چھوڑ دو، تو اب بھی سب چلے جاویں اور یہ بھی کہا کہ خدا کی قسم! ہم لوگ اگر مدینہ پہونچ گئے، تو ہم عزت والے مل کر ان ذلیلوں کو وہاں سے نکال دیں گے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نوعمر بچّے تھے، وہاں موجود تھے، یہ سن کر تاب[1] نہ لا سکے، کہنے لگے کہ خدا کی قسم! تُو ذلیل ہے، تُو اپنی قوم میں بھی ترچھی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، تیرا کوئی حمایتی نہیں ہے اور محمد ﷺ عزت والے ہیں، رحمٰن کی طرف سے بھی عزت دیے گئے ہیں اور اپنی قوم میں بھی عزت والے ہیں۔ عبداللہ بن اُبَی نے کہا کہ اچھا چُپکا رہ، میں تو ویسے ہی مذاق میں کہہ رہا تھا؛ مگر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جا کر حضور اقدس ﷺ سے نقل کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درخواست بھی کی کہ اس کافر کی گردن اڑا دی جائے، مگر حضور ﷺ نے اجازت مرحمت نہ فرمائی۔ عبداللہ بن اُبَی کو جب اس کی خبر ہوئی کہ حضور ﷺ تک یہ قصہ پہونچ گیا ہے، تو حاضر خدمت ہو کر جھوٹی قسمیں کھانے لگا کہ میں نے کوئی لفظ ایسا نہیں کہا، زید نے جھوٹ نقل کر دیا، انصار کے بھی کچھ لوگ حاضر خدمت تھے، انھوں نے بھی سفارش کی کہ یارسول اللہ! عبداللہ قوم کا سردار ہے، بڑا آدمی شمار ہوتا ہے، ایک بچہ کی بات اس کے مقابلہ میں قابلِ قبول نہیں، ممکن ہے کہ سننے میں کچھ غلطی ہوئی ہو یا سمجھنے میں۔ حضور ﷺ نے اس کا عذر[2] قبول فرمالیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو جب اس کی خبر ہوئی کہ اس نے جھوٹی قسموں سے اپنے آپ کو سچا ثابت کر دیا اور زید کو جھٹلا دیا، تو شرم کی وجہ سے باہر نکلنا چھوڑ دیا، حضور ﷺ کی مجلس میں بھی ندامت[3] کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے؛ بالآخر سورۂ منافقون نازل ہوئی، جس سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی سچائی اور عبداللہ بن اُبَی کی جھوٹی قسموں کا حال ظاہر ہوا، حضرت زید رضی اللہ عنہ کی وُقعت[4]، موافق مخالف سب کی نظروں میں بڑھ گئی اور عبداللہ بن اُبَی کا قصہ بھی سب پر ظاہر ہو گیا۔ جب مدینہ منورہ قریب آیا، تو عبداللہ بن اُبَی کے بیٹے جن کا نام بھی عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا اور بڑے پکے مسلمانوں میں تھے، مدینہ منورہ سے باہر تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور باپ سے کہنے لگے کہ اس وقت تک مدینہ میں داخل نہیں ہونے دوں گا، جب تک اس کا اقرار نہ کرے کہ تُو ذلیل ہے اور محمد ﷺ عزیز ہیں۔ اس کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ صاحبزادہ ہمیشہ سے باپ کے ساتھ بہت احترام اور نیکی کا برتاؤ کرنے والے تھے؛ مگر حضور ﷺ کے

حل لغات: (۱) برداشت نہ کرسکنا۔ (۲) بہانہ۔ (۳) شرمندگی۔ (۴) عزت۔

مقابلہ میں تحمّل[1] نہ کر سکے، آخر اُس نے مجبور ہو کر اس کا اقرار کیا کہ واللہ! میں ذلیل ہوں اور محمد (ﷺ) عزیز ہیں، اس کے بعد مدینہ میں داخل ہو سکا۔ [خمیس]

⑫ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حَمراءُ الاَسَد میں شرکت

اُحد کی لڑائی سے فراغت پر مسلمان مدینہ طیبہ پہونچے، سفر اور لڑائی کی تکان خوب تھی، مگر مدینہ منورہ پہونچتے ہی یہ اطلاع ملی کہ ابوسفیان نے لڑائی سے واپسی پر حَمراءُ الاَسَد (ایک جگہ کا نام ہے) پہونچ کر ساتھیوں سے مشورہ کیا اور یہ رائے قائم کی کہ اُحد کی لڑائی میں مسلمانوں کو شکست ہوئی ہے، ایسے موقع کو غنیمت[2] سمجھنا چاہیے تھا کہ نہ معلوم پھر ایسا وقت آ سکے یا نہ آ سکے، اس لیے حضور اقدس ﷺ کو نعوذ باللہ قتل کر کے لَوٹنا چاہیے تھا، اس اِرادہ سے اس نے واپسی کا مشورہ کیا۔ حضور اقدس ﷺ نے اعلان کر دیا کہ جو لوگ اُحد میں ساتھ تھے، وہی صرف ساتھ ہوں اور دوبارہ حملہ کے لیے چلنا چاہیے؛ اگرچہ مسلمان اس وقت تھکے ہوئے تھے، مگر اس کے باوجود سب کے سب تیار ہو گئے، چونکہ حضور ﷺ نے اعلان فرما دیا تھا کہ صرف وہی لوگ ساتھ چلیں جو اُحد میں ساتھ تھے، اس لیے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ یارسول اللہ! میری تمنا اُحد میں بھی شرکت کی تھی، مگر والد نے یہ کہہ کر اجازت نہ دی کہ میری سات بہنیں ہیں، کوئی مرد اور ہے نہیں، انھوں نے فرمایا تھا کہ ہم دونوں میں سے ایک کا رہنا ضروری ہے اور وہ خود جانے کا ارادہ فرما چکے تھے، اس لیے مجھے اجازت نہ دی تھی، اُحد کی لڑائی میں ان کی شہادت ہو گئی، اب حضور ﷺ مجھے اجازت مرحمت فرما دیں کہ میں بھی ہمرِکاب[3] چلوں۔ حضور ﷺ نے اجازت عطا فرما دی ان کے علاوہ کوئی اور ایسا شخص نہیں گیا جو اُحد میں شریک نہ ہو۔ [خمیس]

فائدہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اس شوق وتمنا سے اجازت مانگنا کس قدر قابلِ رَشک[4] ہے کہ والد کا ابھی انتقال ہوا ہے، قرضہ بھی باپ کے ذمہ بہت سا ہے، وہ بھی یہود کا، جو سختی کا برتاؤ کیا کرتے تھے اور ان کے ساتھ خاص طور سے سختی کا معاملہ کر رہے تھے، اس سب کے علاوہ بہنوں کے گُذران کا فکر کہ سات بہنیں بھی باپ نے چھوڑی ہیں، جن کی وجہ سے ان کو اُحد کی لڑائی میں شرکت کی باپ نے اجازت بھی نہ دی تھی؛ لیکن جہاد کا شوق ان سب پر غالب ہے۔

⑬ روم کی لڑائی میں حضرت عبداللہ بن زُبیر رضی اللہ عنہما کی بہادری

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ۲۶ھ میں مصر کے پہلے حاکم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی بجائے جب عبداللہ بن اَبی سَرح رضی اللہ عنہ حاکم بنائے گئے، تو وہ رُوم کی لڑائی کے واسطے بیس ہزار (۲۰۰۰۰) کے مجمع کے ساتھ نکلے، رومیوں کا لشکر دو لاکھ (۲۰۰۰۰۰) کے قریب تھا، بڑے گُھمسان[5] کی لڑائی ہوئی،

حل لغات: ① برداشت۔ ② مناسب، بہتر۔ ③ ساتھ۔ ④ تمنا کرنے کے لائق۔ ⑤ زبردست، بھاری۔

رومیوں کے امیر جُرجیر نے اعلان کیا کہ جو شخص عبداللہ بن ابی سَرح کو قتل کر دے گا، اس سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دوں گا اور ایک لاکھ دینار انعام بھی دوں گا۔ اس اعلان سے بعض مسلمانوں کو فکر ہوا، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو معلوم ہوا، انھوں نے کہا: یہ فکر کی بات نہیں، ہماری طرف سے بھی اعلان کیا جائے کہ جو جُرجیر کو قتل کرے گا، اس کی بیٹی سے اُس کا نکاح کیا جائے گا اور ایک لاکھ دینار انعام، اور مزید یہ کہ اسی کو ان شہروں کا امیر بھی بنا دیا جائے گا۔ الغرض[1] دیر تک مقابلہ ہوتا رہا، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ جُرجیر سارے لشکر کے پیچھے ہے اور لشکر اس سے آگے بڑھا ہوا ہے، دو باندیاں مور کے پَروں سے اس پر سایہ کیے ہوئے ہیں، انھوں نے غفلت کی حالت میں لشکر سے ہٹ کر اس پر تنہا جا کر حملہ کیا، وہ یہ سمجھتا رہا کہ یہ تنہا اس طرح بڑھے آ رہے ہیں، کوئی پیغامِ صلح لے کر آئے ہیں؛ مگر انھوں نے سیدھے پہونچ کر اس پر حملہ کر دیا اور تلوار سے سر کاٹ کر برچھے پر اُٹھا کر لے آئے اور سب دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

فائدہ: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نو عمر ہی تھے، ہجرت کے بعد سب سے پہلی پیدائش مہاجرین میں ان کی ہی ہے، مسلمانوں کو ان کی پیدائش سے بہت خوشی ہوئی تھی؛ اس لیے کہ ایک سال تک کسی مہاجری کے کوئی لڑکا نہ ہوا تھا، تو یہود نے یہ کہہ دیا تھا کہ ہم نے ان مہاجرین پر جادو کر رکھا ہے، ان کے لڑکا نہیں ہو سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بچوں کو بیعت فرمانے کا نہیں تھا؛ لیکن حضرت ابن زُبیر رضی اللہ عنہما کو سات برس کی عمر میں بیعت فرمالیا تھا، اس لڑائی کے وقت ان کی عمر چوبیس پچیس سال کی تھی، اس عمر میں دو لاکھ کے مجمع کو پھلانگ[2] کر اس طرح سے بادشاہ کا سر کاٹ لانا معمولی چیز نہیں۔

(۱۴) حضرت عَمرو بن سَلِمہ رضی اللہ عنہ کا کُفر کی حالت میں قرآن پاک یاد کرنا

عمرو بن سَلِمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ طیبہ کے راستے میں ایک جگہ رہا کرتے تھے، وہاں کے آنے جانے والے ہمارے پاس سے گذرتے تھے، جو لوگ مدینہ منورہ سے واپس آتے، ہم اُن سے حالات پوچھا کرتے، کہ لوگوں کا کیا حال چال ہے؟ جو صاحب نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اُن کی کیا خبر ہے؟ وہ لوگ حالات بیان کرتے کہ وہ کہتے ہیں: مجھ پر وحی آتی ہے، یہ یہ آیتیں نازل ہوئیں، میں کم عمر بچہ تھا، وہ جو بیان کرتے، میں اس کو یاد کر لیا کرتا، اسی طرح مسلمان ہونے سے پہلے ہی مجھے بہت سا قرآن شریف یاد ہو گیا تھا۔ عرب کے سب لوگ مسلمان ہونے کے لیے مکہ والوں کا انتظار کر رہے تھے، جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو ہر جماعت اسلام میں داخل ہونے کے لیے حاضرِ خدمت ہوئی، میرے باپ بھی اپنی قوم کے چند آدمیوں کے ساتھ ساری قوم کی طرف سے قاصد بن کر حاضرِ خدمت ہوئے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شریعت کے احکام بتائے اور نماز سکھائی، جماعت کا طریقہ بتایا اور ارشاد فرمایا کہ جس کو تم میں سب سے زیادہ قرآن یاد ہو، وہ امامت کے لیے افضل ہے، میں چونکہ آنے والوں

حل لغات: (۱) خلاصۂ کلام یہ کہ، قصہ مختصر۔ (۲) چلانگ لگا کر، کود کر۔

سے آیتیں سن کر ہمیشہ یاد کرلیا کرتا تھا، اس لیے سب سے زیادہ حافظِ قرآن میں ہی تھا، سب نے تلاش کیا، تو مجھ سے زیادہ حافظِ قرآن کوئی بھی قوم میں نہ نکلا، تو مجھ ہی کو انھوں نے امام بنایا، میری عمر اس وقت چھ[6] سات[7] برس کی تھی، جب کوئی مجمع ہوتا، یا جنازہ کی نماز کی نوبت آتی، تو مجھ ہی کو امام بنایا جاتا۔ [بخاری، ابوداؤد]

فائدہ: یہ دین کی طرف طَبعی[1] مَیلان اور رُجحان کا اثر تھا، کہ اس عمر میں بغیر مسلمان ہوئے قرآن شریف کا حصہ بہت سا یاد کرلیا، رہا بچہ کی امامت کا قصہ، یہ مسئلہ کی بحث ہے، جن کے نزدیک جائز ہے ان کے نزدیک تو اِشکال نہیں، اور جن کے نزدیک جائز نہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ان ہی لوگوں کو ارشاد فرمایا تھا کہ تم میں جس کو قرآن زیادہ یاد ہو، بچے اس سے مراد نہیں تھے۔

⑮ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنے غلام کے پاؤں میں بیڑی[2] ڈالنا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام حضرت عِکْرِمہؒ مشہور علماء میں ہیں۔ کہتے ہیں کہ میرے آقا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآن اور حدیث اور شریعت کے احکام پڑھانے کے لیے میرے پاؤں میں بیڑی ڈال دی تھی کہ کہیں آؤں جاؤں نہیں، وہ مجھے قرآن شریف پڑھاتے اور حدیث شریف پڑھاتے۔ [بخاری، ابن سعد]

فائدہ: حقیقت میں پڑھنا اسی صورت سے ہوسکتا ہے، جو لوگ پڑھنے کے زمانہ میں سَیر وسَفر اور بازار کی تفریح کے شوق میں رہتے ہیں، وہ بے کار اپنی عمر ضائع کرتے ہیں۔ اسی چیز کا اثر تھا کہ پھر عکرمہ غلام، حضرت عکرمہؒ بن گئے، کہ "بَحْرُ الْاُمَّۃ" اور "حَبْرُ[3] الْاُمَّۃ" کے القاب سے یاد کیے جانے لگے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ تمام تابعین میں زیادہ عالم چار[4] ہیں، جن میں سے ایک عِکْرِمہؒ ہیں۔

⑯ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا بچپن میں حفظِ قرآن

خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھ سے تفسیر پوچھو، میں نے بچپن میں قرآن شریف حفظ کیا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ میں نے دس[10] برس کی عمر میں اخیر کی منزل[4] پڑھ لی تھی۔ [بخاری، فتح]

فائدہ: اُس زمانہ کا پڑھنا ایسا نہیں تھا، جیسا کہ اس زمانہ میں ہم لوگ غیر زبان والوں کا، بلکہ جو کچھ پڑھتے تھے وہ مع[5] تفسیر کے پڑھتے تھے؛ اسی واسطے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تفسیر کے بہت بڑے امام ہیں کہ بچپن کا یاد کیا ہوا بہت محفوظ ہوتا ہے؛ چنانچہ تفسیر کی حدیثیں جتنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل ہیں، بہت کم دوسرے حضرات سے اتنی نقل ہوں گی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قرآن کے بہترین مُفَسِّر ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ ابوعبدالرحمٰنؒ کہتے ہیں کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہم کو قرآن شریف پڑھاتے تھے، وہ کہتے

حل لغات: ① ذاتی توجہ۔ ② لوہے کی زنجیر۔ ③ امت کے بہت بڑے عالم۔ ④ قرآن شریف کے سات حصوں میں سے ایک حصہ کو منزل کہا جاتا ہے۔ ⑤ تفسیر اور قرآن کے مطلب سمجھنے کے ساتھ۔

تھے کہ صحابہ حضور ﷺ سے دس آیتیں قرآن کی سیکھتے تھے، اس کے بعد دوسری دس آیتیں اس وقت تک نہیں سیکھتے تھے، جب تک پہلی دس آیتوں کے موافق علم اور عمل نہیں ہو جاتا تھا۔ [منتخب کنز] تیرہ سال کی عمر تھی جس وقت کہ حضورِ اقدس ﷺ کا وصال ہوا، اس عمر میں جو درجہ تفسیر وحدیث میں حاصل کیا، وہ کھلی کرامت اور قابلِ[1] رشک ہے کہ امام تفسیر ہیں اور بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم تفسیر اُن سے دریافت کرتے ہیں، اگرچہ یہ حضور ﷺ ہی کی دعا کا ثمرہ[2] تھا کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ استنجے تشریف لے گئے، باہر تشریف لائے تو لوٹا بھرا ہوا رکھا تھا، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: یہ کس نے رکھا ہے؟ عرض کیا گیا کہ ابن عباس نے، حضورِ اقدس ﷺ کو یہ خدمت پسند آئی اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ دین کا فہم[3] اور کتاب اللہ کی سمجھ عطا فرمائیں۔ اس کے بعد ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ نوافل پڑھ رہے تھے، یہ بھی نیت باندھ کر پیچھے کھڑے ہو گئے، حضور ﷺ نے ہاتھ سے کھینچ کر برابر کھڑا کر لیا، کہ ایک مقتدی اگر ہو تو اس کو برابر کھڑا ہونا چاہیے، اس کے بعد حضور ﷺ تو نماز میں مشغول ہو گئے، یہ ذرا سا پیچھے کو ہٹ گئے۔ حضور ﷺ نے نماز کے بعد دریافت فرمایا، عرض کیا کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، آپ کے برابر کس طرح کھڑا ہو سکتا ہوں؟ حضور نے علم وفہم کے زیادہ ہونے کی دعا دی۔ [اصابہ]

⑰ حضرت عبد اللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہما کا حفظِ حدیث

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ان عابد اور زاہد صحابہ میں تھے کہ روزانہ ایک کلام مجید ختم کرتے اور رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے اور دن کو ہمیشہ روزہ دار رہتے۔ حضورِ اقدس ﷺ نے اس کثیر[4] محنت پر تنبیہ[5] بھی فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ایسی صورت میں بدن ضعیف ہو جائے گا، آنکھیں رات بھر جاگنے سے پتھرا[6] جائیں گی، بدن کا بھی حق ہے، اہل وعیال[7] کا بھی حق ہے، آنے جانے والوں کا بھی حق ہے۔ کہتے ہیں میرا معمول تھا کہ روزانہ ایک ختم کرتا تھا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مہینے میں ایک قرآن پڑھا کرو، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اپنی قوت اور جوانی سے مُنتفع[8] ہونے کی اجازت فرما دیجیے، حضور ﷺ نے فرمایا: اچھا بیس روز میں ایک ختم کر لیا کرو، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! بہت کم ہے، مجھے اپنی جوانی اور قوت سے مُتمتّع[9] ہونے کی اجازت دیجیے، غرض اسی طرح عرض کرتا رہا، اخیر میں تین دن میں ایک ختم کی اجازت ہوئی۔ ان کا معمول تھا کہ نبیٔ اکرم ﷺ کے ارشادات کو تحریر[10] کیا کرتے تھے، تاکہ یاد رہیں؛ چنانچہ ان کے پاس ایک مجموعہ حضور ﷺ کی احادیث کا لکھا ہوا تھا، جس کا نام انھوں نے صادقہ رکھا تھا، وہ کہتے ہیں کہ میں حضور ﷺ سے جو سنتا، اس کو لکھ لیا کرتا، تاکہ یاد رہے، مجھے لوگوں نے منع کیا

حل لغات: ① آرزو کیے جانے کے لائق۔ ② نتیجہ۔ ③ علم۔ ④ بہت زیادہ۔ ⑤ نصیحت۔ ⑥ روشنی کا ختم ہو جانا۔ ⑦ گھر والے۔ ⑧ فائدہ اُٹھانا۔ ⑨ فائدہ اٹھانا۔ ⑩ لکھ لیتے تھے۔

کہ حضور ﷺ بہر حال آدمی ہیں، کبھی غصہ اور ناراضی میں کسی کو کچھ فرماتے ہیں، کبھی خوشی اور مزاح[1] میں کچھ ارشاد ہوتا ہے، ہر بات نہ لکھا کرو، میں نے چھوڑ دیا۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ سے میں نے اس کا ذکر کیا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لکھا کرو، اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اِس منہ سے غصہ میں یا خوشی میں حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی۔ [مسند احمد، ابن سعد]

فائدہ: حضرت عبداللہ بن عَمرو رضی اللہ عنہما باوجود اس قدر زاہد عابد ہونے کے کہ کثرتِ عبادت میں ممتاز[2] شمار کیے جاتے ہیں، پھر بھی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں مجھ سے زیادہ روایت کرنے والا کوئی نہیں، بجز[3] عبداللہ ابن عَمرو رضی اللہ عنہما کے کہ وہ لکھتے تھے، میں لکھتا نہیں تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی روایات ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی بہت زیادہ ہیں، اگر چہ ہمارے زمانے میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات ان سے کہیں زیادہ ملتی ہیں، جس کی بہت سی وجوہ[4] ہیں؛ لیکن اس زمانہ میں اتنی عبادت پر بھی کثرت سے ان کی احادیث موجود تھیں۔

⑱ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا حفظِ قرآن

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان جلیل القدر صحابہ میں ہیں، جو اپنے زمانے میں بڑے عالم اور بڑے مفتی شمار ہوتے تھے؛ بالخصوص فرائض کے ماہر تھے، کہا جاتا ہے کہ مدینہ منورہ میں فتویٰ، قضاء، فرائض، قرأت میں ان کا شمار چوٹی کے لوگوں میں تھا، جب حضور اقدس ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے، تو اس وقت کم عمر بچے تھے، گیارہ برس کی عمر تھی، اسی وجہ سے باوجود خواہش کے ابتدائی لڑائیوں یعنی بدر وغیرہ میں شرکت کی اجازت نہیں ہوئی، ہجرت سے پانچ برس پہلے چھ سال کی عمر میں یتیم بھی ہو گئے تھے، حضور ﷺ جب ہجرت کے بعد مدینہ منورہ پہونچے، تو جیسے اور لوگ حاضرِ خدمت ہو رہے تھے اور حصولِ برکت کے واسطے بچوں کو بھی لا رہے تھے، زید رضی اللہ عنہ بھی خدمت میں حاضر کیے گئے، زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں جب پیش کیا گیا، تو عرض کیا گیا کہ یہ قبیلۂ نجار کا ایک لڑکا ہے، آپ ﷺ کی تشریف آوری[5] سے قبل ہی اس نے ۱۷ سورتیں قرآن پاک کی حفظ کر لیں، حضور ﷺ نے امتحان کے طور پر مجھے پڑھنے کو ارشاد فرمایا، میں نے سورۂ قٓ حضور ﷺ کو سنائی، حضور ﷺ کو میرا پڑھنا پسند آیا۔ حضور اقدس ﷺ کو جو خطوط یہود کے پاس بھیجنا ہوتے تھے، وہ یہود ہی لکھتے تھے، ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہود کی جو خط و کتابت ہوتی ہے، اس پر مجھے اطمینان نہیں کہ گڑبڑ نہ کر دیتے ہوں، تُو یہود کی زبان سیکھ لے، زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں پندرہ دن میں ان کی زبان عبرانی[6] میں کامل[7] ہو گیا تھا، اس کے بعد سے جو تحریر اُن کو جاتی وہ میں ہی لکھتا اور جو تحریر یہود کے پاس سے آتی وہ میں ہی پڑھتا۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے بعض لوگوں کو سُریانی[8] زبان میں خط

حل لغات: ① ہنسی۔ ② بڑے درجہ پر، افضل۔ ③ سوائے۔ ④ اسباب۔ ⑤ تشریف لانا۔ ⑥ یہودیوں کی زبان۔ ⑦ ماہر۔ ⑧ ملک شام کی پرانی زبان۔

لکھنا پڑتے ہیں؛ اس لیے مجھ کو سُریانی زبان سیکھنے کے لیے ارشاد فرمایا، میں نے ستّرہ دن میں سریانی زبان سیکھ لی تھی۔ [فتح، اِصابہ]

⑲ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا بچپن میں علمی مشغلہ

سیّد السّادات حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پیدائش جمہور کے قول کے موافق رمضان ۳ھ میں ہے، اس اعتبار سے حضورِ اقدس ﷺ کے وِصَال کے وقت ان کی عمر سات برس اور کچھ مہینوں کی ہوئی، سات برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے، جس میں کوئی علمی کمال حاصل کیا جاسکتا ہو؛ لیکن اس کے باوجود حدیث کی کئی روایتیں ان سے نقل کی جاتی ہیں۔ *اَبُوالْحَوراء* ایک شخص ہیں، انھوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمھیں حضور ﷺ کی کوئی بات یاد ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، میں حضورِ اقدس ﷺ کے ساتھ جارہا تھا، راستہ میں صدقہ کی کھجوروں کا ایک ڈھیر لگ رہا تھا، میں نے اس میں سے ایک کھجور اٹھا کر منھ میں رکھ لی، حضورِ اقدس ﷺ نے ''کَخْ کَخْ'' (ہاہا) فرمایا اور میرے منھ سے نکال دی اور یہ ارشاد فرمایا کہ ہم صدقہ کا مال نہیں کھاتے اور میں نے پانچوں نمازیں حضور ﷺ سے سیکھی ہیں۔ [مسند احمد] حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے وتر میں پڑھنے کے لیے حضورِ اقدس ﷺ نے یہ دعا بتائی تھی: اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ، فَإِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ، إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ. ترجمہ: اے اللہ! تو مجھے ہدایت فرما، منجملہ اُن کے جن کو تو نے ہدایت فرمائی اور مجھے عافیت عطا فرما، ان لوگوں کے ذیل[1] میں جن کو تُو نے عافیت بخشی اور تُو میرے کاموں کا مُتولّی[2] بن جا جہاں اور بہت سے لوگوں کا مُتولّی ہے اور جو کچھ تُو نے مجھے عطا فرمایا، اس میں برکت عطا فرما اور جو کچھ تُو نے مقدّر فرمایا ہے، اس کی بُرائی سے مجھے بچا کہ تُو تو جو چاہے طے فرما سکتا ہے، تیرے خلاف کوئی شخص کچھ بھی فیصلہ نہیں کر سکتا اور جس کا تُو والی[3] ہے وہ کبھی ذلیل نہیں ہوسکتا، تیری ذات بابرکت ہے اور سب سے بلند ہے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا کہ جو شخص صبح کی نماز کے بعد سے طلوعِ[4] آفتاب تک اسی جگہ بیٹھا رہے، وہ جہنم کی آگ سے نجات پائے گا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کئی حج پیدل کیے اور ارشاد فرماتے تھے: مجھے اس سے شرم آتی ہے کہ مرنے کے بعد اللہ سے ملوں اور اس کے گھر پاؤں چل کر نہ گیا ہوں، نہایت حلیم[5] مزاج تھے اور پرہیزگار۔ مُسند احمد میں متعدد روایات ان سے نقل کی گئی ہیں اور صاحبِ تلقیح نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان کو ذکر کیا ہے، جن سے تیرہ حدیثیں روایت کی جاتی ہیں، سات برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے، اس وقت کی اتنی احادیث کا یاد رکھنا اور نقل کرنا حافظہ کا کمال ہے اور شوق کی انتہا، افسوس ہے کہ ہم لوگ اپنے بچوں کو سات برس تک دین کی معمولی سی باتیں بھی نہیں بتاتے۔

حل لغات: ① واسطے سے۔ ② انتظام کرنے والا۔ ③ مددگار۔ ④ سورج کا نکلنا۔ ⑤ نرم۔

⑳ حضرت حُسَیْن رضی اللہ عنہ کا علمی مَشْغَلَہ

سیّد السّادات حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بھی ایک سال چھوٹے تھے، اس لیے ان کی عمر حضورِ اقدس ﷺ کے وصال کے وقت اور بھی کم تھی، یعنی چھ برس اور چند مہینے کی تھی، چھ برس کا بچہ کیا دین کی باتوں کو محفوظ کرسکتا ہے؟ لیکن امام حسین رضی اللہ عنہ کی روایتیں حدیث کی کتابوں میں نقل کی جاتی ہیں اور محدثین نے اس جماعت میں ان کا شمار کیا ہے، جن سے آٹھ حدیثیں منقول ہیں[1]۔ امام حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورِ اقدس ﷺ سے سنا کہ کوئی مسلمان مرد ہو یا عورت، اس کو کوئی مصیبت پہونچی ہو، پھر وہ عرصہ کے بعد یاد آئے اور یاد آنے پر پھر وہ إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھے، تو اس کو اس وقت بھی اتنا ہی ثواب پہونچے گا، جتنا کہ مصیبت کے وقت پہونچا تھا۔ یہ بھی حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت جب دریا پر سوار ہو اور سوار ہوتے وقت ﴿بِسْمِ اللهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا[2] اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٤١﴾ [سورۂ ھود] پڑھے، تو یہ ڈوبنے سے امن کا ذریعہ ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پچیس حج پیدل کیے ہیں، نماز اور روزہ کی بھی بہت کثرت فرماتے تھے اور صدقہ اور دین کے ہر کام میں کثرت کا اہتمام تھا۔ ربیعہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور ﷺ کی کوئی بات آپ کو یاد ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں! میں ایک کھڑکی پر چڑھا، جس میں کھجوریں رکھی تھیں، اس میں سے ایک کھجور میں نے منھ میں رکھ لی، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پھینک دو، ہم کو صدقہ جائز نہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار کاموں میں مشغول نہ ہو، [اُسد الغابہ، استیعاب] ان کے علاوہ اور بھی متعدد روایات آپ سے منقول ہیں۔

فائدہ: اس قسم کے واقعات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بکثرت ہیں کہ بچپن کے واقعات حضور ﷺ سے نقل کیے اور یاد رکھے۔ محمود بن الرَّبیع رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، جن کی عمر حضورِ اکرم ﷺ کے وصال کے وقت پانچ برس کی تھی، وہ کہتے ہیں کہ میں عمر بھر اس بات کو نہیں بھولوں گا کہ نبی اکرم ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے، ہمارے یہاں ایک کنواں تھا، اس کے پانی سے ایک کُلّی میرے منہ پر کی۔ [اِصابہ]

ہم لوگ بچوں کو واہی تباہی[3] فضول باتوں میں لگاتے ہیں، جھوٹے جھوٹے قصے ان کو سنا کر لغویات[4] میں دماغ کو پریشان کرتے ہیں، اگر اللہ والوں کے قصے تلاش کر کے ان کو سنائے جائیں اور بجائے جِنّ بُھوت سے ڈرانے کے، اللہ سے اور اس کے عذاب سے ڈرائیں اور اللہ کی ناراضی کی اہمیت اور ہیبت[5] دل میں پیدا کریں، تو دنیا میں بھی ان کے کارآمد[6] ہو اور آخرت میں تو مفید ہے ہی۔ بچپن کا زمانہ حافظہ کی قوت کا زمانہ ہوتا ہے، اس وقت کا یاد کیا ہوا کبھی بھی نہیں بھولتا، ایسے وقت میں اگر قرآن پاک حفظ کرا دیا جائے،

حل لغات: ① نقل کی گئی ہیں۔ ② اس کا چلنا بھی اللہ ہی کے نام سے ہے اور لنگر ڈالنا بھی یقین رکھو کہ میرا پروردگار بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ ③ بیکار۔ ④ بیکار باتیں۔ ⑤ ڈر۔ ⑥ فائدہ دینے والا۔

تو نہ کوئی دِقّت[1] ہو، نہ وقت خرچ ہو، میں نے اپنے والد صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ سے بھی بارہا سنا اور اپنے گھر کی بوڑھیوں سے بھی سنا ہے کہ میرے والد صاحبؒ کا جب دودھ چھڑایا گیا ہے، تو پاؤ پارہ حفظ ہو چکا تھا اور ساتویں برس کی عمر میں قرآن شریف پورا حفظ ہو چکا تھا اور وہ اپنے والد یعنی میرے دادے صاحب سے مخفی[2] فارسی کا بھی مُعتدبہ[3] حصہ بوستان، سکندر نامہ وغیرہ پڑھ چکے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد صاحب نے قرآن شریف ختم ہونے کے بعد یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ایک قرآن شریف روزانہ پڑھ لیا کرو، باقی تمام دن چھٹی، مَیں گرمی کے موسم میں صبح کی نماز کے بعد مکان کی چھت پر بیٹھا کرتا تھا اور چھ سات گھنٹہ میں قرآن شریف پورا کر کے دوپہر کو روٹی کھاتا تھا اور شام کو اپنی خوشی سے فارسی پڑھا کرتا تھا، چھ ماہ تک مسلسل یہی معمول رہا، چھ ماہ تک روزانہ ایک کلام مجید پڑھنا اور پھر اس کے ساتھ ہی دوسرے اسباق بھی پڑھتے رہنا اور وہ بھی سات برس کی عمر میں کوئی معمولی بات نہیں، اسی کا یہ ثمرہ تھا کہ قرآن شریف میں مُتشابہ[4] لگنا یا بھولنا جانتے ہی نہ تھے؛ چونکہ ظاہری معاش[5] کتابوں کی تجارت پر تھی اور کتب خانہ کا اکثر کام اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے، اس لیے ایسا کبھی بھی نہیں ہوتا تھا کہ ہاتھ سے کام کرتے وقت زبان سے تلاوت نہ فرماتے رہتے ہوں اور کبھی کبھی اسی کے ساتھ ہم لوگوں کو جو مدرسہ سے الگ پڑھتے تھے اسباق بھی پڑھا دیا کرتے تھے، اس طرح تین کام ایک وقت میں کرلیا کرتے تھے: مگر ان کا طریقۂ تعلیم ہم لوگوں کے ساتھ وہ نہیں تھا، جو مدرسہ کے اسباق کا تھا اور عام مدارس کا مُروّجہ[6] طریقہ ہے کہ سارا بوجھ استاد ہی کے ذمہ رہے، بلکہ مخصوص طلبہ کے ساتھ یہ طریقہ تھا کہ شاگرد عبارت پڑھے، ترجمہ کرے، مطلب بیان کرے، اگر وہ مطلب صحیح ہوتا تو ''آگے چلو'' فرمادیتے اور غلط ہوتا تو اگر غلطی قابلِ تنبیہ ہوتی، تو تنبیہ فرماتے اور قابل بتانے کے ہوتی تو بتادیتے۔ یہ پُرانے زمانے کا قصہ نہیں ہے، اسی صدی کا واقعہ ہے؛ لہٰذا یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے قُویٰ اور ہمتیں اب کہاں سے لائی جائیں۔

بارہواں باب: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کے واقعات میں

اگرچہ جتنے قصے اب تک نقل کیے گئے ہیں، وہ سب ہی محبت کے کرشمے تھے کہ محبت ہی ان حضرات کی والہانہ[7] زندگی کا سبب تھی، جس کی وجہ سے نہ جان کی پرواہ تھی، نہ زندگی کی تمنا، نہ مال کا خیال تھا، نہ تکلیف کا خوف، نہ موت سے ڈر، اس کے علاوہ محبت حکایت کی چیز بھی نہیں، وہ ایک کیفیت[8] ہے جو الفاظ

حل لغات: (۱) تکلیف، پریشانی۔ (۲) چھپ کر۔ (۳) بہت سا، اچھا خاصا۔ (۴) ایک آیت کا دوسری آیت جیسا لگنا۔ (۵) کاروبار، گذارہ کا ذریعہ۔ (۶) جاری۔ (۷) عاشقانہ۔ (۸) حالت۔

وعبارات سے بالاتر[1] ہے، محبت ہی ایک ایسی چیز ہے، جو دل میں بس جانے کے بعد محبوب کو ہر چیز پر غالب کر دیتی ہے، نہ اس کے سامنے ننگ[2] و ناموس کوئی چیز ہے، نہ عزت وشرافت کوئی شے[3]، حق تعالیٰ شانہ اپنے لُطف سے اور اپنے محبوب کے وسیلہ سے، اپنی اور اپنے پاک رسول ﷺ کی محبت عطا فرمائیں، تو ہر عبادت میں لذت ہے اور دین کی ہر تکلیف میں راحت۔

① حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اعلانِ اسلام اور تکلیف

ابتدائے اسلام میں جو شخص مسلمان ہوتا تھا وہ اپنے اسلام کو حتی الوسع[4] مخفی[5] رکھتا تھا، حضور اقدس ﷺ کی طرف سے بھی اس وجہ سے کہ ان کو کفار سے اذیت[6] نہ پہونچے اخفاء[7] کی تلقین[8] ہوتی تھی، جب مسلمانوں کی مقدار انتالیس تک پہونچی، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اظہار کی درخواست کی کہ کھلم کھلا عَلَی الْاِعْلَان تبلیغ کی جائے، حضور اقدس ﷺ نے اوّل[9] انکار فرمایا، مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اِصرار[10] پر قبول فرمالیا اور ان سب حضرات کو ساتھ لے کر مسجدِ کعبہ میں تشریف لے گئے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تبلیغی خطبہ شروع کیا، یہ سب سے پہلا خطبہ ہے جو اسلام میں پڑھا گیا اور حضور اقدس ﷺ کے چچا سَیِّدُ الشُّہَدَاء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اسی دن اسلام لائے ہیں اور اس کے تین دن بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مُشرَّف بَاِسلام[11] ہوئے ہیں، خطبہ کا شروع ہونا تھا کہ چاروں طرف سے کفار ومشرکین مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی باوجودیکہ مکہ مکرمہ میں ان کی عظمت وشرافت مُسلَّم[12] تھی، اس قدر مارا کہ تمام چہرۂ مبارک خون میں بھر گیا، ناک، کان سب لہولہان[13] ہو گئے تھے، پہچانے نہ جاتے تھے، جوتوں سے لاتوں سے مارا، پاؤں میں روندا اور جو نہ کرنا تھا سب ہی کچھ کیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بے ہوش ہو گئے، بنوتیم یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قبیلے کے لوگوں کو خبر ہوئی، وہ وہاں سے اٹھا کر لائے، کسی کو بھی اس میں تردُّد[14] نہ تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وحشیانہ[15] حملہ سے زندہ بچ سکیں گے، بنوتیم مسجد میں آئے اور اعلان کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اگر اس حادثہ میں وفات ہوگئی، تو ہم لوگ ان کے بدلہ میں عُتْبہ ابن ربیعہ کو قتل کریں گے، عُتْبہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مارنے میں بہت زیادہ بدبختی[16] کا اظہار کیا تھا، شام تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بے ہوشی رہی، باوجود آوازیں دینے کے بولنے یا بات کرنے کی نوبت نہ آتی تھی، شام کو آوازیں دینے پر وہ بولے، تو سب سے پہلا لفظ یہ تھا کہ حضور اقدس ﷺ کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے اس پر بہت ملامت[17] کی کہ ان ہی کے ساتھ کی بدولت[18] یہ مصیبت آئی اور دن بھر موت کے منہ میں رہنے پر بات کی تو وہ بھی حضور ﷺ ہی کا جذبہ اور ان ہی کی لَے[19]، لوگ پاس سے اٹھ کر چلے گئے کہ بددلی[20] بھی

حل لغات: ① بہت اونچی۔ ② شرم ولحاظ۔ ③ چیز۔ ④ کوشش بھر، جہاں تک ہوسکے۔ ⑤ چھپا ہوا۔ ⑥ تکلیف۔ ⑦ چھپانے۔ ⑧ ہدایت۔ ⑨ پہلے۔ ⑩ بار بار کہنا۔ ⑪ اسلام قبول کرنا۔ ⑫ ثابت، مانی ہوئی تھی۔ ⑬ خون میں لت پت۔ ⑭ شک۔ ⑮ بھیانک، خطرناک۔ ⑯ کمینہ پن۔ ⑰ بُرا بھلا کہنا۔ ⑱ وجہ سے۔ ⑲ دُھن۔ ⑳ ناراضگی۔

تھی اور یہ بھی کہ آخر کچھ جان باقی ہے کہ بولنے کی نوبت آئی اور آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ اُمِّ خَیر رضی اللہ عنہا سے کہہ گئے کہ ان کے کھانے پینے کے لیے کسی چیز کا انتظام کر دیں، وہ کچھ تیار کر کے لائیں اور کھانے پر اصرار کیا، مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وہی ایک صدا تھی کہ حضور ﷺ کا کیا حال ہے؟ حضور ﷺ پر کیا گذری؟ ان کی والدہ نے فرمایا: مجھے تو خبر نہیں کہ کیا حال ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اُمِّ جمیل رضی اللہ عنہا (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن) کے پاس جا کر دریافت کر لو کہ کیا حال ہے۔ وہ بیچاری بیٹے کی اس مظلومانہ حالت کی بیتابانہ[1] درخواست کو پورا کرنے کے واسطے اُمِّ جمیل رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور محمد ﷺ کا حال دریافت کیا، وہ بھی عام دستور[2] کے موافق اس وقت تک اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھیں فرمانے لگیں: میں کیا جانوں؟ کون محمد (ﷺ) اور کون ابوبکر (رضی اللہ عنہ)، تیرے بیٹے کی حالت سن کر رنج ہوا، اگر تُو کہے تو میں چل کر اس کی حالت دیکھوں، اُمِّ خیر رضی اللہ عنہا نے قبول کر لیا، ان کے ساتھ گئیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حالت دیکھ کر تحمّل[3] نہ کر سکیں، بے تحاشا[4] رونا شروع کر دیا کہ بدکرداروں[5] نے کیا حال کر دیا، اللہ تعالیٰ ان کو اپنے کیے کی سزا دے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا کہ حضور ﷺ کا کیا حال ہے؟ اُمِّ جمیل رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ وہ سن رہی ہیں، آپ نے فرمایا کہ ان سے خوف نہ کرو، تو اُمِّ جمیل رضی اللہ عنہا نے خیریت سنائی اور عرض کیا کہ بالکل صحیح سالم ہیں، آپ نے پوچھا کہ اس وقت کہاں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ مجھ کو خدا کی قسم ہے کہ اس وقت تک کوئی چیز نہ کھاؤں گا، نہ پیوں گا، جب تک حضور ﷺ کی زیارت[6] نہ کر لوں، ان کی والدہ کو تو بیقراری[7] تھی کہ وہ کچھ کھالیں اور انھوں نے قسم کھالی کہ جب تک زیارت نہ کر لوں کچھ نہ کھاؤں گا؛ اس لیے والدہ نے اس کا انتظار کیا کہ لوگوں کی آمد و رفت[8] بند ہو جائے، مبادا[9] کوئی دیکھ لے اور کچھ اذیت پہونچائے، جب رات کا بہت سا حصہ گذر گیا، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر پہونچیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے لپٹ گئے، حضور اقدس ﷺ بھی لپٹ کر روئے اور مسلمان بھی سب رونے لگے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی، اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ یہ میری والدہ ہیں، آپ ﷺ ان کے لیے ہدایت کی دعا بھی فرما دیں اور ان کو اسلام کی تبلیغ بھی فرمائیں، حضور اقدس ﷺ نے اوّل دعا فرمائی، اس کے بعد ان کو اسلام کی ترغیب دی، وہ بھی اسی وقت مسلمان ہو گئیں۔ [خمیس]

فائدہ: عیش وعشرت، نشاط وفرحت[10] کے وقت محبت کے دعوے کرنے والے سینکڑوں ہوتے ہیں، محبت و عشق وہی ہے جو مصیبت اور تکلیف کے وقت بھی باقی رہے۔

حل لغات: (۱) گھبرائی ہوئی، فوری۔ (۲) حالت، عادت۔ (۳) برداشت۔ (۴) بہت زیادہ۔ (۵) بدمعاشوں۔ (۶) ملاقات۔ (۷) بے چینی۔ (۸) آنا جانا۔ (۹) ایسا نہ ہو کہ۔ (۱۰) خوشی۔

② حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وِصَال پر رنج

حضرت عمر رضی اللہ عنہ باوجود اپنی اس ضربُ المَثَل[1] قوت، شجاعت، دلیری اور بہادری کے جو آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد بھی شُہرۂ آفاق[2] ہے اور باوجودیکہ اسلام کا ظہور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے ہی سے ہوا کہ اسلام لانے کے بعد اپنے اسلام کا اِخفا[3] گوارا نہ ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ یہ ہے کہ اپنی اس بہادری کے باوجود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وِصال[4] کی حالت کا تحمل[5] نہ فرما سکے، سخت حیرانی اور پریشانی کی حالت میں تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہوگئے، کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا ہے، تو اس کی گردن اڑا دوں گا، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ''طُور'' پر تشریف لے گئے تھے، عنقریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائیں گے اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی جھوٹی خبر اُڑا رہے ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بالکل گُم سُم[6] تھے کہ دوسرے دن تک بالکل آواز نہیں نکلی، چلتے پھرتے تھے مگر بولا نہیں جاتا تھا، حضرت علی کرّم اللہ وجہہ چپ چاپ بیٹھے رہ گئے کہ حرکت بھی بدن کو نہ ہوتی تھی، صرف ایک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دم تھا کہ اس وقت کے پہاڑ جیسے وقت کو برداشت کیا اور اپنی اس محبت کے باوجود جو پہلے قصہ میں گذری، اس وقت نہایت سکون سے تشریف لا کر اوّل حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور باہر تشریف لا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، اس کے بعد خطبہ پڑھا، جس کا حاصل یہ تھا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش[7] کرتا ہو، وہ جان لے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا؛ لیکن جو شخص اللہ کی پرستش کرتا ہو، وہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ زندہ ہیں اور ہمیشہ رہنے والے ہیں، اس کے بعد کلام پاک کی آیت: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ [سورۂ آل عمران: ۱۴۴] اخیر تک تلاوت فرمائی، [خمیس] ترجمہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نِرے[8] رسول ہی تو ہیں (خدا تو نہیں جس پر موت وغیرہ نہ آسکے) سو اگر آپ کا انتقال ہو جاوے یا آپ شہید بھی ہو جاویں تو کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے اور جو شخص اُلٹا پھر جائے گا تو خدا تعالیٰ کا تو کوئی نقصان نہیں کرے گا (اپنا ہی کچھ کھووے گا) اور خدا تعالیٰ شانہٗ جلد ہی جزا دے گا حق شناس[9] لوگوں کو۔ [بیان القرآن]

فائدہ: چونکہ اللہ جلَّ شانہٗ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خلافت کا اہم کام لینا تھا، اس لیے ان کی شایانِ شان اس وقت یہی حالت تھی؛ اسی وجہ سے اس وقت جس قدر اِستقلال[10] اور تحمُّل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں تھا، کسی میں بھی نہ تھا اور اس کے ساتھ ہی جس قدر مسائل دفن و میراث وغیرہ کے اس وقت کے مناسب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھے، مجموعی[11] طور پر کسی کو بھی معلوم نہ تھے؛ چنانچہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن

حل لغات: ① مشہور۔ ② پوری دنیا میں مشہور۔ ③ چھپانا۔ ④ انتقال۔ ⑤ برداشت۔ ⑥ خاموش۔ ⑦ عبادت۔ ⑧ صرف۔ ⑨ شکر کرنے والے، اللہ کو پہچاننے والے۔ ⑩ مضبوطی۔ ⑪ مکمل۔

میں اختلاف ہوا کہ مکہ مکرمہ میں دفن کیا جائے یا مدینہ منورہ میں یا بیتُ المقدس میں، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ نبی کی قبر اسی جگہ ہوتی ہے، جہاں اس کی وفات ہو؛ لہٰذا جس جگہ وفات ہوئی ہے اُسی جگہ قبر کھودی جائے۔ آپ نے فرمایا: میں نے حضور ﷺ سے سنا کہ ہم لوگوں (یعنی انبیاء) کا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا، میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے جو شخص مسلمانوں کی حکومت کا مُتولّی[1] بنے اور وہ لاپرواہی سے کوتاہی کرتے ہوئے کسی دوسرے کو امیر بنائے اس پر لعنت ہے، نیز حضور ﷺ کا ارشاد کہ قریش اس اَمر یعنی سَلطَنَت کے مُتَوَلّی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

③ ایک عورت کا حضور ﷺ کی خبر کے لیے بیقرار ہونا

اُحُد کی لڑائی میں مسلمانوں کو اذیت بھی بہت پہونچی اور شہید بھی بہت سے ہوئے، مدینہ طیبہ میں یہ وحشت[2] اثر خبر پہونچی تو عورتیں پریشان ہو کر تحقیقِ حال کے لیے گھر سے نکل پڑیں، ایک انصاری عورت نے مجمع کو دیکھا تو بیتابانہ[3] پوچھا کہ حضور ﷺ کیسے ہیں؟ اس مجمع میں سے کسی نے کہا کہ تمہارے والد کا انتقال ہو گیا، انھوں نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھی اور پھر بے قراری سے حضور ﷺ کی خیریت دریافت کی، اتنے میں کسی نے خاوند کے انتقال کی خبر سنائی اور کسی نے بیٹے کی اور کسی نے بھائی کی کہ یہ سب ہی شہید ہو گئے تھے؛ مگر انھوں نے پوچھا کہ حضور ﷺ کیسے ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ حضور ﷺ بخیریت ہیں تشریف لا رہے ہیں، اس سے اطمینان نہ ہوا، کہنے لگیں کہ مجھے بتادو کہاں ہیں؟ لوگوں نے اشارہ کر کے بتایا اُس مجمع میں ہیں، یہ دوڑی ہوئی گئیں اور اپنی آنکھوں کو حضور ﷺ کی زیارت سے ٹھنڈا کر کے عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) آپ کی زیارت ہو جانے کے بعد ہر مصیبت ہلکی اور معمولی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کا کپڑا پکڑ کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! (ﷺ) میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، جب آپ زندہ وسلامت ہیں، تو مجھے کسی کی ہلاکت کی پرواہ نہیں۔ [خمیس]

فائدہ: اس قسم کے مُتَعَدَّد قصے اِس موقع پر پیش آئے ہیں؛ اسی وجہ سے مؤرخین میں ناموں میں اختلاف بھی ہوا ہے؛ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس نوع[4] کا واقعہ کئی عورتوں کو پیش آیا ہے۔

④ حُدَیْبِیَہ میں حضرت ابوبکر صدیق اور مُغیرہ رضی اللہ عنہما کا فعل اور عام صحابہ کا طرزِ عمل

حُدَیْبِیَہ کی مشہور لڑائی ذی قعدہ ۶ھ میں ہوئی، جب کہ حضور اقدس ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ عمرہ کے ارادہ سے تشریف لا رہے تھے، کفارِ مکہ کو جب اس کی خبر پہونچی تو انھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ طے کیا کہ مسلمانوں کو مکہ آنے

حل لغات: ① ذمہ دار۔ ② گھبرا دینے والی۔ ③ بے چین اور بے قراری میں، گھبرائے ہوئے، فوراً۔ ④ قسم۔

سے روکا جائے، اس کے لیے بہت بڑے پیمانہ پر تیاری کی اور مکہ کے علاوہ باہر کے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ شرکت کی دعوت دی اور بڑے مجمع کے ساتھ مقابلہ کی تیاری کی۔ ذُوالحُلَیْفَہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو حالات کی خبر لانے کے لیے بھیجا، جو مکہ سے حالات کی تحقیق کر کے عُسفان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے، انھوں نے عرض کیا کہ مکہ والوں نے مقابلہ کی بہت بڑے پیمانہ پر تیاری کر رکھی ہے اور باہر سے بھی بہت سے لوگوں کو اپنی مدد کے لیے بلا رکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا کہ اس وقت کیا کرنا چاہیے؟ ایک صورت یہ ہے کہ جو لوگ باہر سے مدد کو گئے ہیں ان کے گھروں پر حملہ کیا جائے، جب وہ خبر سنیں گے، تو مکہ سے واپس آجائیں گے، دوسری صورت یہ ہے کہ سیدھے چلے چلیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس وقت آپ بیت اللہ کے ارادہ سے تشریف لائے ہیں، لڑائی کا ارادہ تو تھا ہی نہیں؛ اس لیے آگے بڑھے چلیں اگر وہ ہمیں روکیں گے تو مقابلہ کریں گے ورنہ نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرمایا اور آگے بڑھے۔ حُدَیْبِیَہ میں پہونچ کر بُدَیل بن وَرْقا خُزاعی ایک جماعت کو ساتھ لے کر آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا کہ کفار آپ کو ہرگز مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے، وہ تو لڑائی پر تُلے ہوئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگ لڑنے کے واسطے نہیں آئے ہیں، ہمارا مقصد صرف عمرہ کرنا ہے اور قریش کو روز مَرَّہ[1] کی لڑائی نے بہت نقصان پہونچا رکھا ہے، بالکل ہلاک کر دیا ہے، اگر وہ راضی ہوں تو میں ان سے مُصالَحَت[2] کرنے کو تیار ہوں کہ میرے اور ان کے درمیان اس پر معاہدہ ہو جائے کہ وہ مجھ سے تَعَرُّض[3] نہ کریں، میں ان سے تَعَرُّض نہ کروں، مجھے اَوروں سے نمٹنے دیں اور اگر وہ کسی چیز پر بھی راضی نہ ہوں تو اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں اس وقت تک ان سے لڑوں گا جب تک کہ اسلام غالب ہو جائے یا میری گردن جُدا ہو جائے۔ بُدَیل نے عرض کیا کہ اچھا میں آپ کا پیام ان تک پہونچائے دیتا ہوں۔ وہ لوٹے اور جا کر پیام پہونچایا، مگر کفار راضی نہ ہوئے، اسی طرح طَرَفَین[4] سے آمد و رفت[5] کا سلسلہ رہا، جن میں ایک مرتبہ عُروہ بن مسعود ثَقَفی کفار کی جانب سے آئے کہ وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، بعد میں مسلمان ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی وہی گفتگو فرمائی جو بُدَیل سے کی تھی۔ عُروہ نے عرض کیا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم یہ چاہتے ہو کہ عرب کا بالکل خاتمہ کر دو تو یہ ممکن نہیں، تم نے کبھی نہ سنا ہوگا کہ تم سے پہلے کوئی شخص ایسا گزرا ہو، جس نے عرب کو بالکل فنا[6] کر دیا ہو اور اگر دوسری صورت ہوئی کہ وہ تم پر غالب ہو گئے تو یاد رکھو کہ میں تمہارے ساتھ اَشراف[7] کی جماعت نہیں دیکھتا، یہ اطراف[8] کے کم ظَرف[9] لوگ تمہارے ساتھ ہیں، مصیبت پڑنے پر سب بھاگ جائیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پاس کھڑے ہوئے تھے یہ جملہ سن کر غصہ میں بھر گئے اور ارشاد فرمایا

حل لغات: (۱) روز روز۔ (۲) صلح۔ (۳) روک ٹوک، مجھے نہ چھیڑیں۔ (۴) دونوں جانب۔ (۵) آنے جانے۔ (۶) ختم۔ (۷) شریف لوگ۔ (۸) آس پاس۔ (۹) کم درجہ کے۔

کہ تو اپنے معبود لات کی پیشاب گاہ کو چاٹ، کیا ہم حضور ﷺ سے بھاگ جائیں گے اور آپ ﷺ کو اکیلا چھوڑ دیں گے؟ عُروہ نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر ہیں۔ انھوں نے حضرت ابوبکر ﷛ سے مخاطب ہوکر کہا کہ تمہارا ایک قدیمی[1] احسان مجھ پر ہے جس کا بدلہ میں نہیں دے سکا، اگر یہ نہ ہوتا تو اس گالی کا جواب دیتا۔ یہ کہہ کر عُروہ پھر حضور ﷺ سے بات میں مشغول ہوگئے اور عرب کے عام دستور[2] کے موافق بات کرتے ہوئے حضور ﷺ کی داڑھی مبارک کی طرف ہاتھ لے جاتے کہ خوشامد کے موقع پر داڑھی میں ہاتھ لگا کر بات کی جاتی ہے۔ صحابہ ﷡ کو یہ بات کب گوارا[3] ہوسکتی تھی، عُروہ کے بھتیجے حضرت مُغیرہ بن شُعبہ ﷛ سر پر خَود[4] اوڑھے ہوئے اور ہتھیار لگائے ہوئے پاس کھڑے تھے، انھوں نے تلوار کا قبضہ[5] عُروہ کے ہاتھ پر مارا کہ ہاتھ پَرے[6] کو رکھو۔ عُروہ نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مُغیرہ۔ عُروہ نے کہا: او غدّار[7]! تیری غدّاری کو میں اب تک بھگت رہا ہوں اور تیرا یہ برتاؤ؟ (حضرت مُغیرہ بن شُعبہ ﷛ نے اسلام سے قبل چند کافروں کو قتل کردیا تھا جن کی دِیت[8] عُروہ نے ادا کی تھی اس کی طرف یہ اشارہ تھا) غرض عُروہ طویل[9] گفتگو حضور ﷺ سے کرتے رہے اور نظریں بچا کر صحابۂ کرام ﷡ کے حالات کا اندازہ بھی کرتے جاتے تھے؛ چنانچہ واپس جا کر کفار سے کہا کہ اے قریش! میں بڑے بڑے بادشاہوں کے یہاں گیا ہوں، قیصر وکِسریٰ اور نَجاشی کے درباروں کو بھی دیکھا ہے اور ان کے آداب بھی دیکھے ہیں، خدا کی قسم! میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کی جماعت اس کی ایسی تعظیم کرتی ہو جیسی محمد (ﷺ) کی جماعت اُن کی تعظیم کرتی ہے، اگر وہ تھوکتے ہیں تو جس کے ہاتھ پڑ جائے وہ اس کو بدن اور منہ پر مَل لیتا ہے، جو بات محمد (ﷺ) کے منہ سے نکلتی ہے اس کے پورا کرنے کو سب کے سب ٹوٹ پڑتے ہیں، ان کی وضو کا پانی آپس میں لڑ لڑ کر تقسیم کرتے ہیں، زمین پر نہیں گرنے دیتے اگر کسی کو قطرہ نہ ملے تو وہ دوسرے کے تر[10] ہاتھ کو ہاتھ سے مَل کر اپنے منھ پر مَل لیتا ہے، اُن کے سامنے بولتے ہیں تو بہت نیچی آواز سے، ان کے سامنے زور سے نہیں بولتے، ان کی طرف نگاہ اٹھا کر ادب کی وجہ سے نہیں دیکھتے، اگر ان کے سر یا داڑھی کا کوئی بال گرتا ہے تو اُس کو تبرّکاً[11] اٹھا لیتے ہیں اور اس کی تعظیم اور احترام کرتے ہیں، غرض میں نے کسی جماعت کو اپنے آقا کے ساتھ اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محمد (ﷺ) کی جماعت ان کے ساتھ کرتی ہے۔ اسی دوران میں حضور اقدس ﷺ نے حضرت عثمان ﷛ کو اپنی طرف سے قاصد[12] بنا کر سردارانِ مکہ کے پاس بھیجا۔ حضرت عثمان ﷛ کی باوجود مسلمان ہوجانے کے مکہ میں بہت عزت تھی اور ان کے متعلق زیادہ اندیشہ[13] نہ تھا

حل لغات: ① پرانا۔ ② رواج، عادت۔ ③ برداشت۔ ④ لوہے کی ٹوپی جو لڑائی میں پہنتے ہیں۔ ⑤ تلوار پکڑنے کی جگہ، دَستہ۔ ⑥ دور۔ ⑦ بے وفا، نمک حرام۔ ⑧ وہ مال جو قاتل، مقتول کے وارثوں کو دے۔ ⑨ لمبی۔ ⑩ گیلا۔ ⑪ برکت حاصل کرنے کے واسطے۔ ⑫ پیغام لے جانے والا۔ ⑬ ڈر۔

اس لیے ان کو تجویز[1] فرمایا تھا۔ وہ تشریف لے گئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو رشک ہوا کہ عثمان تو مزے سے کعبہ کا طواف کر رہے ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے امید نہیں ہے کہ وہ میرے بغیر طواف کریں؛ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ میں داخل ہوئے تو اَبان بن سعید نے ان کو اپنی پناہ میں لے لیا اور ان سے کہا کہ جہاں دل چاہے چلو پھرو، تم کو کوئی روک نہیں سکتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابوسفیان وغیرہ مکہ کے سرداروں سے ملتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام پہونچاتے رہے، جب واپس ہونے لگے تو کفار نے خود درخواست کی کہ تم مکہ میں آئے ہو، تم طواف کرتے جاؤ۔ انھوں نے جواب دے دیا کہ یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو روکے گئے ہوں اور میں طواف کرلوں۔ قریش کو اس جواب پر غصہ آیا جس کی وجہ سے انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو روک لیا۔ مسلمانوں کو یہ خبر پہونچی کہ ان کو شہید کردیا۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اخیر دم تک لڑنے پر بیعت لی۔ جب کفار کو اس کی خبر پہونچی تو گھبرا گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فوراً چھوڑ دیا۔ [خمیس]

فائدہ: اس قصہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد، حضرت مُغیرہ رضی اللہ عنہ کا مارنا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عام برتاؤ، جس کو عروہ نے بہت غور سے دیکھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا طواف سے انکار، ہر واقعہ ایسا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے انتہا عشق و محبت کی خبر دیتا ہے۔ یہ بیعت جس کا اس قصہ میں ذکر ہے ''بیعۃُ[2] الشَّجرہ'' کہلاتی ہے، قرآن پاک میں بھی اس کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح کی آیت ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [سورۂ فتح:۱۸] الآیۃ میں اس کا ذکر فرمایا ہے، پوری آیت مع ترجمہ کے عنقریب خاتمہ میں آرہی ہے۔

⑤ حضرت ابنِ زُبیر رضی اللہ عنہما کا خون پینا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سینگیاں[3] لگوائیں اور جو خون نکلا وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو دیا کہ اس کو کہیں دبا دیں۔ وہ گئے اور آکر عرض کیا کہ دبا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کہاں؟ عرض کیا: میں نے پی لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے بدن میں میرا خون جائے گا اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی، مگر تیرے لیے بھی لوگوں سے ہلاکت ہے اور لوگوں کو تجھ سے۔

فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فُضلات: پاخانہ پیشاب وغیرہ سب پاک ہیں، اس لیے اس میں کوئی اشکال نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب کہ ''ہلاکت ہے'' علماء نے لکھا ہے کہ سلطنت اور اِمارت کی طرف اشارہ ہے کہ اِمارت ہوگی اور لوگ اس میں مُزاحِم[4] ہوں گے۔ چنانچہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جب پیدا ہوئے تھے، اس وقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف اشارہ فرمایا تھا کہ ایک مینڈھا ہے، بھیڑیوں کے درمیان، ایسے بھیڑیئے جو کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے؛ چنانچہ یزید اور عبدالملک دونوں کے ساتھ حضرت ابنِ زُبیر رضی اللہ عنہما کی مشہور لڑائی ہوئی اور آخر شہید ہوئے۔

حل لغات: ① طے فرمایا۔ ② جس درخت کے نیچے صحابہ نے بیعت کی عہد کیا کہ کافروں سے لڑیں گے، جان دے دیں گے، بھاگیں گے نہیں۔ ③ پچھنا لگوانا۔ ④ روکنے والے۔

⑥ حضرت مالک بن سِنان رضی اللہ عنہ کا خون پینا

اُحد کی لڑائی میں جب نبیٔ اکرم ﷺ کے چہرۂ انور یا سرِ مبارک میں خَوُد[1] کے دو حلقے گھس گئے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دوڑے ہوئے آگے بڑھے اور دوسری جانب سے حضرت ابُوعُبَیدَہ رضی اللہ عنہ دوڑے اور آگے بڑھ کر خود کے حلقے دانت سے کھینچنے شروع کیے، ایک حلقہ نکالا جس سے ایک دانت حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا ٹوٹ گیا، اس کی پرواہ نہ کی، دوسرا حلقہ کھینچا جس سے دوسرا دانت بھی ٹوٹا، لیکن حلقہ وہ بھی کھینچ ہی لیا، ان حلقوں کے نکلنے سے حضور ﷺ کے پاک جسم سے خون نکلنے لگا، تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد ماجد مالک بن سِنان رضی اللہ عنہ نے اپنے لبوں سے اُس خون کو چوس لیا اور نگل لیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے خون میں میرا خون ملا ہے، اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔ [قُرّۃ العیون]

⑦ حضرت زَیدبن حارِثہ رضی اللہ عنہ کا اپنے باپ کو انکار

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت میں اپنی والدہ کے ساتھ ننھیال جا رہے تھے، بنوقیس نے قافلہ کو لُوٹا جس میں زید رضی اللہ عنہ بھی تھے ان کو مکہ کے بازار میں لاکر بیچا، حکیم بن حِزَام رضی اللہ عنہ نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے ان کو خرید لیا۔ جب حضور ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا تو انھوں نے زید رضی اللہ عنہ کو حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کردیا۔ زید رضی اللہ عنہ کے والد کو ان کے فِراق[2] کا بہت صدمہ تھا اور ہونا ہی چاہیے تھا کہ اولاد کی محبت فطری چیز ہے۔ وہ زید رضی اللہ عنہ کے فراق میں روتے اور اشعار پڑھتے پھرا کرتے تھے، اکثر جو اشعار پڑھتے تھے ان کا مختصر ترجمہ یہ ہے:

''میں زید کی یاد میں روتا ہوں اور یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ زندہ ہے، تاکہ اس کی اُمید کی جائے یا موت نے اس کو نمٹا دیا۔ خدا کی قسم! مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ تجھے اے زید! نرم زمین نے ہلاک کیا یا کسی پہاڑ نے ہلاک کیا، کاش مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ تُو عمر بھر میں کبھی بھی واپس آئے گا یا نہیں، ساری دنیا میں میری انتہائی غرض تیری واپسی ہے، جب آفتاب طلوع ہوتا ہے جب بھی مجھے زید ہی یاد آتا ہے اور جب بارش ہونے کو ہوتی ہے جب بھی اُسی کی یاد مجھے ستاتی ہے اور جب ہوائیں چلتی ہیں تو وہ بھی اس کی یاد کو بھڑکاتی ہیں، ہائے میرا غم اور میرا فکر کس قدر طویل ہو گیا، میں اس کی تلاش اور کوشش میں ساری دنیا میں اونٹ کی تیز رفتاری کو کام میں لاؤں گا اور دنیا کا چکر لگانے سے نہیں اُکتاؤں گا، اونٹ چلنے سے اُکتا جائیں تو اُکتا جائیں، لیکن میں کبھی بھی نہیں اُکتاؤں گا، اپنی ساری زندگی اسی میں گزار دوں گا، ہاں! میری موت ہی آ گئی تو خیر کہ موت ہر چیز کو فنا کر دینے والی ہے، آدمی خواہ کتنی ہی امیدیں لگا وے، مگر میں اپنے بعد فلاں فلاں رشتہ داروں اور آل اولاد کو وصیت کر جاؤں گا کہ وہ بھی اسی طرح زید کو ڈھونڈتے رہیں''۔

حل لغات: ① لوہے کی ٹوپی۔ ② جدائی۔

غرض یہ اشعار وہ پڑھتے تھے اور روتے ہوئے ڈھونڈتے پھرا کرتے تھے، اتفاق سے ان کی قوم کے چند لوگوں کا حج کو جانا ہوا اور انھوں نے زید کو پہچانا، باپ کا حال سنایا، شعر سنائے، اُن کی یاد و فراق کی داستان سنائی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ تین شعر کہہ کر بھیجے، جن کا مطلب یہ تھا کہ میں یہاں مکہ میں ہوں، خیریت سے ہوں، تم غم اور صدمہ نہ کرو، میں بڑے کریم لوگوں کی غلامی میں ہوں۔ ان لوگوں نے جا کر زید رضی اللہ عنہ کی خیر وخبر ان کے باپ کو سنائی اور وہ اشعار سنائے جو زید رضی اللہ عنہ نے کہہ کر بھیجے تھے اور پتہ بتایا۔ زید رضی اللہ عنہ کے باپ اور چچا فدیہ کی رقم لے کر ان کو غلامی سے چھڑانے کی نیت سے مکہ مکرمہ پہونچے، تحقیق کی، پتہ چلایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچے اور عرض کیا: اے ہاشم کی اولاد اور اپنی قوم کے سردار! تم لوگ حرم کے رہنے والے ہو اور اللہ کے گھر کے پڑوسی، تم خود قیدیوں کو رہا کراتے ہو، بھوکوں کو کھانا دیتے ہو، ہم اپنے بیٹے کی طلب① میں تمہارے پاس پہونچے ہیں، ہم پر احسان کرو اور کرم فرماؤ اور فدیہ قبول کرلو اور اس کو رہا کردو، بلکہ جو فدیہ ہو اس سے زیادہ لے لو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا بات ہے؟ عرض کیا: زید کی طلب میں ہم لوگ آئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بس اتنی سی بات ہے؟ عرض کیا کہ حضور! بس یہی غرض ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کو بلالو اور اس سے پوچھ لو اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو بغیر فدیہ ہی کے وہ تمہاری نذر ہے اور اگر نہ جانا چاہے تو میں ایسے شخص پر جبر② نہیں کرسکتا، جو خود نہ جانا چاہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ آپ نے استحقاق③ سے بھی زیادہ احسان فرمایا، یہ بات خوشی سے منظور ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بلائے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان کو پہچانتے ہو؟ عرض کیا: جی ہاں! پہچانتا ہوں، یہ میرے باپ ہیں اور یہ میرے چچا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا حال بھی تمہیں معلوم ہے، اب تمہیں اختیار ہے کہ میرے پاس رہنا چاہو تو میرے پاس رہو، ان کے ساتھ جانا چاہو تو اجازت ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور! میں آپ کے مقابلہ میں بھلا کس کو پسند کرسکتا ہوں؟ آپ میرے لیے باپ کی جگہ بھی ہیں اور چچا کی جگہ بھی۔ ان دونوں باپ چچا نے کہا کہ زید! غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتے ہو اور باپ، چچا اور سب گھر والوں کے مقابلہ میں غلام رہنے کو پسند کرتے ہو؟ زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں میں نے ان میں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرکے) ایسی بات دیکھی ہے جس کے مقابلہ میں کسی چیز کو بھی پسند نہیں کرسکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ جواب سنا تو ان کو گود میں لے لیا اور فرمایا کہ میں نے اس کو اپنا بیٹا بنالیا۔ زید رضی اللہ عنہ کے باپ اور چچا بھی یہ منظر دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور خوشی سے ان کو چھوڑ کر چلے گئے۔ [خمیس] حضرت زید رضی اللہ عنہ اُس وقت بچے تھے۔ بچپن کی حالت میں سارے گھر کو، عزیز④ واقارب کو غلامی پر قربان کردینا، جس محبت کا پتہ دیتا ہے وہ ظاہر ہے۔

حل لغات: ① تلاش۔ ② زبردستی۔ ③ حق۔ ④ رشتہ دار۔

⑧ حضرت اَنَس بن نَضر رضی اللہ عنہ کا عمل اُحد کی لڑائی میں

اُحد کی لڑائی میں مسلمانوں کو جب شکست ہو رہی تھی تو کسی نے یہ خبر اُڑا دی کہ حضور ﷺ بھی شہید ہو گئے۔ اس وحشت ناک خبر سے جو اثر صحابہ رضی اللہ عنہم پر ہونا چاہیے تھا وہ ظاہر ہے، اسی وجہ سے اور بھی زیادہ گھٹنے ٹوٹ [1] گئے۔ حضرت انس بن نَضر رضی اللہ عنہ چلے جا رہے تھے کہ مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نظر پڑے کہ سب حضرات پریشان حال تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کیا ہو رہا ہے کہ مسلمان پریشان سے نظر آرہے ہیں۔ ان حضرات نے کہا کہ حضور ﷺ شہید ہو گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر حضور ﷺ کے بعد تمھیں زندہ رہ کر کیا کرو گے، تلوار ہاتھ میں لو اور چل کر مر جاؤ۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے خود تلوار ہاتھ میں لی اور کفار کے جمگھٹے [2] میں گھس گئے اور اس وقت تک لڑتے رہے کہ شہید ہو گئے۔ [خمیس]

فائدہ: ان کا مطلب یہ تھا کہ جس ذات کے دیدار کے لیے جینا تھا جب وہی نہیں رہی تو پھر گویا جی کر ہی کیا کرنا ہے؛ چنانچہ اسی میں اپنی جان نثار [3] کر دی۔

⑨ سَعد بن رَبیع رضی اللہ عنہ کا پیام اُحد میں

اسی اُحد کی لڑائی میں حضورِ اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کہ سَعد بن رَبیع کا حال معلوم نہیں ہوا کہ کیا گزری۔ ایک صحابی کو تلاش کے لیے بھیجا وہ شہداء کی جماعت میں تلاش کر رہے تھے، آوازیں بھی دے رہے تھے کہ شاید وہ زندہ ہوں پھر پکار کر کہا کہ مجھے حضور ﷺ نے بھیجا ہے کہ سَعد بن رَبیع کی خبر لاؤں، تو ایک جگہ سے بہت ضعیف [4] سی آواز آئی، یہ اس طرف بڑھے جا کر دیکھا کہ سات مقتولین کے درمیان پڑے ہیں اور ایک آدھ سانس باقی ہے، جب یہ قریب پہونچے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور ﷺ کو میرا اسلام عرض کر دینا اور کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ میری جانب سے آپ کو اس سے افضل اور بہتر بدلہ عطا فرمائیں، جو کسی نبی کو اس کے اُمتی کی طرف سے بہتر سے بہتر عطا کیا ہو اور مسلمانوں کو میرا یہ پیام پہونچا دینا کہ اگر کافر حضور ﷺ تک پہونچ گئے اور تم میں سے کوئی ایک آنکھ بھی چمکتی ہوئی رہے یعنی وہ زندہ رہا، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی عُذر [5] بھی تمہارا نہ چلے گا اور یہ کہہ کر جان بحق [6] ہو گئے۔ [خمیس]

فائدہ: فَجَزَاهُ اللّٰهُ عَنَّا أَفْضَلَ مَا جَزَى صَحَابِيًّا عَنْ [7] أُمَّةِ نَبِيِّهٖ. درحقیقت ان جاں نثاروں نے (اللہ تعالیٰ اپنے لُطف سے اُن کی قبروں کو نور سے بھر دے) اپنی جاں نثاری کا پورا ثبوت دے دیا کہ زخموں پر زخم لگے ہوئے ہیں، دم توڑ رہے ہیں، مگر کیا مجال ہے کہ کوئی شِکوہ [8]، کوئی گھبراہٹ، کوئی پریشانی لاحق ہو جائے۔ ولولہ [9] ہے تو حضور ﷺ کی حفاظت کا، حضور ﷺ پر جاں نثاری کا، حضور ﷺ پر قربانی کا، کاش مجھ جیسے نااہل کو بھی کوئی حصہ اس محبت کا نصیب ہو جاتا۔

حل لغات: ① ہمت ٹوٹ گئی۔ ② مجمع۔ ③ قربان۔ ④ کمزور۔ ⑤ بہانہ۔ ⑥ شہید۔ ⑦ اللہ تعالیٰ ہماری جانب سے ان کو اس سے افضل اور بہتر بدلہ عطا فرمائے جو کسی صحابی کو اسکے نبی کی امت سے عطا کیا گیا ہو۔ ⑧ شکایت۔ ⑨ جذبہ۔

⑩ حضور ﷺ کی قبر دیکھ کر ایک عورت کی موت

حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئیں اور آ کر عرض کیا کہ مجھے حضورِ اقدس ﷺ کی قبرِ مبارک کی زیارت کرادو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حجرۂ شریفہ کھولا۔ انھوں نے زیارت کی اور زیارت کرکے روتی رہیں اور روتے روتے انتقال فرما گئیں۔ رضی اللہ عنہا وأرضاها۔ [شفا]

فائدہ: کیا اس عشق کی نظیر[1] بھی کہیں ملے گی کہ قبر کی زیارت کی تاب[2] نہ لا سکیں اور وہیں جان دے دی۔

⑪ صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت کے مُتفرّق قصّے

حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو حضورِ اقدس ﷺ سے کتنی محبت تھی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدائے پاک کی قسم! حضور ﷺ ہم لوگوں کے نزدیک اپنے مالوں سے اور اپنی اولادوں سے اور اپنی ماؤں سے اور سخت پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب تھے۔ [شفا]

فائدہ: سچ فرمایا۔ درحقیقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی یہی حالت تھی اور کیوں نہ ہوتی جبکہ وہ حضرات کامل[3] الایمان تھے اور اللہ جلّ شانہٗ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٤﴾﴾ [سورۂ توبہ] ترجمہ: ”آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نِکاسی[4] نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو (اگر یہ سب چیزیں) تم کو اللہ سے اور اس کے رسول (ﷺ) سے اور اُس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں، تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دیں اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنے والوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہونچاتا“۔ [بیان القرآن]

اس آیتِ شریفہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے ان سب چیزوں سے کم ہونے پر وعید ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کو میری محبت اپنے باپ اور اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہوجائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مضمون نقل کیا گیا ہے۔ علماء کا ارشاد ہے کہ ان احادیث میں محبت سے محبتِ اختیاری مراد ہے، غیر اختیاری یعنی طبعی اضطراری مراد نہیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر محبت طبعی مراد ہو تو پھر ایمان سے مراد کمال درجہ کا ایمان ہو جیسا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص

حل لغات: ① مثال۔ ② برداشت نہ کرسکیں۔ ③ مکمل ایمان والے۔ ④ سامان کا بکنا۔

میں وہ پائی جائیں، ایمان کی حلاوت اور ایمان کا مزہ نصیب ہو جائے، ایک یہ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ان کے ماسوا(۱) سب سے زیادہ ہووے؛ دوسرے یہ کہ جس کسی سے محبت کرے اللہ ہی کے واسطے کرے؛ تیسرے یہ کہ کفر کی طرف لوٹنا اس کو ایسا ہی گراں اور مشکل ہو جیسا کہ آگ میں گرنا۔ حضرت عمر ﷛ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے اپنی جان کے علاوہ اور سب چیزوں سے آپ زیادہ محبوب ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص مومن اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کو میری محبت اپنی جان سے بھی زیادہ نہ ہو۔ حضرت عمر ﷛ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَلآنَ یَا عُمَرَ! (اس وقت اے عمر)۔ علماء نے اس ارشاد کے دو مطلب بتائے ہیں: ایک یہ کہ اس وقت تمہارا ایمان کامل ہوا ہے، دوسرا یہ کہ تنبیہ ہے کہ اس وقت یہ بات پیدا ہوئی کہ میں تمہیں اپنے نفس سے زیادہ محبوب ہوں، حالانکہ یہ بات اوّل ہی سے ہونا چاہیے تھی۔ سُہَیل تُستَرِی ؒ کہتے ہیں کہ جو شخص ہر حال میں حضور ﷺ کو اپنا والی نہ جانے اور اپنے نفس کو اپنی مِلک(۲) میں سمجھے وہ سنت کا مزہ نہیں چکھ سکتا۔ ایک صحابی نے آکر حضورِ اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے، جس کی وجہ سے انتظار ہے؟ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں بہت سی نمازیں اور روزے اور صدقے تو تیار کر نہیں رکھے ہیں، البتہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میرے دل میں ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں تم اُسی کے ساتھ ہوگے جس سے محبت رکھتے ہو۔ حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ آدمی کا حشر اُسی کے ساتھ ہوگا جس سے اُس کو محبت ہے۔ کئی صحابہ نے نقل کیا ہے جن میں عبداللہ بن مسعود، ابوموسیٰ اشعری، صفوان، ابوذر ﷡ وغیرہ حضرات ہیں۔ حضرت انس ﷛ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام ﷡ کو جس قدر خوشی اس ارشادِ مبارک سے ہوئی ہے کسی چیز سے بھی اتنی خوشی نہیں ہوئی۔ اور ظاہر بات ہے ہونا بھی چاہیے تھی کہ حضور ﷺ کی محبت تو ان کے رگ و پے(۳) میں تھی، پھر ان کو کیوں نہ خوشی ہوتی؟ حضرت فاطمہ ﷞ کا مکان شروع میں حضور ﷺ سے ذرا دور تھا، ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا تھا تمہارا مکان تو قریب ہو جاتا۔ حضرت فاطمہ ﷞ نے عرض کیا کہ حارثہ کا مکان آپ کے قریب ہے، اُن سے فرمادیں کہ میرے مکان سے بدل لیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان سے پہلے بھی تَبَادَلہ ہو چکا ہے اب تو شرم آتی ہے۔ حارثہ ﷛ کو اس کی اطلاع ہوئی فوراً حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ فاطمہ کا مکان اپنے قریب چاہتے ہیں، یہ میرے مکانات موجود ہیں ان سے زیادہ قریب کوئی مکان بھی نہیں ہے، جو پسند ہو بدل لیں، یارسول اللہ! میں اور میرا مال تو اللہ اور اس کے رسول ہی کا ہے، یارسول اللہ! خدا کی قسم جو مال آپ

حل لغات: (۱) علاوہ۔ (۲) ملکیت، قبضہ۔ (۳) جسم کا ہر حصہ۔

لے لیں وہ مجھے زیادہ پسند ہے اُس مال سے جو میرے پاس رہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: سچ کہتے ہو اور برکت کی دعا دی اور مکان بدل لیا۔ [طبقات]

ایک صحابی حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ کی محبت مجھے میری جان و مال اور اہل وعیال سے زیادہ ہے، میں اپنے گھر میں ہوتا ہوں اور آپ کا خیال آ جاتا ہے تو صبر نہیں آتا، یہاں تک کہ حاضر ہوں اور آ کر زیارت نہ کرلوں، مجھے یہ فکر ہے کہ موت تو آپ کو بھی اور مجھے بھی ضرور آنی ہی ہے، اس کے بعد آپ تو انبیاء کے درجہ میں چلے جائیں گے، تو مجھے یہ خوف رہتا ہے کہ پھر میں آپ کو نہیں دیکھ سکوں گا۔ حضور ﷺ نے اس کے جواب میں سکوت[1] فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور یہ آیت سنائی:

﴿وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓـئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ‌ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓـئِكَ رَفِيۡقًا ؕ‏ ﴿۶۹﴾ ذٰ لِكَ الۡـفَضۡلُ مِنَ اللّٰهِ‌ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيۡمًا ﴿۷۰﴾﴾ [سورۂ نساء] ترجمہ: جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی جنت میں ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شُہَداء اور صُلَحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں اور ان کے ساتھ رِفاقت[2] محض اللہ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں ہر ایک کے عمل کو۔

اس قسم کے واقعات بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو پیش آئے اور آنا ضروری تھے۔ ”عشق[3] است و ہزار بدگمانی“، حضور ﷺ نے جواب میں یہی آیت سنائی۔ چنانچہ ایک صحابی حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے آپ سے ایسی محبت ہے کہ جب خیال آ جاتا ہے، اگر اس وقت میں آ کر زیارت نہ کرلوں تو مجھے غالب گمان ہے کہ میری جان نکل جائے، مگر مجھے یہ خیال ہے کہ اگر میں جنت میں داخل بھی ہوگیا تب بھی آپ سے تو نیچے درجہ میں ہوں گا؛ مجھے تو جنت میں بھی آپ کی زیارت بغیر بڑی مشقت ہوگی، آپ ﷺ نے یہی آیت سنائی۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک انصاری حاضرِ خدمت ہوئے اور نہایت غمگین تھے، حضور ﷺ نے فرمایا: غمگین کیوں ہو؟ عرض کیا: یارسول اللہ! ایک سوچ میں ہوں، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا سوچ ہے؟ عرض کیا: یارسول اللہ! ہم صبح وشام حاضرِ خدمت ہوتے ہیں، آپ کی زیارت سے محظوظ[4] ہوتے ہیں، آپ کی خدمت میں بیٹھتے ہیں، کل کو آپ تو انبیاء کے درجے پر پہونچ جائیں گے، ہماری وہاں تک رسائی[5] نہیں ہوگی، حضور ﷺ نے سکوت فرمایا اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے ان انصاری کو بھی بلایا اور ان کو اس کی بشارت دی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ اشکال کیا، حضور ﷺ نے یہ آیت ان کو سنائی۔ ایک حدیث میں ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

حل لغات: (۱) خاموش رہنا۔ (۲) ساتھ، دوستی۔ (۳) عشق میں ہزاروں بدگمانیاں ہوتی ہیں۔ (۴) خوش۔ (۵) پہونچ۔

یارسول اللہ! یہ تو ظاہر ہے کہ نبی کو امتی پر فضیلت ہے اور جنت میں اس کے درجہ اونچے ہوں گے، تو پھر اکٹھا ہونے کی کیا صورت ہوگی؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اوپر کے درجہ والے نیچے کے درجہ والوں کے پاس آئیں گے، ان کے پاس بیٹھیں گے، بات چیت کریں گے۔ [درمنثور]

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھ سے بہت محبت کرنے والے بعض ایسے لوگ ہوں گے جو میرے بعد پیدا ہوں گے اور ان کی یہ تمنا ہوگی کہ کاش اپنے اہل وعیال اور مال کے بدلے میں وہ مجھے دیکھ لیتے۔ خالد رضی اللہ عنہ کی بیٹی عَبْدَہ رحمہا اللہ کہتی ہیں کہ میرے والد جب بھی سونے لیٹتے، تو اتنے آنکھ نہ لگتی اور جاگتے رہتے، حضور ﷺ کی یاد اور شوق واشتیاق میں لگے رہتے اور مہاجرین وانصار صحابہ رضی اللہ عنہم کا نام لے کر یاد کرتے رہتے اور یہ کہتے کہ یہی میرے اصول وفروع ہیں (یعنی بڑے اور چھوٹے) اور ان کی طرف میرا دل کھنچا جا رہا ہے، یا اللہ! مجھے جلد ہی موت دے دے کہ ان لوگوں سے جا کر ملوں اور یہی کہتے کہتے سو جاتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے اپنے باپ کے مسلمان ہونے کی بہ نسبت[1] آپ کے چچا ابوطالب کے مسلمان ہو جانے کی زیادہ تمنا ہے، اس لیے کہ اس سے آپ کو زیادہ خوشی ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ کے اسلام لانے کی مجھے زیادہ خوشی ہے اپنے باپ کے مسلمان ہونے سے، اس لیے کہ آپ کا اسلام حضور ﷺ کو زیادہ محبوب ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ رات کو حفاظتی گشت[2] فرما رہے تھے کہ ایک گھر میں سے چراغ کی روشنی محسوس ہوئی اور ایک بڑھیا کی آواز کان میں پڑی جو اون کو دُھنتی[3] ہوئی اشعار پڑھ رہی تھیں، جن کا ترجمہ یہ ہے: کہ محمد ﷺ پر نیکوں کا درود پہونچے اور پاک صاف لوگوں کی طرف سے جو برگزیدہ[4] ہوں ان کا درود پہونچے، بے شک یارسول اللہ! آپ راتوں کو عبادت کرنے والے تھے اور اخیر راتوں کو رونے والے تھے، کاش مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ میں اور میرا محبوب کبھی اکٹھا ہو سکتے ہیں یا نہیں، اس لیے کہ موت مختلف حالتوں میں آتی ہے، نہ معلوم میری موت کس حالت میں آئے اور حضور ﷺ سے مرنے کے بعد ملنا ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ان اشعار کو سن کر رونے بیٹھ گئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا قصہ مشہور ہے ہی کہ جب ان کے انتقال کا وقت ہوا تو اُن کی بیوی جدائی پر رنجیدہ ہو کر کہنے لگیں کہ ہائے افسوس! وہ کہنے لگے: سبحان اللہ! کیا مزے کی بات ہے کہ کل کو محمد ﷺ کی زیارت کریں گے اور ان کے صحابہ سے ملیں گے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا قصہ باب ۵ کے قصہ نمبر ۹ میں گذر چکا ہے کہ جب ان کو سولی دی جانے لگی، تو ابوسفیان نے پوچھا: کیا تجھے یہ گوارا ہے کہ ہم تجھے چھوڑ دیں اور تیرے بجائے (خدانخواستہ[5]) حضور ﷺ کے ساتھ یہ معاملہ کریں؟ تو زید رضی اللہ عنہ نے کہا: خدا کی قسم! مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ حضور ﷺ اپنے دولت کدہ[6] پر

حل لغات: (۱) مقابلہ، بدلہ۔ (۲) حفاظت کے لیے چکر لگانا۔ (۳) صاف کرتی ہوئی۔ (۴) مقبول، پسندیدہ۔ (۵) خدا نہ کرے۔ (۶) گھر۔

تشریف فرما ہوں اور وہاں ان کے کانٹا چُبھ جائے اور میں اپنے گھر آرام سے رہ سکوں۔ ابوسفیان کہنے لگا کہ میں نے کبھی کسی کے ساتھ اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت کو ان سے ہے۔

تنبیہ: علماء نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کی مختلف علامات لکھی ہیں۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی چیز کو محبوب رکھتا ہے اس کو ماسوٰی[1] پر ترجیح دیتا ہے، یہی معنی محبت کے ہیں ورنہ محبت نہیں محض دعویٰ محبت ہے، پس حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کی علامات میں سب سے مُہتم بالشّان[2] یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدا[3] کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو اختیار کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کی پیروی کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی بجا آوری[4] کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں سے روک دیا ہے اُن سے پرہیز کرے، خوشی میں، رنج میں، تنگی میں، وُسعت میں، ہر حال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلے، قرآن پاک میں ارشاد ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۱﴾ [سورۂ آل عمران] ''آپ اُن لوگوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم میرا اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دیں گے اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے ہیں، بڑے رحم فرمانے والے ہیں''۔

خاتمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حقوق اور اُن کے مختصر فضائل

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے یہ چند قصے نمونے کے طور پر لکھے گئے ہیں، ورنہ ان کے حالات بڑی ضخیم[5] کتابوں میں بھی پورے نہیں ہو سکتے۔ اردو میں بھی متعدّد کتابیں اور رسالے اس مضمون کے ملتے ہیں۔ کئی مہینے ہوئے یہ رسالہ شروع کیا تھا، پھر مدرسہ کے مشاغل[6] اور وقتی عوارض[7] کی وجہ سے تعویق[8] میں پڑ گیا، اس وقت ان اوراق پر خاتمہ کرتا ہوں کہ جتنے لکھے جا چکے ہیں وہ قابلِ انتفاع[9] ہو جائیں۔ اخیر میں ایک ضروری امر پر تنبیہ بھی اشد[10] ضروری ہے، وہ یہ کہ اس آزادی کے زمانہ میں جہاں ہم مسلمانوں میں دین کے اَور بہت سے امور میں کوتاہی اور آزادی کا رنگ ہے، وہاں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی حق شناسی[11] اور ان کے ادب واحترام میں بھی حد سے زیادہ کوتاہی[12] ہے؛ بلکہ اس سے بڑھ کر بعض دین سے بے پرواہ لوگ تو ان کی شان میں گستاخی تک کرنے لگتے ہیں، حالانکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دین کی بنیاد ہیں، دین کے اوّل پھیلانے والے ہیں، ان کے حقوق سے ہم لوگ مرتے دم تک بھی عہدہ برآ[13] نہیں ہو سکتے۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل سے ان

حل لغات: (۱) دوسری چیزوں پر۔ (۲) اہم، ضروری۔ (۳) پیروی۔ (۴) عمل کرنا۔ (۵) لمبی چوڑی۔ (۶) مشغلہ کی جمع، کام۔ (۷) پیش آنے والی چیزیں۔ (۸) ٹال مٹول، دیری۔ (۹) فائدہ اُٹھانے کے لائق۔ (۱۰) سخت۔ (۱۱) قدردانی۔ (۱۲) کمی۔ (۱۳) چھٹکارا پانا۔

پاک نفوس پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائیں کہ انھوں نے حضورِ اقدس ﷺ سے دین حاصل کیا اور ہم لوگوں تک پہونچایا، اس لیے اس خاتمہ میں قاضی عِیاضؒ کی شفا کی ایک فصل کا مختصر ترجمہ جو اس کے مناسب ہے، درج کرتا ہوں اور اسی پر اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ ہی کے اعزاز و اکرام میں داخل ہے، حضور ﷺ کے صحابہ کا اعزاز و اکرام کرنا اور ان کے حق کو پہچاننا اور اُن کا اتباع کرنا اور ان کی تعریف کرنا اور ان کے لیے استغفار اور دعائے مغفرت کرنا اور ان کے آپس کے اختلافات میں لَبْ[1] کُشائی نہ کرنا اور مُؤَرِّخِین اور شیعہ اور بدعتی اور جاہل راویوں کی ان خبروں سے اِعْرَاض[2] کرنا، جو ان حضرات کی شان میں نقص[3] پیدا کرنے والی ہوں اور اس نوع[4] کی کوئی روایت اگر سننے میں آئے تو اس کی کوئی اچھی تاویل[5] کرلے اور کوئی اچھا مُحْمَل[6] تجویز کرلے کہ وہ اس کے مستحق ہیں اور ان حضرات کو بُرائی سے یاد نہ کرے، بلکہ ان کی خوبیاں اور ان کے فضائل بیان کیا کرے اور عیب کی باتوں سے سکوت کرے، جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب میرے صحابہ کا ذکر (یعنی برا ذکر) ہو تو سکوت کیا کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل قرآن شریف اور احادیث میں بکثرت[7] وارد ہیں۔

حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٢٩﴾﴾ [سورۂ فتح] ترجمہ: ''محمد، اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں اور آپس میں مہربان اور اے مخاطب تُو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کرنے والے ہیں، کبھی سجدہ کرنے والے ہیں اور اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو[8] میں لگے ہوئے ہیں، اُن کی عبدیت[9] کے آثار[10] بوَجہِ تاثیر ان کے سجدہ کے، ان کے چہروں پر نُمایاں[11] ہیں، یہ ان کے اوصاف توریت میں ہیں، اور انجیل میں اُن کی یہ مثال ذکر کی ہے کہ جیسے کھیتی کہ اُس نے اول اپنی سوئی[12] نکالی پھر اُس نے اپنی سوئی کو قوی کیا (یعنی وہ کھیتی موٹی ہوئی) پھر وہ کھیتی اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی ہوئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی (اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم میں اول ضُعف تھا، پھر روزانہ قوت بڑھتی گئی اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس لیے یہ نَشْوُ[13] ونُما دیا) تاکہ ان سے

حل لغات: (۱) منہ کھولنا، بات کرنا۔ (۲) بچنا۔ (۳) کمی۔ (۴) قسم، طرح۔ (۵) یعنی اچھا مطلب نکالے۔ (۶) یعنی کوئی اچھا معنی نکالے۔ (۷) بہت زیادہ۔ (۸) کوشش، تلاش۔ (۹) بندگی۔ (۱۰) نشانیاں۔ (۱۱) ظاہر۔ (۱۲) بیج سے نکلی ہوئی پہلی نوک۔ (۱۳) پھلنا، پھولنا۔

کافروں کو حسد میں جلاوے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے اُن صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے اور نیک کام کر رہے ہیں، مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے''۔

یہ ترجمہ اس صورت میں ہے کہ تورات پر آیت ہو اور آیت کے فرق سے ترجمہ میں بھی فرق ہو جائے گا۔ جو تفاسیر سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اسی سورۃ میں دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِیْرَةً یَّاْخُذُوْنَهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۱۹﴾﴾ [سورۂ فتح] ترجمہ: تحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے (جو کہ آپ کے ہم سفر ہیں) خوش ہوا، جبکہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ (اخلاص اور عزم[۱]) تھا، اللہ تعالیٰ کو وہ بھی معلوم تھا اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل میں اطمینان پیدا کر دیا تھا اور ان کو ایک لگتے ہاتھ[۲] فتح بھی دے دی۔ (مراد اس سے فتحِ خیبر ہے جو اس کے قریب ہی ہوئی) اور بہت سی غنیمتیں بھی دیں اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست حکمت والا ہے۔ یہی وہ بیعت ہے جس کو ''بیعتُ الشَّجرہ'' کہا جاتا ہے، اخیر باب کے قصہ چار میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا ﴿۲۳﴾﴾ [سورۂ احزاب] ''ان مؤمنین میں ایسے لوگ ہیں کہ انھوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اُس میں سچے اُترے پھر اُن میں سے بعض تو ایسے ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے (یعنی شہید ہو چکے) اور بعض ان میں اس کے مُشتاق (مُنتظر ہیں ابھی شہید نہیں ہوئے) اور اپنے ارادہ میں کوئی تغیّر و تبدّل[۳] نہیں کیا۔

ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۰۰﴾﴾ [سورۂ توبہ] ''اور جو مہاجرین و انصار (ایمان لانے میں سب امت سے) مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو[۴] ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے''۔ اِن آیات میں اللہ جلَّ شانہٗ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف اور اُن سے خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے۔

اسی طرح احادیث میں بھی بہت کثرت سے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے بعد ابوبکر و عمر کا اقتدا[۵] کیا کرو۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، جس

حل لغات: ① پکا ارادہ۔ ② ہاتھوں ہاتھ، ساتھ ہی ساتھ۔ ③ تبدیلی۔ ④ اتباع کرنے والے۔ ⑤ پیروی۔

کا اتباع کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ مُحدّثین کو اس حدیث میں کلام ہے اور اسی وجہ سے قاضی عیاضؒ پر اُس کے ذکر کرنے میں اعتراض ہے۔ مگر ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ تَعَدُّدِ طُرُق[1] کی وجہ سے اُن کے نزدیک قابلِ اعتبار ہو یا فضائل میں ہونے کی وجہ سے ذکر کیا ہو (کیونکہ فضائل میں معمولی ضُعف کی روایتیں ذکر کردی جاتی ہیں)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کی مثال کھانے میں نمک کی سی ہے کہ کھانا بغیر نمک کے اچھا نہیں ہوسکتا۔ حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اللہ سے میرے صحابہ کے بارے میں ڈرو، اُن کو ملامت[2] کا نشانہ نہ بناؤ، جو شخص اُن سے محبت رکھتا ہے میری محبت کی وجہ سے اُن سے محبت رکھتا ہے اور جو اُن سے بُغض رکھتا ہے وہ میرے بُغض کی وجہ سے بُغض رکھتا ہے، جو شخص اُن کو اذیّت[3] دے اُس نے مجھ کو اذیّت دی اور جس نے مجھ کو اذیّت دی اُس نے اللہ کو اذیّت دی اور جو شخص اللہ کو اذیت دیتا ہے قریب ہے کہ پکڑ میں آجائے۔ حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کو گالیاں نہ دیا کرو، اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد کے پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ ثواب کے اعتبار سے صحابہ کے ایک مُد[4] یا آدھے مد کی برابر بھی نہیں ہوسکتا۔ اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص صحابہ کو گالیاں دے، اس پر اللہ کی لعنت اور فرشتوں کی لعنت اور تمام آدمیوں کی لعنت، نہ اس کا فرض مقبول ہے، نہ نفل۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ تمام مخلوق میں سے میرے صحابہ کو چھانٹا ہے اور ان میں سے چار کو ممتاز[5] کیا ہے: ابوبکر، عمر، عثمان، علی، ان کو میرے سب صحابہ سے افضل قرار دیا۔

ایوب سَخْتِیانیؒ کہتے ہیں کہ جس شخص نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے محبت کی، اُس نے دین کو سیدھا کیا اور جس نے عمر رضی اللہ عنہ سے محبت کی، اس نے دین کے واضح[6] راستے کو پالیا اور جس نے عثمان سے محبت کی، وہ اللہ کے نور کے ساتھ منوّر ہوا اور جس نے علی رضی اللہ عنہ سے محبت کی، اُس نے دین کی مضبوط رَسّی کو پکڑلیا، جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف کرتا ہے وہ نفاق سے بَرِی[7] ہے اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی بے ادبی کرتا ہے وہ بدعتی، منافق، سنت کا مُخالف ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ اُس کا کوئی عمل قبول نہ ہو یہاں تک کہ اُن سب کو محبوب رکھے اور ان کی طرف سے دل صاف ہو۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اے لوگو! میں ابوبکر سے خوش ہوں تم لوگ اُن کا مرتبہ پہچانو، میں عمر سے، علی سے، عثمان سے، طلحہ سے، زُبیر سے، سعد سے، سعید سے، عبدالرحمٰن ابن عَوف سے، ابوعُبیدہ سے خوش ہوں، تم لوگ اُن کا مرتبہ پہچانو، اے لوگو! اللہ جلَّ شانہٗ نے بدر کی لڑائی میں شریک ہونے والوں کی اور حُدَیبیہ کی لڑائی میں شریک ہونے والوں کی مغفرت فرمادی، تم میرے صحابہ کے بارے میں میری رعایت کیا کرو اور اُن لوگوں کے بارے میں جن کی بیٹیاں میرے نکاح میں

حل لغات: (۱) بہت ساری سندوں کے ساتھ ذکر کرنا۔ (۲) بُرا بھلا کہنا۔ (۳) تکلیف۔ (۴) وہ وزن جو تقریباً ایک کلو کا ہوتا ہے۔ (۵) بہتر، اچھا۔ (۶) صاف شفاف۔ (۷) آزاد۔

ہیں یا میری بیٹیاں اُن کے نکاح میں ہیں، ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ قیامت میں تم سے کسی قسم کے ظلم کا مطالبہ[1] کریں کہ وہ معاف نہیں کیا جائے گا۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ میرے صحابہ اور میرے دامادوں میں میری رعایت کیا کرو، جو شخص ان کے بارے میں میری رعایت کرے گا اللہ تعالیٰ شانہٗ دنیا اور آخرت میں اس کی حفاظت فرمائیں گے اور جو ان کے بارے میں میری رعایت نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے بَری ہیں اور جس سے اللہ تعالیٰ بَری ہیں کیا بعید ہے کہ کسی گرفت[2] میں آجائے۔ حضور ﷺ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص صحابہ کے بارے میں میری رعایت کرے گا، میں قیامت کے دن اُس کا محافظ[3] ہوں گا۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ جو میرے صحابہ کے بارے میں میری رعایت رکھے گا وہ میرے پاس حوض کوثر پر پہونچ سکے گا اور جو اُن کے بارے میں میری رعایت نہ کرے گا وہ میرے پاس حوضِ تک نہیں پہونچ سکے گا اور مجھے صرف دور ہی سے دیکھے گا۔ سہیل بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ جو شخص حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعظیم نہ کرے، وہ حضور ﷺ ہی پر ایمان نہیں لایا۔

اللہ جلَّ شانہٗ اپنے لُطف وفضل سے اپنی گرفت سے اور اپنے محبوب کے عتاب[4] سے مجھ کو اور میرے دوستوں کو، میرے مُحسِنوں کو اور ملنے والوں کو، میرے مشائخ کو، تلامذہ[5] کو اور سب مؤمنین کو محفوظ رکھے اور ان حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی محبت سے ہمارے دلوں کو بھر دے آمین۔ بِرَحْمَتِكَ[6] يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الْأَتَمَّانِ الْأَكْمَلَانِ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَعَلٰى أَتْبَاعِهٖ وَأَتْبَاعِهِمْ حَمَلَةَ الدِّيْنِ الْمَتِيْنِ۔

تَمَّت

زکریا عفی عنہ کاندھلوی

مقیم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

۱۲ر شوال ۱۳۵۷ھ دوشنبہ

حل لغات: (۱) دعویٰ۔ (۲) پکڑ۔ (۳) حفاظت کرنے والا۔ (۴) غصہ۔ (۵) شاگردوں۔ (۶) اے ارحم الراحمین ہماری دعا کو اپنے رحم وکرم کے طفیل قبول فرما اور ہماری آخری پکار یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کی ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور کامل ومکمل درود وسلام ہو نبیوں کے سردار محمد ﷺ پر، آپ کی آل اولاد پر، آپ کے پاکباز صحابہ پر، تابعین اور تبع تابعین پر جو دین کو سربلند کرنے والے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴿۲﴾
[سورۂ مومنون]

بے شک فلاح اور کامیابی کو پہنچ گئے وہ لوگ جو اپنی نماز کو خشوع سے پڑھنے والے ہیں۔



جس میں

بقیۃ السلف حجۃ الخلف حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے ارشاد سے

فخر الاماثل زبدۃ الافاضل حضرت مولانا الحاج الحافظ المحدث محمد زکریا صاحبؒ

شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر عُلوم سہارن پور نے

وہ حدیثیں جمع فرمائیں ہیں جن میں نماز پڑھنے کی فضیلت، نماز چھوڑنے کا عذاب،

جماعت کے ثواب اور اس کے ترک کی سزائیں آئی ہیں،

ہر مضمون کے مناسب بزرگوں کے ذوق شوق کے واقعات بھی درج فرمائے ہیں۔

تمہید

نَحْمَدُهٗ، وَنَشْكُرُهٗ، وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَأَتْبَاعِهِ الْحُمَاةِ لِلدِّيْنِ الْقَوِيْمِ، وَبَعْدُ! فَهٰذِهٖ أَرْبَعُوْنَةٌ فِيْ فَضَائِلِ الصَّلٰوةِ جَمَعْتُهَا اِمْتِثَالًا لِأَمْرِ عَمِّيْ وَصِنْوِ أَبِيْ رَقَّاهُ اللّٰهُ إِلَى الْمَرَاتِبِ الْعُلْيَا، وَوَفَّقَنِيْ وَإِيَّاهُ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى. أَمَّا بَعْدُ!

اس زمانہ میں دین کی طرف سے جتنی بے توجُّہی اور بے اِلتِفاتی[1] کی جا رہی ہے؛ وہ محتاجِ[2] بیان نہیں؛ حتی کہ اہم ترین عبادت: نماز جو بِالاِتّفاق سب کے نزدیک ایمان کے بعد تمام فرائض پر مُقدّم ہے اور قیامت میں سب سے اوّل اسی کا مطالبہ ہوگا؛ اس سے بھی نہایت ہی غفلت اور لاپروائی ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ دین کی طرف متوجہ کرنے والی کوئی آواز کانوں تک نہیں پہونچتی، تبلیغ کی کوئی صورت بارآور[3] نہیں ہوتی، تجربہ سے یہ بات خیال میں آئی ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ کے پاک ارشادات لوگوں تک پہونچانے کی سعی[4] کی جائے، اگرچہ اس میں بھی جو مُزاحمتیں[5] حائل[6] ہیں، وہ بھی مجھ[7] سے بے بِضاعت[8] کے لیے کافی ہیں، تاہم اُمید یہ ہے کہ جو لوگ خالیُ الذّہن[9] ہیں اور دین کا مقابلہ نہیں کرتے ہیں، یہ پاک الفاظ ان شاء اللہ تعالیٰ ان پر ضرور اثر کریں گے اور کلام وصاحبِ کلام کی برکت سے نفع کی توقُّع[10] ہے، نیز دوسرے دوستوں کو اس میں کامیابی کی امیدیں زیادہ ہیں، جن کی وجہ سے مُخلِصین کا اِصْرار[11] بھی ہے، اس لیے اس رسالہ میں صرف نماز کے متعلق چند احادیث کا ترجمہ پیش کرتا ہوں؛ چونکہ نفس تبلیغ کے متعلق بندۂ ناچیز کا ایک مضمون رسالہ ''فضائلِ تبلیغ'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے؛ اس وجہ سے اس کو سلسلۂ تبلیغ کا نمبر ۲ دو قرار دے کر فضائلِ نماز کے ساتھ موسُوم[12] کرتا ہوں۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيْبُ.[13]

نماز کے بارے میں تین ۳ قسم کے حضرات عام طور سے پائے جاتے ہیں: ایک جماعت وہ ہے، جو سرے سے نماز ہی کی پرواہ نہیں کرتی، دوسرا گروہ وہ ہے جو نماز تو پڑھتا ہے، مگر جماعت کا اہتمام نہیں کرتا، تیسرے وہ لوگ ہیں جو نماز بھی پڑھتے ہیں اور جماعت کا بھی اِہتمام بھی کرتے ہیں؛ مگر لاپروائی اور بُری طرح سے پڑھتے ہیں، اس لیے اس رسالہ میں تینوں مضامین کی مناسبت سے تین ۳ باب ذکر کیے گئے ہیں اور ہر باب میں نبی اکرم ﷺ کے پاک ارشادات اور ان کا ترجمہ پیش کر دیا ہے، مگر ترجمہ میں وضاحت اور سہولت کا لحاظ کیا ہے، لفظی ترجمہ کی زیادہ رعایت نہیں کی، نیز چونکہ نماز کی تبلیغ کرنے والے اکثر اہلِ علم بھی ہوتے ہیں، اس لیے حدیث کا حوالہ اور اس کے متعلق جو مضامین اہلِ علم سے تعلق رکھتے تھے، وہ عربی میں لکھ دیے گئے ہیں کہ عوام کو اُن سے کچھ فائدہ نہیں ہے اور تبلیغ کرنے والے حضرات کو بسا[14] اوقات ضرورت پڑ جاتی ہے اور ترجمہ وفوائد[15] وغیرہ اردو میں لکھ دیے گئے ہیں۔

حل لغات: (۱) لاپرواہی۔ (۲) بتلانے کی ضرورت۔ (۳) کامیاب۔ (۴) کوشش۔ (۵) رکاوٹیں۔ (۶) پیش آنے والی۔ (۷) مجھ جیسے۔ (۸) بے سروسامان، خالی ہاتھ۔ (۹) خالی ذہن والے۔ (۱۰) اُمید۔ (۱۱) ضد، تاکید۔ (۱۲) نام رکھتا ہوں۔ (۱۳) اور مجھے جو کچھ توفیق ہوتی ہے صرف اللہ کی مدد سے ہوتی ہے اس پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور اسی کی طرف میں (ہر معاملے میں) رجوع کرتا ہوں۔ (۱۴) اکثر مرتبہ۔ (۱۵) فائدہ کی جمع۔

باب اول: نماز کی اہمیت کے بیان میں

اس باب میں دو[1] فصلیں ہیں: فصلِ اول میں نماز کی فضیلت کا بیان ہے اور دوسری فصل میں نماز کے چھوڑنے پر جو وَعید اور عِتاب[1] حدیث میں آیا ہے، اس کا بیان ہے۔

فصلِ اول: نماز کی فضیلت کے بیان میں

① عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ، وَإِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ، وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبیٔ اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اسلام کی بنیاد پانچ[5] ستونوں[2] پر ہے، سب سے اوّل لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی گواہی دینا، یعنی اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، اس کے بعد نماز کو قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، حج کرنا، رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔

[متفق عليه وقال المنذري في الترغيب: رواه البخاري ومسلم وغيرهما عن غير واحد من الصحابة]

فائدہ: یہ پانچوں چیزیں ایمان کے بڑے اُصول اور اہم ارکان ہیں، نبیٔ اکرم ﷺ نے اس پاک حدیث میں بطورِ مثال کے اسلام کو ایک خیمہ کے ساتھ تَشبِیہ[3] دی ہے، جو پانچ[5] سُتونوں پر قائم ہوتا ہے، پس کلمۂ شہادت خیمہ کی درمیانی لکڑی کی طرح ہے اور بقیہ چاروں ارکان بمَنزِلہ اُن چار ستونوں کے ہیں؛ جو چاروں کونوں پر ہوں، اگر درمیانی لکڑی نہ ہو، تو خیمہ کھڑا ہو ہی نہیں سکتا اور اگر یہ لکڑی موجود ہو اور چاروں طرف کے کونوں میں کوئی سی لکڑی نہ ہو، تو خیمہ تو قائم ہو جائے گا، لیکن جونسے کونے کی لکڑی نہیں ہوگی، وہ جانب ناقص[4] اور گری ہوئی ہوگی، اس پاک ارشاد کے بعد اب ہم لوگوں کو اپنی حالت پر خود ہی غور کر لینا چاہیے کہ اسلام کے اس خیمہ کو ہم نے کس درجہ تک قائم کر رکھا ہے اور اسلام کا کون سا رکن ایسا ہے، جس کو ہم نے پورے طور پر سنبھال رکھا ہے، اسلام کے یہ پانچوں ارکان نہایت اہم ہیں؛ حتی کہ اسلام کی بنیاد انھیں کو قرار دیا گیا ہے اور ایک مسلمان کے لیے بحیثیت مسلمان ہونے کے ان سب کا اہتمام نہایت ضروری ہے؛ مگر ایمان کے بعد سب سے اہم چیز نماز ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے یہاں سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ نماز، میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک[5]،

حل لغات: ① غصہ، ناراضگی۔ ② اہم رکن، کھمبا۔ ③ ایک چیز کو دوسری چیز جیسا قرار دینا۔ ④ ادھورا۔ ⑤ اچھا برتاؤ۔

میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا ہے؟ ارشاد فرمایا: جہاد۔ مُلّا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں علماء کے اس قول کی دلیل ہے کہ ایمان کے بعد سب سے مُقَدَّم[1] نماز ہے، اس کی تائید اس حدیثِ صحیح سے بھی ہوتی ہے؛ جس میں ارشاد ہے: اَلصَّلٰوةُ خَيْرُ مَوْضُوْعٍ ، یعنی بہترین عمل جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے مقرر فرمایا ہے، وہ نماز ہے۔ اھ۔ اور احادیث میں کثرت سے یہ مضمون صاف اور صحیح حدیثوں میں نقل کیا گیا کہ تمہارے اعمال میں سب سے بہتر عمل نماز ہے ؛ چنانچہ جامعِ صَغیر میں حضرت ثَوْبان، ابن عَمرو، سلمہ ، ابواُمامہ، عُبادۃ ﷛ پانچ[5] صحابہ سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے اور حضرت ابن مسعود وانس ﷠ سے اپنے وقت پر نماز کا پڑھنا افضل ترین عمل نقل کیا گیا ہے۔ [جامع صغیر]

حضرت ابنِ عمر ﷠ اور اُمِّ فَرْوَہ ﷞ سے اول وقت نماز پڑھنا نقل کیا گیا ہے، مقصد سب کا قریب ہی قریب ہے۔

گناہوں کے لیے نماز ایسی ہے، جیسے درختوں کے پتّوں کے لیے موسمِ خزاں[2]

(۲) عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ ﷛ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ فِي الشِّتَاءِ، وَالْوَرَقُ يَتَهَافَتُ، فَأَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْ شَجَرَةٍ، قَالَ : فَجَعَلَ ذٰلِكَ الْوَرَقُ يَتَهَافَتُ، فَقَالَ: يَا أَبَا ذَرٍّ !قُلْتُ: لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ! قَالَ : إِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَيُصَلِّي الصَّلٰوةَ يُرِيْدُ بِهَا وَجْهَ اللهِ، فَتَهَافَتُ عَنْهُ ذُنُوْبُهٗ كَمَا يَتَهَافَتُ هٰذَا الْوَرَقُ عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ.

[رواه أحمد بإسناد حسن كذا في الترغيب]

ترجمہ: حضرت ابوذر ﷛ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ سردی کے موسم میں باہر تشریف لائے اور پتّے درختوں پر سے گر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک درخت کی ٹہنی ہاتھ میں لی، اس کے پتّے اور بھی گرنے لگے، آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر! مسلمان بندہ جب اخلاص سے اللہ کے لیے نماز پڑھتا ہے، تو اس سے اس کے گناہ ایسے ہی گرتے ہیں، جیسے یہ پتّے درخت سے گر رہے ہیں۔

فائدہ: سردی کے موسم میں درختوں کے پتّے ایسی کثرت سے گرتے ہیں کہ بعضے درختوں پر ایک بھی پتہ نہیں رہتا، نبی اکرم ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ اخلاص سے نماز پڑھنے کا اثر بھی یہی ہے کہ اس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، ایک بھی نہیں رہتا۔

کبیرہ گناہوں کے لیے توبہ کی ضرورت

مگر ایک بات قابلِ لحاظ[3] ہے، علماء کی تحقیق آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کی وجہ سے یہ ہے کہ نماز وغیرہ عبادات سے صرف گناہِ صغیرہ معاف ہوتے ہیں، کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا، اس لیے

حل لغات: (۱) پہلے، ضروری۔ (۲) پت جھڑ۔ (۳) توجہ کے قابل۔

نماز کے ساتھ توبہ واستغفار کا اہتمام بھی کرنا چاہیے، اس سے غافل نہ ہونا چاہیے؛ البتہ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل سے کسی کے کبیرہ گناہ بھی معاف فرمادیں، تو دوسری بات ہے۔

(۳) عَنْ أَبِيْ عُثْمَانَ رحمه الله قَالَ: كُنْتُ مَعَ سَلْمَانَ تَحْتَ شَجَرَةٍ ، فَأَخَذَ غُصْنًا مِّنْهَا يَابِسًا ، فَهَزَّهٗ حَتّٰى تَحَاتَّ وَرَقُهٗ، ثُمَّ قَالَ: يَا أَبَا عُثْمَانَ! أَلَا تَسْأَلُنِيْ لِمَ أَفْعَلُ هٰذَا ؟ قُلْتُ : وَلِمَ تَفْعَلُهٗ ؟ قَالَ : هٰكَذَا فَعَلَ بِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَأَنَا مَعَهٗ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ، وَأَخَذَ مِنْهَا غُصْنًا يَّابِسًا فَهَزَّهٗ حَتّٰى تَحَاتَّ وَرَقُهٗ ، فَقَالَ : يَا سَلْمَانُ ! أَلَا تَسْأَلُنِيْ لِمَ أَفْعَلُ هٰذَا ؟ قُلْتُ : وَلِمَ تَفْعَلُهٗ ؟ قَالَ: إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ، ثُمَّ صَلَّى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ تَحَاتَّتْ خَطَايَاهُ كَمَا تَحَاتَّ هٰذَا الْوَرَقُ ، وَقَالَ : ﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ، ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴾

ابوعثمانؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے تھا، انھوں نے اس درخت کی ایک خشک ٹہنی پکڑ کر اس کو حرکت دی، جس سے اس کے پتے گر گئے، پھر مجھ سے کہنے لگے کہ ابوعثمان! تم نے مجھ سے یہ نہ پوچھا کہ میں نے یہ کیوں کیا؟ میں نے کہا: بتا دیجیے کیوں کیا؟ انھوں نے کہا کہ میں ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے تھا، آپ ﷺ نے بھی درخت کی ایک خشک[۱] ٹہنی پکڑ کر اسی طرح کیا تھا؛ جس سے اس ٹہنی کے پتے جھڑ گئے تھے، پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ سلمان پوچھتے نہیں کہ میں نے اس طرح کیوں کیا؟ میں نے عرض کیا کہ بتا دیجیے کیوں کیا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جب مسلمان اچھی طرح سے وضو کرتا ہے، پھر پانچوں نمازیں پڑھتا ہے، تو اُس کی خطائیں اُس سے ایسی ہی گر جاتی ہیں جیسے یہ پتے گرتے ہیں؛ پھر آپ ﷺ نے قرآن کی آیت: ﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ ﴾ تلاوت فرمائی؛ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ قائم کر نماز کو دن کے دونوں سروں میں اور رات کے کچھ حصوں میں، بے شک نیکیاں دور کر دیتی ہیں گناہوں کو، یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لیے۔

[رواه أحمد والنسائي والطبراني ورواة أحمد محتج بهم في الصحيح إلا علي بن زيد كذا في الترغيب]

فائدہ: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جو عمل کر کے دکھلایا، یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعشّق[۲] کی ادنیٰ[۳] مثال ہے۔ جب کسی شخص کو کسی سے عشق ہوتا ہے، اس کی ہر ادا بھاتی[۴] ہے اور اسی طرح ہر کام کے کرنے کو جی چاہا کرتا ہے، جس طرح محبوب کو کرتے دیکھتا ہے۔ جو لوگ محبت کا ذائقہ چکھ چکے ہیں، وہ اس کی حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نبیٔ اکرم ﷺ کے ارشادات نقل کرنے میں اکثر ان افعال[۵] کی بھی نقل

حل لغات: (۱) سوکھی۔ (۲) عشق، محبت۔ (۳) معمولی۔ (۴) اچھا لگنا۔ (۵) فعل کی جمع، کام۔

کرتے تھے، جو اس ارشاد کے وقت حضور ﷺ نے کیے تھے۔

نماز کا اہتمام اور اس کی وجہ سے گناہوں کا معاف ہونا، جس کثرت سے روایات میں ذکر کیا گیا ہے، اس کا اِحاطہ[1] دشوار ہے۔ پہلے بھی مُتَعَدَّد روایات میں یہ مضمون گزر چکا ہے۔ علماء نے اس کو صغیرہ گناہوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے، جیسا پہلے معلوم ہو چکا؛ مگر احادیث میں صغیرہ کبیرہ کی کچھ قید نہیں ہے، مُطلق[2] گناہوں کا ذکر ہے۔ میرے والد صاحبؒ نے تعلیم کے وقت اس کی دو وجہیں ارشاد فرمائی تھیں: ایک یہ کہ مسلمان کی شان سے یہ بعید[3] ہے کہ اس کے ذمہ کوئی کبیرہ ہو، اولاً تو اس سے گناہ کبیرہ کا صادر[4] ہونا ہی مشکل ہے، اور اگر ہو بھی گیا، تو بغیر توبہ کے اس کو چین آنا مشکل ہے۔ مسلمان کی مسلمانی شان کا مُقتضیٰ[5] یہ ہے کہ جب اس سے کبیرہ صادر ہو جائے تو اتنے رو پیٹ کر اس کو دھو نہ لے، اس کو چین نہ آئے؛ البتہ صغیرہ گناہ ایسے ہیں کہ ان کی طرف بسا اوقات[6] اِلتِفات[7] نہیں ہوتا ہے اور ذمہ پر رہ جاتے ہیں؛ جو نماز وغیرہ سے معاف ہو جاتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جو شخص اخلاص سے نماز پڑھے گا اور آداب و مُستحبّات وغیرہ کی رعایت رکھے گا وہ خود ہی نہ معلوم کتنی مرتبہ توبہ اِستغفار کرے گا، اور نماز میں التَّحیات کی اخیر دعا اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ إلخ میں تو توبہ و اِستغفار خود ہی موجود ہے۔ ان روایات میں وضو کو بھی اچھی طرح سے کرنے کا حکم ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے آداب اور مُستحبّات کی تحقیق کر کے ان کا اہتمام کرے۔

مسواک کی فضیلت

مثلاً ایک سنت اس کی مسواک ہی ہے جس کی طرف عام طور پر بے توجُّہی ہے، حالانکہ حدیث میں وارد ہے کہ جو نماز مسواک کر کے پڑھی جائے وہ اس نماز سے جو بلا مسواک پڑھی جائے سترّ درجہ افضل ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ مسواک کا اہتمام کیا کرو، اس میں دس فائدے ہیں: (۱) منہ کو صاف کرتی ہے۔ (۲) اللہ کی رضا کا سبب ہے۔ (۳) شیطان کو غصہ دلاتی ہے۔ (۴) مسواک کرنے والے کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں اور فرشتے محبوب رکھتے ہیں۔ (۵) مسوڑھوں کو قوّت دیتی ہے۔ (۶) بلغم کو قطع[8] کرتی ہے۔ (۷) منہ میں خوشبو پیدا کرتی ہے۔ (۸) صَفرا[9] کو دور کرتی ہے۔ (۹) نگاہ کو تیز کرتی ہے۔ (۱۰) منہ کی بدبو کو زائل کرتی ہے اور اس سب کے علاوہ یہ ہے کہ سنت ہے۔ [مُنبّہاتِ ابن حجر] علماء نے لکھا ہے کہ مسواک کے اہتمام میں سترّ فائدے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمۂ شہادت پڑھنا نصیب ہوتا ہے اور اس کے بِالمُقابل اَفیون کھانے میں سترّ مضرّتیں[10] ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ یاد نہیں آتا۔ اچھی طرح وضو کرنے کے فضائل احادیث میں بڑی کثرت سے آئے ہیں، وضو کے اعضاء قیامت میں روشن اور چمک دار ہوں گے اور اس سے حضور ﷺ فوراً اپنے اُمتی کو پہچان جائیں گے۔

حل لغات: (۱) سب کو جمع کرنا۔ (۲) بغیر کسی قید کے۔ (۳) دور۔ (۴) کرنا۔ (۵) تقاضا۔ (۶) اکثر وقت۔ (۷) توجہ۔ (۸) ختم۔ (۹) جسم میں پیلے رنگ کا کڑوا مادہ۔ (۱۰) نقصان۔

گناہوں کے دھونے میں نماز ایک چلتی ہوئی نہر کی طرح ہے

(۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهْرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ، هَلْ يَبْقِيَ مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ ؟ قَالُوْا : لَا يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ . قَالَ : فَكَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا .

[رواه البخاري ومسلم والترمذي والنسائي ورواه ابن ماجه من حديث عثمان رضي الله عنه كذا في الترغيب]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: بتاؤ اگر کسی شخص کے دروازے پر ایک نہر جاری ہو، جس میں وہ پانچ مرتبہ روزانہ غسل کرتا ہو، کیا اس کے بدن پر کچھ میل باقی رہے گا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہی حال پانچوں نمازوں کا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ ان کی وجہ سے گناہوں کو زائل کر دیتے ہیں۔

(۴) عَنْ جَابِرٍ رضي الله عنه قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ كَمَثَلِ نَهْرٍ جَارٍ غَمْرٍ عَلٰى بَابِ أَحَدِكُمْ ، يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ .

[رواه مسلم كذا في الترغيب]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ پانچوں نمازوں کی مثال ایسی ہے کہ کسی کے دروازے پر ایک نہر ہو، جس کا پانی جاری ہو اور بہت گہرا ہو، اس میں روزانہ پانچ دفعہ غسل کرے۔

فائدہ: جاری پانی گندگی وغیرہ سے پاک ہوتا ہے اور پانی جتنا بھی گہرا ہوگا، اتنا ہی صاف شفّاف ہوگا، اسی لیے اس حدیث میں اس کا جاری ہونا اور گہرا ہونا فرمایا گیا ہے اور جتنے صاف پانی سے آدمی غسل کرے گا، اُتنی ہی صفائی بدن پر آئے گی، اسی طرح نمازوں کی وجہ سے؛ اگر آداب کی رعایت رکھتے ہوئے پڑھی جائیں، تو گناہوں سے صفائی حاصل ہوتی ہے۔ جس قسم کا مضمون ان دو حدیثوں میں ارشاد ہوا ہے، اس قسم کا مضمون کئی حدیثوں میں مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف الفاظ میں نقل کیا گیا ہے۔ ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچوں نمازیں درمیانی اوقات کے لیے کفّارہ ہیں، یعنی ایک نماز سے دوسری نماز تک جو صغیرہ گناہ ہوتے ہیں، وہ نماز کی برکت سے معاف ہو جاتے ہیں؛ اس کے بعد حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مثلاً ایک شخص کا کوئی کارخانہ ہے، جس میں وہ کچھ کاروبار کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کے بدن پر کچھ گرد و غُبار، مَیل کُچیل لگ جاتا ہے اور اس کے کارخانے اور مکان کے درمیان میں پانچ نہریں پڑتی ہیں، جب وہ کارخانہ سے گھر جاتا ہے، تو ہر نہر پر غسل کرتا ہے؛ اسی طرح سے پانچوں نمازوں کا حال ہے کہ جب کبھی درمیانی اوقات میں کچھ خطا، لغزش وغیرہ ہو جاتی ہے، تو نمازوں میں دعا استغفار کرنے سے اللہ جلّ شانہٗ بالکل اس کو معاف فرما دیتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا مقصود اس قسم کی مثالوں سے اس امر کا سمجھا دینا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے نماز کو گناہوں کی معافی میں بہت قوی

تاثیر عطا فرمائی ہے اور چونکہ مثال سے بات ذرا اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے، اس لیے مختلف مثالوں سے حضور ﷺ نے اس مضمون کو واضح فرمادیا ہے۔ اللہ جلّ شانہ کی اس رحمت اور وسعتِ[1] مغفرت اور لطف وانعام اور کرم سے ہم لوگ فائدہ نہ اٹھائیں، تو کسی کا کیا نقصان ہے، اپنا ہی کچھ کھوتے ہیں۔ ہم لوگ گناہ کرتے ہیں، نافرمانیاں کرتے ہیں، حکم عُدولیاں[2] کرتے ہیں، تعمیلِ[3] ارشاد میں کوتاہیاں کرتے ہیں، اس کا مقتضیٰ[4] یہ تھا کہ قادِر[5] عادِل[6] بادشاہ کے یہاں ضرور سزا ہوتی اور اپنے کیے کو بھگتتے، مگر اللہ کے کرم کے قربان کہ جس نے اپنی نافرمانیاں اور حکم عُدولیاں کرنے کی تلافی[7] کا طریقہ بھی بتادیا، اگر ہم اس سے نفع حاصل نہ کریں، تو ہماری حماقت[8] ہے، حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت اور لُطف تو عطا کے واسطے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص سوتے ہوئے یہ ارادہ کرے کہ تہجّد پڑھونگا اور پھر آنکھ نہ کھلے، تو اس کا ثواب اس کو ملے گا اور سونا مفت میں رہا۔ [ترغیب] کیا ٹھکانہ ہے اللہ کی دَین[9] اور عطا کا اور جو کریم اس طرح عطائیں کرتا ہو، اس سے نہ لینا کتنی سخت محرومی اور کتنا زبردست نقصان ہے۔

ہر مصیبت میں نماز کا سہارا

⑤ عَنْ حُذَيْفَةَ رضي الله عنه قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا حَزَبَهٗ أَمْرٌ فَزِعَ إِلَى الصَّلٰوةِ. [أخرجه أحمد وأبوداؤد وابن جرير كذا في الدّر المنثور]	حضرت حُذیفہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبیِ اکرم ﷺ کو جب کوئی سخت اَمر[10] پیش آتا تھا، تو نماز کی طرف فوراً متوجّہ ہوتے تھے۔

فائدہ: نماز اللہ کی بڑی رحمت ہے، اس لیے ہر پریشانی کے وقت میں ادھر متوجہ ہوجانا، گویا اللہ کی رحمت کی طرف متوجہ ہوجانا ہے اور جب رحمتِ الٰہی مُساعِد[11] و مددگار ہو، تو پھر کیا مجال ہے کسی پریشانی کی کہ باقی رہے۔ بہت سی روایتوں میں مختلف طور سے یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جو ہر قدم پر حضور ﷺ کا اتباع فرمانے والے ہیں، ان کے حالات میں بھی یہ چیز نقل کی گئی ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آندھی چلتی، تو حضور اقدس ﷺ فوراً مسجد میں تشریف لے جاتے تھے اور جب تک آندھی بند نہ ہوجاتی مسجد سے نہ نکلتے، اسی طرح جب سورج یا چاند گرہن ہوجاتا، تو حضور ﷺ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہوجاتے۔ حضرت صُہَیب رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کا بھی یہی معمول تھا کہ ہر پریشانی کے وقت نماز کی طرف متوجہ ہوجاتے تھے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ سفر میں تھے، راستہ میں اطلاع ملی کہ بیٹے کا انتقال ہوگیا، اونٹ سے اترے، دو[2] رکعت نماز پڑھی، پھر إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور پھر فرمایا کہ ہم نے وہ کیا، جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور قرآن پاک کی آیت ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ [سورۂ بقرہ: ۴۵] تلاوت کی۔ ایک اور قصّہ اسی قسم کا نقل کیا گیا

حل لغات: ① بڑی مغفرت۔ ② حکم توڑنا۔ ③ حکم پورا کرنا۔ ④ تقاضا۔ ⑤ قدرت والا۔ ⑥ انصاف کرنے والا۔ ⑦ بھرپائی۔ ⑧ بے وقوفی۔ ⑨ بخشش۔ ⑩ معاملہ، کام۔ ⑪ مدد کرنے والی۔

ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں ان کے بھائی قُثَمْ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر ملی، راستہ سے ایک طرف کو ہو کر اونٹ سے اُترے، دو رکعت نماز پڑھی اور التحیات میں بہت دیر تک دعائیں پڑھتے رہے، اس کے بعد اُٹھے اور اونٹ پر سوار ہوئے اور قرآن پاک کی آیت ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿٤٥﴾﴾ [سورۂ بقرہ] تلاوت فرمائی۔ ترجمہ: اور مدد حاصل کرو صبر کے ساتھ اور نماز کے ساتھ اور بے شک وہ نماز دشوار ضرور ہے، مگر جن کے دلوں میں خشوع ہے ان پر کچھ دشوار نہیں۔ خشوع کا بیان تیسرے باب میں مُفَصَّل آ رہا ہے۔ انہی کا ایک اور قصہ ہے کہ اَزواجِ[1] مُطہرات میں سے کسی کے انتقال کی خبر ملی تو سجدے میں گر گئے، کسی نے دریافت کیا کہ یہ کیا بات تھی؟ آپ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کا ہم کو یہی ارشاد ہے کہ جب کوئی حَادِثَہ دیکھو تو سجدہ میں (یعنی نماز میں) مشغول ہو جاؤ، اس سے بڑا حادثہ اور کیا ہو گا کہ اُمُّ المومنین رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ [ابوداؤد]

حضرت عُبادہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کا وقت جب قریب آیا، تو جو لوگ وہاں موجود تھے، ان سے فرمایا کہ میں ہر شخص کو اِس سے روکتا ہوں کہ وہ مجھے روئے اور جب میری روح نکل جائے، تو ہر شخص وضو کرے اور اچھی طرح سے آداب کی رعایت رکھتے ہوئے وضو کرے، پھر مسجد میں جائے اور نماز پڑھ کر میرے واسطے استغفار کرے، اس لیے کہ اللہ جلَّ شانہٗ نے ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ﴾ [سورۂ بقرہ: ۴۵] کا حکم فرمایا ہے، اس کے بعد مجھے قبر کے گڑھے میں پہونچا دینا۔ حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کے خاوند[2] حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ بیمار تھے اور ایک دفعہ ایسی سکتہ[3] کی سی حالت ہوگئی کہ سب نے انتقال ہو جانا تجویز[4] کر لیا، حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا اُٹھیں اور نماز کی نیت باندھ لی، نماز سے فارغ ہوئیں تو حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کو بھی اِفاقہ[5] ہوا، لوگوں سے پوچھا: کیا میری حالت موت کی سی ہوگئی تھی؟ لوگوں نے عرض کیا: جی ہاں! فرمایا کہ دو فرشتے میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ چلو احکمُ الحاکمین کی بارگاہ میں تمہارا فیصلہ ہونا ہے، وہ مجھے لے جانے لگے، تو ایک تیسرے فرشتے آئے اور ان دونوں سے کہا کہ تم چلے جاؤ، یہ اُن لوگوں میں ہیں جن کی قسمت میں سعادت[6] اسی وقت لکھ دی گئی تھی، جب یہ ماں کے پیٹ میں تھے اور ابھی ان کی اولاد کو ان سے اور فوائد[7] حاصل کرنے ہیں؛ اس کے بعد ایک مہینہ تک حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ زندہ رہے، پھر انتقال ہوا۔ [درمنثور]

حضرت نَضْر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دن میں ایک مرتبہ سخت اندھیرا ہو گیا، میں دوڑا ہوا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے دریافت کیا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی کبھی ایسی نوبت آئی ہے؟ انھوں نے فرمایا: خدا کی پناہ! حضور ﷺ کے زمانہ میں تو ذرا بھی ہوا تیز چلتی تھی، تو ہم سب مسجدوں کو دوڑ جاتے تھے کہ کہیں قیامت تو نہیں آ گئی۔ [ابو داؤد] عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ کے گھر والوں پر کسی قسم کی تنگی پیش آتی تو اُن کو نماز کا حکم فرمایا کرتے اور یہ آیت تلاوت فرماتے ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ

حل لغات: (۱) حضور ﷺ کی پاک بیویاں۔ (۲) شوہر۔ (۳) بے ہوشی۔ (۴) سمجھ لیا۔ (۵) آرام۔ (۶) خوش قسمتی۔ (۷) فائدہ کی جمع۔

بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ؕ ﴾ الاٰية [سورۂ طٰہٰ:۱۳۲] ''اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرتے رہیے اور خود بھی اس کا اہتمام کیجیے، ہم آپ سے روزی کموانا نہیں چاہتے، روزی تو آپ کو ہم دیں گے''۔

صلٰوۃ الحاجۃ

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس شخص کو کوئی بھی ضرورت پیش آئے، دینی ہو یا دنیوی، اس کا تعلق مالکُ الملک[1] سے ہو یا کسی آدمی سے، اس کو چاہیے کہ بہت اچھی طرح وضو کرے، پھر دو رکعت نماز پڑھے، پھر اللہ جلَّ شانہٗ کی حمد وثنا کرے اور پھر درود شریف پڑھے، اس کے بعد یہ دعا پڑھے، تو ان شاء اللہ اس کی حاجت[2] ضرور پوری ہوگی، دعا یہ ہے: لَآ[3] إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ . سُبْحَانَ اللهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ . اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ . أَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ . وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ . وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ . وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ . لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا إِلَّا غَفَرْتَهٗ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ . وَلَا هَمًّا إِلَّا فَرَّجْتَهٗ . وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ . وہب بن مُنَبِّہؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے حاجتیں نماز کے ذریعہ طلب کی جاتی ہیں اور پہلے لوگوں کو جب کوئی حادثہ پیش آتا تھا، وہ نماز ہی کی طرف متوجہ ہوتے تھے، جس پر بھی کوئی حادثہ گذرتا، وہ جلدی سے نماز کی طرف رجوع[4] کرتا۔

مصیبت و پریشانی کے وقت نماز

کہتے ہیں: کُوفَہ میں ایک قُلی[5] تھا، جس پر لوگوں کو بہت اعتماد تھا، امین[6] ہونے کی وجہ سے تاجروں کا سامان روپیہ وغیرہ بھی لے جاتا۔ ایک مرتبہ وہ سفر میں جا رہا تھا، راستہ میں ایک شخص اس کو ملا، پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ قُلی نے کہا: فلاں شہر کا۔ وہ کہنے لگا کہ مجھے بھی جانا ہے، میں پاؤں چل سکتا تو تیرے ساتھ ہی چلتا، کیا یہ ممکن ہے کہ ایک دینار کرایہ پر مجھے خچّر پر سوار کر لے؟ قُلی نے اس کو منظور کر لیا، وہ سوار ہو گیا۔

حل لغات: (۱) یعنی اللہ تعالیٰ۔ (۲) ضرورت۔ (۳) اللہ کے سوا کوئی مالک ومعبود نہیں، وہ بڑے حلم والا اور بڑا کریم ہے، پاک اور مقدس ہے، وہ اللہ جو عرش عظیم کا بھی رب اور مالک ہے، ساری حمد وتعریف اس اللہ کے لیے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان اعمال اور ان اخلاق واحوال کا جو تیری رحمت کا سبب اور وسیلہ اور تیری مغفرت اور بخشش کا پکا ذریعہ بنیں اور تجھ سے طالب ہوں ہر نیکی سے فائدہ اٹھانے اور حصہ لینے کا اور ہر گناہ اور معصیت سے سلامتی اور حفاظت کا، خداوندا میرے سارے ہی گناہ بخش دے اور میری ہر فکر اور پریشانی دور کر دے اور میری ہر ضرورت جس سے تو راضی ہو اس کو پورا فرما دے اے سب مہربانوں سے بڑے مہربان۔ (۴) متوجہ ہونا۔ (۵) سامان اُٹھانے والا مزدور۔ (۶) امانت دار۔

راستہ میں ایک دوراہہ[1] ملا، سوار نے پوچھا: کدھر کو چلنا چاہیے؟ قُلی نے شارعِ[2] عام کا راستہ بتایا، سوار نے کہا: یہ دوسرا راستہ قریب کا ہے اور جانور کے لیے بھی سہولت کا ہے کہ سبزہ اس پر خوب ہے۔ قُلی نے کہا: میں نے یہ راستہ دیکھا نہیں۔ سوار نے کہا کہ میں بارہا[3] اس راستہ پر چلا ہوں۔ قُلی نے کہا: اچھی بات ہے اسی راستہ کو چلیں۔ تھوڑی دور چل کر وہ راستہ ایک وحشت[4] ناک جنگل پر ختم ہو گیا، جہاں بہت سے مُردے پڑے تھے، وہ شخص سواری سے اُترا اور کمر سے خنجر نکال کر قُلی کے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ قُلی نے کہا کہ ایسا نہ کر، یہ خچر اور سامان سب کچھ لے لے، یہی تیرا مقصود ہے مجھے قتل نہ کر۔ اس نے نہ مانا اور قسم کھالی کہ پہلے تجھے ماروں گا، پھر یہ سب کچھ لوں گا۔ اس نے بہت عاجزی کی، مگر اس ظالم نے ایک بھی نہ مانی۔ قُلی نے کہا: اچھا مجھے دو رکعت آخری نماز پڑھنے دے، اس نے قبول کیا اور ہنس کر کہا: جلدی سے پڑھ لے، ان مُردوں نے بھی یہی درخواست کی تھی، مگر ان کی نماز نے کچھ بھی کام نہ دیا۔ اس قُلی نے نماز شروع کی، اَلحَمدُ شریف پڑھ کر سورت بھی یاد نہ آئی، اُدھر وہ ظالم کھڑا تقاضا کر رہا تھا کہ جلدی ختم کر، بے اختیار اس کی زبان پر یہ آیت جاری ہوئی ﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ﴾ الآیۃ [سورۂ نمل:۶۲] یہ پڑھ رہا تھا اور رو رہا تھا کہ ایک سوار نمودار[5] ہوا، جس کے سر پر چمکتا ہوا خود (لوہے کی ٹوپی) تھا، اس نے نیزہ[6] مار کر اس ظالم کو ہلاک کر دیا، جس جگہ وہ ظالم مر کر گرا، آگ کے شعلے اس جگہ سے اُٹھنے لگے۔ یہ نمازی بے اختیار سجدہ میں گر گیا، اللہ کا شکر ادا کیا، نماز کے بعد اس سوار کی طرف دوڑا، اس سے پوچھا کہ خُدا کے واسطے اتنا بتا دو کہ تم کون ہو؟ کیسے آئے؟ اس نے کہا کہ میں ﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ﴾ کا غلام ہوں، اب تم مامون[7] ہو جہاں چاہے جاؤ، یہ کہہ کر چلا گیا۔ [نُزہۃ المجالس]

درحقیقت نماز ایسی ہی بڑی دولت ہے کہ اللہ کی رضا کے علاوہ دنیا کے مصائب[8] سے بھی اکثر نجات کا سبب ہوتی ہے اور سکونِ[9] قلب تو حاصل ہوتا ہی ہے۔ ابنِ سیرینؒ کہتے ہیں کہ اگر مجھے جنت کے جانے میں اور دو رکعت نماز پڑھنے میں اختیار دے دیا جائے، تو میں دو[2] رکعت ہی کو اختیار کروں گا، اس لیے کہ جنت میں جانا میری اپنی خوشی کے واسطے ہے اور دو[2] رکعت نماز میں میرے مالک کی رضا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: بڑا قابلِ رشک ہے وہ مسلمان جو ہلکا پھلکا ہو (یعنی اہل وعیال کا زیادہ بوجھ نہ ہو) نماز سے وافر[10] حصہ اس کو ملا ہو، روزی صرف گذارے کے قابل ہو جس پر صبر کر کے عمر گذار دے، اللہ کی عبادت اچھی طرح کرتا ہو، گمنامی میں پڑا ہو، جلدی سے مر جاوے، نہ میراث[11] زیادہ ہو، نہ رونے والے زیادہ ہوں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اپنے گھر میں نماز کثرت سے پڑھا کرو؛ گھر کی خیر میں اضافہ ہوگا۔ [جامع صغیر]

حل لغات: ① وہ جگہ جہاں سے دو راستے ملیں یا نکلیں۔ ② عام راستہ۔ ③ کئی بار۔ ④ بھیانک۔ ⑤ ظاہر۔ ⑥ برچھی، بھالا۔ ⑦ محفوظ۔ ⑧ تکلیفیں۔ ⑨ دلی سکون۔ ⑩ بہت زیادہ۔ ⑪ میت کی چھوڑی ہوئی چیزیں۔

نمازی کے ہر ہر حصۂ جسم کے گناہوں کی معافی

(٦) عَنْ أَبِيْ مُسْلِمِ التَّغْلِبِيِّ قَالَ : دَخَلْتُ عَلٰى أَبِيْ أُمَامَةَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ ، فَقُلْتُ : يَا أَبَا أُمَامَةَ ! إِنَّ رَجُلًا حَدَّثَنِيْ مِنْكَ أَنَّكَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ : مَنْ تَوَضَّأَ فَأَسْبَغَ الْوُضُوْءَ ، غَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهٗ ، وَمَسَحَ عَلٰى رَأْسِهٖ وَأُذُنَيْهِ ؛ ثُمَّ قَامَ إِلٰى صَلٰوةٍ مَّفْرُوْضَةٍ ، غَفَرَ اللهُ لَهٗ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ مَا مَشَتْ إِلَيْهِ رِجْلَاهُ ، وَقَبَضَتْ عَلَيْهِ يَدَاهُ ، وَسَمِعَتْ إِلَيْهِ أُذُنَاهُ ، وَنَظَرَتْ إِلَيْهِ عَيْنَاهُ ، وَحَدَّثَ بِهٖ نَفْسُهٗ مِنْ سُوْءٍ ؟ فَقَالَ : وَاللهِ لَقَدْ سَمِعْتُهٗ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ مِرَارًا . [رواه أحمد ، والغالب على سنده الحسن ، وتقدم له شواهد في الوضوء كذا في الترغيب . قلت : وقد روي معنى الحديث عن أبي أمامة بطرق في مجمع الزّوائد]

ابومسلمؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ مسجد میں تشریف فرما تھے، میں نے عرض کیا کہ مجھ سے ایک صاحب نے آپ کی طرف سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپ نے نبی اکرم ﷺ سے یہ ارشاد سنا ہے: جو شخص اچھی طرح وضو کرے اور پھر فرض نماز پڑھے، تو حق تعالیٰ جلّ شانہٗ اس دن وہ گناہ جو چلنے سے ہوئے ہوں اور وہ گناہ جن کو اس کے ہاتھوں نے کیا ہو اور وہ گناہ جو اس کے کانوں سے صادر ہوئے ہوں اور وہ گناہ جن کو اس نے آنکھوں سے کیا ہو اور وہ گناہ جو اس کے دل میں پیدا ہوئے ہوں، سب کو معاف فرما دیتے ہیں۔ حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے یہ مضمون نبی اکرم ﷺ سے کئی دفعہ سنا ہے۔

فائدہ: یہ مضمون بھی کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا گیا ہے؛ چنانچہ حضرت عثمان، حضرت ابوہُریرہ، حضرت انس، حضرت عبداللہ صُنابِحی، حضرت عَمرو بن عَبَسَہ رضی اللہ عنہم وغیرہ حضرات سے مختلف الفاظ کے ساتھ متعدّد روایات میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور جو حضرات اہلِ کشف[1] ہوتے ہیں، ان کو گناہوں کا زائل[2] ہو جانا محسوس بھی ہو جاتا ہے، چنانچہ حضرت امامِ اعظمؒ کا قصہ مشہور ہے کہ وضو کا پانی گرتے ہوئے یہ محسوس فرما لیتے تھے کہ کونسا گناہ اس میں دُھل رہا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا گیا ہے کہ کسی شخص کو اس بات سے مغرور نہیں ہونا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس گھمنڈ پر کہ نماز سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں گناہوں پر جرأت[3] نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ ہم لوگوں کی نماز اور عبادات جیسی ہوتی ہیں، اُن کو اگر حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لُطف اور کرم سے قبول فرمالیں، تو ان کا لطف واحسان وانعام ہے، ورنہ ہماری عبادتوں کی حقیقت ہمیں خوب معلوم ہے۔ اگرچہ نماز کا یہ اثر ضروری ہے کہ اس سے گناہ

حل لغات: (١) وہ بزرگ جن کو اللہ تعالیٰ سوتے یا جاگتے میں چھپی ہوئی باتیں بتلا دیں۔ (٢) ختم۔ (٣) نڈر ہونا۔

معاف ہوتے ہیں، مگر ہماری نماز بھی اس قابل ہے؟ اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ اور دوسری بات یہ بھی کہ اس وجہ سے گناہ کرنا کہ میرا مالک کریم ہے، معاف کرنے والا ہے، انتہائی بے غیرتی[1] ہے، اس کی مثال تو ایسی ہوئی کہ کوئی شخص یوں کہے کہ اپنے ان بیٹوں سے جو فلاں کام کریں در گذر[2] کرتا ہوں، تو وہ نالائق بیٹے اس وجہ سے کہ باپ نے در گذر کرنے کو کہہ دیا ہے، جان جان کر اس کی نافرمانیاں کریں۔

نمازی کا شہید سے پہلے جنت میں داخلہ

(۷) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: كَانَ رَجُلَانِ مِنْ بَلِيٍّ حَيٌّ مِنْ قُضَاعَةَ أَسْلَمَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، فَاسْتُشْهِدَ أَحَدُهُمَا وَأُخِّرَ الْاٰخَرُ سَنَةً. قَالَ طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ: فَرَأَيْتُ الْمُؤَخَّرَ مِنْهُمَا أُدْخِلَ الْجَنَّةَ قَبْلَ الشَّهِيْدِ، فَتَعَجَّبْتُ لِذٰلِكَ. فَأَصْبَحْتُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ أَوْ ذُكِرَ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: أَلَيْسَ قَدْ صَامَ بَعْدَهُ رَمَضَانَ، وَصَلّٰى سِتَّةَ اٰلَافِ رَكْعَةٍ وَكَذَا وَكَذَا رَكْعَةً صَلٰوةَ السَّنَةِ.

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ ایک قبیلہ کے دو صحابی ایک ساتھ مسلمان ہوئے، ان میں سے ایک صاحب جہاد میں شہید ہو گئے اور دوسرے صاحب کا ایک سال بعد انتقال ہوا، میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ صاحب جن کا ایک سال بعد انتقال ہوا تھا، ان شہید سے بھی پہلے جنت میں داخل ہو گئے، تو مجھے بڑا تعجب ہوا کہ شہید کا درجہ تو بہت اونچا ہے، وہ پہلے جنت میں داخل ہوتے۔ میں نے حضور ﷺ سے خود عرض کیا یا کسی اور نے عرض کیا، تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جن صاحب کا بعد میں انتقال ہوا اُن کی نیکیاں نہیں دیکھتے، کتنی زیادہ ہو گئیں؟ ایک رمضان المبارک کے پورے روزے بھی ان کے زیادہ ہوئے اور چھ ہزار (۶۰۰۰) اور اتنی اتنی رکعتیں نماز کی ایک سال میں ان کی بڑھ گئیں۔

[رواه أحمد بإسناد حسن، ورواه ابن ماجه وابن حبان في صحيحه والبيهقي كلّهم عن طلحة بنحوه أطول منه، وزاد ابن ماجه وابن حبان في اٰخره: فلمابينهما أطول مابين السماء والأرض، كذا في الترغيب. ولفظ أحمد في النسخة التى بأيدينا: أو كذا وكذا ركعة، بلفظ "أو". وفي الدرّ أخرجه مالك وأحمد والنسائي وابن خزيمة والحاكم. وصححه البيهقي في شعب الإيمان عن عامر بن سعد قال: سمعت سعدا وناساً من الصحابة يقولون: كان رجلان اٰخران في عهد رسول الله ﷺ وكان أحدهما أفضل من الاٰخر فتوفي الذي هو أفضلهما ثم عمر الاٰخر بعده أربعين ليلة. الحديث. وقد أخرج أبوداؤد بمعنى حديث الباب من حديث عبيد بن خالد بلفظ: قتل أحدهما ومات الاٰخر بعده بجمعة. الحديث]

فائدہ: اگر ایک سال کے تمام مہینے انتیس (۲۹) دن کے لگائے جائیں اور صرف فرض اور وتر کی بیس (۲۰) رکعتیں

حل لغات: (۱) بے شرمی۔ (۲) معاف۔

شمار کی جائیں، تب بھی چھ ہزار نو سو ساٹھ [۶۹۶۰] رکعتیں ہوتی ہیں اور جتنے مہینے تیس [۳۰] دن کے ہوں گے، بیس [۲۰] بیس [۲۰] رکعتوں کا اضافہ ہوتا رہے گا اور سنتیں اور نوافل بھی شمار کیے جائیں تو کیا ہی پوچھنا۔ ابن ماجہ میں یہ قصہ اور بھی مفصّل آیا ہے، اس میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جو خواب دیکھنے والے ہیں، وہ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک قبیلہ کے دو [۲] آدمی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ساتھ آئے اور اکٹھے ہی مسلمان ہوئے، ایک صاحب بہت زیادہ مُستعِد [۱] اور ہمّت والے تھے، وہ ایک لڑائی میں شہید ہو گئے اور دوسرے صاحب کا ایک سال بعد انتقال ہوا، میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوں اور وہ دونوں صاحب بھی وہاں ہیں، اندر سے ایک شخص آئے اور ان صاحب کو جن کا ایک سال بعد انتقال ہوا تھا، اندر جانے کی اجازت ہو گئی اور جو صاحب شہید ہوئے تھے وہ کھڑے رہ گئے، تھوڑی دیر بعد پھر اندر سے ایک شخص آئے اور اُن شہید کو بھی اجازت ہو گئی اور مجھ سے یہ کہا کہ تمہارا ابھی وقت نہیں آیا، تم واپس چلے جاؤ۔ میں نے صبح کو لوگوں سے اپنے خواب کا تذکرہ کیا، سب کو اس پر تعجب ہوا کہ ان شہید کو بعد میں کیوں اجازت ہوئی؟ ان کو تو پہلے ہونی چاہیے تھی۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے اس کا تذکرہ کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! وہ شہید بھی ہوئے اور بہت زیادہ مُستعِد اور ہمت والے بھی تھے اور جنت میں یہ دوسرے صاحب پہلے داخل ہو گئے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا انھوں نے ایک سال عبادت زیادہ نہیں کی؟ عرض کیا: بے شک کی۔ ارشاد فرمایا: کیا انھوں نے پورے ایک رمضان کے روزے ان سے زیادہ نہیں رکھے؟ عرض کیا گیا: بے شک رکھے۔ ارشاد فرمایا: کیا انھوں نے اتنے اتنے سجدے ایک سال کی نمازوں کے زیادہ نہیں کیے؟ عرض کیا گیا: بے شک کیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تو ان دونوں میں آسمان زمین کا فرق ہو گیا۔ اھ۔

اس نوع [۲] کے قصے کئی لوگوں کے ساتھ پیش آئے۔ ابوداؤد شریف میں دو [۲] صحابہ رضی اللہ عنہما کا قصہ اسی قسم کا صرف آٹھ [۸] دن کے فرق سے ذکر کیا گیا ہے کہ دوسرے صاحب کا انتقال ایک ہفتہ بعد ہوا، پھر بھی وہ جنت میں پہلے داخل ہو گئے۔ حقیقت میں ہم لوگوں کو اس کا اندازہ نہیں کہ نماز کتنی قیمتی چیز ہے، آخر کوئی تو بات ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بتلائی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کی ٹھنڈک جو انتہائی محبت کی علامت ہے؛ معمولی چیز نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ دو بھائی تھے ان میں سے ایک چالیس [۴۰] روز پہلے انتقال کر گئے، دوسرے بھائی کا چالیس [۴۰] روز بعد انتقال ہوا، پہلے بھائی زیادہ بزرگ تھے، لوگوں نے ان کو بہت بڑھانا شروع کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا دوسرے بھائی مسلمان نہ تھے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ بے شک مسلمان تھے، مگر معمولی درجے میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہیں کیا

حل لغات: (۱) چست وچالاک۔ (۲) قسم، طرح۔

معلوم کہ ان چالیس دن کی نمازوں نے ان کو کس درجہ تک پہونچا دیا ہے۔ نماز کی مثال ایک میٹھی اور گہری نہر کی سی ہے، جو دروازے پر جاری ہو اور آدمی پانچ دفعہ اس میں نہاتا ہو، تو اس کے بدن پر کیا میل رہ سکتا ہے۔ اس کے بعد پھر دوبارہ حضور ﷺ نے فرمایا: تمہیں کیا معلوم کہ اس کی نمازوں نے جو بعد میں پڑھی گئیں اس کو کس درجہ تک پہونچا دیا۔ [قال المنذري: رواه مالك واللفظ له وأحمد بإسناد حسن والنسائي وابن خزيمة في صحيحه]

خدا کے مُنادِی کا اعلان کہ نماز کے ذریعہ اپنی آگ بجھالو

⑧ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهٗ قَالَ: يُبْعَثُ مُنَادٍ عِنْدَ حَضْرَةِ كُلِّ صَلٰوةٍ، فَيَقُوْلُ: يَا بَنِي اٰدَمَ! قُوْمُوْا فَأَطْفِئُوْا مَا أَوْقَدْتُّمْ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ. فَيَقُوْمُوْنَ فَيَتَطَهَّرُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ الظُّهْرَ، فَيُغْفَرُ لَهُمْ مَا بَيْنَهُمَا. فَإِذَا حَضَرَتِ الْعَصْرُ فَمِثْلُ ذٰلِكَ، فَإِذَا حَضَرَتِ الْمَغْرِبُ فَمِثْلُ ذٰلِكَ، فَإِذَا حَضَرَتِ الْعَتَمَةُ فَمِثْلُ ذٰلِكَ، فَيَنَامُوْنَ فَمُدْلِجٌ فِيْ خَيْرٍ فَمُدْلِجٌ فِيْ شَرٍّ. [رواه الطبراني في الكبير، كذا في الترغيب]

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے کہ اے آدم کی اولاد! اُٹھو اور جہنم کی اس آگ کو جسے تم نے (گناہوں کی بدولت[1]) اپنے اوپر جلانا شروع کر دیا ہے، بجھاؤ چنانچہ (دیندار) لوگ اٹھتے ہیں، وضو کرتے ہیں، ظہر کی نماز پڑھتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے گناہوں کی (صبح سے ظہر تک کی) مغفرت کر دی جاتی ہے۔ اسی طرح پھر عصر کے وقت، پھر مغرب کے وقت، پھر عشاء کے وقت (غرض ہر نماز کے وقت یہی صورت ہوتی ہے) عشاء کے بعد لوگ سونے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد اندھیری میں بعض لوگ برائیوں (زنا کاری، بدکاری، چوری وغیرہ) کی طرف چل دیتے ہیں اور بعض لوگ بھلائیوں (نماز، وظیفہ، ذکر وغیرہ) کی طرف چلنے لگتے ہیں۔

فائدہ: حدیث کی کتابوں میں بہت کثرت سے یہ مضمون آیا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ اپنے لُطف سے نماز کی بدولت گناہوں کو معاف فرماتے ہیں اور نماز میں چوں کہ استغفار خود موجود ہے جیسا کہ اوپر گذرا، اس لیے صغیرہ اور کبیرہ ہر قسم کے گناہ اس میں داخل ہو جاتے ہیں، بشرطیکہ دل سے گناہوں پر ندامت[2] ہو، خود حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے ﴿اَقِمِ[3] الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾ [سورۂ ھود: ۱۱۴] جیسا کہ حدیث ۳ رمیں گذرا۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ایک بڑے مشہور صحابی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جب عشاء کی نماز ہو لیتی ہے،

حل لغات: ① وجہ سے۔ ② شرمندگی۔ ③ قائم کر نماز کو دن کے دونوں سروں میں اور رات کے کچھ حصوں میں بیشک نیکیاں دور کر دیتی ہیں گناہوں کو۔

تو تمام آدمی تین[۳] جماعتوں میں منقسم[۱] ہو جاتے ہیں: ایک وہ جماعت ہے جس کے لیے یہ رات نعمت ہے اور کمائی ہے اور بھلائی ہے، یہ وہ حضرات ہیں جو رات کی فرصت کو غنیمت سمجھتے ہیں اور جب لوگ اپنے اپنے راحت و آرام اور سونے میں مشغول ہو جاتے ہیں، تو یہ لوگ نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں، ان کی رات ان کے لیے اَجر و ثواب بن جاتی ہے۔ دوسری وہ جماعت ہے جس کے لیے رات وبال ہے، عذاب ہے، یہ وہ جماعت ہے جو رات کی تنہائی اور فرصت کو غنیمت سمجھتی ہے اور گناہوں میں مشغول ہو جاتی ہے، ان کی رات ان پر وبال بن جاتی ہے۔ تیسری وہ جماعت ہے جو عشاء کی نماز پڑھ کر سو جاتی ہے، اس کے لیے نہ وبال ہے نہ کمائی، نہ کچھ گیا نہ آیا۔ [دُرِّ منثور]

نمازی کے جنت میں داخلہ کی ضمانت[۲]

⑨ عَنْ أَبِيْ قَتَادَةَ بْنِ رِبْعِيٍّ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: إِنِّي افْتَرَضْتُ عَلٰى أُمَّتِكَ خَمْسَ صَلَوَاتٍ، وَعَهِدتُّ عِنْدِيْ عَهْدًا: أَنَّهٗ مَنْ حَافَظَ عَلَيْهِنَّ لِوَقْتِهِنَّ، أَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ فِيْ عَهْدِيْ، وَمَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهِنَّ فَلَا عَهْدَ لَهٗ عِنْدِيْ.	حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے یہ فرمایا کہ میں نے تمہاری اُمت پر پانچ[۵] نمازیں فرض کی ہیں اور اس کا میں نے اپنے لیے عہد[۳] کرلیا ہے کہ جو شخص ان پانچوں نمازوں کو ان کے وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کرے، اس کو اپنی ذمہ داری پر جنت میں داخل کروں گا اور جو ان نمازوں کا اہتمام نہ کرے، تو مجھ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔

[كذا في الدّر المنثور برواية أبي داؤد وابن ماجه وفيه أيضاً أخرج مالك وابن أبي شيبة وأحمد وأبوداؤد والنسائي وابن ماجه وابن حبان والبيهقي عن عبادة بن الصامت فذكر معنى حديث الباب مرفوعا بأطول منه]

فائدہ: ایک دوسری حدیث میں یہ مضمون اور وضاحت[۴] سے آیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں، جو شخص ان میں لاپروائی سے کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے، اچھی طرح وضو کرے اور وقت پر ادا کرے، خشوع خضوع سے پڑھے، حق تعالیٰ شانہٗ کا عہد ہے کہ اس کو جنت میں ضرور داخل فرمائیں گے، اور جو شخص ایسا نہ کرے اللہ تعالیٰ کا کوئی عہد اس سے نہیں، چاہے اس کی مغفرت فرمائیں، چاہے عذاب دیں۔ کتنی بڑی فضیلت ہے نماز کی کہ اس کے اہتمام سے اللہ کے عہد میں اور ذمہ داری میں آدمی داخل ہو جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی معمولی سا حاکم[۵] یا دولت مند کسی شخص کو اطمینان دلا دے، یا کسی مطالبہ[۶] کا ذمہ دار ہو جائے، یا کسی قسم کی ضمانت کرلے، تو وہ کتنا مطمئن اور خوش ہوتا ہے اور اس حاکم کا کس قدر

حل لغات: ① یعنی تقسیم۔ ② ذمہ داری۔ ③ وعدہ۔ ④ تفصیل۔ ⑤ حکومت کرنے والا۔ ⑥ حق، دعویٰ۔

احسان منداور گرویدہ[1] بن جاتا ہے؛ یہاں ایک معمولی عبادت پر جس میں کچھ مشقت بھی نہیں ہے، مالک الملک دو جہاں کا بادشاہ عہد کرتا ہے، پھر بھی لوگ اس چیز سے غفلت اور لاپروائی کرتے ہیں، اس میں کسی کا کیا نقصان ہے، اپنی ہی کم نصیبی اور اپنا ہی ضرر[2] ہے۔

نماز کی دو رکعتیں ہزار ہا روپے سے زیادہ قیمتی ہیں

⑩ عَنِ ابْنِ سَلْمَانَ أَنَّ رَجُلًا مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ حَدَّثَهُ قَالَ : لَمَّا فَتَحْنَا خَيْبَرَ أَخْرَجُوْا غَنَائِمَهُمْ مِنَ الْمَتَاعِ وَالسَّبْيِ . فَجَعَلَ النَّاسُ يَتَبَايَعُوْنَ غَنَائِمَهُمْ . فَجَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ : يَا رَسُوْلَ اللهِ ! لَقَدْ رَبِحْتُ رِبْحًا مَّا رَبِحَ الْيَوْمَ مِثْلَهُ أَحَدٌ مِّنْ أَهْلِ الْوَادِيْ . قَالَ : وَيْحَكَ ! وَمَا رَبِحْتَ ؟ قَالَ : مَا زِلْتُ أَبِيْعُ وَأَبْتَاعُ حَتّٰى رَبِحْتُ ثَلٰثَ مِائَةِ أُوْقِيَةٍ . فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : أَنَا أُنَبِّئُكَ بِخَيْرِ رَجُلٍ رَبِحَ ؟ قَالَ : مَا هُوَ يَا رَسُوْلَ اللهِ ؟ قَالَ : رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ .

[أخرجهٔ أبو داؤد وسكت عنه المنذري]

ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ لڑائی میں جب خیبر کو فتح کر چکے، تو لوگوں نے اپنے مالِ غنیمت کو نکالا، جس میں متفرق[3] سامان تھا اور قیدی تھے اور خرید وفروخت شروع ہوگئی (کہ ہر شخص اپنی ضروریات خریدنے لگا، دوسری زائد چیزیں فروخت کرنے لگا) اتنے میں ایک صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے آج کی اس تجارت میں اس قدر نفع ہوا کہ ساری جماعت میں سے کسی کو بھی اتنا نفع نہیں مل سکا۔ حضور ﷺ نے تعجب سے پوچھا کہ کتنا کمایا؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضور! میں سامان خریدتا رہا اور بیچتا رہا، جس میں تین سو اُوقیہ چاندی نفع میں بچی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تمھیں بہترین نفع کی چیز بتاؤں؟ انھوں نے عرض کیا: حضور! ضرور بتائیں۔ ارشاد فرمایا کہ فرض نماز کے بعد دو رکعت نفل۔

فائدہ: ایک اُوقیہ چالیس (۴۰) درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم تقریباً چار آنہ کا، تو اس حساب سے تین ہزار (۳۰۰۰) روپیہ ہوا، جس کے مقابلہ میں دو جہاں کے بادشاہ کا ارشاد ہے کہ یہ کیا نفع ہوا؟ حقیقی نفع وہ ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنے والا اور کبھی نہ ختم ہونے والا ہے۔ اگر حقیقت میں ہم لوگوں کے ایمان ایسے ہی ہو جائیں اور دو (۲) رکعت نماز کے مقابلہ میں تین ہزار (۳۰۰۰) روپے کی وقعت[4] نہ رہے، تو پھر واقعی زندگی کا لطف ہے اور حق یہ ہے کہ نماز ہے ہی ایسی دولت۔

حل لغات: ① عاشق۔ ② نقصان۔ ③ مختلف۔ ④ حیثیت، اہمیت۔

حضور ﷺ کی آخری وصیت

اسی وجہ سے حضورِ اقدس سیّدُ البَشر فخرُ الرُّسل ﷺ نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بتلائی ہے اور وِصَال[1] کے وقت آخری وصیت جو فرمائی ہے، اس میں نماز کے اہتمام کا حکم فرمایا ہے۔[کنزُ العُمّال] متعدّد حدیثوں میں اس کی وصیت مذکور ہے۔ مِنْجُملہ ان کے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آخری وقت میں جب زبان مبارک سے پورے لفظ نہیں نکل رہے تھے، اس وقت بھی حضورِ اقدس ﷺ نے نماز اور غلاموں کے حقوق کی تاکید فرمائی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی نقل کیا گیا کہ آخری کلام حضورِ اقدس ﷺ کا نماز کی تاکید اور غلاموں کے بارے میں اللہ سے ڈرنے کا حکم تھا۔ [جامع صغیر]

نمازِ اشراق کی فضیلت

حضورِ اقدس ﷺ نے نجد کی طرف ایک مرتبہ جہاد کے لیے لشکر بھیجا، جو بہت ہی جلدی واپس لوٹ آیا اور ساتھ ہی بہت سارا مالِ غنیمت لے کر آیا، لوگوں کو بڑا تعجب ہوا کہ اتنی ذرا سی مدت میں ایسی بڑی کامیابی اور مال و دولت کے ساتھ واپس آگیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں اس سے بھی کم وقت میں، اس مال سے بہت زیادہ غنیمت اور دولت کمانے والی جماعت بتاؤں؟ یہ وہ لوگ ہیں جو صبح کی نماز میں جماعت میں شریک ہوں اور آفتاب[2] نکلنے تک اسی جگہ بیٹھے رہیں، آفتاب نکلنے کے بعد (جب مکروہ وقت جو تقریباً بیس[20] منٹ رہتا ہے نکل جائے) تو دُو[2] رکعت (اشراق کی) نماز پڑھیں، یہ لوگ بہت تھوڑے سے وقت میں بہت زیادہ دولت کمانے والے ہیں۔ حضرت شَقیق بلخیؒ مشہور صوفی اور بزرگ ہیں، فرماتے ہیں کہ ہم نے پانچ[5] چیزیں تلاش کیں، ان کو پانچ[5] جگہ پایا: روزی کی برکت چاشت کی نماز میں ملی اور قبر کی روشنی تہجد کی نماز میں ملی، مُنکَر نکیر کے سوال کا جواب طلب کیا تو اس کو قرأت میں پایا اور پُل صراط کا سہولت سے پار ہونا روزہ اور صدقہ میں پایا اور عرش کا سایہ خلوت[3] میں پایا۔ [نزہۃ المجالس]

حدیث کی کتابوں میں نماز کے بارے میں بہت ہی تاکید اور بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں، اُن سب کا اِحَاطَہ[4] کرنا مشکل ہے، تبرُّکاً[5] چند احادیث کا صرف ترجمہ لکھا جاتا ہے:

نماز کی تاکید و فضیلت پر مختصر چہل[6] حدیث

(۱) حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے میری اُمت پر سب چیزوں سے پہلے نماز فرض کی

حل لغات: (۱) انتقال۔ (۲) سورج۔ (۳) تنہائی۔ (۴) مکمل جمع کرنا۔ (۵) برکت کے طور پر۔ (۶) چالیس۔

اور قیامت میں سب سے پہلے نماز ہی کا حساب ہوگا۔ (۲) نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو، نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو، نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ (۳) آدمی کے اور شرک کے درمیان نماز ہی حائل[1] ہے۔ (۴) اسلام کی علامت نماز ہے، جو شخص دل کو فارغ کر کے اور اوقات اور مُستحبّات کی رعایت رکھ کر نماز پڑھے، وہ مؤمن ہے۔ (۵) حق تعالیٰ شانہٗ نے کوئی چیز ایمان اور نماز سے افضل فرض نہیں کی، اگر اس سے افضل کسی اور چیز کو فرض کرتے، تو فرشتوں کو اس کا حکم دیتے، فرشتے دن رات کوئی رکوع میں ہے کوئی سجدے میں۔ (۶) نماز دِین کا سُتون ہے۔ (۷) نماز شیطان کا منہ کالا کرتی ہے۔ (۸) نماز مؤمن کا نور ہے۔ (۹) نماز افضلِ جہاد ہے۔ (۱۰) جب آدمی نماز میں داخل ہوتا ہے، تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کی طرف پوری توجہ فرماتے ہیں، جب وہ نماز سے ہٹ جاتا ہے، تو وہ بھی توجہ ہٹا لیتے ہیں۔ (۱۱) جب کوئی آفت[2] آسمان سے اُترتی ہے، تو مسجد کے آباد کرنے والوں سے ہٹ جاتی ہے۔ (۱۲) اگر آدمی کسی وجہ سے جہنم میں جاتا ہے، تو اس کی آگ سجدے کی جگہ کو نہیں کھاتی۔ (۱۳) اللہ نے سجدے کی جگہ کو آگ پر حرام فرما دیا ہے۔ (۱۴) سب سے زیادہ پسندیدہ عمل اللہ کے نزدیک وہ نماز ہے، جو وقت پر پڑھی جائے۔ (۱۵) اللہ جلّ شانہٗ کو آدمی کی ساری حالتوں میں سب سے زیادہ یہ پسند ہے کہ اس کو سجدے میں پڑا ہوا دیکھیں کہ پیشانی زمین سے رگڑ رہا ہے۔ (۱۶) اللہ جلّ شانہٗ کے ساتھ آدمی کو سب سے زیادہ قُرب سجدے میں ہوتا ہے۔ (۱۷) جنت کی کُنجیاں نماز ہیں۔ (۱۸) جب آدمی نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے، تو جنت کے دروازے کُھل جاتے ہیں اور اللہ جلّ شانہٗ کے اور اس نمازی کے درمیان کے پردے ہٹ جاتے ہیں، جب تک کہ کھانسی وغیرہ میں مشغول نہ ہو۔ (۱۹) نمازی شہنشاہ[3] کا دروازہ کھٹکاتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جو دروازہ کھٹکاتا ہی رہے تو کھلتا ہی ہے۔ (۲۰) نماز کا مرتبہ دین میں ایسا ہے جیسا کہ سر کا درجہ ہے بدن میں۔ (۲۱) نماز دِل کا نور ہے، جو اپنے دل کو نورانی بنانا چاہے (نماز کے ذریعے سے) بنا لے۔ (۲۲) جو شخص اچھی طرح وضو کرے، اس کے بعد خشوع وخضوع سے دو یا چار رکعت نماز فرض یا نفل پڑھ کر اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہے، اللہ تعالیٰ شانہٗ معاف فرما دیتے ہیں۔ (۲۳) زمین کے جس حصے پر نماز کے ذریعے سے اللہ کی یاد کی جاتی ہے، وہ حصہ زمین کے دوسرے ٹکڑوں پر فخر کرتا ہے۔ (۲۴) جو شخص دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے کوئی دُعا مانگتا ہے، تو حق تعالیٰ شانہٗ وہ دعا قبول فرما لیتے ہیں، خواہ فوراً ہو یا کسی مَصلحت[4] سے کچھ دیر کے بعد، مگر قبول ضرور فرماتے ہیں۔ (۲۵) جو شخص تنہائی میں دو رکعت نماز پڑھے، جس کو اللہ اور اس کے فرشتوں کے سوا کوئی نہ دیکھے، تو اس کو جہنم کی آگ سے بَرِی[5] ہونے کا پروانہ[6] مل جاتا ہے۔ (۲۶) جو شخص ایک فرض نماز ادا کرے، اللہ جلّ شانہٗ کے یہاں ایک مقبول دُعا اُس کی ہو جاتی ہے۔ (۲۷) جو پانچوں

حل لغات: (۱) آڑ، روک۔ (۲) مصیبت۔ (۳) بادشاہوں کا بادشاہ۔ (۴) حکمت، بھلائی۔ (۵) آزاد۔ (۶) اجازت نامہ۔

نمازوں کا اہتمام کرتا رہے، ان کے رکوع وسجود اور وضو وغیرہ کو اہتمام کے ساتھ اچھی طرح سے پورا کرتا رہے، جنت اس کے لیے واجب ہو جاتی ہے اور دوزخ اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ (۲۸) مسلمان جب تک پانچوں نمازوں کا اہتمام کرتا رہتا ہے، شیطان اس سے ڈرتا رہتا ہے اور جب وہ نمازوں میں کوتاہی کرنے لگتا ہے تو شیطان کو اس پر جرأت[1] ہو جاتی ہے اور اس کے بہکانے کی طمع[2] کرنے لگتا ہے۔ (۲۹) سب سے افضل عمل اول وقت نماز پڑھنا ہے۔ (۳۰) نماز ہر متقی[3] کی قربانی ہے۔ (۳۱) اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نماز کو اول وقت پڑھنا ہے۔ (۳۲) صبح کو جو شخص نماز کو جاتا ہے اس کے ہاتھ میں ایمان کا جھنڈا ہوتا ہے اور جو بازار کو جاتا ہے اس کے ہاتھ میں شیطان کا جھنڈا ہوتا ہے۔ (۳۳) ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعتوں کا ثواب ایسا ہے جیسا کہ تہجد کی چار رکعتوں کا۔ (۳۴) ظہر سے پہلے چار رکعتیں تہجد کی چار رکعتوں کے برابر شمار ہوتی ہیں۔ (۳۵) جب آدمی نماز کو کھڑا ہوتا ہے تو رحمتِ الٰہیہ[4] اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ (۳۶) افضل ترین نماز آدھی رات کی ہے، مگر اس کے پڑھنے والے بہت ہی کم ہیں۔ (۳۷) میرے پاس حضرت جبرئیل آئے اور کہنے لگے اے محمد! (ﷺ) خواہ کتنا ہی آپ زندہ رہیں آخر ایک دن مرنا ہے اور جس سے چاہے محبت کریں آخر ایک دن اس سے جدا ہونا ہے اور آپ جس قسم کا بھی عمل کریں (بھلا یا بُرا) اس کا بدلہ ضرور ملے گا، اس میں کوئی تردد[5] نہیں کہ مؤمن کی شرافت[6] تہجد کی نماز ہے اور مؤمن کی عزت لوگوں سے اِستغنا[7] ہے۔ (۳۸) اخیر رات کی دو رکعتیں تمام دنیا سے افضل ہیں، اگر مجھے مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو امت پر فرض کر دیتا۔ (۳۹) تہجد ضرور پڑھا کرو کہ تہجد صالحین[8] کا طریقہ ہے اور اللہ کے قرب[9] کا سبب ہے، تہجد گناہوں سے روکتا ہے اور خطاؤں کی معافی کا ذریعہ ہے، اس سے بدن کی تندرستی بھی ہوتی ہے۔ (۴۰) حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے کہ اے آدم کی اولاد! تُو دن کے شروع میں چار رکعتوں سے عاجز نہ بن، میں تمام دن تیرے کاموں کی کفایت[10] کروں گا۔

حدیث کی کتابوں میں بہت کثرت سے نماز کے فضائل اور ترغیبیں ذکر کی گئی ہیں، چالیس کے عدد کی رعایت سے اتنے پر کفایت[11] کی گئی کہ اگر کوئی شخص ان کو حفظ یاد کر لے، تو چالیس حدیثیں یاد کرنے کی فضیلت حاصل کر لے گا۔ حق یہ ہے کہ نماز ایسی بڑی دولت ہے کہ اس کی قدر وہی کر سکتا ہے، جس کو اللہ جلَّ شانہٗ نے اس کا مزہ چکھا دیا ہو، اسی دولت کی وجہ سے حضور ﷺ نے اپنی آنکھ کی ٹھنڈک اس میں فرمائی اور اسی لذت کی وجہ سے حضورِ اقدس ﷺ رات کا اکثر حصہ نماز ہی میں گذار دیتے تھے؛ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وصال[12] کے وقت خاص طور پر نماز کی وصیت فرمائی اور اس کے اہتمام کی تاکید فرمائی۔

حل لغات: (۱) ہمت۔ (۲) لالچ۔ (۳) پرہیزگار۔ (۴) اللہ کی رحمت۔ (۵) شک۔ (۶) بزرگی۔ (۷) بے نیازی۔ (۸) نیک لوگ۔ (۹) نزدیکی۔ (۱۰) کافی ہونا۔ (۱۱) اِبس کیا گیا۔ (۱۲) انتقال۔

متعدد احادیث میں ارشادِ نبوی نقل کیا گیا: اِتَّقُوا اللّٰهَ فِي الصَّلٰوةِ "نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ تمام اعمال میں مجھے نماز سب سے زیادہ محبوب ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک رات مسجد نبوی پر گذرا، حضور اقدس ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، مجھے بھی شوق ہوا، حضور ﷺ کے پیچھے نیت باندھ لی، حضور ﷺ سورۂ بقرہ پڑھ رہے تھے، میں نے خیال کیا کہ سو آیتوں پر رکوع کر دیں گے، مگر جب وہ گذر گئیں اور رکوع نہ کیا تو میں نے سوچا کہ دو سو پر رکوع کریں گے، مگر وہاں بھی نہ کیا تو مجھے خیال ہوا کہ سورت کے ختم ہی پر کریں گے، جب سورت ختم ہوئی تو حضور ﷺ نے کئی مرتبہ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ. اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ پڑھا اور سورۂ آلِ عمران شروع کر دی، میں سوچ میں پڑ گیا، آخر میں نے خیال کیا کہ آخر اس کے ختم پر تو رکوع کریں گے ہی، حضور ﷺ نے اس کو ختم فرمایا اور تین مرتبہ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ پڑھا اور سورۂ مائدہ شروع کر دی، اس کو ختم کر کے رکوع کیا اور رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ پڑھتے رہے اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھتے تھے، جو سمجھ میں نہ آیا، اس کے بعد اسی طرح سجدے میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى بھی پڑھتے رہے، اس کے ساتھ بھی کچھ پڑھتے تھے۔ اس کے بعد دوسری رکعت میں سورۂ اَنعام شروع کر دی، میں حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کی ہمّت نہ کر سکا اور مجبور ہو کر چلا آیا۔ پہلی رکعت میں تقریباً پانچ سی پارے ہوئے اور پھر حضور اقدس ﷺ کا پڑھنا جو نہایت اطمینان سے تجوید[1] اور ترتیل[2] کے ساتھ، ایک ایک آیت جدا جدا کر کے پڑھتے تھے، ایسی صورت میں کتنی لانبی رکعت ہوئی ہوگی؟ اِنہی وجوہ سے آپ کے پاؤں پر نماز پڑھتے پڑھتے ورم[3] آجاتا تھا؛ مگر جس چیز کی لذت دِل میں اتر جاتی ہے، اس میں مشقت اور تکلیف دشوار[4] نہیں رہتی۔

ابو اسحٰق سَبِیعیؒ مشہور مُحدّث ہیں، سَو۱۰۰ برس کی عمر میں انتقال فرمایا، اِس پر افسوس کیا کرتے تھے کہ بڑھاپے اور ضُعف[5] کی وجہ سے نماز کا لُطف[6] جاتا رہا، دو۲ رکعتوں میں صرف دو۲ سورتیں: سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران پڑھی جاتی ہیں، زیادہ نہیں پڑھا جاتا۔ [تہذیبُ التہذیب] یہ دو۲ سورتیں بھی پونے چار پاروں کی ہیں۔ محمد بن سِماکؒ فرماتے ہیں کہ کُوفہ میں میرا ایک پڑوسی تھا، اس کے ایک لڑکا تھا جو دن کو ہمیشہ روزہ رکھتا اور رات بھر نماز میں اور شوقیہ[7] اَشعار میں رہتا، وہ سوکھ کر ایسا ہو گیا کہ صرف ہڈی اور چمڑا رہ گیا۔ اس کے والد نے مجھ سے کہا کہ تم اس کو ذرا سمجھاؤ۔ میں ایک مرتبہ اپنے دروازے پر بیٹھا ہوا تھا، وہ سامنے سے گذرا، میں نے اس کو بلایا، وہ آیا، سلام کر کے بیٹھ گیا، میں نے کہنا شروع ہی کیا تھا کہ وہ کہنے لگا: چچا! شاید آپ محنت کی کمی کا مشورہ دیں گے، چچا جان! میں نے اس محلے کے چند لڑکوں کے ساتھ یہ طے کیا تھا کہ دیکھیں کون

حل لغات: ① حروف کی صحیح ادائیگی۔ ② ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا۔ ③ سُوجن۔ ④ مشکل۔ ⑤ کمزوری۔ ⑥ مزہ۔ ⑦ شوق پیدا کرنے والے۔

شخص عبادت میں زیادہ کوشش کرے، انھوں نے کوشش اور محنت کی اور اللہ کی طرف بلا لیے گئے، جب وہ بلائے گئے تو بڑی خوشی اور سُرور[1] کے ساتھ گئے، ان میں سے میرے سوا کوئی باقی نہیں رہا، میرا عمل دن میں دوبار ان پر ظاہر ہوتا ہوگا، وہ کیا کہیں گے جب اُس میں کوتاہی پائیں گے۔ چچا جان! اُن جوانوں نے بڑے بڑے مجاہدے کیے، ان کی محنتیں اور مجاہدے بیان کرنے لگا، جن کو سن کر ہم لوگ مُتحیّر[2] رہ گئے، اس کے بعد وہ لڑکا اُٹھ کر چلا گیا، تیسرے دن ہم نے سنا کہ وہ بھی رخصت ہوگیا رَحِمَہُ اللّٰہُ رَحْمَۃً وَاسِعَۃً. [نزہۃ] اب بھی اِس گئے گذرے زمانے میں اللہ کے بندے ایسے دیکھے جاتے ہیں، جو رات کا اکثر حصہ نماز میں گزار دیتے ہیں اور دن میں دین کے دوسرے کاموں: تبلیغ و تعلیم میں مُنْہمک[3] رہتے ہیں۔ حضرت مُجدِّد الفِ ثانیؒ کے نامِ نامی سے کون شخص ہندوستان میں ناواقف ہوگا؟ ان کے ایک خلیفہ مولانا عبدالواحد لاہوریؒ نے ایک دن ارشاد فرمایا: کیا جنت میں نماز نہ ہوگی؟ کسی نے عرض کیا کہ حضرت! جنت میں نماز کیوں ہو؟ وہ تو اعمال کے بدلہ کی جگہ ہے، نہ کہ عمل کرنے کی۔ اس پر ایک آہ کھینچی اور رونے لگے اور فرمایا کہ بغیر نماز کے جنت میں کیوں کر گزرے گی۔ ایسے ہی لوگوں سے دنیا قائم ہے اور زندگی کو وصول کرنے والی حقیقت میں یہی مبارک ہستیاں[4] ہیں۔ اللہ جلَّ شانہٗ اپنے لطف اور اپنے پر مَر مٹنے والوں کے طفیل[5]، اس رُوسِیاہ[6] کو بھی نواز دے تو اس کے لطفِ عام سے کیا بعید ہے۔ [ذکرہ القصۃ فی المواہب: ۱/۳۴۲، زرقانی: ۵/۵۷]

ایک پُر لُطف قصّہ پر اس فصل کو ختم کرتا ہوں، حافظ ابن حجرؒ نے مُنَبِّہات میں لکھا ہے: ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے دنیا میں تین[3] چیزیں محبوب ہیں: خوشبو، عورتیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ حضور ﷺ کے پاس چند صحابہ تشریف فرما تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: آپ نے سچ فرمایا اور مجھے تین[3] چیزیں محبوب ہیں: آپ کے چہرہ کا دیکھنا، اپنے مال کو آپ پر خرچ کرنا اور یہ کہ میری بیٹی آپ کے نکاح میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سچ ہے اور مجھے تین[3] چیزیں محبوب ہیں: اَمر بِالْمعروف، نَہیٔ عنِ الْمُنکَر (اچھے کاموں کا حکم کرنا اور بری باتوں سے روکنا) اور پرانا کپڑا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ نے سچ کہا اور مجھے تین چیزیں محبوب ہیں: بھوکوں کو کھلانا، ننگوں کو کپڑا پہنانا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: آپ نے سچ فرمایا اور مجھے تین چیزیں پسند ہیں: مہمان کی خدمت، گرمی کا روزہ اور دشمن پر تلوار۔ اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا کہ مجھے حق تعالیٰ شانہٗ نے بھیجا ہے اور فرمایا کہ اگر میں (یعنی جبرئیل) دنیا والوں میں ہوتا، تو بتاؤں مجھے کیا پسند ہوتا؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: بتاؤ۔ عرض کیا: بھُولے ہوؤں کو راستہ بتانا، غریب عبادت کرنے والوں سے محبت رکھنا اور عیال[7] دار مفلسوں[8] کی مدد کرنا، اور اللہ جلَّ جلالہٗ کو بندوں کی

حل لغات: ① خوشی۔ ② حیران۔ ③ مشغول۔ ④ بڑے لوگ۔ ⑤ صدقے۔ ⑥ گنہگار۔ ⑦ بال بچے والے۔ ⑧ محتاجوں۔

تین[3] چیزیں پسند ہیں: (اللہ کی راہ میں) طاقت کا خرچ کرنا (مال سے ہو یا جان سے) اور (گناہ پر) نَدامت[1] کے وقت رونا اور فاقَہ[2] پر صبر کرنا۔

حافظ ابنِ قیمؒ زادُ المَعاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ نماز روزی کو کھینچنے والی ہے، صحت کی مُحافِظ[3] ہے، بیماریوں کو رَفع[4] کرنے والی ہے، دل کو تَقوِیت[5] پہونچاتی، چہرہ کو خوبصورت اور مُنوّر[6] کرتی ہے، جان کو فرحت[7] پہونچاتی ہے، اعضاء[8] میں نَشاط[9] پیدا کرتی ہے، کاہلی[10] کو دَفع[11] کرتی ہے، شرحِ صدر[12] کا سبب ہے، روح کی غذا ہے، دل کو منوّر کرتی ہے، اللہ کے انعام کی محافظ ہے اور عذابِ الٰہی سے حفاظت کا سبب ہے۔ شیطان کو دور کرتی ہے اور رحمٰن سے قُرب[13] پیدا کرتی ہے۔ غرض روح اور بدن کی صحت کی حفاظت میں اس کو خاص دَخل[14] ہے اور دونوں چیزوں میں اس کی عجیب تاثیر ہے۔ نیز دنیا اور آخرت کی مَضرّتوں[15] کے دور کرنے میں اور دونوں جہان کے منافع پیدا کرنے میں اس کو بہت خصوصیت ہے۔

دوسری فصل: نماز کے چھوڑنے پر جو وعید اور عتاب حدیث میں آیا ہے اس کا بیان

حدیث کی کتابوں میں نماز نہ پڑھنے پر بہت سخت سخت عذاب ذکر کیے گئے ہیں۔ نمونے کے طور پر چند حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں۔ سچّی خبر دینے والے کا ایک ارشاد بھی سمجھ دار کے لیے کافی تھا، مگر حضور اقدس ﷺ کی شفقت کے قربان کہ آپ نے کئی کئی طرح سے اور بار بار اس چیز کی طرف متوجہ فرمایا کہ ان کے نام لیوا، اُن کی اُمّت کہیں اس میں کوتاہی نہ کرنے لگے، پھر افسوس ہے ہمارے حال پر کہ ہم حضور ﷺ کے اس اہتمام کے باوجود نماز کا اہتمام نہیں کرتے اور بے غیرتی اور بے حیائی سے اپنے کو اُمّتی اور مُتّبعِ[16] رسول اور اسلام کا دھنی[17] بھی سمجھتے ہیں۔

آدمی کے اور کفر کے درمیان صرف نماز حائل ہے

(۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ.	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز چھوڑنا آدمی کو کفر سے ملا دیتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ بندہ کو اور کفر کو ملانے والی چیز صرف نماز چھوڑنا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ ایمان اور کفر کے درمیان نماز چھوڑنے کا فرق ہے۔

حل لغات: (۱) شرمندگی۔ (۲) بھوکا ہونے کی حالت۔ (۳) حفاظت کرنے والی۔ (۴) دور، ختم۔ (۵) طاقت۔ (۶) روشن۔ (۷) تازگی۔ (۸) بدن کے حصے۔ (۹) چستی۔ (۱۰) سستی۔ (۱۱) دور، ختم۔ (۱۲) دل کا اطمینان۔ (۱۳) نزدیکی۔ (۱۴) اثر۔ (۱۵) نقصان والی چیزیں۔ (۱۶) رسول کا فرماں بردار۔ (۱۷) مالک۔

[رواه أحمد ومسلم وقال: بين الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلوة. أبوداؤد والنسائي ولفظهٗ: ليس بين العبد وبين الكفر إلّا ترك الصلوة. والترمذي ولفظهٗ: قال: بين الكفر والإيمان ترك الصلوة. وابن ماجه ولفظه: قال: بين العبد وبين الكفر ترك الصلوة. كذا في الترغيب للمنذري. وقال السيوطي في الدرّ لحديث جابر أخرجهٗ ابن أبي شيبة وأحمد، ومسلم وأبوداؤد والترمذي والنسائي وابن ماجه. ثم قال: وأخرج ابن أبي شيبة وأحمد وأبوداؤد والترمذي وصححه والنسائي وابن ماجه وابن حبان والحاكم وصححه عن بريدة مرفوعا: العهد الذي بيننا وبينهم الصلوة، فمن تركها فقد كفر].

فائدہ: اس قسم کا مضمون اور بھی کئی حدیثوں میں آیا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اَبْر[1] کے دن نماز جلدی پڑھا کرو، کیونکہ نماز چھوڑنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ اَبر کی وجہ سے وقت کا پتہ نہ چلے اور نماز قضا ہو جائے، اس کو بھی ''نماز کا چھوڑنا'' ارشاد فرمایا۔ کتنی سخت بات ہے کہ نبی اکرم ﷺ نماز کے چھوڑنے والے پر کفر کا حکم لگاتے ہیں؛ گو[2] علماء نے اس حدیث کو انکار کے ساتھ مُقیّد[3] فرمایا ہے، مگر حضور ﷺ کے ارشاد کی فکر اتنی سخت چیز ہے کہ جس کے دل میں ذرا بھی حضور اقدس ﷺ کی وقعت[4] اور حضور ﷺ کے ارشاد کی اہمیت ہوگی، اس کے لیے یہ ارشادات نہایت سخت ہیں۔ اس کے علاوہ بڑے بڑے صحابہ جیسا کہ حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ حضرات کا مذہب یہی ہے کہ بلا عُذر[5]، جان کر نماز چھوڑنے والا کافر ہے۔ اَئمّہ[6] میں سے حضرت امام احمد بن حنبل، اسحاق بن رَاہُوَیہ، ابنِ مبارک رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب نقل کیا جاتا ہے۔ **اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْہُ.**

محبوب ﷺ کی سات نصیحتیں

② عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضي الله عنه قَالَ: أَوْصَانِيْ خَلِيْلِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِسَبْعِ خِصَالٍ: فَقَالَ: لَا تُشْرِكُوْا بِاللهِ شَيْئًا وَّإِنْ قُطِعْتُمْ أَوْ حُرِّقْتُمْ أَوْ صُلِّبْتُمْ، وَلَا تَتْرُكُوا الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدِيْنَ فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْمِلَّةِ، وَلَا تَرْكَبُوا الْمَعْصِيَةَ فَإِنَّهَا سَخَطُ اللهِ، وَلَا تَشْرَبُوا الْخَمْرَ فَإِنَّهَا رَأْسُ الْخَطَايَا كُلِّهَا.	حضرت عُبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے محبوب حضور اقدس ﷺ نے سات نصیحتیں کیں، جن میں سے چار یہ ہیں: اول یہ کہ اللہ کا شریک کسی کو نہ بناؤ، چاہے تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جاویں یا تم جلا دیے جاؤ یا سُولی چڑھا دیے جاؤ۔ دوسرے یہ کہ جان کر نماز نہ چھوڑو، جو جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے وہ مذہب سے نکل جاتا ہے۔ تیسری یہ کہ اللہ کی نافرمانی نہ کرو کہ اس سے حق تعالیٰ ناراض ہو جاتے ہیں۔ چوتھی یہ کہ شراب نہ پیو کہ وہ ساری خطاؤں کی جڑ ہے۔

حل لغات: ① بدلی، گھٹا۔ ② اگرچہ۔ ③ خاص کرنا۔ ④ عزت۔ ⑤ بغیر وجہ کے۔ ⑥ امام کی جمع۔

[الحديث. رواه الطبراني ومحمد بن نصر في كتاب الصّلوة بإسنادين لابأس بهما كذافي الترغيب ، وهكذا ذكره السيوطي في الدّر المنثور وعزاه إليهما ، وفي المشكوة برواية ابن ماجه عن أبي الدّرداء نحوه.]

فائده: ایک دوسری حدیث میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بھی اس قسم کا مضمون فرماتے ہیں کہ مجھے میرے محبوب ﷺ نے وصیت فرمائی کہ اللہ کا شریک کسی کو نہ کرنا، خواہ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کردیے جاویں یا آگ میں جلا دیا جائے۔ دوسری: نماز جان کر نہ چھوڑنا، جو شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑتا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ شانہٗ بَرِیُّ الذِّمّہ[1] ہیں۔ تیسری: شراب نہ پینا کہ ہر بُرائی کی کُنجی[2] ہے۔

③ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: أَوْصَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِعَشْرِ كَلِمَاتٍ قَالَ: لَاتُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّإِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ ، وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَيْكَ وإِنْ أَمَرَاكَ أَنْ تَخْرُجَ مِنْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ ، وَلَا تَتْرُكَنَّ صَلٰوةً مَّكْتُوْبَةً مُّتَعَمِّداً فَإِنَّ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةً مَّكْتُوْبَةً مُّتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ، وَلَا تَشْرَبَنَّ خَمْرًا فَإِنَّهٗ رَأْسُ كُلِّ فَاحِشَةٍ ، وَّإِيَّاكَ وَالْمَعْصِيَةَ فَإِنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حَلَّ سَخَطُ اللّٰهِ ، وَإِيَّاكَ وَالْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ وَإِنْ هَلَكَ النَّاسُ وَإِنْ اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ فَاثْبُتْ ، وَأَنْفِقْ عَلٰى أَهْلِكَ مِنْ طَوْلِكَ ، وَلَاتَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ أَدَباً ، وَأَخِفْهُمْ فِيْ اللّٰهِ .

حضرت مُعاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور اقدس ﷺ نے دس باتوں کی وصیت فرمائی: ① یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، گو[3] تو قتل کردیا جائے یا جلا دیا جائے۔ ② والدین کی نافرمانی نہ کرنا، گو وہ تجھے اِس کا حکم کریں کہ بیوی کو چھوڑ دے یا سارا مال خرچ کر دے۔ ③ فرض نماز جان کر نہ چھوڑنا، جو شخص فرض نماز جان کر چھوڑ دیتا ہے، اللہ کا ذمّہ اس سے بَری ہے۔ ④ شراب نہ پینا کہ یہ ہر بُرائی اور فحش[4] کی جڑ ہے۔ ⑤ اللہ کی نافرمانی نہ کرنا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا غضب اور قہر نازل[5] ہوتا ہے۔ ⑥ لڑائی میں نہ بھاگنا، چاہے سب ساتھی مر جائیں۔ ⑦ اگر کسی جگہ وَبا[6] پھیل جاوے۔ (جیسے طاعون وغیرہ) تو وہاں سے نہ بھاگنا۔ ⑧ اپنے گھر والوں پر خرچ کرنا۔ ⑨ تنبیہ کے واسطے ان پر سے لکڑی نہ ہٹانا۔ ⑩ اللہ تعالیٰ سے اُن کو ڈراتے رہنا۔

[رواه أحمد والطبراني في الكبير. وإسناد أحمد صحيح وسلم من الانقطاع. فإن عبدالرحمن بن جبير لم يسمع من معاذ كذا في الترغيب. وإليهما عزاه السيوطي في الدر ولم يذكر الانقطاع. ثم قال: وأخرج الطبراني عَنْ أُمَيْمَةَ مَوْلَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَتْ: كُنْتُ أَصُبُّ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَضُوْءَهٗ، فَدَخَلَ رَجُلٌ فَقَالَ: أَوْصِنِيْ. فَقَالَ: لَاتُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئاً وَّإِنْ قُطِّعْتَ أَوْحُرِّقْتَ، وَلَا تَعْصِيَنَّ وَالِدَيْكَ وَإِنْ أَمَرَاكَ أَنْ تُخَلِّيَ مِنْ أَهْلِكَ وَدُنْيَاكَ فَتُخَلِّهِ، وَلَا تَشْرَبَنَّ خَمْرًا فَإِنَّهٗ مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ، وَلَا تَتْرُكَنَّ صَلٰوةً مُّتَعَمِّدًا فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ].

حل لغات: ① ذمہ داری سے آزاد۔ ② چابی۔ ③ اگرچہ۔ ④ بے حیائی۔ ⑤ اترنا۔ ⑥ عام بیماری۔

اولاد کی تربیت اور نماز کی تاکید

فائدہ: لکڑی نہ ہٹانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے بے فکر نہ ہوں کہ باپ تنبیہ[1] نہیں کرتا اور مارتا، نہیں جو چاہے کرتے رہو؛ بلکہ ان کو حدودِ شرعیہ[2] کے تحت میں کبھی کبھی مارتے رہنا چاہیے کہ بغیر مار کے اکثر تنبیہ نہیں ہوتی۔ آج کل اولاد کو شروع میں تو محبت کے جوش میں تنبیہ نہیں کی جاتی، جب وہ بُری عادتوں میں پختہ[3] ہوجاتے ہیں تو پھر روتے پھرتے ہیں، حالانکہ یہ اولاد کے ساتھ محبت نہیں، سخت دشمنی ہے کہ اس کو بُری باتوں سے روکا نہ جائے اور مار پیٹ کو محبت کے خلاف سمجھا جائے۔ کون سمجھ دار اس کو گوارا کرسکتا ہے کہ اولاد کے پھوڑے پھنسی کو بڑھایا جائے اور اس وجہ سے کہ نشتر[4] لگانے سے زخم اور تکلیف ہوگی، عمل جرّاحی[5] نہ کرایا جائے؛ بلکہ لاکھ بچّہ روئے، منہ بنائے، بھاگے بہر حال نَشتَر لگانا ہی پڑتا ہے۔ بہت سی حدیثوں میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ بچہ کو سات[6] برس کی عمر میں نماز کا حکم کرو اور دس[1] برس کی عمر میں نماز نہ پڑھنے پر مارو۔ [درمنثور] حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بچّوں کی نماز کی نگرانی کیا کرو اور اچھی باتوں کی ان کو عادت ڈالو۔ حضرت لقمان حکیم کا ارشاد ہے کہ باپ کی مار اولاد کے لیے ایسی ہے، جیسا کہ کھیتی کے لیے پانی۔ [درمنثور] حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص اپنی اولاد کو تنبیہ کرے، یہ ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ [جامع صغیر] ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر[6] غلہ کا ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمت کرے جو گھر والوں کو تنبیہ کے واسطے گھر میں کوڑا لٹکائے رکھے۔ [جامع صغیر] ایک حدیث میں ارشاد ہے: کوئی باپ اپنی اولاد کو اس سے افضل عطیہ[7] نہیں دے سکتا کہ اس کو اچھا طریقہ تعلیم کرے۔ [جامع صغیر]

ایک نماز کا چھُوٹ جانا گویا اپنا سب مال و دولت لُٹ جانا ہے

④ عَنْ نَوْفَلِ بْنِ مُعَاوِيَةَ رضي الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : مَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةٌ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلُهُ وَمَالُهُ.	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کی ایک نماز بھی فوت[8] ہوگئی، وہ ایسا ہے کہ گویا اس کے گھر کے لوگ اور مال و دولت سب چھین لیا گیا ہو۔

[رواه ابن حبان في صحيحه، كذا في الترغيب. زاد السيوطي في الدرّ والنسائي أيضاً. قلت: ورواه أحمد في مسنده].

فائدہ: نماز کا ضائع[9] کرنا اکثر بال بچوں کی وجہ سے ہوتا ہے کہ ان کی خیر خبر میں مشغول رہے یا مال و دولت کمانے کے لالچ میں ضائع کی جاتی ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز کا ضائع کرنا انجام کے اعتبار

حل لغات: ① ڈانٹ ڈپٹ۔ ② شریعت کے احکام کے اندر رہتے ہوئے۔ ③ پکّا، مضبوط۔ ④ آپریشن کرنا، چیڑنا، پھاڑنا۔ ⑤ آپریشن۔ ⑥ تقریباً ایک کلو۔ ⑦ تحفہ۔ ⑧ چھوٹنا۔ ⑨ برباد کرنا۔

سے ایسا ہی ہے، گویا بال بچے اور مال و دولت سب ہی چھین لیا گیا اور اکیلا کھڑا رہ گیا۔ یعنی جتنا خسارہ اور نقصان اس حالت میں ہے، اتنا ہی نماز کے چھوڑنے میں ہے یا جس قدر رنج و صدمہ اس حالت میں ہو، اتنا ہی نماز کے چھوٹنے میں ہونا چاہیے۔ اگر کسی شخص سے کوئی مُعتبر آدمی یہ کہہ دے اور اسے یقین آجائے کہ فلاں راستہ لُٹتا ہے اور جو رات کو اُس راستہ سے جاتا ہے، تو ڈاکو اس کو قتل کر دیتے ہیں اور مال چھین لیتے ہیں، تو کون بہادر ہے کہ اس راستہ سے رات کو چلے؟ رات تو درکنار(۱) دن کو بھی مشکل سے اُس راستہ کو چلے گا، مگر اللہ کے سچے رسول ﷺ کا یہ پاک ارشاد ایک دو نہیں، کئی کئی حدیثوں میں وارد ہوا ہے اور ہم مسلمان حضور ﷺ کے سچے ہونے کا دعویٰ بھی جھوٹی زبانوں سے کرتے ہیں، مگر اس پاک ارشاد کا ہم پر اثر کیا ہے؟ ہر شخص کو معلوم ہے۔

بغیر کسی شرعی مجبوری کے دو نمازیں ایک ساتھ پڑھنا کبیرہ گناہ ہے

⑤ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ جَمَعَ بَيْنَ صَلٰوتَيْنِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَقَدْ أَتٰى بَابًا مِّنْ أَبْوَابِ الْكَبَائِرِ	نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص دو نمازوں کو بلا کسی عذر کے ایک وقت میں پڑھے، وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر پہونچ گیا۔

[رواه الحاكم. وقال حنش هو ابن قيس: ثقة. وقال الحافظ: بل واه بمرة لا نعلم أحدا وثقه غير حصين بن نمير كذا في الترغيب، زاد السيوطي في الدرّ والترمذي أيضا و ذكر في اللآلي له شواهد وكذا في التعقبات، و قال: الحديث أخرجه الترمذي، وقال: حنش ضعيف ضعفه أحمد وغيره. والعمل على هٰذا عند أهل العلم فأشار بذلك إلى أن الحديث اعتضد بقول أهل العلم وقد صرح غير واحد بأن من دليل صحة الحديث قول أهل العلم به وإن لم يكن له إسناد يعتمد على مثله .اهـ]

فائدہ: حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجہَہٗ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیز میں تاخیر نہ کر۔ ایک: نماز جب اس کا وقت ہو جائے، دوسری: جنازہ جب تیار ہو جائے، تیسری: بے نکاحی عورت جب اس کے جوڑ کا خاوند(۲) مل جائے (یعنی فوراً نکاح کر دینا)۔ بہت سے لوگ جو اپنے کو دین دار بھی سمجھتے ہیں اور گویا نماز کے پابند بھی سمجھے جاتے ہیں، وہ کئی کئی نمازیں معمولی بہانہ سے: سفر کا ہو، دوکان کا ہو، ملازمت کا ہو؛ گھر آکر اکٹھی ہی پڑھ لیتے ہیں۔ یہ گناہِ کبیرہ ہے کہ بلا کسی عذر، بیماری وغیرہ کے نماز کو اپنے وقت پر نہ پڑھا جاوے، گو(۳) بالکل نماز نہ پڑھنے کی برابر گناہ نہ ہو، لیکن بے وقت پڑھنے کا بھی سخت گناہ ہے اس سے خلاصی(۴) نہ ہوئی۔

⑥ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهٗ ذَكَرَ الصَّلٰوةَ يَوْمًا فَقَالَ : مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا وَّبُرْهَانًا	ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے نماز کا ذکر فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص نماز کا اہتمام کرے، تو نماز اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوگی اور حساب پیش ہونے کے وقت

حل لغات: ① لگ رہا ② شوہر۔ ③ اگرچہ۔ ④ آزادی۔

وَّنَجَاةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، وَمَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَّهٗ نُوْرٌ وَّلَا بُرْهَانٌ وَّلَا نَجَاةٌ وَّكَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَعَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَأُبَيِّ ابْنِ خَلَفٍ.	حجت[1] ہوگی اور نجات کا سبب ہوگی، اور جو شخص نماز کا اہتمام نہ کرے اس کے لیے قیامت کے دن نہ نور ہوگا اور نہ اس کے پاس کوئی حجت ہوگی اور نہ نجات کا کوئی ذریعہ۔ اس کا حشر فرعون، ہامان اور اُبَی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

[أخرجه أحمد وابن حبان والطبراني كذا في الدرّ المنثور للسيوطي . وقال الهيثمي: رواه أحمد والطبراني في الكبير والأوسط ورجال أحمد ثقات . وقال ابن حجر في الزواجر :أخرجه أحمد بسند جيّد وزاد فيه: قارون، أيضاً مع فرعون وغيره ، وكذا زاده في منتخب الكنز برواية ابن نصر والمشكوة أيضاً برواية أحمد والدارمي والبيهقي في الشعب وابن القيّم في كتاب الصّلوة.]

فائدہ: فرعون کو تو ہر شخص جانتا ہے کہ کس درجہ کا کافر تھا، حتیٰ کہ خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور ہامان اس کے وزیر کا نام ہے اور اُبی بن خَلَف مکہ کے مشرکین میں سے بڑا سخت دشمنِ اسلام تھا۔ ہجرت سے پہلے نبی اکرم ﷺ سے کہا کرتا تھا کہ میں نے ایک گھوڑا پالا ہے، اس کو بہت کچھ کھلاتا ہوں، اس پر سوار ہو کر (نعوذُ باللہ) تم کو قتل کروں گا۔ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ اس سے فرمایا تھا کہ ان شاء اللہ میں ہی تجھ کو قتل کروں گا۔ اُحُد کی لڑائی میں وہ حضورِ اقدس ﷺ کو تلاش کرتا پھرتا تھا اور کہتا تھا کہ اگر وہ آج بچ گئے، تو میری خیر نہیں۔ چنانچہ حملہ کے ارادے سے وہ حضور ﷺ کے قریب پہونچ گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ارادہ بھی فرمایا کہ دُور ہی سے اس کو نمٹا دیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آنے دو۔ جب وہ قریب ہوا تو حضور ﷺ نے ایک صحابی کے ہاتھ میں سے بَرچھا[2] لے کر اس کے مارا، جو اس کی گردن پر لگا اور ہلکا سا خراش[3] اس کی گردن پر آ گیا، مگر اس کی وجہ سے گھوڑے سے لُڑھکتا ہوا گرا اور کئی مرتبہ گرا اور بھاگتا ہوا اپنے لشکر میں پہونچ گیا اور چلّاتا تھا کہ خدا کی قسم ! مجھے محمد نے قتل کر دیا۔ کفار نے اس کو اطمینان دلایا کہ معمولی خراش ہے، کوئی فِکر کی بات نہیں، مگر وہ کہتا تھا کہ محمد نے مکہ میں کہا تھا کہ میں تجھ کو قتل کروں گا۔ خدا کی قسم ! اگر وہ مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میں مَر جاتا۔ لکھتے ہیں کہ اس کے چلانے کی آواز ایسی ہوگئی تھی جیسا کہ بیل کی ہوتی ہے۔ ابوسُفیان نے جو اس لڑائی میں بڑے زوروں پر تھا، اس کو شرم دلائی کہ اس ذرا سی خراش سے اتنا چلّاتا ہے۔ اس نے کہا: تجھے خبر بھی ہے کہ یہ کس نے ماری ہے، یہ محمد کی مار ہے، مجھے اس سے جس قدر تکلیف ہو رہی ہے، لات اور عُزّیٰ (دو مشہور بتوں کے نام ہیں) کی قسم ! اگر یہ تکلیف سارے حجاز والوں کو تقسیم کر دی جائے تو سب ہلاک ہو جائیں، محمد نے مجھ سے مکہ میں کہا تھا کہ میں تجھ کو قتل کروں گا، میں نے اسی وقت سمجھ لیا تھا کہ میں ان کے ہاتھ سے ضرور مارا جاؤں گا، میں ان سے چھوٹ نہیں سکتا، اگر وہ اس کہنے کے بعد مجھ پر تھوک بھی دیتے، تو میں اس سے بھی مر جاتا۔ چنانچہ مکہ مکرمہ پہونچنے سے ایک دن پہلے وہ راستہ ہی میں مر گیا۔ [خمیس]

حل لغات: (۱) دلیل۔ (۲) بھالا، نیزہ۔ (۳) معمولی زخم۔

ہم مسلمانوں کے لیے نہایت غیرت اور عبرت کا مقام ہے کہ ایک کافر، پکّے کافر اور سخت دشمن کو تو حضور ﷺ کے ارشاد کے سچا ہونے کا اس قدر یقین ہو کہ اس کو اپنے مارے جانے میں ذرا بھی تردُّد[1] یا شک نہ تھا، لیکن ہم لوگ حضور ﷺ کو نبی ماننے کے باوجود، حضور ﷺ کو سچا ماننے کے باوجود، حضور ﷺ کے ارشادات کو یقینی کہنے کے باوجود، حضور ﷺ کے ساتھ محبت کے دعوے کے باوجود، حضور ﷺ کی اُمت میں ہونے پر فخر کے باوجود، کتنے ارشادات پر عمل کرتے ہیں؟ اور جن چیزوں میں حضور ﷺ نے عذاب بتائے ہیں، ان سے کتنا ڈرتے ہیں؟ کتنا کانپتے ہیں؟ یہ ہر شخص کے اپنے ہی گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنے کی بات ہے۔ کوئی دوسرا کسی کے متعلق کیا کہہ سکتا ہے۔ ابنِ حجرؒ نے ''کِتَابُ الزَّوَاجِر'' میں قارون کا بھی، فرعون وغیرہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے ساتھ حشر ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اکثر اُن ہی وجُوہ[2] سے نماز میں سُستی ہوتی ہے، جو ان لوگوں میں پائی جاتی تھیں۔ پس اگر اس کی وجہ مال و دولت کی کثرت ہے تو قارون کے ساتھ حشر ہوگا اور اگر حکومت وسلطنت ہے تو فرعون کے ساتھ، اور وزارت (یعنی ملازمت یا مُصاحَبت[3]) ہے تو ہامان کے ساتھ، اور تجارت ہے تو اُبَی بن خلف کے ساتھ اور جب ان لوگوں کے ساتھ اس کا حشر ہو گیا، تو پھر جس قسم کے بھی عذاب احادیث میں وارد ہوئے، خواہ وہ حدیثیں مُتَکَلَّمٌ فِیہ[4] ہوں، اُن میں کوئی اشکال نہیں رہا کہ جہنم کے عذاب سخت سے سخت ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کو اپنے ایمان کی وجہ سے ایک نہ ایک دن اُن سے خَلاصی[5] ہو جائے گی اور وہ لوگ ہمیشہ کے لیے اس میں رہیں گے، لیکن خلاصی ہونے تک کا زمانہ کیا کچھ ہنسی کھیل ہے؟ نہ معلوم کتنے ہزار برس ہوں گے۔

⑦ قَالَ بَعْضُهُمْ وَرَدَ فِي الْحَدِيْثِ: أَنَّ مَنْ حَافَظَ عَلَى الصَّلٰوةِ أَكْرَمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِخَمْسِ خِصَالٍ: يَّرْفَعُ عَنْهُ ضِيْقَ الْعَيْشِ، وَعَذَابَ الْقَبْرِ، وَيُعْطِيْهِ اللّٰهُ كِتَابَهٗ بِيَمِيْنِهٖ، وَيَمُرُّ عَلَى الصِّرَاطِ كَالْبَرْقِ، وَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ. وَمَنْ تَهَاوَنَ عَنِ الصَّلٰوةِ عَاقَبَهُ اللّٰهُ بِخَمْسَ عَشَرَةَ عُقُوْبَةً خَمْسَةٌ فِي الدُّنْيَا وَثَلَاثَةٌ عِنْدَ الْمَوْتِ وَثَلٰثٌ فِي قَبْرِهٖ

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص نماز کا اہتمام کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ پانچ طرح سے اس کا اکرام و اعزاز فرماتے ہیں: ایک یہ کہ اس پر سے رزق کی تنگی ہٹا دی جاتی ہے، دوسرے یہ کہ اس سے عذابِ قبر ہٹا دیا جاتا ہے، تیسرے یہ کہ قیامت کو اس کے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے۔ (جن کا حال سورۂ الحاقّہ میں مفصّل[6] مذکور ہے کہ جن لوگوں کے نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیے جائیں گے، وہ نہایت خوش وخُرّم ہر شخص کو دکھاتے پھریں گے) اور چوتھے یہ کہ پُل صراط

حل لغات: ① شک۔ ② وجہ کی جمع، سبب۔ ③ صحبت، ساتھ۔ ④ وہ حدیث جن کے راویوں کے بارے میں محدثین نے کلام کیا ہو۔ ⑤ رہائی۔ ⑥ تفصیل سے، وضاحت سے۔

وَثَلٰثٌ عِنْدَ خُرُوْجِهٖ مِنَ الْقَبْرِ. فَأَمَّا اللَّوَاتِيْ فِي الدُّنْيَا: فَالْأُوْلٰى تُنْزَعُ الْبَرَكَةُ مِنْ عُمُرِهٖ، وَالثَّانِيَةُ تُمْحٰى سِيْمَاءُ الصَّالِحِيْنَ مِنْ وَّجْهِهٖ، وَالثَّالِثَةُ كُلُّ عَمَلٍ يَّعْمَلُهٗ لَا يَأْجُرُهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَالرَّابِعَةُ لَايُرْفَعُ لَهٗ دُعَاءٌ إِلَى السَّمَاءِ، وَالْخَامِسَةُ لَيْسَ لَهٗ حَقٌّ فِيْ دُعَاءِ الصَّالِحِيْنَ. وَأَمَّا الَّتِيْ تُصِيْبُهٗ عِنْدَ الْمَوْتِ: فَإِنَّهٗ يَمُوْتُ ذَلِيْلًا، وَالثَّانِيَةُ يَمُوْتُ جُوْعًا، وَالثَّالِثَةُ يَمُوْتُ عَطْشَانًا وَلَوْ سُقِيَ بِحَارُ الدُّنْيَا مَا رَوِيَ مِنْ عَطْشِهٖ. وَأَمَّا الَّتِيْ تُصِيْبُهٗ فِيْ قَبْرِهٖ: فَالْأُوْلٰى يَضِيْقُ عَلَيْهِ الْقَبْرُ حَتّٰى تَخْتَلِفَ أَضْلَاعُهٗ، وَالثَّانِيَةُ يُوْقَدُ عَلَيْهِ الْقَبْرُ نَارًا فَيَتَقَلَّبُ عَلَى الْجَمْرِ لَيْلاً وَّنَهَارًا، وَالثَّالِثَةُ يُسَلَّطُ عَلَيْهِ فِيْ قَبْرِهٖ ثُعْبَانٌ اِسْمُهٗ "الشُّجَاعُ الْأَقْرَعُ" عَيْنَاهُ مِنْ نَّارٍ وَأَظْفَارُهٗ مِنْ حَدِيْدٍ طُوْلُ كُلِّ ظُفُرٍ مَسِيْرَةُ يَوْمٍ، يُكَلِّمُ الْمَيِّتَ فَيَقُوْلُ: أَنَا الشُّجَاعُ الْأَقْرَعُ، وَصَوْتُهٗ مِثْلَ الرَّعْدِ الْقَاصِفِ يَقُوْلُ: أَمَرَنِيْ رَبِّيْ أَنْ أَضْرِبَكَ عَلٰى تَضْيِيْعِ صَلٰوةِ الصُّبْحِ إِلٰى بَعْدِ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَأَضْرِبَكَ عَلٰى تَضْيِيْعِ صَلٰوةِ الظُّهْرِ إِلَى الْعَصْرِ وَأَضْرِبَكَ عَلٰى تَضْيِيْعِ صَلٰوةِ الْعَصْرِ إِلَى الْمَغْرِبِ وَأَضْرِبَكَ عَلٰى

پر سے بجلی کی طرح گذر جائیں گے، پانچویں یہ کہ حساب سے محفوظ رہیں گے۔اور جو شخص نماز میں سُستی کرتا ہے، اس کو پندرہ[15] طریقہ سے عذاب ہوتا ہے، پانچ[5] طرح دنیا میں اور تین[3] طرح سے موت کے وقت اور تین[3] طرح قبر میں اور تین[3] طرح قبر سے نکلنے کے بعد۔ دنیا کے پانچ[5] تو یہ ہیں: اوّل یہ کہ اس کی زندگی میں برکت نہیں رہتی، دوسرے یہ کہ صُلحاء[1] کا نور اس کے چہرہ سے ہٹا دیا جاتا ہے، تیسرے یہ کہ اس کے نیک کاموں کا اَجر ہٹا دیا جاتا ہے، چوتھے اس کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں، پانچویں یہ کہ نیک بندوں کی دعاؤں میں اس کا استحقاق[2] نہیں رہتا۔ اور موت کے وقت کے تین[3] عذاب یہ ہیں کہ اوّل ذِلّت سے مرتا ہے، دوسرے بھوکا مرتا ہے، تیسرے پیاس کی شدّت[3] میں موت آتی ہے، اگر سمندر بھی پی لے تو پیاس نہیں بجھتی۔ قبر کے تین[3] عذاب یہ ہیں: اوّل اس پر قبر اتنی تنگ ہو جاتی ہے کہ پسلیاں ایک دوسرے میں گُھس جاتی ہیں، دوسرے قبر میں آگ جلا دی جاتی ہے، تیسرے قبر میں ایک سانپ اس پر ایسی شکل کا مُسلّط[4] ہوتا ہے، جس کی آنکھیں آگ کی ہوتی ہیں اور ناخن لوہے کے، اتنے لانبے کہ ایک دن پورا چل کر ان کے ختم تک پہونچا جائے، اُس کی آواز بجلی کی کڑک کی طرح ہوتی ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ مجھے میرے رب نے تجھ پر مُسلّط کیا ہے کہ تجھے صبح کی نماز ضائع[5] کرنے کی وجہ سے آفتاب کے نکلنے تک مارے جاؤں اور ظہر کی نماز ضائع کرنے کی وجہ سے عصر تک مارے جاؤں اور پھر

حل لغات: (۱) نیک لوگ۔ (۲) حصہ، حق۔ (۳) زیادتی۔ (۴) مقرر۔ (۵) برباد۔

تَضْيِيعِ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ إِلَى الْعِشَاءِ وَأَضْرِبُكَ عَلٰى تَضْيِيعِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ إِلَى الْفَجْرِ. فَكُلَّمَا ضَرَبَهُ ضَرْبَةً يَّغُوْصُ فِي الْأَرْضِ سَبْعِيْنَ ذِرَاعًا فَلَا يَزَالُ فِي الْقَبْرِ مُعَذَّبًا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ. وَأَمَّا الَّتِيْ تُصِيْبُهُ عِنْدَ خُرُوْجِهٖ مِنَ الْقَبْرِ فِيْ مَوْقَفِ الْقِيٰمَةِ فَشِدَّةُ الْحِسَابِ، وَسَخَطُ الرَّبِّ، وَدُخُوْلُ النَّارِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ: فَإِنَّهٗ يَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَعَلٰى وَجْهِهٖ ثَلٰثَةُ أَسْطُرٍ مَّكْتُوْبَاتٍ: السَّطْرُ الْأَوَّلُ : يَا مُضَيِّعَ حَقِّ اللهِ. السَّطْرُ الثَّانِيْ : يَا مَخْصُوْصًا بِغَضَبِ اللهِ. الثَّالِثُ: كَمَا ضَيَّعْتَ فِي الدُّنْيَا حَقَّ اللهِ فَأَيِسِ الْيَوْمَ أَنْتَ مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ.

[وما ذكر في هذا الحديث من تفصيل العدد لا يطابق جملة الخمس عشرة؛ لأن المفصل

عصر کی نماز ضائع کرنے کی وجہ سے غروب تک اور مغرب کی نماز کی وجہ سے عشاء تک اور عشاء کی نماز کی وجہ سے صبح تک مارے جاؤں۔ جب وہ ایک دفعہ اس کو مارتا ہے تو اس کی وجہ سے وہ مردہ سترؔ ہاتھ زمین میں دھنس جاتا ہے، اسی طرح قیامت تک اس کو عذاب ہوتا رہے گا۔ اور قبر سے نکلنے کے بعد کے تینؔ عذاب یہ ہیں: ایک حساب سختی سے کیا جائے گا، دوسرے حق تعالیٰ شانہٗ کا اس پر غصہ ہوگا، تیسرے جہنم میں داخل کر دیا جائے گا، یہ کل میزانؔ چودہ ہوئی۔ ممکن ہے کہ پندرھواں بھول سے رہ گیا ہو؛ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کے چہرہ پر تین سطریں لکھی ہوئی ہوتی ہیں: پہلی سطر: او اللہ کے حق کو ضائع کرنے والے، دوسری سطر: او اللہ کے غصہ کے ساتھ مخصوص، تیسری سطر: جیسا کہ تو نے دنیا میں اللہ کے حق کو ضائع کیا، آج تُو اللہ کی رحمت سے مایوس ہے۔

أربع عشرة فقط. فلعل الرّاوي نسي الخامس عشر كذا في الزواجر لابن حجر المكي. قلت: وهو كذٰلك فإن أبا الليث السمرقندي ذكر الحديث في قرّة العيون فجعل ستة في الدنيا فقال: الخامسة: تمقته الخلائق في الدار الدنيا، والسادس: ليس له حظ في دعاء الصالحين. ثم ذكر الحديث بتمامه ولم يعزه إلى أحد. وفي تنبيه الغافلين للشيخ نصر بن محمد بن إبراهيم السمرقندي يقال: من داوم على الصلوات الخمس في الجماعة أعطاه الله خمس خصال، ومن تهاون بها في الجماعة عاقبه الله باثني عشر خصلة، ثلاثة في الدنيا، وثلاثة عند الموت، وثلاثة في القبر، وثلاثة يوم القيٰمة. ثم ذكر نحوها، ثم قال: وروي عن أبي ذر عن النبي ﷺ نحو هذا. وذكر السيوطي في ذيل اللآلي بعد ما أخرج بمعناه من تخريج ابن النجّار في تاريخ بغداد بسنده إلى أبي هريرة ؓ. قال في الميزان: هذا حديث باطل ركبه محمد بن علي بن عباس على أبي بكر بن زياد النيسابوري. قلت: لكن ذكر الحافظ في المنبّهات عن أبي هريرة ؓ مرفوعًا "الصَّلٰوةُ عِمَادُ الدِّيْنِ وَفِيْهَا عَشْرُ خِصَالٍ" الحديث. ذكرته في الهندية، وذكر الغزالي في دقائق الأخبار بنحو هذا أتم منه وقال: "مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا أَكْرَمَهُ اللهُ بِخَمْسِ عَشَرَةَ." إلخ مفصلا]

فائدہ: یہ حدیث پوری اگرچہ عام کتبِ حدیث میں مجھے نہیں ملی، لیکن اس میں جتنی قسم کے ثواب اور

حل لغات: ① تعداد۔

عذاب ذکر کیے گئے ہیں ان کی اکثر کی تائید بہت سی روایات سے ہوتی ہے، جن میں سے بعض پہلے گذر چکے اور بعض آگے آرہے ہیں اور پہلی روایات میں بے نمازی کا اسلام سے نکل جانا بھی مذکور ہے، تو پھر جس قدر عذاب ہو تھوڑا ہے؛ البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ جو کچھ مذکور ہے اور آئندہ آرہا ہے وہ سب اس فعل کی سزا ہے، اس کے مستحق سزا ہونے کے بعد اور اس دفعہ[1] کی فرد جرم کے ساتھ ہی ارشادِ خداوندی ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [سورۂ نساء:۴۸] کہ ''اللہ تعالیٰ شرک کی تو معافی نہیں فرمائیں گے، اس کے علاوہ جس کی دل چاہے، معافی فرمادیں گے''۔ اس آیتِ شریفہ اور اس جیسی آیات اور احادیث کی بناء پر اگر معاف فرمادیں تو زَہے[2] قسمت۔ احادیث میں آیا ہے کہ قیامت میں تین[3] عدالتیں ہیں: ایک کفر واسلام کی، اس میں بالکل بخشش نہیں۔ دوسری حقوق العباد کی، اس میں حق والے کا حق ضرور دلایا جائے گا، چاہے اُس سے لیا جائے جس کے ذمہ ہے یا اُس کو معاف کرنے کی مرضی ہو تو اپنے پاس سے دیا جائے گا۔ تیسری عدالت اللہ تعالیٰ کے اپنے حقوق کی ہے، اس میں بخشش کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔ اس بناء پر یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اپنے افعال[3] کی سزائیں تو یہی ہیں جو احادیث میں وارد ہوئیں، لیکن مراحِمِ[4] خُسرُوَانہ اس سے بالاتر[5] ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بعض قسم کے عذاب اور ثواب احادیث میں آئے ہیں۔ بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت فرماتے کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اگر کوئی دیکھتا تو بیان کردیتا، حضور ﷺ اُس کی تعبیر ارشاد فرمادیتے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حَسَبِ[6] معمول دریافت فرمایا، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ دو شخص آئے اور مجھے اپنے ساتھ لے گئے، اس کے بعد بہت لمبا خواب ذکر فرمایا، جس میں جنت، دوزخ اور اس میں مختلف قسم کے عذاب لوگوں کو ہوتے ہوئے دیکھے، مِنْجُمْلہ[7] ان کے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا سر پتھر سے کُچلا جارہا ہے اور اس زور سے پتھر مارا جاتا ہے کہ وہ پتھر لُڑھکتا ہوا دُور جا پڑتا ہے، اتنے اس کو اُٹھایا جاتا ہے وہ سر پھر ویسا ہی ہوجاتا ہے، تو دوبارہ اس کو زور سے مارا جاتا ہے، اسی طرح اس کے ساتھ برتاؤ کیا جارہا ہے، حضور ﷺ نے اپنے دونوں ساتھیوں سے جب دریافت فرمایا کہ یہ کون شخص ہے؟ تو انھوں نے بتایا کہ اس شخص نے قرآن شریف پڑھا تھا اور اس کو چھوڑ دیا تھا اور فرض نماز چھوڑ کر سوجاتا تھا۔ ایک دوسری حدیث میں اسی قسم کا ایک اور قصہ ہے، جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک جماعت کے ساتھ یہ برتاؤ دیکھا، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا، انھوں نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں، جو نماز میں سُستی کرتے تھے۔ [ترغیب] مجاہدؒ کہتے ہیں کہ جو لوگ نماز

حل لغات: ① قانون کے مطابق جرم ثابت ہونا۔ ② خوش قسمتی۔ ③ اعمال۔ ④ شاہی مہربانیاں۔ ⑤ بہت بلند۔ ⑥ عادت کے مطابق۔ ⑦ ان میں سے۔

کے اوقات معلوم کرنے کا اہتمام رکھتے ہیں، ان میں ایسی برکت ہوتی ہے جیسی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں ہوئی۔ [درمنثور]

حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص دنیا سے ایسے حال میں رُخصت ہو کہ اِخلاص کے ساتھ ایمان رکھتا ہو، اس کی عبادت کرتا ہو، نماز پڑھتا ہو، زکوٰۃ ادا کرتا ہو، تو وہ ایسی حالت میں دنیا سے رخصت ہوگا کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس سے راضی ہوں گے۔ [دُرِّمنثور] حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے حق تعالیٰ شانہٗ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ میں کسی جگہ عذاب بھیجنے کا ارادہ کرتا ہوں، مگر وہاں ایسے لوگوں کو دیکھتا ہوں جو مسجدوں کو آباد کرتے ہیں، اللہ کے واسطے آپس میں محبت رکھتے ہیں، اخیر راتوں میں اِستِغفار کرتے ہیں، تو عذاب کو موقوف[1] کر دیتا ہوں۔ [درمنثور] حضرت اَبُودَرْدَاء رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا، جس میں یہ لکھا کہ مسجد میں اکثر اوقات گزارا کرو، میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ مسجد متّقی کا گھر ہے اور اللہ جلَّ شانہٗ نے اس بات کا عہد[2] فرمالیا ہے کہ جو شخص مسجد میں اکثر رہتا ہے، اس پر رحمت کروں گا، اس کو راحت دوں گا اور قیامت میں پُل صراط کا راستہ آسان کر دوں گا اور اپنی رضا[3] نصیب کروں گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ مسجدیں اللہ کے گھر ہیں اور گھر آنے والے کا اِکرام ہوتا ہی ہے، اس لیے اللہ پر ان کا اکرام ضروری ہے، جو مسجدوں میں حاضر ہونے والے ہیں۔ ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص مسجد سے اُلفت[4] رکھے، حق تعالیٰ شانہٗ اس سے اُلفت رکھتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جب مُردہ قبر میں رکھ دیا جاتا ہے، تو جو لوگ قبر تک ساتھ گئے تھے، وہ ابھی تک واپس بھی نہیں ہوتے کہ فرشتے اس کے امتحان کے لیے آتے ہیں، اس وقت اگر وہ مومن ہے تو نماز اس کے سر کے قریب ہوتی ہے اور زکوٰۃ دائیں جانب اور روزہ بائیں جانب اور باقی جتنے بھلائی کے کام کیے تھے وہ پاؤں کی جانب ہو جاتے ہیں اور ہر طرف سے اس کا احاطہ[5] کر لیتے ہیں کہ اس کے قریب تک کوئی نہیں پہونچ سکتا، فرشتے دور ہی سے کھڑے ہو کر سوال کرتے ہیں۔ [دُرِّمنثور]

ایک صحابی ارشاد فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ کے گھر والوں پر خرچ کی کچھ تنگی ہوتی، تو آپ ﷺ ان کو نماز کا حکم فرماتے اور یہ آیت تلاوت فرماتے ﴿ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾ ﴾ [سورۃ طٰہٰ:۱۳۲]

’’اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجیے اور خود بھی اس کا اہتمام کرتے رہیے، ہم آپ سے روزی (کموانا) نہیں چاہتے روزی تو ہم دیں گے اور بہترین انجام پرہیزگاری ہی کا ہے‘‘۔

حل لغات: (۱) روک دینا۔ (۲) وعدہ۔ (۳) خوشنودی۔ (۴) محبت۔ (۵) گھیر لینا۔

بغیر حساب کتاب کے جنت میں جانے والے

حضرت اَسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے حضور ﷺ سے سنا کہ قیامت کے دن سارے آدمی ایک جگہ جمع ہوں گے اور فرشتہ جو بھی آواز دے گا سب کو سنائی دے گی، اُس وقت اعلان ہوگا: کہاں ہیں وہ لوگ جو راحت اور تکلیف ہر حال میں اللہ کی حمد[1] کرتے تھے؟ یہ سن کر ایک جماعت اُٹھے گی اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوجائے گی، پھر اعلان ہوگا: کہاں ہیں وہ لوگ جو راتوں کو عبادت میں مشغول رہتے تھے اور ان کے پہلو[2] بستروں سے دُور رہتے تھے؟ پھر ایک جماعت اٹھے گی اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوجائے گی، پھر اعلان ہوگا: کہاں ہیں وہ لوگ جن کو تجارت اور خرید وفروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی تھی؟ پھر ایک جماعت اٹھے گی اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوجائے گی۔ ایک اور حدیث میں بھی یہی قصہ آیا ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ اعلان ہوگا: آج محشر[3] والے دیکھیں گے کہ کریم لوگ کون ہیں اور اعلان ہوگا: کہاں ہیں وہ لوگ جن کو تجارتی مشاغل[4] اللہ کے ذکر اور نماز سے نہیں روکتے تھے۔ [درمنثور] شیخ نصر سَمَرقَندیؒ نے تَنبِیہُ الغَافِلِین میں بھی یہ حدیث لکھی ہے، اس کے بعد لکھا ہے کہ جب یہ حضرات بغیر حساب کتاب چھوٹ چکیں گے، تو جہنم سے ایک (عُنُق) لمبی گردن ظاہر ہوگی، جو لوگوں کو پھاندتی ہوئی چلی آئے گی، اس میں دو چمکدار آنکھیں ہوں گی اور نہایت فصیح[5] زبان ہوگی، وہ کہے گی کہ میں ہر اُس شخص پر مُسلَّط ہوں جو مُتَکبِّر[6] بدمزاج ہو اور مجمع میں سے ایسے لوگوں کو اس طرح چن لے گی، جیسا کہ جانور دانہ چُگتا[7] ہے، ان سب کو چن کر جہنم میں پھینک دے گی۔ اس کے بعد پھر اسی طرح دوبارہ نکلے گی اور کہے گی کہ اب میں ہر اُس شخص پر مُسلَّط ہوں، جس نے اللہ کو اور اس کے رسول کو ایذا[8] دی، ان لوگوں کو بھی جماعت سے چُن کر لے جائے گی، اس کے بعد سہ[9] بارہ پھر نکلے گی اور اس مرتبہ تصویر والوں کو چن کر لے جائے گی، اس کے بعد جب یہ تینوں قسم کے آدمی مجمع سے چھَٹ[10] جائیں گے، تو حساب کتاب شروع ہوگا۔

کہتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں شیطان آدمیوں کو نظر آجاتا تھا، ایک صاحب نے اس سے کہا کہ کوئی ترکیب ایسی بتا کہ میں بھی تجھ جیسا ہو جاؤں۔ شیطان نے کہا کہ ایسی فرمائش تو آج تک مجھ سے کسی نے بھی نہیں کی، تجھے اس کی کیا ضرورت پیش آئی؟ انہوں نے کہا: میرا دل چاہتا ہے۔ شیطان نے کہا: اس کی ترکیب یہ ہے کہ نماز میں سُستی کر اور قسم کھانے میں ذرا پرواہ نہ کر، جھوٹی سچّی ہر طرح کی قسمیں کھایا کر۔ ان صاحب نے کہا کہ میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ کبھی نماز نہ چھوڑوں گا اور کبھی قسم نہ کھاؤں گا۔ شیطان نے کہا کہ تیرے سوا مجھ سے چال کے ساتھ کسی نے کچھ نہیں لیا، میں نے بھی عہد کرلیا کہ آدمی کو کبھی نصیحت نہیں کروں گا۔

حل لغات: (۱) تعریف۔ (۲) بازو مراد جسم۔ (۳) میدانِ قیامت۔ (۴) کام۔ (۵) صحیح اور آسان الفاظ سے بات کرنا۔ (۶) گھمنڈی۔ (۷) کھانا۔ (۸) تکلیف۔ (۹) تیسری بار۔ (۱۰) الگ ہونا۔

حضرت اُبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس امت کو رُفعت[1] وعزّت اور دین کے فروغ[2] کی بشارت دو، لیکن دین کے کسی کام کو جو شخص دنیا کے واسطے کرے آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔[ترغیب] ایک حدیث میں آیا ہے: حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے حق تعالیٰ شانہ کی بہترین صورت میں زیارت کی، مجھ سے ارشاد ہوا کہ محمد! مَلَاءِ اعلیٰ والے یعنی فرشتے کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا: مجھے تو علم نہیں، تو حق تعالیٰ شانہ نے اپنا دست[3] مبارک میرے سینے پر رکھ دیا، جس کی ٹھنڈک سینہ کے اندر تک محسوس ہوئی اور اس کی برکت سے تمام عالَم مجھ پر مُنکشِف[4] ہوگیا، پھر مجھ سے ارشاد فرمایا: اب بتاؤ فرشتے کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ درجہ بلند کرنے والی چیزوں میں اور ان چیزوں میں جو گناہوں کا کفّارہ[5] ہوجاتی ہیں اور جماعت کی نماز کی طرف جو قدم اٹھتے ہیں ان کے ثواب میں اور سردی کے وقت وضو کو اچھی طرح سے کرنے کے فضائل میں اور ایک نماز کے بعد سے دوسری نماز تک انتظار میں بیٹھے رہنے کی فضیلت میں، جو شخص ان کا اہتمام کرے گا، بہترین حالت میں زندگی گذارے گا اور بہترین حالت میں مرے گا۔

اِشراق کی نماز

متعدّد احادیث میں آیا ہے: حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں: اے ابن آدم! تو دن کے شروع میں میرے لیے چار رکعت پڑھ لیا کر، میں تمام دن کے تیرے کام بنادیا کروں گا۔

تَنبِیہُ الْغَافِلِین میں ایک حدیث لکھی ہے کہ نماز اللہ کی رَضا کا سبب ہے، فرشتوں کی محبوب چیز ہے، انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، اس سے معرفت[6] کا نُور پیدا ہوتا ہے، دعا قبول ہوتی ہے، رزق میں برکت ہوتی ہے، یہ ایمان کی جڑ ہے، بدن کی راحت ہے، دشمن کے لیے ہتھیار ہے، نمازی کے لیے سِفارشی ہے، قبر میں چراغ ہے اور اس کی وحشت[7] میں دل بہلانے والی ہے، مُنکَر نکیر کے سوال کا جواب ہے اور قیامت کی دھوپ میں سایہ ہے اور اندھیرے میں روشنی ہے، جہنم کی آگ کے لیے آڑ ہے، اعمال کی ترازو کا بوجھ ہے، پل صراط پر جلدی سے گذارنے والی ہے، جنت کی کُنجی ہے۔ حافظ ابنِ حَجَرؒ نے مُنبِّہات میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص نماز کی مُحافَظَت[8] کرے، اوقات کی پابندی کے ساتھ اس کا اہتمام کرے؛ حق تعالیٰ شانہٗ نَو چیزوں کے ساتھ اس کا اکرام فرماتے ہیں: اوّل یہ کہ اس کو خود محبوب رکھتے ہیں، دوسرے: تندرستی عطا فرماتے ہیں، تیسرے: فرشتے اس کی حفاظت فرماتے ہیں، چوتھے: اس کے گھر میں برکت عطا فرماتے ہیں، پانچویں: اس کے چہرہ پر صُلَحَاء[9] کے اَنوار ظاہر ہوتے ہیں، چھٹے: اس کا دل نرم فرماتے ہیں، ساتویں: وہ پُل صراط پر بجلی کی طرح سے گزر جائے گا، آٹھویں: جہنم سے نجات

حل لغات: (۱) بلند درجہ۔ (۲) ترقی۔ (۳) ہاتھ۔ (۴) ظاہر۔ (۵) گناہ کو ختم کرنے والی چیز۔ (۶) اللہ کی پہچان۔ (۷) گھبراہٹ، اداسی۔ (۸) حفاظت۔ (۹) نیک لوگ۔

فرمادیتے ہیں، نویں: جنت میں ایسے لوگوں کا پڑوس نصیب ہوگا جن کے بارے میں ﴿ لَاخَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَاهُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴾ الاٰیة [سورۂ بقرہ] وارد ہے، یعنی قیامت میں نہ ان کو کوئی خوف ہوگا، نہ وہ غمگین ہوں گے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز دین کا سُتون ہے اور اس میں دس خوبیاں ہیں: چہرہ کی رونق ہے، دل کا نور ہے، بدن کی راحت اور تندرستی کا سبب ہے، قبر کا اُنس① ہے، اللہ کی رحمت اُترنے کا ذریعہ ہے، آسمان کی کُنجی② ہے، اعمال ناموں کی ترازو کا وزن ہے (کہ اس سے نیک اَعمال کا پلڑا بھاری ہوجاتا ہے) اللہ کی رَضا کا سبب ہے، جنت کی قیمت ہے اور دوزخ کی آڑ ہے، جس شخص نے اس کو قائم کیا، اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے اس کو چھوڑا اپنے دین کو گرادیا۔ [مُنَبِّہاتِ ابنِ حجر] ایک حدیث میں وارد ہوا کہ گھر میں نماز پڑھنا نور ہے، نماز سے اپنے گھروں کو منوّر③ کیا کرو۔ [جامع صغیر] اور یہ تو مشہور حدیث ہے کہ میری اُمت قیامت کے دن وضو اور سجدے کی وجہ سے روشن ہاتھ پاؤں والی، روشن چہرہ والی ہوگی، اُسی علامت سے دوسری امتوں سے پہچانی جائے گی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب آسمان سے کوئی بلا، آفت نازل ہوتی ہے، تو مسجد کے آباد کرنے والوں سے ہٹالی جاتی ہے۔ [جامع صغیر] متعدد احادیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنّم پر حرام کردیا ہے کہ سجدہ کے نشان کو جلائے (یعنی اگر اپنے اعمالِ بد کی وجہ سے وہ جہنّم میں داخل بھی ہوگا، تو سجدہ کا نشان جس جگہ ہوگا، اس پر آگ کا اثر نہ ہوسکے گا۔) ایک حدیث میں ہے کہ نماز شیطان کا مُنہ کالا کرتی ہے اور صدقہ اس کی کمر توڑ دیتا ہے۔ [جامع صغیر] ایک جگہ ارشاد ہے کہ نماز شِفا ہے۔ [جامع صغیر] دوسری جگہ اس کے متعلق ایک قصہ نقل کیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ پیٹ کے بل لیٹے ہوئے تھے، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا پیٹ میں درد ہے؟ عرض کیا: جی ہاں۔ فرمایا: اُٹھ! نماز پڑھ، نماز میں شفا ہے۔ [ابنِ کثیر]

تَحِیَّةُ الوُضوء

حضورِ اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ جنت کو خواب میں دیکھا، تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے جوتوں کے گھسٹنے کی آواز بھی سنائی دی، صبح کو حضور ﷺ نے پوچھا کہ تیرا وہ خصوصی عمل کیا ہے جس کی وجہ سے جنت میں بھی تُو (دنیا کی طرح سے) میرے ساتھ ساتھ چلتا رہا، عرض کیا کہ رات دن میں جس وقت بھی میری وضو ٹوٹ جاتی ہے تو وضو کرتا ہوں، اس کے بعد (تَحِیَّةُ الوضو کی) نماز جتنی مَقدُور④ ہو، پڑھتا ہوں۔ [فتح] سفیریؒ نے کہا ہے کہ صبح کی نماز چھوڑنے والے کو ملائکہ ''او فاجِر⑤'' سے پکارتے ہیں اور ظہر کی نماز چھوڑنے والے کو ''او خاسِر⑥'' (خسارہ والے) اور عصر کی نماز چھوڑنے والے کو ''عاصی⑦'' سے اور مغرب کی نماز چھوڑنے والے

حل لغات: ① یعنی ساتھی، جی بہلانے کا ذریعہ۔ ② چابی۔ ③ روشن۔ ④ طاقت۔ ⑤ بدکار۔ ⑥ نقصان اُٹھانے والا۔ ⑦ نافرمان۔

کو ''کافر'' سے اور عشاء کی نماز چھوڑنے والے کو ''اُو مُضَيِّع'' (اللہ کا حق ضائع کرنے والے) سے پکارتے ہیں۔ [غَالِيَةُ الْمَوَاعِظ] علّامہ شَعرانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات سمجھ لینا چاہیے کہ مصیبت ہر اُس آبادی سے ہٹادی جاتی ہے کہ جہاں کے لوگ نمازی ہوں، جیسا کہ ہر اُس آبادی پر نازل ہوتی ہے جہاں کے لوگ نمازی نہ ہوں۔ ایسی جگہوں میں زلزلوں کا آنا، بجلیوں کا گرنا، مکانوں کا دھنس جانا، کچھ بھی مُستَبعَد[1] نہیں اور کوئی یہ خیال نہ کرے کہ میں تو نمازی ہوں، مجھے دوسروں سے کیا غرض، اس لیے کہ جب بلا[2] نازل ہوتی ہے تو عام ہوا کرتی ہے۔ (خود حدیث شریف میں مذکور ہے: کسی نے سوال کیا کہ ہم لوگ ایسی صورت میں ہلاک ہوسکتے ہیں کہ ہم میں صلحاء[3] موجود ہوں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں! جب خباثت[4] کا غلبہ ہوجائے، اس لیے کہ ان کے ذِمّہ یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی وُسعت[5] کے موافق دوسروں کو بُری باتوں سے روکیں اور اچھی باتوں کا حکم کریں۔ [لَوَاقِحُ الْأَنْوَار]

⑧ رُوِيَ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ والسَّلَامُ قَالَ: مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ حَتّٰى مَضٰى وَقْتُهَا، ثُمَّ قَضٰى عُذِّبَ فِي النَّارِ حُقُبًا، وَالْحُقُبُ ثَمَانُوْنَ سَنَةً، وَالسَّنَةُ ثَلٰثُ مِائَةٍ وَّسِتُّوْنَ يَوْمًا، كُلُّ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ أَلْفَ سَنَةٍ.	حضور ﷺ سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص نماز کو قضا کردے، گو وہ بعد میں پڑھ بھی لے، پھر بھی اپنے وقت پر نہ پڑھنے کی وجہ سے ایک حُقُب جہنم میں جلے گا اور حُقُب کی مقدار اَسّی (۸۰) برس کی ہوتی ہے اور ایک برس تین سوساٹھ (۳۶۰) دن کا اور قیامت کا ایک دن ایک ہزار (۱۰۰۰) برس کے برابر ہوگا (اس حساب سے ایک حُقُب کی مقدار: دوکروڑ اَٹھاسی لاکھ (۲۸۸۰۰۰۰۰) برس ہوئی)۔

[كذا في مجالس الأبرار قلت: لم أجده فيما عندي من كتب الحديث إلا أن مجالس الأبرار مدحه شيخ مشائخنا الشاه عبد العزيز الدهلوي رحمه الله. ثم قال الراغب في قوله تعالى: لبثين فيها أحقابا. قيل: جمع الحقب أي الدهر. قيل: والحقبة ثمانون عاما، والصحيح أن الحقبة مدة من الزمان مبهمة. وأخرج ابن كثير في تفسير قوله تعالى: فويل للمصلين الذين هم عن صلاتهم ساهون، عن ابن عباس: أن في جهنم لواديا تستعيذ جهنم من ذلك الوادي في كل يوم أربع مائة مرة، أعد ذلك الوادي للمرائين من أمة محمد. الحديث. وذكر أبو الليث السمرقندي في قرة العيون عن ابن عباس: وهو مسكن من يؤخر الصلوٰة عن وقتها. وعن سعد بن أبي وقاص مرفوعا: الذين هم عن صلاتهم ساهون قال: هم الذين يؤخرون الصلوٰة عن وقتها. وصحح الحاكم و البيهقي وقفه. وأخرج الحاكم عن عبد الله في قوله تعالى: فسوف يلقون غيا، قال: واد في جهنم بعيد القعر خبيث الطعم وقال: صحيح الإسناد]

فائدہ: حُقُب کے معنی لغت میں بہت زیادہ زمانہ کے ہیں، اکثر حدیثوں میں اُس کی مقدار یہی آئی ہے جو اوپر گذری، یعنی اَسّی (۸۰) سال، دُرِ منثور میں متعدّد روایات سے یہی مقدار منقول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہِلال ہَجَریؒ سے دریافت فرمایا کہ حُقُب کی کیا مقدار ہے؟ انہوں نے کہا کہ حُقُب اَسّی (۸۰) برس کا ہوتا ہے اور

حل لغات: ① دور۔ ② مصیبت۔ ③ نیک لوگ۔ ④ برائی۔ ⑤ گنجائش۔

ہر برس بارہ[۱۲] مہینے کا اور ہر مہینہ تیس[۳۰] دن کا اور ہر دن ایک ہزار[۱۰۰۰] برس کا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح روایت سے اَسّی[۸۰] برس منقول ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خود حضورِ اقدس ﷺ سے یہی نقل کیا ہے کہ ایک حُقُب اَسّی[۸۰] سال کا ہوتا ہے اور ایک سال تین سو ساٹھ[۳۶۰] دن کا اور ایک دن تمہارے دنوں کے اعتبار سے (یعنی دنیا کے موافق) ایک ہزار[۱۰۰۰] دن کا، یہی مضمون حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی حضور ﷺ سے نقل فرمایا ہے، اس کے بعد حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس بھروسہ پر نہیں رہنا چاہیے کہ ایمان کی بدولت جہنم سے آخر نکل جائیں گے، اتنے سال یعنی دو کروڑ اٹھاسی لاکھ[۲۸۸۰۰۰۰۰] برس جلنے کے بعد نکلنا ہوگا، وہ بھی جب ہی کہ کوئی اور وجہ زیادہ پڑے رہنے کی نہ ہو۔ اس کے علاوہ اور بھی کچھ مقدار اس سے کم و زیادہ حدیث میں آئی ہے، مگر اوّل تو اوپر والی مقدار کئی حدیثوں میں آئی ہے اس لیے یہ مُقدَّم ہے، دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ آدمیوں کی حالت کے اعتبار سے کم و بیش[۱] ہو۔

ابو اللَّیث سَمَرقَندیؒ نے قُرَّۃُ العُیُون میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے: جو شخص ایک فرض نماز بھی جان بوجھ کر چھوڑ دے، اس کا نام جہنم کے دروازہ پر لکھ دیا جاتا ہے اور اس کو اس میں جانا ضروری ہے۔ اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ کہو کہ اے اللہ! ہم میں کسی کو شَقِی محروم نہ کر۔ پھر فرمایا: جانتے ہو شَقِی محروم کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اِستِفسار[۲] پر ارشاد فرمایا کہ شَقِی محروم نماز کا چھوڑنے والا ہے، اس کا کوئی حصہ اسلام میں نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ دیدہ و دانستہ[۳] بلا عذر[۴] نماز چھوڑنے والے کی طرف حق تعالیٰ قیامت میں اِلتفات[۵] ہی نہ فرمائیں گے اور عَذَابٌ اَلِیۡمٌ (دکھ دینے والا عذاب) اس کو دیا جائے گا۔ ایک حدیث سے نقل کیا گیا ہے کہ دس[۱۰] آدمیوں کو خاص طور سے عذاب ہوگا مِنجُملہ[۶] ان کے نماز کا چھوڑنے والا بھی ہے کہ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہوں گے اور فرشتے منہ اور پُشت[۷] پر ضَرب[۸] لگا رہے ہوں گے، جنت کہے گی کہ میرا تیرا کوئی تعلق نہیں، نہ میں تیرے لیے، نہ تو میرے لیے، دوزخ کہے گی کہ آجا میرے پاس آجا، تُو میرے لیے ہے، میں تیرے لیے۔ یہ بھی نقل کیا ہے کہ جہنّم میں ایک وادی (جنگل) ہے، جس کا نام ہے لَم لَم، اس میں سانپ ہیں جو اونٹ کی گردن کے برابر موٹے ہیں اور ان کی لمبائی ایک مہینے کی مَسافت[۹] کے برابر ہے، اس میں نماز چھوڑنے والوں کو عذاب دیا جائے گا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک میدان ہے، جس کا نام جُبُّ الحُزن ہے، وہ بچھوؤں کا گھر ہے اور ہر بچّھو خچّر کی برابر بڑا ہے، وہ بھی نماز چھوڑنے والوں کو ڈسنے کے لیے ہیں۔ ہاں مولائے کریم معاف کردے، تو کون پوچھنے والا ہے؟ مگر کوئی معافی چاہے بھی تو۔ ابن حجرؒ نے زَواجِر میں لکھا ہے کہ ایک عورت

حل لغات: (۱) کم اور زیادہ۔ (۲) پوچھنا۔ (۳) جان بوجھ کر۔ (۴) بغیر کسی مجبوری کے (۵) توجہ۔ (۶) ان میں سے۔ (۷) پیٹھ۔ (۸) مارنا۔ (۹) دوری۔

کا انتقال ہوگیا تھا، اس کا بھائی دفن میں شریک تھا، اتفاق سے دفن کرتے ہوئے ایک تھیلی قبر میں گر گئی، اس وقت خیال نہیں آیا، بعد میں یاد آئی تو بہت رنج ہوا، چپکے سے قبر کھول کر نکالنے کا ارادہ کیا، قبر کو کھولا تو وہ آگ کے شعلوں سے بھر رہی تھی۔ روتا ہوا ماں کے پاس آیا اور حال بیان کیا اور پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ ماں نے بتایا کہ وہ نماز میں سُستی کرتی تھی اور قضا کر دیتی تھی۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهَا.[1]

⑨ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : لَا سَهْمَ فِي الإِسْلَامِ لِمَنْ لَا صَلٰوةَ لَهٗ ، وَلَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَا وُضُوْءَ لَهٗ.	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اسلام میں کوئی بھی حصہ نہیں اُس شخص کا جو نماز نہ پڑھتا ہو اور بے وضو کی نماز نہیں ہوتی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ دین بغیر نماز کے نہیں ہے، نماز دین کے لیے ایسی ہے، جیسا آدمی کے بدن کے لیے سر ہوتا ہے۔

[أخرجه البزار. وأخرج الحاكم عن عائشة مرفوعًا وصححه: ثَلٰثٌ أَحْلِفُ عَلَيْهِنَّ لَا يَجْعَلُ اللّٰهُ مَن لَّهٗ سَهْمٌ فِي الْإِسْلَامِ كَمَن لَّا سَهْمَ لَهٗ . وَسِهَامُ الإِسْلَامِ: الصَّوْمُ وَالصَّلٰوةُ وَالصَّدَقَةُ . الحديث. وأخرج الطبراني في الأوسط عَنِ ابْنِ عُمَرَ ﷺ مَرْفُوْعًا : لَا دِيْنَ لِمَنْ لَا صَلٰوةَ لَهٗ إِنَّمَا مَوْضِعُ الصَّلٰوةِ مِنَ الدِّيْنِ كَمَوْضِعِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ . كذا في الدر المنثور.]

فائدہ: جو لوگ نماز نہ پڑھ کر اپنے کو مسلمان کہتے ہیں یا حَمِیَّت[2] اسلام کے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں، وہ حضور اقدس ﷺ کے ان ارشادات پر ذرا غور کر لیں اور جن اَسلاف[3] کی کامیابیوں تک پہنچنے کے خواب دیکھتے ہیں، ان کے حالات کی بھی تحقیق کریں کہ وہ دین کو کس مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے، پھر دنیا اُن کے قدم کیوں نہ چُومتی۔ حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ کی آنکھ میں پانی اُتر آیا، لوگوں نے عرض کیا کہ اس کا علاج تو ہوسکتا ہے، مگر چند روز آپ نماز نہ پڑھ سکیں گے، اُنہوں نے فرمایا: یہ نہیں ہوسکتا، میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص نماز نہ پڑھے وہ اللہ جلّ شانہٗ کے یہاں ایسی حالت میں حاضر ہوگا کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس پر ناراض ہوں گے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ لوگوں نے کہا: پانچ دن لکڑی پر سجدہ کرنا پڑے گا۔ انھوں نے فرمایا کہ ایک رکعت بھی اس طرح نہیں پڑھوں گا۔ عمر بھر بینائی[4] کو صبر کر لینا ان حضرات کے یہاں اس سے سہل[5] تھا کہ نماز چھوڑیں، حالانکہ اس عُذر[6] کی وجہ سے نماز کا چھوڑنا جائز بھی تھا۔ حضرت عمر ﷺ کے اخیر زمانہ میں جب برچھا مارا گیا، تو ہر وقت خون جاری رہتا تھا اور اکثر اوقات غفلت رہتی تھی، حتیٰ کہ اسی حالت میں وصال[7] بھی ہوگیا، مگر بیماری کے ان دنوں میں جب نماز کا وقت ہو جاتا، تو ان کو ہوشیار کیا جاتا اور نماز کی درخواست کی جاتی، وہ اسی حالت میں نماز ادا کرتے اور یہ فرماتے کہ ہاں ہاں ضرور، جو شخص نماز نہ پڑھے اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ ہمارے یہاں بیمار کی خیر خواہی،[8] راحت رَسانی[9] اس میں سمجھی جاتی ہے کہ اس کو نماز کی تکلیف نہ دی جائے، بعد میں فدیہ[10] دے دیا جائے گا،

حل لغات: ① اللہ تعالیٰ اس سے ہماری حفاظت فرمائے۔ ② اسلامی غیرت۔ ③ بزرگوں۔ ④ یعنی نابینا رہنا۔ ⑤ آسان۔ ⑥ تکلیف۔ ⑦ انتقال۔ ⑧ بھلائی۔ ⑨ آرام پہنچانا۔ ⑩ وہ رقم جو نماز وغیرہ کے بدلہ میں دی جائے۔

ان حضرات کے یہاں خیر خواہی یہ تھی جو عبادت بھی چلتے چلاتے کر سکے، دَرِیغ[1] نہ کیا جائے۔

بَبِیں تفاوتِ[2] رہ از کُجاست تا بہ کُجا

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے ایک خادم مانگا کہ کاروبار میں مدد کرے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ تین غلام ہیں، جو پسند ہو لے لو، انھوں نے عرض کیا: آپ ہی پسند فرما دیں، حضور ﷺ نے ایک شخص کے متعلق فرمایا کہ اس کو لے لو، یہ نمازی ہے، مگر اس کو مارنا نہیں، ہمیں نمازیوں کے مارنے کی ممانعت[3] ہے۔ اس قسم کا واقعہ ایک اور صحابی ابُوالہَیثَم رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ہوا، انھوں نے بھی حضور ﷺ سے غلام مانگا تھا۔ اس کے بالمقابل ہمارا ملازم نمازی بن جائے، تو ہم اس کو طَعَن[4] کرتے ہیں اور حماقت[5] سے اس کی نماز میں اپنا حرج[6] سمجھتے ہیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ پر ایک مرتبہ غلبۂ حال[7] ہوا، تو سات روز تک گھر میں رہے، نہ کھاتے تھے، نہ پیتے تھے، نہ سوتے تھے۔ شیخ کو اس کی اطلاع[8] کی گئی، دریافت کیا کہ نماز کے اوقات تو محفوظ رہتے ہیں۔ (یعنی نماز کے اوقات کا تو اہتمام رہتا ہے) لوگوں نے عرض کیا کہ نماز کے اوقات بے شک محفوظ ہیں، فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَجْعَلْ لِلشَّيْطَانِ عَلَيْهِ سَبِيْلًا (تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، جس نے شیطان کو اس پر مُسلَّط نہ ہونے دیا)۔ [بہجۃ النفوس]

بابِ دوم: جماعت کے بیان میں

جیسا کہ شروع رسالہ میں لکھا جا چکا ہے، بہت سے حضرات نماز پڑھتے ہیں؛ لیکن جماعت کا اہتمام نہیں کرتے، حالانکہ نبی اکرم ﷺ سے جس طرح نماز کے بارے میں بہت سخت تاکید آئی ہے، اسی طرح جماعت کے بارے میں بھی بہت سی تاکیدیں وارد ہوئی ہیں۔ اس باب میں بھی دو فصلیں ہیں: پہلی فصل: جماعت کے فضائل میں۔ دوسری فصل: جماعت کے چھوڑنے پر عتاب[9] میں۔

فصل اوّل: جماعت کے فضائل میں

اجر میں ستائیس گُنا اضافہ

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ مِنْ صَلٰوةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً. [رواه مالك والبخاري ومسلم والترمذي والنسائي كذا في الترغيب]	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جماعت کی نماز، اکیلے کی نماز سے ستائیس درجہ زیادہ ہوتی ہے۔

حل لغات: (۱) کوتاہی، کمی۔ (۲) دیکھ کہ راستے کا فرق کہاں سے کہاں تک ہے۔ (۳) منع۔ (۴) برا بھلا کہنا۔ (۵) بے وقوفی۔ (۶) نقصان۔ (۷) ایک خاص کیفیت جو اللہ والوں پر ظاہر ہوتی ہے۔ (۸) خبر۔ (۹) وعید۔

فائدہ: جب آدمی نماز پڑھتا ہے اور ثواب ہی کی نیت سے پڑھتا ہے، تو معمولی سی بات ہے کہ گھر میں نہ پڑھے، مسجد میں جا کر جماعت سے پڑھ لے کہ نہ اس میں کچھ مشقت[1] ہے، نہ دِقت[2] اور اتنا بڑا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ کون شخص ایسا ہوگا، جس کو ایک روپے کے ستائیس یا اٹھائیس روپے ملتے ہوں اور وہ ان کو چھوڑ دے؛ مگر دین کی چیزوں میں اتنے بڑے نفع سے بھی بے توجُّہی کی جاتی ہے۔ اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہوسکتی ہے کہ ہم لوگوں کو دین کی پروا نہیں، اس کا نفع ہم لوگوں کی نگاہ میں نفع نہیں۔ دنیا کی تجارت جس میں ایک آنہ دو آنہ فی روپیہ نفع ملتا ہے، اس کے پیچھے دن بھر خاک[3] چھانتے ہیں، آخرت کی تجارت جس میں ستائیس[27] گُنا نفع ہے، وہ ہمارے لیے مصیبت ہے۔ جماعت کی نماز کے لیے جانے میں دوکان کا نقصان سمجھا جاتا ہے، بِکری کا بھی نقصان بتایا جاتا ہے، دوکان کے بند کرنے کی بھی دِقت کہی جاتی ہے؛ لیکن جن لوگوں کے یہاں اللہ جلَّ شانہٗ کی عظمت ہے، اللہ کے وعدوں پر ان کو اطمینان ہے، اس کے اجر و ثواب کی کوئی قیمت ہے، ان کے یہاں یہ لَچر[4] عذر کچھ بھی وَقعَت[5] نہیں رکھتے، ایسے ہی لوگوں کی اللہ جلَّ شانہٗ نے کلام پاک میں تعریف فرمائی ہے ﴿ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ ﴾ [سورۂ نور: ۳۷] الآیۃ۔ تیسرے باب کے شروع میں پوری آیت مع ترجمہ موجود ہے اور صحابۂ کرام ﷡ کا جو معمول[6] اذان کے بعد اپنی تجارت کے ساتھ تھا وہ ''حکایاتِ صحابہ'' کے پانچویں باب میں مختصر طور پر گذر چکا۔

سالِم حَدّادؒ ایک بزرگ تھے، تجارت کرتے تھے، جب اذان کی آواز سنتے تو رنگ متغیر[7] ہوجاتا اور زرد[8] پڑ جاتا، بے قرار ہوجاتے، دوکان کھلی چھوڑ کر کھڑے ہوجاتے اور یہ اشعار پڑھتے۔

إِذَا مَا دَعَا دَاعِيكُمْ قُمْتُ مُسْرِعًا　　　مُجِيبًا لِّمَوْلٰى جَلَّ لَيْسَ لَهٗ مِثْلٌ

جب تمہارا مُنادِی (مُؤَذِّن) پکارنے کے واسطے کھڑا ہوجاتا ہے، تو میں جلدی سے کھڑا ہوجاتا ہوں، ایسے مالک کی پکار کو قبول کرتے ہوئے جس کی بڑی شان ہے، اس کا کوئی مِثل نہیں۔

أُجِيبُ إِذَا نَادٰى بِسَمْعٍ وَّطَاعَةٍ　　　وَبِيْ نَشْوَةٌ لَّبَّيْكَ يَامَنْ لَّهُ الْفَضْلُ

جب وہ مُنادِی (مُؤَذِّن) پکارتا ہے تو میں بَحالتِ[9] نِشاط اطاعت و فرماں برداری کے ساتھ جواب میں کہتا ہوں کہ اے فضل و بزرگی والے ''لبَّیک''، یعنی حاضر ہوتا ہوں۔

وَيَصْفِرُ لَوْنِيْ خِيفَةً وَّمَهَابَةً　　　وَيَرْجِعُ لِيْ عَنْ كُلِّ شُغْلٍ بِهٖ شُغْلٌ

اور میرا رنگ خوف اور ہیبت[10] سے زرد پڑ جاتا ہے اور اس پاک ذات کی مشغولی مجھے ہر کام سے بے خبر کر دیتی ہے۔

حل لغات: (۱) تکلیف۔ (۲) دشواری۔ (۳) محنت و مشقت کرنا۔ (۴) بیکار۔ (۵) اہمیت۔ (۶) عمل۔ (۷) بدل جانا۔ (۸) پیلا۔ (۹) خوشی کی حالت۔ (۱۰) ڈر۔

وَحَقِّكُمْ مَا لَذَّنِيْ غَيْرُ ذِكْرِكُمْ　　　　وَذِكْرُ سِوَاكُمْ فِيْ فَمِيْ قَطُّ لَا يَحْلُوْ

تمہارے حق کی قسم! تمہارے ذکر کے سوا مجھے کوئی چیز بھی لذیذ نہیں معلوم ہوتی اور تمہارے سوا کسی کے ذکر میں بھی مجھے مزہ نہیں آتا۔

مَتٰى يَجْمَعُ الْأَيَّامُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ　　　　وَيَفْرَحُ مُشْتَاقٌ إِذَا جَمَعَ الشَّمْلُ

دیکھیے زمانہ مجھ کو اور تم کو کب جمع کرے گا اور مُشتاق[1] تو جب ہی خوش ہوتا ہے، جب اِجتماع نصیب ہوتا ہے۔

فَمَنْ شَاهَدَتْ عَيْنَاهُ نُوْرَ جَمَالِكُمْ　　　　يَمُوْتُ اشْتِيَاقًا نَحْوَكُمْ قَطُّ لَا يَسْلُوْ

جس کی آنکھوں نے تمہارے جمال[2] کا نور دیکھ لیا ہے، تمہارے اِشتیاق[3] میں مرجائے گا، کبھی بھی تسلی نہیں پاسکتا۔　[نُزْھہ]

حدیث میں آیا ہے کہ (جو لوگ کثرت سے مسجد میں جمع رہتے ہوں وہ) مسجد کے کھونٹے[4] ہیں، فرشتے اُن کے ہم نشین[5] ہوتے ہیں، اگر وہ بیمار ہوجائیں تو فرشتے ان کی عِیادت[6] کرتے ہیں اور وہ کسی کام کو جائیں تو فرشتے ان کی اِعانت[7] کرتے ہیں۔　[حاکم]

اَجر میں پچیس گنا اِضافہ[8]

② عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷛ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : صَلٰوةُ الرَّجُلِ فِيْ جَمَاعَةٍ تَضْعَفُ عَلٰى صَلٰوتِهٖ فِيْ بَيْتِهٖ وَفِيْ سُوْقِهٖ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ ضِعْفًا ، وَذٰلِكَ أَنَّهٗ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُخْرِجُهٗ إِلَّا الصَّلٰوةُ ، لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً إِلَّا رُفِعَتْ لَهٗ بِهَا دَرَجَةٌ وَّحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةٌ ، فَإِذَا صَلّٰى لَمْ تَزَلِ الْمَلٰئِكَةُ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ مَادَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ مَالَمْ يُحْدِثْ : اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ ، وَلَا يَزَالُ فِيْ صَلٰوةٍ مَا انْتَظَرَ الصَّلٰوةَ.	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی کی وہ نماز جو جماعت سے پڑھی گئی ہو، اس نماز سے جو گھر میں پڑھ لی ہو یا بازار میں پڑھ لی ہو، پچیس[25] درجہ المُضاعَف[9] ہوتی ہے اور بات یہ ہے کہ جب آدمی وضو کرتا ہے اور وضو کو کمال[10] درجہ تک پہونچا دیتا ہے، پھر مسجد کی طرف صرف نماز کے ارادہ سے چلتا ہے کوئی اور ارادہ اس کے ساتھ شامل نہیں ہوتا، تو جو قدم بھی رکھتا ہے اس کی وجہ سے ایک نیکی بڑھ جاتی ہے اور ایک خطا[11] معاف ہوجاتی ہے اور پھر جب نماز پڑھ کر اسی جگہ بیٹھا رہتا ہے، تو جب تک وہ باوُضو بیٹھا رہے گا؛ فرشتے اُس کے لیے مغفرت اور رحمت

حل لغات: ① چاہنے والا۔ ② حُسن۔ ③ شوق۔ ④ وہ چیز جو مضبوطی سے گاڑ دی جائے۔ ⑤ ساتھی۔ ⑥ بیمار کا حال پوچھنا۔ ⑦ مدد۔ ⑧ زیادتی۔ ⑨ بڑھی ہوئی۔ ⑩ اچھی طرح کرنا۔ ⑪ غلطی۔

[رواه البخاري و اللفظ له و مسلم و أبوداؤد والترمذي و ابن ماجه كذا في الترغيب]	کی دعا کرتے رہتے ہیں اور جب تک آدمی نماز کے انتظار میں رہتا ہے، وہ نماز کا ثواب پاتا رہتا ہے۔

فائدہ: پہلی حدیث میں ستائیس[۲۷] درجے کی زیادتی بتلائی گئی تھی اور اس حدیث میں پچیس[۲۵] درجے کی۔ ان دونوں حدیثوں میں جو اختلاف ہوا ہے؛ علماء نے اس کے بہت سے جوابات تحریر فرمائے ہیں جو شروحِ حدیث میں مذکور ہیں۔ منجملہ[۱] ان کے یہ ہے کہ یہ نمازیوں کے حال کے اختلاف کی وجہ سے ہے کہ بعضوں کو پچیس[۲۵] درجہ کی زیادتی ہوتی ہے اور بعضوں کو اخلاص کی وجہ سے ستائیس[۲۷] کی ہو جاتی ہے۔ بعض علماء نے نماز کے اختلاف پر محمول فرمایا ہے کہ سرّی[۲] نمازوں میں پچیس[۲۵] ہے اور جہری[۳] میں ستائیس[۲۷] ہے۔ بعض نے ستائیس[۲۷] عشاء اور صبح کے لیے بتایا ہے کہ ان دونوں نمازوں میں جانا مشکل معلوم ہوتا ہے اور پچیس[۲۵] باقی نمازوں میں۔ بعض شُرَّاح[۴] نے لکھا ہے کہ اِس اُمت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات کی بارش بڑھتی ہی چلی گئی، جیسا کہ اور بھی بہت سی جگہ اس کا ظہور ہے، اس لیے اول پچیس[۲۵] درجہ تھا، بعد میں ستائیس[۲۷] ہو گیا۔ بعض شُرَّاح نے ایک عجیب بات لکھی ہے: وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا ثواب پہلی حدیث سے بہت زیادہ ہے، اس لیے کہ اس حدیث میں یہ ارشاد نہیں ہے کہ وہ پچیس[۲۵] درجہ کی زیادتی ہے؛ بلکہ یہ ارشاد ہے کہ پچیس[۲۵] درجہ المُضَاعَف ہوتی ہے، جس کا ترجمہ دو چند اور دو گنا ہوتا ہے، یعنی یہ کہ پچیس[۲۵] مرتبہ تک دو گنا اجر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس صورت میں جماعت کی ایک نماز کا ثواب تین کروڑ پینتیس لاکھ چوّن ہزار چار سو بتیس[۳۳۵۵۴۴۳۲] درجہ ہوا۔ حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت سے یہ ثواب کچھ بعید[۵] نہیں اور جب نماز کے چھوڑنے کا گناہ ایک حُقبہ ہے، جو پہلے باب میں گزرا تو اُس کے پڑھنے کا ثواب یہ ہونا قرینِ قیاس[۶] بھی ہے۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ یہ تو خود ہی غور کر لینے کی چیز ہے کہ جماعت کی نماز میں کس قدر اَجر و ثواب اور کس کس طرح حَسَنات[۷] کا اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے کہ جو شخص گھر سے وُضو کر کے محض[۸] نماز کی نیّت سے مسجد میں جائے، تو اس کے ہر ہر قدم پر ایک نیکی کا اضافہ اور ایک خطا کی معافی ہوتی چلی جاتی ہے۔ بَنُوسَلِمَہ مدینہ طیبہ میں ایک قبیلہ تھا، اُن کے مکانات مسجد سے دُور تھے، اُنھوں نے ارادہ کیا کہ مسجد کے قریب ہی کہیں منتقل[۹] ہو جائیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہیں رہو، تمہارے مسجد تک آنے کا ہر ہر قدم لکھا جاتا ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص گھر سے وُضو کر کے نماز کو جائے وہ ایسا ہے، جیسا کہ گھر سے اِحرام باندھ کر حج کو جائے۔ اس کے بعد حضور ﷺ ایک اور فضیلت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ جب نماز پڑھ چکا، تو اس کے بعد جب تک مُصلّے پر رہے، فرشتے مغفرت اور رحمت

حل لغات: (۱) ان تمام میں سے۔ (۲) آہستہ قرأت والی۔ (۳) آواز سے قرأت والی۔ (۴) حدیث کا مطلب بیان کرنے والے۔ (۵) دور۔ (۶) عقل میں آنے والی بات۔ (۷) نیکیاں۔ (۸) صرف۔ (۹) ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا۔

کی دُعا کرتے رہتے ہیں۔ فرشتے اللہ کے مقبول اور معصوم[1] بندے ہیں، ان کی دُعا کی برکات خود ظاہر ہیں۔ محمد بن سَماعہؒ ایک بزرگ عالم ہیں، جو امام ابو یوسف، امام محمد رحمہما اللہ کے شاگرد ہیں، ایک سو تین[۱۰۳] برس کی عمر میں انتقال ہوا، اُس وقت دو سو[۲۰۰] رکعات نفل روزانہ پڑھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ مسلسل چالیس[۴۰] برس تک میری ایک مرتبہ کے علاوہ تکبیرِ اُولیٰ فوت[2] نہیں ہوئی، صرف ایک مرتبہ جس دن میری والدہ کا انتقال ہوا ہے، اس کی مشغولی کی وجہ سے تکبیر اُولیٰ فوت ہوگئی تھی۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری جماعت کی نماز فوت ہوگئی تھی، تو میں نے اس وجہ سے کہ جماعت کی نماز کا ثواب پچیس[۲۵] درجہ زیادہ ہے، اس نماز کو پچیس[۲۵] دفعہ پڑھا، تاکہ وہ عدد پورا ہو جائے تو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ محمد! پچیس[۲۵] دفعہ نماز تو پڑھ لی؛ مگر ملائکہ کی آمین کا کیا ہوگا؟ [نُزھہ] ملائکہ[3] کی آمین کا مطلب یہ ہے کہ بہت سی احادیث میں یہ ارشادِ نبوی آیا ہے کہ جب امام سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہتا ہے، تو ملائکہ بھی آمین کہتے ہیں، جس شخص کی آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ ہو جاتی ہے، اس کے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ تو خواب میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ مولانا عبدالحیؒ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس قصے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جماعت کا ثواب مجموعی[4] طور سے جو حاصل ہوتا ہے، وہ اکیلے میں حاصل ہو ہی نہیں سکتا، چاہے ایک ہزار[۱۰۰۰] مرتبہ اس نماز کو پڑھ لے اور یہ ظاہر بات ہے، ایک آمین کی مُوافقت[5] ہی صرف نہیں، بلکہ مجمع کی شرکت، نماز سے فراغت کے بعد ملائکہ کی دعا، جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، ان کے علاوہ اور بہت سی خصوصیات ہیں، جو جماعت ہی میں پائی جاتی ہیں۔ ایک ضروری امر یہ بھی قابلِ لحاظ[6] ہے: علماء نے لکھا ہے کہ فرشتوں کی اس دعا کا مُستحق جب ہی ہوگا، جب نماز نماز بھی ہو اور اگر ایسے ہی پڑھی کہ پُرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر مُنہ پر ماردی گئی، تو پھر فرشتوں کی دعا کا مستحق نہیں ہوتا۔ [بہجہ]

(۳) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ؓ قَالَ : مَنْ سَرَّهٗ أَنْ يَّلْقَى اللّٰهَ غَدًا مُّسْلِمًا فَلْيُحَافِظْ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الصَّلَوٰتِ حَيْثُ يُنَادٰى بِهِنَّ ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ ﷺ سُنَنَ الْهُدٰى ، وَإِنَّهُنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى ، وَلَوْ أَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ كَمَا يُصَلِّيْ هٰذَا الْمُتَخَلِّفُ فِيْ بَيْتِهٖ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ ، وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ .

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ کل قیامت کے دن اللہ جلَّ شانہٗ کی بارگاہ میں مسلمان بن کر حاضر ہو، وہ ان نمازوں کو ایسی جگہ ادا کرنے کا اہتمام کرے جہاں اذان ہوتی ہے (یعنی مسجد میں) اس لیے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے تمہارے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے لیے ایسی سنتیں جاری فرمائی ہیں، جو سراسر ہدایت ہیں، اُنہیں میں سے یہ جماعت کی نمازیں بھی ہیں۔

حل لغات: (۱) بے گناہ۔ (۲) چھوٹنا۔ (۳) فرشتے۔ (۴) مکمل طور سے۔ (۵) برابری، ساتھ۔ (۶) توجہ کے لائق۔

وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَّتَطَهَّرُ فَيُحْسِنُ الطُّهُوْرَ ثُمَّ يَعْمِدُ إِلٰى مَسْجِدٍ مِّنْ هٰذِهِ الْمَسَاجِدِ ؛ إِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِكُلِّ خُطْوَةٍ يَّخْطُوْهَا حَسَنَةً، وَّيَرْفَعُهٗ بِهَا دَرَجَةً، وَّيَحُطُّ عَنْهُ بِهَا سَيِّئَةً، وَّلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُنَافِقٌ مَعْلُوْمُ النِّفَاقِ. وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتٰى بِهَا يُهَادٰى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتّٰى يُقَامَ فِي الصَّفِّ. وَفِيْ رِوَايَةٍ: لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلٰوةِ إِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهٗ أَوْ مَرِيْضٌ إِنْ كَانَ الرَّجُلُ لَيَمْشِيْ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتّٰى يَأْتِيَ الصَّلٰوةَ. وَقَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدٰى: وَإِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى الصَّلٰوةَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُؤَذَّنُ فِيْهِ.	اگر تم لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھنے لگو گے، جیسا کہ فلاں شخص پڑھتا ہے، تو تم نبی ﷺ کی سنت کے چھوڑنے والے ہوگے اور یہ سمجھ لو کہ اگر نبی اکرم ﷺ کی سنت کو چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ اور جو شخص اچھّی طرح وُضو کرے، اس کے بعد مسجد کی طرف جائے تو ہر ہر قدم پر ایک ایک نیکی لکھی جائے گی اور ایک ایک خطا معاف ہوگی اور ہم تو اپنا یہ حال دیکھتے تھے کہ جو شخص کھلّم کھلّا منافق ہو، وہ تو جماعت سے رہ جاتا تھا (ورنہ حضور ﷺ کے زمانے میں عام منافقوں کی بھی جماعت چھوڑنے کی ہمت نہ ہوتی تھی) یا کوئی سخت بیمار، ورنہ جو شخص دو آدمیوں کے سہارے سے گھِسٹتا ہوا جا سکتا تھا وہ بھی صف میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔

[رواه مسلم و أبوداؤد و النسائي و ابن ماجه كذا في الترغيب والدّر المنثور. والسنّة نوعان: سنة الهدى وتاركها يستوجب إساءة كالجماعة والأذان. والزوائد وتاركها لا يستوجب إساءة كسِيَر النبي ﷺ في لباسه وقعوده، كذا في نور الأنوار. والإضافة في سنة الهدى بيانية أي: سنة هي هدى والحمل مبالغة، كذا في قمر الأقمار].

فائدہ: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے یہاں جماعت کا اس قدر اہتمام تھا کہ اگر بیمار بھی کسی طرح جماعت میں جا سکتا تھا، تو وہ بھی جا کر شریک ہو جاتا تھا، چاہے دو آدمیوں کو کھینچ کر لے جانے کی نوبت[1] آتی۔ اور یہ اہتمام کیوں نہ ہوتا، جب کہ ان کے اور ہمارے آقا نبی اکرم ﷺ کو اسی طرح کا اہتمام تھا۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ کے مرضُ الوفات[2] میں (یہی صورت پیش آئی کہ مرض کی شِدّت[3] کی وجہ سے بار بار غشی[4] ہوتی تھی اور کئی کئی دفعہ وضو کا پانی طلب فرماتے تھے۔ آخر ایک مرتبہ وضو فرمایا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرے صحابی کے سہارے سے مسجد میں تشریف لے گئے کہ زمین پر پاؤں مبارک اچھی طرح جمتا بھی نہ تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تعمیلِ ارشاد[5] میں نماز پڑھانا شروع کر دی تھی، حضور ﷺ جا کر نماز میں شریک ہوئے۔ [صحیحین] حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ اللہ کی عبادت اس طرح کر، گویا وہ بالکل سامنے ہے اور تُو اُس کو دیکھ رہا ہے اور اپنے آپ کو مُردوں کی

حل لغات: (۱) حالت۔ (۲) وہ بیماری جس میں انتقال ہو جائے۔ (۳) زیادتی۔ (۴) بے ہوشی۔ (۵) حکم پورا کرنا۔

فہرست میں شمار کیا کر (زندوں میں اپنے کو سمجھ ہی نہیں کہ پھر نہ کسی بات کی خوشی، نہ کسی بات سے رنج) اور مظلوم[1] کی بددُعا سے اپنے کو بچا اور جو تو اتنی بھی طاقت رکھتا ہو کہ زمین پر گھسٹ کر عشاء اور صبح کی جماعت میں شریک ہو سکے تو دَرِیغ[2] نہ کر۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ منافقوں پر عشاء اور صبح کی نماز بہت بھاری ہے، اگر ان کو یہ معلوم ہو جاتا کہ جماعت میں کتنا ثواب ہے، تو زمین پر گھسٹ کر جاتے اور جماعت سے ان کو پڑھتے۔ [ترغیب]

④ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ﷺ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فِيْ جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْأُوْلٰى كُتِبَ لَهٗ بَرَائَتَانِ: بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ.	نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص چالیس دن اخلاص کے ساتھ ایسی طرح نماز پڑھے کہ تکبیرِ اُولیٰ فوت[3] نہ ہو، تو اس کو دو پَروانے[4] ملتے ہیں: ایک پروانہ جہنم سے چھٹکارے کا، دوسرا نفاق سے بَری[5] ہونے کا۔

[رواه الترمذي وقال: لا أعلم أحدا رفعه إلّا ما روى مسلم بن قُتيبة عن طعمة بن عمر۔ وقال المملي ومسلم: وبقية رواته ثقاة كذا في الترغيب۔ قلت: وله شواهد من حديث عمر ﷺ رفعه: من صلّى في مسجد جماعة أربعين ليلة لا تفوته الركعة الأولى من صلوة العشاء، كتب الله له بها عتقا من النار. رواه ابن ماجه واللفظ له والترمذي وقال: نحو حديث أنس يعني المتقدم ولم يذكر لفظه، وقال: مرسل يعني أن عمارة الراوي عن أنس لم يدرك أنسا. وعزاه في منتخب الكنز إلى البيهقي في الشعب وابن عساكر وابن النجار]

فائدہ: یعنی جو اس طرح چالیس دن اخلاص سے نماز پڑھے کہ شروع ہی سے اِمام کے ساتھ شریک ہو اور نماز شروع کرنے کی تکبیر جب امام کہے، تو اُسی وقت یہ بھی نماز میں شریک ہو جائے؛ تو وہ شخص نہ جہنم میں داخل ہوگا، نہ منافقوں میں داخل ہوگا۔ مُنافِق وہ لوگ کہلاتے ہیں: جو اپنے کو مسلمان ظاہر کریں، لیکن دل میں کفر رکھتے ہوں اور چالیس دن کی خصوصیت بظاہر اس وجہ سے ہے کہ حالات کے تغیر[6] میں چالیس دن کو خاص دخل[7] ہے، چنانچہ آدمی کی پیدائش کی ترتیب جس حدیث میں آئی ہے، اس میں بھی چالیس دن تک نطفہ رہنا، پھر گوشت کا ٹکڑا چالیس دن تک، اسی طرح چالیس چالیس دن میں اس کا تغیر ذکر فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے صوفیہ کے یہاں چِلّہ بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کی برسوں بھی تکبیرِ اُولیٰ فوت نہیں ہوتی۔

⑤ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ رَاحَ ، فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا أَعْطَاهُ اللهُ مِثْلَ أَجْرِ مَنْ صَلَّاهَا وَحَضَرَهَا	نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اچھی طرح وُضو کرے پھر مسجد میں نماز کے لیے جائے اور وہاں پہونچ کر معلوم ہو کہ جماعت ہو چکی ہے، تو بھی اس کو جماعت کی نماز کا ثواب ہوگا اور اس ثواب کی

حل لغات: ① جس پر ظلم کیا گیا ہو۔ ② کوتاہی۔ ③ چھوٹنا۔ ④ سند، سرٹیفکیٹ۔ ⑤ آزاد ⑥ تبدیلی۔ ⑦ اثر۔

لَايَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ. [كذا في الأصل ولفظ أبي داؤد: شيئا. بالنصب وهو الظاهر

وجہ سے ان لوگوں کے ثواب میں کچھ کمی نہیں ہوگی، جنھوں نے جماعت سے نماز پڑھی ہے۔

[رواه أبوداؤد والنسائي والحاكم وقال: صحيح على شرط مسلم كذا في الترغيب. وفيه أيضا عن سعيد بن المسيَّب ﷺ قال: حضر رجلا من الأنصار الموت، فقال: إني محدّثكم حديثا ما أحدّثكموه إلا احتسابا، إني سمعت رسول الله ﷺ يقول: إذا توضأ أحدكم فأحسن الوضوء. الحديث. وفيه فإن أتى المسجد فصلى في جماعة غُفرله، فإن أتى المسجد وقد صلوا بعضا وبقي بعض صلى ما أدرك وأتم ما بقي كان كذٰلك، فإن أتى المسجد وقد صلّوا فأتم الصلوٰة كان كذٰلك. رواه أبوداؤد]

فائدہ: یہ اللہ کا کس قدر انعام واحسان ہے کہ محض کوشش اور سعی پر جماعت کا ثواب مل جائے، گو[1] جماعت نہ مل سکے۔ اللہ کی اس دَین[2] پر بھی ہم لوگ خود ہی نہ لیں تو کسی کا کیا نقصان ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ محض اس کھٹکہ[3] سے کہ جماعت ہوچکی ہوگی مسجد میں جانا مُلتوی[4] نہ کرنا چاہیے، اگر جاکر معلوم ہو کہ ہوچکی ہے تب بھی ثواب تو مل ہی جائے گا۔ البتہ اگر پہلے سے یقیناً معلوم ہوجائے کہ جماعت ہوچکی ہے تو مضائقہ[5] نہیں۔

(۶) عَنْ قَبَاثِ بْنِ أَشْيَمَ اللَّيْثِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: صَلوٰةُ الرَّجُلَيْنِ يَؤُمُّ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهٗ أَزْكٰى عِنْدَ اللهِ مِنْ صَلوٰةِ أَرْبَعَةٍ تَتْرٰى، وَصَلوٰةُ أَرْبَعَةٍ أَزْكٰى عِنْدَ اللهِ مِنْ صَلوٰةِ ثَمَانِيَةٍ تَتْرٰى، وَصَلوٰةُ ثَمَانِيَةٍ يَؤُمُّهُمْ أَحَدُهُمْ أَزْكٰى عِنْدَ اللهِ مِنْ صَلوٰةِ مِائَةٍ تَتْرٰى.

نبی اکرم ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ دو آدمیوں کی جماعت کی نماز کہ ایک امام ہو ایک مقتدی، اللہ کے نزدیک چار آدمیوں کی علیحدہ[6] علیحدہ نماز سے زیادہ پسندیدہ ہے، اسی طرح چار آدمیوں کی جماعت کی نماز آٹھ آدمیوں کی متفرق[7] نماز سے زیادہ محبوب ہے اور آٹھ آدمیوں کی جماعت کی نماز سو آدمیوں کی متفرق نمازوں سے بڑھی ہوئی ہے: ایک دوسری حدیث میں ہے، اسی طرح جتنی بڑی جماعت میں نماز پڑھی جائے گی وہ اللہ کو زیادہ محبوب ہے مختصر جماعت سے۔

[رواه البزّار والطبراني بإسناد لابأس به كذا في الترغيب. وفي مجمع الزوائد رواه البزّار والطبراني في الكبير، ورجال الطبراني موثقون وعزاه في الجامع الصغير إلى الطبراني والبيهقي ورقم له بالصحة. وعن أبيّ بن كعب رفعه بمعنى حديث الباب وفيه قصة، وفي آخره: وكلّما كثر فهو أحبّ إلى الله عزوجلّ. رواه أحمد وأبو داؤد والنسائي وابن خُزيمة وابن حِبّان في صحيحيهما والحاكم. وقد جزم يحيى بن مَعين والذُهلي بصحة هذا الحديث كذا في الترغيب].

فائدہ: جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دو چار آدمی مل کر گھر دوکان وغیرہ پر جماعت کرلیں وہ کافی ہے، اوّل تو اس میں مسجد کا ثواب شروع ہی سے نہیں ہوتا، دوسرے کثرتِ[8] جماعت کے ثواب سے بھی محرومی ہوتی ہے، مجمع

حل لغات: (۱) اگرچہ۔ (۲) بخشش۔ (۳) ڈر۔ (۴) چھوڑنا، ٹالنا۔ (۵) حرج۔ (۶) الگ الگ۔ (۷) الگ الگ۔ (۸) نمازیوں کا زیادہ ہونا۔

جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے واسطے ایک کام کرنا ہے، تو پھر جس طریقہ میں اس کی خوشنودی زیادہ ہو، اسی طریقہ سے کرنا چاہیے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ تین چیزوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں: ایک جماعت کی صف کو، ایک اس شخص کو جو آدھی رات (تہجّد) کی نماز پڑھ رہا ہو، تیسرے اس شخص کو جو کسی لشکر کے ساتھ لڑ رہا ہو۔ [جامع صغیر]

⑦ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ ٍالسَّاعِدِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : بَشِّرِ الْمَشَّائِيْنَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.	حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اندھیرے میں مسجدوں میں بکثرت جاتے رہتے ہیں ان کو قیامت کے دن کے پورے پورے نور کی خوش خبری سنادے۔

[رواہ ابن ماجه وابن خزيمة في صحيحه والحاكم واللفظ له ، وقال : صحيح على شرط الشيخين كذا في الترغيب وفي المشكوٰة برواية الترمذي وأبي داؤد عن بريدة ثم قال : رواه ابن ماجه عن سهل بن سعد وأنس اھ . قلت : وله شاهد في منتخب كنز العُمّال برواية الطبراني عن أبي أمامة بلفظ : بشر المدلجين إلى المساجد في الظلم بمنابر من نور يوم القيٰمة يفزع الناس ولا يفزعون . وذكر السيوطي في الدر المنثور في تفسير قوله تعالىٰ : إنما يعمر مسٰجد الله . عدّة روايات في هذا المعنىٰ]

فائدہ: یعنی آج دنیا میں اندھیری رات میں مسجد میں جانے کی قدر اس وقت معلوم ہوگی، جب قیامت کا ہولناک[1] منظر سامنے ہوگا اور ہر شخص مصیبت میں گرفتار ہوگا، آج کے اندھیروں کی مَشقّت[2] کا بدلہ اور اس کی قدر اس وقت ہوگی، جب ایک چمکتا ہوا نُور اور آفتاب[3] سے کہیں زیادہ روشنی ان کے ساتھ ساتھ ہوگی۔ ایک حدیث میں ہے کہ وہ قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے اور بے فکر؛ اور لوگ گھبراہٹ میں ہوں گے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن ارشاد فرمائیں گے کہ میرے پڑوسی کہاں ہیں؟ فرشتے عرض کریں گے کہ آپ کے پڑوسی کون ہیں؟ ارشاد ہوگا کہ مسجدوں کو آباد کرنے والے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب جگہوں سے زیادہ محبوب مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ ناپسند بازار ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ مسجدیں جنت کے باغ ہیں۔ [جامع صغیر] ایک صحیح حدیث میں وارد[4] ہے: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں جس شخص کو دیکھو کہ مسجد کا عادی[5] ہے، تو اس کے ایماندار ہونے کی گواہی دو، [جامع صغیر] اس کے بعد ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ﴾ [سورۂ توبہ: ۱۸] یہ آیت تلاوت فرمائی، یعنی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔'' [درمنثور] ایک حدیث میں وارد ہے کہ مشقت کے وقت وضو کرنا اور مسجد کی طرف قدم اُٹھانا اور نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھے رہنا گناہوں کو دھودیتا ہے۔ [جامع صغیر] ایک حدیث میں وارد

حل لغات: ① گھبرادینے والا۔ ② تکلیف۔ ③ سورج۔ ④ موجود۔ ⑤ بار بار مسجد میں جانے والا۔

ہے کہ جو شخص جتنا مسجد سے دور ہوگا اتنا ہی زیادہ ثواب ہوگا۔ [جامع صغیر] اس کی وجہ یہی ہے کہ ہر ہر قدم پر اجر وثواب ہے اور جتنی دور مسجد ہوگی اتنے ہی قدم زیادہ ہوں گے؛ اسی وجہ سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم چھوٹے چھوٹے قدم رکھتے تھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر لوگوں کو ان کا ثواب معلوم ہوجائے تو لڑائیوں سے ان کو حاصل کیا جائے: ایک اذان کہنا، دوسری جماعت کی نمازوں کے لیے دوپہر کے وقت جانا، تیسری پہلی صف میں نماز پڑھنا۔ [جامع صغیر] ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ قیامت کے دن جب ہر شخص پریشان حال ہوگا اور آفتاب[1] نہایت تیزی پر ہوگا، سات آدمی ایسے ہوں گے جو اللہ کی رحمت کے سایہ میں ہوں گے، ان میں ایک وہ شخص بھی ہوگا جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے کہ جب کسی ضرورت سے باہر آئے تو پھر مسجد ہی میں واپس جانے کی خواہش ہو۔ ایک حدیث میں وارد ہے: جو شخص مسجد سے الفت[2] رکھتا ہے اللہ جلَّ شانہٗ اس سے اُلفت فرماتے ہیں۔ [جامع صغیر]

شریعتِ[3] مُطہّرہ کے ہر حکم میں خیر وبرکت اجر وثواب تو بے پایاں[4] ہے ہی، اس کے ساتھ ہی بہت سی مصلحتیں بھی ان احکام میں جو ملحوظ ہوتی ہیں، ان کی حقیقت تک پہونچنا تو مشکل ہے کہ اللہ جلَّ شانہٗ کے علوم اور اُن کے مَصَالح[5] تک کس کی رسائی[6] ہے؛ مگر اپنی اپنی اِستعداد[7] اور حوصلہ کے موافق جہاں تک اپنی سمجھ کام دیتی ہے، ان کی مصالح بھی سمجھ میں آتی ہیں اور جتنی استعداد ہوتی ہے اتنی ہی خوبیاں ان احکام کی معلوم ہوتی رہتی ہیں۔ علماء نے جماعت کی مصالح بھی اپنی اپنی سمجھ کے موافق تحریر فرمائی ہیں۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نوَّر اللہ مرقدہٗ نے "حُجۃُ اللّٰہِ البالِغہ" میں ایک تقریر اس کے متعلق ارشاد فرمائی ہے؛ جس کا ترجمہ اور مطلب یہ ہے کہ "رسم ورواج کے مُہلِکات[8] سے بچنے کے لیے اس سے زیادہ نافع[9] کوئی چیز نہیں کہ عبادات میں سے کسی عبادت کو ایسی عام رسم اور عام رواج بنالیا جائے، جو علی الاعلان[10] ادا کی جائے اور ہر شخص کے سامنے خواہ سمجھدار ہو یا ناسمجھ وہ ادا کی جاسکے، اُس کے ادا کرنے میں شہری اور غیرشہری برابر ہوں، مُسابقت[11] اور تفاخر[12] اسی پر کیا جائے اور ایسی عام ہوجائے کہ ضروریاتِ زندگی میں اس طرح داخل ہوجائے کہ اس سے علیحدگی ناممکن اور دشوار بن جائے، تاکہ وہ اللہ کی عبادت کے لیے مُؤیِّد[13] ہوجائے اور وہ رسم ورواج جو مُوجِبِ مَضرَّت[14] ونقصان تھا، وہی حق کی طرف کھینچنے والا بن جائے، اور چونکہ عبادات میں کوئی عبادت بھی نماز سے زیادہ مُہتَم بِالشّان[15] اور دلیل وحجت کے اعتبار سے بڑھی ہوئی نہیں، اس لیے ضروری ہوا کہ آپس میں اس کے رواج کو خوب شائع[16] کیا جائے اور اس کے لیے خاص طور سے اجتماع کیا جائے اور آپس میں اتفاق سے اس کو ادا کیا جائے، نیز ہر مذہب اور دین میں کچھ لوگ ایسے

حل لغات: (۱) سورج۔ (۲) محبت۔ (۳) پاکیزہ شریعت۔ (۴) بے انتہا، بہت زیادہ۔ (۵) بھلائیاں، حکمتیں۔ (۶) پہونچ۔ (۷) صلاحیت۔ (۸) ہلاک کرنے والی چیزیں۔ (۹) فائدہ پہونچانے والی۔ (۱۰) کھلم کھلا۔ (۱۱) ایک دوسرے سے آگے بڑھنا۔ (۱۲) فخر۔ (۱۳) مددگار۔ (۱۴) نقصان کا سبب۔ (۱۵) بڑے مرتبے والی۔ (۱۶) عام۔

ہوتے ہیں، جو مُقتدا[1] ہوتے ہیں کہ ان کا اِتباع کیا جاتا ہے اور کچھ لوگ دوسرے درجے میں ایسے ہوتے ہیں، جو کسی معمولی سی ترغیب وتنبیہ کے محتاج ہوتے ہیں، اور کچھ لوگ تیسرے درجہ میں بہت ناکارہ اور ضعیف الاعتقاد[2] ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کو اگر مجمع میں عبادت کا تکلّف[3] نہ کیا جائے، تو وہ سستی اور کاہلی کی وجہ سے عبادت بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ اس وجہ سے مَصلِحَت کا مقتضا[4] یہی ہے کہ سب لوگ اجتماعی طور پر عبادت کو ادا کریں، تاکہ جو لوگ عبادت کو چھوڑنے والے ہیں، وہ عبادت کرنے والوں سے ممتاز[5] ہوجائیں، اور رغبت کرنے والوں اور بے رغبتی کرنے والوں میں کھلا تفاوت[6] ہوجائے، اور ناواقف لوگ علماء کے اتباع سے واقف بن جائیں، اور جاہل لوگوں کو عبادت کا طریقہ معلوم ہوجائے اور اللہ کی عبادت ان لوگوں میں اس پگھلی ہوئی چاندی کی طرح سے ہوجائے، جو کسی ماہر کے سامنے رکھی جائے جس سے جائز، ناجائز اور کھرے کھوٹے میں کھلا فرق ہوجائے، جائز کی تَقوِیت[7] کی جائے اور ناجائز کو روکا جائے۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کے ایسے اجتماع میں جس میں اللہ کی طرف رغبت کرنے والے، اس کی رحمت کے طلب کرنے والے، اس سے ڈرنے والے موجود ہوں اور سب کے سب اللہ ہی کی طرف ہمہ تن[8] متوجہ ہوں، برکتوں کے نازل ہونے اور رحمت کے متوجّہ ہونے کی عجیب خاصیت رکھی ہے۔

نیز امتِ محمدیہ کے قیام[9] کا مقصد ہی یہ ہے کہ اللہ کا بول بالا[10] ہو اور دین اسلام کو تمام دینوں پر غلبہ ہو، اور یہ ممکن نہیں جب تک یہ طریقہ رائج[11] نہ ہو، سب کے سب عوام خواص، شہر کے رہنے والے اور گاؤں کے رہنے والے، چھوٹے بڑے ایک جگہ جمع ہوکر اس چیز کو جو اسلام کا سب سے بڑا شعار[12] ہے اور سب سے بالاتر[13] عبادت ہے؛ ادا نہ کریں۔ ان وجوہ[14] سے شریعت، جمعہ اور جماعت کے اہتمام کی طرف متوجہ ہوئی، ان کے اظہار واعلان کی ترغیبیں اور چھوڑنے پر وعیدیں نازل ہوئیں اور چونکہ اظہار واجتماع صرف ایک محلّہ اور قبیلہ کا ہے اور ایک تمام شہر کا؛ اور محلّہ کا اجتماع ہر وقت سَہل[15] ہے اور تمام شہر کا ہر وقت مشکل ہے کہ اس میں تنگی ہے، اس لیے محلّہ کا اجتماع ہر نماز کے وقت قرار دیا اور جماعت کی نماز اس کے لیے مشروع[16] ہوئی، اور تمام شہر کا اجتماع آٹھویں دن قرار دیا اور جمعہ کی نماز اس کے لیے تجویز[17] ہوئی۔

دوسری فصل: جماعت کے چھوڑنے پر عتاب کے بیان میں

حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے احکام کی پابندی پر جیسے کہ انعامات کا وعدہ فرمایا ہے، ایسے ہی تعمیل نہ کرنے پر ناراضی اور عتاب[18] بھی فرمایا ہے۔ یہ بھی اللہ کا فضل ہے کہ تعمیل میں بے گراں[19] انعامات کا وعدہ ہے، ورنہ

حل لغات: ① پیشوا، رہنما۔ ② کمزور عقیدے والے۔ ③ پابند۔ ④ تقاضہ۔ ⑤ الگ۔ ⑥ فرق۔ ⑦ طاقت وقوت پہونچانا۔ ⑧ مکمل طور سے۔ ⑨ بھیجا جانا۔ ⑩ نام اونچا۔ ⑪ جاری۔ ⑫ علامت۔ ⑬ اونچی۔ ⑭ وجہ کی جمع۔ سبب۔ ⑮ آسان۔ ⑯ یعنی ضروری قرار دی گئی۔ ⑰ مقرر۔ ⑱ غصہ، پھٹکار۔ ⑲ بہت زیادہ۔

بندگی کا مُقتضا[1] صرف عتاب ہی ہونا چاہیے تھا کہ بندگی کا فرض ہے تعمیلِ[2] ارشاد، پھر اس پر انعام کے کیا معنیٰ؟ اور نافرمانی کی صورت میں جتنا بھی عتاب وعذاب ہو وہ برمحل[3] کہ آقا کی نافرمانی سے بڑھ کر اور کیا جُرم ہوسکتا ہے؟ پس کسی خاص عتاب[4] یا تنبیہ کے فرمانے کی ضرورت نہ تھی، مگر پھر بھی اللہ جلّ شانہٗ اور اس کے پاک رسول ﷺ نے ہم پر شفقت فرمائی کہ طرح طرح سے مُتنبَّہ فرمایا، اس کے نقصانات بتائے، مختلف طور سے سمجھایا، پھر بھی ہم نہ سمجھیں تو اپنا ہی نقصان ہے۔

① عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَمْنَعْهُ مِنِ اتِّبَاعِهٖ عُذْرٌ قَالُوْا: وَمَا الْعُذْرُ؟ قَالَ: خَوْفٌ أَوْ مَرَضٌ. لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلٰوةُ الَّتِيْ صَلّٰى.	نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اذان کی آواز سنے اور بلا کسی عذر کے نماز کو نہ جائے (وہیں پڑھ لے) تو وہ نماز قبول نہیں ہوتی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ عُذر سے کیا مراد ہے؟ ارشاد ہوا کہ مرض ہو یا کوئی خوف ہو۔

[رواه أبوداؤد وابن حبّان في صحيحه وابن ماجه بنحوه كذا في الترغيب . وفي المشكوٰة رواه أبوداؤد والدار قطني]

فائدہ: قبول نہ ہونے کے یہ معنیٰ ہیں کہ اِس نماز پر جو ثواب اور انعام حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ہوتا، وہ نہ ہوگا، گو[5] فرض ذمّے سے اُتر جائے گا اور یہی مراد ہے ان حدیثوں سے جن میں آیا ہے کہ اس کی نماز نہیں ہوتی، اس لیے کہ ایسا ہونا بھی کچھ ہونا ہُوا؟ جس پر انعام واکرام نہ ہُوا، یہ ہمارے امام کے نزدیک ہے۔ ورنہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کے نزدیک ان احادیث کی بنا پر بلا عُذر جماعت کا چھوڑنا حرام ہے اور جماعت سے پڑھنا فرض ہے؛ حتیٰ کہ بہت سے علماء کے نزدیک نماز ہوتی ہی نہیں۔ حَنفیّہ کے نزدیک اگرچہ نماز ہوجاتی ہے، مگر جماعت کے چھوڑنے کا مجرم تو ہوگا ہی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث میں یہ بھی نقل کیا گیا کہ اس شخص نے اللہ کی نافرمانی کی اور رسول کی نافرمانی کی۔ حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہما کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جو شخص اذان کی آواز سنے اور جماعت سے نماز نہ پڑھے، نہ اُس نے بھلائی کا ارادہ کیا نہ اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا گیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اذان کی آواز سنے اور جماعت میں حاضر نہ ہو، اس کے کان پگھلے ہوئے سیسے[6] سے بھر دیے جاویں، یہ بہتر ہے۔

اذان سن کر نماز کو نہ جانے پر وعید

② عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ أَنَّهٗ قَالَ: اَلْجَفَاءُ كُلُّ الْجَفَاءِ وَالْكُفْرُ وَالنِّفَاقُ: مَنْ سَمِعَ مُنَادِيَ اللهِ يُنَادِيْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَلَا يُجِيْبُهٗ.	نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ سراسر ظلم ہے اور کفر ہے اور نفاق ہے (اس شخص کا فعل) جو اللہ کے مُنادی (یعنی مؤذّن) کی آواز سنے اور نماز کو نہ جائے۔

[رواه أحمد والطبراني من رواية زَبَّانَ بن فائد كذا في الترغيب. وفي مجمع الزوائد رواه الطبراني في الكبير. وزبان ضعفه ابن معين. ووثقه أبوحاتم اه. وعزاه في الجامع الصغير إلى الطبراني ورقم له بالضُّعف]

حل لغات: ① تقاضا۔ ② حکم پورا کرنا۔ ③ درست۔ ④ وعید۔ ⑤ اگرچہ۔ ⑥ ایک طرح کی دھات۔

فائدہ: کتنی سخت وعید اور ڈانٹ ہے اس حدیثِ پاک میں کہ اس کی اس حرکت کو کافروں کا فعل[1] اور منافقوں کی حرکت بتایا ہے کہ گویا مسلمان سے یہ بات ہو ہی نہیں سکتی۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ آدمی کی بدبختی اور بدنصیبی کے لیے یہ کافی ہے کہ مؤذّن کی آواز سنے اور نماز کو نہ جائے۔ سلیمان بن ابی حَثْمہ رضی اللہ عنہ جلیل[2] القدر لوگوں میں تھے، حضور ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوئے، مگر حضور ﷺ سے روایت سننے کی نوبت کم عمری کی وجہ سے نہیں آئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بازار کا نگراں بنا رکھا تھا۔ ایک دن اتفاق سے صبح کی نماز میں موجود نہ تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس طرف تشریف لے گئے، تو ان کی والدہ سے پوچھا کہ سلیمان آج صبح کی نماز میں نہیں تھے، والدہ نے کہا کہ رات بھر نفلوں میں مشغول رہا، نیند کے غلبے سے آنکھ لگ گئی۔ آپ نے فرمایا: میں صبح کی جماعت میں شریک ہوں، یہ مجھے اس سے پسندیدہ ہے کہ رات بھر نفلیں پڑھوں۔

(۳) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ اٰمُرَ فِتْيَتِيْ فَيَجْمَعُوْا لِيْ حُزَمًا مِّنْ حَطَبٍ ، ثُمَّ اٰتِيَ قَوْمًا يُّصَلُّوْنَ فِيْ بُيُوْتِهِمْ لَيْسَتْ بِهِمْ عِلَّةٌ ، فَأُحَرِّقُهَا عَلَيْهِمْ .	حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ چند جوانوں سے کہوں کہ بہت سا ایندھن[3] اکٹھا کر کے لائیں، پھر میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو بلا عُذر کے گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں اور جا کر ان کے گھروں کو جلا دوں۔

[رواه مسلم وأبوداؤد وابن ماجه والترمذي كذا في الترغيب. قال السيوطي في الدر: أخرج ابن أبي شيبة والبخاري ومسلم وابن ماجه عن أبي هريرة رفعه: أثقل الصّلوٰة على المنافقين صلوٰة العشاء وصلوٰة الفجر، ولو يعلمون ما فيهما لأتوهما ولو حبوًا، ولقد هممت أن اٰمر بالصلوة فتقام. الحديث بنحوه]

فائدہ: نبی اکرم ﷺ کو باوجود اس شفقت اور رحمت کے جو اُمت کے حال پر تھی اور کسی شخص کی اَدنیٰ[4] سی تکلیف بھی گوارا[5] نہ تھی؛ ان لوگوں پر جو گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں، اس قدر غصّہ ہے کہ اُن کے گھروں میں آگ لگا دینے کو بھی آمادہ[6] ہیں۔

(۴) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : مَا مِنْ ثَلٰثَةٍ فِيْ قَرْيَةٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِيْهِمُ الصَّلٰوةُ إِلَّا اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ ، فَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ ، فَإِنَّمَا يَأْكُلُ الذِّئْبُ مِنَ الْغَنَمِ الْقَاصِيَةَ .	حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس گاؤں یا جنگل میں تین آدمی ہوں اور وہاں باجماعت نماز نہ ہوتی ہو تو ان پر شیطان مسلّط[7] ہو جاتا ہے، اس لیے جماعت کو ضروری سمجھو، بھیڑیا اکیلی بکری کو کھا جاتا ہے اور آدمیوں کا بھیڑیا شیطان ہے۔

[رواه أحمد وأبوداؤد والنسائي وابن خزيمة وابن حبّان في صحيحيهما والحاكم. وزاد رزين في جامعه: وإنّ ذئبَ الإنسان الشيطانُ إذا خلا به أكله. كذا في الترغيب. ورقم له في الجامع الصغير بالصحة وصححه الحاكم وأقره عليه الذهبي].

حل لغات: (۱) کام۔ (۲) بڑے مرتبے والا۔ (۳) جلانے کا سامان۔ (۴) چھوٹی۔ (۵) پسند۔ (۶) تیار۔ (۷) مقرر۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ کھیتی باڑی میں مشغول رہتے ہیں، اگر تین[۳] آدمی ہوں تو ان کو جماعت سے نماز پڑھنا چاہیے، بلکہ دو[۲] کو بھی جماعت سے پڑھنا اَولیٰ[۱] ہے۔ کسان عام طور سے اَوّل تو نماز پڑھتے ہی نہیں کہ ان کے لیے کھیتی کی مشغولی اپنے نزدیک کافی عُذر ہے اور جو بہت دیندار سمجھے جاتے ہیں وہ بھی اکیلے ہی پڑھ لیتے ہیں، حالانکہ اگر چند کھیت والے بھی ایک جگہ جمع ہو کر پڑھیں، تو کتنی بڑی جماعت ہو جائے اور کتنا بڑا ثواب حاصل کریں۔ چار[۴] پیسے کے واسطے گرمی، سردی، دھوپ، بارش سب سے بے نیاز[۲] ہو کر دن بھر مشغول رہتے ہیں؛ لیکن اتنا بڑا ثواب ضائع کرتے ہیں اور اس کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتے، حالانکہ یہ لوگ اگر جنگل میں جماعت سے نماز پڑھیں تو اور بھی زیادہ ثواب کا سبب ہوتا ہے؛ حتیٰ کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ پچاس[۵۰] نمازوں کا ثواب ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب کوئی بکریاں چَرانے والا کسی پہاڑ کی جڑ میں (یا جنگل میں) اذان کہتا ہے اور نماز پڑھنے لگتا ہے، تو حق تعالیٰ شانہٗ اس سے بے حد خوش ہوتے ہیں اور تعجب و تفاخر[۳] سے فرشتوں سے فرماتے ہیں: دیکھو جی میرا بندہ اذان کہہ کر نماز پڑھنے لگا، یہ سب میرے ڈر کی وجہ سے کر رہا ہے، میں نے اس کی مغفرت کر دی اور جنت کا داخلہ طے کر دیا۔ [مشکوٰۃ]

نوافل کے مقابلہ میں فرائض کی اہمیت

⑤ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ وَلَا يَشْهَدُ الْجَمَاعَةَ وَلَا الْجُمُعَةَ. فَقَالَ: هٰذَا فِي النَّارِ.	حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ ایک شخص دن بھر روزہ رکھتا ہے اور رات بھر نفلیں پڑھتا ہے، مگر جمعہ اور جماعت میں شریک نہیں ہوتا (اس کے متعلق کیا حکم ہے)؟ آپ نے فرمایا کہ یہ شخص جہنّمی ہے۔

[رواه الترمذي موقوفا كذا في الترغيب. وفي تنبيه الغافلين: روي عن مجاهد: أن رجلا جاء إلى ابن عباس رضی اللہ عنہما فقال: يا ابن عباس! ما تقول في رجل فذكره بلفظه. زاد في آخره: فاختلف إليه شهراً يسأله عن ذلك، وهو يقول: هو في النار].

فائدہ: گو ایک خاص زمانہ تک سزا بھگتنے کے بعد جہنم سے نکل آئے کہ بہر حال مسلمان ہے، مگر نہ معلوم کتنے عرصے تک پڑا رہنا پڑے گا۔ جاہل صوفیوں میں وظیفوں اور نفلوں کا تو زور ہوتا ہے، مگر جماعت کی پرواہ نہیں ہوتی، اس کو وہ بزرگی سمجھتے ہیں؛ حالانکہ کمالِ[۴] بزرگی اللہ کے محبوب کا اتباع[۵] ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ تین شخصوں پر حق تعالیٰ شانہٗ لعنت بھیجتے ہیں: ایک اُس شخص پر جس سے نمازی (کسی معقول[۶] وجہ سے) ناراض ہوں اور وہ امامت کرے، دوسرے اس عورت پر جس کا خاوند اس سے ناراض ہو، تیسرے اس شخص پر جو اذان کی آواز سنے اور جماعت میں شریک نہ ہو۔

حل لغات: ① بہتر۔ ② بے پرواہ۔ ③ فخر۔ ④ مکمل، پوری۔ ⑤ پیروی، فرمانبرداری۔ ⑥ درست، صحیح۔

(٦) أَخْرَجَ ابْنُ مَرْدَوَيْهِ عَنْ كَعْبِ إِلْحِبْرِ عليه السلام قَالَ : وَالَّذِيْ أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلٰى مُوْسٰى ، وَالإِنْجِيْلَ عَلٰى عِيْسٰى ، وَالزَّبُوْرَ عَلٰى دَاوٗدَ وَالْفُرْقَانَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ، أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَاتُ فِي الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَاتِ حَيْثُ يُنَادٰى بِهِنَّ : يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ إِلٰى قَوْلِهٖ : وَهُمْ سٰلِمُوْنَ. اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ إِذَا نُوْدِيَ بِهَا.

[وأخرج البيهقي في الشعب عن سعيد بن جبير قال : الصلوات في الجماعات . وأخرج البيهقي عن ابن عباس رضي الله عنهما قال : الرجل يسمع الأذان فلا يجيب الصلوة . كذا في الدر المنثور

قلت : وتمام الآية : ﴿ يوم يكشف عن ساق ويدعون إلى السجود فلا يستطيعون خاشعة أبصارهم ترهقهم ذلّة وقد كانوا يدعون إلى السجود وهم سلمون ﴾

حضرت کَعبِ اَحْبَار علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قسم ہے اُس پاک ذات کی جس نے تورات حضرت موسیٰ پر اور انجیل حضرت عیسیٰ پر اور زبور حضرت داؤد پر (علیٰ نبیّنا وعلیہمُ الصّلوۃ والسّلام) نازل فرمائی اور قرآن شریف سیّدنا محمد ﷺ پر نازل فرمایا کہ یہ آیتیں فرض نمازوں کو جماعت سے ایسی جگہ پڑھنے کے بارے میں جہاں اذان ہوتی ہو نازل ہوئی ہیں۔ (ترجمہ آیات) ”جس دن حق تعالیٰ شانہٗ ساق کی تجلّی[1] فرمائیں گے (جو ایک خاص قسم کی تجلّی ہوگی) اور لوگ اس دن سجدے کے لیے بلائے جائیں گے تو یہ لوگ سجدہ نہیں کرسکیں گے، ان کی آنکھیں شرم کے مارے جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، اس لیے کہ یہ لوگ دنیا میں سجدہ کی طرف بلائے جاتے تھے اور صحیح سالم تندرست تھے، (پھر بھی سجدہ نہیں کرتے تھے)۔

فائدہ: ساق کی تجلّی ایک خاص قسم کی تجلّی ہے جو میدانِ حشر میں ہوگی، اس تجلّی کو دیکھ کر سارے مسلمان سجدہ میں گر جائیں گے، مگر بعض لوگ ایسے ہوں گے جن کی کمر تختہ[2] ہوجائے گی اور سجدہ پر قدرت نہ ہوگی، یہ کون لوگ ہوں گے؟ اس کے بارے میں تفسیریں مختلف وارد ہوئی ہیں۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ جو کعب اَحبارؒ سے منقول[3] ہے اور اسی کے موافق حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے بھی منقول ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے، جو دنیا میں جماعت کی نماز کے واسطے بلائے جاتے تھے اور جماعت کی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ دوسری تفسیر بخاری شریف میں حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا کہ یہ لوگ وہ ہوں گے جو دنیا میں رِیا اور دکھلاوے کے واسطے نماز پڑھتے تھے۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ یہ کافر لوگ ہیں، جو دنیا میں سِرے[4] سے نماز ہی نہیں پڑھتے تھے۔ چوتھی تفسیر یہ ہے کہ اِس سے مراد منافق ہیں۔ وَاللهُ أَعْلَمُ[5] وَعِلْمُهٗ أَتَمُّ.

بہرحال اس تفسیر کے موافق جس کو حضرت کَعبِ اَحبارؒ قسم کھا کر ارشاد فرما رہے ہیں اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی امامِ تفسیر سے اس کی تائید ہوتی ہے؛ کتنا سخت معاملہ ہے کہ میدانِ حشر

حل لغات: (١) چمک، روشنی۔ (٢) اکڑ جانا، بدن کا سخت ہوجانا۔ (٣) نقل کیا گیا۔ (٤) بالکل۔ (٥) اور اللہ زیادہ جاننے والا ہے اور اسی کا علم کامل و مکمل ہے۔

میں ذلّت، نکبت[1] ہو اور جہاں سارے مسلمان سجدے میں مشغول ہوں، اس سے سجدہ ادا نہ ہو سکے۔ اِن کے علاوہ اور بھی بہت سی وعیدیں جماعت کے چھوڑنے پر آئی ہیں، مسلمان کے لیے تو ایک بھی وعید کی ضرورت نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم و ارشاد ہی سب کچھ ہے، اور جس کو اس کی قدر نہیں اس کے لیے ہزار طرح کی وعیدیں بھی بیکار ہیں، جب سزا کا وقت آئے گا تو پشیمانی[2] ہوگی جو بیکار ہوگی۔

تیسرا باب: خشوع وخضوع کے بیان میں

بہت سے لوگ ایسے ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور ان میں سے بہت سے ایسے بھی ہیں جو جماعت کا بھی اہتمام فرماتے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود ایسی بُری طرح پڑھتے ہیں کہ وہ نماز بجائے اس کے ثواب و اجر کا سبب ہو، ناقص[3] ہونے کی وجہ سے مُنہ پر ماردی جاتی ہے، گو[4] نہ پڑھنے سے یہ بھی بہتر ہے، کیونکہ نہ پڑھنے کی صورت میں جو عذاب ہے وہ بہت زیادہ سخت ہے اور اس صورت میں یہ ہوا کہ وہ قابلِ قبول نہ ہوئی اور منہ پر پھینک کر ماردی گئی، اس پر کوئی ثواب نہیں ہوا؛ لیکن نہ پڑھنے میں جس درجہ کی نافرمانی اور نخوت[5] ہوئی، وہ تو اس صورت میں نہ ہوگی۔ البتہ یہ مناسب ہے کہ جب آدمی وقت خرچ کرے، کاروبار چھوڑے، مشقت اُٹھائے تو اس کی کوشش کرنا چاہیے کہ جتنی زیادہ سے زیادہ وزنی اور قیمتی پڑھ سکے، اس میں کوتاہی نہ کرے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے، گو وہ قربانی کے بارے میں ہے، مگر احکام تو سارے ایک ہی ہیں، فرماتے ہیں ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ [سورۂ حج: ۳۷] "نہ تو حق تعالیٰ شانہٗ کے پاس اُن کا گوشت پہونچتا ہے، نہ اُن کا خون، بلکہ اس کے پاس تو تمہارا تقویٰ (اور اخلاص) پہونچتا ہے۔" پس جس درجہ کا اخلاص ہوگا اسی درجہ کی مقبولیت ہوگی۔ حضرت مُعاذ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ نے جب مجھے یمن کو بھیجا تو میں نے آخری وصیت[6] کی درخواست کی، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دین کے ہر کام میں اخلاص کا اہتمام کرنا کہ اخلاص سے تھوڑا عمل بھی بہت کچھ ہے۔ حضرت ثَوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اخلاص والوں کے لیے خوشحالی ہو کہ وہ ہدایت کے چراغ ہیں، ان کی وجہ سے سخت سے سخت فتنے دور ہو جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ضعیف[7] لوگوں کی برکت سے اس امت کی مدد فرماتے ہیں، نیز ان کی دعا سے، ان کی نماز سے، ان کے اخلاص سے۔ [ترغیب] نماز کے بارے میں اللہ جلّ شانہٗ کا ارشاد ہے ﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ﴿٤﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴿٥﴾ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ﴿٦﴾﴾ [سورۂ ماعون] "بڑی خرابی ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں، جو ایسے ہیں کہ دکھلاوا کرتے ہیں"۔ بے خبر ہونے کی بھی

حل لغات: (۱) براحال۔ (۲) شرمندگی۔ (۳) ادھوری۔ (۴) اگرچہ۔ (۵) گھمنڈ، تکبّر۔ (۶) نصیحت، ہدایت۔ (۷) کمزور۔

مختلف تفسیریں کی گئی ہیں: ایک یہ کہ وقت کی خبر نہ ہو قضا کر دے، دوسرے یہ کہ متوجہ نہ ہو ادھر اُدھر مشغول ہو، تیسرے یہ کہ یہی خبر نہ ہو کتنی رکعتیں ہوئیں۔ دوسری جگہ منافقین کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے ﴿وَإِذَا قَامُوٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴾ [سورۂ نساء] "اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت کاہلی[1] سے کھڑے ہوتے ہیں، صرف لوگوں کو دکھلاتے ہیں (کہ ہم بھی نمازی ہیں) اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے مگر بہت تھوڑا سا"۔ ایک جگہ چند انبیاء علی نبیّنا وعلیہم الصّلوٰۃ والسّلام کا ذکر فرما کر ارشاد ہے: ﴿فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴾ [سورۂ مریم] "پس ان نبیوں کے بعد بعضے ایسے ناخلف[2] پیدا ہوئے، جنھوں نے نماز کو برباد کیا اور خواہشاتِ[3] نفسانیہ کے پیچھے پڑ گئے، سو عنقریب آخرت میں خرابی دیکھیں گے"۔ "غَیّ" کا ترجمہ لغت میں "گمراہی" ہے، جس سے مراد آخرت کی خرابی اور ہلاکت ہے اور بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ "غَیّ" جہنم کا ایک طبقہ[4] ہے، جس میں لہو پیپ وغیرہ جمع ہوگا، اس میں یہ لوگ ڈال دیے جائیں گے۔ ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿وَمَا مَنَعَهُمْ أَن تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ إِلَّآ أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَبِرَسُولِهِۦ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلٰوةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كٰرِهُونَ ﴾ [سورۂ توبہ] ترجمہ: "اور ان کی خیر خیرات مقبول ہونے سے اور کوئی چیز بجز[5] اس کے مانع[6] نہیں ہے کہ انھوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور نماز نہیں پڑھتے مگر کاہلی سے اور نیک کام میں خرچ نہیں کرتے مگر گرانی[7] سے۔

اس کے بالمُقابل اچھی طرح سے نماز پڑھنے والوں کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۙ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خٰشِعُونَ ۙ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۙ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُونَ ۙ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حٰفِظُونَ ۙ إِلَّا عَلٰىٓ أَزْوٰجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمٰنُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۚ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُونَ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُونَ ۙ وَالَّذِينَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۘ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُونَ ۙ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ ۖ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴾ [سورۂ مومنون] (ترجمہ) "بے شک کامیابی اور فلاح کو پہونچ گئے وہ مومن، جو اپنی نماز میں خُشُوع کرنے والے ہیں اور وہ لوگ جو لَغوِیات[8] سے اِعراض[9] کرنے والے ہیں اور جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں۔ (زکوٰۃ کی تفسیر میں اختلاف ہے کہ اس جگہ مشہور معنی زکوٰۃ کے مراد ہیں یا زکوٰۃِ بدنی یعنی اپنی اصلاح اور نفس کا تزکیہ[10])۔ (یا اپنے اخلاق کو درست کرنے والے ہیں) اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں بجز اپنی بیویوں اور باندیوں کے کہ اُن میں کوئی حرج نہیں، البتہ جو

حل لغات: (۱) سستی۔ (۲) برے لوگ۔ (۳) نفس کی تمنائیں۔ (۴) درجہ۔ (۵) سوائے، علاوہ۔ (۶) روکنے والا۔ (۷) ناگواری۔ (۸) بیکار باتوں۔ (۹) بچنے والے۔ (۱۰) پاک صاف کرنا۔

ان کے علاوہ اور جگہ شہوت پوری کرنا چاہیں، وہ لوگ حد سے گزرنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد[1] و پیمان کی رِعایت کرنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کا اہتمام کرنے والے ہیں؛ یہی لوگ جنت کے وارث ہیں جو فِردوس کے وارث بنیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ کو اس میں رہیں گے۔'' حدیث میں آیا ہے کہ فِردوس جنت کا اعلیٰ اور افضل ترین حصہ ہے، وہاں سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں، اسی پر عرشِ الٰہی ہوگا، جب تم جنت کی دعا کیا کرو تو جنتُ الفِردوس مانگا کرو۔ دوسری جگہ نماز کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے ﴿وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝﴾ [سورۂ بقرہ] ترجمہ: ''بے شک نماز دُشوار[2] ہے مگر جن کے دلوں میں خشوع ہے اُن پر کچھ بھی دشوار نہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو اس کا خیال رکھتے ہیں کہ بلا شبہ وہ اپنے رب سے قیامت میں ملنے والے ہیں اور مرنے کے بعد اسی کی طرف لوٹ کے جانے والے ہیں''۔ ایسے ہی لوگوں کی تعریف میں ایک جگہ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝﴾ [سورۂ نور] ''ایسے گھروں میں جن کے متعلق اللہ جلَّ شانہٗ نے حکم فرمادیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے، ان کو بلند کیا جائے؛ ان میں صبح شام اللہ کی تسبیح کرتے ہیں، ایسے لوگ جن کو اللہ کی یاد سے اور نماز کے قائم کرنے سے اور زکوٰۃ کے دینے سے نہ تو تجارت غافل کرتی ہے، نہ خرید وفروخت غفلت میں ڈالتی ہے، وہ لوگ ایسے دن کی سختی سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں اُلٹ پلٹ ہو جائیں گی (یعنی قیامت کا دن) اور وہ لوگ یہ سب کچھ اس لیے کرتے ہیں کہ اللہ جلَّ شانہٗ ان کے نیک اعمال کا بدلہ ان کو عطا فرماویں اور بدلہ سے بھی بہت زیادہ انعامات اپنے فضل سے عطا فرماویں اور اللہ جلَّ شانہٗ تو جس کو چاہتے ہیں بے شمار عطا فرمادیتے ہیں''۔

تُو وہ داتا[3] ہے کہ دینے کے لیے در[4] تری رحمت کے ہیں ہر دم کُھلے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نماز قائم کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس کے رکوع سجدہ کو اچھی طرح ادا کرے، ہمہ[5] تن مُتوجہ رہے اور خشوع کے ساتھ پڑھے۔ قتادہؒ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ نماز کا قائم کرنا: اس کے اوقات کی حفاظت رکھنا اور وضو کا اور رکوع سجدے کا اچھی طرح ادا کرنا ہے۔ یعنی جہاں جہاں قرآن شریف میں ﴿اَقَامَ الصَّلٰوةَ﴾ اور ﴿يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ آیا ہے، یہی مراد ہے۔ [دُرِّمنثور] یہی لوگ ہیں جن کی تعریف دوسری جگہ ان الفاظ سے ارشاد فرمائی گئی ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ

حل لغات: (۱) وعدے۔ (۲) مشکل۔ (۳) دینے والا، سخی۔ (۴) دروازہ۔ (۵) مکمل طور سے۔

يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾ [سورۂ فرقان] ''اور رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر عاجزی سے (اکڑ کر نہیں چلتے) اور جب اُن سے جاہل لوگ (جہالت کی) بات کرتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ سلام (یعنی سلامتی کی بات کرتے ہیں جو رفعِ شر[1] کی ہو، یا بس دُور ہی سے سلام) اور یہ وہ لوگ ہیں جو رات بھر گذار دیتے ہیں اپنے رب کے لیے سجدے کرنے میں اور نماز میں کھڑے رہنے میں''۔ آگے ان کے اور چند اوصاف ذکر فرمانے کے بعد ارشاد ہے: ﴿اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿٧٥﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٧٦﴾﴾ [سورۂ فرقان] ''یہی لوگ ہیں جن کو جنت کے بالاخانے[2] بدلہ میں دیے جائیں گے، اس لیے کہ انھوں نے صبر کیا (یا دین پر ثابت[3] قدم رہے) اور جنت میں فرشتوں کی طرف سے دعا وسلام سے اِستقبال کیا جاوے گا اور اس جنت میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، کیا ہی اچھا ٹھکانہ اور رہنے کی جگہ ہے''۔ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٤﴾﴾ [سورۂ رعد] ''اور فرشتے ہر دروازے سے داخل ہوں گے اور کہیں گے کہ تم پر سلام (اور سلامتی) ہو، اس وجہ سے کہ تم نے صبر کیا (یا دین پر مضبوط اور ثابت قدم رہے) پس کیا ہی اچھا انجام[4] کار ٹھکانہ ہے۔ انہیں لوگوں کی تعریف دوسری جگہ ان الفاظ سے فرمائی گئی ہے ﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۡ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿١٦﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٧﴾﴾ [سورۂ سجدہ] ''(وہ لوگ ایسے ہیں کہ رات کو) ان کے پہلو[5]، ان کے خواب[6] گاہوں اور بستروں سے علیحدہ رہتے ہیں (کہ نماز پڑھتے رہتے ہیں اور) اپنے رب کو عذاب کے ڈر سے اور ثواب کی اُمید میں پکارتے رہتے ہیں اور ہماری عطا کی ہوئی چیزوں سے خرچ کرتے ہیں، سو کوئی بھی نہیں جانتا کہ ایسے لوگوں کے لیے کیا کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان پردۂ غیب[7] میں موجود ہے، جو بدلہ ہے ان کے نیک اعمال کا''۔ انہیں لوگوں کی شان میں ہے: ﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿١٥﴾ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ﴿١٦﴾ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿١٧﴾ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿١٨﴾﴾ [سورۂ ذاریات] ''بے شک متقی لوگ جنتوں اور پانی کے چشموں کے درمیان میں ہوں گے اور اُن کو اُن کے رب اور مالک نے جو کچھ ثواب عطا فرمایا، اُس کو خوشی خوشی لے رہے ہوں گے اور کیوں نہ ہو کہ وہ لوگ اس سے پہلے (دنیا میں) اچھے کام کرنے والے تھے، وہ لوگ رات کو بہت کم

حل لغات: (١) برائی کو ختم کرنا۔ (٢) اوپر کے مکانات۔ (٣) مضبوطی سے قائم رہنا۔ (٤) آخری۔ (٥) مراد جسم۔ (٦) بستروں۔ (٧) آخرت۔

سوتے تھے اور اخیر شب[1] میں استغفار کرنے والے تھے''۔ ایک جگہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۹﴾ ﴾[سورۂ زمر] ''(کیا برابر ہوسکتا ہے بے دین) اور وہ شخص جو عبادت کرنے والا ہو رات کے اوقات میں، کبھی سجدہ کرنے والا ہو اور کبھی نیت باندھ کر کھڑا ہونے والا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کا اُمید وار ہو (اچھا آپ اُن سے یہ پوچھیں) کہیں عالم اور جاہل برابر ہوسکتا ہے؟ (اور یہ ظاہر ہے کہ عالم اپنے رب کی عبادت کرے گا ہی اور جو ایسے کریم مولیٰ کی عبادت نہ کرے وہ جاہل بلکہ اَجْہَل[2] ہے ہی) نصیحت وہی لوگ مانتے ہیں جو اہل عقل ہیں''۔

ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ ﴾[سورۂ معارج] ''اس میں شک نہیں کہ انسان غیر مستقل[3] مزاج پیدا ہوا ہے کہ جب کوئی تکلیف اس کو پہونچتی ہے تو بہت زیادہ گھبرا جاتا ہے اور جب کوئی بھلائی پہونچتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے کہ دوسرے کو یہ بھلائی نہ پہونچے؛ مگر (ہاں) وہ نمازی جو اپنی نماز کے ہمیشہ پابند رہتے ہیں اور سکون ووقار سے پڑھنے والے ہیں''۔ آگے ان کی اور چند صفتیں ذکر فرمانے کے بعد ارشاد ہے کہ ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓئِكَ فِىْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ ﴾[سورۂ معارج] ''اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کا جنتوں میں اکرام کیا جائے گا''۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں نماز کا حکم اور نمازیوں کے فضائل، ان کے اعزاز واکرام ذکر فرمائے گئے ہیں اور حقیقت میں نماز ایسی ہی دولت ہے؛ اسی وجہ سے دو جہان کے سردار فخرِ رُسل حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے''۔ اسی وجہ سے حضرت ابراہیم خلیلُ اللہ دعا فرماتے ہیں: ﴿ رَبِّ اجْعَلْنِىْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ ﴾[سورۂ ابراہیم] ''اے رب مجھ کو نماز کا خاص اہتمام کرنے والا بنادے اور میری اولاد میں سے بھی ایسے لوگ پیدا فرما جو اہتمام کرنے والے ہوں، اے ہمارے رب میری یہ دعا قبول فرمالے''۔ اللہ کا ایک پیارا نبی جس کو خلیل[4] ہونے کا بھی فخر ہے وہ نماز کی پابندی اور اہتمام کو اللہ ہی سے مانگتا ہے''۔ خودحق سبحانہ وتقدس اپنے محبوب سیِّد المرسَلین کو حکم فرماتے ہیں ﴿ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾ ﴾[سورۂ طٰہٰ] ''اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرتے رہیے اور خود بھی اس کا اہتمام کیجیے، ہم آپ سے روزی (کموانا) نہیں چاہتے، روزی تو آپ کو ہم دیں گے اور بہترین انجام تو

حل لغات: (۱) رات۔ (۲) بہت بڑا جاہل۔ (۳) جس کے مزاج میں مضبوطی اور جماؤ نہ ہو۔ (۴) دوست۔

پرہیز گاری کا ہے''۔ حدیث میں آیا ہے جب نبی اکرم ﷺ کو کچھ تنگی وغیرہ پیش آتی تو گھر والوں کو نماز کا حکم فرماتے اور یہ آیت تلاوت فرماتے۔ اور یہی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا بھی معمول نقل کیا گیا کہ جب بھی ان حضرات کو کوئی دِقّت[1] پیش آتی تو نماز میں مشغول ہو جاتے؛ مگر ہم لوگ اس اہم چیز سے ایسے غافل اور بے نیاز ہیں کہ اسلام اور مسلمانی کے لمبے لمبے دعوؤں کے باوجود بھی ادھر متوجہ نہیں ہوتے، بلکہ اگر کوئی بلانے والا، کہنے والا کھڑا ہوتا ہے تو اس پر فِقرے[2] کَستے ہیں، اس کی مخالفت کرتے ہیں، مگر کسی کا کیا نقصان ہے؛ اپنا ہی کچھ کھوتے ہیں۔ اور جو لوگ نماز پڑھتے بھی ہیں، اُن میں سے بھی اکثر ایسی پڑھتے ہیں جس کو نماز کے ساتھ مذاق سے اگر تعبیر کیا جائے تو بیجا[3] نہیں کہ اکثر اَرکان[4] بھی پورے طور سے ادا نہیں ہوتے، خُشُوع خُضُوع کا تو کیا ذکر ہے؛ حالانکہ نبی اکرم ﷺ کا نمونہ سامنے ہے، وہ ہر کام خود کر کے دکھلا گئے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے کارنامے بھی سامنے ہیں ان کا اِتّباع کرنا چاہیے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے چند قِصّے نمونے کے طور پر اپنے رسالہ ''حکایاتِ صحابہ'' میں لکھ چکا ہوں، یہاں اُن کے اِعادہ[5] کی ضرورت نہیں؛ البتہ اس رسالہ میں چند حکایات صوفیاء کی نقل کرنے کے بعد چند ارشادات نبی اکرم ﷺ کے نقل کرتا ہوں۔

حکایات

شیخ عبدالواحدؒ مشہور صُوفیاء میں ہیں، فرماتے ہیں کہ ایک روز نیند کا اتنا غلبہ ہوا کہ رات کو اَوْرَاد[6] ووَظَائِف بھی چھوٹ گئے، خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت حسین خوبصورت لڑکی سبز[7] ریشمی لباس پہنے ہوئے ہے، جس کے پاؤں کی جُوتیاں تک تسبیح میں مشغول ہیں، کہتی ہے کہ میری طلب[8] میں کوشش کر، میں تیری طلب میں ہوں، اس کے بعد اس نے چند شوقیہ شعر پڑھے۔ یہ خواب سے اُٹھے اور قسم کھالی کہ رات کو نہیں سوؤں گا، کہتے ہیں کہ چالیس[40] برس تک صبح کی نماز عشاء کی وُضو سے پڑھی۔ [نُزْہَۃ]

شیخ مظہر سَعدیؒ ایک بزرگ ہیں جو اللہ جلَّ شانہٗ کے عشق وشوق میں ساٹھ[60] برس تک روتے رہے، ایک شب[9] خواب میں دیکھا، گویا ایک نہر ہے جس میں خالص[10] مُشک بھرا ہوا ہے اور اس کے کناروں پر موتیوں کے درخت سونے کی شاخوں والے لہلہا رہے ہیں، وہاں چند نوعمر لڑکیاں پکار پکار کر اللہ کی تسبیح میں مشغول ہیں۔ انھوں نے پوچھا: تم کون ہو؟ تو انھوں نے دو[2] شعر پڑھے، جن کا مطلب یہ تھا کہ ہم کو لوگوں کے معبود اور محمد ﷺ کے پروردگار نے ان لوگوں کے واسطے پیدا فرمایا ہے، جو رات کو اپنے پروردگار کے سامنے اپنے قدموں پر کھڑے رہتے ہیں اور اپنے اللہ سے مُناجات[11] کرتے رہتے ہیں۔

حل لغات: (۱) پریشانی۔ (۲) طعنہ دینا۔ (۳) غلط۔ (۴) رکن کی جمع، نماز میں کیے جانے والے افعال جیسے رکوع، سجدہ، قومہ، قیام وغیرہ۔ (۵) دہرانا۔ (۶) ورد کی جمع، ذکر وغیرہ۔ (۷) ہرا رنگ۔ (۸) حاصل کرنا۔ (۹) رات۔ (۱۰) اصلی۔ (۱۱) بات چیت، مراد نماز اور دعا وغیرہ پڑھنا۔

ابوبکر ضَریرؒ کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک نوجوان غلام رہتا تھا، دن بھر روزہ رکھتا تھا اور رات بھر تہجّد پڑھتا تھا، ایک دن وہ میرے پاس آیا اور بیان کیا کہ میں اتفاق سے آج رات سو گیا تھا، خواب میں دیکھا کہ مُحرابؔ[1] کی دیوار پھٹی اس میں سے چند لڑکیاں نہایت ہی حسین اور خوبصورت ظاہر ہوئیں، مگر ایک ان میں نہایت بدصورت بھی ہے۔ میں نے اُن سے پوچھا: تم کون ہو؟ اور یہ بدصورت کون ہے؟ وہ کہنے لگیں کہ ہم تیری گذشتہ[2] راتیں ہیں اور یہ تیری آج کی رات ہے۔ [نُزْہَۃ]

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ مجھے ایک رات ایسی گہری نیند آئی کہ آنکھ نہ کھلی، میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک ایسی نہایت حسین لڑکی ہے کہ اُس جیسی میں نے عمر بھر نہیں دیکھی، اس میں سے ایسی تیز خوشبو مہک رہی تھی کہ میں نے ویسی خوشبو بھی کبھی نہیں سونگھی، اس نے مجھے ایک کاغذ کا پرچا دیا؛ جس میں تین شعر لکھے ہوئے تھے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ تُو نیند کی لذت میں مشغول ہو کر جنت کے بالاخانوں[3] سے غافل ہو گیا، جہاں ہمیشہ تجھے رہنا ہے اور موت بھی وہاں نہیں آئے گی، اپنی نیند سے اُٹھ، سونے سے تہجد میں قرآن پڑھنا بہت بہتر ہے۔ کہتے ہیں اس کے بعد سے جب مجھے نیند آتی ہے اور یہ اشعار یاد آتے ہیں تو نیند بالکل اُڑ جاتی ہے۔

حضرت عطاؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک بازار میں گیا، وہاں ایک باندی فروخت[4] ہو رہی تھی، جو دیوانی بتائی جاتی تھی، میں نے سات دینار میں خرید لی اور اپنے گھر لے آیا۔ جب رات کا کچھ حصہ گذرا تو میں نے دیکھا کہ وہ اٹھی، وضو کیا، نماز شروع کر دی اور نماز میں اس کی حالت یہ تھی کہ روتے روتے اس کا دم نکلا جاتا تھا، نماز کے بعد اس نے مُناجات[5] شروع کی اور یہ کہنے لگی: اے میرے معبود! آپ کو مجھ سے محبت رکھنے کی قسم! مجھ پر رحم فرما۔ میں نے اس سے کہا کہ اس طرح نہ کہو، یوں کہو کہ مجھے تجھ سے محبت رکھنے کی قسم۔ یہ سن کر اس کو غصہ آ گیا اور کہنے لگی: قسم ہے اُس ذات کی، اگر اس کو مجھ سے محبت نہ ہوتی تو تجھے میٹھی نیند نہ سلاتا اور مجھے یوں نہ کھڑا رکھتا، پھر اوندھے منہ گر گئی اور چند شعر پڑھے، جن کا مطلب یہ ہے کہ بے چینی بڑھتی جا رہی ہے اور دل جلا جا رہا ہے اور صبر جاتا رہا اور آنسو بہہ رہے ہیں، اس شخص کو کس طرح قرار[6] آ سکتا ہے، جس کو عشق و شوق اور اِضطِراب[7] سے چین ہی نہیں۔ اے اللہ! اگر کوئی خوشی کی چیز ہو تو اس کو عطا فرما کر مجھ پر احسان فرما۔ اس کے بعد بلند آواز سے یہ دعا کی کہ یا اللہ! میرا اور آپ کا معاملہ اب تک پوشیدہ[8] تھا اب مخلوق کو خبر ہو چلی، اب مجھے اٹھا لیجیے؛ یہ کہہ کر زور سے ایک چیخ ماری اور مر گئی۔

اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت سِرّیؒ کے ساتھ بھی پیش آیا، کہتے ہیں کہ میں نے اپنی خدمت کے لیے ایک باندی خریدی، ایک مدت تک وہ میری خدمت کرتی رہی اور اپنی حالت کا مجھ سے اِخفا[9] کرتی رہی،

حل لغات: ① امام کے کھڑے ہونے کی جگہ۔ ② گذری ہوئی۔ ③ اوپر کے مکانات۔ ④ بیچنا۔ ⑤ دعا وغیرہ۔ ⑥ سکون۔ ⑦ بے قراری۔ ⑧ چھپا ہوا۔ ⑨ چھپانا۔

اس کی نماز کی ایک جگہ مُتعیّن[1] تھی، جب کام سے فارغ ہو جاتی وہاں جا کر نماز میں مشغول ہو جاتی۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ وہ کبھی نماز پڑھتی ہے اور کبھی مناجات[2] میں مشغول ہو جاتی ہے اور کہتی ہے کہ آپ اس محبت کے وسیلے[3] سے جو مجھ سے ہے فلاں فلاں کام کر دیں۔ میں نے آواز سے کہا کہ اے عورت! یوں کہہ کہ میری محبت کے وسیلے سے جو مجھے آپ سے ہے۔ کہنے لگی: میرے آقا اگر اُس کو مجھ سے محبت نہ ہوتی تو تمھیں نماز سے بٹھلا کر مجھے کھڑا نہ کرتا۔ سریؒ کہتے ہیں جب صبح ہوئی تو میں نے اس کو بلا کر کہا کہ تُو میری خدمت کے قابل نہیں، اللہ ہی کی عبادت کے لائق ہے، اس کو کچھ سامان دے کر آزاد کر دیا۔ [نُزْہَۃ]

حضرت سِرّی سَقَطیؒ ایک عورت کا حال بیان فرماتے ہیں کہ جب وہ تہجّد کی نماز کو کھڑی ہوتی تو کہتی: اے اللہ! ابلیس بھی تیرا بندہ ہے اس کی پیشانی بھی تیرے قبضہ میں ہے، وہ مجھے دیکھتا ہے اور میں اُسے نہیں دیکھ سکتی، تُو اُسے دیکھتا ہے اور اس کے سارے کاموں پر قادر ہے اور وہ تیرے کسی کام پر بھی قدرت نہیں رکھتا، اے اللہ! اگر وہ میری بُرائی چاہے تو تُو اُس کو دفع[4] کر اور وہ میرے ساتھ مکر[5] کرے تو تُو اس کے مکر کا اِنتقام[6] لے، میں اس کے شر[7] سے تیری پناہ مانگتی ہوں اور تیری مدد سے اس کو ڈھکیلتی ہوں۔ اس کے بعد وہ روتی رہتی تھی، حتیٰ کہ روتے روتے اس کی ایک آنکھ جاتی رہی۔ لوگوں نے اس سے کہا: خدا سے ڈر کہیں دوسری آنکھ بھی نہ جاتی رہے۔ اس نے کہا: اگر یہ آنکھ جنت کی آنکھ ہے تو اللہ جلَّ شانہٗ اس سے بہتر عطا فرمائیں گے اور اگر دوزخ کی آنکھ ہے تو اس کا دُور ہی ہونا اچھا۔

شیخ ابو عبداللہ جلاءؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن میری والدہ نے میرے والد سے مچھلی کی فرمائش کی۔ والد صاحب بازار تشریف لے گئے، میں بھی ساتھ تھا، مچھلی خریدی، گھر تک لانے کے واسطے مزدور کی تلاش تھی کہ ایک نوعمر لڑکا جو پاس ہی کھڑا تھا، کہنے لگا: چچا جان! اسے اٹھانے کے واسطے مزدور چاہیے؟ کہا: ہاں! اس لڑکے نے اپنے سر پر اُٹھالی اور ہمارے ساتھ چل دیا، راستہ میں اس نے اذان کی آواز سن لی، کہنے لگا: اللہ کے مُنادِی[8] نے بلایا ہے، مجھے وضو بھی کرنا ہے، نماز کے بعد لے جاسکوں گا، آپ کا دل چاہے انتظار کر لیجیے ورنہ اپنی مچھلی لے لیجیے، یہ کہہ کر مچھلی رکھ کر چلا گیا، میرے والد صاحب کو خیال آیا کہ یہ مزدور لڑکا تو ایسا کرے، ہمیں بطریقِ[9] اَولیٰ اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے، یہ سوچ کر وہ بھی مچھلی رکھ کر مسجد میں چلے گئے۔ نماز سے فارغ ہو کر ہم سب آئے تو مچھلی اسی طرح رکھی ہوئی تھی، اس لڑکے نے اُٹھا کر ہمارے گھر پہونچا دی۔ گھر جا کر والد نے یہ عجیب قِصّہ والدہ کو سنایا، اُنھوں نے فرمایا کہ اس کو روک لو وہ بھی مچھلی کھا کر جائے۔ اس سے کہا گیا، اس نے جواب دیا کہ میرا تو روزہ ہے، والد نے اِصرار[10] کیا کہ شام کے وقت یہیں آ کر افطار کرے، لڑکے نے کہا

حل لغات: (۱) طے ہونا۔ (۲) دعا وغیرہ۔ (۳) واسطے۔ (۴) دُور کرنا۔ (۵) دھوکہ۔ (۶) بدلہ۔ (۷) بُرائی۔ (۸) پکارنے والا۔ (۹) ضرور۔ (۱۰) ضد، بار بار کہنا۔

کہ میں ایک دفعہ جا کر دوبارہ نہیں آتا، یہ ممکن ہے کہ میں پاس ہی مسجد میں ہوں شام کو آپ کی دعوت کھا کر چلا جاؤں گا۔ یہ کہہ کر وہ قریب ہی مسجد میں چلا گیا، شام کو بعد مغرب آیا، کھانا کھایا اور کھانے سے فراغت پر اس کو تخلیہ[1] کی جگہ بتا دی۔ ہمارے قریب ہی ایک اپاہج[2] عورت رہا کرتی تھی، ہم نے دیکھا کہ وہ بالکل اچھی تندرست آ رہی ہے، ہم نے اس سے پوچھا کہ تُو کس طرح اچھی ہوگئی؟ کہا: میں نے اس مہمان کے طُفیل[3] سے دعا کی تھی کہ یا اللہ! اس کی برکت سے مجھے اچھا کر دے، میں فوراً اچھی ہوگئی۔ اس کے بعد جب ہم اس کے تخلیہ کی جگہ اس کو دیکھنے گئے، تو دیکھا دروازے بند ہیں اور اس مزدور کا کہیں پتہ نہیں۔

ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ ان کے پاؤں میں پھوڑا نکل آیا۔ طبیبوں نے کہا: اگر ان کا پاؤں نہ کاٹا گیا تو ہلاکت کا اندیشہ[4] ہے۔ ان کی والدہ نے کہا: ابھی ٹھہر جاؤ، جب یہ نماز کی نیت باندھ لیں تو کاٹ لینا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، ان کو خبر بھی نہ ہوئی۔

ابو عامرؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک باندی دیکھی جو بہت کم داموں میں فروخت[5] ہو رہی تھی جو نہایت دُبلی پتلی تھی، اس کا پیٹ کمر سے لگ رہا تھا، بال بکھرے ہوئے تھے، میں نے اس پر رحم کھا کر اُس کو خرید لیا، اس سے کہا کہ ہمارے ساتھ بازار چل، رمضان المبارک کے واسطے کچھ ضروری سامان خرید لیں۔ کہنے لگی: اللہ کا شکر ہے جس نے میرے واسطے سارے مہینے یکساں[6] کر دیے، وہ ہمیشہ دن کو روزہ رکھتی رات بھر نماز پڑھتی، جب عید قریب آئی تو میں نے اس سے کہا کہ کل صبح بازار چلیں گے تُو بھی ساتھ چلنا، عید کے واسطے ضروری کچھ سامان خرید لائیں گے۔ کہنے لگی: میرے آقا تم تو دنیا میں بہت ہی مشغول ہو، پھر اندر گئی اور نماز میں مشغول ہوگئی اور اطمینان سے ایک ایک آیت مزے لے لے کر پڑھتی رہی، حتیٰ کہ اس آیت پر پہونچی ﴿ وَيُسْقَىٰ مِن مَّآءٍ صَدِيدٍ ﴿١٦﴾ ﴾ الآیۃ [سورۂ ابراہیم] اس آیت کو بار بار پڑھتی رہی اور ایک چیخ مار کر اس دنیا سے رُخصت ہوگئی۔

ایک سیّد صاحب کا قصہ لکھا ہے کہ بارہ[12] دن تک ایک ہی وضو سے ساری نمازیں پڑھیں اور پندرہ[15] برس مُسلسل لیٹنے کی نَوبت[7] نہیں آئی، کئی کئی دن ایسے گذر جاتے کہ کوئی چیز چکھنے کی نوبت نہ آتی تھی۔

اہلِ مُجاہدہ[8] لوگوں میں اس قسم کے واقعات بہت کثرت سے ملتے ہیں۔ ان حضرات کی حرص[9] تو بہت ہی مشکل ہے کہ اللہ جلّ شانہ نے ان کو پیدا ہی اس لیے فرمایا تھا؛ لیکن جو حضراتِ اکابر کہ دوسرے دینی اور دنیوی مَشاغِل[10] میں مشغول تھے، ان کی حرص بھی ہم جیسوں کو دشوار ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے سب ہی واقف[11] ہیں، خلفاءِ راشدین کے بعد اُنہیں کا شمار ہے، ان کی بیوی فرماتی ہیں کہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے

حل لغات: (۱) تنہائی اور آرام کی جگہ۔ (۲) معذور۔ (۳) واسطہ۔ (۴) ڈر۔ (۵) بیچنا۔ (۶) برابر۔ (۷) موقع، مُہلت، فُرصت۔ (۸) دین کے لیے محنت ومشقت کرنے والے۔ (۹) تمنّا، لالچ۔ (۱۰) مشغلہ کی جمع، کام۔ (۱۱) جاننا۔

زیادہ وضو اور نماز میں مشغول ہونے والے تو اور بھی ہوں گے، مگر ان سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا میں نے نہیں دیکھا، عشاء کی نماز کے بعد مُصلّے پر بیٹھ جاتے اور دعا کے واسطے ہاتھ اُٹھاتے اور روتے رہتے، حتیٰ کہ اسی میں نیند کا غلبہ ہوتا تو آنکھ لگ جاتی، پھر جب کُھل جاتی تو اسی طرح روتے رہتے اور دعا میں مشغول رہتے۔ کہتے ہیں کہ خلافت[1] کے بعد سے جَنابت کے غسل کی نوبت نہیں آئی۔ ان کی بیوی عبدالملک بادشاہ کی بیٹی تھیں، باپ نے بہت سے زیورات جواہر[2] دیے تھے اور ایک ایسا ہیرا دیا تھا، جس کی نظیر[3] نہیں تھی۔ آپ نے بیوی سے فرمایا کہ دو باتوں میں سے ایک اختیار کر، یا تو وہ زیور سارا اللہ کے واسطے دے کہ میں اس کو بیت المال میں داخل کر دوں یا مجھ سے جُدائی اختیار کر لے، مجھے یہ چیز ناگوار[4] ہے کہ میں اور وہ مال ایک گھر میں جمع رہیں۔ بیوی نے عرض کیا کہ وہ مال کیا چیز ہے، میں اس سے کئی چند زیادہ پر بھی آپ کو نہیں چھوڑ سکتی۔ یہ کہہ کر سب بیت المال میں داخل کر دیا۔ آپ کے انتقال کے بعد جب عبدالملک کا بیٹا ''یزید'' بادشاہ بنا تو اس نے بہن سے دریافت کیا: اگر تم چاہو تو تمہارا زیور تم کو واپس دے دیا جائے۔ فرمانے لگیں کہ جب میں اُن کی زندگی میں اس سے خوش نہ ہوئی تو ان کے مرنے کے بعد اس سے کیا خوش ہوں گی؟ مَرَضُ[5] الموت میں آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ اس مرض کے متعلق کیا خیال کیا جاتا ہے؟ کسی نے عرض کیا کہ لوگ جادو سمجھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ نہیں، پھر ایک غلام کو بلایا، اس سے پوچھا کہ مجھے زہر دینے پر کس چیز نے تجھ کو آمادہ کیا؟ اس نے کہا سو دینار دیے گئے اور آزادی کا وعدہ کیا گیا، آپ نے فرمایا: وہ دینار لے آ۔ اس نے حاضر کیے آپ نے ان کو بیت المال میں داخل فرما دیا اور اس غلام سے فرمایا: تو کسی ایسی جگہ چلا جا جہاں تجھے کوئی نہ دیکھے۔ انتقال کے وقت مسلمہؒ اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے اولاد کے ساتھ ایسا کیا جو کسی نے بھی نہیں کیا ہوگا، آپ کے تیرہ بیٹے ہیں اور ان کے لیے نہ کوئی روپیہ آپ نے چھوڑا، نہ پیسہ۔ آپ نے فرمایا: ذرا مجھے بٹھا دو، بیٹھ کر فرمایا کہ میں نے ان کا کوئی حق نہیں دبایا اور جو دوسروں کا حق تھا وہ ان کو دیا نہیں، پس اگر وہ صالح[6] ہیں تو اللہ جلّ شانہٗ خود ان کا کفیل[7] ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہے ﴿وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ۝١٩٦﴾ [سورۂ اعراف] (وہی مُتوَلّی ہے صُلَحاء کا) اور اگر وہ گنہگار ہیں تو ان کی مجھے بھی کچھ پرواہ نہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ جو فقہ کے مشہور امام ہیں، دن بھر مسائل میں مشغول رہنے کے باوجود رات دن میں تین سو رکعات نفل پڑھتے تھے۔ حضرت سعید بن جُبیرؒ ایک رکعت میں پورا قرآن شریف پڑھ لیتے تھے۔ حضرت محمد بن مُنکدِر حُفّاظِ[8] حدیث میں ہیں، ایک رات تہجّد میں اتنی کثرت سے روئے کہ

حل لغات: (١) مسلمانوں کا اسلامی بادشاہ بننا۔ (٢) ہیرے موتی۔ (٣) مثال۔ (٤) ناپسند۔ (٥) وہ بیماری جس میں انتقال ہو۔ (٦) نیک۔ (٧) ذمہ دار۔ (٨) جنہیں کم از کم ایک لاکھ حدیثیں یاد ہوں۔

حد نہ رہی، کسی نے دریافت کیا تو فرمایا: تلاوت میں یہ آیت آگئی تھی ﴿وَبَدَا لَهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمۡ يَكُوۡنُوۡا يَحۡتَسِبُوۡنَ ۝۴۷﴾ [سورۂ زمر] اخیر تک۔ اوپر کی آیت میں اس کا ذکر ہے کہ "اگر ظلم کرنے والوں کے پاس دنیا کی ساری چیزیں ہوں اور اتنی ہی ان کے ساتھ اور بھی ہوں، تو وہ قیامت کے دن سخت عذاب سے چھوٹنے کے لیے فِدیۂ[1] کے طور پر دینے لگیں"۔ اس کے بعد ارشاد ہے ﴿وَبَدَا لَهُمۡ﴾ الآیۃ "اور اللہ کی طرف سے ان کے لیے (عذاب کا) وہ معاملہ پیش آئے گا، جس کا اُن کو گمان بھی نہ تھا اور اس وقت ان کو اپنی تمام بداعمالیاں ظاہر ہو جائیں گی"۔ حضرت محمد بن مُنکَدِرؒ وفات کے وقت بھی بہت گھبرا رہے تھے اور فرماتے تھے کہ اسی آیت سے ڈر رہا ہوں۔

حضرت ثابت بُنانیؒ حُفَّاظِ حدیث میں ہیں، اس قدر کثرت سے اللہ کے سامنے روتے تھے کہ حد نہیں۔ کسی نے عرض کیا کہ آنکھیں جاتی رہیں گی۔ فرمایا کہ ان آنکھوں سے اگر روئیں نہیں تو فائدہ ہی کیا ہے۔ اس کی دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ! اگر کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت ہو سکتی ہو تو مجھے بھی ہو جائے۔ ابوسنانؒ کہتے ہیں: خدا کی قسم! میں ان لوگوں میں تھا جنھوں نے ثابت کو دفن کیا، دفن کرتے ہوئے لَحَدْ[2] کی ایک اینٹ گر گئی تو میں نے دیکھا کہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں، میں نے اپنے ساتھی سے کہا: دیکھو یہ کیا ہو رہا ہے۔ اُس نے مجھے کہا: چُپ ہو جاؤ۔ جب دفن کر چکے تو اُن کے گھر جا کر ان کی بیٹی سے دریافت کیا کہ ثابت کا عمل کیا تھا؟ اس نے کہا: کیوں پوچھتے ہو؟ ہم نے قصہ بیان کیا۔ اس نے کہا کہ پچاس۵۰ برس شب بیداری[3] کی اور صبح کو ہمیشہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ! اگر تو کسی کو یہ دولت عطا کرے کہ وہ قبر میں نماز پڑھے تو مجھے بھی عطا فرما۔ [اِقامۃ الحُجّۃ]

حضرت امام ابو یوسفؒ باوجود علمی مَشاغِل[4] کے جو سب کو معلوم ہیں اور ان کے علاوہ قاضیُ القُضاۃ[5] ہونے کی وجہ سے قضا[6] کے مشاغل علیحدہ[7] تھے؛ لیکن پھر بھی دوسو۲۰۰ رکعات نوافل روزانہ پڑھتے تھے۔ حضرت محمد بن نَصْرؒ مشہور مُحدِّث ہیں، اس اِنہماک[8] سے نماز پڑھتے تھے جس کی نظیر[9] مشکل ہے۔ ایک مرتبہ پیشانی پر ایک بھڑ[10] نے نماز میں کاٹا، جس کی وجہ سے خون بھی نکل آیا، مگر نہ حرکت ہوئی، نہ خشوع خضوع[11] میں کوئی فرق آیا۔ کہتے ہیں کہ نماز میں لکڑی کی طرح سے بے حرکت کھڑے رہتے تھے۔ حضرت بقی ابن مَخْلَدؒ روزانہ تہجّد اور وتر کی تیرہ۱۳ رکعت میں ایک قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔ حضرت هَنَّادؒ ایک مُحدِّث ہیں، ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ وہ بہت ہی زیادہ روتے تھے، ایک مرتبہ صبح کو ہمیں سبق پڑھاتے رہے، اس کے بعد وُضو وغیرہ سے فارغ ہو کر زوال تک نفلیں پڑھتے رہے۔ دوپہر کو گھر تشریف لے گئے اور

حل لغات: (۱) بدلہ۔ (۲) قبر کے اندر کا وہ گڑھا جس میں مردے کو رکھا جاتا ہے۔ (۳) راتوں کو جاگنا۔ (۴) مشغلہ کی جمع، کام۔ (۵) سب سے بڑے قاضی۔ (۶) عدالت۔ (۷) الگ۔ (۸) مکمل توجہ۔ (۹) مثال۔ (۱۰) ایک اڑنے والا زہریلا کیڑا۔ (۱۱) نماز کے آداب و دلی کیفیت وسکون۔

تھوڑی دیر میں آ کر ظہر کی نماز پڑھائی اور عصر تک نفلوں میں مشغول رہے، پھر عصر کی نماز پڑھائی اور قرآن پاک کی تلاوت مغرب تک فرماتے رہے، مغرب کے بعد میں واپس چلا آیا، میں نے ان کے ایک پڑوسی سے تعجب سے کہا کہ یہ شخص کس قدر عبادت کرنے والے ہیں۔ اس نے کہا کہ ستر برس سے ان کا یہی عمل ہے اور اگر تم ان کی رات کی عبادت دیکھو گے تو اور بھی تعجب کرو گے۔

مَسرُوقؒ ایک مُحدِّث ہیں، ان کی بیوی کہتی ہیں کہ وہ نمازیں اتنی لمبی لمبی پڑھا کرتے تھے کہ اُن کی پنڈلیوں پر ہمیشہ اس کی وجہ سے وَرَم[1] رہتا تھا اور میں ان کے پیچھے بیٹھی ہوئی ان کے حال پر ترس کھا کر رویا کرتی تھی۔ سعید بن المُسیَّبؒ کے متعلق لکھا ہے کہ پچاس برس تک عشاء اور صبح کی نماز ایک ہی وضو سے پڑھی۔ اور ابوالمُعتَمِرؒ کے متعلق لکھا ہے کہ چالیس برس تک ایسا ہی کیا۔ امام غزالیؒ نے ابوطالب مکیؒ سے نقل کیا کہ چالیس تابعیوں سے تَواتُر[2] کے طریق سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ عشاء کی وضو سے صبح کی نماز پڑھتے تھے، ان میں سے بعض کا چالیس برس یہی عمل رہا۔ [اتحاف] حضرت امام اعظمؒ کے متعلق تو بہت کثرت سے یہ چیز نقل کی گئی کہ تیس یا چالیس یا پچاس برس عشاء اور صبح ایک وضو سے پڑھی اور یہ اختلاف نقل کرنے والوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے کہ جس شخص کو جتنے سال کا علم ہوا، اتنا ہی نقل کیا۔ لکھا ہے کہ آپ کا معمول صرف دوپہر کو تھوڑی دیر سونے کا تھا اور یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ دوپہر کے سونے کا حدیث میں حکم ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کا معمول تھا کہ رمضان میں ساٹھ قرآن شریف نماز میں پڑھتے تھے۔ ایک شخص کہتے ہیں کہ میں کئی روز تک امام شافعیؒ کے یہاں رہا، صرف رات کو تھوڑی دیر سوتے تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ تین سو رکعتیں روزانہ پڑھتے تھے اور جب بادشاہِ وقت نے آپ کے کوڑے لگوائے اور اس کی وجہ سے ضُعف[3] بہت ہوگیا تو ڈیڑھ سو رہ گئی تھیں اور تقریباً اَسّی برس کی عمر تھی۔ ابوعَتَّاب سُلَمیؒ چالیس برس تک رات بھر روتے تھے اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے۔ ان کے علاوہ ہزاروں لاکھوں واقعات توفیق والوں کے کُتُبِ تَوارِیخ[4] میں مذکور ہیں جن کا اِحاطہ[5] بھی دشوار ہے۔ نمونہ اور مثال کے لیے یہی واقعات کافی ہیں، حق تعالیٰ شانہٗ مجھے بھی اور ناظرین[6] کو بھی اِن حضرات کے اِتّباع کا کچھ حصہ اپنے لُطف و فضل سے نصیب فرمائیں۔ آمین۔

بعض لوگوں کو نماز کا کچھ ہی حصہ حاصل ہوتا ہے

① عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: إِنَّ الرَّجُلَ لَيَنْصَرِفُ	نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی نماز سے فارغ ہوتا ہے اور اس کے لیے ثواب کا دسواں حصہ لکھا جاتا ہے، اسی طرح

حل لغات: ① سوجن۔ ② مسلسل طور سے۔ ③ کمزوری۔ ④ تاریخ کی کتابیں۔ ⑤ مکمل ذکر کرنا۔ ⑥ اس کتاب کے پڑھنے والے۔

وَمَا كُتِبَ لَهٗ إِلَّا عُشْرُ صَلٰوتِهٖ تُسْعُهَا ثُمُنُهَا	بعض کے لیے نواں حصہ، بعض کے لیے آٹھواں، ساتواں،
سُبُعُهَا سُدُسُهَا خُمُسُهَا رُبُعُهَا ثُلُثُهَا نِصْفُهَا.	چھٹا، پانچواں، چوتھائی، تہائی، آدھا حصہ لکھا جاتا ہے۔

[رواه أبوداؤد . وقال المنذري في الترغيب : رواه أبوداؤد والنسائي وابن حبّان في صحيحه بنحوه اه. وعزاه في الجامع الصّغير إلى أحمد وأبي داؤد وابن حبان ورقم له بالصحيح . وفي المنتخب عزاه إلى أحمد أيضاً و في الدّرّ المنثور أخرج أحمد عن أبي اليُسر مرفوعاً : منكم من يصلّي الصّلوٰة كاملة ومنكم من يصلي النصف والثلث والربع حتى بلغ العشر . قال المنذري في الترغيب : رواه النسائي بإسناد حسن. واسم أبي اليُسر : كعب بن عمرو السلمي شهد بدرًا اه.

فائدہ: یعنی جس درجے کا خشوع اور اخلاص نماز میں ہوتا ہے اُتنی ہی مقدار اَجر وثواب کی ملتی ہے، حتیٰ کہ بعض کو پورے اَجر[1] کا دَسواں حصہ ملتا ہے، اگر اس کے موافق خشوع خضوع ہو؛ اور بعض کو آدھا مل جاتا ہے اور اسی طرح دسویں سے کم اور آدھے سے زیادہ بھی مل جاتا ہے، حتیٰ کہ بعض کو پورا پورا اجر مل جاتا ہے اور بعض کو بالکل بھی نہیں ملتا کہ وہ اس قابل ہی نہیں ہوتی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ فرض نماز کے لیے اللہ کے یہاں ایک خاص وزن ہے، جتنی اس میں کمی رہ جاتی ہے اس کا حساب کیا جاتا ہے۔ احادیث میں آیا ہے کہ لوگوں میں سے سب سے پہلے خشوع اُٹھایا جائے گا کہ پوری جماعت میں ایک شخص بھی خشوع سے پڑھنے والا نہ ملے گا۔ [جامع صغیر]

کامل نماز گناہوں سے پاک صاف کر دیتی ہے

② رُوِيَ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ : قَالَ	حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص نمازوں کو اپنے
رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : فَمَنْ صَلَّى الصَّلَاةَ	وقت پر پڑھے، وضو بھی اچھی طرح کرے، خُشوع وخُضوع
لِوَقْتِهَا وَأَسْبَغَ لَهَا وُضُوْءَهَا ، وَأَتَمَّ لَهَا	سے بھی پڑھے، کھڑا بھی پورے وقار[2] سے ہو، پھر اسی طرح
قِيَامَهَا وَخُشُوْعَهَا وَرُكُوْعَهَا وَسُجُوْدَهَا	رکوع سجدہ بھی اچھی طرح سے اطمینان سے کرے، غرض ہر
خَرَجَتْ وَهِيَ بَيْضَاءُ مُسْفِرَةٌ ، تَقُوْلُ :	چیز کو اچھی طرح ادا کرے تو وہ نماز نہایت روشن چمک دار بن
حَفِظَكَ اللّٰهُ كَمَا حَفِظْتَنِيْ وَمَنْ صَلَّاهَا	کر جاتی ہے اور نمازی کو دعا دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ تیری
لِغَيْرِ وَقْتِهَا وَلَمْ يُسْبِغْ لَهَا وُضُوْءَهَا	بھی ایسی ہی حفاظت کرے جیسی تو نے میری حفاظت کی۔
وَلَمْ يُتِمَّ لَهَا خُشُوْعَهَا وَلَا رُكُوْعَهَا	اور جو شخص نماز کو بُری طرح پڑھے، وقت کو بھی ٹال دے،
وَلَا سُجُوْدَهَا خَرَجَتْ وَهِيَ سَوْدَاءُ	وضو بھی اچھی طرح نہ کرے، رکوع سجدہ بھی اچھی طرح نہ
مُظْلِمَةٌ ، تَقُوْلُ : ضَيَّعَكَ اللّٰهُ كَمَا	کرے تو وہ نماز بُری صورت سے، سیاہ[3] رنگ میں بددُعا دیتی
ضَيَّعْتَنِيْ، حَتّٰى إِذَا كَانَتْ حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ	ہوئی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی ایسا ہی برباد کرے جیسا

حل لغات: ① ثواب۔ ② اطمینان۔ ③ کالا۔

لُفَّتْ كَمَا يُلَفُّ الثَّوْبُ الْخَلِقُ، ثُمَّ ضُرِبَ بِهَا وَجْهُهُ.	تو نے مجھے ضائع کیا۔ اس کے بعد وہ نماز پرانے کپڑے کی طرح سے لپیٹ کر نمازی کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔

[رواه الطبراني في الأوسط كذا في الترغيب والدرّ المنثور. وعزاه في المنتخب إلى البيهقي في الشعب وفيه أيضًا برواية عبادة ﷺ بمعناه. وزاد في الأولى بعد قوله كما حفظتني: ثم أصعد بها إلى السماء ولها ضوء ونور وفتحت له أبواب السماء حتى ينتهي بها إلى الله فتشفع لصاحبها. وقال في الثانية: وغلقت دونها أبواب السماء. وعزاه في الدرّ إلى البزار والطبراني. وعزا في الجامع الصغير حديث عبادة إلى الطيالسي وقال: صحيحٌ]

فائدہ: خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو نماز کو اچھی طرح پڑھیں کہ اللہ کی اہم ترین عبادت ان کے لیے دعا کرتی ہے؛ لیکن عام طور سے جیسی نماز پڑھی جاتی ہے کہ رکوع کیا، تو وہیں سے سجدے میں چلے گئے، سجدے سے اٹھے تو سر اٹھانے بھی نہ پائے تھے کہ فوراً کوّے کی سی ٹھونگ[1] دوسری دفعہ ماردی، ایسی نماز کا جو حشر ہے وہ اس حدیث شریف میں ذکر فرماہی دیا اور پھر جب وہ بربادی کی بددعا کرے تو اپنی بربادی کا گِلہ[2] کیوں کیا جائے؟ یہی وجہ ہے کہ آج کل مسلمان گرتے جارہے ہیں اور ہر طرف تباہی ہی تباہی کی صَدائیں[3] گونج رہی ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں بھی یہی مضمون وارد ہوا ہے، اس میں یہ بھی اضافہ ہے کہ جو نماز خُشوع خُضوع سے پڑھی جاتی ہے، آسمان کے دروازے اس کے لیے کُھل جاتے ہیں، وہ نہایت نورانی ہوتی ہے اور نمازی کے لیے حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں سفارشی بنتی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نماز میں رکوع اچھی طرح نہ کیا جائے کہ کمر پوری جُھک جائے، اس کی مثال اس عورت کی سی ہے جو حاملہ ہو اور جب بچہ ہونے کا وقت قریب آجائے تو اِسقاط[4] کردے۔ [ترغیب] ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ بہت سے روزے دار ایسے ہیں جن کو روزے سے بجُز[5] بھوکا اور پیاسا رہنے کے کوئی حاصل نہیں اور بہت سے شب بیدار[6] ایسے ہیں جن کو جاگنے کے علاوہ کوئی چیز نہیں ملتی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے حضورِ اقدس ﷺ سے سنا کہ جو قیامت کے دن پانچوں نمازیں ایسی لے کر حاضر ہو کہ ان کے اوقات کی بھی حفاظت کرتا رہا ہو اور وضو کا بھی اہتمام کرتا رہا ہو اور ان نمازوں کو خشوع خضوع سے پڑھتا رہا ہو؛ تو حق تعالیٰ شانہٗ نے عہد[7] فرمالیا ہے کہ اس کو عذاب نہیں کیا جائے گا، اور جو ایسی نمازیں نہ لے کر حاضر ہو اس کے لیے کوئی وعدہ نہیں ہے، چاہے اپنی رحمت سے معاف فرمادیں، چاہے عذاب دیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: تمہیں معلوم بھی ہے اللہ جلَّ شانہٗ نے کیا فرمایا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا

حل لغات: ① چونچ۔ ② شکوہ شکایت۔ ③ آوازیں۔ ④ حمل گرانا۔ ⑤ سوائے، علاوہ۔ ⑥ راتوں کو جاگنے والے۔ ⑦ وعدہ۔

کہ اللہ اور اس کے رسول ہی جانتے ہیں۔ حضور ﷺ نے اہتمام کی وجہ سے تین[۳] مرتبہ یہی دریافت فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہی جواب دیتے رہے، اس کے بعد ارشاد ہوا کہ حق تعالیٰ شانہ اپنی عزت اور اپنی بڑائی کی قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ جو شخص ان نمازوں کو اوقات کی پابندی کے ساتھ پڑھتا رہے گا، میں اُس کو جنت میں داخل کروں گا اور جو پابندی نہ کرے گا تو میرا دل چاہے گا رحمت سے بخش دوں گا ورنہ عذاب دوں گا۔

فرائض کی کمی نوافل سے پوری کردی جائے گی

(۳) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ عَمَلِهِ: صَلٰوتُهٗ. فَإِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ وَأَنْجَحَ. وَإِنْ فَسَدَتْ خَابَ وَخَسِرَ. وَإِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِيْضَتِهٖ قَالَ الرَّبُّ: أُنْظُرُوْا! هَلْ لِعَبْدِيْ مِنْ تَطَوُّعٍ؟ فَيُكَمَّلَ بِهَا مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِيْضَةِ. ثُمَّ يَكُوْنُ سَائِرُ عَمَلِهٖ عَلٰى ذٰلِكَ.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت میں آدمی کے اعمال میں سب سے پہلے فرض نماز کا حساب کیا جائے گا، اگر نماز اچھی نکل آئی تو وہ شخص کامیاب ہوگا اور بامُراد[۱] اور اگر نماز بے کار ثابت ہوئی تو وہ نامُراد[۲] خسارہ[۳] میں ہوگا اور اگر کچھ نماز میں کمی پائی گئی تو ارشادِ خداوندی ہوگا کہ دیکھو اس بندہ کے پاس کچھ نفلیں بھی ہیں، جن سے فرضوں کو پورا کردیا جائے؟ اگر نکل آئیں تو ان سے فرضوں کی تکمیل کردی جائے گی، اس کے بعد اسی طرح باقی اعمال روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کا حساب ہوگا۔

[رواه الترمذي وحسنه النسائي وابن ماجه والحاكم وصححه كذا في الدّر. وفي المنتخب برواية الحاكم في الكنى عن ابن عمر رضی اللہ عنہما: أوّل ما افترض الله على أمتي الصلوة الخمس، وأول ما يرفع من أعمالهم الصلوة الخمس. الحديث بطوله بمعنى حديث الباب، وفيه ذكر الصيام والزكوة نحو الصلوة. وفي الدّر أخرج أبويعلى عن أنس رضی اللہ عنہ رفعه: أوّل ما افترض الله على الناس من دينهم: الصلوة، وآخر ما يبقى: الصلوة، وأول مايحاسب به: الصلوة، يقول الله: انظروا في صلٰوة عبدي، فإن كانت تامّة كتبت تامة، وإن كانت ناقصة قال: انظروا هل له من تطوع. الحديث. فيه ذكر الزكوة والصدقة. وفيه أيضاً أخرج ابن ماجه والحاكم عن تميم الداري مرفوعاً: أوّل مايحاسب به العبد يوم القيٰمة: صلوته. الحديث. وفي آخره: ثم الزكوة مثل ذلك. ثم تؤخذ الأعمال حسب ذلك. وعزاه السيوطي في الجامع إلى أحمد وأبي داؤد والحاكم وابن ماجه ورقم له بالصحيح]

فائدہ: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آدمی کو نفلوں کا ذخیرہ بھی اپنے پاس کافی رکھنا چاہیے کہ اگر فرضوں میں کچھ کوتاہی[۴] نکلے تو میزان[۵] پوری ہوجائے، بہت سے لوگ کہہ دیا کرتے ہیں: اجی ہم سے فرض ہی پوری ہوجائے تو بہت غنیمت ہے، نفلیں پڑھنا تو بڑے آدمیوں کا کام ہے، اس میں شک نہیں کہ فرض ہی

حل لغات: (۱) خوش قسمت، کامیاب۔ (۲) بدنصیب، ناکام۔ (۳) نقصان۔ (۴) کمی۔ (۵) تعداد، مجموعہ۔

اگر پورے پورے ہوجائیں تو بہت کافی ہے، لیکن ان کا بالکل پورا پورا ادا ہونا کون سا سَہل[1] کام ہے کہ ہر ہر چیز بالکل پوری ادا ہوجائے اور جب تھوڑی بہت کوتاہی ہوتی ہی ہے، تو اس کے پورا کرنے کے لیے نفلوں بغیر چارۂ[2] کار نہیں۔ ایک دوسری حدیث میں یہ مضمون زیادہ وضاحت[3] سے آیا ہے، ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادات میں سب سے پہلے نماز کو فرض فرمایا ہے اور سب سے پہلے اعمال میں سے نماز ہی پیش کی جاتی ہے اور سب سے پہلے قیامت میں نماز ہی کا حساب ہوگا، اگر فرض نمازوں میں کچھ کمی رہ گئی تو نفلوں سے اس کو پورا کیا جائے گا، اور پھر اس کے بعد اسی طرح روزوں کا حساب کیا جائے گا اور فرض روزوں میں جو کمی ہوگی وہ نفل روزوں سے پوری کردی جائے گی، اور پھر زکوٰۃ کا حساب اسی طریقہ سے ہوگا، ان سب چیزوں میں نوافل کو ملاکر بھی اگر نیکیوں کا پلّہ بھاری ہوگیا تو وہ شخص خوشی خوشی جنت میں داخل ہوجائے گا؛ ورنہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ خود نبی اکرم ﷺ کا معمول یہی تھا کہ جو شخص مسلمان ہوتا سب سے اوّل اس کو نماز سکھائی جاتی۔

قیامت میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا

④ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قُرْطٍ ؓ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الصَّلٰوةُ ، فَإِنْ صَلُحَتْ صَلُحَ سَائِرُ عَمَلِهٖ ، وَإِنْ فَسَدَ تْ فَسَدَ سَائِرُ عَمَلِهٖ .	ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت میں سب سے پہلے نماز کا حساب کیا جائے گا، اگر وہ اچھی اور پوری نکل آئی تو باقی اعمال بھی پورے اتریں گے اور اگر خراب ہوگئی تو باقی اعمال بھی خراب نکلیں گے۔ حضرت عمر ؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ایک اعلان سب جگہ کے حُکّام[4] کے پاس بھیجا تھا کہ سب سے زیادہ مُہتَم بِالشّان[5] چیز میرے نزدیک نماز ہے، جو شخص اس کی حفاظت اور اس کا اہتمام کرے گا، وہ دین کے اور اَجزا[6] کا بھی اہتمام کرسکتا ہے اور جو اس کو ضائع کردے گا وہ دین کے اور اَجزا کو زیادہ برباد کردے گا۔

[رواه الطبراني في الأوسط، ولابأس بإسناده إن شاء الله كذا في الترغيب. وفي المنتخب برواية الطبراني في الأوسط وأيضاً عن أنس ؓ بلفظه. وفي الترغيب عن أبي هريرة ؓ رفعه: الصلوٰة ثلثة أثلاث: الطهور ثلث والركوع ثلث والسجود ثلث. فمن أداها بحقها قبلت منه وقبل منه سائر عمله، ومن ردت عليه صلوته رد عليه سائر عمله. رواه البزار. وقال: لانعلمه مرفوعاً إلا من حديث المغيرة بن مسلم. قال الحافظ: وإسناده حسن اهـ. وأخرج مالك في الموطأ: أن عمر بن الخطاب ؓ كتب إلى عمّاله: إن أهمّ أموركم عندي الصلوٰة، من حفظها أو حافظ عليها حفظ دينه، ومن ضيّعها فهو لما سواها أضيع. كذا في الدّرّ]

حل لغات: ① آسان۔ ② چھٹکارا۔ ③ تفصیل۔ ④ حاکم کی جمع، افسر۔ ⑤ عظیمُ الشّان، بہت زیادہ اہم۔ ⑥ حصے۔

فائدہ: نبی اکرم ﷺ کے اس پاک ارشاد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اعلان کا مَنشا[1] بظاہر یہ ہے جو دوسری حدیث میں آیا ہے کہ شیطان مسلمان سے اس وقت تک ڈرتا رہتا ہے، جب تک وہ نماز کا پابند اور اس کو اچھی طرح ادا کرتا رہتا ہے؛ کیونکہ خوف کی وجہ سے اس کو زیادہ جُرأت[2] نہیں ہوتی، لیکن جب وہ نماز کو ضائع کر دیتا ہے تو اُس کی جُرأت بہت بڑھ جاتی ہے اور اُس آدمی کے گمراہ کرنے کی اُمنگ[3] پیدا ہو جاتی ہے اور پھر بہت سے مُہلِکات[4] اور بڑے بڑے گناہوں میں اس کو مُبتَلا کر دیتا ہے۔ [منتخب کنز] اور یہی مطلب ہے حق سبحانہ وتقدّس کے ارشاد ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ﴾ [سورۂ عنکبوت: ۴۵] کا، جس کا بیان قریب ہی آ رہا ہے۔

نماز کی چوری

⑤ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِيْهِ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أَسْوَءُ النَّاسِ سَرِقَةً: الَّذِيْ يَسْرِقُ صَلٰوتَهٗ، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَكَيْفَ يَسْرِقُ صَلٰوتَهٗ؟ قَالَ: لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهَا وَلَا سُجُوْدَهَا.	نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بدترین چوری کرنے والا شخص وہ ہے جو نماز میں سے بھی چوری کر لے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! نماز میں سے کس طرح چوری کرے گا؟ ارشاد فرمایا کہ اس کا رکوع اور سجدہ اچھی طرح سے نہ کرے۔

[رواه الدّارمي. وفي الترغيب: رواه أحمد والطبراني وابن خزيمة في صحيحه، وقال: صحيح الإسناد اھ. وفي المقاصد الحسنة حديث: إن أسوء الناس سرقة. رواه أحمد والدّارمي في مسنديهما من حديث الوليد بن مسلم عن الأوزاعي عن يحيى بن أبي كثير عن عبد الله بن أبي قتادة عن أبيه رضي الله عنه مرفوعا، وفي لفظ بحذف "إن"، وصححه ابن خزيمة والحاكم وقال: إنه على شرطهما، ولم يخرجاه لرواية كاتب الأوزاعي له عنه عن يحيى عن أبي سلمة عن أبي هريرة رضي الله عنه. ورواه أحمد أيضاً والطيالسي في مسنديهما من حديث علي بن زيد عن سعيد بن المسيّب عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه به مرفوعاً. ورواية أبي هريرة رضي الله عنه عند ابن منيع. وفي الباب: عن عبد الله بن مُغفَّل وعن النعمان بن مُرّة عند مالك مرسلاً في آخرين اھ. وقال المنذري في الترغيب لحديث ابن مُغفَّل: رواه الطبراني في معاجمه الثلاثة بإسناد جيد، وقال لحديث أبي هريرة رضي الله عنه: رواه الطبراني في الأوسط وابن حبان في صحيحه والحاكم، وقال: صحيح الإسناد. قلت: وحديث أبي قتادة وأبي سعيد ذكرهما السّيوطي في الجامع الصغير، ورقم بالصحيح]

فائدہ: یہ مضمون کئی حدیثوں میں وارد ہوا ہے۔ اوّل تو چوری خود ہی کس قدر ذِلّت کی چیز ہے اور چور کو کیسی حِقَارت[5] سے دیکھا جاتا ہے؟ پھر چوری میں بھی اس حرکت کو بدترین چوری ارشاد فرمایا ہے کہ رکوع سجدہ کو اچھی طرح نہ کرے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے آسمان کی

حل لغات: ① مقصد۔ ② ہمت۔ ③ تمنا، شوق۔ ④ ہلاک کرنے والی چیزیں۔ ⑤ نفرت، ذِلّت۔

طرف نگاہ اٹھائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ اس وقت علم دنیا سے اُٹھ جانے کا وقت (مُنکَشِف[1] ہوا) ہے۔ حضرت زیاد صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! عِلم ہم سے کس طرح اُٹھ جائے گا، ہم لوگ قرآن شریف پڑھتے ہیں اور اپنی اولاد کو پڑھاتے ہیں (اور وہ اسی طرح اپنی اولاد کو پڑھائیں گے اور سلسلہ چلتا رہے گا) حضور ﷺ نے فرمایا: میں تو تجھے بڑا سمجھدار خیال کرتا تھا، یہ یہود و نصاریٰ بھی تو تورات، انجیل پڑھتے پڑھاتے ہیں، پھر کیا کار آمد[2] ہوا؟ ابو درداء رضی اللہ عنہ کے شاگرد کہتے ہیں کہ میں نے دوسرے صحابی حضرت عُبادہ رضی اللہ عنہ سے جا کر یہ قصہ سنایا، انھوں نے فرمایا کہ ابو درداء سچ کہتے ہیں اور میں بتاؤں کہ سب سے پہلے کیا چیز دنیا سے اُٹھے گی؟ سب سے پہلے نماز کا خشوع اُٹھ جائے گا، تُو دیکھے گا کہ بھری مسجد میں ایک شخص بھی خُشوع سے نماز پڑھنے والا نہ ہوگا۔ حضرت حُذَیفہ رضی اللہ عنہ جو حضور ﷺ کے رازدار[3] کہلاتے ہیں، وہ بھی فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے نماز کا خشوع اٹھایا جائے گا [دُرِّ منثور]۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس نماز کی طرف توجہ ہی نہیں فرماتے جس میں رُکوع سجدہ اچھی طرح نہ کیا جائے۔ ایک حدیث میں ارشادِ نبوی ہے کہ آدمی ساٹھ[60] برس تک نماز پڑھتا ہے، مگر ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی کہ کبھی رکوع اچھی طرح کرتا ہے تو سجدہ پورا نہیں کرتا، سجدہ کرتا ہے تو رکوع پورا نہیں کرتا۔

حضرت مُجدِّدِ الفِ ثانی نوَّر اللہ مرقدَہٗ نے اپنے مکاتیب (خطوط) میں نماز کے اہتمام پر بہت زور دیا ہے اور بہت سے گرامی ناموں[4] میں مُختلِف مضامین پر بحث فرمائی ہے۔ ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ سجدہ میں ہاتھوں کی انگلیوں کو ملانے کا اور رکوع میں انگلیوں کو علیحدہ علیحدہ کرنے کا اہتمام بھی ضروری ہے، شریعت نے انگلیوں کو ملانے یا کھولنے کا حکم بے فائدہ نہیں فرمایا ہے۔ یعنی ایسے معمولی آداب کی رعایت بھی ضروری ہے۔ اسی سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں کہ نماز میں کھڑے ہونے کی حالت میں سجدہ کی جگہ نگاہ کا جمائے رکھنا اور رکوع کی حالت میں پاؤں پر نگاہ رکھنا اور سجدہ میں جا کر ناک پر رکھنا اور بیٹھنے کی حالت میں ہاتھوں پر نگاہ رکھنا، نماز میں خشوع کو پیدا کرتا ہے اور اِس سے نماز میں دِلجمعی[5] نصیب ہوتی ہے، جب ایسے معمولی آداب بھی اتنے اہم فائدے رکھتے ہیں تو بڑے آداب اور سنتوں کی رِعایَت تم سمجھ لو کہ کس قدر فائدہ بخشے گی۔

نماز میں ہِلنے جُلنے کی مُمانَعت

⑥ عَنْ أُمِّ رُوْمَانَ وَالِدَةِ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: رَاٰنِيْ أَبُوْبَكْرِ الصِّدِّيْقُ رضی اللہ عنہ	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ اُمِّ رُومان رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ایک مرتبہ نماز پڑھ رہی تھی، نماز میں اِدھر اُدھر جھکنے لگی،

حل لغات: ① ظاہر۔ ② فائدہ۔ ③ بھید کی باتیں جاننے والے، حضور ﷺ راز کی باتیں انہیں بتلا دیا کرتے تھے۔ ④ خطوط۔ ⑤ یعنی دل لگنا۔

أَتَمَيَّلُ فِيْ صَلٰوتِيْ ، فَزَجَرَنِيْ زَجْرَةً	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا تو مجھے اس زور سے
كِدتُّ أَنْصَرِفُ مِنْ صَلٰوتِيْ ، قَالَ :	ڈانٹا کہ میں (ڈر کی وجہ سے) نماز توڑنے کے قریب ہوگئی۔
سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ : إِذَا قَامَ	پھر ارشاد فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ جب
أَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيُسْكِنْ أَطْرَافَهُ	کوئی شخص نماز کو کھڑا ہوتو اپنے تمام بدن کو بالکل سکون سے
لَا يَتَمَيَّلُ تَمَيُّلَ الْيَهُوْدِ ، فَإِنَّ سُكُوْنَ	رکھے، یہود کی طرح ہلے نہیں، بدن کے تمام اعضا[1] کا نماز
الْأَطْرَافِ فِي الصَّلٰوةِ مِنْ تَمَامِ الصَّلٰوةِ .	میں بالکل سکون سے رہنا نماز کے پورا ہونے کا جُزو[2] ہے۔

[أخرجه الحكيم الترمذي من طريق القاسم بن محمد عن أسماء بنت أبي بكر عن أمّ رومان رضي الله عنها ، كذا في الدر . وعزاه السيوطي في الجامع الصغير إلى أبي نعيم في الحلية وابن عدي في الكامل ورقم له بالضعف . وذكر أيضا برواية ابن عساكر عن أبي بكر رضي الله عنه : من تمام الصلوٰة سكون الأطراف .

فائدہ: نماز کے درمیان میں سکون سے رہنے کی تاکید بہت سی حدیثوں میں آئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی عادتِ شریفہ اکثر آسمان کی طرف دیکھنے کی تھی کہ وحی کے فرشتے کا انتظار رہتا تھا اور جب کسی چیز کا انتظار ہوتا ہے تو اس طرف نگاہ بھی لگ جاتی ہے، اسی وجہ سے کبھی نماز میں بھی نگاہ اوپر اُٹھ جاتی تھی۔ جب ﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝٢ ﴾[سورۂ مؤمنون] نازل ہوئی، تو پھر نگاہ نیچے رہتی تھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق بھی حدیث میں آیا ہے کہ اوّل اوّل اِدھر اُدھر توجہ فرمالیا کرتے تھے، مگر اس آیتِ شریفہ کے نازل ہونے کے بعد سے کسی طرف توجہ نہیں کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اسی آیتِ شریفہ کے ذیل[3] میں فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب نماز کو کھڑے ہوتے تھے تو کسی طرف توجہ نہیں کرتے تھے، ہمہ تن[4] نماز کی طرف متوجّہ رہتے تھے، اپنی نگاہوں کو سجدہ کی جگہ رکھتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ان کی طرف متوجہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ خُشُوع کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ خُشوع دل میں ہوتا ہے (یعنی دل سے نماز میں متوجہ رہنا) اور یہ بھی اس میں داخل ہے کہ کسی طرف توجہ نہ کرے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ خشوع کرنے والے وہ ہیں: جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں اور نماز میں سکون سے رہنے والے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ نِفاق کے خشوع سے اللہ ہی سے پناہ مانگو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ حضور! نِفاق کا خشوع کیا چیز ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ظاہر میں تو سکون ہو اور دل میں نِفاق ہو۔ حضرت ابودَرداء رضی اللہ عنہ بھی اس قسم کا ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں جس میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا کہ نفاق کا خشوع یہ ہے کہ ظاہر بدن تو خشوع والا معلوم ہو اور دل میں خشوع نہ ہو۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دل کا خشوع اللہ کا خوف ہے اور نگاہ کو نیچی رکھنا۔

حل لغات: (١) بدن کے حصے۔ (٢) حصہ۔ (٣) یعنی اس کے بارے میں، اس آیت کے تحت۔ (٤) مکمل طور سے۔

حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں داڑھی پر ہاتھ پھیر رہا ہے، ارشاد فرمایا کہ اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو بدن کے سارے اعضا میں سکون ہوتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا کیسا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ یہ شیطان کا نماز میں سے اُچک[1] لینا ہے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ نماز میں اوپر دیکھتے ہیں وہ اپنی اس حرکت سے باز[2] آجائیں؛ ورنہ نگاہیں اوپر کی اوپر ہی رہ جائیں گی۔ [دُرِّ منثور] بہت سے صحابہ اور تابعین سے نقل کیا گیا ہے کہ خُشوع: سکون کا نام ہے، یعنی نماز نہایت سکون سے پڑھی جائے۔ متعدّد احادیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز ایسی طرح پڑھا کرو گویا یہ آخری نماز ہے، ایسی طرح پڑھا کرو جیسا وہ شخص پڑھتا ہے جس کو یہ گمان ہو کہ اس وقت کے بعد مجھے دوسری نماز کی نوبت ہی نہ آئے گی۔ [جامع صغیر]

جو نماز آدمی کو غلط حرکتوں سے نہ روک دے وہ نماز ہی کیا

⑦ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: ﴿ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ﴾ فَقَالَ: مَنْ لَّمْ تَنْهَهُ صَلٰوتُهُ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ. فَلَا صَلٰوةَ لَهُ. [أخرجه ابن أبي حاتم وابن مردويه كذا في الدرّ المنثور.]

حضور اقدس ﷺ سے کسی نے حق تعالیٰ شانہٗ کے ارشاد ﴿ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى ﴾ الخ...... (بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی سے اور ناشائستہ[3] حرکتوں سے) کے متعلق دریافت کیا، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی نماز ایسی نہ ہو اور اس کو بے حیائی اور ناشائستہ حرکتوں سے نہ روکے، وہ نماز ہی نہیں۔

فائدہ: بے شک نماز ایسی ہی بڑی دولت ہے اور اس کو اپنی اصلی حالت پر پڑھنے کا ثمرہ[4] یہی ہے کہ وہ ایسی نامناسب باتوں سے روک دے، اگر یہ بات پیدا نہیں ہوئی تو نماز کے کمال[5] میں کمی ہے۔ بہت سی حدیثوں میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نماز میں گناہوں سے روک ہے اور گناہوں سے ہٹانا ہے۔ حضرت اَبُوالعَالِیہؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے ارشاد ﴿ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں تین[3] چیزیں ہوتی ہیں: اِخلاص، اللہ کا خوف اور اللہ کا ذکر، جس نماز میں یہ چیزیں نہیں وہ نماز ہی نہیں، اخلاص نیک کاموں کا حکم کرتا ہے اور اللہ کا خوف بُری باتوں سے روکتا ہے اور اللہ کا ذکر قرآن پاک ہے، جو مستقل طور پر اچھی باتوں کا حکم کرتا ہے اور بُری باتوں سے روکتا ہے۔ حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہما حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جو نماز بُری باتوں اور نامناسب حرکتوں سے نہ روکے، وہ نماز بجائے اللہ کے قُرب کے اللہ سے دُوری پیدا کرتی ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی حضور اقدس ﷺ سے یہی نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کی نماز اُس کو بُری باتوں سے نہ روکے وہ نماز ہی نہیں،

حل لغات: ① چھین لینا۔ ② رُکنا، چھوڑ دینا۔ ③ بُری، نامناسب۔ ④ نتیجہ۔ ⑤ مکمل ہونا، پورا ہونا۔

اس نماز کی وجہ سے اللہ سے دُوری پیدا ہوتی ہے۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے بھی حضور اقدس ﷺ سے یہی مضمون نقل فرمایا ہے۔ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو نماز کی اطاعت[1] نہ کرے اس کی نماز ہی کیا؟ اور نماز کی اطاعت یہ ہے کہ بے حیائی اور بُری باتوں سے رُکے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ فلاں شخص رات کو نماز پڑھتا رہتا ہے اور صبح ہوتے چوری کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کی نماز اس کو اس فعل[2] سے عنقریب[3] ہی روک دے گی۔ [دُرِّ منثور] اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص بُری باتوں میں مشغول ہو تو اس کو اہتمام سے نماز میں مشغول ہونا چاہیے، بُری باتیں اس سے خود ہی چھوٹ جائیں گی۔ ہر ہر بُری بات کے چھڑانے کا اہتمام دشوار بھی ہے اور دیر طلب[4] بھی اور اہتمام سے نماز میں مشغول ہو جانا آسان بھی ہے اور دیر طلب بھی نہیں، اس کی برکت سے بُری باتیں اُس سے اپنے آپ ہی چھوٹتی چلی جاویں گی۔ حق تعالیٰ شانہ مجھے بھی اچھی طرح نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

لمبی رکعتوں کی فضیلت

⑧ عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أَفْضَلُ الصَّلٰوةِ طُوْلُ الْقُنُوْتِ.	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ افضل نماز وہ ہے جس میں لمبی لمبی رکعتیں ہوں۔

[أخرجه ابن أبي شيبة ومسلم والترمذي وابن ماجه كذا في الدّر المنثور. وفيه أيضًا عن مجاهد في قوله تعالى: ﴿ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴾. قال: من القنوت: الركوع والخشوع وطول الركوع يعني طول القيام وغضّ البصر وخفض الجناح والرّهبة لله. وكان الفقهاء من أصحاب محمد ﷺ إذا قام أحدهم في الصلوة يهاب الرحمن سبحانه وتعالىٰ أن يلتفت، أو يقلّب الحصى أويشدّ بصره أويعبث بشيءٍ أَوْ يُحَدِّثَ نَفْسَهُ بشيءٍ من أمر الدنيا إلا ناسيًا حتى ينصرف. أخرجه سعيد بن منصور وعبد ابن حميد وابن جرير وابن المنذر وابن أبي حاتم والأصبهاني في الترغيب والبيهقي في شعب الإيمان اهـ. وهذا اٰخر ما أردت إيراده في هذه العجالة رعاية لعدد الأربعين. والله ولي التوفيق وقد وقع الفراغ منه ليلة التروية من سنة سبع وخمسين بعد ألف وثلث مائة. والحمد لله أولا واٰخرًا]

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ کے ارشاد ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿٢٣٨﴾﴾ [سورۂ بقرہ] "(اور نماز میں) کھڑے رہو اللہ کے سامنے مُؤدَّب[5]"۔ اس آیت میں رکوع بھی داخل ہے اور خشوع بھی اور لمبی رکعت ہونا بھی اور آنکھوں کو پست[6] کرنا، بازوؤں کو جُھکانا (یعنی اَکڑ کے کھڑا نہ ہونا) اور اللہ سے ڈرنا بھی (شامل ہے کہ لفظ قُنوت میں جس کا اس آیت میں حکم دیا گیا ہے یہ سب چیزیں داخل ہیں)۔ حضور اقدس ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جب کوئی شخص نماز کو کھڑا ہوتا تھا، تو اللہ سے ڈرتا تھا اس بات سے کہ اِدھر اُدھر دیکھے یا (سجدہ میں

حل لغات: ① فرماں برداری۔ ② کام۔ ③ جلد۔ ④ دیر میں حاصل ہونا۔ ⑤ ادب کے ساتھ۔ ⑥ نیچے۔

جاتے ہوئے) کنکریوں کو اُلٹ پلٹ کرے (عرب میں صفوں کی جگہ کنکریاں بچھائی جاتی ہیں) یا کسی لَغو[1] چیز میں مشغول ہو یا دل میں کسی دنیاوی چیز کا خیال لائے، ہاں بھول کے خیال آ گیا ہو تو دوسری بات ہے۔

فائدہ: ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ کی تفسیر میں مُختلف اِرشادات وارد ہوئے ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ ﴿قٰنِتِيْنَ﴾ کے معنیٰ چُپ چاپ کے ہیں۔ ابتداء زمانہ میں نماز میں بات کرنا، سلام کا جواب دینا وغیرہ وغیرہ اُمور جائز تھے، مگر جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی تو نماز میں بات کرنا ناجائز ہوگیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور ﷺ نے اس بات کا عادی[2] بنا رکھا تھا کہ جب میں حاضر ہوں تو گو[3] حضور ﷺ نماز میں مشغول ہوں میں سلام کرتا، حضور ﷺ جواب دیتے۔ ایک مرتبہ میں حاضر ہوا، حضور ﷺ نماز میں مشغول تھے، میں نے حسبِ[4] عادت سلام کیا، حضور ﷺ نے جواب نہیں دیا، مجھے سخت فکر ہوا کہ شاید میرے بارے میں اللہ جلَّ شانہٗ کے یہاں سے کوئی عتاب[5] نازل ہوا ہو، نئے اور پرانے خیالات نے مجھے گھیر لیا، پُرانی پُرانی باتیں سوچتا تھا کہ شاید فلاں بات پر حضور ﷺ ناراض ہوگئے ہوں، شاید فلانی بات ہوگئی ہو، جب حضور ﷺ نے سلام پھیر لیا تو ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے احکام میں جو چاہتے ہیں تبدیل فرماتے ہیں، حق تعالیٰ شانہٗ نے نماز میں بولنے کی ممانعت فرما دی اور یہ آیت تلاوت فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا کہ نماز میں اللہ کے ذکر، اُس کی تسبیح، اس کی حمد وثنا کے سوا بات کرنا جائز نہیں۔

مُعاویہ بن حَکَم سُلَمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ طیّبہ مسلمان ہونے کے لیے حاضر ہوا تو مجھے بہت سی چیزیں سکھائی گئیں، مِنجُملہ[6] ان کے یہ بھی تھا کہ جب کوئی چھینکے اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" کہے تو اس کے جواب میں "يَرْحَمُكَ الله" کہنا چاہیے، چونکہ نئی تعلیم تھی اس وقت تک یہ بھی معلوم نہ تھا کہ نماز میں نہ کہنا چاہیے۔ ایک صاحب کو نماز میں چھینک آئی، میں نے جواب میں "يَرْحَمُكَ الله" کہا، آس پاس کے لوگوں نے مجھے تنبیہ کے طور پر گھُورا، مجھے اس وقت یہ بھی معلوم نہ تھا کہ نماز میں بولنا جائز نہیں، اس لیے میں نے کہا کہ ہائے افسوس! تمہیں کیا ہوا (کہ مجھے کڑوی کڑوی نگاہوں سے گھُورتے ہو)، مجھے اشارہ سے ان لوگوں نے چُپ کر دیا، میری سمجھ میں تو آیا نہیں مگر میں چُپ ہوگیا، جب نماز ختم ہو چکی تو حضور اقدس ﷺ نے (میرے ماں باپ آپ پر قربان) نہ مجھے مارا، نہ ڈانٹا، نہ بُرا بھلا کہا، بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ نماز میں بات کرنا جائز نہیں، نماز تسبیح وتکبیر اور قراءتِ قرآن ہی کا موقع ہے۔ خدا کی قسم! حضور ﷺ جیسا شفیق[7] اُستاذ نہ میں نے پہلے دیکھا نہ بعد میں۔

دوسری تفسیر حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے: ﴿قٰنِتِيْنَ﴾ کے معنیٰ ﴿خٰشِعِيْنَ﴾ کے ہیں،

حل لغات: (۱) بیکار۔ (۲) پابند۔ (۳) اگرچہ۔ (۴) عادت کے مطابق۔ (۵) ناراضگی۔ (۶) ان تمام میں سے۔ (۷) مہربان۔

یعنی خشوع سے نماز پڑھنے والے۔ اسی کے موافق مُجاہدؒ یہ نقل کرتے ہیں، جو اوپر ذکر کیا گیا کہ یہ سب چیزیں خشوع میں داخل ہیں، یعنی لمبی لمبی رکعات کا ہونا اور خشوع خضوع سے پڑھنا، نگاہ کو نیچی رکھنا، اللہ تعالیٰ سے ڈرنا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابتدا میں حضورِ اقدس ﷺ رات کو جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے کو رَسّی سے باندھ لیا کرتے کہ نیند کے غلبہ سے گر نہ جائیں، اس پر ﴿طٰهٰ ۚ ﴿١﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۙ﴿٢﴾﴾ [سورۂ طٰہٰ] نازل ہوئی۔ اور یہ مضمون تو کئی حدیثوں میں آیا ہے کہ حضور ﷺ اتنی طویل رکعت کیا کرتے تھے کہ کھڑے کھڑے پاؤں پر ورم[1] آجاتا تھا۔ اگرچہ ہم لوگوں پر شفقت کی وجہ سے حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمادیا کہ جس قدر تحمّل[2] اور نباہ ہوسکے؛ اتنی محنت کرنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ تحمّل سے زیادہ بار[3] اُٹھانے کی وجہ سے بالکل ہی جاتا رہے۔ چنانچہ ایک صحابی عورت نے بھی اسی طرح رسّی میں اپنے کو باندھنا شروع کیا تو حضور ﷺ نے منع فرمادیا؛ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ تحمُّل کے بعد جتنی لمبی نماز ہوگی اتنی ہی بہتر اور افضل ہوگی۔ آخر حضور ﷺ کا اتنی لمبی نماز پڑھنا کہ پاؤں مبارک پر وَرَم آجاتا تھا، کوئی تو بات رکھتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرض بھی کرتے کہ ''سورۂ فتح'' میں آپ کی مغفرت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمالیا ہے، تو حضور ﷺ ارشاد فرماتے کہ ''پھر میں شکرگذار بندہ کیوں نہ بنوں''۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب حضورِ اقدس ﷺ نماز پڑھتے تھے تو آپ کے سینۂ مبارک سے رونے کی آواز (سانس رکنے کی وجہ سے) ایسی مسلسل آتی تھی جیسا چکّی کی آواز ہوتی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ایسی آواز ہوتی تھی جیسا کہ ہنڈیا کے پکنے کی آواز ہوتی ہے۔　　　[ترغیب]

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی میں مَیں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور رو رہے تھے کہ اسی حالت میں صبح فرمادی۔ مُتعدّد احادیث میں ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ چند آدمیوں سے بے حد خوش ہوتے ہیں، مِنجُملہ ان کے وہ شخص ہے جو سردی کی رات میں نرم بستر پر لحاف میں لپٹا ہوا لیٹا ہو اور خوبصورت، دل میں جگہ کرنے والی بیوی پاس لیٹی ہو اور پھر تہجد کے لیے اُٹھے اور نماز میں مشغول ہوجائے؛ حق تعالیٰ شانہٗ اس شخص سے بہت ہی خوش ہوتے ہیں، تعجب فرماتے ہیں، باوجود عَالِمُ الغیب[4] ہونے کے فرشتوں سے فخر کے طور پر دریافت فرماتے ہیں کہ اس بندہ کو کس بات نے مجبور کیا کہ اس طرح کھڑا ہوگیا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ آپ کے لطف و عطایا[5] کی اُمید نے اور آپ کے عتاب[6] کے خوف نے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اچھا جس چیز کی اُس نے مجھ سے امید رکھی وہ میں نے عطا کی اور جس چیز کا اس کو خوف ہے اُس سے امن بخشا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی بندہ کو کوئی عطا اللہ کی طرف سے اس سے بہتر نہیں دی گئی کہ اس کو دو[2] رکعت نماز کی توفیق عطا ہوجائے۔

حل لغات: (١) سوجن۔ (٢) برداشت۔ (٣) بوجھ۔ (٤) غیب کی باتوں کا جاننے والا۔ (٥) انعام واکرام۔ (٦) غصہ، ناراضگی۔

قرآن وحدیث میں کثرت سے وارد ہوا ہے کہ فرشتے ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ احادیث میں آیا ہے کہ ایک جماعت ان کی ایسی ہے جو قیامت تک رکوع ہی میں رہے گی اور ایک جماعت اسی طرح ہر وقت سجدہ میں مشغول رہتی ہے اور ایک جماعت اسی طرح کھڑی رہتی ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے مومن کے لیے یہ اکرام واعزاز فرمایا کہ ان سب چیزوں کا مجموعہ اس کو دو٢ رکعت نماز میں عطا فرمادیا، تاکہ فرشتوں کی ہر عبادت سے اس کو حصہ مل جائے۔ اور نماز میں قرآن شریف کی تلاوت ان کی عبادتوں پر اضافہ ہے اور جب یہ فرشتوں کی عبادتوں کا مجموعہ ہے تو انہیں کی سی صفات سے اس میں لطف مُیسَّر ہوسکتا ہے۔ اسی لیے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز کے لیے اپنی کمر اور پیٹ کو ہلکا رکھا کرو۔ [جامع صغیر] کمر کو ہلکا رکھنے کا یہ مطلب کہ بہت سے جھگڑے اپنے پیچھے نہ لگاؤ اور پیٹ کو ہلکا رکھنا ظاہر ہے کہ زیادہ سیر[1] ہو کر نہ کھاؤ، اس سے کاہلی سستی پیدا ہوتی ہے۔

نماز میں بارہ ہزار ١٢٠٠٠ چیزیں ہیں

صُوفیہ[2] کہتے ہیں کہ نماز میں بارہ ہزار ١٢٠٠٠ چیزیں ہیں، جن کو حق تعالیٰ شانہٗ نے بارہ ١٢ چیزوں میں مُنضَم[3] فرمایا ہے، ان بارہ ١٢ کی رعایت ضروری ہے تاکہ نماز مکمل ہو جائے اور اس کا پورا فائدہ حاصل ہو۔ یہ بارہ ١٢ حسبِ[4] ذیل ہیں: اول: علم، حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ علم کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی جہل کی حالت کے بہت سے عمل سے افضل ہے۔ دوسرے: وضو، تیسرے: لباس، چوتھے: وقت، پانچویں: قبلہ کی طرف رخ کرنا، چھٹے: نیت، ساتویں: تکبیر تحریمہ، آٹھویں: نماز میں کھڑا ہونا، نویں: قرآن شریف پڑھنا، دسویں: رکوع، گیارہویں: سجدہ، بارہویں: التحیات میں بیٹھنا اور ان سب کی تکمیل اخلاص کے ساتھ ہے۔ پھر ان بارہ ١٢ کے تین ٣ تین ٣ جُزو[5] ہیں: اول: علم کے تین ٣ جزو یہ ہیں کہ فرضوں اور سنتوں کو علیحدہ[6] علیحدہ معلوم کرے، دوسرے: یہ معلوم کرے کہ وضو اور نماز میں کتنی چیزیں فرض ہیں، کتنی سنت ہیں، تیسرے: یہ معلوم کرے کہ شیطان کِس کِس مَکر[7] سے نماز میں رَخنہ[8] ڈالتا ہے۔ اس کے بعد وضو کے بھی تین ٣ جُزو ہیں: اوّل یہ کہ دِل کو کِینہ[9] اور حسد سے پاک کرے جیسا کہ ظاہری اعضا کو پاک کر رہا ہے، دوسرے: ظاہری اعضا کو گناہوں سے پاک رکھے، تیسرے: وضو کرنے میں نہ اِسراف[10] کرے نہ کوتاہی[11] کرے۔ پھر لباس کے بھی تین ٣ جُزو ہیں: اول یہ کہ حلال کمائی سے ہو، دوسرے یہ کہ پاک ہو، تیسرے: سنت کے موافق ہو کہ ٹخنے وغیرہ ڈھکے ہوئے نہ ہوں، تکبر اور بڑائی کے طور پر نہ پہنا ہو۔ پھر وقت میں بھی تین ٣ چیزوں کی رعایت ضروری ہے: اول یہ کہ دھوپ ستاروں وغیرہ کی خبر گیری[12] رکھے تاکہ اوقات صحیح معلوم ہوسکیں (اور ہمارے زمانے میں

حل لغات: (١) پیٹ بھر کر۔ (٢) اللہ والے۔ (٣) شامل۔ (٤) نیچے لکھے ہوئے۔ (٥) حصّے۔ (٦) الگ الگ۔ (٧) دھوکہ۔ (٨) بگاڑ پیدا کرنا، کمی پیدا کرنا۔ (٩) دشمنی۔ (١٠) فضول خرچی۔ (١١) کمی۔ (١٢) جانکاری، معلومات رکھنا۔

اس کے قائم مقام گھڑی گھنٹے ہو گئے ہیں)، دوسرے: اذان کی خبر رکھے، تیسرے: دِل سے ہر وقت نماز کے وقت کا خیال رکھے، کبھی ایسا نہ ہو کہ وقت گذر جائے پتہ نہ چلے۔ پھر قبلہ کی طرف منہ کرنے میں بھی تین[۳] چیزوں کی رعایت رکھے: اول یہ کہ ظاہری بدن سے اُدھر متوجہ ہو، دوسرے یہ کہ دِل سے اللہ کی طرف توجہ رکھے کہ دل کا کعبہ وہی ہے، تیسرے: مالک کے سامنے جس طرح ہَمَہ تَن[۱] متوجّہ ہونا چاہیے اس طرح متوجہ ہو۔ پھر نیت بھی تین[۳] چیزوں کی محتاج ہے: اول یہ کہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے، دوسرے یہ کہ اللہ کے سامنے کھڑا ہے اور وہ دیکھتا ہے، تیسرے یہ کہ وہ دِل کی حالت کو بھی دیکھتا ہے۔ پھر تکبیرِ تحریمہ کے وقت بھی تین[۳] چیزوں کی رعایت کرنا ہے: اول یہ کہ لفظ صحیح ہو، دوسرے: ہاتھوں کو کانوں تک اٹھائے (گویا اشارہ ہے کہ اللہ کے ماسِوا[۲] سب چیزوں کو پیچھے پھینک دیا)، تیسرے یہ کہ اللہ اکبر کہتے ہوئے اللہ کی بڑائی اور عظمت دل میں بھی موجود ہو۔ پھر قیام یعنی کھڑے ہونے میں بھی تین[۳] چیزیں ہیں: اول یہ کہ نگاہ سجدے کی جگہ رہے، دوسرے: دل سے اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کا خیال کرے، تیسرے: کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ جو شخص نماز میں اِدھر اُدھر متوجہ ہو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بڑی مشکل سے دربانوں کی منت سماجت کر کے بادشاہ کے حضور میں پہونچے اور جب رَسائی[۳] ہو، اور بادشاہ اس کی طرف متوجہ ہو تو وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگے، ایسی صورت میں بادشاہ اس کی طرف کیا توجہ کرے گا۔ پھر قرأت میں بھی تین[۳] چیزوں کی رعایت کرے: اول: صحیح تَرتِیل[۴] سے پڑھے، دوسرے: اس کے معنیٰ پر غور کرے، تیسرے: جو پڑھے اس پر عمل کرے۔ پھر رکوع میں بھی تین[۳] چیزیں ہیں: اول یہ کہ کمر کو رکوع میں بالکل سیدھا رکھے، نہ نیچا کرے نہ اونچا (علماء نے لکھا ہے کہ سر اور کمر اور سُرین تینوں چیزیں برابر رہیں) دوسرے: ہاتھوں کی انگلیاں کھول کر چوڑی کر کے گھٹنوں پر رکھے، تیسرے: تسبیحات کو عظمت اور وقار سے پڑھے۔ پھر سجدے میں بھی تین[۳] چیزوں کی رعایت کرے: اول یہ کہ دونوں ہاتھ سجدے میں کانوں کے برابر رہیں، دوسرے: ہاتھوں کی کُہنیاں کھڑی رہیں، تیسرے: تسبیحات کو عظمت سے پڑھے۔ پھر بیٹھنے میں بھی تین[۳] چیزوں کی رعایت کرے: اول یہ کہ دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بائیں پر بیٹھے، دوسرے یہ کہ عظمت کے ساتھ معنیٰ کی رعایت کر کے تَشَہُّد[۵] پڑھے کہ اس میں حضور ﷺ پر سلام ہے، مؤمنین کے لیے دعا ہے، پھر فرشتوں پر اور دائیں بائیں جانب جو لوگ ہیں ان پر سلام کی نیت کرے۔ پھر اخلاص کے بھی تین[۳] جزو ہیں: اول یہ کہ اس نماز سے صرف اللہ کی خوشنودی[۶] مقصود ہو، دوسرے یہ سمجھے کہ اللہ ہی کی توفیق سے یہ نماز ادا ہوئی، تیسرے: اس پر ثواب کی اُمید رکھے۔

حل لغات: (۱) مکمل طور سے۔ (۲) علاوہ۔ (۳) پہونچ۔ (۴) درست ادائیگی۔ (۵) التحیات۔ (۶) خوشی۔

ثنا کا ترجمہ ومطلب

حقیقت میں نماز میں بڑی خیر اور بڑی برکت ہے، اُس کا ہر ذکر بہت سی خوبیوں کو اور اللہ کی بڑائیوں کو لیے ہوئے ہے، ایک "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ" ہی کو دیکھ لیجیے جو سب سے پہلی دعا ہے کہ کتنے فضائل پر حاوِی[1] ہے۔ "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ" یا اللہ تیری پاکی کا بیان کرتا ہوں کہ تو ہر عیب سے پاک ہے، ہر بُرائی سے دور ہے۔ "وَبِحَمْدِكَ" جتنی تعریف کی باتیں ہیں اور جتنے بھی قابلِ مَدح[2] اُمور ہیں وہ سب تیرے لیے ثابت ہیں اور تجھے زیبا[3]۔ "وَتَبَارَكَ اسْمُكَ" تیرا نام بابرکت ہے اور ایسا بابرکت ہے کہ جس چیز پر تیرا نام لیا جائے وہ بھی بابرکت ہو جاتی ہے۔ "وَتَعَالٰى جَدُّكَ" تیری شان بہت بلند ہے، تیری عظمت سب سے بالاتر[4] ہے۔ "وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ" تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں، نہ کوئی ذات پَرَستِش[5] کے لائق کبھی ہوئی نہ ہو۔ اسی طرح رکوع میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ" میرا عظمت اور بڑائی والا رب ہر عیب سے بالکل پاک ہے۔ اس کی بڑائی کے سامنے اپنی عاجزی اور بیچارگی[6] کا اظہار ہے کہ گردن کا بلند کرنا غرور اور تکبر کی علامت ہے اور اس کا جُھکا دینا نیاز مندی اور فرمانبرداری کا اقرار ہے، تو رکوع میں گویا اس کا اقرار ہے کہ تیرے احکام کے سامنے اپنے کو جھکاتا ہوں اور تیری اطاعت اور بندگی کو اپنے سر پر رکھتا ہوں، میرا یہ گنہگار جسم تیرے سامنے حاضر ہے اور تیری بارگاہ میں جھکا ہوا ہے، تو بے شک بڑائی والا ہے اور تیری بڑائی کے سامنے میں سَرنگوں[7] ہوں۔ اسی طرح سجدے میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى" میں بھی اللہ کی بے حد رفعت[8] اور بلندی کا اقرار ہے اور اس بلندی کے ساتھ ہر برائی اور عیب سے پاکی کا اقرار ہے۔ اپنے اس سر کو اس کے سامنے ڈال دینا ہے جو سارے اعضاء میں اَشرف[9] شمار کیا جاتا ہے اور اس میں محبوب ترین چیزیں آنکھ، کان، ناک، زبان ہیں، گویا اس کا اقرار ہے کہ میری یہ سب اَشرف اور محبوب چیزیں تیرے حضور میں حاضر اور تیرے سامنے زمین پر پڑی ہوئی ہیں، اس اُمید پر کہ تُو مجھ پر فضل فرمائے اور رحم کرے۔ اور اس عاجزی کا پہلا ظہور اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر مؤدّب[10] کھڑے ہونے میں تھا، اس پر ترقی اس کے سامنے سر جھکا دینے میں تھی اور اس پر بھی ترقی اس کے سامنے زمین پر ناک رگڑنے اور سر رکھ دینے میں ہے۔ اسی طرح پوری نماز کی حالت ہے اور حق یہ ہے کہ یہی اصلی ہیئت[11] نماز کی ہے اور یہی ہے وہ نماز جو دین و دنیا کی فلاح[12] و بہبود[13] کا زینہ[14] ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف سے مجھے اور سب مسلمانوں کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

حل لغات: (۱) گھیرے ہوئے ہے۔ (۲) تعریف کے لائق کام۔ (۳) لائق۔ (۴) اونچی۔ (۵) عبادت۔ (۶) بے بسی۔ (۷) سر جھکانا۔ (۸) بزرگی، بڑائی۔ (۹) سب سے بہتر۔ (۱۰) ادب کے ساتھ۔ (۱۱) حالت۔ (۱۲) کامیابی۔ (۱۳) بھلائی۔ (۱۴) سیڑھی۔

بزرگوں کے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے واقعات

اور جیسا کہ مُجاہدؒ نے بیان کیا ہے: فُقَہائے صحابہ ﷡ کی یہی نماز تھی، وہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تھے، اللہ سے ڈرتے تھے۔ حضرت حَسَنؒ جب وُضو فرماتے تو چہرے کا رنگ مُتغیَّر[1] ہو جاتا تھا، کسی نے پوچھا: یہ کیا بات ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ ایک بڑے جبّار[2] بادشاہ کے حضور میں کھڑے ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ پھر وضو کر کے جب مسجد میں تشریف لے جاتے تو مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہو کر یہ فرماتے: إِلٰهِيْ ! عَبْدُكَ بِبَابِكَ. يَا مُحْسِنُ ! قَدْ أَتَاكَ الْمُسِيْءُ وَقَدْ أَمَرْتَ الْمُحْسِنَ مِنَّا أَنْ يَّتَجَاوَزَ عَنِ الْمُسِيْءِ فَأَنْتَ الْمُحْسِنُ وَأَنَا الْمُسِيْءُ. فَتَجَاوَزْ عَنْ قَبِيْحِ مَا عِنْدِيْ بِجَمِيْلِ مَا عِنْدَكَ يَا كَرِيْمُ.

ترجمہ: یااللہ! تیرا بندہ تیرے دروازے پر حاضر ہے، اے احسان کرنے والے اور بھلائی کا برتاؤ کرنے والے! بداعمال تیرے پاس حاضر ہے، تو نے ہم لوگوں کو یہ حُکم فرمایا ہے کہ اچھے لوگ بُروں سے دَرگُذر[3] کریں، تُو اچھائی والا ہے اور میں بدکار ہوں۔ اے کریم! میری بُرائیوں سے اُن خوبیوں کی بَدَولت[4] جن کا تُو مالک ہے؛ درگذر فرما۔ اس کے بعد مسجد میں داخل ہوتے۔

حضرت زَیْنُ العَابِدینؒ روزانہ ایک ہزار رکعت پڑھتے تھے، تہجد کبھی سفر یا حَضَر[5] میں ناغہ نہیں ہوا۔ جب وضو کرتے تو چہرہ زرد[6] ہو جاتا تھا اور جب نماز کو کھڑے ہوتے تو بدن پر لَرزہ[7] آ جاتا۔ کسی نے دریافت کیا تو فرمایا: کیا تمھیں خبر نہیں کہ کس کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں۔ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے کہ گھر میں آگ لگ گئی، یہ نماز میں مشغول رہے۔ لوگوں نے عرض کیا، تو فرمایا کہ دنیا کی آگ سے آخرت کی آگ نے غافل رکھا۔ آپ کا ارشاد ہے کہ مجھے تکبّر کرنے والے پر تعجب ہے کہ کل تک ناپاک نُطفہ[8] تھا اور کل کو مُردار ہو جائے گا، پھر تکبر کرتا ہے؟ آپ فرمایا کرتے تھے کہ تعجب ہے کہ لوگ فنا[9] ہونے والے گھر کے لیے تو فکر کرتے ہیں، ہمیشہ رہنے والے گھر کی فکر نہیں کرتے۔ آپ کا معمول تھا کہ رات کو چُھپ کر صدقہ کیا کرتے، لوگوں کو یہ بھی خبر نہ ہوتی کہ کس نے دیا۔ جب آپ کا انتقال ہوا تو سَو گھر ایسے نکلے جن کا گذارہ آپ کی اِعانت[10] پر تھا۔ [نُزہۃ البَساتین]

حضرت علی کرَّم اللہ وجہَہٗ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ جب نماز کا وقت آتا تو چہرے کا رنگ بدل جاتا، بدن پر کپکپی آجاتی۔ کسی نے پوچھا تو ارشاد فرمایا کہ اُس اَمانت کے ادا کرنے کا وقت ہے جس کو آسمان وزمین نہ اُٹھا سکے، پہاڑ اس کے اُٹھانے سے عاجز ہو گئے، میں نہیں سمجھتا کہ اس کو پورا کر سکوں گا یا نہیں۔

حل لغات: ① بدل جانا۔ ② زبردست۔ ③ معاف کرنا۔ ④ سبب۔ ⑤ حالت قیام۔ ⑥ پیلا۔ ⑦ کپکپی۔ ⑧ منی کا قطرہ۔ ⑨ ختم۔ ⑩ مدد۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جب اذان کی آواز سنتے تو اس قدر روتے کہ چادر تر[1] ہو جاتی، رگیں[2] پھول جاتیں، آنکھیں سُرخ[3] ہو جاتیں۔ کسی نے عرض کیا کہ ہم تو اذان سنتے ہیں مگر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا، آپ اس قدر گھبراتے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ مُؤذِّن کیا کہتا ہے تو راحت وآرام سے محروم ہو جائیں اور نیند اُڑ جائے، اس کے بعد اذان کے ہر ہر جملہ کی تنبیہ کو مُفصّل ذکر فرمایا۔

ایک شخص نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ذُوالنُّون مِصریؒ کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی، جب انھوں نے اللہ اکبر کہا تو لفظ ''اللہ'' کے وقت اُن پر جلالِ[4] الٰہی کا ایسا غلبہ تھا، گویا اُن کے بدن میں روح نہیں رہی، بالکل مَبہوت[5] سے ہو گئے اور جب ''اکبر'' زبان سے کہا تو میرا دل ان کی اس تکبیر کی ہَیبت[6] سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ [نُزہۃ البَساتین]

حضرت اُوَیس قَرَنیؒ مشہور بزرگ اور افضل ترین تابعی ہیں، بعض مرتبہ رکوع کرتے اور تمام رات اسی حالت میں گذار دیتے، کبھی سجدہ میں یہی حالت ہوتی کہ تمام رات ایک ہی سجدے میں گذار دیتے۔ [نُزہۃ البَساتین]

عِصامؒ نے حضرت حاتم زاہد بَلخیؒ سے پوچھا کہ آپ نماز کس طرح پڑھتے ہیں؟ فرمایا کہ جب نماز کا وقت آتا ہے اوّل نہایت اطمینان سے اچھی طرح وضو کرتا ہوں، پھر اس جگہ پہونچتا ہوں جہاں نماز پڑھنا ہے اور اوّل نہایت اطمینان سے کھڑا ہوتا ہوں کہ گویا کعبہ میرے مُنہ کے سامنے ہے اور میرا پاؤں پُل صراط پر ہے، داہنی طرف جنت ہے، بائیں طرف دوزخ ہے، موت کا فرشتہ میرے سر پر ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ میری آخری نماز ہے، پھر کوئی اور نماز شاید مُیَسَّر نہ ہو اور میرے دل کی حالت کو اللہ ہی جانتا ہے، اس کے بعد نہایت عاجزی کے ساتھ ''اللہ اکبر'' کہتا ہوں، پھر معنی کو سوچ کر قرآن پڑھتا ہوں، تَوَاضُع[7] کے ساتھ رکوع کرتا ہوں، عاجزی کے ساتھ سجدہ کرتا ہوں اور اطمینان سے نماز پوری کرتا ہوں، اس طرح کہ اللہ کی رحمت سے اس کے قَبول ہونے کی اُمید رکھتا ہوں اور اپنے اعمال سے مَردُود[8] ہو جانے کا خوف کرتا ہوں۔ عِصامؒ نے پوچھا کہ کتنی مدت سے آپ ایسی نماز پڑھتے ہیں؟ حاتمؒ نے کہا: تیس[30] برس سے۔ عِصامؒ رونے لگے کہ مجھے ایک بھی نماز ایسی نصیب نہ ہوئی۔ کہتے ہیں کہ حاتمؒ کی ایک مرتبہ جماعت فوت[9] ہو گئی جس کا بے حد اثر تھا، ایک دو ملنے والوں نے تعزِیت[10] کی، اس پر رونے لگے اور فرمایا کہ اگر میرا ایک بیٹا مرجاتا تو آدھا بَلَخ تعزیت کرتا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ دس ہزار[10000] آدمیوں سے زیادہ تعزیت کرتے۔ جماعت کے فوت ہونے پر ایک دو آدمیوں نے تعزیت کی، یہ صرف اس وجہ سے کہ دین کی مصیبت لوگوں کی نگاہ میں دنیا کی مصیبت سے ہلکی ہے۔

حل لغات: (۱) گیلی۔ (۲) نس۔ (۳) لال۔ (۴) اللہ کی بڑائی۔ (۵) ہکا بکا ہونا، حیران۔ (۶) دہشت، رعب۔ (۷) عاجزی۔ (۸) لوٹا دینا۔ (۹) چھوٹنا۔ (۱۰) مردے کے رشتہ داروں سے ہمدردی ظاہر کرنا۔

حضرت سَعِید بن المُسیبؒ کہتے ہیں کہ بیس[1] برس کے عرصہ میں کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ اذان ہوئی ہو اور میں مسجد میں پہلے سے موجود نہ ہوں۔ محمد بن وَاسِعؒ کہتے ہیں کہ مجھے دنیا میں صرف تین چیزیں چاہیے: ایک: ایسا دوست ہو جو میری لَغزِشوں[1] پر مُتنبِّہ کرتا رہے، ایک: بقدر زندگی روزی جس میں کوئی جھگڑا نہ ہو، ایک: جماعت کی نماز ایسی کہ اس میں جو کوتاہی ہو جائے وہ تو معاف ہو اور ثواب جو ہو مجھے مل جائے۔ حضرت ابو عُبیدہ بن الجرَّاح رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ نماز پڑھائی، نماز کے بعد فرمانے لگے کہ شیطان نے اس وقت مجھ پر ایک حملہ کیا، میرے دل میں یہ خیال ڈالا کہ میں افضل ہوں (اس لیے کہ افضل کو امام بنایا جاتا تھا) آئندہ کبھی بھی نماز نہیں پڑھاؤں گا۔ میمون بن مِہرانؒ ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لے گئے تو جماعت ہو چکی تھی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ پڑھا اور فرمایا کہ اس نماز کی فضیلت مجھے عراق کی سلطنت[2] سے بھی زیادہ محبوب تھی۔

کہتے ہیں کہ ان حضراتِ کرام میں سے جس کی تکبیرِ اُولیٰ فوت[3] ہو جاتی تین[3] دن تک اس کا رنج[4] کرتے تھے اور جس کی جماعت جاتی رہتی سات[7] دن تک اس کا افسوس کرتے تھے۔ [اِحیاء] بکر بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ اگر تُو اپنے مالک سے، اپنے مولا سے بلا واسطہ بات کرنا چاہے تو جب چاہے کر سکتا ہے، کسی نے پوچھا کہ اس کی کیا صورت ہے؟ فرمایا کہ اچھی طرح وضو کر اور نماز کی نیت باندھ لے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے باتیں کرتے تھے اور ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرتے تھے؛ لیکن جب نماز کا وقت آجاتا تو ایسے ہو جاتے گویا ہم کو پہچانتے ہی نہیں اور ہمہ تن[5] اللہ کی طرف مشغول ہو جاتے تھے۔ سعید تَنُوخیؒ جب تک نماز پڑھتے رہتے مسلسل آنسوؤں کی لڑی[6] رخساروں[7] پر جاری رہتی۔ خَلَف بن ایوبؒ سے کسی نے پوچھا کہ یہ مکھیاں تم کو نماز میں دِق[8] نہیں کرتیں؟ کہنے لگے کہ میں اپنے کو کسی ایسی چیز کا عادی نہیں بناتا جس سے نماز میں نقصان آئے، یہ بدکار لوگ حکومت کے کوڑوں کو برداشت کرتے رہتے ہیں محض اتنی سی بات کے لیے کہ لوگ کہیں گے کہ بڑا مُتحَمِّل[9] مزاج ہے اور پھر اس کو فَخریہ[10] بیان کرتے ہیں، میں اپنے مالک کے سامنے کھڑا ہوں اور ایک مکھی کی وجہ سے حرکت کرنے لگوں؟

بَہجۃُ النُّفُوس میں لکھا ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ رات کو نماز پڑھ رہے تھے، ایک چور آیا اور گھوڑا کھول کر لے گیا، لے جاتے ہوئے اس پر نظر بھی پڑ گئی، مگر نماز نہ توڑی۔ بعد میں کسی نے کہا بھی کہ آپ نے پکڑ نہ لیا؟ فرمایا: جس چیز میں مَیں مشغول تھا وہ اس سے بہت اونچی تھی۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کا تو قصہ مشہور ہے کہ جب لڑائی میں اُن کے تیر لگ جاتے تو وہ نماز ہی میں نکالے جاتے؛ چنانچہ ایک مرتبہ ران میں ایک

حل لغات: (۱) غلطیوں۔ (۲) بادشاہت۔ (۳) چھوٹنا۔ (۴) غم۔ (۵) مکمل طور سے۔ (۶) آنسو کے قطرے، ہار۔ (۷) گالوں۔ (۸) پریشان۔ (۹) برداشت کرنے والا۔ (۱۰) فخر کے طور پر۔

تیر گُھس گیا، لوگوں نے نکالنے کی کوشش کی، نہ نکل سکا؛ آپس میں مشورہ کیا کہ جب یہ نماز میں مشغول ہوں اس وقت نکالا جائے، آپ نے جب نفلیں شروع کیں اور سجدہ میں گئے تو ان لوگوں نے اس کو زور سے کھینچ لیا، جب نماز سے فارغ ہوئے تو آس پاس مجمع دیکھا، فرمایا: کیا تم تیر نکالنے کے واسطے آئے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ تو ہم نے نکال بھی لیا۔ آپ نے فرمایا: مجھے خبر ہی نہیں ہوئی۔

مُسلم بن یَسارؒ جب نماز پڑھتے تو گھر والوں سے کہہ دیتے تم باتیں کرتے رہو مجھے تمہاری باتوں کا پتہ نہیں چلے گا۔ رَبِیعؒ کہتے ہیں کہ میں جب نماز میں کھڑا ہوتا ہوں، مجھ پر اس کا فکر سوار ہوتا ہے کہ مجھ سے کیا کیا سوال وجواب ہوگا۔ عامر بن عبداللہؒ جب نماز پڑھتے تو گھر والوں کی باتوں کی تو کیا خبر ہوتی، ڈھول کی آواز کا بھی پتہ نہ چلتا تھا۔ کسی نے اُن سے پوچھا کہ تمھیں نماز میں کسی چیز کی بھی خبر ہوتی ہے؟ فرمایا: ہاں مجھے اس کی خبر ہوتی ہے کہ ایک دن اللہ کی بارگاہ میں کھڑا ہونا ہوگا اور دونوں گھروں جنت یا دوزخ میں سے ایک میں جانا ہوگا۔ انھوں نے عرض کیا: یہ نہیں پوچھتا، ہماری باتوں میں سے بھی کسی کی خبر ہوتی ہے؟ فرمایا کہ مجھ میں نیزوں(۱) کی بھالیں(۲) گُھس جائیں یہ زیادہ اچھا ہے اس سے کہ مجھے نماز میں تمہاری باتوں کا پتہ چلے۔ ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر آخرت کا مَنظَر اس وقت میرے سامنے ہوجائے تو میرے یقین اور ایمان میں اِضَافہ(۳) نہ ہو (کہ غیب پر ایمان اتنا ہی پُختہ(۴) ہے جتنا مُشَاہدہ(۵) پر ہوتا ہے)۔ ایک صاحب کا کوئی عُضو خراب ہوگیا تھا، جس کے لیے اس کے کاٹنے کی ضرورت تھی، لوگوں نے تجویز(۶) کیا کہ جب یہ نماز کی نیت باندھیں اس وقت کاٹنا چاہیے، ان کو پتہ بھی نہ چلے گا؛ چنانچہ نماز پڑھتے ہوئے اس عضو کو کاٹ دیا گیا۔ ایک صاحب سے پوچھا گیا کہ تمھیں نماز میں دنیا کا بھی خیال آجاتا ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ نہ نماز میں آتا ہے نہ بغیر نماز کے۔ ایک اور صاحب کا قصہ لکھا ہے کہ اُن سے کسی نے دریافت کیا کہ تمھیں نماز میں کوئی چیز یاد آجاتی ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ نماز سے بھی زیادہ کوئی محبوب چیز ہے جو نماز میں یاد آوے۔

بَہجَۃُ النُّفُوس میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ کی خدمت میں ایک شخص ملنے کے لیے آیا، وہ ظہر کی نماز میں مشغول تھے وہ انتظار میں بیٹھ گیا، جب نماز سے فارغ ہوچکے تو نفلوں میں مشغول ہوگئے اور عصر تک نفلیں پڑھتے رہے، یہ انتظار میں بیٹھا رہا، نفلوں سے فارغ ہوئے تو عصر کی نماز شروع کردی اور اس سے فارغ ہوکر ذکر میں مشغول ہوگئے اور مغرب تک مشغول رہے، پھر مغرب کی نماز پڑھی اور نفلیں شروع کردیں، عشاء تک اس میں مشغول رہے، یہ بیچارہ انتظار میں بیٹھا رہا، عشاء کی نماز پڑھ کر پھر نفلوں کی نیت باندھ لی اور صبح تک اس میں مشغول رہے، پھر صبح کی نماز پڑھی اور ذکر شروع کردیا اور اَوْرَاد ووَظَائف پڑھتے رہے، اسی میں مُصَلّے پر بیٹھے بیٹھے آنکھ جَھپک گئی تو فوراً آنکھوں کو ملتے ہوئے اُٹھے، استغفار وتوبہ کرنے

حل لغات: (۱) نیزہ کی جمع، ایک قسم کا ہتھیار۔ (۲) دھار۔ (۳) زیادتی۔ (۴) پکا۔ (۵) دیکھنا۔ (۶) طے کرنا۔

لگے اور یہ دعا پڑھی: أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَيْنٍ لَّا تَشْبَعُ مِنَ النَّوْمِ (اللہ ہی سے پناہ مانگتا ہوں ایسی آنکھ سے جو نیند سے بھرتی ہی نہیں)۔ ایک صاحب کا قصہ لکھا ہے کہ وہ رات کو سونے لیٹتے تو کوشش کرتے کہ آنکھ لگ جائے، مگر جب نیند نہ آتی تو اُٹھ کر نماز میں مشغول ہو جاتے اور عرض کرتے: یا اللہ! تجھ کو معلوم ہے کہ جہنم کی آگ کے خوف نے میری نیند اُڑا دی اور یہ کہہ کر صبح تک نماز میں مشغول رہتے۔

ساری رات بے چینی اور اِضْطِراب[1] یا شوق واِشْتِیاق میں جاگ کر گذار دینے کے واقعات اس کثرت سے ہیں کہ اُن کا اِحاطہ[2] ممکن نہیں۔ ہم لوگ اس لَذَّت سے اتنے دور ہو گئے ہیں کہ ہم کو ان واقعات کی صِحَّت[3] میں بھی تَرَدُّد[4] ہونے لگا، لیکن اول تو جس کثرت اور تَوَاتُر[5] سے یہ واقعات نقل کیے گئے ہیں اُن کی تردید[6] میں ساری ہی تواریخ سے اِعْتِمَاد اٹھتا ہے کہ واقعہ کی صِحَّت کثرتِ نقل ہی سے ثابت ہوتی ہے۔ دوسرے، ہم لوگ اپنی آنکھوں سے ایسے لوگوں کو آئے دن دیکھتے ہیں جو سنیما اور تھیٹر میں ساری رات کھڑے کھڑے گذار دیتے ہیں کہ نہ ان کو تَعَب[7] ہوتا ہے، نہ نیند ستاتی ہے، پھر کیا وجہ کہ ہم ایسے مَعَاصِی[8] کی لذتوں کا یقین کرنے کے باوجود ان طاعات[9] کی لذتوں کا انکار کریں۔ حالانکہ طاعات میں اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے قوت بھی عطا ہوتی ہے، ہمارے اس تردد کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہم ان لذتوں سے نا آشنا[10] ہیں اور نابالغ بُلُوغ کی لذتوں سے ناواقف ہوتا ہی ہے، حق تعالیٰ شانہ اس لذت تک پہونچا دیں تو زَہے نصیب[11]۔

آخری گذارش

صُوفِیَہ نے لکھا ہے کہ نماز حقیقت میں اللہ جلَّ شانہ کے ساتھ مُنَاجات کرنا اور ہَم کلام[12] ہونا ہے جو غفلت کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا، نماز کے علاوہ اور عبادتیں غفلت سے بھی ہو سکتی ہیں، مثلاً زکوٰۃ ہے کہ اس کی حقیقت مال کا خرچ کرنا ہے، یہ خود ہی نفس کو اتنا شاق[13] ہے کہ اگر غفلت کے ساتھ ہو تب بھی نفس کو شاق گذرے گا، اسی طرح روزہ دن بھر کا بھوکا پیاسا رہنا، صحبت کی لذّت سے رُکنا کہ یہ سب چیزیں نفس کو مغلوب[14] کرنے والی ہیں۔ غفلت سے بھی اگر مُتَحَقَّق[15] ہوں تو نفس کی شدت وتیزی پر اثر پڑے گا، لیکن نماز کا مُعْظَم[16] حصہ ذکر ہے، قرأتِ قرآن ہے، یہ چیزیں اگر غفلت کی حالت میں ہوں تو مُنَاجات یا کلام نہیں ہیں، ایسی ہی ہیں جیسے بخار کی حالت میں ہِذْیان[17] اور بکواس ہوتی ہے کہ جو چیز دل میں ہوتی ہے وہ زبان پر ایسے اوقات میں جاری ہو جاتی ہے، نہ اس میں کوئی مشقت ہوتی ہے، نہ کوئی نفع۔ اسی طرح چونکہ نماز کی عادت پڑ گئی ہے اس لیے اگر توجہ نہ ہو تو عادت کے موافق بلا سوچے سمجھے زبان سے الفاظ نکلتے رہیں گے، جیسا کہ سونے کی حالت میں اکثر باتیں زبان سے نکلتی ہیں کہ نہ سننے والا اس کو اپنے سے کلام سمجھتا ہے، نہ اس کا

حل لغات: (۱) بے قراری۔ (۲) یعنی مکمل جمع کرنا۔ (۳) صحیح ہونا، سچا ہونا۔ (۴) شک۔ (۵) کسی بات کو مسلسل اور لگاتار نقل کرنا۔ (۶) انکار۔ (۷) تھکاوٹ۔ (۸) گناہوں۔ (۹) نیکیاں۔ (۱۰) نہ جاننے والا۔ (۱۱) خوش قسمتی۔ (۱۲) بات چیت کرنا۔ (۱۳) بھاری۔ (۱۴) یعنی نفس کو دبانے والی۔ (۱۵) عمل میں آئیں۔ (۱۶) اکثر، بڑا۔ (۱۷) بے ہودہ باتیں۔

کوئی فائدہ ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ شانہٗ بھی ایسی نماز کی طرف اِلتِفات[1] اور توجُّہ نہیں فرماتے جو بلا ارادہ کے ہو، اس لیے نہایت اہم ہے کہ نماز اپنی وُسعت[2] وہمت کے موافق پوری توجہ سے پڑھی جائے۔

ایک ضروری بات

لیکن یہ اَمر نہایت ضروری ہے کہ اگر یہ حالات اور کیفیات جو پچھلوں کی معلوم ہوئی ہیں حاصل نہ بھی ہوں، تب بھی نماز جس حال سے بھی ممکن ہو ضرور پڑھی جائے، یہ بھی شیطان کا ایک سخت ترین[3] مکر ہوتا ہے وہ یہ سمجھائے کہ بُری طرح پڑھنے سے تو نہ پڑھنا ہی اچھا ہے، یہ غلط ہے؛ نہ پڑھنے سے بُری طرح کا پڑھنا ہی بہتر ہے، اس لیے کہ نہ پڑھنے کا جو عذاب ہے وہ نہایت ہی سخت ہے، حتیٰ کہ علماء کی ایک جماعت نے اس شخص کے کفر کا فتویٰ دیا ہے جو جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے، جیسا کہ پہلے باب میں مُفصَّل[4] گذر چکا ہے، البتہ اس کی کوشش ضرور ہونا چاہیے کہ نماز کا جو حق ہے اور اپنے اَکابر اُس کے مُطابق پڑھ کر دکھا گئے ہیں، حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لُطف[5] سے اس کی توفیق عطا فرمائیں اور عمر بھر میں کم از کم ایک ہی نماز ایسی ہو جائے جو پیش کرنے کے قابل ہو۔ اخیر میں اس امر پر تنبیہ ضروری ہے کہ حضرات مُحدِّثین رضی اللہ عنہم اجمعین کے نزدیک فضائل کی روایات میں توسُّع[6] ہے اور معمولی ضُعف[7] قابلِ تَسامُح[8]، باقی صوفیہ کرام رحمہم اللہ کے واقعات تو تاریخی حیثیت رکھتے ہی ہیں اور ظاہر ہے کہ تاریخ کا درجہ حدیث کے درجہ سے کہیں کم ہے۔

﴿وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ[9] اِلَّا بِاللهِ ، عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ، رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ، رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ، رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ، رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ، وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهِمْ وَحَمَلَةِ الدِّيْنِ الْمَتِيْنِ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ.

زکریا عُفِیَ عَنْہُ کاندھلوی، شب دوشنبہ ۷ رمحرم ۱۳۵۸ھ

حل لغات: ① توجہ۔ ② طاقت۔ ③ بہت بڑا دھوکہ۔ ④ تفصیل سے۔ ⑤ کرم، مہربانی۔ ⑥ گنجائش۔ ⑦ کمزوری۔ ⑧ درگذر کرنے کے قابل۔ ⑨ اور مجھے جو کچھ توفیق ہوتی ہے صرف اللہ کی مدد سے ہوتی ہے، اسی کی طرف میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور اسی کی طرف میں (ہر معاملے میں) رجوع کرتا ہوں اے ہمارے پروردگار! ہم اپنی جانوں پر ظلم کر گذرے ہیں اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم نامراد لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔ اے ہمارے پروردگار اگر ہم سے کوئی بُھول چوک ہو جائے تو ہماری پکڑ نہ فرمائیے اور اے ہمارے پروردگار ہم پر اس طرح کا بوجھ نہ ڈالیے جیسا آپ نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا اور اے ہمارے پروردگار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیے جسے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو اور ہماری خطاؤں سے درگذر فرمائیے، ہمیں بخش دیجیے اور ہم پر رحم فرمائیے آپ ہی ہمارے حامی و مددگار ہیں اس لیے کافر لوگوں کے مقابلے میں ہمیں نصرت عطا فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : بَلِّغُوا عَنِّيْ وَلَوْ اٰيَةً . [بخاری]

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری طرف سے پہنچادو چاہے ایک بات ہی کیوں نہ ہو۔



جس میں

بقیۃ السلف حجۃ الخلف حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے ارشاد سے

فخر الاماثل زبدۃ الافاضل حضرت مولانا الحاج الحافظ المحدث محمد زکریا صاحبؒ

شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر عُلوم سہارن پور نے

تبلیغ کی اہمیت اور اس کے آداب نیز مبلغین اور عام لوگوں کے فرائض

بتلائے ہیں۔

تمہید

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

حمد وصلوٰۃ کے بعد، مجدّدِ[1] دِینِ اسلام کے ایک دُرِّ خشندہ[2] جوہر اور علماء ومشائخِ عَصر[3] کے ایک آبدار[4] گوہر کا ارشاد ہے کہ تبلیغِ دین کی ضرورت کے متعلق مختصر طور پر چند آیات واحادیث لکھ کر پیش کروں؛ چونکہ مجھ جیسے سِیَہ[5] کار کے لیے ایسے ہی حضرات کی رضا وخوشنودی وسیلۂ[6] نجات اور کفارۂ[7] سَیِّئَات ہو سکتی ہے، اس لیے اس عُجَالۂ[8] نافعہ[9] کو خدمت میں پیش کرتے ہوئے ہر اسلامی مدرسہ، اسلامی انجمن، اسلامی اسکول اور ہر اسلامی طاقت بلکہ ہر مسلمان سے گذارش ہے کہ اس وقت دین کا انحطاط[10] جس قدر روز افزوں[11] ہے، دین کے اوپر جس طرح کُفّار کی طرف سے نہیں خود مسلمانوں کی طرف سے حملے ہو رہے ہیں، فرائض وواجبات پر عمل عام مسلمانوں سے نہیں، بلکہ خاص اور اَخَصُّ الخَواص[12] مسلمانوں سے متروک[13] ہوتا جا رہا ہے، نماز روزہ کے چھوڑ دینے کا کیا ذکر جبکہ لاکھوں آدمی کھلے ہوئے شرک وکفر میں مبتلا ہیں اور غَضَب یہ ہے کہ ان کو شرک وکفر نہیں سمجھتے، مُحرَّمات[14] اور فِسق وفُجُور[15] کا شُیوع[16] جس قدر صاف اور واضح طریق سے بڑھتا جا رہا ہے اور دین کے ساتھ لاپرواہی بلکہ اِستخفاف[17] واِستہزاء[18] جتنا عام ہوتا جا رہا ہے وہ کسی فردِ بشر[19] سے مخفی[20] نہیں، اسی وجہ سے خاص علماء بلکہ عام علماء میں بھی لوگوں سے یکسوئی[21] اور وحشت[22] بڑھتی جا رہی ہے، جس کا لازمی اثر یہ ہو رہا ہے کہ دین اور دینیات سے اجنبیّت میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے، عوام اپنے کو معذور کہتے ہیں کہ ان کو بتلانے والا کوئی نہیں اور علما اپنے کو معذور سمجھتے ہیں کہ ان کی سننے والا کوئی نہیں؛ لیکن خدائے قُدّوس کے یہاں نہ عوام کا یہ عذر کافی کہ کسی نے بتلایا نہ تھا اس لیے کہ دینی امور کا معلوم کرنا، تحقیق کرنا ہر شخص کا اپنا فرض ہے، قانون سے ناواقفیت[23] کا عذر کسی حکومت میں بھی معتبر نہیں، اَحْکَمُ الحاکمین کے یہاں یہ پُوچ[24] عذر کیسے چل سکتا ہے، یہ تو ’’عذرِ گناہ بدتر از گناہ[25]‘‘

حل لغات: (۱) وہ علماء جو برائیوں کی اصلاح اور نیکیوں کو رواج دیں۔ (۲) چمکتا ہوا ہیرا۔ (۳) زمانہ۔ (۴) خوبصورت موتی۔ (۵) گنہگار۔ (۶) نجات کا ذریعہ۔ (۷) گناہوں کی معافی۔ (۸) جلدی تیار کی ہوئی چیز۔ (۹) نفع دینے والی۔ (۱۰) زوال، کمی۔ (۱۱) دن بہ دن بڑھنا۔ (۱۲) زیادہ خاص لوگ۔ (۱۳) چھوڑا ہوا ہونا۔ (۱۴) منع کی ہوئی چیزیں، حرام کام۔ (۱۵) گناہوں، برائیوں۔ (۱۶) عام ہونا۔ (۱۷) ہلکا سمجھنا۔ (۱۸) مذاق اڑانا۔ (۱۹) انسان، آدمی۔ (۲۰) چھپا ہوا۔ (۲۱) الگ تھلگ رہنا۔ (۲۲) بدکنا، دور ہونا۔ (۲۳) نہ جاننا۔ (۲۴) بیکار۔ (۲۵) گناہ کر کے عذر کرنا گناہ کرنے سے برا ہے۔

کا مِصداق[1] ہے۔ اسی طرح نہ علماء کے لیے یہ جواب موزوں[2] کہ کوئی سننے والا نہیں، جن اسلاف کی نِیابت[3] کے آپ حضرات دعویدار ہیں، انھوں نے کیا کچھ تبلیغ کی خاطر برداشت نہیں فرمایا، کیا پتھر نہیں کھائے؟ گالیاں نہیں کھائیں؟ مصیبتیں نہیں جھیلیں؟ لیکن ہر نوع[4] کی تکالیف برداشت فرمانے کے بعد اپنی تبلیغی ذمہ داریوں کا احساس فرماکر لوگوں تک دین پہونچایا، ہر سخت سے سخت مُزاحمت[5] کے باوجود نہایت شفقت سے اسلام واحکامِ اسلام کی اِشاعت[6] کی۔

عام طور پر مسلمانوں نے تبلیغ کو علماء کے ساتھ مخصوص سمجھ رکھا ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے؛ بلکہ ہر وہ شخص جس کے سامنے کوئی مُنکَر[7] ہورہا ہو اور وہ اس کے روکنے پر قادر ہو یا اس کے روکنے کے اسباب پیدا کرسکتا ہو، اس کے ذمہ واجب ہے کہ اس کو روکے۔ اور اگر بفرضِ مُحال[8] مان بھی لیا جاوے کہ یہ علماء کا کام ہے، تب بھی جبکہ وہ اپنی کوتاہی[9] سے یا کسی مجبوری سے اس حق کو پورا نہیں کررہے ہیں یا ان سے پورا نہیں ہورہا ہے، تو ضروری ہے کہ ہر شخص کے ذمہ یہ فریضہ عائد[10] ہو۔ قرآن وحدیث میں جس قدر اہتمام سے تبلیغ اور اَلْأَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ کو ارشاد فرمایا گیا ہے، وہ اُن آیات واحادیث سے ظاہر ہے جو آئندہ فصلوں میں آرہی ہیں۔ ایسی حالت میں صرف علماء کے ذمہ رکھ کر یا ان کی کوتاہی بتاکر کوئی شخص بَرِیُّ الذِّمّہ[11] نہیں ہوسکتا، اس لیے میری عَلَی العموم[12] درخواست ہے کہ ہر مسلمان کو اِس وقت تبلیغ میں کچھ نہ کچھ حصہ لینا چاہیے اور جس قدر وقت بھی دین کی تبلیغ اور حفاظت میں خرچ کرسکتا ہو، کرنا چاہیے۔

ہر[13] وقتِ خوش کہ دَست دَہد مُغتَنَم شُمار کَس رَا وُقوف نیست کہ انجام کار چیُست

یہ بھی معلوم کرلینا ضروری ہے کہ تبلیغ کے لیے یا اَمر بِالمَعرُوف اور نَہی عَنِ المُنکَر کے لیے پورا کامل ومکمل عالم ہونا ضروری نہیں، ہر وہ شخص جو کوئی مسئلہ جانتا ہو اس کو دوسروں تک پہونچائے، جب اس کے سامنے کوئی ناجائز اَمر[14] کیا جارہا ہو اور وہ اس کے روکنے پر قادر ہو تو اس کا روکنا اس پر واجب ہے، اس رسالہ میں مُختَصَر طور پر سات فصلیں ذکر کی ہیں۔

حل لغات: (۱) یعنی اس کی طرح (۲) مناسب۔ (۳) قائم مقامی، کسی کی جگہ لینا۔ (۴) قسم، طرح۔ (۵) رکاوٹ۔ (۶) پھیلانا۔ (۷) برائی، گناہ۔ (۸) ناممکن بات کو ماننا۔ (۹) کمی۔ (۱۰) لازم، ذمہ میں ہونا۔ (۱۱) ذمہ داری سے آزاد۔ (۱۲) عام طور پر۔ (۱۳) ہر اچھا وقت جو حاصل ہو غنیمت سمجھ، کسی کو معلوم نہیں کہ انجام کیا ہے۔ (۱۴) کام۔

فصل اوّل

(اس فصل) میں تبرُّگاً[1] اللہ پاک کے بابرکت کلام میں سے چند آیات کا ترجمہ جن میں تبلیغ وامر بالمعروف کی تاکید وترغیب فرمائی ہے؛ پیش کرتا ہوں، جس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ خود حق سبحانہٗ وتقدّس کو اس کا کتنا اہتمام ہے کہ جس کے لیے بار بار مختلف عنوانوں سے اپنے پاک کلام میں اس کا اِعَادہ[2] کیا ہے۔ تقریباً ساٹھ آیات تو میری کوتاہ[3] نظر سے اس کی ترغیب اور توصِیف[4] میں گذر چکی ہیں۔ اگر کوئی دقیق النظر[5] غور سے دیکھے تو نہ معلوم کس قدر آیات معلوم ہوں، چونکہ اُن سب آیات کا اِس جگہ جمع کرنا طُول[6] کا سبب ہوگا، اس لیے چند آیات ہی پر اِکتِفا[7] کرتا ہوں۔

① قَالَ اللّٰهُ عَزَّ اسْمُهٗ: ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ﴾ [سورۂ فصلت]	ترجمہ: اور اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو خدا کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ [بیان القرآن]

مفسرین نے لکھا ہے کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی طرف کسی کو بلائے، وہ اس بشارت[8] اور تعریف کا مستحق ہے خواہ کسی طریق[9] سے بلائے، مثلاً انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام معجزہ وغیرہ سے بلاتے ہیں اور علماء دلائل[10] سے، مجاہدین تلوار سے اور مُؤَذِّنین اذان سے، غرض جو بھی کسی شخص کو دعوت[11] اِلی الخیر کرے وہ اِس میں داخل ہے، خواہ اعمالِ ظاہرہ[12] کی طرف بلائے یا اعمالِ باطنہ[13] کی طرف، جیسا کہ مشائخ صوفیہ معرفت اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ [خازن] مفسّرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ قَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمان ہونے کے ساتھ تفاخُر[14] بھی ہو، اس کو اپنے لیے باعثِ[15] عزت بھی سمجھتا ہو، اس اسلامی اِمتیاز[16] کو تفاخر کے ساتھ ذکر بھی کرے۔ بعض مفسّرین نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ مقصد یہ ہے کہ اس وعظ، نصیحت، تبلیغ سے اپنے کو بہت بڑی ہستی نہ کہنے لگے؛ بلکہ یہ کہے کہ عام مسلمین میں سے ایک مسلمان میں بھی ہوں۔

② ﴿ وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ ﴾ [سورۂ ذاریات]	ترجمہ: اے محمد (ﷺ) لوگوں کو سمجھاتے رہیے؛ کیونکہ سمجھانا ایمان والوں کو نفع دے گا۔

مفسّرین نے لکھا ہے کہ اس سے قرآن پاک کی آیات سنا کر نصیحت فرمانا مقصود ہے کہ وہ نفع رساں[17] ہے، مؤمنین کے لیے تو ظاہر ہے، کفار کے لیے بھی، اس لحاظ سے کہ وہ ان شاء اللہ اس کے ذریعہ سے

حل لغات: ① برکت کے طور پر۔ ② دہرانا۔ ③ تنگ، یعنی کم علم والا۔ ④ خوبی، اچھائی۔ ⑤ باریک اور گہری باتیں سمجھنے والا۔ ⑥ بڑھنا، لمبا ہونا۔ ⑦ بس کرنا۔ ⑧ خوشخبری۔ ⑨ طریقہ، انداز۔ ⑩ یعنی علم کی باتوں سے۔ ⑪ بھلائی کی طرف بلانا۔ ⑫ وہ اعمال جن کا تعلق بدن کے ظاہر سے ہے۔ ⑬ وہ اعمال جن کا تعلق انسان کے باطن (دل) سے ہے۔ ⑭ فخر جتانا۔ ⑮ عزت کا سبب۔ ⑯ فضیلت۔ ⑰ فائدہ پہونچانے والا۔

مؤمنین میں داخل ہو جائیں گے اور آیت کے مصداق میں شامل ہوں گے۔ ہمارے اس زمانہ میں وعظ ونصیحت کا راستہ تقریباً بند ہو گیا ہے، وعظ کا مقصد بالعُموم[1] شُستگیٔ تقریر[2] بن گیا ہے، تاکہ سننے والے تعریف کر دیں؛ حالانکہ نبیٔ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: جو شخص تقریر و بلاغت[3] اس لیے سیکھے، تاکہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے، تو قیامت کے دن اس کی کوئی عبادت مقبول نہیں، نہ فرض، نہ نفل۔

(۳) ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْــَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾﴾ [سورۂ طٰہٰ]	ترجمہ: اے محمد (ﷺ) اپنے متعلقین کو بھی نماز کا حکم کرتے رہیے اور خود بھی اس کے پابند رہیے، ہم آپ سے معاش[4] نہیں چاہتے، معاش تو آپ کو ہم دیں گے اور بہتر انجام تو پرہیزگاری ہی کا ہے۔

متعدد روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جب نبیٔ کریم ﷺ کو کسی کی تنگیٔ معاش کے رَفع[5] فرمانے کا فکر ہوتا، تو اس کو نماز کی تاکید فرماتے اور آیتِ بالا[6] کو تلاوت فرما کر گویا اس طرف اشارہ فرماتے کہ وُسعَتِ رزق کا وعدہ اہتمامِ نماز پر موقوف[7] ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس آیتِ شریفہ میں نماز کے حکم کرنے کے ساتھ خود اس پر اہتمام کرنے کا حکم اس لیے ارشاد ہوا ہے کہ یہ اَنفَع[8] ہے کہ تبلیغ کے ساتھ ساتھ جس چیز کا دوسروں کو حکم کیا جاوے، خود بھی اس پر اہتمام کیا جاوے کہ اس سے دوسروں پر اثر بھی زیادہ ہوتا ہے اور دوسروں کے اہتمام کا سبب بنتا ہے، اسی لیے ہدایت کے واسطے انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کو مبعوث[9] فرمایا ہے کہ وہ نمونہ بن کر سامنے ہوں، تو عمل کرنے والوں کو عمل کرنا سہل ہو اور یہ خَدشَہ[10] نہ گذرے کہ فلاں حکم مشکل ہے، اس پر عمل کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کے بعد رزق کے وعدہ کی مصلحت یہ ہے کہ نماز کا اپنے اوقات کے ساتھ اہتمام بسا اوقات[11] اسبابِ معیشت[12] میں ظاہراً نقصان کا سبب معلوم ہوتا ہے، بالخصوص تجارت، ملازمت وغیرہ میں؛ اس لیے اس کو ساتھ کے ساتھ دفع فرما دیا کہ یہ ہمارے ذمّہ ہے، یہ سب دنیاوی امور کے اعتبار سے ہے، اس کے بعد بطور قاعدۂ کُلّیہ[13] اور اَمرِ بدیہی[14] کے فرمایا کہ عاقبت[15] تو ہے ہی متقیوں کے لیے، اس میں کسی دوسرے کی شرکت ہی نہیں۔

(۴) ﴿يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾﴾ [سورۂ لقمان]	بیٹا نماز پڑھا کر اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور بُرے کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس پر صبر کیا کر، یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ [بیان القرآن]

حل لغات: (۱) عام طور سے۔ (۲) صاف اور اچھی طرح سے روانی کے ساتھ تقریر کرنا۔ (۳) اثر کرنے والا بیان۔ (۴) روزی۔ (۵) دور کرنا۔ (۶) اوپر۔ (۷) وابستہ۔ (۸) زیادہ نفع دینے والا۔ (۹) بھیجنا۔ (۱۰) خطرہ۔ (۱۱) اکثر مرتبہ۔ (۱۲) روزی کے اسباب۔ (۱۳) عام قاعدہ۔ (۱۴) یقینی بات۔ (۱۵) انجام۔

اس آیتِ شریفہ میں مُہتَم[1] بِالشّان امور کو ذکر فرمایا ہے اور حقیقۃً یہ امور اہم ہیں، تمام کامیابیوں کا ذریعہ ہیں؛ مگر ہم لوگوں نے ان ہی چیزوں کو خاص طور سے پسِ[2] پُشت ڈال رکھا ہے، امر بالمعروف کا تو ذکر ہی کیا کہ وہ تو تقریباً سب ہی کے نزدیک مَتْرُوک[3] ہے، نماز جو تمام عبادات میں سب سے زیادہ اہم چیز ہے اور ایمان کے بعد سب سے مُقَدَّم اسی کا درجہ ہے، اس کی طرف سے بھی کس قدر غفلت برتی جاتی ہے، اُن لوگوں کو چھوڑ کر جو بے نمازی کہلاتے ہیں، خود نمازی لوگ بھی اس کا کامل[4] اہتمام نہیں فرماتے، بالخصوص "جماعت" جس کی طرف اقامتِ نماز سے اشارہ ہے، صرف غُرباء کے لیے رہ گئی، اُمَراء اور باعزّت لوگوں کے لیے مسجد میں جانا گویا عار[5] بن گیا ہے، فَإِلَى اللهِ الْمُشْتَكٰى.

آں[6] چہ عارِ تُست او فخرِ من است

۞ ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾﴾ [سورۂ آل عمران]	اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی ضروری ہے کہ خیر کی طرف بُلائے اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کرے اور بُرے کاموں سے روکا کرے اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہوں گے۔

حق سُبحانہٗ وتَقدّس نے اس آیتِ شریفہ میں ایک اہم مضمون کا حکم فرمایا ہے، وہ یہ کہ اُمت میں سے ایک جماعت اس کام کے لیے مخصوص ہو کہ وہ اسلام کی طرف لوگوں کو تبلیغ کیا کرے، یہ حُکم مسلمانوں کے لیے تھا؛ مگر افسوس کہ اس اصل کو ہم لوگوں نے بِالکُلّیّہ[7] ترک کر دیا ہے اور دوسری قوموں نے نہایت اہتمام سے پکڑ لیا ہے، نصاریٰ کی مُستَقِل جماعتیں دُنیا میں تبلیغ کے لیے مخصوص ہیں اور اسی طرح دوسری اقوام میں اس کے لیے مخصوص کارکُن[8] موجود ہیں، لیکن کیا مسلمانوں میں بھی کوئی جماعت ایسی ہے؟ اس کا جواب نفی[9] میں نہیں، تو اثبات[10] میں بھی مشکل ہے، اگر کوئی جماعت یا کوئی فرد اس کے لیے اُٹھتا بھی ہے تو اس وجہ سے کہ بجائے اِعَانت[11] کے اس پر اِعتِراضَات کی اس قدر بھرمار ہوتی ہے کہ وہ آج نہیں تو کل، تھک کر بیٹھ جاتا ہے؛ حالانکہ خیر خواہی[12] کا مقتضا[13] یہ تھا کہ اس کی مدد کی جاتی اور کوتاہیوں کی اصلاح کی جاتی، نہ یہ کہ خود کوئی کام نہ کیا جاوے اور کام کرنے والوں کو اعتراضات کا نشانہ بنا کر ان کو کام کرنے سے گویا روک دیا جاوے۔

۞ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ ط﴾ [سورۂ آل عمران:۱۱۰]	تم بہترین اُمّت ہو کہ لوگوں کے (نفع رسانی[14] کے) لیے نکالے گئے ہو، تم لوگ نیک کام کا حکم کرتے ہو اور بُرے کام سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔ [بیان القرآن وترجمہ عاشقی]

حل لغات: (۱) ضروری۔ (۲) پیچھے ڈالنا، غفلت کرنا۔ (۳) چھوڑا ہوا۔ (۴) مکمل۔ (۵) عیب۔ (۶) جو تمہارے لیے عیب کی بات ہے، وہی ہمارے لیے فخر کی بات ہے۔ (۷) مکمل چھوڑ دیا۔ (۸) کام کرنے والے۔ (۹) نہیں۔ (۱۰) ہاں۔ (۱۱) مدد۔ (۱۲) بھلائی چاہنا۔ (۱۳) تقاضا۔ (۱۴) فائدہ پہونچانا۔

مسلمانوں کا اشرفُ النّاس[1] اور امتِ محمّدیہ کا اَشرفُ الاُمم[2] ہونا متعدّد احادیث میں تصریح سے وارد ہوا ہے، قرآن پاک کی آیات میں بھی کئی جگہ اس مضمون کو صراحۃً[3] واشارۃً[4] بیان فرمایا گیا ہے، اس آیتِ شریفہ میں بھی خَیْرُ اُمَّۃٍ[5] کا اطلاق[6] فرمایا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کی علّت[7] کی طرف بھی اشارہ فرمایا گیا ہے کہ ''تم بہترین اُمّتِ ہو، اس لیے کہ امر بالمعروف[8] اور نہی عن[9] المنکر کرتے ہو''۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت شریفہ میں اَمر بالمعروف اور نَہی عن المُنکَر کو ایمان سے بھی پہلے ذکر فرمایا، حالانکہ ایمان سب چیزوں کی اصل ہے، بغیر ایمان کے کوئی خیر بھی مُعتبر نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان میں تو اور اُمَمِ سَابِقَہ[10] بھی شریک تھیں، یہ خاص خصوصیت جس کی وجہ سے تمام انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے مُتَّبِعِین[11] سے اُمّت محمّدیہ کو تفوّق[12] ہے، وہ یہی اَمر بالمعروف اور نہی عن المُنکَر ہے، جو اس اُمت کا تَمغۂ[13] امتیاز ہے اور چونکہ بغیر ایمان کے کوئی عَملِ خیر مُعتبَر نہیں، اس لیے ساتھ ہی بطور قید کے اس کو بھی ذکر فرمادیا؛ ورنہ اصل مقصود اس آیتِ شریفہ میں اسی کا ذکر فرمانا ہے اور چونکہ وہی اس جگہ مقصود[14] بالذکر ہے، اس لیے اس کو مقدّم[15] فرمایا۔

اس اُمت کے لیے تمغۂ امتیاز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مخصوص اہتمام کیا جائے؛ ورنہ کہیں چلتے پھرتے تبلیغ کر دینا اس میں کافی نہیں؛ اس لیے کہ یہ امر پہلی اُمتوں میں بھی پایا جاتا تھا جس کو ﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ﴾ [سورۂ انعام: ۴۴] وغیرہ آیات میں ذکر فرمایا ہے۔ امتیاز[16] مخصوص اہتمام کا ہے کہ اس کو مُستقِل کام سمجھ کر دین کے اور کاموں کی طرح سے اس میں مشغول ہوں۔

⑦ ﴿لَا خَيْرَ فِىْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾﴾ [سورۂ نساء]	عام لوگوں کی اکثر سَرگوشیوں[17] میں خیر (وبرکت) نہیں ہوتی؛ مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ صدقہ خیرات کی یا اور کسی نیک کام کی یا لوگوں میں باہم[18] اِصلاح کر دینے کی ترغیب دیتے ہیں (اور اس تعلیم وترغیب کے لیے خُفیہ[19] تدبیریں اور مشورے کرتے ہیں، اُن کے مشوروں میں البتہ خیر وبرکت ہے) اور جو شخص یہ کام (یعنی نیک اعمال کی ترغیب محض) اللہ کی رضا کے واسطے کرے گا (نہ کہ لالچ یا شہرت کی غرض سے) اس کو ہم عنقریب اجرِ عظیم[20] عطا فرمائیں گے۔

اِس آیت میں حق تعالیٰ شانہ نے اَمر بِالمعروف کرنے والوں کے لیے بڑے اَجر کا وعدہ فرمایا ہے

حل لغات: ① تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والا۔ ② تمام امتوں میں سب سے بہترین امت۔ ③ کھلے طور پر۔ ④ اشارہ کے طور پر۔ ⑤ بہترین امت۔ ⑥ نام دیا گیا۔ ⑦ سبب۔ ⑧ بھلی باتوں کا حکم کرنا۔ ⑨ بری باتوں سے روکنا۔ ⑩ گذری ہوئی امتیں۔ ⑪ پیروی کرنے والے۔ ⑫ فضیلت۔ ⑬ اعزازی نشان، خصوصی نشان۔ ⑭ تذکرہ کرنے کا مقصد۔ ⑮ یعنی پہلے بیان کیا۔ ⑯ فرق۔ ⑰ چپکے چپکے بات کرنا۔ ⑱ آپس میں۔ ⑲ پوشیدہ، چھپا ہوا۔ ⑳ بڑا ثواب۔

اور جس اجر کو حق جلَّ جلالُہٗ بڑا فرما دیں، اس کی کیا انتہا ہو سکتی ہے۔ اس آیتِ شریفہ کی تفسیر میں نبیٔ کریم ﷺ کا ارشادِ مبارک نقل کیا گیا ہے کہ آدمی کا ہر کلام اس پر بار[1] ہے؛ مگر یہ کہ اَمر بالمعروف اور نہی عن المُنکَر ہو یا اللہ کا ذکر ہو۔ دوسری احادیث میں نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں، جو نفل نماز، روزہ، صدقہ سب سے افضل ہو؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ضرور ارشاد فرمائیے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں مُصالَحت[2] کرانا، کیوں کہ آپس کا بگاڑ نیکیوں کو اس طرح صاف کر دیتا ہے، جیسا کہ اُسترہ بالوں کو اُڑا دیتا ہے اور بھی بہت سی نُصُوص[3] میں لوگوں کے درمیان مُصالحت کرانے کی تاکید فرمائی گئی ہے، اس جگہ اس کا ذکر مقصود نہیں، اس جگہ اس بات کا بیان کرنا مقصود ہے کہ اَمر بالمعروف میں یہ بھی داخل ہے کہ لوگوں میں مُصالحت کی صورت جس طَریق[4] سے بھی پیدا ہو سکے اس کا بھی ضرور اہتمام کیا جائے۔

فصل ثانی

(اس فصل) میں اُن احادیث میں سے بعض کا ترجمہ ہے، جو مضمونِ[5] بالا کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ تمام احادیث کا نہ احاطہ[6] مقصود ہے، نہ ہو سکتا ہے نیز اگر کچھ زیادہ مقدار میں آیات واحادیث جمع بھی کی جائیں، تو ڈر یہ ہے کہ دیکھے گا کون۔ آج کل ایسے اُمور کے لیے کِسے فرصت اور کس کے پاس وقت ہے، اس لیے صرف یہ اَمر دکھلانے کے لیے اور آپ حضرات تک پہونچا دینے کے لیے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے کس قدر اہمیّت کے ساتھ اس کی تاکید فرمائی ہے اور نہ ہونے کی صورت میں کس قدر سخت وعید اور دھمکی فرمائی ہے؛ چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

① عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ ‌الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَنْ رَأى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ. [رواه مسلم والترمذي وابن ماجه والنسائي كذا في الترغيب]

نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی ناجائز اَمر[7] کو ہوتے ہوئے دیکھے، اگر اس پر قدرت ہو کہ اس کو ہاتھ سے بند کر دے تو اس کو بند کر دے، اگر اتنی مَقدِرت[8] نہ ہو تو زبان سے اس پر انکار کر دے، اگر اتنی بھی قدرت نہ ہو تو دل سے اس کو بُرا سمجھے اور یہ ایمان کا بہت ہی کم درجہ ہے۔

ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ اگر اس کو زبان سے بند کرنے کی طاقت ہو تو بند کر دے؛ ورنہ دل سے اس کو بُرا سمجھے کہ اس صورت میں بھی وہ بَرِیُّ الذِّمَّہ[9] ہے۔ ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص دل سے بھی اس کو بُرا سمجھے تو وہ بھی مومن ہے؛ مگر اس سے کم درجہ ایمان کا نہیں۔

حل لغات: ① بوجھ۔ ② آپس میں میل ملاپ۔ ③ قرآن وحدیث کی وہ باتیں جن کے معانی صاف اور واضح ہوں۔ ④ طریقہ، انداز۔ ⑤ اوپر ذکر کی گئی باتیں۔ ⑥ گھیرنا، مکمل جمع کرنا۔ ⑦ کام۔ ⑧ قدرت، طاقت۔ ⑨ ذمہ داری سے محفوظ۔

اس مضمون کے متعلق کئی ارشادات نبی کریم ﷺ کے مختلف احادیث میں نقل کیے گئے ہیں۔ اب اس کے ساتھ اس ارشاد کی تعمیل[1] پر بھی ایک نظر ڈالتے جائیں کہ کتنے آدمی ہم میں سے ایسے ہیں کہ کسی ناجائز کام کو ہوتے ہوئے دیکھ کر ہاتھ سے روک دیتے ہیں یا فقط زبان سے اس کی بُرائی اور ناجائز ہونے کا اظہار کردیتے ہیں یا کم ازکم اس ایمان کے ضعیف درجہ کے موافق دل ہی سے اس کو بُرا سمجھتے ہیں یا اس کام کو ہوتا ہوا دیکھنے سے دل تلملاتا[2] ہے؟ تنہائی میں بیٹھ کر ذرا تو غور کیجئے کہ کیا ہونا چاہیے تھا اور کیا ہو رہا ہے؟

(۲) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رضی اللہ عنہما قَالَ : مَثَلُ الْقَائِمِ فِيْ حُدُوْدِ اللهِ وَالْوَاقِعِ فِيْهَا كَمَثَلِ قَوْمٍ اِسْتَهَمُوْا عَلٰى سَفِيْنَةٍ ، فَصَارَ بَعْضُهُمْ أَعْلَاهَا وَبَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا ، فَكَانَ الَّذِيْنَ فِيْ أَسْفَلِهَا إِذَا اسْتَقَوْا مِنَ الْمَاءِ مَرُّوْا عَلٰى مَنْ فَوْقَهُمْ ، فَقَالُوْا: لَوْ أَنَّا خَرَقْنَا فِيْ نَصِيْبِنَا خَرْقًا وَلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا ، فَإِنْ تَرَكُوْهُمْ وَمَا أَرَادُوْا هَلَكُوْا جَمِيْعًا ، وَإِنْ أَخَذُوْا عَلٰى أَيْدِيْهِمْ نَجَوْا وَنَجَوْا جَمِيْعًا.

[رواه البخاري والترمذي]

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس شخص کی مثال جو اللہ کی حُدود[3] پر قائم ہے اور اس شخص کی جو اللہ کی حدود میں پڑنے والا ہے؛ اس قوم کی سی ہے، جو ایک جہاز میں بیٹھے ہوں اور قُرعہ[4] سے (مثلاً) جہاز کی منزلیں مقرر ہوگئی ہوں کہ بعض لوگ جہاز کے اوپر کے حصے میں ہوں اور بعض لوگ نیچے (طبق) کے حصے میں ہوں، جب نیچے والوں کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے، تو وہ جہاز کے اوپر کے حصے پر آکر پانی لیتے ہیں، اگر وہ یہ خیال کر کے کہ ہمارے بار بار اوپر پانی کے لیے جانے سے اوپر والوں کو تکلیف ہوتی ہے، اس لیے ہم اپنے ہی حصے میں یعنی جہاز کے نیچے کے حصے میں ایک سُوراخ سمندر میں کھول لیں، جس سے پانی یہاں ہی ملتا رہے، اُوپر والوں کو ستانا نہ پڑے۔ ایسی صورت میں اگر اُوپر والے ان احمقوں[5] کی اس تجویز[6] کو نہ روکیں گے اور خیال کرلیں گے کہ وہ جانیں، اُن کا کام، ہمیں اُن سے کیا واسطہ؟ تو اُس صورت میں وہ جہاز غرق[7] ہوجائے گا اور دونوں فریق[8] ہلاک ہوجائیں گے اور اگر وہ ان کو روک دیں گے تو دونوں فریق ڈوبنے سے بچ جائیں گے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اقدس ﷺ سے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ ہم لوگ ایسی حالت میں بھی تباہ و برباد ہوسکتے ہیں جب کہ ہم میں صُلحاء[9] اور مُتقی[10] لوگ موجود ہوں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں جب خَباثت[11] غالب ہوجائے۔

اِس وقت مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے ہر طرف گیت گائے جارہے ہیں اور اس پر شور مچایا جارہا ہے، نئے نئے طریقے ان کی اصلاح کے واسطے تجویز کیے جارہے ہیں، مگر کسی روشن خیال (تعلیمِ جدید[12] کے

حل لغات: (۱) حکم ماننا۔ (۲) بے چین ہونا۔ (۳) یعنی شریعت کے احکام۔ (۴) نام کی پرچی نکالنا۔ (۵) احمق کی جمع، بیوقوف۔ (۶) فیصلہ۔ (۷) ڈوبنا۔ (۸) جماعت۔ (۹) نیک لوگ۔ (۱۰) پرہیزگار۔ (۱۱) برائی، شرارت۔ (۱۲) دنیوی تعلیم۔

شیدائی[1]) کی تو کیا، کسی تاریک خیال (مولوی صاحب) کی بھی نظر اس طرف نہیں جاتی ہے کہ حقیقی طبیب[2] اور شفیق مُرَبّی[3] نے کیا مرض تشخیص[4] فرمایا اور کیا علاج بتلایا ہے اور اس پر کس درجہ عمل کیا جارہا ہے؟ کیا اس ظلم کی کچھ انتہا ہے کہ جو سببِ مرض ہے، جس سے مرض پیدا ہوا ہے، وہی علاج تجویز کیا جارہا ہے کہ (دین کی ترقی کے لیے دین واسبابِ دین سے بے توجّہی کی جارہی ہے، اپنی ذاتی رایوں پر عمل کیا جارہا ہے) تو یہ مریض کل کی جگہ آج ہلاک نہ ہوگا، تو کیا ہوگا؟

میر[5] کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب اُسی عَطّار[6] کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

(۳) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ﷺ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : أَوَّلُ مَا دَخَلَ النَّقْصُ عَلٰى بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ أَنَّهٗ كَانَ الرَّجُلُ يَلْقَى الرَّجُلَ فَيَقُوْلُ : يَا هٰذَا اتَّقِ اللهَ وَدَعْ مَا تَصْنَعُ بِهٖ فَإِنَّهٗ لَا يَحِلُّ لَكَ ؛ ثُمَّ يَلْقَاهُ مِنَ الْغَدِ وَهُوَ عَلٰى حَالِهٖ ، فَلَا يَمْنَعُهٗ ذٰلِكَ أَنْ يَّكُوْنَ أَكِيْلَهٗ وَشَرِيْبَهٗ وَقَعِيْدَهٗ ، فَلَمَّا فَعَلُوْا ذٰلِكَ ضَرَبَ اللهُ قُلُوْبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ ، ثُمَّ قَالَ : لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ إِلٰى قَوْلِهٖ : فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ قَالَ : كَلَّا وَاللهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَتَأْخُذُنَّ عَلٰى يَدِ الظَّالِمِ وَلَتَأْطُرُنَّ عَلَى الْحَقِّ أَطْرًا.

[رواه أبو داؤد والترمذي كذا في الترغيب]

نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا تنزُّل[7] اس طرح شروع ہوا کہ ایک شخص کسی دوسرے سے ملتا اور کسی ناجائز بات کو کرتے ہوئے دیکھتا، تو اس کو منع کرتا کہ دیکھ اللہ سے ڈر، ایسا نہ کر؛ لیکن اس کے نہ ماننے پر بھی وہ اپنے تعلقات کی وجہ سے کھانے پینے میں اور نَشَست وبَرخاست[8] میں ویسا ہی برتاؤ کرتا، جیسا کہ اس سے پہلے تھا۔ جب عام طور پر ایسا ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے بعضوں کے قُلوب[9] کو بعضوں کے ساتھ خَلَط[10] کردیا (یعنی نافرمانوں کے قُلوب جیسے تھے، ان کی نحوست[11] سے فرمانبرداروں کے قُلوب بھی ویسے ہی کردیے) پھر اس کی تائید میں کلام پاک کی آیتیں ﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ سے ﴿فٰسِقُوْنَ﴾ تک پڑھیں، اس کے بعد حضور ﷺ نے بڑی تاکید سے یہ حکم فرمایا کہ اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ظالم کو ظلم سے روکتے رہو اور اس کو حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو۔

دوسری حدیث میں وارد ہے کہ حضور ﷺ تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے، جوش میں اُٹھ کر بیٹھ گئے اور قسم کھا کر فرمایا کہ تم نجات نہیں پاؤگے؛ جب تک کہ ان کو ظلم سے نہ روک دو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا کہ تم اَمر بالمعروف اور نہی عن المُنکَر کرتے رہو اور ظالموں کو ظلم سے روکتے رہو

حل لغات: (۱) عاشق۔ (۲) ڈاکٹر۔ (۳) تربیت کرنے والا۔ (۴) مقرر کرنا، پہچاننا۔ (۵) ایک شاعر۔ (۶) دوا بیچنے والا۔ (۷) زوال۔ (۸) اٹھنا بیٹھنا۔ (۹) قلب کی جمع، دل۔ (۱۰) ملانا۔ (۱۱) بدبختی، برا اثر۔

اور حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو؛ ورنہ تمہارے قلوب بھی اسی طرح خَلَط کر دیے جائیں گے، جس طرح ان لوگوں کے کر دیے گئے اور اسی طرح تم پر بھی لعنت ہوگی جس طرح ان پر یعنی بنی اسرائیل پر لعنت ہوئی۔ قرآنِ پاک کی آیات تائید میں اس لیے پڑھیں کہ اِن آیاتِ شریفہ میں ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے اور سببِ لعنت مِنجُملہ[1] اور اسباب کے یہ بھی ہے کہ وہ مُنکَرات[2] سے ایک دوسرے کو نہیں روکتے تھے۔

آج کل یہ خوبی سمجھی جاتی ہے کہ آدمی "صُلحِ کُل[3]" رہے، جس جگہ جاوے، ویسی ہی کہنے لگے، اسی کو کمال اور وُسعتِ[4] اَخلاق سمجھا جاتا ہے؛ حالانکہ یہ علی الاِطْلَاق[5] غلط ہے، بلکہ جہاں اَمر بالمعروف وغیرہ قطعًا[6] مفید نہ ہو، ممکن ہے کہ صرف سُکوت[7] کی کچھ گنجائش نکل آوے (نہ کہ ہاں میں ہاں ملانے کی) لیکن جہاں مفید ہوسکتا ہے مثلاً اپنی اولاد، اپنے ماتحت[8]، اپنے دستِ[9] نگر لوگوں میں، وہاں کسی طرح بھی یہ سکوت کمالِ اَخلاق نہیں، بلکہ سکوت کرنے والا شرعًا[10] وعُرفًا[11] خود مُجرِم ہے۔ سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ جو شخص اپنے پڑوسیوں کو محبوب ہو، اپنے بھائیوں میں محمود[12] ہو (اَغلب[13] یہ ہے کہ) وہ مُداہِن[14] ہوگا۔

متعدّد روایات میں یہ مضمون آیا ہے کہ جب کوئی گناہ مخفی[15] طور سے کیا جاتا ہے، تو اُس کی مضرّت[16] کرنے والے ہی کو ہوتی ہے؛ لیکن جب کوئی گناہ کُھلّم کھلا کیا جاتا ہے اور لوگ اس کے روکنے پر قادر ہیں اور پھر نہیں روکتے، تو اس کی مضرت اور نقصان بھی عام ہوتا ہے۔ اب ہر شخص اپنی ہی حالت پر غور کرلے کہ کتنے مَعاصی[17] اس کے علم میں ایسے کیے جاتے ہیں، جن کو وہ روک سکتا ہے اور پھر بے توجہی، لاپرواہی، بے التفاتی[18] سے کام لیتا ہے اور اس سے بڑھ کر ظلم یہ ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ اس کو روکنے کی کوشش کرتا ہے، تو اس کی مُخالفت کی جاتی ہے، اس کو کوتاہ[19] نظر بتلایا جاتا ہے، اس کی اِعانت[20] کرنے کے بجائے اس کا مقابلہ کیا جاتا ہے ﴿وَسَيَعْلَمُ[21] الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝﴾

④ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ ﷺ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ : مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُوْنُ فِيْ قَوْمٍ يَّعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِيْ يَقْدِرُوْنَ عَلٰى أَنْ يُّغَيِّرُوْا عَلَيْهِ وَلَا يُغَيِّرُوْنَ إِلَّا أَصَابَهُمُ اللهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ أَنْ يَّمُوْتُوْا. [رواه أبوداؤد وابن ماجه وابن حبّان والأصبهاني وغيرهم كذا في الترغيب]	نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر کسی جماعت اور قوم میں کوئی شخص کسی گناہ کا اِرتِکاب[22] کرتا ہے اور وہ جماعت وقوم باوجود قدرت کے اُس شخص کو اُس گناہ سے نہیں روکتی، تو اُن پر مرنے سے پہلے دُنیا ہی میں اللہ تعالیٰ کا عذاب مُسلَّط ہوجاتا ہے۔

حل لغات: ① ان تمام میں سے۔ ② بری باتیں۔ ③ تمام لوگوں سے صلح رکھنا۔ ④ یعنی اخلاق کی بلندی۔ ⑤ بالکل۔ ⑥ یقینی طور پر۔ ⑦ خاموشی۔ ⑧ نوکر۔ ⑨ ضرورت مند۔ ⑩ شریعت کے اعتبار سے۔ ⑪ یعنی عام لوگوں کے اعتبار سے۔ ⑫ پسندیدہ۔ ⑬ یقینی بات۔ ⑭ حق بات چھپانے والا۔ ⑮ چھپا کر۔ ⑯ نقصان۔ ⑰ گناہ۔ ⑱ بے توجہی۔ ⑲ کم عقل۔ ⑳ مدد۔ ㉑ اور ظلم کرنے والوں کو عنقریب پتہ چل جائے گا کہ وہ کس انجام کی طرف پلٹ رہے ہیں۔ ㉒ گناہ کرنا۔

میرے مخلص بزرگو! اور ترقیٔ اسلام و مسلمین کے خواہش مند دوستو! یہ ہیں مسلمانوں کی تباہی کے اسباب اور روز افزوں[1] بربادی کی وُجوہ[2]۔ ہر شخص اجنبیوں کو نہیں، برابر والوں کو نہیں؛ اپنے گھر کے لوگوں کو، اپنے چھوٹوں کو، اپنی اولاد کو، اپنے ماتحتوں کو ایک لمحہ اس نظر سے دیکھ لے کہ کتنے کُھلے ہوئے مَعاصی میں وہ لوگ مبتلا ہیں اور آپ حضرات اپنی ذاتی وَجاہت[3] اور اَثر سے ان کو روکتے ہیں یا نہیں؟ روکنے کو چھوڑیے، روکنے کا ارادہ بھی کر لیتے ہیں یا نہیں؟ یا آپ کے دل میں کسی وقت اس کا خطرہ بھی گزر جاتا ہے کہ یہ لاڈلا بیٹا کیا کر رہا ہے؟ اگر وہ حکومت کا کوئی جُرم کرتا ہے، جُرم بھی نہیں سیاسی مَجالس میں شرکت ہی کر لیتا ہے، تو آپ کو فکر ہوتی ہے کہ کہیں ہم نہ مُلوّث[4] ہو جائیں، اس کو تنبیہ کی جاتی ہے اور اپنی صفائی اور تبرّی[5] کی تدبیریں اختیار کی جاتی ہیں مگر کہیں اَحکمُ الحاکمین[6] کے مجرم کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کیا جاتا ہے، جو معمولی حاکمِ عارضی[7] کے مجرم کے ساتھ کیا جاتا ہے؟

آپ خوب جانتے ہیں کہ پیارا بیٹا شطرنج کا شوقین ہے، تاش سے دل بہلاتا ہے، نماز کئی کئی وقت کی اُڑا دیتا ہے؛ مگر افسوس کہ آپ کے منہ سے کبھی حرفِ غلط[8] کی طرح بھی یہ نہیں نکلتا کہ کیا کر رہے ہو؟ یہ مسلمانوں کے کام نہیں ہیں؛ حالانکہ اُس کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دینے کے بھی مامور[9] تھے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

ببیں[10] تفاوتِ رہ از کُجاست تا بکُجا

ایسے بہت سے لوگ ملیں گے، جو اپنے لڑکے سے اس لیے ناخوش ہیں کہ وہ عہدی[11] ہے، گھر پڑا رہتا ہے، ملازمت کی سَعی[12] نہیں کرتا ہے یا دوکان کا کام تندہی[13] سے نہیں کرتا ہے؛ لیکن ایسے لوگ بہت کم ملیں گے جو لڑکے سے اس لیے ناراض ہوں کہ وہ جماعت کی پرواہ نہیں کرتا یا نماز قضا کر دیتا ہے۔

بزرگو اور دوستو! اگر صرف آخرت ہی کا وبال ہوتا تب بھی یہ امور اس قابل تھے کہ ان سے کوسوں دور بھاگا جاتا؛ لیکن قیامت تو یہ ہے کہ اِس دنیا کی تباہی کو جس کو ہم عملاً آخرت سے مُقدّم سمجھتے ہیں، انھیں اُمور کی وجہ سے ہے۔ غور تو کیجیے اس اندھے پن کی کوئی حد بھی ہے؟ ﴿وَمَنْ[14] كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى﴾ [سورۂ اسراء: ۷۲] حقیقی بات یہ ہے کہ ﴿خَتَمَ[15] اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ [سورۂ بقرہ: ۷] کا پَرتو[16] ہے۔

(۵) رُوِيَ عَنْ أَنَسٍ ؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : لَا تَزَالُ لَا إِلٰهَ	حضور ﷺ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ (کلمۂ توحید) لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ (مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ) کہنے والے کو ہمیشہ نفع دیتا

حل لغات: (۱) روزانہ بڑھنے والا۔ (۲) اسباب۔ (۳) دبدبہ۔ (۴) پھنسنا، قصوروار۔ (۵) بچاؤ۔ (۶) یعنی اللہ تعالیٰ۔ (۷) تھوڑے سے وقت کے لیے حکومت کرنے والا۔ (۸) یعنی غلطی سے۔ (۹) حکم دیے گئے۔ (۱۰) دیکھ راستے کا فرق کہاں سے کہاں تک ہے۔ (۱۱) سست، کاہل۔ (۱۲) تلاش۔ (۱۳) محنت، لگن۔ (۱۴) جو شخص دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا۔ (۱۵) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ (۱۶) عکس، سایہ۔

إِلَّا اللهُ تَنْفَعُ مَنْ قَالَهَا وَتَرُدُّ عَنْهُمُ الْعَذَابَ وَالنِّقْمَةَ مَا لَم يَسْتَخِفُّوْا بِحَقِّهَا. قَالُوا : يَا رَسُوْلَ اللهِ ! مَا الإِسْتِخْفَافُ بِحَقِّهَا ؟ قَالَ : يُظْهَرُ الْعَمَلُ بِمَعَاصِي اللهِ فَلَا يُنْكَرُ وَلَا يُغَيَّرُ. [رواه الأصبهاني ،ترغيب]	ہے اور اس سے عذاب و بلا کو دفع[1] کرتا ہے، جب تک کہ اس کے حقوق سے بے پرواہی اور اِستخفاف[2] نہ کیا جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اس کے حقوق سے بے پرواہی و اِستخفاف کیے جانے کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی نافرمانیاں کھلی طور پر کی جائیں اور ان کو بند کرنے کی کوئی کوشش نہ کی جائے۔

اب آپ ہی ذرا انصاف سے فرمائیے کہ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی کوئی انتہا، کوئی حد ہے؟ اور اس کے روکنے یا بند کرنے کی یا کم از کم تقلیل[3] کی کوئی سعی، کوئی کوشش ہے؟ ہرگز نہیں۔ ایسے خطرناک ماحول میں مسلمانوں کا عالَم[4] میں موجود ہونا ہی اللہ تعالیٰ کا حقیقی انعام ہے؛ ورنہ ہم نے اپنی بربادی کے لیے کیا کچھ اسباب پیدا نہیں کر لیے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا کوئی اللہ کا عذاب اگر زمین والوں پر نازل ہو اور وہاں کچھ دین دار لوگ بھی ہوں، تو ان کو بھی نقصان پہونچتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں تو سب کو اثر پہنچتا ہے؛ مگر آخرت میں وہ لوگ گنہگاروں سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ اس لیے وہ حضرات جو اپنی دینداری پر مطمئن ہو کر دنیا سے یکسو[5] ہو بیٹھے، اِس سے بے فکر نہ رہیں کہ خدانخواستہ[6] اگر مُنکرات[7] کے اِس شُیُوع[8] پر کوئی بلا نازل ہوگئی، تو اُن کو بھی اس کا خمیازہ[9] بھگتنا پڑے گا۔

⑥ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ : دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَعَرَفْتُ فِيْ وَجْهِهٖ أَنْ قَدْ حَضَرَهٗ شَيْءٌ ، فَتَوَضَّأَ وَمَا كَلَّمَ أَحَدًا . فَلَصِقْتُ بِالْحُجْرَةِ أَسْتَمِعُ مَا يَقُوْلُ ؛ فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ وَقَالَ : يَا أَيُّهَا النَّاسُ ! إِنَّ اللهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ لَكُمْ : مُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ، قَبْلَ أَنْ تَدْعُوْا فَلَا أُجِيْبَ لَكُمْ وَتَسْأَلُوْنِيْ فَلَا أُعْطِيَكُمْ ، وَتَسْتَنْصِرُوْنِيْ فَلَا	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ دَولت[10] کدہ پر تشریف لائے تو میں نے چہرۂ اَنور پر ایک خاص اثر دیکھ کر محسوس کیا کہ کوئی اہم بات پیش آئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کچھ بات چیت نہیں فرمائی اور وضو فرما کر مسجد میں تشریف لے گئے، میں حُجرہ[11] کی دیوار سے لگ کر سُننے کھڑی ہوگئی کہ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا: "لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، مَبادا[12] وہ وقت آجائے کہ تم دعا مانگو اور قبول نہ ہو، تم سوال کرو اور سوال پورا نہ کیا جائے، تم اپنے دشمنوں کے

حل لغات: ① دور۔ ② ہلکا سمجھنا۔ ③ کم کرنے۔ ④ دنیا۔ ⑤ الگ۔ ⑥ خدا نہ کرے۔ ⑦ برے کام۔ ⑧ پھیلنا، عام ہونا۔ ⑨ نقصان۔ ⑩ گھر۔ ⑪ کمرہ، گھر۔ ⑫ ایسا نہ ہو، خدا نہ کرے۔

أَنْصُرَكُمْ. فَمَا زَادَ عَلَيْهِنَّ حَتّٰى نَزَلَ. [رواه ابن ماجه وابن حبان في صحيحه كذا في الترغيب]

خلاف مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں"۔ یہ کلماتِ[1] طیّبات حضور ﷺ نے ارشاد فرمائے اور منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔

اس مضمون پر وہ حضرات خصوصیت سے توجہ فرمائیں، جو دشمن کے مقابلہ کے لیے اُمورِ دینیہ میں تَسامُح[2] اور مُساہَلت[3] پر زور دیتے ہیں کہ مسلمانوں کی اِعانت[4] اور اِمدادِ دین کی پختگی ہی میں مُضمَر[5] ہے۔

حضرت اَبُوالدَّرْداء ؓ جو ایک جلیل القدر صحابی ہیں، فرماتے ہیں کہ تم اَمر بالمعروف اور نہی عنِ المُنکَر کرتے رہو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر ایسے ظالم بادشاہ کو مُسلَّط کردے گا، جو تمہارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، تمہارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے، اُس وقت تمہارے برگزیدہ[6] لوگ دعائیں کریں گے تو قبول نہ ہوں گی، تم مدد چاہو گے تو مدد نہ ہوگی، مغفرت مانگو گے تو مغفرت نہ ملے گی۔ خود حق جلَّ جلالہٗ کا ارشاد ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝﴾ [سورۂ محمد] ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا (اور دشمنوں کے مقابلہ میں) تمہارے قدم جمادے گا۔ [بیان القرآن] دوسری جگہ ارشادِ بارِی عزاسمہٗ ہے ﴿اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ﴾ [سورۂ آل عمران:۱۶۰] (الآیہ) ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ شانہٗ تمہاری مدد کریں تو کوئی شخص تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہاری مدد نہ کریں تو پھر کون شخص ہے جو تمہاری مدد کرسکتا ہے؟ اور صرف اللہ تعالیٰ ہی پر ایمان والوں کو اعتماد رکھنا چاہیے۔ دُرِّمَنثور میں بَروایتِ ترمذی وغیرہ حضرت حُذَیفَہ ؓ سے نقل کیا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے قسم کھا کر یہ ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اَمر بالمَعروف اور نہی عن المُنکَر کرتے رہو، ورنہ اللہ جلَّ جلالہٗ اپنا عذاب تم پر مُسلَّط کردیں گے، پھر تم دُعا بھی مانگو گے تو قبول نہ ہوگی۔

یہاں پہونچ کر میرے بزرگ اوّل یہ سوچ لیں کہ ہم لوگ اللہ کی کس قدر نافرمانیاں کرتے ہیں، پھر معلوم ہوجائے گا کہ ہماری کوششیں بیکار کیوں جاتی ہیں؟ ہماری دعائیں بے اثر کیوں رہتی ہیں؟ ہم اپنی ترقی کے بیج بو رہے ہیں یا تنزُّل[7] کے؟

⑦ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِذَا عَظَّمَتْ أُمَّتِي الدُّنْيَا نُزِعَتْ مِنْهَا هَيْبَةُ الإِسْلَامِ، وَإِذَا تَرَكَتِ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ حُرِمَتْ

نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب میری اُمّت دنیا کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی، تو اسلام کی ہَیبَت[8] ووقعت[9] اُس کے قلوب سے نکل جائے گی اور جب اَمر بالمَعروف اور نہی عنِ المُنکَر کو چھوڑ بیٹھے گی، تو وحی کی برکات سے

حل لغات: ① پاکیزہ باتیں۔ ② سستی کرنا۔ ③ ٹال مٹول۔ ④ مدد۔ ⑤ پوشیدہ۔ ⑥ اچھے لوگ۔ ⑦ زوال، پستی۔ ⑧ رعب، دبدبہ۔ ⑨ عزت، اہمیت۔

بَرَكَةَ الْوَحْيِ، وَإِذَا تَسَابَّتْ أُمَّتِي سَقَطَتْ مِنْ عَيْنِ اللهِ . [كذافي الدّرّ عن الحكيم الترمذي]	محروم ہوجائے گی اور جب آپس میں گالی گلوچ اختیار کرے گی، تو اللہ جلَّ شانہٗ کی نگاہ سے گرجائے گی۔

اے بہی خواہانِ[1] قوم! ترقیٔ اسلام اور ترقیٔ مُسلِمین کے لیے ہر شخص کوشاں[2] اور ساعی[3] ہے؛ لیکن جو اسباب اس کے لیے اختیار کیے جارہے ہیں وہ تنزُّل کی طرف لے جانے والے ہیں، اگر درحقیقت تم اپنے رسول (رُوحی فِداہُ[4] ﷺ) کو سچّا رسول سمجھتے ہو، ان کی تعلیم کو سچّی تعلیم سمجھتے ہو، تو پھر کیا وجہ ہے کہ جس چیز کو وہ سببِ[5] مرض بتارہے ہیں، جن چیزوں کو وہ بیماری کی جڑ فرمارہے ہیں؛ وہی چیزیں تمہارے نزدیک سببِ شفاء وصحت قرار دی جارہی ہیں۔ نبیٔ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کی خواہش اُس دین کے تابع نہ ہوجائے، جس کو میں لے کر آیا ہوں''۔ لیکن تمہاری رائے ہے کہ مذہب کی آڑ کو بیچ سے ہٹادیا جائے؛ تاکہ ہم بھی دیگر اَقوام[6] کی طرح ترقی کرسکیں۔

اللہ جلَّ جلالہٗ کا ارشاد ہے: ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝۲۰ ﴾ [سورۂ شوریٰ]	''جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو، ہم اُس کی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو، ہم اس کو کچھ دنیا دے دیں گے اور آخرت میں اُس کا کچھ حصہ نہیں''۔ [بیان القرآن]

حدیث میں آیا ہے کہ جو مسلمان آخرت کو اپنا نَصبُ العَین[7] بنالیتا ہے، اللہ جلَّ شانہٗ اُس کے دل کو غنی[8] فرمادیتے ہیں اور دُنیا ذلیل ہوکر اُس کے پاس آتی ہے اور جو شخص دنیا کو اپنا نَصبُ العَین قرار دیتا ہے؛ پریشانیوں میں مبتلا ہوتا ہے اور دنیا میں سے جتنا حصہ مقدر ہوچکا ہے اس سے زیادہ ملتا ہی نہیں۔ نبیٔ کریم ﷺ نے اِس آیتِ پاک کو تلاوت فرماکر ارشاد فرمایا کہ اللہ جلَّ شانہٗ کا ارشاد ہے کہ ''اے ابن آدم! تو میری عبادت کے لیے فارغ ہوجا، میں تیرے سینہ کو تفکُّرات[9] سے خالی کردوں گا اور تیرے فقر[10] کو ہٹادوں گا، ورنہ تیرے دل میں (سینکڑوں طرح کے) مَشاغِل[11] بھردوں گا اور تیرا فقر بند نہیں کروں گا''۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ارشاد ہے اور تمہاری رائے ہے کہ مسلمان تَرَقّی میں اس لیے پیچھے ہٹے ہوئے ہیں کہ جو راستہ ترقی کے لیے اختیار کیا جاتا ہے، یہ مُلّانے اس میں رکاوٹیں پیدا کردیتے ہیں۔ آپ ہی ذرا انصاف کی نظر سے مُلاحَظہ[12] فرمائیں کہ اگر یہ مُلّانے ایسے ہی لالچی ہیں، تو آپ حضرات کی تَرَقِّیات ان کے لیے مَسَرَّت[13] کا سبب ہوں گی؛ کیونکہ جب ان کی روزی آپ کے زُعم[14] میں آپ کے ذریعہ سے ہے، تو جس قدر

حل لغات: (۱) قوم کی بھلائی چاہنے والے۔ (۲) کوشش کرنے والا۔ (۳) دوڑ دھوپ کرنے والا۔ (۴) میری جان ان پر قربان ہو۔ (۵) بیماری کی وجہ۔ (۶) قوم کی جمع۔ (۷) اصلی مقصد۔ (۸) بے نیاز۔ (۹) فکر، سوچ وبچار۔ (۱۰) محتاجگی۔ (۱۱) بہت سے کام، الجھنیں۔ (۱۲) دیکھنا۔ (۱۳) خوشی۔ (۱۴) گمان۔

وُسعت[1] اور فُتُوحات[2] آپ پر ہوں گی، وہ ان کے لیے بھی سببِ وُسعت اور فتوحات ہوں گی؛ مگر یہ خود غرض[3] پھر بھی آپ کی مخالفت کرتے ہیں، تو کوئی تو مجبوری ان کو دَرپیش[4] ہے، جس کی وجہ سے یہ اپنے نفع کو بھی کھو رہے ہیں اور آپ جیسے مُحسِن[5] و مُربِّیوں[6] سے بگاڑ کر گویا اپنی دُنیا خراب کر رہے ہیں۔ میرے دوستو! ذرا غور تو کرو، اگر یہ مُلّا نے کوئی ایسی بات کہیں، جو قرآنِ پاک میں بھی صاف طور سے موجود ہو، تو پھر تو ان کی ضد سے منھ پھیرنا نہ صرف عقل ہی سے دور ہے؛ بلکہ شانِ اسلام سے بھی دور ہے۔ یہ مُلّا نے خواہ کتنے ہی نااہل ہوں؛ مگر جبکہ صریح ارشادِ باری عَزَّ اِسمُہٗ اور ارشادِ نبیٔ کریم ﷺ آپ تک پہونچا رہے ہوں، تو آپ پر ان ارشادات کی تعمیل[7] فرض ہے اور حکم عُدُولی[8] کی صورت میں جواب[9] دہی لازمی ہے۔ کوئی بیوقوف سے بیوقوف بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ سرکاری قانون کی اس لیے پرواہ نہیں کہ اعلان کرنے والا بھنگی تھا۔

آپ حضرات یہ نہ فرمائیں کہ یہ مولوی جو دینی کاموں کے لیے مخصوص ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، ہمیشہ دُنیا سے سوال کرتے ہیں؛ اس لیے کہ میرا جہاں تک خیال ہے حقیقی مولوی اپنی ذات کے لیے شاید ہی کبھی سوال کریں، بلکہ جس قدر بھی وہ اللہ کی عبادت میں مُنہمِک[10] ہیں اسی قدر اِستغناء[11] سے ہدیہ بھی قبول فرماتے ہیں؛ البتہ کسی دینی کام کے لیے سوال کرنے میں ان شاء اللہ وہ اس سے زیادہ مَاْجُور[12] ہیں، جتنا اپنے لیے سوال نہ کرنے میں۔

ایک عام اشکال[13] یہ کیا جاتا ہے کہ دینِ محمّدی علیہ الصّلوۃ والسّلام میں رَہبانیّت[14] کی تعلیم نہیں، اس میں دین و دنیا دونوں کو ساتھ رکھا گیا ہے۔ ارشاد باری عَزَّ اِسمُہٗ ہے ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿٢٠١﴾﴾ [سورۂ بقرہ] اور اس آیتِ شریفہ پر بہت زور دیا جاتا ہے، گویا تمام قرآنِ پاک میں عمل کے لیے یہی ایک آیت نازل ہوئی ہے؛ لیکن اوّل تو آیتِ شریفہ کی تفسیر رَاسِخِین[15] فِی الْعِلم سے معلوم کرنے کی ضرورت تھی اور اسی وجہ سے علماء کا ارشاد ہے کہ صرف لفظی ترجمہ دیکھ کر اپنے کو عالمِ قرآن سمجھ لینا جہالت ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور علماءِ تابعینؒ سے جو آیتِ شریفہ کی تفسیریں منقول ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں:

حضرت قَتادہؒ سے مَروی ہے کہ دنیا کی بھلائی سے مراد عافیت اور بقدرِ کفایت[16] روزی ہے۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ سے منقول ہے کہ اِس سے صالح[17] بیوی مراد ہے۔ حضرت حَسَن بصریؒ سے مروی ہے کہ اس سے مراد علم اور عبادت ہے۔ سُدِّیؒ سے منقول ہے کہ پاک مال مراد ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما

حل لغات: (۱) مال کی زیادتی۔ (۲) کامیابیاں۔ (۳) مطلبی۔ (۴) سامنے۔ (۵) احسان کرنے والا۔ (۶) سرپرست، مددگار۔ (۷) حکم پورا کرنا۔ (۸) حکم نہ ماننا۔ (۹) پوچھ تاچھ۔ (۱۰) مشغول۔ (۱۱) بےفکری، بے نیازی۔ (۱۲) ثواب پانے والے۔ (۱۳) یعنی اعتراض۔ (۱۴) دنیا چھوڑ دینا۔ (۱۵) مضبوط علم والے۔ (۱۶) ضرورت بھر۔ (۱۷) نیک۔

سے مروی ہے کہ نیک اولاد اور خلقت[1] کی تعریف مراد ہے۔ جعفرؒ سے منقول ہے کہ صحّت اور روزی کا کافی ہونا اور اللہ پاک کے کلام کا سمجھنا، دشمنوں پر فتح[2] اور صالحین کی صحبت مراد ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر ہر قسم کی دنیا کی ترقی مراد ہو، جیسا کہ میرا بھی دل چاہتا ہے؛ تب بھی اس میں اللہ تعالیٰ سے دعا کا ذکر ہے، نہ کہ اس کی تحصیل[3] میں اِنہماک[4] اور مشغولی کا اور اللہ تعالیٰ سے مانگنا خواہ ٹوٹے ہوئے جوتے کی اِصلاح ہی کیوں نہ ہو، یہ خود دین ہے۔ تیسرے یہ کہ دنیا کے حاصل کرنے کو، اُس کے کمانے کو کون منع کرتا ہے؟ یقیناً حاصل کیجیے اور بہت شوق سے حاصل کیجیے، ہم لوگوں کی ہرگز یہ غرض نہیں ہے کہ خدانخواستہ آپ دنیا جیسی مُغتنَم[5] و مقصود چیز کو چھوڑ دیں۔

مقصد یہ ہے کہ جتنی کوشش دنیا کے لیے کریں، اس سے زیادہ نہیں تو کم از کم اس کے برابر، تو دین کے لیے کریں، اس لیے کہ خود آپ کے قول کے موافق دین اور دنیا دونوں کی تعلیم دی گئی ہے؛ ورنہ میں پوچھتا ہوں کہ جس قرآنِ پاک میں یہ آیت ارشاد فرمائی ہے، اسی کلامِ پاک کی وہ آیت بھی تو ہے جو اُوپر گزر چکی ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِیْ حَرْثِهٖ﴾ [سورۂ شوریٰ:۲۰] اور اسی کلامِ پاک میں یہ بھی ہے ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝﴾ [سورۂ اسراء] اسی کلام پاک میں ہے ﴿ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝﴾ [سورۂ آل عمران] اسی کلام پاک میں ہے ﴿مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ﴾ [سورۂ آل عمران:۱۵۲] اسی کلام پاک میں ہے ﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى﴾ [سورۂ نساء:۷۷] اسی کلام پاک میں ہے ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ﴾ [سورۂ انعام:۳۲] اسی کلام پاک میں ہے ﴿وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ [سورہ انعام:۷۰] اسی کلام پاک میں ہے ﴿تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ﴾ [سورۂ انفال:۶۷] اسی کلام پاک میں ہے ﴿اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝﴾ [سورۂ توبہ] اسی کلام پاک میں ہے ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ [سورۂ ھود] اسی کلام پاک میں ہے ﴿وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝﴾ [سورۂ رعد] اسی کلام پاک میں ہے ﴿فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ

حل لغات: (۱) لوگ۔ (۲) کامیابی۔ (۳) حاصل کرنا۔ (۴) انتہائی مشغول۔ (۵) قیمتی۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۝ [سورۂ نحل:۱۰۶تا۱۰۷]

ان کے علاوہ بہت سی آیات ہیں جن میں دنیا وآخرت کا تقابُل[1] کیا گیا ہے۔ اِس وقت نہ اِحْصَاء[2] مقصود، نہ ضرورت۔ نمونہ کے طور پر چند آیات اِختصاراً لکھ دی ہیں اور اختصار ہی کی وجہ سے ترجمہ کے بجائے پارہ کا حوالہ لکھ دیا ہے، کسی مُترجَم[3] قرآن شریف سے ترجمہ دیکھ لیجیے۔ مقصود سب کا یہ ہے کہ آخرت کے مقابلے میں جو لوگ دنیا کو ترجیح دیتے ہیں وہ نہایت خُسران[4] میں ہیں، اگر دونوں کو آپ نہیں سنبھال سکتے تو پھر صرف آخرت ہی قابلِ ترجیح ہے۔ مجھے انکار نہیں کہ دنیا کی زندگی میں آدمی ضروریاتِ دنیویہ کا سخت محتاج ہے؛ مگر اس وجہ سے کہ آدمی کو بیتُ الخلاء جانا لَابُدّ[5] ہے اور اس کے بغیر چارہ نہیں، اس لیے دن بھر وہیں بیٹھا رہے؛ اس کو کوئی بھی عقلِ سلیم[6] گوارا نہ کرے گی۔

حکمتِ الٰہی پر ایک نگاہِ عَمیق[7] ڈالیں، تو آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ شریعتِ مطہرہ میں ایک ایک چیز کا اِنْضِباط[8] ہے۔ اللہ جلّ جلالہٗ وعم نوالہٗ نے ایک ایک چیز کو واضح فرما دیا، نمازوں کے اوقات کی تقسیم نے صاف طور سے اس جانب اشارہ کردیا کہ روز وشب کے چوبیس گھنٹوں میں نِصْف[9] بندہ کا حق ہے، چاہے وہ اس کو اپنی راحت میں خرچ کرے یا طلبِ مَعیشت[10] میں اور نصف اللہ تعالیٰ کا حق ہے؛ اور آپ کی تجویز[11] کے موافق دین ودنیا کے ساتھ ساتھ رکھنے کا مُقتضٰی[12] بھی یہی ہونا چاہیے کہ روز وشب میں سے آدھا وقت دین کے لیے خرچ ہونا چاہیے اور آدھا دُنیا کے لیے؛ ورنہ اگر دُنیاوی مشاغل خواہ فکرِ معاش[13] کے ہوں یا راحت بدن کے، نصف سے بڑھ گئے تو یقیناً آپ نے دنیا کو راجح بنالیا؛ پس آپ کی تجویز کے موافق بھی مقتضائے عَدل[14] یہی ہے کہ شب وروز کے چوبیس گھنٹوں میں سے بارہ گھنٹے دین کے لیے خرچ کیے جاویں، تاکہ دونوں کا حق ادا ہوجائے اور اس وقت یقیناً یہ کہنا بجا[15] ہوگا کہ دنیا وآخرت دونوں کی حَسَنات[16] کی تحصیل[17] کا حکم کیا گیا ہے اور اسلام نے رَہبانیّت[18] نہیں سکھلائی۔ یہ مضمون اس جگہ مقصود نہ تھا؛ بلکہ اشکال کے جواب میں تَبَعاً[19] آگیا۔ اس لیے مُختصَر ومُجمَل[20] طور پر اشارہ کرکے چھوڑ دیا۔ اس فصل میں مقصود احادیثِ تبلیغ کا ذکر کرنا تھا، ان میں سے سات احادیث پر اکتفا کرتا ہوں کہ ماننے والے کے لیے سات تو سات ایک بھی کافی ہے اور نہ ماننے والے کے لیے ﴿ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝۲۲۷ ﴾ [سورۂ شعراء] کافی سے زائد ہے۔

اخیر میں ایک ضروری گذارش یہ بھی ہے کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فتنے کے زمانہ میں

حل لغات: (۱) مقابلہ۔ (۲) یعنی مکمل جمع کرنا۔ (۳) ترجمہ کیا ہوا۔ (۴) نقصان۔ (۵) ضروری۔ (۶) صحیح عقل۔ (۷) گہری نظر۔ (۸) ضابطہ، قاعدہ۔ (۹) آدھا۔ (۱۰) روزی کمانا۔ (۱۱) فیصلہ۔ (۱۲) تقاضا۔ (۱۳) روزی کی فکر۔ (۱۴) انصاف کا تقاضا۔ (۱۵) درست۔ (۱۶) بھلائیاں۔ (۱۷) حاصل کرنا۔ (۱۸) دنیا چھوڑ دینا۔ (۱۹) تابع ہوکر۔ (۲۰) خلاصہ، مختصر۔

جب کہ بُخل[1] کی اطاعت ہونے لگے اور خواہشاتِ نفسانیہ کا اتباع کیا جائے، دُنیا کو دین پر ترجیح دی جائے، ہر شخص اپنی رائے کو پسند کرے، دوسرے کی نہ مانے؛ اس وقت میں نبیٔ کریم ﷺ نے دوسروں کی اصلاح چھوڑ کر یکسوئی[2] کا حکم فرمایا ہے۔ مگر مشائخ کے نزدیک ابھی وہ وقت نہیں آیا، اس لیے جو کچھ کرنا ہے کرلو، خدا نہ کرے کہ وہ وقت دیکھتی آنکھوں آن پہونچے کہ اس وقت کسی قسم کی اصلاح ممکن نہ ہوگی۔ نیز اُن عُیُوب سے جن کا ذکر اس حدیث شریف میں وارد ہوا ہے؛ اہتمام سے بچنا ضروری ہے کہ یہ فتنوں کے دروازے ہیں، ان کے بعد سراسر فتنے ہی فتنے ہیں۔ نبیٔ کریم ﷺ نے ایک حدیث میں ان کو ہلاک کردینے والی چیزوں میں شمار کیا ہے۔ اَللّٰهُمَّ[3] احْفَظْنَا مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ.

فصل سوم

(اس فصل) میں ایک خاص مضمون پر تنبیہ مقصود ہے، وہ یہ کہ جس طرح اس زمانے میں نفسِ تبلیغ میں کوتاہی ہو رہی ہے اور عام طور پر لوگ اس سے بہت زیادہ غافل ہو رہے ہیں، اسی طرح بعض لوگوں میں ایک خاص مرض[4] یہ ہے کہ جب وہ کسی دینی منصب[5]: تقریر، تحریر، تعلیم، تبلیغ، وعظ وغیرہ پر مامور[6] ہوجاتے ہیں، تو دوسروں کی فکر میں ایسے مبتلا ہوجاتے ہیں کہ اپنے سے غفلت ہوجاتی ہے؛ حالانکہ جس قدر دوسروں کی اصلاح کی ضرورت ہے، اس سے بہت زیادہ اپنے نفس کی اصلاح کی احتیاج[7] ہے۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے متعدد مواقع[8] میں بہت زیادہ اہتمام سے منع فرمایا ہے کہ لوگوں کو نصیحت کرتا پھرے اور خود مُبتلائے[9] مَعاصی رہے۔

آپ ﷺ نے شبِ معراج میں ایک جماعت کو دیکھا، جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کترے جاتے تھے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ لوگ آپ کی اُمت کے واعِظ ومقرر ہیں کہ دوسروں کو نصیحت کرتے تھے، خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔ [مشکوٰۃ] ایک حدیث میں وارِد ہے کہ اہلِ جنت کے چند لوگ بعض اہلِ جہنم سے جاکر پوچھیں گے کہ تم یہاں کیسے پہونچ گئے؟ ہم تو جنت میں تمہاری ہی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرنے کی بدولت[10] پہونچے ہیں۔ وہ کہیں گے کہ ہم تم کو تو بتلاتے تھے؛ مگر خود عمل نہیں کرتے تھے۔ ایک دوسری حدیث میں وارِد ہے کہ بدکار قراء (علماء) کی طرف عذابِ جہنم زیادہ سُرعت[11] سے چلے گا، وہ اس پر تعجب کریں گے کہ بت پرستوں سے بھی پہلے ان کو عذاب دیا جاتا ہے، تو جواب ملے گا کہ جاننے کے باوجود کسی جرم کا کرنا انجان ہو کر کرنے کے برابر نہیں ہوسکتا۔

حل لغات: (۱) کنجوسی۔ (۲) تنہائی۔ (۳) اے اللہ تمام ظاہری اور باطنی فتنوں سے ہماری حفاظت فرما۔ (۴) بیماری۔ (۵) عہدہ۔ (۶) متعین، مقرر۔ (۷) ضرورت۔ (۸) جگہیں۔ (۹) گناہوں میں پھنسا ہوا۔ (۱۰) وجہ سے۔ (۱۱) تیزی۔

مشائخ نے لکھا ہے کہ اُس شخص کا وعظ نافع[1] نہیں ہوتا جو خود عامل[2] نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں ہر روز جلسے، وعظ، تقریریں ہوتی رہتی ہیں؛ مگر ساری بے اثر، مختلف انواع[3] کی تحریرات[4] ورسائل[5] شائع[6] ہوتے رہتے ہیں؛ مگر سب بے سود[7]۔ خود اللہ جلَّ جلالہٗ کا ارشاد ہے: ﴿اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ وَتَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَتۡلُوۡنَ الۡكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴۴﴾﴾ [سورۂ بقرہ] ترجمہ: کیا تم حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہو اپنے آپ کو، حالانکہ پڑھتے ہو کتاب، کیا تم سمجھتے نہیں۔ [عاشق]

نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: مَا تَزَالُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ أَرْبَعٍ: عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَ أَفْنَاهُ، وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَ أَبْلَاهُ، وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَ أَنْفَقَهٗ، وَعَنْ عِلْمِهٖ مَا ذَا عَمِلَ فِيْهِ. [ترغيب عن البيهقي وغيره]	ترجمہ: قیامت میں آدمی کے قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکتے، جب تک چار سوال نہ کر لیے جاویں۔ (۱) عمر کس مشغلہ[8] میں ختم کی؟ (۲) جوانی کس کام میں خرچ کی؟ (۳) مال کس طرح کمایا تھا اور کِس کِس مصرف[9] میں خرچ کیا تھا؟ (۴) اپنے علم پر کیا عمل کیا تھا؟۔

حضرت ابوالدّرداء رضی اللہ عنہ جو ایک بڑے صحابی ہیں، فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ اس اَمر کا خوف ہے کہ قیامت کے دن تمام مجمعوں کے سامنے مجھے پکار کر یہ سوال نہ کیا جاوے کہ جتنا علم حاصل کیا تھا اس پر کیا عمل کیا؟ خود نبیٔ کریم ﷺ سے کسی صحابی نے دریافت کیا کہ بدترین خلائق[10] کون شخص ہے؟ آپ نے فرمایا کہ بُرائی کے سوالات نہیں کیا کرتے، بھلائی کی باتیں پوچھو؛ بدترین خلائق: بدترین علماء ہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ علم دو طرح کا ہوتا ہے: ایک وہ جو صرف زبان پر ہو، وہ اللہ تعالیٰ کا الزام ہے اور گویا اس عالِم پر حُجّتِ تام[11] ہے، دوسرے وہ علم ہے جو دل پر اثر کرے، وہ علمِ نافع ہے۔ حاصل یہ ہے کہ علمِ ظاہری کے ساتھ علمِ باطن بھی حاصل کرے، تاکہ علم کے ساتھ قلب بھی مُتّصف[12] ہو جائے، ورنہ اگر دل میں اس کا اثر نہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی حُجّت ہوگا اور قیامت کے دن اُس پر مُؤاخذہ[13] ہوگا کہ اس علم پر کیا عمل کیا؟۔ اور بھی بہت سی روایات میں اس پر سخت سے سخت وعیدیں وارِد ہوئی ہیں، اس لیے میری درخواست ہے کہ مُبلّغین حضرات اپنی اصلاحِ ظاہر و باطن کی پہلے فکر کریں، مبادا[14] ان وعیدوں میں داخل ہو جائیں۔ اللہ جلَّ جلالہٗ وعَمَّ نوالہٗ اپنی رحمتِ واسعہ کے طفیل[15] اس سیَہ کار کو بھی اصلاحِ ظاہر و باطن کی توفیق عطا فرماویں کہ اپنے سے زیادہ بد افعال[16] کسی کو بھی نہیں پاتا، إِلَّا أَن يَّتَغَمَّدَنِيَ اللهُ بِرَحْمَتِهِ الوَاسِعَةِ.

حل لغات: (۱) فائدہ مند۔ (۲) عمل کرنے والا۔ (۳) قسم، طرح۔ (۴) لکھی ہوئی کتابیں۔ (۵) رسالہ کی جمع، چھوٹی کتابیں۔ (۶) چھپنا۔ (۷) بے فائدہ۔ (۸) کام۔ (۹) خرچ کرنے کی جگہ۔ (۱۰) دنیا کے لوگ۔ (۱۱) مکمل دلیل۔ (۱۲) ملا ہوا۔ (۱۳) پکڑ۔ (۱۴) خدا نہ کرے۔ (۱۵) صدقے، وسیلے۔ (۱۶) برا کام کرنے والا۔

فصل چہارم

(اس فصل) میں بھی ایک خاص ونہایت اہم امر کی طرف حضراتِ مُبَلِّغین کی توجہ[1] مبذول کرانا مقصود ہے، جو نہایت ہی اہم ہے، وہ یہ کہ تبلیغ میں بسا اوقات تھوڑی سی بے احتیاطی سے نفع کے ساتھ نقصان بھی شامل ہوجاتا ہے، اس لیے بہت ضروری ہے کہ احتیاط کے ہر پہلو کا لحاظ رکھا جائے۔ بہت سے لوگ تبلیغ کے جوش میں اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ ایک مسلمان کی پردہ دَرِی[2] ہورہی ہے، حالانکہ عِرضِ مُسلِم[3] ایک عَظِیمُ[4] الشَّان وَقِیع شَے[5] ہے۔

نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا: مَنْ سَتَرَ عَلٰى مُسْلِمٍ سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ، وَاللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ أَخِيْهِ [رواه مسلم وأبو داؤد وغيرهما، ترغيب]	ترجمہ: جو شخص کسی مسلمان کی پردہ[6] پوشی کرتا ہے، اللہ جلَّ شانہٗ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بندے کی مدد فرماتے ہیں جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔
دوسری جگہ ارشاد ہے: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما مَرْفُوْعًا: مَنْ سَتَرَ عَوْرَةَ أَخِيْهِ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، وَمَنْ كَشَفَ عَوْرَةَ أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ كَشَفَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ حَتّٰى يَفْضَحَهٗ بِهَا فِيْ بَيْتِهٖ. [رواه ابن ماجه، ترغيب]	ترجمہ: نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ جلَّ شانہٗ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا، جو شخص کسی مسلمان کی پردہ دَری کرتا ہے، اللہ جلَّ شانہٗ اس کی پردہ دَری[7] فرماتا ہے، حتّٰی کہ گھر بیٹھے اس کو رُسوا[8] کردیتا ہے۔

الغرض بہت سی روایات میں اس قسم کا مضمون وارد ہوا ہے، اس لیے مُبلِّغین حضرات کو مسلمان کی پردہ پوشی کا اہتمام بھی نہایت ضروری ہے اور اس سے زیادہ بڑھ کر اس کی آبرو کی حفاظت ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ایسے وقت میں مسلمان کی مدد نہ کرے کہ اس کی آبرُو رِیزی[9] ہورہی ہو، تو اللہ جلَّ شانہٗ اس کی مدد سے ایسے وقت میں اِعراض[10] فرماتے ہیں، جب کہ وہ مدد کا محتاج ہو۔ ایک دوسری حدیث میں نبیٔ کریم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے کہ ''بدترین سود مسلمان کی آبروریزی ہے''۔

اسی طرح بہت سی روایات میں مسلمان کی آبروریزی پر سخت سے سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، اس لیے بہت ضروری ہے کہ مُبلِّغین حضرات اس کا پُرزور اہتمام رکھیں کہ نَہی عن المُنکَر میں اپنی طرف سے پردہ دَری نہ ہو، جو مُنکَر[11] مخفی[12] طور سے معلوم ہوا اس پر مخفی انکار ہو اور جو عَلانیہ[13] کیا جائے اس پر عَلانیہ انکار ہونا چاہیے نیز انکار میں بھی اس کی آبرو کی حتَّی الوَسع[14] فکر رہنی چاہیے، مَبادا[15] ''نیکی برباد گناہ[16] لازم'' کا مِصداق

حل لغات: (۱) توجہ دلانا۔ (۲) عیب ظاہر کرنا۔ (۳) مسلمان کی عزت۔ (۴) اہم۔ (۵) چیز۔ (۶) عیب چھپانا۔ (۷) عیب کھولنا۔ (۸) ذلیل۔ (۹) بے عزتی۔ (۱۰) بے توجہی، منھ پھیرنا۔ (۱۱) برا کام۔ (۱۲) پوشیدہ، چھپا ہوا۔ (۱۳) کھلم کھلا۔ (۱۴) جہاں تک ہوسکے۔ (۱۵) خدا نہ کرے۔ (۱۶) نیکی کے بدلے برائی حاصل ہونا۔

ہوجاوے۔ حاصل یہ ہے کہ منکر پر انکار ضرور کیا جائے کہ سَابِقہ[1] وعیدیں بھی بہت سخت ہیں؛ مگر اس میں اس کی آبرو کا بھی حتَّی الوَسَع[2] سخت اہتمام کیا جائے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ جس مَعْصِیَت[3] کا وقوع عَلانِیَہ[4] طور پر ہورہا ہو، اس پر بے تکلُّف عَلانِیَہ انکار کیا جائے؛ لیکن جس مُنکَر[5] کا کرنے والے کی طرف سے اِفشا[6] نہ ہواس پر انکار کرنے میں اپنی طرف سے کوئی ایسی صورت اختیار نہ فرمائی جائے جس سے اُس کا اِفشا ہو۔

نیز یہ بھی آدابِ تبلیغ میں سے ہے کہ نرمی اختیار کی جائے۔ مامونُ الرَّشید خلیفہ کو کسی نے سخت کلامی سے نصیحت کی، انھوں نے فرمایا کہ نرمی سے کہو، اس لیے کہ اللہ جلَّ شانہٗ نے تم سے بہتر یعنی حضرت موسیٰ، حضرت ہارون عَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو میرے سے زیادہ بُرے یعنی فرعون کی طرف بھیجا تھا، تو فرمایا تھا ﴿ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا ﴾ [سورۂ طٰہٰ: ۴۴] یعنی تم اُس سے نرم گفتگو کرنا کہ شاید وہ نصیحت قبول کرلے۔

نبیٔ کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں ایک جوان حاضر ہوا اور درخواست کی کہ مجھے زنا کی اجازت دے دیجیے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اس کی تاب[7] نہ لاسکے اور ناراض ہونا شروع فرمادیا۔ حضور ﷺ نے اُس سائل[8] سے فرمایا: قریب ہوجاؤ اور پھر فرمایا کہ کیا تُو چاہتا ہے کہ کوئی تیری ماں کے ساتھ زِنا کرے؟ کہا: میں آپ پر قربان ہوں، یہ میں ہرگز نہیں چاہتا۔ فرمایا: اسی طرح اور لوگ بھی نہیں چاہتے کہ ان کی ماؤں کے ساتھ زنا کیا جائے۔ پھر فرمایا: کیا تُو پسند کرتا ہے کہ کوئی تیری بیٹی سے زنا کرے۔ عرض کیا کہ میں آپ پر قربان ہوں! نہیں چاہتا۔ فرمایا: اسی طرح اور لوگ بھی نہیں چاہتے کہ ان کی بیٹیوں کے ساتھ زِنا کیا جائے۔ غرض اسی طرح بہن، خالہ، پھوپھی کو پوچھ کر حضور ﷺ نے دستِ مُبارک اس شخص کے سینہ پر رکھ کر دعا فرمائی کہ یااللہ! اس کے دل کو پاک کر اور گناہ کو معاف فرما اور شرمگاہ کو مَعْصِیَت سے محفوظ فرما۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے زنا کی برابر کوئی چیز اس شخص کے نزدیک مبغوض[9] نہ تھی۔ بالجُملہ دُعا سے، دوا سے، نصیحت سے، نرمی سے یہ تصوّر کرکے سمجھائے کہ میں اس جگہ ہوتا، تو میں اپنے لیے کیا صورت پسند کرتا کہ لوگ مجھ کو اس صورت سے نصیحت کریں۔

فصل پنجم

(اس فصل) میں بھی مُبلِّغین[10] کی خدمت میں ایک ضروری درخواست ہے، وہ یہ کہ اپنی ہر تقریر وتحریر کو خلوص واخلاص کے ساتھ مُتَّصِف[11] فرمائیں، کیونکہ اِخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی دینی اور دنیوی ثمرات[12] کے اعتبار سے بہت بڑھا ہوا ہے اور بغیر اِخلاص کے نہ دنیا میں اس کا کوئی اثر، نہ آخرت میں کوئی اجر۔

نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: ((إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ إِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ)) [مِشکوٰۃ عن مسلم] ترجمہ: حق تعالیٰ شانہٗ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو

حل لغات: (۱) پہلی۔ (۲) جہاں تک ہوسکے۔ (۳) گناہ۔ (۴) کھلم کھلا۔ (۵) برائی۔ (۶) ظاہر کرنا۔ (۷) صبر، برداشت نہ کرسکے۔ (۸) پوچھنے والا۔ (۹) ناپسندیدہ۔ (۱۰) تبلیغ کا کام کرنے والے۔ (۱۱) یعنی خاص کریں، جوڑیں۔ (۱۲) فائدے۔

نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے دلوں کو اور اعمال کو دیکھتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ نبئ کریم ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اخلاص۔ ترغیب نے مختلف روایات میں یہ مضمون ذکر کیا ہے۔ نیز ایک حدیث میں وارد ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب نبئ کریم ﷺ نے یمن میں حاکم بنا کر بھیجا، تو انھوں نے درخواست کی کہ مجھے کچھ وصیّت فرما دیجیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دین میں اخلاص کا اہتمام رکھنا کہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی کافی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اعمال میں سے صرف اسی عمل کو قبول فرماتے ہیں، جو خالص انہیں کے لیے کیا گیا ہو۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيْهِ مَعِيَ غَيْرِيْ تَرَكْتُهٗ وَشِرْكَهٗ. وَفِيْ رِوَايَةٍ: فَأَنَا مِنْهُ بَرِيْءٌ فَهُوَ لِلَّذِيْ عَمِلَهٗ. [مشکوٰۃ عن مسلم]	ترجمہ: حق سبحانہٗ وتقدّس کا ارشاد ہے کہ میں سب شُرکا[1] میں شرکت سے بہت زیادہ بے نیاز ہوں، یعنی دنیا کے شرکا شرکت کے محتاج اور شرکت پر راضی ہوتے ہیں اور میں خَلّاق[2] عَلَی الاِطلاق ہوں، بے پرواہوں، عبادت میں غیر کی شرکت سے بیزار ہوں، جو شخص کوئی عمل ایسا کرے، جس میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو بھی شریک کرلے، میں اس کو اس کے شرک کے حوالے کر دیتا ہوں۔ دوسری روایت میں ہے کہ میں اس سے بَری ہو جاتا ہوں۔

ایک دوسری حدیث میں وارِد ہے کہ قیامت کے دن میدانِ حشر میں ایک مُنادی[3] باآوازِ بلند کہے گا کہ جس شخص نے کسی عمل میں دوسرے کو شریک کیا ہو، وہ اس کا ثواب اور بدلہ اسی سے مانگے، اللہ تعالیٰ سب شرکا میں شرکت سے بہت زیادہ بے نیاز ہے۔ ایک اور حدیث میں وارد ہے:

مَنْ صَلّٰى يُرَاءِيْ فَقَدْ أَشْرَكَ، وَمَنْ صَامَ يُرَاءِيْ فَقَدْ أَشْرَكَ، وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَاءِيْ فَقَدْ أَشْرَكَ [مشکوٰۃ عن أحمد]	ترجمہ: جو شخص ریا کاری[4] سے نماز پڑھتا ہے وہ مُشرِک ہو جاتا ہے اور جو شخص ریا کاری سے روزہ رکھتا ہے وہ مُشرِک ہو جاتا ہے، جو شخص ریا کاری سے صدقہ دیتا ہے وہ مشرک ہو جاتا ہے۔

مُشرِک ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو جن کے دکھلانے کے لیے یہ اعمال کیے ہیں، اللہ تعالیٰ کا شریک بنالیتا ہے۔ اس حالت میں یہ اعمال اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں رہتے ہیں، بلکہ اُن لوگوں کے لیے بن جاتے ہیں، جن کو دکھلانے کے لیے کیے جاتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ارشادِ نبوی ہے:

إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ يُقْضٰى عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَجُلٌ اُسْتُشْهِدَ فَأُتِيَ بِهٖ	ترجمہ: قیامت کے دن جن لوگوں کا اوّل[5] وہلہ میں فیصلہ سنایا جاوے گا، ان میں سے ایک وہ ''شہید'' بھی ہوگا، جس کو بلا کر اوّلاً

حل لغات: (۱) شریک کی جمع، ساتھی، ساجھی۔ (۲) یعنی صرف میں ہی پیدا کرنے والا ہوں۔ (۳) پکارنے والا۔ (۴) دکھاوا۔ (۵) پہلی مرتبہ۔

فَعَرَّفَهٗ نِعْمَتَهٗ فَعَرَفَهَا. فَقَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ: قَاتَلْتُ فِيْكَ حَتّٰى اسْتُشْهِدْتُّ. قَالَ: كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِأَنْ يُّقَالَ: جَرِيْءٌ، فَقَدْ قِيْلَ؛ ثُمَّ أُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى أُلْقِيَ فِي النَّارِ. وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهٗ وَقَرَأَ الْقُرْاٰنَ، فَأُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا. قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ: تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهٗ وَقَرَأْتُ فِيْكَ الْقُرْاٰنَ. قَالَ: كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ: إِنَّكَ عَالِمٌ، وَقَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ لِيُقَالَ: هُوَ قَارِئٌ فَقَدْ قِيْلَ؛ ثُمَّ أُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى أُلْقِيَ فِي النَّارِ. وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللهُ عَلَيْهِ وَأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهٖ فَأُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا. قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ: مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيْلٍ تُحِبُّ أَنْ يُّنْفَقَ فِيْهَا إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيْهَا لَكَ قَالَ: كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ: هُوَ جَوَّادٌ. فَقَدْ قِيْلَ؛ ثُمَّ أُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ. [مشكوٰة عن مسلم]

اللہ تعالیٰ اپنی اس نعمت کا اظہار فرمائیں گے جو اُس پر کی گئی تھی، وہ اُس کو پہچانے گا اور اقرار کرے گا، اس کے بعد سوال کیا جاوے گا کہ اس نعمت سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا کہ تیری رضا کے لیے جہاد کیا، حتیٰ کہ شہید ہوگیا۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے، یہ اس لیے کیا تھا کہ لوگ ''بہادر'' کہیں گے، سو کہا جاچکا اور جس غرض کے لیے جہاد کیا گیا تھا وہ حاصل ہوچکی، اس کے بعد اس کو حکم سنا دیا جاوے گا اور وہ منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ دوسرے وہ ''عالم'' بھی ہوگا جس نے علم پڑھا اور پڑھایا اور قرآن پاک کو حاصل کیا، اس کو بلا کر اس پر جو انعامات دنیا میں کیے گئے تھے ان کا اِظہار کیا جاوے گا اور وہ اقرار کرے گا، اس کے بعد اس سے بھی پوچھا جائے گا کہ ان نعمتوں میں کیا کیا کام کیے؟ وہ عرض کرے گا کہ تیری رضا کے لیے علم پڑھا اور لوگوں کو پڑھایا، قرآن پاک تیری رضا کے لیے حاصل کیا۔ جواب ملے گا: جھوٹ بولتا ہے، تو نے علم اس لیے پڑھا تھا کہ لوگ ''عالِم'' کہیں اور قرآن اس لیے حاصل کیا تھا کہ لوگ ''قاری'' کہیں، سو کہا جاچکا (اور جو غرض پڑھنے پڑھانے کی تھی وہ پوری ہوچکی) اس کے بعد اس کو بھی حکم سنا دیا جاوے گا اور وہ بھی منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جاوے گا۔ تیسرے وہ ''مالدار'' بھی ہوگا، جس کو اللہ تعالیٰ نے وسعتِ رزق عطا فرمائی اور ہر قسم کا مال مرحمت[1] فرمایا، بُلایا جائے گا اور اس سے بھی نعمتوں کے اِظہار اور ان کے اقرار کے بعد پوچھا جائے گا کہ ان انعامات میں کیا کارگذاری کی ہے؟ وہ عرض کرے گا کہ کوئی مَصرف[2] خیر ایسا نہیں، جس میں خرچ کرنا تیری رضا کا سبب ہو اور میں نے اس میں خرچ نہ کیا ہو۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے، یہ سب اس لیے کیا گیا کہ لوگ ''فیّاض[3]'' کہیں، سو کہا جاچکا؛ اس کو بھی حکم کے مُوافق کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

لہٰذا بہت ہی اہم اور ضروری ہے کہ مُبلِّغین[4] حضرات اپنی ساری کارگذاری میں اللہ کی رَضا، اس کے

حل لغات: (۱) عطا کرنا۔ (۲) بھلائی میں خرچ کرنے کا موقع۔ (۳) سخی، بہت دینے والا۔ (۴) تبلیغ کرنے والے۔

دین کی اِشاعَت، نبی کریم ﷺ کی سُنّت کا اِتّباع مقصود رکھیں۔ شُہرت، عزت، تعریف کو ذرا بھی دل میں جگہ نہ دیں، اگر خیال بھی آجائے تو لَاحَوْل و اِسْتِغْفَار سے اس کی اِصْلاح فرمالیں۔ اللہ جلَّ شانہٗ اپنے لُطف اور اپنے محبوب کے صدقے اور محبوب کے پاک کلام کی برکت سے مجھ سیاہ کار[1] کو بھی اِخْلاص کی توفیق عطا فرمائے اور ناظرین[2] کو بھی۔ آمین۔

فصلِ ششم

(اس فصل) میں عامۂ مسلمین[3] کو ایک خاص اَمر[4] کی طرف متوجّہ کرنا ہے، وہ یہ کہ اس زمانہ میں علماء کی طرف سے بدگمانی، بے توجُّہی نہیں، بلکہ مُقَابلہ اور تحقیر[5] کی صورتیں بالعموم[6] اختیار کی جارہی ہیں۔ یہ امرِ دین کے لحاظ سے نہایت ہی سخت خطرناک ہے۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ دنیا کی ہر جماعت میں جس طرح اچھّوں میں بُرے بھی ہوتے ہیں، علماء کی جماعت میں بھی اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ جھوٹے سچوں میں شامل ہیں اور علماءِ سُوء[7]، علماءِ رُشد[8] میں مخلوط[9] ہیں؛ مگر پھر بھی دو اَمر بے حد لحاظ کے قابل ہیں۔ اوّل یہ کہ جب تک کسی شخص کا علماءِ سُوء میں سے ہونا مُحَقَّق[10] نہ ہوجائے، اس پر ہرگز کوئی حکم نہ لگادینا چاہیے۔ ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۚ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝﴾ [سورۂ اسراء] ترجمہ: اور جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو، اس پر عمل[11] درآمد نہ کیا کر۔ کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی پوچھ ہوگی۔ [بیان القرآن]

اور محض اس بدگمانی پر کہ کہنے والا شاید علماءِ سُوء میں ہو، اس کی بات کو بلا تحقیق رَدّ کردینا اور بھی زیادہ ظلم ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے اس میں اس قدر احتیاط فرمائی ہے کہ یہود تورات کے مضامین کو عربی میں نقل کرکے سناتے تھے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ نہ ان کی تصدیق[12] کیا کرو نہ تکذیب[13]، بلکہ یہ کہہ دیا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے، سب پر ہمارا ایمان ہے۔ یعنی یہ کہ کافروں کی نقل کے متعلق بھی بلا تحقیق تصدیق وتکذیب سے روک دیا؛ لیکن ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جب کوئی شخص کسی قسم کی بات ہماری رائے کے خلاف کہتا ہے، تو اس کی بات کی وَقعت[14] گرانے کے لیے کہنے والے کی ذات پر حملے کیے جاتے ہیں، گو اُس کا اہلِ حق ہونا بھی مُحَقَّق ہو۔

دوسرا ضروری اَمر یہ ہے کہ علماءِ حقّانی، علماءِ رُشد، علماءِ خیر بھی بَشَرِیّت[15] سے خالی نہیں ہوتے۔ معصوم ہونا انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی شان ہے، اس لیے ان کی لَغزِشوں[16]، ان کی کوتاہیوں، ان کے قصوروں کی

حل لغات: (۱) گنہگار۔ (۲) پڑھنے والے۔ (۳) عام مسلمان۔ (۴) بات۔ (۵) ذلیل سمجھنا۔ (۶) عام طور پر۔ (۷) برے علماء۔ (۸) اچھے علماء۔ (۹) ملے جلے۔ (۱۰) ثابت۔ (۱۱) عمل کرنا۔ (۱۲) سچ ماننا۔ (۱۳) جھٹلانا۔ (۱۴) اہمیت۔ (۱۵) انسانی تقاضا۔ (۱۶) بھول چوک۔

ذمّہ داری انہیں پر عائد[1] ہے اور اللہ تعالیٰ سے ان کا معاملہ ہے، سزا دیں یا معاف فرما دیں، بلکہ اَغلَب[2] یہ ہے کہ ان کی لغزشیں ان شاء اللہ تعالیٰ معاف ہی ہو جاویں گی، اس لیے کہ کریم آقا اپنے اس غلام سے جو ذاتی کاروبار چھوڑ کر آقا کے کام میں مشغول ہو جائے اور ہمہ[3] تن اسی میں لگا رہے، اکثر تسامُح[4] اور درگذر کیا کرتا ہے، پھر اللہ جلّ وعلا کی برابر تو کوئی کریم ہو ہی نہیں سکتا، لیکن وہ بمُقتضاءِ عَدل[5] گرفت[6] بھی فرمائیں تو وہ ان کا اپنا معاملہ ہے۔ ان اُمور کی وجہ سے علماء سے لوگوں کو بدگمان کرنا، نفرت دِلانا، دُور رکھنے کی کوشش کرنا، لوگوں کے لیے بددینی کا سبب ہوگا اور ایسا کرنے والوں کے لیے وبالِ[7] عظیم ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللهِ تعالىٰ: إِكْرَامُ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ، وَحَامِلِ الْقُرْاٰنِ غَيْرِ الْغَالِيْ فِيْهِ وَلَا الْجَافِيْ عَنْهُ، وإِكْرَامُ ذِي السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ. [ترغيب عن أبي داوٗد]	ترجمہ: تینوں اصحابِ[8] ذیل کا اعزاز اللہ تعالیٰ کا اعزاز ہے: ایک بوڑھا مسلمان، دوسرا وہ محافظِ قرآن جو اِفراط[9] تفریط سے خالی ہو، تیسرا مُنصِف[10] حاکم۔
دوسری حدیث میں ارشاد ہے: لَيْسَ مِنْ أُمَّتِيْ مَنْ لَّمْ يُبَجِّلْ كَبِيْرَنَا وَيَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيَعْرِفْ عَالِمَنَا. [ترغيب عن أحمد والحاكم وغيرهما]	ترجمہ: وہ شخص جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، ہمارے بچوں پر رحم نہ کرے، ہمارے علماء کی قدر نہ کرے؛ وہ ہماری اُمت میں سے نہیں ہے۔
ایک اور حدیث میں وارد ہے: عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ: ثَلٰثٌ لَا يَسْتَخِفُّ بِهِمْ إِلَّا مُنَافِقٌ: ذُو الشَّيْبَةِ فِي الْإِسْلَامِ وَذُو الْعِلْمِ وَإِمَامٌ مُقْسِطٌ. [ترغيب عن الطبراني]	ترجمہ: نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تین شخص ایسے ہیں کہ ان کو خفیف[11] سمجھنے والا مُنافق ہی ہو سکتا ہے (نہ کہ مسلمان) (وہ تین شخص یہ ہیں): ایک بوڑھا مسلمان، دوسرا عالم، تیسرا مُنصِف حاکم۔

بعض روایات میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ مجھے اپنی اُمت پر سب چیزوں سے زیادہ تین چیزوں کا خوف ہے: ایک یہ کہ ان پر دنیاوی فُتوحات[12] زیادہ ہونے لگیں، جس کی وجہ سے ایک دوسرے سے حَسَد پیدا ہونے لگے، دوسرے یہ کہ قرآن شریف آپس میں اس قدر عام ہو جائے کہ ہر شخص اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرے، حالانکہ اس کے مَعانی اور مَطالِب[13] بہت سے ایسے بھی ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا اور جو لوگ علم میں پُختہ[14] کار ہیں، وہ بھی یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں، سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔ [بیان القرآن] یعنی علم میں پُختہ کار لوگ بھی تصدِیق[15] کے سوا

حل لغات: (۱) لوٹتی۔ (۲) زیادہ غالب گمان، اللہ کی رحمت سے قوی امید۔ (۳) مکمل طور پر۔ (۴) معاف۔ (۵) انصاف کے مطابق۔ (۶) پکڑ۔ (۷) بہت بڑا وبال۔ (۸) نیچے ذکر کیے جانے والے لوگ۔ (۹) کمی، زیادتی۔ (۱۰) انصاف کرنے والا۔ (۱۱) حقیر، گھٹیا۔ (۱۲) کامیابیاں، دنیاوی چیزیں۔ (۱۳) مطلب کی جمع۔ (۱۴) مضبوط۔ (۱۵) سچ ماننا۔

آگے بڑھنے کی جُرأت نہیں کرتے، تو پھر عوام کو چُوں[1] وچِرا کا کیا حق ہے؟ تیسرے یہ کہ علماء کی حق تلفی[2] کی جائے اور ان کے ساتھ لاپرواہی کا معاملہ کیا جائے۔ ترغیب میں اس حدیث کو بَروایتِ طَبرانی ذکر کیا ہے اوراس قسم کی روایات بکثرت حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔

جس قسم کے الفاظ اِس زمانہ میں علماء اور عُلوم دینیہ کے متعلق اکثر استعمال کیے جاتے ہیں، فتاویٰ عالمگیری میں ان میں سے اکثر الفاظ کو الفاظِ کُفریہ میں شمار کیا ہے؛ مگر لوگ اپنی ناواقفیت[3] سے اس حکم سے غافل ہیں، اس لیے نہایت ضروری ہے کہ اس قسم کے الفاظ بالعُموم استعمال کرنے میں بہت زیادہ احتیاط کی جائے۔ بفرضِ[4] اگر مان بھی لیا جاوے کہ علماءِ حَقّانی کا اس وقت وجود ہی نہیں رہا اور یہ سب جماعتیں جن پر علماء کا اِطلاق[5] کیا جاتا ہے، علماءِ سُوء ہی ہیں تب بھی آپ حضرات کی صرف ان علماء کو علماءِ سُوء کہنے سے سُبکدوشی[6] نہیں ہوسکتی، بلکہ ایسی حالت میں تمام دنیا پر یہ فرض عائد[7] ہوجاتا ہے کہ علماءِ حقّانی کی ایک جماعت پیدا کی جائے، ان کو علم سکھایا جائے، اس لیے کہ علماء کا وجود فرضِ کفایہ ہے۔ اگر ایک جماعت اس کے لیے موجود ہے، تو یہ فرض سب سے ساقط[8] ہے؛ ورنہ تمام دنیا گنہگار رہے۔

ایک عام اِشکال یہ کیا جاتا ہے کہ ان علماء کے اختلاف نے عوام کو تباہ وبرباد کردیا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی درجہ میں صحیح ہو، مگر حقیقت یہ ہے کہ علماء کا یہ اختلاف آج کا نہیں، سَو[10] پچاس برس کا نہیں، خیر القرون[9] بلکہ خود نبیٔ اکرم ﷺ کے زمانہ سے ہے۔

حضورِ اقدس ﷺ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے نَعلَین[10] شریف بطور علامت کے دے کر اس اعلان کے لیے بھیجتے ہیں کہ جو شخص کلمہ گو[11] ہو، وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا۔ راستے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملتے ہیں اور معاملہ پوچھتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو حضور ﷺ کا قاصد[12] بتاتے ہیں، لیکن پھر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس زور سے ان کے سینے پر دونوں ہاتھ مارتے ہیں کہ وہ بیچارے سُرینوں کے بَل زمین پر گر پڑتے ہیں؛ مگر نہ کوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف پوسٹر شائع ہوتا ہے، نہ کوئی جلسہ ہوکر احتجاجی ریزولیوشن[13] پاس ہوتا ہے۔

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں ہزاروں مسئلے "مُختَلَف فیہا[14]" ہیں اور ائمہ اربعہؒ کے یہاں تو شاید فقہ کی کوئی جُزئی[15] ہو جو "مُختَلَف فیہ" نہ ہو۔ چار رکعت نماز میں نیت باندھنے سے سلام پھیرنے تک تقریباً دوسو مسئلے ائمہ اربعہ کے یہاں ایسے مُختَلَف فیہ ہیں، جو مجھ کوتاہ نظر[16] کی نگاہ سے بھی گذر چکے ہیں اور اس سے زائد

حل لغات: (۱) بحث، تکرار۔ (۲) حق مارنا۔ (۳) کم علمی، جہالت۔ (۴) یعنی ہے تو نہیں یہ بات مگر پھر بھی مان لیں۔ (۵) یعنی عالم کا لفظ بولا جاتا ہے۔ (۶) ذمہ داری سے آزادی۔ (۷) لازم، ضروری۔ (۸) ختم۔ (۹) سب سے اچھا دور۔ (۱۰) جوتے۔ (۱۱) کلمہ پڑھنے والا۔ (۱۲) پیغام لے جانے والا۔ (۱۳) مخالفت کا فیصلہ۔ (۱۴) جس میں اختلاف ہو۔ (۱۵) چھوٹا مسئلہ۔ (۱۶) یعنی کم علم۔

نہ معلوم کتنے ہونگے، مگر کبھی رَفعِ یَدَین اور آمین بالجہر وغیرہ دو تین مسئلوں کے سوا کانوں میں نہ پڑے ہوں گے، نہ ان کے لیے اِشتہارات و پوسٹر شائع ہوئے ہوں گے، نہ جلسے اور مُناظرے ہوتے دیکھے ہوں گے، راز یہ ہے کہ عوام کے کان ان مسائل سے آشنا[1] نہیں ہیں۔ علماء میں اختلاف رحمت ہے اور بدیہی[2] امر ہے، جب بھی کوئی عالم کسی شرعی دلیل سے کوئی فتویٰ دے گا، دوسرے کے نزدیک اگر وہ حُجّت صحیح نہیں تو وہ شرعاً اختلاف کرنے پر مجبور ہے، اگر اختلاف نہ کرے تو مُداہن[3] اور عاصی[4] ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ لوگ کام نہ کرنے کے لیے اس لَچر[5] اور پُوچ[6] عُذر کو حیلہ بناتے ہیں، ورنہ ہمیشہ اَطبّاء[7] میں اختلاف ہوتا ہے، وُکلاء[8] کی رائے میں اختلاف ہوتا ہے؛ مگر کوئی شخص علاج کرانا نہیں چھوڑتا، مُقدّمہ لڑانے سے نہیں رُکتا، پھر کیا مصیبت ہے کہ دینی امور میں اختلافِ علماء کو حِیلہ[9] بنایا جاتا ہے۔ یقیناً سچے عمل کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ جس عالم کو وہ اچھا سمجھتا ہے، مُتَّبِعِ[10] سنّت سمجھتا ہے، اس کے قول پر عمل کرے اور دوسروں پر لَغو حملوں اور طعن و تشنیع[11] سے باز رہے۔ جس شخص کے ذہن کی رَسائی[12] دلائل کے سمجھنے اور ان میں ترجیح دینے تک نہیں ہے، اس کا حق نہیں کہ ان میں دخل دے۔

نبیٔ کریم ﷺ سے نقل کیا گیا ہے کہ علم کو ایسے لوگوں سے نقل کرنا جو اس کے اہل نہ ہوں، اس کو ضائع کرنا ہے۔ مگر جہاں بد دینی کی یہ حد ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے صریح ارشادات پر لَب کُشائی[13] ہر شخص کا حق سمجھا جاتا ہو، وہاں بیچارے علماء کا کیا شمار ہے، جس قدر الزامات رکھے جائیں کم ہیں:

﴿وَمَنْ[14] يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾﴾ [سورۂ بقرہ]

فصل ہفتم

(یہ فصل) گویا چھٹی فصل کا تکملہ[15] اور تتمہ[16] ہے، اس میں ناظرین[17] کی خدماتِ عالیہ میں ایک اہم درخواست ہے، وہ یہ کہ اللہ والوں کے ساتھ ارتباط[18]، ان کی خدمت میں کثرت سے حاضری، دینی امور میں تقویت[19] اور خیر و برکت کا سبب ہوتی ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى مِلَاكِ هٰذَا الْأَمْرِ الَّذِيْ تُصِيْبُ بِهٖ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ؟ عَلَيْكَ بِمَجَالِسِ أَهْلِ الذِّكْرِ وَإِذَا خَلَوْتَ فَحَرِّكْ لِسَانَكَ مَا اسْتَطَعْتَ بِذِكْرِ اللهِ. [مشكوٰة: ۴۱۵]	ترجمہ: کیا تجھے دین کی نہایت تقویّت دینے والی چیز نہ بتاؤں، جس سے تُو دین و دنیا دونوں کی فلاح[20] کو پہونچے؟ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد کرنے والوں کی مجلس ہے اور جب تُو تنہا ہوا کرے، تو اپنے کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے رَطبُ[21] اللّسان رکھا کر۔

حل لغات: (۱) واقف۔ (۲) کھلی ہوئی بات۔ (۳) بات چھپانے والا۔ (۴) گنہگار۔ (۵) بے ہودہ۔ (۶) بے کار۔ (۷) ڈاکٹروں۔ (۸) وکیل کی جمع۔ (۹) بہانہ۔ (۱۰) سنت پر عمل کرنے والا۔ (۱۱) برا بھلا کہنا۔ (۱۲) پہونچ۔ (۱۳) بولنا۔ (۱۴) اور جو لوگ اللہ کے حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ بڑے ظالم لوگ ہیں۔ (۱۵) اصل مضمون کو مکمل کرنے والا۔ (۱۶) کسی چیز کا آخری حصہ۔ (۱۷) پڑھنے والے۔ (۱۸) تعلق۔ (۱۹) مضبوطی۔ (۲۰) کامیابی۔ (۲۱) یعنی ہمیشہ یاد کرنا۔

اس کی تحقیق بہت ضروری ہے کہ اہل اللہ کون لوگ ہیں؟ اہل اللہ کی پہچان اِتباع سنت ہے کہ حق سبحانہٗ وتقدّس نے اپنے محبوب نبیٔ کریم ﷺ کو اُمّت کی ہدایت کے لیے نمونہ بنا کر بھیجا ہے اور اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۱﴾ [سورۂ آل عمران] ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ اگر تم خدائے تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو، تو تم لوگ میرا اِتّباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کردیں گے اور اللہ تعالیٰ غفورُ رَّحیم ہیں۔ [بیان القرآن]

لہٰذا جو شخص نبیٔ اکرم ﷺ کا کامل متّبع ہو، وہ حقیقۃً "اللہ والا" ہے، اور جو شخص اتباعِ سنّت سے جس قدر دور ہو وہ قُربِ الٰہی سے بھی اسی قدر دور ہے۔ مفسّرین نے لکھا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبّت کا دعویٰ کرے اور سنتِ رسول ﷺ کی مخالفت کرے، وہ جھوٹا ہے؛ اس لیے کہ قاعدۂ محبت اور قانونِ عشق ہے کہ جس سے کسی کو محبت ہوتی ہے، اس کے گھر سے، درو دیوار سے، صحن سے، باغ سے حتیٰ کہ اس کے کتّے سے، اس کے گدھے سے محبت ہوتی ہے۔

أَمُرُّ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلٰى — أُقَبِّلُ ذَاالْجِدَارَ وَ ذَاالْجِدَارَا

وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِيْ — وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَا

ترجمہ: کہتا ہے کہ میں لیلیٰ کے شہر پر گذرتا ہوں تو اِس دیوار کو اور اُس دیوار کو پیار کرتا ہوں۔ کچھ شہروں کی محبت نے میرے دل کو فریفتہ نہیں کیا ہے، بلکہ اُن لوگوں کی محبت کی کارفرمائی ہے، جو شہروں کے رہنے والے ہیں۔ دوسرا شاعر کہتا ہے:

تَعْصِي الْإِلٰهَ وَأَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهٗ — وَهٰذَا لَعَمْرِيْ فِي الْفِعَالِ بَدِيْعٌ

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَطَعْتَهٗ — إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعٌ

ترجمہ: تُو اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کی نافرمانی کرتا ہے۔ اگر تُو اپنے دعویٰ میں سچا ہوتا تو کبھی نافرمانی نہ کرتا، اس لیے کہ عاشق ہمیشہ معشوق کا تابعدار ہوتا ہے۔

نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری تمام اُمت جنت میں داخل ہوگی؛ مگر جس نے انکار کردیا۔ صحابہ ﷡ نے عرض کیا کہ "جس نے انکار کردیا" سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو نافرمانی کرے گا وہ انکار کرنے والا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا کہ اس کی خواہش اُس دین کے تابع نہ ہو جائے، جس کو مَیں لے کر آیا ہوں۔ [مشکوٰۃ]

حل لغات: (۱) اللہ والے۔ (۲) مکمل اتباع کرنے والا۔ (۳) عاشق۔ (۴) کام، اثر۔

حیرت کی بات ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی بہبودی[1] کے دعویدار، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے بے بہرہ[2] ہوں، کسی بات کو اُن مُدّعیوں[3] کے سامنے یہ کہہ دینا کہ سنت کے خلاف ہے، حضور ﷺ کے طریقہ کے خلاف ہے، گویا برچھی مار دینا ہے۔

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

پیغمبر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے طریقے کے خلاف جو شخص بھی کوئی راستہ اختیار کرے گا، کبھی بھی منزلِ مقصود تک نہیں پہونچ سکتا۔ بِالجُملہ اس تحقیق کے بعد کہ یہ شخص ''اللہ والوں'' میں سے ہے، اس کے ساتھ ربط[4] کا بڑھانا، اس کی خدمت میں کثرت سے حاضر ہونا، اس کے علوم سے مُنتفع[5] ہونا، دین کی ترقی کا سبب ہے اور نبی کریم ﷺ کا اَمر[6] بھی ہے۔

ایک حدیث میں ارشادِ عالی ہے کہ جب تم جنت کے باغوں میں گذرا کرو تو کچھ حاصل بھی کرلیا کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! جنت کے باغ کیا چیز ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علمی مجالس۔ دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ لُقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی کہ علماء کی خدمت میں بیٹھنے کو ضروری سمجھو اور حُکمائے[7] اُمت کے ارشادات کو غور سے سنا کرو کہ حق تعالیٰ شانہٗ حکمت کے نور سے مُردہ دلوں کو ایسے زندہ فرماتے ہیں کہ جیسے مُردہ زمین کو موسلا[8] دَھار بارش سے، اور حُکماءِ دین کے جاننے والے ہی ہیں نہ کہ دوسرے اَشخاص[9]۔ ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ بہترین ہم نشین[10] ہم لوگوں کے واسطے کون شخص ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کے دیکھنے سے اللہ کی یاد پیدا ہو، جس کی بات سے علم میں ترقی ہو، جس کے عمل سے آخرت یاد آجائے۔ ترغیب میں ان روایات کو ذکر کیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے بہترین بندے وہ لوگ ہیں، جن کو دیکھ کر خدا یاد آجائے۔ خود حق سُبحانہٗ وتقدّس کا ارشاد ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١١٩﴾ ﴾ [سورۂ توبہ] ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ [بیان القرآن]

مفسّرین نے لکھا ہے کہ سچّوں سے مراد اس جگہ ''مشائخ صُوفیہ'' ہیں، جب کوئی شخص ان کی چوکھٹ کے خدّام[11] میں داخل ہوجاتا ہے، تو ان کی تربیت اور قوّتِ[12] ولایت کی بدولت[13] بڑے بڑے مَراتب[14] تک ترقی کرجاتا ہے۔

شیخ اکبر تحریر فرماتے ہیں کہ اگر تیرے کام دوسرے کی مرضی کے تابع نہیں ہوتے، تو تُو کبھی بھی اپنے نفس کی خواہشات سے انتقال نہیں کرسکتا، گو عمر بھر مجاہدے کرتا رہے؛ لہٰذا جب بھی تجھے کوئی ایسا شخص ملے

حل لغات: (۱) بھلائی۔ (۲) بے خبر، محروم۔ (۳) دعوی کرنے والے۔ (۴) تعلق۔ (۵) نفع اٹھانے والا۔ (۶) حکم۔ (۷) سمجھ دار لوگ۔ (۸) بہت زور کی بارش۔ (۹) لوگ۔ (۱۰) ساتھی۔ (۱۱) خدمت کرنے والے۔ (۱۲) بزرگی کی طاقت۔ (۱۳) وجہ سے۔ (۱۴) مرتبہ کی جمع۔

جس کا احترام تیرے دل میں ہو، اس کی خدمت گذاری کر اور اس کے سامنے مُردہ بن کر رہ، کہ وہ تجھ میں جس طرح چاہے تصرُّف[1] کرے اور تیری اپنی کوئی بھی خواہش نہ رہے، اس کے حکم کی تعمیل میں جلدی کر اور جس چیز سے روکے اُس سے احتراز[2] کر، اگر پیشہ[3] کرنے کا حکم کرے پیشہ کر، مگر اس کے حکم سے، نہ کہ اپنی رائے سے، بیٹھ جانے کا حکم کرے تو بیٹھ جا، لہٰذا ضروری ہے کہ شیخِ کامل کی تلاش میں سعی[4] کر، تاکہ تیری ذات کو اللہ سے ملادے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ کوئی قوم کسی مجلس میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتی ہو، تو ملائکہ اس کو گھیر لیتے ہیں، رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور حق سُبحانہٗ وتقدّس اپنی پاک مجلس میں ان لوگوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ ایک دل رَبودہ[5] کے واسطے اس سے بڑھ کر کیا نعمت ہوسکتی ہے کہ محبوب کی مجلس میں اس کا ذکر ہو۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ کی یاد کرنے والی جماعت کے لوگوں کو جو اخلاص سے اللہ کو یاد کررہے ہوں، ایک پکارنے والا آواز دیتا ہے کہ اللہ نے تمہاری مغفرت کردی اور تمہاری بُرائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کی یاد نہیں، اس کے رسول پر درود نہیں، اس مجلس والوں کو قیامت کے دن حسرت[6] ہوگی۔

حضرت داؤد علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی دُعا ہے کہ یااللہ! اگر تُو مجھے ذاکرین کی مجلس سے گذر کر غافِلین کی مجلس میں جاتا ہوا دیکھے تو میرے پاؤں توڑ دے۔

جب اس کی صَوت[7] وصُورت سے ہے محرومی تو بہتر ہے
مرے کانوں کا کَر[8] ہونا اور آنکھیں کور[9] ہوجانی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جن مجالس میں اللہ تعالیٰ کی یاد ہوتی ہے، وہ آسمان والوں کے نزدیک ایسی چمکتی ہیں، جیسے زمین والوں کے نزدیک ستارے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ بازار میں تشریف لے گئے اور لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ تم لوگ یہاں بیٹھے ہو اور مسجد میں رسول اللہ ﷺ کی میراث[10] تقسیم ہورہی ہے۔ لوگ دوڑے ہوئے آئے، وہاں کچھ بھی تقسیم نہ ہورہا تھا۔ واپس جاکر عرض کیا کہ وہاں تو کچھ بھی نہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آخر کیا ہورہا تھا؟ لوگوں نے کہا کہ چند لوگ اللہ کے ذکر میں مشغول تھے اور کچھ تلاوت میں، انھوں نے کہا کہ یہی تو رسول اللہ ﷺ کی میراث ہے۔

اِمام غَزالیؒ نے اس نوع[11] کی روایات بکثرت ذکر فرمائی ہیں۔ اس سب سے بڑھ کر یہ کہ خود نبیٔ اکرم ﷺ کے لیے حکم ہے ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

حل لغات: (۱) دخل دینا۔ (۲) بچنا۔ (۳) کوئی کام۔ (۴) کوشش۔ (۵) دل دیا ہوا شخص مراد محبت کرنے والا۔ (۶) افسوس۔ (۷) آواز۔ (۸) بہرہ۔ (۹) اندھی۔ (۱۰) وہ جائیداد جو مرنے والا اپنے پیچھے چھوڑے۔ (۱۱) قسم، طرح۔

وَلَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْھُمْ ۚ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ [سورۂ کہف] ترجمہ: اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مقیّد[1] رکھا کیجیے، جو صبح وشام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی[2] کے لیے کرتے ہیں اور دنیوی زندگانی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں اُن سے ہٹنے نہ پاویں اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا حال حد سے بڑھ گیا ہے۔

متعدّد روایات میں وارد ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ اللہ جلّ جلالہٗ کا اس پر شکر ادا فرمایا کرتے تھے کہ میری اُمّت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے، جن کی مجلس میں اپنے آپ کو روکے رکھنے کا مامور[3] ہوں اور اسی آیت شریفہ میں دوسری جماعت کا بھی حکم ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جن کے قلوب اللہ کی یاد سے غافل ہیں، اپنی خواہشات کا اتبّاع کرتے ہیں، حدود[4] سے بڑھ جاتے ہیں، ان کے اتباع سے روک دیا گیا ہے۔

اب وہ حضرات جو ہر قول وفعل میں دین و دنیا کے کاموں میں کفّار وفُسَّاق[5] کو مُقتدا[6] بناتے ہیں، مُشرِکین و نصاریٰ کے ہر قول وفعل پر سو جان سے نثار ہیں؛ خود ہی غور فرمالیں کہ کس راستے جا رہے ہیں۔

تَرسَم[7] نہ رسی بکعبہ اے اِعرابی
کیں رہ کہ تو مِیروِی بتُرکستان است

مرادِ[8] ما نصیحت بود وکردیم
حَوالت باخدا کردیم ورفتیم
وما علی الرُّسُل إلّا البلاغ

مُمتثلِ امر
محمد زکریا کاندھلوی
مقیم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور
۵ / صفر ۱۳۵۰ھ، مطابق ۲۱ / جون ۱۹۳۱ء شب دوشنبہ

حل لغات: (۱) پابند۔ (۲) خوش کرنا۔ (۳) حکم دیا گیا۔ (۴) شریعت کے احکام۔ (۵) فاسق کی جمع، گنہگار۔ (۶) رہنما۔ (۷) اے دیہاتی مجھے ڈر ہے کہ تو کعبہ نہیں پہونچ سکتا اس لیے کہ جس راستہ پر تو چل رہا ہے وہ ترکستان کا ہے۔ (۸) ہمارا مقصد نصیحت کرنا تھا سو ہم نے کر دی حوالے خدا کے کیا اور چل دیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ [سورۂ حدید:۱۶]

کیا ایمان والوں کے لیے اس کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے جھک جائیں۔



جس میں

بقیۃ السلف حجۃ الخلف حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے ارشاد سے

فخر الاماثل زبدۃ الافاضل حضرت مولانا الحاج الحافظ المحدث محمد زکریا صاحبؒ

شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور نے

وہ آیات واحادیث جمع کی ہیں؛ جن میں ذکر کی برکات،

کلمۂ طیبہ کے فضائل اور سوم کلمہ یعنی تسبیحاتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ثواب وارد ہوئے ہیں؛

خاتمہ میں صلوٰۃ التسبیح کا مفصل بیان ہے۔

تمہید

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَأَتْبَاعِهٖ حَمَلَةِ الدِّيْنِ الْقَوِيْمِ :.........................

اللہ جلّ جلالہٗ عمّ نوالہٗ کے پاک نام میں جو برکت، لذّت، حلاوت[1]، سُرور[2]، طمانینت[3] ہے وہ کسی ایسے شخص سے مخفی[4] نہیں، جو کچھ دن اس پاک نام کی رَٹ لگا چکا ہو، اور ایک زمانہ تک اس کو حِرزِ جان[5] بنا چکا ہو، یہ پاک نام دلوں کا سرور اور طمانینت کا باعث[6] ہے، خود حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے: ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾﴾ [سورۂ رعد] ترجمہ: ”خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر (میں یہ خاصیت ہے کہ اُس) سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے۔“ آج کل عام طور سے عالَم[7] میں پریشانی ہے، روزانہ ڈاک میں اکثر و بیشتر مختلف نوع سے پریشانیوں ہی کا تذکرہ اور تفکّرات ہی کی داستان ہوتی ہے۔ اس رسالہ کا مقصد یہی ہے کہ جو لوگ پریشان حال ہیں، خواہ اِنفرادی طور پر یا اجتماعی طریقہ سے، اُن کو اپنے درد کی دوا معلوم ہو جائے، اور اللہ کے ذکر کے فضائل کی عام اِشاعت سے سعید[8] و مُبارک ہستیاں بَہرہ مند[9] ہو جائیں، کیا بعید[10] ہے کہ اس رسالہ کے دیکھنے سے کسی کو اِخلاص سے اس پاک نام کے لینے کی توفیق ہو جائے اور یہ مجھ ناکارہ و بےعمل کے لیے بھی ایسے وقت میں کام آ جائے جس وقت صرف عمل ہی کام آتا ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ بلا عمل بھی اپنے فضل سے کسی کی دستگیری[11] فرمالیں یہ دوسری بات ہے۔ اس کے علاوہ اس وقت ایک خاص مُحرِّک[12] یہ بھی پیش آیا کہ حق تعالیٰ شانہٗ عمّ نوالہٗ نے اپنے لُطف و احسان سے میرے عَمِّ[13] محترم حضرت مولانا الحافظ الحاج محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ مقیم نظامُ الدین دہلی کو تبلیغ میں ایک خاص مَلکہ[14] اور جذبہ عطا فرمایا ہے، جس کی وہ

حل لغات: ① مٹھاس۔ ② خوشی ومزا۔ ③ سکون واطمینان۔ ④ چھپا ہوا۔ ⑤ پسندیدہ چیز۔ ⑥ سبب۔ ⑦ دنیا۔ ⑧ خوش قسمت۔ ⑨ فائدہ اٹھائیں۔ ⑩ یعنی ممکن ہے۔ ⑪ مدد۔ ⑫ سبب۔ ⑬ چچا۔ ⑭ مہارت۔

سرگرمیاں جو ہند سے مُتَجاوِز[1] ہوکر حجاز تک بھی پہونچ گئی ہیں کسی تعارف کی محتاج نہیں رہیں، اس کے ثَمرات[2] سے ہندو بیرون[3] ہند عموماً اور خطۂ میوات خصوصاً جس قدر مُتَمَتِّع[4] اور مُنْتَفِعْ ہوا اور ہو رہا ہے وہ واقِفین[5] سے مخفی نہیں۔ ان کے اصولِ تبلیغ سب ہی نہایت پُخْتہ، مضبوط اور ٹھوس ہیں، جن کے لیے عادۃً ثمرات وبرکات لازم ہیں۔ ان کے اہم ترین اُصول میں سے یہ بھی ہے کہ مُبَلِّغین ذکر کا اہتمام رکھیں، اور بالخصوص تبلیغی اوقات میں ذکرِ الٰہی کی کثرت کی جائے۔ اس ضابطہ کی برکات آنکھوں سے دیکھیں، کانوں سے سنیں، جس کی وجہ سے اس کی ضرورت خود بھی محسوس ہوئی اور آنمخدوم[6] کا بھی ارشاد ہوا کہ فضائلِ ذکر کو ان لوگوں تک پہونچایا جائے تاکہ جو لوگ محض تعمیلِ[7] ارشاد میں اب تک اس کا اہتمام کرتے ہیں وہ اس کے فضائل معلوم ہونے کے بعد خود اپنے شوق سے بھی اس کا اہتمام کریں کہ اللہ کا ذِکر بڑی دولت ہے۔ اُس کے فضائل کا احاطہ نہ تو مجھ جیسے بے بِضاعت[8] کے اِمکان میں ہے اور نہ واقع میں ممکن ہے۔ اس لیے مختصر طور پر اس رسالہ میں چند روایات ذکر کرتا ہوں اور اس کو تین بابوں پر مُنْقَسِم[9] کرتا ہوں۔

باب[1] اول: مطلق ذکر کے فضائل میں۔

باب[2] دوم: افضلُ الذِّکر کلمۂ طیبہ کے بیان میں۔

باب[3] سوم: کلمۂ سوم یعنی تسبیحات فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بیان میں۔

حل لغات: (۱) گذر کر۔ (۲) فائدے۔ (۳) ہندوستان کے باہر۔ (۴) فائدہ اٹھانے والا۔ (۵) جاننے والے۔ (۶) یعنی حضرت مولانا الیاسؒ۔ (۷) حکم کو پورا کرنا۔ (۸) بے حوصلہ، جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ (۹) تقسیم کرنا، بانٹنا۔

باب اول: فضائل ذِکر

اللہ تعالیٰ شانہٗ کے پاک ذکر میں اگر کوئی آیت یا حدیث نبوی نہ بھی وارد ہوتی تب بھی اس مُنْعِمِ حقیقی[1] کا ذکر ایسا تھا کہ بندہ کو کسی آن[2] بھی اس سے غافل نہ ہونا چاہیے تھا کہ اس ذاتِ پاک کے اِنعام واحسان ہر آن اتنے کثیر ہیں جن کی نہ کوئی انتہا ہے نہ مثال، ایسے مُنْعِم کا ذکر، اس کی یاد، اس کا شکر، اس کی احسان مندی[3] فطری چیز ہے۔

خداوندِ عالَم کے قربان میں　　　کرم جس کے لاکھوں ہیں ہر آن میں

لیکن اس کے ساتھ جب قرآن وحدیث اور بزرگوں کے اقوال واحوال اس پاک ذکر کی ترغیب وتحریض[4] سے بھرے ہوئے ہیں تو پھر کیا پوچھنا ہے اس پاک ذکر کی برکات کا اور کیا ٹھکانا ہے اس کے انوار کا، تاہم[5] اول چند آیات، پھر چند احادیث اس مبارک ذِکر کے متعلق پیش کرتا ہوں۔

فصل اول: آیاتِ ذِکر میں

① ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿١٥٢﴾﴾ [سورہ بقرہ]	ترجمہ: پس تم میری یاد کرو (میرا ذِکر کرو) میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کرتے رہو اور ناشکری نہ کرو۔
② ﴿فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿١٩٨﴾﴾ [سورۂ بقرہ]	ترجمہ: پھر جب تم (حج کے موقع میں) عَرَفات سے واپس آجاؤ تو مُزْدَلِفَہ میں (ٹھہر کر) اللہ کو یاد کرو اور اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو بتلا رکھا ہے، درحقیقت تم اس سے پہلے محض ناواقف تھے۔
③ ﴿فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿٢٠٠﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا	ترجمہ: پھر جب تم حج کے اعمال پورے کر چکو تو اللہ کا ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے آباء[6] (واجداد[7]) کا ذکر کیا کرتے ہو (کہ ان کی تعریفوں میں رَطْبُ اللِّسان[8] ہوتے ہو) بلکہ اللہ کا ذکر اس سے بھی بڑھ کر ہونا چاہیے۔ پھر (جو لوگ اللہ کو یاد بھی کر لیتے ہیں) ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جو اپنی دعاؤں میں یوں کہتے ہیں: اے پروردگار! ہمیں تو دنیا ہی میں دیدے (سو ان کو تو جو ملنا ہوگا دنیا ہی

حل لغات: ① اصلی انعام کرنے والا۔ ② وقت۔ ③ احسان ماننا۔ ④ رغبت دلانا۔ ⑤ پھر بھی۔ ⑥ باپ۔ ⑦ دادا۔ ⑧ بہت تعریف کرنے والا۔

فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ [سورۂ بقرہ]	میں مل جائے گا) اور ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور بعض آدمی یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی بہتری عطا فرما اور آخرت میں بھی بہتری عطا کر اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا، سو یہی ہیں جن کو اُن کے عمل کی وجہ سے (دونوں جہان میں) حصہ ملے گا اور اللہ جلد ہی حساب لینے والے ہیں۔

فائدہ: حدیث میں آیا ہے کہ تین شخصوں کی دُعا رَدّ نہیں کی جاتی (بلکہ ضرور قبول ہوتی ہے) ایک: وہ جو کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو، دوسرے: مظلوم، تیسرے: وہ بادشاہ جو ظلم نہ کرتا ہو۔ [جامع صغیر]

④ ﴿ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ ﴾ [سورۂ بقرہ: ۲۰۳]	ترجمہ: اور (حج کے زمانہ میں منیٰ میں بھی ٹھہر کر) کئی روز تک اللہ کو یاد کیا کرو (اس کا ذکر کیا کرو)۔
⑤ ﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ ﴾ [سورۂ آل عمران]	ترجمہ: اور کثرت سے اپنے رب کو یاد کیا کیجیے اور صبح و شام تسبیح کیا کیجیے۔
⑥ ﴿ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ ﴾ [سورۂ آل عمران]	ترجمہ: (پہلے سے عقلمندوں کا ذکر ہے) وہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے ہوئے بھی اور آسمانوں اور زمینوں کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں (اور غور کے بعد یہ کہتے ہیں) کہ اے ہمارے رب آپ نے یہ سب بیکار تو پیدا کیا نہیں، ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں، آپ ہم کو عذابِ جہنم سے بچا لیجیے۔
⑦ ﴿ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِكُمْ ﴾ [سورۂ نساء: ۱۰۳]	ترجمہ: جب تم نماز (خوف جس کا پہلے سے ذکر ہے) پوری کر چکو تو اللہ کی یاد میں مشغول ہو جاؤ کھڑے بھی، بیٹھے بھی اور لیٹے بھی (کسی حال میں بھی اُس کی یاد اور اُس کے ذکر سے غافل نہ ہو)۔
⑧ ﴿ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَاۗءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ ﴾ [سورۂ نساء]	ترجمہ: (مُنافقوں کی حالت کا بیان ہے) اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی سے کھڑے ہوتے ہیں، صرف لوگوں کو اپنا نمازی ہونا دکھلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی نہیں کرتے مگر یوں ہی تھوڑا سا۔
⑨ ﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ	ترجمہ: شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ

حل لغات: ① لوٹانا، پھیرنا۔

بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ [سورۂ مائدہ]	سے تم میں آپس میں عَداوت[1] اور بُغض[2] پیدا کردے اور تم کو اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے، بتاؤ اب بھی (ان بُری چیزوں سے) باز آجاؤ گے۔
⑩ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ [سورۂ انعام:۵۲]	ترجمہ: اور ان لوگوں کو اپنی مجلس سے علیحدہ نہ کیجیے جو صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں جس سے خاص اس کی رضا کا ارادہ کرتے ہیں۔
⑪ وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ [سورۂ اعراف:۲۹]	ترجمہ: اور پکارا کرو اس کو (یعنی اللہ کو) خالص کرتے ہوئے اُس کے لیے دین کو۔
⑫ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ [سورۂ اعراف]	ترجمہ: تم لوگ پکارتے رہو اپنے رب کو عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے چپکے (بھی) بے شک حق تعالیٰ شانہٗ حد سے بڑھنے والوں کو ناپسند کرتے ہیں، اور دنیا میں بعد اس کے کہ اس کی اصلاح کردی گئی فساد نہ پھیلاؤ اور اللہ جلّ شانہٗ کو پکارا کرو خوف کے ساتھ (عذاب سے) اور طمع[3] کے ساتھ (رحمت میں) بے شک اللہ کی رحمت اچھے کام کرنے والوں کے بہت قریب ہے۔
⑬ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا [سورۂ اعراف:۱۸۰]	ترجمہ: اللہ ہی کے واسطے ہیں اچھے اچھے نام پس ان کے ساتھ اللہ کو پکارا کرو۔
⑭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ [سورۂ اعراف]	ترجمہ: اور اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں اور ذرا دھیمی آواز سے بھی اس حالت میں کہ عاجزی بھی ہو اور اللہ کا خوف بھی ہو (ہمیشہ) صبح کو بھی اور شام کو بھی اور غافلین میں سے نہ ہو۔
⑮ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۲﴾ [سورۂ انفال]	ترجمہ: ایمان والے تو وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذِکر کیا جاتا ہے تو (اس کی بڑائی کے تصوُّر[4] سے) ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے اللہ پر توکُّل کرتے ہیں۔

(آگے ان کی نماز وغیرہ کے ذکر کے بعد ارشاد ہے) یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں، ان کے لیے بڑے بڑے درجے ہیں، ان کے رب کے پاس اور مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔

حل لغات: ① دشمنی۔ ② نفرت، حسد۔ ③ لالچ، امید۔ ④ خیال۔

فضائل ذکر

⑯ ﴿وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۖۚ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۭ﴾ [سورہ رعد]	ترجمہ: اور جو شخص اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس کو ہدایت فرماتے ہیں، وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور اللہ کے ذِکر سے اُن کے دلوں کو اِطمینان ہوتا ہے، خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر (میں ایسی خاصیت ہے کہ اُس) سے دلوں کو اِطمینان ہوجاتا ہے۔
⑰ ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ﴾ [سورۂ بنی اسرائیل:۱۱۰]	ترجمہ: آپ فرمادیجیے کہ خواہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو، جس نام سے بھی پکاروگے (وہی بہتر ہے) کیونکہ اس کے لیے بہت سے اچھے اچھے نام ہیں۔
⑱ ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ﴾ [سورۂ کہف:۲۴]	ترجمہ: اور جب آپ بھول جاویں تو اپنے رب کا ذکر کرلیجیے۔ وفي مسائل السلوك: فيه مطلوبية الذكر ظاهر.
⑲ ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾ [سورۂ کہف]	ترجمہ: آپ اپنے کو اُن لوگوں کے ساتھ (بیٹھنے کا) پابند رکھا کیجیے جو صبح شام اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں، محض[1] اس کی رضا جوئی[2] کے لیے اور محض دنیا کی رونق کے خیال سے آپ کی نظر (یعنی توجہ) ان سے ہٹنے نہ پاوے (رونق سے یہ مراد ہے کہ رئیس[3] مسلمان ہوجائیں تو اسلام کو فروغ[4] ہو) اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کررکھا ہے اور وہ اپنی خواہشات کا تابع ہے اور اُس کا حال حد سے بڑھ گیا ہے۔
⑳ ﴿وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَىِٕذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ۙ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَاۗءٍ عَنْ ذِكْرِيْ﴾	ترجمہ: اور ہم دوزخ کو اُس روز (یعنی قیامت کے دن) کافروں کے سامنے پیش کردیں گے جن کی آنکھوں پر ہماری یاد سے پردہ پڑا ہوا تھا۔ [سورۂ کہف:۱۰۱]
㉑ ﴿ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۚ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَاۗءً خَفِيًّا﴾ [سورۂ مریم]	ترجمہ: یہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کی مہربانی فرمانے کا اپنے بندے زکریا علیہ السلام پر جب کہ اُنھوں نے اپنے پروردگار کو چپکے سے پکارا۔
㉒ ﴿وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ڮ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَاۗءِ رَبِّيْ شَقِيًّا﴾ [سورۂ مریم]	ترجمہ: اور پکارتا ہوں میں اپنے رب کو (قطعی[5]) اُمید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہ رہوں گا۔
㉓ ﴿اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا	ترجمہ: بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس

حل لغات: ① صرف۔ ② خوش کرنا۔ ③ مالدار۔ ④ ترقی۔ ⑤ یقیناً۔

فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴿١٤﴾ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ﴿١٥﴾ [سورۂ طٰہٰ]	تم (اے موسیٰ) میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کے لیے نماز پڑھا کرو، بلا شبہ قیامت آنے والی ہے، میں اس کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں، تا کہ ہر شخص کو اُس کے کیے کا بدلہ مل جائے۔
﴿٢٤﴾ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿٤٢﴾ [سورۂ طٰہٰ]	ترجمہ: (حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو ارشاد ہے) اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔
﴿٢٥﴾ وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ [سورۂ انبیاء: ٧٦]	ترجمہ: اور نوح (علیہ السلام کا تذکرہ ان سے کیجیے) جب کہ پکارا انھوں نے اپنے رب کو (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے سے) پہلے۔
﴿٢٦﴾ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿٨٣﴾ [سورۂ انبیاء]	ترجمہ: اور ایوب (علیہ السلام کا ذکر کیجیے) جب کہ انھوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھ کو بڑی تکلیف پہونچی اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں۔
﴿٢٧﴾ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٧﴾ [سورۂ انبیاء]	ترجمہ: اور مچھلی والے (پیغمبر یعنی حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر کیجیے) جب وہ (اپنی قوم سے) خفا ہو کر چلے گئے اور یہ سمجھے کہ ہم ان پر دارو گیر[1] نہ کریں گے، پس انھوں نے اندھیروں میں پکارا کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ ہر عیب سے پاک ہیں بے شک میں قصور وار ہوں۔
﴿٢٨﴾ وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿٨٩﴾ [سورۂ انبیا]	ترجمہ: اور زکریا (علیہ السلام کا ذکر کیجیے) جب انھوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب مجھے لاوارث نہ چھوڑو (اور یوں تو) سب وارثوں سے بہتر (اور حقیقی وارث) آپ ہی ہیں۔
﴿٢٩﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿٩٠﴾ [سورۂ انبیاء]	ترجمہ: بے شک یہ سب (انبیاء علیہم السلام جن کا پہلے سے ذکر ہو رہا ہے) نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور پکارتے تھے ہم کو (ثواب کی) رغبت اور (عذاب کا) خوف کرتے ہوئے اور تھے سب کے سب ہمارے لیے عاجزی کرنے والے۔
﴿٣٠﴾ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿٣٤﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ [سورۂ حج: ٣٥]	ترجمہ: اور آپ (جنت وغیرہ کی) خوشخبری سنا دیجیے ایسے خشوع کرنے والوں کو، جن کا یہ حال ہے کہ جب اللہ کا ذِکر کیا جاتا ہے تو ان کے دِل ڈر جاتے ہیں۔

حل لغات: ① پوچھ تاچھ۔

(۳۱) ﴿ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ﴾ [سورۂ مومنون]

ترجمہ: (قیامت میں کفار سے گفتگو[1] کے ذیل میں کہا جائے گا: کیا تم کو یاد نہیں) میرے بندوں کا ایک گروہ تھا (جو بے چارے ہم سے) یوں کہا کرتے تھے: اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے سو ہم کو بخش دیجیے اور ہم پر رحمت فرمایئے آپ سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔ پس تم نے ان کا مذاق اُڑایا حتّٰی کہ اس مشغلہ نے تم کو ہماری یاد بھی بھلا دی اور تم اُن سے ہنسی کیا کرتے تھے، میں نے آج اُن کو اُن کے صبر کا بدلہ دے دیا، وہی کامیاب ہوئے۔

(۳۲) ﴿ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ [سورۂ نور: ۳۷]

ترجمہ: (کامل ایمان والوں کی تعریف کے ذیل میں ہے) وہ ایسے لوگ ہیں کہ اُن کو اللہ کے ذِکر سے نہ خرید غفلت میں ڈالتی ہے نہ فروخت۔

(۳۳) ﴿ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ﴾

ترجمہ: اور اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ [سورۂ عنکبوت: ۴۵]

(۳۴) ﴿ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۫ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ ﴾ [سورہ سجدہ]

ترجمہ: ان کے پہلو[2] خواب گاہوں[3] سے علیحدہ رہتے ہیں اس طرح پر کہ عذاب کے ڈر سے اور رحمت کی امید سے وہ اپنے رب کو پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں سے خرچ کرتے ہیں، پس کسی کو بھی خبر نہیں کہ ایسے لوگوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان خزانۂ غیب میں محفوظ ہے جو بدلہ ہے ان کے اعمال کا۔

في الدر عن الضحاك: هم قوم لا يزالون يذكرون الله ، وروي نحوه عن ابن عباس رضي الله عنهما.

فائدہ: ایک حدیث میں آیا ہے کہ بندہ اخیر شب میں اللہ کے یہاں بہت مُقرّب ہوتا ہے اگر تجھ سے ہوسکے تو اس وقت اللہ کا ذکر کیا کر۔ [جامع صغیر]

(۳۵) ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ ﴾ [سورۂ احزاب]

ترجمہ: بے شک تم لوگوں کے لیے رسول اللہ (ﷺ) کا نمونہ موجود تھا یعنی ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ سے اور آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو (کہ جب حضور لڑائی میں شریک ہوئے اور جہاد کیا تو اس کے لیے کیا مانع[4] ہوسکتا ہے)۔

حل لغات: (۱) بات چیت کے وقت۔ (۲) بازو مراد جسم۔ (۳) سونے کی جگہ، بستر۔ (۴) روکنے والی چیز۔

﴿۳۶﴾ ﴿ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝۳۵ ﴾ [سورۂ احزاب]	ترجمہ: (پہلے سے مومنوں کے صِفَات کا بیان ہے اُس کے بعد ارشاد ہے) اور بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں، ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔
﴿۳۷﴾ ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝۴۱ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝۴۲ ﴾ [سورۂ احزاب:۴۲]	ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کا خوب کثرت سے ذکر کیا کرو اور صبح شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔
﴿۳۸﴾ ﴿ وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ۝۷۵ ﴾ [سورۂ صٰفٰت]	ترجمہ: اور پکارا تھا ہم کو نوح (علیہ السلام) نے، پس ہم خوب فریاد[1] سننے والے ہیں۔
﴿۳۹﴾ ﴿ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲۲ ﴾ [سورۂ زمر]	ترجمہ: پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل اللہ کے ذِکر سے مُتاثّر نہیں ہوتے، یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔
﴿۴۰﴾ ﴿ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ ﴾ [سورۂ زمر:۲۳]	ترجمہ: اللہ جلّ جلالہٗ نے بڑا عمدہ کلام (یعنی قرآن) نازل فرمایا، جو ایسی کتاب ہے کہ باہم مِلتی جُلتی ہے، بار بار دہرائی گئی جس سے ان لوگوں کے بدن کانپ اُٹھتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر اُن کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کو چاہتا ہے اُس کے ذریعہ سے ہدایت فرما دیتا ہے۔
﴿۴۱﴾ ﴿ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۱۴ ﴾ [سورۂ مومن]	ترجمہ: پس پکارو اللہ کو خالِص کرتے ہوئے اُس کے لیے دین کو، گو کافروں کو ناگوار[2] ہو۔
﴿۴۲﴾ ﴿ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ ﴾ [سورۂ مومن:۶۵]	ترجمہ: وہی زندہ ہے اُس کے سوا کوئی لائق عبادت کے نہیں، پس تم خالص اِعتِقاد کرکے اُس کو پکارا کرو۔
﴿۴۳﴾ ﴿ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝۳۶ ﴾ [سورۂ زخرف]	ترجمہ: جو شخص رحمان کے ذِکر سے (جان بوجھ کر) اندھا ہو جائے، ہم اُس پر ایک شیطان مُسلَّط کر دیتے ہیں، پس وہ (ہر وقت) اُس کے ساتھ رہتا ہے۔

حل لغات: (۱) ظلم کی شکایت۔ (۲) ناپسند۔

﴿۴۴﴾ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚۖۛ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ [سورۂ فتح]

ترجمہ: محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صُحبت[۱] یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان، اور اے مُخاطب تُو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں اور کبھی سجدہ اور اللہ کے فضل اور رضامندی کی جُستجو[۲] میں لگے ہوئے ہیں (اور خشوع خضوع کے) آثار بوجہِ تاثیر[۳] سجدہ کے ان کے چہروں پر نُمایاں[۴] ہیں، یہ اُن کے اوصاف توارت میں ہیں اور انجیل میں، جیسا کھیتی کہ اُس نے اول اپنی سُوئی[۵] نکالی پھر اس کو قوی[۶] کیا پھر وہ کھیتی اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کسانوں کو بَھلی معلوم ہونے لگی۔ (اسی طرح صحابہ ﷺ میں اول ضُعف تھا پھر روزانہ قوت بڑھتی گئی اور اللہ نے یہ نَشْوونُما[۷] اس لیے دیا تاکہ ان سے کافروں کو جلائے)۔ اللہ نے تو ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کر رہے ہیں، مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

فائدہ: آیتِ شریفہ میں گو ظاہر طور پر رکوع و سجود اور نماز کی فضیلت زیادہ تر مقصود ہے اور وہ تو ظاہر ہے؛ لیکن کلمۂ طیبہ کے دوسرے جزو ''**مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ**'' کی فضیلت بھی اس سے ظاہر ہے۔

امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ اوپر سے صُلحِ حُدَیبِیَہ میں کفار کے انکار پر اور اس بات کے اِصرار کرنے پر **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** نہ لکھو ''**مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ**'' لکھو، حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ اللہ خود گواہ ہیں اس بات پر کہ محمد، اللہ کے رسول ہیں اور جب بھیجنے والا خود اقرار کرے کہ فلاں شخص میرا قاصد ہے تو لاکھ کوئی انکار کرے، اس کے انکار سے کیا ہوتا ہے۔ اسی گواہی کے اقرار کے لیے اللہ جل شانہٗ نے ''**مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ**'' ارشاد فرمایا۔ اس کے بعد آیتِ شریفہ میں اور بھی کئی اہم مضامین ہیں، مِنْجُملہ[۸] ان کے یہ ہے کہ چہرہ کے آثار نمایاں ہونے کی فضیلت ہے، اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں ایک یہ بھی ہے کہ شب بیداروں[۹] کے چہروں پر جو اَنوار و برکات ظاہر ہوتے ہیں، وہ مراد ہیں۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ یہ مُحقَّق[۱۰] امر ہے کہ رات کو دو شخص جاگیں، ایک لہو ولعب میں مشغول رہے، دوسرا نماز قرآن اور علم کے سیکھنے میں مشغول رہے، دوسرے دن دونوں کے چہرے کے نور میں کھلا ہوا فرق ہوگا۔ جو شخص لہو ولعب میں

حل لغات: (۱) ساتھ میں رہے ہوئے۔ (۲) تلاش۔ (۳) اثر۔ (۴) ظاہر۔ (۵) بیج سے سب سے پہلے نکلے ہوئے پودے کا سِرا۔ (۶) طاقتور۔ (۷) ترقی۔ (۸) ان تمام میں سے۔ (۹) رات کو جاگ کر عبادت کرنے والے۔ (۱۰) یقینی بات۔

مشغول ہے وہ اُس جیسا ہو ہی نہیں سکتا، جو ذکر وشکر میں رات بھر لگا رہے۔ تیسری اہم بات یہ ہے کہ حضرت امام مالکؒ اور ایک جماعت نے علماء کی اس آیت سے اُن لوگوں کے کفر پر استدلال[1] کیا ہے جو صحابۂ کرام ﷡ کو گالیاں دیتے ہیں، بُرا کہتے ہیں اُن سے بُغض[2] رکھتے ہیں۔ [ابن کثیر]

﴿۴۵﴾ ﴿ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ [سورۂ حدید:۱۶]	ترجمہ: کیا ایمان والوں کے لیے اس کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی یاد کے واسطے جھک جائیں۔
﴿۴۶﴾ ﴿ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ ﴾ [سورہ مجادلہ]	ترجمہ: (پہلے سے منافقوں کا ذکر ہے) ان پر شیطان کا تسلُّط[3] ہوگیا، پس اس نے ان کو ذِکر اللہ سے غافل کردیا۔ یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں، خوب سمجھ لو یہ بات مُحقّق[4] ہے کہ شیطان کا گروہ خسارہ[5] والا ہے۔
﴿۴۷﴾ ﴿ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰﴾ ﴾ [سورۂ جمعہ]	ترجمہ: پھر جب (جمعہ کی) نماز پوری ہو چکے تو (تم کو اجازت ہے کہ) تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو (یعنی دُنیا کے کاموں میں مشغول ہونے کی اجازت ہے؛ لیکن اُس میں بھی) اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو، تاکہ تم فلاح کو پہونچ جاؤ۔
﴿۴۸﴾ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹﴾ ﴾ [سورۂ منافقون]	ترجمہ: اے ایمان والو! تم کو تمھارے مال اور اولاد، اللہ کے ذکر سے اس کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں اور جو لوگ ایسا کریں گے وہی خسارہ والے ہیں (کیوں کہ یہ چیزیں تو دنیا ہی میں ختم ہو جانے والی ہیں اور اللہ کی یاد آخرت میں کام دینے والی ہے)۔
﴿۴۹﴾ ﴿ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ ﴾ [سورۂ جن]	ترجمہ: اور جو شخص اپنے پروردگار کی یاد سے رُوگردانی[6] اور اِعْراض[7] کرے گا، اللہ تعالیٰ اُس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا۔
﴿۵۰﴾ ﴿ وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ ﴾ [سورۂ جن]	ترجمہ: جب خدا کا خاص بندہ (یعنی محمد ﷺ) خدا کو پکارنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے، تو یہ کافر لوگ اُس بندہ پر بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار ہی کو پکارتا ہوں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔
﴿۵۱﴾ ﴿ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ﴿۸﴾ ﴾	ترجمہ: اور اپنے رب کا نام لیتے رہیں اور سب سے تعلقات مُنقطع[8] کرکے اُسی کی طرف متوجہ رہیں۔ (منقطع کرنے کا مطلب

حل لغات: ① دلیل قائم کرنا۔ ② عداوت، دشمنی۔ ③ قبضہ۔ ④ یقینی بات۔ ⑤ نقصان۔ ⑥ نافرمانی۔ ⑦ منہ پھیرنا۔ ⑧ توڑ کر۔

[سورۂ مزمل]	یہ ہے کہ اللہ کے تعلق کے مقابلہ میں سب مَغلُوب[1] ہوں)۔
﴿٥٢﴾ ﴿ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيلًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ۝ ﴾ [سورۂ دہر]	ترجمہ: اور اپنے رب کا صبح اور شام نام لیتے رہا کیجیے اور کسی قدر رات کے حصہ میں بھی اُس کو سجدہ کیا کیجیے اور رات کے بڑے حصہ میں اس کی تسبیح کیا کیجیے (مراد اس سے تہجد کی نماز ہے) یہ لوگ (جو آپ کے مُخالِف ہیں) دنیا سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے آگے (آنے والے) ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔
﴿٥٣﴾ ﴿ وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝ ﴾ [سورۂ قلم]	ترجمہ: یہ کافر لوگ جب ذِکر (قرآن) سنتے ہیں (تو شِدّتِ[2] عداوت سے) ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا آپ کو اپنی نگاہوں سے پھسلا کر گرادیں گے اور کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ تو مجنون[3] ہیں۔

فائدہ: نگاہ سے پھسلا کر گرادینا کِنایَہ[4] ہے دشمنی کی زیادتی سے، جیسا کہ ہمارے یہاں بولتے ہیں: ایسا دیکھ رہا ہے کہ کھا جائے گا۔ حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ جس کو نظر لگ گئی ہو اُس پر اس آیتِ شریفہ کو پڑھ کر دم[5] کرنا مفید ہے۔ [جمل]

﴿٥٤﴾ ﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝ ﴾ [سورۂ اعلیٰ]	ترجمہ: بے شک بامُراد[6] ہوگیا وہ شخص جو (بُرے اخلاق سے) پاک ہوگیا اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

فصلِ دوم: احادیثِ ذِکر میں

جب کہ اس مضمون میں قرآن پاک کی آیات اس کثرت سے موجود ہیں تو احادیث کا کیا پوچھنا؛ کیونکہ قرآن شریف کے کل تیس[30] پارے ہیں اور حدیث شریف کی لاتعداد[7] کتابیں ہیں اور ہر کتاب میں بے شُمار حدیثیں ہیں۔ ایک بخاری شریف ہی کے بڑے بڑے تیس پارے ہیں اور ابوداؤد شریف کے بتیس پارے ہیں اور کوئی کتاب بھی ایسی نہیں کہ اس مبارک ذکر سے خالی ہو، اس لیے احادیث کا اِحَاطَہ[8] تو کون کرسکتا ہے۔ نمونہ اور عمل کے واسطے ایک آیت اور ایک حدیث بھی کافی ہے اور جس کو عمل ہی نہیں کرنا، اُس کے لیے دفتر کے دفتر بھی بے کار ہیں ﴿ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ[9] اَسْفَارًا ﴾ [سورۂ جمعہ: ۵]

﴿١﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں

حل لغات: ① یعنی کچھ نہ ہوں، کوئی حیثیت نہ ہو۔ ② سخت دشمنی۔ ③ پاگل۔ ④ اشارہ۔ ⑤ پھونکنا۔ ⑥ کامیاب۔ ⑦ بے شمار۔ ⑧ گھیرنا مکمل جمع کرنا۔ ⑨ ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہو۔

رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : يَقُوْلُ اللهُ تَعَالىٰ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ ، وَأَنَا مَعَهٗ إِذَا ذَكَرَنِيْ ، فَإِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ ، وَإِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَإٍ ذَكَرْتُهٗ فِيْ مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ ، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا ، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا ، وَإِنْ أَتَانِيْ يَمْشِيْ أَتَيْتُهٗ هَرْوَلَةً .	کہ میں بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا مجمع میں ذکر کرتا ہے، تو میں اُس مجمع سے بہتر یعنی فرشتوں کے مَجْمَع میں (جو معصوم اور بے گناہ ہیں) تذکرہ کرتا ہوں اور اگر بندہ میری طرف ایک بالشت متوجہ ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اُس کی طرف مُتَوَجِّہ ہوتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ ادھر مُتَوَجِّہ ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر چلتا ہوں۔

[رواه أحمد، والبخاري، ومسلم، والترمذي، والنسائي، وابن ماجه، والبيهقي في الشعب، وأخرج أحمد والبيهقي في الأسماء والصفات عن أنس بمعناه بلفظ: يَا ابْنَ اٰدَمَ إِذَا ذَكَرْتَنِيْ فِيْ نَفْسِكَ الحديث. وفي الباب عن معاذ بن أنس عند الطبراني بإسناد حسن، وعن ابن عباس رضي الله عنهما عند البزار بإسناد صحيح، والبيهقي وغيرهما. وعن أبي هريرة رضي الله عنه عند ابن ماجه وابن حبان وغيرهما بلفظ: أَنَا مَعَ عَبْدِيْ إِذَا ذَكَرَنِيْ، وَتَحَرَّكَتْ بِيْ شَفَتَاهُ . كما في الدر المنثور والترغيب للمنذري، والمشكوٰة مختصراً وفيه برواية مسلم عن أبي ذر بمعناه، وفي الإتحاف علقه البخاري عن أبي هريرة بصيغة الجزم، ورواه ابن حبان من حديث أبي الدرداء. اهـ

فائدہ: اس حدیث شریف میں کئی مضمون وارد ہیں، اول یہ کہ ’’بندہ کے ساتھ اس کے گمان کے موافق معاملہ کرتا ہوں‘‘، جس کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ سے اس کے لُطف وکرم کی اُمید رکھنا چاہیے، اس کی رحمت سے ہرگز مایوس نہ ہونا چاہیے۔ یقیناً ہم لوگ گنہگار ہیں اور سَرَاپا[1] گناہ، اور اپنی حرکتوں اور گناہوں کی سزا اور بدلہ کا یقین ہے؛ لیکن اللہ کی رحمت سے مایوس بھی نہیں ہونا چاہیے۔ کیا بعید[2] ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ محض اپنے لطف وکرم سے بالکل ہی مُعاف فرمادیں کہ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ [سورۂ نساء: ۴۸] کلام اللہ شریف میں وارد ہے۔ ترجمہ: حق تعالیٰ شانہٗ شرک کے گناہ کو تو مُعاف نہیں فرمائیں گے، اس کے علاوہ جس کو چاہیں گے سب کچھ معاف فرمائیں گے۔ لیکن ضروری نہیں کہ معاف فرما ہی دیں۔ اسی وجہ سے علماء فرماتے ہیں کہ ایمان امید وخوف کے درمیان ہے۔ حضور اقدس ﷺ ایک نوجوان صحابی کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ نَزْع[3] کی حالت میں تھے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: کس حال میں ہو؟ عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ کی رحمت کا اُمیدوار ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈر رہا ہوں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں یعنی اُمید وخوف جس بندہ کے دل میں ایسی حالت میں ہوں تو اللہ جَلَّ شانہٗ جو اُمید

حل لغات: (۱) مکمل سر سے پیر تک۔ (۲) دور، مشکل۔ (۳) موت کا آخری وقت۔

ہے وہ عطا فرما دیتے ہیں اور جس کا خوف ہے اُس سے امن عطا فرما دیتے ہیں۔ [جمع الفوائد]

ایک حدیث میں آیا ہے کہ مومن اپنے گناہ کو ایسا سمجھتا ہے کہ گویا ایک پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے اور وہ پہاڑ اس پر گرنے لگا اور فاجر[1] شخص گناہ کو ایسا سمجھتا ہے گویا ایک مکھی بیٹھی تھی اُڑا دی، یعنی ذرا پرواہ نہیں ہوتی۔ مقصود یہ ہے کہ گناہ کا خوف اس کے مناسب ہونا چاہیے اور رحمت کی اُمید اس کے مناسب۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ طاعون[2] میں شہید ہوئے، انتقال کے قریب زمانہ میں بار بار غشی[3] ہوتی تھی۔ جب اِفاقہ[4] ہوتا تو فرماتے: یا اللہ! تجھے معلوم ہے کہ مجھ کو تجھ سے محبت ہے، تیری عزت کی قسم! تجھے یہ بات معلوم ہے۔ جب بالکل موت کا وقت قریب آگیا تو فرمایا کہ اے موت! تیرا آنا مبارک ہے، کیا ہی مبارک مہمان آیا؛ مگر فاقہ کی حالت میں یہ مہمان آیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: اے اللہ تجھے معلوم ہے کہ میں ہمیشہ تجھ سے ڈرتا رہا، آج تیرا اُمیدوار ہوں، یا اللہ! مجھے زندگی کی محبت تھی مگر نہریں کھودنے اور باغ لگانے کے واسطے نہیں تھی، بلکہ گرمیوں کی شدّتِ[5] پیاس برداشت کرنے اور (دین کی خاطر) مشقتیں جھیلنے کے واسطے اور ذکر کے حلقوں میں علماء کے پاس جم کر بیٹھنے کے واسطے تھی۔ [تہذیبُ اللّغات]

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حدیث بالا میں گمان کے موافق معاملہ عام حالات کے اعتبار سے ہے، خاص مغفرت کے متعلق نہیں، دعا، صحت، وُسعت، امن وغیرہ سب چیزیں اس میں داخل ہیں۔ مثلاً دعا کے ہی متعلق سمجھو، مطلب یہ ہے کہ اگر بندہ یہ یقین کرتا ہے کہ میری دُعا قبول ہوتی ہے اور ضرور ہوگی تو اُس کی دعا قبول ہوتی ہے اور اگر یہ گمان کرے کہ میری دُعا قبول نہیں ہوتی تو ویسا ہی معاملہ کیا جاتا ہے؛ چنانچہ دوسری احادیث میں آیا ہے کہ بندہ کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک یہ نہ کہنے لگے کہ میری تو دعا قبول نہیں ہوتی۔ اسی طرح صحت، تَوَنگری[6] وغیرہ سب امور کا حال ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص کو فاقہ کی نوبت آئے، اگر اس کو لوگوں سے کہتا پھرے تو تَوَنگری نصیب نہیں ہوتی۔ اللہ کی پاک بارگاہ میں عرض معروض[7] کرے تو جلد یہ حالت دور ہو جائے، لیکن یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کے ساتھ حُسنِ[8] ظن اور چیز ہے اور اللہ پر گھمنڈ دوسری چیز ہے۔ کلام اللہ شریف میں مختلف عنوانات سے اس پر تنبیہ کی گئی۔ ارشاد ہے: ﴿وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾﴾ [سورۂ لقمان] (اور دھوکہ میں نہ ڈالے تم کو دھوکہ باز) یعنی شیطان تم کو یہ نہ سمجھائے کہ گناہ کیے جاؤ، اللہ غفور رحیم ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ كَلَّا﴾ [سورۂ مریم] (کیا وہ غیب پر مُطّلع[9] ہو گیا یا اللہ تعالیٰ سے اُس نے عہد کر لیا ہے، ایسا ہر گز نہیں)۔

دوسرا مضمون یہ ہے کہ ''جب بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں''۔ دوسری حدیث

حل لغات: ① گناہ گار۔ ② ایک خطرناک بیماری۔ ③ بیہوشی۔ ④ ہوش، آرام۔ ⑤ سختی، زیادتی۔ ⑥ مالداری۔ ⑦ درخواست، گذارش۔ ⑧ اچھا گمان۔ ⑨ باخبر، واقف۔

میں ہے کہ جب بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو جب تک اس کے ہونٹ میری یاد میں حرکت کرتے رہتے ہیں، میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، یعنی میری خاص توجہ اس پر رہتی ہے اور خصوصی رحمت کا نُزُول ہوتا رہتا ہے۔

تیسرا مضمون یہ ہے کہ میں فرشتوں کے مجمع میں ذکر کرتا ہوں یعنی تَفَاخُر[1] کے طور پر اُس کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ آدمی کی خِلقت[2] جس ترکیب سے ہوئی ہے، اُس کے موافق اُس میں اِطاعت اور معصیت دونوں کا مادہ رکھا ہے۔ جیسا کہ حدیث نمبر ۸ر کے ذیل میں آرہا ہے، اس حالت میں طاعت کا کرنا یقیناً تفاخر کا سبب ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ فرشتوں نے اِبتدَاءِ خِلقَت[3] کے وقت عرض کیا تھا: آپ ایسی مخلوق کو پیدا فرماتے ہیں جو دنیا میں خُونریزی[4] اور فساد کرے گی اور اس کی وجہ بھی وہی مادہ فساد کا ان میں ہونا ہے، بخلاف فرشتوں کے کہ ان میں یہ مادہ نہیں؛ اسی لیے انھوں نے عرض کیا تھا کہ تیری تسبیح وتقدیس ہم کرتے ہی ہیں۔ تیسرے اس وجہ سے کہ انسان کی اِطاعت، اس کی عبادت فرشتوں کی عبادت سے اس وجہ سے بھی افضل ہے کہ انسان کی عبادت غیب کے ساتھ ہے اور فرشتوں کی عالم آخرت کے مُشَاہدہ[5] کے ساتھ ہے۔ اسی کی طرف اللہ پاک کے اس کلام میں اشارہ ہے کہ اگر وہ جنت ودوزخ کو دیکھ لیتے تو کیا ہوتا۔ ان وُجوہ سے حق تعالیٰ شانہٗ اپنے یاد کرنے والوں اور اپنی عبادت کرنے والوں کے کارنامے جتاتے ہیں۔

چوتھا مضمون حدیث میں یہ ہے کہ بندہ جس درجہ میں حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اُس سے زیادہ توجہ اور لُطف اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے اُس بندہ پر ہوتا ہے۔ یہی مطلب ہے قریب ہونے اور دوڑ کر چلنے کا کہ میرا لطف اور میری رحمت تیزی کے ساتھ اُس کی طرف چلتی ہے۔ اب ہر شخص کو اِختیار ہے کہ جس قدر رحمت ولُطفِ اِلٰہی کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے، اُتنی ہی اپنی توجہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف بڑھائے۔

پانچویں بحث اس حدیث شریف میں یہ ہے کہ اس میں فرشتوں کی جماعت کو بہتر بتایا ہے، ذکر کرنے والے شخص سے حالانکہ یہ مشہور امر ہے کہ انسان اَشرفُ المَخلُوقات[6] ہے۔ اس کی ایک وجہ تو ترجمہ میں ظاہر کر دی گئی کہ ان کا بہتر ہونا ایک خاص حیثیت سے ہے کہ وہ معصوم ہیں، اُن سے گناہ ہو ہی نہیں سکتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ باعتبار اکثر افراد کے ہے کہ اکثر افراد فرشتوں کے اکثر آدمیوں بلکہ اکثر مومنوں سے افضل ہیں۔ گو خاص مؤمن جیسے انبیاء علیہم السلام سارے ہی فرشتوں سے افضل ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی وُجوہ ہیں جن میں بَحث[7] طویل ہے۔

حل لغات: ① فخر۔ ② پیدائش۔ ③ سب سے پہلے پیدا کرتے وقت۔ ④ لڑائی، جھگڑا۔ ⑤ دیکھ لینا۔ ⑥ تمام مخلوق میں سب سے زیادہ عزت والا۔ ⑦ لمبی تفصیل۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! احکام تو شریعت کے بہت سے ہیں ہی، مجھے ایک چیز کوئی ایسی بتا دیجیے جس کو میں اپنا دستور اور اپنا مشغلہ بنالوں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ذکر سے تو ہر وقت رَطْبُ اللِّسان رہے۔	⑵ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلًا قَالَ : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! إِنَّ شَرَآئِعَ الْإِسْلَامِ قَدْ كَثُرَتْ عَلَيَّ فَأَخْبِرْنِيْ بِشَيْءٍ أَسْتَنُّ بِهِ . قَالَ : لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ.

[أخرجه ابن أبي شيبة وأحمد والترمذي وحسنه، وابن ماجه وابن حبان في صحيحه، والحاكم وصححه، والبيهقي كذا في الدر، وفي المشكوٰة برواية الترمذي و ابن ماجه، وحكي عن الترمذي حسن غريب . اھ قلت: وصححه الحاكم وأقره عليه الذهبي وفي الجامع الصغير برواية أبي نعيم في الحلية مختصرا بلفظ: ((أَنْ تُفَارِقَ الدُّنْيَا وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ)) ورقم له بالضعف، وبمعناه عن مالك بن يَخَامِرٍ ((أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قَالَ لَهُمْ : إِنَّ اٰخِرَ كَلَامٍ فَارَقْتُ عَلَيْهِ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَنْ قُلْتُ: أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ؟ قَالَ: أَنْ تَمُوْتَ وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ)) [أخرجه ابن أبي الدّنيا والبزار وابن حبان والطبراني والبيهقي كذا في الدر، والحصن الحصين والترغيب للمنذري وذكره في الجامع الصغير مختصرا وعزاه إلى ابن حبان في صحيحه وابن السني في عمل اليوم والليلة والطبراني في الكبير والبيهقي في الشعب وفي مجمع الزوائد رواه الطبراني بأسانيد]

ایک اور حدیث میں ہے: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جدائی کے وقت آخری گفتگو جو حضور ﷺ سے ہوئی وہ یہ تھی: میں نے دریافت کیا کہ سب اعمال میں محبوب ترین عمل اللہ کے نزدیک کیا ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس حال میں تیری موت آوے کہ اللہ کے ذکر میں رَطْبُ اللِّسان ہو۔

فائدہ: جدائی کے وقت کا مطلب یہ ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اہلِ یمن کی تبلیغ و تعلیم کے لیے یمن کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔ اس وقت رُخصت کے وقت حضور ﷺ نے کچھ وصیتیں بھی فرمائی تھیں اور انھوں نے بھی کچھ سوالات کیے تھے۔ شریعت کے اَحکام بہت سے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر حکم کی بجا آوری[3] تو ضروری ہے ہی، لیکن ہر چیز میں کمال پیدا کرنا اور اس کو مستقل مَشْغَلہ بنانا دشوار ہے، اس لیے ان میں سے ایک چیز جو سب سے اہم ہو مجھے ایسی بتا دیجیے کہ اس کو مضبوط پکڑ لوں اور ہر وقت، ہر جگہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے کرتا رہوں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص کو یہ مل جائیں اس کو دین و دنیا کی بھلائی مل جائے: ایک: وہ زبان جو ذکر میں مشغول رہنے والی ہو، دوسرے: وہ دل جو شُکر میں مشغول رہتا ہو، تیسرے: وہ بدن جو مَشَقَّت برداشت کرنے والا ہو، چوتھے: وہ بیوی جو اپنے نفس میں اور خاوند کے مال میں خیانت نہ کرے۔ نفس میں خیانت یہ ہے کہ کسی قسم کی گندگی میں مبتلا ہو جائے۔ رَطْبُ اللِّسان کا مطلب اکثر علماء نے ''کثرت'' کا لکھا ہے اور یہ عام مُحاوَرۃ[4] ہے۔ ہمارے

حل لغات: ① عادت۔ ② کام۔ ③ حکم پورا کرنا۔ ④ کہاوت۔

عُرف[1] میں بھی جو شخص کسی کی تعریف یا تذکرہ کثرت سے کرتا ہے، تو یہ بولا جاتا ہے کہ فلاں کی تعریف میں رَطْبُ اللِّسَان ہے۔ مگر بندۂ ناچیز کے خیال میں ایک دوسرا مطلب بھی ہوسکتا ہے، وہ یہ کہ جس سے عشق و محبت ہوتی ہے، اُس کے نام لینے سے منہ میں ایک لذت اور مزہ محسوس ہوا کرتا ہے۔ جن کو بابِ عشق سے کچھ سابقہ[2] پڑچکا ہے وہ اس سے واقف ہیں۔ اس بنا پر مطلب یہ ہے کہ اس لذت سے اللہ کا پاک نام لیا جائے کہ مزہ آجائے۔ میں نے اپنے بعض بزرگوں کو بکثرت دیکھا ہے کہ ذِکر بالجہر[3] کرتے ہوئے ایسی تَرَاوٹ آجاتی ہے کہ پاس بیٹھنے والا بھی اس کو محسوس کرتا ہے اور ایسا منہ میں پانی بھر جاتا ہے کہ ہر شخص اس کو محسوس کرتا ہے۔ مگر یہ جب حاصِل ہوتا ہے کہ جب دل میں چسک[4] ہو اور زبان کثرتِ ذکر کے ساتھ مانوس[5] ہوچکی ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ سے محبت کی علامت اس کے ذکر سے محبت ہے اور اللہ سے بُغض[6] کی عَلامت اس کے ذکر سے بُغض ہے۔

حضرت اَبو دَردَاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کی زبان اللہ کے ذکر سے تروتازہ رہتی ہے وہ جنت میں ہنستے ہوئے داخل ہوں گے۔

(۳) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضي الله عنه قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ أَعمَالِكُمْ وَأَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيْكِكُمْ وَأَرْفَعِهَا فِيْ دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرٍ لَّكُمْ مِّنْ إِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْوَرَقِ وَخَيْرٍ لَّكُمْ مِّنْ أَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوْا أَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوْا أَعْنَاقَكُمْ ؟ قَالُوْا: بَلٰى ، قَالَ : ذِكْرُ اللهِ.	حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا: کہا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمام اعمال میں بہترین چیز ہے اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ اور تمہارے درجوں کو بہت زیادہ بلند کرنے والی اور سونے چاندی کو (اللہ کے راستہ میں) خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر اور (جہاد میں) تم دشمنوں کو قتل کرو، وہ تم کو قتل کریں، اس سے بھی بڑھی ہوئی؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ضرور بتادیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کا ذکر ہے۔

أخرجه أحمد والترمذي وابن ماجه وابن أبي الدنيا والحاكم وصححه والبيهقي كذا في الدر والحصن الحصين. قلت: قال الحاكم، صحيح الإسناد ولم يخرجاه. وأقره عليه الذهبي ورقم له في الجامع الصغير بالصحة. وأخرجه أحمد عن معاذ بن جبل رضي الله عنه كذا في الدر وفيه أيضا برواية أحمد والترمذي والبيهقي عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ رضي الله عنه : سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَيُّ الْعِبَادِ أَفْضَلُ دَرَجَةً عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: الذَّاكِرُوْنَ اللهَ كَثِيْرًا، قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! وَمِنَ الْغَازِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ؟ قَالَ: لَوْ ضَرَبَ بِسَيْفِهٖ فِي الْكُفَّارِ وَالْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يَنْكَسِرَ وَيَخْتَضِبَ دَمًا لَكَانَ الذَّاكِرُوْنَ اللهَ أَفْضَلَ مِنْهُ دَرَجَةً.

فائدہ: یہ عام حالت اور ہر وقت کے اعتبار سے ارشاد فرمایا ہے ورنہ وقتی ضرورت کے اعتبار سے صدقہ،

حل لغات: (۱) یعنی بول چال۔ (۲) واسطہ۔ (۳) اونچی آواز سے ذکر۔ (۴) شوق۔ (۵) جانا پہچانا۔ (۶) دشمنی۔

جہاد وغیرہ امور سب سے افضل ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض احادیث میں ان چیزوں کی اَفضلیّت بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ ان کی ضرورتیں وقتی ہیں اور اللہ پاک کا ذکر دائمی[1] چیز ہے اور سب سے زیادہ اہم اور افضل۔ ایک حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر چیز کے لیے کوئی صاف کرنے والی اور میل کُچیل دور کرنے والی چیز ہوتی ہے۔ (مثلاً کپڑے اور بدن کے لیے صابون، لوہے کے لیے آگ کی بھٹی وغیرہ وغیرہ) دِلوں کی صفائی کرنے والی چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور کوئی چیز اللہ کے عذاب سے بچانے والی اللہ کے ذکر سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اس حدیث میں چونکہ ذکر کو دِل کی صفائی کا ذریعہ اور سبب بتایا ہے۔ اس سے بھی اللہ کے ذکر کا سب سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ہر عبادت اُسی وقت عبادت ہو سکتی ہے جب اِخلاص سے ہو اور اس کا مَدار[2] دِلوں کی صفائی پر ہے، اسی وجہ سے بعض صُوفیہ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ذکر سے مراد ذکرِ قلبی ہے نہ کہ زبانی ذکر، اور ذِکرِ قلبی یہ ہے کہ دل ہر وقت اللہ کے ساتھ وابستہ[3] ہو جائے اور اس میں کیا شک ہے کہ یہ حالت ساری عبادتوں سے افضل ہے، اس لیے کہ جب یہ حالت ہو جائے تو پھر کوئی عبادت چھوٹ ہی نہیں سکتی کہ سارے اعضاء ظاہرہ وباطنہ دل کے تابع ہیں، جس چیز کے ساتھ دل وابستہ ہو جاتا ہے، سارے ہی اعضاء اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ عُشّاق کے حالات سے کون بے خبر ہے۔

اور بھی بہت سی احادیث میں ذکر کا سب سے افضل ہونا وارد ہوا ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ سب سے بڑا عمل کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ تم نے قرآن شریف نہیں پڑھا؟ قرآن پاک میں ہے: ﴿ وَلَذِكْرُ اللهِ أَكْبَرُ ﴾ [سورۂ عنکبوت: ۴۵] کوئی چیز اللہ کے ذکر سے افضل نہیں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جس آیتِ شریفہ کی طرف اشارہ فرمایا وہ اکیسویں پارہ کی پہلی آیت ہے۔ صاحبِ مَجالِس الاَبرار کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اللہ کے ذکر کو صدقہ اور جہاد اور ساری عبادات سے افضل اس لیے فرمایا کہ اصل مقصود اللہ کا ذکر ہے اور ساری عبادتیں اس کا ذریعہ اور آلہ ہیں۔ اور ذکر بھی دو قسم کا ہوتا ہے: ایک زبانی اور ایک قلبی، جو زبان سے بھی افضل ہے اور وہ مُراقبہ اور دل کی سوچ ہے اور یہی مراد ہے اس حدیث سے، جس میں آیا ہے کہ ایک گھڑی کا سوچنا ستّر برس کی عبادت سے افضل ہے۔ مُسندِ اَحمد میں ہے: حضرت سہل رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ کا ذکر اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے سات لاکھ حصہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس تقریر سے یہ معلوم ہو گیا کہ صدقہ اور جہاد وغیرہ جو وقتی چیزیں ہیں، وقتی ضرورت کے اعتبار سے اُن کی فضیلت بہت زیادہ ہو جاتی ہے، لہٰذا ان احادیث میں کوئی اِشکال[4] نہیں جن میں ان چیزوں کی فضیلت وارد ہوئی ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ تھوڑی دیر کا اللہ کے راستہ میں کھڑا ہونا اپنے گھر پر ستّر سال

حل لغات: (۱) ہمیشہ رہنے والا۔ (۲) یعنی بنیاد۔ (۳) جڑنا۔ (۴) یعنی اعتراض۔

کی نماز سے افضل ہے، حالانکہ نماز بالاتفاق افضل ترین عبادت ہے؛ لیکن کفار کے ہُجوم[1] کے وقت جہاد اُس سے بہت زیادہ افضل ہو جاتا ہے۔

④ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ ﷺ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: لَيَذْكُرَنَّ اللهَ أَقْوَامٌ فِي الدُّنْيَا عَلَى الْفُرُشِ الْمُمَهَّدَةِ يُدْخِلُهُمُ اللهُ فِي الدَّرَجَاتِ الْعُلٰى.	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ دنیا میں نرم نرم بستروں پر اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ذکر کرتے ہیں جس کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہٗ جنت کے اعلیٰ درجوں میں ان کو پہونچا دیتا ہے۔

[أخرجه ابن حبان كذا في الدر. قلت: ويؤيده الحديث المتقدم قريبًا بِلَفْظِ((أَرْفَعُهَا فِيْ دَرَجَاتِكُمْ)) وَأَيْضًا قَوْلُهٗ ﷺ: سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ. قَالُوْا: وَمَا الْمُفَرِّدُوْنَ يَا رَسُوْلَ اللهِ! قَالَ: الذَّاكِرُوْنَ اللهَ كَثِيْرًا وَّالذَّاكِرَاتُ [رواه مسلم كذا في الحصن. وفي رواية: قَالَ: الْمُسْتَهْتِرُوْنَ فِيْ ذِكْرِ اللهِ يَضَعُ الذِّكْرُ عَنْهُمْ أَثْقَالَهُمْ فَيَأْتُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ خِفَافًا. رواه الترمذي والحاكم مختصراً وقال: صحيح على شرط الشيخين، وفي الجامع رواه الطبراني عن أبي الدرداء أيضًا.

فائدہ: یعنی دنیا میں مَشَقَّتیں جھیلنا، صَعُوبتیں[2] برداشت کرنا، آخرت کے رفعِ دَرَجات[3] کا سبب ہے اور جتنی بھی دینی امور میں یہاں مشقت اُٹھائی جائے گی۔ اتنا ہی بلند مرتبوں کا اِستحقاق[4] ہوگا؛ لیکن اللہ پاک کے مبارک ذِکر کی یہ برکت ہے کہ راحت وآرام سے نرم بستروں پر بیٹھ کر بھی کیا جائے، تب بھی رفعِ درجات کا سبب ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر تم ہر وقت ذِکر میں مشغول رہو تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں تم سے مُصافحہ کرنے لگیں۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ مُفرِّد لوگ بہت آگے بڑھ گئے۔ صحابہ ﷺ نے عرض کیا کہ مُفرِّد کون ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو اللہ کے ذِکر میں وَالِہانہ[5] طریقہ پر مشغول ہیں۔ اس حدیث کی بنا پر، صُوفیہ نے لکھا ہے کہ سَلاطِین[6] اور اُمَرَاء[7] کو اللہ کے ذِکر سے نہ روکنا چاہیے کہ وہ اس کی وجہ سے درجاتِ اعلیٰ حاصل کر سکتے ہیں۔ حضرت ابودرداء ﷺ فرماتے ہیں کہ تُو اللہ کے ذکر کو اپنی مَسَرَّتوں اور خوشیوں کے اوقات میں کر، وہ تجھ کو مشقتوں اور تکلیفوں کے وقت کام دے گا۔ حضرت سلمان فارسی ﷺ فرماتے ہیں کہ جب بندہ راحت کے، خوشی کے، ثَرْوَت[8] کے اوقات میں اللہ کا ذکر کرتا ہے پھر اُس کو کوئی مشقت اور تکلیف پہونچے، تو فرشتے کہتے ہیں کہ مانوس[9] آواز ہے جو ضعیف بندہ کی ہے، پھر اللہ کے یہاں اُس کی سفارش کرتے ہیں؛ اور جو شخص راحت کے اوقات میں اللہ کو یاد نہ کرے، پھر کوئی تکلیف اس کو پہونچے اور اس وقت یاد کرے، تو فرشتے کہتے ہیں کیسی غیر مانوس آواز ہے۔ حضرت ابن عباس ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں، ایک ان میں صرف ذاکرین

حل لغات: ① بڑی جماعت مراد جنگ کے وقت۔ ② مصیبت، تکلیف۔ ③ درجوں کا بلند ہونا۔ ④ حق دار ہونا۔ ⑤ عاشقانہ۔ ⑥ بادشاہوں۔ ⑦ امیر لوگ۔ ⑧ مال داری۔ ⑨ جانی پہچانی۔

کے لیے ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ کا ذکر کثرت سے کرے وہ نِفاق سے بَری ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ جلَّ شانہٗ اس سے محبت فرماتے ہیں۔ ایک سفر سے واپسی ہو رہی تھی ایک جگہ پہونچ کر حضور ﷺ نے فرمایا: آگے بڑھنے والے کہاں ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ بعض تیز رَو[1] آگے چلے گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: وہ آگے بڑھنے والے کہاں ہیں جو اللہ کے ذکر میں وَالہانہ مشغول ہیں، جو شخص یہ چاہے کہ جنت سے خوب سیراب ہو، وہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرے۔

⑤ عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى رضي الله عنه قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَثَلُ الَّذِيْ يَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِيْ لَا يَذْكُرُ رَبَّهٗ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ. [أخرجه البخاري ومسلم والبيهقي كذا في الدر والمشكوٰة]	ترجمہ: حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کا ذِکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا ان دونوں کی مثال زندہ اور مردے کی سی ہے کہ ذکر کرنے والا زندہ ہے اور ذکر نہ کرنے والا مُردہ ہے۔

فائدہ: زندگی ہر شخص کو محبوب ہے اور مرنے سے ہر شخص ہی گھبراتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو اللہ کا ذکر نہیں کرتا وہ زندہ بھی مردے ہی کے حکم میں ہے اُس کی زندگی بھی بے کار ہے۔

زِندَگانی نَتوَاں گُفت حَیاتِیکہ مَراست　　زندہ آنست کہ بادوست وِصالے دارد

کہتے ہیں کہ وہ زندگی ہی نہیں جو میری ہے، زندہ وہ ہے جس کو دوست کا وِصال[2] حاصل ہو۔

بعض علماء نے فرمایا ہے: یہ دل کی حالت کا بیان ہے کہ جو شخص اللہ کا ذِکر کرتا ہے اُس کا دل زندہ رہتا ہے اور جو ذِکر نہیں کرتا اُس کا دِل مرجاتا ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ تَشْبِیہ[3] نفع اور نقصان کے اعتبار سے ہے کہ اللہ کے ذکر کرنے والے شخص کو جو ستائے، وہ ایسا ہے جیسا کسی زندہ کو ستائے کہ اس سے اِنْتِقام لیا جائے گا اور وہ اپنے کیے کو بُھگتے گا اور غیر ذاکر کو ستانے والا ایسا ہے جیسا مردہ کو ستائے کہ وہ خود اِنْتِقام[4] نہیں لے سکتا۔ صُوفیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہمیشہ کی زندگی ہے کہ اللہ کا ذِکر کثرت سے، اخلاص کے ساتھ کرنے والے مرتے ہی نہیں؛ بلکہ وہ اس دنیا سے مُنْتَقِل ہو جانے کے بعد بھی زندوں ہی کے حکم میں رہتے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک میں شہید کے متعلق وارد ہوا ہے ﴿بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ [سورۂ آل عمران: ۱۶۹] اسی طرح ان کے لیے بھی ایک خاص قسم کی زندگی ہے۔

حکیم ترمذیؒ کہتے ہیں کہ اللہ کا ذِکر دل کو تَر[5] کرتا ہے اور نرمی پیدا کرتا ہے اور جب دل اللہ کے ذِکر سے خالی ہوتا ہے تو نفس کی گرمی اور شہوت کی آگ سے خشک ہو کر سخت ہو جاتا ہے اور سارے اعضاء سخت ہو جاتے ہیں، طاعت سے رُک جاتے ہیں۔ اگر ان اعضاء کو کھینچو تو ٹوٹ جائیں گے جیسے کہ خُشک لکڑی کہ جھکانے سے نہیں جُھکتی، صرف کاٹ کر جلا دینے کے کام کی رہ جاتی ہے۔

حل لغات: ① تیز چلنے والے۔ ② ملاقات۔ ③ ایک چیز کو دوسری چیز جیسا بیان کرنا۔ ④ بدلہ۔ ⑤ تازہ۔

⑥ عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : لَوْ أَنَّ رَجُلًا فِيْ حِجْرِهٖ دَرَاهِمُ يَقْسِمُهَا. وَاٰخَرُ يَذْكُرُ اللّٰهَ لَكَانَ الذَّاكِرُ لِلّٰهِ أَفْضَلُ.	حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر ایک شخص کے پاس بہت سے روپے ہوں اور وہ ان کو تقسیم کر رہا ہو اور دوسرا شخص اللہ کے ذِکر میں مشغول ہو تو ذِکر کرنے والا افضل ہے۔

[أخرجه الطبراني كذا في الدر وفي مجمع الزوائد رواه الطبراني في الأوسط ورجاله وثقوا]

فائدہ: یعنی اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا کتنی ہی بڑی چیز کیوں نہ ہو؛ لیکن اللہ کی یاد اس کے مقابلہ میں بھی افضل ہے۔ پھر کس قدر خوش نصیب ہیں وہ مالدار اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے والے، جن کو اللہ کے ذکر کی بھی توفیق نصیب ہو جائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے بھی روزانہ بندوں پر صدقہ ہوتا رہتا ہے اور ہر شخص کو اُس کی حیثیت کے موافق کچھ نہ کچھ عطا ہوتا رہتا ہے؛ لیکن کوئی عطا اس سے بڑھ کر نہیں کہ اُس کو اللہ کے ذِکر کی توفیق ہو جائے۔ جو لوگ کاروبار میں مشغول رہتے ہیں، تجارت، زِراعت[1]، مُلازمت میں گِھرے رہتے ہیں، اگر تھوڑا بہت وقت اللہ کی یاد کے لیے اپنے اوقات میں سے نکال لیں تو کیسی مفت کی کمائی ہے۔ دن رات کے چوبیس[24] گھنٹوں میں سے دو[2] چار[4] گھنٹے اس کام کے لیے نکال لینا کون سی مشکل بات ہے، آخر فُضولیات[2] لَغویات[3] میں بہت سا وقت خرچ ہوتا ہے، اس کارآمد[4] چیز کے واسطے وقت نکالنا کیا دشوار ہے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں: جو اللہ کے ذِکر کے واسطے چاند سورج ستارے اور سایہ کی تحقیق[5] رکھتے ہیں۔ یعنی اوقات کی تحقیق کا اہتمام کرتے ہیں، اگرچہ اس زمانہ میں گھڑی گھنٹوں کی کثرت نے اس سے بے نیاز کر دیا۔ پھر بھی فی الجُملہ[6] واقفیت ان چیزوں کی مناسب ہے کہ گھڑی کے خراب اور غلط ہو جانے کی صورت میں اوقات ضائع نہ ہو جائیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ زمین کے جس حصہ پر اللہ کا ذِکر کیا جائے وہ حصہ نیچے ساتوں زمینوں تک دوسرے حصوں پر فخر کرتا ہے۔

⑦ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ يَتَحَسَّرُ أَهْلُ الْجَنَّةِ إِلَّا عَلٰى سَاعَةٍ مَّرَّتْ بِهِمْ لَمْ يَذْكُرُوْا اللّٰهَ تَعَالٰى فِيْهَا.	حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جنت میں جانے کے بعد اہلِ جنت کو دنیا کی کسی چیز کا بھی قَلَق[7] و افسوس نہیں ہوگا بجز[8] اُس گھڑی کے جو دنیا میں اللہ کے ذِکر کے بغیر گذر گئی ہو۔

[أخرجه الطبراني والبيهقي كذا في الدر. وفي الجامع : رواه الطبراني في الكبير والبيهقي في الشعب ورقم له بالحسن. وفي مجمع الزوائد: رواه الطبراني ورجاله ثقات. في شيخ الطبراني خلاف. وأخرج ابن أبي الدنيا

حل لغات: ① کھیتی باڑی۔ ② بیکار کام۔ ③ بیہودہ باتیں۔ ④ کام آنے والی۔ ⑤ معلومات رکھنا۔ ⑥ بات کا حاصل۔ ⑦ پچھتاوا۔ ⑧ سوائے۔

والبيهقي عن عائشة ﷺ بمعناه مرفوعًا كذا في الدر. وفي الترغيب بمعناه عن أبي هريرة ؓ مرفوعًا، وقال: رواه أحمد بإسناد صحيح وابن حبان والحاكم وقال: صحيح على شرط البخاري]

فائدہ: جنت میں جانے کے بعد جب یہ منظر سامنے ہوگا کہ ایک دفعہ اس پاک نام کو لینے کا اجر وثواب کتنا زیادہ مقدار میں ہے کہ پہاڑوں کے برابر مل رہا ہے، تو اُس وقت اپنی اس کمائی کے نقصان پر جس قدر بھی افسوس ہوگا؛ ظاہر ہے۔ ایسے خوش نصیب بندے بھی ہیں جن کو دنیا ہی بغیر ذِکرُ اللہ کے اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ حافظ ابن حجرؒ نے مُنبّہات میں لکھا ہے کہ یحییٰ بن مُعاذ رازیؒ اپنی مناجات میں کہا کرتے تھے: إِلٰهِي لَا يَطِيْبُ اللَّيْلُ إِلَّا بِمُنَاجَاتِكَ ، وَلَا يَطِيْبُ النَّهَارُ إِلَّا بِطَاعَتِكَ ، وَلَا تَطِيْبُ الدُّنْيَا إِلَّا بِذِكْرِكَ ، وَلَا تَطِيْبُ الْاٰخِرَةُ إِلَّا بِعَفْوِكَ ، وَلَا تَطِيْبُ الْجَنَّةُ إِلَّا بِرُؤْيَتِكَ . یا اللہ! رات اچھی نہیں لگتی مگر تجھ سے راز ونیاز[1] کے ساتھ، اور دن اچھا معلوم نہیں ہوتا مگر تیری عبادت کے ساتھ، اور دنیا اچھی نہیں معلوم ہوتی مگر تیرے ذکر کے ساتھ، اور آخرت بھلی نہیں مگر تیری معافی کے ساتھ، اور جنت میں لُطف نہیں مگر تیرے دیدار[2] کے ساتھ۔

حضرت سِرّیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جُرجانیؒ کو دیکھا کہ سَتّو پھانک رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ خشک[3] ہی پھانک رہے ہو؟ کہنے لگے کہ میں نے روٹی چبانے اور پھانکنے کا جب حساب لگایا تو چبانے میں اتنا وقت زیادہ خرچ ہوتا ہے کہ اُس میں آدمی ستر مرتبہ ''سبحان اللہ'' کہہ سکتا ہے۔ اس لیے میں نے چالیس برس سے روٹی کھانا چھوڑ دی، ستو پھانک کر گذر کر لیتا ہوں۔

مَنصور بن مُعتمِرؒ کے متعلق لکھا ہے کہ چالیسؔ برس تک عشاء کے بعد کسی سے بات نہیں کی۔ رَبیع بن خُثَیمؒ کے متعلق لکھا ہے کہ بیس برس تک جو بات کرتے اُس کو ایک پرچہ پر لکھ لیتے اور رات کو اپنے دل سے حساب کرتے کہ کتنی بات اس میں ضروری تھی اور کتنی غیر ضروری۔

⑧ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ وأَبِيْ سَعِيْدٍ ؓ أَنَّهُمَا شَهِدَا عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ أَنَّهٗ قَالَ لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللهَ إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ .	حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوسعید ؓ دونوں حضرات اس کی گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے حضور ﷺ سے سنا، ارشاد فرماتے تھے کہ جو جماعت اللہ کے ذِکر میں مشغول ہو، فرشتے اُس جماعت کو سب طرف سے گھیر لیتے ہیں اور رحمت اُن کو ڈھانک لیتی ہے اور سکینہ اُن پر نازل ہوتی ہے اور اللہ جلّ شانہٗ ان کا تذکرہ اپنی مجلس میں (تفاخر کے طور پر) فرماتے ہیں۔

[أخرجه ابن أبي شيبة وأحمد ومسلم والترمذي وابن ماجه والبيهقي كذا في الدر، والحصن والمشكوة، وفي حديث طويل لِأَبِيْ ذَرٍّ: أُوْصِيْكَ بِتَقْوَى اللهِ فَإِنَّهٗ رَأْسُ الْأَمْرِ كُلِّهٖ ، وَعَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ وَذِكْرِ اللهِ

حل لغات: ① عاشق ومعشوق کی پوشیدہ باتیں۔ ② دیکھنا، زیارت۔ ③ سوکھا۔

فَإِنَّهُ ذِكْرٌ لَكَ فِي السَّمَاءِ وَنُورٌ لَّكَ فِي الْأَرْضِ. الحديث. ذكره في الجامع الصغير برواية الطبراني، وعبد بن حميد في تفسيره ورقم له بالحسن]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ میں تجھے اللہ کے تقویٰ کی وَصِیَّت کرتا ہوں کہ تمام چیزوں کی جڑ ہے، اور قرآن شریف کی تلاوت اور اللہ کے ذکر کا اِہتمام کر کہ اس سے آسمانوں میں تیرا ذکر ہوگا اور زمین میں نور کا سبب بنے گا، اکثر اوقات چپ رہا کر کہ بھلائی بغیر کوئی کلام نہ ہو؛ یہ بات شیطان کو دور کرتی ہے اور دین کے کاموں میں مددگار ہوتی ہے، زیادہ ہنسی سے بھی بچتا رہ کہ اس سے دل مرجاتا ہے اور چہرہ کا نور جاتا رہتا ہے، جہاد کرتے رہنا کہ میری اُمت کی فقیری یہی ہے، مسکینوں سے محبت رکھنا، ان کے پاس اکثر بیٹھتے رہنا، اور اپنے سے کم حیثیت لوگوں پر نگاہ رکھنا، اور اپنے سے اُونچے لوگوں پر نگاہ نہ کرنا کہ اس سے اللہ کی اُن نعمتوں کی ناقدری پیدا ہوتی ہے۔ جو اللہ نے تجھے عطا فرمائی ہیں، قَرابت[1] والوں سے تَعَلُّقَات جوڑنے کی فکر[2] رکھنا وہ اگر چہ[3] تجھ سے تعلقات توڑ دیں، حق بات کہنے میں تردُّد نہ کرنا گو کسی کو کڑوی لگے، اللہ کے معاملہ میں کسی کی مَلامت[4] کی پرواہ نہ کرنا، تجھے اپنی عیب بینی[5] دوسروں کے عُیوب پر نظر نہ کرنے دے اور جس عیب میں خود مُبتَلا ہو اُس میں دوسرے پر غصہ نہ کرنا، اے ابوذر! حُسنِ تدبیر[6] سے بڑھ کر کوئی عقلمندی نہیں اور ناجائز امور سے بچنا بہترین پرہیزگاری ہے اور خوش خُلقی[7] کی برابر کوئی شرافت نہیں''۔

فائدہ: سکینہ کے معنی سکون و وقار کے ہیں یا کسی مخصوص رحمت کے، جس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں، جن کو مختصر طور پر میں اپنے رسالہ ''چہل حدیث'' جدید در فضائلِ قرآن میں لکھ چکا ہوں۔ امام نَوَوِیؒ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی ایسی مخصوص چیز ہے جو طمانینت[8]، رحمت وغیرہ سب کو شامل ہے اور مَلائکہ کے ساتھ اُترتی ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ کا ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے تَفاخُر کے طور پر فرمانا ایک تو اس وجہ سے ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت عرض کیا تھا کہ یہ لوگ دنیا میں فساد کریں گے۔ جیسا کہ پہلی حدیث کے ذیل میں گزر چکا ہے۔ دوسرے اس وجہ سے ہے کہ فرشتوں کی جماعت اگر چہ سراپا عبادت، سراپا بندگی واطاعت ہے؛ لیکن ان میں معصیت[9] کا مادہ بھی نہیں ہے اور انسان میں چونکہ دونوں مادّے موجود ہیں اور غفلت اور نافرمانی کے اسباب اس کو گھیرے ہوئے ہیں، شہوتیں لذّتیں اُس کا جزو ہیں؛ اس لیے اس سے ان سب کے مقابلہ میں جو عبادت جو اطاعت ہو اور جو معصیت کا مقابلہ ہو وہ زیادہ قابلِ مدح[10] اور قابلِ قدر ہے۔

حدیث میں آتا ہے، کہ جب حق تعالیٰ شانہٗ نے جنت کو بنایا تو حضرت جبرئیل علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو ارشاد ہوا کہ اس کو دیکھ کر آؤ، اُنھوں نے آکر عرض کیا: یا اللہ! آپ کی عزّت کی قسم! جو شخص بھی اس کی خبر سن

حل لغات: ① رشتہ دار۔ ② سوچ، فکر۔ ③ اگر چہ۔ ④ بُرا بھلا کہنا۔ ⑤ عیب نکالنا۔ ⑥ بہترین حکمت۔ ⑦ اچھی عادتیں۔ ⑧ اطمینان۔ ⑨ گناہ۔ ⑩ تعریف کے لائق۔

لے گا، اس میں جائے بغیر نہیں رہے گا، یعنی لَذّتیں اور راحتیں، فرحتیں[1]، نعمتیں جس قدر اُس میں رکھی گئی ہیں اُن کے سننے اور یقین آجانے کے بعد کون ہوگا جو اُس میں جانے کی انتہائی کوشش نہ کرے گا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کو مشقّتوں سے ڈھانک دیا کہ نمازیں پڑھنا، روزے رکھنا، جہاد کرنا، حج کرنا وغیرہ وغیرہ اس پر سوار کردیے گئے کہ ان کو بجالاؤ تو جنت میں جاؤ اور پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ارشاد ہوا کہ اب دیکھو! اُنھوں نے عرض کیا کہ اب تو یا اللہ! مجھے یہ اَندیشہ[2] ہے کہ کوئی اس میں جا ہی نہ سکے گا۔ اسی طرح جب جہنم کو بنایا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اس کے دیکھنے کا حکم ہوا، وہاں کے عذاب، وہاں کے مَصائب، گندگیاں اور تکلیفیں دیکھ کر انھوں نے عرض کیا کہ یا اللہ! آپ کی عزت کی قسم! جو شخص اس کے حالات سن لے گا کبھی بھی اس کے پاس نہ جائے گا۔ حق سبحانہٗ وتقدّس نے دنیا کی لذتوں سے اُس کو ڈھانک دیا کہ زنا کرنا، شراب پینا، ظلم کرنا، اَحکام پر عمل نہ کرنا وغیرہ وغیرہ کا پردہ اُس پر ڈال دیا گیا۔ پھر ارشاد ہوا کہ اب دیکھو انھوں نے عرض کیا کہ یا اللہ! اب تو مجھے اندیشہ ہوگیا کہ شاید ہی کوئی اس سے بچے۔ اسی وجہ سے جب کوئی بندہ اللہ کی اِطاعت کرتا ہے، گناہ سے بچتا ہے تو اس ماحول کے اعتبار سے جس میں وہ ہے قابلِ قدر ہوتا ہے، اسی وجہ سے حق تعالیٰ شانہٗ اظہارِ مَسرّت[3] فرماتے ہیں۔

جن فرشتوں کا اس حدیث پاک میں اور اس قسم کی بہت سی حدیثوں میں ذکر آیا ہے، وہ فرشتوں کی ایک خاص جماعت ہے جو اسی کام پر متعین ہے کہ جہاں اللہ کے ذکر کی مجالس ہوں، اللہ کا ذکر کیا جارہا ہو وہاں جمع ہوں اور اُس کو سنیں؛ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت مُتفرِّق[4] طور پر پھرتی رہتی ہے اور جس جگہ اللہ کا ذکر سنتی ہے اپنے ساتھیوں کو آواز دیتی ہے کہ آجاؤ اس جگہ تمہارا مقصود اور غرض موجود ہے اور پھر ایک دوسرے پر جمع ہوتے رہتے ہیں حتیٰ کہ آسمان تک اُن کا حلقہ پہونچ جاتا ہے۔ جیسا کہ تیسرے باب کی دوسری فصل کے نمبر چودہ ۱۴ پر آرہا ہے۔

⑨ عَنْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ خَرَجَ عَلٰى حَلْقَةٍ مِنْ أَصْحَابِهٖ فَقَالَ: مَا أَجْلَسَكُمْ؟ قَالُوْا: جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللهَ وَنَحْمَدُهٗ عَلٰى مَا هَدَانَا لِلْإِسْلَامِ وَمَنَّ بِهٖ عَلَيْنَا: قَالَ: آللّٰهُ مَا أَجْلَسَكُمْ إِلَّا ذٰلِكَ؟ قَالُوْا: آللّٰهُ مَا أَجْلَسَنَا إِلَّا ذٰلِكَ. قَالَ: أَمَا إِنِّيْ لَمْ أَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً	حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ کس بات نے تم لوگوں کو یہاں بٹھایا ہے؟ عرض کیا کہ اللہ جلّ شانہٗ کا ذکر کررہے ہیں اور اس بات پر اس کی حمد وثنا کررہے ہیں کہ اُس نے ہم لوگوں کو اسلام کی دولت سے نوازا، یہ اللہ کا بڑا ہی احسان ہم پر ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا خدا کی قسم! صرف اسی وجہ سے بیٹھے ہو؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، خدا کی قسم!

حل لغات: (۱) خوشیاں۔ (۲) ڈر۔ (۳) خوشی ظاہر کرنا۔ (۴) الگ الگ۔

لَكُمْ وَلٰكِنْ أَتَانِيْ جِبْرَئِيْلُ فَأَخْبَرَنِيْ أَنَّ اللّٰهَ يُبَاهِيْ بِكُمُ الْمَلَائِكَةَ. [أخرجه ابن أبي شيبة وأحمد ومسلم والترمذي والنسائي كذا في الدر والمشكوة]	صرف اسی وجہ سے بیٹھے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کہ کسی بدگمانی کی وجہ سے میں نے تم لوگوں کو قسم نہیں دی؛ بلکہ جبرئیل میرے پاس ابھی آئے تھے اور یہ خبر سنا گئے کہ اللہ جلّ شانہٗ تم لوگوں کی وجہ سے ملائکہ پر فخر فرمارہے ہیں۔

فائدہ: یعنی میں نے جو قسم دے کر پوچھا اُس سے مقصود اہتمام اور تاکید تھی کہ ممکن ہے کوئی اور خاص بات بھی اس کے علاوہ ہوا اور وہ بات اللہ جلّ شانہٗ کے فخر کا سبب ہو، اب معلوم ہوگیا کہ صرف یہ تذکرہ ہی سببِ فخر ہے۔ کس قدر خوش قسمت تھے وہ لوگ جن کی عبادتیں مقبول تھیں اور ان کی حمد وثنا پر حق تعالیٰ شانہٗ کے فخر کی خوشخبری اُن کو نبی ﷺ کی زبان سے دنیا ہی میں معلوم ہوجاتی تھی؛ اور کیوں نہ ہوتا کہ ان حضرات کے کارنامے اسی کے مُستحق تھے۔ ان کے کارناموں کا مُختصر تذکرہ میں اپنے رسالہ "حکایاتِ صحابہؓ" میں نمونہ کے طور پر لکھ چکا ہوں۔

مُلّا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ فخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ دیکھو! یہ لوگ باوجودیکہ نفس ان کے ساتھ ہے، شیطان ان پر مُسلَّط ہے، شہوتیں ان میں موجود ہیں، دنیا کی ضرورتیں ان کے پیچھے لگی ہوئی ہیں؛ ان سب کے باوجود، ان سب کے مقابلہ میں اللہ کے ذکر میں مشغول ہیں اور اتنی کثرت سے ہٹانے والی چیزوں کے باوجود میرے ذکر سے نہیں ہٹتے۔ تمہارا ذکر وتسبیح اس لحاظ سے کہ تمہارے لیے کوئی مانع[1] بھی اِن میں سے نہیں ہے، ان کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ہے۔

(١٠) عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَا مِنْ قَوْمٍ اِجْتَمَعُوْا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ لَا يُرِيْدُوْنَ بِذٰلِكَ إِلَّا وَجْهَهٗ إِلَّا نَادَاهُمْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ: أَنْ قُوْمُوْا مَغْفُوْرًا لَّكُمْ قَدْ بُدِّلَتْ سَيِّئَاتُكُمْ حَسَنَاتٍ.	حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو بھی لوگ اللہ کے ذکر کے لیے مُجتمع[2] ہوں، اور ان کا مقصود صرف اللہ ہی کی رضا ہو تو آسمان سے ایک فرشتہ نِدا[3] کرتا ہے کہ تم لوگ بخش دیے گئے اور تمہاری برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئیں۔ دوسری حدیث میں ہے: اس کے بالمقابل جو اجتماع ایسا ہو کہ اس میں اللہ پاک کا کوئی ذکر ہو ہی نہیں تو یہ اجتماع قیامت کے دن حسرت[4] وافسوس کا سبب ہوگا۔

[أخرجه أحمد والبزار وأبويعلى والطبراني. وأخرجه الطبراني عن سهل بن الحنظلية أيضًا. وأخرجه البيهقي عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ وَزَادَ: وَمَا مِنْ قَوْمٍ اِجْتَمَعُوْا فِيْ مَجْلِسٍ فَتَفَرَّقُوْا وَلَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ إِلَّا كَانَ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. كذا في الدر. قال المنذري: رواه الطبراني في الكبير والأوسط ورواته محتج بهم في الصحيح. وفي الباب عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عند أحمد وابن حبان وغيرهما وصححه الحاكم على شرط مسلم في موضع وعلى شرط البخاري في موضع أخرىٰ. وعزا السيوطي في الجامع حديث سهل إلى الطبراني والبيهقي في الشعب والضياء ورقم له بالحسن. وفي الباب روايات ذكرها في مجمع الزوائد]

حل لغات: (١) روکنے والی چیز۔ (٢) جمع ہونا۔ (٣) آواز لگانا۔ (٤) پچھتاوا۔

فائدہ: یعنی اس اجتماع کی بے برکتی اور اِضاعت[1] پر حسرت ہوگی اور کیا بعید ہے کہ وبال کا سبب کسی وجہ سے بن جائے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس مجلس میں اللہ کا ذکر نہ ہو، حضور ﷺ پر درود نہ ہو، اُس مجلس والے ایسے ہیں جیسے مرے ہوئے گدھے پر سے اُٹھے ہوں۔

مَجلِس کا کفّارہ: ایک حدیث میں آیا ہے کہ مجلس کا کفّارہ یہ ہے کہ اس کے اِختتام[2] پر یہ دعا پڑھ لے: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ. أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ[3]. ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جو بھی مجلس ایسی ہو جس میں اللہ کا ذکر، حضور ﷺ پر درود شریف نہ ہو، وہ مجلس قیامت کے دن حسرت اور نقصان کا سبب ہوگی۔ پھر حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف سے چاہے مغفرت فرماویں، چاہے مُطالبہ[4] اور عذاب فرماویں۔ ایک حدیث میں ہے کہ مجلسوں کا حق ادا کیا کرو اور وہ یہ ہے کہ اللہ کا ذکر اُن میں کثرت سے کرو۔ راہ گیروں[5] کو (بوقتِ ضرورت) راستہ بتاؤ اور (ناجائز چیز سامنے آجائے تو) آنکھیں بند کرلو (یا نیچی کرلو کہ اُس پر نگاہ نہ پڑے)۔

حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کا ثواب بہت بڑی ترازو میں تُلے (یعنی ثواب بہت زیادہ مقدار میں ہو کہ وہی بڑی ترازو میں تُلے گا، معمولی چیز تو بڑی ترازو کے پاسنگ[6] میں آجائے گی) اُس کو چاہیے کہ مجلس کے ختم پر یہ دعا پڑھا کرے: سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ[7]. [حصن وہامشہ]

حدیثِ بالا میں برائیوں کے نیکیوں سے بدل دینے کی بشارت بھی ہے۔ قرآن پاک میں بھی سورۂ فرقان کے ختم پر مؤمنوں کی چند صفات ذکر فرمانے کے بعد ارشاد ہے ﴿فَأُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾ [سورۂ فرقان] (پس یہی لوگ ہیں جن کی برائیوں کو حق تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں)

اس آیت شریفہ کے متعلق علمائے تفسیر کے چند اقوال ہیں: ایک یہ کہ سَیِّئات[8] معاف فرمادی جائیں گی اور حَسَنات[9] باقی رہ جائیں گی، گویا یہ بھی تبدیلی ہے کہ سیئہ کوئی باقی نہیں رہی۔ دوسرے یہ کہ ان لوگوں کو بجائے بُرے اعمال کرنے کے نیک اعمال کی توفیق حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں نصیب ہوگی جیسا کہ بولتے ہیں: گرمی کے بجائے سردی ہوگئی۔ تیسرے یہ کہ اُن کی عادتوں کا تعلّق بجائے بُری چیزوں کے اچھی

حل لغات: (۱) ضائع کرنا۔ (۲) ختم ہونا۔ (۳) اللہ کی ذات پاک ہے اور تمام تعریفیں اس کے لیے ہیں اے اللہ میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ صرف تو ہی معبود ہے، میں اپنے گناہوں کی تجھ سے بخشش چاہتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔ (۴) یعنی پوچھ تاچھ۔ (۵) راستہ چلنے والے۔ (۶) وہ چھوٹا وزن جو ترازو کے ایک پلے میں دوسرے پلے سے وزن برابر کرنے کے لیے ڈالتے ہیں۔ (۷) آپ کا رب جو بڑی عظمت والا ہے ان باتوں سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں، اور سلامتی نازل ہو تمام رسولوں پر اور تمام تر خوبیاں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔ (۸) گناہ۔ (۹) نیکیاں۔

چیزوں کے ساتھ وابستہ ہوجاتا ہے۔اس کی توضیح[1] یہ ہے کہ آدمی کی عادتیں طبعی[2] ہوتی ہیں جو بدلتی نہیں، اسی وجہ سے ضرب[3] المثل ہے "جَبَلْ گَرْدَدْ جِبِلَّتْ[4] نَہ گَرْدَدْ" اور یہ مَثَل بھی ایک حدیث سے ماخوذ[5] ہے، جس میں ارشاد ہے کہ اگر تم سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا اور دوسری جگہ چلا گیا تو اس کی تصدیق کرلو، لیکن اگر سنو کہ طبیعت بدل گئی ہے تو اُس کی تصدیق نہ کرو۔ گویا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ عادات کا زائل[6] ہونا پہاڑ کے زائل ہونے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔اس کے بعد پھر اِشکال[7] ہوتا ہے کہ صوفیہ اور مشائخ جو عادات کی اصلاح کرتے ہیں، اُس کا کیا مطلب ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عادتیں نہیں بدلتیں بلکہ اُن کا تعلق بدل جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کے مزاج میں غصہ ہے، وہ مشائخ کی اصلاح اور مُجاہدوں سے ایسا ہوجائے کہ غصہ بالکل نہ رہے یہ تو دُشوار ہے؛ ہاں اس غصہ کا تعلق پہلے سے جن چیزوں کے ساتھ تھا، مثلاً بے جا[8] ظلم، تکبر وغیرہ اب بجائے ان کے اللہ کی نافرمانیوں پر، اُس کے اَحکام کی خِلاف ورزی وغیرہ وغیرہ کی طرف مُنتقل ہوجاتا ہے۔ وہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو ایک زمانہ میں مسلمانوں کے ایذا رَسانی[9] میں کوئی دَقیقہ[10] نہ چھوڑتے تھے، ایمان کے بعد حضور ﷺ کے فیضِ[11] صحبت سے کُفّار و فُسّاق پر اسی طرح ٹوٹتے تھے۔ اسی طرح اور اخلاق کا بھی حال ہے، اس توضیح کے بعد اب مطلب یہ ہوا کہ حق تعالیٰ شانہٗ ایسے لوگوں کے اخلاق کا تعلق بجائے معاصی[12] کے حَسَنات سے فرمادیتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ حق تعالیٰ شانہٗ ان کو اپنی برائیوں پر توبہ کی توفیق عطا فرماتے ہیں، جس کی وجہ سے پرانے پُرانے گناہ یاد آکر نَدامت اور توبہ کا سبب ہوتا ہے اور ہر گناہ کے بدلے ایک توبہ جو عبادت ہے اور نیکی ہے ثَبت[13] ہوجاتی ہے۔ پانچویں یہ ہے کہ اگر مولائے کریم کو کسی کی کوئی ادا پسند ہوا اور اُس کو اپنے فضل سے بُرائیوں کے برابر نیکیاں دے تو کسی کے باپ کا کیا اِجارہ[14] ہے، وہ مالک ہے، بادشاہ ہے، قدرت والا ہے، اس کی رحمت کی وُسعت کا کیا کہنا، اُس کی مغفرت کا دروازہ کون بند کرسکتا ہے، اُس کی عطا کو کون روک سکتا ہے، جو دے رہا ہے وہ اپنی ہی مِلک[15] سے دیتا ہے۔ اس کو اپنی قدرت کے مَظاہِر[16] بھی دکھانا ہیں، اپنی مغفرت کے کَرِشمے بھی اسی دن ظاہر کرنا ہیں۔

احادیث میں مَحشر کا نظارہ اور حساب کی جانچ مختلف طریقوں سے وارد ہوئی ہے، جس کو صاحبِ بَہجۃ النُّفُوس نے مختصر طور پر ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ حساب چند اَنواع[17] پر مُنقسم[18] ہوگا۔ ایک نوع یہ ہوگی کہ بعض بندوں سے نہایت مَخفی[19] رحمت کے پردہ میں مُحاسبہ[20] ہوگا اور ان کے گناہ ان کو گنوائے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ تو نے فلاں وقت یہ گناہ کیا، فلاں وقت ایسا کیا اور اس کو اقرار بغیر چارۂ[21] کار نہ ہوگا؛ حتیٰ کہ وہ گناہوں کی کثرت سے یہ سمجھے گا کہ میں ہلاک ہوگیا۔ تو ارشاد ہوگا کہ ہم نے دنیا میں بھی تجھ پر سَتّاری[22] کی آج بھی ستاری کرتے

حل لغات: (۱) تفصیل کے ساتھ بیان کرنا۔ (۲) پیدائشی۔ (۳) کہاوت۔ (۴) پہاڑ ٹل سکتا ہے لیکن عادت نہیں بدل سکتی۔ (۵) لیا ہوا۔ (۶) ختم ہونا۔ (۷) یعنی اعتراض۔ (۸) غلط۔ (۹) تکلیف پہونچانا۔ (۱۰) موقع۔ (۱۱) ساتھ رہنے کی برکت۔ (۱۲) گناہ۔ (۱۳) لکھنا۔ (۱۴) اختیار۔ (۱۵) خزانہ۔ (۱۶) ظاہر ہونے کی جگہیں۔ (۱۷) قسموں۔ (۱۸) تقسیم۔ (۱۹) چھپا ہوا۔ (۲۰) حساب کتاب۔ (۲۱) چھٹکارا۔ (۲۲) پردہ ڈالنا۔

ہیں اور مُعاف کرتے ہیں؛ چنانچہ جب یہ شخص اور اس جیسا جو ہوگا وہ حساب کے مقام سے واپس جائے گا تو لوگ دیکھ کر کہیں گے کہ یہ کیسا مبارک بندہ ہے کہ اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں، اس لیے کہ اُن کو اس کے گناہوں کی خبر ہی نہ ہوئی۔ اسی طرح ایک نوع ایسی ہوگی کہ ان کے لیے چھوٹے بڑے گناہ ہوں گے، اُس کے بعد ارشاد ہوگا کہ اچھا ان کے چھوٹے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دو، تو وہ جلدی سے کہیں گے کہ اور بھی گناہ ایسے ہیں جو یہاں ذکر نہیں کیے گئے۔ اسی طرح اور انواع کا ذکر کیا ہے کہ کس کس طرح سے پیشی اور حساب ہوگا۔ حدیث میں ایک قصہ آتا ہے نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اُس شخص کو پہچانتا ہوں جو سب سے اخیر میں جہنم سے نکالا جائے گا اور سب سے اخیر میں جنت میں داخل کیا جائے گا: ایک شخص کو بلایا جائے گا اور فرشتوں سے کہا جائے گا کہ اس کے بڑے بڑے گناہ تو ابھی ذکر نہ کیے جائیں؛ چھوٹے چھوٹے گناہ اس کے سامنے پیش کیے جائیں، ان پر باز پُرس[1] کی جائے؛ چنانچہ یہ شروع ہوجائے گا اور ایک ایک گناہ وقت کے حوالہ کے ساتھ اس کو جتایا جائے گا، وہ اِنکار کیسے کرسکتا ہے اقرار کرتا جائے گا، اتنے میں ارشادِ رَبّی[2] ہوگا کہ اس کو ہر گناہ کے بدلے ایک نیکی دی جائے تو وہ جلدی سے کہے گا کہ ابھی تو اور بھی بہت سے گناہ باقی ہیں، اُن کا تو ذکر ہی نہیں آیا۔ اِس قصہ کو نقل فرماتے ہوئے حضور ﷺ کو بھی ہنسی آگئی۔

اس قصّے میں اول تو جہنم میں سے سب سے اخیر میں نکلنا ہے، یہی کیا کم سزا ہے؟ دوسرے کیا معلوم کون خوش قسمت ایسا ہوسکتا ہے کہ جس کے گناہوں کی تبدیلی ہو، اس لیے اللہ کی پاک ذات سے امید کرتے ہوئے فضل کا مانگتے رہنا بندگی کی شان ہے؛ لیکن اس پر مطمئن ہونا جُرأت[3] ہے۔ البتہ سَیِّئات کو حَسَنات سے بدلنے کا سبب اخلاص سے مجالس ذکر میں حاضری حدیثِ بالا سے معلوم ہوتی ہی ہے؛ لیکن اخلاص بھی اللہ ہی کی عطا سے ہوسکتا ہے۔

ایک ضروری بات یہ ہے کہ جہنم سے اخیر میں نکلنے والے کے بارے میں مختلف روایتیں وارد ہوئی ہیں؛ لیکن ان میں کوئی اشکال نہیں۔ ایک مُعتَدبہ[4] جماعت اگر نکلے تو بھی ہر شخص اخیر میں نکلنے والا ہے اور جو قریب اخیر کے نکلے وہ بھی اخیر ہی کہلاتا ہے، نیز خاص خاص جماعت کا اخیر بھی مراد ہوسکتا ہے۔ اس حدیث میں اہم مسئلہ اِخلاص کا ہے اور اخلاص کی قید اور بھی بہت سی احادیث میں اس رسالہ میں نظر سے گزرے گی، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اِخلاص ہی کی قدر ہے، جس درجہ کا اِخلاص ہوگا اُسی درجہ کی عمل کی قیمت ہوگی، صوفیہ کے نزدیک اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ قال[5] اور حال[6] برابر ہوں۔ ایک حدیث میں آئندہ آرہا ہے کہ اخلاص یہ ہے کہ گناہوں سے روک دے۔

''بَہجۃُ النُّفُوس'' میں لکھا ہے: ایک بادشاہ کے لیے جو نہایت ہی جابر[7] اور مُتشدِّد[8] تھا، ایک جہاز میں بہت سی

حل لغات: (۱) پوچھ تاچھ۔ (۲) میرے رب کا ارشاد۔ (۳) دلیری۔ (۴) بڑی۔ (۵) کہنا۔ (۶) عمل۔ (۷) ظالم۔ (۸) سخت مزاج۔

شراب لائی جارہی تھی۔ ایک صاحب کا اُس جہاز پر گزر ہوا اور جس قدر ٹھلیاں[1] شراب سے بھری ہوئی تھیں سب ہی توڑ دیں، ایک چھوڑ دی۔ کسی شخص کی ہمت اس کو روکنے کی نہ پڑی؛ لیکن اس پر حیرت تھی کہ اس بادشاہ کے تَشَدُّد[2] کا مُقابلہ بھی کوئی نہیں کرسکتا تھا پھر اس نے کس طرح جُرأت کی۔ بادشاہ کو اِطلاع دی گئی اس کو بھی تعجب ہوا، اوّلاً اس بات پر کہ اس کے مال پر کس طرح ایک معمولی آدمی نے جرأت کی اور پھر اس پر کہ ایک مٹکی کیوں چھوڑ دی۔ اُن صاحب کو بُلایا گیا، پوچھا کہ یہ کیوں کیا؟ انھوں نے جواب دیا کہ میرے دل میں اس کا تقاضا ہوا، اس لیے ایسا کیا تمھارا جو دل چاہے سزا دے دو۔ اس نے پوچھا کہ یہ ایک کیوں چھوڑی؟ انھوں نے کہا کہ مجھے اولاً اسلامی غیرت کا تقاضا تھا اس لیے میں نے توڑیں، مگر جب ایک رہی تو میرے دل میں ایک خوشی سی پیدا ہوئی کہ میں نے ایک ناجائز کام کو مٹا دیا، تو مجھے اس کے توڑنے میں یہ شُبہ ہوا کہ یہ حَظِّ نَفس (دل کی خوشی) کی وجہ سے ہے، اس لیے ایک چھوڑ دیا۔ بادشاہ نے کہا: اس کو چھوڑ دو یہ مجبور تھا۔

اِحیاءُ العلوم میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا، جو ہر وقت عبادت میں مشغول رہتا تھا، ایک جماعت اس کے پاس آئی اور کہا کہ یہاں ایک قوم ہے جو ایک درخت کو پوجتی ہے، یہ سن کر اُس کو غصہ آیا اور کُلہاڑا کندھے پر رکھ کر اس کو کاٹنے کے لیے چل دیا، راستہ میں شیطان ایک پیر مرد کی صورت میں ملا۔ عابد سے پوچھا کہاں جا رہے ہو، اس نے کہا: فلاں درخت کاٹنے جاتا ہوں۔ شیطان نے کہا: تمھیں اس درخت سے کیا واسطہ، تم اپنی عبادت میں مشغول رہو، تم نے اپنی عبادت کو ایک مُہمَل[3] کام کے واسطے چھوڑ دیا۔ عابد نے کہا: یہ بھی عبادت ہے۔ شیطان نے کہا: میں نہیں کاٹنے دوں گا۔ دونوں میں مقابلہ ہوا وہ عابد اس کے سینے پر چڑھ گیا۔ شیطان نے اپنے کو عاجز دیکھ کر خوشامد[4] کی اور کہا: اچھا ایک بات سن لے۔ عابد نے اس کو چھوڑ دیا۔ شیطان نے کہا: اللہ نے تجھ پر اس کو فرض تو کیا نہیں، تیرا اس سے کوئی نقصان نہیں، تُو اس کی پَرَستِش[5] نہیں کرتا، اللہ کے بہت سے نبی ہیں، اگر وہ چاہتا تو کسی نبی کے ذریعہ سے اس کو کٹوا دیتا۔ عابد نے کہا: میں ضرور کاٹوں گا۔ پھر مقابلہ ہوا وہ عابد پھر اس کے سینے پر چڑھ گیا۔ شیطان نے کہا: اچھا سن ایک فیصلہ والی بات تیرے نفع کی کہوں؟ اُس نے کہا: کہہ۔ شیطان نے کہا: تو غریب ہے دنیا پر بوجھ بنا ہوا ہے، تو اس کام سے باز آ، میں تجھے روزانہ تین دینار[6] (اشرفی) دیا کروں گا، جو روزانہ تیرے سرہانے رکھے ہوئے ملا کریں گے، تیری بھی ضرورتیں پوری ہو جائیں گی، اپنے اَعِزَّہ[7] پر بھی احسان کرسکے گا، فقیروں کی مدد کرسکے گا اور بہت سے ثواب کے کام کرسکے گا، اس میں ایک ہی ثواب ہوگا اور وہ بھی بیکار کہ وہ لوگ پھر دوسرا لگالیں گے۔ عابد کی سمجھ میں آ گیا، قبول کرلیا، دو دن تو وہ ملے، تیسرے دن سے ندارد[8]۔ عابد کو غصہ آیا

حل لغات: ① مٹی کا چھوٹا برتن۔ ② ظلم۔ ③ بیکار۔ ④ جھوٹی تعریف۔ ⑤ عبادت۔ ⑥ سونے کا سکہ۔ ⑦ رشتہ دار۔ ⑧ غائب۔

اور کلہاڑی لے کر پھر چلا۔ راستہ میں وہ بوڑھا ملا، پوچھا: کہاں جارہے ہو؟ عابد نے بتایا کہ اُسی درخت کو کاٹنے جارہا ہوں، بوڑھے نے کہا کہ تو اس کو نہیں کاٹ سکتا۔ دونوں میں جھگڑا ہوا، وہ بوڑھا غالب آ گیا اور عابد کے سینہ پر چڑھ گیا، عابد کو بڑا تعجب ہوا، اس سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ تو اس مرتبہ غالب ہو گیا۔ اُس بوڑھے نے کہا کہ پہلی مرتبہ تیرا غصہ خالِص اللہ کے واسطے تھا اس لیے اللہ جلّ شانہٗ نے مجھے مغلوب کر دیا تھا، اس مرتبہ اس میں دیناروں کا دخل تھا اس لیے تو مغلوب ہوا۔ حق یہ ہے کہ جو کام خالص اللہ کے واسطے کیا جاتا ہے، اُس میں بڑی قوت ہوتی ہے۔

(۱۱) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ ﷛ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا عَمِلَ اٰدَمِيٌّ عَمَلًا أَنْجىٰ لَهٗ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ .	نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کسی آدمی کا کوئی عمل عذابِ قبر سے زیادہ نجات دینے والا نہیں ہے۔

[أخرجه أحمد كذا في الدّر، وإلى أحمد عزاه في الجامع الصغير بلفظ: أَنْجىٰ لَهٗ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ، ورقم له بالصحة وفي مجمع الزوائد رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح، إلا أن زيادًا لم يدرك معاذًا. ثم ذكره بطريق اٰخر وقال: رواه الطبراني ورجاله رجال الصحيح. قلت: وفي المشكٰوة عنه موقوفًا بلفظ: مَا عَمِلَ الْعَبْدُ عَمَلًا أَنْجىٰ لَهٗ مِنْ عَذَابِ اللهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ: وقال: رواه مالك والترمذي وابن ماجه اهـ. قلت: وهٰكذا رواه الحاكم وقال: صحيح الإسناد، وأقره عليه الذهبي. وفي المشكٰوة برواية البيهقي في الدعوات عن ابن عمر مرفوعًا بمعناه. قال القاري: رواه ابن أبي شيبة وابن أبي الدّنيا. وذكره في الجامع الصغير برواية البيهقي في الشعب ورقم له بالضعف وزاد في أوله: لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ. وفي مجمع الزّوائد برواية جابر مرفوعًا نحوه، وقال: رواه الطبراني في الصغير والأوسط ورجالهما رجال الصحيح اهـ.]

فائدہ: عذابِ قبر کتنی سخت چیز ہے۔ اس سے وہی لوگ واقف ہیں جن کے سامنے وہ احادیث ہیں، جو عذابِ قبر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ حضرت عثمان ﷛ جب کسی قبر پر تشریف لے جاتے تو اس قدر روتے کہ ڈاڑھی مبارک تر(۱) ہو جاتی۔ کسی نے پوچھا کہ آپ جنت کے، دوزخ کے ذکر سے ایسا نہیں روتے جیسا کہ قبر کے سامنے آجانے سے روتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے، جو شخص اس سے نجات پالے بعد کی سب منزلیں اس پر سَہَل(۲) ہو جاتی ہیں اور جو اس سے نجات نہ پائے بعد کی منزلیں دشوار ہی ہوتی جاتی ہیں۔ پھر آپ نے حضور ﷺ کا پاک ارشاد سنایا کہ حضور ﷺ یہ ارشاد فرماتے تھے کہ میں نے کوئی منظر قبر سے زیادہ گھبراہٹ والا نہیں دیکھا۔ حضرت عائشہ ﷝ ارشاد فرماتی ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ ہر نماز کے بعد عذابِ قبر سے پناہ مانگتے تھے۔ حضرت زید ﷛ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ تم ڈر اور خوف کی وجہ سے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے، ورنہ میں اس کی دعا کرتا کہ اللہ جلّ شانہٗ تمھیں بھی عذابِ قبر سنا دے،

حل لغات: (۱) بھیگنا۔ (۲) آسان۔

آدمیوں اور جنات کے سوا اور جاندار عذابِ قبر کو سنتے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ ایک مرتبہ سفر میں تشریف لے جا رہے تھے کہ حضور ﷺ کی اونٹنی بِدَکنے[1] لگی۔ کسی نے پوچھا: حضور ﷺ کی اونٹنی کو کیا ہوا؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی کو قبر کا عذاب ہو رہا ہے، اُس کی آواز سے بِدَکنے لگی۔

ایک مرتبہ نبیٔ اکرم ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ کھل کھلا کر ہنس رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر موت کو اکثر یاد کیا کرو تو یہ بات نہ ہو، کوئی دن قبر پر ایسا نہیں گزرتا جس میں وہ یہ اعلان نہیں کرتی کہ میں غُربت[2] کا گھر ہوں، تنہائی کا گھر ہوں، کیڑوں اور جانوروں کا گھر ہوں۔ جب کوئی مومن (کامل ایمان والا) دفن ہوتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے: تیرا آنا مبارک ہے، تو نے بہت ہی اچھا کیا کہ آ گیا، جتنے لوگ میری پُشت پر (یعنی زمین پر) چلتے تھے تُو ان سب میں مجھے بہت محبوب تھا، آج تُو میرے سپرد ہوا ہے تو میرا حُسنِ[3] سلوک بھی دیکھے گا، اس کے بعد وہ اس قدر وسیع[4] ہو جاتی ہے کہ مُنْتہائے[5] نظر تک کھل جاتی ہے اور جنت کا ایک دروازہ اس میں کھل جاتا ہے جس سے وہاں کی ہوائیں، خوشبوئیں وغیرہ پہونچتی رہتی ہیں۔ اور جب کافر یا فاجر[6] دفن کیا جاتا ہے تو قبر کہتی ہے کہ تیرا آنا مَنْحوس اور نامبارک ہے، کیا ضرورت تھی تیرے آنے کی؟ جتنے آدمی میری پشت پر چلتے تھے، سب میں زیادہ بُغض[7] مجھے تجھ سے تھا، آج تو میرے سپرد ہوا تو میرا معاملہ بھی دیکھے گا، اس کے بعد اس کو اس قدر زور سے بھینچتی[8] ہے کہ پسلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں، جس طرح ہاتھ میں ہاتھ ڈالنے سے انگلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں۔ اُس کے بعد نوّے 90 یا ننانوے 99 اَژدہے اس پر مُسلّط ہو جاتے ہیں، جو اس کو نوچتے رہتے ہیں اور قیامت تک یہی ہوتا رہے گا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر ایک اَژدہا بھی ان میں سے زمین پر پھنکار مار دے تو قیامت تک زمین میں گھاس نہ اُگے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبر یا جنت کا ایک باغ ہے یا جہنم کا ایک گڑھا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ کا دو قبروں پر گزر ہوا۔ ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے، ایک کو چُغَل خوری کے جرم میں، دوسرے کو پیشاب کی اِحْتِیاط نہ کرنے میں (کہ بدن کو اس سے بچاتا نہ تھا)۔ ہمارے کتنے مُہذَّب[9] لوگ ہیں جو استنجے کو عیب سمجھتے ہیں، اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ علماء نے پیشاب سے نہ بچنا گناہِ کبیرہ بتایا ہے۔ ابن حجر مکیؒ نے لکھا ہے کہ صحیح روایت میں آیا ہے کہ اکثر عذابِ قبر پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قبر میں سب سے پہلے مطالبہ پیشاب کا ہوتا ہے۔ بالجملہ عذابِ قبر نہایت سخت چیز ہے اور جیسا کہ اس کے ہونے میں بعض گناہوں کو خاص دخل ہے، اسی

حل لغات: (۱) ڈر کر چونکنا۔ (۲) اجنبیت۔ (۳) اچھا برتاؤ۔ (۴) کشادہ۔ (۵) جہاں تک نظر پہونچے۔ (۶) گناہ گار۔ (۷) دشمنی۔ (۸) زور سے دبانا۔ (۹) مرادیٔ تہذیب پسند کرنے والے۔

طرح اُس سے بچنے میں بھی بعض عبادات کو خصوصی شرافت حاصل ہے۔ چنانچہ متعدد احادیث میں وارد ہے کہ ''سورۂ تبارک الذی'' کا ہر رات کو پڑھتے رہنا عذابِ قبر سے نجات کا سبب ہے اور عذابِ جہنم سے بھی حفاظت کا سبب ہے اور اللہ کے ذکر کے بارے میں تو حدیثِ بالا ہے ہی۔

⑫ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: لَيَبْعَثَنَّ اللهُ أَقْوَامًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْ وُجُوْهِهِمُ النُّوْرُ عَلٰى مَنَابِرِ اللُّؤْلُؤِ يَغْبِطُهُمُ النَّاسُ لَيْسُوْا بِأَنْبِيَآءَ وَلَا شُهَدَآءَ. فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ: حُلْهُمْ لَنَا نَعْرِفُهُمْ: قَالَ. هُمُ الْمُتَحَابُّوْنَ فِي اللهِ مِنْ قَبَائِلَ شَتّٰى وَبِلَادٍ شَتّٰى يَجْتَمِعُوْنَ عَلٰى ذِكْرِ اللهِ يَذْكُرُوْنَهٗ.

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن اللہ جلَّ شانہٗ بعض قوموں کا حَشر ایسی طرح فرمائیں گے کہ ان کے چہروں میں نور چمکتا ہوا ہوگا، وہ موتیوں کے ممبروں پر ہوں گے، لوگ ان پر رُشک کرتے ہوں گے، وہ انبیاء اور شہداء نہیں ہوں گے۔ کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان کا حال بیان کر دیجیے کہ ہم ان کو پہچان لیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ ہوں گے، جو اللہ کی محبت میں مُختلف جگہوں سے، مُختلف خاندانوں سے آ کر ایک جگہ جمع ہو گئے ہوں اور اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں۔

[أخرجه الطبراني بإسناد حسنٍ كذا في الدّر ومجمع الزوائد والترغيب للمنذري، وذكر أيضًا له متابعة برواية عمرو بن عبسة عند الطبراني مرفوعًا. قال المنذري: وإسناده مقارب لابأس به، ورقم لحديث عمرو بن عبسة في الجامع الصغير بالحسن، وفي مجمع الزوائد رجاله موثوقون، وفي مجمع الزوائد بمعنٰى هذا الحديث مطولًا وفيه: حُلْهُمْ لَنَا۔ يَعْنِيْ صِفْهُمْ لنا۔ شَكِّلْهُمْ لَنَا. فَسُرَّ وَجْهُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ بِسُؤَالِ الْأَعْرَابِيِّ، الحديث. قال: رواه أحمد والطبراني بنحوه ورجاله وثقوا. قلت: وفي الباب عن أَبِي هريرة ﷺ عند البيهقي في الشعب: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَعُمُدًا مِنْ يَاقُوْتٍ عَلَيْهَا غُرَفٌ مِّن زَبَرْجَدٍ لَهَا أَبْوَابٌ مُفَتَّحَةٌ تُضِيْءُ كَمَا يُضِيْءُ الْكَوْكَبُ الدُّرِّيُّ يَسْكُنُهَا الْمُتَحَابُّوْنَ فِي اللهِ تَعَالٰى وَالْمُتَجَالِسُوْنَ فِي اللهِ تَعَالٰى وَالْمُتَلَاقُوْنَ فِي اللهِ. كذا في الجامع الصغير ورقم له بالضعف. وذكر في مجمع الزوائد له شواهد وكذا في المشكوٰة]

دوسری حدیث میں ہے کہ جنت میں یاقوت[1] کے ستون ہوں گے، جن پر زَبَرجَد (زُمُرَّد[2]) کے بالاخانے[3] ہوں گے، ان میں چاروں طرف دروازے کھلے ہوئے ہوں گے، وہ ایسے چمکتے ہوں گے جیسے کہ نہایت روشن ستارہ چمکتا ہے، ان بالاخانوں میں وہ لوگ رہیں گے جو اللہ کے واسطے آپس میں محبت رکھتے ہوں اور وہ لوگ جو اللہ ہی کے واسطے ایک جگہ اِکٹھے ہوں اور وہ لوگ جو اللہ ہی کے واسطے آپس میں ملتے جلتے ہوں۔

فائدہ: اس میں اطِبّاء کا اختلاف ہے کہ زبرجد اور زمرد ایک ہی پتھر کے دونام ہیں یا ایک پتھر کی دو قسمیں ہیں یا ایک ہی نوع[4] کے دو پتھر ہیں، بہرحال یہ ایک پتھر ہوتا ہے جو نہایت ہی روشن چمکدار ہوتا ہے، اس

حل لغات: ① ایک قیمتی پتھر۔ ② ہرے رنگ کا قیمتی پتھر۔ ③ اوپر کمرے۔ ④ قسم۔

کے پتے بنتے ہیں، جو بازار میں چمکدار کاغذ کی طرح سے بکتے ہیں۔ آج خانقاہوں کے بیٹھنے والوں پر ہر طرح اِلزام ہے، ہر طرف سے فقرے[1] کَسے جاتے ہیں، آج اُنہیں جتنا دل چاہے بُرا بھلا کہہ لیں؛ کل جب آنکھ کُھلے گی اُس وقت حقیقت معلوم ہوگی کہ یہ بوریوں پر بیٹھنے والے کیا کچھ کما کر لے گئے، جب وہ ان منبروں اور بالا خانوں پر ہوں گے اور یہ ہنسنے والے اور گالیاں دینے والے کیا کما کر لے گئے۔

فَسَوْفَ تَرَىٰ إِذَا انْكَشَفَ الْغُبَارُ أَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِكَ أَمْ حِمَارُ

ترجمہ: عنقریب جب غُبار ہٹ جائے گا تو معلوم ہوگا کہ گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر۔

ان خانقاہوں کی اللہ کے یہاں کیا قدر ہے، جن پر آج چاروں طرف سے گالیاں پڑتی ہیں؟ یہ اُن احادیث سے معلوم ہوتا ہے جن میں ان کی فضیلتیں ذکر کی گئی ہیں۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جس گھر میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہو، وہ آسمان والوں کے لیے ایسا چمکتا ہے جیسے زمین والوں کے لیے ستارے چمکتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ذکر کی مجالس پر جو سکینہ (ایک خاص نعمت) نازل ہوتی ہے، فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں، رحمتِ الٰہی اُن کو ڈھانک لیتی ہے اور اللہ جلّ جلالہٗ عرش پر ان کا ذکر فرماتے ہیں۔ ابورَزِین رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، وہ کہتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے دین کی تقویت[2] کی چیز بتاؤں، جس سے تو دونوں جہاں کی بھلائی کو پہونچے؟ وہ اللہ کا ذکر کرنے والوں کی مجلسیں ہیں، اُن کو مضبوط پکڑ اور جب تو تنہا ہوا کرے تو جتنی بھی قدرت ہو، اللہ کا ذکر کرتا رہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آسمان والے اُن گھروں کو جن میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے ایسا چمکدار دیکھتے ہیں جیسا کہ زمین والے ستاروں کو چمکدار دیکھتے ہیں۔ یہ گھر جن میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے ایسے روشن اور مُنوّر ہوتے ہیں کہ اپنے نور کی وجہ سے ستاروں کی طرح چمکتے ہیں اور جن کو اللہ جلّ شانہٗ نور کے دیکھنے کی آنکھیں عطا فرماتے ہیں، وہ یہاں بھی ان کی چمک دیکھ لیتے ہیں۔ بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہیں جو بزرگوں کا نور، ان کے گھروں کا نور اپنی آنکھوں سے چمکتا ہوا دیکھتے ہیں؛ چنانچہ حضرت فُضَیل بن عیاض رحمہ اللہ جو مشہور بزرگ ہیں، فرماتے ہیں کہ جن گھروں میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے وہ آسمان والوں کے نزدیک ایسا چمکتے ہیں جیسا کہ چراغ۔ شیخ عبدالعزیز دَبّاغ رحمہ اللہ ابھی قریب ہی زمانہ میں ایک بزرگ گزرے ہیں جو بالکل اُمّی[3] تھے، مگر قرآن شریف کی آیت، حدیثِ قُدسی، حدیثِ نبوی اور موضوع[4] حدیث کو علیٰحدہ علیٰحدہ بتادیتے تھے اور کہتے تھے کہ مُتکلّم[5] کی زبان سے جب لفظ نکلتے ہیں تو ان الفاظ کے نور سے معلوم ہوجاتا ہے کہ کس کا کلام ہے کہ اللہ پاک کے کلام کا نور علیٰحدہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا نور دوسرا ہے اور دوسرے کلاموں میں دونوں نور نہیں ہوتے۔

تذکرۃ الخلیل یعنی سوانح حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ میں بَرِوایت مولانا ظفر

حل لغات: (۱) مذاق اُڑانا۔ (۲) طاقت، مضبوطی۔ (۳) ان پڑھ۔ (۴) اپنی طرف سے بنائی ہوئی۔ (۵) بات کرنے والا۔

احمد صاحبؒ لکھا ہے کہ حضرت کے پانچویں حج میں جس وقت حضرت مَسْجِدُ الحرام میں طوافِ قدوم کے لیے تشریف لائے تو احقر مولانا محبّ الدین صاحبؒ (جو اعلیٰ حضرت مولانا الحاج امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نوّر اللہ مرقدہٗ کے خاص خُلَفاء میں تھے اور صاحبِ[1] کَشف مشہور تھے) کے پاس بیٹھا تھا۔ مولانا اُس وقت درود شریف کی کتاب کھولے ہوئے اپنا وِرد[2] پڑھ رہے تھے کہ دَفعتہً[3] میری طرف مُخَاطب ہو کر فرمانے لگے: اس وقت حرم میں کون آ گیا کہ دفعتہً سارا حرم انوار سے بھر گیا۔ میں خاموش رہا کہ اتنے میں حضرتؒ طواف سے فارغ ہو کر مولانا کے پاس کو گزرے۔ مولانا کھڑے ہو گئے اور ہنس کر فرمایا کہ میں بھی تو کہوں آج حرم میں کون آ گیا۔ مجالسِ ذکر کی فضیلت مختلف عنوانات سے بہت سی احادیث میں وارد ہوئی ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ افضل ترین رِبَاط نماز ہے اور ذکر کی مجالس۔ رِبَاط کہتے ہیں دار الاسلام کی سَرحَد کی حفاظت کرنے کو تاکہ کفار اس طرف سے حملہ نہ کریں۔

⑬ عَنْ أَنَسٍ ﷺ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا، قَالُوْا: وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ؟ قَالَ: حِلَقُ الذِّكْرِ.	حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب جنت کے باغوں پر گزرو تو خوب چرو۔ کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جنت کے باغ کیا ہیں؟ ارشاد فرمایا: ذکر کے حلقے۔

[أخرجه أحمد والترمذي وحسنه، وذكره في المشكوة برواية الترمذي وزاد في الجامع الصغير والبيهقي في الشعب ورقم له بالصحة: وفي الباب عن جابر عند ابن أبي الدنيا والبزّار وأبي يعلى والحاكم وصححه والبيهقي في الدعوات كذا في الدر. وفي الجامع الصغير برواية الطبراني عن ابن عباس رضي الله عنهما بلفظ: مجالس العلم. وبرواية الترمذي عن أبي هريرة بلفظ: المساجد محل حلق الذكر. وزاد الرتع: سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ]

فائدہ: مقصود یہ ہے کہ کسی خوش قسمت کی ان مَجالس، ان حلقوں تک رَسَائی[4] ہو جائے، تو اس کو بہت زیادہ غنیمت سمجھنا چاہیے کہ یہ دنیا ہی میں جنت کے باغ ہیں۔ اور ''خوب چرو'' سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ جیسے جانور جب کسی سبزہ[5] زار یا کسی باغ میں چرنے لگتا ہے تو معمولی سے ہٹانے سے بھی نہیں ہٹتا بلکہ مالک کے ڈنڈے وغیرہ بھی کھاتا رہتا ہے؛ لیکن اِدھر سے منہ نہیں موڑتا۔ اسی طرح ذکر کرنے والے کو بھی دنیاوی تَفکُّرات[6] اور مَوَانِعْ[7] کی وجہ سے ادھر سے منہ نہ موڑنا چاہیے۔ اور ''جنت کے باغ'' اس لیے فرمائے کہ جیسا کہ جنت میں کسی قسم کی آفت نہیں ہوتی، اسی طرح یہ مجالس بھی آفات سے محفوظ رہتی ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کا ذکر دلوں کی شفا ہے، یعنی دل میں جس قسم کے امراض پیدا ہوتے ہیں تکبّر، حسد، کینہ، وغیرہ سب ہی امراض کا علاج ہے۔ صاحبُ الفوائد فی الصَّلوٰت والعَوائِد نے لکھا ہے کہ آدمی

حل لغات: ① اللہ کے وہ نیک بندے جن پر اللہ کبھی کبھی غیب کی باتیں ظاہر کر دیتے ہیں۔ ② وظیفہ۔ ③ اچانک۔ ④ پہونچ۔ ⑤ ہری بھری جگہ۔ ⑥ فکریں۔ ⑦ رکاوٹیں۔

ذکر پر مُداومت[1] سے تمام آفتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اور صحیح حدیث میں آیا ہے: حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں تمہیں ذکر اللہ کی کثرت کا حکم کرتا ہوں۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے پیچھے کوئی دشمن لگ جائے اور وہ اُس سے بھاگ کر کسی قلعہ میں محفوظ ہو جائے، اور ذکر کرنے والا اللہ جلَّ شانہٗ کا ہم نشیں[2] ہوتا ہے اور اس سے بڑھ کر اور کیا فائدہ ہوگا کہ وہ مالک الملک کا ہم نشیں ہو جائے، اُس کے علاوہ اُس سے شرحِ صَدر[3] ہو جاتا ہے، دل مُنوّر ہو جاتا ہے، اس کے دل کی سختی دور ہو جاتی ہے، اس کے علاوہ اور بھی بہت سے ظاہری اور باطنی مَنافع ہوتے ہیں۔ جن کو بعض علماء نے سَو تک شمار کیا ہے۔ انتہی

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں نے خواب میں دیکھا کہ جب بھی آپ اندر جاتے ہیں یا باہر آتے ہیں یا کھڑے ہوتے ہیں یا بیٹھتے ہیں، تو فرشتے آپ کے لیے دعا کرتے ہیں۔ ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تمہارا دل چاہے تو تمہارے لیے بھی وہ دعا کر سکتے ہیں، پھر یہ آیت پڑھی: ﴿ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ ﴾ سے ﴿ رَحِيْمًا ۝ ﴾ [سورۂ احزاب] تک۔ گویا اس طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت اور ملائکہ کی دعا تمہارے ذکر پر مُتفرّع[4] ہے، جتنا تم ذکر کرو گے اتنا ہی ادھر سے ذکر ہوگا۔

(۱۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ عَجَزَ مِنْكُمْ عَنِ اللَّيْلِ أَنْ يُّكَابِدَهٗ وَبَخِلَ بِالْمَالِ أَنْ يُّنْفِقَهٗ وَجَبُنَ عَنِ الْعَدُوِّ اَنْ يُّجَاهِدَهٗ، فَلْيُكْثِرْ ذِكْرَ اللّٰهِ.

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو تم میں سے عاجز ہو راتوں کو محنت کرنے سے اور بُخل کی وجہ سے مال بھی خرچ نہ کیا جاتا ہو، (یعنی نفلی صدقات) اور بُزدِلی کی وجہ سے جہاد میں بھی شرکت نہ کر سکتا ہو، اُس کو چاہیے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرے۔

[رواه الطبراني والبيهقي والبزار واللفظ له، وفي سنده: أبويحيى القتات، وبقيته محتج بهم في الصحيح كذا في الترغيب. قلت: هو من رواة البخاري في الأدب المفرد والترمذي وأبي داؤد وابن ماجه، وثقه ابن معين وضعفه آخرون، وفي التقريب لين الحديث. وفي مجمع الزوائد: رواه البزار والطبراني وفيه: القتات، قد وثق وضعفه الجمهور، وبقية رجال البزار رجال الصحيح.]

فائدہ: یعنی ہر قسم کی کوتاہی جو عباداتِ نفلیہ میں ہوتی ہے، اللہ کے ذکر کی کثرت اُس کی تلافی[5] کر سکتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے نقل کیا ہے کہ اللہ کا ذکر ایمان کی علامت ہے اور نفاق سے برأت ہے اور شیطان سے حفاظت ہے اور جہنم کی آگ سے بچاؤ ہے اور انہیں منافع کی وجہ سے اللہ کا ذکر بہت سی عبادتوں سے افضل قرار دیا گیا ہے۔ بالخصوص شیطان کے تَسَلُّط[6] سے بچنے میں اس کو خاص دَخَل ہے۔ ایک

حل لغات: (۱) پابندی کرنا۔ (۲) خاص دوست۔ (۳) دل کا مطمئن ہو جانا۔ (۴) ایک چیز کا دوسری چیز پر دار و مدار ہونا۔ (۵) بھرپائی، پورا کرنا۔ (۶) قابو، قبضہ۔

حدیث میں آیا ہے کہ شیطان گھٹنے جمائے ہوئے آدمی کے دل پر مُسلَّط رہتا ہے، جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو یہ عاجز وذلیل ہوکر پیچھے ہٹ جاتا ہے، آدمی غافل ہوتا ہے تو یہ وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے، اسی لیے صوفیۂ کرام ذکر کی کثرت کراتے ہیں، تاکہ قلب میں اس کے وَساوِس[1] کی گنجائش نہ رہے اور وہ اتنا قوی ہوجائے کہ اس کا مُقابلہ کرسکے۔ یہی راز ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور اقدس ﷺ کے فیضِ صُحبت[2] سے یہ قُوّتِ قَلبِیۂ اعلیٰ درجہ پر حاصل تھی، تو ان کو ضَربیں[3] لگانے کی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔ حضور ﷺ کے زمانہ سے جتنا بُعد[4] ہوتا گیا اُتنی ہی قلب کے لیے اس مُقوِّیٔ[5] قلب خمیرہ[6] کی ضرورت بڑھتی گئی۔ اب قلوب اس درجہ ماؤُف[7] ہوچکے ہیں کہ بہت سے علاج سے بھی وہ درجہ قوت کا تو حاصل نہیں ہوتا؛ لیکن جتنا بھی ہوجاتا ہے وہی بساغنیمت[8] ہے کہ وبائی[9] مرض میں جس قدر بھی کمی ہو بہتر ہے۔

ایک بزرگ کا قصہ نقل کیا ہے کہ انھوں نے اللہ جلَّ شانہٗ سے دعا کی کہ شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی صورت ان پر مُنکَشِف[10] ہوجائے کہ کس طرح ڈالتا ہے، تو انھوں نے دیکھا کہ دل کے بائیں طرف مونڈھے کے پیچھے مچھر کی شکل سے بیٹھا ہے، ایک لمبی سی سونڈ منہ پر ہے جس کو سوئی کی طرح سے دل کی طرف لے جاتا ہے، اس کو ذاکر پاتا ہے تو جلدی سے اس سُونڈ کو کھینچ لیتا ہے، غافل پاتا ہے تو اس سونڈ کے ذریعہ سے وَسَاوِس اور گناہوں کا زہر انجکشن کے طریقہ سے دل میں بھرتا ہے۔ ایک حدیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ شیطان اپنی ناک کا اگلا حصہ آدمی کے دِل پر رکھے ہوئے بیٹھا رہتا ہے، جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ذِلّت سے پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب وہ غافل ہوتا ہے تو اس کے دِل کو لقمہ بنالیتا ہے۔

⑮ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ ِالْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: أَكْثِرُوْا ذِكْرَ اللهِ حَتّٰى يَقُوْلُوْا: مَجْنُوْنٌ.	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کا ذکر ایسی کثرت سے کیا کرو کہ لوگ مجنون[11] کہنے لگیں، دوسری حدیث میں ہے کہ ایسا ذکر کرو کہ منافق لوگ تمھیں ریاکار[12] کہنے لگیں۔

[رواه أحمد وأبويعلى وابن حبان والحاكم في صحيحه، وقال: صحيح الإسناد. وروي عن ابن عباس مرفوعًا بلفظ: أُذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا يَقُوْلُ الْمُنَافِقُوْنَ: إِنَّكُمْ مُرَاؤُوْنَ. رواه الطبراني ورواه البيهقي عن أبي الجوزاء مرسلًا كذا في الترغيب والمقاصد الحسنة للسخاوي، وهكذا في الدر المنثور للسيوطي؛ إلا أنه عزا حديث أبي الجوزاء إلى عبد الله بن أحمد في زوائد الزهد، وعزاه في الجامع الصغير إلى سعيد بن منصور في سننه، والبيهقي في الشعب ورقم له بالضعف، وذكر في الجامع الصغير أيضًا برواية الطبراني عن ابن عباس رضي الله عنهما مسندا ورقم له بالضعف، وعزا حديث أبي سعيد إلى أحمد وأبي يعلى في مسنده، وابن حبان والحاكم و البيهقي في الشعب ورقم لهٗ بالحسن]

حل لغات: ① وسوسہ کی جمع، برے خیالات۔ ② ساتھ رہنے کی برکت۔ ③ اللہ کے نام کو اس قدر زور سے پڑھے کہ اس کی وجہ سے دل پر اثر ہو۔ ④ دوری۔ ⑤ دل کو طاقت دینے والی۔ ⑥ یونانی دواؤں کی ایک قسم۔ ⑦ بے حس۔ ⑧ بہت اچھا۔ ⑨ عام پھیلی ہوئی بیماری۔ ⑩ ظاہر۔ ⑪ پاگل۔ ⑫ دکھاوے کے لیے عمل کرنے والا۔

فائدہ: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ منافقوں یا بیوقوفوں کے رِیا کار کہنے یا مجنون کہنے سے ایسی بڑی دولت چھوڑنا نہ چاہیے؛ بلکہ اس کثرت اور اہتمام سے کرنا چاہیے کہ یہ لوگ تم کو پاگل سمجھ کر تمہارا پیچھا چھوڑ دیں۔ اور مجنون جب ہی کہا جائے گا جب نہایت کثرت سے اور زور سے ذکر کیا جائے، آہستہ میں یہ بات نہیں ہوسکتی۔ ابنِ کثیرؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے کوئی چیز بندوں پر ایسی فرض نہیں فرمائی جس کی کوئی حد مقرر نہ کر دی ہو اور پھر اس کے عذر کو قبول نہ فرمالیا ہو، بجز[1] اللہ کے ذکر کے کہ نہ اس کی کوئی حد مقرر فرمائی اور نہ عقل رہنے تک کسی کو معذور قرار دیا ہے؛ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝٤١﴾ [سورۂ احزاب] (اللہ جلَّ شانہٗ کا خوب کثرت سے ذکر کیا کرو) رات میں، دن میں، جنگل میں، دریا میں، سفر میں، حضر[2] میں، فقر میں، توَنگری[3] میں، بیماری میں، صحت میں، آہستہ اور پکار کر اور ہر حال میں۔

حافظ ابن حجرؒ نے مُنَبِّہات میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قرآن پاک کے ارشاد ﴿وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا﴾ [سورۂ کہف: ۸۲] میں منقول ہے کہ وہ سونے کی ایک تختی تھی جس میں سات سطریں لکھی ہوئی تھیں جن کا ترجمہ یہ ہے: (۱) مجھے تعَجُّب ہے اُس شخص پر جو موت کو جانتا ہو، پھر بھی ہنسے۔ (۲) مجھے تعجب ہے اُس شخص پر جو یہ جانتا ہے کہ دنیا آخر ایک دن ختم ہونے والی ہے، پھر بھی اُس میں رغبت کرے۔ (۳) مجھے تعجب ہے اُس شخص پر جو یہ جانتا ہو کہ ہر چیز مُقدَّر سے ہے، پھر بھی کسی چیز کے جاتے رہنے پر افسوس کرے۔ (۴) مجھے تعجب ہے اُس شخص پر جس کو آخرت میں حساب کا یقین ہو، پھر بھی مال جمع کرے۔ (۵) مجھے تعجب ہے اُس شخص پر جس کو جہنم کی آگ کا علم ہو، پھر بھی گناہ کرے۔ (۶) مجھے تعجب ہے اُس شخص پر جو اللہ کو جانتا ہو، پھر کسی اور چیز کا ذکر کرے۔ (۷) مجھے تعجب ہے اُس شخص پر جس کو جنت کی خبر ہو، پھر دنیا میں کسی چیز سے راحت پائے۔ بعض نُسخوں میں یہ بھی ہے کہ مجھے تعجب ہے اُس شخص پر جو شیطان کو دشمن سمجھے، پھر بھی اُس کی اِطاعت کرے۔ حافظؒ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے اللہ کے ذکر کی اس قدر تاکید کرتے رہے کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا بغیر ذکر کے کوئی چیز نفع نہ دے گی۔

ان سب روایات سے یہ معلوم ہوا کہ ذکر کی جتنی بھی کثرت مُمکن ہو دریغ[4] نہ کرے، لوگوں کے مجنون یا ریا کار کہنے کی وجہ سے اس کو چھوڑ دینا اپنا ہی نقصان کرنا ہے۔ صُوفیہ نے لکھا ہے کہ یہ بھی شیطان کا ایک دھوکہ ہے کہ اول وہ ذکر سے اس خیال سے روکتا ہے کہ لوگ دیکھیں گے، کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا وغیرہ وغیرہ۔ پھر شیطان کو روکنے کے لیے یہ ایک مستقل ذریعہ اور حیلہ[5] مل جاتا ہے، اس لیے یہ تو ضروری ہے کہ

حل لغات: (۱) سوائے، علاوہ۔ (۲) اپنے مقام میں۔ (۳) مالداری۔ (۴) کوتاہی۔ (۵) بہانہ۔

دِکھلانے کی نیت سے کوئی عمل نہ کرے؛ لیکن اگر کوئی دیکھ لے تو بلا سے دیکھے، اس وجہ سے چھوڑنا بھی نہ چاہیے۔ حضرت عبداللہ ذُوالبِجَادَین رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، جو لڑکپن میں یتیم ہوگئے تھے، چچا کے پاس رہتے تھے، وہ بہت اچھی طرح رکھتا تھا، گھر والوں سے چُھپ کر مسلمان ہوگئے تھے، چچا کو خبر ہوگئی تو اس نے غصہ میں بالکل ننگا کر کے نکال دیا، ماں بھی بیزار[1] تھی؛ لیکن پھر ماں تھی، ایک موٹی سی چادر ننگا دیکھ کر دے دی، جس کو انھوں نے دو ٹکڑے کر کے ایک سے ستر ڈھکا دوسرا اوپر ڈال لیا۔ مدینہ طیبہ حاضر ہوگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر پڑے رہا کرتے اور بہت کثرت سے بلند آواز کے ساتھ ذکر کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا یہ شخص ریا کار ہے کہ اس طرح ذکر کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں بلکہ یہ اَوّابین[2] میں سے ہے۔ غزوۂ تبوک میں انتقال ہوا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے دیکھا رات کو قبروں کے قریب چراغ جل رہا ہے۔ قریب جا کر دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں اُترے ہوئے ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمارہے ہیں کہ لاؤ اپنے بھائی کو مجھے پکڑادو۔ دونوں حضرات نے نعش کو پکڑا دیا۔ دفن کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میں اس سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہوجا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سارا منظر دیکھ کر مجھے تمنا ہوئی کہ یہ نَعش تو میری ہوتی۔ حضرت فُضَیل رحمہ اللہ جو اکابرِ صُوفیہ میں ہیں وہ فرماتے ہیں کہ کسی عمل کو اس وجہ سے نہ کرنا کہ لوگ دیکھیں گے یہ بھی رِیا[3] میں داخل ہے اور اس وجہ سے کسی عمل کو کرنا تاکہ لوگ دیکھیں یہ شرک میں داخل ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ بعض آدمی ذکر کی کنجیاں ہیں کہ جب اُن کی صورت دیکھی جائے تو اللہ کا ذکر کیا جائے، یعنی اُن کی صورت دیکھ کر ہی اللہ کا ذکر یاد آئے۔ ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کے ولی ہیں وہ لوگ، جن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آتے ہوں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ تم میں بہترین وہ لوگ ہیں، جن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ یاد آتے ہوں اور اس کے کلام سے علم میں تَرَقّی ہوتی ہو اور اس کے اعمال سے آخرت کی رغبت پیدا ہوتی ہو۔ اور یہ بات جب ہی حاصل ہوسکتی ہے، جب کوئی شخص کثرت سے ذکر کا عادی ہو اور جس کو خود ہی توفیق نہ ہو اس کو دیکھ کر کیا کسی کو اللہ کی یاد آسکتی ہے۔ بعض لوگ پکار کر ذِکر کرنے کو بدعت اور ناجائز بتاتے ہیں، یہ خیال حدیث پر نظر کی کمی سے پیدا ہوگیا ہے۔ مولانا عبدالحی صاحب رحمہ اللہ نے ایک رسالہ ''سباحۃ الفکر'' اسی مسئلہ میں تصنیف فرمایا ہے، جس میں تقریباً پچاس (۵۰) حدیثیں ایسی ذکر فرمائی ہیں جن سے جَہْر (پکار کر) ثابت ہوتا ہے؛ البتہ یہ ضروری امر ہے کہ شرائط کے ساتھ اپنی حدود کے اندر رہے، کسی کی اَذِیَّت[4] کا سبب نہ ہو۔

حل لغات: (۱) ناراض۔ (۲) اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والے۔ (۳) دکھلاوا۔ (۴) تکلیف۔

(۱۶) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهٗ : اَلْإِمَامُ الْعَادِلُ ، وَالشَّابُّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ اللهِ ، وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللهِ اِجْتَمَعَا عَلٰى ذٰلِكَ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ اِمْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَّجَمَالٍ فَقَالَ: إِنِّيْ أَخَافُ اللهَ ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ .	حضور ﷺ کاارشاد ہے کہ ساتؔ آدمی ہیں جن کواللہ جلَّ شانہٗ اپنے (رحمت کے) سایہ میں ایسے دن جگہ عطا فرمائے گا جس دن اُس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا: ایک عادل بادشاہ، دوسرے وہ جوان جو جوانی میں اللہ کی عبادت کرتا ہو، تیسرے وہ شخص جس کا دل مسجد میں اَٹک رہا ہو، چوتھے وہ دو شخص جن میں اللہ ہی کے واسطے محبت ہو اُسی پر اُن کا اجتماع[۱] ہو اسی پر جدائی ہو، پانچویں وہ شخص جس کو کوئی حسین شریف عورت اپنی طرف متوجہ کرے اور وہ کہہ دے کہ مجھے اللہ کا ڈر مانع ہے، چھٹے وہ شخص جو ایسے مخفی[۲] طریقہ سے صدقہ کرے کہ دوسرے ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو، ساتویں وہ شخص جو اللہ کا ذکر تنہائی میں کرے اور آنسو بہنے لگیں۔

[رواه البخاري ومسلم وغيرهما كذا في الترغيب والمشكوٰة وفي الجامع الصغير برواية مسلم عن أبي هريرة وأبي سعيد ﷺ معا وذكر عدة طرقه أخرى]

فائدہ: آنسو بہنے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دِیدہ و دانستہ[۳] اپنے معاصی[۴] اور گناہوں کو یاد کرکے رونے لگے اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ غلبۂ شوق میں بے اِختیار آنکھوں سے آنسو نکلنے لگیں۔ بروایت ثابت بُنانیؒ ایک بزرگ کا مقولہ[۵] نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: مجھے معلوم ہوجاتا ہے کہ میری کون سی دعا قبول ہوئی۔ لوگوں نے پوچھا کہ کس طرح معلوم ہوجاتا ہے۔ فرمانے لگے کہ جس دعا میں بدن کے بال کھڑے ہوجاتے ہیں اور دل دھڑکنے لگتا ہے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں وہ دعا قبول ہوتی ہے۔

ان سات آدمیوں میں جن کا ذکر حدیث پاک میں وارد ہوا، ایک وہ شخص بھی ہے جو اللہ کا ذکر تنہائی میں کرے اور رونے لگے۔ اس شخص میں دو خوبیاں جمع ہیں اور دونوں اعلیٰ درجہ کی ہیں: ایک اِخلاص کہ تنہائی میں اللہ کی یاد میں مشغول ہوا، دوسرا اللہ کا خوف یا شوق کہ دونوں میں رونا آتا ہے اور دونوں کمال ہیں۔ ع

ہمارا کام ہے راتوں کو رونا یادِ دِلبر[۶] میں ہماری نیند ہے محوِ[۷] خیالِ یار ہوجانا

حدیث کے الفاظ ہیں: رَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا (ایک وہ آدمی جو اللہ کا ذکر کرے اس حال میں کہ خالی ہو)۔ صُوفیہ نے لکھا ہے کہ خالی ہونے کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ آدمیوں سے خالی ہو، جس کے معنیٰ تنہائی کے ہیں، یہ عام مطلب ہے۔ دوسرے یہ کہ دل اَغیار[۸] سے خالی ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ اصل خَلوت[۹]

حل لغات: (۱) ملنا۔ (۲) چھپا ہوا۔ (۳) جان بوجھ کر۔ (۴) نافرمانیاں۔ (۵) قول، بات۔ (۶) محبوب۔ (۷) مست ہوجانا، مٹ جانا۔ (۸) غیر کی جمع، اجنبی۔ (۹) تنہائی۔

یہی ہے۔ اس لیے اکمل درجہ تو یہ ہے کہ دونوں خَلوتیں حاصل ہوں، لیکن اگر کوئی شخص مَجْمَع میں ہو اور دل غیروں سے بالکل خالی ہو اور ایسے وقت اللہ کے ذکر سے کوئی شخص رونے لگے تو وہ بھی اس میں داخل ہے کہ مجمع کا ہونا نہ ہونا اس کے حق میں برابر ہے۔ جب اس کا دل مجمع تو درکنار غیرُ اللہ کے اِلتفات[1] سے بھی خالی ہے تو اس کو مجمع کیا مُضِر[2] ہوسکتا ہے۔ اللہ کی یاد میں یا اُس کے خوف سے رونا بڑی ہی دولت ہے، خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو حق تعالیٰ شانہٗ مُیَسّر فرماویں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اللہ کے خوف سے روئے وہ اس وقت تک جہنم میں نہیں جاسکتا جب تک کہ دودھ تھنوں میں واپس جائے (اور ظاہر ہے کہ یہ ناممکن ہے، پس ایسے ہی اُس کا جہنم میں جانا بھی ناممکن ہے)۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اللہ کے خوف سے روئے حتیٰ کہ اس کے آنسوؤں میں سے کچھ زمین پر ٹپک جائے تو اُس کو قیامت کے دن عذاب نہیں ہوگا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ دو آنکھوں پر جہنم کی آگ حرام ہے: ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہو اور دوسری وہ جو اسلام کی اور مسلمانوں کی کفار سے حفاظت کرنے میں جاگی ہو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو آنکھ اللہ کے خوف سے روئی ہو اس پر جہنم کی آگ حرام ہے، اور جو آنکھ اللہ کی راہ میں جاگی ہو اس پر بھی حرام ہے، اور جو آنکھ ناجائز چیز (مثلاً نامَحرم وغیرہ) پر پڑنے سے رُک گئی ہو اُس پر بھی حرام ہے، اور جو آنکھ اللہ کی راہ میں ضائع ہوگئی ہو اس پر بھی جہنم کی آگ حرام ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص تنہائی میں اللہ کا ذکر کرنے والا ہو، وہ ایسا ہے جیسے اکیلا کُفّار کے مُقابلہ میں چل دیا ہو۔

(۱۷) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: يُنَادِيْ مُنَادٍ يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ: أَيْنَ أُولُوا الْأَلْبَابِ؟ قَالُوْا: أَيَّ أُوْلِي الْأَلْبَابِ تُرِيْدُ؟ قَالَ: ﴿اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ عُقِدَ لَهُمْ لِوَاءٌ فَاتَّبَعَ الْقَوْمُ لِوَاءَهُمْ وَقَالَ لَهُمْ: اُدْخُلُوْهَا خَالِدِيْنَ.

[أخرجه الأصبهاني في الترغيب كذا في الدر]

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ عقلمند لوگ کہاں ہیں؟ لوگ پوچھیں گے کہ عقلمندوں سے کون مراد ہیں؟ جواب ملے گا: وہ لوگ جو اللہ کا ذکر کرتے تھے کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہوئے (یعنی ہر حال میں اللہ کا ذِکر کرتے رہتے تھے) اور آسمانوں اور زمینوں کے پیدا ہونے میں غور کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یا اللہ! آپ نے یہ سب بے فائدہ تو پیدا کیا ہی نہیں، ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں، آپ ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا لیجیے۔ اس کے بعد ان لوگوں کے لیے ایک جھنڈا بنایا جائے گا، جس کے پیچھے یہ سب جائیں گے اور اُن سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہوجاؤ۔

حل لغات: (۱) خیال۔ (۲) نقصان پہونچانے والا۔

فائدہ: ''آسمانوں اور زمینوں کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں''، یعنی اللہ کی قدرت کے مَظاہر اور اس کی حِکمتوں کے عَجائِب[1] سوچتے ہیں، جس سے اللہ جلَّ جلالہٗ کی مَعرِفت[2] میں قوت پیدا ہوتی ہے۔

الٰہی یہ عالَم ہے گلزار تیرا

ابن ابی الدُّنیاؒ نے ایک مُرسَل روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے جو چپ چاپ بیٹھے تھے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا بات ہے، کس سوچ میں بیٹھے ہو؟ عرض کیا: مخلوقاتِ[3] اِلٰہیَہ کی سوچ میں ہیں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں اللہ کی ذات میں غور نہ کیا کرو (کہ وہ وَراءُ[4] الوَراء ہے) اس کی مخلوقات میں غور کیا کرو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور ﷺ کی کوئی عجیب بات سنا دیجیے۔ فرمایا: حضور ﷺ کی کون سی بات ایسی تھی جو عجیب نہ تھی، ایک مرتبہ رات کو تشریف لائے، میرے بستر پر میرے لِحاف میں لیٹ گئے۔ پھر ارشاد فرمایا: چھوڑ میں تو اپنے رب کی عبادت کروں، یہ فرما کر اُٹھے، وضو فرمایا اور نماز کی نیت باندھ کر رونا شروع کر دیا یہاں تک کہ آنسو سینہ مبارک پر بہتے رہے، پھر اسی طرح رکوع میں روتے رہے، پھر سجدہ میں اسی طرح روتے رہے، ساری رات اسی طرح گذار دی، حتیٰ کہ صبح کی نماز کے واسطے حضرت بلال رضی اللہ عنہ بلانے کے لیے آ گئے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ تو بخشے بخشائے ہیں، پھر آپ اتنا کیوں روئے؟ ارشاد فرمایا: کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟ پھر فرمایا: میں کیوں نہ روتا حالانکہ آج یہ آیتیں نازل ہوئیں (یعنی آیاتِ بالا ﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ﴾ سے ﴿فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾﴾ [سورۂ آل عمران] تک) پھر فرمایا کہ ہلاکت ہے اُس شخص کے لیے جو ان کو پڑھے اور غور فکر نہ کرے۔

عَامِر بن عَبدِقَیسؒ کہتے ہیں کہ میں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے سنا ہے ایک سے دو سے تین سے نہیں (بلکہ ان سے زیادہ سے سنا ہے) کہ ایمان کی روشنی اور ایمان کا نور غور و فکر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی چھت پر لیٹا ہوا آسمان اور ستاروں کو دیکھ رہا تھا، پھر کہنے لگا: خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ تمہارا پیدا کرنے والا بھی کوئی ضرور ہے، اے اللہ! تو میری مغفرت فرما دے؛ نظرِ رحمت اُس کی طرف مُتوَجّہ ہوئی اور اس کی مغفرت ہوگئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک سَاعت[5] کا غور تمام رات کی عبادت سے افضل ہے۔ حضرت ابو درداء اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی نقل کیا گیا کہ ایک ساعت کا غور ان چیزوں میں اسّی (۸۰) سال کی عبادت سے افضل ہے۔ اُمِّ درداء رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ کی افضل ترین عبادت کیا تھی؟ فرمایا: غور و فکر۔ بَروایتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ سے بھی یہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک ساعت کا غور و فکر ساٹھ (۶۰) برس کی

حل لغات: (۱) عجیب کی جمع۔ (۲) پہچان۔ (۳) اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزیں۔ (۴) عقل و گمان سے بہت دور۔ (۵) گھڑی، لمحہ۔

عبادت سے افضل ہے؛ لیکن ان روایتوں کا یہ مطلب نہیں کہ پھر عبادت کی ضرورت نہیں رہتی، ہر عبادت اپنی جگہ جو درجہ رکھتی ہے فرض ہو یا واجب سنت ہو یا مستحب، اس کے چھوڑنے پر اُسی درجہ کی وعید عذاب یا ملامت ہوگی، جس درجہ کی وہ عبادت ہوگی۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ غور وفکر کو افضل عبادات اس لیے کہا گیا کہ اس میں معنیٰ ذکر کے تو موجود ہوتے ہی ہیں، دو چیزوں کا اِضافہ اَور ہوتا ہے: ایک: اللہ کی مَعرِفَت، اس لیے کہ غور وفکر معرفت کی کنجی ہے، دوسری اللہ کی محبت کہ فکر پر یہ مُرتَّب[1] ہوتی ہے۔ یہی غور وفکر ہے جس کو صُوفیہ "مُراقبہ" سے تعبیر[2] فرماتے ہیں، بہت سی روایات سے اس کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ مُسندِ اَبویَعلیٰ میں بروایت حضرت عائشہ ﷞ حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ وہ ذکرِ خَفِی[3] جس کو فرشتے بھی نہ سن سکیں ستّر درجہ دُوچَند[4] ہوتا ہے۔ جب قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہ تمام مخلوق کو حساب کے لیے جمع فرمائیں گے اور کِراماً[5] کاتِبین اعمال نامے لے کر آئیں گے، تو ارشاد ہوگا کہ فلاں بندہ کے اعمال دیکھو کچھ اور باقی ہیں، وہ عرض کریں گے کہ ہم نے کوئی بھی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو لکھی نہ ہو اور محفوظ نہ ہو، تو ارشاد ہوگا کہ ہمارے پاس اس کی ایسی نیکی باقی ہے جو تمھارے علم میں نہیں، وہ ذکرِ خفی ہے۔ بَیْہَقِیؒ نے شُعَب میں حضرت عائشہ ﷞ سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے کہ جس ذکر کو فرشتے بھی نہ سن سکیں وہ اس ذِکر پر جس کو وہ سنیں ستّر درجے بڑھا ہوا ہے۔ یہی مراد ہے اُس شعر سے جس میں کہا گیا ہے۔

مِیانِ عاشق ومعشوق رَمزِے اسْت کِراماً کاتِبین رَا ہَم خَبَر نیست

کہ عاشق ومعشوق میں ایسی رَمز[6] بھی ہوتی ہے جس کی فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو ایک لحظہ[7] بھی غفلت نہیں ہوتی کہ ان کی ظاہری عبادت تو اپنے اپنے اجر وثواب حاصل کریں ہی گی، یہ ہر وقت کا ذکر وفکر پوری زندگی کے اوقات میں ستّر گنا مَزِید[8] براں، یہی چیز ہے جس نے شیطان کو دِق[9] کر رکھا ہے۔

حضرت جُنیدؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ خواب میں شیطان کو بالکل ننگا دیکھا، انھوں نے فرمایا: تجھے شرم نہیں آتی کہ آدمیوں کے سامنے ننگا ہوتا ہے، وہ کہنے لگا کہ یہ کوئی آدمی ہیں؟ آدمی وہ ہیں جو شُونِیزِیَہ کی مسجد میں بیٹھے ہیں جنھوں نے میرے بدن کو دُبلا کر دیا اور میرے جگر کے کباب کر دیے۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں شونیزیہ کی مسجد میں گیا، میں نے دیکھا کہ چند حضرات گھٹنوں پر سر رکھے ہوئے مُراقبہ میں مشغول ہیں، جب انھوں نے مجھے دیکھا تو کہنے لگے کہ خبیث کی باتوں سے کہیں دھوکہ

حل لغات: (۱) تیار ہونا، مکمل ہونا۔ (۲) بیان کرنا، نام دینا۔ (۳) زبان ہلائے بغیر ذکر کرنا۔ (۴) دوہرا ہوتا ہے یعنی ۷۰×۷۰=۴۹۰۰ درجہ ہوتا ہے۔ (۵) بندوں کے اعمال لکھنے والے دو فرشتے۔ (۶) اشارہ۔ (۷) پل، لمحہ۔ (۸) زیادہ، اس کے علاوہ۔ (۹) پریشان۔

میں نہ پڑ جانا۔ مَسُوحیؒ سے بھی اس کے قریب ہی نقل کیا گیا ہے، انھوں نے شیطان کو دیکھا کہ وہ ننگا ہے۔ کہا: تجھے آدمیوں کے درمیان اس طرح چلتے ہوئے شرم نہیں آتی، کہنے لگا: خدا کی قسم! یہ آدمی نہیں، اگر یہ آدمی ہوتے تو میں ان کے ساتھ اس طرح نہ کھیلتا جس طرح لڑکے گیند سے کھیلتے ہیں، آدمی وہ لوگ ہیں جنھوں نے میرے بدن کو بیمار کر دیا اور صُوفیہ کی جماعت کی طرف اشارہ کر دیا۔ ابوسعید خَزَّازؒ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ شیطان نے مجھ پر حملہ کیا، میں لکڑی سے مارنے لگا، اس نے ذرا بھی پرواہ نہ کی، غیب سے ایک آواز آئی کہ یہ اس سے نہیں ڈرتا، یہ دل کے نور سے ڈرتا ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ بہترین ذِکر "ذِکرِ خفی" ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت[1] کا درجہ رکھتا ہو۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھی حضور اقدس ﷺ سے یہی نقل کیا ہے کہ بہترین ذکر ذکرِ خفی ہے؛ اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کا درجہ رکھتا ہو (یعنی نہ کم ہو کہ گذر نہ ہو سکے نہ زیادہ ہو کہ تکبر اور فواحش[2] میں مبتلا کرے)۔ ابن حِبّانؒ اور ابُویعلیٰؒ نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ کو ذِکرِ خامل سے یاد کیا کرو، کسی نے دریافت کیا کہ ذِکرِ خامل کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ مَخفی[3] ذکر۔ ان سب روایات سے ذِکرِ خفی کی اَفضلیت معلوم ہوتی ہے اور ابھی قریب ہی وہ روایت گذر چکی جس میں مجنون کہنے کا ذکر گذرا ہے، دونوں مُستقل چیزیں ہیں جو حالات کے اعتبار سے مختلف ہیں، اس کو شیخ تجویز کرتا ہے کہ کس شخص کے لیے کس وقت کیا مناسب ہے۔

⑱ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ: نَزَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَهُوَ فِيْ بَعْضِ أَبْيَاتِهٖ: ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ﴾ فَخَرَجَ يَلْتَمِسُهُمْ، فَوَجَدَ قَوْمًا يَذْكُرُوْنَ اللهَ. فِيْهِمْ ثَائِرُ الرَّأْسِ وَجَافُّ الْجِلْدِ وَذُو الثَّوْبِ الْوَاحِدِ. فَلَمَّا رَاٰهُمْ جَلَسَ مَعَهُمْ وَقَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِيْ أُمَّتِيْ مَنْ أَمَرَنِيْ أَنْ أَصْبِرَ نَفْسِيْ مَعَهُمْ. [أخرجه ابن جرير والطبراني

حضور اقدس ﷺ دولت کدہ[4] میں تھے کہ آیت: ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ﴾ نازل ہوئی، جس کا ترجمہ یہ ہے: اپنے آپ کو اُن لوگوں کے پاس (بیٹھنے کا) پابند کیجیے جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ اس آیت کے نازل ہونے پر اُن لوگوں کی تلاش میں نکلے، ایک جماعت کو دیکھا کہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہے، بعض لوگ ان میں بِکھرے ہوئے بالوں والے ہیں اور خُشک کھالوں والے اور صرف ایک کپڑے والے ہیں (کہ ننگے بدن ایک لنگی صرف ان کے پاس ہے) جب حضور ﷺ نے ان کو دیکھا تو ان کے پاس بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، جس نے میری اُمت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے کہ خود

حل لغات: ① کافی ہونہ کم ہونہ زیادہ۔ ② گناہ۔ ③ زبان ہلائے بغیر۔ ④ گھر، مکان۔

مجھےان کے پاس بیٹھنے کا حکم ہے۔	وابن مردويه كذا في الدّر]

فائدہ: ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو تلاش فرمایا تو مسجد کے آخری حصہ میں بیٹھے ہوئے پایا کہ اللہ کے ذِکر میں مشغول تھے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، جس نے میری زندگی ہی میں ایسے لوگ پیدا فرمائے کہ مجھے اُن کے پاس بیٹھنے کا حکم ہے، پھر فرمایا: تم ہی لوگوں کے ساتھ زندگی ہے اور تمہارے ہی ساتھ مرنا ہے۔ یعنی مرنے جینے کے ساتھی اور رفیق تم ہی لوگ ہو۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت ذکرُاللہ میں مشغول تھی، حضور ﷺ تشریف لائے تو یہ لوگ چُپ ہوگئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تم کیا کر رہے تھے؟ عرض کیا: ذکرِالٰہی میں مشغول تھے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ رحمتِ الٰہی تم لوگوں پر اُتر رہی ہے تو میرا ابھی دل چاہا کہ آکر تمہارے ساتھ شرکت کروں، پھر ارشاد فرمایا کہ الحمدللہ! اللہ جلَّ شانہٗ نے میری اُمت میں ایسے لوگ پیدا کیے جن کے پاس بیٹھنے کا مجھے حکم ہوا۔ اِبراہیم نَخَعیؒ کہتے ہیں کہ ﴿الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ﴾ سے مراد ذاکِرین کی جماعت ہے۔ ان ہی جیسے احکام سے صُوفیہ نے اِستِنباطؔ[1] کیا ہے کہ مشائخ کو بھی مُرِیدین کے پاس بیٹھنا ضروری ہے کہ اس میں علاوہ فائدہ پہونچانے کے اِختِلاطؔ[2] سے شیخ کے نفس کے لیے بھی مُجاہَدَہ تامّہ[3] ہے کہ غیر مُہذَّب[4] لوگوں کی بَدعُنوانیوں[5] کے تحمّل اور برداشت سے نفس میں اِنقِیاد[6] پیدا ہوگا، اُس کی قوت میں اِنکِسار[7] پیدا ہوگا، اس کے علاوہ قلوب کے اجتماع کو اللہ جلَّ جلالہٗ کی رحمت اور رَافت[8] کے مُتَوجِّہ کرنے میں خاص دخل ہے؛ اسی وجہ سے جماعت کی نماز مَشرُوع ہوئی اور یہی بڑی وجہ ہے کہ عرفات کے میدان میں سب حُجَّاج بَیَک[9] حال ایک میدان میں اللہ کی طرف متوجہ کیے جاتے ہیں، جیسا کہ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ''حُجَّۃُ اللہِ الْبَالِغَہ'' میں متعدد جگہ اس مضمون کو اہتمام سے ارشاد فرمایا ہے۔

یہ سب اس جماعت کے بارے میں ہے جو اللہ کا ذکر کرنے والی ہو کہ احادیث میں کثرت سے اس کی ترغیب آئی ہے، اس کے بِالمُقابِل اگر کوئی شخص غافلین کی جماعت میں پھنس جائے اور اُس وقت اللہ کے ذکر میں مشغول ہو تو اس کے بارے میں بھی احادیث میں کثرت سے فضائل آئے ہیں، ایسے موقع پر آدمی کو اور بھی زیادہ اہتمام اور توجہ سے اللہ کی طرف مشغول رہنا چاہیے تا کہ اُن کی نُحُوست[10] سے محفوظ رہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ غافلین کی جماعت میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے کہ جہاد میں بھاگنے والوں کی جماعت میں سے کوئی شخص جم کر مقابلہ کرے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ غافِلین میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے بھاگنے والوں کی طرف سے کُفّار کا مقابلہ کرے، نیز وہ ایسا ہے جیسے اندھیرے گھر میں چراغ،

حل لغات: ① نتیجہ نکالنا۔ ② میل جول۔ ③ مکمل مجاہدہ۔ ④ بدسلیقہ۔ ⑤ بری عادتیں۔ ⑥ نرمی، فرمانبرداری۔ ⑦ عاجزی۔ ⑧ مہربانی۔ ⑨ ایک ہی حالت۔ ⑩ بدبختی۔

نیز وہ ایسا ہے جیسے پَت جَھڑ والے درختوں میں کوئی شاداب سَرسَبز درخت ہو، ایسے شخص کو حق تعالیٰ شانہٗ اس کا جنت کا گھر پہلے ہی دکھادیں گے اور ہر آدمی اور حیوان کی برابر اس کی مغفرت کی جاوے گی، یہ جب ہے کہ ان مجالس میں اللہ کے ذِکر میں مشغول ہو، ورنہ ایسی مجالس کی شرکت کی مُمانَعَت[1] آئی ہے۔ حدیث میں ہے کہ عَشِیرَہ یعنی یارانہ[2] کی مجالِس سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ عَزِیزِیؒ کہتے ہیں یعنی ایسی مجالس سے جن میں غیر اللہ کا ذکر کثرت سے ہوتا ہو، لَغوِیات[3] اور لَہو ولعِب[4] میں مشغول ہوتی ہو۔ ایک بزرگ کہتے ہیں: میں ایک مرتبہ بازار جارہا تھا، ایک حبشاً باندی میرے ساتھ تھی، میں نے بازار میں اس کو ایک جگہ بٹھا دیا کہ میں واپسی میں اس کو لے لوں گا، وہ وہاں سے چلی آئی، جب میں نے واپسی پر اس کو وہاں نہ دیکھا تو مجھے غصہ آیا، میں گھر واپس آیا تو وہ باندی آئی اور کہنے لگی: میرے آقا! خَفگی[5] میں جلدی نہ کریں، آپ مجھے ایسے لوگوں کے پاس چھوڑ گئے جو اللہ کے ذکر سے غافل تھے، مجھے ڈر ہوا کہ ان پر کوئی عذاب نازل نہ ہو، وہ زمین میں دھنس نہ جائیں اور میں بھی ان کے ساتھ عذاب میں دھنس نہ جاؤں۔

(۱۹) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِيْمَا يَذْكُرُ عَنْ رَبِّهٖ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: اُذْكُرْنِيْ بَعْدَ الْعَصْرِ وَبَعْدَ الْفَجْرِ سَاعَةً أَكْفِكَ فِيْمَا بَيْنَهُمَا.

[أخرجه أحمد كذا في الدر]

حضورِ اقدس ﷺ اللہ جلَّ جلالہٗ کا پاک ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ تو صبح کی نماز کے بعد اور عصر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر مجھے یاد کرلیا کر میں درمیانی حصہ میں تیری کِفایت کروں گا (ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کا ذکر کیا کر، وہ تیری مطلب بَرآرِی[6] میں مُعِین[7] ہوگا)۔

فائدہ: آخرت کے واسطے نہ سہی، دنیا کے واسطے ہم لوگ کیسی کیسی کوشش کرڈالتے ہیں، کیا بگڑ جائے اگر تھوڑی سی دیر صبح اور عصر کے بعد اللہ کا ذکر بھی کرلیا کریں کہ احادیث میں کثرت سے ان دو وقتوں میں اللہ کے ذکر کے فضائل وارد ہوئے اور جب اللہ جلَّ جلالہٗ کفایت کا وعدہ فرماتے ہیں، پھر کسی دوسری چیز کی کیا ضرورت باقی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے: حضورِ اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھوں جو صبح کی نماز کے بعد آفتاب نکلنے تک اللہ کے ذکر میں مشغول ہو، مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ چار عرب غلام آزاد کروں، اسی طرح ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھوں جو عصر کی نماز کے بعد سے غروب تک اللہ کے ذکر میں مشغول رہے، یہ زیادہ پسند ہے چار غلام آزاد کرنے سے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص صبح کی نماز جماعت سے پڑھے پھر آفتاب نکلنے تک اللہ کے ذکر میں مشغول رہے اور پھر دو رکعت نفل پڑھے، اس

حل لغات: (۱) روک۔ (۲) دوستوں کی مجلس۔ (۳) بے کار باتیں۔ (۴) کھیل کود۔ (۵) ناراضگی۔ (۶) ضرورت پوری ہونا۔ (۷) مددگار۔

کو ایسا ثواب ملے گا جیسا کہ حج اور عمرہ پر ملتا ہے اور حج اور عمرہ بھی وہ جو کامل ہو۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں ایک جماعت کے ساتھ صبح کی نماز کے بعد سے آفتاب نکلنے تک ذکر میں مشغول رہوں یہ مجھے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے، اسی طرح عصر کی نماز کے بعد سے غروب تک ایک جماعت کے ساتھ ذکر میں مشغول رہوں یہ مجھے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ پسند ہے۔ ان ہی وجوہ سے صبح کی نماز کے بعد اور عصر کی نماز کے بعد اَوْرَادْ[1] کا معمول ہے۔ اور حضرات صوفیہ کے یہاں تو ان دونوں وقتوں کا خاص اہتمام ہے کہ صبح کی نماز کے بعد عموماً اَشْغَال میں اہتمام فرماتے ہیں اور عصر کے بعد اوراد کا اہتمام کرتے ہیں، بالخصوص فجر کے بعد فُقَہاء بھی اہتمام فرماتے ہیں۔ ''مُدَوَّنَہ'' میں امام مالکؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ فجر کی نماز کے بعد طلوعِ آفتاب تک باتیں کرنا مکروہ ہیں اور حَنَفِیَّہ میں سے صاحبِ ''دُرِّمُخْتَارؒ'' نے بھی اس وقت باتیں کرنا مکروہ لکھا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص صبح کی نماز کے بعد اُسی ہَیْئَت[2] سے بیٹھے ہوئے بولنے سے قبل یہ دعا دس مرتبہ پڑھے: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ ، لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اپنی ذات اور صفات میں اکیلا ہے، کوئی اُس کا شریک نہیں سارا ملک دنیا اور آخرت کا، اسی کا ہے اور جتنی خوبیاں ہیں وہ اُسی پاک ذات کے لیے ہیں، وہی زندہ کرتا ہے، وہی مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں، دس برائیاں معاف فرمائی جائیں اور جنت میں دس درجہ بلند کیے جائیں اور تمام دن شیطان سے اور مکروہات[3] سے محفوظ رہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے: جو صبح اور عصر کے بعد أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ۔ (میں اُسی اللہ سے جو زندہ ہے، ہمیشہ رہنے والا ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اپنے گناہوں کی مغفرت مانگتا ہوں اور اُسی کی طرف رجوع[4] کرتا ہوں، توبہ کرتا ہوں) تین مرتبہ پڑھے، اس کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، خواہ سمندر کے برابر ہوں۔

⑳ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : اَلدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ وَمَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا إِلَّا ذِكْرَ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمًا وَمُتَعَلِّمًا.	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ دنیا ملعون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے سب ملعون (اللہ کی رحمت سے دور ہے) مگر اللہ کا ذکر اور وہ چیز جو اُس کے قریب ہو اور عالم اور طالب علم۔

[رواه الترمذي وابن ماجه والبيهقي. وقال الترمذي: حديث حسن كذا في الترغيب، وذكره في الجامع الصغير برواية ابن ماجه ورقم له بالحسن. وذكره في مجمع الزوائد برواية الطبراني في الأوسط عن ابن مسعود ﷺ، وكذا السيوطي في الجامع الصغير وذكره برواية البزار عن ابن مسعود ﷺ بلفظ: إِلَّا أَمْرًا بِمَعْرُوْفٍ أَوْ نَهْيًا عَنْ مُّنْكَرٍ أَوْ ذِكْرَ اللّٰهِ. رقم له بالصحة]

حل لغات: (۱) وظیفے، پڑھنے کی چیزیں۔ (۲) حالت۔ (۳) ناپسند چیزیں۔ (۴) متوجہ ہونا۔

فائدہ: اس کے قریب ہونے سے مراد ذکر کے قریب ہونا بھی ہوسکتا ہے، اس صورت میں وہ چیزیں مراد ہوں گی جو اللہ کے ذکر میں مُعین و مددگار رہوں، جن میں کھانا پینا بھی بَقدرِ ضرورت داخل ہے اور زندگی کے اسبابِ ضروریہ بھی اس میں داخل ہیں اور اس صورت میں اللہ کا ذکر ہر چیز کو جو عبادت کی قَبِیل[1] سے ہو، شامل ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُس کے قریب ہونے سے اللہ کا قُرب مراد ہو تو اس صورت میں ساری عبادتیں اس میں داخل ہوں گی اور اللہ کے ذکر سے مخصوص ذکر مراد ہوگا اور دونوں صورتوں میں علم ان میں خود داخل ہوگیا تھا۔ پہلی صورت میں اس وجہ سے کہ علم ہی اللہ کے ذکر کے قریب لے جاتا ہے کہ ''بے علم نَتَواں خُدا را شَناخت'' (بغیر علم کے اللہ کو پہچان نہیں سکتا) اور دوسری صورت میں اس وجہ سے کہ علم سے بڑھ کر کون عبادت ہوگی؛ لیکن اس کے باوجود پھر عالم اور طالب علم کو علیٰحدہ اہتمام کی وجہ سے فرمایا کہ علم بہت ہی بڑی دولت ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ علم کا صرف اللہ کے لیے سیکھنا اللہ کے خوف کے حکم میں ہے اور اس کی طلب (یعنی تلاش کے لیے کہیں جانا) عبادت ہے اور اُس کا یاد کرنا تسبیح ہے اور اس کی تحقیقات میں بحث کرنا جہاد ہے اور اُس کا پڑھنا صدقہ ہے اور اُس کا اہل پر خرچ کرنا اللہ کے یہاں قُربت[2] ہے، اس لیے کہ علم جائز ناجائز کے پہچاننے کے لیے علامت ہے اور جنت کے راستوں کا نشان ہے، وَحشت[3] میں جی بہلانے والا ہے اور سفر کا ساتھی ہے (کہ کتاب کا دیکھنا دونوں کام دیتا ہے اسی طرح) تنہائی میں ایک مُحدِّث[4] ہے، خوشی اور رنج میں دلیل ہے، دشمنوں پر ہتھیار ہے دوستوں کے لیے، حق تعالیٰ شانہٗ اُس کی وجہ سے ایک جماعت (علماء) کو بلند مرتبہ کرتا ہے کہ وہ خیر کی طرف بلانے والے ہوتے ہیں اور ایسے امام ہوتے ہیں کہ اُن کے نشانِ قدم پر چلا جائے اور ان کے اَفعال[5] کا اتباع کیا جائے، ان کی رائے کی طرف رجوع کیا جائے، فرشتے اُن سے دوستی کرنے کی رغبت کرتے ہیں، اپنے پَروں کو (برکت حاصل کرنے کے لیے یا محبت کے طور پر) ان پر ملتے ہیں اور ہر تَر[6] اور خشک[7] چیز دنیا کی اُن کے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا کرتی ہے، حتیٰ کہ سمندر کی مچھلیاں اور جنگل کے درندے اور چوپائے اور زہریلے جانور (سانپ وغیرہ) تک بھی دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں اور یہ سب اس لیے کہ علم دِلوں کی روشنی ہے، آنکھوں کا نور ہے، علم کی وجہ سے بندہ اُمت کے بہترین افراد تک پہونچ جاتا ہے، دنیا اور آخرت کے بلند مرتبوں کو حاصل کرلیتا ہے، اُس کا مُطالَعہ[8] روزوں کے برابر ہے، اس کا یاد کرنا تہجد کے برابر ہے، اُسی سے رشتے جوڑے جاتے ہیں اور اسی سے حلال و حرام کی پہچان ہوتی ہے۔ وہ عمل کا اِمام ہے اور عمل اس کا تابع ہے، سعید[9]

حل لغات: (۱) قسم۔ (۲) نزدیکی۔ (۳) اُداسی، گھبراہٹ۔ (۴) بات کرنے والا۔ (۵) کاموں۔ (۶) گیلی۔ (۷) سوکھی۔ (۸) کتاب پڑھنا۔ (۹) خوش نصیب۔

لوگوں کو اس کا اِلہام[1] کیا جاتا ہے اور بَدْ بَخت اس سے محروم رہتے ہیں۔ اس حدیث پر مجموعی طور سے بعض نے کلام کیا ہے؛ لیکن جس قسم کے فضائل اس میں ذکر کیے گئے ہیں ان کی تائید دوسری روایات سے بھی ہوتی ہے۔ نیز ان کے علاوہ اور بہت سے فضائل حدیث کی کتابوں میں بکثرت آئے ہیں، اس وجہ سے عالم اور طالبِ علم کو خاص طور سے حدیث بالا میں ذکر فرمایا ہے۔

حافظ ابن قیمؒ ایک مشہور مُحدِّث ہیں، انھوں نے ایک مبسُوط[2] رسالہ عربی میں ''اَلْوَابِلُ الصَّیِّبُ'' کے نام سے ذکر کے فضائل میں تصنیف کیا ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ذکر میں سَوْ[100] سے بھی زیادہ فائدے ہیں ان میں سے نمبروار اُناسی[79] فائدے انھوں نے ذکر فرمائے ہیں، جن کو مختصراً اس جگہ ترتیب وار نقل کیا جاتا ہے اور چونکہ بہت سے فوائد ان میں ایسے ہیں جو کئی کئی فائدوں کو شامل ہیں، اس لحاظ سے یہ سَوْ[100] سے زیادہ کو مُشتمِل[3] ہیں:

(۱) ذکر شیطان کو دفع[4] کرتا ہے اور اس کی قوت کو توڑتا ہے۔ (۲) اللہ جلَّ جلالُہٗ کی خوشنودی کا سبب ہے۔ (۳) دل سے فکر و غم کو دور کرتا ہے۔ (۴) دل میں فَرحت[5]، سُرور اور اِنبِساط[6] پیدا کرتا ہے۔ (۵) بدن کو اور دل کو قوت بخشتا ہے۔ (۶) چہرہ اور دل کو مُنوَّر کرتا ہے۔ (۷) رزق کو کھینچتا ہے۔ (۸) ذکر کرنے والے کو ہَیبت اور حلاوت کا لباس پہناتا ہے، یعنی اُس کے دیکھنے سے رُعب پڑتا ہے اور دیکھنے والوں کو حلاوت نصیب ہوتی ہے۔ (۹) اللہ تعالیٰ شانہٗ کی محبت پیدا کرتا ہے اور محبت ہی اسلام کی روح اور دین کا مرکز ہے اور سعادَت[7] اور نجات کا مدار[8] ہے۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ کی محبت تک اس کی رَسائی[9] ہو، اس کو چاہیے کہ اس کے ذکر کی کثرت کرے، جیسا کہ پڑھنا اور تکرار[10] کرنا علم کا دروازہ ہے، اسی طرح اللہ کا ذکر اس کی محبت کا دروازہ ہے۔ (۱۰) ذکر سے مُراقبہ نصیب ہوتا ہے، جو مرتبۂ احسان تک پہونچا دیتا ہے، یہی مرتبہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسی نصیب ہوتی ہے، گویا اللہ جلَّ شانہٗ کو دیکھ رہا ہے (یہی مرتبہ صوفیہ کا مُنتہائے[11] مقصد ہوتا ہے)۔ (۱۱) اللہ کی طرف رجوع پیدا کرتا ہے جس سے رَفتہ رَفتہ[12] یہ نوبت آجاتی ہے کہ ہر چیز میں حق تعالیٰ شانہٗ اس کی جائے پناہ[13] اور مَاویٰ و مَلجا[14] بن جاتے ہیں اور ہر مصیبت میں اسی کی طرف توجہ ہو جاتی ہے۔ (۱۲) اللہ کا قُرب پیدا کرتا ہے اور جتنا ذکر میں اضافہ ہوتا ہے اتنا ہی قرب میں اضافہ ہوتا ہے اور جتنی ذکر سے غفلت ہوتی ہے اُتنی ہی اللہ سے دوری ہوتی ہے۔ (۱۳) اللہ کی مَعرِفت کا دروازہ کھولتا ہے۔ (۱۴) اللہ جلَّ شانہٗ کی ہیبت[15] اور اُس کی بڑائی دل میں پیدا کرتا ہے اور اللہ کے ساتھ حُضوری[16] پیدا کرتا ہے۔ (۱۵) اللہ جلَّ شانہٗ کی بارگاہ میں ذکر کا سبب ہے، چنانچہ کلام پاک میں ارشاد ہے:

حل لغات: (۱) دل میں بات ڈالنا۔ (۲) ضخیم، بہت بڑا۔ (۳) شامل۔ (۴) دور۔ (۵) خوشی۔ (۶) خوشی۔ (۷) خوش قسمتی۔ (۸) بنیاد۔ (۹) پہونچ۔ (۱۰) بار بار دہرانا۔ (۱۱) آخری مقصد۔ (۱۲) دھیرے دھیرے۔ (۱۳) محفوظ رہنے کی جگہ۔ (۱۴) ٹھکانہ۔ (۱۵) رعب، دبدبہ۔ (۱۶) نزدیکی۔

﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ [سورۂ بقرہ:۱۵۲]اور حدیث میں وارد ہے: مَنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ۔ الحدیث چنانچہ آیات اور احادیث کے بیان میں پہلے مُفَصَّل گذر چکا ہے۔ اگر ذکر میں اس کے سوا اور کوئی بھی فضیلت نہ ہوتی تب بھی شرافت اور کرامت کے اعتبار سے یہی ایک فضیلت کافی تھی، چہ جائیکہ[1] اس میں اور بھی بہت سی فضیلتیں ہیں۔ (۱۶) دل کو زندہ کرتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ اللہ کا ذکر دل کے لیے ایسا ہے جیسا مچھلی کے لیے پانی، خود غور کرلو کہ بغیر پانی کے مچھلی کا کیا حال ہوتا ہے۔ (۱۷) دل اور روح کی روزی ہے، اگر ان دونوں کو اپنی روزی نہ ملے تو ایسا ہے جیسا بدن کو اس کی روزی (یعنی کھانا) نہ ملے۔ (۱۸) دل کو زنگ سے صاف کرتا ہے جیسا کہ حدیث میں بھی وارد ہوا ہے۔ ہر چیز پر اُس کے مناسب زنگ اور میل کُچیل ہوتا ہے، دل کا میل اور زنگ خواہشات اور غفلت ہیں، یہ اس کے لیے صفائی کا کام دیتا ہے۔ (۱۹) لَغزِشوں[2] اور خطاؤں کو دور کرتا ہے۔ (۲۰) بندہ کو اللہ جلَّ شانہٗ سے جو وحشت ہوجاتی ہے اس کو دور کرتا ہے کہ غافل کے دل پر اللہ کی طرف سے ایک وحشت رہتی ہے جو ذکر ہی سے دور ہوتی ہے۔ (۲۱) جو اَذکار[3] بندہ کرتا ہے وہ عرش کے چاروں طرف بندہ کا ذِکر کرتے رہتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے (باب نمبر۳ رفصل نمبر۲ رحدیث نمبر۱۷)۔ (۲۲) جو شخص راحت میں اللہ جلَّ شانہٗ کا ذکر کرتا ہے، اللہ جلَّ جلالہٗ مصیبت کے وقت اس کو یاد کرتا ہے۔ (۲۳) اللہ کے عذاب سے نجات کا ذریعہ ہے۔ (۲۴) سکینہ اور رحمت کے اترنے کا سبب ہے اور فرشتے ذکر کرنے والے کو گھیر لیتے ہیں (سکینہ کے معنیٰ باب ہٰذا کی فصل نمبر۲ رحدیث نمبر۸ رمیں گذر چکے ہیں)۔ (۲۵) اس کی برکت سے زبان غیبت، چغل خوری، جھوٹ، بدگوئی[4]، لَغوگوئی[5] سے محفوظ رہتی ہے؛ چنانچہ تجربہ اور مُشاہَدہ سے ثابت ہے کہ جس شخص کی زبان اللہ کے ذکر کی عادی ہوجاتی ہے وہ ان اَشیاء[6] سے عموماً محفوظ رہتا ہے اور جس کی زبان عادی نہیں ہوتی ہر نَوع[7] کی لَغوِیات میں مبتلا رہتا ہے۔ (۲۶) ذکر کی مجلسیں فرشتوں کی مجلسیں ہیں اور لغویات اور غفلت کی مجلسیں شیطان کی مجلسیں ہیں، اب آدمی کو اختیار ہے جس قسم کی مجلسوں کو چاہے پسند کرلے اور ہر شخص اُسی کو پسند کرتا ہے جس سے مناسبت رکھتا ہے۔ (۲۷) ذکر کی وجہ سے ذکر کرنے والا بھی سَعید (نیک بخت) ہوتا ہے اور اس کے آس پاس بیٹھنے والا بھی، اور غفلت یا لَغوِیات[8] میں مبتلا ہونے والا خود بھی بد بخت ہوتا ہے اور اس کے پاس بیٹھنے والا بھی۔ (۲۸) قیامت کے دن حَسرَت[9] سے محفوظ رکھتا ہے، اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ ہر وہ مجلس جس میں اللہ کا ذکر نہ ہو، قیامت کے دن حسرت اور نقصان کا سبب ہے۔ (۲۹) ذکر کے ساتھ اگر تنہائی کا رونا بھی نصیب ہوجائے تو قیامت کے دن کی تَپِش[10]

حل لغات: (۱) اگرچہ۔ (۲) غلطیوں۔ (۳) ذکر کی جمع۔ (۴) بے ہودہ باتیں۔ (۵) بیکار باتیں۔ (۶) چیزیں۔ (۷) قسم، طرح۔ (۸) بیکار باتیں۔ (۹) افسوس۔ (۱۰) سورج کی گرمی۔

اور گرمی میں، جب کہ ہر شخص میدانِ حشر میں بِلبلا[1] رہا ہوگا، یہ عرش کے سایہ میں ہوگا۔ (۳۰) ذکر میں مشغول رہنے والوں کو ان سب چیزوں سے زیادہ ملتا ہے جو دعائیں مانگنے والوں کو ملتی ہیں، حدیث میں اللہ جلَّ شانہٗ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جس شخص کو میرے ذکر نے دعا سے روک دیا، اس کو میں دعائیں مانگنے والوں سے افضل عطا کروں گا۔ (۳۱) باوجود سہل[2] ترین عبادت ہونے کے تمام عبادتوں سے افضل ہے، اس لیے کہ زبان کو حرکت دینا بدن کے اور تمام اعضا کو حرکت دینے سے سہل ہے۔ (۳۲) اللہ کا ذکر جنت کے پودے ہیں (چنانچہ باب نمبر۳ رفصل نمبر۲ رحدیث نمبر۴ رمیں مفصّل آرہا ہے)۔ (۳۳) جس قدر بخشش اور انعام کا وعدہ اس پر ہے، اتنا کسی اور عمل پر نہیں ہے؛ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص لَآ[3] إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ، لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ سو۱۰۰ مرتبہ کسی دن پڑھے تو اس کے لیے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ہوتا ہے اور سو۱۰۰ نیکیاں اس کے لیے لکھی جاتی ہیں اور سو۱۰۰ برائیاں اُس سے معاف کر دی جاتی ہیں اور شام تک شیطان سے محفوظ رہتا ہے اور دوسرا کوئی شخص اُس سے افضل نہیں ہوتا؛ مگر وہ شخص کہ اس سے زیادہ عمل کرے۔ اسی طرح اور بہت سی احادیث ہیں جن سے ذکر کا افضل اعمال ہونا معلوم ہوتا ہے (اور بہت سی اُن میں سے اس رسالہ میں مذکور ہیں)۔

(۳۴) دوامِ[4] ذکر کی بدولت اپنے نفس کو بھولنے سے اَمن نصیب ہوتا ہے، جو سبب ہے دارَین[5] کی شقاوت[6] کا؛ اس لیے کہ اللہ کی یاد کو بھلا دینا سبب ہوتا ہے خود اپنے نفس کے بھلا دینے کا اور اپنے تمام مَصالح[7] کے بھلا دینے کا۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۱۹﴾ [سورۂ حشر] (تم ان لوگوں کی طرح نہ بنو، جنھوں نے اللہ سے بے پروائی کی، پس اللہ نے اُن کو اپنی جانوں سے بے پروا کر دیا، یعنی ان کی عقل ایسی ماری گئی کہ اپنے حقیقی نفع کو نہ سمجھا) اور جب آدمی اپنے نفس کو بھلا دیتا ہے تو اس کی مَصالح سے غافل ہو جاتا ہے اور یہ سبب ہلاکت کا بن جاتا ہے۔ جیسا کہ کسی شخص کی کھیتی ہو یا باغ ہو اور اس کو بھول جائے اس کی خبر گیری[8] نہ کرے، تو لامحالہ[9] وہ ضائع ہوگا اور اس سے اَمن جب ہی مل سکتا ہے جب اللہ کے ذکر سے زبان کو ہر وقت تر و تازہ رکھے اور ذکر اس کو ایسا محبوب ہو جائے جیسا کہ پیاس کی شدت کے وقت پانی اور بھوک کے وقت کھانا اور سخت گرمی اور سخت سردی کے وقت مکان اور لباس؛ بلکہ اللہ کا ذکر اس سے زیادہ مستحق ہے، اس لیے کہ ان اشیاء کے نہ ہونے سے بدن کی ہلاکت ہے، جو روح کی اور دل کی ہلاکت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ (۳۵) ذکر آدمی کی

حل لغات: (۱) بے قرار ہونا۔ (۲) بہت آسان۔ (۳) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اپنی ذات اور صفات میں اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، سارا ملک دنیا اور آخرت کا اسی کا ہے، اور جتنی خوبیاں ہیں اسی پاک ذات کے لیے ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۴) ذکر کی پابندی۔ (۵) دنیا اور آخرت۔ (۶) بدبختی۔ (۷) مصلحت کی جمع، بھلائیاں۔ (۸) دیکھ بھال۔ (۹) یقیناً، ضرور۔

ترقی کرتا رہتا ہے، بستر ہ پر بھی اور بازار میں بھی، صحت میں بھی، اور بیماری میں بھی نعمتوں اور لذتوں کے ساتھ مشغولی میں بھی اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ہر وقت ترقی کا سبب بنتی ہو؛ حتیٰ کہ جس کا دل نورِ ذکر سے مُنَوَّر ہو جاتا ہے، وہ سوتا ہوا بھی غافل شب بیداروں[1] سے بڑھ جاتا ہے۔ (۳۶) ذِکر کا نور دنیا میں بھی ساتھ رہتا ہے اور قبر میں بھی ساتھ رہتا ہے اور آخرت میں پُلصراط پر آگے آگے چلتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے ﴿ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ﴾[سورہ انعام: ۱۲۲] (ایسا شخص جو پہلے مردہ یعنی گمراہ تھا پھر ہم نے اُس کو زندہ یعنی مسلمان بنا دیا اور اس کو ایسا نور دے دیا کہ وہ اُس نور کو لیے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے، یعنی وہ نور ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے، کیا ایسا شخص بدحالی میں اُس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو گمراہیوں کی تاریکیوں میں گھرا ہو، کہ ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا) پس اوّل شخص مومن ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی محبت اور اس کی معرفت اور اس کے ذکر سے منور ہے اور دوسرا شخص ان چیزوں سے خالی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نور نہایت مُہتم بالشّان[2] چیز ہے اور اسی میں پوری کامیابی ہے؛ اسی لیے نبی اکرم ﷺ اس کی طلب اور دعا میں مُبالغہ[3] فرمایا کرتے تھے اور اپنے ہر ہر جزو[4] میں نور کو طلب فرماتے تھے؛ چنانچہ احادیث میں متعدّد دعائیں ایسی ہیں جن میں حضور اقدس ﷺ نے اس کی دعا فرمائی ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ آپ کے گوشت میں، ہڈیوں میں، پٹھوں میں، بال میں، کھال میں، کان میں، آنکھ میں، اوپر نیچے، دائیں بائیں، آگے پیچھے نور ہی نور کر دے؛ حتیٰ کہ یہ بھی دعا کی کہ خود مجھی کو سرتاپا[5] نور بنا دے کہ آپ ﷺ کی ذات ہی نور بن جائے۔ اسی نور کی بقدر اعمال میں نور ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض لوگوں کے نیک عمل ایسی حالت میں آسمان پر جاتے ہیں کہ اُن پر آفتاب جیسا نور ہوتا ہے اور ایسا ہی نور اُن کے چہروں پر قیامت کے دن ہوگا۔ (۳۷) ذکر تَصَوُّف[6] کا اصلِ اُصُول[7] ہے اور تمام صُوفیہ کے سب طریقوں میں رائج[8] ہے۔ جس شخص کے لیے ذکر کا دروازہ کُھل گیا ہے اس کے لیے اللہ جلَّ شانہٗ تک پہونچنے کا دروازہ کُھل گیا اور جو اللہ جلَّ شانہٗ تک پہونچ گیا وہ جو چاہتا ہے پاتا ہے کہ اللہ جلَّ شانہٗ کے پاس کسی چیز کی بھی کمی نہیں ہے۔ (۳۸) آدمی کے دل میں ایک گوشہ[9] ہے جو اللہ کے ذکر کے علاوہ کسی چیز سے بھی پُر[10] نہیں ہوتا اور جب ذکر دِل پر مُسلّط ہو جاتا ہے تو وہ نہ صِرف اس گوشہ کو پُر کرتا ہے؛ بلکہ ذکر کرنے والے کو بغیر مال کے غنی[11] کر دیتا ہے اور بغیر کُنبہ[12] اور جماعت کے، لوگوں کے دلوں میں عزت والا بنا دیتا ہے اور بغیر سلطنت[13] کے بادشاہ بنا دیتا ہے اور جو شخص ذِکر سے غَافِل ہوتا ہے وہ باوجود مال و دولت، کنبہ اور حکومت کے ذلیل ہوتا ہے۔ (۳۹) ذِکر پراگندہ[14] کو مُجتمِع[15]

حل لغات: (۱) عبادت میں رات کو جاگنے والے۔ (۲) بہت اہم۔ (۳) یعنی بہت زیادہ کوشش کرنا۔ (۴) حصہ۔ (۵) سر سے پیر تک۔ (۶) دل سے خواہشوں کو دور کر کے اللہ سے دھیان لگانا۔ (۷) یعنی اہم بنیاد۔ (۸) جاری۔ (۹) کنارہ۔ (۱۰) بھرنا۔ (۱۱) مالدار۔ (۱۲) خاندان۔ (۱۳) حکومت۔ (۱۴) بکھرا ہوا۔ (۱۵) اِکٹھا۔

کرتا ہے اور مُجْتَمِع کو پَرا گَنْدہ کرتا ہے، دور کو قریب کرتا ہے اور قریب کو دور کرتا ہے۔ پراگندہ کو مجتمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے دل پر جو مُتفرِّق[1] ہُمُوم[2]، غُمُوم[3] تفکّرات[4]، پریشانیاں ہوتی ہیں، ان کو دور کرکے جَمعیّتِ[5] خاطِر پیدا کرتا ہے اور مجتمع کو پراگندہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی پر جو تفکّرات مجتمع ہیں اُن کو متفرّق کردیتا ہے، اور آدمی کی جو لغزشیں اور گناہ جمع ہوگئے ہیں ان کو پراگندہ کردیتا ہے، اور جو شیطان کے لشکر آدمی پر مُسلَّط ہیں ان کو پراگندہ کردیتا ہے، اور آخرت کو جو دور ہے قریب کردیتا ہے، اور دنیا کو جو قریب ہے دور کردیتا ہے۔ (۴۰) ذکر آدمی کے دل کو نیند سے جگاتا ہے غفلت سے چَوکنّا کرتا ہے اور دل جب تک سوتا رہتا ہے اپنے سارے ہی مَنافع کھوتا رہتا ہے۔ (۴۱) ذکر ایک درخت ہے جس پر مَعارِف[6] کے پھل لگتے ہیں صُوفیہ کی اصطلاح میں اَحوال اور مَقامات کے پھل لگتے ہیں۔ اور جتنی بھی ذکر کی کثرت ہوگی اتنی ہی اس درخت کی جڑ مضبوط ہوگی اور جتنی جڑ مضبوط ہوگی اتنے ہی زیادہ پھل اُس پر آئیں گے۔ (۴۲) ذکر اس پاک ذات کے قریب کردیتا ہے جس کا ذکر کررہا ہے، حتی کہ اُس کے ساتھ معیّت[7] نصیب ہوجاتی ہے؛ چنانچہ قرآن پاک میں ہے ﴿إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾ [سورۂ نحل:۱۲۸] (اللہ جلَّ شانُہٗ مُتَّقِیوں کے ساتھ ہے) اور حدیث میں وارد ہے أَنَا مَعَ عَبْدِيْ مَاذَكَرَنِيْ (میں اپنے بندے کے ساتھ رہتا ہوں جب تک وہ میرا ذکر کرتا رہے۔) ایک حدیث میں ہے کہ میرا ذکر کرنے والے میرے آدمی ہیں، میں ان کو اپنی رحمت سے دور نہیں کرتا، اگر وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہیں تو میں اُن کا حبیب[8] ہوں اور اگر وہ توبہ نہ کریں تو میں اُن کا طبیب[9] ہوں کہ اُن کو پریشانیوں میں مبتلا کرتا ہوں تاکہ اُن کو گناہوں سے پاک کروں، نیز ذکر کی وجہ سے جو اللہ جلَّ شانُہٗ کی مَعیّت نصیب ہوتی ہے وہ ایسی مَعیّت ہے جس کی برابر کوئی دوسری مَعیّت نہیں ہے، نہ وہ زبان سے تعبیر[10] ہوسکتی ہے، نہ تحریر میں آسکتی ہے اس کی لذّت وہی جان سکتا ہے جس کو یہ نصیب ہوجاتی ہے (اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ[11] مِنْهُ شَيْئًا). (۴۳) ذکر غلاموں کے آزاد کرنے کے برابر ہے، مالوں کے خرچ کرنے کے برابر ہے، اللہ کے راستے میں جہاد کے برابر ہے، (بہت سی روایات میں اس قسم کے مضامین گذر بھی چکے ہیں اور آئندہ بھی آنے والے ہیں)۔ (۴۴) ذکر، شکر کی جڑ ہے، جو اللہ کا ذِکر نہیں کرتا وہ شکر بھی ادا نہیں کرتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اللہ جلَّ جلالہٗ سے عرض کیا: آپ نے مجھ پر بہت احسانات کیے ہیں، مجھے طریقہ بتادیجیے کہ میں آپ کا بہت شکر ادا کروں۔ اللہ جلَّ جلالہٗ نے ارشاد فرمایا کہ جتنا بھی تم میرا ذکر کروگے اُتنا ہی شکر ادا ہوگا۔ دوسری حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ درخواست ذکر کی گئی ہے کہ یا اللہ! تیری شان

حل لغات: (۱) الگ الگ۔ (۲) رنج، غم۔ (۳) دکھ، صدمہ۔ (۴) فکریں۔ (۵) دل کا اطمینان (۶) معرفت کی جمع، اللہ کی پہچان۔ (۷) ساتھ، نزدیکی۔ (۸) محبت کرنے والا، محبوب۔ (۹) ڈاکٹر۔ (۱۰) بیان۔ (۱۱) اے اللہ مجھے بھی اس میں سے کچھ حصہ عطا فرما۔

کے مُناسِب شکر کس طرح ادا ہو؟ اللہ جلّ جلالہٗ نے فرمایا کہ تمہاری زبان ہر وقت ذکر کے ساتھ تر وتازہ رہے۔ (۴۵) اللہ کے نزدیک پرہیزگار لوگوں میں زیادہ مُعزَّز[1] وہ لوگ ہیں جو ذِکر میں ہر وقت مشغول رہتے ہوں، اس لیے کہ تقویٰ کا مُنتہا[2] جنت ہے اور ذِکر کا مُنتہا اللہ کی مَعیّت ہے۔ (۴۶) دِل میں ایک خاص قسم کی قَسوَت (سختی) ہے، جو ذکر کے علاوہ کسی چیز سے بھی نرم نہیں ہوتی۔ (۴۷) ذِکر، دل کی بیماریوں کا علاج ہے۔ (۴۸) ذِکر، اللہ کے ساتھ دوستی کی جڑ ہے اور ذِکر سے غفلت اس کے ساتھ دشمنی کی جڑ ہے۔ (۴۹) اللہ کے ذکر کے برابر کوئی چیز نعمتوں کی کھینچنے والی اور اللہ کے عذاب کو ہٹانے والی نہیں ہے۔ (۵۰) ذکر کرنے والے پر اللہ کی صلوٰۃ (رحمت) اور فرشتوں کی صلوٰۃ (دعا) ہوتی ہے۔ (۵۱) جو شخص یہ چاہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی جنت کے باغوں میں رہے، وہ ذِکر کی مجالس میں بیٹھے، کیونکہ یہ مجالس جنت کے باغ ہیں۔ (۵۲) ذکر کی مجلسیں فرشتوں کی مجلسیں ہیں (احادیث مذکورہ میں یہ مضمون مُفصَّل گذر چکا ہے)۔ (۵۳) اللہ جلّ شانہٗ ذکر کرنے والوں پر فرشتوں کے سامنے فخر کرتے ہیں۔ (۵۴) ذکر پر مُداومت[3] کرنے والا جنت میں ہنستا ہوا داخل ہوتا ہے۔ (۵۵) تمام اعمال اللہ کے ذکر ہی کے واسطے مقرر کیے گئے ہیں۔ (۵۶) تمام اعمال میں وہی عمل افضل ہے جس میں ذکر کثرت سے کیا جائے، روزوں میں وہ روزہ افضل ہے جس میں ذکر کی کثرت ہو، حج میں وہ حج افضل ہے جس میں ذکر کی کثرت ہو، اسی طرح اور اعمال: جہاد وغیرہ کا حکم ہے۔ (۵۷) یہ نوافل اور دوسری نفل عبادات کے قائم مَقام[4] ہے، چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ فقراء نے حضور ﷺ سے شکایت کی کہ یہ مالدار لوگ بڑے بڑے درجے حاصل کرتے ہیں، یہ روزے نماز میں ہمارے شریک ہیں اور اپنے مالوں کی وجہ سے حج، عمرہ، جہاد میں ہم سے سَبقت[5] لے جاتے ہیں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں ایسی چیز بتاؤں جس سے کوئی شخص تم تک نہ پہونچ سکے گا، مگر وہ شخص جو یہ عمل کرے، اس کے بعد حضور ﷺ نے ہر نماز کے بعد سُبْحَانَ اللهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ پڑھنے کو فرمایا (جیسا کہ باب نمبر ۳ / فصل نمبر ۲ / حدیث نمبر ۷ / میں آرہا ہے) کہ حضور ﷺ نے حج، عمرہ، جہاد وغیرہ ہر عبادت کا بَدَل[6] ذکر کو قرار دیا ہے۔ (۵۸) ذکر، دوسری عبادات کے لیے بڑا مُعین ومددگار ہے کہ اس کی کثرت سے ہر عبادت محبوب بن جاتی ہے اور عبادات میں لذت آنے لگتی ہے اور کسی عبادت میں بھی مشقت اور بار[7] نہیں رہتا۔ (۵۹) ذکر کی وجہ سے ہر مشقت آسان بن جاتی ہے اور ہر دشوار چیز سَہل[8] ہو جاتی ہے اور ہر قسم کے بوجھ میں خِفّت[9] ہو جاتی ہے اور ہر مُصیبت زائل[10] ہو جاتی ہے۔ (۶۰) ذکر کی وجہ سے دل سے خوف[11] و ہراس دور ہو جاتا ہے، ڈر کے مقام پر اطمینان پیدا کرنے اور خوف کے زائل کرنے میں اللہ کے ذکر کو خصوصی دخل ہے اور اس کی یہ خاص

حل لغات: (۱) عزت والے۔ (۲) آخری درجہ۔ (۳) پابندی۔ (۴) یعنی برابر۔ (۵) آگے بڑھنا۔ (۶) نائب، برابر۔ (۷) بوجھ۔ (۸) آسان۔ (۹) ہلکا پن۔ (۱۰) ختم۔ (۱۱) خوف، ڈر۔

تاثیر ہے، جتنی بھی ذکر کی کثرت ہوگی اتنا ہی اطمینان نصیب ہوگا اور خوف زائل ہوگا۔ (۶۱) ذکر کی وجہ سے آدمی میں ایک خاص قوّت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے ایسے کام اُس سے صادِر ہونے لگتے ہیں جو دُشوار نظر آتے ہیں۔ حضورِ اقدس ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جب انھوں نے چکّی کی مَشقّت اور کاروبار کی دشواری کی وجہ سے ایک خادم طلب کیا تھا، تو سوتے وقت سُبْحَانَ اللهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۳۳، ۳۳/مرتبہ اور اَللّٰهُ أَكْبَرُ ۳۴/مرتبہ پڑھنے کا حکم فرمایا تھا اور یہ ارشاد فرمایا تھا کہ یہ خادم سے بہتر ہے۔

(۶۲) آخرت کے لیے کام کرنے والے سب دوڑ رہے ہیں اور اس دوڑ میں ذاکرین کی جماعت سب سے آگے ہے۔ عُمَر مَولیٰ غَفرَۃ سے نقل کیا گیا ہے کہ قیامت میں جب لوگوں کو اعمال کا ثواب ملے گا تو بہت سے لوگ اُس وقت حسرت[1] کریں گے کہ ہم نے ذکر کا اہتمام کیوں نہ کیا کہ سب سے زیادہ سہل عمل تھا۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ مُفرِّد لوگ آگے بڑھ گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ مفرد لوگ کون ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذکر پر مَر مِٹنے والے کہ ذکر اُن کے بوجھوں کو ہلکا کر دیتا ہے۔

(۶۳) ذکر کرنے والے کی اللہ تعالیٰ شانہٗ تصدیق[2] کرتے ہیں اور اس کو سچا بتاتے ہیں اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ خود سچا بتائیں اس کا حشر جھوٹوں کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ کہتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں: میرے بندہ نے سچ کہا، میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں سب سے بڑا ہوں۔ (۶۴) ذکر سے جنت میں گھر تعمیر ہوتے ہیں، جب بندہ ذکر سے رک جاتا ہے تو فرشتے تعمیر سے رک جاتے ہیں، جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ فلاں تعمیر تم نے کیوں روک دی؟ تو وہ کہتے ہیں کہ اس تعمیر کا خرچ ابھی تک نہیں آیا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ سات مرتبہ پڑھے، ایک گنبد اس کے لیے جنت میں تعمیر ہو جاتا ہے۔

(۶۵) ذکر جہنم کے لیے آڑ ہے، اگر کسی بد عملی کی وجہ سے جہنم کا مُستحق ہو جائے تو ذِکر درمیان میں آڑ بن جاتا ہے اور جتنی ذِکر کی کثرت ہوگی اتنی ہی پُختہ آڑ ہوگی۔ (۶۶) ذکر کرنے والے کے لیے فرشتے اِستِغفار کرتے ہیں۔ حضرت عَمْرو بن العَاص رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا گیا ہے کہ جب بندہ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ کہتا ہے یا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہتا ہے، تو فرشتے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس کی مغفرت فرما۔

(۶۷) جس پہاڑ پر یا میدان میں اللہ کا ذکر کیا جائے وہ فخر کرتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کو آواز دے کر پوچھتا ہے کہ کوئی ذکر کرنے والا تجھ پر آج گذرا ہے؟ اگر وہ کہتا ہے کہ گذرا ہے، تو وہ خوش ہوتا ہے۔ (۶۸) ذکر کی کثرت نِفاق سے بری[3] ہونے کا اطمینان (اور سند) ہے کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ نے مُنافقوں کی صفت یہ بیان کی ہے کہ ﴿لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ [سورۂ نساء] (نہیں ذکر

حل لغات: (۱) افسوس۔ (۲) سچا بتانا۔ (۳) آزاد۔

کرتے اللہ کا مگر تھوڑا سا)۔ کَعْب اَحْبارؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ جو کثرت سے اللہ کا ذکر کرے، وہ نفاق سے بری ہے۔ (۶۹) تمام نیک اعمال کے مقابلہ میں ذکر کے لیے ایک خاص لذت ہے جو کسی عمل میں بھی نہیں پائی جاتی، اگر ذکر میں اس لذت کے سوا کوئی بھی فضیلت نہ ہوتی تو یہی چیز اُس کی فضیلت کے لیے کافی تھی۔ مَالِک بِنْ دِینارؒ کہتے ہیں کہ لَذَّت پانے والے کسی چیز میں بھی ذکر کے برابر لَذَّت نہیں پاتے۔ (۷۰) ذکر کرنے والوں کے چہرہ پر دنیا میں رُونق اور آخرت میں نور ہوگا۔ (۷۱) جو شخص راستوں میں اور گھروں میں، سفر میں اور حَضَر[1] میں کثرت سے ذکر کرے، قیامت میں اس کے گواہی دینے والے کثرت سے ہوں گے۔ حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن کے بارے میں فرماتے ہیں ﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝﴾ [سورۂ زلزال] (اُس دن زمین اپنی خبریں بیان کرے گی)۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جانتے ہو اُس کی خبریں کیا ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے لاعلمی[2] ظاہر کی، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس مرد وعورت نے جو کام زمین پر کیا ہے، وہ بتائے گی کہ فلاں دن، فلاں وقت مجھ پر یہ کام کیا ہے (نیک ہو یا برا)۔ اس لیے مختلف جگہوں میں کثرت سے ذکر کرنے والوں کے گواہ بھی کثرت سے ہوں گے۔ (۷۲) زبان جتنی دیر ذکر میں مشغول رہے گی لغویات[3]، جھوٹ، غیبت وغیرہ سے محفوظ رہے گی، اس لیے کہ زبان چپ تو رہتی ہی نہیں، یا ذکر اللہ میں مشغول ہوگی ورنہ لغویات میں؛ اسی طرح دل کا حال ہے کہ اگر وہ اللہ کی محبت میں مشغول نہ ہوگا تو مخلوق کی محبت میں مبتلا ہوگا۔ (۷۳) شیاطین آدمی کے کھلے دشمن ہیں اور ہر طرح سے اُس کو وَحشت[4] میں ڈالتے رہتے ہیں اور ہر طرف سے اس کو گھیرے رہتے ہیں، جس شخص کا یہ حال ہو کہ اُس کے دشمن ہر وقت اُس کا مُحاصَرہ[5] کیے رہتے ہوں، اس کا جو حال ہوگا ظاہر ہے اور دشمن بھی ایسے کہ ہر ایک اُن میں یہ چاہے کہ جو تکلیف بھی پہونچا سکوں پہونچاؤں، ان لشکروں کو ہٹانے والی چیز ذِکر کے سوا کوئی نہیں ہے۔ بہت سی احادیث میں بہت سی دعائیں آئی ہیں جن کے پڑھنے سے شیطان قریب بھی نہیں آتا اور سوتے وقت پڑھنے سے رات بھر حفاظت رہتی ہے۔

حافظ ابنِ قَیِّمؒ نے بھی ایسی[8] دعائیں متعدد ذکر کی ہیں ان کے علاوہ مصنّف نے چھ[6] نمبروں میں انواعِ[6] ذکر کا تفاضُل[7] اور ذکر کی بعض کُلّی فضیلتیں ذکر کی ہیں اور اس کے بعد پچھتر فصلیں خصوصی دعاؤں میں جو خاص خاص اوقات میں وارد ہوئی ہیں، ذکر کی ہیں جن کو اختصار کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا ہے کہ توفیق والے کے لیے جو ذکر کیا گیا ہے یہ بھی کافی سے زیادہ ہے اور جس کو توفیق نہیں ہے اُس کے لیے ہزار ہا فضائل بھی بے کار ہیں۔ وَمَا تَوْفِيقِيْ إِلَّا بِاللهِ[9] عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ.

حل لغات: (۱) اپنے مقام پر۔ (۲) علم نہ ہونا۔ (۳) بے کار باتیں۔ (۴) گھبراہٹ۔ (۵) چاروں طرف سے گھیرنا۔ (۶) ذکر کی قسمیں۔ (۷) ایک دوسرے کی فضیلت۔ (۸) پوری، مکمل۔ (۹) اور مجھے جو کچھ توفیق ہوتی ہے، صرف اللہ کی مدد سے ہوتی ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور میں (ہر معاملے میں) اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

دوسرا باب: کلمۂ طیبہ

کلمۂ طیبہ جس کو کلمۂ توحید بھی کہا جاتا ہے، جس کثرت سے قرآن پاک اور حدیث شریف میں ذکر کیا گیا ہے، شاید ہی اس کثرت سے کوئی دوسری چیز ذکر کی گئی ہو اور جب کہ اصل مقصود تمام شرائع[1] اور تمام انبیاء کی بعثت[2] سے توحید ہی ہے، تو پھر جتنی کثرت سے اس کا بیان ہو وہ قرینِ قیاس[3] ہے۔ کلام پاک میں مُختلف عُنوانات اور مختلف ناموں سے اس پاک کلمہ کو ذِکر کیا گیا ہے؛ چنانچہ کلمۂ طیبہ، قول ثابِت، کلمۂ تقویٰ، ﴿ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ (آسمانوں اور زمینوں کی کنجیاں) وغیرہ الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ آئندہ آیات میں آرہا ہے۔ امام غزالیؒ نے اِحیَاء میں نقل کیا ہے کہ یہ کلمۂ توحید ہے، کلمۂ اخلاص ہے، کلمۂ تقویٰ ہے، کلمۂ طیبہ ہے، عُروۃُ الوُثقٰی[4] ہے، دَعوۃُ الحق[5] ہے، ثَمَنُ الجَنَّۃ[6] ہے اور چونکہ قرآن پاک میں مختلف عنوانات سے اس کو ذکر فرمایا گیا، اس لیے اس باب کو تین فصلوں پر منقسم[7] کیا گیا۔

پہلی فصل: میں ان آیات کا ذکر ہے جن میں کلمۂ طیبہ مراد ہے اور کلمۂ طیبہ کا لفظ نہیں ہے، اس لیے ان آیات کی مختصر تفسیر حضرات صحابۂ کرام اور خود سَیِّدُ البَشَر علیہ افضل الصّلوٰۃ والسّلام سے نقل کی گئی۔

دوسری فصل: میں ان آیات کا حوالہ ہے جن میں کلمۂ طیبہ پورا یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تمام کا تمام ذکر کیا گیا ہے یا کسی معمولی تغیُّر[8] کے ساتھ جیسے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اور چونکہ ان میں یہ کلمہ خود ہی موجود ہے یا اس کا ترجمہ دوسرے الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے، اس لیے ان آیات کے ترجمہ کی ضرورت نہیں سمجھی، صرف حوالہ سورت اور رکوع پر اِکتِفا کیا گیا۔

تیسری فصل: میں ان احادیث کا ترجمہ اور مطلب ذکر کیا گیا جن میں اس پاک کلمہ کی ترغیب اور حکم فرمایا گیا۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ.

فصل اول

اُن آیات میں جن میں لفظ کلمۂ طیبہ کا نہیں ہے اور مراد کلمۂ طیبہ ہے:

① ﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ	ترجمہ: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی اچھی مثال بیان فرمائی ہے کلمہ طیبہ کی، کہ وہ مُشابہ[9] ہے ایک عُمدہ پاکیزہ درخت کے، جس کی جڑ زمین کے اندر گڑی ہوئی ہو اور اس

حل لغات: ① شریعت کی جمع۔ ② پیغمبر کا بھیجا جانا۔ ③ عقل کے مطابق۔ ④ یعنی اتحاد کی رسی۔ ⑤ حق کی دعوت۔ ⑥ جنت کی قیمت۔ ⑦ تقسیم کرنا۔ ⑧ تبدیلی۔ ⑨ ایک جیسا ہونا۔

اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ [سورۂ ابراہیم]	کی شاخیں اوپر آسمان کی طرف جارہی ہوں اور وہ درخت اللہ کے حکم سے ہر فصل میں پھل دیتا ہو (یعنی خوب پھلتا ہو) اور اللہ تعالیٰ مثالیں اس لیے بیان فرماتے ہیں تاکہ لوگ خوب سمجھ لیں اور خبیث کلمہ (یعنی کلمۂ کفر) کی مثال ہے، جیسے ایک خراب درخت ہو کہ وہ زمین کے اوپر ہی اوپر سے اکھاڑ لیا جاوے اور اس کو زمین میں کچھ ثبات[1] نہ ہو۔

فائدہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کلمۂ طیبہ سے کلمۂ شہادت أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مراد ہے، جس کی جڑ مومن کے قول میں ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں کہ اُس کی وجہ سے مومن کے اعمال آسمان تک جاتے ہیں، اور کلمہ خبیثہ شرک ہے کہ اُس کے ساتھ کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ ایک دوسری حدیث میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر وقت پھل دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو دن رات ہر وقت یاد کرتا ہو۔ حضرت قَتَادہ تابعیؒ نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ سے کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ مال دار (صَدَقات کی بدولت) سارا ثواب اُڑا لے گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: بھلا بتا تو سہی اگر کوئی شخص سامان کو اوپر نیچے رکھتا چلا جائے تو کیا آسمان پر چڑھ جائے گا؟ میں تجھے ایسی چیز بتاؤں جس کی جڑ زمین میں ہو اور شاخیں آسمان پر، ہر نماز کے بعد لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ دس دس مرتبہ پڑھا کر، اس کی جڑ زمین میں ہے اور شاخیں آسمان پر۔

② ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ﴾ [سورۂ فاطر: ۱۰]	ترجمہ: جو شخص عزت حاصل کرنا چاہے (وہ اللہ ہی سے عزت حاصل کرے کیونکہ) ساری عزت اللہ ہی کے واسطے ہے، اُسی تک اچھے کلمے پہونچتے ہیں اور نیک عمل ان کو پہونچاتا ہے۔

فائدہ: اچھے کلموں سے مراد بہت سے مُفَسِّرِین[2] کے نزدیک لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ہے، جیسا کہ عام مفسرین نے نقل کیا ہے اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد کلمات تسبیح ہیں جیسا کہ دوسرے باب میں آئے گا۔

③ ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ﴾ [سورۂ انعام: ۱۱۵]	ترجمہ: اور تیرے رب کا کلمہ سچائی اور انصاف (واعتدال) کے اِعْتبار سے پورا ہے۔

فائدہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ ربّ کے کلمہ سے مراد لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اور اکثر مُفَسِّرِین کے نزدیک اس سے ''کلام اللہ شریف'' مراد ہے۔

④ ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ	ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پکی بات (یعنی کلمۂ طیبہ)

حل لغات: ① مضبوطی۔ ② قرآن کا مطلب بیان کرنے والے۔

الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿٢٧﴾ [سورۂ ابراہیم]	سے دنیا اور آخرت دونوں میں مضبوط رکھتا ہے اور کافروں کو دونوں جہاں میں بچلا[1] دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ (اپنی حکمت سے) جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

فائدہ: حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب قبر میں سوال ہوتا ہے تو مسلمان لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی گواہی دیتا ہے۔ آیتِ شریفہ میں پکی بات سے یہی مراد ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ اس سے مراد قبر کا سوال جواب ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مسلمان جب مرتا ہے تو فرشتے اس وقت حاضر ہوتے ہیں، اس کو سلام کرتے ہیں، جنت کی خوشخبری دیتے ہیں، جب وہ مر جاتا ہے تو فرشتے اس کے ساتھ جاتے ہیں، اس کی نمازِ جنازہ میں شریک ہوتے ہیں اور جب وہ دفن ہو جاتا ہے تو اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال جواب ہوتے ہیں، جن میں یہ بھی پوچھا جاتا ہے کہ تیری گواہی کیا ہے؟ وہ کہتا ہے: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ یہی مراد ہے آیتِ شریفہ میں۔ حضرت ابُوقتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں پکی بات سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور آخرت میں قبر کا سوال جواب مراد ہے، حضرت طاؤس رحمہ اللہ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔

﴿٥﴾ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۖ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۚ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿١٤﴾ [سورۂ رعد]	ترجمہ: سچا پکارنا اُسی کے لیے خاص ہے اور خدا کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ ان کی درخواست کو اس سے زیادہ منظور نہیں کر سکتے جتنا پانی اس شخص کی درخواست کو منظور کرتا ہے جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے (اور اُس پانی کو اپنی طرف بلائے) تاکہ وہ اُس کے منہ تک آ جائے اور وہ (پانی اُڑ کر) اس کے منھ تک آنے والا کسی طرح بھی نہیں اور کافروں کی درخواست محض بے اثر ہے۔

فائدہ: حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ دَعْوَةُ الْحَق سے مراد توحید یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے کہ دعوۃ الحق سے شہادت لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی مراد ہے، اسی طرح ان کے علاوہ دوسرے حضرات سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔

﴿٦﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ	ترجمہ: (اے محمد ﷺ) آپ فرما دیجیے کہ اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان (مُسلَّم[2] ہونے میں) برابر ہے، وہ یہ کہ بجُز[3] اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ

حل لغات: (۱) گمراہ کر دینا۔ (۲) ثابت، مانا گیا۔ (۳) سوائے، علاوہ۔

شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ [سورۂ آل عمران]	کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب قرار نہ دے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر، پھر اس کے بعد بھی وہ اِعْراض[1] کریں تو تم لوگ کہہ دو کہ تم اس کے گواہ رہو کہ ہم لوگ تو مسلمان ہیں۔

فائدہ: آیتِ شریفہ کا مضمون خود ہی صاف ہے کہ کلمہ سے مراد توحید اور کلمۂ طیبہ ہے، حضرت اَبُوالعالیہؒ اور مُجاہِدؒ سے صَراحت[2] کے ساتھ منقول ہے کہ کلمہ سے مراد لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔

⑦ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ [سورۂ آل عمران]	ترجمہ: (اے امتِ محمد ﷺ) تم لوگ (سب اہلِ مذاہب سے) بہترین جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کو نفع پہونچانے کے لیے ظاہر کی گئی ہے، تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر تھا۔ ان میں سے بعض تو مسلمان ہیں (جو ایمان لے آئے) لیکن اکثر حصہ ان میں سے کافر ہے۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ (اچھی بات کا حکم کرتے ہو) کا مطلب یہ ہے کہ اس کا حکم کرتے ہو کہ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی گواہی دیں اور اللہ کے احکام کا اقرار کریں اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ساری اچھی چیزوں میں سے بہترین چیز ہے اور سب سے بڑھی ہوئی۔

⑧ ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ [سورۂ ھود]	ترجمہ: اور (محمد ﷺ) آپ نماز کی پابندی رکھیے دِن کے دونوں سِروں[3] پر اور رات کے کچھ حصوں میں، بے شک نیک کام مٹا دیتے ہیں (نامہ اعمال سے) بُرے کاموں کو، یہ بات ایک نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لیے۔

فائدہ: اس آیتِ شریفہ کی تفسیر میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں، جن میں حضور ﷺ نے آیتِ شریفہ کی توضیح[4] فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ نیکیاں (اعمال نامہ سے) برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت فرما دیجیے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ سے ڈرتے رہو، جب کوئی برائی صادر ہو جائے فوراً کوئی بھلائی اس کے بعد کرو، تا کہ اُس کی مُکافات[5] ہو جائے اور وہ زائل[6] ہو جائے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ بھی نیکیوں میں شمار ہے، یعنی اس کا وِرْد[7]، اس کا پڑھنا بھی اس میں داخل ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو نیکیوں

حل لغات: ① منہ پھیرنا۔ ② صاف طور سے۔ ③ کنارے۔ ④ مطلب بیان کرنا۔ ⑤ بدلہ۔ ⑥ ختم۔ ⑦ وظیفہ۔

میں افضل ترین چیز ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جو بندہ رات میں یا دن میں کسی وقت بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتا ہے، اس کے اعمال نامہ سے برائیاں دُھل جاتی ہیں۔

ترجمہ	آیت
ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتے ہیں عدل کا اور احسان کا اور قرابت[1] داروں کو دینے کا اور منع فرماتے ہیں فحش باتوں سے اور بری باتوں سے اور کسی پر ظلم کرنے سے، حق تعالیٰ شانہٗ تم کو نصیحت فرماتے ہیں تا کہ تم نصیحت کو قبول کرو۔	⑨ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝﴾ [سورۂ نحل]

فائدہ: عدل کے معنیٰ تفاسیر میں مختلف آئے ہیں، ایک تفسیر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے کہ عدل سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کرنا ہے اور احسان سے مراد فرائض کا ادا کرنا ہے۔

ترجمہ	آیت
ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستی کی (پکی) بات کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال اچھے کر دے گا اور گناہ معاف فرما دے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ بڑی کامیابی کو پہونچے گا۔	⑩ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝﴾ [سورۂ احزاب]

فائدہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ دونوں حضرات سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ ﴿قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا﴾ کے معنی یہ ہیں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا کرو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ سب سے زیادہ پکے اعمال تین[3] چیزیں ہیں: ہر حال میں اللہ کا ذکر کرنا (غمی ہو یا خوشی، تنگی ہو یا فراخی[2]) دوسرے: اپنے بارے میں انصاف کا معاملہ کرنا (یہ نہ ہو کہ دوسروں پر تو زور دکھلائے اور جب کوئی اپنا معاملہ ہو تو اِدھر اُدھر کی کہنے لگے) تیسرے: بھائی کے ساتھ مالی ہمدردی کرنا۔

ترجمہ	آیت
ترجمہ: پس آپ میرے ایسے بندوں کو خوشخبری سنا دیجیے جو اس کلام پاک کو کان لگا کر سنتے ہیں، پھر اس کی بہترین باتوں کا اتباع کرتے ہیں؛ یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی اور یہی ہیں جو اہلِ عقل ہیں۔	⑪ ﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝﴾ [سورۂ زمر]

فائدہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن زید، حضرت ابوذر غفاری اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم یہ تینوں حضرات جاہلیت کے زمانہ ہی میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا کرتے تھے اور یہی مراد ہے اس آیت شریفہ میں اَحسَنُ[3] القَولِ سے۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے بھی اس کے قریب ہی منقول ہے کہ یہ آیتیں ان تین[3] آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، جو جاہلیت کے زمانہ میں بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا کرتے تھے: زید بن عمرو بن نفیل اور ابوذر غفاری اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم۔

حل لغات: ① رشتہ دار۔ ② کشادگی، خوشحالی۔ ③ بہترین بات۔

ترجمہ: اور جو لوگ (اللہ کی طرف سے یا اس کے رسول کی طرف سے) سچی بات لے کر آئے اور خود بھی اس کی تصدیق کی (اس کو سچا جانا) تو یہ لوگ پرہیزگار ہیں، یہ لوگ جو کچھ چاہیں گے ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس سب کچھ ہے۔ یہ بدلہ ہے نیک کام کرنے والوں کا؛ تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے برے اعمال کو ان سے دور کر دے (اور معاف کر دے) اور نیک کاموں کا بدلہ (ثواب) دے۔	(۱۲) ﴿ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳۴﴾ لِیُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا وَیَجْزِیَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ ﴾ [سورۂ زمر]

فائدہ: جو لوگ اللہ کی طرف سے لانے والے ہیں، وہ انبیاء علیٰ نبیّنا وعلیہم الصّلوٰۃ والسّلام ہیں، اور جو لوگ اس کے رسول کے طرف سے لانے والے ہیں، وہ علماء کرام ہیں، شَكَرَ اللّٰهُ سَعْیَهُمْ. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ سچی بات سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ بعض مُفسّرین سے نقل کیا گیا ہے کہ اَلَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ (جو شخص سچی بات اللہ کی طرف سے لے کر آیا) سے مراد نبی اکرم ﷺ ہیں اور صَدَّقَ بِهٖ (وہ لوگ جنھوں نے اس کی تصدیق کی) سے مراد مؤمنین ہیں۔

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ (جلّ جلالہٗ) ہے پھر مستقیم رہے (یعنی جمے رہے اس کو چھوڑا نہیں) اُن پر فرشتے اتریں گے (موت کے وقت اور قیامت میں یہ کہتے ہوئے) کہ نہ اندیشہ[1] کرو، نہ رنج کرو اور خوشخبری لو اُس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، ہم تمہارے رفیق تھے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے اور آخرت میں تمہارے لیے جس چیز کو تمہارا دِل چاہے وہ موجود ہے اور وہاں جو تم مانگو گے وہ ملے گا (اور یہ سب انعام واکرام) بطور مہمانی کے ہے، اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے (کہ تم اس کے مہمان ہوگے اور مہمان کا اکرام کیا جاتا ہے)۔	(۱۳) ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْۤ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ﴿۳۲﴾ ﴾ [سورۂ حٰمٓ سجدہ]

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ کے معنی یہ ہیں کہ پھر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے اقرار پر قائم رہے۔ حضرت ابراہیمؒ اور حضرت مُجاہدؒ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ پھر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر مرنے تک قائم رہے، شرک وغیرہ میں مُبتلا نہیں ہوئے۔

ترجمہ: بات کی عمدگی[2] کے لحاظ سے کون شخص اُس سے اچھا	(۱۴) ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی

حل لغات: (۱) خوف، ڈر۔ (۲) بہتر۔

اللهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۳۳﴾ [سورۂ حٰمٓ سجدہ]	ہوسکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور یہ کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

فائدہ: حضرت حسنؒ کہتے ہیں کہ دَعَا اِلَی اللهِ سے موذن کا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کہنا مراد ہے۔ عاصم بن ہُبَیرَہؒ کہتے ہیں کہ جب تو اذان سے فارغ ہو تو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَکْبَرُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ کہا کر۔

⑮ ﴿ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾ [سورۂ رحمٰن]	ترجمہ: بھلا احسان کا بدلہ احسان کے سوا اور بھی کچھ ہوسکتا ہے؟ سو، اے (جن وانس) تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے مُنکِر[1] ہوجاؤ گے۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور اقدس ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ آیتِ شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص پر میں نے دنیا میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کہنے کا اِنعام کیا، بھلا آخرت میں جنت کے سوا اور کیا بدلہ ہوسکتا ہے۔ حضرت عِکْرِمَہؒ سے بھی یہی منقول ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کہنے کا بدلہ جنت کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔ حضرت حسنؒ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔

⑯ ﴿ فَاَنْزَلَ اللهُ سَکِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلْزَمَهُمْ کَلِمَةَ التَّقْوٰی وَکَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ﴾ [سورۂ فتح: ۲۶]	ترجمہ: پس اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینہ (سکون، تحمل یا خاص رحمت) اپنے رسول پر نازل فرمائی اور مومنین پر اور ان کو تقویٰ کے کلمہ پر (تقویٰ کی بات پر) جمائے رکھا اور وہی اُس تقوے کے کلمہ کے مستحق تھے اور اہل تھے۔

فائدہ: تقویٰ کے کلمہ سے مراد اکثر روایات میں یہی وارد ہوا ہے کہ کلمۂ طیبہ ہے؛ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وحضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ سے یہی نقل کیا ہے کہ اس سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ ہے۔ اور حضرت اُبَیّ بن کعب، حضرت علی، حضرت عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہی نقل کیا گیا ہے۔ عطاء خُراسانیؒ سے پورا کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ نقل کیا گیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ اَللهُ اَکْبَرُ بھی نقل کیا گیا ہے۔ ترمذیؒ نے حضرت بَرَاء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ ہے۔

⑰ ﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ﴿۱۴﴾ ﴾ [سورہ اعلیٰ]	ترجمہ: فلاح[2] کو پہونچ گیا وہ شخص جس نے تزکیہ کر لیا (پاکی حاصل کی)۔

فائدہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ ﴿ تَزَکّٰی ﴾ سے مراد یہ ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ کی گواہی دے اور بُتوں کو خیر آباد[3] کہے۔ حضرت عِکْرِمَہؒ کہتے ہیں کہ ﴿ تَزَکّٰی ﴾ کے یہ معنیٰ ہیں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ پڑھے، یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی نقل کیا گیا ہے۔

حل لغات: ① انکار کرنے والا۔ ② کامیابی۔ ③ چھوڑ دینا۔

ترجمہ: پس جس شخص نے (اللہ کی راہ میں مال) دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات کی تصدیق[1] کی، تو آسان کردیں گے ہم اس کو آسانی کی چیز کے لیے۔	⑱ ﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۶﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ؕ﴿۷﴾ ﴾ [سورۂ لیل]

فائدہ: آسانی کی چیز سے جنت مراد ہے کہ ہر قسم کی راحت اور سہولتیں وہاں مُیسّر ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ایسے اعمال کی توفیق اس کو دیں گے جس سے وہ اعمال سہولت سے ہونے لگیں گے، جو جنت میں جلد پہونچادینے والے ہوں۔ اکثر مُفسّرین سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اچھی بات کی تصدیق سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تصدیق مراد ہے۔ ابوعبدالرحمٰن سُلَمیؒ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ اچھی بات سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مراد ہے۔ حضرت امامِ اعظمؒ نے بروایت ابوالزبیرؒ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ﴾ پڑھا اور ارشاد فرمایا کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تصدیق کرے اور ﴿ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ﴾ پڑھا اور ارشاد فرمایا کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تکذیب[2] کرے۔

ترجمہ: جو شخص نیک کام کرے گا، اس کو (کم سے کم) دس[1] حصے ثواب کے ملیں گے اور جو بُرا کام کرے گا اس کو اس کے برابر ہی بدلہ ملے گا اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہوگا (کہ کوئی نیکی درج[3] نہ کی جائے یا بدی کو بڑھا کر لکھ لیا جائے)۔	⑲ ﴿ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ ﴾ [سورۂ انعام]

فائدہ: ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب آیت شریفہ ﴿ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ ﴾ نازل ہوئی تو کسی شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بھی حَسَنَہ (نیکی) میں داخل ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو ساری نیکیوں میں افضل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حَسَنَة سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مراد ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ غالباً حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ حَسَنَة سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مراد ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو ساری نیکیوں میں افضل ہے، جیسا کہ آیت نمبر ۸؍ کے ذیل میں گذر چکا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دس[1] گنا ثواب عوام کے لیے ہے، مُہاجرین کے لیے سات سو[700] گنا تک ثواب ہوجاتا ہے۔

ترجمہ: یہ کتاب اتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے، ہر چیز کا جاننے والا ہے، گناہ کا بخشنے والا ہے اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے، سخت سزا دینے والا ہے، قدرت (یا عطا)	⑳ ﴿ حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۙ﴿۲﴾ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِى الطَّوْلِ ؕ

حل لغات: ① سچا سمجھنا۔ ② انکار کرنا، جھٹلانا۔ ③ تحریر، لکھنا۔

﴿ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۭ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ۝۳ ﴾	والا ہے، اُس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں، اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔
[سورۂ غافر]	

فائدہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس آیت شریفہ کی تفسیر میں نقل کیا گیا ہے کہ گناہ کی مغفرت فرمانے والا ہے اُس شخص کے لیے جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے۔ اور توبہ قبول کرنے والا ہے اُس شخص کی جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے سخت عذاب والا ہے اُس شخص کے لیے جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نہ کہے۔ ﴿ذِی الطَّوْلِ﴾ کے معنی غِنا[1] والا ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ رَدُّ[2] ہے کُفّارِ قریش پر جو توحید کے قائل[3] نہ تھے۔ اور ﴿اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ﴾ کے معنی اُسی کی طرف لوٹنا ہے اُس شخص کا جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے، تاکہ اس کو جنت میں داخل کرے اور اُسی کی طرف لوٹنا ہے اُس شخص کا جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نہ کہے، تاکہ اُس کو جہنم میں داخل کرے۔

(۲۱) ﴿فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْۢ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ﴾	ترجمہ: پس جو شخص شیطان سے بداِعتقاد[4] ہو اور اللہ کے ساتھ خوش عقیدہ[5] ہو تو اُس نے بڑا مضبوط حلقہ پکڑ لیا جس کو کسی طرح شِکستگی[6] نہیں۔
[سورۂ بقرہ: ۲۵۶]	

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿عُرْوَۃِ الْوُثْقٰی﴾ (مضبوط حلقہ) پکڑ لیا یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا۔ سفیانؒ سے بھی یہی منقول ہے کہ ﴿عُرْوَۃِ الْوُثْقٰی﴾ سے کلمۂ اِخلاص مُراد ہے۔

تکمیل: قُلْتُ وَقَدْ وَرَدَ فِيْ تَفْسِيْرِ اٰيَاتٍ اُخَرَ عَدِيْدَةً أَيْضًا أَنَّ الْمُرَادَ بِبَعْضِ الْأَلْفَاظِ فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَاتِ كَلِمَةُ التَّوْحِيْدِ عِنْدَ بَعْضِهِمْ. فَقَدْ قَالَ الرَّاغِبُ فِيْ قَوْلِهٖ فِيْ قِصَّةِ زَكَرِيَّا مُصَدِّقًا ۢ بِكَلِمَةٍ: قِيْلَ كَلِمَةُ التَّوْحِيْدِ، وَكَذَا قَالَ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ الْاٰيَةَ، قِيْلَ: هِيَ كَلِمَةُ التَّوْحِيْدِ. وَاقْتَصَرْتُ عَلٰى مَا مَرَّ لِلْاِخْتِصَارِ.

فصل دوم

(اس فصل) میں ان آیات کا ذکر ہے جن میں کلمۂ طیبہ ذکر کیا گیا ہے۔ اکثر جگہ پورا کلمہ مذکور ہے اور کہیں مختصر اور کہیں دوسرے الفاظ میں۔ بِعَیْنِہٖ[7] کلمۂ طیبہ کے معنی مذکور ہیں کہ کلمۂ طیبہ (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ) کے معنی ہیں: کوئی معبود نہیں ہے اللہ پاک کے سوا، یہی معنی ﴿مَا مِنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ﴾ کے ہیں کہ کوئی معبود نہیں ہے اس کے سوا، یہی معنی ﴿لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ﴾ کے ہیں، اور یہی معنی قریب قریب ہیں ﴿لَا نَعْبُدُ اِلَّا اللّٰہَ﴾ کے: نہیں عبادت کرتے ہم اللہ کے سوا کسی کی، اور یہی معنی ہیں ﴿لَا نَعْبُدُ اِلَّآ اِیَّاہُ﴾ کے کہ نہیں عبادت کرتے ہیں ہم اس کے سوا کسی کی، اسی طرح ﴿اِنَّمَا ھُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ﴾ کے معنی ہیں: اس کے

حل لغات: (۱) مالداری۔ (۲) انکار، تردید۔ (۳) ماننے والا۔ (۴) یقین اور بھروسہ نہ رکھنے والا۔ (۵) یقین اور بھروسہ رکھنے والا۔ (۶) ٹوٹ پھوٹ۔ (۷) پورے پورے کلمہ کا معنی۔

سوا نہیں کہ معبود وہی ایک ہے۔ اسی طرح اور آیات بھی ہیں جن کا مفہوم کلمۂ طیبہ ہی کے ہم معنی ہے۔ ان آیات کی سورتوں اور رُکوعوں کا حوالہ اسی لیے لکھا جاتا ہے کہ پوری آیت کا ترجمہ کوئی دیکھنا چاہے تو مُترَجَم[1] قرآن شریف کو سامنے رکھ کر حوالوں سے دیکھتا رہے اور حق تو یہ کہ سارا ہی کلام مجید کلمۂ طیبہ کا مفہوم ہے کہ اصل مقصد تمام قرآن شریف کا اور تمام دین کا توحید ہی ہے، توحید ہی کی تعلیم کے لیے مُختلف زمانوں میں مختلف انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسلام مَبعوث[2] ہوئے۔ توحید ہی سب مَذاہب میں مُشترَک رہی ہے اور توحید کے اِثبات[3] کے لیے مختلف عنوانات اِختیار فرمائے گئے ہیں اور یہی مفہوم کلمۂ طیبہ کا ہے۔

① ﴿ وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ ﴾	[سورۂ بقرہ]
② ﴿ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ ﴾	[سورۂ بقرہ: ۲۵۵]
③ ﴿ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿۲﴾ ﴾	[سورۂ آلِ عمران]
④ ﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ ﴾	[سورۂ آلِ عمران: ۱۸]
⑤ ﴿ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ ﴾	[سورۂ آلِ عمران]
⑥ ﴿ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾ ﴾	[سورۂ آلِ عمران]
⑦ ﴿ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ ﴾	[سورۂ آلِ عمران: ۶۴]
⑧ ﴿ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴾	[سورہ نساء: ۸۷]
⑨ ﴿ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ ﴾	[سورۂ مائدہ: ۷۳]
⑩ ﴿ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾	[سورۂ انعام: ۱۹]
⑪ ﴿ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ ﴾	[سورۂ انعام: ۴۶]
⑫ ﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ ﴾	[سورہ انعام: ۱۰۲]
⑬ ﴿ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ ﴾	[سورہ انعام: ۱۰۶]
⑭ ﴿ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا ﴾	[سورہ اعراف: ۱۴۰]
⑮ ﴿ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ ﴾	[سورہ اعراف: ۱۵۸]
⑯ ﴿ وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ ﴾	[سورہ توبہ: ۳۱]
⑰ ﴿ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾ ﴾	[سورہ توبہ]
⑱ ﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ ﴾	[سورہ یونس: ۳]
⑲ ﴿ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ﴾	[سورہ یونس: ۳۲]

حل لغات: ① ترجمہ کیا ہوا۔ ② بھیجے گئے۔ ③ ثابت کرنا۔

⑳ ﴿قَالَ اٰمَنۡتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیۡۤ اٰمَنَتۡ بِهٖ بَنُوۡۤا اِسۡرَآءِیۡلَ وَاَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۹۰﴾﴾	[سورہ یونس]
㉑ ﴿فَلَاۤ اَعۡبُدُ الَّذِیۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾	[سورہ یونس:۱۰۴]
㉒ ﴿فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ بِعِلۡمِ اللّٰهِ وَاَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾	[سورہ ہود:۱۴]
㉓ ﴿اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ﴾	[سورہ ہود:۲۶]
㉔، ㉕، ㉖ ﴿قَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ ؕ﴾	[سورہ ہود:۵۰، ۶۱، ۸۴]
㉗ ﴿ءَاَرۡبَابٌ مُّتَفَرِّقُوۡنَ خَیۡرٌ اَمِ اللّٰهُ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ ﴿ؕ۳۹﴾﴾	[سورہ یوسف]
㉘ ﴿اَمَرَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ﴾	[سورہ یوسف:۴۰]
㉙ ﴿قُلۡ هُوَ رَبِّیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ﴾	[سورہ رعد:۳۰]
㉚ ﴿وَلِیَعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾	[سورہ ابراہیم:۵۲]
㉛ ﴿اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوۡنِ ﴿۲﴾﴾	[سورہ نحل]
㉜ ﴿اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ﴾	[سورہ نحل:۲۲]
㉝ ﴿اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ﴾	[سورہ نحل:۵۱]
㉞ ﴿وَلَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾	[سورہ بنی اسرائیل:۲۲]
㉟ ﴿قُلۡ لَّوۡ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوۡلُوۡنَ﴾	[سورہ بنی اسرائیل:۴۲]
㊱ ﴿فَقَالُوۡا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَنۡ نَّدۡعُوَا۠ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلٰهًا﴾	[سورہ کہف:۱۴]
㊲ ﴿هٰۤؤُلَآءِ قَوۡمُنَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ﴾	[سورہ کہف:۱۵]
㊳ ﴿یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ﴾	[سورکہف:۱۱۰]
㊴ ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیۡ وَرَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ﴾	[سورہ مریم:۳۶]
㊵ ﴿اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ﴾	[سورہ طٰہٰ:۸]
㊶ ﴿اِنَّنِیۡۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدۡنِیۡ ۙ﴾	[سورہ طٰہٰ:۱۴]
㊷ ﴿اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ﴾	[سورہ طٰہٰ:۹۸]
㊸ ﴿لَوۡ كَانَ فِیۡهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ﴾	[سورہ انبیاء:۲۲]
㊹ ﴿اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ﴾	[سورہ انبیاء:۲۴]
㊺ ﴿اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا﴾	[سورہ انبیاء:۲۵]
㊻ ﴿اَمۡ لَهُمۡ اٰلِهَةٌ تَمۡنَعُهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِنَا ؕ﴾	[سورہ انبیاء:۴۳]
㊼ ﴿اَفَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنۡفَعُكُمۡ شَیۡئًا وَّلَا یَضُرُّكُمۡ ﴿ؕ۶۶﴾﴾	[سورہ انبیاء]

۴۸ ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ﴾	[سورہ انبیاء:۸۷]
۴۹ ﴿ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾	[سورہ انبیاء:۱۰۸]
۵۰ ﴿ فَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ﴾	[سورہ حج:۳۴]
۵۱، ۵۲ ﴿ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾	[سورہ مؤمنون:۳۲]
۵۳ ﴿ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ ﴾	[سورہ مؤمنون:۹۱]
۵۴ ﴿ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾	[سورہ مؤمنون:۱۱۶]
۵۵ ﴿ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ﴾	[سورہ مؤمنون:۱۱۷]
۵۶ ﴿ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ﴾	[پانچ مرتبہ سورۂ نمل: رکوع:۵ میں وارد ہے:۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴]
۵۷ ﴿ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ ﴾	[سورہ قصص:۷۰]
۵۸ ﴿ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ ﴾	[سورہ قصص:۷۲]
۵۹ ﴿ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾	[سورہ قصص:۸۸]
۶۰ ﴿ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ ﴾	[سورہ عنکبوت:۴۶]
۶۱ ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۳ ﴾	[سورہ فاطر]
۶۲ ﴿ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝۴ ﴾	[سورہ صٰفّٰت]
۶۳ ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۳۵ ﴾	[سورہ صٰفّٰت]
۶۴ ﴿ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ﴾	[سورہ ص:۵]
۶۵ ﴿ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۶۵ ﴾	[سورہ ص]
۶۶ ﴿ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۴ ﴾	[سورہ زمر]
۶۷ ﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾	[سورہ زمر:۶]
۶۸ ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۳ ﴾	[سورہ مؤمن]
۶۹ ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۶۲ ﴾	[سورہ مؤمن]
۷۰ ﴿ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ ﴾	[سورہ مؤمن:۶۵]
۷۱ ﴿ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾	[سورہ حٰم سجدہ:۶]
۷۲ ﴿ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ﴾	[سورہ حٰم سجدہ:۱۴]
۷۳ ﴿ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ﴾	[سورہ شوریٰ:۱۵]
۷۴ ﴿ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝۴۵ ﴾	[سورہ زخرف]

﴿٧٥﴾ ﴿رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾	[سورہ دخان:٧]
﴿٧٦﴾ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ﴾	[سورہ دخان:٨]
﴿٧٧﴾ ﴿اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ﴾	[سورہ احقاف:٢١]
﴿٧٨﴾ ﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾	[سورہ محمد:١٩]
﴿٧٩﴾ ﴿وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾	[سورۂ ذٰریت:٥١]
﴿٨٠﴾ ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾	[سورۂ حشر:٢٣]
﴿٨١﴾ ﴿اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾	[سورۂ ممتحنہ:٤]
﴿٨٢﴾ ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾	[سورۂ تغابن:١٣]
﴿٨٣﴾ ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾	[سورۂ مزمل:٩]
﴿٨٤﴾ ﴿لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝٢ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝٣﴾	[سورۂ کافرون]
﴿٨٥﴾ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝١﴾	[سورۂ اخلاص]

یہ پچاسی(٨٥) آیات ہیں جن میں کلمۂ طیبہ یا اس کا مضمون وارد ہوا ہے، ان کے علاوہ اور بھی آیات بکثرت ہیں، جن میں اس کے معنی اور مفہوم وارد ہوا ہے اور جیسا مَیں اس فصل کے شروع میں لکھ چکا ہوں، توحید ہی اصل دین ہے، اس لیے جتنا اس میں اِنہماک[١] اور شَغف[٢] ہوگا دین میں پُختگی[٣] پیدا ہوگی؛ اسی لیے اس مضمون کو مُختلف عِبارات میں مختلف طریقوں سے ذکر فرمایا ہے کہ دل کی گہرائیوں میں اُتر جائے اور اندرونِ دل[٤] میں پختہ ہو جائے اور دل میں اللہ کے ماسِوا[٥] کی کوئی جگہ باقی نہ رہے۔

فصل سوم

(اس فصل) میں ان احادیث کا ذکر ہے جن میں کلمۂ طیبہ کی ترغیب وفضائل ذکر فرمائے گئے ہیں، اس مضمون میں جب آیات اتنی کثرت سے ذکر فرمائی ہیں تو احادیث کا کیا پوچھنا، سب کا احاطہ ناممکن ہے، اس لیے چند احادیث بطورِ نمونہ کے ذکر کی جاتی ہیں:

① عَنْ جَابِرٍ ﷛ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَفْضَلُ الدُّعَاءِ أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ.	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمام اذکار میں افضل لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور تمام دعاؤں میں افضل اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ہے۔

[كذا في المشكوٰة برواية الترمذي وابن ماجه. وقال المنذري رواه ابن ماجه والنسائي وابن حبان في صحيحه والحاكم كلهم من طريق طلحة بن خراش عنه. وقال الحاكم صحيح الإسناد. قلت رواه الحاكم بسندين وصححهما وأقره عليهما الذهبي. وكذا رقم له بالصحة السيوطي في الجامع]

حل لغات: ① انتہائی مشغولیت۔ ② شوق۔ ③ مضبوطی۔ ④ دل کے اندر۔ ⑤ علاوہ۔

فائدہ: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اَفْضَلُ الذِّکر[1] ہونا تو ظاہر ہے اور بہت سی احادیث میں کثرت سے وارد ہوا ہے، نیز سارے دین کا مدار[2] ہی کلمۂ توحید پر ہے، تو پھر اس کے افضل ہونے میں کیا تَرَدُّد[3] ہے۔ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کو افضل دعاء اس لحاظ سے فرمایا ہے کہ کریم کی ثنا[4] کا مطلب سوال ہی ہوتا ہے۔ عام مُشاہَدہ[5] ہے کہ کسی رئیس، امیر، نواب کی تعریف میں قَصِیدہ[6] خوانی کا مطلب اس سے سوال ہی ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھے، اس کے بعد اس کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ بھی کہنا چاہیے، اس لیے کہ قرآن پاک میں ﴿ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ کے بعد ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶۵ ﴾ وارِد ہے۔ مُلّاَعلی قاریؒ فرماتے ہیں: اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ تمام ذکروں میں افضل اور سب سے بڑھا ہوا ذکر کلمۂ طیبہ ہے کہ یہی دین کی وہ بنیاد ہے جس پر سارے دِین کی تعمیر ہے، اور یہ وہ پاک کلمہ ہے کہ دین کی چکی اسی کے گِرد[7] گھومتی ہے؛ اسی وجہ سے صُوفیہ[8] اور عارِفین[9] اسی کلمہ کا اہتمام فرماتے ہیں اور سارے اذکار پر اس کو ترجیح دیتے ہیں اور اسی کی جتنی ممکن ہو کثرت کراتے ہیں کہ تجربہ سے اس میں جس قدر فوائد اور مَنافع معلوم ہوئے ہیں کسی دوسرے میں نہیں۔

چنانچہ سید علی بن مَیمُون مَغْرِبیؒ کا قصہ مشہور ہے کہ جب شیخ عَلْوان حَمَوِیؒ جو ایک مُتَبحِّر[10] عالم اور مفتی اور مُدرِّس تھے، سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سیّد صاحب کی ان پر خصوصی توجہ ہوئی، تو ان کو سارے مَشَاغِل[11] درس[12] تدریس، فتویٰ وغیرہ سے روک دیا اور سارا وقت ذکر میں مشغول کر دیا، عوام کا تو کام ہی اِعتِراض اور گالیاں دینا ہے، لوگوں نے بڑا شور مچایا کہ شیخ کے مَنافع سے دنیا کو محروم کر دیا اور شیخ کو ضائع کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ کچھ دنوں بعد سید صاحب کو معلوم ہوا کہ شیخ کسی وقت کلامُ اللہ کی تلاوت کرتے ہیں، سید صاحب نے اس کو بھی منع کر دیا تو پھر تو پوچھنا ہی کیا، سید صاحب پر زِندِیقی[13] اور بددینی کا الزام لگنے لگا؛ لیکن چند ہی روز بعد شیخ پر ذکر کا اثر ہو گیا اور دل رنگ گیا، تو سید صاحبؒ نے فرمایا کہ اب تلاوت شروع کر دو، کلام پاک جو کھولا تو ہر ہر لفظ پر وہ علوم و مَعارِف[14] کھلے کہ پوچھنا ہی کیا ہے، سید صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے خدانخواستہ تلاوت کو منع نہیں کیا تھا بلکہ اس چیز کو پیدا کرنا چاہتا تھا۔

چونکہ یہ پاک کلمہ دین کی اصل ہے، ایمان کی جڑ ہے؛ اس لیے جتنی بھی اس کی کثرت کی جائے گی اتنی ہی ایمان کی جڑ مضبوط ہوگی۔ ایمان کا مدار اِسی کلمہ پر ہے بلکہ دنیا کے وجُود[15] کا مدار اِسی کلمہ پر ہے؛ چنانچہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ قیامت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے والا کوئی زمین پر ہو۔ دوسری حدیثوں میں آیا ہے کہ جب تک کوئی بھی اللہ اللہ کہنے والا روئے زمین پر ہو، قیامت نہیں ہوگی۔

حل لغات: (۱) سب سے بہترین ذکر۔ (۲) بقا، وجود۔ (۳) شک۔ (۴) تعریف۔ (۵) تجربہ، یعنی دیکھا گیا۔ (۶) کسی کی تعریف میں اشعار پڑھنا، تعریف کرنا۔ (۷) آس پاس۔ (۸) پرہیزگار لوگ۔ (۹) اللہ والے۔ (۱۰) بہت بڑا عالم۔ (۱۱) کام۔ (۱۲) پڑھنا پڑھانا۔ (۱۳) یعنی کفر۔ (۱۴) معرفت کی جمع، علم و فضل۔ (۱۵) پایا جانا، باقی رہنا۔

② عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهٗ قَالَ: قَالَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَا رَبِّ! عَلِّمْنِيْ شَيْئًا أَذْكُرُكَ بِهٖ وَأَدْعُوْكَ بِهٖ، قَالَ: قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ قَالَ يَا رَبِّ كُلُّ عِبَادِكَ يَقُوْلُ هٰذَا، قَالَ قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ. قَالَ: إِنَّمَا أُرِيْدُ شَيْئًا تَخُصُّنِيْ بِهٖ، قَالَ: يَا مُوْسٰى! لَوْ أَنَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعَ وَالْأَرَضِيْنَ السَّبْعَ فِيْ كَفَّةٍ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فِيْ كَفَّةٍ مَّالَتْ بِهِمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ.	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اللہ جلّ جلالہٗ کی پاک بارگاہ میں عرض کیا کہ مجھے کوئی وِرد(۱) تعلیم فرما دیجیے جس سے آپ کو یاد کیا کروں اور آپ کو پکارا کروں، ارشادِ خداوندی ہوا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا کرو، انھوں نے عرض کیا: اے پروردگار! یہ تو ساری ہی دنیا کہتی ہے۔ ارشاد ہوا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا کرو، عرض کیا: میرے رب میں تو کوئی ایسی مخصوص چیز مانگتا ہوں جو مجھی کو عطا ہو، ارشاد ہوا کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور دوسری طرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو رکھ دیا جائے تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ والا پلڑا جُھک جائے گا۔

[رواه النسائي وابن حبان والحاكم كلهم من طريق دراج عن أبي الهيثم عنه. وقال الحاكم: صحيح الإسناد. كذا في الترغيب. قلت: قال الحاكم: صحيح الإسناد ولم يخرجاه. وأقره عليه الذهبي. وأخرج في المشكوٰة برواية شرح السنة نحوه. زاد في منتخب الكنز. أبا يعلى والحكيم. وأبا نعيم في الحلية. والبيهقي في الأسماء. وسعيد بن منصور في سننه. وفي مجمع الزوائد رواه أبو يعلى ورجاله وثقوا وفيهم ضعف]

فائدہ: اللہ جلّ جلالہٗ، عَمَّ نَوَالُہٗ کی عادت شریفہ یہی ہے کہ جو چیز جس قدر ضرورت کی ہوتی ہے اتنی ہی عام عطا کی جاتی ہے، ضروریات دُنیَوِیّہ ہی میں دیکھ لیا جائے کہ سانس، پانی، ہوا، کیسی عام ضرورت کی چیزیں ہیں، اللہ جلّ شانہٗ نے ان کو کس قدر عام فرما رکھا ہے۔ البتہ یہ ضروری چیز ہے کہ اللہ کے یہاں وزن اِخلَاص کا ہے، جس قدر اخلاص سے کوئی کام کیا جائے گا اتنا ہی وزنی ہوگا اور جس قدر اخلاص کی کمی اور بے دِلی سے کیا جائے گا اتنا ہی ہلکا ہوگا، اخلاص پیدا کرنے کے لیے بھی جس قدر مفید اس کلمہ کی کثرت ہے اتنی کوئی دوسری چیز نہیں کہ اس کلمہ کا نام ہی جِلاءُ القُلوب (دلوں کی صفائی) ہے؛ اسی وجہ سے حضراتِ صوفیہ اس کا وِرد کثرت سے بتاتے ہیں اور سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی مقدار میں روزانہ کا معمول تجویز کرتے ہیں۔

ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرید نے اپنے شیخ سے عرض کیا تھا کہ میں ذکر کرتا ہوں مگر دِل غافل رہتا ہے، انھوں نے فرمایا کہ ذکر برابر کرتے رہو اور اس پر اللہ کا شکر کرتے رہو کہ اس نے ایک عُضو یعنی زبان کو اپنی یاد کی توفیق عطا فرمائی اور اللہ سے دل کی تَوَجُّہ کے لیے دعا کرتے رہو۔ اس قسم کا واقعہ اِحیاء العلوم

حل لغات: (۱) وظیفہ۔

میں بھی ابوعثمان مَغرِبیؒ کے متعلق نقل کیا گیا کہ ان سے کسی مُرید نے شکایت کی تھی، جس پر انھوں نے یہ جواب دیا تھا۔ درحقیقت بہترین نُسخَہ ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا کلام پاک میں ارشاد ہے کہ اگر تم شکر کروگے تو میں اضافہ کروں گا۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کا ذکر اس کی بڑی نعمت ہے، اس کا شکر ادا کیا کرو کہ اللہ نے ذکر کی توفیق عطا فرمائی۔

(۳) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷛ قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ! مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَاهُرَيْرَةَ! أَنْ لَّا يَسْئَلَنِيْ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ أَحَدٌ أَوَّلَ مِنْكَ، لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيْثِ: أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، خَالِصًا مِّنْ قَلْبِهٖ أَوْ نَفْسِهٖ.

حضرت ابوہریرہ ﷛ نے ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ کی شفاعت کا سب سے زیادہ نفع اُٹھانے والا قیامت کے دن کون شخص ہوگا؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے احادیث پر تمہاری حِرص(۱) دیکھ کر یہی گمان تھا کہ اس بات کو تم سے پہلے کوئی دوسرا شخص نہ پوچھے گا۔ (پھر حضور ﷺ نے سوال کا جواب ارشاد فرمایا) کہ سب سے زیادہ سعادت منداور نفع اُٹھانے والا میری شفاعت کے ساتھ وہ شخص ہوگا جو دل کے خلوص کے ساتھ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے۔

[رواه البخاري وقد أخرجه الحاكم بمعناه، وذكر صاحب بهجة النفوس في الحديث أربعا وثلثين بحثا]

فائدہ: سعادت کہتے ہیں: آدمی کو خیر کی طرف پہونچانے کے لیے توفیقِ الٰہی کے شامل ہونے کو۔ اب اِخلاص سے کلمۂ طیبہ پڑھنے والے کا سب سے زیادہ مُستحَق شفاعت ہونے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک تو یہ کہ اس حدیث سے وہ شخص مراد ہے جو اخلاص سے مسلمان ہوا اور کوئی نیک عمل بجز(۲) کلمہ طیبہ پڑھنے کے اس کے پاس نہ ہو، اس صورت میں ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ سعادت اس کو شفاعت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے کہ اپنے پاس تو کوئی عمل نہیں ہے، اس مطلب کے موافق یہ حدیث ان احادیث کے قریب قریب ہوگی جن میں ارشاد ہے کہ میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ والوں کے لیے ہے کہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے جہنم میں ڈالے جائیں گے، لیکن کلمۂ طیبہ کی برکت سے حضور ﷺ کی شفاعت ان کو نصیب ہوگی۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس کے مِصداق(۳) وہ لوگ ہیں جو اخلاص سے اس کلمہ کا ورد رکھیں اور ان کے پاس نیک اعمال ہوں، ان کے سب سے زیادہ سعادت مند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ نفع حضور ﷺ کی شفاعت سے ان کو پہونچے گا کہ ترقیِ درجات کا سبب بنے گی۔

علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی شفاعت قیامت کے دن چھ طریقے سے ہوگی: اوّل میدانِ حشر کی

حل لغات: (۱) رغبت۔ (۲) علاوہ۔ (۳) یعنی حقدار۔

قید سے خلاصی[1] کی ہوگی کہ حشر میں ساری مخلوق طرح طرح کے مَصَائِب میں مُبتلا، پریشان حال یہ کہتی ہوئی ہوگی کہ ہم کو جہنم ہی میں ڈال دیا جائے؛ مگر ان مصائب سے تو خلاصی ہو، اس وقت جلیل[2] القدر انبیاء علیہم السلام کی خدمت میں یکے بعد دیگرے حاضری ہوگی کہ آپ ہی اللہ کے یہاں سفارش فرمائیں؛ مگر کسی کو جُرأت نہ ہوگی کہ سفارش فرماسکیں؛ بالآخر حضور ﷺ شفاعت فرمائیں گے، یہ شفاعت تمام عالم، تمام مخلوق جن وانس، مسلم کافر سب کے حق میں ہوگی اور سب اس سے مُنتفع[3] ہوں گے۔ احادیثِ قیامت میں اس کا مُفَصَّل قصہ مذکور ہے۔ دوسری شفاعت بعض کفار کے حق میں تخفیف[4] عذاب کی ہوگی، جیسا ابوطالب کے بارہ میں صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے۔ تیسری شفاعت بعض مومنوں کو جہنم سے نکالنے کے بارہ میں ہوگی جو اس میں داخل ہوچکے ہوں گے۔ چوتھی شفاعت بعض مومن جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے جہنم میں داخل ہونے کے مستحق ہوچکے ہیں، ان کی جہنم سے معافی اور جہنم میں نہ داخل ہونے کے بارے میں ہوگی۔ پانچویں شفاعت بعض مومنین کے بغیر حساب کتاب جنت میں داخل ہونے میں ہوگی اور چھٹی شفاعت مومنین کے درجات بلند ہونے میں ہوگی۔

④ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّةَ. قِيْلَ: وَمَا إِخْلَاصُهَا؟ قَال: أَنْ تَحْجِزَهٗ عَنْ مَّحَارِمِ اللهِ. [رواه الطبراني في الأوسط والكبير]	حضرت زید بن اَرقم رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں: جو شخص اِخلاص کے ساتھ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ کسی نے پوچھا کہ کلمہ کے اخلاص (کی علامت) کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حرام کاموں سے اس کو روک دے۔

فائدہ: اور یہ ظاہر ہے کہ جب حرام کاموں سے رُک جائے گا اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا قائل ہوگا تو اس کے سیدھا جنت میں جانے میں کیا تردُّد[5] ہے؛ لیکن اگر حرام کاموں سے نہ بھی رکے تب بھی اس کلمۂ پاک کی یہ برکت تو بلاتردُّد ہے کہ اپنی بداعمالیوں کی سزا بھگتنے کے بعد کسی نہ کسی وقت جنت میں ضرور داخل ہوگا؛ البتہ اگر خُدانَخواستہ بداعمالیوں کی بَدولت اسلام وایمان ہی سے محروم ہوجائے تو دوسری بات ہے۔

حضرت فقیہ اَبُواللَّیث سَمَرقَندیؒ تنبیہ الغَافِلین میں لکھتے ہیں: ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ کثرت سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتا رہا کرے اور حق تعالیٰ شانہٗ سے ایمان کے باقی رہنے کی دعا بھی کرتا رہے اور اپنے کو گناہوں سے بچاتا رہے، اس لیے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جن کے گناہوں کی نُحُوست[6] سے آخر میں اُن کا ایمان سَلب[7] ہوجاتا ہے اور دنیا سے کفر کی حالت میں جاتے ہیں، اس سے بڑھ کر اور کیا مصیبت ہوگی

حل لغات: ① چھٹکارا۔ ② بڑی شان والے۔ ③ فائدہ اُٹھانے والے۔ ④ عذاب میں کمی۔ ⑤ شک۔ ⑥ بُرا اثر۔ ⑦ ختم ہوجانا۔

کہ ایک شخص کا نام ساری عمر مسلمانوں کی فہرست میں رہا ہو، مگر قیامت میں وہ کافروں کی فہرست میں ہو، یہ حقیقی حَسرت اور کمالِ حَسرت[1] ہے، اس شخص پر افسوس نہیں ہوتا جو گرجا[2] یا بت[3] خانہ میں ہمیشہ رہا ہو اور وہ کافروں کی فہرست میں آخر میں شمار کیا جائے؛ افسوس اُس پر ہے جو مسجد میں رہا ہو اور کافروں میں شمار ہو جائے اور یہ بات گناہوں کی کثرت سے اور تنہائیوں میں حرام کاموں میں مُبتلا ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس دوسروں کا مال ہوتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ دوسروں کا ہے مگر دل کو سمجھاتے ہیں کہ میں کسی وقت اس کو واپس کر دونگا اور صاحبِ حق سے معاف کرالوں گا، مگر اس کی نوبت نہیں آتی اور موت اس سے قبل آجاتی ہے۔ بہت سے لوگ ہیں کہ بیوی کو طلاق ہو جاتی ہے اور وہ اس کو سمجھتے ہیں؛ مگر پھر بھی اس سے ہمبستری کرتے ہیں اور اسی حالت میں موت آجاتی ہے کہ توبہ کی توفیق بھی نہیں ہوتی ہے، ایسے ہی حالات میں آخر میں ایمان سَلب ہو جاتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ.

حدیث کی کتابوں میں ایک قصہ لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ایک نوجوان کا انتقال ہونے لگا۔ حضور ﷺ سے عرض کیا گیا کہ اس سے کلمہ نہیں پڑھا جاتا، حضور ﷺ تشریف لے گئے اور اس سے دریافت فرمایا: کیا بات ہے؟ عرض کیا کہ یارسول اللہ! ایک قُفل[4] سا دل پر لگا ہوا ہے، تحقیق حالات سے معلوم ہوا کہ اس کی ماں اس سے ناراض ہے اور اس نے ماں کو ستایا ہے، حضور ﷺ نے ماں کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ اگر کوئی شخص بہت سی آگ جلا کر اس تمہارے لڑکے کو اُس میں ڈالنے لگے تو تم سفارش کروگی؟ اُنھوں نے عرض کیا: ہاں حضور! کروں گی۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایسا ہے تو اس کا قصور معاف کر دے، انھوں نے سب معاف کر دیا، پھر اس سے کلمہ پڑھنے کو کہا گیا تو فوراً پڑھ لیا، حضور ﷺ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ حضور ﷺ کی وجہ سے انھوں نے آگ سے نجات پائی۔ اس قسم کے سینکڑوں واقعات پیش آتے ہیں کہ ہم لوگ ایسے گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں جن کی نُحوست دین اور دنیا دونوں میں نقصان پہونچاتی ہے۔ صاحبِ اِحیاءؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے خُطبہ پڑھا جس میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کو اس طرح سے کہے کہ خَلْط مَلْط نہ ہو تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور اس کو واضح فرماویں، خَلْط مَلْط کا کیا مطلب ہے؟ ارشاد فرمایا کہ دنیا کی محبت اور اس کی طلب میں لگ جانا بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ انبیاء کی سی باتیں کرتے ہیں اور مُتکبّر اور جابر[5] لوگوں کے سے عمل کرتے ہیں، اگر کوئی اس کلمہ کو اس طرح کہے کہ یہ کام نہ کرتا ہو تو جنت اس کے لیے واجب ہے۔

⑤ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : مَا قَالَ عَبْدٌ لَا إِلٰهَ	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ کوئی بندہ ایسا نہیں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کہے اور اس کے لیے آسمانوں کے

حل لغات: ① یعنی بہت زیادہ افسوس۔ ② عیسائیوں کا عبادت خانہ۔ ③ مورتی پوجا کی جگہ۔ ④ تالا۔ ⑤ ظالم۔

إِلَّا اللّٰهُ إِلَّا فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ حَتّٰى تُفْضِيَ إِلَى الْعَرْشِ مَا اجْتَنَبَتِ الْكَبَائِرَ.	دروازے نہ کھل جائیں، یہاں تک کہ یہ کلمہ سیدھا عرش تک پہونچتا ہے، بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔

[رواه الترمذي وقال: حديث حسن غريب كذا في الترغيب. وهكذا في المشكوٰة؛ لكن ليس فيها حسن بل غريب فقط. قال القاري: ورواه النسائي وابن حبان وعزاه السيوطي في الجامع إلى الترمذي ورقم له بالحسن. وحكاه السيوطي في الدر من طريق ابن مردويه عن أبي هريرة وليس فيه: مَا اجْتَنَبَتِ الْكَبَائِرَ. وفي الجامع الصغير برواية الطبراني عن معقل بن يسار: لِكُلِّ شَيْءٍ مِفْتَاحٌ وَمِفْتَاحُ السَّمٰوَاتِ قَوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ورقم له بالضعف]

فائدہ: کتنی بڑی فضیلت ہے اور قبولیت کی انتہا ہے کہ یہ کلمہ براہِ راست[1] عرشِ معلّٰی[2] تک پہونچتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو چکا کہ اگر کبیرہ گناہوں کے ساتھ بھی کہا جائے تو نفع سے اُس وقت بھی خالی نہیں۔

مُلّا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ کبائر سے بچنے کی شرط: قبول کی جلدی اور آسمان کے سب دروازے کھلنے کے اِعتبار سے ہے، ورنہ ثواب اور قبول سے کبائر کے ساتھ بھی خالی نہیں۔ بعض علماء نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ ایسے شخص کے واسطے مرنے کے بعد اُس کی رُوح کے اِعزاز میں آسمان کے سب دروازے کھل جائیں گے۔ ایک حدیث میں آیا ہے دو کلمے ایسے ہیں کہ ان میں سے ایک کے لیے عرش سے نیچے کوئی مُنتہا[3] نہیں، دوسرا آسمان اور زمین کو (اپنے نور یا اپنے اجر سے) بھر دے ایک: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دوسرا: اَللّٰهُ أَكْبَرُ.

⑥ عَنْ يَعْلَى بْنِ شَدَّادٍ قَالَ: حَدَّثَنِيْ أَبِيْ شَدَّادُ بْنُ أَوْسٍ وَعُبَادَةُ بْنِ الصَّامِتِ رضي الله عنه حَاضِرٌ يُصَدِّقُ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: هَلْ فِيْكُمْ غَرِيْبٌ؟ يَعْنِيْ أَهْلَ الْكِتَابِ، قُلْنَا: لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، فَأَمَرَ بِغَلْقِ الْبَابِ وَقَالَ: ارْفَعُوْا أَيْدِيَكُمْ، وَقُوْلُوْا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَرَفَعْنَا أَيْدِيَنَا سَاعَةً ثُمَّ قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ بَعَثْتَنِيْ بِهٰذِهِ الْكَلِمَةِ وَوَعَدْتَنِيْ عَلَيْهَا الْجَنَّةَ وَأَنْتَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ. ثُمَّ قَالَ: أَبْشِرُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَكُمْ.	حضرت شَدّاد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ اس واقعہ کی تصدیق کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کوئی اجنبی (غیر مُسلم) تو مجمع میں نہیں؟ ہم نے عرض کیا: کوئی نہیں، ارشاد فرمایا: کواڑ بند کر دو اس کے بعد ارشاد فرمایا: ہاتھ اُٹھاؤ اور کہو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، ہم نے تھوڑی دیر ہاتھ اُٹھائے رکھے اور (کلمۂ طیبہ پڑھا)، پھر فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اے اللہ! تو نے مجھے یہ کلمہ دے کر بھیجا ہے اور اس کلمہ پر جنت کا وَعدہ کیا ہے اور تو وعدہ خِلاف نہیں ہے، اس کے بعد حضور ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ خوش ہو جاؤ اللہ نے تمہاری مغفرت فرما دی۔

[رواه أحمد بإسناد حسن والطبراني وغيرهما كذا في الترغيب. قلت: وأخرجه الحاكم. وقال: إسمٰعيل

حل لغات: ① بغیر واسطہ کے، سیدھا۔ ② خدا کا تخت۔ ③ آخری درجہ، کوئی حد نہیں۔

ابن عياش أحد أئمة أهل الشام وقد نسب إلى سوء الحفظ ، وأنا على شرطي في أمثاله. وقال الذهبي: راشد ضعفه الدار قطني وغيره ووثقه دحيم اهـ. وفي مجمع الزوائد: رواه أحمد والطبراني والبزار ورجاله موثقون اهـ.]

فائدہ: غالبًا اجنبی کو اس لیے دریافت فرمایا تھا اور اسی لیے کواڑ بند کرائے تھے کہ ان لوگوں کے کلمۂ طیبہ پڑھنے پر تو حضور ﷺ کو مغفرت کی بشارت کی امید ہوگی، اَوروں کے متعلق یہ امید نہ ہو۔ صُوفیہ نے اس حدیث سے مشائخ کا اپنے مریدین کی جماعت کو ذکر کی تلقین[1] کرنے پر اِستدلال[2] کیا ہے؛ چنانچہ ''جامع الاصول'' میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ کا صحابہ رضی اللہ عنہم کو جماعۃً اور منفرداً[3] ذکر کی تلقین کرنا ثابت ہے۔ جماعت کو تلقین کرنے میں اس حدیث کو پیش کیا ہے۔ اس صورت میں کواڑوں کا بند کرنا مُستفیدین[4] کی توجہ کے تام[5] کرنے کی غرض سے ہو اور اسی وجہ سے اجنبی کو دریافت فرمایا کہ غیر کا مجمع میں ہونا حضور ﷺ پر تَشَتُّت[6] کا سبب اگرچہ نہ ہو؛ لیکن مُستفیدین کے تَشَتُّت کا احتمال تو تھا ہی۔

چہ خوش است با تو بزمے بنہفتہ ساز کردن درِخانہ بند کردن سرِ شیشہ باز کردن

(کیسی مزے کی چیز ہے تیرے ساتھ خُفیہ[7] ساز کرلینا گھر کا دروازہ بند کردینا اور بوتل کا منہ کھول دینا)

⑦ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: جَدِّدُوْا إِيْمَانَكُمْ، قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! وَكَيْفَ نُجَدِّدُ إِيْمَانَنَا؟ قَالَ: أَكْثِرُوْا مِنْ قَوْلِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ.	حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو یعنی تازہ کرتے رہا کرو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایمان کی تجدید کس طرح کریں؟ ارشاد فرمایا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو کثرت سے پڑھتے رہا کرو۔

[رواه أحمد والطبراني و إسناد أحمد حسن، كذا في الترغيب. قلت: ورواه الحاكم في صحيحه وقال: صحيح الإسناد. وقال الذهبي: صدقة (الراوي) ضعفوه. قلت: هو من رواة أبي داؤد والترمذي وأخرج له البخاري في الأدب المفرد. وقال في التقريب: صدوق له أوهام. وذكره السيوطي في الجامع الصغير برواية أحمد والحاكم ورقم له بالصحة. وفي مجمع الزوائد رواه أحمد وإسناده جيد. وفي موضع اٰخر رواه أحمد والطبراني ورجال أحمد ثقات]

فائدہ: ایک روایت میں حضور ﷺ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ ایمان پُرانا ہوجاتا ہے جیسا کہ کپڑا پرانا ہوجاتا ہے، اس لیے اللہ جلَّ شانہٗ سے ایمان کی تجدید مانگتے رہا کرو۔ پُرانے ہوجانے کا مطلب یہ ہے کہ مَعاصی[8] سے قوتِ ایمانیہ اور نورِ ایمان جاتا رہتا ہے؛ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو ایک سِیاہ نشان (دَھبّہ) اُس کے دل میں ہوجاتا ہے، اگر وہ سچی توبہ کرلیتا ہے تو وہ نشان دُھل جاتا ہے ورنہ جما رہتا ہے اور پھر جب وہ دوسرا گناہ کرتا ہے تو دوسرا نشان ہوجاتا ہے، اسی طرح آخر دل بالکل کالا

حل لغات: ① تعلیم دینا۔ ② دلیل نکالنا، ثبوت نکالنا۔ ③ تنہا تنہا۔ ④ فائدہ اُٹھانے والے۔ ⑤ مکمل۔ ⑥ بے اطمینانی۔ ⑦ چپکے چپکے تعلق قائم کرنا۔ ⑧ معصیت کی جمع، گناہ۔

ہوجاتا ہے اور زنگ[1] آلود ہوجاتا ہے۔ جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے سورہ تطفیف میں ارشاد فرمایا ہے ﴿ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾، اس کے بعد اس کے دل کی حالت ایسی ہوجاتی ہے کہ حق بات اس میں اثر اور سرایت[2] ہی نہیں کرتی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ چار چیزیں آدمی کے دل کو برباد کردیتی ہیں: اَحمقوں سے مُقابلہ، گناہوں کی کثرت، عورتوں کے ساتھ کثرت[3] اِختِلاط اور مُردہ لوگوں کے پاس کثرت سے بیٹھنا، کسی نے پوچھا: مُردوں سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ہر وہ مال دار جس کے اندر مال نے اَکڑ پیدا کردی ہو۔

⑧ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: أَكْثِرُوْا مِنْ شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ قَبْلَ أَنْ يُّحَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهَا.	حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کا اقرار کثرت سے کرتے رہا کرو قبل اس کے کہ ایسا وقت آئے کہ تم اُس کلمہ کو نہ کہہ سکو۔

[رواه أبو يعلى بإسناد جيد قوي كذا في الترغيب، وعزاه في الجامع إلى أبي يعلى وابن عدي في الكامل ورقم له بالضعف وزاد: لَقِّنُوْهَا مَوْتَاكُمْ. وفي مجمع الزوائد: رواه أبو يعلى ورجاله رجال الصحيح غير ضمام وهو ثقة]

فائدہ: یعنی موت حائل[4] ہوجائے کہ اس کے بعد کسی عمل کا بھی وقت نہیں رہتا، زندگی کا زمانہ بہت ہی تھوڑا سا ہے اور یہ ہی عمل کرنے کا اور تُخم[5] بولینے کا وقت ہے اور مرنے کے بعد کا زمانہ بہت ہی وسیع ہے اور وہاں وہی مل سکتا ہے جو یہاں بودیا گیا۔

⑨ عَنْ عَمْرٍو ﷺ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: إِنِّيْ لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَا يَقُوْلُهَا عَبْدٌ حَقًّا مِّنْ قَلْبِهٖ فَيَمُوْتُ عَلٰى ذٰلِكَ إِلَّا حُرِّمَ عَلَى النَّارِ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ.	حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ کوئی بندہ ایسا نہیں ہے کہ دل سے حق سمجھ کر اس کو پڑھے اور اسی حال میں مرجائے؛ مگر وہ جہنم پر حرام ہوجائے وہ کلمہ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ ہے۔

[رواه الحاكم وقال: صحيح على شرطهما وروياه بنحوه كذا في الترغيب]

فائدہ: بہت سی روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے ان سب سے اگر یہ مراد ہے کہ وہ مسلمان ہی اس وقت ہوا ہے تب تو کوئی اشکال ہی نہیں کہ اسلام لانے کے بعد کفر کے گناہ بالِاتفاق مُعاف ہیں، اور اگر یہ مراد ہے کہ پہلے سے مسلمان تھا اور اخلاص کے ساتھ اس کلمہ کو کہہ کر مرا ہے، تب بھی کیا بعید[6] ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لُطف سے سارے ہی گناہ معاف فرمادیں، حق تعالیٰ شانہٗ کا تو خود ہی ارشاد ہے کہ شرک کے علاوہ سارے ہی گناہ جس کے چاہیں گے معاف فرمادیں گے۔ مُلّا علی قاریؒ نے بعض عُلَماء سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ اور اس قسم کی احادیث اس وقت کے اعتبار سے ہیں جب تک دوسرے اَحکام نازل نہیں ہوئے تھے۔

حل لغات: ① زنگ لگا ہوا۔ ② سما جانا، اثر کرنا۔ ③ بہت زیادہ میل جول۔ ④ بیچ میں آنے والا، آڑ۔ ⑤ بیج۔ ⑥ مشکل۔

بعض عُلَمَاء نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد اس کلمہ کو اس کے حق کی ادائیگی کے ساتھ کہنا، جیسا کہ پہلے حدیث نمبر ۴ میں گذر چکا ہے۔ حَسَنِ بَصَرِیؒ وغیرہ حضرات کی بھی یہی رائے ہے۔ امام بخاریؒ کی تحقیق یہ ہے کہ نَدامت[1] کے ساتھ اس کلمہ کو کہا ہو کہ یہی حقیقت توبہ کی ہے اور پھر اسی حال پر انتقال ہوا ہو۔ ملا علی قاریؒ کی تحقیق یہ ہے کہ اس سے ہمیشہ جہنم میں رہنے کی حُرمت مراد ہے، ان سب کے علاوہ ایک کھلی ہوئی بات اور بھی ہے وہ یہ کہ کسی چیز کا کوئی خاص اثر ہونا اس کے مُنافی[2] نہیں کہ کسی عَارِض[3] کی وجہ سے وہ اثر نہ کر سکے۔ سَقْمُونْیَا[4] کا اثر اِسْہَال[5] ہے؛ لیکن اگر اس کے بعد کوئی سخت قَابِض[6] چیز کھالی جائے تو یقیناً سَقْمُونیا کا اثر نہ ہوگا، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس دوا کا وہ اثر نہیں رہا بلکہ اس عارض کی وجہ سے اُس شخص پر اثر نہ ہوسکا۔

(۱۰) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ ﷛ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَفَاتِيْحُ الْجَنَّةِ: شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ.	حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کا اقرار کرنا جنت کی کنجیاں ہیں۔

[رواه أحمد كذا في المشكوٰة والجامع الصغير ورقم له بالضعف. وفي مجمع الزوائد رواه أحمد ورجاله وثقوا إلا أن شهرا لم يسمعه عن معاذ اهـ. ورواه البزار كذا في الترغيب وزاد السيوطي في الدر ابن مردويه والبيهقي. وذكره في المقاصد الحسنة برواية أحمد بلفظ: مفتاح الجنة لا إله إلا الله. واختلف في وجه حمل الشهادة وهي مفرد على المفاتيح وهي جمع على أقوال أوجهها عندي: أنها لما كانت مفتاحًا لكل باب من أبوابه صارت كالمفاتيح]

فائدہ: کُنجیاں اس لحاظ سے فرمایا کہ ہر دروازہ کی اور ہر جنت کی کنجی یہ ہی کلمہ ہے اس لیے ساری کنجیاں یہی کلمہ ہوا، یا اس لحاظ سے کہ یہ کلمہ بھی دو جزو لیے ہوئے ہے: ایک لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کا اِقْرَار دوسرے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ کا اِقْرَار، اس لیے دو ہو گئے کہ دونوں کے مجموعہ سے کھل سکتا ہے، اور بھی ان روایات میں جہاں جہاں جنت کے دخول[7] یا جہنم کے حرام ہونے کا ذکر ہے اُس سے مراد پورا ہی کلمہ ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جنت کی قیمت لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ ہے۔

(۱۱) عَنْ أَنَسٍ ﷛ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فِيْ سَاعَةٍ مِّنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ إِلَّا طُمِسَتْ مَا فِي الصَّحِيْفَةِ مِنَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰى تَسْكُنَ إِلٰى مِثْلِهَا مِنَ الْحَسَنَاتِ.	حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو بھی بندہ کسی وقت بھی دن میں یا رات میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ کہتا ہے، تو اعمال نامہ میں سے بُرائیاں مِٹ جاتی ہیں، اور ان کی جگہ نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

[رواه أبو يعلى كذا في الترغيب. وفي مجمع الزوائد فيه عثمان بن عبد الرحمٰن الزهري وهو متروك اهـ.]

فائدہ: بُرائیاں مٹ کر نیکیاں لکھی جانے کے متعلق بابِ اول فصلِ ثانی کے نمبر ۱۰ پر مفصل گذر چکا ہے

حل لغات: (۱) شرمندگی۔ (۲) خلاف۔ (۳) یعنی رکاوٹ۔ (۴) ایک قسم کا گوند۔ (۵) دست دلانا۔ (۶) قبض کرنے والی۔ (۷) داخل ہونا۔

اوراس قسم کی آیات وروایات کے چند معنی لکھے گئے ہیں، ہر معنی کے اعتبار سے گناہوں کا اس حدیث میں اعمال نامہ سے مٹانا تو معلوم ہوتا ہی ہے البتہ اِخلاص ہونا ضروری ہے اور کثرت سے اللہ کا پاک نام لینا اور کلمۂ طیبہ کا کثرت سے پڑھنا خود بھی اخلاص پیدا کرنے والا ہے؛ اسی لیے اس پاک کلمہ کا نام ''کلمۂ اخلاص'' ہے۔

(۱۲) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَمُوْدًا مِّنْ نُّوْرٍ بَيْنَ يَدَيِ الْعَرْشِ، فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ اِهْتَزَّ ذٰلِكَ الْعَمُوْدُ، فَيَقُوْلُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: اسْكُنْ، فَيَقُوْلُ: كَيْفَ أَسْكُنُ وَلَمْ تُغْفَرْ لِقَائِلِهَا؟ فَيَقُوْلُ: إِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهٗ، فَيَسْكُنُ عِنْدَ ذٰلِكَ.

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ عرش کے سامنے نور کا ایک سُتون[۱] ہے جب کوئی شخص ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ'' کہتا ہے تو وہ ستون ہلنے لگتا ہے، اللہ کا ارشاد ہوتا ہے کہ ٹھہر جا، وہ عرض کرتا ہے: کیسے ٹھہروں؟ حالانکہ کلمہ طیبہ پڑھنے والے کی ابھی تک مغفرت نہیں ہوئی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اچھا! میں نے اس کی مغفرت کردی تو وہ ستون ٹھہر جاتا ہے۔

[رواه البزار وهو غريب كذا في الترغيب. وفي مجمع الزوائد فيه عبد الله بن إبراهيم بن أبي عمرو وهو ضعيف جداً اهـ. قلت: وبسط السيوطي في اللآلي على طرقه وذكر له شواهد]

فائدہ: مُحدِّثین حضراتؒ کو اس روایت میں کلام ہے؛ لیکن علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ یہ روایت کئی طریقوں سے مختلف الفاظ سے نقل کی گئی ہے، بعض روایتوں میں اس کے ساتھ اللہ جلَّ شانہٗ کا یہ بھی ارشاد وارد ہے کہ میں نے کلمہ طیبہ اس شخص کی زبان پر اسی لیے جاری کرادیا تھا کہ اس کی مغفرت کروں۔ کس قدر لُطف وکرم ہے اللہ کا کہ خود ہی توفیق عطا فرماتے ہیں اور پھر خود ہی اُس لُطف کی تکمیل[۲] میں مغفرت فرماتے ہیں۔ حضرت عطاءؒ کا قصہ مشہور ہے کہ وہ ایک مرتبہ بازار تشریف لے گئے، وہاں ایک دیوانی باندی فروخت ہورہی تھی، انھوں نے خرید لی، جب رات کا کچھ حصہ گذرا تو وہ دیوانی اُٹھی اور وضو کر کے نماز شروع کردی اور نماز میں اُس کی یہ حالت تھی کہ آنسوؤں سے دَم گُھٹا[۳] جارہا تھا، اُس کے بعد اُس نے کہا: اے میرے معبود! آپ کو مجھ سے محبت رکھنے کی قسم! مجھ پر رحم فرمادیجیے، عطاءؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ لونڈی یوں کہہ: اے اللہ! مجھے آپ سے محبت رکھنے کی قسم، یہ سن کر اس کو غصہ آیا اور کہنے لگی: اُس کے حق کی قسم! اگر اس کو مجھ سے محبت نہ ہوتی تو تمھیں یوں میٹھی نیند نہ سلاتا اور مجھے یوں کھڑا نہ کرتا، اس کے بعد اُس نے یہ اشعار پڑھے:

اَلْكَرْبُ مُجْتَمِعٌ وَالْقَلْبُ مُحْتَرِقٌ وَالصَّبْرُ مُفْتَرِقٌ وَالدَّمْعُ مُسْتَبِقٌ
كَيْفَ الْقَرَارُ عَلٰى مَنْ لَّا قَرَارَ لَهٗ مِمَّا جَنَاهُ الْهَوٰى وَالشَّوْقُ وَالْقَلَقُ
يَارَبِّ إِنْ كَانَ شَيْءٌ فِيْهِ لِيْ فَرَجٌ فَامْنُنْ عَلَيَّ بِهٖ مَادَامَ بِيْ رَمَقٌ

ترجمہ: بے چینی جمع ہورہی ہے اور دِل جَل رہا ہے اور صبر جدا ہوگیا اور آنسو بہہ رہے ہیں، اس کو کس طرح

حل لغات: (۱) کھمبا۔ (۲) پورا کرنا، مکمل کرنا۔ (۳) سانس رکنا۔

قرار آ سکتا ہے، جس کو عشق وشوق اور بے چینی کے حملوں کی وجہ سے ذرا بھی سکون نہیں، اے اللہ! اگر کوئی چیز ایسی ہوسکتی ہے جس میں غم سے نجات ہو تو زندگی میں اس کو عطا فرما کر مجھ پر احسان فرما۔ اس کے بعد اُس نے کہا: اے اللہ! میرا اور آپ کا معاملہ اب راز میں نہیں رہا، مجھے اُٹھا لیجیے۔ یہ کہہ کر ایک چیخ ماری اور مرگئی۔ اس قسم کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں۔ اور کھلی ہوئی بات ہے کہ توفیق جب تک شاملِ[1] حال نہ ہو، کیا ہوسکتا ہے ﴿ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۹﴾ ﴾ [سورۂ تکویر] (اور تم بدوں[2] خدائے رب العالمین کے چاہے، کچھ نہیں چاہ سکتے ہو)۔

(۱۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَيْسَ عَلٰى أَهْلِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْشَةٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ وَلَامَنْشَرِهِمْ، وَكَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلٰى أَهْلِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَهُمْ يَنْفُضُوْنَ التُّرَابَ عَنْ رُءُوْسِهِمْ وَيَقُوْلُوْنَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ. وَفِيْ رِوَايَةٍ: لَيْسَ عَلٰى أَهْلِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْشَةٌ عِنْدَ الْمَوْتِ وَلَا عِنْدَ الْقَبْرِ.

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ والوں پر نہ قبروں میں وحشت[3] ہوگی نہ میدانِ حشر میں، اس وقت گویا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ جب وہ اپنے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے (قبروں سے) اُٹھیں گے اور کہیں گے کہ تمام تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جس نے ہم سے (ہمیشہ کے لیے) رنج وغم دور کردیا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ والوں پر نہ موت کے وقت وحشت ہوگی نہ قبر کے وقت۔

[رواه الطبراني والبيهقي كلاهما من رواية يحيى بن عبدالحميد الحماني، وفي متنه نكارة كذا في الترغيب. وذكره في الجامع الصغير برواية الطبراني عن ابن عمر رضي الله عنهما ورقم له بالضعف. وفي أسنى المطالب رواه الطبراني وأبو يعلى بسند ضعيف. وفي مجمع الزوائد رواه الطبراني وفي رواية: لَيْسَ عَلٰى أَهْلِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْشَةٌ عِنْدَ الْمَوْتِ وَلَاعِنْدَ الْقَبْرِ. في الأولى يحيى الحماني وفي الأخرىٰ مجاشع ابن عمرو كلاهما ضعيف اهـ. وقال السخاوي في المقاصد الحسنة: رواه أبويعلىٰ والبيهقي في الشعب والطبراني بسند ضعيف عن ابن عمر رضي الله عنهما اهـ. قلت: وما حكم عليه المنذري بالنكارة مبناه أنّه حمل أهل لاَ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ على الظّاهر على كلّ مسلم ومعلوم أنّ بعض المسلمين يعذّبون في القبر والحشر فيكون الحديث مخالفًا للمعروف فيكون منكرًا؛ لكنه إن أريد به المخصوص بهذه الصفة فيكون موافقا للنصوص الكثيرة من القراٰن والحديث: فَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ. وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ، وَسَبْعُوْنَ أَلْفًا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ، وغير ذٰلك من الاٰيات والروايات. فالحديث موافق لها لا مخالف. فيكون معروفا لامنكرًا. وذكر السيوطي في الجامع الصغير برواية ابن مردويه والبيهقي في البعث عن عمر رضي الله عنه بلفظ: سَابِقُنَا سَابِقٌ وَمُقْتَصِدُنَا نَاجٍ وَظَالِمُنَا مَغْفُوْرٌ لَهٗ. ورقم له بالحسن. قلت: ويؤيده حديث: سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ الْمُسْتَهْتِرُوْنَ فِيْ ذِكْرِ اللّٰهِ، يَضَعُ الذِّكْرَ عَنْهُمْ أَثْقَالَهُمْ فَيَأْتُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ خِفَافًا. رواه الترمذي والحاكم عن أبي هريرة رضي الله عنه، والطبراني عن أبي الدرداء رضي الله عنه كذا في الجامع ورقم له بالصحة. وفي الاتحاف

حل لغات: (۱) ساتھ۔ (۲) بغیر۔ (۳) گھبراہٹ۔

عن أبي الدرداء ؓ موقوفًا : اَلَّذِيۡنَ لَاتَزَالُ أَلۡسِنَتُهُمۡ رَطۡبَةً مِّنۡ ذِكۡرِ اللهِ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ وَهُمۡ يَضۡحَكُوۡنَ. وفي الجامع الصغير برواية الحاكم ورقم له بالصحة : اَلسَّابِقُ وَالۡمُقۡتَصِدُ يَدۡخُلَانِ الۡجَنَّةَ بِغَيۡرِ حِسَابٍ. وَالظَّالِمُ لِنَفۡسِهٖ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيۡرًا ثُمَّ يَدۡخُلُ الۡجَنَّةَ].

فائدہ: حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور اقدس ﷺ کے پاس تشریف لائے، حضور ﷺ نہایت غمگین تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اللہ جلّ جلالہٗ نے آپ کو سلام فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا کہ آپ کو رنجیدہ اور غمگین دیکھ رہا ہوں، یہ کیا بات ہے؟ (حالانکہ حق تعالیٰ شانہٗ دلوں کے بھید[1] جاننے والے ہیں؛ لیکن اِکرام واِعزاز اور اظہارِ شرافت کے واسطے اس قسم کے سوال کرائے جاتے تھے) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل! مجھے اپنی امت کا فکر بہت بڑھ رہا ہے کہ قیامت میں اُن کا کیا حال ہوگا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دریافت کیا کہ کُفار کے بارے میں یا مسلمانوں کے بارے میں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کے بارے میں فکر ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو ساتھ لیا اور ایک مَقبَرہ[2] پر تشریف لے گئے جہاں قبیلۂ بَنُوسَلَمہ کے لوگ دفن تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک قبر پر ایک پَر مارا اور ارشاد فرمایا کہ ﴿ قُمۡ بِإِذۡنِ اللهِ ﴾ (اللہ کے حکم سے کھڑے ہو جا) اُس قبر سے ایک شخص نہایت حسین خوبصورت چہرہ والا اُٹھا، وہ کہہ رہا تھا: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللهِ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ. حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جگہ لوٹ جا، وہ چلا گیا۔ پھر دوسری قبر پر دوسرا پَر مارا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ کے حکم سے کھڑا ہو جا، اس میں سے ایک شخص نہایت بدصورت، کالا منہ، کیری آنکھوں والا کھڑا ہوا، وہ کہہ رہا تھا: ہائے افسوس، ہائے شرمندگی، ہائے مصیبت، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: اپنی جگہ لوٹ جا۔ اس کے بعد حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ جس حالت پر یہ لوگ مرتے ہیں اسی حالت پر اُٹھیں گے۔ حدیث[3] بالا میں لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ والوں سے بظاہر وہ لوگ مراد ہیں جن کو اس پاک کلمہ کے ساتھ خصوصی لگاؤ، خصوصی مُناسَبَت، خصوصی اِشتِغال[4] ہو اس لیے کہ دودھ والا، جوتوں والا، موتی والا اور برف والا وہی شخص کہلاتا ہے، جس کے یہاں ان چیزوں کی خصوصی بِکری اور خصوصی ذخیرہ موجود ہو۔ اس لیے لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ والوں کے ساتھ اس معاملہ میں کوئی اشکال نہیں۔ قرآن پاک میں سورۂ فاطر میں اس اُمت کے تین طَبَقے[5] بیان فرمائے ہیں: ایک طبقہ سَابِقٌ بِالْخَیرات کا بیان فرمایا ہے، جن کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ وہ بے حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص سَو[1] مرتبہ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ پڑھا کرے اس کو حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن ایسی حالت میں اُٹھائیں گے کہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ان کا چہرہ روشن ہوگا۔ حضرت ابو درداء ؓ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کی زبانیں اللہ کے ذکر سے تَروتازہ رہتی ہیں، وہ جنت میں ہنستے ہوئے داخل ہوں گے۔

حل لغات: (۱) راز۔ (۲) قبرستان۔ (۳) اوپر ذکر کی گئی حدیث۔ (۴) مصروفیت۔ (۵) درجے۔

(۱۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ يَسْتَخْلِصُ رَجُلًا مِّنْ أُمَّتِيْ عَلٰى رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ، فَيَنْشُرُ عَلَيْهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ سِجِلًّا ، كُلُّ سِجِلٍّ مِّثْلُ مَدِّ الْبَصَرِ ، ثُمَّ يَقُوْلُ : أَتُنْكِرُ مِنْ هٰذَا شَيْئًا ؟ أَظَلَمَكَ كَتَبَتِي الْحَافِظُوْنَ ؟ فَيَقُوْلُ : لَا يَا رَبِّ ، فَيَقُوْلُ : أَفَلَكَ عُذْرٌ ؟ فَيَقُوْلُ: لَا يَا رَبِّ، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى: بَلٰى ! إِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً ، فَإِنَّهٗ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ ، فَتُخْرَجُ بِطَاقَةٌ ، فِيْهَا : أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ، فَيَقُوْلُ : أُحْضُرْ وَزْنَكَ ، فَيَقُوْلُ : يَا رَبِّ ! مَا هٰذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هٰذِهِ السِّجِلَّاتِ ؟ فَقَالَ : فَإِنَّكَ لَا تُظْلَمُ الْيَوْمَ ، فَتُوْضَعُ السِّجِلَّاتُ فِيْ كَفَّةٍ وَالْبِطَاقَةُ فِيْ كَفَّةٍ ؛ فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ ، فَلَا يَثْقُلُ مَعَ اللّٰهِ شَيْءٌ.

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن میری اُمت میں سے ایک شخص کو مُنتخَب فرما کر تمام دنیا کے سامنے بلائیں گے اور اس کے سامنے ننانوے دفتر اعمال کے کھولیں گے، ہر دفتر اتنا بڑا ہوگا کہ منتہائے نظر تک (یعنی جہاں تک نگاہ جا سکے وہاں تک) پھیلا ہوا ہوگا، اُس کے بعد اُس سے سوال کیا جائے گا کہ ان اعمالناموں میں سے تو کسی چیز کا انکار کرتا ہے؟ کیا میرے ان فرشتوں نے جو اعمال لکھنے پر مُتعَیَّن تھے تجھ پر کچھ ظلم کیا ہے (کہ کوئی گناہ بغیر کیے ہوئے لکھ لیا ہو، یا کرنے سے زیادہ لکھ لیا ہو) وہ عرض کرے گا نہیں (نہ انکار کی گنجائش ہے نہ فرشتوں نے ظلم کیا) پھر ارشاد ہوگا کہ تیرے پاس ان بداعمالیوں کا کوئی عُذر ہے؟ وہ عرض کرے گا کوئی عذر بھی نہیں، ارشاد ہوگا اچھا تیری ایک نیکی ہمارے پاس ہے، آج تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہے، پھر ایک کاغذ کا پرزہ نکالا جائے گا، جس میں أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ لکھا ہوا ہوگا، ارشاد ہوگا کہ جا اس کو تُلوا لے، وہ عرض کرے گا کہ اتنے دفتروں کے مقابلہ میں پُرزہ کیا کام دے گا؟ ارشاد ہوگا کہ آج تجھ پر ظلم نہیں ہوگا، پھر اُن سب دفتروں کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جاوے گا اور دوسری جانب وہ پُرزہ ہوگا، تو دفتروں والا پلڑا اُڑنے لگے گا اُس پُرزہ کے وزن کے مقابلہ میں، پس بات یہ ہے کہ اللہ کے نام سے کوئی چیز وزنی نہیں۔

[رواه الترمذي وقال : حسن غريب وابن ماجه وابن حبان في صحيحه والبيهقي والحاكم وقال : صحيح على شرط مسلم ، كذا في الترغيب . قلت : كذا قال الحاكم في كتاب الإيمان ، وأخرجه أيضًا في كتاب الدعوات ، وقال : صحيح الإسناد ، وأقره في الموضعين الذهبي ، وفي المشكوٰة أخرجه برواية الترمذي وابن ماجة ، وزاد السيوطي في الدر فيمن عزاه إليهم أحمد وابن مردويه واللالكائي والبيهقي في البعث ، وفيه اختلاف في بعض الألفاظ ، كقوله في أول الحديث : يصاحُ برجل من أمتي على رءوس الخلائق ، وفيه أيضا : فيقول : أفلك عذر أو حسنة ؟ فيهابُ الرجل فيقول : لا يا رب !

فضائل ذکر

فيقول : بلى ! إن لك عندنا حسنة. الحديث. وعلم منه أن الاستدراك في الحديث على محله، ولا حاجة إذًا إلى ما أوله القاري في المرقاة، وذكر السيوطي ما يؤيد الرواية من الروايات الأخر]

فائدہ: یہ اِخلاص ہی کی برکت ہے کہ ایک مرتبہ کلمۂ طیبہ اخلاص کے ساتھ پڑھا ہوا ان سب دفتروں پر غالب آگیا، اسی لیے ضروری ہے کہ آدمی کسی مسلمان کو بھی حقیر نہ سمجھے اور اپنے کو اس سے اَفضل نہ سمجھے، کیا معلوم کہ اس کا کون سا عمل اللہ کے یہاں مقبول ہو جائے، جو اس کی نجات کے لیے کافی ہو جائے اور اپنا حال معلوم نہیں کہ کوئی عمل قابلِ قبول ہوگا یا نہیں۔

حدیث شریف میں ایک قصہ آتا ہے کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے: ایک عابِد دوسرا گنہگار، وہ عابد اس گنہگار کو ہمیشہ ٹوکا کرتا تھا وہ کہہ دیتا کہ مجھے میرے خُدا پر چھوڑ۔ ایک دن اُس عابد نے غصہ میں آکر کہہ دیا کہ خُدا کی قسم! تیری مغفرت کبھی نہیں ہوگی، حق تعالیٰ شانہٗ نے عالمِ اَرْوَاح میں دونوں کو جمع فرمایا اور گنہگار کو اس لیے کہ وہ رحمت کا اُمیدوار تھا، معاف فرمایا اور عابد کو اس قسم کھانے کی پاداش[1] میں عذاب کا حکم فرما دیا اور اس میں کیا شک ہے کہ یہ قسم نہایت سخت تھی، خود حق تعالیٰ شانہٗ تو ارشاد فرمائیں ﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ [سورۂ نساء: ۱۱۶] (حق تعالیٰ شانہٗ کُفر و شِرک کی مغفرت نہیں فرماویں گے، اس کے علاوہ ہر گناہ کی جس کے لیے چاہیں گے مغفرت فرماویں گے) تو کسی کو کیا حق ہے یہ کہنے کا کہ فلاں کی مغفرت نہیں ہو سکتی؛ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ معاصی پر، گناہوں پر، ناجائز باتوں پر گرِفت[2] نہ کی جائے، ٹوکا نہ جائے، قرآن و حدیث میں سینکڑوں جگہ اس کا حکم ہے، نہ ٹوکنے پر وعید ہے۔ احادیث میں بکثرت آیا ہے کہ جو لوگ کسی گناہ کو کرتے دیکھیں اور اس کے روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں تو وہ خود اس کی سزا میں مُبتلا ہوں گے عذاب میں شریک ہوں گے۔ اس مضمون کو میں اپنے رسالہ تبلیغ (یہ رسالہ نہایت ضروری ہے اس کا پورا نام فضائلِ تبلیغ ہے) میں مُفصَّل لکھ چکا ہوں جس کا دِل چاہے اُس کو دیکھے۔

یہاں ایک ضروری چیز یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ جہاں دینداروں کا گنہگاروں کو قطعی[3] جہنّمی سمجھ لینا مُہلک[4] ہے، وہاں جُہلاء[5] کا ہر شخص کو مُقتدا[6] اور بڑا بنا لینا خواہ کتنے ہی کُفریات بکے، سَمِّ قاتل[7] اور نہایت مُہلک ہے۔ نبیٔ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی بدعتی کی تعظیم کرتا ہے وہ اسلام کے مُنہَدِم[8] کرنے پر اِعانت[9] کرتا ہے، بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ آخر زمانہ میں دجّال، مکّار، کذّاب[10] پیدا ہوں گے جو ایسی احادیث تم کو سناویں گے جو تم نے نہ سنی ہوں گی، ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو گمراہ کریں اور فتنہ میں ڈال دیں۔

حل لغات: ① بدلہ، نتیجہ۔ ② پکڑ۔ ③ یقینی طور پر۔ ④ ہلاک کرنے والی چیز۔ ⑤ جاہل کی جمع۔ ⑥ پیشوا، رہنما۔ ⑦ جلدی ہلاک کرنے والا زہر۔ ⑧ ڈھانا، گرانا۔ ⑨ مدد۔ ⑩ جھوٹے لوگ۔

⑮ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْجِيْءَ بِالسَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَمَا بَيْنَهُنَّ وَمَا تَحْتَهُنَّ ، فَوُضِعْنَ فِيْ كَفَّةِ الْمِيْزَانِ وَوُضِعَتْ شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فِي الْكَفَّةِ الْأُخْرٰى لَرَجَحَتْ بِهِنَّ.	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر تمام آسمان و زمین اور جو لوگ اُن کے درمیان میں ہیں وہ سب اور جو چیزیں ان کے درمیان میں ہیں وہ سب کچھ اور جو کچھ ان کے نیچے ہے، وہ سب کا سب ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور "لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کا اِقرار دوسری جانب ہو تو وہی تول میں بڑھ جائے گا۔

[أخرجه الطبراني كذا في الدر وهكذا في مجمع الزوائد وزاد في أوله: لقنوا موتاكم شهادة أن لا إله إلا الله فمن قالها عند موته وجبت له الجنة. قالوا: يارسول الله! فمن قالها في صحته؟ قال: تلك أوجب وأوجب، ثم قال: والذي نفسي بيده. الحديث. قال: رواه الطبراني ورجاله ثقات إلا أن ابن أبي طلحة لم يسمع من ابن عباس رضی اللہ عنہما]

فائدہ: اس قسم کا مضمون بہت سی مختلف روایتوں میں ذکر کیا گیا ہے، اس میں شک نہیں کہ اللہ کے پاک نام کے برابر کوئی بھی چیز نہیں۔ بدقسمتی اور محرومی ہے اُن لوگوں کی جو اس کو ہلکا سمجھتے ہیں، البتہ اس میں وزن اِخلاص سے پیدا ہوتا ہے، جس قدر اخلاص ہوگا اتنا ہی وزنی یہ پاک نام ہو سکتا ہے، اسی اخلاص کے پیدا کرنے کے واسطے مشائخ صوفیہ کی جوتیاں سیدھی کرنی پڑتی ہیں۔ ایک حدیث میں اس ارشاد نبوی ﷺ سے پہلے ایک اور مضمون مذکور ہے، وہ یہ کہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میت کو لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی تلقین[1] کیا کرو، جو شخص مرتے وقت اس پاک کلمہ کو کہتا ہے اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر کوئی تندرستی ہی میں کہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: پھر تو اور بھی زیادہ جنت کو واجب کرنے والا ہے۔ اُس کے بعد یہ قسمیہ[2] مضمون ارشاد فرمایا جو اُوپر ذکر کیا گیا۔

⑯ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: جَاءَ النَّحَّامُ ابْنُ زَيْدٍ وَقُرْدُ بْنُ كَعْبٍ وَبَحْرِيُّ بْنُ عَمْرٍو ، فَقَالُوا: يَا مُحَمَّدُ! مَا تَعْلَمُ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا غَيْرَهٗ ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ بِذٰلِكَ بُعِثْتُ وَإِلٰى ذٰلِكَ أَدْعُوْ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ قَوْلِهِمْ : ﴿قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً﴾ الآية.	حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک مرتبہ تین کافر حاضر ہوئے اور پوچھا کہ اے محمد (ﷺ) تم اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں جانتے (نہیں مانتے)۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" (نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا) اسی کلمہ کے ساتھ میں مَبعُوث[3] ہوا ہوں اور اسی کی طرف لوگوں کو بلاتا ہوں۔ اسی بارے میں آیت ﴿قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً﴾ نازل ہوئی۔

[أخرجه ابن إسحاق وابن جرير وابن المنذر وابن أبي حاتم وأبو الشيخ كذا في الدر المنثور]

حل لغات: ① یعنی بار بار دہرانا۔ ② قسم والا۔ ③ بھیجا گیا۔

فائدہ: حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسی کلمہ کے ساتھ میں مَبعُوث ہوا ہوں یعنی نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں اور اسی کلمہ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہوں۔ حضور ﷺ کے ارشاد کا یہ مطلب نہیں کہ حضور ﷺ کی اس میں خُصوصیت ہے بلکہ سارے ہی نبی اسی کلمہ کے ساتھ نبی بنا کر بھیجے گئے اور سب ہی انبیاء علیہم السلام نے اسی کلمہ کی طرف دعوت دی ہے۔ حضرت آدم علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ والسَّلَامُ سے لے کر خَتَمُ الْاَنْبِیَاء فَخرِ رُسُل ﷺ تک کوئی بھی نبی ایسا نہیں ہے جو اس مبارک کلمہ کی دعوت نہ دیتا ہو، کس قدر بابرکت اور مُہتَمٌ بِالشَّان[1] کلمہ ہے کہ سارے انبیاء اور سارے سچے مذہب اسی پاک کلمہ کی طرف بلانے والے اور اس کے شائع[2] کرنے والے ہیں، آخر کوئی تو بات ہے کہ اس سے کوئی بھی سچا مذہب خالی نہیں۔ اسی کلمہ کی تصدیق میں قرآن پاک کی آیت ﴿قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً﴾ [سورۂ انعام:۱۹] نازل ہوئی، جس میں نبیٔ اکرم ﷺ کی تصدیق میں خود حق تعالیٰ شانہٗ کی گواہی کا ذکر ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جب بندہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کی تصدیق فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں: میرے بندے نے سچ کہا ہے، میرے سوا کوئی معبود نہیں۔

⑰ عَنْ لَيْثٍ قَالَ: قَالَ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ علیہ السلام أُمَّةُ مُحَمَّدٍ (ﷺ) أَثْقَلُ النَّاسِ فِي الْمِيْزَانِ ذَلَّتْ أَلْسِنَتُهُمْ بِكَلِمَةٍ ثَقُلَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَهُمْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ.	حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ محمد ﷺ کی اُمت کے اعمال (حشر کی ترازو میں اس لیے) سب سے زیادہ بھاری ہیں کہ ان کی زبانیں ایک ایسے کلمہ کے ساتھ مانوس[3] ہیں جو ان سے پہلی اُمتوں پر بھاری تھا وہ کلمہ ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' ہے۔
[أخرجه الأصبهاني في الترغيب كذا في الدر]	

فائدہ: یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ امتِ محمّدیہ عَلٰی صَاحِبِہَا اَلْفُ اَلْفُ صَلٰوۃٍ وَتَحِیَّۃٍ کے درمیان کلمہ طیبہ کا جتنا زور اور کثرت ہے کسی اُمت میں بھی اتنی کثرت نہیں ہے۔ مشائخِ سلوک کی لاکھوں نہیں، کروڑوں کی مقدار ہے اور پھر ہر شیخ کے کم وبیش سینکڑوں مُرید اور تقریباً سب ہی کے یہاں کلمہ طیبہ کا وِرد[4] ہزاروں کی مقدار میں روزانہ کے معمولات میں داخل ہے۔ جامعُ الاصول میں لکھا ہے کہ لفظ ''اللّٰہ'' کا ذکر وِرد کے طور پر کم ازکم پانچ ہزار کی مقدار ہے اور زیادہ کے لیے کوئی حد نہیں۔ اور صوفیہ کے لیے کم ازکم پچیس ہزار روزانہ اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی مقدار کے متعلق لکھا ہے کہ کم ازکم پانچ ہزار روزانہ ہو۔ یہ مقداریں مشائخِ سُلوک کی تجویز کے موافق کم وبیش[5] ہوتی رہتی ہیں۔ میرا مقصود حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی تائید میں مشائخ کا انداز بیان کرنا ہے کہ ایک ایک شخص کے لیے روزانہ کی مقداریں کم ازکم یہ بتائی گئی ہیں۔

ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے ''قولِ جمیل'' میں اپنے والد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ میں ابتدائے سلوک میں ایک سانس میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دوسو مرتبہ کہا کرتا تھا۔

حل لغات: ① بہت ہی اہم۔ ② پھیلانا۔ ③ عادی۔ ④ دہرانا، رٹنا، وظیفہ۔ ⑤ کم، زیادہ۔

شیخ اَبُو یَزِید قُرْطُبیؒ فرماتے ہیں: میں نے یہ سنا کہ جوشخص سَتَّر ہزار مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھے اس کو دوزخ کی آگ سے نجات ملے۔ میں نے یہ خبرسن کرایک نصاب یعنی ستر ہزار کی تعداداپنی بیوی کے لیے بھی پڑھااور کئی نصاب خوداپنے لیے پڑھ کرذخیرۂ آخرت بنایا۔ ہمارے پاس ایک نوجوان رہتا تھا جس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ یہ صاحبِ کَشْف[1] ہے جنت دوزخ کا بھی اس کوکشف ہوتا ہے، مجھے اس کی صِحَّت[2] میں کچھ تَرَدُّد[3] تھا، ایک مرتبہ وہ نوجوان ہمارے ساتھ کھانے میں شریک تھا کہ دَفْعۃً[4] اُس نے ایک چیخ ماری اور سانس پھولنے لگا اور کہا کہ میری ماں دوزخ میں جل رہی ہے، اُس کی حالت مجھے نظر آئی قُرطُبیؒ کہتے ہیں کہ میں اُس کی گھبراہٹ دیکھ رہا تھا، مجھے خیال آیا کہ ایک نِصَاب اس کی ماں کوبخش دوں جس سے اس کی سچائی کا بھی مجھے تَجْرِبہ ہوجائے گا؛ چنانچہ میں نے ایک نصاب ستر ہزار کا اُن نصابوں میں سے جو اپنے لیے پڑھے تھے اُس کی ماں کوبخش دیا، میں نے اپنے دل میں چپکے ہی سے بخشا تھا اور میرے اس پڑھنے کی خبر بھی اللہ کے سوا کسی کو نہ تھی؛ مگر وہ نوجوان فوراً کہنے لگا کہ چچا! میری ماں دوزخ کے عذاب سے ہٹادی گئی۔ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ مجھے اس قصہ سے دو فائدے ہوئے: ایک تو اس برکت کا جو سَتَّر ہزار کی مِقدار پر میں نے سُنی تھی اُس کا تجربہ ہوا، دوسرے اُس نوجوان کی سچائی کا یقین ہوگیا۔

یہ ایک واقعہ ہے، اس قسم کے نہ معلوم کتنے واقعات اس اُمت کے اَفراد میں پائے جاتے ہیں۔ صوفیہ کی اِصْطِلاح میں ایک معمولی چیز پاسِ اَنْفاس ہے یعنی اس کی مشق کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر کے بغیر نہ اندر جائے، نہ باہر آئے۔ اُمتِ محمدیہ کے کروڑوں افراد ایسے ہیں جن کواس کی مشق حاصل ہے، تو پھر کیا تَرَدُّد ہے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد میں کہ ان کی زبانیں اس کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے ساتھ مانوس اور مُنْقَاد[5] ہوگئیں۔

⑱ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَكْتُوْبٌ عَلٰى بَابِ الْجَنَّةِ: إِنَّنِيْ أَنَا اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا لَا أُعَذِّبُ مَنْ قَالَهَا.

[أخرجه أبو الشيخ كذا في الدر]

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جنت کے دروازہ پر یہ لکھا ہوا ہے (إِنَّنِيْ أَنَا اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا لَا أُعَذِّبُ مَنْ قَالَهَا) میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، جوشخص اس (کلمہ) کو کہتا رہے گا میں اس کو عذاب نہیں کروں گا۔

فائدہ: گناہوں پر عذاب کا ہونا دوسری احادیث میں بکثرت آیا ہے، اس لیے اس سے اگر دائمی[6] عذاب مراد ہو تو کوئی اشکال نہیں؛ لیکن کوئی خوش قسمت ایسے اخلاص سے اس جملہ کا وِرْد رکھنے والا ہو کہ باوجود گناہوں کے اس کو بالکل عذاب نہ کیا جائے، یہ بھی رحمتِ خداوندی سے بَعِید[7] نہیں ہے۔ جیسا حدیث نمبر ۱۴ میں گذرا، اس کے علاوہ نمبر ۹ میں بھی کچھ تفصیل گذر چکی ہے۔

حل لغات: ① وہ نیک آدمی جس پر اللہ چھپی ہوئی باتوں کو ظاہر کردیتے ہیں۔ ② صحیح ہونا۔ ③ شک۔ ④ اچانک۔ ⑤ فرمانبردار۔ ⑥ ہمیشہ کا۔ ⑦ دور، مشکل۔

⑲ عَنْ عَلِيٍّ ﷜ قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ جِبْرَئِيْلَ ؈ قَالَ: قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: إِنِّيْ أَنَا اللهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُنِيْ، مَنْ جَاءَنِيْ مِنْكُمْ بِشَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ بِالْإِخْلَاصِ دَخَلَ فِيْ حِصْنِيْ وَمَنْ دَخَلَ حِصْنِيْ أَمِنَ عَذَابِيْ.

حضور اقدس ﷺ حضرت جبرئیل ؈ سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ جلّ جلالہٗ کا ارشاد ہے کہ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا میری ہی عبادت کیا کرو، جو شخص تم میں سے اخلاص کے ساتھ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ کی گواہی دیتا ہوا آوے گا وہ میرے قلعہ میں داخل ہوجائے گا اور جو میرے قلعہ میں داخل ہوگا وہ میرے عذاب سے مَامُون① ہوگا۔

[أخرجه أبونعيم في الحلية كذا في الدر، وابن عساكر كذا في الجامع الصغير، وفيه أيضاً برواية الشيرازي عن علي ورقم له بالصحة. وفي الباب عن عتبان بن مالك بلفظ: إِنَّ اللهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ يُبْتَغِيْ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللهِ. رواه الشيخان. وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ بلفظ: إِنَّ اللهَ لَا يُعَذِّبُ مِنْ عِبَادِهٖ إِلَّا الْمَارِدَ الْمُتَمَرِّدَ الَّذِيْ يَتَمَرَّدُ عَلَى اللهِ وَأَبٰى أَنْ يَقُوْلَ: لَا إِلٰه إِلَّا اللهُ. رواه ابن ماجه.

فائدہ: اگر یہ بھی کبائر② سے بچنے کے ساتھ مَشْرُوْط③ ہو، جیسا کہ حدیث نمبر ۵ میں گذر چکا، تب تو کوئی اِشکال ہی نہیں اور اگر کبائر کے باوجود یہ کلمہ کہے تو پھر قواعد کے موافق تو عذاب سے مراد دائمی عذاب ہے، ہاں اللہ جلّ شانہٗ کی رحمت قواعد کی پابند نہیں، قرآن پاک کا صاف ارشاد ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ شرک کو معاف نہیں فرمائیں گے، اس کے علاوہ جس کو چاہیں گے معاف کردیں گے؛ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اُسی شخص کو عذاب کرتے ہیں جو اللہ پر تَمَرُّد④ (ہیکڑی) کرے اور لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ کہنے سے اِنکار کرے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ حق تعالیٰ شانہٗ کے غصہ کو دور کرتا رہتا ہے، جب تک کہ دنیا کو دین پر ترجیح نہ دینے لگیں اور جب دنیا کو دین پر ترجیح دینے لگیں اور لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ کہتے رہیں، تو حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ تم اپنے دعوے میں سچے نہیں ہو۔

⑳ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو ﷠ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلٰه إِلَّا اللهُ وَأَفْضَلُ الدُّعَاءِ: الْإِسْتِغْفَارُ. ثُمَّ قَرَأَ ﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ﴾ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ. الْاٰية.

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمام ذکروں میں افضل ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ'' ہے اور تمام دعاؤں میں افضل ''اِسْتِغْفَار'' ہے۔ پھر اس کی تائید میں سورہ محمد کی آیت ﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ﴾ تلاوت فرمائی۔

[أخرجه الطبراني وابن مردويه والديلمي كذا في الدر، وفي الجامع الصغير برواية الطبراني: ما من الذكر أفضل من لا إله إلا الله ولا من الدعاء أفضل من الاستغفار. ورقم له بالحسن].

فائدہ: اس فصل کی سب سے پہلی حدیث میں بھی یہ مضمون گذر چکا ہے کہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ سب اذکار سے افضل ہے، جس کی وجہ صُوفیا نے یہ لکھی ہے کہ دل کے پاک ہونے میں اس ذکر کو خاص مُناسَبت ہے، اس کی برکت سے دل ساری ہی گندگیوں سے پاک ہوجاتا ہے اور جب اس کے ساتھ استغفار بھی شامل

حل لغات: ① محفوظ۔ ② بڑے بڑے گناہ۔ ③ شرط لگایا گیا۔ ④ بغاوت، شرکشی۔

ہوجائے تو پھر کیا ہی کہنا۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو جب مچھلی نے کھالیا تھا تو اُس کے پیٹ میں اُن کی دعا یہ تھی: ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ جو شخص بھی ان الفاظ سے دعا مانگے گا وہ ضرور قبول ہوگی۔ اس فصل کی سب سے پہلی حدیث میں بھی یہ مضمون گذرا ہے کہ سب سے افضل اور بہترین ذکر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ ہے؛ لیکن وہاں سب سے افضل دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ارشاد ہوا تھا اور یہاں ''اِسْتِغْفار'' وارد ہے۔ اس قسم کا اِخْتِلَاف حالات کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے، ایک مُتَّقی پرہیزگار ہے اس کے لیے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سب سے افضل ہے۔ ایک گنہگار ہے وہ توبہ اور استغفار کا بہت محتاج ہے، اس کے حق میں استغفار سب سے اہم ہے۔ اس کے علاوہ اَفْضَلِیّت بھی مختلف وُجُوہ[1] سے ہوتی ہے: منافع کے حاصل کرنے کے واسطے اللہ کی حمد وثنا سب سے زیادہ نافع ہے، اور مَضَرَّتیں[2] اور تنگیاں دور کرنے کے لیے استغفار سب سے زیادہ مفید ہے، ان کے علاوہ اور بھی وجوہ اس قسم کے اختلاف کی ہوتی ہیں۔

(۲۱) عَنْ أَبِي بَكْرِ الصِّدِّيْقِ رضی اللہ عنہ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: عَلَيْكُمْ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَالْاِسْتِغْفَارِ فَأَكْثِرُوْا مِنْهُمَا، فَإِنَّ إِبْلِيْسَ قَالَ: أَهْلَكْتُ النَّاسَ بِالذُّنُوْبِ وَأَهْلَكُوْنِيْ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَالْاِسْتِغْفَارِ، فَلَمَّا رَأَيْتُ ذٰلِكَ أَهْلَكْتُهُمْ بِالْأَهْوَاءِ وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ. [أخرجه أبو يعلى كذا في الدر، والجامع الصغير ورقم له بالضعف]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ اور اِسْتِغْفار کو بہت کثرت سے پڑھا کرو، شیطان کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو گناہوں سے ہلاک کیا اور انھوں نے مجھے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ اور استغفار سے ہلاک کردیا۔ جب میں نے دیکھا (کہ یہ تو کچھ بھی نہ ہوا) تو میں نے ان کو ہوائے نفس (یعنی بِدْعات) سے ہلاک کیا اور وہ اپنے کو ہدایت پر سمجھتے رہے۔

فائدہ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ اور استغفار سے ہلاک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کا مُنتہائے[3] مقصد دل پر اپنا زہر چڑھانا ہے، جس کا ذکر بابِ اول فصلِ دوم کے نمبر ۱۴ پر گذر چکا اور یہ زہر جب ہی چڑھتا ہے جب دِل اللہ کے ذِکر سے خالی ہو، ورنہ شیطان کو ذِلت کے ساتھ دل سے واپس ہونا پڑتا ہے۔ اور اللہ کا ذکر دلوں کی صفائی کا ذریعہ ہے؛ چنانچہ مشکوٰۃ میں حضور اقدس ﷺ سے نقل کیا ہے کہ ہر چیز کے لیے ایک صفائی ہوتی ہے، دلوں کی صفائی اللہ کا ذکر ہے۔ اسی طرح اِسْتِغْفار کے بارے میں کثرت سے احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ وہ دلوں کے میل اور زنگ کو دور کرنے والا ہے۔ اَبو علی دَقَّاقؒ کہتے ہیں کہ جب بندہ اِخْلاص سے لَآ اِلٰهَ کہتا ہے تو ایک دم دِل صاف ہوجاتا ہے (جیسا آئینہ پر بھیگا ہوا کپڑا پھیرا جاوے) پھر وہ اِلَّا اللہ کہتا ہے تو صاف دل پر اُس کا نور ظاہر ہوتا ہے، ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ شیطان کی

حل لغات: (۱) وجہ کی جمع، سبب۔ (۲) نقصان پہونچانے والی چیزیں۔ (۳) مکمل ارادہ۔

ساری ہی کوشش بے کار ہوگئی اور ساری محنت رائیگاں⁽¹⁾ گئی۔ ہوائے نفس سے ہلاک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ناحق کو حق سمجھنے لگے اور جو دل میں آجائے اسی کو دین اور مذہب بنالے۔ قرآن شریف میں کئی جگہ اس کی مذمت⁽²⁾ وارد ہوئی ہے، ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾﴾ [سورۂ جاثیہ] ترجمہ: کیا آپ نے اُس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہشِ نفس کو بنا رکھا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کردیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مُہر لگادی اور آنکھ پر پردہ ڈال دیا (کہ حق بات کو نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے، نہ دل میں اُترتی ہے) پس اللہ کے (گمراہ کردینے کے) بعد کون ہدایت کرسکتا ہے پھر بھی تم نہیں سمجھتے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:
وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَیْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۰﴾ [سورۂ قصص]
ترجمہ: ایسے شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہو بغیر اس کے کہ کوئی دلیل اللہ کی طرف سے (اُس کے پاس) ہو، اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔

اور بھی متعدّد جگہ اس قسم کا مضمون وارد ہوا ہے۔ یہ شیطان کا بہت ہی سخت حملہ ہے کہ وہ غیرِ دین کو دین کے لباس میں سمجھاوے اور آدمی اُس کو دین سمجھ کر کرتا رہے اور اُس پر ثواب کا اُمیدوار بنا رہے اور جب وہ اُس کو عبادت اور دین سمجھ کر کر رہا ہے تو اُس سے توبہ کیونکر کرسکتا ہے۔ اگر کوئی شخص زناکاری، چوری وغیرہ گناہوں میں مبتلا ہو تو کسی نہ کسی وقت توبہ اور چھوڑ دینے کی اُمید ہے؛ لیکن جب کسی ناجائز کام کو وہ عبادت سمجھتا ہے تو اس سے توبہ کیوں کرے اور کیوں اُس کو چھوڑے، بلکہ دن بدن اُس میں ترقی کرے گا، یہی مطلب ہے شیطان کے اس کہنے کا کہ میں نے گناہوں میں مبتلا کیا؛ لیکن ذِکر اذکار، توبہ اِستغفار سے وہ مجھے دِق⁽³⁾ کرتے رہے تو میں نے ایسے جال میں پھانس دیا کہ اُس سے نکل ہی نہیں سکتے، اس لیے دین کے ہر کام میں نبی اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ کو اپنا رہبر بنانا بہت ہی ضروری امر ہے اور کسی ایسے طریقے کو اختیار کرنا جو خلافِ سنت ہو، نیکی برباد گناہ لازم ہے۔ امام غزالیؒ نے حَسَن بَصریؒ سے بھی نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ہمیں یہ روایت پہونچی کہ شیطان کہتا ہے: میں نے اُمّتِ محمدیہ کے سامنے گناہوں کو زیب وزینت کے ساتھ پیش کیا؛ مگر ان کے اِستغفار نے میری کمر توڑ دی تو میں نے ایسے گناہ اُن کے پاس پیش کیے جن کو وہ گناہ ہی نہیں سمجھتے کہ ان سے اِستغفار کریں اور وہ اَھوا یعنی بِدعات ہیں کہ وہ ان کو دین سمجھ کر کرتے ہیں۔ وَھَب بن مُنَبِّہؒ کہتے ہیں کہ اللہ سے ڈر، تُو شیطان کو مجمعوں میں لعنت کرتا ہے اور چپکے سے اُس کی اطاعت کرتا ہے اور اس سے دوستی کرتا ہے۔ بعض صُوفیہ سے منقول ہے کہ کس قدر

حل لغات: (۱) برباد۔ (۲) برائی۔ (۳) پریشان۔

تعجب کی بات ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ جیسے مُحسِن[1] کے اِحسَانَات معلوم ہونے کے بعد، اُن کے اِقرار کے بعد اُس کی نافرمانی کی جائے اور شیطان کی دشمنی کے باوجود، اُس کی عیَّارِی[2] اور سرکشی معلوم ہونے کے باوجود اس کی اِطَاعت کی جائے۔

(۲۲) عَنْ مُّعَاذِ بْنِ جَبَلٍ ﷺ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : لَا یَمُوْتُ عَبْدٌ یَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ یَرْجِعُ ذٰلِكَ إِلٰى قَلْبٍ مُّوْقِنٍ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ. وَفِيْ رِوَايَةٍ: إِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ.

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص بھی اس حال میں مرے کہ ”لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ“ کی پکے دِل سے شہادت دیتا ہو، ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ضرور اُس کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرماویں گے۔

[أخرجه أحمد والنسائي والطبراني والحاكم والترمذي في نوادر الأصول وابن مردويه والبيهقي في الأسماء والصفات كذا في الدر. وابن ماجه. وفي الباب عن عمران بلفظ: مَنْ عَلِمَ أَنَّ اللّٰهَ رَبُّهٗ وَأَنِّيْ نَبِيُّهٗ مُوْقِنًا مِنْ قَلْبِهٖ حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ. رواه البزار ورقم له في الجامع بالصحة. وفيه أيضا برواية البزار عن أبي سعيد ﷺ من قال: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّةَ. ورقم له بالصحة.

فائدہ: حضورِ اقدس ﷺ سے صحیح حدیث میں یہ بھی نقل کیا گیا کہ خوشخبری سنو اور دوسروں کو بھی بشارت[3] سنادو کہ جو شخص سچے دل سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا اقرار کرے، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اللہ جلَّ جلالہٗ کے یہاں اِخلاص کی قدر ہے اور اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی بہت زیادہ اجر وثواب رکھتا ہے۔ دنیا کے دکھاوے کے واسطے، لوگوں کے خوش کرنے کے واسطے کوئی کام کیا جاوے وہ تو ان کی سرکار میں بے کار ہے، بلکہ کرنے والے کے لیے وبال ہے؛ لیکن اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی بہت کچھ رنگ لاتا ہے، اس لیے اخلاص سے جو شخص کلمۂ شہادت پڑھے، اُس کی ضرور مغفرت ہوگی، وہ ضرور جنت میں داخل ہوکر رہے گا اس میں ذرا بھی تردُّد[4] نہیں، یہ ممکن ہے کہ وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے کچھ دنوں سزا بھگت کر داخل ہو، لیکن ضروری نہیں، کسی مخلص کا اخلاص مالک المُلک کو پسند ہو، اس کی کوئی خدمت پسند آجائے تو وہ سارے ہی گناہوں کو معاف فرما سکتے ہیں، ایسی کریم ذات پر ہم نہ مَرمٹیں کتنی سخت محرومی ہے۔ بہرحال ان احادیث میں کلمۂ طیبہ کے پڑھنے والے کے لیے بہت کچھ وعدے ہیں جن میں دونوں احتمال ہیں، قواعد کے موافق گناہوں کی سزا کے بعد معافی اور کرم، لُطف، احسان، اور مَراحمِ خُسرَوانہ[5] میں بلا عذاب معافی۔

یحییٰ بن اَکثمؒ ایک مُحدِّث ہیں جب اُن کا انتقال ہوا تو ایک شخص نے ان کو خواب میں دیکھا، ان سے پوچھا: کیا گذری؟ فرمانے لگے کہ میری پیشی ہوئی، مجھ سے فرمایا: او گنہگار بوڑھے! تو نے فلاں کام کیا، فلاں کیا، میرے گناہ گنوائے گئے اور کہا گیا: تو نے ایسے ایسے کام کیے ہیں۔ میں نے عرض کیا: یا اللہ! مجھے

حل لغات: (۱) احسان کرنے والا۔ (۲) دھوکہ بازی۔ (۳) خوشخبری۔ (۴) شک۔ (۵) شاہی مہربانیاں۔

آپ کی طرف سے یہ حدیث نہیں پہونچی، فرمایا: اور کیا حدیث پہونچی؟ عرض کیا: مجھ سے عبدالرزاقؒ نے کہا، اُن سے مُعَمَّرؒ نے کہا، اُن سے زُہریؒ نے کہا، اُن سے عُروہؒ نے کہا، اُن سے حضرت عائشہ ﷞ نے کہا، اُن سے حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا، اُن سے حضرت جبرئیل ؑ نے عرض کیا، اُن سے آپ نے فرمایا کہ جو شخص اسلام میں بوڑھا ہوا اور میں اُس کو (اُس کے اعمال کی وجہ سے) عذاب دینے کا ارادہ بھی کروں؛ لیکن اُس کے بڑھاپے سے شرما کر معاف کر دیتا ہوں۔ اور یہ آپ کو معلوم ہے کہ میں بوڑھا ہوں، ارشاد ہوا کہ عبدالرزاق نے سچ کہا اور معمر نے بھی سچ کہا، زہری نے بھی سچ کہا، عروہ نے بھی سچ نقل کیا، عائشہ نے بھی سچ کہا اور نبی نے بھی سچ کہا اور جبرئیل نے بھی سچ کہا اور میں نے بھی سچ بات کہی۔ یحیٰؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے جنت میں داخلہ کا ارشاد فرمادیا۔

(۲۳) عَنْ أَنَسٍ ﷛ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَيْسَ شَيْءٌ إِلَّا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ إِلَّا قَوْلَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَدُعَاءَ الْوَالِدِ.	حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر عمل کے لیے اللہ کے یہاں پہونچنے کے لیے درمیان میں حِجَاب[1] ہوتا ہے، مگر لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اور باپ کی دعا بیٹے کے لیے، ان دونوں کے لیے کوئی حجاب نہیں۔

[أخرجه ابن مردويه كذا في الدر. وفي الجامع الصغير برواية ابن النجار، ورقم له بالضعف. وفي الجامع الصغير برواية الترمذي عن ابن عمرو ورقم له بالصحة: التسبيح نصف الميزان، والحمد لله تملأه، ولا إله إلا الله ليس لها دون الله حجاب حتى تخلص إليه].

فائدہ: پردہ نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ان چیزوں کے قبول ہونے میں ذرا سی بھی دیر نہیں لگتی، اور امور کے درمیان میں قبول تک اور بھی واسطے حائل[2] ہوتے ہیں، لیکن یہ چیزیں براہِ راست بارگاہِ الٰہی تک فوراً پہونچتی ہیں۔

ایک کافر بادشاہ کا قصہ لکھا ہے کہ نہایت مُتَشَدِّد[3] مُتَعَصِّب[4] تھا، اِتِّفَاق سے مسلمانوں کی ایک لڑائی میں گرفتار ہوگیا، چونکہ مسلمانوں کو اُس سے تکلیفیں بہت پہونچی تھیں اس لیے اِنْتِقَام[5] کا جوش ان میں بھی بہت تھا، اُس کو ایک دیگ میں ڈال کر آگ پر رکھ دیا، اُس نے اول اپنے بتوں کو پکارنا شروع کیا اور مدد چاہی جب کچھ نہ بن پڑا تو وہیں مسلمان ہوا اور ''لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' کا وِرد شروع کیا، لگاتار پڑھ رہا تھا اور ایسی حالت میں جس خلوص اور جوش سے پڑھا جاسکتا ہے؛ ظاہر ہے، فوراً اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے مدد ہوئی اور اس زور سے بارش ہوئی کہ وہ ساری آگ بجھ گئی اور دیگ بھی ٹھنڈی ہوگئی، اُس کے بعد زور سے آندھی چلی جس سے وہ دیگ اُڑی اور دُور کسی شہر میں جہاں سب ہی کافر تھے جا کر گری، یہ شخص لگاتار کلمۂ طیبہ پڑھ

حل لغات: (۱) آڑ، پردہ۔ (۲) رکاوٹ۔ (۳) سختی کرنے والا۔ (۴) تعصب کرنے والا، اپنوں کی غلط طرف داری کرنے والا۔ (۵) بدلہ۔

رہا تھا، لوگ اس کے گِرد جمع ہو گئے اور اُعجوبہ[1] دیکھ کر متحیّر[2] تھے، اُس سے حال دریافت کیا اُس نے اپنی سَرگُذَشت[3] سنائی جس سے وہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔

㉔ عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: لَنْ يُّوَافِيَ عَبْدٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَقُوْلُ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ يَبْتَغِيْ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللهِ إِلَّا حَرَّمَ عَلَى النَّارِ.	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے: نہیں آئے گا کوئی شخص قیامت کے دن کہ لَآ إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰه کو اس طرح سے کہتا ہو کہ اللہ کی رضا کے سوا کوئی مقصود نہ ہو، مگر جہنم کی آگ اُس پر حرام ہوگی۔

[أخرجه أحمد والبخاري ومسلم وابن ماجه والبيهقي في الأسماء والصفات كذا في الدر]

فائدہ: جو شخص اخلاص کے ساتھ کلمہ طیبہ کا وِرد کرتا رہا ہو، اُس پر جہنم کی آگ کا حرام ہونا ظاہری قواعد[4] کے موافق تو مُقَیَّد[5] ہے کبائر گناہ نہ ہونے کے ساتھ، یا جہنم کے حرام ہونے سے اُس میں ہمیشہ کا رہنا حرام ہے؛ لیکن اللہ جلّ شانہٗ اس پاک کلمہ کو اخلاص سے پڑھنے والے کو باوجود گناہوں کے بالکل ہی جہنم سے معاف فرما دیں، تو کون روکنے والا ہے۔ احادیث میں ایسے بندوں کا بھی ذکر آتا ہے کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہٗ بعض لوگوں کو فرمائیں گے تو نے فلاں گناہ کیا، فلاں کیا، اس طرح جب بہت سے گناہ گنوائے جا چکیں گے اور وہ سمجھے گا کہ میں ہلاک ہو گیا اور اقرار بغیر چارہ[6] کار نہ ہوگا، تو ارشاد ہوگا کہ ہم نے دنیا میں تیری سَتّاری[7] کی آج بھی ستاری کرتے ہیں، تجھے معاف کر دیا۔ اس نوع کے بہت سے واقعات احادیث میں موجود ہیں اس لیے اُن ذاکرین کے لیے بھی اس قسم کا معاملہ ہو تو بعید نہیں ہے۔ اللہ کے پاک نام میں بڑی برکت اور بہبودی[8] ہے، اس لیے جتنی بھی کثرت ہو سکے دریغ[9] نہ کرنا چاہیے، کیا ہی خوش نصیب ہیں وہ مبارک ہستیاں جنھوں نے اس پاک کلمہ کی برکات کو سمجھا اور اس کے وِرد میں عمریں ختم کر دیں۔

㉕ عَنْ يَحْيَى بْنِ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: رُأِيَ طَلْحَةُ حَزِيْنًا فَقِيْلَ لَهٗ: مَا لَكَ؟ قَالَ: إِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: إِنِّيْ لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَا يَقُوْلُهَا عَبْدٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ إِلَّا نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَتَهٗ وَأَشْرَقَ لَوْنُهٗ وَرَأَىٰ مَا يَسُرُّهٗ، وَمَا مَنَعَنِيْ أَنْ أَسْأَلَهٗ عَنْهَا إِلَّا الْقُدْرَةُ عَلَيْهِ حَتّٰى مَاتَ. فَقَالَ عُمَرُ رضي الله عنه: إِنِّيْ لَأَعْلَمُهَا،	حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے دیکھا کہ نہایت غمگین بیٹھے ہیں، کسی نے پوچھا: کیا بات ہے؟ فرمایا: میں نے حضور ﷺ سے یہ سنا تھا کہ مجھے ایک ایسا کلمہ معلوم ہے کہ جو شخص مرتے وقت اُس کو کہے تو موت کی تکلیف اُس سے ہٹ جائے اور رنگ چمکنے لگے اور خوشی کا منظر دیکھے، مگر مجھے حضور ﷺ سے اُس کلمہ کے پوچھنے کی قدرت نہ ہوئی (اس کا رنج ہو رہا ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے، طلحہ رضی اللہ عنہ (خوش ہو کر) کہنے لگے: کیا ہے؟

حل لغات: ① عجیب چیز۔ ② حیران۔ ③ کہانی، قصہ۔ ④ قانون۔ ⑤ یعنی شرط کے ساتھ ہے۔ ⑥ یعنی چھٹکارا۔ ⑦ گناہوں پر پردہ ڈالنا۔ ⑧ کامیابی۔ ⑨ کوتاہی۔

قَالَ : فَمَا هِيَ ؟ قَالَ : لَا نَعْلَمُ كَلِمَةً هِيَ أَعْظَمُ مِنْ كَلِمَةٍ أَمَرَ بِهَا عَمَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ . قَالَ : فَهِيَ وَاللّٰهِ هِيَ.	حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمیں معلوم ہے کہ کوئی کلمہ اُس سے بڑھا ہوا نہیں ہے جس کو حضور ﷺ نے اپنے چچا (ابو طالب) پر پیش کیا تھا اور وہ ہے: ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' فرمایا: واللہ! یہی ہے، واللہ یہی ہے۔

[أخرجه البيهقي في الأسماء والصفات كذا في الدر . قلت : أخرجه الحاكم ، وقال : صحيح على شرط الشيخين ، وأقره عليه الذهبي وأخرجه أحمد وأخرج أيضا من مسند عمر رضي الله عنه بمعناه بزيادة فيهما وأخرجه ابن ماجه عن يحيى بن طلحة عن أمه . وفي شرح الصدور للسيوطي ، وأخرج أبو يعلى والحاكم بسند صحيح عن طلحة وعمر قالا : سمعنا رسول الله ﷺ يقول : إني أعلم كلمة . الحديث]

فائدہ: کلمۂ طیبہ کا سراسر نور وسرور ہونا بہت سی روایات سے معلوم اور مفہوم ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے مُنَبِّہات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اندھیرے پانچ ہیں اور پانچ ہی ان کے لیے چراغ ہیں، دنیا کی محبت اندھیرا ہے جس کا چراغ تقویٰ ہے، اور گناہ اندھیرا ہے جس کا چراغ توبہ ہے، اور قبر اندھیرا ہے جس کا چراغ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه ہے، اور آخرت اندھیرا ہے جس کا چراغ نیک عمل ہے، اور پُل صراط اندھیرا ہے جس کا چراغ یقین ہے۔ رابعہ عَدَوِیہؒ مشہور وَلِیَّہ ہیں، رات بھر نماز میں مشغول رہتیں، صبح صادق کے بعد تھوڑی دیر سو رہتیں اور جب صبح کا چاندنا[1] اچھی طرح ہو جاتا تو گھبرا کر اُٹھتیں اور نفس کو ملامت کرتیں کہ کب تک سوتا رہے گا، عنقریب قبر کا زمانہ آنے والا ہے، جس میں صور پھونکنے تک سونا ہی ہوگا، جب انتقال کا وقت قریب ہوا تو ایک خادمہ کو وصیت فرمائی کہ یہ اُونی گدڑی جس کو وہ تہجد کے وقت پہنا کرتی تھیں اس میں مجھے کفن دے دینا اور کسی کو میرے مرنے کی خبر نہ کرنا؛ چنانچہ حَسْبِ وصیت[2] تجہیز و تکفین کر دی گئی۔ بعد میں اُس خادمہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ نہایت عمدہ لباس پہنے ہوئے ہیں، اُس نے دریافت کیا کہ وہ آپ کی گُدڑی کیا ہوئی جس میں کفن دیا گیا تھا؟ فرمایا کہ لپیٹ کر میرے اعمال کے ساتھ رکھ دی گئی۔ اُنھوں نے درخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں، کہا کہ اللہ کا ذکر جتنا بھی کر سکو کرتی رہو کہ اس کی وجہ سے تم قبر میں قابلِ رَشک[3] بن جاؤ گی۔

(۲۶) عَنْ عُثْمَانَ رضي الله عنه قَالَ : إِنَّ رِجَالًا مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ حِيْنَ تُوُفِّيَ النَّبِيُّ ﷺ حَزِنُوْا عَلَيْهِ حَتّٰى كَادَ بَعْضُهُمْ يُوَسْوِسُ . قَالَ	حضورِ اقدس ﷺ (رُوحی[4] فداہ) کے وِصَال کے وقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اس قدر سخت صَدمہ تھا کہ بہت سے مختلف طور کے وَساوِس[5] میں مُبتلا ہو گئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی اُن ہی لوگوں میں تھا جو وَساوِس میں گھرے ہوئے تھے،

حل لغات: (۱) اجالا۔ (۲) وصیت کے مطابق۔ (۳) تمنا کیے جانے کے لائق۔ (۴) میری جان آپ پر قربان ہو۔ (۵) وسوسہ کی جمع۔

عُثْمَانُ رضی اللہ عنہ : وَكُنْتُ مِنْهُمْ . فَبَيْنَا أَنَا جَالِسٌ مَرَّ عَلَيَّ عُمَرُ وَسَلَّمَ ، فَلَمْ أَشْعُرْ بِهٖ فَاشْتَكٰى عُمَرُ إِلٰى أَبِيْ بَكْرٍ ، ثُمَّ أَقْبَلَا حَتّٰى سَلَّمَا عَلَيَّ جَمِيْعًا ، فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ : مَا حَمَلَكَ عَلٰى أَنْ لَّا تَرُدَّ عَلٰى أَخِيْكَ عُمَرُ سَلَامَهٗ ؟ قُلْتُ : مَا فَعَلْتُ. فَقَالَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ : بَلٰى وَاللّٰهِ لَقَدْ فَعَلْتَ قَالَ : قُلْتُ : وَاللّٰهِ مَا شَعُرْتُ أَنَّكَ مَرَرْتَ وَلَا سَلَّمْتَ ، قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ رضی اللہ عنہ : صَدَقَ عُثْمَانُ قَدْ شَغَلَكَ عَنْ ذٰلِكَ أَمْرٌ ، فَقُلْتُ : أَجَلْ . قَالَ : مَا هُوَ؟ قُلْتُ : تَوَفَّى اللّٰهُ تَعَالٰى نَبِيَّهٗ ﷺ قَبْلَ أَنْ نَّسْأَلَهٗ عَنْ نَّجَاةِ هٰذَا الْأَمْرِ ، قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ : قَدْ سَأَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ. فَقُمْتُ إِلَيْهِ وَقُلْتُ لَهٗ بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ ! أَنْتَ أَحَقُّ بِهَا . قَالَ : أَبُوْبَكْرٍ قُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! مَا نَجَاةُ هٰذَا الْأَمْرِ ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : مَنْ قَبِلَ مِنِّيْ الْكَلِمَةَ الَّتِيْ عَرَضْتُ عَلٰى عَمِّيْ فَرَدَّهَا ، فَهِيَ لَهٗ نَجَاةٌ .	حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس تشریف لائے مجھے سلام کیا مگر مجھے مُطلق[1] پتہ نہ چلا، انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی (کہ عثمان بھی بظاہر خفا ہیں کہ میں نے سلام کیا انھوں نے جواب بھی نہ دیا) اس کے بعد دونوں حضرات اِکٹھے تشریف لائے اور سلام کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ تم نے اپنے بھائی عمر کے سلام کا بھی جواب نہ دیا (کیا بات ہے؟) میں نے عرض کیا: میں نے تو ایسا نہیں کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسا ہی ہوا، میں نے عرض کیا: مجھے تو آپ کے آنے کی بھی خبر نہیں ہوئی کہ کب آئے نہ سلام کا پتہ چلا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سچ ہے ایسا ہی ہوا ہوگا، غالباً تم کسی سوچ میں بیٹھے ہوگے، میں نے عرض کیا: واقعی میں ایک گہری سوچ میں تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: کیا تھا؟ میں نے عرض کیا: حضور ﷺ کا وِصال ہوگیا اور ہم نے یہ بھی نہ پوچھ لیا کہ اس کام کی نجات کس چیز میں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں پوچھ چکا ہوں، میں اُٹھا اور میں نے کہا: تم پر میرے ماں باپ قربان! واقعی تم ہی زیادہ مُستَحَق تھے اس کے دریافت کرنے کے (کہ دین کی ہر چیز میں آگے بڑھنے والے ہو) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ اس کام کی نجات کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اس کلمہ کو قبول کرلے جس کو میں نے اپنے چچا (ابو طالب) پر (اُن کے اِنتقال کے وقت) پیش کیا تھا اور انھوں نے رَدّ[2] کر دیا تھا، وہی کلمۂ نجات ہے۔

[رواه أحمد كذا في المشكوة ، وفي مجمع الزوائد ، رواه أحمد والطبراني في الأوسط باختصار ، وأبو يعلى بتمامه والبزار بنحوه ، وفيه رجل لم يسم ، لكن الزهري وثقه وأبهمه اه. قلت : وذكر في مجمع الزوائد له متابعات بألفاظ متقاربة]

فائدہ: وَساوِس میں مبتلا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس وقت رنج وغم کی شِدّت میں ایسے

حل لغات: (۱) بالکل۔ (۲) انکار کرنا۔

پریشان ہوگئے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جَلِیلُ القَدر[1] بہادر تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہوگئے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضور کا وِصال ہوگیا، اُس کی گردن اُڑادوں گا، حضور تو اپنے رب سے ملنے تشریف لے گئے ہیں، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے تھے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ دین اب ختم ہوچکا۔ بعض اس سوچ میں تھے کہ اب دین کے فروغ[2] کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی۔ بعض بالکل گُم تھے کہ ان سے بولا ہی نہیں جاتا تھا۔ ایک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دَم[3] تھا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کمالِ عشق، کمالِ محبت کے باوجود اُس وقت ثابت قدم اور جمے ہوئے قدم سے کھڑے تھے۔ انھوں نے للکار کر خطبہ پڑھا جس میں ﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ﴾ والی آیت پڑھی، جس کا ترجمہ ہے کہ محمد نرے[4] رسول ہی تو ہیں، (خدا تو نہیں ہیں، جسے موت آ ہی نہ سکے) پس کیا اگر وہ مرجائیں یا شہید ہوجائیں، تو تم لوگ (دین سے) پھر جاؤ گے؟ اور جو شخص (دین سے) پھر جائے گا، وہ خدا کا تو کوئی نقصان نہیں کرے گا (اپنا ہی کچھ کھووے گا)۔ مُختَصر طور پر اس قصّہ کو میں اپنے رسالہ ''حکایاتِ صحابہ'' میں لکھ چکا ہوں۔ آگے جو ارشاد ہے کہ اس کام کی نجات کیا ہے؟ اس کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ دین کے کام تو بہت سے ہیں، ان سب کاموں میں مدار[5] کس چیز پر ہے کہ جس کے بغیر چارہ[6] کار نہ ہو، اس مطلب کے موافق جواب ظاہر ہے کہ دین کا سارا مدار کلمۂ شہادت پر ہے اور اسلام کی جڑ ہی کلمۂ طیبہ ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس کام یعنی دین میں دِقتیں[7] بھی پیش آتی ہیں، وَساوِس بھی گھیرتے ہیں، شیطان کی رَخنہ اَندازی[8] بھی مُستَقِل ایک مُصیبت ہے، دنیاوی ضروریات بھی اپنی طرف کھینچتی ہیں؛ اس صورت میں مطلب ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ کلمۂ طیبہ کی کثرت اِن سب چیزوں کا علاج ہے کہ وہ اِخلاص پیدا کرنے والا ہے، دلوں کا صاف کرنے والا ہے، شیطان کی ہلاکت کا سبب ہے۔ جیسا کہ اِن سب روایات میں اس کے اثرات بہت سے ذکر کیے گئے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا کلمہ اپنے پڑھنے والے سے ننانوے (۹۹) قسم کی بلائیں دور کرتا ہے، جن میں سب سے کم غم ہے جو ہر وقت آدمی پر سوار رہتا ہے۔

(۲۷) عَنْ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ إِنِّيْ لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَا يَقُوْلُهَا عَبْدٌ حَقًّا مِّنْ قَلْبِهٖ إِلَّا حُرِّمَ عَلَى النَّارِ . فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ : أَنَا أُحَدِّثُكَ مَا هِيَ؟ هِيَ كَلِمَةُ الْاِخْلَاص

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ میں ایک کلمہ ایسا جانتا ہوں کہ جو شخص اُس کو حق سمجھ کر اِخلاص کے ساتھ دل سے (یقین کرتے ہوئے) اس کو پڑھے، تو جہنم کی آگ اس پر حرام ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بتاؤں وہ کلمہ کیا ہے؟

حل لغات: (۱) بڑے رتبہ والے۔ (۲) ترقی۔ (۳) حوصلہ۔ (۴) صرف۔ (۵) بنیاد۔ (۶) یعنی چھٹکارا۔ (۷) مصیبتیں۔ (۸) بہکاوا۔

اَلَّتِيْ أَعَزَّ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى بِهَا مُحَمَّدًا ﷺ وَأَصْحَابَهٗ ، وَهِيَ كَلِمَةُ التَّقْوٰى الَّتِيْ أَلَاصَ عَلَيْهَا نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ عَمَّهٗ أَبَا طَالِبٍ عِنْدَ الْمَوْتِ : شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ.	وہ وہی کلمہ ہے، جس کے ساتھ اللہ نے اپنے رسول کو اور اس کے صحابہ کو عزت دی، وہ وہی تقویٰ کا کلمہ ہے جس کی حضور اقدس ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب سے اُن کے انتقال کے وقت خواہش کی تھی، وہ شہادت[1] ہے ''لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' کی۔

[رواه أحمد وأخرجه الحاكم بهذا اللفظ، وقال: صحيح على شرطهما، وأقره عليه الذهبي. وأخرجه الحاكم برواية عثمان عن عمر ﷺ مرفوعًا: إِنِّيْ لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَا يَقُوْلُهَا عَبْدٌ حَقًّا مِنْ قَلْبِهٖ فَيَمُوْتُ عَلٰى ذٰلِكَ إِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ. وقال: هذا صحيح على شرطهما ثم ذكر له شاهدين من حديثهما]

فائدہ: حضور ﷺ کے چچا ابو طالب کا قصہ حدیث، تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں مشہور معروف ہے کہ جب اُن کے انتقال کا وقت قریب ہوا، تو چونکہ ان کے احسانات نبیٔ اکرم ﷺ اور مسلمانوں پر کثرت سے تھے، اس لیے نبیٔ اکرم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ اے میرے چچا ''لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' کہہ لیجیے تاکہ مجھے قیامت کے دن آپ کی سفارش کا موقع مل سکے اور میں اللہ کے یہاں آپ کے اسلام کی گواہی دے سکوں، اُنھوں نے فرمایا کہ لوگ مجھے یہ طَعْنَہ دیں گے کہ موت کے ڈر سے بھتیجے کا دین قبول کرلیا، اگر یہ خیال نہ ہوتا تو میں اِس وقت اِس کلمہ کے کہنے سے تمھاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا، اس پر حضور ﷺ رنجیدہ[2] واپس تشریف لائے۔ اسی قصہ میں قرآن پاک کی آیت ﴿ إِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ ﴾ [سورۂ قصص:۵۶] نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں فرما سکتے، بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کرتا ہے۔ اس قصہ سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ جو لوگ فِسْق[3] و فُجُور میں مُبتَلا رہتے ہیں، خدا اور اس کے رسول ﷺ سے بیگانہ[4] رہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ کسی عزیز قریب بزرگ کی دُعا سے بیڑا پار ہوجائے گا، غلطی میں مبتلا ہیں، کام چلانے والا صرف اللہ ہی ہے، اُسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے، اُسی سے سچا تعلق قائم کرنا ضروری ہے، البتہ اللہ والوں کی صُحبَت، اُن کی دعا، اُن کی توجہ مُعِین و مددگار بن سکتی ہے۔

(۲۸) عَنْ عُمَرَ ﷺ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا أَذْنَبَ اٰدَمُ الذَّنْبَ الَّذِيْ أَذْنَبَهٗ ، رَفَعَ رَأْسَهٗ إِلَى السَّمَاءِ ، فَقَالَ : أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ إِلَّا غَفَرْتَ لِيْ فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَيْهِ	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ حضرت آدم (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) سے جب وہ گناہ صادِر ہوگیا (جس کی وجہ سے جنت سے دنیا میں بھیج دیے گئے، تو ہر وقت روتے تھے اور دُعا و اِستِغفار کرتے رہتے تھے، ایک مرتبہ) آسمان کی طرف منہ کیا اور عرض کیا: یا اللہ! محمد (ﷺ) کے وسیلہ سے تجھ

حل لغات: (۱) گواہی دینا۔ (۲) غمگین۔ (۳) گناہوں۔ (۴) بے پروا، بے تعلق۔

مَنْ مُحَمَّدٌ ؟ فَقَالَ : تَبَارَكَ اسْمُكَ لَمَّا	سے مَغفِرت چاہتا ہوں۔ وَحی نازل ہوئی کہ محمد کون ہیں؟
خَلَقْتَنِيْ رَفَعْتُ رَأْسِيْ إِلَى عَرْشِكَ	(جن کے واسطے سے تم نے اِستِغفار کی) عرض کیا کہ جب
فَإِذَا فِيْهِ مَكْتُوْبٌ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ	آپ نے مجھے پیدا کیا تھا، تو میں نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا
رَّسُوْلُ اللهِ . فَعَلِمْتُ أَنَّهٗ لَيْسَ أَحَدٌ	تھا '' لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ '' تو میں سمجھ گیا
أَعْظَمَ عِنْدَكَ قَدْرًا مِمَّنْ جَعَلْتَ اِسْمَهٗ	تھا کہ محمد (ﷺ) سے اونچی ہستی کوئی نہیں ہے، جن کا نام تم
مَعَ اسْمِكَ . فَأَوْحَى اللهُ إِلَيْهِ يَا اٰدَمُ !	نے اپنے نام کے ساتھ رکھا۔ وحی نازل ہوئی کہ وہ خاتم
إِنَّهٗ اٰخِرُ النَّبِيِّيْنَ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ وَلَوْ لَا	النَّبِیِّین ہیں، تمہاری اولاد میں سے ہیں، لیکن وہ نہ ہوتے تو
هُوَ مَا خَلَقْتُكَ .	تم بھی پیدا نہ کیے جاتے۔

[أخرجه الطبراني في الصغير، والحاكم وأبو نعيم والبيهقي كلاهما في الدلائل، وابن عساكر في الدر. وفي مجمع الزوائد رواه الطبراني في الأوسط والصغير وفيه من لم أعرفهم قلت: ويؤيد الأخر الحديث المشهور: لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ، قال القاري في الموضوعات الكبير: موضوع، لكن معناه صحيح، وفي التشرف معناه ثابت، ويؤيد الأول ما ورد في غير رواية من أنه مكتوب على العرش وأوراق الجنة ''لا إله إلا الله محمد رسول الله'' كما بسط طرقه السيوطي في مناقب اللآلي في غير موضع وبسط له شواهد أيضًا في تفسيره في سورة ألم نشرح]

فائدہ: حضرت آدم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس وقت کیا کیا دُعائیں کیں اور کس کس طرح سے گڑگڑائے، اس بارے میں بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں اور ان میں کوئی تعارُض[1] بھی نہیں۔ جس پر مالک کی ناراضگی، آقا کی خفگی[2] ہو، وہی جانتا ہے۔ ان بے حقیقت آقاؤں کی ناراضگی کی وجہ سے نوکروں اور خادموں پر کیا کچھ گزر جاتا ہے اور وہاں تو مالک الملک رزّاقِ عَالَم[3] اور مختصر یہ کہ خدا کا عِتاب[4] تھا اور گذر کس پر رہی تھی؟ اس شخص پر جس کو فرشتوں سے سجدہ کرایا، اپنا مُقرَّب بنایا، جو شخص جتنا مُقرَّب ہوتا ہے اتنا ہی عتاب کا اُس پر اثر ہوتا ہے، بشرطیکہ کمینہ نہ ہو اور وہ تو نبی تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اس قدر روئے ہیں کہ تمام دنیا کے آدمیوں کا رونا اگر جمع کیا جائے، تو اُن کے برابر نہیں ہوسکتا، چالیس برس تک سر اوپر نہیں اُٹھایا۔ حضرت بُرَیدَہ رضی اللہ عنہ خود حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام کے رونے کا تمام دنیا کے رونے سے مقابلہ کیا جاوے، تو اُن کا رونا بڑھ جائے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر اُن کے آنسوؤں کو ان کی تمام اولاد کے آنسوؤں سے وزن کیا جائے تو اُن کے آنسو بڑھ جائیں گے۔ ایسی حالت میں کس کس طرح زاری[5] فرمائی ہوگی؟ ظاہر ہے۔

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن[6] اِضطِراب[7] میں　　واں ایک خامُشی مِری سب کے جواب میں

حل لغات: ① اختلاف۔ ② ناراضی۔ ③ تمام دنیا کو روزی دینے والا۔ ④ غصہ۔ ⑤ عاجزی، رونا۔ ⑥ بات۔ ⑦ بے چینی۔

اس لیے جو روایات میں ذکر کیا گیا، اُن سب کے مجموعہ میں کوئی اِشکال نہیں، من جملہ اُن کے یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کا وسیلہ اختیار فرمایا۔ دوسرا مضمون عرش پر "لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" لکھا ہوا ہونا، یہ اور بھی بہت سی مختلف روایتوں میں آیا ہے۔

حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: "میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے اُس کی دونوں جانبوں میں تین سطریں سونے کے پانی سے لکھی ہوئی دیکھیں، پہلی سطر میں "لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" لکھا تھا، دوسری سطر میں "مَاقَدَّمْنَا وَجَدْنَا، وَمَا أَكَلْنَا رَبِحْنَا، وَمَا خَلَفْنَا خَسِرْنَا" تھا (جو ہم نے آگے بھیج دیا یعنی صدقہ وغیرہ کر دیا، وہ پالیا اور جو دنیا میں کھایا وہ نفع میں رہا اور جو کچھ چھوڑ آئے وہ نقصان رہا) اور تیسری سطر میں تھا "أُمَّةٌ مُذْنِبَةٌ وَرَبٌّ غَفُوْرٌ" (اُمت گناہگار اور مالک بخشنے والا)۔ ایک بزرگ کہتے ہیں: میں ہندوستان کے ایک شہر میں پہونچا تو میں نے وہاں ایک درخت دیکھا جس کے پھل بادام کے مُشابہ[1] ہوتے ہیں، اس کے دو چھلکے ہوتے ہیں جب ان کو توڑا جاتا ہے تو ان کے اندر سے ایک سبز پتّہ لپٹا ہوا نکلتا ہے، جب اس کو کھولا جاتا ہے تو سُرخی سے "لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" لکھا ہوا ملتا ہے۔ میں نے اس قصہ کو ابو یعقوب شِکاریؒ سے ذکر کیا، انھوں نے کہا: تعجب کی بات نہیں، میں نے اَیلہ میں ایک مچھلی شکار کی تھی، اُس کے ایک کان پر "لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" اور دوسرے پر "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" لکھا ہوا تھا۔

(۲۹) عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ بْنِ السَّكَنِ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: اِسْمُ اللّٰهِ الْأَعْظَمُ فِيْ هَاتَيْنِ الْاٰيَتَيْنِ ﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ وَالٓمّٓ ﴿۱﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿۲﴾﴾	حضرت اَسماء رضی اللہ عنہا حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ اللہ کا سب سے بڑا نام (جو اسمِ اَعظم کے نام سے عام طور پر مشہور ہے) ان دو آیتوں میں ہے (بشرطیکہ اِخلاص سے پڑھی جائیں)۔ ﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾﴾ [سورہ بقرہ] اور ﴿الٓمّٓ ﴿۱﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿۲﴾﴾ [سورۂ آلِ عمران]

[أخرجه ابن أبي شيبة وأحمد والدارمي وأبوداؤد والترمذي وصححه، وابن ماجه وأبو مسلم الكجي في السنن وابن الضُرَيس وابن أبي حاتم والبيهقي في الشعب كذا في الدر]

فائدہ: اسمِ اعظم کے متعلق روایاتِ حدیث میں کثرت سے یہ وارد ہوا ہے کہ جو دعا بھی اس کے بعد مانگی جاتی ہے، وہ قبول ہوتی ہے۔ البتہ اسمِ اعظم کی تعیین[2] میں روایات مُختلف وارد ہوئی ہیں اور یہ عادت اللہ ہے کہ ہر ایسی مُہتم بالشان[3] چیز میں اِخفاء[4] کی وجہ سے اختلاف پیدا فرما دیتے ہیں؛ چنانچہ شب قدر کی تعیین میں، جمعہ کے دن میں دعا قبول ہونے کے خاص وقت میں اختلاف ہوا۔ اس میں بہت سی مصالح[5] ہیں جن کو میں

حل لغات: (۱) ایک دوسرے جیسے۔ (۲) متعین کرنا، مقرر کرنا۔ (۳) بڑی اہمیت والی۔ (۴) چھپانا۔ (۵) مصلحت کی جمع، بھلائیاں۔

اپنے رسالہ ''فضائلِ رمضان'' میں لکھ چکا ہوں۔ اسی طرح اسمِ اعظم کی تعیین میں بھی مختلف روایات وارِد ہوئیں، مِنجُملہ ان کے یہ روایت بھی ہے جواُوپر ذکر کی گئی۔ اور بھی روایتوں میں ان آیتوں کے متعلق ارشاد وارد ہوا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ مُتمَرِّد[1] اور شَرِّی[2] شیاطین پر ان دو آیتوں سے زیادہ سخت کوئی آیت نہیں، وہ دو آیتیں ﴿وَ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ سے شروع ہیں۔

ابراہیم بن دَسَمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجنونانہ حالت، نظر وغیرہ کے لیے ان آیات کا پڑھنا مفید ہے، جو شخص ان آیات کے پڑھنے کا اہتمام رکھے، اس قسم کی چیزوں سے محفوظ رہے ﴿وَ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۶۳﴾﴾ [سورہ بقرہ] اور ﴿الٓمّٓ ﴿۱﴾ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡحَیُّ الۡقَيُّوۡمُ ﴿۲﴾﴾ آیۃ الکرسی اور سورۂ بقرہ کی آخر آیت اور ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیۡ خَلَقَ﴾ سے ﴿مُحۡسِنِيۡنَ﴾ تک [سورۂ اعراف: ۵۴تا۵۶] اور سورۂ حشر کی آخر آیتیں ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ سے۔ ہمیں یہ بات پہونچی کہ سب آیت (جن کو گنوایا) عرش کے کونوں پر لکھی ہوئی ہیں اور ابراہیم رحمہ اللہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ بچوں کو اگر ڈر لگتا ہو یا نظر کا اندیشہ ہو، تو یہ آیات اُن کے لیے لکھ دیا کرو۔ علامہ شامی رحمہ اللہ نے حضرت امامِ اَعظَم رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اسمِ اعظم لفظ ''اللہ'' ہے اور لکھا ہے کہ یہی قول علامہ طَحَاوی رحمہ اللہ اور بہت سے علماء سے نقل کیا گیا ہے اور اکثر عارِفین (اکابر صوفیہ) کی یہی تحقیق ہے۔ اسی وجہ سے ان کے نزدیک ذکر بھی اسی پاک نام کا کثرت سے ہوتا ہے۔ سیِّدُ الطّائفہ[3] حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نوّر اللہ مَرقدہٗ سے بھی یہی نقل کیا گیا، فرماتے ہیں کہ اسمِ اعظم ''اللہ'' ہے بشرطیکہ جب تو اس پاک نام کو لے، تو تیرے دل میں اس کے سوا کچھ نہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ عوام کے لیے اس پاک نام کو اس طرح لینا چاہیے کہ جب یہ زبان پر جاری ہو تو عظمت اور خوف کے ساتھ ہو اور خواص کے لیے اس طرح ہو کہ اس پاک نام والے کی ذات وصفات کا بھی اِستحضار[4] ہو اور اَخصّ[5] الخواص کے لیے یہ ضروری ہے کہ اُس پاک ذات کے سوا دل میں کوئی چیز بھی نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں بھی یہ مُبارک نام اتنی کثرت سے ذکر کیا گیا کہ حد نہیں، جس کی مِقدار دو ہزار تین سو ساٹھ بتاتے ہیں۔

شیخ اسماعیل فَرغانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے ایک عرصہ سے اِسمِ اَعظم سیکھنے کی تمنا تھی، مُجاہدے بہت کرتا تھا، کئی کئی دن فاقے کرتا حتیٰ کہ فاقوں کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر جاتا، ایک روز میں دِمَشق کی مسجد میں بیٹھا تھا کہ دو آدمی مسجد میں داخل ہوئے اور میرے قریب کھڑے ہوگئے، مجھے اُن کو دیکھ کر خیال ہوا کہ یہ فرشتے معلوم ہوتے ہیں، ان میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا: کیا تُو اسم اعظم سیکھنا چاہتا ہے؟ اُس نے کہا: ہاں بتا دیجیے۔ میں یہ گفتگو سن کر غور کرنے لگا۔ اُس نے کہا کہ وہ لفظ ''اللہ'' ہے، بشرطیکہ صدقِ لجا سے ہو۔ شیخ اسمٰعیل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صدقِ لجا کا مطلب یہ ہے کہ کہنے والے کی حالت اُس وقت ایسی ہو کہ جیسا کوئی

حل لغات: (۱) سرکش، نافرمان۔ (۲) فسادی۔ (۳) جماعت کے سردار۔ (۴) ذہن میں حاضر ہونا۔ (۵) خاص لوگوں میں بھی سب سے زیادہ خاص۔

شخص دریا میں غَرق ہورہا ہو اور کوئی بھی اُس کا بچانے والا نہ ہو، تو ایسے وقت جس خلوص سے نام لیا جائے گا، وہ حالت مراد ہے۔

اسمِ اعظم معلوم ہونے کے لیے بڑی اہلیت[1] اور بڑے ضَبط وتَحمُّل[2] کی ضرورت ہے۔ ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ اُن کو اسمِ اعظم آتا تھا، ایک فقیر اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے تمنا واِستِدعَا[3] کی کہ مجھے بھی سکھا دیجیے۔ ان بزرگ نے فرمادیا کہ تم میں اَہلِیَّت نہیں ہے۔ فقیر نے کہا کہ مجھ میں اس کی اہلیت ہے، تو بزرگ نے فرمایا: اچھا فلاں جگہ جا کر بیٹھ جاؤ اور جو واقعہ وہاں پیش آئے، اُس کی مجھے خبر دو۔ فقیر اُس جگہ گئے، دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص گدھے پر لکڑیاں لادے ہوئے آرہا ہے، سامنے سے ایک سپاہی آیا، جس نے اُس بوڑھے کو مار پیٹ کی اور لکڑیاں چھین لیں، فقیر کو اُس سپاہی پر بہت غصہ آیا۔ واپس آکر بزرگ سے سارا قصّہ سنایا اور کہا کہ مجھے اگر اسمِ اعظم آجاتا، تو اس سپاہی کے لیے بددعا کرتا۔ بزرگ نے کہا کہ اس لکڑی والے ہی سے میں نے اسمِ اعظم سیکھا ہے۔

(۳۰) عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: أَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَفِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنَ الْإِيْمَانِ أَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ أَوْ ذَكَرَنِيْ أَوْ خَافَنِيْ فِيْ مَقَامٍ.	حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ (قیامت کے دن) حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرمائیں گے کہ جہنم سے ہر اُس شخص کو نکال لو، جس نے لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہا ہو اور اس کے دل میں ایک ذرّہ برابر بھی ایمان ہو اور ہر اُس شخص کو نکال لو جس نے لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہا ہو یا مجھے (کسی طرح بھی) یاد کیا ہو یا کسی موقعہ پر مجھ سے ڈرا ہو۔

[أخرجه الحاكم برواية المؤمل عن المبارك بن فضالة وقال صحيح الإسناد وأقره عليه الذهبي، وقال الحاكم قد تابع أبوداؤد مؤملا على روايته واختصره]

فائدہ: اس پاک کلمہ میں حق تعالیٰ شانہٗ نے کیا کیا برکات رکھی ہیں، اس کا معمولی سا اندازہ اتنی ہی بات سے ہوجاتا ہے کہ سَو۱۰۰ برس کا بوڑھا، جس کی تمام عمر کفر وشرک میں گذری ہو، ایک مرتبہ اس پاک کلمہ کو ایمان کے ساتھ پڑھنے سے مسلمان ہوجاتا ہے اور عمر بھر کے سارے گناہ زَائل[4] ہوجاتے ہیں اور ایمان لانے کے بعد اگر گناہ بھی کیے ہوں، تب بھی اس کلمہ کی برکت سے کسی نہ کسی وقت جہنم سے ضرور نکلے گا۔

حضرت حُذَیفَہ رضی اللہ عنہ جو حضور ﷺ کے راز دار ہیں، فرماتے ہیں کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے (ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے) کہ اِسلام ایسا دُھندلا رہ جائے گا جیسے کپڑے کے نقش ونگار[5] (پُرانے ہوجانے سے) دُھندلے ہوجاتے ہیں کہ نہ کوئی روزہ کو جانے گا، نہ حج کو، نہ زکوٰۃ کو، آخر ایک رات ایسی ہوگی کہ قرآن پاک بھی اُٹھا لیا جائے گا، کوئی آیت اس کی باقی نہ رہے گی، بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں یہ کہیں گی

حل لغات: (۱) صلاحیت۔ (۲) برداشت۔ (۳) درخواست۔ (۴) ختم۔ (۵) پھول پتی کی تصویر، ڈیزائن۔

کہ ہم نے اپنے بڑوں کو کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتے سنا تھا، ہم بھی اُسی کو پڑھیں گے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد نے عرض کیا کہ جب زکوٰۃ، حج، روزہ کوئی رُکن نہ ہوگا تو یہ کلمہ ہی کیا کام دے گا؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے سکوت[1] فرمایا۔ انھوں نے پھر یہی عرض کیا۔ تیسری مرتبہ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (کسی نہ کسی وقت) جہنم سے نکالے گا، جہنم سے نکالے گا، جہنم سے نکالے گا۔ یعنی ارکانِ اسلام کے ادا نہ کرنے کا عذاب بُھگتنے کے بعد کسی نہ کسی وقت اس کلمہ کی برکت سے نجات پائے گا۔ یہی مطلب ہے حدیثِ بالا کا کہ اگر ایمان کا ذرا سا حصہ بھی ہے، تب بھی جہنم سے کسی نہ کسی وقت نکالا جائے گا۔ ایک حدیث میں ہے: جو شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھے گا، وہ اُس کو کسی نہ کسی دِن ضرور کام دے گا، گو[2] اُس کو کچھ نہ کچھ سزا بھگتنا پڑے۔

(۳۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ ﷺ أَعْرَابِيٌّ عَلَيْهِ جُبَّةٌ مِّنْ طِيَالِسَةٍ مَكْفُوفَةٌ بِالدِّيْبَاجِ، فَقَالَ: إِنَّ صَاحِبَكُمْ هٰذَا يُرِيْدُ يَرْفَعُ كُلَّ رَاعٍ وَابْنَ رَاعٍ وَيَضَعُ كُلَّ فَارِسٍ وَابْنَ فَارِسٍ. فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ مُغْضِبًا فَأَخَذَ بِمَجَامِعِ ثَوْبِهٖ فَاجْتَذَبَهٗ وَقَالَ: أَلَا أَرٰى عَلَيْكَ ثِيَابَ مَنْ لَّا يَعْقِلُ؟ ثُمَّ رَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَجَلَسَ فَقَالَ: إِنَّ نُوْحًا لَّمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ دَعَا ابْنَيْهِ، فَقَالَ: إِنِّيْ قَاصٌّ عَلَيْكُمَا الْوَصِيَّةَ اٰمُرُكُمَا بِاثْنَيْنِ، وَأَنْهَاكُمَا عَنِ اثْنَيْنِ، وَأَنْهَاكُمَا عَنِ الشِّرْكِ وَالْكِبْرِ وَاٰمُرُكُمَا بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَإِنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا فِيْهِمَا لَوْ وُضِعَتْ فِيْ كِفَّةِ الْمِيْزَانِ وَوُضِعَتْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فِي الْكِفَّةِ الْأُخْرٰى كَانَتْ أَرْجَحَ مِنْهُمَا وَلَوْ

حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک شخص گاؤں کا رہنے والا آیا، جو ریشمی جُبّہ پہن رہا تھا اور اس کے کناروں پر دِیبا[3] کی گوٹ[4] تھی (صحابہ رضی اللہ عنہم سے خِطاب کر کے) کہنے لگا کہ تمہارے ساتھی محمد (ﷺ) یہ چاہتے ہیں کہ ہر چرواہے (بکری چرانے والے) اور چرواہے زادے کو بڑھا دیں اور شہسوار اور شہسواروں کی اولاد کو گرا دیں۔ حضور ﷺ ناراضگی سے اُٹھے اور اُس کے کپڑوں کو گریبان سے پکڑ کر ذرا کھینچا اور ارشاد فرمایا کہ (تُو ہی بتا) تُو بیوقوفوں کے سے کپڑے نہیں پہن رہا ہے۔ پھر اپنی جگہ واپس آ کر تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا جب اِنتِقال ہونے لگا، تو اپنے دونوں صاحبزادوں کو بلایا اور ارشاد فرمایا کہ میں تمھیں (آخری) وصیت کرتا ہوں، جس میں دو[2] چیزوں سے روکتا ہوں اور دو چیزوں کا حکم کرتا ہوں، جن سے روکتا ہوں ایک: شرک ہے اور دوسرا: تکبر اور جن چیزوں کا حکم کرتا ہوں ایک: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے کہ تمام آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے اگر سب ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے میں (اخلاص سے کہا ہوا)

حل لغات: (۱) خاموش رہنا۔ (۲) اگرچہ۔ (۳) ریشمی کپڑا۔ (۴) کناری۔

أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا فِيْهِمَا كَانَتْ حَلْقَةً فَوُضِعَتْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ عَلَيْهَا لَقَصَمَتْهُمَا ، وَاٰمُرُكُمَا بِسُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ فَإِنَّهُمَا صَلوٰةُ كُلِّ شَيْءٍ وَبِهِمَا يُرْزَقُ كُلُّ شَيْءٍ .

لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ رکھ دیا جائے تو وہی پلڑا جھک جائے گا اور اگر تمام آسمان وزمین اور جو کچھ ان میں ہے ایک حلقہ بنا کر اس پاک کلمہ کو اس پر رکھ دیا جاوے تو وہ وزن سے ٹوٹ جائے اور دوسری چیز جس کا حکم کرتا ہوں وہ: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ ہے کہ یہ دو لفظ ہر مخلوق کی نماز ہیں اور انھیں کی برکت سے ہر چیز کو رزق عطا فرمایا جاتا ہے۔

[أخرجه الحاكم وقال: صحيح الإسناد، ولم يخرجه للصقعب بن زهير، فإنه ثقة قليل الحديث اهـ. وأقره عليه الذهبي وقال: الصقعب ثقة ورواه ابن عجلان عن زيد بن أسلم مرسلا اهـ. قلت: ورواه أحمد في مسنده بزيادة فيه بطرق وفي بعض منها: فَإِنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَالْاَرَضِيْنَ السَّبْعَ كُنَّ حَلْقَةً مُّبْهَمَةً قَصَمَتْهُنَّ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ. وذكره المنذري في الترغيب عن ابن عمر رضي الله عنهما مختصرًا وفيه: لَوْ كَانَتْ حَلْقَةً لَقَصَمَتْهُنَّ حَتّٰى تَخْلُصَ إِلَى اللهِ. ثم قال: رواه البزار ورواته محتج بهم في الصحيح إلا ابن إسحاق وهو في النسائي عن صالح بن سعيد رفعه إلى سليمان بن يسار إلى رجل من الأنصار لم يسمه. ورواه الحاكم عن عبدالله وقال: صحيح الإسناد ثم ذكر لفظه. قلت: وحديث سليمان بن يسار يأتي في بيان التسبيح. وفي مجمع الزوائد رواه أحمد ورواه الطبراني بنحوه. ورواه البزار من حديث ابن عمر ورجال أحمد ثقات وقال في رواية البزار: محمد بن إسحاق وهو مدلس وهو ثقة]

فائدہ: حضور اقدس ﷺ کا کپڑوں کے متعلق ارشاد فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر سے باطن پر اِستدلال[1] کیا جاتا ہے۔ جس شخص کا ظاہر حال خراب ہے، اُس کے باطن کا حال بھی بظاہر ویسا ہی ہے، اس لیے ظاہر کو بہتر رکھنے کی سعی[2] کی جاتی ہے کہ باطن اس کے تابع ہوتا ہے۔ اسی لیے صوفیہ کرام ظاہری طہارت وضو وغیرہ کا اہتمام کراتے ہیں تاکہ باطن کی طہارت حاصل ہو جائے۔ جو لوگ یہ کہہ دیتے ہیں: اَجی! باطن اچھا ہونا چاہیے، ظاہر چاہے کیسا ہی ہو؛ صحیح نہیں، باطن کا اچھا ہونا مُستقِل مقصود ہے اور ظاہر کا بہتر ہونا مستقل۔ نبیٔ اکرم ﷺ کی دعاؤں میں ہے: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِيْ خَيْرًا مِّنْ عَلَانِيَتِيْ وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِيْ صَالِحَةً (اے اللہ! میرے باطن کو میرے ظاہر سے زیادہ بہتر بنا اور میرے ظاہر کو صالح اور نیک بنا دے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور اقدس ﷺ نے یہ دُعا تعلیم فرمائی ہے۔

(۳۲) عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رضي الله عنه دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ كَئِيْبٌ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ : مَالِيْ أَرَاكَ كَئِيْبًا ؟ قَالَ : يَا رَسُوْلَ اللهِ كُنْتُ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں رنجیدہ سے ہو کر حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ میں تمھیں رنجیدہ دیکھ رہا ہوں، کیا بات ہے؟ اُنھوں نے عرض کیا کہ گُذشتہ[3] شب میرے چچازاد بھائی کا انتقال ہو گیا، میں نزع کی

حل لغات: (۱) دلیل ہونا، ثبوت ہونا۔ (۲) کوشش۔ (۳) کل کی رات۔

عِنْدَ ابْنِ عَمٍ لِّيْ الْبَارِحَةَ فُلَانٌ وَهُوَ يَكِيْدُ بِنَفْسِهٖ قَالَ : فَهَلْ لَقَّنْتَهٗ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ؟ قَالَ : قَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! قَالَ: فَقَالَهَا؟ قَالَ نَعَمْ ؛ قَالَ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ. قَالَ أَبُوْبَكْرٍ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! كَيْفَ هِيَ لِلْأَحْيَاءِ ؟ قَالَ: هِيَ أَهْدَمُ لِذُنُوْبِهِمْ، هِيَ أَهْدَمُ لِذُنُوْبِهِمْ.

حالت میں ان کے پاس بیٹھا تھا (اُس منظر سے طبیعت پر اثر ہے)۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تم نے اس کو ''لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' کی تلقین بھی کی تھی؟ عرض کیا: کی تھی۔ ارشاد فرمایا کہ اُس نے یہ کلمہ پڑھ لیا تھا؟ عرض کیا کہ پڑھ لیا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ جنت اس کے لیے واجب ہوگئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! زندہ لوگ اس کلمہ کو پڑھیں تو کیا ہو؟ حضور ﷺ نے دو مرتبہ یہ ارشاد فرمایا کہ یہ کلمہ ان کے گناہوں کو بہت ہی مُنْہَدِم[1] کر دینے والا ہے (یعنی بالکل ہی مٹا دینے والا ہے)۔

[رواه أبويعلى والبزار، وفيه زائدة بن أبي الرقاد، وثقه القواريري، وضعفه البخاري وغيره، كذا في مجمع الزوائد. وأخرج بمعناه عن ابن عباس رضي الله عنهما أيضًا. قلت: وروي عن علي رضي الله عنه مرفوعًا: مَنْ قَالَ إِذَا مَرَّ بِالْمَقَابِرِ: السَّلَامُ عَلٰى أَهْلِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مِنْ أَهْلِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، كَيْفَ وَجَدْتُمْ قَوْلَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، يَا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اغْفِرْ لِمَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاحْشُرْنَا فِيْ زُمْرَةِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ غُفِرَ لَهٗ ذُنُوْبُ خَمْسِيْنَ سَنَةً. قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَنْ لَّمْ تَكُنْ لَّهٗ ذُنُوْبُ خَمْسِيْنَ سَنَةً؟ قَالَ: لِوَالِدَيْهِ وَلِقَرَابَتِهٖ وَلِعَامَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ. رواه الديلمي في تاريخ همدان والرافعي وابن النجار كذا في منتخب كنز العُمّال، لكن روى نحوه السيوطي في ذيل اللآلي وتكلم على سنده وقال الإسناد كله ظلمات ورمى رجاله بالكذب. وفي تنبيه الغافلين وروي عن بعض الصحابة: مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مِنْ قَلْبِهٖ خَالِصًا وَمَدَّهَا بِالتَّعْظِيْمِ كَفَّرَ اللّٰهُ عَنْهُ أَرْبَعَةَ آلَافِ ذَنْبٍ مِّنَ الْكَبَائِرِ. قِيْلَ: إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ أَرْبَعَةُ آلَافِ ذَنْبٍ؟ قَالَ: يُغْفَرُ مِنْ ذُنُوْبِ أَهْلِهٖ وَجِيْرَانِهٖ اهـ. قلت: وروي بمعناه مرفوعا لكنهم حكموا عليه بالوضع كما في ذيل اللآلي، نعم يؤيده الأمر بدفن جوار الصالح وتأذيه بجوار السوء ذكره السيوطي في اللآلي بطرق. وورد السلام على أهل القبور بألفاظ مختلفة في كنز العُمّال وغيره]

فائدہ: مَقَابِر[1] میں اور میت کے قریب کلمۂ طیبہ پڑھنے کے متعلق بھی کثرت سے احادیث میں ارشاد ہوا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جنازہ کے ساتھ کثرت سے ''لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' پڑھا کرو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ میری اُمت کا شِعار (نشان) جب وہ پل صراط پر چلیں گے تو ''يَا لَآ إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ'' ہوگا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جب وہ اپنی قبروں سے اُٹھیں گے تو اُن کا نشان لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ہوگا۔ تیسری حدیث میں ہے کہ قیامت کے اندھیروں میں ان کا نشان لَآ إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ ہوگا۔ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کو کثرت سے پڑھنے کی برکتیں مرنے سے پہلے بھی بسا اوقات[2] نَزْع[3] کے وقت سے محسوس ہو جاتی ہیں اور بعض اللہ کے بندوں کو اس سے بھی پہلے ظاہر ہو جاتی ہیں۔

ابوالعبّاس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں اپنے شہر اَشبیلہ میں بیمار پڑا ہوا تھا، میں نے دیکھا کہ بہت سے پرند بڑے

حل لغات: (۱) قبرستان۔ (۲) اکثر۔ (۳) جان نکلنے کا وقت۔

بڑے اور مُختلف رنگ کے سفید، سرخ، سبز ہیں، جو ایک ہی دفعہ سب کے سب پَر سمیٹ لیتے ہیں اور ایک ہی مرتبہ کھول دیتے ہیں اور بہت سے آدمی ہیں جن کے ہاتھ میں بڑے بڑے طَباق[1] ڈھکے ہوئے ہیں، جن کے اندر کچھ رکھا ہوا ہے۔ میں اس سب کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہ موت کے تحفے ہیں، میں جلدی جلدی کلمۂ طیبہ پڑھنے لگا۔ ان میں سے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ تمہارا وقت ابھی نہیں آیا، یہ ایک اور مؤمن کے لیے تُحفہ ہے جس کا وقت آ گیا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا جب انتقال ہونے لگا تو فرمایا: مجھے بٹھا دو۔ لوگوں نے بٹھا دیا، پھر فرمایا (یا اللہ) تُو نے مجھے بہت سے کاموں کا حکم فرمایا، مجھ سے اس میں کوتاہی ہوئی، تُو نے مجھے بہت سی باتوں سے منع فرمایا، مجھ سے اس میں نافرمانی ہوئی۔ تین۳ مرتبہ یہی کہتے رہے۔ اس کے بعد فرمایا: لیکن ''لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ''، یہ فرما کر ایک جانب غور سے دیکھنے لگے، کسی نے پوچھا: کیا دیکھتے ہو؟ فرمایا: کچھ سبز چیزیں ہیں کہ نہ وہ آدمی ہیں نہ جن، اس کے بعد انتقال فرمایا۔

زُبیدہؒ کو کسی نے خواب میں دیکھا، اُس سے پوچھا کیا گذری؟ اُس نے کہا کہ ان چار۴ کلموں کی بدولت میری مغفرت ہوگئی: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ أُفْنِيْ بِهَا عُمْرِيْ، لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ أَدْخُلُ بِهَا قَبْرِيْ، لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ أَخْلُوْ بِهَا وَحْدِيْ، لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ أَلْقِيْ بِهَا رَبِّيْ. لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کے ساتھ اپنی عمر کو ختم کروں گی اور ''لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ'' ہی کو قبر میں لے کر جاؤں گی، ''لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ'' ہی کے ساتھ تنہائی کا وقت گذاروں گی اور ''لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ'' ہی کو لے کر اپنے رب کے پاس جاؤں گی۔

(۳۳) عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! أَوْصِنِيْ. قَالَ: إِذَا عَمِلْتَ سَيِّئَةً فَأَتْبِعْهَا حَسَنَةً تَمْحُهَا. قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! أَمِنَ الْحَسَنَاتِ: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ؟ قَالَ: هِيَ أَفْضَلُ الْحَسَنَاتِ.

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے کوئی وصیت فرما دیجیے۔ ارشاد ہوا کہ جب کوئی بُرائی سَرزَد[2] ہو جائے، تو کفّارہ کے طور پر فوراً کوئی نیک کام کر لیا کرو (تا کہ بُرائی کی نُحوست دُھل جائے)۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ''لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ'' پڑھنا بھی نیکیوں میں داخل ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو ساری نیکیوں میں افضل ہے۔

[رواه أحمد. وفي مجمع الزوائد: رواه أحمد ورجاله ثقات إلا أن شمر بن عطية حدثه عن أشياخه ولم يسم أحدًا منهم. قال السيوطي في الدر: أخرجه أيضًا ابن مردويه والبيهقي في الأسماء والصفات. قلت: وأخرجه الحاكم بلفظ: يا أبا ذَرٍّ اِتَّقِ اللهَ حَيْثُ كُنْتَ وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ. وقال: صحيح على شرطهما، وأقره عليه الذهبي. وذكره السيوطي في الجامع مختصرًا ورقم له بالصحة]

فائدہ: بُرائی اگر گناہ صغیرہ ہے تو نیکی سے اُس کا مَحْو[3] ہو جانا اور مِٹ جانا ظاہر ہے اور اگر کبیرہ ہے تو قواعد

حل لغات: (۱) تھال۔ (۲) واقع ہونا۔ (۳) ختم۔

کے مُوافق توبہ سے محو ہوسکتی ہے یا محض اللہ کے فضل سے، جیسا پہلے بھی گذر چکا ہے۔ بہرصورت محو ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پھر وہ گناہ اعمال نامہ میں رہتا ہے نہ کہیں اُس کا ذکر ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جب بندہ توبہ کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ وہ گناہ کِراماً کاتبین کو بھلا دیتے ہیں اور اس گناہ گار کے ہاتھ پاؤں کو بھی بھلا دیتے ہیں اور زمین کے اُس حصہ کو بھی جس پر وہ گناہ کیا گیا ہے، حتیٰ کہ کوئی بھی اُس گناہ کی گواہی دینے والا نہیں رہتا۔ گواہی کا مطلب یہ ہے کہ قیامت میں آدمی کے ہاتھ، پاؤں اور بدن کے دوسرے حصے نیک یا بداعمال جو بھی کیے ہوں ان کی گواہی دیں گے، جیسا کہ بابِ سوم فصلِ دوم حدیث نمبر اٹھارہ [18] کے تحت میں آ رہا ہے۔ حدیثِ بالا کی تائید اُن روایات سے بھی ہوتی ہے، جن میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے، جیسا کہ گناہ کیا ہی نہیں۔ یہ مضمون کئی حدیثوں میں وارد ہوا ہے۔ توبہ اُس کو کہتے ہیں کہ جو گناہ ہو چکا، اُس پر انتہائی ندامت اور شرم ہو اور آئندہ کے لیے پکا ارادہ ہو کہ پھر کبھی اُس گناہ کو نہیں کروں گا۔ ایک دوسری حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ ”اللہ کی عبادت کر اور کسی کو اُس کا شریک نہ بنا اور ایسے اخلاص سے عمل کیا کر، جیسا کہ وہ پاک ذات تیرے سامنے ہو اور اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کر اور اللہ کی یاد ہر پتھر اور ہر درخت کے قریب کر (تاکہ بہت سے گواہ قیامت کے دن ملیں) اور جب کوئی بُرائی ہو جائے تو اس کے کفّارہ میں کوئی نیکی کیا کر، اگر برائی مخفی [1] ہے تو نیکی بھی مخفی ہو اور بُرائی کو عَلَی الْاِعْلَان کیا ہے تو اُس کے کفّارہ میں نیکی بھی عَلَی الْاِعْلَان ہو۔

(۳۴) عَنْ تَمِيْمِ الدَّارِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ قَالَ: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاحِدًا أَحَدًا صَمَدًا لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا أَحَدٌ، عَشْرَ مَرَّاتٍ، كُتِبَتْ لَهٗ أَرْبَعُوْنَ أَلْفَ حَسَنَةٍ. [أخرجه أحمد. قلت: أخرج الحاكم شواهده بألفاظ مختلفة]	حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاحِدًا أَحَدًا صَمَدًا لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا أَحَدٌ کو دس مرتبہ پڑھے گا، چالیس ہزار نیکیاں اس کے لیے لکھی جائیں گی۔

فائدہ: کلمۂ طیبہ کی خاص خاص مقدار پر بھی حدیث کی کتابوں میں بڑی فضیلتیں ذکر فرمائی گئی ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے: جب تم فرض نماز پڑھا کرو، تو ہر فرض کے بعد دس مرتبہ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ پڑھا کرو، اس کا ثواب ایسا ہے کہ جیسے ایک غلام آزاد کیا۔

(۳۵) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِيْ أَوْفٰى قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنْ قَالَ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ أَحَدًا صَمَدًا	دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص ”لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ

حل لغات: (۱) چُھپی ہوئی۔

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا أَحَدٌ ، كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ أَلْفَيْ أَلْفِ حَسَنَةٍ . [رواه الطبراني كذا في الترغيب. وفي مجمع الزوائد: فيه فائد أبو الورقاء متروك]	أَحَدًا صَمَدًا لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا أَحَدٌ ‘‘ پڑھے، اُس کے لیے بیس لاکھ (۲۰۰۰۰۰۰) نیکیاں لکھی جائیں گی۔

فائدہ: کس قدر اللہ جلّ شانہٗ کے یہاں سے اِنْعام واِحْسان کی بارش ہے کہ ایک معمولی سی چیز کے پڑھنے پر، جس میں نہ مشقت، نہ وقت خرچ ہو، پھر بھی ہزار ہزار، لاکھ لاکھ نیکیاں عطا ہوتی ہیں؛ لیکن ہم لوگ اس قدر غفلت اور دنیاوی اَغراض[1] کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں کہ ان اَلطاف[2] کی بارشوں سے کچھ بھی وصول نہیں کرتے۔ اللہ جلّ شانہٗ کے یہاں ہر نیکی کے لیے کم از کم دس گُنا ثواب تو متعین ہی ہے، بشرطیکہ اخلاص سے ہو۔ اُس کے بعد اخلاص ہی کے اعتبار سے ثواب بڑھتا رہتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اِسلام لانے سے پہلے جتنے گناہ حالت کفر میں کیے ہیں وہ معاف ہوجاتے ہیں، اُس کے بعد پھر حساب ہے۔ ہر نیکی دس (۱۰) گنے سے لے کر سات سو (۷۰۰) تک اور جہاں تک اللہ چاہے لکھی جاتی ہیں اور بُرائی ایک ہی لکھی جاتی ہے اور اگر اللہ جلّ شانہٗ اس کو معاف فرمادیں تو وہ بھی نہیں لکھی جاتی۔ دوسری حدیث میں ہے جب بندہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو صِرف ارادہ سے ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جب عمل کرتا ہے، تو دس (۱۰) نیکیاں سات سو (۷۰۰) تک اور اس کے بعد جہاں تک اللہ تعالیٰ شانہٗ چاہیں، لکھی جاتی ہیں۔ اس قسم کی اور بھی احادیث بکثرت ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ کے یہاں دینے میں کمی نہیں، کوئی لینے والا ہو، یہی چیز اللہ والوں کی نگاہ میں ہوتی ہے، جس کی وجہ سے دنیا کی بڑی سے بڑی دولت بھی اُن کو نہیں لُبھاسکتی[3]۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنْهُمْ .

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اعمال چھ طریقے کے ہیں اور آدمی چار طریقے کے، دو عمل تو واجب کرنے والے ہیں؛ اور دو (۲) برابر سَرابر، اور ایک دس (۱۰) گُنا؛ اور ایک سات سو گُنا۔ دو (۲) عمل جو واجب کرنے والے ہیں: ایک یہ کہ جو شخص اس حال میں مَرے کہ شرک نہ کرتا ہو، وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا، دوسرے جو شخص شرک کی حالت میں مرے ضرور جہنم میں جائے گا۔ اور جو عمل برابر سرابر ہے وہ نیکی کا ارادہ ہے کہ دِل اُس کے لیے پُختہ ہوگیا ہو (مگر اس عمل کی نوبت نہ آئی ہو)۔ اور دس (۱۰) گُنا اَجر ہے اگر عمل بھی کرلے۔ اور اللہ کے راستہ میں (جہاد وغیرہ میں) خرچ کرنا سات سو (۷۰۰) درجہ کا اجر رکھتا ہے۔ اور گناہ اگر کرے تو ایک کا بدلہ ایک ہی ہے۔ اور چار (۴) قسم کے آدمی یہ ہیں کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جن پر دنیا میں وُسعت ہے آخرت میں تنگی ہے، بعض ایسے ہیں جن پر دنیا میں تنگی ہے آخرت میں وُسعت، بعض ایسے ہیں جن پر دونوں جگہ تنگی ہے (کہ دنیا میں فقر، آخرت میں عذاب ہے) بعض ایسے ہیں کہ دونوں جہان میں وُسعت ہے۔

حل لغات: (۱) سازوسامان۔ (۲) لطف کی جمع، نعمت، مہربانی۔ (۳) لالچ دینا۔

ایک شخص حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں نے سنا ہے، آپ یہ نقل کرتے ہیں کہ اللہ جلّ شانہٗ بعض نیکیوں کا بدلہ دس لاکھ گُنا عطا فرماتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ میں نے خدا کی قسم ایسا ہی سنا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ بعض نیکیوں کا ثواب بیس لاکھ تک ملتا ہے اور جب حق تعالیٰ شانہٗ ﴿يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ ارشاد فرمائیں (اُس کے ثواب کو بڑھاتے ہیں اور اپنے پاس سے بہت سا اَجر دیتے ہیں) جس چیز کو اللہ تعالیٰ اَجرِ[1] عظیم فرمائیں، اس کی مقدار کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ثواب کی اتنی بڑی مقداریں جب ہی ہوسکتی ہیں، جب ان الفاظ کے معانی کا تصوُّر[2] اور لحاظ کر کے پڑھے کہ "یہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی اہم صِفات ہیں۔"

﴿۳۶﴾ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُبْلِغُ أَوْ فَيُسْبِغُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ يَقُوْلُ: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، إِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ.	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص وضو کرے اور اچھی طرح کرے (یعنی سُنّتوں اور آداب کی پوری رعایت کرے) پھر یہ دعا پڑھے: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں، جس دروازے سے دل چاہے داخل ہو۔

[رواه مسلم وأبوداؤد وابن ماجه وقالا: فَيُحْسِنُ الْوُضُوْءَ. زاد أبوداؤد: ثُمَّ يَرْفَعُ طَرْفَهٗ إِلَى السَّمَاءِ، ثُمَّ يَقُوْلُ، فذكره. ورواه الترمذي كأبي داؤد وزاد: اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ. الحديث وتكلم فيه كذا في الترغيب. زاد السيوطي في الدر ابن أبي شيبة والدارمي]

فائدہ: جنت میں داخل ہونے کے لیے ایک دروازہ بھی کافی ہے پھر آٹھوں کا کھل جانا یہ غایتِ[3] اِعزاز واِکرام کے طور پر ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص اس حال میں مَرے کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو اور ناحق کسی کا خون نہ کیا ہو، وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔

﴿۳۷﴾ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يَقُوْلُ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، مِائَةَ مَرَّةٍ إِلَّا بَعَثَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَوَجْهُهٗ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، وَلَمْ يَرْفَعْ لِأَحَدٍ يَوْمَئِذٍ عَمَلٌ أَفْضَلُ مِنْ عَمَلِهٖ إِلَّا مَنْ قَالَ مِثْلَ قَوْلِهٖ أَوْ زَادَ.	حضور ﷺ کا ارشاد ہے: جو شخص سَو ۱۰۰ مرتبہ "لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ" پڑھا کرے، اللہ تعالیٰ شانہٗ قیامت کے دن اس کو ایسا روشن چہرہ والا اُٹھائیں گے جیسے چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے اور جس دن یہ تسبیح پڑھے اُس دن اس سے افضل عمل والا وہی شخص ہوسکتا ہے جو اس سے زیادہ پڑھے۔

حل لغات: ① بڑا بدلہ۔ ② دھیان۔ ③ بہت زیادہ عزت و اکرام۔

[رواه الطبراني وفيه عبدالوهاب بن ضحاك متروك كذا في مجمع الزوائد. قلت: هو من رواة ابن ماجه ولاشك أنهم ضعفوه جدًا إلا أن معناه مؤيد بروايات، منها ما تقدم من روايات يحيى ابن طلحة. ولا شك أنه أفضل الذكر. وله شاهد من حديث أمّ هانئ الاٰتي]

فائدہ: مُتعدّد روایات اور آیات سے یہ مضمون ثابت ہوتا ہے کہ ''لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه'' دِل کے لیے بھی نور ہے اور چہرہ کے لیے بھی نور ہے، اور یہ تو مُشاہدہ[1] بھی ہے کہ جن اکابر کا اس کلمہ کی کثرت، معمول ہے، ان کا چہرہ دنیا ہی میں نورانی ہوتا ہے۔

(۳۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اِفْتَحُوْا عَلٰى صِبْيَانِكُمْ أَوَّلَ كَلِمَةٍ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَقِّنُوْهُمْ عِنْدَ الْمَوْتِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ. فَإِنَّهٗ مَنْ كَانَ أَوَّلُ كَلَامِهٖ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاٰخِرُ كَلَامِهٖ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، ثُمَّ عَاشَ أَلْفَ سَنَةٍ لَمْ يُسْئَلْ عَنْ ذَنْبٍ وَّاحِدٍ.

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ بچہ کو شروع میں جب وہ بولنا سیکھنے لگے ''لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' یاد کراؤ اور جب مرنے کا وقت آئے جب بھی ''لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ''، تلقین کرو، جس شخص کا اول کلمہ ''لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' ہو اور آخری کلمہ ''لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' ہو، وہ ہزار برس بھی زندہ رہے تو (ان شاء اللہ) کسی گناہ کا اُس سے مُطالبہ نہ ہوگا۔ (یا اس وجہ سے کہ گناہ صادر[2] نہ ہوگا یا اگر صادر ہوا تو، توبہ وغیرہ سے معاف ہو جائے گا یا اس وجہ سے کہ اللہ جلّ جلالہٗ اپنے فضل سے معاف فرمادیں گے)۔

[موضوع. ابن محموية وأبوه مجهولان، وقد ضعف البخاري إبراهيم بن مهاجر، حكاه السيوطي عن ابن الجوزي، ثم تعقبه بقوله: الحديث في المستدرك. وأخرجه البيهقي في الشعب عن الحاكم وقال: متن غريب لم نكتبه إلا بهذا الإسناد. وأورده الحافظ ابن حجر في أماليه ولم يقدح فيه بشيءٍ إلا أنه قال: إبراهيم فيه لين. وقد أخرج له مسلم في المتابعات كذا في اللآلي. وذكره السيوطي في شرح الصدور ولم يقدح فيه بشيءٍ. قلت: وقد ورد في التلقين أحاديث كثيرة ذكرها الحافظ في التلخيص وقال في جملة من رواها: وعن عروة بن مسعود الثقفي رواه العقيلي بإسناد ضعيف، ثم قال: روي في الباب أحاديث صحاح عن غير واحد من الصحابة. ورواه ابن أبي الدنيا في كتاب المحتضرين من طريق عروة بن مسعود عن أبيه عن حذيفة بلفظ: لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَإِنَّهَا تَهْدِمُ مَا قَبْلَهَا مِنَ الْخَطَايَا. وروي فيه أيضا عن عمر وعثمان وابن مسعود وأنس وغيرهم اهـ. وفي الجامع الصغير: لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ. رواه أحمد ومسلم والأربعة عن أبي سعيد ومسلم وابن ماجه عن أبي هريرة والنسائي عن عائشة ورقم له بالصحة. وفي الحصن: إِذَا أَفْصَحَ الْوَلَدُ فَلْيُعَلِّمْهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وفي الحرز رواه ابن السني عن عمرو بن العاص اهـ. قلت ولفظه في عمل اليوم والليلة عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ وَجَدْتُ فِيْ كِتَابِ جَدِّيْ الَّذِيْ حَدَّثَهٗ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِذَا أَفْصَحَ أَوْلَادُكُمْ فَعَلِّمُوْهُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ لَا تُبَالُوْا مَتٰى مَاتُوْا وَإِذَا أَثْغَرُوْا فَمُرُوْهُمْ بِالصَّلٰوةِ. وفي الجامع الصغير برواية أحمد وأبي داؤد والحاكم عَنْ مُعَاذٍ رضی اللہ عنہ: مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهٖ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ. ورقم له بالصحة. وفي مجمع الزوائد عن علي رضی اللہ عنہ رفعه: مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهٖ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ لَمْ يَدْخُلِ النَّارَ. وَفِي غير رواية مرفوعة: مَنْ لُقِّنَ عِنْدَ الْمَوْتِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، دَخَلَ الْجَنَّةَ].

حل لغات: (۱) دیکھنا، معاینہ۔ (۲) واقع۔

فائدہ: تلقین اس کو کہتے ہیں کہ مرتے وقت آدمی کے پاس بیٹھ کر کلمہ پڑھا جائے، تاکہ اس کو سن کر وہ بھی پڑھنے لگے، اس پر اُس وقت جَبر[1] یا تقاضا نہیں کرنا چاہیے کہ وہ شدّتِ تکلیف میں ہوتا ہے۔ اخیر وقت میں کلمہ تلقین کرنے کا حکم اور بھی بہت سی احادیثِ صحیحہ میں وارد ہوا ہے۔ متعدّد حدیثوں میں یہ بھی ارشادِ نبوی وارد ہوا ہے کہ جس شخص کو مرتے وقت ''لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه'' نصیب ہو جائے اُس سے گناہ ایسے گر جاتے ہیں جیسے سیلاب کی وجہ سے تعمیر۔ بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جس شخص کو مرتے وقت یہ مبارک کلمہ نصیب ہو جاتا ہے، تو پچھلی خَطائیں معاف ہو جاتی ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مُنافق کو اس کلمہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ ایک حدیث میں آیا ہے اپنے مُردوں کو ''لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' کا توشہ[2] دیا کرو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی بچہ کی پَرْوَرِش کرے، یہاں تک کہ وہ ''لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' کہنے لگے، اُس سے حساب معاف ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص نماز کی پابندی کرتا ہے، مرنے کے وقت ایک فرشتہ اُس کے پاس آتا ہے جو شیطان کو دور کر دیتا ہے اور مرنے والے کو ''لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه'' تلقین کرتا ہے۔ ایک بات کثرت سے تجربہ میں آئی ہے کہ اکثر و بیشتر[3] تلقین کا فائدہ جب ہی ہوتا ہے کہ زندگی میں بھی اس پاک کلمہ کی کثرت رکھتا ہو۔ ایک شخص کا قصہ لکھا ہے کہ وہ بُھس[4] فروخت کیا کرتا تھا، جب اُس کے مرنے کا وقت آیا تو لوگ اس کو کلمۂ طیبہ کی تلقین کرتے تھے اور وہ کہتا تھا کہ یہ گٹھا اتنے کا ہے اور یہ اتنے کا ہے۔ اسی طرح اور بھی متعدّد واقعات ''نُزْہَۃُ البَسَاتِین'' میں بھی لکھے ہیں اور مُشاہدہ میں بھی آتے ہیں۔ بسا اوقات کسی گناہ کا کرنا بھی اس کا سبب بن جاتا ہے کہ مرتے وقت کلمہ طیبہ نصیب نہیں ہوتا۔

اَفیُون کے نقصانات اور مِسواک کے فوائد

علماء نے لکھا ہے کہ افیون کھانے میں ستّر نقصان ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ یاد نہیں آتا۔ اس کے بالمُقَابل مسواک میں ستّر فائدے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ طیبہ یاد آتا ہے۔ ایک شخص کا قصہ لکھا ہے کہ مرتے وقت اس کو کلمہ شہادت تلقین کیا گیا، وہ کہنے لگا کہ اللہ سے دعا کرو، میری زبان سے نکلتا نہیں۔ لوگوں نے پوچھا: کیا بات ہے؟ اُس نے کہا: میں تولنے میں بے اِحتِیاطی کرتا تھا۔ ایک دوسرے شخص کا قصہ ہے کہ جب اس کو تلقین کی گئی تو کہنے لگا کہ مجھ سے کہا نہیں جاتا۔ لوگوں نے پوچھا: کیا بات ہے؟ اُس نے کہا کہ ایک عورت مجھ سے تولیہ خریدنے آئی تھی، مجھے وہ اچھی لگی، میں اس کو دیکھتا رہا۔ اور بھی بہت سے واقعات اس نوع کے ہیں، جن میں سے بعض تذکرہ قُرطُبِیَّہ میں بھی لکھے ہیں۔ بندہ کا کام ہے کہ گناہوں سے توبہ کرتا رہے اور اللہ جَلَّ شَانُہٗ سے توفیق کی دُعا کرتا رہے۔

حل لغات: (۱) زبردستی۔ (۲) سفر کا سامان۔ (۳) زیادہ تر۔ (۴) بُھوسا، جانوروں کا چارہ۔

﴿۳۹﴾ عَنْ أُمِّ هَانِیءٍ ﷛ قَالَتْ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ لَا يَسْبِقُهَا عَمَلٌ وَلَا تَتْرُكُ ذَنْبًا.	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' سے نہ تو کوئی عمل بڑھ سکتا ہے اور نہ یہ کلمہ کسی گناہ کو چھوڑ سکتا ہے۔

[رواہ ابن ماجہ كذا في منتخب كنز العمال. قلت: وأخرجه الحاكم في حديث طويل وصححه و لفظه: قَوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ لَا يَتْرُكُ ذَنْبًا وَلَا يُشْبِهُهَا عَمَلٌ اهـ. وتعقب عليه الذهبي بأن زكريا ضعيف. وسقط بين محمد وأم هانئ. وذكره في الجامع برواية ابن ماجه ورقم له بالضعف]

فائدہ : کسی عمل کا اس سے نہ بڑھ سکنا تو ظاہر ہے کہ کوئی بھی عمل ایسا نہیں ہے، جو بغیر کلمہ طیبہ پڑھے کار آمد[1] ہوسکتا ہو۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرض ہر عمل ایمان کا محتاج ہے، اگر ایمان ہے تو وہ اعمال بھی مقبول ہوسکتے ہیں ورنہ نہیں اور کلمہ طیبہ جو خود ایمان لانا ہی ہے، وہ کسی عمل کا بھی مُحتاج نہیں۔ اسی وجہ سے اگر کوئی شخص فقط ایمان رکھتا ہو اور ایمان کے علاوہ کوئی عمل صالح نہ ہو، تو بھی وہ کسی نہ کسی وقت ان شاء اللہ جنت میں ضرور جائے گا اور جو شخص ایمان نہ رکھتا ہو، خواہ وہ کتنے ہی پسندیدہ اعمال کرے، نجات کے لیے کافی نہیں۔ دوسرا جزو: کسی گناہ کو نہ چھوڑنا ہے۔ اگر اس اعتبار سے دیکھا جائے کہ جو شخص آخری وقت میں مسلمان ہوا اور کلمۂ طیبہ پڑھنے کے بعد فوراً ہی مرجائے، تو ظاہر ہے کہ اس ایمان لانے سے کُفر کی حالت میں جتنے گناہ کیے تھے وہ سب بِالِاجْماع[2] جاتے رہے۔ اور اگر پہلے سے پڑھنا مراد ہو، تو حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ یہ کلمہ دلوں کی صفائی اور صَیقل[3] ہونے کا ذریعہ ہے۔ جب اس پاک کلمہ کی کثرت ہوگی تو دل کی صفائی کی وجہ سے توبہ کیے بغیر چین ہی نہ پڑے گا اور آخر کار گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جائے گا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص کو سونے کے وقت اور جاگنے کے وقت ''لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' کا اِہتمام ہو، اُس کو دنیا بھی آخرت پر مُستَعِد[4] کرے گی اور مصیبت سے اس کی حفاظت کرے گی۔

﴿۴۰﴾ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷛ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْإِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً . فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيْمَانِ.	حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایمان کی ستّر سے زیادہ شاخیں ہیں۔ (بعض روایات میں ستتر آئی ہیں) ان میں سب سے افضل ''لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' کا پڑھنا ہے اور سب سے کم درجہ راستہ سے کسی تکلیف دِہ[5] چیز (اینٹ، لکڑی، کانٹے وغیرہ) کا ہٹا دینا ہے اور حیا بھی (ایک خصوصی) شعبہ ہے ایمان کا۔

[رواه الستة وغيرهم بألفاظ مختلفة واختلاف يسير في العدد وغيره. وهذا آخر ما أردت إيراده في هذا الفصل رعاية لعدد الأربعين. والله الموفّق لما يحبّ ويرضى]

فائدہ: حیا کو خصوصی اہتمام کی وجہ سے ذکر فرمایا کہ یہ بہت سے گناہوں: زنا، چوری، فُحش[6] گوئی، ننگا ہونا،

حل لغات: ① مفید۔ ② سب علماء کے نزدیک۔ ③ چمکانا۔ ④ تیار کرنا۔ ⑤ تکلیف دینے والی۔ ⑥ بے حیائی کی باتیں۔

گالی گلوج وغیرہ سے بچنے کا سبب ہے، اسی طرح رُسوائی کے خیال سے بہت سے نیک کام کرنا ضروری ہو جاتے ہیں، بلکہ دنیا اور آخرت کی شرم سارے ہی نیک کاموں پر اُبھارتی ہے۔ نماز، زکوٰۃ، حج وغیرہ تو ظاہر ہیں، اسی طرح سے اور بھی تمام اَحکام بجالانے[1] کا سبب ہے۔ اسی وجہ سے مَثَل مشہور ہے ”تو بے حَیَا باش وہرچہ خواہی کُن“ تو بے غیرت ہوجا، پھر جو چاہے کر۔ اس معنی میں صحیح حدیث بھی وارد ہے: إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ جب تو حیادار نہ رہے، تو پھر جو چاہے کر، کہ ساری فِکر غیرت اور شرم ہی کی ہے، اگر حیا ہے تو یہ خیال بھی ضروری ہے کہ نماز نہ پڑھوں گا تو آخرت میں کیا منہ دکھلاؤں گا اور شرم نہیں ہے تو پھر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کوئی کہہ کر کیا کرلے گا۔

تنبیہ: اس حدیث شریف میں ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ارشاد فرمائی ہیں۔ اس بارے میں روایات مُختَلف وارد ہوئی ہیں اور متعدد روایات میں ستتر عَدَدْ آیا ہے۔ اسی لیے ترجمہ میں اس طرف اشارہ بھی کردیا تھا۔ ان ستتر کی تفصیل میں علماء نے بہت سی مُستَقِل تصانیف[2] فرمائی ہیں۔ اِمامِ اَبُوحَاتِم بن حِبَّانؒ فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کا مطلب ایک مدت تک سوچتا رہا، جب عبادتوں کو گنتا تو وہ ستتر سے بہت زیادہ ہوجاتیں، احادیث کو تلاش کرتا اور حدیث شریف میں جن چیزوں کو خاص طور سے ایمان کی شاخوں کے ذیل میں ذکر کیا ہے، اُن کو شمار کرتا تو وہ اس عدد سے کم ہوجاتیں، میں قرآن پاک کی طرف متوجہ ہوا اور قرآن شریف میں جن چیزوں کو ایمان کے ذیل میں ذکر کیا، اُن کو شمار کیا، تو وہ بھی اس عدد سے کم تھیں تو میں نے قرآن شریف اور حدیث شریف دونوں کو جمع کیا اور دونوں میں جن چیزوں کو ایمان کا جزو قرار دیا، اُن کو شمار کرکے جو چیزیں دونوں میں مُشتَرَک[3] تھیں، ان کو ایک ایک عدد شمار کرکے میزان[4] دیکھی تو دونوں کا مجموعہ مُکَرَّرات[5] کو نکال کر اس عدد کے موافق ہوگیا، تو میں سمجھا کہ حدیث شریف کا مفہوم یہی ہے۔ قاضی عِیَاضؒ فرماتے ہیں کہ ایک جماعت نے ان شاخوں کی تفصیل بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے اور اِجتہاد[6] سے ان تفصیلات کے مراد ہونے کا حکم لگایا ہے، حالانکہ اس مقدار کی خصوصی تفصیل نہ معلوم ہونے سے ایمان میں کوئی نُقص[7] پیدا نہیں ہوتا، جب کہ ایمان کے اصُول[8] وفروع[9] سارے بالتفصیل[10] معلوم ومُحَقَّق[11] ہیں۔ خَطَّابیؒ فرماتے ہیں کہ اس تعداد کی تفصیل اللہ کے اور اس کے رسول ﷺ کے علم میں ہے اور شریعتِ مُطَہَّرہ میں موجود ہے تو اس تعداد کے ساتھ تفصیل کا معلوم نہ ہونا کچھ مُضِر[12] نہیں۔

اِمامِ نَوَوِیؒ فرماتے ہیں کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے ان شاخوں میں سب سے اعلیٰ توحید یعنی کلمہ ”لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ“

حل لغات: (۱) عمل کرنا۔ (۲) کتابیں لکھی ہیں۔ (۳) شریک، ایک جیسی۔ (۴) تعداد۔ (۵) بار بار آئی ہوئی چیزیں۔ (۶) صحیح غور وفکر۔ (۷) نقصان۔ (۸) وہ چیزیں جو عقیدہ سے تعلق رکھیں۔ (۹) وہ چیزیں جو عمل سے تعلق رکھیں۔ (۱۰) تفصیل سے۔ (۱۱) ثابت۔ (۱۲) نقصان پہونچانا۔

کو قرار دیا ہے، جس سے معلوم ہو گیا کہ ایمان میں سب سے اُوپر اس کا درجہ ہے، اس سے اوپر کوئی چیز ایمان کی شاخ نہیں ہے؛ جس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اصل توحید ہے، جو ہر مکلّف[1] پر ضروری ہے اور سب سے نیچے دَفع[2] کرنا ہے اس چیز کا، جو کسی مسلمان کو نقصان پہونچانے کا احتمال رکھتی ہو۔ باقی سب شاخیں ان کے درمیان ہیں جن کی تفصیل معلوم ہونا ضروری نہیں۔ اِجمالاً[3] ان پر ایمان لانا کافی ہے جیسا کہ سب فرشتوں پر ایمان لانا ضروری ہے، لیکن ان کی تفصیل اور ان کے نام ہم نہیں جانتے۔ لیکن ایک جماعتِ مُحدّثین نے ان سب شاخوں کی تفصیل میں مختلف تصانیف فرمائی ہیں، چنانچہ ابوعبداللہ حَلیمیؒ نے ایک کتاب اسی مضمون میں تصنیف فرمائی ہے، جس کا نام ''فَوَائِدالْمِنْهاج'' رکھا ہے اور امام بَیْهَقِیؒ نے ایک کتاب تصنیف کی ہے، جس کا نام ہی ''شعب الایمان'' رکھا ہے۔ اسی طرح شیخ عبدالجلیلؒ نے بھی ایک کتاب لکھی ہے، اُس کا نام ہی ''شُعَبُ الْاِیْمان'' رکھا ہے اور اسحاق بن قُرطُبِیؒ نے ''کتابُ النَّصَائح'' اسی مضمون میں تصنیف فرمائی ہے اور امام اَبُوحَاتمؒ نے اپنی کتاب کا نام ''وَصْفُ الْاِیمان وشُعَبهٗ'' رکھا ہے۔ شُرّاحِ بُخاریؒ[4] نے اس باب میں مختلف تصانیف سے تلخیص[5] کرتے ہوئے ان کو مُختصر طور پر جمع فرمایا ہے؛ جس کا حاصل یہ ہے کہ دراصل ایمان کامل تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ اوّل: تصدیقِ قلبی یعنی دِل سے جُملہ[6] امور کا یقین کرنا۔ دوسرے زبان کا اِقرار و عمل۔ تیسرے بدن کے اَعمال یعنی ایمان کی جُملہ شاخیں، تین حصوں پر مُنقسم[7] ہیں۔ اوّل: وہ جن کا تعلق نیت واِعتقاد اور عملِ قلبی سے ہے۔ دوسرے: وہ جن کا تعلق زبان سے ہے۔ تیسرے وہ جن کا تعلق باقی حصّۂ بدن سے ہے۔ ایمان کی جُملہ چیزیں ان تین میں داخل ہیں، ان میں سے **پہلی قسم:** جو تمام عقائد کو شامل ہے، اس کا خُلاصہ تیس چیزیں ہیں:

(۱) اللہ پر ایمان لانا جس میں اُس کی ذات، اُس کی صفات پر ایمان لانا داخل ہے اور اس کا یقین بھی کہ وہ پاک ذات ایک ہے اور اُس کا کوئی شریک نہیں اور نہ اُس کا کوئی مِثل[8] ہے۔ (۲) اللہ کے ماسِوا[9] سب چیزیں بعد کی پیداوار ہیں، ہمیشہ سے وہی ایک ذات ہے۔ (۳) فرشتوں پر ایمان لانا۔ (۴) اللہ کی اُتاری ہوئی کتابوں پر ایمان لانا۔ (۵) اللہ کے رسولوں پر ایمان لانا۔ (۶) تقدیر پر ایمان لانا کہ بھلی ہو یا بری، سب اللہ کی طرف سے ہے۔ (۷) قیامت کے حق ہونے پر ایمان لانا جس میں قبر کا سوال و جواب، قبر کا عذاب، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا، حساب ہونا، اعمال کا تُلنا اور پُلصِراط پر گذرنا سب ہی داخل ہے۔ (۸) جنت کا یقین ہونا اور یہ کہ مؤمن ان شاء اللہ ہمیشہ اُس میں رہیں گے۔ (۹) جہنم کا یقین ہونا اور یہ کہ اس میں سخت سے سخت عذاب ہیں اور وہ بھی ہمیشہ ہمیشہ رہے گی۔ (۱۰) اللہ تعالیٰ شانہٗ سے محبت رکھنا۔

حل لغات: (۱) جس پر شریعت کے احکام لاگو ہوں۔ (۲) روکنا۔ (۳) مختصر طور پر۔ (۴) بخاری شریف کی تشریح کرنے والے۔ (۵) خلاصہ۔ (۶) تمام باتیں۔ (۷) تقسیم کی گئی۔ (۸) جیسا۔ (۹) علاوہ۔

(۱۱) اللہ کے واسطے دوسروں سے محبت رکھنا اور اللہ ہی کے واسطے بُغض[1] رکھنا (یعنی اللہ والوں سے محبت رکھنا اور اس کی نافرمانی کرنے والوں سے بُغض رکھنا) اور اسی میں داخل ہے صحابۂ کرام ﷺ بِالخُصوص مُہاجرین اور اَنصار کی محبت اور آلِ رسول ﷺ کی محبت۔ (۱۲) حضورِ اقدس ﷺ سے محبت رکھنا، جس میں آپ کی تعظیم بھی آ گئی اور حضور ﷺ پر درود شریف پڑھنا بھی اور آپ کی سُنّتوں کا اِتّباع کرنا بھی داخل ہے۔ (۱۳) اِخلاص جس میں رِیا[2] نہ کرنا اور نفاق سے بچنا بھی داخل ہے۔ (۱۴) توبہ یعنی دل سے گناہوں پر نَدامت[3] اور آئندہ نہ کرنے کا عہد[4]۔ (۱۵) اللہ کا خوف۔ (۱۶) اللہ کی رحمت کا امیدوار ہونا۔ (۱۷) اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ (۱۸) شکرگزاری۔ (۱۹) وَفا[5]۔ (۲۰) صَبر۔ (۲۱) تواضع جس میں بڑوں کی تعظیم بھی داخل ہے۔ (۲۲) شفقت ورحمت جس میں بچوں پر شفقت کرنا بھی داخل ہے۔ (۲۳) مُقدّر پر راضی رہنا۔ (۲۴) توکُّل[6]۔ (۲۵) خود بینی[7] اور خود ستائی[8] کا چھوڑنا، جس میں اصلاحِ نفس بھی داخل ہے۔ (۲۶) کینہ اور خَلِش[9] نہ رکھنا، جس میں حَسَد بھی داخل ہے۔ (۲۷) عینی میں یہ نمبر رہ گیا ہے، میرے خیال میں اس جگہ حیا کرنا ہے، جو کاتب کی غلطی سے رہ گیا ہے۔ (۲۸) غصہ نہ کرنا۔ (۲۹) فَریب[10] نہ دینا، جس میں بَدگُمانی نہ کرنا اور کسی کے ساتھ مَکر[11] نہ کرنا بھی داخل ہے۔ (۳۰) دنیا کی محبت دل سے نکال دینا، جس میں مال کی اور جاہ[12] کی محبت بھی داخل ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اُمورِ بالا[13] میں دل کے تمام اعمال داخل ہیں اگر کوئی چیز بظاہر خارج معلوم ہو، تو وہ غور سے ان نمبروں میں سے کسی نہ کسی نمبر میں داخل ہوگی۔

دوسری قسم: زبان کا عمل تھا۔ اس کے سات شعبے ہیں: (۱) کلمہ طیبہ کا پڑھنا۔ (۲) قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔ (۳) علم سیکھنا۔ (۴) علم دوسروں کو سکھانا۔ (۵) دعا کرنا۔ (۶) اللہ کا ذکر، جس میں اِستِغفار بھی داخل ہے۔ (۷) لَغو[14] باتوں سے بچنا۔

تیسری قسم: باقی بدن کے اعمال ہیں، یہ کل چالیس ہیں جو تین حصوں پر مُنقسِم ہیں۔

پہلا حصہ: اپنی ذاتوں سے تعلق رکھتا ہے، یہ سولہ شاخیں ہیں:

(۱) پاکی حاصل کرنا، جس میں بدن کی پاکی، کپڑے کی پاکی، مکان کی پاکی سب ہی داخل ہے اور بدن کی پاکی میں وضو بھی داخل ہے اور حیض ونفاس اور جنابت کا غُسل بھی۔ (۲) نماز کی پابندی کرنا، اس کو قائم کرنا، جس میں فرض، نفل، ادا، قضا سب داخل ہے۔ (۳) صدقہ جس میں زکوٰۃ، صدقۂ فطر وغیرہ بھی داخل ہے اور بخشش کرنا، لوگوں کو کھانا کھلانا، مہمان کا اکرام کرنا اور غلاموں کا آزاد کرنا بھی داخل ہے۔

حل لغات: (۱) دشمنی۔ (۲) دکھاوا۔ (۳) شرمندگی۔ (۴) پکا وعدہ۔ (۵) یعنی تمام احکام پر عمل کرنا۔ (۶) اللہ پر بھروسہ۔ (۷) فخر، گھمنڈ۔ (۸) اپنی تعریف کرنا۔ (۹) بگاڑ رکھنا، اَن بن۔ (۱۰) دھوکہ۔ (۱۱) چالبازی۔ (۱۲) رتبہ، منصب۔ (۱۳) اوپر ذکر کی گئیں باتیں۔ (۱۴) فضول وبیکار۔

(۴) روزہ، فرض ہو یا نفل۔ (۵) حج کرنا، فرض ہو یا نفل اور اسی میں عُمرہ بھی داخل ہے اور طواف بھی۔ (۶) اِعتِکاف کرنا جس میں لَیلَۃُ الْقَدْر کو تلاش کرنا بھی داخل ہے۔ (۷) دین کی حفاظت کے لیے گھر چھوڑنا، جس میں ہجرت بھی داخل ہے۔ (۸) نَذر[۱] کا پورا کرنا۔ (۹) قسموں کی نگہداشت[۲] کرنا۔ (۱۰) کفَّاروں کا ادا کرنا۔ (۱۱) سَتر کا نماز میں اور نماز کے علاوہ ڈھانکنا۔ (۱۲) قربانی کرنا اور قربانی کے جانوروں کی خبر گیری[۳] اور ان کا اہتمام کرنا۔ (۱۳) جنازہ کا اہتمام کرنا، اُس کے جملہ[۴] اُمور کا انتظام کرنا۔ (۱۴) قرض کا ادا کرنا۔ (۱۵) معاملات کا درست کرنا، سُود سے بچنا۔ (۱۶) سچی بات کی گواہی دینا، حق کو نہ چھپانا۔

دوسرا حِصَّہ: کسی دوسرے کے ساتھ برتاؤ کا ہے، اُس کی چھ شاخیں ہیں:

(۱) نکاح کے ذریعہ سے حرام کاری سے بچنا۔ (۲) اہل وعیال کے حقوق کی رعایت کرنا اور ان کا ادا کرنا، اس میں نوکروں اور خادموں کے حقوق بھی داخل ہیں۔ (۳) والدین کے ساتھ سلوک کرنا، نرمی بَرَتنا، فرمانبرداری کرنا۔ (۴) اولاد کی اچھی تربیت کرنا۔ (۵) صِلہ رَحمی[۵] کرنا۔ (۶) بڑوں کی فرمانبرداری اور اطاعت کرنا۔

تیسرا حصہ: حُقوقِ عامّہ[۶] کا ہے جو اٹھارہ شعبوں پر مُنقَسِم ہے:

(۱) عَدل[۷] کے ساتھ حکومت کرنا۔ (۲) حقّانی[۸] جماعت کا ساتھ دینا۔ (۳) حُکّام[۹] کی اِطاعت کرنا (بشرطیکہ خلافِ شرع[۱۰] حکم نہ ہو)۔ (۴) آپس کے معاملات کی اصلاح کرنا، جس میں مُفسِدوں[۱۱] کو سزا دینا، باغیوں سے جہاد کرنا بھی داخل ہے۔ (۵) نیک کاموں میں دوسروں کی مدد کرنا۔ (۶) نیک کاموں کا حکم کرنا اور بُری باتوں سے روکنا، جس میں تبلیغ و وعظ بھی داخل ہے۔ (۷) حُدود[۱۲] کا قائم کرنا۔ (۸) جہاد کرنا جس میں مورچوں[۱۳] کی حفاظت بھی داخل ہے۔ (۹) امانت کا ادا کرنا، جس میں خُمس[۱۴] جو غنیمت کے مالوں میں ہوتا ہے وہ بھی داخل ہے۔ (۱۰) قرض کا دینا اور ادا کرنا۔ (۱۱) پڑوسیوں کا حق ادا کرنا، ان کا اکرام کرنا۔ (۱۲) معاملہ اچھا کرنا، جس میں جائز طریقہ سے مال کا جمع کرنا بھی داخل ہے۔ (۱۳) مال کا اپنے مَحَلّ (موقع) پر خرچ کرنا، اِسراف[۱۵] اور بُخل[۱۶] سے بچنا بھی اس میں داخل ہے۔ (۱۴) سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا۔ (۱۵) چھینکنے والے کو یَرْحَمُكَ اللّٰه کہنا۔ (۱۶) دنیا کو اپنے نقصان سے، اپنی تکلیف سے بچانا۔ (۱۷) لَہو وَلَعِب[۱۷] سے بچنا۔ (۱۸) راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا۔

یہ ستتّر ۷۷ شاخیں ہوئیں، ان میں بعض کو ایک دوسرے میں مُنضَم[۱۸] بھی کیا جا سکتا ہے جیسا کہ اچھے معاملہ میں مال کا جمع کرنا اور خرچ کرنا دونوں داخل ہو سکتے ہیں، اسی طرح سے غور سے اور بھی اعداد کو کم کیا

حل لغات: (۱) منت۔ (۲) پورا کرنا، حفاظت کرنا۔ (۳) دیکھ بھال۔ (۴) تمام کام۔ (۵) رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک۔ (۶) عام لوگوں کے حق۔ (۷) انصاف۔ (۸) حق پر قائم رہنے والی۔ (۹) حاکم کی جمع، امیر، بادشاہ۔ (۱۰) شریعت کے خلاف۔ (۱۱) فسادیوں۔ (۱۲) شرعی سزائیں۔ (۱۳) سرحدوں۔ (۱۴) پانچواں حصہ۔ (۱۵) فضول خرچی۔ (۱۶) کنجوسی۔ (۱۷) کھیل تماشا۔ (۱۸) شامل۔

جاسکتا ہے اور اس لحاظ سے ستّر[۶] والی روایت یا ساٹھ[۷] والی روایت کے تحت میں بھی یہ تفصیل آسکتی ہے۔ اس تفصیل میں بندہ نے علامہ عینیؒ کے کلام کو جو بخاری شریف کی شرح میں ہے؛ اصل قرار دیا ہے کہ اُنھوں نے نمبروار ان چیزوں کو ذکر فرمایا ہے اور حافظ ابن حجرؒ کی فتح الباری اور علامہ قاریؒ کی مِرقات سے توضیح[۱] و اضافہ کیا ہے۔ عُلَماء نے لکھا ہے کہ ایمان کے سارے شعبے مُجمَلاً[۲] یہ ہیں، جو مذکور ہوئے۔ آدمی کو چاہیے کہ ان میں غور وفکر کرے، جو اوصاف اُس میں ان میں سے پائے جاتے ہوں، اُن پر اللہ جلّ شانہٗ کا شکر ادا کرے کہ اسی کی توفیق ولطف سے ہر بھلائی حاصل ہوسکتی ہے اور جن اوصاف میں کمی ہو، اُن کے حاصل کرنے کی سَعی[۳] کرے اور اللہ تعالیٰ سے اُن کے حُصول کی توفیق مانگتا رہے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ.

بابِ سوم: تسبیحاتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا

یعنی سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اور بعض روایات میں ان کلِمات کے ساتھ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ بھی وارد ہوا ہے۔ احادیث میں ان کلمات کی بہت زیادہ فضیلت آئی ہے۔ یہ کلمات ''تسبیحاتِ فاطمہؓ'' کے نام سے بھی مشہور ہیں، اس لیے کہ یہ کلمات حضور اقدس ﷺ نے اپنی سب سے زیادہ لاڈلی صاحبزادی حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی تعلیم فرمائے ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ اس باب میں چونکہ کلام پاک کی آیات اور احادیث بکثرت وارد ہوئی ہیں، اس لیے دو فصلوں پر اس کو مُنقسِم[۴] کردیا۔ پہلی فصل: آیاتِ قرآنیہ میں، دوسری: احادیث نبویہ میں۔

فصل اول

ان آیات کے بیان میں جن میں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ کا مضمون ذکر فرمایا گیا ہے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جو چیز جتنی مُہتَم بالشّان[۵] ہوتی ہے، اتنے ہی اہتمام سے ذکر کی جاتی ہے اور مختلف طریقہ سے ذہن نشین کی جاتی ہے؛ چنانچہ ان کلمات کا مفہوم بھی قرآن پاک میں مختلف طریقوں سے ذکر فرمایا گیا ہے، ان میں سب سے پہلا کلمہ ''سبحان اللہ'' ہے۔ سبحان اللہ کے معنی ہیں: اللہ جلّ شانہٗ ہر عیب اور بُرائی سے پاک ہے، میں اس کی پاکی کا پورا پورا اِقرار کرتا ہوں۔ اس مضمون کو حکم سے بھی ذکر فرمایا ہے کہ اللہ کی پاکی بیان کرو۔ خبر سے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ فرشتے اور دوسری مخلوقات اللہ کی پاکی کا اقرار و بیان کرتی رہتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح دوسرے الفاظ کا بھی یہی حال ہے کہ مختلف عُنوانات سے کلام اللہ شریف میں ان مضامین کا ذِکر فرمایا ہے۔

حل لغات: (۱) وضاحت۔ (۲) مختصر طور پر۔ (۳) کوشش۔ (۴) تقسیم کرنا۔ (۵) زیادہ اہم۔

آیت	ترجمہ
① ﴿ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ﴾ [سورہ بقرہ:۳۰]	ترجمہ: (فرشتوں کا مَقُولہ[۱] انسان کی پیدائش کے وقت) اور ہم بحمد اللہ آپ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور آپ کی پاکی کا دِل سے اقرار کرتے رہتے ہیں۔
② ﴿ قَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۳۲ ﴾ [سورہ بقرہ]	ترجمہ: (ملائکہ[۲] کا جب بمُقابلۂ انسان امتحان ہوا تو) کہا: آپ تو ہر عیب سے پاک ہیں، ہم کو تو اس کے سوا کچھ بھی علم نہیں جتنا آپ نے بتا دیا ہے، بے شک آپ بڑے علم والے ہیں، بڑی حکمت والے ہیں۔
③ ﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝۴۱ ﴾ [سورہ آل عمران]	ترجمہ: اور اپنے رب کو بکثرت یاد کیجیو اور اس کی تسبیح کیجیو دن ڈھلے بھی اور صبح کے وقت بھی۔
④ ﴿ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۱۹۱ ﴾ [سورہ آل عمران]	ترجمہ: (سمجھ دار لوگ جو اللہ کے ذکر میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں اور قدرت کے کارناموں[۳] میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں) یہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! آپ نے یہ سب بے فائدہ پیدا نہیں کیا (بلکہ بڑی حکمتیں اس میں ہیں) آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے، ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں، آپ ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا دیجیے۔
⑤ ﴿ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ﴾ [سورہ نساء:۱۷۱]	ترجمہ: وہ ذات اس سے پاک ہے کہ اُس کے اولاد ہو۔
⑥ ﴿ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ﴾ [سورہ مائدہ:۱۱۶]	ترجمہ: (قیامت میں جب حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام سے سوال ہوگا کہ اپنی اُمت کو تثلیث[۴] کی تعلیم کیا تم نے دی تھی؟ تو) وہ کہیں گے (توبہ توبہ) میں تو آپ کو (شرک سے اور ہر عیب سے) پاک سمجھتا ہوں، میں ایسی بات کیسے کہتا، جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہ تھا۔
⑦ ﴿ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۱۰۰ ﴾ [سورہ انعام]	ترجمہ: اللہ جلَّ جلالُہٗ (ان سب باتوں سے) پاک ہے، جن کو (یہ کافر لوگ) اللہ کی شان میں کہتے ہیں (کہ اُس کے اولاد ہے یا شریک ہے، وغیرہ وغیرہ)۔
⑧ ﴿ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۴۳ ﴾ [سورہ اعراف]	ترجمہ: (جب طور پر حق تعالیٰ شانہٗ کی ایک تجلّی[۵] سے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السّلام بیہوش ہو کر گر گئے تھے) پھر جب اِفاقہ[۶] ہوا تو عرض کیا کہ بیشک آپ کی ذات (ان آنکھوں کے دیکھنے سے اور ہر عیب سے) پاک ہے میں (دیدار کی درخواست سے) توبہ کرتا ہوں اور سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔
⑨ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ	ترجمہ: بے شک جو اللہ کے مُقرَّب ہیں (یعنی فرشتے) وہ اُس کی

حل لغات: ① بات، گفتگو۔ ② فرشتے۔ ③ بنائی ہوئی چیزیں۔ ④ عیسائیوں کا عقیدہ کہ خدا تین ہیں۔ ⑤ روشنی، نور۔ ⑥ آرام۔

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۩ ﴿۲۰۶﴾ [سورۂ اعراف]	عبادت سے تکبُّر نہیں کرتے اور اُس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے رہتے ہیں۔

فائدہ: صُوفیاء نے لکھا ہے کہ آیت میں تکبر کی نفی[1] کو مُقدّم[2] کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ تکبر کا اِزالہ[3] عبادات پر اہتمام کا ذریعہ ہے اور تکبر سے عبادات میں کوتاہی واقع ہوتی ہے۔

⑩ ﴿ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾ ﴾ [سورۂ توبہ]	ترجمہ: اُس کی ذات پاک ہے ان چیزوں سے، جن کو وہ (کافر اُس کا) شریک بناتے ہیں۔
⑪ ﴿ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾ ﴾ [سورۂ یونس]	ترجمہ: (ان جنتیوں کے) منہ سے یہ بات نکلے گی: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ. اور آپس کا اُن کا سلام ہوگا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اور جب دُنیا کی دِقّتوں[4] کو یاد کریں گے اور خیال کریں گے کہ اب ہمیشہ کے لیے اُن سے خلاصی[5] ہوگئی تو) آخر میں کہیں گے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.
⑫ ﴿ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱﴾ ﴾ [سورۂ نحل]	ترجمہ: وہ ذات پاک اور برتر ہے ان چیزوں سے، جن کو وہ کافر شریک بناتے ہیں۔
⑬ ﴿ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ ﴾ [سورۂ یونس: ۶۸]	ترجمہ: وہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ جلَّ شانہٗ کے اولاد ہے، اللہ اس سے پاک ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں۔
⑭ ﴿ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ﴾ [سورۂ یوسف]	ترجمہ: اور اللہ جلَّ شانہٗ (ہر عیب سے) پاک ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔
⑮ ﴿ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ﴾ [سورۂ رعد: ۱۳]	ترجمہ: اور رَعد (فرشتہ) اُس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتا ہے اور دوسرے فرشتے بھی اُس کے ڈر سے (تسبیح، تحمید کرتے ہیں)۔

فائدہ: علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص بجلی کے کَڑَکنے کے وقت سُبْحٰنَ الَّذِيْ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ پڑھے گا، اس کو بجلی کے نقصان سے حفاظت حاصل ہوگی۔ ایک حدیث میں بھی آیا ہے کہ جب بجلی کی کڑک سنا کرو، تو اللہ کا ذکر کیا کرو، بجلی ذکر کرنے والے تک نہیں جاسکتی۔ دوسری حدیث میں وارد ہے کہ بجلی کی کڑک کے وقت تسبیح کیا کرو، تکبیر نہ کہا کرو۔

⑯ ﴿ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ	ترجمہ: اور ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ (جو نامُناسب کلمات آپ کی شان میں) کہتے ہیں، ان سے آپ کو دل تنگی ہوتی ہے، پس (اس

حل لغات: ① انکار۔ ② یعنی پہلے ذکر کرنا۔ ③ ختم کرنا۔ ④ پریشانیاں ⑤ نجات، چھٹکارا۔

بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ [سورۂ حجر]	کی پرواہ نہ کیجیے) آپ اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہیں اور سجدہ کرنے والوں (یعنی نمازیوں) میں شامل رہیں اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں، یہاں تک کہ آپ کی وفات کا وقت آوے۔
(۱۷) ﴿ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱﴾ ﴾ [سورۂ نحل]	ترجمہ: وہ ذات لوگوں کے شرک سے پاک اور بالاتر[۱] ہے۔
(۱۸) ﴿ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ ﴾ [سورۂ نحل]	ترجمہ: اور وہ اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز[۲] کرتے ہیں، وہ ذات اس سے پاک ہے اور (تماشا یہ ہے کہ) اپنے لیے ایسی چیز تجویز کرتے ہیں، جس کو خود پسند کرتے ہیں۔
(۱۹) ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا ﴾ [سورۂ بنی اسرائیل:۱]	ترجمہ: ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات، جو اپنے بندے (محمد ﷺ) کو رات کے وقت مسجدِ حرام (یعنی مسجدِ کعبہ) سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی (معراج کا قصہ)۔
(۲۰) ﴿ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ ﴾ (۲۱) ﴿ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ ﴾ (۲۲) ﴿ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ ﴾ [سورۂ بنی اسرائیل:۴۴]	ترجمہ: ۲۰ تا ۲۲/ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ شانہٗ اس سے پاک اور بہت زیادہ بلند مرتبہ ہیں۔ تمام ساتوں آسمان اور زمین اور جتنے (آدمی، فرشتے اور جن) ان کے درمیان میں ہیں، سب کے سب اس کی تسبیح کرتے ہیں۔ (اور یہی نہیں بلکہ) کوئی چیز بھی (جاندار ہو یا بے جان) ایسی نہیں، جو اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو؛ لیکن تم لوگ ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔
(۲۳) ﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ﴾ [سورۂ بنی اسرئیل]	ترجمہ: (آپ ان لغو[۳] مطالبوں کے جواب میں جو وہ کرتے ہیں) کہہ دیجیے کہ سبحان اللہ میں تو ایک آدمی ہوں، رسول ہوں (خدا نہیں ہوں کہ جو چاہے کروں)۔
(۲۴) ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ ﴾ [سورۂ بنی اسرئیل]	ترجمہ: (ان علماء پر جب قرآن شریف پڑھا جاتا ہے، تو وہ ٹھوڑیوں کے بَل سجدہ میں گر جاتے ہیں) اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے، بے شک اُس کا وعدہ ضرور پورا ہونے والا ہے۔
(۲۵) ﴿ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۱۱﴾ ﴾ [سورۂ مریم]	ترجمہ: پس (حضرت زکریا علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسلام) حُجرہ[۴] میں سے باہر تشریف لائے اور اپنی قوم کو اشارہ سے فرمایا کہ تم لوگ صبح اور شام خدا کی تسبیح کیا کرو۔

حل لغات: (۱) اونچی۔ (۲) پسند کرنا۔ (۳) بیکار۔ (۴) کمرہ، گھر۔

﴿۲۶﴾ ﴿مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ﴾ [سورۂ مریم:۳۵]	ترجمہ: اللہ جلَّ شانہٗ کی یہ شان (ہی) نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے، وہ اِن سب قصّوں سے پاک ہے۔
﴿۲۷﴾ ﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآءِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ ﴾ [سورۂ طٰہٰ]	ترجمہ: (محمد ﷺ آپ اُن لوگوں کی نامناسب باتوں پر صبر کیجیے) اور اپنے رب کی حمد (وثناء) کے ساتھ تسبیح کرتے رہا کیجیے، آفتاب نکلنے سے پہلے اور غروب سے پہلے اور رات کے اوقات میں تسبیح کیا کیجیے اور دن کے اوّل وآخر میں؛ تاکہ آپ (اُس ثواب اور بے انتہا بدلے پر جو اُن کے مقابلہ میں ملنے والا ہے) بے حد خوش ہوجائیں۔
﴿۲۸﴾ ﴿يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ ﴾ [سورہ انبیاء]	ترجمہ: (اللہ کے مقبول بندے اس کی عبادت سے تھکتے نہیں) شب[۱] و روز اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، کسی وقت بھی موقوف[۲] نہیں کرتے۔
﴿۲۹﴾ ﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ ﴾ [سورہ انبیاء]	ترجمہ: اللہ تعالیٰ جو کہ مالک ہے عرش کا، ان سب اُمور سے پاک ہے، جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں (کہ نعوذ باللہ اِس کے شریک ہیں یا اس کے اولاد ہے)۔
﴿۳۰﴾ ﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ﴾ [سورہ انبیاء:۲۶]	ترجمہ: یہ (کافرلوگ) یہ کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) رحمٰن نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو) اولاد بنایا ہے، اُس کی ذات اس سے پاک ہے۔
﴿۳۱﴾ ﴿ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ﴾ [سورہ انبیاء:۷۹]	ترجمہ: ہم نے پہاڑوں کو داؤد (علیٰ نبینا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام) کے تابع[۳] کردیا تھا کہ اُن کی تسبیح کے ساتھ وہ بھی تسبیح کیا کریں اور اسی طرح پرندوں کو تابع کردیا تھا کہ وہ بھی (حضرت داؤد علیہ السلام کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کیا کریں)۔
﴿۳۲﴾ ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ ﴾ [سورہ انبیاء]	ترجمہ: (حضرت یونس علیہ السلام نے تاریکیوں میں پکارا) کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ سب عیوب سے پاک ہیں، میں بے شک قصوروار ہوں۔
﴿۳۳﴾ ﴿ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ ﴾ [سورہ مومنون]	ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان سب اُمور سے پاک ہے، جو یہ بیان کرتے ہیں۔
﴿۳۴﴾ ﴿ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ ﴾ [سورہ نور]	ترجمہ: سبحان اللہ یہ (لوگ جو کچھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں تُہمت[۴] لگاتے ہیں) بہت بڑا بہتان ہے۔
﴿۳۵﴾ ﴿يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ	ترجمہ: اُن (مسجدوں) میں ایسے لوگ صبح وشام اللہ کی تسبیح کرتے ہیں،

حل لغات: (۱) رات دن۔ (۲) یعنی نہیں رکتے۔ (۳) فرمانبردار۔ (۴) جھوٹا الزام۔

وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ [سورہ نور]	ہیں، جن کو اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خریدنا غفلت میں ڈالتا ہے، نہ فروخت[1] کرنا، وہ ایسے دن (کے عذاب) سے ڈرتے ہیں، جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں اُلٹ جائیں گی (یعنی قیامت کے دن سے)۔
۳۶ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ [سورہ نور]	ترجمہ: (اے مُخاطب) کیا تجھے (دلائل[2] اور مُشاہدہ[3] سے) یہ معلوم نہیں ہوا کہ اللہ جلَّ شانہٗ کی تسبیح کرتے ہیں، وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور (خصوصاً) پرندے بھی جو پَر پھیلائے ہوئے (اُڑتے پھرتے) ہیں، سب کو اپنی اپنی دُعا (نماز) اور اپنی اپنی تسبیح (کا طریقہ) معلوم ہے اور اللہ جلَّ شانہٗ کو سب کا حال اور جو کچھ لوگ کرتے ہیں وہ سب معلوم ہے۔
۳۷ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ۝ [سورہ فرقان]	ترجمہ: (قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ ان کافروں کو اور جن کو یہ پُوجتے تھے، سب کو جمع کر کے ان معبودوں سے پوچھے گا: کیا تم نے ان کو گُمراہ کیا تھا؟ تو) وہ کہیں گے: سبحان اللہ! ہماری کیا طاقت تھی کہ آپ کے سوا اور کسی کو کارساز[4] تجویز[5] کرتے، بلکہ (یہ احمق خود ہی بجائے شُکر کے کُفر میں مبتلا ہوئے) آپ نے ان کو اور ان کے بڑوں کو خوب ثَروَت[6] عطا فرمائی، یہاں تک کہ یہ لوگ (دولت کے نشہ میں شہوتوں میں مبتلا ہوئے اور) آپ کی یاد کو بھلا دیا اور خود ہی برباد ہو گئے۔
۳۸ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرَا ۝ [سورہ فرقان]	ترجمہ: اور اُس ذات پاک پر توکّل[7] رکھیے، جو زندہ ہے اور کبھی اس کو فنا نہیں اور اسی کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہیے (یعنی تسبیح وتحمید میں مشغول رہیے، کسی کی مُخالفت کی پرواہ نہ کیجیے) کیونکہ وہ پاک ذات اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے (قیامت میں ہر شخص کی مخالفت کا بدلہ دیا جائے گا)۔
۳۹ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ [سورہ نمل]	ترجمہ: اللہ رب العالمین ہر قسم کی کُدورت[8] سے پاک ہے۔

حل لغات: ① بیچنا۔ ② دلیل کی جمع، ثبوت۔ ③ دیکھنا۔ ④ کام بنانے والا۔ ⑤ ماننا۔ ⑥ دولت۔ ⑦ بھروسہ۔ ⑧ گندگیاں۔

آیت	ترجمہ
۴۰ ﴿ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٨﴾ ﴾ [سورہ قصص]	ترجمہ: اللہ ان سب چیزوں سے پاک ہے، جن کو یہ مُشرک بیان کرتے ہیں اور ان سے بالاتر① ہے۔
۴۱ ﴿ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿١٧﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿١٨﴾ ﴾ [سورہ روم]	ترجمہ: پس تم اللہ کی تسبیح کیا کرو شام کے وقت (یعنی رات میں) اور صبح کے وقت اور اسی کی حمد (کی جاتی) ہے، تمام آسمانوں میں اور زمین میں اور اُسی کی (تسبیح وتحمید کیا کرو) شام کے وقت بھی (یعنی عصر کے وقت بھی) اور ظہر کے وقت بھی۔
۴۲ ﴿ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٤٠﴾ ﴾ [سورہ روم]	ترجمہ: اللہ جلّ شانہٗ کی ذات پاک اور بالاتر ہے، ان چیزوں سے جن کو یہ لوگ اس کی طرف (منسوب کر کے) بیان کرتے ہیں۔
۴۳ ﴿ اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿١٥﴾ ﴾ [سورہ سجدہ]	ترجمہ: پس ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب اُن کو وہ آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں، تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے۔
۴۴ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿٤١﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿٤٢﴾ ﴾ [سورہ احزاب]	ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا ذکر خوب کثرت سے کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح کرتے رہو۔
۴۵ ﴿ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ﴾ [سورہ سبا:۴۱]	ترجمہ: (جب قیامت میں ساری مخلوق کو جمع کر کے حق تعالیٰ شانہٗ فرشتوں سے پوچھیں گے: کیا یہ لوگ تمہاری پرستش② کرتے تھے تو) وہ کہیں گے آپ (شرک وغیرہ عیوب سے) پاک ہیں، ہمارا تو محض آپ سے تعلق ہے نہ کہ اُن سے۔
۴۶ ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا ﴾ [سورہ یٰس:۳۶]	ترجمہ: وہ ذات پاک ہے جس نے تمام جوڑ کی (یعنی ایک دوسرے کے مقابل) چیزیں پیدا کیں۔
۴۷ ﴿ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٣﴾ ﴾ [سورہ یٰس]	ترجمہ: پس پاک ہے وہ ذات، جس کے قبضہ میں ہر چیز کا پورا پورا اختیار ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔
۴۸ ﴿ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿١٤٣﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿١٤٤﴾ ﴾ [سورہ صافات]	ترجمہ: پس اگر (یونس علیہ السلام) تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے، تو قیامت تک اسی (مچھلی) کے پیٹ میں رہتے۔
۴۹ ﴿ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٥٩﴾ ﴾ [سورہ صافات]	ترجمہ: اللہ کی ذات پاک ہے ان چیزوں سے، جن کو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔

حل لغات: ① اونچا، بلند۔ ② عبادت۔

﴿٥٠﴾ ﴿ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ ﴾ [سورہ صافات]	ترجمہ: (فرشتے کہتے ہیں کہ ہم سب ادب سے صَفْ بَسْتَہ[1] کھڑے رہتے ہیں) اور سب اُس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔
﴿٥١﴾ ﴿ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾ ﴾ [سورہ صافات]	ترجمہ: آپ کا رب جو عِزَّت (وعظمت) والا ہے، پاک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو پیغمبروں پر اور تمام تعریف اللہ ہی کے واسطے ثابت ہے جو تمام عالَم کا پروردگار ہے۔
﴿٥٢﴾ ﴿ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ ﴾ [سورہ ص]	ترجمہ: ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے (حضرت داؤد علیہ السلام کے) ساتھ شریک ہو کر صبح شام تسبیح کیا کریں، اسی طرح پرندوں کو بھی حکم کر رکھا تھا (جو کہ تسبیح کے وقت) ان کے پاس جمع ہو جاتے تھے اور سب (پہاڑ اور پرندے مل کر حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ) اللہ کی طرف رُجوع[2] کرنے والے (اور تسبیح وتحمید میں مشغول ہونے والے) ہوتے تھے۔
﴿٥٣﴾ ﴿ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۴﴾ ﴾ [سورہ زمر]	ترجمہ: وہ عیوب سے پاک ہے، ایسا اللہ ہے جو اکیلا ہے (کوئی اس کا شریک نہیں) زبردست ہے۔
﴿٥٤﴾ ﴿ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾ ﴾ [سورہ زمر]	ترجمہ: وہ ذات پاک اور برتر ہے اس چیز سے جس کو یہ لوگ شریک کرتے ہیں۔
﴿٥٥﴾ ﴿ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾ ﴾ [سورہ زمر]	ترجمہ: آپ (قیامت میں) فرشتوں کو دیکھیں گے کہ عرش کے چاروں طرف حلقہ باندھے کھڑے ہوں گے اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہوں گے اور (اس دن) تمام بندوں کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے گا اور (ہر طرف سے) کہا جائے گا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام عالَم کا پروردگار ہے)۔
﴿٥٦﴾ ﴿ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ	ترجمہ: جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اس کے چاروں طرف ہیں، وہ اپنے رب کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور حمد کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے اِستغفار کرتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار! آپ کی

حل لغات: (۱) صف باندھ کر۔ (۲) متوجہ ہونا۔

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۞ [سورۂ غافر]	کی رحمت اور علم ہر شے کو شامل ہے پس ان لوگوں کو بخش دیجیے جنھوں نے توبہ کرلی ہے اور آپ کے راستہ پر چلتے ہیں اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچائیے۔
﴿۵۷﴾ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۞ [سورۂ غافر]	ترجمہ: صبح اور شام (ہمیشہ) اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہیے۔
﴿۵۸﴾ فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ ۞ [سورہ حم سجدہ]	ترجمہ: جو آپ کے رب کے نزدیک ہیں (یعنی مقرّب ہیں، مراد فرشتے ہیں) وہ رات دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، ذرا بھی نہیں اُکتاتے۔
﴿۵۹﴾ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ [سورہ شوریٰ:۵]	ترجمہ: اور فرشتے اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو زمین میں رہتے ہیں ان کے لیے اِستغفار کرتے رہتے ہیں۔
﴿۶۰﴾ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۞ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۞ [سورہ زخرف]	ترجمہ: (اور تم سواریوں پر بیٹھ جانے کے بعد اپنے رب کی یاد کرو) اور کہو: پاک ہے وہ ذات، جس نے ان سواریوں کو ہمارے تابع[1] کیا اور ہم تو ایسے نہ تھے کہ ان کو تابع کر سکتے اور بے شک ہم کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔
﴿۶۱﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۞ [سورہ زخرف]	ترجمہ: آسمانوں اور زمین کا پروردگار، جو مالک ہے عرش کا بھی، پاک ہے ان چیزوں سے، جن کو یہ بیان کرتے ہیں۔
﴿۶۲﴾ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۞ [سورہ فتح]	ترجمہ: اور تسبیح کرتے رہو اس کی، صبح کے وقت اور شام کے وقت۔
﴿۶۳﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۞ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۞ [سورہ ق]	ترجمہ: پس ان لوگوں کی (نامُناسب باتوں پر) جو کچھ وہ کہیں صبر کیجیے اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہیے آفتاب نکلنے سے پہلے اور آفتاب کے غروب کے بعد اور رات میں بھی اس کی تسبیح و تحمید کیجیے اور (فرض) نمازوں کے بعد بھی تسبیح و تحمید کیجیے۔
﴿۶۴﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۞ [سورہ طور]	ترجمہ: اللہ کی ذات پاک ہے ان چیزوں سے، جن کو وہ شریک کرتے ہیں۔

حل لغات: (۱) فرمانبردار۔

﴿٦٥﴾ ﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝٤٨ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ۝٤٩ ﴾ [سورہ طور]	ترجمہ: اور اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیا کیجیے (مجلس سے یا سونے سے) اُٹھنے کے بعد (یعنی تہجد کے وقت) اور رات کے وقت بھی اس کی تسبیح کیا کیجیے اور ستاروں کے غروب ہونے کے بعد بھی۔
﴿٦٦﴾ و ﴿٦٧﴾ ﴿ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝٧٤ ﴾ (دوجگہ) [سورۂ واقعہ ٩٦]	ترجمہ: پس اپنے اُس بڑی عظمت والے رب کے نام کی تسبیح کیجیے۔
﴿٦٨﴾ ﴿ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝١ ﴾ [سورہ حدید]	ترجمہ: اللہ کی تسبیح کرتے ہیں وہ سب کچھ جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور وہ زبردست ہے اور حکمت والا ہے۔
﴿٦٩﴾ ﴿ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝١ ﴾ [سورہ حشر]	ترجمہ: اللہ کی تسبیح کرتی ہیں وہ سب چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ سب چیزیں جو زمین میں ہیں وہ زبردست ہے اور حکمت والا ہے۔
﴿٧٠﴾ ﴿ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝٢٣ ﴾ [سورہ حشر]	ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اس چیز سے، جس کو یہ شریک کرتے ہیں۔
﴿٧١﴾ ﴿ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٢٤ ﴾ [سورہ حشر]	ترجمہ: اللہ تعالیٰ شانہٗ کی تسبیح کرتی رہتی ہیں، وہ سب چیزیں، جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ وہ زبردست ہے اور حکمت والا ہے۔
﴿٧٢﴾ ﴿ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝١ ﴾ [سورہ صف]	ترجمہ: اللہ جلَّ شانہٗ کی تسبیح کرتی ہیں وہ سب چیزیں، جو آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ زبردست ہے اور حکمت والا۔
﴿٧٣﴾ ﴿ يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝١ ﴾ [سورہ جمعہ]	ترجمہ: اللہ جلَّ شانہٗ کی تسبیح کرتی ہیں، وہ سب چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں، وہ بادشاہ ہے، (سب عیبوں سے) پاک ہے، زبردست ہے، حکمت والا ہے۔
﴿٧٤﴾ ﴿ يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١ ﴾ [سورہ تغابن]	ترجمہ: اللہ جلَّ شانہٗ کی تسبیح کرتی ہیں، وہ سب چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہے، اسی کے لیے ساری سَلطَنَت ہے اور وہی تعریف کے قابل ہے اور وہ ہر شَے[١] پر قادر ہے۔

حل لغات: ① چیز۔

۷۵ و ۷۶ ﴿ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ ﴾ [سورہ قلم]	ترجمہ: ان میں سے جو افضل تھا، وہ کہنے لگا کہ میں نے تم سے (پہلے ہی) کہا نہ تھا: اللہ کی تسبیح کیوں نہیں کرتے؟ وہ لوگ کہنے لگے: سُبْحٰنَ رَبِّنَآ (ہمارا رب پاک ہے) بے شک ہم خطاوار ہیں۔
۷۷ ﴿ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾ ﴾ [سورہ الحاقہ]	ترجمہ: پس اپنے عظمت والے پروردگار کے نام کی تسبیح کرتے رہیے۔
۷۸ ﴿ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾ ﴾ [سورہ دہر]	ترجمہ: اپنے پروردگار کا صبح وشام نام لیا کیجیے اور رات کو بھی اس کے لیے سجدہ کیجیے اور رات کے بڑے حصّے میں اس کی تسبیح کیا کیجیے۔
۷۹ ﴿ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ﴿۱﴾ ﴾ [سورہ اعلی]	ترجمہ: آپ اپنے عالی شان پروردگار کے نام کی تسبیح کیا کیجیے۔
۸۰ ﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾ ﴾ [سورہ نصر]	ترجمہ: پس آپ اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہیے اور اُس سے مغفرت طلب کرتے رہیے، بیشک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

فائدہ: یہ ۸۰/آیات ہیں، جن میں اللہ جلَّ جلالُہٗ وعَمَّ نوالُہٗ کی تسبیح کا حکم ہے، اُس کی پاکی بیان کرنے اور اقرار کرنے کا حکم ہے یا اس کی ترغیب ہے۔ جس مضمون کو اللہ مالکُ الملک نے اس اہتمام سے اپنے پاک کلام میں بار بار فرمایا ہو؛ اُس کے مُہتَم بِالشَّان(۲) ہونے میں کیا تَرَدُّد(۳) ہوسکتا ہے۔ ان میں سے بہت سی آیات میں تسبیح کے ساتھ دوسرے کلمۂ تحمید یعنی اللہ کی تعریف کرنا، اس کی حمد بیان کرنا اور اسی میں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہنا بھی ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ اوپر کی آیات سے معلوم ہوگیا۔

ان کے علاوہ خاص طور پر اللہ کی تعریف کا بیان جو مفہوم ہے الحمد للہ کا، اور آیات میں بھی آیا ہے اور سب سے اہم یہ کہ اللہ جلَّ شانُہٗ کے پاک کلام کا شروع ہی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے ہے، اس سے بڑھ کر اس پاک کلمہ کی اور کیا فضیلت ہوگی کہ اللہ جلَّ جلالُہٗ نے قرآن پاک کا شروع اس سے فرمایا ہے۔

۱ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱﴾ ﴾ [سورہ فاتحہ]	ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔
۲ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱﴾ ﴾ [سورہ انعام]	ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا اور اندھیروں کو اور نور کو بنایا، پھر بھی کافر لوگ (دوسروں کو) اپنے رب کے برابر کرتے ہیں۔

حل لغات: (۱) گناہ گار۔ (۲) بہت زیادہ اہم۔ (۳) شک۔

③ ﴿ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾ ﴾ [سورۂ انعام]	ترجمہ: پھر (ہماری گرفت[1] سے) ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے (اُس کا شکر ہے) جو تمام جہانوں کا پرورِدگار ہے۔
④ ﴿ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ ۚ ﴾ [سورہ اعراف:۴۳]	ترجمہ: اور (جنت میں پہونچنے کے بعد) وہ کہنے لگے: تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، جس نے ہم کو اس مقام تک پہونچادیا اور ہم کبھی بھی یہاں تک نہ پہونچتے اگر اللہ جلَّ شانہٗ ہم کو نہ پہونچاتے۔
⑤ ﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۫ ﴾ [سورہ اعراف:۱۵۷]	ترجمہ: جو لوگ ایسے رسول، نبی، اُمّی کا اتباع کرتے ہیں، جن کو وہ لوگ اپنے پاس توارات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

فائدہ: توریت میں جو صِفات حضور ﷺ کی نقل کی گئی ہیں، اُن میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اُن کی اُمّت بہت کثرت سے اللہ کی حمد کرنے والی ہے؛ چنانچہ دُرِّ منثور میں کئی روایات سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے۔

⑥ ﴿ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ ﴾ [سورہ توبہ]	ترجمہ: (ان مُجاہدین کے اَوصاف[2] جن کے نُفوس[3] کو اللہ جلَّ شانہٗ نے جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے، یہ ہیں کہ) وہ گناہوں سے توبہ کرنے والے ہیں، اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں، اللہ کی حمد کرنے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں یا اللہ کی رضا کے لیے سفر کرنے والے ہیں، رکوع اور سجدہ کرنے والے ہیں (یعنی نمازی ہیں) نیک باتوں کا حکم کرنے والے ہیں اور بُری باتوں سے روکنے والے ہیں (تبلیغ کرنے والے ہیں) اور اللہ کے حدود کی (یعنی اَحکام کی) حفاظت کرنے والے ہیں، (ایسے) مومنوں کو آپ خوشخبری سنا دیجیے۔
⑦ ﴿ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾ ﴾ [سورہ یونس]	ترجمہ: اور آخری پکار اُن کی یہی ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے)۔
⑧ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ ﴾ [سورہ ابراہیم:۳۹]	ترجمہ: تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، جس نے بڑھاپے میں مجھ کو (دو بیٹے) اسمٰعیل و اسحٰق (عَلٰی نَبِیِّنَا وعلیہما الصَّلوٰۃ والسلام) عطا فرمائے۔
⑨ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ ﴾ [سورہ نحل]	ترجمہ: تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے (پھر بھی وہ لوگ اس طرف متوجہ نہیں ہوتے) بلکہ اکثر اُن میں سے ناسمجھ ہیں۔

حل لغات: ① پکڑ۔ ② صفات، خوبیاں۔ ③ نفس کی جمع، جان۔

آیت	ترجمہ
⑩ ﴿ يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّونَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيلًا ﴿۵۲﴾ ﴾ [سورہ بنی اسرائیل]	ترجمہ: جس دن (صور پھنکے گا اور تم کو زندہ کرکے) پکارا جائے گا تو تم (مجبوراً) اُس کی حمد (وثنا) کرتے ہوئے حکم کی تعمیل① کرو گے اور (ان حالات کو دیکھ کر) گمان کرو گے (کہ ہم دنیا میں اور قبر میں) بہت ہی کم مدت ٹھہرے تھے۔
⑪ ﴿ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾ ﴾ [سورۂ اسراء]	ترجمہ: اور آپ (عَلَی الْاِعْلَان) کہہ دیجیے کہ تمام تعریف اسی اللہ کے لیے ہے، جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ اُس کا کوئی سلطنت② میں شریک ہے اور نہ کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے اور اس کی خوب تکبیر (بڑائی بیان) کیا کیجیے۔
⑫ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ﴿۱﴾ ﴾ [سورہ کہف]	ترجمہ: تمام تعریف اُس اللہ کے لیے ہے، جس نے اپنے بندہ (محمد ﷺ) پر کتاب نازل فرمائی اور اس کتاب میں کسی قسم کی ذرا سی بھی کجی③ نہیں رکھی۔
⑬ ﴿ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾ ﴾ [سورہ مومنون]	ترجمہ: (حضرت نوح علیہ السلام کو خطاب ہے کہ جب تم کشتی میں بیٹھ جاؤ) تو کہنا کہ تمام تعریف اُس اللہ کے لیے ہے، جس نے ہمیں ظالموں سے نجات دی۔
⑭ ﴿ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾ ﴾ [سورہ نمل]	ترجمہ: اور (حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام نے) کہا: تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے، جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی۔
⑮ ﴿ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ﴾ [سورہ نمل:۵۹]	ترجمہ: آپ (خُطبہ کے طور پر) کہیے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو، جن کو اس نے منتخب فرمایا۔
⑯ ﴿ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ﴾ [سورہ نمل:۹۳]	ترجمہ: اور آپ کہہ دیجیے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے واسطے ہیں، وہ عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھاوے گا، پس تم ان کو پہچان لو گے۔
⑰ ﴿ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ ﴾ [سورہ قصص]	ترجمہ: حمد و ثنا کے لائق دنیا اور آخرت میں وہی ہے اور حکومت بھی اسی کے لیے ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔
⑱ ﴿ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ ﴾ [سورہ عنکبوت]	ترجمہ: آپ کہیے تمام تعریف اللہ ہی کے واسطے ہے (یہ لوگ مانتے نہیں) بلکہ اکثر ان میں سمجھتے بھی نہیں۔

حل لغات: ① حکم پورا کرنا۔ ② بادشاہت، حکومت۔ ③ ٹیڑھاپن۔

آیت	ترجمہ
(۱۹) ﴿ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝۱۲ ﴾ [سورہ لقمان]	ترجمہ: اور جو شخص کُفر کرے (ناشکری کرے) تو اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے، تمام خوبیوں والا ہے۔
(۲۰) ﴿ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۵ ﴾ [سورہ لقمان]	ترجمہ: آپ کہہ دیجیے: تمام تعریف اللہ کے لیے ہے (یہ لوگ مانتے نہیں) بلکہ اکثر ان میں کے جاہل ہیں۔
(۲۱) ﴿ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۲۶ ﴾ [سورہ لقمان]	ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، تمام خوبیوں والا ہے۔
(۲۲) ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ؕ ﴾ [سورہ سبا:۱]	ترجمہ: تمام تعریف اسی اللہ کے لیے ہے، جس کی ملک[1] ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اُسی کی حمد (وثنا) ہوگی آخرت میں (کسی دوسرے کی پوچھ نہیں)۔
(۲۳) ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ [سورہ فاطر:۱]	ترجمہ: تمام تعریف اللہ کے لیے ہے، جو آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے اور زمین کا۔
(۲۴) ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۱۵ ﴾ [سورہ فاطر]	ترجمہ: اے لوگو! تم مُحتاج ہو اللہ کے اور وہ بے نیاز ہے اور تمام خوبیوں والا ہے۔
(۲۵) ﴿ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۝۳۴ الَّذِيْۤ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ۝۳۵ ﴾ [سورہ فاطر]	ترجمہ: (جب مسلمان جنت میں داخل ہوں گے تو ریشمی لباس پہنائے جائیں گے) اور کہیں گے تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے، جس نے ہم سے (ہمیشہ کے لیے) رنج دور کردیا، بے شک ہمارا رب بڑا بخشنے والا، بڑا قدر کرنے والا ہے، جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ کے رہنے کے مقام میں پہونچا دیا، نہ ہم کو کوئی کُلفت[2] پہونچے گی اور نہ ہم کو کوئی خستگی[3] پہونچے گی۔
(۲۶) ﴿ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۸۱ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۸۲ ﴾ [سورہ صافات]	ترجمہ: اور سلام ہو رسولوں پر اور تمام تعریف اللہ جلَّ شانہٗ ہی کے واسطے ہے، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔
(۲۷) ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۹ ﴾ [سورہ زمر]	ترجمہ: تمام تعریف اللہ کے واسطے ہے (مگر یہ لوگ سمجھتے نہیں) بلکہ اکثر جاہل ہیں۔
(۲۸) ﴿ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ	ترجمہ: (اور جب مسلمان جنت میں داخل ہوں گے تو) کہیں گے کہ تمام تعریف اُس اللہ کے واسطے ہے، جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا

حل لغات: (۱) ملکیت۔ (۲) تکلیف۔ (۳) تھکن۔

مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿٧٤﴾ [سورہ زمر]	اور ہم کو اس زمین کا مالک بنادیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہے مقام کریں، نیک عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے۔
﴿٢٩﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٦﴾ [سورہ جاثیہ]	ترجمہ: پس اللہ ہی کے لیے تمام تعریف ہے، جو پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔
﴿٣٠﴾ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿٨﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [سورہ بروج: ۸تا۹]	ترجمہ: (ایک کافر بادشاہ کے مسلمانوں کو ستانے اور تکلیفیں دینے کا اُوپر سے ذکر ہے) اور ان کافروں نے ان مسلمانوں میں اور کوئی عیب نہیں پایا تھا، بجُز[1] اس کے وہ خدا پر ایمان لے آئے تھے، جو زبردست ہے اور تعریف کا مُستحق ہے، اُسی کے لیے سَلطَنت ہے آسمانوں اور زمین کی۔

فائدہ: ان آیات میں اللہ کی حمد اور اس کی تعریف کی ترغیب، اس کا حکم، اس کی خبر ہے۔ احادیث میں بھی کثرت سے اللہ کی تعریف کرنے والوں کے فضائل خاص طور پر ذکر کیے گئے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جَنَّت کی طرف سب سے پہلے وہ لوگ بلائے جائیں گے، جو ہر حال میں، راحت ہو یا تکلیف، اللہ کی تعریف کرنے والے ہوں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ کو اپنی تعریف بہت پسند ہے اور ہونا بھی چاہیے کہ درحقیقت تعریف کی مستحق صرف اللہ ہی کی پاک ذات ہے، غیر اللہ کی تعریف کیا؟ جس کے قبضہ میں کچھ بھی نہیں، حتی کہ وہ خود بھی اپنے قبضہ میں نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن افضل بندے وہ ہوں گے، جو کثرت سے اللہ کی حمد وثنا کرتے ہوں۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ حمد شُکر کی اصل اور بنیاد ہے، جس نے اللہ کی حمد نہیں کی، اس نے اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کیا۔ ایک حدیث میں آیا ہے: کسی نعمت پر حمد کرنا اُس نعمت کے زائل[2] ہو جانے سے حفاظت ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر دنیا ساری کی ساری میری امت میں سے کسی کے ہاتھ میں ہو اور وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے، تو یہ کہنا اُس سب سے افضل ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب حق تعالیٰ شانہٗ کوئی نعمت کسی بندہ کو عطا فرماتے ہیں اور وہ اُس نعمت پر حمد کرتا ہے تو وہ حمد بڑھ جاتی ہے، خواہ نعمت کتنی ہی بڑی ہو۔

ایک صحابی حضور ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، انھوں نے آہستہ سے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ کہا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ دعا کس نے پڑھی؟ وہ صحابی اس سے ڈرے کہ شاید کوئی نامُناسب بات ہوگئی ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کچھ مُضائقہ[3] نہیں ہے، اُس نے بُری بات نہیں کہی۔ تب اُن صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ دُعا میں نے پڑھی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تیرہ[13] فرشتوں کو دیکھا ہے کہ

حل لغات: (۱) سوائے، علاوہ۔ (۲) ختم ہونا۔ (۳) حرج۔

ہر ایک ان میں سے اس کی کوشش کرتا تھا کہ اس کلمہ کو سب سے پہلے وہ لے جائے۔ اور یہ حدیث تو مشہور ہے کہ جو مُہتَم بالشّان کام بغیر اللہ کی تعریف کے شروع کیا جائے گا، وہ بے برکت ہوگا۔ اسی وجہ سے عام طور پر ہر کتاب اللہ کی تعریف کے ساتھ شروع کی جاتی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب کسی کا بچہ مر جاتا ہے، تو حق تعالیٰ شانہٗ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرے بندے کے بچہ کی روح نکال لی؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ نکال لی۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اُس کے دل کے ٹکڑے کو لے لیا؟ وہ عرض کرتے ہیں: بے شک لے لیا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ پھر میرے بندے نے اس پر کیا کہا؟ عرض کرتے ہیں: تیری حمد کی اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اچھا اس کے بدلے میں جنت میں ایک گھر اس کے لیے بنادو اور اس کا نام ''بَيْتُ الْحَمْدِ'' (تعریف کا گھر) رکھو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس سے بے حد راضی ہوتے ہیں کہ بندہ کوئی لُقمہ کھائے یا پانی کا گھونٹ پیے اور اس پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے۔

تیسرا کلمہ ''تہلیل'' تھا یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ کہنا جس کا مُفَصَّل بیان اس سے پہلے باب میں گذر چکا ہے۔ چوتھا کلمہ ''تکبیر'' کہلاتا ہے یعنی اللہ کی بڑائی بیان کرنا اس کی بلندی اور عظمت کا اقرار کرنا جس کا مِصداق ''اللہ اکبر'' کہنا بھی ہے۔ وہ ان آیات میں بھی گذر چکا ہے۔ ان کے علاوہ صرف تکبیر کا یعنی اللہ کی عظمت اور بڑائی کا بیان بھی بہت سی آیات میں وارد ہوا ہے، جن میں سے چند آیات ذکر کی جاتی ہیں۔

آیت	ترجمہ
① ﴿ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٨٥﴾ ﴾ [سورہ بقرہ]	ترجمہ: اور تا کہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو، اس بات پر کہ تم کو ہدایت فرمائی اور تا کہ تم شکر کرو اللہ تعالیٰ کا۔
② ﴿ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ﴿٩﴾ ﴾ [سورہ رعد]	ترجمہ: وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے (سب سے) بڑا ہے اور عالی شان رُتبہ والا ہے۔
③ ﴿ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٧﴾ ﴾ [سورہ حج]	ترجمہ: اسی طرح اللہ جلَّ شانہٗ نے (قربانی کے جانوروں کو) تمہارے لیے مُسخّر کردیا، تا کہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو، اس بات پر کہ اُس نے تم کو ہدایت کی (اور قربانی کرنے کی توفیق دی) اور (محمد ﷺ) اخلاص والوں کو (اللہ کی رَضا کی) خوشخبری سنادیجیے۔
④ و ⑤ ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٦٢﴾ ﴾ [سورہ حج وسورہ لقمان: ۳۰]	ترجمہ: اور بے شک اللہ جلَّ شانہٗ ہی عالی شان اور بڑائی والا ہے۔
⑥ ﴿ حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ	ترجمہ: (جب فرشتوں کو اللہ کی طرف سے کوئی حکم ہوتا ہے، تو وہ خوف کے مارے گھبرا جاتے ہیں) یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے

حل لغات: ① بہت اہم کام۔ ② فرمانبردار۔

الْعَلِیُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾	گھبراہٹ دُور ہو جاتی ہے، تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ پروردگار کا کیا حکم ہے؟
[سورہ سبا]	وہ کہتے ہیں (کہ فلانی) حق بات کا حکم ہوا، واقعی وہ عالی شان اور بڑے مرتبہ والا ہے۔
⑦ ﴿ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴿۱۲﴾ ﴾	ترجمہ: پس حکم اللہ ہی کے لیے ہے، جو عالی شان ہے،
[سورہ مومن]	بڑے رُتبہ والا ہے۔
⑧ ﴿ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪	ترجمہ: اور اسی (پاک ذات) کے لیے بڑائی ہے آسمانوں
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾ ﴾ [سورہ جاثیہ]	اور زمین میں اور وہی زبردست، حکمت والا ہے۔
⑨ ﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ ﴾ [سورہ حشر: ۲۳]	ترجمہ: وہ ایسا معبود ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے، (سب عیبوں سے) پاک ہے، (سب نقصانات سے) سَالِم[1] ہے، امن دینے والا ہے، نگہبانی کرنے والا ہے (یعنی آفتوں سے بچانے والا ہے) زبردست ہے، خرابی کا درست کرنے والا ہے، بڑائی والا ہے۔

فائدہ: ان آیات میں اللہ جلّ شانہٗ کی بڑائی اور عظمت کی ترغیب اور اس کا حکم فرمایا گیا ہے۔ احادیث میں بھی خصوصیت کے ساتھ اللہ کی بڑائی کا حکم، اس کی ترغیب کثرت سے وارد ہوئی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جب یہ دیکھو کہ کہیں آگ لگ گئی تو تکبیر (یعنی اللہ اکبر کثرت سے) پڑھا کرو، یہ اُس کو بُجھادے گی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ تکبیر (یعنی اللہ اکبر کہنا) آگ کو بجھا دیتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ تکبیر کہتا ہے، تو اُس کا نور زمین سے آسمان تک سب چیزوں کو ڈھانک لیتا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مجھے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تکبیر کا حکم کیا۔ ان آیات و احادیث کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و رفعت، اس کی حمد و ثنا اور عُلوِّ[2] شان کو مُختلف عُنْوانات سے کلام اللہ شریف میں بہت سے مختلف الفاظ سے ذکر فرمایا ہے۔ ان کے علاوہ بہت سی آیات ایسی ہیں، جن میں ان تسبیحات کے الفاظ ذِکر نہیں فرمائے لیکن مراد یہ تسبیحات ہیں، چنانچہ چند آیات حسبِ[3] ذیل ہیں۔

① ﴿ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ ﴾ [سورہ بقرہ]	ترجمہ: پس حاصل کر لیے حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمے (ان کے ذریعہ سے توبہ کی) پس اللہ تعالیٰ نے رحمت کے ساتھ ان پر توجہ فرمائی، بے شک وہی ہے بڑی توبہ قبول کرنے والا، بڑا مہربان۔

فائدہ: ان کلمات کی تفسیر میں مختلف احادیث وارد ہوئی ہیں منجملہ اُن کے یہ ہے کہ وہ کلمات یہ تھے:

حل لغات: ① محفوظ۔ ② بڑا مرتبہ۔ ③ نیچے لکھے ہوئے۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ عَمِلْتُ سُوْءً وَّظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ إِنَّكَ أَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ. لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ عَمِلْتُ سُوْءً وَّظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَارْحَمْنِيْ إِنَّكَ أَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ. لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ رَبِّ عَمِلْتُ سُوْءً وَّظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ.

اِس قسم کے مضمون کی اور بھی مُتعدّد احادیث وارد ہوئی ہیں، جن کو علّامہ سُیوطیؒ نے دُرِّ منثور میں لکھا ہے اور ان میں تسبیح وتحمید مذکور ہے۔

② ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝١٦٠﴾ [سورۂ انعام]	ترجمہ: جو شخص ایک نیکی لے کے آوے گا، اس کو دس گنا اَجر ملے گا اور جو شخص برائی لے کر آوے گا اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

فائدہ: نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جو مسلمان ان کا اہتمام کرلے، جنت میں داخل ہو اور وہ دونوں بہت معمولی چیزیں ہیں، مگر ان پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں۔ ایک یہ کہ سُبْحَانَ اللهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ہر نماز کے بعد دس ۱۰ دس مرتبہ پڑھ لیا کرے، تو روزانہ ایک سو پچاس ۱۵۰ مرتبہ (پانچوں نمازوں کے بعد کا مجموعہ) ہوجائے گا اور دس ۱۰ گنا ہوجانے کی وجہ سے پندرہ سو ۱۵۰۰ نیکیاں حساب میں شمار کی جائیں گی، اور دوسری چیز یہ کہ سوتے وقت اَللّٰهُ اَكْبَرُ چونتیس ۳۴ مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تینتیس ۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللهِ تینتیس ۳۳ مرتبہ پڑھ لیا کرے، تو سو کلمے ہوگئے، جن کا ثواب ایک ہزار نیکیاں ہوگئیں۔ اب ان کی اور دن بھر کی نمازوں کے بعد کی میزان① کل دو ہزار پانچ سو نیکیاں ہوگئیں۔ بھلا اعمال تولنے کے وقت ڈھائی ہزار بُرائیاں روزانہ کی کس کی ہوں گی، جو ان پر غالب آجائیں؟ بندۂ ناچیز کہتا ہے: صحابۂ کرام میں اگرچہ ایسا کوئی نہ ہوگا جس کی ڈھائی ہزار بُرائیاں روزانہ ہوں؛ مگر اس زمانہ میں ہم لوگوں کی بداعمالیاں روزانہ کی اس سے بھی بدرجہا③ زائد ہیں، لیکن نبیٔ اکرم ﷺ (رُوحی فداہ④) نے اپنی شفقت سے برائیوں پر نیکیوں کے غالب آجانے کا نسخہ ارشاد فرمادیا، عمل کرنا نہ کرنا بیمار کا کام ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ کیا بات ہے کہ یہ دونوں چیزیں ایسی سہل⑤ اور ان کو کرنے والے بہت کم ہیں؟ حضور ﷺ نے

حل لغات: ① آپ کے سوا کوئی معبود نہیں آپ پاک ہیں اور قابل تعریف اے میرے رب میں نے غلطی کی اور اپنے نفس پر ظلم کیا ہماری توبہ قبول فرما، بیشک آپ سب سے بہتر بخشنے والے ہیں، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں آپ قابل تعریف ہیں اے میرے رب میں نے غلطی کی اور اپنے نفس پر ظلم کیا مجھ پر رحم فرمائیے بیشک آپ سب سے بہتر رحم کرنے والے ہیں، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں آپ قابل تعریف ہیں اے میرے رب میں نے غلطی کی اور اپنے نفس پر ظلم کیا میری توبہ قبول فرمائیے بیشک آپ توبہ قبول فرمانے والے بڑے مہربان ہیں۔ ② تعداد۔ ③ بہت زیادہ۔ ④ میری جان ان پر قربان۔ ⑤ آسان۔

ارشادفرمایا کہ سونے کا وقت ہوتا ہے تو شیطان ان کے پڑھنے سے پہلے ہی سُلا دیتا ہے اور نماز کا وقت ہوتا ہے تو وہ کوئی ایسی بات یاد دِلاتا ہے کہ پڑھنے سے پہلے ہی اُٹھ کر چلا جاوے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے ارشادفرمایا: کیا تم اس سے عاجز ہو کہ ہزار نیکیاں روزانہ کمالیا کرو، کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہزار نیکیاں روزانہ کس طرح کمائیں۔ ارشادفرمایا کہ سُبْحَانَ اللہ سومرتبہ پڑھو، ہزار نیکیاں ہوجائیں گی۔

③ ﴿ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝ ﴾ [سورۂ کہف]	ترجمہ: مال اور اولاد دنیاوی زندگی کی ایک رونق (فقط) ہے اور باقیاتِ صالحات (وہ نیک اعمال جو ہمیشہ رہنے والے ہیں) وہ تمہارے رب کے نزدیک ثواب کے

اعتبار سے بھی (بدرجہا) بہتر ہیں اور اُمید کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں (کہ ان کے ساتھ امیدیں قائم کی جائیں، بخلاف مال اور اولاد کے کہ اُن سے اُمیدیں قائم کرنا بے کار ہے)۔

④ ﴿ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ۝ ﴾ [سورہ مریم]	ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ہدایت والوں کی ہدایت بڑھاتا ہے اور باقیاتِ صالحات تمہارے رب کے نزدیک ثواب کے اِعتبار سے بھی بہتر ہیں اور انجام کے اِعتبار سے بھی۔

فائدہ: اگرچہ باقیاتِ صالحات (وہ نیک عمل جو ہمیشہ رہنے والے ہیں) میں سارے ہی ایسے اعمال داخل ہیں، جن کا ثواب ہمیشہ ملتا رہتا ہے؛ لیکن بہت سی احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ اس کا مصداق یہی تسبیحیں ہیں۔ حضورِ اقدس ﷺ نے ارشادفرمایا ہے کہ باقیاتِ صالحات کو کثرت سے پڑھا کرو۔ کسی نے دریافت کیا کہ وہ کیا چیزیں ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشادفرمایا کہ تکبیر (اَللہُ أَکْبَر کہنا)، تہلیل (لَا إِلٰهَ إِلَّا اللہ کہنا) تسبیح (سُبْحَانَ اللہ کہنا)، تحمید (اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنا) اور لَا حَولَ وَلَا قُوَّۃَ إِلَّا بِاللہ۔ دوسری حدیث میں آیا ہے: حضور ﷺ نے ارشادفرمایا کہ دیکھو خبردار رہو سُبْحَانَ اللہ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللہ، اَللہُ أَکْبَر باقیاتِ صالحات میں ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دیکھو اپنی حفاظت کا انتظام کرلو، کسی نے پوچھا: یارسول اللہ! کسی دشمن کے حملہ سے جو درپیش ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ جہنم کی آگ سے حفاظت کا انتظام کرو اور وہ سُبْحَانَ اللہ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللہ، اَللہُ أَکْبَر کا نہ پڑھنا ہے کہ یہ قیامت کے دن آگے بڑھنے والے کلمے ہیں (کہ سفارش کریں، یا آگے بڑھانے والے ہیں کہ پڑھنے والے کو جنت کی طرف بڑھاتے ہیں) اور پیچھے رہنے والے ہیں (کہ حفاظت کریں) احسان کرنے والے ہیں اور یہی باقیاتِ صالحات ہیں۔ اور بھی بہت سی روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے، جن کو علّامہ سُیُوطیؒ نے دُرِّ مَنْثور میں ذکر فرمایا ہے۔

حل لغات: ① سامنے۔

ترجمہ: اللہ ہی کے واسطے ہیں کُنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی ۔	⑤ ﴿لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ [سورۂ شوریٰ:۱۲]

فائدہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے ﴿مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ یعنی آسمانوں اور زمین کی کُنجیوں کے بارے میں دریافت کیا، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْأَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ہیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ: سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ ہیں اور یہ عرش کے خزانہ سے نازل ہوئی۔ اور بھی روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔

ترجمہ: اُسی کی طرف اچھے کلمے پہونچتے ہیں اور نیک عمل اُن کو پہونچاتا ہے۔	⑥ ﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ﴾ [سورۂ فاطر:۱۰]

فائدہ: کلمۂ طیبہ کے بیان میں بھی اس آیت کا ذکر گذر چکا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تمھیں ہم کوئی حدیث سناتے ہیں، تو قرآن شریف سے اُس کی سند اور تائید بتادیتے ہیں۔ مسلمان جب سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ پڑھتا ہے، تو فرشتہ اپنے پَروں میں نہایت اِحتیاط سے ان کلموں کو آسمان پر لے جاتا ہے اور جس آسمان پر گذرتا ہے، اُس آسمان کے فرشتے اُس پڑھنے والے کے لیے مغفرت کی دُعا کرتے ہیں اور اُس کی تائید یہ آیت شریفہ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ ہے۔ حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ کے لیے عرش کے گرداگرد ایک بِھنبھناہٹ[۲] ہے، جس میں اپنے پڑھنے والوں کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔ بعض روایات میں حضرت کعبؒ نے حضور ﷺ سے یہ مضمون نقل کیا ہے اور ایک دوسرے صحابی حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس قسم کا مضمون خود حضور اقدس ﷺ ہی سے نقل کیا ہے۔

فصل دوم

اُن احادیث کے بیان میں، جن میں ان کَلمات کی فضیلت اور ترغیب ذکر فرمائی گئی ہے۔

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ دو کلمے ایسے ہیں کہ زبان پر بہت ہلکے اور ترازو میں بہت وزنی اور اللہ کے نزدیک بہت محبوب ہیں، وہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اور سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ہیں۔	① عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ، حَبِيْبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ.

[رواه البخاري ومسلم والترمذي والنسائي وابن ماجه كذا في الترغيب]

حل لغات: ① چاروں طرف۔ ② مکھیوں کے اُڑنے کی آواز، مراد ہلکی آواز۔

فائدہ: زبان پر ہلکے کا مطلب یہ ہے کہ پڑھنے میں نہ وقت خرچ ہو کہ بہت مختصر ہیں، نہ یاد کرنے میں کوئی دِقّت یا دیر لگے اوراس کے باوجود جب اعمال کے تولنے کا وقت آئے گا، تو ترازو میں اِن کلموں کی کثرت کی وجہ سے بہت زیادہ وزن ہوجائے گا اوراگر کوئی بھی فائدہ نہ ہوتا تو بھی اس سے بڑھ کر کیا چیز بھی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ دو کلمے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ اِمامِ بُخاریؒ نے اپنی کتاب ''صحیح بخاری'' کو ان ہی دوکلموں پرختم فرمایا اوریہی حدیث کتاب کے ختم پرذکرفرمائی ہے۔ ایک حدیث میں ارشادِ نبوی ہے کہ کوئی شخص تم میں سے اس بات کونہ چھوڑے کہ ہزارنیکیاں روزانہ کرلیا کرے، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سومرتبہ پڑھ لیا کرے، ہزارنیکیاں ہوجائیں گی۔ اتنے گناہ تو ان شاء اللہ روزانہ کے ہوں گے بھی نہیں اور اس تسبیح کے علاوہ جتنے نیک کام کیے ہوں گے ان کا ثواب علیحدہ نفع میں رہا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص صبح وشام ایک ایک تسبیح سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کی پڑھے، اس کے گناہ معاف ہوجائیں گے، خواہ سمندر کے جھاگوں[1] سے بھی زیادہ ہوں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ سے گناہ ایسے جھڑتے ہیں، جیسے (سردی میں) درخت سے پتے جھڑتے ہیں۔

② عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ ﷺ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَلَا أُخْبِرُكَ بِأَحَبِّ الْكَلَامِ إِلَى اللّٰهِ ؟ قُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَخْبِرْنِيْ بِأَحَبِّ الْكَلَامِ إِلَى اللّٰهِ . فَقَالَ : إِنَّ أَحَبَّ الْكَلَامِ إِلَى اللّٰهِ : سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ.	حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تجھے بتاؤں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ کلام کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: ضرور بتادیں۔ ارشاد فرمایا: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ. دوسری حدیث میں ہے سُبْحَانَ رَبِّيْ وَبِحَمْدِهٖ. ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ اللہ نے جس چیز کو اپنے فرشتوں کے لیے اِختیار فرمایا، وہی افضل ترین ہے اور وہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ ہے۔

[رواه مسلم والنسائي والترمذي إلا أنه قال: سبحان ربي وبحمده، وقال: حسن صحيح. وعزاه السيوطي في الجامع الصغير إلى مسلم وأحمد والترمذي ورقم له بالصحة. وفي رواية لمسلم: أن رسول الله ﷺ سُئل أي الكلام أفضل؟ قال: ما اصطفى الله لملئكته أو لعباده: سبحان الله وبحمده. كذا في الترغيب. قلت: وأخرج الأخير الحاكم وصححه على شرط مسلم: وأقره عليه الذهبي. وذكره السيوطي في الجامع برواية أحمد عن رجل مختصرا ورقم له بالصحة].

فائدہ: پہلی فصل میں کئی آیتوں میں یہ مضمون گذر چکا ہے کہ ملائکہ جو عرش کے قریب ہیں اوران کے علاوہ سب اللہ جلّ جلالہٗ کی تسبیح وتحمید میں مشغول رہتے ہیں، اُن کا مشغلہ[2] یہی ہے کہ وہ اللہ کی پاکی بیان کرنے میں اورحمد کرنے میں مشغول رہیں۔ اسی وجہ سے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانے کا وقت ہوا، تو انھوں نے یہی بارگاہِ الٰہی میں ذکر کیا کہ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ. جیسا کہ اس سے پہلی فصل کی پہلی

حل لغات: ① وہ سفید بلبلے جو پانی کے زور یا اُبال کے آنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ ② کام۔

آیت میں گذر چکا ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ آسمان (عَظمتِ الٰہی کے بوجھ سے) بولتا ہے (چرُ چراتا ہے، جیسا کہ چار پائی وغیرہ وزن سے بولنے لگتی ہے) اور آسمان کے لیے حق ہے کہ وہ بولے (کہ ہَیبتِ¹ کا بوجھ سخت ہوتا ہے) قسم ہے اس پاک ذات کی، جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے کہ آسمان میں ایک بالِشت جگہ بھی ایسی نہیں، جہاں کوئی فرشتہ سجدہ کی حالت میں اللہ کی تسبیح وتحمید میں مشغول نہ ہو۔

(۳) عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِيْ طَلْحَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ أَوْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، وَمَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ مِائَةَ مَرَّةٍ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ مِائَةَ أَلْفِ حَسَنَةٍ وَّأَرْبَعًا وَّعِشْرِيْنَ أَلْفَ حَسَنَةٍ. قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِذًا لَايَهْلِكُ مِنَّا أَحَدٌ، قَالَ: بَلٰى إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَجِيْءُ بِالْحَسَنَاتِ لَوْ وُضِعَتْ عَلٰى جَبَلٍ أَثْقَلَتْهُ، ثُمَّ تَجِيْءُ النِّعَمُ فَتَذْهَبُ بِتِلْكَ، ثُمَّ يَتَطَاوَلُ الرَّبُّ بَعْدَ ذٰلِكَ بِرَحْمَتِهٖ.

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہے، اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی اور جو شخص سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سو مرتبہ پڑھے گا، اس کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی۔ صحابہ ﷺ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایسی حالت میں تو کوئی بھی (قیامت میں) ہلاک نہیں ہوسکتا (کہ نیکیاں ہی غالب رہیں گی) حضور ﷺ نے فرمایا (بعض لوگ پھر بھی ہلاک ہوں گے اور کیوں نہ ہوں) بعض آدمی اتنی نیکیاں لے کر آئیں گے کہ اگر پہاڑ پر رکھ دی جائیں، تو وہ دب جائے؛ لیکن اللہ کی نعمتوں کے مقابلہ میں وہ کالعَدم² ہو جائیں گی۔ البتہ اللہ جلَّ شانہٗ پھر اپنی رحمت اور فضل سے دستگیری³ فرمائیں گے۔

[رواه الحاكم وقال: صحيح الإسناد كذا في الترغيب: قلت وأقره عليه الذهبي]

فائدہ: اللہ کی نعمتوں کے مقابلہ میں دب جانے اور کالعدم ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ قیامت میں جہاں نیکیاں اور برائیاں تولی جائیں گی، وہاں اس چیز کا بھی مُطالبہ⁴ اور مُحاسبہ⁵ ہوگا کہ اللہ جلَّ شانہٗ نے جو نعمتیں عطا فرمائی تھیں، ان کا کیا حق ادا کیا اور کیا شکر ادا کیا۔ بندہ کے پاس ہر چیز اللہ ہی کی عطا کی ہوئی ہے، ہر چیز کا ایک حق ہے۔ اس حق کی ادائیگی کا مطالبہ ہونا ہے۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ يُصْبِحُ عَلٰى كُلِّ سُلَامٰى مِنْ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ. [الحديث في المشكوٰة برواية مسلم. قلت: ورواه أبو داوٗد و ابن ماجه]

جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر صبح کو ہر آدمی کے ہر جوڑ اور ہڈی پر ایک صدقہ واجب ہوتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آدمی میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، اس کے ذمہ ضروری ہے کہ ہر جوڑ کی طرف سے ایک صدقہ کرے، یعنی اس بات کے شکر میں کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے سونے کے بعد جو مر جانے کے مُشابہ⁶ حالت

حل لغات: (۱) رعب۔ (۲) ختم۔ (۳) مدد۔ (۴) پوچھ گچھ۔ (۵) حساب کتاب۔ (۶) ایک جیسی۔

تھی، پھر از سرِ نو[1] زندگی بخشی اور ہر ہر عضو صحیح وسالم رہا۔ صحابہ ﷡ نے عرض کیا: اتنے صدقہ روزانہ کرنے کی طاقت کون رکھتا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہر تسبیح صدقہ ہے، ہر تکبیر صدقہ ہے، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ایک مرتبہ کہنا صدقہ ہے، اَللّٰهُ اَكْبَر کہنا صدقہ ہے، راستہ سے کسی تکلیف دینے والی چیز کا ہٹا دینا صدقہ ہے۔ غرض بہت سے صدقات شمار کرائے۔ اس قسم کی اور بھی احادیث ہیں، جن سے آدمی کی اپنی ذات میں جو اللہ کی نعمتیں ہیں، ان کا بیان ہے۔ اس کے علاوہ کھانے پینے راحت وآرام کے متعلق جتنی اللہ کی نعمتیں ہر وقت مُیَسَّر ہوتی ہیں وہ مزید[2] براں۔

قرآن پاک میں سورۂ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ میں بھی اس کا ذکر ہے کہ قیامت میں اللہ کی نعمتوں سے بھی سوال ہوگا۔ حضرت ابن عباس ﷠ فرماتے ہیں کہ بدن کی صحّت، کانوں کی صحت، آنکھوں کی صحت سے سوال ہوگا کہ اللہ نے یہ نعمتیں اپنے لُطف سے عطا فرمائیں، ان کو اللہ کے کس کام میں خرچ کیا۔ (یا چوپاؤں کی طرح صرف پیٹ پالنے میں خرچ کیا)، چنانچہ دوسری جگہ سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ ﴾[سورۂ اسراء] (کان، آنکھ، دِل ہر شخص سے ان سب کی قیامت کے دن پوچھ ہوگی کہ ان چیزوں کا استعمال کہاں کیا)۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جن نعمتوں سے سوال ہوگا، ان میں بے فکری جو اللہ کی بڑی دولت ہے اور صحتِ بدن بھی ہے۔ مُجاہدؒ کہتے ہیں کہ دنیا کی ہر لذت نعمتوں میں داخل ہے، جن سے سوال ہوگا۔ حضرت علی ﷛ فرماتے ہیں کہ اس میں عافیت بھی داخل ہے۔ ایک شخص نے حضرت علی ﷛ سے پوچھا کہ ﴿ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝ ﴾[سورۂ تکاثر] (پھر اُس دن نعمتوں سے بھی سوال کیے جاؤ گے) کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ گیہوں کی روٹی اور ٹھنڈا پانی مراد ہے کہ اس سے بھی سوال ہوگا اور رہنے کے مکان سے بھی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کن نعمتوں کا سوال ہوگا؟ آدھی بھوک روٹی ملتی ہے وہ بھی جو کی (پیٹ بھرائی روٹی بھی میسر نہیں)۔ وحی نازل ہوئی، کیا پاؤں میں جوتا نہیں پہنتے؟ کیا ٹھنڈا پانی نہیں پیتے؟ یہ بھی تو اللہ کی نعمتیں ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ بعض صحابہ ﷡ نے اس آیت شریفہ کے نازل ہونے پر عرض کیا: یا رسول اللہ! کن نعمتوں سے سوال ہوگا؟ کھجور اور پانی صرف یہ دو چیزیں کھانے پینے کو ملتی ہیں اور ہماری تلواریں (جہاد کے لیے) ہر وقت کندھوں پر رہتی ہیں اور دشمن (کافر کوئی نہ کوئی) مقابل[3] (جس کی وجہ سے وہ دو چیزیں بھی اطمینان اور بے فکری سے نصیب نہیں ہوتیں)۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب نعمتیں میسّر[4] ہونے والی ہیں۔

ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت میں جن نعمتوں سے سوال ہوگا، ان میں سب سے اوّل یہ ہوگا کہ ہم نے تیرے بدن کو تندرستی عطا فرمائی (یعنی اس تندرستی کا کیا حق ادا کیا اور اس میں اللہ کی

حل لغات: (۱) نئے سرے سے۔ (۲) اس سے زیادہ۔ (۳) سامنے۔ (۴) حاصل۔

رضا کی کیا خدمت ادا کی) اور ہم نے ٹھنڈے پانی سے تجھ کو سَیراب کیا۔ (درحقیقت اللہ کی بڑی نعمت ہے، جہاں ٹھنڈا پانی مُیَسَّر نہیں ہوتا، ان سے کوئی اس کی قدر پوچھے۔ یہ اللہ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ حد نہیں، مگر ہم لوگوں کو اس کے نعمتِ[1] عظیمہ ہونے کی طرف اِلتفات[2] بھی نہیں ہوتا، چہ جائیکہ اس کا شکر اور اس کی ادائیگیٔ حق)۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جن نعمتوں سے سوال ہوگا یہ ہیں: وہ روٹی کا ٹکڑا جس سے پیٹ بھرا جاتا ہے، وہ پانی جس سے پیاس بجھائی جاتی ہے، وہ کپڑا جس سے بدن ڈھانکا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ دوپہر کے وقت سخت دھوپ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پریشان ہوکر گھر سے چلے، مسجد پہونچے ہی تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی حالت میں تشریف لے آئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بیٹھا ہوا دیکھ کر دریافت کیا کہ تم اس وقت یہاں کہاں؟ فرمایا کہ بھوک کی بے تابی[3] نے پریشان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: واللہ اسی چیز نے مجھے بھی مجبور کیا کہ کہیں جاؤں۔ یہ دونوں حضرات یہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ سردارِ دو عالم نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، ان کو دیکھ کر دریافت فرمایا کہ تم اس وقت کہاں؟ عرض کیا: یارسول اللہ! بھوک نے پریشان کیا جس سے مُضطَرِب[4] ہوکر نکل پڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسی مجبوری سے میں بھی آیا ہوں۔ تینوں حضرات اِکٹھے ہوکر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہونچے۔ وہ تشریف نہیں رکھتے تھے، بیوی نے بڑی مَسَرَّت واِفْتِخار سے ان حضرات کو بٹھایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ابوایوب کہاں گئے ہیں؟ عرض کیا: ابھی حاضر ہوتے ہیں، کسی ضرورت سے گئے ہوئے ہیں۔ اتنے میں ابوایوب رضی اللہ عنہ بھی حاضرِ خدمت ہوگئے اور فَرطِ[5] خوشی میں کھجور کا ایک بڑا سا خوشہ توڑ کر لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سارا خُوشہ[6] کیوں توڑا اس میں کچی اور اَدھ کچری بھی ٹوٹ گئیں، چھانٹ کر پکی ہوئی توڑ لیتے۔ انھوں نے عرض کیا: اس خیال سے توڑا کہ ہر قسم کی سامنے ہوں، جو پسند ہو وہ نوش فرماویں (کہ بعض مرتبہ پکی ہوئی سے اَدھ کچری زیادہ پسند ہوتی ہے) خوشہ سامنے رکھ کر جلدی سے گئے اور ایک بکری کا بچہ ذبح کیا اور جلدی جلدی کچھ تو ویسے ہی بھون لیا، کچھ سالن تیار کرلیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روٹی میں تھوڑا سا گوشت رکھ کر ابواَیوب کو دیا کہ یہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پہونچا دو، اس کو بھی کئی دن سے کچھ نہیں مل سکا وہ فوراً پہونچا کر آئے، ان حضرات نے بھی سَیر ہوکر نوش فرمایا، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دیکھو یہ اللہ کی نعمتیں ہیں، روٹی ہے، گوشت ہے، ہر قسم کی کچی اور پکی کھجوریں ہیں۔ یہ فرما کر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور ارشاد فرمایا: اُس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! یہی وہ نعمتیں ہیں جن سے قیامت میں سوال ہوگا (جن حالات کے تحت میں اس وقت یہ چیزیں میسر ہوئی تھیں، ان کے لحاظ سے) صحابہ رضی اللہ عنہم کو بڑی گِرانی[7] اور فکر پیدا ہوگیا (کہ ایسی مجبوری اور اِضطِرار[8] کی حالت

حل لغات: (۱) بہت بڑی نعمت۔ (۲) خیال۔ (۳) بے چینی۔ (۴) بے چین۔ (۵) خوشی کی زیادتی۔ (۶) گُچھا۔ (۷) بوجھ۔ (۸) بے قراری۔

میں یہ چیزیں میسر آئیں اوران پر بھی سوال وحساب ہو)۔حضور ﷺ نے ارشادفرمایا کہ اللہ کا شکرادا کرناتو ضروری ہے ہی، جب اس قسم کی چیزوں پر ہاتھ ڈالوتو اوّل بِسْمِ اللّٰهِ پڑھواور جب کھا چکوتو کہو: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هُوَ أَشْبَعَنَا وَأَنْعَمَ عَلَيْنَا وَأَفْضَلَ (تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے،جس نے ہم کو پیٹ بھر کرکھلایا اور ہم پر انعام فرمایا اور بہت زیادہ عطا کیا) اس دعا کا پڑھنا شکرادا کرنے میں کافی ہے۔

اس قسم کے واقعات کئی مرتبہ پیش آئے، جومُتعدد احادیث میں مُختلف عُنوانات سے ذکر کیے گئے ہیں؛ چنانچہ ایک مرتبہ اَبُوالْہَیثَم مالک ابن تَیہان رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے جانے کی نوبت آئی۔اسی قسم کا ایک واقعہ ایک اور صاحب کے ساتھ پیش آیا جن کو واقفی کہا جاتا تھا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گذر ایک شخص پر ہوا، جو کوڑھی بھی تھا اور اندھا، بہرا، گونگا بھی تھا۔آپ نے ساتھیوں سے دریافت فرمایا کہ تم لوگ اللہ کی کچھ نعمتیں اس شخص پر بھی دیکھتے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا: اس کے پاس کون سی نعمت ہے؟ آپ نے ارشادفرمایا کہ کیا پیشاب سہولت سے نہیں کرسکتا۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت میں تین دربار ہیں: ایک دربار میں نیکیوں کا حساب ہے، دوسرے میں اللہ کی نعمتوں کا حساب ہے، تیسرے میں گناہوں کا مطالبہ ہے۔نیکیاں نعمتوں کے مُقابلہ میں ہوجائیں گی اور برائیاں باقی رہ جائیں گی، جو اللہ کے فضل کے تحت میں ہوں گی۔ان سب کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ کی جس قدر نعمتیں ہر آن[1] اور ہر دم آدمی پر ہوتی ہیں، ان کا شکر کرنا، ان کا حق ادا کرنا بھی آدمی کے ذمہ ہے۔اس لیے جتنی مقدار بھی نیکیوں کی پیدا ہوسکے، ان کو حاصل کرنے میں کمی نہ کرے اور کسی مقدار کو بھی زیادہ نہ سمجھے کہ وہاں پہونچ کر معلوم ہوگا کتنے کتنے گناہ ہم نے اپنی آنکھ، ناک، کان اور دوسرے بدن کے حصوں سے ایسے کیے ہیں، جن کو ہم گناہ بھی نہ سمجھے۔حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے، جس کی قیامت میں اللہ کے یہاں پیشی نہ ہو کہ اس وقت نہ کوئی پردہ درمیان میں حائل[2] ہوگا، نہ ترجمان (وکیل وغیرہ) دائیں طرف دیکھے گا تو اپنے اعمال کا اَنبار[3] ہوگا، بائیں طرف دیکھے گا تب یہی منظر ہوگا، جس قسم کے بھی اچھے یا بُرے اعمال کیے ہیں وہ سب ساتھ ہوں گے، جہنم کی آگ سامنے ہوگی؛ اس لیے جہاں تک ممکن ہو صدقہ سے جہنم کی آگ کو دفع[4] کرو، خواہ کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت میں سب سے اوّل یہ سوال ہوگا کہ ہم نے تجھے بدن کی صحت عطا کی اور ٹھنڈا پانی پینے کو دیا (یعنی ان چیزوں کا کیا حق ادا کیا) دوسری حدیث میں ہے کہ اُس وقت تک آدمی حساب کے میدان سے نہ ہٹے گا، جب تک پانچ چیزوں کا سوال نہ ہوجائے۔(۱) عمر کس کام میں خرچ کی؟ (۲) جوانی (کی قوت) کس مشغلہ میں صَرف[5] کی؟ (۳) مال کس طریقہ سے کمایا اور (۴) کس طریقہ سے خرچ کیا (یعنی کمائی کے اور خرچ کے طریقے جائز

حل لغات: (۱) ہر وقت۔ (۲) آڑ، بیچ میں آنے والا۔ (۳) ڈھیر۔ (۴) دور۔ (۵) خرچ کرنا۔

تھے یا ناجائز)؟ (۵) جو کچھ علم حاصل کیا (خواہ کسی درجہ کا ہو) اس میں کیا عمل کیا (یعنی جو مسائل معلوم تھے ان پر عمل کیا یا نہیں)؟۔

(۴) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: لَقِيْتُ إِبْرَاهِيْمَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيْ، فَقَالَ: يَامُحَمَّدُ اِقْرَأْ أُمَّتَكَ مِنِّي السَّلَامَ وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ الْجَنَّةَ طَيِّبَةُ التُّرْبَةِ عَذْبَةُ الْمَاءِ، وَأَنَّهَا قِيْعَانٌ وَّأَنَّ غِرَاسَهَا: سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ.

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ شبِ معراج میں جب میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی، تو انھوں نے فرمایا کہ اپنی اُمت کو میرا سلام کہہ دینا اور یہ کہنا کہ جنت کی نہایت عمدہ پاکیزہ مٹی ہے اور بہترین پانی؛ لیکن وہ بالکل چٹیل میدان ہے اور اس کے پودے (درخت) سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ ہیں، (جتنے کسی کا دل چاہے درخت لگالے)۔

[رواه الترمذي والطبراني في الصغير والأوسط وزاد: وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ. وقال الترمذي: حسن غريب من هذا الوجه. ورواه الطبراني أيضا بإسناد واه. من حديث سلمان الفارسي. وعن ابن عباس مرفوعًا ((مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ غُرِسَ لَهٗ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ شَجَرَةٌ فِي الْجَنَّةِ)) رواه الطبراني وإسناده حسن لابأس به في المتابعات. وعن جابر مرفوعًا ((مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ غُرِسَتْ لَهٗ نَخْلَةٌ فِي الْجَنَّةِ)) رواه الترمذي وحسنه والنسائي إلا أنه قال: شجرة. وابن حبان في صحيحه والحاكم في الموضعين بإسنادين، قال في أحدهما: على شرط مسلم، وفي الآخر: على شرط البخاري، وذكره في الجامع الصغير برواية الترمذي وابن حبان والحاكم ورقم له بالصحة. وعن أبي هريرة أن النبي ﷺ ((مَرَّ بِهٖ وَهُوَ يَغْرِسُ)) الحديث، رواه ابن ماجه بإسناد حسن والحاكم وقال: صحيح الإسناد، كذا في الترغيب وعزاه في الجامع إلى ابن ماجه والحاكم ورقم له بالصحة. قلت: وفي الباب من حديث أبي أيوب مرفوعًا رواه أحمد بإسناد حسن وابن أبي الدنيا وابن حبان في صحيحه. ورواه ابن أبي الدنيا والطبراني من حديث ابن عمر أيضًا مرفوعًا مختصرًا إلا أن في حديثهما الحوقلة فقط كما في الترغيب. قلت: وذكر السيوطي في الدرّ حديث ابن عباس مرفوعًا بلفظ حديث ابن مسعود وقال: أخرجه ابن مردويه، وذكر أيضا حديث ابن مسعود ﷺ وقال: أخرجه الترمذي وحسنه، والطبراني وابن مردويه، قلت: وذكره في الجامع الصغير برواية الطبراني ورقم له بالصحة. وذكر في مجمع الزوائد عدة روايات في معنى هذا الحديث]

ایک حدیث میں اس کے بعد لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ بھی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ان کلموں میں سے ہر کلمہ کے بدلے ایک درخت جنت میں لگایا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھے گا، ایک درخت جنت میں لگایا جاوے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ تشریف لے جارہے تھے۔ حضرت ابوہریرہ ﷺ کو دیکھا کہ ایک پودا لگا رہے ہیں۔ دریافت فرمایا: کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے عرض کیا: درخت لگا رہا ہوں، ارشاد فرمایا: میں بتاؤں بہترین

پودے جولگائے جاویں سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ ہر کلمہ سے ایک درخت جنت میں لگتا ہے۔

فائدہ: حضور اقدس ﷺ کے ذریعہ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے سلام بھیجا ہے، اس لیے علماء نے لکھا ہے کہ جس شخص کے پاس یہ حدیث پہونچے، اس کو چاہیے کہ حضرت خلیل اللہ کے سلام کے جواب میں ''وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہے۔ اس کے بعد ارشاد ہے کہ جنت کی مٹی بہترین ہے اور پانی میٹھا۔ اس کے دو مطلب ہیں: اوّل یہ کہ صرف اس جگہ کی حالت کا بیان کرنا ہے کہ بہترین جگہ ہے، جس کی مٹی کے متعلق احادیث میں آیا ہے کہ مُشک وزعفران کی ہے اور پانی نہایت لذیذ، ایسی جگہ ہر شخص اپنا مسکن[1] بنانا چاہتا ہے اور تفریح وراحت کے لیے باغ وغیرہ لگانے کے اسباب مُہیّا[2] ہوں تو کون چھوڑ سکتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ زمین بہتر اور پانی بہتر ہو، وہاں پیداوار بہت اچھی ہوتی ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ سُبْحَانَ اللهِ کہہ دینے سے ایک درخت وہاں قائم ہو جائے گا اور پھر وہ جگہ اور پانی کی عمدگی کی وجہ سے خود ہی نشوونما[3] پاتا رہے گا، صرف ایک بیج ڈال دینا ہے، باقی سب کچھ خود ہی ہو جاوے گا۔

اس حدیث میں جنت کو چٹیل میدان فرمایا ہے اور جن احادیث میں جنت کا حال بیان کیا گیا ہے، ان میں جنت میں ہر قسم کے میوے، باغ، درختوں وغیرہ کا موجود ہونا بتایا گیا ہے، بلکہ جنت کے معنی ہی ''باغ'' کے ہیں، اس لیے بظاہر اِشکال[4] واقع ہوتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اصل کے اعتبار سے وہ میدان ہے؛ لیکن جس حالت پر وہ نیک عمل لوگوں کو دی جائے گی، ان کے اعمال کے موافق اس میں باغ اور درخت وغیرہ موجود ہوں گے۔ دوسری توجیہ بعض علماء نے یہ فرمائی ہے کہ جنت کے وہ باغ وغیرہ اُن اعمال کے موافق ملیں گے، جب ان اعمال کی وجہ سے اور ان کے برابر ملے تو گویا یہ اعمال ہی درختوں کا سبب ہوئے۔ تیسری توجیہ یہ فرمائی گئی ہے کہ کم سے کم مقدار جو ہر شخص کے حصہ میں ہے وہ ساری دنیا سے کہیں زائد ہے، اس میں بہت سے حصہ میں خود اپنے اصلی باغ موجود ہیں اور بہت سا حصہ خالی پڑا ہوا ہے، جتنا کوئی ذکر تسبیح وغیرہ کرے گا اُتنے ہی درخت اَور لگ جائیں گے۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا گنگوہیؒ کا ارشاد جو ''کوکبِ دُرّی'' میں نقل کیا گیا ہے، یہ ہے کہ اس کے سارے درخت خمیر[5] کی طرح سے ایک جگہ مُجتمع[6] ہیں، ہر شخص جس قدر اعمالِ خیر کرتا رہتا ہے، اتنا ہی اس کے حصہ کی زمین میں لگتے رہتے ہیں اور نشوونما پاتے رہتے ہیں۔

⑤ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ هَالَهُ اللَّيْلُ أَنْ	حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص رات کی مشقت جھیلنے سے ڈرتا ہو (کہ راتوں کو جاگنے اور عبادت میں

حل لغات: (۱) مکان۔ (۲) موجود۔ (۳) ترقی، پھلنا پھولنا۔ (۴) یعنی اعتراض۔ (۵) گندھے ہوئے آٹے کی طرح۔ (۶) اکٹھا۔

يُكَابِدَهُ أَوْ بَخِلَ بِالْمَالِ أَنْ يُنْفِقَهُ أَوْ جَبُنَ عَنِ الْعَدُوِّ أَنْ يُقَاتِلَهُ، فَلْيُكْثِرْ مِنْ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ فَإِنَّهَا أَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنْ جَبَلِ ذَهَبٍ يُنْفِقُهُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ.	مشغول رہنے سے قاصِر① ہو) یا بُخل کی وجہ سے مال خرچ کرنا دشوار ہو یا بزدلی کی وجہ سے جہاد کی ہمت نہ پڑتی ہو، اس کو چاہیے کہ سُبْحَانَ اللهِ، وَبِحَمْدِهٖ کثرت سے پڑھا کرے کہ اللہ کے نزدیک یہ کلام پہاڑ کی بقدر سونا خرچ کرنے سے بھی زیادہ محبوب ہے۔

[رواه الفريابي والطبراني واللفظ له وهو حديث غريب ولا بأس بإسناده إن شاء الله كذا في الترغيب. وفي مجمع الزوائد: رواه الطبراني وفيه سليمان بن أحمد الواسطي، وثقه عبدان وضعفه الجمهور، والغالب على بقية رجاله التوثيق. وفي الباب عن أبي هريرة ﷺ مرفوعًا أخرجه ابن مردويه، وابن عباس ﷺ أيضا عند ابن مردويه كذا في الدرّ].

فائدہ: کس قدر اللہ کا فضل ہے کہ ہر قسم کی مَشَقَّت سے بچنے والوں کے لیے بھی فضائل اور درجات کا دروازہ بند نہیں فرمایا۔ راتوں کو نہیں جاگا جاتا، کنجوسی سے پیسہ خرچ نہیں ہوتا، بزدِلی اور کم ہمتی سے جہاد جیسا مبارک عمل نہیں ہوتا، اس کے بعد بھی اگر دین کی قدر ہے، آخرت کا فکر ہے، تو اُس کے لیے بھی راستہ کھلا ہوا ہے، پھر بھی کچھ نہ کما سکے تو کم نصیبی کے سوا اور کیا ہے؟ پہلے یہ مضمون ذرا تفصیل سے گذر چکا ہے۔

⑥ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَحَبُّ الْكَلَامِ إِلَى اللهِ أَرْبَعٌ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ، لَا يَضُرُّكَ بِأَيِّهِنَّ بَدَأْتَ.	حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کلام چار کلمے ہیں: سُبْحَانَ اللهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ، ان میں سے جس کو چاہے پہلے پڑھے اور جس کو چاہے بعد میں (کوئی خاص ترتیب نہیں)۔ ایک حدیث میں ہے کہ یہ کلمے قرآن پاک میں بھی موجود ہیں۔

[رواه مسلم وابن ماجه والنسائي وزاد: وهنّ من القرآن. ورواه النسائي أيضًا وابن حبان في صحيحه من حديث أبي هريرة ﷺ كذا في الترغيب وعزا السيوطي حديث سمرة إلى أحمد أيضًا ورقم له بالصحة، وحديث أبي هريرة إلى مسند الفردوس للديلمي ورقم له أيضًا بالصحة.

فائدہ: یعنی قرآن پاک کے الفاظ میں بھی یہ کلمے کثرت سے وارد ہوئے ہیں اور قرآن پاک میں ان کا حکم، ان کی ترغیب وارد ہوئی ہے؛ چنانچہ پہلی فصل میں مفصل بیان ہو چکا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ عیدوں کو ان کلموں کے ساتھ مُزَیَّن② کیا کرو یعنی عید کی زینت یہ ہے کہ ان کلموں کا کثرت سے وِرد کیا جائے۔

⑦ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: إِنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِيْنَ أَتَوْا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَقَالُوْا: قَدْ ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُوْرِ بِالدَّرَجَاتِ	حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک مرتبہ فقراء مہاجرین جمع ہو کر حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! یہ مالدار سارے بلند درجے لے اُڑے اور ہمیشہ کی رہنے والی نعمت

حل لغات: ① مجبور۔ ② سجایا گیا، زینت دیا گیا۔

الْعُلٰی وَالنَّعِیْمِ الْمُقِیْمِ. فَقَالَ: وَمَا ذَاكَ؟ قَالُوْا: يُصَلُّوْنَ كَمَا نُصَلِّيْ وَيَصُوْمُوْنَ كَمَا نَصُوْمُ، وَيَتَصَدَّقُوْنَ وَلَا نَتَصَدَّقُ، وَيُعْتِقُوْنَ وَلَا نُعْتِقُ؛ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أَفَلَا أُعَلِّمُكُمْ شَيْئًا تُدْرِكُوْنَ بِهٖ مَنْ سَبَقَكُمْ، وَتَسْبِقُوْنَ بِهٖ مَنْ بَعْدَكُمْ، وَلَا يَكُوْنُ أَحَدٌ أَفْضَلَ مِنْكُمْ إِلَّا مَنْ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ. قَالُوْا: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: تُسَبِّحُوْنَ وَتُكَبِّرُوْنَ وَتُحَمِّدُوْنَ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ مَرَّةً. قَالَ أَبُوْ صَالِحٍ: فَرَجَعَ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوْا: سَمِعَ إِخْوَانُنَا أَهْلُ الْأَمْوَالِ بِمَا فَعَلْنَا فَفَعَلُوْا مِثْلَهٗ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ. [متفق عليه وليس قول أبي صالح إلى اٰخره إلا عند مسلم وفي رواية للبخاري: تُسَبِّحُوْنَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ عَشْرًا وَّتُحَمِّدُوْنَ عَشْرًا وَّتُكَبِّرُوْنَ عَشْرًا بَدَلَ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ كذا في المشكوٰة. وَعَنْ أَبِيْ ذر ﷺ بنحو هذا الحديث وفيه إِنَّ بِكُلِّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةٌ وَبِكُلِّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةٌ وَفِيْ بُضْعِ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ: قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَأْتِيْ أَحَدُنَا شَهْوَتَهٗ يَكُوْنُ لَهٗ فِيْهَا أَجْرٌ؟ [الحديث أخرجه أحمد وفي الباب عن أبي الدرداء عند أحمد]

انھیں کے حصے میں آگئی، حضور ﷺ نے فرمایا کیوں؟ عرض کیا کہ نماز روزہ میں تو یہ ہمارے شریک کہ ہم بھی کرتے ہیں، یہ بھی، اور مالدار ہونے کی وجہ سے یہ لوگ صدقہ کرتے ہیں، غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم ان چیزوں سے عاجز ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمھیں ایسی چیز بتاؤں کہ تم اس پر عمل کرکے اپنے سے پہلوں کو پکڑلو اور بعد والوں سے بھی آگے بڑھے رہو اور کوئی شخص تم سے اس وقت تک افضل نہ ہو جب تک ان ہی اعمال کو نہ کرے۔ صحابہ ﷺ نے عرض کیا: ضرور بتادیجیے۔ ارشاد فرمایا کہ ہر نماز کے بعد سُبْحَانَ اللّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اَللّٰہُ أَکْبَر ۳۳/۳۳/۳۳ مرتبہ پڑھ لیا کرو (ان حضرات نے شروع کردیا؛ مگر اس زمانہ کے مالدار بھی اسی نمونہ کے تھے، انھوں نے بھی معلوم ہونے پر شروع کردیا) تو فُقَراء دوبارہ حاضر ہوئے کہ یارسول اللہ! ہمارے مالدار بھائیوں نے بھی سن لیا اور وہ بھی یہی کرنے لگے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ اللہ کا فضل ہے، جس کو چاہے عطا فرمائے، اس کو کون روک سکتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں بھی اسی طرح یہ قصہ ذکر کیا گیا، اس میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمہارے لیے بھی اللہ نے صدقہ کا قائم مقام بنا رکھا ہے، سُبْحَانَ اللّٰہِ ایک مرتبہ کہنا صدقہ ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ایک مرتبہ کہنا صدقہ ہے، بیوی سے صحبت کرنا صدقہ ہے۔ صحابہ ﷺ نے تعجب سے عرض کیا: یارسول اللہ! بیوی سے ہم بستری میں اپنی شہوت پوری کرے اور یہ صدقہ ہو جائے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر حرام میں مُبتلا ہو تو گناہ ہوگا یا نہیں؟ صحابہ ﷺ نے عرض کیا: ضرور ہوگا۔ ارشاد فرمایا: اسی طرح حلال میں صدقہ اور اجر ہے۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ اس نیت سے صحبت کرنا کہ حرام کاری سے بچے، ثواب اور اجر کا سبب ہے۔ اسی قصہ کی ایک دوسری حدیث میں اس اشکال کے جواب میں کہ بیوی سے ہم بستری اپنی شہوت کا پورا کرنا ہے، حضور ﷺ کا یہ جواب نقل کیا گیا ہے: بتاؤ اگر بچہ پیدا ہو جائے پھر وہ جوان ہونے لگے اور تم اس کی خوبیوں کی اُمید باندھنے لگو پھر وہ مرجائے، کیا تم ثواب کی اُمید رکھتے ہو؟ عرض کیا گیا: بے شک اُمید ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیوں تم نے اس کو پیدا کیا؟ تم نے اس کو ہدایت کی تھی؟ تم نے اس کو روزی دی تھی؟ بلکہ اللہ ہی نے پیدا کیا ہے، اُسی نے ہدایت دی ہے، وہی روزی عطا کرتا تھا۔ اسی طرح صحبت سے تم نُطْفَہ کو حلال جگہ رکھتے ہو پھر اللہ کے قبضہ میں ہے کہ چاہے اس کو زندہ کرے کہ اُس سے اولاد پیدا کردے یا مردہ کرے کہ اولاد پیدا نہ ہو۔ اس حدیث کا مُقْتَضٰی[1] یہ ہے کہ یہ اجر و ثواب بچہ کے پیدا ہونے کا سبب ہونے کی وجہ سے ہے۔

⑧ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنْ سَبَّحَ اللهَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ، وَحَمِدَ اللهَ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ، وَكَبَّرَ اللهَ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ، وَقَالَ: تَمَامُ الْمِأَةِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، غُفِرَتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ. [رواه مسلم كذا في المشكوٰة وكذا في مسند أحمد]	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد سُبْحَانَ اللهِ ۳۳ مرتبہ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۳۳ مرتبہ، اللهُ أَكْبَرُ ۳۳ مرتبہ اور ایک مرتبہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ پڑھے؛ اُس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، خواہ اتنی کثرت سے ہوں جتنے سمندر کے جھاگ[2]۔

فائدہ: خطایا کی مغفرت کے بارہ میں پہلے کئی حدیثوں کے تحت میں بحث گذر چکی ہے کہ ان خطایا سے مراد عُلَماء کے نزدیک صغیرہ گناہ ہیں۔ اس حدیث میں تین کلمے ۳۳/۳۳ مرتبہ اور لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ ایک مرتبہ وارد ہوا ہے۔ اس سے اگلی حدیث میں دو کلمے ۳۳/۳۳ مرتبہ اور اللهُ أَكْبَرُ ۳۴ مرتبہ آرہا ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ہم کو حضور اقدس ﷺ نے سُبْحَانَ اللهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اللهُ أَكْبَرُ ہر ایک کو ۳۳ مرتبہ ہر نماز کے بعد پڑھنے کا حکم فرمایا تھا۔ ایک انصاری نے خواب میں دیکھا: کوئی شخص کہتا ہے کہ ہر ایک کلمہ کو پچیس مرتبہ کرلو اور ان کے ساتھ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ پچیس مرتبہ کا اضافہ کرلو۔ حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا گیا۔ حضور ﷺ نے قبول فرمالیا اور اس کی اجازت فرمادی کہ ایسا ہی کرلیا جائے۔ ایک حدیث میں سُبْحَانَ اللهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اللهُ أَكْبَرُ ہر کلمہ کو ہر نماز کے بعد گیارہ مرتبہ کا حکم ہے اور ایک حدیث میں

حل لغات: ① مطلب۔ ② وہ سفید بلبلے جو پانی کے زور یا اُبال آنے سے پیدا ہوتے ہیں۔

۱۰۱/۱۰۱ مرتبہ وارد ہوا ہے۔ ایک حدیث میں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ۱۰۰ مرتبہ، باقی تینوں کلمے ہر ایک ۳۳ مرتبہ۔ ایک حدیث میں ہر نماز کے بعد چاروں کلمے ۱۰۰/۱۰۰ مرتبہ وارد ہوئے ہیں۔ جیسا کہ حصن حصین میں ان روایات کو ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اختلاف بظاہر حالات کے اِختلاف کی وجہ سے ہے کہ آدمی فراغت اور مشاغل[1] کے اِعتبار سے مختلف ہیں، جو لوگ دوسرے ضروری کاموں میں مشغول ہیں ان کے لیے کم مقدار تجویز فرمائی اور جو لوگ فارغ ہیں اُن کے لیے زیادہ مقدار؛ لیکن مُحقِّقین کی رائے یہ ہے کہ جو عدَدًا احادیث میں مذکور ہیں، اُن کی رعایت ضروری ہے کہ جو چیز دوا کے طور پر استعمال کی جاتی ہے، اس میں مِقدار کی رعایت بھی اہم ہے۔

⑨ عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ ﷛ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مُعَقِّبَاتٌ لَايَخِيْبُ قَائِلُهُنَّ أَوْ فَاعِلُهُنَّ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ مَّكْتُوْبَةٍ ثَلٰثٌ وَّثَلٰثُوْنَ تَسْبِيْحَةً وَّثَلٰثٌ وَّثَلٰثُوْنَ تَحْمِيْدَةً وَّأَرْبَعٌ وَّثَلٰثُوْنَ تَكْبِيْرَةً.	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ چند پیچھے آنے والے (کلمات) ایسے ہیں جن کا کہنے والا نامراد نہیں ہوتا، وہ یہ ہیں کہ ہر فرض نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ، ۳۳ مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، ۳۴ مرتبہ، اللّٰهُ أَكْبَرُ.

[رواه مسلم كذا في المشكوٰة. وعزاه السيوطي في الجامع إلى أحمد ومسلم والترمذي والنسائي ورقم له بالضعف. وفي الباب عن أبي الدرداء عند الطبراني]

فائدہ: ان کلمات کو پیچھے آنے والے یا تو اس وجہ سے فرمایا کہ یہ نمازوں کے بعد پڑھے جاتے ہیں، یا اس وجہ سے کہ گناہوں کے بعد پڑھنے سے اُن کو دھونے اور مٹادینے والے ہیں، یا اس وجہ سے کہ یہ کلمات ایک دوسرے کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔ حضرت ابودرداء ﷛ فرماتے ہیں کہ ہمیں نمازوں کے بعد سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، ۳۳/۳۳ بار اور اللّٰهُ أَكْبَرُ ۳۴ مرتبہ پڑھنے کا حکم کیا گیا ہے۔

⑩ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَفَعَهٗ أَمَا يَسْتَطِيْعُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَّعْمَلَ كُلَّ يَوْمٍ مِّثْلَ أُحُدٍ عَمَلًا؟ قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَ مَنْ يَّسْتَطِيْعُ؟ قَالَ: كُلُّكُمْ يَسْتَطِيْعُ. قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاذَا؟ قَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ أَعْظَمُ مِنْ أُحُدٍ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ أَعْظَمُ مِنْ أُحُدٍ، وَّالْحَمْدُ لِلّٰهِ أَعْظَمُ	حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: کیا تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے کہ روزانہ اُحد (جو مدینہ منورہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے) کے برابر عمل کر لیا کرے؟ صحابہ ﷡ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس کی کون طاقت رکھتا ہے (کہ اتنے بڑے پہاڑ کی برابر عمل کرے)۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر شخص طاقت رکھتا ہے۔ صحابہ ﷡ نے عرض کیا: اس کی کیا صورت ہے؟ ارشاد فرمایا

حل لغات: ① مشغلہ کی جمع، کام

مِنْ أُحُدٍ، وَّاللهُ أَكْبَرُ أَعْظَمُ مِنْ أُحُدٍ.
[للكبير والبزار كذا في جمع الفوائد، وإليهما عزاه في الحصن ومجمع الزوائد، وقال: رجالهما رجال الصحيح]

کہ سُبْحَانَ اللهِ کا ثواب اُحد سے زیادہ ہے، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کا اُحد سے زیادہ ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کا اُحد سے زیادہ ہے، اللهُ أَكْبَر کا اُحُد سے زیادہ ہے۔

فائدہ: یعنی ان کلموں میں سے ہر کلمہ ایسا ہے، جس کا ثواب اُحد پہاڑ سے زیادہ ہے اور ایک پہاڑ کیا، نہ معلوم کتنے ایسے پہاڑوں سے زیادہ ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ سُبْحَانَ اللهِ ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سارے آسمانوں اور زمینوں کو ثواب سے بھر دیتے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ سُبْحَانَ اللهِ کا ثواب آدھی ترازو ہے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اس کو پُر کر دیتی ہے اور اللهُ أَكْبَر آسمان زمین کے درمیان کو پر کر دیتی ہے۔ ایک حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ سُبْحَانَ اللهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، اللهُ أَكْبَر مجھے ہر اس چیز سے زیادہ محبوب ہے، جس پر آفتاب نکلے۔ مُلّا عَلیؒ فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ ساری ہی دنیا اللہ کے واسطے خرچ کر دوں، تو اس سے بھی یہ زیادہ محبوب ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہوائی تخت پر تشریف لے جا رہے تھے، پرندے آپ پر سایہ کیے ہوئے تھے اور جن و اِنس وغیرہ لشکر دو قطار[1]، ایک عابد پر گذر ہوا جس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس وُسعتِ ملکی[2] اور عمومِ سلطنت[3] کی تعریف کی۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مومن کے اعمال نامہ میں ایک تسبیح سلیمان بن داؤد کے سارے ملک سے اچھی ہے کہ یہ ملک فنا ہو جائے گا اور تسبیح باقی رہنے والی چیز ہے۔

⑪ عَنْ أَبِيْ سَلَّامٍ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: بَخٍّ بَخٍّ خَمْسٌ مَّا أَثْقَلَهُنَّ فِي الْمِيْزَانِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ وَسُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالْوَلَدُ الصَّالِحُ يُتَوَفّٰى فَيَحْتَسِبُهُ وَالِدُهُ. [الحديث]

ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ واہ واہ پانچ چیزیں (اعمال نامہ تُلنے کی) ترازو میں کتنی زیادہ وزنی ہیں: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، اللهُ أَكْبَر، سُبْحَانَ اللهِ ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور وہ بچہ جو مر جائے اور باپ (اسی طرح ماں بھی) اُس پر صبر کرے۔

[أخرجه أحمد في مسنده ورجاله ثقات كما في مجمع الزوائد والحاكم، وقال: صحيح الإسناد وأقره عليه الذهبي. وذكره في الجامع الصغير برواية البزار عن ثوبان وبرواية النسائي وابن حبان والحاكم عن أبي سلمى وبرواية أحمد عن أبي أمامة ورقم له بالحسن. وذكره في مجمع الزوائد برواية ثوبان وأبي سلمى راعي رسول الله أو سفينة مولى رسول الله ﷺ لم يسم وصحح بعض طرقها]

فائدہ: یہ مضمون کئی صحابہ ﷺ سے متعدد احادیث میں نقل کیا گیا ہے۔ بَخ بَخ بڑے سُرور[4] اور فرحت کا کلمہ ہے۔ جس چیز کو حضورِ اقدس ﷺ اس خوشی اور مسرت سے ارشاد فرما رہے ہوں، عطا فرما رہے ہوں، کیا محبت کا دعویٰ کرنے والوں کے ذمہ نہیں ہے کہ ان کلموں پر مَرمِٹیں کہ حضور کی اس خوشی کی قدردانی[5] اور اس کا اِستقبال یہی ہے۔

حل لغات: ① لائن۔ ② ملک کی کشادگی۔ ③ ہر مخلوق پر بادشاہت، عام حکومت۔ ④ خوشی۔ ⑤ قدر کرنا۔

⑫ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ رَجُلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: قَالَ نُوْحٌ لِّابْنِهٖ: إِنِّيْ مُوْصِيْكَ بِوَصِيَّةٍ وَقَاصِرُهَا لِكَيْ لَا تَنْسَاهَا، أُوْصِيْكَ بِاثْنَتَيْنِ وَأَنْهَاكَ عَنِ اثْنَتَيْنِ، أَمَّا اللَّتَانِ أُوْصِيْكَ بِهِمَا فَيَسْتَبْشِرُ اللهُ بِهِمَا وَصَالِحُ خَلْقِهٖ وَهُمَا يُكْثِرَانِ الْوُلُوْجَ عَلَى اللهِ، أُوْصِيْكَ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فَإِنَّ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ لَوْكَانَتَا حَلْقَةً قَصَمَتْهُمَا وَلَوْ كَانَتَا فِيْ كِفَّةٍ وَّزَنَتْهُمَا، وَأُوْصِيْكَ بِسُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ فَإِنَّهُمَا صَلٰوةُ الْخَلْقِ وَبِهِمَا يُرْزَقُ الْخَلْقُ وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ إِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا. وَأَمَّا اللَّتَانِ أَنْهَاكَ عَنْهُمَا فَيَحْتَجِبُ اللهُ مِنْهُمَا وَصَالِحُ خَلْقِهٖ. أَنْهَاكَ عَنِ الشِّرْكِ وَالْكِبْرِ.

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اور اس خیال سے کہ بھول نہ جاؤ، نہایت مختصر کہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ دو کام کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور دو کاموں سے روکتا ہوں۔ جن دو کاموں کے کرنے کی وصیت کرتا ہوں، وہ دونوں ایسے ہیں کہ اللہ جلَّ جلالہٗ ان سے نہایت خوش ہوتے ہیں، اور اللہ کی نیک مخلوق ان سے خوش ہوتی ہے، ان دونوں کاموں کی اللہ کے یہاں رَسائی[1] (اور مقبولیت) بھی بہت زیادہ ہے۔ ان دو میں سے ایک لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ ہے کہ اگر تمام آسمان ایک حلقہ ہو جائیں تو بھی یہ پاک کلمہ ان کو توڑ کر آسمان پر جائے بغیر نہ رہے اور اگر تمام آسمان و زمین کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے میں یہ پاک کلمہ ہو، تب بھی وہی پلڑا جھک جائے گا اور دوسرا کام جو کرنا ہے وہ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ کا پڑھنا ہے کہ یہ کلمہ ساری مخلوق کی عبادت ہے اور اسی کی برکت سے تمام مخلوق کو روزی دی جاتی ہے، کوئی بھی چیز مخلوق میں ایسی نہیں، جو اللہ کی تسبیح نہ کرتی ہو؛ مگر تم لوگ ان کا کلام سمجھتے نہیں ہو۔ اور جن دو چیزوں سے منع کرتا ہوں، وہ شرک اور تکبُّر ہے کہ ان دونوں کی وجہ سے اللہ سے حجاب[2] ہو جاتا ہے اور اللہ کی نیک مخلوق سے حجاب ہو جاتا ہے۔

[رواه النسائي واللفظ له والبزار والحاكم من حديث عبدالله بن عمرو رضي الله عنهما وقال: صحيح الإسناد كذا في الترغيب. قلت: وقد تقدم في بيان التهليل حديث عبدالله بن عمرو رضي الله عنهما مرفوعًا. وتقدم فيه أيضًا ما في الباب. وتقدم في الآيات قوله عزّ اسمه: ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ . الاٰية. وأخرج ابن جرير وابن أبي حاتم وأبو الشيخ في العظمة عن جابر مرفوعًا: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِشَيْءٍ أَمَرَ بِهٖ نُوْحٌ ابْنَهٗ، إِنَّ نُوْحًا قَالَ لِابْنِهٖ: يَابُنَيَّ اٰمُرُكَ أَنْ تَقُوْلَ سُبْحَانَ اللهِ فَإِنَّهَا صَلٰوةُ الْخَلْقِ وَتَسْبِيْحُ الْخَلْقِ وَبِهَا يُرْزَقُ الْخَلْقُ. وأخرج أحمد وابن مردويه عن ابن عمر. مرفوعًا إِنَّ نُوْحًا لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ، قَالَ لِابْنَيْهِ: اٰمُرُكُمَا بِسُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ، فَإِنَّهَا صَلٰوةُ كُلِّ شَيْءٍ وَّبِهَا يُرْزَقُ كُلُّ شَيْءٍ. كذا في الدر]

فائدہ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ کے بیان میں بھی اس حدیث کا مضمون گذر چکا ہے۔ تسبیح کے متعلق جو ارشاد

حل لغات: [1] پہونچ۔ [2] پردہ، آڑ۔

اس حدیث میں ہے، قرآن پاک کی آیات میں بھی گذر چکا ہے۔ ﴿وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ﴾ [سورۂ اسراء:۴۴] قرآن پاک کی آیت ہے۔ نبیٔ اکرم ﷺ کا ارشاد بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے کہ شبِ معراج میں آسمانوں کی تسبیح حضورِ اقدس ﷺ نے خود سنی۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کا ایسی جماعت پر گذر ہوا، جو اپنے گھوڑوں اور اونٹوں پر کھڑی ہوئی تھی، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جانوروں کو ممبر اور کرسیاں نہ بناؤ، بہت سے جانور سواروں سے بہتر اور اُن سے زیادہ اللہ کا ذکر کرنے والے ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کھیتی بھی تسبیح کرتی ہے اور کھیتی والے کو اس کا ثواب ملتا ہے۔ ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک پیالہ پیش کیا گیا، جس میں ثرید تھا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کھانا تسبیح کر رہا ہے۔ کسی نے عرض کیا: آپ اس کی تسبیح سمجھتے ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا کہ اس کو فلاں شخص کے قریب کر دو، وہ پیالہ ان کے قریب کیا گیا تو انھوں نے بھی تسبیح سنی۔ اس کے بعد پھر ایک تیسرے صاحب کے قریب اسی طرح کیا گیا انھوں نے بھی سنا۔ کسی نے درخواست کی کہ مجمع کے سب ہی لوگوں کو سنوایا جائے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کو ان میں سے سنائی نہ دے تو لوگ سمجھیں گے کہ گنہگار ہے۔

اس چیز کا تعلّق ''کشف[1]'' سے ہے۔ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو تو یہ چیز بدرجۂ اَتم[2] حاصل تھی اور ہونا چاہیے تھی۔ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی بسا اوقات حضورِ اقدس ﷺ کے فیضِ صحبت[3] اور انوارِ قرب[4] کی بدولت یہ چیز حاصل ہو جاتی تھی۔ سینکڑوں واقعات اس کے شاہد[5] ہیں۔ صوفیہ کو بھی اکثر یہ چیز مجاہدوں کی کثرت سے حاصل ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے وہ جمادات[6] اور حیوانات کی تسبیح، ان کا کلام، اُن کی گفتگو سمجھ لیتے ہیں؛ لیکن محققین مشائخ کے نزدیک چونکہ یہ چیز نہ دلیلِ کمال ہے، نہ مُوجبِ[7] قُرب کہ جو بھی اس قسم کے مجاہدے کرتا ہے، وہ حاصل کر لیتا ہے؛ خواہ اس کو حق تعالیٰ شانہ، کے یہاں قرب حاصل ہو یا نہ ہو۔ اس لیے محققین اس کو غیر اہم سمجھتے ہیں بلکہ اس لحاظ سے مُضر[8] سمجھتے ہیں کہ جب مُبتدی[9] اس میں لگ جاتا ہے تو دنیا کی سیر کا ایک شوق پیدا ہو کر ترقی کے لیے مانع[10] بن جاتا ہے۔ مجھے اپنے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ کے بعض خُدّام[11] کے مُتعلّق معلوم ہے کہ جب ان کو یہ صورتِ کشف پیدا ہونے لگی، تو حضرت نے چندروز کے لیے اہتمام سے سب ذکر شغل چھڑا دیا تھا کہ مبادا[12] یہ حالت ترقی پکڑ جائے۔ اس کے علاوہ یہ حضرات اس لیے بھی بچتے تھے کہ اس صورت میں دوسروں کے گناہوں کا اظہار ہوتا ہے، جو ان حضرات کے لیے تکدّر[13] کا سبب ہوتا ہے۔

عَلّامہ شَعرانی رحمہ اللہ نے میزانُ الکُبریٰ میں لکھا ہے کہ حضرت امامِ اَعظم رحمہ اللہ جب کسی شخص کو وضو کرتے ہوئے

حل لغات: (۱) وہ چھپی ہوئی بات جو اللہ نیک بندوں پر ظاہر کرتے ہیں۔ (۲) مکمل طریقہ۔ (۳) ساتھ رہنے کی برکت۔ (۴) قریب رہنے کی برکت۔ (۵) گواہ۔ (۶) بے جان چیزیں۔ (۷) اللہ کے نزدیک ہونے کا سبب۔ (۸) نقصان دینے والا۔ (۹) کوئی کام شروع کرنے والا۔ (۱۰) رکاوٹ۔ (۱۱) خادم کی جمع۔ (۱۲) خدانخواستہ۔ (۱۳) دل کی پریشانی۔

دیکھتے، تو اس پانی میں جو گناہ دُھلتا ہوا نظر آتا، اس کو معلوم کر لیتے۔ یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ کبیرہ گناہ ہے یا صغیرہ، مکروہ فعل ہے یا خلافِ[1] اولیٰ۔ جیسا کہ حِسّی[2] چیزیں نظر آیا کرتی ہیں، اسی طرح یہ بھی معلوم ہو جاتا تھا؛ چنانچہ ایک مرتبہ کوفہ کی جامع مسجد کے وضوخانہ میں تشریف فرماتھے، ایک جوان وضو کر رہا تھا، اس کے وضو کا پانی گرتے ہوئے آپ نے دیکھا، اس کو چپکے سے نصیحت فرمائی کہ بیٹا والدین کی نافرمانی سے توبہ کر لے، اُس نے توبہ کی۔ ایک دوسرے شخص کو دیکھا تو اس کو نصیحت فرمائی کہ بھائی زنا نہ کیا کر، بہت بُرا عیب ہے، اس وقت اُس نے بھی زنا سے توبہ کی۔ ایک اور شخص کو دیکھا کہ شراب خوری اور لہو ولعب[3] کا پانی گر رہا ہے، اس کو بھی نصیحت فرمائی، اُس نے بھی توبہ کی۔ الغرض اس کے بعد امام صاحبؒ نے اللہ جلَّ جلالہٗ سے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس چیز کو مجھ سے دور فرما دے کہ میں لوگوں کی بُرائیوں پر مُطَّلع[4] ہونا نہیں چاہتا۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے دُعا قبول فرمالی اور یہ چیز زائل[5] ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ اِسی زمانہ میں امام صاحبؒ نے مُستَعمَل[6] پانی کے ناپاک ہونے کا فتویٰ دیا تھا؛ کیونکہ جب وہ پانی گندہ اور مُتعَفِّن[7] نظر آتا تھا تو کیسے اس کو پاک فرماتے؛ مگر جب یہ چیز زائل ہوگئی تو اس کو ناپاک فرمانا بھی چھوڑ دیا۔ ہمارے حضرت مولانا الشاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نَوَّرَاللہُ مَرقَدَہٗ کے خُدّام[8] میں ایک صاحب تھے، جو کئی کئی روز اس وجہ سے استنجا نہیں جا سکتے تھے کہ ہر جگہ انوار نظر آتے تھے۔ اور بھی سینکڑوں ہزاروں واقعات اس قسم کے ہیں جن میں کسی قسم کے تَرَدُّد[9] کی گنجائش نہیں کہ جن لوگوں کو کشف سے کوئی حصہ ملتا ہے وہ اس حصہ کے بقدر احوال[10] معلوم کر لیتے ہیں۔

(۱۳) عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ: مَرَّ بِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَدْ كَبُرَتْ سِنِّيْ أَوْ ضَعُفَتُ أَوْ كَمَا قَالَتْ. فَمُرْنِيْ بِعَمَلٍ أَعْمَلُهٗ وَأَنَا جَالِسَةٌ. قَالَ: سَبِّحِيْ اللّٰهَ مِائَةَ تَسْبِيْحَةٍ فَإِنَّهٗ تَعْدِلُ لَكِ مِائَةَ رَقَبَةٍ تُعْتِقُهَا مِنْ وُّلْدِ إِسْمٰعِيْلَ، وَاحْمَدِيْ اللّٰهَ مِائَةَ تَحْمِيْدَةٍ فَإِنَّهَا تَعْدِلُ لَكِ مِائَةَ فَرَسٍ	حضرت اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک مرتبہ حضور ﷺ تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں بوڑھی ہوگئی ہوں اور ضعیف ہوں، کوئی عمل ایسا بتا دیجیے کہ بیٹھے بیٹھے کرتی رہا کروں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: سُبْحَانَ اللّٰهِ سو مرتبہ پڑھا کرو، اس کا ثواب ایسا ہے، گویا تم نے سو غلام عرب آزاد کیے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سو مرتبہ پڑھا کرو، اس کا ثواب ایسا ہے گویا تم نے سو گھوڑے مع سامان لگام وغیرہ جہاد میں سواری کے لیے دے دیے اور اللّٰهُ أَكْبَرُ سو مرتبہ پڑھا کرو، یہ ایسا ہے گویا تم نے سو اونٹ قربانی میں ذبح کیے اور وہ قبول ہوگئے اور لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ سو مرتبہ پڑھا کرو، اس کا ثواب تو تمام آسمانوں وزمین کے درمیان کو بھر دیتا ہے؛ اس سے

حل لغات: (۱) نامناسب۔ (۲) دکھائی دینے والی چیز۔ (۳) کھیل تماشا۔ (۴) خبردار، جاننے والا۔ (۵) ختم۔ (۶) استعمال کیا ہوا۔ (۷) بدبودار۔ (۸) خادم کی جمع۔ (۹) شک۔ (۱۰) حالت کی جمع۔

مُسْرَجَةٍ مُلْجَمَةٍ تَحْمِلِيْنَ عَلَيْهَا فِي سَبِيْلِ اللهِ، وَكَبِّرِي اللهَ مِائَةَ تَكْبِيْرَةٍ فَإِنَّهَا تَعْدِلُ لَكِ مِائَةَ بَدَنَةٍ مُقَلَّدَةٍ مُتَقَبَّلَةٍ، وَهَلِّلِي اللهَ مِائَةَ تَهْلِيْلَةٍ. قَالَ أَبُوْخَلَفٍ: أَحْسِبُهُ قَالَ: تَمْلَأُ مَابَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَايُرْفَعُ لِأَحَدٍ عَمَلٌ أَفْضَلُ مِمَّا يُرْفَعُ لَكِ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَ بِمِثْلِ مَا أَتَيْتِ.

بڑھ کر کسی کا کوئی عمل نہیں، جو مقبول ہو۔ حضرت ابورافع ﷛ کی بیوی حضرت سلمٰی ﷝ نے بھی حضور ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی وظیفہ مختصر سا بتا دیجیے، زیادہ لمبا نہ ہو۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللهُ أَكْبَر دس مرتبہ پڑھا کرو، اللہ جلَّ شانہٗ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ میرے لیے ہے، پھر سُبْحَانَ اللهِ دس مرتبہ کہا کرو، اللہ تعالیٰ پھر یہی فرماتے ہیں کہ یہ میرے لیے ہے، پھر اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ دس مرتبہ پڑھا کرو، حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ ہاں میں نے مَغْفِرت کردی۔ دس مرتبہ تم اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ کہو، (دس مرتبہ اللہ جلَّ شانہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے مغفرت کردی)۔

[رواه أحمد بإسناد حسن واللفظ له، والنسائي ولم يقل: ولا يرفع، إلى آخره. والبيهقي بتمامه، وابن أبي الدنيا فجعل ثواب الرقاب في التحميد والفرس في التسبيح. وابن ماجه بمعناه باختصار والطبراني في الكبير بنحو أحمد ولم يقل: أحسبه. وفي الأوسط بإسناد حسن بمعناه كذا في الترغيب باختصار. قلت: رواه الحاكم بمعناه وصححه، وعزاه في الجامع الصغير إلى أحمد والطبراني والحاكم، ورقم له بالصحة، وذكره في مجمع الزوائد بطرق، وقال: أسانيدهم حسنة. وفي الترغيب أيضا عن أبي أمامة مرفوعًا بنحو حديث الباب مختصرًا، وقال: رواه الطبراني، ورواته رواة الصحيح خلا سليم ابن عثمان الفوزي يكشف حاله فإنه لا يحضرني الآن فيه جرح ولا عدالة اهـ. وفي الباب عن سلمى أم بني أبي رافع، قالت: يارسول الله! أخبرني بكلمات ولا تكثر عليّ، الحديث مختصرًا، وفيه التكبير والتسبيح عشرًا عشرًا واللّٰهم اغفرلي عشرًا. قال المنذري: رواه الطبراني ورواته محتج بهم في الصحيح اهـ. قلت: وبمعناه عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده مرفوعًا بلفظ: من سبّح الله مائة بالغداة ومائة بالعشي كان كمن حج مائة حجة. الحديث: وجعل فيه التحميد كمن حمل على مائة فرس، والتهليل كمن أعتق مائة رقبة من ولد إسمٰعيل، ذكره في المشكوٰة برواية الترمذي وقال: حسن غريب].

فائدہ: ضُعَفَاء[1] اور بوڑھوں کے لیے بِالْخُصُوص عورتوں کے لیے کس قدر سَہَل[2] اور مُخْتَصَر چیز حضور اقدس ﷺ نے تجویز فرمادی ہے۔ دیکھیے ایسی مختصر چیزوں پر جن میں نہ زیادہ مشقت ہے، نہ چلنا پھرنا ہے، کتنے بڑے بڑے ثوابوں کا وعدہ ہے۔ کتنی کم نصیبی ہوگی اگر ان کو وصول نہ کیا جائے۔ حضرت اُمِ سُلَیم ﷝ کہتی ہیں: میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا: کوئی چیز مجھے تعلیم فرمادیجیے جس کے ذریعہ سے نماز میں دعا کیا کروں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سُبْحَانَ اللهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اللهُ أَكْبَر دس دس مرتبہ پڑھ لیا کرو اور جو چاہے اس کے بعد دعا کیا کرو۔

حل لغات: (۱) ضعیف کی جمع، کمزور۔ (۲) آسان۔

دوسری حدیث میں اس کے بعد یہ ارشاد ہے کہ جو چاہے دعا کیا کرو، حق تعالیٰ شانہٗ اُس دعا پر فرماتے ہیں: ہاں ہاں (میں نے قبول کی)۔ کتنے سہل اور معمولی الفاظ ہیں جن کو نہ یاد کرنا پڑتا ہے، نہ ان میں کوئی محنت اُٹھانی پڑتی ہے، دن بھر ہم لوگ بکواس میں گذار دیتے ہیں، تجارت کے ساتھ دکان پر بیٹھے بیٹھے یا کھیتی کے ساتھ زمین کے اِنتِظامات میں مشغول رہتے ہوئے اگر زبان سے ان تسبیحوں کو پڑھتے رہیں، تو دُنیا کی کمائی کے ساتھ ہی آخرت کی کتنی بڑی دولت ہاتھ آجائے۔

(۱۴) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِنَّ لِلّٰهِ مَلٰئِكَةً يَطُوْفُوْنَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُوْنَ أَهْلَ الذِّكْرِ، فَإِذَا وَجَدُوْا قَوْمًا يَذْكُرُوْنَ اللهَ تَنَادَوْا: هَلُمُّوْا إِلٰى حَاجَتِكُمْ فَيَحُفُّوْنَهَا بِأَجْنِحَتِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ، فَإِذَا تَفَرَّقُوْا عَرَجُوْا وَصَعِدُوْا إِلَى السَّمَاءِ، فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ يَعْلَمُ، مِنْ أَيْنَ جِئْتُمْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: جِئْنَا مِنْ عِنْدِ عِبَادٍ لَّكَ يُسَبِّحُوْنَكَ وَيُكَبِّرُوْنَكَ وَيَحْمِدُوْنَكَ، فَيَقُوْلُ: هَلْ رَأَوْنِي فَيَقُوْلُوْنَ: لَا، فَيَقُوْلُ: كَيْفَ لَوْ رَأَوْنِيْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: لَوْ رَأَوْكَ كَانُوْا أَشَدَّ لَكَ عِبَادَةً وَأَشَدَّ لَكَ تَمْجِيْدًا وَّأَكْثَرَ لَكَ تَسْبِيْحًا. فَيَقُوْلُ: فَمَا يَسْأَلُوْنَ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: يَسْأَلُوْنَكَ الْجَنَّةَ. فَيَقُوْلُ: وَهَلْ رَأَوْهَا؟ فَيَقُوْلُوْنَ: لَا، فَيَقُوْلُ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟ فَيَقُوْلُوْنَ: لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا كَانُوْا أَشَدَّ عَلَيْهَا؟ حِرْصًا وَّأَشَدَّ لَهَا طَلَبًا وَّأَعْظَمَ فِيْهَا رَغْبَةً. قَالَ: فَمِمَّ يَتَعَوَّذُوْنَ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: يَتَعَوَّذُوْنَ مِنَ

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت ہے، جو راستوں وغیرہ میں گشت کرتی رہتی ہے اور جہاں کہیں ان کو اللہ کا ذکر کرنے والے ملتے ہیں، تو وہ آپس میں ایک دوسرے کو بلا کر سب جمع ہو جاتے ہیں اور ذکر کرنے والوں کے گرد آسمان تک جمع ہوتے رہتے ہیں، جب وہ مجلس ختم ہو جاتی ہے تو وہ آسمان پر جاتے ہیں۔ اللہ جلَّ جلالہٗ باوجودیکہ ہر چیز کو جانتے ہیں پھر بھی دریافت فرماتے ہیں کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ تیرے بندوں کی فلاں جماعت کے پاس سے آئے ہیں، جو تیری تسبیح اور تکبیر اور تحمید (بڑائی بیان کرنے) اور تعریف کرنے میں مشغول تھے۔ ارشاد ہوتا ہے: کیا ان لوگوں نے مجھے دیکھا ہے؟ عرض کرتے ہیں: یا اللہ دیکھا تو نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو کیا حال ہوتا؟ عرض کرتے ہیں کہ اور بھی زیادہ عبادت میں مشغول ہوتے اور اس سے بھی زیادہ تیری تعریف اور تسبیح میں مُنْہمِک[۱] ہوتے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟ عرض کرتے ہیں کہ وہ جنت چاہتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے: کیا انھوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ عرض کرتے ہیں کہ دیکھا تو نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اگر دیکھ لیتے تو کیا ہوتا؟ عرض کرتے ہیں کہ اس سے بھی زیادہ شوق اور تمنا اور اس کی طلب میں لگ جاتے۔

حل لغات: (۱) بہت زیادہ مشغول۔

النَّارِ . يَقُوْلُ : وَهَلْ رَأَوْهَا ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: لَا. فَيَقُوْلُ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا كَانُوْا أَشَدَّ مِنْهَا فِرَارًا وَّأَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً. فَيَقُوْلُ: أُشْهِدُكُمْ أَنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُم. فَيَقُوْلُ: مَلَكٌ مِّنَ الْمَلٰئِكَةِ: فُلَانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ، قَالَ: هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ . [رواه البخاري ومسلم والبيهقي في الأسماء والصفات. كذا في الدر والمشكوٰة]

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے؟ عرض کرتے ہیں کہ جہنم سے پناہ مانگ رہے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے: کیا انھوں نے جہنم کو دیکھا ہے؟ عرض کرتے ہیں کہ دیکھا تو ہے نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے: اگر دیکھتے تو کیا ہوتا؟ عرض کرتے ہیں: اور بھی زیادہ اس سے بھاگتے اور بچنے کی کوشش کرتے۔ ارشاد ہوتا ہے: اچھا تم گواہ رہو کہ میں نے اس مجلس والوں کو سب کو بخش دیا۔ ایک فرشتہ عرض کرتا ہے: یا اللہ! فلاں شخص اس مجلس میں اتفاقاً اپنی کسی ضرورت سے آیا تھا وہ اس مجلس کا شریک نہیں تھا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ یہ جماعت ایسی مبارک ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں ہوتا (لہٰذا اس کو بھی بخش دیا)۔

فائدہ: اس قسم کا مضمون متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت ذِکر کی مجالس اور ذِکر کرنے والی جماعتوں اور اَفراد کی تلاش میں رہتی ہے اور جہاں مل جاتی ہے، ان کے پاس یہ جماعت بیٹھتی ہے، اُن کا ذکر سنتی ہے؛ چنانچہ پہلے باب کی حدیث نمبر آٹھ میں یہ مضمون گذر چکا ہے اور اس میں یہ گذر چکا ہے کہ فرشتوں سے تفاخُر[1] کے طور پر اللہ جلَّ جلالہٗ اس کا ذکر کیوں فرماتے ہیں۔ فرشتہ کا یہ عرض کرنا کہ ایک شخص مجلس میں ایسا بھی تھا کہ جو اپنی ضرورت سے آیا تھا، واقعہ کا اظہار ہے کہ اس وقت یہ حضرات بمنزلہ گواہوں کے ہیں اور ان لوگوں کی عبادت اور ذکر اللہ میں مشغولی کی گواہی دے رہے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کے اظہار کی ضرورت پیش آئی کہ مَبادا[2] اِعتِراض ہو جائے، لیکن یہ اللہ کا لطف ہے کہ ذاکرین کی برکت سے ان کے پاس اپنی ضرورت سے بیٹھنے والے کو بھی محروم نہ فرمایا، اللہ جلَّ شانہٗ کا ارشاد ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١١٩﴾ ﴾ [سورۂ توبہ]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

صوفیہ کا ارشاد ہے کہ اللہ جلَّ جلالہٗ کے ساتھ رہو اور اگر یہ نہیں ہوسکتا تو پھر ان لوگوں کے ساتھ رہو، جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہنے کا مطلب یہ ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ارشاد ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بندہ نوافل کے ذریعہ میرے قرب میں ترقی کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں اور جب میں محبوب بنالیتا ہوں، تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس

حل لغات: (۱) فخر۔ (۲) خدانخواستہ۔

سے وہ سنے، اُس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے دیکھے، اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے پکڑے، اُس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلے، جو وہ مجھ سے مانگتا ہے، میں اُس کو دیتا ہوں۔ ہاتھ، پاؤں بن جانے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کا ہر کام اللہ کی رضا اور محبت کے ذَیل[1] میں ہوتا ہے، اس کا کوئی عمل بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہیں ہوتا۔ صوفیہ کے احوال اور اُن کے واقعات جو کثرت سے تواریخ میں موجود ہیں، وہ شاہدِ عَدْل[2] ہیں اور وہ اتنی کثرت سے ہیں کہ اُن کے انکار کی بھی گنجائش نہیں۔ ایک رسالہ اس باب میں ''نُزْہَۃُ البساتین'' کے نام سے مشہور ہے، جس سے اس قسم کے حالات کا پتہ چلتا ہے۔

شیخ ابوبکر کَتَانِیؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حج کے موقعہ پر مکہ مکرمہ میں چند صوفیہ کا اجتماع تھا۔ جن میں سب سے کم عمر حضرت جنید بغدادیؒ تھے۔ اُس مجمع میں محبتِ الٰہی پر بحث شروع ہوئی کہ مُحِبّ[3] کون ہے؟ مختلف حضرات مُختلف اِرْشادات فرماتے رہے۔ حضرت جنیدؒ چپ رہے۔ ان حضرات نے ان سے فرمایا: تم بھی کچھ کہو۔ اس پر انھوں نے سر جھکا کر روتے ہوئے فرمایا کہ عاشق وہ ہے جو اپنی خودی[4] سے جاتا رہے، خدا کے ذکر کے ساتھ وابستہ[5] ہوگیا ہو اور اس کا حق ادا کرتا ہو، دل سے اللہ کی طرف دیکھتا ہو، اس کے دل کو انوارِ ہیبت[6] نے جلا دیا ہو، اُس کے لیے خدا کا ذکر شراب کا پیالہ ہو، اگر کلام کرتا ہو تو اللہ ہی کا کلام ہو، گویا حق تعالیٰ شانہٗ ہی اُس کی زبان سے کلام فرماتا ہے، اگر حرکت کرتا ہو تو اللہ ہی کے حکم سے، اگر تسکین[7] پاتا ہو تو اللہ ہی کے ساتھ، اور جب یہ حالت ہو جاتی ہے تو پھر کھانا پینا، سونا جاگنا سب کاروبار اللہ ہی کی رضا کے واسطے ہو جاتے ہیں، نہ دنیا کا رسم و رواج قابلِ اِلْتفات[8] رہتا ہے، نہ لوگوں کی طعن[9] و تشنیع قابلِ وَقْعت[10]۔

حضرت سعید بن المسیبؒ مشہور تابعی ہیں، بڑے محدثین میں شمار ہیں، ان کی خدمت میں ایک شخص عبداللہ بن ابی وَدَاعہؒ کثرت سے حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ چند روز حاضر نہ ہو سکے۔ کئی روز بعد جب حاضر ہوئے تو حضرت سعیدؒ نے دریافت فرمایا: کہاں تھے؟ عرض کیا کہ میری بیوی کا انتقال ہوگیا ہے اُس کی وجہ سے مَشَاغل[11] میں پھنسا رہا۔ فرمایا: ہم کو خبر نہ کی، ہم بھی جنازہ میں شریک ہوتے۔ تھوڑی دیر کے بعد مَیں اُٹھ کر آنے لگا۔ فرمایا: دوسرا نکاح کرلیا؟ میں نے عرض کیا: حضرت مجھ سے کون نکاح کر دے گا، دو تین آنے کی میری حیثیت ہے۔ آپؒ نے فرمایا: ہم کردیں گے اور یہ کہہ کر خُطبہ پڑھا اور اپنی بیٹی کا نکاح نہایت معمولی مہر آٹھ دس آنہ پر مجھ سے کردیا۔ (اتنی مقدار مہر کی ان کے نزدیک جائز ہوگی جیسا کہ بعض اماموں کا مذہب ہے۔ حنفیہؒ کے نزدیک ڈھائی روپے سے کم جائز نہیں)۔ نکاح کے بعد مَیں اُٹھا اور اللہ ہی کو معلوم ہے کہ مجھے کس قدر مَسَرَّت تھی، خوشی میں سوچ رہا تھا کہ رُخصتی کے انتظام کے لیے کس سے قرض

حل لغات: (۱) تحت (۲) سچے گواہ۔ (۳) محبت کرنے والا۔ (۴) ذات۔ (۵) مل جانا۔ (۶) رعب و دبدبہ کے نور۔ (۷) سکون۔ (۸) توجہ کے لائق۔ (۹) برا بھلا کہنا۔ (۱۰) اعتبار کے لائق۔ (۱۱) مشغلہ کی جمع، کام۔

مانگوں؟ کیا کروں؟ اسی فکر میں شام ہوگئی۔ میرا روزہ تھا، مغرب کے وقت روزہ افطار کیا، نماز کے بعد گھر آیا چراغ جلایا، روٹی اور زیتون کا تیل موجود تھا، اس کو کھانے لگا کہ کسی شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے پوچھا: کون ہے؟ کہا: سعید ہے۔ میں سوچنے لگا کہ کون سعید ہے، حضرت کی طرف میرا خیال بھی نہ گیا کہ چالیس برس سے اپنے گھر یا مسجد کے سوا کہیں آنا جانا تھا ہی نہیں۔ باہر آکر دیکھا کہ سعید بن المسیبؒ ہیں۔ میں نے عرض کیا: آپ نے مجھے نہ بلالیا؟ فرمایا: میرا ہی آنا مناسب تھا۔ میں نے عرض کیا: کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: مجھے یہ خیال آیا کہ اب تمہارا نکاح ہو چکا ہے، تنہا رات کو سونا مناسب نہیں، اس لیے تمہاری بیوی کو لایا ہوں۔ یہ فرما کر اپنی لڑکی کو دروازہ کے اندر کر دیا اور دروازہ بند کر کے چلے گئے۔ وہ لڑکی شرم کی وجہ سے گر گئی، میں نے اندر سے کواڑ بند کیے اور روٹی اور تیل جو چراغ کے سامنے رکھا تھا، وہاں سے ہٹا دیا کہ اس کی نظر نہ پڑے اور مکان کی چھت پر چڑھ کر پڑوسیوں کو آواز دی، لوگ جمع ہو گئے تو میں نے کہا کہ حضرت سعیدؒ نے اپنی لڑکی سے میرا نکاح کر دیا ہے اور اس وقت وہ اس کو خود ہی پہونچا گئے ہیں۔ سب کو بڑا تعجب ہوا، کہنے لگے: واقعی وہ تمہارے گھر میں ہے؟ میں نے کہا: ہاں، اس کا چرچا ہوا، میری والدہ کو خبر ہوئی، وہ بھی اسی وقت آگئیں اور کہنے لگیں کہ اگر تین دن تک تو نے اس کو چھیڑا تو تیرا منہ نہ دیکھوں گی۔ ہم تین دن میں اس کی تیاری کر لیں، تین دن کے بعد جب میں اس لڑکی سے ملا، تو دیکھا نہایت خوبصورت، قرآن شریف کی بھی حافظ اور سنتِ رسول ﷺ سے بھی بہت زیادہ واقف، شوہر کے حقوق سے بھی بہت زیادہ باخبر۔ ایک مہینہ تک نہ تو حضرت سعیدؒ میرے پاس آئے، نہ میں اُن کی خدمت میں گیا۔ ایک ماہ کے بعد مَیں حاضر ہوا تو وہاں مجمع تھا، میں سلام کر کے بیٹھ گیا۔ جب سب چلے گئے تو فرمایا: اس آدمی کو کیسا پایا؟ میں نے عرض کیا: نہایت بہتر ہے کہ دوست دیکھ کر خوش ہوں، دشمن جلیں۔ فرمایا: اگر کوئی بات ناگوار(۱) ہو تو لکڑی سے خبر لینا۔ میں واپس آ گیا تو ایک آدمی کو بھیجا جو بیس ہزار درم (تقریباً پانچ ہزار روپیہ) مجھے دے گیا۔ اس لڑکی کو عبدالملک بن مروان بادشاہ نے اپنے بیٹے ولید کے لیے جو ولی عہد(۲) بھی تھا؛ مانگا تھا مگر حضرت سعیدؒ نے عذر کر دیا تھا جس کی وجہ سے عبدالملک ناراض بھی ہوا اور ایک حیلہ(۳) سے حضرت سعیدؒ کے سو کوڑے سخت سردی میں لگوائے اور پانی کا گھڑا اُن پر گروایا۔

⑮ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَنْ قَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، كُتِبَتْ لَهٗ بِكُلِّ حَرْفٍ عَشْرُ حَسَنَاتٍ،	حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص سُبْحَانَ اللهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ پڑھے، ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیاں ملیں گی اور جو شخص کسی جھگڑے میں ناحق کی حمایت کرتا ہے وہ اللہ کے غصہ میں رہتا

حل لغات: (۱) ناپسند۔ (۲) تخت و تاج کا وارث۔ (۳) بہانہ۔

وَمَنْ أَعَانَ عَلٰى خُصُوْمَةٍ بَاطِلٍ لَمْ يَزَلْ فِيْ سَخَطِ اللهِ حَتّٰى يَنْزِعَ، وَمَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهٗ دُوْنَ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللهِ فَقَدْ ضَادَّ اللهَ فِيْ أَمْرِهٖ، وَمَنْ بَهَتَ مُؤْمِنًا أَوْ مُؤْمِنَةً حَبَسَهُ اللهُ فِيْ رَدْغَةِ الْخَبَالِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ وَلَيْسَ بِخَارِجٍ.	ہے، جب تک کہ اس سے توبہ نہ کرے اور جو اللہ کی کسی سزا میں سفارش کرے (اور شرعی سزا کے ملنے میں حارِج[1] ہو) وہ اللہ کا مُقابلہ کرتا ہے اور جو شخص کسی مومن مرد یا عورت پر بہتان باندھے وہ قیامت کے دن رَدْغَۃُ الْخَبَال میں قید کیا جائے گا، یہاں تک کہ اُس بہتان سے نکلے اور کس طرح اُس سے نکل سکتا ہے؟

[رواه الطبراني في الكبير والأوسط، ورجالهما رجال الصحيح. كذا في مجمع الزوائد. قلت: أخرجه أبوداؤد بدون ذكر التسبيح فيه]

فائدہ: ناحق کی حمایت آج کل ہماری طبیعت بن گئی ہے۔ ایک چیز کو ہم سمجھتے ہیں کہ ہم غلطی پر ہیں؛ مگر رشتہ داروں کی طرفداری ہے، پارٹی کا سوال ہے، لاکھ اللہ کے غصہ میں داخل ہوں، اللہ کی ناراضگی ہو، اُس کا عِتاب[2] ہو، مگر کُنبہ[3] برادری کی بات کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ ہم اُس ناحق کرنے والے کو ٹوک نہ سکیں اور سکوت[4] کریں، یہ بھی نہیں، بلکہ ہر طرح سے اُس کی حمایت کریں گے، اگر اُس پر کوئی دوسرا مُطالبہ[5] کرنے والا کھڑا ہو تو اس کا مقابلہ کریں گے۔ کسی دوست نے چوری کی، ظلم کیا، عیاشی کی، اُس کے حوصلے بلند کریں گے، اس کی ہر طرح مدد کریں گے، کیا یہی ہے ہمارے ایمان کا مُقتضیٰ[6] یہی ہے دینداری؟ اسی پر اسلام کے ساتھ ہم فخر کرتے ہیں؟ یا اپنے اسلام کو دوسروں کی نگاہ میں بھی بدنام کرتے ہیں اور اللہ کے یہاں خود بھی ذلیل ہوتے ہیں؟ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص عَصَبِیَّت پر کسی کو بلائے، یا عصبیت پر لڑے، وہ ہم میں سے نہیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ عصبیت سے یہ مراد ہے کہ ظلم پر اپنی قوم کی مدد کرے۔ رَدْغَۃُ الْخَبَال وہ کیچڑ ہے، جو جہنمی لوگوں کے لہو پیپ وغیرہ سے جمع ہو جائے، کس قدر گندی اور اذیت[7] دینے والی جگہ ہے، جس میں ایسے لوگوں کو قید کر دیا جائے گا جو مسلمانوں پر بہتان[8] باندھتے ہوں۔ آج دنیا میں بہت سرسری معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کے متعلق جو چاہا منہ بھر کر کہہ دیا، کل جب زبان سے کہی ہوئی ہر بات کو ثابت کرنا پڑے گا اور ثبوت بھی وہی جو شرعاً معتبر ہو، دنیا کی طرح نہیں کہ چرب[9] لسانی اور جھوٹی باتیں ملا کر دوسرے کو چپ کر دیا جائے؛ اس وقت آنکھیں کھلیں گی کہ ہم نے کیا کہا تھا اور کیا نکلا۔ نبیِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی بعض کلام زبان سے ایسا نکالتا ہے، جس کی پرواہ بھی نہیں کرتا؛ لیکن اس کی وجہ سے جہنم میں پھینک دیا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آدمی بعضی بات صرف اس وجہ سے کہتا ہے کہ لوگ ذرا ہنس پڑیں گے؛ لیکن اُس کی وجہ سے اتنی دُور (جہنم میں) پھینک دیا جاتا ہے جتنی دور

حل لغات: (۱) روکنے والا۔ (۲) غصہ، غضب۔ (۳) خاندان۔ (۴) چپ رہنا۔ (۵) دعویٰ۔ (۶) تقاضا۔ (۷) تکلیف۔ (۸) غلط الزام۔ (۹) چکنی چپڑی باتیں۔

آسمان سے زمین ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ زبان کی لَغزِش[1] پاؤں کی لغزش سے زیادہ سخت ہے ایک حدیث میں ہے جو شخص کسی کو کسی گناہ سے عار[2] دلاوے، وہ خود مرنے سے پہلے اُس گناہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ گناہ مراد ہے، جس سے گناہ گار توبہ کر چکا ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر کھینچتے تھے کہ تیری بدولت ہم ہلاکتوں میں پڑتے ہیں۔ ابن المنکدرؒ مشہور محدثین میں ہیں اور تابعی ہیں۔ انتقال کے وقت رونے لگے، کسی نے پوچھا: کیا بات ہے؟ فرمانے لگے: مجھے کوئی گناہ تو ایسا معلوم نہیں جو میں نے کیا ہو، اس پر روتا ہوں کہ کوئی بات ایسی ہوگئی ہو جس کو میں نے سَرسَرِی سمجھا ہو اور وہ اللہ کے نزدیک سخت ہو۔

(١٦) عَنْ أَبِيْ بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ رضي الله عنه قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ بِاٰخِرِهٖ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّقُوْمَ مِنَ الْمَجْلِسِ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَارَسُوْلَ اللهِ إِنَّكَ لَتَقُوْلُ قَوْلًا مَّا كُنْتَ تَقُوْلُهٗ فِيْمَا مَضٰى. قَالَ: كَفَّارَةٌ لِمَا يَكُوْنُ فِي الْمَجْلِسِ.

حضور اقدس ﷺ کا معمول اخیر زمانۂ عمر شریف میں یہ تھا کہ جب مجلس سے اُٹھتے تو سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ پڑھا کرتے؟ کسی نے عرض کیا کہ آج کل ایک دعا کا معمول حضور ﷺ کا ہے، پہلے تو یہ معمول نہیں تھا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ مجلس کا کَفّارہ ہے۔ دوسری روایت میں بھی یہ قصہ مذکور ہے۔ اُس میں حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ یہ کَلِمات مجلس کا کفارہ ہیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے بتائے ہیں۔

[رواه ابن أبي شيبة وأبوداؤد والنسائي والحاكم وابن مردويه كذا في الدر، وفيه أيضاً برواية ابن أبي شيبة عن أبي العالية بزيادة: علمنيهن جبرئيل]

فائدہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی نقل کیا گیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ جب بھی مجلس سے اُٹھتے تو سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبِّيْ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ پڑھتے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ اس دُعا کو بڑی کثرت سے پڑھتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجلس کے ختم پر اس کو پڑھ لیا کرے، تو اس مجلس میں جو لغزشیں[3] اُس سے ہوئی ہوں وہ سب معاف ہو جائیں گی۔ مجالس میں عموماً فضول باتیں، بیکار تذکرے ہو ہی جاتے ہیں، کتنی مختصر دعا ہے، اگر کوئی شخص ان دعاؤں میں سے کوئی سی ایک دعا پڑھ لے تو مجلس کے وبال سے خلاصی[4] پا سکتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ نے کیسی کیسی سہولتیں مَرحمت فرمائی ہیں۔

(١٧) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ مِنْ

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرتے ہیں یعنی سُبْحَانَ اللهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَللهُ أَكْبَرُ

حل لغات: (١) غلطی۔ (٢) شرم۔ (٣) غلطیاں۔ (٤) چھٹکارا۔

جَلَالِ اللهِ مِنْ تَسْبِيْحِهٖ وَتَحْمِيْدِهٖ وَتَكْبِيْرِهٖ وَتَهْلِيْلِهٖ يَتَعَاطَفْنَ حَوْلَ الْعَرْشِ، لَهُنَّ دَوِيٌّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ يَذْكُرْنَ بِصَاحِبِهِنَّ أَلَا يُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ لَّا يَزَالَ لَهٗ عِنْدَ اللهِ شَيْءٌ يَذْكُرُ بِهٖ.	لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ پڑھتے ہیں، تو یہ کلمات عرش کے چاروں طرف گشت لگاتے ہیں کہ ان کے لیے ہلکی سی آواز (بھنبھناہٹ) ہوتی ہے اور اپنے پڑھنے والے کا تذکرہ کرتے ہیں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ کوئی تمہارا تذکرہ کرنے والا اللہ کے پاس موجود ہو جو تمہارا ذکرِ خیر کرتا رہے۔

[رواه أحمد والحاكم وقال: صحيح الإسناد. قال الذهبي: موسى بن سالم. قال أبوحاتم. منكر الحديث. ولفظ الحاكم ''كدوي النحل يقلن لصاحبهن'' وأخرجه بسند اٰخر وصححه على شرط مسلم وأقر عليه الذهبي، وفيه ''كدوي النحل يذكرون بصاحبهن'']

فائدہ: جو لوگ حکام[1] رَس ہیں، کرسی نشیں[2] کہلاتے ہیں، کوئی ان سے پوچھے کہ بادشاہ نہیں، وزیر نہیں، وائسرائے[3] کو بھی چھوڑ دیجیے، کسی گورنر کے یہاں ان کی تعریف ہو جائے، ان کا ذکرِ خیر آ جائے، پھولے نہیں سماتے، دماغ آسمان پر پہونچ جاتا ہے، حالانکہ اس تذکرہ سے نہ تو دین کا نفع، نہ دنیا کا۔ دین کا نفع نہ ہونا تو ظاہر اور کھلا ہوا ہے اور دنیا کا نفع نہ ہونا اس وجہ سے کہ شاید جتنا نفع اس قسم کے تذکروں سے ہوتا ہو اس سے زیادہ نقصان اس نوع کے مرتبے اور تذکرے حاصل کرنے میں پہونچ جاتا ہے، جائدادیں فروخت کر کے سودی قرض لے کر ایسے مرتبے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، مُفت کی عداوتیں[4] مول لی جاتی ہیں اور ہر قسم کی ذلتیں برداشت کی جاتی ہیں۔ الیکشنوں کے منظر سب کے سامنے ہیں کہ کیا کیا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے بِالمُقَابِل اللہ جلّ جلالہٗ کے عرش پر تذکرہ، مالک الملک کے حضور میں تذکرہ، اس پاک ذات کے یہاں تذکرہ جس کے قبضہ میں دین و دنیا اور سارے جہانوں کی ہر چیز ہے، اُس قدرت والے کے یہاں تذکرہ جس کے قبضہ میں بادشاہوں کے دل ہیں، حاکموں کے اِختیارات، اس کے اِختیار میں ہیں، نفع اور نقصان کا واحد مالک وہی ہے، سارے جہان کے تمام آدمی حاکم و محکوم، بادشاہ و رعایا، کسی کو نقصان پہونچانا چاہیں اور وہ مالک الملک نہ چاہے تو کوئی بال بھی بینکا نہیں کر سکتا، ساری مخلوق کسی کو نفع پہونچانا چاہے اور اس کی رضا نہ ہو تو ایک قطرہ پانی کا نہیں پلا سکتی، ایسی پاک ذات کے یہاں اپنا ذکرِ خیر ہو، کوئی دولت دنیا کی اس کا مقابلہ کر سکتی ہے؟ کوئی عزت دنیا کی خواہ کتنی ہی بڑی ہو جائے اس کی برابری کر سکتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں اور اس کے مقابلہ میں دنیا کی کسی عزت کو اگر وقیع[5] سمجھا جائے تو کیا اپنے اوپر ظلم نہیں؟

(۱۸) عَنْ يُسَيْرَةَ ﷺ وَكَانَتْ مِنَ الْمُهَاجِرَاتِ قَالَتْ: قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: عَلَيْكُنَّ بِالتَّسْبِيْحِ وَالتَّهْلِيْلِ وَالتَّقْدِيْسِ	حضرت یسیرہ ﷺ جو ہجرت کرنے والی صحابیات میں سے ہیں، فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے اوپر تسبیح (سُبْحَانَ اللهِ کہنا) اور تہلیل (لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ

حل لغات: (۱) جن لوگوں کی حاکموں تک پہونچ ہو۔ (۲) عہدہ والے۔ (۳) بادشاہ کا نائب۔ (۴) دشمنیاں۔ (۵) عزت والا، اہم۔

وَاعْقِدْنَ بِالْأَنَامِلِ فَإِنَّهُنَّ مَسْئُوْلَاتٌ مُسْتَنْطِقَاتٌ، وَلَا تَغْفَلْنَ فَتَنْسَيْنَ الرَّحْمَةَ. [رواه الترمذي وأبوداؤد كذا في المشكوٰة، وفي المنهل أخرجه أيضًا أحمد والحاكم اهـ. وقال الذهبي في تلخيصه: صحيح، وكذا رقم له بالصحة في الجامع الصغير، وبسط صاحب الإتحاف في تخريجه. وقال عبدالله بن عمرو: رأيت رسول الله ﷺ يعقد التسبيح، رواه أبوداؤد والنسائي

پڑھنا) اور تقدیس (اللہ کی پاکی بیان کرنا مثلاً سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ پڑھنا یا سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ کہنا) لازم کرلو اور انگلیوں پر گنا کرو، اس لیے کہ انگلیوں سے قیامت میں سوال کیا جائے گا اور ان سے جواب طلب کیا جائے گا کہ کیا عمل کیے اور جواب میں گویائی[1] دی جائے گی اور اللہ کے ذکر سے غفلت نہ کرنا (اگر ایسا کروگی تو اللہ کی) رحمت سے محروم کر دی جاؤ گی۔

والترمذي وحسنه والحاكم كذا في الاتحاف. وبسط في تخريجه ثم قال: قال الحافظ : معنى العقد المذكور في الحديث: إحصاء العدد. وهو اصطلاح العرب بوضع بعض الأنامل على بعض عقد أنملة أخرى. فالاٰحاد والعشرات باليمين والمئون والاٰلاف باليسار اهـ]

فائدہ: قیامت میں آدمی کے بدن سے، اس کے ہاتھ پاؤں سے بھی سوال ہوگا کہ ہر ہر حصۂ بدن نے کیا کیا نیک کام کیے اور کیا کیا ناجائز اور بُرے کام کیے۔ قرآن پاک میں متعدد جگہ اس کا ذکر ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ﴾ (الآیۃ) [سورۂ نور:۲۴] (جس روز اُن کے خِلَاف گواہی دیں گی اُن کی زبانیں اور اُن کے ہاتھ اور پاؤں اُن کاموں کی (یعنی گناہوں کی) جن کو یہ کرتے تھے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ﴾ [سورۂ حم سجدہ:۱۹] اس جگہ کئی آیتوں میں اس کا ذکر ہے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ جس دِن (حشر میں) اللہ کے دشمن جہنم کی طرف جمع کیے جائیں گے پھر اُن کو ایک جگہ روک دیا جائے گا، پھر سب کے سب اُس جہنم کے قریب آجائیں گے تو ان کے کان، ان کی آنکھیں، ان کی کھالیں، ان پر گواہیاں دیں گے (اور بتائیں گے) کہ ہمارے ذریعہ سے اس شخص نے کیا کیا گناہ کیے، اُس وقت وہ لوگ (تعجب سے) اُن سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ (ہم تو دنیا میں تمہاری ہی لذت اور راحت کے واسطے گناہ کرتے تھے) وہ جواب دیں گے کہ ہم کو اس پاک اللہ نے گویائی عطا کی جس نے سب چیزوں کو گویائی عطا فرمائی، اسی نے تم کو بھی اوّل پیدا کیا تھا اور اسی کے پاس اب تم لوٹائے گئے ہو۔

احادیث میں اس گواہی کے مُتَعَدَّد واقعات ذکر کیے گئے ہیں۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ قیامت کے دن کافر باوجودیکہ اپنی بداعمالیوں کو جانتا ہوگا پھر بھی انکار کرے گا کہ میں نے گناہ نہیں کیے۔ اس سے کہا جائے گا کہ یہ تیرے پڑوسی تجھ پر گواہی دیتے ہیں۔ وہ کہے گا کہ یہ لوگ دشمنی سے جھوٹ بولتے ہیں۔

حل لغات: (۱) بولنے کی طاقت۔

پھر کہا جائے گا کہ تیرے عزیز اَقارِب[1] گواہی دیتے ہیں، وہ ان کو بھی جُھٹلائے گا، تو اس کے اَعضاء کو گواہ بنایا جائے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے ران گواہی دے گی کہ کیا کیا بداعمالیاں اس سے کرائی گئی تھیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ پُلِ صِراط سے آخری گذرنے والا اس طرح گرتا پڑتا گزرے گا، جیسے کہ بچہ جب اُس کو باپ مار رہا ہو کہ وہ کبھی اِدھر گرتا ہے، کبھی اُدھر۔ فرشتے اُس سے کہیں گے کہ اچھا اگر تو سیدھا چل کر پلصراط سے گذر جائے تو اپنے سب اعمال بتا دے گا؟ وہ اس کا وعدہ کرے گا کہ میں سچ سچ سب بتا دوں گا اور اللہ کی عزت کی قسم کھا کر کہے گا کہ کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ وہ کہیں گے کہ اچھا سیدھا کھڑا ہو جا اور چل، وہ سہولت سے پل صراط پر گذر جائے گا اور پار ہو جانے کے بعد اُس سے پوچھا جائے گا کہ اچھا اب بتا، وہ سوچے گا کہ اگر میں نے اِقرار کر لیا تو ایسا نہ ہو کہ مجھ کو واپس کر دیا جائے، اس لیے صاف انکار کر دے گا کہ میں نے کوئی بُرا عمل نہیں کیا۔ فرشتے کہیں گے کہ اچھا اگر ہم نے گواہ پیش کر دیے تو؟ وہ اِدھر اُدھر دیکھے گا کہ کوئی آدمی آس پاس نہیں، اُس کو خیال ہوگا کہ اب گواہ کہاں سے آئیں گے، سب اپنے اپنے ٹھکانے پہونچ گئے ہیں؛ اس لیے کہے گا کہ اچھا لاؤ گواہ، تو اس کے اَعضاء کو حکم کیا جائے گا اور وہ کہنا شروع کریں گے تو مجبوراً اس کو اقرار کرنا پڑے گا اور کہے گا کہ بے شک ابھی اور بھی بہت سے مُہلِک[2] گناہ بیان کرنا باقی ہیں، تو ارشاد ہوگا کہ اچھا ہم نے مَغفِرت کر دی۔

غرض ان وُجُوہ[3] سے ضرورت ہے کہ آدمی کے اعضاء سے نیک کام بھی بکثرت ہوں تا کہ گواہ دونوں قسم کے مل سکیں۔ اسی لیے حضور اقدس ﷺ نے اس حدیث بالا میں اُنگلیوں پر شمار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے دوسری احادیث میں مسجد میں کثرت سے آنے جانے کا حکم ہے کہ نشاناتِ قدم بھی گواہی دیں گے اور ان کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ کس قدر خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے لیے بُرائی کا گواہ کوئی بھی نہ ہو کہ گناہ کیے ہی نہیں یا توبہ وغیرہ سے معاف ہو گئے اور بھلائی اور نیکی کے گواہ سینکڑوں ہزاروں ہوں، جس کی سہل ترین[4] صورت یہ ہے کہ جب کوئی گناہ صادر ہو جائے فوراً توبہ سے اس کو مَحْو[5] کر ڈالیں کہ پھر وہ کالعَدم[6] ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ بابِ دوم فصلِ سوم حدیث نمبر: ۳۳ر کے تحت میں گذر چکا ہے اور نیکیاں اعمالناموں میں باقی رہیں جس کے گواہ بھی موجود ہوں اور جن جن اعضاء سے یہ نیک اعمال کیے ہیں وہ سب گواہی دیں۔ متعدد احادیث میں خود نبیٔ اکرم ﷺ کا اُنگلیوں پر گِننا مختلف الفاظ سے نقل کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ اکرم (انگلیوں پر) تسبیح گنتے تھے۔

اس کے بعد حدیثِ بالا میں اللہ کے ذکر سے غفلت پر رحمتِ الٰہیہ سے محروم کیے جانے کی وعید ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے محروم رہتے ہیں، وہ اللہ کی رحمت سے بھی محروم

حل لغات: (۱) رشتہ دار۔ (۲) ہلاک کرنے والی۔ (۳) وجہ کی جمع، سبب۔ (۴) بہت زیادہ آسان۔ (۵) مٹانا۔ (۶) بالکل ختم ہو جانا۔

رہتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ ''تم مجھے یاد کرو میں (رحمت کے ساتھ) تمہارا ذکر کروں گا۔'' حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی یاد کو بندہ کی یاد پر مُرَتَّب[1] فرمایا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝﴾ [سورۂ زخرف] ترجمہ: اور جو شخص اللہ کے ذکر سے (خواہ کسی قسم کا ہو قرآن پاک ہو یا کسی اور قسم کا، جان بوجھ کر) اندھا بن جائے، ہم اُس پر ایک شیطان کو مُسَلَّط[2] کر دیتے ہیں پس وہ شیطان ہر وقت اُس کے ساتھ رہتا ہے اور وہ شیطان اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر سب کے سب اُن لوگوں کو (جو اللہ کے ذکر سے اندھے بن گئے ہیں، سیدھے) راستہ سے ہٹاتے رہتے ہیں اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان مُقَرَّر ہے، کافر کے ساتھ تو وہ ہر وقت شریکِ حال رہتا ہے کھانے میں بھی، پینے میں بھی، سونے میں بھی؛ لیکن مومن سے ذرا دُور رہتا ہے اور ہر وقت مُنتظر رہتا ہے، جب اس کو ذرا غافل پاتا ہے فوراً اس پر حملہ کرتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ الی آخر السورۃ [سورۂ منافقون: ۹] اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد (اور اسی طرح دوسری چیزیں) اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں اور جو لوگ ایسا کریں گے وہی خسارے[3] والے ہیں اور ہم نے جو کچھ (مال دولت) عطا کر رکھا ہے۔ اُس میں سے (اللہ کے راستہ میں) اس سے پہلے پہلے خرچ کر لو کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے اور پھر (حسرت و افسوس سے) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! مجھے کچھ دنوں اور مُہلت[4] کیوں نہ دی، تاکہ میں خیرات کر لیتا اور نیک بندوں میں شامل ہو جاتا اور اللہ جلَّ جلالہٗ کسی شخص کو بھی موت کا وقت آجانے کے بعد مہلت نہیں دیتے اور اللہ کو تمہارے سارے اعمال کی پوری پوری خبر ہے (جیسا کرو گے بھلا یا بُرا، ویسا ہی پاؤ گے)۔

اللہ جلَّ شانہٗ کے ایسے بھی بندے ہیں جن کو کسی وقت بھی غفلت نہیں ہوتی۔ حضرت شِبلیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک جگہ دیکھا کہ ایک مجنون[5] شخص ہے، لڑکے اس کو ڈھیلے مار رہے ہیں، میں نے ان کو دھمکایا۔ وہ لڑکے کہنے لگے کہ یہ شخص یوں کہتا ہے کہ میں خدا کو دیکھتا ہوں، میں اس کے قریب گیا تو وہ کچھ کہہ رہا تھا، میں نے غور سے سنا تو وہ کہہ رہا تھا کہ تو نے بہت ہی اچھا کیا کہ ان لڑکوں کو مجھ پر مسلط[6] کر دیا۔ میں نے کہا کہ یہ لڑکے تجھ پر ایک تُہمت[7] لگاتے ہیں، کہنے لگا: کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا: یہ کہتے ہیں کہ تم خدا کو دیکھنے کے مُدَّعِی[8] ہو۔ یہ سن کر اس نے ایک چیخ ماری اور یہ کہا: شبلی اس ذات کی قسم جس نے اپنی محبت

حل لغات: ① ترتیب دینا۔ ② قابو دینا۔ ③ نقصان۔ ④ موقع۔ ⑤ پاگل۔ ⑥ سوار۔ ⑦ الزام۔ ⑧ دعوی کرنے والا۔

میں مجھ کو شکستہ[1] حال بنا رکھا ہے اور اپنے قُرب[2] و بُعد میں مجھ کو بھٹکا رکھا ہے اگر تھوڑی دیر بھی وہ مجھ سے غائب ہو جائے (یعنی حضوری حاصل نہ رہے) تو میں دردِ فراق[3] سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں، یہ کہہ کر وہ مجھ سے منہ موڑ کر یہ شعر پڑھتا ہوا بھاگ گیا۔

خَيَالُكَ فِيْ عَيْنِيْ وَذِكْرُكَ فِيْ فَمِيْ وَمَثْوَاكَ فِيْ قَلْبِيْ فَأَيْنَ تَغِيْبُ

تیری صورت میری نگاہ میں جمی رہتی ہے اور تیرا ذکر میری زبان پر ہر وقت رہتا ہے، تیرا ٹھکانہ میرا دل ہے پس تو کہاں غائب ہو سکتا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا جب انتقال ہونے لگا، تو کسی نے کلمہ لا إله إلّا الله تلقین کیا، فرمانے لگے: میں کسی وقت بھی اس کو نہیں بھولا (یعنی یاد تو اس کو دلاؤ، جس کو کسی وقت بھی غفلت ہوئی ہو)۔ حضرت مُمْشَاد دِیْنُورِیؒ مشہور بزرگ ہیں، جس وقت ان کا انتقال ہونے لگا، تو کسی پاس بیٹھنے والے نے دعا کی کہ حق تعالیٰ شانہٗ آپ کو (جنت کی) فلاں فلاں دولت عطا فرمائیں، تو ہنس پڑے۔ فرمانے لگے: تیس برس سے جنت اپنے سارے ساز و سامان کے ساتھ میرے سامنے ظاہر ہوتی رہی ہے، ایک دفعہ بھی تو (اللہ جلَّ شانہٗ کی طرف سے توجہ ہٹا کر) ادھر توجہ نہیں کی۔ حضرت رُوَیمؒ کو انتقال کے وقت کسی نے کلمہ تلقین کیا، تو فرمانے لگے: میں اس کے غیر کو اچھی طرح جانتا ہی نہیں۔ احمد بن خَضْرُوِیَہؒ کا انتقال کا وقت تھا، کسی شخص نے کوئی بات پوچھی، آنکھوں سے آنسو نکل پڑے، کہنے لگے: پچانوے[95] برس سے ایک دروازہ کھٹکھٹا رہا ہوں وہ اس وقت کھلنے والا ہے، مجھے معلوم نہیں کہ وہ سعادت[4] کے ساتھ کھلتا ہے یا بدبختی کے ساتھ، مجھے اس وقت بات کی فُرصت کہاں۔

(۱۹) وَعَنْ جُوَيْرِيَةَ ﷺ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا بُكْرَةً حِيْنَ صَلَّى الصُّبْحَ وَهِيَ فِيْ مَسْجِدِهَا، ثُمَّ رَجَعَ بَعْدَ أَنْ أَضْحٰى وَهِيَ جَالِسَةٌ، قَالَ: مَازِلْتِ عَلَى الْحَالِ الَّتِيْ فَارَقْتُكِ عَلَيْهَا؟ قَالَتْ: نَعَمْ. قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكِ أَرْبَعَ كَلِمَاتٍ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ لَوْ وُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ مُنْذُ الْيَوْمِ لَوَزَنَتْهُنَّ: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ.

اُم المومنین حضرت جُوَیْرِیَہ ؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ صبح کی نماز کے وقت ان کے پاس سے نماز کے لیے تشریف لے گئے اور یہ اپنے مُصلّٰی پر بیٹھی ہوئی (تسبیح میں مشغول تھیں)۔ حضور ﷺ چاشت کی نماز کے بعد (دوپہر کے قریب) تشریف لائے، تو یہ اسی حال میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: تم اسی حال پر ہو جس پر میں نے چھوڑا تھا؟ عرض کیا: جی ہاں! حضور ﷺ نے فرمایا: میں نے تم سے (جدا ہونے کے) بعد چار کلمے تین مرتبہ پڑھے، اگر اُن کو اس سب کے مقابلہ میں تولا جائے جو تم نے صبح

حل لغات: (۱) پریشان حال۔ (۲) نزدیکی اور دوری۔ (۳) جدائی کا درد۔ (۴) خوش قسمتی۔

[رواه مسلم كذا في المشكوة. قال القاري؛ وكذا أصحاب السنن الأربعة. وفي الباب عَنْ صَفِيَّةَ قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَبَيْنَ يَدَيَّ أَرْبَعَةُ الْاٰفِ نَوَاةٍ أُسَبِّحُ بِهِنَّ. الحديث: أخرجه الحاكم. وقال الذهبي: صحيح، وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ أَنَّهٗ دَخَلَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى امْرَأَةٍ وَبَيْنَ يَدَيْهَا نَوًى أَوْ حَصًى تُسَبِّحُ بِهٖ. فَقَالَ: أَلَا أُخْبِرُكِ بِمَا هُوَ أَيْسَرُ عَلَيْكِ مِنْ هٰذَا أَوْ أَفْضَلُ: سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَاخَلَقَ فِي السَّمَاءِ وَسُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي الْأَرْضِ وَسُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَابَيْنَ ذٰلِكَ وَسُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَاهُوَ خَالِقٌ. وَاللهُ أَكْبَرُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ مِثْلَ ذٰلِكَ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ مِثْلَ ذٰلِكَ. رواه أبوداؤد والترمذي، وقال الترمذي، حديث غريب كذا في المشكوة. قال القاري: وفي نسخة حسن غريب اهـ. وفي المنهل أخرجه أيضًا النسائي وابن ماجه وابن حبان والحاكم والترمذي وقال: حسن غريب من هذا الوجه اهـ. قلت: وصححه الذهبي].

سے پڑھا ہے، تو وہ غالب ہوجائیں، وہ کلمے یہ ہیں، سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ (اللہ کی تسبیح کرتا ہوں اور اس کی تعریف کرتا ہوں بقدر اُس کی مخلوقات کے عَدَدُ کے اور بقدر اس کی مرضی اور خوشنودی کے اور بقدر وزن اُس کے عرش کے اور اس کے کلمات کی مقدار کے مُوافق)۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ ایک صحابی عورت کے پاس تشریف لے گئے۔ ان کے سامنے کھجور کی گُٹھلیاں یا کنکریاں رکھی ہوئی تھیں، جن پر وہ تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میں تجھے ایسی چیز بتاؤں جو اس سے سَہَل[1] ہو (یعنی کنکریوں پر گننے سے سَہل ہو) یا (یہ ارشاد فرمایا) کہ اُس سے افضل ہو سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ اخیر تک۔ اللہ کی تعریف کرتی ہوں بقدر اس مخلوق کے جو آسمان میں پیدا کی اور بقدر اُس مخلوق کے جو زمین میں پیدا کی اور بقدر اُس مخلوق کے جو اُن دونوں کے درمیان ہے یعنی آسمان زمین کے درمیان ہے اور اللہ کی پاکی بیان کرتی ہوں بقدر اس کے جس کو وہ پیدا کرنے والا ہے اور اُس سب کے برابر اللہ أكبر اور اس کے برابر ہی الْحَمْدُ لِلّٰهِ اور اسی کی مانند لا إلٰه إلّا الله.

فائدہ: مُلّا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ان کیفیات کے ساتھ تسبیح کے افضل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان الفاظ کے ذکر کرنے سے ان کیفیات اور صفات کی طرف ذہن متوجہ ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ جتنا بھی تدبُّر[2] اور غور وفکر زیادہ ہوگا، اتنا ہی ذکر افضل ہوگا۔ اس لیے قرآن پاک جو تدبُّر سے پڑھا جائے وہ تھوڑا سا بھی اس تلاوت سے بہت زیادہ افضل ہے، جو بلا تدبر کے ہو اور بعض عُلَماء نے کہا ہے کہ افضلیت اس حیثیت سے ہے کہ اس میں اللہ جلّ جلالہٗ کی حمد وثنا کے شمار سے عجز کا اِظہار ہے، جو کمال[3] ہے عبدیت[4] کا۔ اسی وجہ

حل لغات: (۱) آسان۔ (۲) غور وفکر۔ (۳) آخری درجہ۔ (۴) بندگی۔

سے بعض صوفیہ سے نقل کیا گیا ہے: وہ کہتے ہیں کہ گناہ تو بلا حساب اور بے شمار کرتے ہو اور اللہ کے پاک نام کو شمار سے اور گن کر کہتے ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ شُمار نہ کرنا چاہیے، اگر ایسا ہوتا تو پھر احادیث میں کثرت سے خاص خاص اوقات میں شُمار[1] کیوں بتائی جاتی، حالانکہ بہت سی احادیث میں خاص خاص مقداروں پر خاص خاص وَعْدے فرمائے گئے ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف شمار پر قناعت[2] نہ کرنا چاہیے بلکہ جو اَوراد مخصوص اوقات میں متعین ہیں، اُن کو پورا کرنے کے علاوہ خالی اوقات میں بھی جتنا ممکن ہو، بے شمار اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا چاہیے کہ یہ ایسی بڑی دولت ہے جو شمار کی پابندیوں اور اس کے حدود سے بالاتر[3] ہے۔

ان احادیث سے تسبیحِ مُتَعَارَف یعنی دھاگہ میں پروئے ہوئے دانوں کا جواز[4] ثابت ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کو بِدْعت کہہ دیا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ جب اس کی اصل ثابت ہے، حضور ﷺ نے کنکریوں اور گُٹھلیوں پر گنتے ہوئے دیکھا اور اس پر انکار نہیں فرمایا، تو پھر اصل ثابت ہوگئی۔ دھاگہ میں پِرو دینے میں اور نہ پِرونے میں کوئی فرق نہیں۔ اسی وجہ سے جُمْلَہ[5] مَشَائِخ اور فُقَہَاء اس کا اِستعمال فرماتے رہے ہیں۔ مولانا عبدالحی صاحبؒ نے ایک مستقل رسالہ ''نزہۃ الفکر'' اس بارے میں تصنیف فرمایا ہے۔ مُلّاَ عَلی قاریؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح دلیل ہے، تسبیحِ متعارَف کے جواز کی؛ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے ان گُٹھلیوں یا کنکریوں پر گنتے ہوئے دیکھا اور اُس پر انکار نہیں فرمایا، جو شرعی دلیل ہے اور کھلے ہوئے دانے یا پروئے ہوئے میں کوئی فرق نہیں ہے، اس لیے جو لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں ان کا قول قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ صوفیہ کی اصطلاح میں اس کو ''شیطان کا کوڑا'' کہا جاتا ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے ہاتھ میں کسی نے ایسے وقت میں بھی تسبیح دیکھی جب وہ منتہائے[6] کمال پر پہونچ چکے تھے تو ان سے اس بارہ میں سوال کیا۔ فرمایا: جس چیز کے ذریعہ سے ہم اللہ تک پہونچے ہیں، اُس کو کیسے چھوڑ دیں۔

بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ ان کے پاس کھجور کی گُٹھلیاں یا کنکریاں رہتی تھیں اور وہ ان پر گِنْ گِنْ کر تسبیح پڑھا کرتے تھے؛ چنانچہ حضرت اَبُوصَفِیَّہ صحابی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ کنکریوں پر گنا کرتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وَقّاص رضی اللہ عنہ سے گٹھلیاں اور کنکریاں دونوں نقل کی گئی ہیں۔ حضرت ابوسعید خُدرِی رضی اللہ عنہ سے بھی کنکریوں پر پڑھنا نقل کیا گیا ہے۔ مِرقَاۃ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک دھاگہ رہتا تھا، جس میں گرہیں[7] لگی ہوئی تھیں ان پر شمار فرمایا کرتے تھے اور ابوداوٗد میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک تھیلی تھی، جس میں کھجور کی گٹھلیاں یا کنکریاں بھری رہتی، اُن پر

حل لغات: (۱) تعداد۔ (۲) تھوڑی چیز پر راضی ہونا۔ (۳) بلند، اونچی۔ (۴) درست ہونا۔ (۵) تمام۔ (۶) ولایت کا بہت اونچا مقام۔ (۷) گانٹھ۔

تسبیح پڑھا کرتے اور جب وہ خالی ہو جاتی تو ایک باندی تھی، جو ان سب کو پھر اُس میں بھر دیتی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس رکھ دیتی۔ خالی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تھیلی میں سے نکالتے رہتے اور باہر ڈالتے رہتے تھے اور جب وہ خالی ہو جاتی تو سارے دانے سمیٹ کر وہ باندی پھر اُس تھیلی میں بھر دیتی۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے بھی یہ نقل کیا گیا ہے کہ ان کے پاس ایک تھیلی میں عَجْوَہ کھجور کی گُٹھلیاں جمع رہتیں، صبح کی نماز پڑھ کر اُس تھیلی کو لے کر بیٹھتے اور جب تک وہ خالی ہوتی بیٹھے پڑھتے رہتے۔ حضرت ابوصفیہ رضی اللہ عنہ جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے، ان کے سامنے ایک چمڑہ بچھا رہتا، اس پر کنکریاں پڑی رہتیں اور صبح سے زوال کے وقت تک ان کو پڑھتے رہتے، جب زوال کا وقت ہوتا تو وہ چمڑا اُٹھالیا جاتا، وہ اپنی ضروریات میں مشغول ہو جاتے۔ ظہر کی نماز کے بعد پھر وہ بچھا دیا جاتا اور شام تک ان کو پڑھتے رہتے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پوتے نقل کرتے ہیں کہ دادے ابا کے پاس ایک دھاگہ تھا جس میں دو ہزار گرہیں لگی ہوئی تھیں، اُس وقت تک نہیں سوتے تھے، جب تک ایک مرتبہ ان پر تسبیح نہ پڑھ لیتے تھے۔ حضرت امام حُسَیْن رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رحمہا اللہ سے بھی یہ نقل کیا گیا ہے کہ ان کے پاس ایک دھاگہ تھا جس میں گرہیں لگی ہوئی تھیں ان پر تسبیح پڑھا کرتی تھیں۔

صوفیہ کی اِصطلاح میں تسبیح کا نام مُذَکِّرہ (یاد دلانے والی) بھی ہے، اس وجہ سے کہ جب یہ ہاتھ میں ہوتی ہے تو خواہ مخواہ پڑھنے کو دل چاہتا ہی ہے، اس لیے گویا اللہ کے نام کو یاد دلانے والی ہے۔ اس بارہ میں ایک حدیث بھی نقل کی جاتی ہے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تسبیح کیا ہی اچھی مُذَکِّرَہ (یعنی یاد دلانے والی) چیز ہے۔ اس باب میں ایک مُسَلْسَلْ حدیث مولانا عبدالحی صاحب رحمہ اللہ نے نقل فرمائی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا سے لے کر اُوپر تک ہر اُستاد نے اپنے شاگرد کو ایک تسبیح عطا فرمائی اور اس کے پڑھنے کی اجازت بھی دی۔ اخیر میں حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے شاگرد تک یہ سلسلہ پہونچتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی تو میں نے اُن سے کہا کہ آپ اس عُلُوِّ مرتبہ[1] پر بھی تسبیح ہاتھ میں رکھتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے استاد سِرِّی سَقَطِی رحمہ اللہ کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی تو ان سے یہی سوال کیا تھا جو تم نے کیا، انھوں نے فرمایا کہ میں نے بھی اپنے استاد حضرت مَعْرُوف کَرْخِی رحمہ اللہ کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی، تو یہی سوال کیا تھا۔ انھوں نے فرمایا تھا کہ میں نے اپنے استاد حضرت بِشْر حَافِی رحمہ اللہ کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی تھی تو یہی سوال کیا تھا۔ انھوں نے فرمایا تھا کہ میں نے اپنے استاد حضرت عُمَر مَکِّی رحمہ اللہ کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی تھی، تو یہی سوال کیا تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے استاد حضرت حَسَن بَصْرِی رحمہ اللہ (جو سارے مشائخِ چشتیہ کے سَرگروہ[2] ہیں) کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی تھی تو عرض کیا تھا کہ

حل لغات: (۱) بلند مقام۔ (۲) سردار۔

آپ کی اس رُفعتِ[1] شان اور عُلوِّ مرتبہ کے باوجود بھی اب تک تسبیح آپ کے ہاتھ میں ہے تو انھوں نے فرمایا تھا کہ ہم نے تصوُّف کی ابتدا میں اس سے کام لیا تھا اور اس کے ذریعہ سے ترقّی حاصل کی تھی تو گوارا[2] نہیں کہ اب اخیر میں اس کو چھوڑ دیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے دل سے، زبان سے، ہاتھ سے ہر طرح اللہ کا ذکر کروں۔ مُحدّثانہ حیثیت سے ان میں کلام بھی کیا گیا ہے۔

(۲۰) عَنِ ابْنِ أَعْبُدٍ قَالَ: قَالَ عَلِيٌّ أَلَا أُحَدِّثُكَ عَنِّي وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَكَانَتْ مِنْ أَحَبِّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ؟ قُلْتُ: بَلٰى. قَالَ: إِنَّهَا جَرَتْ بِالرَّحٰى حَتّٰى أَثَّرَ فِي يَدِهَا وَاسْتَقَتْ بِالْقِرْبَةِ حَتّٰى أَثَّرَ فِي نَحْرِهَا وَكَنَسَتِ الْبَيْتَ حَتّٰى اغْبَرَّتْ ثِيَابُهَا. فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ خَدَمٌ، فَقُلْتُ: لَوْ أَتَيْتِ أَبَاكِ فَسَأَلْتِهِ خَادِمًا. فَأَتَتْهُ فَوَجَدَتْ عِنْدَهُ حِدَاثًا فَرَجَعَتْ فَأَتَاهَا مِنَ الْغَدِ، فَقَالَ: مَا كَانَ حَاجَتُكِ؟ فَسَكَتَتْ. فَقُلْتُ: أَنَا أُحَدِّثُكَ يَارَسُولَ اللهِ! جَرَتْ بِالرَّحٰى حَتّٰى أَثَّرَتْ فِي يَدِهَا وَحَمَلَتْ بِالْقِرْبَةِ حَتّٰى أَثَّرَتْ فِي نَحْرِهَا، فَلَمَّا أَنْ جَاءَكَ الْخَدَمُ أَمَرْتُهَا أَنْ تَأْتِيَكَ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک شاگرد سے فرمایا کہ میں تمھیں اپنا اور اپنی بیوی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جو حضور ﷺ کی صاحبزادی اور سب گھر والوں میں زیادہ لاڈلی تھیں، قصّہ نہ سناؤں؟ انھوں نے عرض کیا: ضرور سنائیں۔ فرمایا کہ وہ خود چکی پیستی تھیں، جس سے ہاتھوں میں گٹّے پڑ گئے تھے اور خود ہی مَشک بھر کر لاتی تھیں جس سے سینہ پر رسّی کے نشان پڑ گئے تھے۔ خود ہی جھاڑو دیتی تھیں جس کی وجہ سے کپڑے میلے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں کچھ لونڈی غلام آئے، میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم اگر اپنے والد صاحب کی خدمت میں جا کر ایک خادم مانگ لاؤ تو اچھا ہے سہولت رہے گی، وہ گئیں۔ حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں لوگوں کا مجمع تھا اس لیے واپس چلی آئیں۔ حضور ﷺ دوسرے روز خود ہی مکان پر تشریف لائے اور فرمایا: تم کل کس کام کو آئی تھیں؟ وہ چپ ہو گئیں (شرم کی وجہ سے بول بھی نہ سکیں)۔ میں نے عرض کیا، حضور! چکی سے ہاتھ میں نشان پڑ گئے، مَشکیزہ[3] بھرنے کی وجہ سے سینہ پر بھی نشان پڑ گیا جھاڑو دینے کی وجہ سے کپڑے میلے رہتے ہیں۔ کل آپ کے پاس کچھ لونڈی غلام آئے تھے اس لیے میں نے ان سے کہا تھا کہ ایک خادم اگر مانگ لائیں تو ان مشقتوں میں سہولت ہو جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: فاطمہ! اللہ سے ڈرتی رہو اور اس کے فرض ادا کرتی رہو اور گھر کے کاروبار[4] کرتی رہو اور جب سونے کے لیے لیٹو تو سُبْحَانَ اللهِ تینتیس مرتبہ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تینتیس مرتبہ، اللهُ أَكْبَرُ چونتیس مرتبہ، پڑھ لیا کرو، یہ خادم سے بہتر ہے۔ انھوں نے عرض کیا

حل لغات: (۱) مرتبہ کی بلندی۔ (۲) پسند۔ (۳) سلی ہوئی کھال جس میں پانی بھرا جاتا ہے۔ (۴) کام کاج۔

فَتَسْتَخْدِمَكَ خَادِمًا يَقِيْهَا حَرَّ مَاهِيَ فِيْهِ. قَالَ: اِتَّقِي اللّٰهَ يَافَاطِمَةُ! وَأَدِّي فَرِيْضَةَ رَبِّكِ وَاعْمَلِي عَمَلَ أَهْلِكِ فَإِذَا أَخَذْتِ مَضْجَعَكِ فَسَبِّحِي ثَلٰثًا وَثَلٰثِيْنَ وَاحْمِدِي ثَلٰثًا وَثَلٰثِيْنَ وَكَبِّرِي أَرْبَعًا وَّثَلٰثِيْنَ فَتِلْكَ مِائَةٌ فَهِيَ خَيْرٌ لَّكِ مِنْ خَادِمٍ. قَالَتْ: رَضِيْتُ عَنِ اللّٰهِ وَ عَنْ رَسُوْلِهِ.

کہ میں اللہ (کی تقدیر) اور اس کے رسول ﷺ (کی تجویز[1]) سے راضی ہوں۔ دوسری حدیث میں حضور ﷺ کی پھوپھی زاد بہنوں کا قصہ بھی اسی قسم کا آیا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ ہم دو بہنیں اور حضور ﷺ کی بیٹی فاطمہ، تینوں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی مشقت اور دِقّتیں[2] ذکر کر کے ایک خادم کی طلب کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ خادم دینے میں تو بدر کے یتیم تم سے مقدم ہیں، میں تمہیں خادم سے بھی بہتر چیز بتاؤں، ہر نماز کے بعد یہ تینوں کلمے یعنی سُبْحَانَ اللّٰهِ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ. اَللّٰهُ أَكْبَرُ تینتیس تینتیس مرتبہ اور ایک مرتبہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ. لَهُ الْمُلْكُ لَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ پڑھ لیا کرو، یہ خادم سے بہتر ہے۔

[أخرجه أبوداؤد. وفي الباب عَنِ الْفَضْلِ بْنِ الْحَسَنِ الضَّمَرِيْ أَنَّ أُمَّ الْحَكَمِ أَوْ ضَبَاعَةُ ابْنَتَيْ الزُّبَيْرِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ حَدَّثَتْهُ عَنْ إِحْدَاهُمَا أَنَّهَا قَالَتْ: أَصَابَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَبْيًا. فَذَهَبْتُ أَنَا وَأُخْتِيْ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَشَكَوْنَا إِلَيْهِ مَانَحْنُ فِيْهِ وَسَأَلْنَاهُ أَنْ يَّأْمُرَ لَنَا بِشَيْءٍ مِنَ السَّبْيِ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: سَبَقَكُنَّ يَتَامٰى بَدْرٍ وَلٰكِنْ سَأَدُلُّكُنَّ عَلٰى مَاهُوَ خَيْرٌ لَّكُنَّ مِنْ ذٰلِكَ: تُكَبِّرْنَ اللّٰهَ عَلٰى أَثَرِ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ تَكْبِيْرَةً وَّثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ تَسْبِيْحَةً وَّثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ تَحْمِيْدَةً وَّلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٍ. رواه أبوداؤد وفي الجامع الصغير برواية ابن مندة عن حابس كان يأمر نسائه إذا أرادت إحداهن أن تنام أن تحمد. الحديث ورقم له بالضعف].

فائدہ: حضور اقدس ﷺ اپنے گھر والوں اور عزیزوں کو خاص طور سے ان تسبیحات کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ اپنی بیویوں کو یہ حکم فرمایا کرتے تھے کہ جب وہ سونے کا ارادہ کریں تو سُبْحَانَ اللّٰهِ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ. اَللّٰهُ أَكْبَرُ ہر ایک تینتیس مرتبہ پڑھیں۔ حدیث بالا میں حضور اقدس ﷺ نے دنیوی مشقتوں اور تکلیفوں کے مقابلہ میں ان تسبیحات کو تلقین فرمایا، اس کی ظاہری وجہ تو ظاہر ہے کہ مسلمان کے لیے دُنیوی مَشَقَّت اور تکلیف قابلِ التفات[3] نہیں ہے، اس کو ہر وقت آخرت اور مرنے کے بعد کی راحت و آرام کی فکر ضروری ہے، اس لیے حضور اقدس ﷺ نے اس چند روزہ زندگی کی مشقت اور تکلیف کی طرف سے توجہ کو ہٹا کر آخرت کی راحت کے سامان بڑھانے کی طرف متوجہ فرمایا اور ان تسبیحات کا آخرت میں زیادہ سے زیادہ نافع ہونا ان روایات سے جو اس باب میں ذکر کی گئیں، ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان تسبیحات کو حق تعالیٰ شانہٗ نے جہاں دینی منافع[4] اور ثمرات[5]

حل لغات: (۱) فیصلہ۔ (۲) پریشانیاں۔ (۳) توجہ کے لائق۔ (۴) فائدے۔ (۵) نتیجے۔

سے شَرَف[1] بخشا ہے، دنیوی منافع بھی ان میں رکھے ہیں۔ اللہ کے پاک کلام میں، اُس کے رسولِ پاک کے کلام میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن میں آخرت کے ساتھ ساتھ دنیاوی منافع بھی حاصل ہوتے ہیں؛ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ دَجَّال کے زمانہ میں مؤمنوں کی غذا فرشتوں کی غذا ہوگی یعنی تسبیح و تقدیس (سُبْحَانَ اللہ وغیرہ الفاظ کا پڑھنا) کہ جس شخص کا کلام ان چیزوں کا پڑھنا ہوگا، حق تعالیٰ شانہٗ اس سے بھوک کی مشقت کو زائل[2] کر دیں گے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس دنیا میں بغیر کھائے پیے صرف اللہ کے ذکر پر گذارہ مُمکن ہوسکتا ہے اور دجال کے زمانہ میں عام مؤمنین کو یہ دولت حاصل ہوگی تو اس زمانہ میں خواص[3] کو اس حالت کا میسر ہوجانا کچھ مشکل نہیں، اس لیے جن بزرگوں سے اس قسم کے واقعات بکثرت منقول[4] ہیں کہ معمولی غذا پر یا بِلا غذا کے وہ کئی کئی دن گذار دیتے تھے ان میں کوئی وجہ انکار یا تکذیب[5] کی نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر کہیں آگ لگ جائے تو تکبیر (یعنی اللہ أکبر کثرت سے) پڑھا کرو، یہ اس کو بجھا دیتی ہے۔

حِصنِ حَصِین میں نقل کیا ہے کہ جب کسی شخص کو کسی کام میں تعب[6] اور مشقت معلوم ہو یا قوت کی زیادتی مطلوب ہو، تو سوتے وقت سبحان اللہ تینتیس مرتبہ الحمد للہ تینتیس مرتبہ اور اللہ أکبر چونتیس مرتبہ پڑھے یا تینوں کلمے تینتیس، تینتیس مرتبہ پڑھے یا کوئی سا ایک چونتیس مرتبہ پڑھ لے (چونکہ مختلف احادیث میں مختلف عدد آئے ہیں اس لیے سب ہی کو نقل کر دیا ہے)۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی اُن احادیث سے جن میں نبیٔ اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خادم کے بدلے یہ تسبیحات تعلیم فرمائیں، یہ اِستنباط[7] کیا ہے کہ جو شخص ان پر مُداومت[8] کرے، اس کو مشقت کے کاموں میں تکان اور تعب نہیں ہوگا۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اگر معمولی تعب ہوا بھی تب بھی مضرت[9] نہ ہوگی۔ مُلّا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ یہ عمل مُجرَّب ہے یعنی تجربہ سے بھی یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ان تسبیحوں کا سوتے وقت پڑھنا اِزالۂ[10] تکان اور زیادتیٔ قوت کا سبب ہوتا ہے۔ علّامہ سیوطیؒ نے ''مِرقَاۃ الصُّعُود'' میں لکھا ہے کہ ان تسبیحوں کا خادم سے بہتر ہونا آخرت کے اِعتبار سے بھی ہوسکتا ہے کہ آخرت میں یہ تسبیحیں جتنی مفید، کارآمد اور نافع ہوں گی، دنیا میں خادم اتنا کارآمد اور نافع نہیں ہوسکتا اور دنیا کے اعتبار سے بھی ہوسکتا ہے کہ ان تسبیحوں کی وجہ سے کام پر جس قدر قوت اور ہمت ہوسکتی ہے خادم سے اتنا کام نہیں ہوسکتا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ دو خصلتیں[11] ایسی ہیں کہ جو ان پر عمل کرے وہ جنت میں داخل ہو اور وہ دونوں بہت سہل[12] ہیں؛ لیکن ان پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں، ایک یہ کہ ان تسبیحوں کو ہر نماز کے بعد دس

حل لغات: (۱) بزرگی۔ (۲) ختم۔ (۳) خاص لوگ۔ (۴) نقل کرنا۔ (۵) جھٹلانا۔ (۶) تھکاوٹ۔ (۷) مسئلہ نکالنا۔ (۸) پابندی۔ (۹) تکلیف۔ (۱۰) تھکاوٹ دور کرنا۔ (۱۱) عادتیں۔ (۱۲) آسان۔

دس مرتبہ پڑھے کہ یہ پڑھنے میں تو ایک سو پچاس ہوئیں ؛لیکن اعمال کی ترازو میں پندرہ سو ہوں گی۔ دوسرے یہ کہ سوتے وقت سُبْحَانَ اللهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تینتیس، تینتیس مرتبہ پڑھے اور الله أكبر چونتیس مرتبہ پڑھے کہ یہ پڑھنے میں سو مرتبہ ہوئیں اور ثواب کے اعتبار سے ایک ہزار ہوئیں۔ کسی نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ کیا بات ہے کہ ان پر عمل کرنے والے بہت تھوڑے ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نماز کے وقت شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں ضرورت ہے اور فلاں کام ہے، اور جب سونے کا وقت ہوتا ہے وہ اِدھر اُدھر کی ضرورتیں یاد دلاتا ہے جن سے پڑھنا رہ جاتا ہے۔ ان احادیث میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جنت کی عورتوں کی سردار اور دو جہاں کے سردار کی بیٹی اپنے ہاتھ سے آٹا پیستیں، حتی کہ ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے، خود ہی پانی بھر کر لاتیں حتیٰ کہ سینہ پر مشک کی رسی کے نشان ہو گئے، خود ہی گھر کی جھاڑو وغیرہ سارا کام کرتیں جس سے ہر وقت کپڑے میلے رہتے۔ آٹا گوندھنا، روٹی پکانا، غرض سب ہی کام اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں۔ کیا ہماری بیبیاں یہ سارے کام تو کیا، ان میں سے آدھے بھی اپنے ہاتھ سے کرتی ہیں؟ اور اگر نہیں کرتیں تو کتنی غیرت کی بات ہے کہ جن کے آقاؤں کی یہ زندگی ہو، ان کے نام لیوا، ان کے نام پر فخر کرنے والوں کی زندگی اس کے آس پاس بھی نہ ہو۔ چاہیے تو یہ تھا کہ خادموں کا عمل، ان کی مشقت آقاؤں سے کچھ آگے ہوتی؛ مگر افسوس کہ یہاں اس کے آس پاس بھی نہیں۔ فَإِلَى اللهِ الْمُشْتَكٰى وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ.

خاتمہ

خاتمہ میں ایک نہایت مُہتَمٌ بالشّان[۱] چیز کو ذکر کرتا ہوں اور اسی پر اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں۔ یہ تسبیحات جن کا اوپر ذکر کیا گیا نہایت ہی اہم اور دین و دنیا میں کارآمد اور مفید ہیں، جیسا کہ احادیثِ بالا سے معلوم ہوا۔ حضورِ اقدس ﷺ نے ان کے اہتمام اور فضیلت کی وجہ سے ایک خاص نماز کی ترغیب بھی فرمائی ہے۔ جو ''صلوٰۃ التسبیح'' (تسبیح کی نماز) کے نام سے مشہور ہے اور اسی وجہ سے اس کو صلوٰۃ التسبیح کہا جاتا ہے کہ یہ تسبیحات اُس میں تین سو[۳۰۰] مرتبہ پڑھی جاتی ہیں۔ حضور ﷺ نے بہت ہی اہتمام اور ترغیبوں کے ساتھ اس نماز کو تعلیم فرمایا؛ چنانچہ حدیث میں وارد ہے۔

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ: يَاعَبَّاسُ! يَاعَمَّاهُ! أَلَا أُعْطِيكَ؟ أَلَا أَمْنَحُكَ؟ أَلَا

حضورِ اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا۔ اے عباس! اے میرے چچا! کیا میں تمہیں ایک عطیہ کروں؟ ایک بخشش کروں؟ ایک چیز

حل لغات: (۱) بہت زیادہ اہم۔

أُخْبِرُكَ؟ أَلَا أَفْعَلُ بِكَ عَشَرَ خِصَالٍ إِذَا أَنْتَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ ذَنْبَكَ أَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ، قَدِيْمَهٗ وَحَدِيْثَهٗ، خَطَأَهٗ وَعَمَدَهٗ، صَغِيْرَهٗ وَكَبِيْرَهٗ، سِرَّهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ: أَنْ تُصَلِّيَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَأُ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً، فَإِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَآءَةِ فِي أَوَّلِ رَكْعَةٍ وَّأَنْتَ قَائِمٌ قُلْتَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً، ثُمَّ تَرْكَعُ فَتَقُوْلُهَا وَأَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا، ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ الرُّكُوْعِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا، ثُمَّ تَهْوِيْ سَاجِدًا فَتَقُوْلُهَا وَأَنْتَ سَاجِدٌ عَشْرًا، ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُوْدِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا، ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا، ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا، فَذٰلِكَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ، تَفْعَلُ ذٰلِكَ فِيْ أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تُصَلِّيَهَا فِيْ كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً، فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ شَهْرٍ مَرَّةً، فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ عُمُرِكَ مَرَّةً.

بتاؤں؟ تمہیں دس چیزوں کا مالک بناؤں؟ جب تم اس کام کو کرو گے تو حق تعالیٰ شانہٗ تمہارے سب گناہ پہلے اور پچھلے، پُرانے اور نئے، غلطی سے کیے ہوئے اور جان بوجھ کر کیے ہوئے، چھوٹے اور بڑے، چُھپ کر کیے ہوئے اور کُھلم کُھلّا کیے ہوئے، سب ہی معاف فرمادیں گے۔ وہ کام یہ ہے کہ چار رکعت نفل (صلوٰۃ التسبیح کی نیت باندھ کر) پڑھو اور ہر رکعت میں جب الحمد اور سورت پڑھ چکو، تو رکوع سے پہلے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ پندرہ مرتبہ پڑھو، پھر جب رکوع کرو تو دس مرتبہ اس میں پڑھو، پھر جب رکوع سے کھڑے ہو تو دس مرتبہ پڑھو، پھر سجدہ کرو تو دس مرتبہ اس میں پڑھو، پھر سجدہ سے اُٹھ کر بیٹھو تو دس مرتبہ پڑھو، پھر جب دوسرے سجدہ میں جاؤ تو دس مرتبہ اس میں پڑھو، پھر جب دوسرے سجدہ سے اُٹھو تو (دوسری رکعت میں) کھڑے ہونے سے پہلے بیٹھ کر دس مرتبہ پڑھو، ان سب کی میزان پچھتر ہوئی، اسی طرح ہر رکعت میں پچھتر دفعہ ہوگا۔ اگر ممکن ہو سکے تو روزانہ ایک مرتبہ اس نماز کو پڑھ لیا کرو، یہ نہ ہو سکے تو ہر جمعہ کو ایک مرتبہ پڑھ لیا کرو، یہ بھی نہ ہو سکے تو ہر مہینہ میں ایک مرتبہ پڑھ لیا کرو، یہ بھی نہ ہو سکے تو ہر سال میں ایک مرتبہ پڑھ لیا کرو، یہ بھی نہ ہو سکے تو عمر بھر میں ایک مرتبہ تو پڑھ ہی لو۔

[رواه أبوداؤد وابن ماجه والبيهقي في الدعوات الكبير وروى الترمذي عن أبي رافع نحوه كذا في المشكوٰة قلت وأخرجه الحاكم وقال هٰذا حديث وصله موسٰى بن عبد العزيز عن الحكم بن أبان وقد أخرجه أبوبكر محمد بن إسحٰق و أبوداؤد وأبو عبد الرحمٰن أحمد بن شعيب في الصحيح ثم قال بعد ما ذكر توثيق رواته و أما إرسال إبراهيم بن الحكم عن أبيه فلا يوهن وصل الحديث فإن الزيادة من الثقة أولى من الإرسال على أن إمام عصره في الحديث إسحٰق بن إبراهيم الحنظلي قد أقام هذا

الإسناد عن إبراهيم بن الحكم ووصله اهـ. قال السيوطي في اللآلي هذا إسناد حسن وما قال الحاكم أخرجه النسائي في كتابه الصحيح لم نره في شيء من نسخ السنن لا الصغرى ولا الكبرى].

(٢) وَعَنْ أَبِي الْجَوْزَاءِ عَنْ رَجُلٍ كَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ يَرَوْنَ أَنَّهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ: اِئْتِنِي غَدًا أَحْبُوكَ وَ أُثِيْبُكَ وَ أُعْطِيكَ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهُ يُعْطِيْنِي عَطِيَّةً. قَالَ: إِذَا زَالَ النَّهَارُ فَقُمْ فَصَلِّ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ. فَذَكَرَ نَحْوَهُ وَفِيْهِ. وَقَالَ: فَإِنَّكَ لَوْ كُنْتَ أَعْظَمَ أَهْلِ الْأَرْضِ ذَنْبًا غُفِرَ لَكَ بِذٰلِكَ. قَالَ: قُلْتُ: فَإِنْ لَّمْ أَسْتَطِعْ أَنْ أُصَلِّيَهَا تِلْكَ السَّاعَةِ؟ قَالَ: صَلِّهَا مِنَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ. [رواه أبوداؤد]

ایک صحابی کہتے ہیں: مجھ سے حضور ﷺ نے فرمایا: کل صبح کو آنا تم کو ایک بخشش کروں گا، ایک چیز دوں گا، ایک عطیہ کروں گا۔ وہ صحابی کہتے ہیں: میں ان سے سمجھا کہ کوئی (مال) عطا فرمائیں گے۔ (جب میں حاضر ہوا) تو فرمایا کہ جب دوپہر کو آفتاب ڈھل چکے تو چار رکعت نماز پڑھو۔ اسی طریقہ سے بتایا جو پہلی حدیث میں گذرا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ اگر تم ساری دنیا کے لوگوں سے زیادہ گناہ گار ہوگے تو تمہارے گناہ معاف ہوجائیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ اگر اس وقت میں کسی وجہ سے نہ پڑھ سکوں؟ تو ارشاد فرمایا کہ جس وقت ہو سکے دن میں یا رات میں پڑھ لیا کرو۔

(٣) عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: وَجَّهَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ جَعْفَرَ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ إِلٰى بِلَادِ الْحَبَشَةِ. فَلَمَّا قَدِمَ اِعْتَنَقَهُ وَقَبَّلَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: أَلَا أَهَبُ لَكَ؟ أَلَا أُبَشِّرُكَ؟ أَلَا أَمْنَحُكَ؟ أَلَا أَتْحَفُكَ؟ قَالَ: نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللهِ! قَالَ: تُصَلِّيْ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ، فذكر نحوه.

حضور اقدس ﷺ نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو حبشہ بھیج دیا تھا جب وہ وہاں سے واپس مدینہ طیبہ پہونچے، تو حضور ﷺ نے ان کو گلے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دیا پھر فرمایا: میں تجھے ایک چیز دوں؟ ایک خوشخبری سناؤں؟ ایک بخشش کروں؟ ایک تحفہ دوں؟ انھوں نے عرض کیا: ضرور۔ حضور ﷺ نے فرمایا چار رکعت نماز پڑھ۔ پھر اسی طریقہ سے بتائی جو اوپر گذرا۔ اس حدیث میں ان چار کلموں کے ساتھ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ بھی آیا ہے۔

[أخرجه الحاكم وقال: إسناد صحيح لا غبار عليه، وتعقبه الذهبي بأن أحمد بن داؤد كذبه الدار قطني كذا في المنهل، وكذا قال غيره تبعا للحافظ؛ لكن في النسخة التي بأيدينا من المستدرك، وقد صحت الرواية عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ علّم ابن عمه جعفرًا، ثم ذكر الحديث بسنده، وقال في اخره: هذا إسناد صحيح لا غبار عليه، وهكذا قال الذهبي في أول الحديث واخره؛ ثم لايذهب عليك أن في هذا الحديث زيادة: لا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم، أيضًا على الكلمات الأربع]

④ وَعَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ: قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَلَا أَهَبُ لَكَ؟ أَلَا أُعْطِيْكَ؟ أَلَا أَمْنَحُكَ؟ فَظَنَنْتُ أَنَّهٗ يُعْطِيْنِيْ مِنَ الدُّنْيَا شَيْئًا لَّمْ يُعْطِهٖ أَحَدًا مِنْ قَبْلِيْ. قَالَ: أَرْبَعَ رَكْعَاتٍ. [فذكر الحديث وَفِي اٰخِرِهٖ: غير أنك إذَا جلست للتشهد قلت ذلك عشر مرات قبل التشهد. الحديث. أخرجه الدار قطني في الأفراد وأبونعيم في القربان وابن شاهين في الترغيب. كذا في اتحاف السادة شرح الإحياء]	حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھ سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں بخشش کروں؟ ایک عطیہ دوں؟ ایک چیز عطا کروں؟ وہ کہتے ہیں: میں یہ سمجھا کہ کوئی دنیا کی ایسی چیز دینے کا ارادہ ہے جو کسی کو نہیں دی (اسی وجہ سے اس قسم کے الفاظ بخشش، عطا وغیرہ کو بار بار فرماتے ہیں)، پھر آپ ﷺ نے چار رکعت نماز سکھائی جو اوپر گذری، اس میں یہ بھی فرمایا کہ جب التحیات کے لیے بیٹھو تو پہلے ان تسبیحوں کو پڑھو پھر التحیات پڑھنا۔
⑤ قَالَ التِّرْمِذِيُّ: وَقَدْ رَوَى ابْنُ الْمُبَارَكِ وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ صَلٰوةَ التَّسْبِيْحِ وَذَكَرُوا الْفَضْلَ فِيْهِ. حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ نَا أَبُوْوَهْبٍ سَأَلْتُ عَبْدَاللهِ بْنَ الْمُبَارَكِ عَنِ الصَّلٰوةِ الَّتِيْ يُسَبَّحُ فِيْهَا. قَالَ: يُكَبِّرُ ثُمَّ يَقُوْلُ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ. ثُمَّ يَقُوْلُ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً: سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ. ثُمَّ يَتَعَوَّذُ وَيَقْرَأُ: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَفَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً. ثُمَّ يَقُوْلُ عَشْرَ مَرَّاتٍ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ. ثُمَّ يَرْكَعُ فَيَقُوْلُهَا عَشْرًا. ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ فَيَقُوْلُهَا عَشْرًا. ثُمَّ يَسْجُدُ فَيَقُوْلُهَا عَشْرًا. ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ فَيَقُوْلُهَا عَشْرًا. ثُمَّ يَسْجُدُ الثَّانِيَةَ فَيَقُوْلُهَا عَشْرًا. يُصَلِّيْ أَرْبَعَ رَكْعَاتٍ عَلٰى هٰذَا فَذٰلِكَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ تَسْبِيْحَةً فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ.	حضرت عبد اللہ بن المبارکؒ اور بہت سے علما سے اس نماز کی فضیلت نقل کی گئی ہے اور اس کا یہ طریقہ نقل کیا گیا ہے کہ ''سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ'' پڑھنے کے بعد الحمد شریف پڑھنے سے پہلے پندرہ دفعہ ان کلموں کو پڑھے پھر ''اعوذ'' اور ''بسم اللہ'' پڑھ کر الحمد شریف اور پھر کوئی سورت پڑھے، سورت کے بعد رکوع سے پہلے دس مرتبہ پڑھے پھر رکوع میں دس مرتبہ، پھر رکوع سے اُٹھ کر، پھر دونوں سجدوں میں اور دونوں سجدوں کے درمیان میں بیٹھ کر دس دس مرتبہ پڑھے، یہ پچھتر پوری ہوگئی (لہٰذا دوسرے سجدے کے بعد بیٹھ کر پڑھنے کی ضرورت نہیں رہی) رکوع میں پہلے ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ'' اور سجدہ میں پہلے ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى'' پڑھے، پھر ان کلموں کو پڑھے (حضور اقدس ﷺ سے بھی اس طریقہ سے نقل کیا گیا ہے)۔

[ثُمَّ قَالَ: قَالَ أَبُوْ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِيْ عَبْدُ الْعَزِيْزِ عَنْ عَبْدِاللهِ أَنَّهٗ قَالَ: يَبْدَأُ فِي الرُّكُوْعِ بِسُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ، وَفِي السَّجْدَةِ بِسُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى ثَلٰثًا. ثُمَّ يُسَبِّحُ التَّسْبِيْحَاتِ. قَالَ عَبْدُ الْعَزِيْزِ: قُلْتُ لِعَبْدِاللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ: إِنْ سَهَا فِيْهَا يُسَبِّحُ فِيْ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ عَشْرًا عَشْرًا. قَالَ: لَا إِنَّمَا هِيَ ثَلٰثُمِائَةِ تَسْبِيْحَةٍ. اهـ. مُخْتَصَرًا: قُلْتُ: وَهٰكَذَا رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَقَالَ: رُوَاتُهٗ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ إِثْبَاتٌ، وَلَايُتَّهَمُ عَبْدُاللهِ أَنْ يُعَلِّمَهٗ مَالَمْ يُصَحَّ عِنْدَهٗ سَنَدُهٗ اهـ. وَقَالَ الْغَزَالِيُّ فِي الْإِحْيَاءِ بَعْدَ مَا ذَكَرَ حَدِيْثَ ابْنِ عَبَّاسٍ الْمَذْكُوْرِ: وَفِيْ رِوَايَةٍ أُخْرٰى أَنَّهٗ يَقُوْلُ فِيْ أَوَّلِ الصَّلٰوةِ: سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ. ثُمَّ يُسَبِّحُ خَمْسَ عَشَرَةَ تَسْبِيْحَةً قَبْلَ الْقِرَاءَةِ، وَعَشْرًا بَعْدَ الْقِرَاءَةِ، وَالْبَاقِيْ كَمَا سَبَقَ عَشْرًا عَشْرًا، وَلَا يُسَبِّحُ بَعْدَ السُّجُوْدِ الْأَخِيْرِ، وَهٰذَا هُوَ الْأَحْسَنُ، وَهُوَ اِخْتِيَارُ ابْنِ الْمُبَارَكِ اهـ. قَالَ الزبيدي في الاتحاف ولفظ القوت: هذه الرواية أَحَبُّ الْوَجْهَيْنِ إِلَيَّ اهـ. قال الزبيدي: أي لايسبح في الجلسة الأولىٰ بين الركعتين ولا في جلسة التشهد شيئًا كما في القوت. قال: وكذلك روينا في حديث عبدالله بن جعفر بن أبي طالب: أن النبي ﷺ علّمه صلٰوة التسبيح فذكره اهـ. ثم قال الزبيدي: وأما حديث عبدالله بن جعفر فأخرجه الدّار قطني من وجهين: عن عبدالله بن زياد بن سمعان، قال في أحدهما: عن معاوية و إسماعيل بن عبد الله ابني جعفر عن أبيهما، وقال في الأخرىٰ: عن عون بدل إسمٰعيل عن أبيهما، قال: قال لي رسول الله ﷺ: ألا أعطيك فذكر الحديث. وابن سمعان ضعيف، وهذه الرواية هي التي أشار إليها صاحب القوت وهي الثانية عنده، قال فيها: يفتتح الصلٰوة فيكبر، ثم يقول: فذكر الكلمات وزاد فيها: الحوقلة، ولم يذكر هذه السجدة الثانية عند القيام أن يقولها، قال: وهو الذي اختاره ابن المبارك اهـ. قال المنذري في الترغيب: وروى البيهقي من حديث أبي جناب الكلبي عن أبي الجوزاء عن ابن عمرو (بن العاص) فذكر الحديث بالصفة التي رواها الترمذي عن ابن المبارك، ثم قال: وهذا يوافق ما رويناه عن ابن المبارك، ورواه قتيبة بن سعيد عن يحي بن سليم عن عمران بن مسلم عن أبي الجوزاء قال: نزل علىٰ عبدالله بن عمرو بن العاص، فذكر الحديث، وخالفه في رفعه إلى النبي ﷺ، ولم يذكر التسبيحات في ابتداء القراءة إنما ذكرها بعدها، ثم ذكر جلسة الاستراحة كما ذكرها سائر الرواة اهـ. قلت: حديث أبي الجناب مذكور في السنن على هذا الطريق طريق ابن المبارك، وما ذكر من كلام البيهقي ليس في السنن بهذا اللفظ، فلعله ذكره في الدعوات الكبير، وما في السنن أنه ذكر أولا حديث أبي جناب تعليقا مرفوعًا، ثم قال: قال أبوداؤد. ورواه روح بن المسيب وجعفر بن سليمان عن عمرو بن مالك النكري عن أبي الجوزاء عن ابن عباس قوله، وقال في حديث روح فقال حديث النبي ﷺ اهـ. وظاهره أن الاختلاف في السند فقط لا في لفظ الحديث، وذكر شارح الإقناع من فروع الشافعية صلٰوة التسبيح، واقتصر على صفة ابن المبارك فقط. قال البجيرمي: هذه رواية ابن مسعود، والذي عليه مشائخنا أنه لا يسبح قبل القراءة بل بعدها خمسة عشر، والعشرة في جلسة الاستراحة، وهذه رواية ابن عباس اهـ. مختصرًا. وعلم منه أن طريق ابن المبارك مروي عن ابن مسعود أيضًا؛ لكن لم أجد حديث ابن مسعود فيما عندي من الكتب، بل المذكور فيها على ما بسطه صاحب المنهل وشارح الإحياء وغيرهما: أن حديث صلٰوة التسبيح مروي عن جماعة من الصحابة، منهم: عبدالله والفضل ابنا العباس وأبوهما عباس بن عبدالمطلب وعبدالله بن عمرو بن العاص و عبدالله بن عمر بن الخطاب وأبو رافع مولىٰ رسول الله ﷺ وعلي بن أبي طالب وأخوه جعفر بن أبي طالب وابنه عبدالله بن جعفر وأمّ المؤمنين أم سلمة وأنصاري غير مسمى، وقد قيل: إنه جابر بن عبدالله، قاله الزبيدي، وبسط في تخريج أحاديثهم، وعلم مما سبق أن حديث

صلوٰة التسبيح مروي بطرق كثيرة، وقد أفرط ابن الجوزي ومن تبعه في ذكره في الموضوعات، ولذا تعقب عليه غير واحد من أئمة الحديث، كالحافظ ابن حجر والسيوطي والزركشي. قال ابن المديني: قد أساء ابن الجوزي بذكره إياه في الموضوعات. كذا في اللآلي. قال الحافظ: وممن صححه أو حسنه ابن مندة وألف فيه كتابا والآجري والخطيب وأبو سعد السمعاني وأبو موسى المديني وأبو الحسن بن المفضل والمنذري وابن الصلاح والنووي في تهذيب الأسماء والسبكي وآخرون. كذا في الإتحاف. وفي المرقاة عن ابن حجر: صححه الحاكم وابن خزيمة وحسنه جماعة اهـ. قلت: وبسط السيوطي في اللآلي تحسينه، وحكي عن أبي منصور الديلمي صلوٰة التسبيح أشهر الصلوات وأصحها إسنادًا]

فائدہ: ① صلوٰۃ التسبیح بڑی اہم نماز ہے، جس کا اندازہ کچھ احادیثِ[1] بالا سے ہوسکتا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے کس قدر شفقت اور اہتمام سے اس کو تعلیم فرمایا ہے۔ علمائے اُمَّت، مُحدِّثین، فُقَہاء، صُوفِیَہ ہر زمانہ میں اس کا اِہتمام فرماتے رہے ہیں۔ امامِ حدیث حاکمؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے صحیح ہونے پر یہ بھی دلیل ہے کہ تبعِ تابعین کے زمانہ سے ہمارے زمانہ تک مُقتَدا[2] حضرات اس پر مداوَمت[3] کرتے اور لوگوں کو تعلیم دیتے رہے ہیں، جن میں عبداللہ بن مبارکؒ بھی ہیں، یہ عبداللہ بن مبارکؒ، امام بخاریؒ کے استادوں کے استاد ہیں۔ بیہقیؒ کہتے ہیں کہ ابن مبارکؒ سے پہلے ابوالجوزاءؒ جو مُعتَمَد[4] تابعی ہیں، اس کا اِہتمام کیا کرتے تھے، روزانہ جب ظہر کی اذان ہوتی تو مسجد میں جاتے اور جماعت کے وقت تک اس کو پڑھ لیا کرتے۔ عبدالعزیز ابن ابی رَوَّادؒ جو ابن مبارکؒ کے بھی استاد ہیں، بڑے عابد زاہد متقی لوگوں میں ہیں، کہتے ہیں: جو جنت کا ارادہ کرے اس کو ضروری ہے کہ صلوٰۃ التسبیح کو مضبوط پکڑے۔ ابوعثمان حِیریؒ جو بڑے زاہد ہیں، کہتے ہیں کہ میں نے مصیبتوں اور غموں کے اِزالَہ[5] کے لیے صلوٰۃ التسبیح جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی۔ علامہ تقی سُبکیؒ فرماتے ہیں کہ یہ نماز بڑی اہم ہے، بعض لوگوں کے انکار کی وجہ سے دھوکہ میں نہ پڑنا چاہیے، جو شخص اس نماز کے ثواب کو سن کر بھی غفلت کرے وہ دین کے بارے میں سستی کرنے والا ہے۔ صُلَحاء[6] کے کاموں سے دور ہے، اس کو پکا آدمی نہ سمجھنا چاہیے۔ مِرقاۃ میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہر جمعہ کو پڑھا کرتے تھے۔

② بعض علماء نے اس وجہ سے اس حدیث کا انکار کیا ہے کہ اتنا زیادہ ثواب صرف چار رکعت پر مشکل ہے۔ بالخصوص کبیرہ گناہوں کا معاف ہونا؛ لیکن جب روایت بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے تو انکار مشکل ہے، البتہ دوسری آیات اور احادیث کی وجہ سے کبیرہ گناہوں کی معافی کے لیے توبہ کی شرط ہوگی۔

③ احادیث بالا میں اس نماز کے دو طریقے بتائے گئے ہیں: اول یہ کہ کھڑے ہو کر الحمد شریف اور سورۃ کے بعد پندرہ مرتبہ چاروں کلمے سُبْحَانَ اللهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَ اللهُ أَكْبَر پڑھے، پھر رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ کے بعد دس مرتبہ پڑھے، پھر رکوع سے کھڑے ہو کر سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کے بعد دس مرتبہ پڑھے، پھر دونوں سجدوں میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى

حل لغات: ① اوپر ذکر کی گئیں حدیثیں۔ ② رہنما۔ ③ پابندی۔ ④ معتبر، بھروسہ مند۔ ⑤ دور کرنا۔ ⑥ نیک لوگ۔

کے بعد دس دس مرتبہ پڑھے اور دونوں سجدوں کے درمیان جب بیٹھے دس مرتبہ پڑھے اور جب دوسرے سجدہ سے اُٹھے تو اللّٰہُ أَکْبَرُ کہتا ہوا اُٹھے اور بجائے کھڑے ہونے کے بیٹھ جائے اور دس مرتبہ پڑھ کر بغیر اللّٰہُ أَکْبَرُ کہے کھڑا ہو جائے اور دو رکعت کے بعد اسی طرح چوتھی رکعت کے بعد پہلے ان کلموں کو دس دس مرتبہ پڑھے پھر التحیات پڑھے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ کے بعد الحمد سے پہلے پندرہ مرتبہ پڑھے اور پھر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور سورۃ کے بعد دس مرتبہ پڑھے اور باقی سب طریقہ بدستور، البتہ اس صورت میں نہ تو دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھنے کی ضرورت ہے اور نہ التحیات کے ساتھ پڑھنے کی۔ علما نے لکھا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ کبھی اِس طرح پڑھ لیا کرے، کبھی اُس طرح۔

(۴) چونکہ یہ نماز عام طور سے رائج[۲] نہیں ہے، اس لیے اس کے متعلق چند مسائل بھی لکھے جاتے ہیں تا کہ پڑھنے والوں کو سہولت ہو۔

مسئلہ: (۱) اس نماز کے لیے کوئی سورت قرآن کی متعین نہیں ہے، جونسی سورت دل چاہے پڑھے؛ لیکن بعض علماء نے لکھا ہے کہ سورۂ حدید، سورۂ حشر، سورۂ صف، سورۂ جمعہ، سورۂ تغابن میں سے چار سورتیں پڑھے۔ بعض حدیثوں میں بیس آیتوں کی بقدر آیا ہے، اس لیے ایسی سورتیں پڑھے جو بیس آیتوں کے قریب قریب ہوں۔ بعض نے اِذازلزلت، والعادِیات، تکاثر، والعصر، کافرون، نصر، اِخلاص لکھا ہے کہ ان میں سے پڑھ لیا کرے۔

مسئلہ: (۲) ان تسبیحوں کو زبان سے ہرگز نہ گنے کہ زبان سے گننے سے نماز ٹوٹ جائے گی، انگلیوں کو بند کر کے گِننا اور تسبیح ہاتھ میں لے کر گننا اس پر جائز ہے مگر مکروہ ہے، بہتر یہ ہے کہ انگلیاں جس طرح اپنی جگہ پر رکھی ہیں، ویسی ہی رہیں اور ہر کلمہ پر ایک ایک اُنگلی کو اسی جگہ دباتا رہے۔

مسئلہ: (۳) اگر کسی جگہ تسبیح پڑھنا بھول جائے تو دوسرے رکن میں اس کو پورا کر لے، البتہ بھولے ہوئے کی قضا رکوع سے اُٹھ کر اور دو سجدوں کے درمیان نہ کرے۔ اسی طرح[۱] پہلی اور تیسری رکعت کے بعد اگر بیٹھے تو ان میں بھی بھولے ہوئے کی قضا نہ کرے؛ بلکہ صرف ان کی ہی تسبیح پڑھے اور ان کے بعد جو رکن ہو، اس میں بھولی ہوئی بھی پڑھ لے مثلاً اگر رکوع میں پڑھنا بھول گیا، تو ان کو پہلے سجدہ میں پڑھ لے اسی طرح پہلے سجدہ کی دوسرے سجدہ میں اور دوسرے سجدہ کی دوسری رکعت میں کھڑا ہو کر پڑھ لے اور اگر رہ جائے تو آخری قعدہ میں التحیات سے پہلے پڑھ لے۔

مسئلہ: (۴) اگر سجدۂ سَہو کسی وجہ سے پیش آجائے تو اس میں تسبیح نہیں پڑھنا چاہیے، اس لیے کہ مقدار تین سو ہے وہ پوری ہو چکی، ہاں اگر کسی وجہ سے اس مقدار میں کمی رہی ہو تو سجدۂ سہو میں پڑھ لے۔

مسئلہ: (۵) بعض احادیث میں آیا ہے کہ التحیات کے بعد سلام سے پہلے یہ دعا پڑھے:

حل لغات: (۱) اسی طرح۔ (۲) عام، لوگوں میں رواج نہیں ہے۔

ترجمہ	دعا
ترجمہ: اے اللہ میں آپ سے ہدایت والوں کی سی توفیق مانگتا ہوں، اور یقین کرنے والوں کا عمل اور توبہ والوں کا خُلُوص مانگتا ہوں اور صَابِرِین[1] کی پُختگی[2] اور آپ سے ڈرنے والوں کی سی کوشش (یا اِحتِیَاط) مانگتا ہوں اور رغبت والوں کی سی طلب اور پرہیز گاروں کی سی عبادت اور علما کی سی مَعْرِفَت[3]، تا کہ میں آپ سے ڈرنے لگوں، اے اللہ! ایسا ڈر جو مجھے آپ کی نافرمانی سے روک دے اور تا کہ میں آپ کی اطاعت سے ایسے عمل کرنے لگوں، جن کی وجہ سے آپ کی رضا و خوشنودی کا مُستَحَق بن جاؤں اور تا کہ خلوص کی توبہ آپ کے ڈر سے کرنے لگوں اور تا کہ سچا اخلاص آپ کی محبت کی وجہ سے کرنے لگوں اور تا کہ آپ کے ساتھ حُسنِ ظن[4] کی وجہ سے آپ پر تَوَکُّل کرنے لگوں۔ اے نور کے پیدا کرنے والے! تیری ذات پاک ہے، اے ہمارے رب ہمیں کامل نور عطا فرما اور تو ہماری مغفرت فرما، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے، اے ارحم الراحمین! اپنی رحمت سے درخواست کو قبول فرما۔	اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ تَوْفِيْقَ أَهْلِ الْهُدٰى، وَأَعْمَالَ أَهْلِ الْيَقِيْنِ، وَمُنَاصَحَةَ أَهْلِ التَّوْبَةِ، وَعَزْمَ أَهْلِ الصَّبْرِ، وَجِدَّ أَهْلِ الْخَشْيَةِ، وَطَلَبَ أَهْلِ الرَّغْبَةِ، وَتَعَبُّدَ أَهْلِ الْوَرَعِ، وَعِرْفَانَ أَهْلِ الْعِلْمِ حَتّٰى أَخَافَكَ. اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ مَخَافَةً تَحْجُزُنِيْ بِهَا عَنْ مَّعَاصِيْكَ، وَحَتّٰى أَعْمَلَ بِطَاعَتِكَ عَمَلًا أَسْتَحِقُّ بِهٖ رِضَاكَ، وَحَتّٰى أُنَاصِحَكَ فِي التَّوْبَةِ خَوْفًا مِّنْكَ، وَحَتّٰى أُخْلِصَ لَكَ النَّصِيْحَةَ حُبًّا لَّكَ، وَحَتّٰى أَتَوَكَّلَ عَلَيْكَ فِي الْأُمُوْرِ حُسْنَ الظَّنِّ بِكَ، سُبْحَانَ خَالِقَ النُّوْرِ، رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

[رواه أبو نعيم في الحلية من حديث ابن عباس، و لفظه: إذا فرغت قلت بعد التشهد قبل التسليم: اللّٰهم إلخ. كذا في الإتحاف وقال أورده الطبراني أيضاً من حديث العباس و في سنده متروك اهـ. قلت: زاد في المرقاة في آخر الدعاء بعض الألفاظ بعد قوله: خالق النور، زدتها تكميلا للفائدة]

مسئلہ: (٦) اس نماز کا اوقاتِ مکروہ کے علاوہ باقی دن رات کے تمام اوقات میں پڑھنا جائز ہے، البتہ زوال کے بعد پڑھنا زیادہ بہتر ہے پھر دن میں کسی وقت، پھر رات کو۔

مسئلہ: (٧) بعض حدیثوں میں سوم کلمہ کے ساتھ لاحول کو بھی ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ اوپر تیسری حدیث میں گذرا، اس لیے اگر کبھی کبھی اس کو بڑھا لے تو اچھا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

زکریا کاندھلوی

شب جمعہ ۲۶ رشوال ۱۳۵۸ھ ہجری

حل لغات: (١) صبر کرنے والا۔ (٢) مضبوطی۔ (٣) اللہ کی پہچان۔ (٤) نیک گمان۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ [بخاری]

حضور ﷺ نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

(۵)

فضائلِ قرآن مجید

کی چہل حدیث

مرتّبہ ومترجمہ

فخر الاماثل زبدۃ الافاضل حضرت مولانا الحاج الحافظ المحدث محمد زکریا صاحبؒ

جس میں اوّل قرآن پاک کے فضائل میں چالیس احادیث مع ترجمہ وشرح تحریر فرمائی ہیں،
اس کے بعد سات حدیثیں قرآن پاک کے متفرق احکام میں ذکر فرما کر
تتمہ میں اُن سب مضامین پر اجمالی تنبیہ فرمائی ہے،
اخیر میں ایک دُوسری چہل حدیث کا مع ترجمہ اضافہ فرمایا ہے
جو بے حد اختصار کے باوجود نہایت جامع ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ الْإِنْسَانَ وَعَلَّمَهُ الْبَيَانَ وَأَنْزَلَ لَهُ الْقُرْاٰنَ وَجَعَلَهُ مَوْعِظَةً وَّشِفَاءً وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِذَوِي الْإِيْمَانِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا وَأَنْزَلَهٗ قَيِّمًا حُجَّةً نُوْرًا لِذَوِي الْإِيْقَانِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الْأَتَمَّانِ الْأَكْمَلَانِ عَلٰى خَيْرِ الْخَلَائِقِ مِنَ الْإِنْسِ وَالْجَانِّ الَّذِيْ نَوَّرَ الْقَلْبَ وَالْقُبُوْرَ نُوْرُهٗ وَرَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ظُهُوْرُهٗ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهِ الَّذِيْنَ هُمْ نُجُوْمُ الْهِدَايَةِ وَنَاشِرُ الْفُرْقَانِ وَعَلٰى مَنْ تَبِعَهُمْ بِالْإِيْمَانِ وَبَعْدُ ! فَيَقُوْلُ الْمُفْتَقِرُ إِلٰى رَحْمَةِ رَبِّهِ الْجَلِيْلِ عَبْدُهُ الْمَدْعُوُّ بِزَكَرِيَّا بْنِ يَحْيٰى بْنِ إِسْمٰعِيْلَ هٰذِهِ الْعُجَالَةُ أَرْبَعُوْنَةٌ فِيْ فَضَائِلِ الْقُرْآنِ أَلَّفْتُهَا مُمْتَثِلًا لِأَمْرِ مَنْ إِشَارَتُهٗ حُكْمٌ وَطَاعَتُهٗ غُنْمٌ .

تمام تعریف اس پاک ذات کے لیے ہے جس نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو وضاحت[1] سکھلایا اور اس کے لیے وہ قرآنِ پاک نازل فرمایا جس کو نصیحت اور شِفا اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے لیے بنایا، جس میں نہ کوئی شک ہے اور نہ کسی قسم کی کجی[2] بلکہ وہ بالکل مستقیم[3] ہے اور حُجّت[4] ونور ہے یقین والوں کے لیے، اور کامل ومکمل درود وسلام اس بہترینِ خلائق[5] پر ہوجیو، جس کے نُور نے زندگی میں دلوں کو اور مرنے کے بعد قبروں کو منوّر فرمادیا اور جس کا ظُہور[6] تمام عالَم[7] کے لیے رحمت ہے اور آپ ﷺ کی اولاد واصحاب رضی اللہ عنہم پر جو ہدایت کے ستارے ہیں اور کلام پاک کے پھیلانے والے، نیز ان مؤمنین پر بھی جو ایمان کے ساتھ ان کے پیچھے لگنے والے ہیں۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد اللہ کی رحمت کا مُحتاج بندہ: زکریا بن یحییٰ بن اسماعیل عرض کرتا ہے کہ یہ جلدی میں لکھے ہوئے چند اَوراق ''فضائلِ قرآن'' میں ایک ''چہل حدیث'' ہے، جس کو میں نے ایسے حضرات کے اِمتثالِ[8] حکم میں جمع کیا ہے جن کا اشارہ بھی حکم ہے اور اُن کی اطاعت[9] ہر طرح مُغتنم[10] ہے۔

حق سُبحانہٗ وتقدّس کے اُن انعاماتِ خاصہ میں سے جو مدرسہ عالیہ مظاہر علوم سہارنپور کے ساتھ ہمیشہ مخصوص رہے ہیں؛ مدرسے کا سالانہ جلسہ ہے جو ہر سال مدرسے کے اجمالی حالات سنانے کے لیے منعقد ہوتا ہے۔ مدرسہ کے اس جلسہ میں مقررین، واعظین اور مشاہیر[11] اہلِ ہند کے جمع کرنے کا اس قدر اہتمام نہیں کیا جاتا جتنا کہ اللہ والے، قلوب والے، گُمنامی میں رہنے والے مشائخ کے اجتماع[12] کی سعی[13] کی جاتی ہے۔ وہ زمانہ اگرچہ کچھ دور ہوگیا ہے جب کہ حُجّۃُ الاِسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس اللہ سرہٗ العزیز

حل لغات: (۱) بیان۔ (۲) ٹیڑھا پن۔ (۳) سیدھا۔ (۴) دلیل اور روشنی۔ (۵) مخلوق میں سب سے بہتر۔ (۶) ظاہر ہونا۔ (۷) دنیا۔ (۸) حکم ماننا۔ (۹) بات ماننا۔ (۱۰) فائدہ دینے والا۔ (۱۱) ہندوستان کے مشہور لوگ۔ (۱۲) جمع کرنا۔ (۱۳) کوشش۔

اور قُطب الاِرشاد حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کی تشریف آوری حاضرینِ جلسہ کے قلوب کو مُنوَّر فرمایا کرتی تھی؛ مگر وہ منظر ابھی آنکھوں سے زیادہ دور نہیں ہوا جب کہ ان مُجدِّدِینِ اسلام اور شُموسِ ہدایت[1] کے جانشین حضرت شیخ الہندؒ، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ وحضرت مولانا اشرف علی صاحب نوَّر اللہ مرقدہٗ مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں مُجتمع ہو کر مُردہ قلوب کے لیے زندگی ونورانیت کے لیے چشمے جاری فرمایا کرتے تھے اور عشق کے پیاسوں کو سیراب فرماتے تھے۔

دورِ حاضر میں مدرسے کا جلسہ اِن بُدورِ ہدایت[2] سے بھی گو محروم ہوگیا؛ مگر ان کے سچے جانشین[3] حُضّارِ جلسہ[4] کو اب بھی اپنے فیوض وبرکات سے مالا مال فرماتے ہیں، جو لوگ اِمسال جلسہ میں شریک رہے ہیں وہ اس کے لیے شاہدِ عَدْل[5] ہیں، آنکھوں والے برکات دیکھتے ہیں، لیکن ہم سے بے بَصر[6] بھی اتنا ضرور محسوس کرتے ہیں کہ کوئی بات ضرور ہے۔

مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں اگر کوئی شخص شُستہ[7] تقاریر، زوردار لیکچروں کا طالب بن کر آئے تو شاید وہ اتنا مَسرُور[8] نہ جائے؛ جس قدر کہ دوائے دل کا طالب کامگار وفیض یاب جائے گا، فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

اسی سلسلہ میں سالِ رَواں[9] ۲۷/ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ کے جلسہ میں حضرت الشاہ حافظ محمد یٰسین صاحب نگینویؒ نے قدم رَنجہ[10] فرما کر اس سِیَہ کار[11] پر جس قدر شفقت ولطف کا مینھ[12] برسایا، یہ ناکارہ اس کے تشکُّر[13] سے بھی قاصر[14] ہے۔ مَمْدُوح کے متعلق یہ معلوم ہوجانے کے بعد کہ آپ حضرت گنگوہیؒ کے خُلَفاء میں سے ہیں پھر آپ کے اوصافِ جلیلہ[15]: یکسوئی[16]، تقدُّس[17]، مَظہرِ[18] انوار وبرکات وغیرہ کے ذکر کی ضرورت نہیں رہتی۔ جلسہ سے فراغت پر ممدوح جب مکان واپس تشریف لے گئے تو گرامی[19] نامہ، مَکرمَت نامہ، عزت نامہ سے مجھے اس کا حکم فرمایا کہ فضائلِ قرآن میں ایک چہل حدیث جمع کر کے اس کا ترجمہ خدمت میں پیش کروں اور نیز یہ کہ اگر ممدوح کے حکم سے میں نے اِنْحراف[20] کیا تو وہ میرے جانشین شیخ اور مَثِیلِ[21] والد، چچا جان مولانا الحافظ الحاج مولوی محمد الیاس صاحبؒ سے اپنے اس حکم کو مُؤکَّد[22] کرائیں گے اور بہر حال یہ خدمت ممدوح کو مجھ جیسے ناکارہ ہی سے لینا ہے۔ یہ افتخار[23] نامہ اتفاقاً ایسی حالت میں پہونچا کہ میں سفر میں تھا اور میرے چچا جان یہاں تشریف فرما تھے۔ انھوں نے میری واپسی پر یہ گرامی نامہ اپنے تاکیدی حکم کے ساتھ میرے حوالہ فرمایا کہ جس کے بعد نہ مجھے کسی مَعْذِرَت کی گنجائش رہی اور نہ اپنی عدمِ اہلیت[24] کے پیش کرنے کا موقع رہا۔ میرے لیے شرحِ مُؤَطَّا امام مالکؒ کی مشغولیت بھی ایک قوی عذر تھا، مگر ارشاداتِ عالیہ کی

حل لغات: (۱) ہدایت کے سورج۔ (۲) ہدایت کے چاند۔ (۳) نائب، قائم مقام۔ (۴) حاضرین جلسہ۔ (۵) سچے گواہ۔ (۶) اندھے۔ (۷) سلیس اور صاف تقریر۔ (۸) خوش۔ (۹) اس سال۔ (۱۰) تشریف لاکر۔ (۱۱) گنہگار۔ (۱۲) بارش۔ (۱۳) شکریہ ادا کرنا۔ (۱۴) عاجز۔ (۱۵) اونچی صفات۔ (۱۶) اطمینان، بےفکری۔ (۱۷) پاکی۔ (۱۸) یعنی نور اور برکتوں والے۔ (۱۹) بڑے کا خط۔ (۲۰) نافرمانی کرنا۔ (۲۱) باپ کی طرح۔ (۲۲) پختہ۔ (۲۳) فخر کے قابل خط۔ (۲۴) نااہلی۔

اہمیت کی وجہ سے اس کو چند روز کے لیے مُلتوی[1] کر کے ماحضر[2] خدماتِ عالیہ میں پیش کرتا ہوں اور اُن لغزشوں سے جن کا وجود میری نااہلیت کے لیے لازم ہے، معافی کا خواستگار[3] ہوں۔

رَجَاءَ الْحَشْرِ فِيْ سِلْكِ مَنْ قَالَ فِيْهِمُ النَّبِيُّ ﷺ: مَن حَفِظَ عَلٰى أُمَّتِيْ أَرْبَعِيْنَ حَدِيْثًا فِيْ أَمْرِ دِيْنِهَا بَعَثَهُ اللهُ فَقِيْهًا وَكُنْتُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شَافِعًا وَّشَهِيْدًا. قَالَ الْعَلْقَمِيُّ: اَلْحِفْظُ ضَبْطُ الشَّيْءِ وَمَنْعُهٗ مِنَ الضِّيَاعِ فَتَارَةً تَكُوْنُ حِفْظُ الْعِلْمِ بِالْقَلْبِ وَإِنْ لَمْ يَكْتُبْ وَتَارَةً فِي الْكِتَابِ وَإِنْ لَّمْ يَحْفَظْهُ بِقَلْبِهٖ، فَلَوْ حَفِظَ فِيْ كِتَابٍ ثُمَّ نَقَلَ إِلَى النَّاسِ دَخَلَ فِيْ وَعْدِ الْحَدِيْثِ. وَقَالَ الْمُنَاوِيُّ: قَوْلُهٗ: مَنْ حَفِظَ عَلٰى أُمَّتِيْ، أَيْ نَقَلَ إِلَيْهِمْ بِطَرِيْقِ التَّخْرِيْجِ وَالْإِسْنَادِ. وَقِيْلَ مَعْنٰى حِفْظِهَا: أَنْ يَّنْقُلَهَا إِلَى الْمُسْلِمِيْنَ وَإِنْ لَّمْ يَحْفَظْهَا وَلَا عَرَفَ مَعْنَاهَا. وَقَوْلُهٗ: أَرْبَعِيْنَ حَدِيْثًا، صِحَاحًا أَوْحِسَانًا أَوْضِعَافًا يُعْمَلُ بِهَا فِي الْفَضَائِلِ اهـ. فَلِلّٰهِ دَرُّ الْإِسْلَامِ مَا أَيْسَرَهٗ وَلِلّٰهِ دَرُّ أَهْلِهٖ مَا أَجْوَدَ مَا اِسْتَنْبَطُوْا رَزَقَنِيَ اللهُ تَعَالٰى وَإِيَّاكُمْ كَمَالَ الْإِسْلَامِ. وَمِمَّا لَا بُدَّ مِنَ التَّنْبِيْهِ عَلَيْهِ أَنِّيْ اِعْتَمَدْتُّ فِي التَّخْرِيْجِ عَلَى الْمِشْكٰوةِ وَتَخْرِيْجِهٖ وَشَرْحِهِ الْمِرْقَاةِ وَشَرْحِ الْإِحْيَاءِ لِلسَّيِّدِ مُحَمَّدِنِ الْمُرْتَضٰى

اس جماعت کے ساتھ حشر ہونے کی امید میں، جن کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری امت کے لیے اُن کے دینی اُمور میں چالیس حدیثیں محفوظ کرے گا، حق تعالیٰ شانہٗ اس کو قیامت میں عالم اٹھائے گا اور میں اُس کے لیے سفارشی اور گواہ بنوں گا۔ علقمیؒ کہتے ہیں کہ محفوظ کرنا شئے کے مُنضبط[4] کرنے اور ضائع ہونے سے حفاظت کا نام ہے، چاہے بغیر لکھے برزبان[5] یاد کرلے یا لکھ کر محفوظ کرلے اگرچہ یاد نہ ہو، پس اگر کوئی شخص کتاب میں لکھ کر دوسروں تک پہونچاوے وہ بھی حدیث کی بشارت میں داخل ہوگا۔ مُناویؒ کہتے ہیں کہ میری امت پر محفوظ کرلینے سے مراد ان کی طرف نقل کرنا ہے سَنَدْ کے حوالہ کے ساتھ۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مسلمانوں تک پہونچانا ہے اگرچہ وہ برزبان یاد نہ ہو، نہ ان کے معنی معلوم ہوں، اسی طرح چالیس حدیثیں بھی عام ہیں کہ سب صحیح ہوں یا حَسَن یا معمولی درجہ کی ضعیف جن پر فضائل میں عمل جائز ہو۔ اللہ اکبر! اسلام میں بھی کیا کیا سہولتیں ہیں اور تعجب کی بات ہے کہ عُلَماء نے بھی کس قدر باریکیاں نکالی ہیں، حق تعالیٰ شانہٗ کمالِ اسلام مجھے بھی نصیب فرماویں اور تمہیں بھی۔ اس جگہ ایک ضروری امر پر مُتنبّہ[6] کرنا بھی لابُدّی[7] ہے، وہ یہ کہ میں نے احادیث کا حوالہ دینے میں مشکوٰۃ، تنقیح الرُّواۃ، مِرقاۃ اور اِحیاءُ العلوم کی شرح اور مُنذِریؒ کی ترغیب پر اعتماد کیا ہے اور کثرت سے اُن سے لیا ہے،

حل لغات: (۱) روکنا۔ (۲) جو حاضر ہو۔ (۳) اُمیدوار۔ (۴) مضبوط کرنا، محفوظ کرنا۔ (۵) حفظ۔ (۶) خبردار۔ (۷) ضروری۔

وَالتَّرْغِيْبِ لِلْمُنْذِرِيِّ وَمَا عَزَوْتُ إِلَيْهَا	اس لیے ان کے حوالہ کی ضرورت نہیں سمجھی، البتہ ان کے
لِكَثْرَةِ الْأَخْذِ عَنْهَا وَمَا أَخَذْتُ عَنْ غَيْرِهَا	علاوہ کہیں سے لیا تو اس کا حوالہ نقل کر دیا، نیز قاری کے
عَزَوْتُهُ إِلَى مَأْخَذِهِ. وَيَنْبَغِي لِلْقَارِيِّ	لیے تلاوت کے وقت اس کے آداب کی رِعایت بھی
مُرَاعَاةُ آدَابِ التِّلَاوَةِ عِنْدَ الْقِرَاءَةِ.	ضروری ہے۔

مقصود سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کلام مجید پڑھنے کے کچھ آداب بھی لکھ دیے جائیں کہ:

بے ادب محروم[1] گشت از فضلِ رب

مُختَصَر طور پر آداب کا خُلَاصہ یہ ہے کہ کلام اللہ شریف معبود کا کلام ہے، محبوب ومطلوب کے فرمُودہ[2] الفاظ ہیں۔

جن لوگوں کو محبت سے کچھ واسطہ پڑا ہے، وہ جانتے ہیں کہ معشوق کے خط کی، محبوب کی تقریر وتحریر کی کسی دل کھوئے ہوئے کے یہاں کیا وقعت[3] ہوتی ہے، اس کے ساتھ جو شیفتگی[4] وفریفتگی کا معاملہ ہونا چاہیے اور ہوتا ہے وہ قواعد وضَوابِط سے بالاتر[5] ہے۔

محبت تجھ کو آدابِ محبت خود سکھا دے گی

اس وقت اگر جمالِ حقیقی اور انعاماتِ غیر مُتنَاہی[6] کا تصوُّر ہو تو محبت موجزَن[7] ہوگی، اس کے ساتھ ہی وہ احکم الحاکمین کا کلام ہے، سلطانُ السلاطین[8] کا فرمان ہے، اس سَطوَت[9] وجبرُوت[10] والے بادشاہ کا قانون ہے کہ جس کی ہمسَری[11] نہ کسی بڑے سے بڑے سے ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔ جن لوگوں کو سلاطین کے دربار سے کچھ واسطہ پڑ چکا ہے، وہ تجربہ سے اور جن کو سابقہ[12] نہیں پڑا، وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ سلطانی فرمان کی ہیبت[13] قلوب پر کیا ہو سکتی ہے۔ کلامِ الٰہی محبوب وحاکم کا کلام ہے، اس لیے دونوں آداب کا مجموعہ اس کے ساتھ برَتنا ضروری ہے۔

حضرت عِکرمہ رضی اللہ عنہ جب کلام پاک پڑھنے کے لیے کھولا کرتے تھے تو بے ہوش ہو کر گر جاتے تھے اور زبان پر جاری ہو جاتا تھا: هٰذَا كَلَامُ رَبِّيْ، هٰذَا كَلَامُ رَبِّيْ (یہ میرے رب کا کلام ہے، یہ میرے رب کا کلام ہے) یہ اُن آداب کا اِجمال ہے اور ان تفصیلات کا اِختِصار ہے، جو مشائخ نے آدابِ تلاوت میں لکھے ہیں، جن کی کسی قدر توضیح[14] بھی ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، جن کا خُلَاصہ صرف یہ ہے کہ بندہ نوکر بن کر نہیں، چاکر بن کر نہیں بلکہ بندہ بن کر آقا ومالک، مُحسِن[15] ومُنعِم[16] کا کلام پڑھے۔ صوفیا نے لکھا

حل لغات: (۱) بے ادب اللہ کے فضل سے محروم رہتا ہے۔ (۲) بیان کیے گئے۔ (۳) اہمیت۔ (۴) عشق ومحبت۔ (۵) بہت اونچا۔ (۶) بے انتہا۔ (۷) موجیں مارنے والا۔ (۸) تمام بادشاہوں کے بادشاہ۔ (۹) شان وشوکت۔ (۱۰) قدرت۔ (۱۱) برابری۔ (۱۲) واسطہ۔ (۱۳) رُعب۔ (۱۴) وضاحت۔ (۱۵) احسان کرنے والا۔ (۱۶) نعمت دینے والا۔

ہے کہ جو شخص اپنے کو قراءت کے آداب سے قاصر[1] سمجھتا رہے گا، وہ قُرب[2] کے مَراتِب[3] میں ترقی کرتا رہے گا اور جو اپنے کو رضا و عُجب[4] کی نگاہ سے دیکھے گا، وہ ترقی سے دُور ہوگا۔

آدابِ تلاوت

مسواک اور وضو کے بعد کسی یکسوئی[5] کی جگہ میں نہایت وقار[6] اور تواضع[7] کے ساتھ رُو بقبلہ[8] بیٹھے اور نہایت ہی حُضورِ[9] قلب اور خُشوع کے ساتھ اس لُطف سے جو اس وقت کے مناسب ہے، اس طرح پڑھے کہ گویا خود حق سبحانہٗ وعَزَّ اسمُہٗ کو کلام پاک سنا رہا ہے۔ اگر وہ معنیٰ سمجھتا ہے تو تَدَبُّر[10] وتفکر کے ساتھ آیاتِ وَعد ورحمت پر دُعائے مغفرت ورحمت مانگے اور آیاتِ عذاب و وعید پر اللہ سے پناہ چاہے کہ اس کے سوا کوئی بھی چارہ[11] ساز نہیں، آیاتِ تنزیہ[12] وتقدیس پر سبحان اللہ کہے اور ازخود تلاوت میں رونا نہ آوے تو بتکلف[13] رونے کی سعی[14] کرے۔

وَأَلَذُّ حَالَاتِ الْغَرَامِ لِمُغْرَمٍ ... شَكْوَى الْهَوَى بِالْمَدْمَعِ الْمُهْرَاقِ

ترجمہ: کسی عاشق کے لیے سب سے زیادہ لذت کی حالت یہ ہے کہ محبوب سے اس کا گِلہ[15] ہو رہا ہو اس طرح کہ آنکھوں سے بارش ہو۔ پس اگر یاد کرنا مقصود نہ ہو، تو پڑھنے میں جلدی نہ کرے۔ کلام پاک کو رحل یا تکیہ یا کسی اونچی جگہ پر رکھے۔ تلاوت کے درمیان میں کسی سے کلام نہ کرے، اگر کوئی ضرورت پیش ہی آجاوے تو کلام پاک کو بند کرکے بات کرے اور پھر اس کے بعد أَعُوذُ پڑھ کر دوبارہ شروع کرے۔ اگر مجمع میں لوگ اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہوں تو آہستہ پڑھنا افضل ہے ورنہ آواز سے پڑھنا اولیٰ[16] ہے۔ مشائخ نے تلاوت کے چھ[6] آداب ظاہری اور چھ[6] باطنی ارشاد فرمائے ہیں۔

ظاہری آداب

اوّل: غایتِ[17] احترام سے باوُضو[18] رُو بقبلہ بیٹھے۔ دوم: پڑھنے میں جلدی نہ کرے۔ ترتیل[19] وتجوید سے پڑھے۔ سوم: رونے کی سعی کرے، چاہے بتکلف ہی کیوں نہ ہو۔ چہارم: آیاتِ رحمت وآیاتِ عذاب کا حق ادا کرے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ پنجم: اگر رِیا[20] کا احتمال ہو یا کسی دوسرے مسلمان کی تکلیف وحرج کا اندیشہ ہو تو آہستہ پڑھے ورنہ آواز سے۔ ششم: خوش اِلحانی[21] سے پڑھے کہ خوش الحانی سے کلام پاک پڑھنے کی بہت سی احادیث میں تاکید آئی ہے۔

باطنی آداب

اوّل کلام پاک کی عظمت دل میں رکھے کہ کیسا عالی مرتبہ[22] کلام ہے۔ دوم: حق سبحانہٗ وتقدس کی عُلوِّ شان[23] اور رَفعت[24] وکبریائی[25] کو دل میں رکھے، جس کا کلام ہے۔ سوم: دل کو

حل لغات: (۱) عاجز۔ (۲) اللہ تعالیٰ کی نزدیکی۔ (۳) درجات۔ (۴) اپنے کو بہتر وبرتر خیال کرنا۔ (۵) تنہائی۔ (۶) ادب واحترام۔ (۷) عاجزی۔ (۸) قبلہ کی طرف منہ کرکے۔ (۹) دل کو حاضر رکھتے ہوئے۔ (۱۰) غور وفکر۔ (۱۱) کام بنانے والا۔ (۱۲) وہ آیتیں جن میں اللہ کی پاکی بیان کی گئی ہو۔ (۱۳) بناوٹی طور پر۔ (۱۴) کوشش۔ (۱۵) شکایت۔ (۱۶) بہتر۔ (۱۷) انتہائی۔ (۱۸) وضو کے ساتھ۔ (۱۹) تلاوت کے اصولوں کی رعایت کرتے ہوئے آہستہ آہستہ پڑھنا۔ (۲۰) دِکھلاوا۔ (۲۱) اچھی آواز۔ (۲۲) اونچے مرتبہ والا۔ (۲۳) اونچی شان۔ (۲۴) بڑائی۔ (۲۵) بزرگی۔

وَساوِس[1] وخطرات سے پاک رکھے۔ چہارم: معانی کا تدبُّر[2] کرے اور لذت کے ساتھ پڑھے۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک شب تمام رات اس آیت کو پڑھ کر گذار دی: ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾﴾ [سورۂ مائدہ] ترجمہ: اے اللہ! اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر مغفرت فرمادے تو تو عزت وحکمت والا ہے۔ سعید بن جُبَیرؒ نے ایک رات اس آیت کو پڑھ کر صبح کر دی: ﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾﴾ [سورۂ یٰسٓ] او مُجرِمو! آج قیامت کے دن فرمانبرداروں سے الگ ہوجاؤ۔ پنجم: جن آیات کی تلاوت کر رہا ہے، دل کو اُن کے تابع بنادے مثلاً اگر آیت رحمت زبان پر ہے، دل سرُورِ[3] محض بن جاوے اور آیت عذاب اگر آگئی ہے، تو دل لرَز جائے۔ ششم: کانوں کو اِس درجہ متوجہ بنادے کہ گویا خود حق سُبحانہٗ وتقدّس کلام فرمارہے ہیں اور یہ سن رہا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ محض اپنے لطف وکرم سے مجھے بھی ان آداب کے ساتھ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے اور تمہیں بھی۔

مسئلہ: اتنے قرآن شریف کا حفظ کرنا جس سے نماز ادا ہوجاوے، ہر شخص پر فرض ہے اور تمام کلام پاک کا حفظ کرنا فرضِ کفایہ[4] ہے۔ اگر کوئی بھی العیاذُ باللّٰہ[5] حافظ نہ رہے تو تمام مسلمان گنہگار ہیں، بلکہ ''زرکشی'' سے مُلّا علی قاریؒ نے نقل کیا ہے کہ جس شہر یا گاؤں میں کوئی قرآن پاک پڑھنے والا نہ ہو تو سب گنہگار ہیں۔ اس زمانۂ ضَلاَلت[6] و جہالت میں جہاں ہم مسلمانوں میں اور بہت سے دینی اُمور[7] میں گمراہی پھیل رہی ہے وہاں ایک عام آوازہ[8] یہ بھی ہے کہ قرآن شریف کے حفظ کرنے کو فضول[9] سمجھا جارہا ہے، اس کے الفاظ رٹنے کو حماقت[10] بتلایا جاتا ہے، اس کے الفاظ یاد کرنے کو دماغ سُوزِی[11] اور تضیِیع[12] اوقات کہا جاتا ہے۔ اگر ہماری بددینی کی یہی ایک وبا[13] ہوتی تو اس پر کچھ تفصیل سے لکھا جاتا، مگر یہاں ہر ادا مرض ہے اور ہر خیال باطل ہی کی طرف کھینچتا ہے، اس لیے کس کس چیز کو روییٔے اور کس کس کا شکوہ[14] کیجیے، فَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ.

① عَنْ عُثْمَانَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ.	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن شریف کو سیکھے اور سکھاوے۔

[رواه البخاري وأبوداؤد والترمذي والنسائي وابن ماجه هكذا في الترغيب وعزاه إلى مسلم أيضًا لكن حكى الحافظ في الفتح عن أبي العلاء أن مسلما سكت عنه]

اکثر کُتُب میں یہ روایت ''واؤ'' کے ساتھ ہے جس کا ترجمہ لکھا گیا۔ اس صورت میں فضیلت اس شخص کے لیے ہے جو کلام مجید سیکھے اور اس کے بعد دوسروں کو سکھائے؛ لیکن بعض کتب میں یہ روایت

حل لغات: ① بُرے خیالات۔ ② غور وفکر کرنا۔ ③ مکمل خوشی۔ ④ یعنی وہ ضروری کام جس کو اگر چند مسلمان ادا کرلیں تو سب کی طرف سے ادا ہوجائے ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔ ⑤ اللہ کی پناہ۔ ⑥ گمراہی۔ ⑦ کاموں۔ ⑧ شور۔ ⑨ بیکار۔ ⑩ بیوقوفی۔ ⑪ دماغ ماری۔ ⑫ وقت برباد کرنا۔ ⑬ بیماری۔ ⑭ شکایت۔

''أَوْ'' کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔ اس صورت میں بہتری اور فضیلت عام ہوگی کہ خود سیکھے یا دوسروں کو سکھائے، دونوں کے لیے مستقل خیر و بہتری ہے۔

کلام پاک چونکہ اصل دین ہے، اس کی بقاء و اشاعت ہی پر دین کا مدار ہے، اس لیے اس کے سیکھنے اور سکھانے کا افضل ہونا ظاہر ہے، کسی توضیح کا محتاج نہیں البتہ اس کی انواع مختلف ہیں؛ کمال اس کا یہ ہے کہ مطالب و مقاصد سمیت سیکھے اور ادنیٰ درجہ اس کا یہ ہے کہ فقط الفاظ سیکھے۔

نبیٔ کریم ﷺ کا دوسرا ارشاد حدیثِ مذکور کی تائید کرتا ہے جو سعید بن سُلیمؒ سے مُرسلاً منقول ہے کہ جو شخص قرآن شریف کو حاصل کرلے اور پھر کسی دوسرے شخص کو جو کوئی اور چیز عطا کیا گیا ہو، اپنے سے افضل سمجھے تو اس نے حق تعالیٰ شانہٗ کے اُس انعام کی جو اپنے کلام پاک کی وجہ سے اس پر فرمایا ہے، تحقیر کی ہے۔ اور کھلی ہوئی بات ہے کہ جب کلامِ الٰہی سب کلاموں سے افضل ہے جیسا کہ مُستقِل احادیث میں آنے والا ہے، تو اس کا پڑھنا پڑھانا یقیناً سب چیزوں سے افضل ہونا ہی چاہیے۔ ایک دوسری حدیث سے مُلّا علی قاریؒ نے نقل کیا ہے کہ جس شخص نے کلامِ پاک کو حاصل کرلیا اُس نے علومِ نبوت کو اپنی پیشانی میں جمع کرلیا۔ سَہل تُستَریؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ اس کے کلام پاک کی محبت قلب میں ہو۔ شرحِ احیاء میں ان لوگوں کی فہرست میں جو قیامت کے ہولناک دن میں عرش کے سایہ کے نیچے رہیں گے، اُن لوگوں کو بھی شمار کیا ہے جو مسلمانوں کے بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیتے ہیں، نیز اُن لوگوں کو بھی شمار کیا ہے جو بچپن میں قرآن شریف سیکھتے ہیں اور بڑے ہوکر اس کی تلاوت کا اہتمام کرتے ہیں۔

(۲) عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: يَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِكْرِيْ وَمَسْئَلَتِيْ أَعْطَيْتُهٗ أَفْضَلَ مَا أُعْطِيَ السَّائِلِيْنَ. وَفَضْلُ كَلَامِ اللهِ عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللهِ عَلٰى خَلْقِهٖ. [رواه الترمذي والدارمي والبيهقي في الشعب]	ابوسعید رضی اللہ عنہ سے حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ حق سُبحانہٗ وتقدّس کا یہ فرمان ہے کہ جس شخص کو قرآن شریف کی مشغولی کی وجہ سے ذکر کرنے اور دعائیں مانگنے کی فرصت نہیں ملتی، میں اس کو سب دُعائیں مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کے کلام کو سب کلاموں پر ایسی فضیلت ہے جیسی کہ خود حق تعالیٰ شانہٗ کو تمام مخلوق پر۔

یعنی جس شخص کو قرآنِ پاک کے یاد کرنے یا جاننے اور سمجھنے میں اس درجہ مشغولی ہے کہ کسی دوسری

حل لغات: (۱) آئی ہے۔ (۲) باقی رہنا۔ (۳) پھیلانا۔ (۴) قیام، ٹکاؤ۔ (۵) وضاحت، تفصیل۔ (۶) قسمیں۔ (۷) انتہائی درجہ۔ (۸) معنیٰ اور مطلب۔ (۹) ساتھ۔ (۱۰) نیچے کا، کم۔ (۱۱) وہ روایت جس کو تابعی بیان کرے، صحابی کا ذکر نہ ہو۔ (۱۲) بے عزتی۔ (۱۳) بھیانک۔

دُعا وغیرہ کے مانگنے کا وقت نہیں ملتا، مَیں دعا مانگنے والوں کے مانگنے سے بھی افضل چیز اس کو عطا کروں گا۔ دنیا کا مُشاہَدہ[1] ہے کہ جب کوئی شخص شیرِینی[2] وغیرہ تقسیم کر رہا ہو اور کوئی مٹھائی لینے والا اس کے ہی کام میں مشغول ہو اور اس کی وجہ سے نہ آسکتا ہو، تو یقیناً اس کا حصہ پہلے ہی نکال لیا جاتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اسی موقعہ پر مذکور ہے کہ میں اس کو شکرگذار بندوں کے ثواب سے افضل ثواب عطا کروں گا۔

③ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ ﷛ قَالَ: خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ فِي الصُّفَّةِ فَقَالَ أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنْ يَّغْدُوَ كُلَّ يَوْمٍ إِلٰى بُطْحَانَ أَوِ الْعَقِيْقِ فَيَأْتِيَ بِنَاقَتَيْنِ كَوْمَاوَيْنِ فِيْ غَيْرِ إِثْمٍ وَلَا قَطِيْعَةِ رَحِمٍ؟ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! كُلُّنَا نُحِبُّ ذٰلِكَ قَالَ أَفَلَا يَغْدُوْ أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَيُعَلِّمُ أَوْ يَقْرَأُ اٰيَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ نَاقَتَيْنِ وَثَلٰثٌ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ ثَلٰثٍ، وَأَرْبَعٌ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ أَرْبَعٍ وَّمِنْ أَعْدَادِهِنَّ مِنَ الْإِبِلِ.

[رواه مسلم وأبوداؤد]

عُقبہ بن عامر ﷛ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے، ہم لوگ صُفَّہ میں بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کون شخص اس کو پسند کرتا ہے کہ علی الصَّباح[3] بازارِ بُطحان یا عقیق میں جاوے اور دو اونٹنیاں عمدہ سے عمدہ بلا کسی قسم کے گناہ اور قطع رحمی کے پکڑ لائے؟ صحابہ ﷡ نے عرض کیا کہ اس کو تو ہم میں سے ہر شخص پسند کرے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مسجد میں جا کر دو آیتوں کا پڑھنا یا پڑھا دینا، دو اونٹنیوں سے اور تین آیت کا تین اونٹنیوں سے اسی طرح چار کا چار سے افضل ہے اور ان کے برابر اونٹوں سے افضل ہے۔

''صُفَّہ'' مسجدِ نبوی میں ایک خاص معین چبوترہ[4] کا نام ہے جو فُقَراء مُہاجرین کی نشست[5] گاہ تھی۔ اصحابِ صُفَّہ کی تعداد مختلف اوقات میں کم وبیش ہوتی رہتی تھی۔ علامہ سیوطیؒ نے ایک سو ایک نام گنوائے ہیں اور مستقل رسالہ ان کے اسمائے گرامی میں تصنیف کیا ہے۔ ''بُطحان'' اور ''عقیق'' مدینہ طیبہ کے پاس دو جگہ ہیں جہاں اونٹوں کا بازار لگتا تھا۔ عرب کے نزدیک اونٹ نہایت پسندیدہ چیز تھی، بِالخُصوص وہ اونٹنی جس کا کُوہان[6] فَربہ[7] ہو۔ ''بغیر گناہ'' کا مطلب یہ ہے کہ بے محنت چیز اکثر چھین کر کسی سے لی جاتی ہے یا یہ کہ میراث وغیرہ میں کسی رشتہ دار کے مال پر قبضہ کر لے یا کسی کا مال چرالے، اس لیے حضورِ اکرم ﷺ نے اِن سب کی نفی[8] فرمادی کہ بالکل بِلا مَشَقَّت اور بِدُون[9] کسی گناہ کے حاصل کر لینا جس قدر پسندیدہ ہے، اس سے زیادہ بہتر وافضل ہے چند آیات کا حاصل کر لینا۔ اور یقینی امر ہے کہ ایک دو اونٹ دَرکِنار[10] ہَفت[11] اِقلیم کی سَلْطَنَت بھی اگر کسی شخص کو مل جاوے تو کیا، آج نہیں تو کل موت اس سے جبراً[12] جدا کر دے گی؛ لیکن ایک

حل لغات: ① تجربہ۔ ② مٹھائی۔ ③ صبح سویرے۔ ④ وہ اونچی جگہ جس پر لوگ بیٹھتے ہیں۔ ⑤ بیٹھک۔ ⑥ اونٹ کے پیٹھ کا اُبھرا ہوا حصہ۔ ⑦ موٹا۔ ⑧ انکار۔ ⑨ بغیر۔ ⑩ الگ رہا۔ ⑪ پوری دنیا۔ ⑫ زبردستی۔

آیت کا اُجر ہمیشہ کے لیے ساتھ رہنے والی چیز ہے۔ دُنیا ہی میں دیکھ لیجیے کہ آپ کسی شخص کو ایک روپیہ عطا فرما دیجیے اِس کی اس کو مَسَرَّتْ ہوگی، بمُقابلہ اُس کے کہ ایک ہزار روپیہ اس کے حوالہ کردیں کہ اس کو اپنے پاس رکھ لے میں ابھی واپس آ کر لے لوں گا کہ اس صورت میں بجُز اِس پر بارِ اَمانت[1] کے اور کوئی فائدہ اس کو حاصل نہیں ہوگا۔ درحقیقت اس حدیث شریف میں فَانی[2] و باقی کے تقابُل[3] پر تنبیہ بھی مقصود ہے کہ آدمی اپنی حرکت وسکون پر غور کرے کہ کسی فانی چیز پر اس کو ضَائع[4] کر رہا ہوں یا باقی رہنے والی چیز پر اور پھر حسرت[5] ہے اُن اوقات پر جو باقی رہنے والا وبال کماتے ہوں۔ حدیث کا اخیر جُملَہ: ''اور اُن کے برابر اونٹوں سے افضل ہے۔'' تین مَطالِبْ[6] کا مُحتَمِل[7] ہے: اوّل یہ کہ چاؔر کے عدد تک بالتفصیل ارشاد فرمادیا اور اس کے مَافَوْق[8] کو اجمالاً[9] فرمادیا کہ جس قدر آیات کوئی شخص حاصل کرے گا، اس کے بقدر اونٹوں سے افضل ہے۔ اس صورت میں اونٹوں سے جنس[10] مراد ہے خواہ اونٹ ہوں یا اونٹنیاں اور بیان ہے چاؔر سے زیادہ کا، اس لیے کہ چار تک کا ذکر خود تصریحاً[11] مذکور ہو چکا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ انہیں اَعداد کا ذکر ہے جو پہلے مذکور ہو چکے اور مطلب یہ ہے کہ رَغبَات[12] مختلف ہوا کرتی ہیں، کسی کو اونٹنی پسند ہے تو کوئی اونٹ کا گرِوِیدہ[13] ہے، اس لیے حضور ﷺ نے اس لفظ سے یہ ارشاد فرمادیا کہ ہر آیت ایک اونٹنی سے بھی افضل ہے اور اگر کوئی شخص اونٹ سے محبت رکھتا ہو تو ایک آیت ایک اونٹ سے بھی افضل ہے۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ یہ بیان اُن ہی اَعداد کا ہے جو پہلے ذکر کیے گئے، چار سے زائد[14] کا نہیں ہے: مگر دوسرے مطلب میں جو تقریر گذری کہ ایک اونٹنی یا ایک اونٹ سے افضل ہے، یہ نہیں بلکہ مجموعہ مراد ہے کہ ایک آیت ایک اونٹ اور ایک اونٹنی دونوں کے مجموعہ سے افضل ہے، اسی طرح ہر آیت اپنے مُوافِق عدد اونٹنی اور اونٹ دونوں کے مجموعہ سے افضل ہے، تو گویا فِی آیت کا مقابلہ ایک جوڑے سے ہوا۔ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اسی مطلب کو پسند فرمایا ہے کہ اس میں فضیلت کی زیادتی ہے، اگرچہ یہ مراد نہیں ہے کہ ایک آیت کا اَجر ایک اونٹ یا دو اونٹ کا مُقابلہ کرسکتا ہے، یہ صرف تنبیہ اور تَمثِیل[15] ہے۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ ایک آیت جس کا ثواب دائمی اور ہمیشہ رہنے والا ہے ہفت اِقلیم[16] کی بادشاہت سے جو فنا[17] ہو جانے والی ہے افضل اور بہتر ہے۔

مُلَّا عَلِی قاریؒ نے لکھا ہے کہ ایک بزرگ کے بعض تجارت پیشہ اَحباب نے اُن سے درخواست کی کہ جہاز سے اُترنے کے وقت حضرت جدہ تشریف فرما ہوں، تاکہ جناب کی برکت سے ہمارے مال میں نفع ہو اور مقصود یہ تھا کہ تجارت کے مَنَافِع سے حضرت کے بعض خُدَّام کو کچھ نفع حاصل ہو۔ اوّل تو حضرت نے عُذر فرمایا، مگر جب انھوں نے اصرار کیا تو حضرت نے دریافت فرمایا کہ تمھیں زائد سے زائد جو نفع مالِ

حل لغات: (۱) امانت کا بوجھ۔ (۲) ختم ہونے والا۔ (۳) ایک چیز کو دوسری چیز کے آمنے سامنے کرنا۔ (۴) برباد۔ (۵) افسوس۔ (۶) مطلب کی جمع۔ (۷) یعنی گنجائش رکھتا ہے۔ (۸) اوپر۔ (۹) مختصر۔ (۱۰) قسم۔ (۱۱) صاف صاف۔ (۱۲) خواہشیں۔ (۱۳) عاشق۔ (۱۴) زیادہ۔ (۱۵) مثال دینا۔ (۱۶) ساری دنیا۔ (۱۷) ختم۔

تجارت میں ہوتا ہے وہ کیا مِقدار ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ مُختلِف ہوتا ہے، زائد سے زائد ایک کے دو ہوجاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اس قلیل(۱) نفع کے لیے اس قدر مشقت(۲) اُٹھاتے ہو، اتنی سی بات کے لیے ہم حرمِ محترم کی نماز کیسے چھوڑ دیں، جہاں ایک کے لاکھ ملتے ہوں۔ درحقیقت مسلمانوں کے غور کرنے کی جگہ ہے کہ وہ ذراسی دُنیوی مَتاع(۳) کے خاطر(۴) کس قدر دینی مَنافع کو قربان کردیتے ہیں۔

④ عَنْ عَائِشَةَ ﷝ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهٗ أَجْرَانِ. [رواه البخاري ومسلم وأبوداؤد والترمذي والنسائي وابن ماجه]	حضرت عائشہ ﷝ نے حضورِاقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ قرآن کا ماہر اُن ملائکہ کے ساتھ ہے جو میر مُنشی(۵) ہیں اور نیک کار ہیں اور جو شخص قرآن شریف کو اَٹکتا ہوا پڑھتا ہے اور اس میں دِقّت اُٹھاتا ہے اس کو دوہرا(۶) اجر ہے۔

قرآن شریف کا ماہر وہ کہلاتا ہے: جس کو یاد بھی خوب ہو اور پڑھتا بھی خوب ہو اور اگر معانی ومراد پر بھی قادر ہو تو پھر کیا کہنا۔ ملائکہ کے ساتھ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ بھی قرآن شریف کے لوحِ محفوظ سے نقل کرنے والے ہیں اور یہ بھی اس کا نقل کرنے والا اور پہونچانے والا ہے، تو گویا دونوں ایک ہی مَسلک پر ہیں یا یہ کہ حشر میں اُن کے ساتھ اجتماع ہوگا۔ اَٹکنے والے کو دوہرا اجر: ایک اس کی قِراءت کا، دوسرا اس کی مَشَقَّت کا جو اس بار بار کے اَٹکنے کی وجہ سے برداشت کرتا ہے؛ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ اس ماہر سے بڑھ جاوے۔ ماہر کے لیے جو فضیلت ارشاد فرمائی گئی ہے وہ اس سے بہت بڑھ کر ہے کہ مخصوص ملائکہ کے ساتھ اس کا اجتماع فرمایا ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس کے اَٹکنے کی وجہ سے اس مشقت کا اجر مُستَقِل ملے گا۔ لہٰذا اس عذر کی وجہ سے کسی کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔ مُلّا عَلِی قاریؒ نے طَبَرانی اور بَیہقی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن شریف پڑھتا ہے اور وہ یاد نہیں ہوتا تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے اور جو اس کو یاد کرنے کی تمنا کرتا رہے؛ لیکن یاد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، مگر وہ پڑھنا بھی نہیں چھوڑتا تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کا حُفّاظ(۷) ہی کے ساتھ حشر فرمائیں گے۔

قابلِ رشک چیز

⑤ عَنِ ابْنِ عُمَرَ ﷠ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: لَاحَسَدَ إِلَّا عَلَى اثْنَيْنِ: رَجُلٌ اٰتَاهُ اللهُ الْقُرْاٰنَ فَهُوَ يَقُوْمُ بِهٖ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ	ابن عمر ﷠ سے حضورِاقدس ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ حسد دو شخصوں کے سوا کسی پر جائز نہیں۔ ایک وہ جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن شریف کی تلاوت

حل لغات: ① تھوڑا۔ ② تکلیف۔ ③ فائدہ، سامان۔ ④ واسطے۔ ⑤ نیکی لکھنے والے فرشتوں کے سردار۔ ⑥ دوگنا۔ ⑦ حافظ کی جمع۔

النَّهَارِ وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ.

[رواه البخاري والترمذي والنسائي]

عطا فرمائی اور وہ دن رات اس میں مشغول رہتا ہے، دوسرے وہ جس کو حق سُبْحَانَہٗ نے مال کی کثرت عطا فرمائی اور وہ دن رات اس کو خرچ کرتا ہے۔

قرآن شریف کی آیات اور احادیثِ کثیرہ کے عموم[1] سے حسد کی بُرائی اور ناجائز ہونا مطلقاً[2] معلوم ہوتا ہے، اس حدیث شریف سے دو[2] آدمیوں کے بارے میں جواز معلوم ہوتا ہے، چونکہ وہ روایات زیادہ مشہور و کثیر ہیں، اس لیے عُلَمَاء نے اس حدیث کے دو مطلب ارشاد فرمائے ہیں: اوّل یہ کہ حسد اس حدیث شریف میں ''رَشک'' کے معنیٰ میں ہے جس کو عربی میں ''غِبطہ'' کہتے ہیں۔ حسد اور غبطہ میں یہ فرق ہے کہ حسد میں کسی کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ آرزو ہوتی ہے کہ اس کے پاس یہ نعمت نہ رہے، خواہ اپنے پاس حاصل ہو یا نہ ہو اور رشک میں اپنے پاس اس کے حصول کی تمنا و آرزو ہوتی ہے، عام ہے کہ دوسرے سے زائل[3] ہو یا نہ ہو۔ چونکہ حسد بالاِجماع[4] حرام ہے اس لیے علماء نے اس لفظ حسد کو مجازاً[5] غبطہ کے معنیٰ میں ارشاد فرمایا ہے جو دنیوی امور میں مُبَاح ہے اور دینی اُمور میں مُسْتَحَب۔ دوسرا مطلب یہ بھی ممکن ہے کہ بسا اوقات کلام عَلٰی سَبِيْلِ[6] الْفَرْضِ وَالتَّقْدِيْرِ مستعمل ہوتا ہے، یعنی اگر حسد جائز ہوتا تو یہ دو[2] چیز ایسی تھیں کہ ان میں جائز ہوتا۔

(٦) عَنْ أَبِي مُوْسٰى رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ الْأُتْرُجَّةِ رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ، وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِيْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ التَّمْرَةِ لَا رِيْحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلْوٌ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِيْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ لَيْسَ لَهَا رِيْحٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ الرَّيْحَانَةِ رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ.

[رواه البخاري ومسلم والنسائي وابن ماجه]

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو مسلمان قرآن شریف پڑھتا ہے اس کی مثال تُرَنج[7] کی سی ہے کہ اس کی خوشبو بھی عُمدہ ہوتی ہے اور مزہ بھی لذیذ اور جو مومن قرآن شریف نہ پڑھے اس کی مثال کھجور کی سی ہے کہ خوشبو کچھ نہیں مگر مزہ شیریں ہوتا ہے۔ اور جو مُنافق قرآن شریف نہیں پڑھتا اس کی مثال حَنْظَل کے پھل کی سی ہے کہ مزہ کڑوا اور خوشبو کچھ نہیں اور جو منافق قرآن شریف پڑھتا ہے اس کی مثال خوشبو دار پھول کی سی ہے کہ خوشبو عمدہ اور مزہ کڑوا ہے۔

مقصود اس حدیث سے غیر محسوس شئے کو محسوس کے ساتھ تشبیہ دینا ہے تا کہ ذہن میں فرق کلام پاک

حل لغات: (١) عام ہونا۔ (٢) یقینی طور پر۔ (٣) ختم۔ (٤) سب کے نزدیک۔ (٥) حقیقی معنی چھوڑ کر دوسرا معنی مراد لینا۔ (٦) یعنی مان لینے کے طریقے پر۔ (٧) لیموں کی طرح ایک عمدہ پھل۔

کے پڑھنے اور نہ پڑھنے میں، سہولت سے آجاوے ورنہ ظاہر ہے کہ کلام پاک کی حَلَاوت[1] اور مَہک سے کیا نسبت تُرُنج و کھجور کو؟ اگر چہ ان اَشیاء[2] کے ساتھ تشبیہ میں خاص نِکات[3] بھی ہیں جو علومِ نَبَوِیَّہ سے تعلق رکھتے ہیں اور نبیٔ کریم ﷺ کے علوم کی وُسْعت کی طرف مُشیر[4] ہیں، مثلاً ترنج ہی کو لے لیجیے، منہ میں خوشبو پیدا کرتا ہے، مِعْدَہ کو صاف کرتا ہے، ہضم میں قوت دیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ منافع ایسے ہیں کہ قرأت قرآن شریف کے ساتھ خاص مُناسبت رکھتے ہیں، مثلاً منہ کا خوشبودار ہونا، باطن کا صاف کرنا، روحانیت میں قوت پیدا کرنا، یہ منافع تلاوت میں ہیں جو پہلے منافع کے ساتھ بہت ہی مُشابَہت[5] رکھتے ہیں۔ ایک خاص اثر تُرُنج میں یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ جس گھر میں ترنج ہو، وہاں جن نہیں جا سکتا، اگر یہ صحیح ہے تو پھر کلام پاک کے ساتھ خاص مشابہت ہے۔ بعض اَطِبَّاء سے میں نے سنا ہے کہ ترنج سے حافظہ بھی قوی ہوتا ہے اور حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہ وجہَہ سے اِحیاء میں نقل کیا ہے کہ تین چیزیں حافظہ کو بڑھاتی ہیں: مسواک اور روزہ اور تلاوت کلام اللہ شریف کی۔

ابوداوٗد کی روایت میں اس حدیث کے ختم پر ایک اور مضمون نہایت ہی مفید ہے کہ بہتر ہم نشیں[6] کی مثال مُشک والے آدمی کی سی ہے کہ اگر تجھے مشک نہ مل سکا تو اس کی خوشبو تو کہیں گئی نہیں اور بدتر ہم نشین کی مثال آگ کی بھٹی والے کی طرح سے ہے کہ اگر سیاہی نہ پہونچے تب بھی دھواں تو کہیں گیا ہی نہیں؛ نہایت ہی اہم بات ہے، آدمی کو اپنے ہم نشینوں پر بھی نظر کرنا چاہیے کہ کس قسم کے لوگوں میں ہر وقت نشست و بَرخاست[7] ہے۔

قوموں کے عروج وزوال میں قرآن مجید کا اثر

(۷) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ. [رواہ مسلم]	حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کتاب یعنی قرآنِ پاک کی وجہ سے کتنے ہی لوگوں کو بلند مرتبہ کرتا ہے اور کتنے ہی لوگوں کو پست وذلیل کرتا ہے۔

یعنی جو لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں، عمل کرتے ہیں، حق تعالیٰ شانہٗ ان کو دنیا و آخرت میں رِفْعت[8] و عزّت عطا فرماتے ہیں اور جو لوگ اس پر عمل نہیں کرتے حق سُبحانہٗ وتَقَدّس ان کو ذلیل کرتے ہیں۔ کلام اللہ شریف کی آیات سے بھی یہ مضمون ثابت ہوتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا﴾ [سورۂ بقرہ:۲۶] ”حق تعالیٰ شانہٗ اس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ہدایت فرماتے ہیں اور بہت

حل لغات: (۱) مٹھاس۔ (۲) چیزوں۔ (۳) باریکیاں۔ (۴) اشارہ کرنے والا۔ (۵) ایک دوسرے جیسا ہونا۔ (۶) ساتھ رہنے والا، دوست۔ (۷) اُٹھنا بیٹھنا۔ (۸) بلندی۔

سے لوگوں کو گمراہ''۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ ﴾ [سورۂ اسراء]۔ حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ اس اُمت کے بہت سے منافق قاری ہوں گے۔ بعض مشائخ سے اِحیاء میں نقل کیا ہے کہ بندہ ایک سورت کلام پاک کی شروع کرتا ہے تو مَلَائکہ[1] اس کے لیے رحمت کی دُعا کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ فارغ ہو، اور دوسرا شخص ایک سورت شروع کرتا ہے تو ملائکہ اس کے ختم تک اس پر لعنت کرتے ہیں۔ بعض عُلَمَاء سے منقول ہے کہ آدمی تلاوت کرتا ہے اور خود اپنے اوپر لعنت کرتا ہے اور اس کو خبر بھی نہیں ہوتی، قرآن شریف میں پڑھتا ہے: ﴿ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ ﴾ [سورۂ ھود] اور خود ظالم ہونے کی وجہ سے اس وعید میں داخل ہوتا ہے۔ اسی طرح پڑھتا ہے: ﴿ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾ ﴾ [سورۂ آل عمران] اور خود جھوٹا ہونے کی وجہ سے اس کا مستحق ہوتا ہے۔ عَامر بن وَاثِلَہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نافع بن عبد الحارِث کو مکہ مکرمہ کا حاکم بنا رکھا تھا، ان سے ایک مرتبہ دریافت فرمایا کہ جنگلات کا ناظم[2] کس کو مقرر کر رکھا ہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ ابنِ اَبزیٰ کو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ابنِ اَبزیٰ کون شخص ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہمارا ایک غلام ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراضاً فرمایا کہ غلام کو امیر کیوں بنا دیا؟ انھوں نے کہا کہ کتاب اللہ کا پڑھنے والا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کلام کی بدَولت بہت سے لوگوں کے رفعِ درجات[3] فرماتے ہیں اور بہت سوں کو پَست[4] کرتے ہیں۔

قرآن مجید کی سفارش

⑧ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ثَلٰثٌ تَحْتَ الْعَرْشِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: اَلْقُرْاٰنُ يُحَاجُّ الْعِبَادَ لَهٗ ظَهْرٌ وَبَطْنٌ، وَالْأَمَانَةُ، وَالرَّحِمُ تُنَادِيْ: أَلَا مَنْ وَصَلَنِيْ وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَنِيْ قَطَعَهُ اللّٰهُ. [رواه في شرح السنة]	عبد الرحمٰن بن عَوف رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ تین چیزیں قیامت کے دن عرش کے نیچے ہوں گی: ایک کلام پاک کہ جھگڑے گا بندوں سے، قرآن پاک کے لیے ظاہر ہے اور باطن، دوسری چیز امانت ہے اور تیسری رشتہ داری جو پکارے گی کہ جس شخص نے مجھ کو ملایا، اللہ اس کو اپنی رحمت سے ملا دے اور جس نے مجھ کو توڑا، اللہ اپنی رحمت سے اس کو جُدا کر دے۔

اِن چیزوں کے عرش کے نیچے ہونے سے مقصود ان کا کمالِ قرب ہے، یعنی حق سُبحانہٗ وتَقدّس کے عالی دربار میں بہت ہی قریب ہوں گی۔ کلام اللہ شریف کے جھگڑنے کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے

حل لغات: ① فرشتے۔ ② نگراں۔ ③ مرتبوں کو بلند فرماتے ہیں۔ ④ ذلیل۔

اس کی رِعایَت کی، اس کا حق ادا کیا، اس پر عمل کیا، ان کی طرف سے دربارِ حق سُبحانہٗ میں جھگڑے گا اور شَفَاعَت[1] کرے گا، ان کے درجے بلند کرائے گا۔ مُلّا علی قاریؒ نے بِرِوَایتِ تِرمِذی نقل کیا ہے کہ قرآن شریف بارگاہِ الٰہی[2] میں عرض کرے گا کہ اس کو جوڑا مرحمت[3] فرمائیں، تو حق تعالیٰ شانہٗ کرامت کا تاج مرحمت فرماویں گے، پھر وہ زیادتی کی درخواست کرے گا تو حق تعالیٰ شانہٗ اکرام کا پورا جوڑا مرحمت فرماویں گے، پھر وہ درخواست کرے گا کہ یا اللہ! آپ اس شخص سے راضی ہوجائیں، تو حق سبحانہٗ وتَقَدَّس اس سے رضا کا اِظہار فرماویں گے اور جب کہ دنیا میں محبوب کی رضا سے بڑھ کر کوئی بھی بڑی سے بڑی نعمت نہیں ہوتی، تو آخرت میں محبوب کی رضا کا مُقابلہ کون سی نعمت کرسکتی ہے؛ اور جن لوگوں نے اس کی حق تلفی[4] کی ہے، اُن سے اس بارے میں مُطالبہ[5] کرے گا کہ میری کیا رِعایت کی؟ میرا کیا حق ادا کیا؟۔ شرحِ اِحیاء میں امام صاحبؒ سے نقل کیا ہے کہ سال میں دو[6] مرتبہ ختم کرنا قرآن شریف کا حق ہے، اب وہ حضرات جو کبھی بھول کر بھی تلاوت نہیں کرتے، ذرا غور فرمالیں کہ اِس قوی[6] مُقابِل[7] کے سامنے کیا جواب دِہی کریں گے، موت بہر حال آنے والی چیز ہے اس سے کسی طرح مَفَر[8] نہیں۔ قرآن شریف کے ظاہر اور باطن ہونے کا مطلب ظاہر یہ ہے کہ ایک ظاہری معنی ہیں جن کو ہر شخص سمجھتا ہے اور ایک باطنی معنی ہیں جن کو ہر شخص نہیں سمجھتا، جس کی طرف حضورِ اقدس ﷺ کے اس ارشاد نے اشارہ کیا ہے کہ جو شخص قرآن پاک میں اپنی رائے سے کچھ کہے، اگر وہ صحیح بھی ہو تب بھی اس شخص نے خطا کی۔ بعض مشائخ نے ظاہر سے مراد اُس کے الفاظ فرمائے ہیں کہ جن کی تلاوت میں ہر شخص برابر ہے اور باطن سے مراد اس کے معانی اور مطالب[9] ہیں جو حسبِ[10] استعداد[11] مختلف ہوتے ہیں۔ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر علم چاہتے ہو تو قرآنِ پاک کے معانی میں غور وفکر کرو کہ اس میں اوّلین وآخرین کا علم ہے۔ مگر کلام پاک کے معنیٰ کے لیے جو شرائط وآداب ہیں ان کی رعایت ضروری ہے، یہ نہیں کہ ہمارے اس زمانہ کی طرح سے جو شخص عربی کے چند الفاظ کے معنی جان لے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر بغیر کسی لفظ کے معنی جانے اُردو ترجمہ دیکھ کر اپنی رائے کو اس میں داخل کردے۔ اہلِ فن نے تفسیر کے لیے پندرہ[15] علوم پر مَہَارت[11] ضروری بتلائی ہے، وقتِ ضرورت کی وجہ سے مختصراً عرض کرتا ہوں جس سے معلوم ہوجاوے گا کہ بَطنِ کلام پاک تک رَسائی[12] ہر شخص کو نہیں ہوسکتی۔ اوّل: لُغَت جس سے کلامِ پاک کے مُفرَد[13] الفاظ کے معنی معلوم ہوجاویں۔ مُجاہدؒ کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو جائز نہیں کہ بِدُون[14] معرفت لُغَاتِ عرب کے کلام پاک میں کچھ لَب کُشائی[15] کرے اور چند لُغات[16] کا معلوم ہوجانا کافی نہیں، اس لیے کہ بسا اوقات[17] لفظ چند معانی میں مُشتَرک ہوتا ہے اور وہ اُن میں

حل لغات: (۱) سفارش۔ (۲) اللہ کے دربار۔ (۳) عطا۔ (۴) حق میں مارنا۔ (۵) دعوی کرنا۔ (۶) طاقتور۔ (۷) سامنے والا۔ (۸) بھاگنے کی جگہ۔ (۹) معنی اور مطلب۔ (۱۰) صلاحیت کے مطابق۔ (۱۱) صلاحیت، قابلیت۔ (۱۲) پہونچ۔ (۱۳) اکیلا۔ (۱۴) بغیر جانے۔ (۱۵) زبان کھولنا، یعنی مطلب ومعنی بیان کرنے لگے۔ (۱۶) لفظوں کا معنی۔ (۱۷) اکثر مرتبہ۔

سے ایک[1] دو[2] معنی جانتا ہے اور فی الواقع اس جگہ کوئی اور معنی مراد ہوتے ہیں۔ دوسرے: نَحْو کا جاننا ضروری ہے، اس لیے کہ اِعراب[1] کے تَغَیُّر[2] تَبَدُّل سے معنی بالکل بدل جاتے ہیں اور اعراب کی مَعْرِفَت نَحْو پر موقوف ہے۔ تیسرے: صَرْف کا جاننا ضروری ہے، اس لیے کہ بِنَا اور صیغوں کے اِخْتِلاف سے معانی بالکل مختلف ہوجاتے ہیں۔ ابنِ فارسؒ کہتے ہیں کہ جس شخص سے علمِ صَرْف فوت[3] ہوگیا اس سے بہت کچھ فوت ہوگیا۔ علامہ زَمَخْشَریؒ اُعجوباتِ تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کلام پاک کی آیت ﴿يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ﴾ [سورۂ اسراء:۷۱] ترجمہ: جس دن کہ پُکاریں گے ہم ہر شخص کو اس کے مُقْتَدا اور پیشرو[4] کے ساتھ۔ اس کی تفسیر صَرْف کی ناواقفیت کی وجہ سے یہ کی کہ جس دن پکاریں گے ہر شخص کو اس کی ماؤں کے ساتھ۔ امام کا لفظ جو مُفْرَد[5] تھا، اس کو اُمّ کی جمع سمجھ گیا، اگر وہ صَرْف سے واقف ہوتا تو معلوم ہوجاتا کہ اُمّ کی جمع امام نہیں آتی۔ چوتھے: اِشْتِقَاق کا جاننا ضروری ہے، اس لیے کہ لفظ جب کہ دو مادّوں سے مُشْتَق ہو تو اس کے معنی مختلف ہوں گے جیسا کہ مَسِیح کا لفظ ہے کہ اس کا اشتقاق مسح سے بھی ہے جس کے معنی چھونے اور تر ہاتھ کسی چیز پر پھیرنے کے ہیں اور مَسَاحَتْ سے بھی ہے جس کے معنیٰ پیمائش[6] کے ہیں۔ پانچویں: علمِ معانی کا جاننا ضروری ہے جس سے کلام کی ترکیبیں معنی کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہیں۔ چھٹے: علم بیان کا جاننا ضروری ہے جس سے کلام کا ظہور وخفا، تشبیہ وکنایہ معلوم ہوتا ہے۔ ساتویں: علمِ بدیع جس سے کلام کی خوبیاں تعبیر کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہیں، یہ تینوں فن علمِ بلاغت کہلاتے ہیں، مُفَسِّر کے اہم علوم میں سے ہیں، اس لیے کہ کلامِ پاک جو سراسر اِعْجَاز[7] ہے اسی سے اس کا اعجاز معلوم ہوتا ہے۔ آٹھویں: علمِ قراءت کا جاننا بھی ضروری ہے، اس لیے کہ مختلف قراءتوں کی وجہ سے مختلف معنی معلوم ہوتے ہیں اور بعض معنی کی دوسرے معنی پر ترجیح معلوم ہوجاتی ہے۔ نویں: علمِ عقائد کا جاننا بھی ضروری ہے، اس لیے کہ کلام پاک میں بعض آیات ایسی بھی ہیں جن کے ظاہری معنیٰ کا اِطلاق[8] حق سُبْحَانَہٗ وتَقَدَّس پر صحیح نہیں، اس لیے ان میں کسی تاویل[9] کی ضرورت پڑے گی جیسی کہ ﴿يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ﴾ [سورۂ فتح:۱۰] دسویں: اصولِ فقہ کا معلوم ہونا ضروری ہے کہ جس سے وجوہِ اِسْتِدلال[10] واِسْتِنْبَاط معلوم ہوسکیں۔ گیارھویں: اسبابِ[11] نزول کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ شانِ[12] نزول سے آیت کے معنی زیادہ واضح ہوں گے اور بسا اوقات اصل معنی کا معلوم ہونا بھی شانِ نزول پر موقوف ہوتا ہے۔ بارھویں: ناسخ ومنسوخ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے تاکہ منسوخ[13] شدہ احکام مَعْمُول[14] بہا سے مُمتاز ہوسکیں۔ تیرھویں: علمِ فقہ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ جُزْئِیَّات[15] کے اِحَاطہ[16]

حل لغات: ① زبر، زیر، پیش وغیرہ۔ ② تبدیلی۔ ③ چھوٹنا۔ ④ رہنما۔ ⑤ واحد۔ ⑥ ناپنا۔ ⑦ مکمل معجزہ۔ ⑧ بولا جانا۔ ⑨ بیان۔ ⑩ دلیل پکڑنے اور نتیجہ نکالنے کے طریقے۔ ⑪ قرآن کی آیتوں کے اترنے کا سبب۔ ⑫ آیت کے اُترنے کا موقع۔ ⑬ وہ احکام جن پر شریعت نے عمل سے منع کیا۔ ⑭ وہ احکام جن پر عمل باقی ہے۔ ⑮ چھوٹے چھوٹے مسئلے۔ ⑯ مکمل طور سے ذکر کرنا۔

سے کُلِّیَات[۱] پہچانے جاتے ہیں۔ چودھویں: اُن احادیث کا جاننا ضروری ہے جو قرآنِ پاک کی مُجْمَل[۲] آیات کی تفسیر واقع ہوئی ہیں۔

اِن سب کے بعد پندرھواں وہ علمِ وَہْبی ہے جو حق سُبْحَانَہٗ وتَقَدَّس کا عطیۂ خاص ہے، اپنے مخصوص بندوں کو عطا فرماتا ہے، جس کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ ہے: ((مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَا لَمْ يَعْلَمْ)) ''جب کہ بندہ اس چیز پر عمل کرتا ہے جس کو جانتا ہے، تو حق تعالیٰ شانہٗ ایسی چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتا۔''

اسی کی طرف حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ نے اشارہ فرمایا جب کہ ان سے لوگوں نے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ نے آپ کو کچھ خاص علوم عطا فرمائے ہیں یا خاص وَصَایَا[۳] جو عام لوگوں کے علاوہ آپ کے ساتھ مخصوص ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ قسم ہے اُس ذاتِ پاک کی جس نے جنت بنائی اور جان پیدا کی، اُس فہم[۴] کے علاوہ کچھ نہیں ہے، جس کو حق تعالیٰ شانہٗ اپنے کلام پاک کے سمجھنے کے لیے کسی کو عطا فرما دیں۔ ابن اِبی الدُّنیاؒ کا مقولہ[۵] ہے کہ علومِ قرآن اور جو اس سے حاصل ہو وہ ایسا سمندر ہے کہ جس کا کنارہ نہیں، یہ علوم جو بیان کیے گئے، مُفَسِّر کے لیے بطور آلہ کے ہیں، اگر کوئی شخص ان علوم کی واقفیت[۶] بغیر تفسیر کرے تو وہ تفسیر بِالرَّائے[۷] میں داخل ہے، جس کی مُمانعت آئی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے علوم عربیہ طَبْعًا[۸] حاصل تھے اور بقیہ علوم مِشْکٰوۃِ[۹] نبوت سے مُستَفاد[۱۰] تھے۔ علامہ سُیُوطِیؒ کہتے ہیں کہ شاید تجھے خیال ہو کہ علمِ وہبی کا حاصل کرنا بندہ کی قدرت سے باہر ہے، لیکن حقیقت ایسی نہیں بلکہ اس کے حاصل کرنے کا طریقہ اُن اسباب کا حاصل کرنا ہے جس پر حق تعالیٰ شانہٗ اس کو مُرَتَّب[۱۱] فرماتے ہیں مثلاً علم پر عمل اور دنیا سے بے رغبتی وغیرہ وغیرہ۔

''کیمیائے سعادت'' میں لکھا ہے کہ قرآن شریف کی تفسیر تین[۳] شخصوں پر ظاہر نہیں ہوتی۔ اوّل: وہ جو علومِ عربیہ سے واقف نہ ہو۔ دوسرے: وہ شخص جو کسی کبیرہ پر مُصِر[۱۲] ہو یا بدعتی ہو کہ اس گناہ اور بدعت کی وجہ سے اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے معرفتِ قرآن سے قاصر رہتا ہے۔ تیسرے: وہ شخص کہ کسی اعتقادی مسئلہ میں ظاہر کا قائل ہو اور کلام اللہ شریف کی جو عبارت اس کے خلاف ہو اس سے طبیعت اُچٹتی[۱۳] ہو، اس شخص کو بھی فہمِ قرآن سے حصہ نہیں ملتا۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا[۱۴] مِنْهُمْ.

پڑھتے جاؤ چڑھتے جاؤ

(۹) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ	عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد

حل لغات: (۱) بڑے بڑے مسئلے۔ (۲) وہ آیات جن کی تفسیر کی ضرورت ہے۔ (۳) وصیت کی جمع، مرنے سے پہلے کی نصیحتیں۔ (۴) سمجھ۔ (۵) قول، بات۔ (۶) جانکاری۔ (۷) اپنی رائے اور عقل سے قرآن کی تفسیر کرنا۔ (۸) قدرتی طور پر۔ (۹) نبوت کا چراغ۔ (۱۰) حاصل۔ (۱۱) یعنی عطا فرماتے ہیں۔ (۱۲) بار بار کرنے والا۔ (۱۳) اُکتانا۔ (۱۴) اے اللہ! ایسے لوگوں سے ہماری حفاظت فرما۔

رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ: اِقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰيَةٍ تَقْرَأُهَا.	نقل کیا ہے کہ (قیامت کے دن) صاحبِ قرآن سے کہا جاوے گا کہ قرآن شریف پڑھتا جا اور بہشت[1] کے درجوں پر چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں پڑھا کرتا تھا، بس تیرا رُتبہ وہی ہے جہاں آخری آیت پر پہونچے۔
[رواه أحمد والترمذي وأبوداؤد والنسائي وابن ماجه وابن حبان في صحيحه]	

صاحبُ القرآن سے بظاہر حافظ مراد ہے اور مُلّا عَلِی قاریؒ نے بڑی تفصیل سے اس کو واضح کیا ہے کہ یہ فضیلت حافظ ہی کے لیے ہے، ناظرہ[2] خواں اس میں داخل نہیں۔ اوّل: اس وجہ سے کہ صاحبِ قرآن کا لفظ بھی اسی طرف مُشیر[3] ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ مسندِ اَحمد کی روایت میں ہے: حَتّٰى يَقْرَأَ شَيْئًا مَعَهٗ ''یہاں تک کہ پڑھے جو کچھ قرآن شریف اس کے ساتھ ہے'' یہ لفظ اس امر میں زیادہ ظاہر ہے کہ اس سے حافظ مراد ہے اگر چہ مُحتَمَل[4] وہ ناظرہ خواں بھی ہے جو کہ قرآن شریف بہت کثرت کے ساتھ پڑھتا ہو۔ ''مِرقَاۃ'' میں لکھا ہے: وہ پڑھنے والا مراد نہیں، جس کو قرآن لعنت کرتا ہو، یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ وہ قرآن کو پڑھتے ہیں اور قرآن اُن کو لعنت کرتا ہے، اس لیے اگر کسی شخص کے عقائد وغیرہ درست نہ ہوں تو قرآن شریف کے پڑھنے سے اس کی مَقبُولیت پر اِستِدلال[5] نہیں ہوسکتا۔ خَوارِج[6] کے بارے میں بکَثرت اس قسم کی احادیث وارد ہوئی ہیں۔

ترتیل سے تلاوت کرنا

ترتیل کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب نوّراللہ مرقدہٗ نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ ترتیل لُغت میں صاف اور واضح طور سے پڑھنے کو کہتے ہیں اور شرع شریف میں کئی چیز کی رعایت کے ساتھ تلاوت کرنے کو کہتے ہیں۔ اوّل: حرفوں کو صحیح نکالنا یعنی اپنے مخرج سے پڑھنا تا کہ ''طا'' کی جگہ ''تا'' اور ''ضاد'' کی جگہ ''ظا'' نہ نکلے۔ دوسرے: وُقوف کی جگہ پر اچھی طرح سے ٹھہرنا، تا کہ وَصل[7] اور قطع[8] کلام کا بے محل[9] نہ ہوجاوے۔ تیسرے: حرکتوں میں اِشباع کرنا یعنی زبر زیر پیش کو اچھی طرح ظاہر کرنا۔ چوتھے: آواز کو تھوڑا سا بلند کرنا تا کہ کلام پاک کے الفاظ زبان سے نکل کر کانوں تک پہونچیں اور وہاں سے دل پر اثر کریں۔ پانچویں: آواز کو ایسی طرح سے درست کرنا کہ اس میں درد پیدا ہو جاوے اور دل پر جلدی اثر کرے کہ درد والی آواز دل پر جلدی اثر کرتی ہے اور اس سے روح کو قوت اور تأثُّر[10] زیادہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اَطِبّاء نے کہا ہے کہ جس دوا کا اثر دل پر پہونچانا ہو، اس کو خوشبو میں ملا کر دیا جائے کہ دل اس کو جلدی کھینچتا ہے اور جس دوا کا اثر جگر میں پہونچانا ہو اس کو شیرینی میں ملایا

حل لغات: (۱) جنت۔ (۲) دیکھ کر پڑھنے والا۔ (۳) اشارہ کرنے والا۔ (۴) گنجائش، شامل۔ (۵) ثبوت، دلیل۔ (۶) ایک فرقے کا نام۔ (۷) ملانا۔ (۸) ختم کرنا۔ (۹) بے موقع۔ (۱۰) اثر۔

جائے کہ جگر مٹھائی کا جاذِب[1] ہے۔ اسی وجہ سے بندہ کے نزدیک اگر تلاوت کے وقت خوشبو کا خاص استعمال کیا جاوے تو دل پر تاثیر میں زیادہ تَقوِیَت[2] ہوگی۔ چھٹے: تشدید اور مد کو اچھی طرح ظاہر کیا جاوے کہ اس کے اظہار سے کلام پاک میں عظمت ظاہر ہوتی ہے اور تاثیر میں اِعانت ہوتی ہے۔ ساتویں: آیاتِ رحمت و عذاب کا حق ادا کرے جیسا کہ تمہید میں گذر چکا۔ یہ سات[3] چیزیں ہیں جن کی رعایت ''ترتیل'' کہلاتی ہے اور مقصود ان سب سے صرف ایک ہے یعنی کلامِ پاک کا فہم[3] وتدبُّر[4]۔ حضرت امّ المومنین اُمِّ سلمہ ﷞ سے کسی نے پوچھا کہ حضور ﷺ کلام اللہ شریف کس طرح پڑھتے تھے؟ انھوں نے کہا کہ سب حرکتوں کو بڑھاتے تھے، یعنی زبر زیر وغیرہ کو پورا نکالتے تھے اور ایک ایک حرف الگ الگ ظاہر ہوتا تھا۔ ترتیل سے تلاوت مُستَحب ہے اگرچہ معنی نہ سمجھتا ہو۔ ابنِ عباس ﷠ کہتے ہیں کہ میں ترتیل سے ﴿اَلْقَارِعَةُ﴾ اور ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ﴾ پڑھوں، یہ بہتر ہے اس سے کہ بِلا ترتیل سورۂ بقرہ اور آلِ عمران پڑھوں۔

شُرَّاح[5] اور مشائخ کے نزدیک حدیثِ[6] بالا کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک کی ایک ایک آیت پڑھتا جا اور ایک ایک درجہ اوپر چڑھتا جا، اس لیے کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے درجات کلام اللہ شریف کی آیات کے برابر ہیں؛ لہٰذا جو شخص جتنی آیات کا ماہر ہوگا اتنے ہی درجے اوپر اس کا ٹھکانہ ہوگا اور جو شخص تمام کلام پاک کا ماہر ہوگا وہ سب سے اوپر کے درجے میں ہوگا۔

مُلّاعَلی قاریؒ نے لکھا ہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ قرآن پڑھنے والے سے اوپر کوئی درجہ نہیں، پس قُرَّاء[7] آیات کی بَقَدَر تَرَقّی کریں گے۔ اور علامہ دانیؒ نے اہلِ فن کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ قرآن شریف کی آیات چھ ہزار (٦٠٠٠) ہیں، لیکن اس کے بعد کی مقدار (یعنی تعداد) میں اِختِلاف ہے اور اتنے اقوال نقل کیے ہیں ٢٠٤/١٤/١٩/٢٥/٣٦۔

شرحِ اِحیاء میں لکھا ہے کہ ہر آیت ایک درجہ ہے جنت میں، پس قاری سے کہا جاوے گا کہ جنت کے درجات پر اپنی تلاوت کے بقدر چڑھتے جاؤ، جو شخص قرآن پاک تمام پورا کرلے گا وہ جنت کے اعلیٰ درجہ پر پہونچے گا اور جو شخص کچھ حصہ پڑھا ہوا ہوگا وہ اس کی بَقدر درجات پر پہونچے گا۔ بِالجُملہ[8] مُنتہائے[9] تَرَقّی مُنتَہائے قراءت ہوگی۔

بندہ کے نزدیک حدیثِ بالا کا مطلب کچھ اَور معلوم ہوتا ہے، فَاِنْ كَانَ صَوَابًا فَمِنَ اللهِ وَ اِنْ كَانَ خَطَأً فَمِنِّيْ وَمِنَ الشَّيْطَانِ وَاللهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْهُ بَرِيْئَانِ. (اگر درست ہو تو حق تعالیٰ شانہٗ کی اعانت[10] سے ہے اور اگر غلط ہو تو میری اپنی تقصیر[11] سے ہے) حاصل اس مطلب کا یہ ہے کہ حدیثِ بالا سے

حل لغات: (١) کھینچنے والا۔ (٢) طاقت۔ (٣) سمجھ۔ (٤) غور وفکر۔ (٥) یعنی حدیث کا مطلب بیان کرنے والے۔ (٦) اوپر کی حدیث۔ (٧) قاری کی جمع۔ (٨) خلاصہ۔ (٩) ترقی کا آخری درجہ۔ (١٠) مدد۔ (١١) کوتاہی، کمی۔

درجات کی وہ ترقی مراد نہیں جو آیات کے لحاظ سے فی آیت ایک درجہ ہے، اس لیے کہ اس ترقی میں ترتیل سے پڑھنے نہ پڑھنے کو بظاہر کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ جب ایک آیت پڑھی جائے ایک درجہ کی ترقی ہوگی، عام ہے کہ ترتیل سے ہو یا بِلا ترتیل بلکہ اس حدیث میں بظاہر دوسری تَرقِّی باعتبار کیفیت[1] مراد ہے، جس میں ترتیل سے پڑھنے نہ پڑھنے کو دَخَل ہے، لہٰذا جس ترتیل سے دنیا میں پڑھتا تھا اُسی ترتیل سے آخرت میں پڑھ سکے گا اور اُس کے مُوافق درجات میں ترقی ہوتی رہے گی۔ مُلّا علی قاریؒ نے ایک حدیث سے نقل کیا ہے کہ اگر دنیا میں بکَثرت تلاوت کرتا رہا، تب تو اس وقت بھی یاد ہوگا ورنہ بھول جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرماویں کہ ہم میں بہت سے لوگ ایسے ہیں، جن کو والدین نے دینی شوق میں یاد کرادیا تھا، مگر وہ اپنی لاپرواہی اور بے توَجُّہی سے دنیا ہی میں ضائع کردیتے ہیں اور اُس کے بِالمُقَابِل بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص قرآن پاک یاد کرتا ہوا اور اس میں محنت ومشقت برداشت کرتا ہوا مرجائے وہ حُفَّاظ[2] کی جماعت میں شُمار ہوگا۔ حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں عطا میں کمی نہیں، کوئی لینے والا ہو۔

اس کے اَلطاف[3] تو ہیں عام شہیدی سب پر — تجھ سے کیا ضِد تھی اگر تُو کسی قابِل ہوتا

ہر حرف پر دس نیکیاں

⑩ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِّنْ كِتَابِ اللهِ فَلَهٗ بِهٖ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لَا أَقُوْلُ الٓمٓ حَرْفٌ، أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ. [رواه الترمذي وقال: هذا حديث صحيح غريب إسنادًا والدارمي]	ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص ایک حرف کتاب اللہ کا پڑھے، اس کے لیے اس حرف کے عِوض ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا اجر دَس[4] نیکی کے برابر ملتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سارا ''الٓمٓ'' ایک حرف ہے؛ بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف، میم ایک حرف۔

مقصود یہ ہے کہ جیسے اَور جُملہ[5] اعمال میں پورا عمل ایک شُمار کیا جاتا ہے، کلام پاک میں ایسے نہیں بلکہ اجزاءِ[6] عمل بھی پورے عمل شمار کیے جاتے ہیں اور اس لیے تلاوتِ کلام پاک میں ہر ہر حرف ایک ایک نیکی شُمار کی جاتی ہے اور ہر نیکی پر حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ [سورۂ انعام: ۱۶۰] ''جو شخص ایک نیکی لاوے، اس کو دس نیکی کے بقدر اجر ملتا ہے۔'' دس حصہ اجر کا وعدہ ہے اور یہ اَقَل[7] درجہ ہے، ﴿وَاللهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [سورۂ بقرہ: ۲۶۱] ''حق تعالیٰ شانہٗ جس کے لیے چاہتے ہیں، اجر زیادہ فرمادیتے ہیں''۔ ہر حرف کو مُستَقِل نیکی شمار کرنے کی مثال حضور ﷺ نے ارشاد

حل لغات: ① حالت۔ ② حافظ کی جمع۔ ③ مہربانیاں۔ ④ بدلہ۔ ⑤ تمام۔ ⑥ عمل کے حصے۔ ⑦ سب سے کم۔

فرمادی کہ ''الم'' پورا ایک حرف شُمار نہیں ہوگا، بلکہ ''الف، لام، میم'' علیحدہ علیحدہ حرف شمار کیے جائیں گے اور اس طرح پر الٓمّٓ کے مجموعہ پر تیس نیکیاں ہو گئیں۔ اس میں اِختِلاف ہے کہ الٓمّٓ سے سورۂ بقرہ کا شروع مراد ہے یا ﴿ اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ۝﴾ [سورۂ فیل] مراد ہے۔ اگر سورۂ بقرہ کا شروع مراد ہے تو بظاہر مطلب یہ ہے کہ لکھے ہوئے حروف کا اعتبار ہے اور لکھنے میں چونکہ وہ بھی تین ہی حروف لکھے جاتے ہیں اس لیے تیس نیکیاں ہوئیں اور اگر اس سے سورۂ فیل کا شروع مراد ہے تو پھر سورۂ بقرہ کے شروع میں جو الٓمّٓ ہے وہ نَو (9) حروف ہیں، اس لیے اس کا اجر نوّے (90) نیکیاں ہو گئیں۔ بیہقیؒ کی روایت میں ہے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ ''بِسمِ اللّٰہ'' ایک حرف ہے، بلکہ ''ب، س، م'' یعنی علیحدہ علیحدہ حروف مراد ہیں۔

اولاد کو قرآن مجید پڑھانے کی فضیلت

(11) عَنْ مُعَاذِ نِ الْجُهَنِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ضَوْئُهٗ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيْكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٰذَا. [رواه أحمد وأبوداؤد وصححه الحاكم]

مُعاذ جُہَنی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے، اس کے والدین کو قیامت کے دن ایک تاج پہنایا جاوے گا، جس کی روشنی آفتاب کی روشنی سے بھی زیادہ ہوگی، اگر وہ آفتاب[1] تمہارے گھروں میں ہو؛ پس کیا گمان ہے تمہارا اس شخص کے متعلق جو خود عامل ہے۔

یعنی قرآنِ پاک کے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی برکت یہ ہے کہ اس پڑھنے والے کے والدین کو ایسا تاج پہنایا جاوے گا، جس کی روشنی آفتاب کی روشنی سے بہت زیادہ ہو اگر وہ آفتاب تمہارے گھروں میں ہو، یعنی آفتاب اتنی دور سے اس قدر روشنی پھیلاتا ہے اگر وہ گھر کے اندر آ جائے تو یقیناً بہت زیادہ روشنی اور چمک کا سبب ہوگا، تو پڑھنے والے کے والدین کو جو تاج پہنایا جاوے گا، اس کی روشنی اُس روشنی سے زیادہ ہوگی جس کو گھر میں طلوع[2] ہونے والا آفتاب پھیلا رہا ہے، اور جب کہ والدین کے لیے یہ ذخیرہ ہے تو خود پڑھنے والے کے اجر کا خود اندازہ کر لیا جاوے کہ کس قدر ہوگا کہ جب اس کے طُفَیلیوں[3] کا یہ حال ہے تو خود اصل کا حال بدرجہا زیادہ ہوگا کہ والدین کو یہ اجر صرف اس وجہ سے ہوا ہے کہ وہ اس کے وجود یا تعلیم کا سبب ہوئے ہیں۔ آفتاب کے گھر میں ہونے سے جو تشبیہ[4] دی گئی ہے اس میں علاوہ ازیں[5] کہ قُرب[6] میں روشنی زیادہ محسوس ہوتی ہے؛ ایک اور لطیف[7] اَمر کی طرف بھی اشارہ ہے، وہ یہ کہ جو چیز ہر وقت پاس رہتی ہے اُس سے اُنس[8] واُلفت[9] زیادہ ہوتی ہے، اس لیے آفتاب کی دوری کی وجہ سے جو اس سے بیگانگی[10]

حل لغات: (1) سورج۔ (2) نکلنا۔ (3) پیچھے چلنے والے۔ (4) مثال۔ (5) اس کے۔ (6) نزدیکی۔ (7) باریک بات۔ (8) میل جول۔ (9) محبت۔ (10) بے تعلقی۔

ہے وہ ہر وقت کے قُرب کی وجہ سے مُبَدَّل[1] بہ اُنس ہو جاوے گی، تو اس صورت میں روشنی کے علاوہ اس کے ساتھ مُوانَست[2] کی طرف بھی اشارہ ہے اور اس طرف بھی کہ وہ اپنی ہوگی کہ آفتاب سے اگرچہ ہر شخص نفع اُٹھاتا ہے، لیکن اگر وہ کسی کو ہِبَہ[3] کر دیا جاوے، تو اس کے لیے کس قدر افتخار[4] کی چیز ہو۔ حاکمؒ نے بُرَیدَہ رضی اللہ عنہ سے حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن شریف پڑھے اور اس پر عمل کرے اس کو ایک تاج پہنایا جاوے گا، جو نور سے بنا ہوا ہوگا اور اس کے والدین کو ایسے دو[2] جوڑے پہنائے جاویں گے کہ تمام دنیا ان کا مُقابلہ نہیں کر سکتی، وہ عرض کریں گے کہ یا اللہ! یہ جوڑے کس صِلہ[5] میں ہیں؟ تو ارشاد ہوگا کہ تمہارے بچہ کے قرآن شریف پڑھنے کے عِوَض[6] میں۔

جَمعُ الفَوائِد میں طَبَرانی سے نقل کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص اپنے بیٹے کو ناظرہ قرآن شریف سکھلاوے، اس کے سب اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جو شخص حفظ کرائے، اس کو قیامت میں چودھویں رات کے چاند کے مُشابہ اُٹھایا جاوے گا اور اس کے بیٹے سے کہا جاوے گا کہ پڑھنا شروع کر، جب بیٹا ایک آیت پڑھے گا باپ کا ایک درجہ بلند کیا جاوے گا؛ حتی کہ اسی طرح تمام قرآن شریف پورا ہو۔

بچہ کے قرآن شریف پڑھنے پر باپ کے لیے یہ فضائل ہیں اور اسی پر بس نہیں دوسری بات بھی سن لیجیے کہ اگر خُدانخَواستہ آپ نے اپنے بچہ کو چار[4] پیسے کے لالچ میں دین سے محروم رکھا، تو یہ ہی نہیں کہ آپ اس لایَزال[7] ثواب سے محروم رہیں گے؛ بلکہ اللہ کے یہاں آپ کو جواب[8] دِہی بھی کرنی پڑے گی۔ آپ اس ڈر سے کہ یہ مولوی و حافظ پڑھنے کے بعد صرف مسجد کے مُلّانے اور ٹکڑے کے محتاج بن جاتے ہیں اس وجہ سے آپ اپنے لاڈلے بچہ کو اس سے بچاتے ہیں، یاد رکھیں کہ اس سے آپ اس کو تو دائمی[9] مصیبت میں گرفتار کر ہی رہے ہیں، مگر ساتھ ہی اپنے اوپر بھی سخت سخت جواب دِہی لے رہے ہیں۔ حدیث کا ارشاد ہے: ((کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ)) [الحدیث] ہر شخص سے اس کے ماتحتوں[10] اور دَستِ[11] نگروں کا بھی سوال ہوگا کہ ان کو کس قدر دین سکھایا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اِن عیوب سے آپ بچنے اور بچانے کی کوشش کیجیے، مگر جوؤں کے ڈر سے کپڑا نہ پہننا کوئی عقل کی بات نہیں، البتہ اس کے صاف رکھنے کی ضرور کوشش چاہیے۔ بِالجُملَہ اگر آپ اپنے بچہ کو دینداری صلاحیت سکھائیں گے، اپنی جواب دِہی سے سُبکدُوش[12] ہوں گے اور اس وقت تک وہ زندہ رہے جس قدر نیک اعمال کرے گا، دُعا و اِستِغفار آپ کے لیے کرے گا؛ آپ کے لیے رفعِ درجات[13] کا سبب بنے گا، لیکن دُنیا کی خاطر، چار[4] پیسے کے لالچ سے آپ

حل لغات: (۱) محبت سے بدلی ہوئی۔ (۲) محبت۔ (۳) بخشش دینا۔ (۴) فخر۔ (۵) بدلہ، انعام۔ (۶) بدلہ۔ (۷) ہمیشہ کے۔ (۸) جواب دینا۔ (۹) ہمیشہ کی۔ (۱۰) جو نیچے ہو یعنی تابع، نوکر۔ (۱۱) ضرورت مند۔ (۱۲) آزاد۔ (۱۳) درجات کی بلندی۔

نے اس کو دین سے بے بہرہ[1] رکھا، تو یہی نہیں کہ خود آپ کو اپنی حرکت کا وبال بُھگتنا پڑے گا، جس قدر بداَطواریاں[2]، فِسق وفُجُور اس سے سرزد ہوں گے، آپ کے نامۂ اعمال بھی اس ذخیرہ سے خالی نہ رہیں گے۔ خدارا[3] اپنے حال پر رحم کھائیں، دنیا بہرحال گذر جانے والی چیز ہے اور موت ہر بڑی سے بڑی تکلیف کا خَاتِمَہ ہے؛ لیکن جس تکلیف کے بعد موت بھی نہیں اس کا کوئی مُنتَہا[4] نہیں۔

حافظِ قرآن کی ایک خاص فضیلت

(١٢) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ ﷺ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: لَوْ جُعِلَ الْقُرْاٰنُ فِيْ إِهَابٍ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ مَا احْتَرَقَ.

[رواه الدارمي]

عُقبَہ بنِ عَامِر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضورِاقدس ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر رکھ دیا جاوے قرآن شریف کسی چمڑے میں پھر وہ آگ میں ڈال دیا جاوے تو نہ جلے۔

مشائخِ حدیث اس روایت کے مطلب میں دو طرف گئے ہیں: بعض کے نزدیک چمڑے سے عام مراد ہے، جس جانور کا ہو اور آگ سے دنیوی آگ مراد ہے، اس صورت میں یہ مخصوص مُعجِزَہ ہے جو حضورِاقدس ﷺ کے زمانہ کے ساتھ خاص تھا، جیسا کہ اَور انبیاء کے معجزے ان کے زمانہ کے ساتھ خاص ہوئے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ چمڑے سے مراد آدمی کا چمڑہ ہے اور آگ سے جہنَّم، اس صورت میں یہ حکم عام ہوگا، کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہ ہوگا یعنی جو شخص کہ حافظِ قرآن ہو اگر وہ کسی جُرم میں جہنم میں ڈالا بھی جاوے گا تو آگ اُس پر اثر نہ کرے گی۔ ایک روایت میں ((مَا مَسَّتْهُ النَّارُ)) کا لفظ بھی آیا ہے یعنی آگ اس کو چھونے کی بھی نہیں۔ اَبُواُمامہ رضی اللہ عنہ کی روایت جس کو شَرحُ السُّنَّة سے مُلَّا عَلی قاریؒ نے نقل کیا ہے، اس دوسرے معنی کی تائید[5] کرتی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ قرآن شریف کو حفظ کیا کرو، اس لیے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس قَلب[6] کو عذاب نہیں فرماتے جس میں کلامِ پاک محفوظ ہو۔ یہ حدیث اپنے مضمون میں صاف اور نَص[7] ہے۔ جو لوگ حفظِ قرآن شریف کو فضول بتلاتے ہیں وہ خدارا ذرا ان فضائل پر بھی غور کریں کہ یہی ایک فضیلت ایسی ہے جس کی وجہ سے ہر شخص کو حفظِ قرآن پر جان دے دینا چاہیے، اس لیے کہ کون شخص ایسا ہوگا جس نے گناہ نہ کیے ہوں اور آگ کا مستحق نہ ہو۔

شرحِ اِحیاء میں ان لوگوں کی فہرست میں جو قیامت کے ہَولناک اور وحشت اثر دن میں اللہ کے سایہ کے نیچے رہیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بَرِوَایتِ دَیلَمِی نقل کیا ہے کہ حاملینِ قرآن یعنی حُفَّاظ اللہ کے سایہ کے نیچے انبیاء اور برگُزیدہ[8] لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔

حل لغات: (١) محروم۔ (٢) برے کام۔ (٣) اللہ کے واسطے۔ (٤) حد۔ (٥) قوت پہنچانا، مضبوط کرنا۔ (٦) دل۔ (٧) ظاہر۔ (٨) مقبول۔

حافظِ قرآن کو اپنے خاندان کے دس پکے جہنمیوں کی سفارش کا حق ہونا

⑬ عَنْ عَلِيٍّ ﷺ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ :مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَظْهَرَهٗ فَأَحَلَّ حَلَالَهٗ وَ حَرَّمَ حَرَامَهٗ، أَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهٗ فِيْ عَشَرَةٍ مِّنْ أَهْلِ بَيْتِهٖ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ.	حضرت علی ﷺ نے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص نے قرآن پڑھا پھر اس کو حفظ یاد کیا اور اس کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام، حق تعالیٰ شانہٗ اس کو جنت میں داخل فرماویں گے اور اس کے گھرانے میں سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول فرماویں گے، جن کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہو۔

[رواه أحمد والترمذي وقال: هذا حديث غريب، وحفص بن سليمان الراوي ليس هو بالقوي يضعف في الحديث. ورواه ابن ماجه والدارمي]

دُخولِ[1] جنت ویسے تو ہر مومن کے لیے ان شاء اللہ ہے ہی، اگر چہ بداعمالیوں کی سزا بھگت کر ہی کیوں نہ ہو، لیکن حُفَّاظ[2] کے لیے یہ فضیلت ابتداءِ دخول کے اعتبار سے ہے۔ وہ دس شخص جن کے بارے میں شفاعت قبول فرمائی گئی وہ فُسَّاق[3] وفُجار ہیں جو مُرتَکِب[4] کبائر[5] کے ہیں، اس لیے کہ کُفّار کے بارے میں تو شفاعت ہے ہی نہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝﴾ [سورۂ مائدہ] (مشرکین پر اللہ نے جنت کو حرام کر دیا اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور ظالمین کا کوئی مددگار نہیں) دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ﴾ الآية [سورۂ توبہ:۱۱۳] (نبی اور مسلمانوں کے لیے اس کی گنجائش نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں اگر چہ وہ رشتہ دار ہوں) وغیرہ وغیرہ۔ نُصُوص اس مضمون میں صاف ہیں کہ مشرکین کی مغفرت نہیں ہے، اس لیے حُفَّاظ کی شفاعت سے ان مسلمانوں کی شفاعت مراد ہے جن کے مَعَاصی[6] کی وجہ سے اُن کا جہنم میں داخل ہونا ضروری بن گیا تھا۔ جو لوگ جہنم سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں، اُن کے لیے ضروری ہے کہ اگر وہ حافظ نہیں اور خود حفظ نہیں کر سکتے، تو کم از کم اپنے کسی قریبی رشتہ دار ہی کو حافظ بنا دیں کہ اس کے طُفیل یہ بھی اپنی بداعمالیوں کی سزا سے محفوظ رہ سکیں۔ اللہ کا کس قدر انعام ہے اس شخص پر جس کے باپ، چچا، تائے، دادا، نانا، ماموں سب ہی حافظ ہیں۔ اَللّٰهُمَّ زِدْ فَزِدْ

⑭ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : تَعَلَّمُوا الْقُرْاٰنَ	ابو ہریرہ ﷺ نے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ قرآن شریف کو سیکھو پھر اس کو پڑھو اس لیے کہ جو شخص قرآن شریف سیکھتا ہے

حل لغات: ① داخل ہونا۔ ② حافظ کی جمع۔ ③ نافرمان اور گنہگار۔ ④ کسی کام کا کرنے والا۔ ⑤ بڑے بڑے گناہ۔ ⑥ گناہ۔

فَاقْرَأُوْهُ فَإِنَّ مَثَلَ الْقُرْاٰنِ لِمَنْ تَعَلَّمَ فَقَرَأَ وَقَامَ بِهٖ كَمَثَلِ جِرَابٍ مَحْشُوٍّ مِسْكًا تَفُوْحُ رِيْحُهٗ كُلَّ مَكَانٍ، وَمَثَلُ مَنْ تَعَلَّمَهٗ فَرَقَدَ وَهُوَ فِيْ جَوْفِهٖ كَمَثَلِ جِرَابٍ أُوْكِيَ عَلٰى مِسْكٍ.

[رواه الترمذي والنسائي وابن ماجه وابن حبان]

اور پڑھتا ہے اور تہجد میں اس کو پڑھتا رہتا ہے، اس کی مثال اس تھیلی کی سی ہے جو مُشک سے بھری ہوئی ہو کہ اس کی خوشبو تمام مکان میں پھیلتی ہے اور جس شخص نے سیکھا اور پھر سو گیا، اس کی مثال اس مُشک کی تھیلی کی ہے جس کا مُنہ بند کر دیا گیا ہو۔

یعنی جس شخص نے قرآن پاک پڑھا اور اُس کی خبر گیری[1] کی، راتوں کو نماز میں تلاوت کی، اس کی مثال اُس مُشک دان[2] کی سی ہے کہ جو کھلا ہوا ہو کہ اُس کی خوشبو سے تمام مکان مہکتا ہے؛ اسی طرح اُس حافظ کی تلاوت سے تمام مکان انوار و برکات سے معمور[3] رہتا ہے اور وہ حافظ سو جائے یا غفلت کی وجہ سے نہ پڑھ سکے تب بھی اس کے قلب میں جو کلام پاک ہے وہ تو بہر حال مشک ہی ہے۔ اس غفلت سے اتنا نقصان ہوا کہ دوسرے لوگ اس کی برکات سے محروم رہے، لیکن اس کا قلب تو بہر حال اس مشک کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔

جو دِل قرآن سے خالی ہے گویا ویران گھر ہے

⑮ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ الَّذِيْ لَيْسَ فِيْ جَوْفِهٖ شَيْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ كَالْبَيْتِ الْخَرِبِ.

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص کے قلب میں قرآن شریف کا کوئی حصہ بھی محفوظ نہیں، وہ بمنزلہ ویران گھر کے ہے۔

[رواه الترمذي وقال هذا حديث صحيح ورواه الدارمي والحاكم وصححه]

ویران گھر کے ساتھ تشبیہ[4] دینے میں ایک خاص لطیفہ بھی ہے وہ یہ کہ ''خانۂ خالی را دیو می گیرد[5]'' اسی طرح جو قلب کلام پاک سے خالی ہوتا ہے شیاطین کا اس پر تسلّط[6] زیادہ ہوتا ہے۔ اس حدیث میں حفظ کی کس قدر تاکید فرمائی ہے کہ اس دل کو ویران گھر ارشاد ہوا ہے، جس میں کلام پاک محفوظ نہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس گھر میں کلام مجید پڑھا جاتا ہے اس کے اہل و عیال کثیر ہو جاتے ہیں، اس میں خیر و برکت بڑھ جاتی ہے، ملائکہ اس میں نازل ہوتے ہیں اور شیاطین اس گھر سے نکل جاتے ہیں اور جس گھر میں تلاوت نہیں ہوتی اس میں تنگی اور بے برکتی ہوتی ہے، ملائکہ اُس گھر سے چلے جاتے ہیں، شیاطین اُس میں گُھس جاتے ہیں۔ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور بعض لوگ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ خالی گھر وہی ہے جس میں تلاوتِ قرآن شریف نہ ہوتی ہو۔

حل لغات: ① دیکھ بھال۔ ② مشک کی ڈبیہ۔ ③ آباد۔ ④ مثال۔ ⑤ خالی گھر پر جن قبضہ کر لیتے ہیں۔ ⑥ قبضہ۔

ذکر وتسبیح وغیرہ کے مُقابلہ میں تلاوتِ کلام اللہ کی فضیلت

⑯ عَنْ عَائِشَةَ ﷞ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: قِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ فِي الصَّلٰوةِ أَفْضَلُ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ فِيْ غَيْرِ الصَّلٰوةِ وَقِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ فِيْ غَيْرِ الصَّلٰوةِ أَفْضَلُ مِنَ التَّسْبِيْحِ وَالتَّكْبِيْرِ وَالتَّسْبِيْحُ أَفْضَلُ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالصَّدَقَةُ أَفْضَلُ مِنَ الصَّوْمِ وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ مِّنَ النَّارِ. [رواه البيهقي في شعب الإيمان]

حضرت عائشہ ﷞ نے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ نماز میں قرآن شریف کی تلاوت بغیر نماز کی تلاوت سے افضل ہے اور بغیر نماز کی تلاوت تسبیح وتکبیر سے افضل ہے اور تسبیح صدقہ سے افضل ہے اور صدقہ روزہ سے افضل ہے اور روزہ بچاؤ ہے آگ سے۔

تلاوت کا اَذکار سے افضل ہونا ظاہر ہے، اس لیے کہ یہ کلامِ الٰہی ہے اور پہلے معلوم ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو اَوروں کے کلام پر وہی فضیلت ہے جو اللہ تعالیٰ کو فضیلت ہے مخلوق پر۔ ذکر اللہ کا افضل ہونا صدقہ سے اَور روایات میں بھی وارد ہے اور صدقہ کا روزہ سے افضل ہونا، جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے، دوسری بعض روایات کے خلاف ہے جن سے روزہ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے؛ لیکن یہ اَحوال کے اعتبار سے مُختلف ہے، بعض حالتوں میں روزہ افضل ہے اور بعض میں صدقہ، اسی طرح لوگوں کے اعتبار سے بھی مختلف ہے بعض لوگوں کے لیے روزہ افضل ہے اور جب کہ روزہ آگ سے بچاؤ ہے جس کا درجہ اس روایت میں سب سے اخیر میں ہے تو پھر تلاوتِ کلام اللہ کا کیا کہنا جو سب سے اوّل ہے۔ صاحبِ اِحیاء نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ سے نقل کیا ہے کہ جس شخص نے نماز میں کھڑے ہو کر کلام پاک پڑھا اس کو ہر حرف پر سو[100] نیکیاں ملیں گی اور جس شخص نے نماز میں بیٹھ کر پڑھا، اس کے لیے پچاس[50] نیکیاں اور جس نے بغیر نماز کے وضو کے ساتھ پڑھا، اس کے لیے پچیس[25] نیکیاں اور جس نے بِلا وضو پڑھا اس کے لیے دس[10] نیکیاں اور جو شخص پڑھے نہیں بلکہ صرف پڑھنے والے کی طرف کان لگا کر سنے اس کے لیے بھی ہر حرف کے بدلے ایک نیکی۔

بہترین دولت

⑰ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷛ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ إِذَا رَجَعَ إِلٰى أَهْلِهِ أَنْ يَجِدَ فِيْهِ ثَلٰثَ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ؟ قُلْنَا: نَعَمْ. قَالَ: فَثَلٰثُ اٰيَاتٍ يَقْرَأُ بِهِنَّ أَحَدُكُمْ فِيْ صَلٰوتِهِ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ ثَلٰثِ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ. [رواه مسلم]

ابو ہریرہ ﷛ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ جب گھر واپس آئے تو تین[3] اونٹنیاں حاملہ بڑی اور موٹی اس کو مل جاویں؟ ہم نے عرض کیا: بیشک (ضرور پسند کرتے ہیں)۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تین[3] آیتیں جن کو تم میں سے کوئی نماز میں پڑھ لے وہ تین[3] حاملہ بڑی اور موٹی اونٹنیوں سے افضل ہے۔

اس سے مِلتا جُلتا مضمون حدیث نمبر تین[۳] میں گذر چکا ہے۔ اس حدیث شریف میں چونکہ نماز میں پڑھنے کا ذکر ہے اور وہ بغیر نماز کے پڑھنے سے افضل ہے، اس لیے تشبیہ حاملہ اونٹنیوں سے دی گئی، اس لیے کہ وہاں بھی دو[۲] عبادتیں ہیں: نماز اور تلاوت۔ ایسے ہی یہاں بھی دو[۲] چیزیں ہیں اونٹنی اور اس کا حمل۔ میں حدیث نمبر تین[۳] کے فائدہ میں لکھ چکا ہوں کہ اس قسم کی احادیث سے صِرف تَشْبِیہ مراد ہوتی ہے ورنہ ایک آیت کا باقی اجر ہزار فانی اونٹنیوں سے افضل ہے۔

دیکھ کر تلاوت کرنے کی فضیلت

⑱ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَوْسِ الثَّقَفِيِّ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: قِرَاءَةُ الرَّجُلِ الْقُرْاٰنَ فِيْ غَيْرِ الْمُصْحَفِ أَلْفُ دَرَجَةٍ وَقِرَاءَتُهٗ فِي الْمُصْحَفِ تَضْعَفُ عَلٰى ذٰلِكَ إِلٰى أَلْفَيْ دَرَجَةٍ. [رواه البيهقي في شعب الإيمان]	اَوس ثَقَفی رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ سے نقل کیا ہے کہ کلام اللہ شریف کا حفظ پڑھنا ہزار درجہ ثواب رکھتا ہے اور قرآنِ پاک میں دیکھ کر پڑھنا دو ہزار تک بڑھ جاتا ہے۔

حافظِ قرآن کے مُتعَدَّد فضائل پہلے گذر چکے ہیں۔ اس حدیث شریف میں جو دیکھ کر پڑھنے کی فضیلت ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ قرآن پاک کے دیکھ کر پڑھنے میں تدبُّر[۱] اور فِکر کے زیادہ ہونے کے علاوہ وہ کئی عبادتوں کو مُتَضَمِّن[۲] ہے: قرآن پاک کو دیکھنا، اس کو چھونا وغیرہ وغیرہ اس وجہ سے یہ افضل ہوا۔ چونکہ روایات کا مفہوم مختلف ہے، اسی وجہ سے عُلَمَاء نے اس میں اختلاف فرمایا ہے کہ کلام پاک کا حفظ پڑھنا افضل ہے یا دیکھ کر۔ ایک جماعت کی رائے ہے کہ حدیثِ[۳] بالا کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ اس میں غلط پڑھنے سے امن رہتا ہے، قرآنِ پاک پر نظر رہتی ہے؛ قرآن شریف کو دیکھ کر پڑھنا افضل ہے۔ دوسری جماعت دوسری روایات کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ حفظ پڑھنا زیادتیِ خُشُوع کا سبب ہوتا ہے، رِیَا[۴] سے دور ہوتا ہے اور نیز نبی کریم ﷺ کی عادتِ شریفہ حفظ پڑھنے کی تھی، حفظ کو ترجیح دیتی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اس میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ فضیلت آدمیوں کے لحاظ سے مختلف ہے، بعض کے لیے دیکھ کر پڑھنا افضل ہے جس کو اس میں تَدَبُّر و تَفَکُّر[۵] زیادہ حاصل ہوتا ہو اور جس کو حفظ میں تدبر زیادہ حاصل ہوتا ہو اس کے لیے حفظ پڑھنا افضل ہے۔

حافظ رحمہ اللہ نے بھی فتح الباری میں اسی تفصیل کو پسند کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس کثرتِ تلاوت کی وجہ سے دو کلام مجید پھٹے تھے۔ عَمْرو بن مَیْمُون رحمہ اللہ نے شرح اِحیاء میں نقل کیا ہے کہ جو شخص صبح کی نماز پڑھ کر قرآن شریف کھولے اور بقدر سو آیت کے پڑھ لے، تمام دنیا کی بقدر اس کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ قرآن شریف کا دیکھ کر پڑھنا نگاہ کے لیے مفید بتلایا جاتا ہے۔ اَبُوعُبَید رحمہ اللہ نے حدیثِ مُسَلسَل نقل کی

حل لغات: ① غور۔ ② شامل۔ ③ اوپر کی حدیث۔ ④ دکھلاوا۔ ⑤ غور و فکر۔

ہے، جس میں ہر راوی نے کہا ہے کہ مجھے آنکھوں کی شکایت تھی تو استاد نے قرآن شریف دیکھ کر پڑھنے کو بتلایا۔ حضرت امام شافعی صاحبؒ بسا اوقات عشاء کے بعد قرآن شریف کھولتے تھے اور صبح کی نماز کے وقت بند کرتے تھے۔

دلوں کے زنگ کی صفائی تلاوتِ کلام اللہ سے

⑲ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ إِذَا أَصَابَهُ الْمَاءُ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا جِلَاؤُهَا؟ قَالَ: كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْاٰنِ. [رواه البيهقي في شعب الإيمان]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضور اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے جیسا کہ لوہے کو پانی لگنے سے زنگ لگتا ہے۔ پوچھا گیا کہ حضور! ان کی صفائی کی کیا صورت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ موت کو اکثر یاد کرنا اور قرآنِ پاک کی تلاوت کرنا۔

یعنی گناہوں کی کثرت اور اللہ جلَّ شانہٗ کی یاد سے غفلت کی وجہ سے دلوں پر بھی زنگ لگ جاتا ہے، جیسا کہ لوہے کو پانی لگ جانے سے زنگ لگ جاتا ہے اور کلام پاک کی تلاوت اور موت کی یاد اُن کے لیے صَیقَل[۱] کا کام دیتی ہے۔ دل کی مثال ایک آئینہ کی سی ہے جس قدر وہ دُھندلا ہوگا مَعرِفت[۲] کا اِنعِکاس[۳] اس میں کم ہوگا اور جس قدر صاف اور شفاف ہوگا، اسی قدر اس میں معرفت کا اِنعکاس واضح[۴] ہوگا۔ اسی لیے آدمی جس قدر معاصیِ[۵] شَہوانیہ یا شیطانیہ میں مُبتَلا ہوگا، اسی قدر مَعرِفَت سے دور ہوگا اور اسی آئینہ کے صاف کرنے کے لیے مشائخ سلوک رِیاضت ومجاہدات[۶]، اذکار واَشغال[۷] تلقین فرماتے ہیں۔ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نُقطہ اس کے قلب میں پڑ جاتا ہے، اگر وہ سچی توبہ کرلیتا ہے تو وہ نقطہ زائل ہوجاتا ہے اور اگر دوسرا گناہ کرلیتا ہے تو دوسرا نقطہ پیدا ہوجاتا ہے، اسی طرح سے اگر گناہوں میں بڑھتا رہتا ہے تو شُدَہ[۸] شُدَہ ان نقطوں کی کثرت سے دل بالکل سیاہ ہوجاتا ہے پھر اُس قلب میں خیر کی طرف رغبت ہی نہیں رہتی، بلکہ شر ہی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا[۹] مِنْهُ. اسی کی طرف قرآنِ پاک کی اس آیت میں اشارہ ہے: ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۱۴﴾ [سورۂ مطففین] (بیشک ان کے قلوب پر زنگ جمادیا ان کی بداعمالیوں نے)۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو واعظ چھوڑتا ہوں، ایک بولنے والا، دوسرا خاموش، بولنے والا قرآن شریف ہے اور خاموش موت کی یاد۔ حضور ﷺ کا ارشاد سر آنکھوں پر، مگر واعظ تو اس کے لیے ہو جو نصیحت قبول کرے،

حل لغات: ① صفائی۔ ② اللہ کی پہچان۔ ③ روشنی، اثر۔ ④ صاف۔ ⑤ شہوت کے گناہ۔ ⑥ نفس کی اصلاح کی محنتیں۔ ⑦ زبان کے بغیر صرف ذکر کا سوچ، مراقبہ وغیرہ۔ ⑧ آہستہ آہستہ۔ ⑨ اللہ تعالیٰ اس سے ہماری حفاظت فرمائے۔

نصیحت کی ضرورت سمجھے، جہاں سِرے سے دین ہی بے کار ہو، ترقّی کی راہ میں مانِع[1] ہو، وہاں نصیحت کی ضرورت کسے اور نصیحت کرے گی کیا؟ حَسَن بصریؒ کہتے ہیں کہ پہلے لوگ قرآن شریف کو اللہ کا فرمان سمجھتے تھے، رات بھر اس میں غور وتدَبُّر کرتے تھے اور دن کو اس پر عمل کرتے تھے اور تم لوگ اس کے حروف اور زبر زیر تو بہت درست کرتے ہو مگر اس کو فرمانِ شاہی نہیں سمجھتے، اس میں غور وتدَبُّر نہیں کرتے۔

⑳ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ شَرَفًا يَتَبَاهُوْنَ بِهٖ وَإِنَّ بَهَاءَ أُمَّتِيْ وَشَرَفَهَا الْقُرْاٰنُ. [رواه أبو نعيم في الحلية]	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتی ہیں کہ ہر چیز کے لیے کوئی شَرافت[2] وافتخار ہوا کرتا ہے جس سے وہ تَفاخُر کیا کرتا ہے، میری اُمت کی رونق اور افتخار قرآن شریف ہے۔

یعنی لوگ اپنے آباواَجداد سے، خاندان سے اور اسی طرح بہت سی چیزوں سے اپنی شرافت و بڑائی ظاہر کیا کرتے ہیں، میری اُمت کے لیے ذریعۂ افتخار کلام اللہ شریف ہے کہ اس کے پڑھنے سے، اس کے یاد کرنے سے، اس کے پڑھانے سے، اس پر عمل کرنے سے، غرض اس کی ہر چیز قابلِ اِفْتِخَار ہے اور کیوں نہ ہو کہ محبوب کا کلام ہے، آقا کا فرمان ہے، دُنیا کا کوئی بڑے سے بڑا اشرف بھی اس کے برابر نہیں ہوسکتا نیز دنیا کے جس قدر کمالات ہیں وہ آج نہیں تو کل زائل ہونے والے ہیں، لیکن کلام پاک کا شرف وکمال دائمی[3] ہے، کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ قرآن شریف کے چھوٹے چھوٹے اَوصاف بھی ایسے ہیں کہ افتخار کے لیے ان میں کا ہر ایک کافی ہے، چہ جائیکہ اس میں وہ سب اَوْصَاف کامِل طور پر پائے جاتے ہیں مثلاً اس کی حُسنِ[4] تالیف، حسنِ[5] سِیاق، الفاظ کا تَنَاسُب[6]، کلام کا اِرْتِبَاط[7]، گذشتہ اور آئندہ واقعات کی اطلاع، لوگوں کے متعلق ایسے طَعن[8] کہ وہ اگر اس کی تکذیب[9] بھی کرنا چاہیں تو نہ کرسکیں جیسے کہ یہود کا باوجود اِدّعائے[10] محبت کے موت کی تمنا نہ کرسکنا نیز سننے والے کا اُس سے مُتَأثِّر ہونا، پڑھنے والے کا کبھی نہ اُکتانا حالانکہ ہر کلام خواہ وہ کتنا ہی دل کو پیارا معلوم ہوتا ہو، مجنون بنا دینے والے محبوب کا خط ہی کیوں نہ ہو، دِن میں دس[10] دفعہ پڑھنے سے دل نہ اُکتائے تو بیس[20] دفعہ سے اُکتا جائے گا، بیس[20] سے نہ سہی چالیس[40] سے اُکتاوے گا، بہر حال اُکتاوے گا پھر اُکتاوے گا، مگر کلام پاک کا رکوع یاد کیجیے، دوسو[200] مرتبہ پڑھیے، چارسو[400] مرتبہ پڑھیے، عمر بھر پڑھتے رہیے، کبھی نہ اُکتاوے گا، اگر کوئی عارض[11] پیش آجائے تو وہ خود عارضی[12] ہوگا اور جلد زائل ہوجانے والا۔ جتنی کثرت کیجیے اُتنی ہی طَرَاوَت[13] اور لذت میں اضافہ ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ یہ اُمور ایسے ہیں کہ اگر کسی کے کلام میں ان میں سے ایک بھی پایا جاوے خواہ پورے طور سے نہ ہو تو اس پر افتخار کیا جاتا ہے پھر جب کہ کسی

حل لغات: ① روکنے والا۔ ② عزت۔ ③ ہمیشہ کا۔ ④ اچھی ترتیب۔ ⑤ مضمون کا میل ملاپ۔ ⑥ برابری۔ ⑦ جوڑ۔ ⑧ برا بھلا کہنا۔ ⑨ انکار۔ ⑩ محبت کا دعویٰ۔ ⑪ یعنی رکاوٹ۔ ⑫ وقتی چیز۔ ⑬ تازگی۔

کلام میں یہ سب کے سب اُمور علیٰ وَجہِ الکمال[1] پائے جاتے ہوں تو اس سے کتنا اِفتخار ہوگا۔ اس کے بعد ایک لمحہ ہمیں اپنی حالت پر بھی غور کرنا ہے ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جن کو اپنے حافظِ قرآن ہونے پر فخر ہے؟ یا ہماری نگاہ میں کسی کا حافظِ قرآن ہونا باعثِ[2] شرف ہے۔ ہماری شرافت ہمارا افتخار اونچی اونچی ڈِگریوں سے، بڑے بڑے اَلقاب سے، دنیوی جاہ وجلال اور مرنے کے بعد چھوٹ جانے والے مال ومَتاع سے ہے، فَإِلَى اللهِ الْمُشْتَكٰى[3].

(۲۱) عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ! أَوْصِنِيْ. قَالَ: عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللهِ فَإِنَّهٗ رَأْسُ الْأَمْرِ كُلِّهٖ. قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ! زِدْنِيْ. قَالَ: عَلَيْكَ بِتَلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ فَإِنَّهٗ نُوْرٌ لَّكَ فِي الْأَرْضِ وَذُخْرٌ لَّكَ فِي السَّمَاءِ. [رواه ابن حبان في صحيحه في حديث طويل]	حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تقویٰ کا اہتمام کرو کہ تمام امور کی جڑ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے ساتھ کچھ اور بھی ارشاد فرمادیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تلاوتِ قرآن کا اہتمام کرو کہ دُنیا میں یہ نور ہے اور آخرت میں ذخیرہ۔

تقویٰ حقیقتاً تمام اُمور کی جڑ ہے، جس دل میں اللہ کا ڈر پیدا ہوجاوے اُس سے پھر کوئی بھی معصیت[4] نہیں ہوتی اور نہ پھر اس کو کسی قسم کی تنگی پیش آتی ہے ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ [سورۂ طلاق: ۳] (جو شخص تقویٰ حاصل کرے تو حق تعالیٰ شانہ اس کے لیے ہر ضِیق[5] میں کوئی راستہ نکال دیتے ہیں اور اس طرح اس کو روزی پہونچاتے ہیں جس کا اس کو گُمان بھی نہیں ہوتا)۔

تلاوت کا نور ہونا پہلی روایات سے بھی معلوم ہوچکا۔ شرحِ اِحیاء میں معرفۃِ ابونُعیم سے نقل کیا ہے کہ حضرت باسطؒ نے حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد ذکر کیا کہ جن گھروں میں کلامِ پاک کی تلاوت کی جاتی ہے وہ مکانات آسمان والوں کے لیے ایسے چمکتے ہیں، جیسا کہ زمین والوں کے لیے آسمان پر ستارے۔ یہ حدیث ترغیب وغیرہ میں اتنی ہی نقل کی گئی، یہ مُختَصر ہے اصل روایت بہت طویل ہے، جس کو ابنِ حبّانؒ وغیرہ سے مُلّا علی قاریؒ نے مُفصّل اور سیوطیؒ نے کچھ مختصر نقل کیا ہے، اگرچہ ہمارے رسالہ کے مُناسِب اتنا ہی جُزو ہے جو اوپر گذر چکا؛ مگر چونکہ پوری حدیث بہت سے ضروری اور مُفید مَضامین پر مُشتمِل ہے اس لیے تمام حدیث کا مطلب نقل کیا جاتا ہے جو حسبِ ذیل ہے: ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضورِ اکرم ﷺ سے پوچھا کہ حق تعالیٰ شانہ نے کُل کتابیں کس قدر نازل فرمائی ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سَو (۱۰۰) صحائف اور چار (۴) کتابیں: پچاس (۵۰) صحیفے حضرت شیث علیہ السلام پر، اور تیس (۳۰) صحیفے حضرت ادریس علیہ السلام پر، اور دس (۱۰) صحیفے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر، اور دس (۱۰) صحیفے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات سے پہلے اور ان کے علاوہ چار (۴) کتابیں

حل لغات: (۱) مکمل طور پر۔ (۲) عزت کا سبب۔ (۳) اللہ ہی سے شکایت ہے۔ (۴) نافرمانی۔ (۵) تنگی۔

توراۃ، انجیل، زبور اور قرآن شریف نازل فرمائی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا چیز تھی؟ ارشاد فرمایا کہ وہ سب ضَرْبُ الْمَثَلیں[1] تھیں مثلاً: او مُتَسَلِّط[2] ومغرور بادشاہ! میں نے تجھ کو اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ تو پیسہ پر پیسہ جمع کرتا رہے، میں نے تجھے اس لیے بھیجا تھا کہ مجھ تک مظلوم کی فریاد نہ پہونچنے دے، تو پہلے ہی اس کا انتظام کردے، اس لیے کہ میں مظلوم کی فریاد کو رد نہیں کرتا، اگرچہ فریادی[3] کافر ہی کیوں نہ ہو۔ بندۂ ناچیز کہتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے صحابہ کو امیر اور حاکم بنا کر بھیجا کرتے تھے تو مِنْجُمْلَہ اور نصائح کے اس کو بھی اہتمام سے فرمایا کرتے تھے: وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَإِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ کہ مظلوم کی بد دُعا سے بچنا اس لیے کہ اس کے اور اللہ جلّ شانہٗ کے درمیان میں حِجاب اور واسطہ نہیں۔

بِتَرْس[4] از آہِ مَظْلُوْماں کہ ہَنْگامِ دُعا کَرْدَن اِجابَتْ اَزْ درِ حَقْ بَہْرِ اِسْتِقْبال می آیَد

نیز ان صحیفوں میں یہ بھی تھا کہ عاقل کے لیے ضروری ہے جب تک کہ وہ مغلوبُ العقل[5] نہ ہوجائے کہ اپنے تمام اوقات کو تین حصوں پر مُنْقَسِم[6] کرے: ایک حصہ میں اپنے ربّ کی عبادت کرے اور ایک حصہ میں اپنے نفس کا مُحاسَبہ[7] کرے اور سوچے کہ کتنے کام اچھے کیے اور کتنے برے اور ایک حصہ کو کسبِ[8] حلال میں خرچ کرے۔ عاقل پر یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے اوقات کی نگہبانی کرے، اپنے حالات کی دُرُستگی کے فکر میں رہے، اپنی زبان کی فضول[9] گوئی اور بے نفع گفتگو سے حفاظت کرے۔ جو شخص اپنے کلام کا محاسبہ کرتا رہے گا اس کی زبان بے فائدہ کلام میں کم چلے گی۔ عاقل کے لیے ضروری ہے کہ تین[3] چیزوں کے علاوہ سفر نہ کرے: یا آخرت کے لیے توشہ مقصود ہو، یا کچھ فکرِ معاش[10] ہو، یا تفریح بشَرْطِ مُباح ہو۔ میں نے پوچھا کہ یارسول اللہ! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا چیز تھی؟ ارشاد فرمایا کہ سب کی سب عِبْرت[11] کی باتیں تھیں، مثلاً میں تعجب کرتا ہوں اس شخص پر کہ جس کو موت کا یقین ہو پھر کسی بات پر خوش ہو (اس لیے کہ جب کسی شخص کو مثلاً یہ یقین ہوجاوے کہ مجھے پھانسی کا حکم ہو چکا ہے عنقریب سولی پر چڑھنا ہے پھر وہ کسی چیز سے خوش نہیں ہوسکتا) میں تعجب کرتا ہوں اُس شخص پر کہ اس کو موت کا یقین ہے پھر وہ ہنستا ہے، میں تعجب کرتا ہوں اُس شخص پر جو دُنیا کے حَوادِث[12]، تَغَیُّرات[13]، اِنْقِلابات ہر وقت دیکھتا ہے پھر دنیا پر اطمینان کرلیتا ہے، میں تعجب کرتا ہوں اس شخص پر کہ جس کو تقدیر کا یقین ہے پھر رنج ومشقت میں مبتلا ہوتا ہے، میں تعجب کرتا ہوں اس شخص پر جس کو عنقریب حساب کا یقین ہے پھر نیک اعمال نہیں کرتا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے کچھ وصیت

حل لغات: (۱) کہاوت، وہ بات جو مثال کے طور پر مشہور ہو۔ (۲) قبضہ کرنے والا۔ (۳) انصاف چاہنے والا۔ (۴) مظلوموں کی آہ سے ڈر، کیونکہ جب کوئی مظلوم دعا کرتا ہے تو قبولیت اس کی دعا کا استقبال کرتی ہے۔ (۵) ناسمجھ، کم عقل۔ (۶) تقسیم۔ (۷) نگرانی۔ (۸) حلال کمائی۔ (۹) بے کار بات۔ (۱۰) روزی کی فکر۔ (۱۱) نصیحت۔ (۱۲) حادثے۔ (۱۳) تبدیلیاں۔

فرمائیں، حضور ﷺ نے سب سے اول تقویٰ کی وصیت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ تمام اُمور کی بنیاد اور جڑ ہے، میں نے عرض کیا کہ کچھ اَور بھی اِضافہ فرمادیجیے، ارشاد ہوا کہ تلاوتِ قرآن اور ذکر اللہ کا اہتمام کر، کہ یہ دنیا میں نور اور آسمان میں ذخیرہ ہے، میں نے اور اِضافہ چاہا تو ارشاد ہوا کہ زیادہ ہنسی سے اِحتراز[1] کرو کہ اس سے دل مرجاتا ہے اور چہرہ کی رونق جاتی رہتی ہے (یعنی ظاہر و باطن دونوں کو نقصان پہونچا دینے والی چیز ہے) میں نے اَور اِضافہ کی درخواست کی تو ارشاد ہوا کہ جہاد کا اہتمام کر، کہ میری اُمت کے لیے یہی رہبانیت ہے (راہب پہلی اُمتوں میں وہ لوگ کہلاتے تھے جو دنیا کے سب تعلُّقات مُنقطِع کر کے اللہ والے بن جاویں) میں نے اَور اضافہ چاہا تو ارشاد ہوا کہ فُقَراء اور مساکین کے ساتھ میل جول رکھ، ان کو دوست بنا، اُن کے پاس بیٹھا کر، میں نے اَور اضافہ چاہا تو ارشاد ہوا کہ اپنے سے کم درجہ والے پر نگاہ رکھا کر (تاکہ شکر کی عادت ہو) اپنے سے اوپر کے درجہ والوں کو مت دیکھ، مَبادا[2] اللہ کی نعمتوں کی جو تجھ پر ہیں تحقیر[3] کرنے لگے، میں نے اَور اضافہ چاہا تو ارشاد ہوا کہ تجھے اپنے عیوب لوگوں پر حَرف گیری[4] سے روک دیں اور ان کے عیوب پر اِطّلاع کی کوشش مت کر کہ تو اُن میں خود مُبتلا ہے، تجھے عیب لگانے کے لیے کافی ہے کہ تو لوگوں میں ایسے عیب پہچانے جو تجھ میں خود موجود ہیں اور تو ان سے بے خبر ہے اور ایسی باتیں اُن میں پکڑے جن کو تو خود کرتا ہے۔ پھر حضور ﷺ نے اپنا دستِ[5] شفقت میرے سینہ پر مار کر ارشاد فرمایا کہ ابوذر! تدبیر کے برابر کوئی عقلمندی نہیں اور ناجائز امور سے بچنے کے برابر کوئی تقویٰ نہیں اور خوش خُلقی[6] سے بڑھ کر کوئی شرافت نہیں۔ اس میں خلاصہ اور مطلب کا زیادہ لحاظ کیا گیا، تمام الفاظ کے ترجمہ کا لحاظ نہیں کیا گیا۔

(۲۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِّنْ بُيُوتِ اللهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ. إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلٰئِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ. [رواه مسلم وأبوداؤد]

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں مُجتمِع[7] ہو کر تلاوتِ کلامِ پاک اور اُس کا دَور[8] نہیں کرتی؛ مگر اُن پر سکینہ نازِل ہوتی ہے اور رحمت اُن کو ڈھانپ لیتی ہے، ملائکہ رحمت ان کو گھیر لیتے ہیں اور حق تعالیٰ شانہ اُن کا ذکر ملائکہ کی مجلس میں فرماتے ہیں۔

اس حدیث شریف میں مَکاتِب اور مَدرَسوں کی خاص فضیلت ذکر فرمائی گئی جو بہت سی اَنواعِ[9] اِکرام کو شامل ہے، اِن میں سے ہر ہر اِکرام ایسا ہے کہ جس کے حاصل کرنے میں اگر کوئی شخص اپنی تمام عمر خرچ کر دے تب بھی اَرزاں[10] ہے، پھر چہ جائیکہ ایسے ایسے مُتعَدَّد انعامات فرمائے جائیں، بالخصوص آخری فضیلت: آقا کے دربار میں ذکر، محبوب کی مجلس میں یاد، ایک ایسی نعمت ہے جس کا مقابلہ کوئی چیز بھی نہیں کر سکتی۔

حل لغات: (۱) بچنا۔ (۲) ایسا نہ ہو۔ (۳) ناشکری۔ (۴) عیب نکالنا۔ (۵) ہاتھ۔ (۶) اچھے اخلاق۔ (۷) اِکٹھا۔ (۸) ایک دوسرے کو قرآن سنانا۔ (۹) عزت کی قسمیں۔ (۱۰) سستا۔

سکینہ کا نازل ہونا مُتعَدَّد روایات میں وارد ہوا ہے، اس کے مِصدَاق میں مشائخِ حدیث کے چند قول ہیں، لیکن ان میں کوئی ایسا اختلاف نہیں کہ جس سے آپس میں کچھ تعارُض[1] ہو بلکہ سب کا مجموعہ بھی مراد ہوسکتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سکینہ کی تفسیر یہ نقل کی گئی کہ وہ ایک خاص ہوا ہے جس کا چہرہ انسان کے چہرہ جیسا ہوتا ہے۔ علّامہ سُدِّیؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ جنت کے ایک طَشت[2] کا نام ہے جو سونے کا ہوتا ہے، اس میں انبیاء کے قلوب کو غسل دیا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ خاص رحمت ہے۔ طَبَریؒ نے اس کو پسند کیا ہے کہ اس سے سکونِ قلب مراد ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ طمانیت[3] مراد ہے۔ بعض نے اس کی تفسیر وقار[4] سے کی ہے تو کسی نے ملائکہ سے۔ بعض نے اَور بھی اَقوال کہے ہیں۔ حافظ کی رائے "فتح الباری" میں یہ کہ سکینہ کا اِطلاق[5] سب پر آتا ہے۔ نَوَوِیؒ کی رائے ہے کہ یہ کوئی ایسی چیز ہے، جو جامع[6] ہے طمانیت رحمت وغیرہ کو اور ملائکہ کے ساتھ نازل ہوتی ہے۔ یہ کلام اللہ شریف میں ارشاد ہے: ﴿فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ﴾ [سورۂ توبہ: ۴۰] دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [سورۂ فتح: ۴] ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ [سورۂ بقرہ: ۲۴۸] غرض مُتعَدَّد آیات میں اس کا ذکر ہے اور احادیث میں متعدد روایات میں اس کی بشارت فرمائی گئی ہے۔ اِحیاء میں نقل کیا ہے کہ ابن ثَوبانؒ نے اپنے کسی عزیز سے اس کے ساتھ افطار کا وعدہ کیا، مگر دوسرے روز صبح کے وقت پہونچے، انھوں نے شکایت کی تو کہا کہ اگر میرا تم سے وعدہ نہ ہوتا تو ہرگز نہ بتاتا کہ کیا مانع[7] پیش آیا، مجھے اتفاقاً دیر ہوگئی تھی حتی کہ عشاء کی نماز کا وقت آگیا، خیال ہوا کہ وِتر بھی ساتھ ہی پڑھ لوں کہ موت کا اطمینان نہیں، کبھی رات میں مرجاؤں اور وہ ذمہ پر باقی رہ جائیں، میں دُعاء قنوت پڑھ رہا تھا کہ مجھے جنت کا ایک سبز باغ نظر آیا جس میں ہر نوع[8] کے پھول وغیرہ تھے، اس کے دیکھنے میں ایسا مشغول ہوا کہ صبح ہوگئی۔ اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں جو بزرگوں کے حالات میں دَرج ہیں؛ لیکن ان کا اِظہار اس وقت ہوتا ہے جب ماسوا[9] سے اِنقِطاع[10] ہوجاوے اور اسی جانب توَجُّہ کامل ہوجاوے۔

ملائکہ کا ڈھانکنا بھی متعدد روایات میں وارد ہوا ہے۔ اُسَید بن حُضَیر رضی اللہ عنہ کا مُفصَّل قصہ کتب حدیث میں آتا ہے کہ انھوں نے تلاوت کرتے ہوئے اپنے اوپر ایک اَبر[11] سا چھایا ہوا محسوس کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ملائکہ[12] تھے جو قرآن شریف سننے کے لیے آئے تھے، ملائکہ اِژدِہام[13] کی وجہ سے اَبر سا معلوم ہوتے تھے۔ ایک صحابی کو ایک مرتبہ اَبر سا محسوس ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سکینہ تھا، یعنی رحمت جو قرآن شریف کی وجہ سے نازل ہوئی تھی۔ مُسلِم شریف میں یہ حدیث زیادہ مُفصَّل آئی ہے جس میں اَور بھی مضامین ہیں، اخیر میں

حل لغات: (۱) اختلاف۔ (۲) تھال۔ (۳) اطمینان۔ (۴) سنجیدگی۔ (۵) بولنا۔ (۶) شامل۔ (۷) رکاوٹ۔ (۸) قسم۔ (۹) اللہ تعالیٰ کے علاوہ۔ (۱۰) الگ ہونا، کٹ جانا۔ (۱۱) بادل۔ (۱۲) فرشتے۔ (۱۳) بھیڑ۔

ایک جملہ یہ بھی زیادہ ہے: مَنۡ بَطَّأَبِهٖ عَمَلُهٗ لَمۡ يُسۡرِعۡ بِهٖ نَسَبُهٗ (جس شخص کو اُس کے برے اعمال رحمت سے دور کریں، اس کا عالی نسب ہونا، اونچے خاندان کا ہونا رحمت سے قریب نہیں کرسکتا) ایک شخص جو پُشتانی[1] شریفُ النسب ہے مگر فِسق[3] وفُجُور میں مُبتلا ہے وہ اللہ کے نزدیک اس رَذِیل[4] اور کم ذات مسلمان کی برابری کسی طرح بھی نہیں کرسکتا جو مُتّقی پر ہیز گار ہے، ﴿إِنَّ أَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ أَتۡقٰكُمۡ[5]﴾ [سورۂ حجرات: ۱۳]

خدا کے قریب ہونے کا بہترین ذریعہ قرآن مجید ہے

(۲۳) عَنۡ أَبِيۡ ذَرٍّ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّكُمۡ لَا تَرۡجِعُوۡنَ إِلَى اللّٰهِ بِشَيۡءٍ أَفۡضَلَ مِمَّا خَرَجَ مِنۡهُ يَعۡنِي الۡقُرۡاٰنَ.	ابوذر رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ تم لوگ اللہ جلَّ شانہٗ کی طرف رجوع اور اس کے یہاں تقرُّب[6] اس چیز سے بڑھ کر کسی اَور چیز سے حاصل نہیں کرسکتے جو خود حق سبحانہٗ سے نکلی ہے یعنی کلام پاک۔

[رواه الحاكم وصححه أبوداؤد في مراسيله عن جبير بن نفير والترمذي عن أبي أمامة بمعناه]

متعدد روایات سے یہ مضمون ثابت ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے دربار میں کلام پاک سے بڑھ کر تقرُّب کسی چیز سے حاصل نہیں ہوتا۔ امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ میں نے حق تعالیٰ شانہٗ کی خواب میں زیارت کی تو پوچھا کہ سب سے بہتر چیز جس سے آپ کے دربار میں تقرُّب ہو، کیا چیز ہے؟ ارشاد ہوا کہ ''احمد! میرا کلام ہے'' میں نے عرض کیا کہ سمجھ کر یا بِلا سمجھے، ارشاد ہوا کہ ''سمجھ کر پڑھے یا بلا سمجھے دونوں طرح مُوجِبِ[7] تقرُّب ہے۔'' اس حدیث شریف کی تَوضِیح[8] اور تلاوتِ کلام پاک کا سب سے بہتر طریقہ تقرب ہونے کی تشریح حضرت اقدس بَقِيَّةُ السَّلَف حُجَّةُ الۡخَلَف مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نَوَّرَ اللّٰہُ مَرۡقَدَہٗ کی تفسیر سے مُستَنبَط[9] ہوتی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ سلوک اِلَی اللہ[10] یعنی مرتبۂ اِحسان[11] حق سُبحانَہٗ وتقدّس کی حضوری کا نام ہے، جو تین طریقوں سے حاصل ہوسکتی ہے: اول تَصَوُّر جس کو عرفِ[12] شرع میں تفکُّر وتدبُّر[13] سے تعبیر[14] کرتے ہیں اور صوفیہ کے یہاں مُراقبہ سے، دوسرا ذکرِ لسانی[15] اور تیسرا تلاوتِ کلام پاک۔ سب سے اول طریقہ بھی چونکہ ذکرِ قلبی[16] ہے اس لیے دراصل طریقے دو ہی ہیں: اوّل ذکر عام ہے کہ زبانی ہو یا قلبی، دوسرے تلاوت، سو جس لفظ کا اِطلاق[17] حق سبحانہٗ وتقدّس پر ہوگا اور اس کو بار بار دہرایا جاوے گا جو ذکر کا حاصل ہے تو مُدرِکہ[18] کے اُس ذات کی طرف توجہ اور اِلتفات کا سبب ہوگا اور گویا وہ ذات مُتَحضَر[19] ہوگی اور

حل لغات: (۱) باپ دادا کے زمانے سے۔ (۲) اچھے خاندان کا۔ (۳) گناہ کے کام۔ (۴) کم درجے کا۔ (۵) حقیقت میں اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔ (۶) نزدیکی۔ (۷) نزدیکی کا سبب۔ (۸) وضاحت۔ (۹) معلوم۔ (۱۰) اللہ کا قرب چاہنا۔ (۱۱) یعنی اللہ کی عبادت اس طرح کرنا کہ گویا اللہ کو دیکھ رہا ہے ورنہ یہ خیال کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ (۱۲) یعنی شریعت کی زبان میں۔ (۱۳) غور وفکر۔ (۱۴) بیان کرنا۔ (۱۵) زبان سے ذکر کرنا۔ (۱۶) دل سے ذکر کرنا۔ (۱۷) بولا جانا۔ (۱۸) عقل وذہن۔ (۱۹) ذہن میں حاضر ہونا۔

اِستحضار[1] کے دَوَام[2] کا نام مَعِیَّت[3] ہے، جس کو اس حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے: لَایَزَالُ عَبْدِيْ یَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أَحْبَبْتُهٗ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّتِيْ یَبْطِشُ بِهَا. [الحدیث] ترجمہ: حق سُبْحَانَہٗ وَتَقَدَّس کا ارشاد ہے کہ بندہ نفل عبادتوں کے ساتھ میرے ساتھ تقرُّب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں بھی اس کو محبوب بنالیتا ہوں، حتی کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ جس سے وہ کسی چیز کو پکڑتا ہے اور پاؤں جس سے وہ چلتا ہے۔

یعنی جب کہ بندہ کثرتِ عبادت سے حق تعالیٰ شانہٗ کا مُقرَّب بن جاتا ہے، تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کے اَعضاء کے مُحافِظ[4] بن جاتے ہیں اور آنکھ کان وغیرہ سب مرضی آقا کے تابع ہوجاتے ہیں اور نفل عبادات کی کثرت اس لیے ارشاد فرمائی کہ فرائض مُتعَیَّنہ[5] ہیں، جن میں کثرت نہیں ہوتی اور اس کے لیے ضرورت ہے دوامِ اِستحضار[6] کی جیسا کہ پہلے معلوم ہوچکا، لیکن تقرب کا یہ طریقہ صرف اسی محبوب کی پاک ذات کے لیے ہے، اگر کوئی چاہے کہ کسی دوسرے کے نام کی تسبیح پڑھ کر اس سے تقرُّب حاصل کرلے تو یہ ممکن نہیں، اس وجہ سے کہ اس قسم کے تقرب میں جس کی طرف تقرب ہو، اس میں دو بات کا پایا جانا ضروری ہے: اول یہ کہ اس کا علم مُحِیط[7] ہو ذاکرین[8] کے قلبی اور زبانی اَذکار کو، اگرچہ وہ مختلف زمانوں اور مختلف اوقات میں ذکر کریں۔ دوسرے یہ کہ ذکر کرنے والے کے مُدرِکہ[9] میں تجلّی[10] اور اس کے پُر کردینے کی قدرت ہو جس کو عُرف[11] میں دُنُو[12] اور تَدَلِّی[13] نُزُول اور قُرب سے تعبیر[14] کرتے ہیں، یہ دونوں باتیں چونکہ اسی مطلوب میں پائی جاتی ہیں اس لیے طریقِ[15] بالا سے تقرب بھی اسی پاک ذات سے حاصل ہوسکتا ہے اور اسی کی طرف اس حدیث قُدسی میں اشارہ ہے، جس میں ارشاد ہے: مَنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا [الحدیث] ترجمہ: ''جو شخص میری طرف ایک بالشت نزدیک ہوتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو شخص میری طرف ایک ہاتھ آتا ہے میں اس کی طرف ایک باع آتا ہوں، یعنی دونوں ہاتھ کی لمبائی کے بقدر اور جو شخص میری طرف معمولی رفتار سے آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر چلتا ہوں۔ یہ سب تشبیہات[16] سمجھانے کے لیے ہیں ورنہ حق سبحانہٗ وتقدّس چلنا پھرنا وغیرہ سب سے مُبَرَّا[17] ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ حق سبحانہٗ وتقدّس اپنے یاد کرنے اور ڈھونڈنے والوں کی طرف ان کی طلب اور سَعی[18] سے زیادہ توَجُّہ اور نُزُول[19] فرماتے ہیں اور کیوں نہ فرماویں کہ کریم کے کرم کا مُقتضاء یہی ہے، پس جب کہ یاد کرنے والوں کی طرف

حل لغات: (۱) یاد۔ (۲) ہمیشہ رہنا۔ (۳) ساتھ۔ (۴) حفاظت کرنے والا۔ (۵) مقرر، متعین۔ (۶) ہمیشہ یاد رکھنا۔ (۷) ہر چیز کو گھیرے ہوئے۔ (۸) ذکر کرنے والے۔ (۹) یعنی عقل اور ذہن۔ (۱۰) چمک، نور۔ (۱۱) یعنی اولیاء اللہ کی زبان میں۔ (۱۲) نزدیکی۔ (۱۳) کسی چیز کی طرف اُترنا تاکہ اس سے قریب ہو۔ (۱۴) بیان کرنا۔ (۱۵) اوپر کا طریقہ۔ (۱۶) ایک چیز کو دوسری چیز جیسا بتانا۔ (۱۷) پاک۔ (۱۸) کوشش۔ (۱۹) اترنا، مراد قریب ہونا۔

سے یاد کرنے میں دوام[1] ہوتا ہے تو پاک آقا کی طرف سے توجہ اور نزول میں دوام ہوتا ہے۔ کلامِ الٰہی چونکہ سَرَاسَر ذکر ہے اور اس کی کوئی آیت ذکر و توجہ اِلی اللہ سے خالی نہیں اس لیے یہی بات اس میں بھی پائی جاتی ہے، مگر اس میں ایک خصوصیت زیادہ ہے جو زیادتیٔ تقرُّب کا سبب ہے وہ یہ کہ ہر کلام مُتکلِّم[2] کی صفات و اثرات اپنے اندر لیے ہوئے ہوا کرتا ہے اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ فُسّاق وفُجّار کے اشعار کا وِرد رکھنے سے اس کے اثرات پائے جاتے ہیں اور اَتْقِیا[3] کے اَشعَار سے اُن کے ثمراتِ[4] پیدا ہوتے ہیں؛ اسی وجہ سے مَنْطِق فَلْسَفَہ میں غُلُو[5] سے نَخوت[6] وتکبر پیدا ہوتا ہے اور حدیث کی کَثْرتِ مُزاوَلت[7] سے تواضع پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی اور انگریزی نفس زبان ہونے میں دونوں برابر ہیں، لیکن مُصَنِّفِین جن کی کُتُب پڑھائی جاتی ہیں ان کے اختلافِ اثرات سے ثمرات میں بھی اختلاف ہوتا ہے، بالجملہ چونکہ کلام میں ہمیشہ متکلم کے تأثّرات پائے جاتے ہیں۔ اس لیے کلامِ الٰہی کے تکرار[8] وِرد سے اس کے متکلم کے اثرات بھی پیدا ہونا اور ان سے طبعًا[9] مُناسَبت پیدا ہوجانا یقینی ہے۔ نیز ہر مُصَنِّف کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص اس کی تالیف کا اہتمام کیا کرتا ہے، تو فطرۃً اس کی طرف التفات اور توجہ ہوا کرتی ہے۔ اس لیے حق تعالیٰ شانہٗ کے کلام کا وِرد رکھنے والے کی طرف حق سبحانہٗ وتَقَدّس کی زیادتیٔ توجہ بھی بدیہی[10] اور یقینی ہے جو زیادتیٔ قُرب کا سبب ہوتی ہے، آقائے کریم اپنے کرم سے مجھے بھی اس لُطف[11] سے نوازیں اور تمہیں بھی۔

تلاوتِ قرآن کرنے والے اللہ کے خاص لوگ ہیں

㉔ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِنَّ لِلّٰهِ أَهْلِيْنَ مِنَ النَّاسِ ، قَالُوْا: مَنْ هُمْ يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: أَهْلُ الْقُرْاٰنِ هُمْ أَهْلُ اللهِ وَخَاصَّتُهٗ. [رواه النسائي وابن ماجه والحاكم وأحمد]	ترجمہ: انس رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے لیے لوگوں میں سے بعض لوگ خاص گھر کے لوگ ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا کہ قرآن شریف والے کہ وہ اللہ کے اہل ہیں اور خواص[12]۔

قرآن والے وہ لوگ ہیں جو ہر وقت کلام پاک میں مشغول رہتے ہوں، اس کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہوں، ان کا اللہ کے اہل اور خواص ہونا ظاہر ہے اور گذشتہ مضمون سے واضح ہوگیا کہ جب یہ ہر وقت کلامِ پاک میں مشغول رہتے ہیں تو اَلطافِ[13] باری بھی ہر وقت ان کی طرف مُتوجِّہ رہتے ہیں اور جو لوگ ہر وقت کے پاس رہنے والے ہوتے ہیں وہ اہل اور خواص ہوتے ہی ہیں۔ کس قدر بڑی فضیلت ہے کہ ذراسی محنت ومشقت سے اللہ والے بنتے ہیں، اللہ کے اہل شُمار کیے جاتے ہیں اور اس کے خواص ہونے کا

حل لغات: ① ہمیشگی۔ ② بات کرنے والا۔ ③ پرہیزگار لوگ۔ ④ نتیجے۔ ⑤ حد سے گزرنا۔ ⑥ گھمنڈ۔ ⑦ زیادہ مشغولی۔ ⑧ بار بار دہرانا۔ ⑨ فطری طور پر۔ ⑩ ظاہر۔ ⑪ کرم۔ ⑫ خاص لوگ۔ ⑬ اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں۔

شرف حاصل ہوجاتا ہے۔ دنیوی دربار میں صرف داخلہ کی اجازت کے لیے، ممبروں میں صرف شمول[1] کے لیے کس قدر جانی اور مالی قربانی کی جاتی ہے، ووٹروں کے سامنے خوشامد[2] کرنی پڑتی ہے، ذِلّتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور اس سب کو کام سمجھا جاتا ہے، لیکن قرآن شریف کی محنت کو بیکار سمجھا جاتا ہے، ببیں[3] تفاوتِ راہ اَز کُجاست تا بکُجا۔

اچھی آواز میں تلاوت

ترجمہ	متن
ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس ﷺ سے نقل کیا ہے کہ حق سبحانہٗ اتنا کسی کی طرف توجہ نہیں فرماتے جتنا کہ اس نبی کی آواز کو توجہ سے سنتے ہیں جو کلامِ الٰہی خوش[4] اِلحانی سے پڑھتا ہو۔	(۲۵) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَا أَذِنَ اللهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ يَتَغَنّٰى بِالْقُرْاٰنِ. [رواه البخاري ومسلم]

پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے کلام کی طرف خصوصیت سے توجہ فرماتے ہیں۔ پڑھنے والوں میں انبیاء چونکہ آدابِ تلاوت کو بکمالہٖ[5] ادا کرتے ہیں اس لیے ان کی طرف اور زیادہ توجہ ہونا بھی ظاہر ہے، پھر جب کہ حُسنِ آواز اس کے ساتھ مل جاوے تو سونے[6] پر سُہاگہ ہے، جتنی بھی توجہ ہو ظاہر ہے اور انبیاء کے بعد اَلْأَفْضَلُ فَالْأَفْضَل[7] حسبِ[8] حیثیت پڑھنے والے کی طرف توجہ ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کان لگا کر تلاوت سننا

ترجمہ	متن
ترجمہ: فضالۃ بن عبید رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس ﷺ سے نقل کیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ قاری کی آواز کی طرف اس شخص سے زیادہ کان لگاتے ہیں جو اپنی گانے والی باندی کا گانا سُن رہا ہو۔	(۲۶) عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اَللهُ أَشَدُّ أُذُنًا إِلٰى قَارِئِ الْقُرْاٰنِ مِنْ صَاحِبِ الْقَيْنَةِ إِلٰى قَيْنَتِهٖ.

[رواه ابن ماجه وابن حبان والحاكم كذا في شرح الإحياء. قلت: وقال الحاكم: صحيح على شرطهما. وقال الذهبي: منقطع].

گانے کی آواز کی طرف فِطرۃً[9] اور طَبعًا توجہ ہوتی ہے، مگر شرعی روک کی وجہ سے دیندار لوگ ادھر متوجہ نہیں ہوتے، لیکن گانے والی اپنی مملوکہ[10] ہو تو اُس کا گانا سننے میں کوئی شرعی نُقص[11] بھی نہیں، اس لیے اس طرف کامل توجہ ہوتی ہے، البتہ کلام پاک میں یہ ضروری ہے کہ گانے کی آواز میں نہ پڑھا جائے، احادیث میں اس کی مُمانعت آئی ہے، ایک حدیث میں ہے: إِيَّاكُمْ وَلُحُوْنَ أَهْلِ الْعِشْقِ. [الحديث] یعنی اس سے بچو

حل لغات: (۱) شامل ہونا۔ (۲) چاپلوسی۔ (۳) راستے کے فرق کو دیکھو کہاں سے کہاں تک ہے۔ (۴) اچھی آواز۔ (۵) مکمل طور پر۔ (۶) یعنی بہت ہی بہتر۔ (۷) سب سے بہتر پھر اس کے بعد والا، درجہ بدرجہ۔ (۸) درجے کے مطابق۔ (۹) فطری اور پیدائشی طور پر۔ (۱۰) ملکیت میں ہونا، باندی۔ (۱۱) خرابی۔

کہ جس طرح عاشق غزلوں کو آواز بنا بنا کر مُوسیقی[1] قوانین پر پڑھتے ہیں اس طرح مت پڑھو۔ مشائخ نے لکھا ہے کہ اس طرح کا پڑھنے والا فاسق اور سننے والا گنہگار ہے، مگر گانے کے قواعد کی رعایت کیے بغیر خوش آوازی مطلوب[2] ہے۔ حدیث میں مُتعَدَّد جگہ اس کی ترغیب آئی ہے، ایک جگہ ارشاد ہے کہ اچھی آواز سے قرآن شریف کو مُزَیَّن[3] کرو۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ اچھی آواز سے کلام اللہ شریف کا حُسن دو[4] بالا ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنی کتاب "غُنیَہ" میں ارشاد فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کوفہ کے نَواح[5] میں جا رہے تھے کہ ایک جگہ فُسّاق[6] کا مَجمَع ایک گھر میں جمع تھا، ایک گویّا[7] جس کا نام زاذان تھا، گا رہا تھا اور سارنگی بجا رہا تھا، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی آواز سن کر ارشاد فرمایا: کیا ہی اچھی آواز تھی اگر قرآن شریف کی تلاوت میں ہوتی اور اپنے سر پر کپڑا ڈال کر گذرتے ہوئے چلے گئے۔ زاذان نے ان کو بولتے ہوئے دیکھا، لوگوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا عبداللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ ارشاد فرما گئے، اُس پر اس مقولہ[8] کی کچھ ایسی ہَیبَت[9] طاری ہوئی کہ حد نہیں اور قصہ مُختَصَر کہ وہ اپنے سب آلات[10] توڑ کر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پیچھے لگ گئے اور عَلّامَہ[11] وقت ہوئے۔ غرض متعدد روایات میں اچھی آواز سے تلاوت کی مدح[12] آئی ہے، مگر اس کے ساتھ ہی گانے کی آواز میں پڑھنے کی مُمانَعت آئی ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا۔ حُذَیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف کو عرب کی آواز میں پڑھو، عشق بازوں اور یہود و نصاریٰ کی آواز میں مت پڑھو، عنقریب ایک قوم آنے والی ہے جو گانے اور نوحہ کرنے والوں کی طرح سے قرآن شریف کو بنا بنا کر پڑھے گی، وہ تلاوت ذرا بھی ان کے لیے نافع[13] نہ ہوگی، خود بھی وہ لوگ فتنہ میں پڑیں گے اور جن کو وہ پڑھنا اچھا معلوم ہوگا ان کو بھی فتنہ میں ڈالیں گے۔ طاؤسؒ کہتے ہیں کہ کسی نے حضور اقدس ﷺ سے پوچھا کہ اچھی آواز سے پڑھنے والا کون شخص ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص کہ جب تو اس کو تلاوت کرتے دیکھے تو محسوس کرے کہ اس پر اللہ کا خوف ہے یعنی اس کی آواز سے مَرعُوب[14] ہونا محسوس ہوتا ہو۔ اس سب کے ساتھ اللہ جلّ جلالہٗ کا بڑا انعام یہ ہے کہ آدمی اپنی حیثیت وطاقت کے مُوافق اس کا مُکَلَّف[15] ہے۔ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہٗ وتقدّس کی طرف سے فرشتہ اس کام پر مُقَرَّر ہے کہ جو شخص کلام پاک پڑھے اور کَماحَقَّہٗ[16] اس کو درست نہ پڑھ سکے، تو وہ فرشتہ اس کو درست کرنے کے بعد اوپر لے جاتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ لَا أُحْصِي[17] ثَنَاءً عَلَيْكَ.

ترجمہ: عُبَیدہ مُلَیکی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے:	(۲۷) عَنْ عُبَيْدَةَ الْمُلَيْكِيِّ قَالَ : قَالَ

حل لغات: (۱) گانے بجانے کے طریقے۔ (۲) پسندیدہ۔ (۳) سجاؤ۔ (۴) دوگنا۔ (۵) آس پاس کا علاقہ۔ (۶) گنہگار۔ (۷) گانا گانے والا۔ (۸) قول، بات۔ (۹) رعب، دبدبہ۔ (۱۰) گانے بجانے کا سامان۔ (۱۱) اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم۔ (۱۲) تعریف۔ (۱۳) فائدہ مند۔ (۱۴) ڈرا ہوا۔ (۱۵) پابند۔ (۱۶) جیسا کہ اس کا حق ہے۔ (۱۷) اے اللہ میں آپ کی تعریف مکمل طور سے نہیں کر سکتا۔

رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : يَا أَهْلَ الْقُرْاٰنِ لَاتَتَوَسَّدُوا الْقُرْاٰنَ وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ مِنْ اٰنَاءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَأَفْشُوْهُ وَتَغَنَّوْهُ وَتَدَبَّرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَلَا تَعْجَلُوْا ثَوَابَهٗ فَإِنَّ لَهٗ ثَوَابًا.	قرآن والو! قرآن شریف سے تکیہ نہ لگاؤ اور اس کی تلاوت شب وروز ایسی کرو جیسا کہ اس کا حق ہے، کلام پاک کی اِشَاعَت کرو اور اس کو اچھی آواز سے پڑھو اور اس کے معانی میں تَدَبُّر[1] کرو تا کہ تم فلاح کو پہنچو اور اس کا بدلہ (دنیا میں) طلب نہ کرو کہ (آخرت میں) اس کے لیے بڑا اجر وبدلہ ہے۔
[رواه البيهقي في شعب الإيمان]	

حدیثِ بالا میں چند امور ارشاد فرمائے ہیں: (۱) قرآن شریف سے تکیہ نہ لگاؤ۔ قرآن شریف سے تکیہ نہ لگانے کے دو مفہوم ہیں: اوّل یہ کہ اس پر تکیہ نہ لگاؤ کہ یہ خلافِ ادب ہے۔ ابنِ حَجَرؒ نے لکھا ہے کہ قرآنِ پاک پر تکیہ لگانا، اس کی طرف پاؤں پھیلانا، اس کی طرف سے پُشْت[2] کرنا، اس کو روندنا[3] وغیرہ حرام ہے۔ دوسرے یہ کہ کِنَایہ ہے غفلت سے کہ کلامِ پاک برکت کے واسطے تکیہ ہی پر رکھا ہے جیسا کہ بعض مَزَارات پر دیکھا گیا کہ قبر کے سرہانے برکت کے واسطے رَحَل پر رکھا رہتا ہے، یہ کلام پاک کی حق تلفی[4] ہے، اس کا حق یہ ہے کہ اس کی تلاوت کی جاوے۔ (۲) اور اس کی تلاوت کرو جیسا کہ اس کا حق ہے، یعنی کثرت سے آداب کی رعایت رکھتے ہوئے، خود کلام پاک میں بھی اس کی طرف متوجہ فرمایا گیا، ارشاد ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ﴾ [سورۂ بقرہ: ۱۲۱] (جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے) یعنی جس عزت سے بادشاہ کا فرمان اور جس شوق سے محبوب کا کلام پڑھا جاتا ہے اسی طرح پڑھنا چاہیے۔ (۳) اور اس کی اِشَاعت[5] کرو یعنی تقریر سے، تحریر[6] سے، ترغیب سے، عملی شرکت سے، جس طرح ہو سکے اس کی اشاعت جتنی ہو سکے کرو۔ نبی کریم ﷺ کلامِ پاک کی اشاعت اور اس کے پھیلانے کا حکم فرماتے ہیں، لیکن ہمارے روشن دماغ اس کے پڑھنے کو فضول بتاتے ہیں اور ساتھ ہی حُبِّ رسول اور حُبِّ اسلام کے لمبے چوڑے دعوے بھی ہاتھ سے نہیں جاتے۔

تَرْسَمْ نَرْسِیْ[7] بَکَعْبَہ اَے اَعْرَابِی کِیْں رَہ کہ تُومِیْرَوِیْ بَتُرْکِسْتَان اَسْت

آقا کا حکم ہے کہ قرآن پاک کو پھیلاؤ، مگر ہمارا عمل ہے کہ جو کوشش اس کی رکاوٹ میں ہو سکے دَرِیغ[8] نہ کریں گے، جَبْرِیہ[9] تعلیم کے قوانین بنوائیں گے، تا کہ بچے قرآنِ پاک کے بجائے پرائمری پڑھیں۔ ہمیں اس پر غصہ ہے کہ مکتب کے میاں جی[10] بچوں کی عمر ضائع کر دیتے ہیں، اس لیے ہم وہاں نہیں پڑھانا چاہتے۔ مُسَلَّم[11]، وہ

حل لغات: (۱) غور۔ (۲) پیٹھ۔ (۳) پاؤں سے کچلنا۔ (۴) حق مارنا۔ (۵) پھیلانا۔ (۶) لکھنا۔ (۷) اے دیہاتی مجھے ڈر ہے کہ تو کعبہ کو نہیں پہونچے گا، کیونکہ جو راستہ تو جا رہا ہے یہ تو ترکستان کو جاتا ہے۔ (۸) کوتاہی۔ (۹) زبردستی دی جانے والی تعلیم، مراد انگریزی تعلیم۔ (۱۰) یعنی پڑھانے والے۔ (۱۱) مانا گیا۔

یقیناً کوتاہی کرتے ہیں مگران کی کوتاہی سے آپ سُبکدوش[1] ہوجاتے ہیں یا آپ پر سے قرآنِ پاک کی اِشَاعَت کا فریضہ ہٹ جاتا ہے؟ اس صورت میں تو یہ فریضہ آپ پر عائد ہوتا ہے، وہ اپنی کوتاہیوں کے جواب دِہ ہیں، مگران کی کوتاہی سے آپ بچوں کو جبراً قرآنِ پاک کے مکاتب سے ہٹادیں اوران کے والدین پر نوٹس جاری کرائیں کہ وہ قرآن پاک حفظ یا ناظرہ پڑھانے سے مجبور ہوں اوراس کا وبال آپ کی گردن پر رہے، یہ حُمّیٰ دِق[2] کا علاج سَنکھیا[3] سے نہیں تو اَور کیا ہے؟ عدالتِ[4] عالیہ میں اپنے اس جواب کو "اس لیے جبراً تعلیم قرآن سے ہٹادیا کہ مکتب کے میاںجی بہت بُری طرح پڑھاتے تھے" آپ خود ہی سوچ لیجیے کہ کتنا وزن رکھتا ہے۔ بنیے کی دوکان پر جانے کے واسطے یا انگریزوں کی چاکری کے واسطے ۳/۴ کی تعلیم اہمیت رکھتی ہو؛ مگر اللہ کے یہاں تعلیم قرآن سب سے اہم ہے۔ (۴) "خوش آوازی سے پڑھو" جیسا کہ اس سے پہلی حدیث میں گذر چکا۔ (۵) اوراس کے معنی میں غور کرو۔ تورات سے اِحیاء میں نقل کیا ہے: حق سبحانہٗ وتقدّس ارشاد فرماتے ہیں: اے میرے بندے! تجھے مجھ سے شرم نہیں آتی، تیرے پاس راستہ میں کسی دوست کا خط آجاتا ہے تو چلتے چلتے راستہ میں ٹھہر جاتا ہے، الگ کو بیٹھ کر غور سے پڑھتا ہے، ایک ایک لفظ پر غور کرتا ہے، میری کتاب تجھ پر گذرتی ہے، میں نے اس میں سب کچھ واضح کردیا ہے، بعض اہم اُمور کا بار بار تکرار کیا ہے تاکہ تو اس پر غور کرے اور تو بے پرواہی سے اڑا دیتا ہے، کیا میں تیرے نزدیک تیرے دوستوں سے بھی ذلیل ہوں؟ اے میرے بندے! تیرے بعض دوست تیرے پاس بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں، تو ہَمہ تَن[5] ادھر متوجہ ہوجاتا ہے، کان لگاتا ہے، غور کرتا ہے، کوئی بیچ میں تجھ سے بات کرنے لگتا ہے تو تو اشارہ سے اس کو روکتا ہے، منع کرتا ہے، میں تجھ سے اپنے کلام کے ذریعہ سے باتیں کرتا ہوں اور تو ذرا بھی متوجہ نہیں ہوتا، کیا میں تیرے نزدیک تیرے دوستوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں؟ اھ۔ تدبُّر اور غور کے متعلق کچھ مُقَدَّمَہ میں اور کچھ حدیث نمبر آٹھ کے ذیل میں مذکور ہوچکا ہے۔ (۶) اوراس کا بدلہ دنیا میں نہ چاہو، یعنی تلاوت پر کوئی مُعَاوَضَہ[6] نہ لو کہ آخرت میں اس کا بہت بڑا مُعَاوَضَہ ملنے والا ہے۔ دنیا میں اگر اس کا معاوضہ لے لیا جاوے گا تو ایسا ہے جیسا کہ روپیوں کے بدلہ کوئی شخص کوڑیوں پر راضی ہوجاوے۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب میری اُمت دینار[7] ودرہم[8] کو بڑی چیز سمجھنے لگے گی، اسلام کی ہَیبَت[9] اس سے جاتی رہے گی اور جب اَمر بالمعروف[10] اور نہی عن المُنکر[11] چھوڑ دے گی، تو برکتِ وحی سے یعنی فہمِ قرآن[12] سے محروم ہوجاوے گی۔ [کذافی الاحیاء] اَللّٰھُمَّ[13] احْفَظْنَا مِنْہُ.

حل لغات: (۱) آزاد۔ (۲) ٹی بی، بخار۔ (۳) زہر۔ (۴) اونچی عدالت، مراد اللہ کا دربار۔ (۵) مکمل طور سے۔ (۶) بدلہ۔ (۷) سونے کا سکہ۔ (۸) چاندی کا سکہ۔ (۹) رعب، دبدبہ۔ (۱۰) اچھی باتوں کا حکم دینا۔ (۱۱) برائی سے روکنا۔ (۱۲) قرآن کی سمجھ۔ (۱۳) اے اللہ! اس بات سے ہماری حفاظت فرما۔

گذشتہ کتابوں کا بدل قرآن مجید ہے کچھ زیادتیوں کے ساتھ

﴿۲۸﴾ عَنْ وَاثِلَةَ رضی اللہ عنہ رَفَعَهُ: أُعْطِيتُ مَكَانَ التَّوْرَاةِ السَّبْعَ وَأُعْطِيتُ مَكَانَ الزَّبُوْرِ الْمِئِيْنَ وَأُعْطِيتُ مَكَانَ الْإِنْجِيْلِ الْمَثَانِيَ وَفُضِّلْتُ بِالْمُفَصَّلِ. [لأحمد والكبير كذا في جمع الفوائد]	ترجمہ: وَاثِلَہ رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس ﷺ سے نقل کیا ہے کہ مجھے تورات کے بدلہ میں سَبْعِ طِوَال ملی ہیں اور زبور کے بدلہ میں مِئِین اور انجیل کے بدلہ میں مَثَانِی اور مُفَصَّل مخصوص ہیں میرے ساتھ۔

کلام پاک کی اول سات سورتیں طوال کہلاتی ہیں، اس کے بعد کی گیارہ سورتیں مئین کہلاتی ہیں، اس کے بعد کی بیس سورتیں مثانی، اس کے بعد ختم قرآن تک مُفَصَّل، یہ مشہور قول ہے۔ بعض بعض سورتوں میں اختلاف بھی ہے کہ یہ طوال میں داخل ہیں یا مئین میں، اسی طرح مثانی میں داخل ہیں یا مُفَصَّل میں، مگر حدیث شریف کے مطلب و مقصود میں اس اختلاف سے کوئی فرق نہیں آتا، مقصد یہ ہے کہ جس قدر کُتُبِ[۱] مشہورہ سَمَاوِیَہ پہلے نازل ہوئی ہیں، اُن سب کی نظیر[۲] قرآن شریف میں موجود ہے اور ان کے علاوہ مُفَصَّل اس کلام پاک میں مخصوص ہے جس کی مثال پہلی کتابوں میں نہیں ملتی۔

﴿۲۹﴾ عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: جَلَسْتُ فِيْ عِصَابَةٍ مِّنْ ضُعَفَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ وَإِنَّ بَعْضَهُمْ لَيَسْتَتِرُ بِبَعْضٍ مِّنَ الْعُرْيِ وَقَارِئٌ يَقْرَأُ عَلَيْنَا إِذْ جَاءَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَقَامَ عَلَيْنَا، فَلَمَّا قَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ سَكَتَ الْقَارِئُ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ: مَا كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ؟ قُلْنَا: نَسْتَمِعُ إِلَى كِتَابِ اللهِ تَعَالَى. فَقَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ مِنْ أُمَّتِيْ مَنْ أُمِرْتُ أَنْ أَصْبِرَ نَفْسِيْ مَعَهُمْ. قَالَ: فَجَلَسَ وَسْطَنَا لِيَعْدِلَ بِنَفْسِهِ فِيْنَا. ثُمَّ قَالَ بِيَدِهِ هٰكَذَا فَتَحَلَّقُوْا وَبَرَزَتْ	ترجمہ: ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ضُعَفَاء[۳] مہاجرین کی جماعت میں ایک مرتبہ بیٹھا ہوا تھا، اُن لوگوں کے پاس کپڑا بھی اتنا نہ تھا کہ جس سے پورا بدن ڈھانپ لیں، بعض لوگ بعض کی اُوٹ[۴] کرتے تھے اور ایک شخص قرآن شریف پڑھ رہا تھا کہ اتنے میں حضورِ اقدس ﷺ تشریف فرما ہوئے اور بالکل ہمارے قریب کھڑے ہو گئے، حضور ﷺ کے آنے پر قاری چپ ہو گیا تو حضور ﷺ نے سلام کیا اور پھر دریافت فرمایا کہ تم لوگ کیا کر رہے تھے؟ ہم نے عرض کیا کہ کلام اللہ سن رہے تھے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمام تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جس نے میری اُمت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے کہ مجھے ان میں ٹھہرنے کا حکم کیا گیا، اس کے بعد حضور ﷺ ہمارے بیچ میں بیٹھ گئے تاکہ سب کے برابر رہیں (کسی کے قریب کسی سے دور نہ ہوں) اس کے بعد سب کو حَلْقَہ کر کے

حل لغات: ① مشہور آسمانی کتابیں۔ ② مثال۔ ③ غریب۔ ④ آڑ، پردہ۔

وُجُوْهُهُمْ لَهٗ. فَقَالَ: اَبْشِرُوْا يَامَعْشَرَ صَعَالِيْكَ الْمُهَاجِرِيْنَ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَاءِ النَّاسِ بِنِصْفِ يَوْمٍ وَذٰلِكَ خَمْسُ مِأَةِ سَنَةٍ. [رواه أبوداؤد]

بیٹھنے کا حکم فرمایا، سب حضور ﷺ کی طرف مُنہ کر کے بیٹھ گئے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے فُقَرَاءِ مہاجرین! تمہیں مُژدہ[1] ہو قیامت کے دن نورِ کامل[2] کا اور اس بات کا کہ تم اَغنیاء[3] سے آدھے دن پہلے جنت میں داخل ہو گے اور یہ آدھا دن پانچ سو برس کے برابر ہوگا۔

ننگے بدن سے بظاہر محلِّ سَتْر[4] کے علاوہ مُراد ہے، مجمع میں ستر کے علاوہ اور بدن کے کھلنے سے بھی حجاب معلوم ہوا کرتا ہے، اس لیے ایک دوسرے کے پیچھے بیٹھ گئے تھے کہ بدن نظر نہ آوے۔ حضور ﷺ کے تشریف لانے کی اول تو ان لوگوں کو اپنی مشغولی کی وجہ سے خبر نہ ہوئی، لیکن جب حضور ﷺ بالکل سر پر تشریف لے آئے تو معلوم ہوا اور قاری ادب کی وجہ سے خاموش ہو گئے۔

حضور ﷺ کا دریافت فرمانا بظاہر اظہارِ مَسَرَّت[5] کے لیے تھا، ورنہ حضور ﷺ قاری کو پڑھتے ہوئے دیکھ ہی چکے تھے۔ آخرت کا ایک دن دُنیا کے ہزار برس کے برابر ہوتا ہے ﴿وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝﴾ [سورۂ حج] اور اسی وجہ سے بظاہر جہاں قیامت کا ذکر آتا ہے، ﴿غَدًا﴾ کے ساتھ آتا ہے جس کے معنی "کل آئندہ" کے ہیں۔ لیکن یہ سب باعتبار اَغلَب[6] اور عام مؤمنین کے ہے، ورنہ کافرین کے لیے وارد ہوا ہے ﴿فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝﴾ [سورۂ سجدہ] ایسا دن جو پچاس ہزار برس کا ہوگا؛ اور خواص مؤمنین کے لیے حسبِ حیثیت[7] کم معلوم ہوگا۔ چنانچہ وارد ہوا ہے کہ بعض مؤمنین کے لیے بمنزلہ دو رکعات فجر کے ہوگا۔ قرآن شریف کے پڑھنے کے فضائل جیسا کہ بہت سی روایات میں وارد ہوئے ہیں، بے حد ہیں، اس کے سننے کے فضائل بھی متعدد روایات میں آئے ہیں، اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی کہ سیّد المرسلین ﷺ کو ایسی مجلس میں شرکت کا حکم ہوا ہے جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوا۔ بعض عُلَمَاء کا فتوٰی ہے کہ قرآنِ پاک کا سننا پڑھنے سے بھی زیادہ افضل ہے، اس لیے کہ قرآن پاک کا پڑھنا نفل ہے اور سُننا فرض اور فرض کا درجہ نفل سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اس حدیث سے ایک اور مسئلہ بھی مُستَنبَط[8] ہوتا ہے جس میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ نادار[9] جو صبر کرنے والا ہو اپنے فقر وفاقہ کو کسی پر ظاہر نہ کرتا ہو وہ افضل ہے، یا وہ مالدار جو شکر کرنے والا ہو حقوق ادا کرنے والا ہو۔ اس حدیث سے صابر حاجت مند کی افضلیت پر اِستِدلال کیا جاتا ہے۔

حل لغات: (۱) خوش خبری۔ (۲) پورا۔ (۳) مالدار۔ (۴) ستر کی جگہ۔ (۵) خوشی ظاہر کرنا۔ (۶) اکثر۔ (۷) حیثیت کے مطابق۔ (۸) نکلتا ہے۔ (۹) محتاج، غریب۔

قرآن مجید سننے اور پڑھنے کی الگ الگ فضیلت

(۳۰) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنِ اسْتَمَعَ إِلٰى اٰيَةٍ مِّنْ كِتَابِ اللهِ كُتِبَتْ لَهٗ حَسَنَةٌ مُّضَاعَفَةٌ. وَمَنْ تَلَاهَا كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس ﷺ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص ایک آیت کلام اللہ کی سنے اس کے لیے دوچند[1] نیکی لکھی جاتی ہے اور جو تلاوت کرے اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوگا۔

[رواه أحمد عن عبادة بن ميسرة واختلف في توثيقه عن الحسن عن أبي هريرة والجمهور على أن الحسن لم يسمع عن أبي هريرة]

مُحدِّثین نے سَنَد کے اعتبار سے اگرچہ اس میں کلام کیا ہے مگر مضمون بہت سی روایات سے مُؤیَّد[2] ہے کہ کلام پاک کا سننا بھی بہت اجر رکھتا ہے، حتیٰ کہ بعض لوگوں نے اس کو پڑھنے سے بھی افضل بتلایا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے، ارشاد فرمایا کہ مجھے قرآن شریف سنا، میں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ پر تو خود نازل[3] ہی ہوا، حضور ﷺ کو کیا سناؤں؟ ارشاد ہوا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ سنوں، اس کے بعد انھوں نے سنایا تو حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ایک مرتبہ سالِم مولیٰ حُذَیفہ رضی اللہ عنہ کلام مجید پڑھ رہے تھے کہ حضورِ اکرم ﷺ دیر تک کھڑے ہوئے سنتے رہے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا قرآن شریف سنا تو تعریف فرمائی۔

تلاوت بلند آواز سے اور آہستہ

(۳۱) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اَلْجَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ، وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْاٰنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ.

ترجمہ: عُقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ کلام اللہ کا آواز سے پڑھنے والا علانیہ[4] صدقہ کرنے والے کے مُشابہ ہے اور آہستہ پڑھنے والا خُفیہ[5] صدقہ کرنے والے کی مانند ہے۔

[رواه الترمذي وأبوداؤد والنسائي والحاكم وقال على شرط البخاري]

صدقہ بعض اوقات علانیہ افضل ہوتا ہے جس وقت دوسروں کی ترغیب[6] کا سبب ہو یا اور کوئی مصلحت ہو اور بعض اوقات مَخفی[7] افضل ہوتا ہے۔ جہاں رِیا[8] کا شُبہ ہو یا دوسروں کی تَذلیل[9] ہوتی ہو وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح کلام اللہ شریف کا بعض اوقات میں آواز سے پڑھنا افضل ہے جہاں دوسروں کی ترغیب کا سبب ہو اور اس میں دوسرے کے سننے کا ثواب بھی ہوتا ہے اور بعض اوقات آہستہ پڑھنا افضل ہوتا ہے جہاں دوسروں کو

حل لغات: (۱) دوگنا۔ (۲) ثابت۔ (۳) اُترا۔ (۴) کھلم کھلا۔ (۵) چھپا کر۔ (۶) شوق دلانا۔ (۷) چھپا کر دینا۔ (۸) دکھلاوا۔ (۹) ذلت ورسوائی۔

تکلیف ہو یا رِیا کا اِحتمال[1] ہو وغیرہ وغیرہ، اسی وجہ سے زور سے اور آہستہ دونوں طرح پڑھنے کی مُستَقِل فضیلتیں بھی آئیں ہیں کہ بعض اوقات یہ مُناسب تھا اور بعض وقت وہ افضل تھا۔ آہستہ پڑھنے کی فضیلت پر بہت سے لوگوں نے خود اس صدقہ والی حدیث سے بھی اِستِدلال[2] کیا ہے۔ بیہقیؒ نے کِتابُ الشُّعَب میں [مگر یہ روایت بقواعد محدثین ضعیف ہے] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ آہستہ کا عمل علانیہ کے عمل سے ستّر حصہ زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ سے نقل کیا ہے کہ پکار کر اس طرح مت پڑھو کہ ایک کی آواز دوسرے کے ساتھ خَلَط[3] ہو جائے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد نبوی میں ایک شخص کو آواز سے تلاوت کرتے سنا تو اس کو منع کرا دیا، پڑھنے والے نے کچھ حُجَّت[4] کی تو عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ اگر اللہ کے واسطے پڑھتا ہے تو آہستہ پڑھ اور اگر لوگوں کی خاطر پڑھتا ہے تو پڑھنا بیکار ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ سے پکار کر پڑھنے کا ارشاد بھی نقل کیا گیا۔ شرحِ احیاء میں دونوں طرح کی روایات و آثار ذکر کیے گئے۔

(۳۲) عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: اَلْقُرْاٰنُ شَافِعٌ مُّشَفَّعٌ وَمَاحِلٌ مُّصَدَّقٌ مَنْ جَعَلَهٗ أَمَامَهٗ قَادَهٗ إِلَى الْجَنَّةِ وَمَنْ جَعَلَهٗ خَلْفَ ظَهْرِهٖ سَاقَهٗ إِلَى النَّارِ.

[رواہ ابن حبان والحاکم مطولا وصححه]

ترجمہ: جابر رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ سے نقل کیا کہ قرآن پاک ایک ایسا شفیع ہے جس کی شفاعت قبول کی گئی اور ایسا جھگڑالو ہے کہ جس کا جھگڑا تسلیم کر لیا گیا، جو شخص اس کو اپنے آگے رکھے اس کو یہ جنت کی طرف کھینچتا ہے اور جو اس کو پَسِ پُشت[5] ڈال دے اس کو جہنم میں گرا دیتا ہے۔

یعنی جس کی یہ شفاعت کرتا ہے اس کی شفاعت حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں مقبول ہے اور جس کے بارے میں جھگڑا کرتا ہے اور جھگڑے کی تفصیل حدیث نمبر آٹھ کے ذیل میں گذر چکی ہے کہ اپنی رعایت رکھنے والوں کے لیے درجات کے بڑھانے میں اللہ کے دربار میں جھگڑتا ہے اور اپنی حق تلفی کرنے والوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ میرا حق کیوں نہیں ادا کیا۔ جو شخص اس کو اپنے پاس رکھ لے یعنی اس کا اِتباع اور اس کی پیروی اپنا دُستُورُ العَمَل[6] بنا لے اس کو جنت میں پہونچا دیتا ہے اور جو اس کو پُشت کے پیچھے ڈال دے یعنی اس کا اِتباع نہ کرے اس کا جہنم میں گِرنا ظاہر ہے۔ بندہ کے نزدیک کلام پاک کے ساتھ لاپرواہی برتنا بھی اس کے مفہوم میں داخل ہو سکتا ہے۔ مُتَعَدَّد احادیث میں کلام اللہ شریف کے ساتھ بے پرواہی پر وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ بخاری شریف کی اس طویل حدیث میں جس میں نبی کریم ﷺ کو بعض سزاؤں کی سیر کرائی گئی، ایک شخص کا حال دکھلایا گیا جس کے سر پر ایک پتھر اس زور سے مارا جاتا تھا کہ اس کا سر کُچل جاتا تھا، حضور ﷺ کے دریافت فرمانے پر بتلایا گیا کہ اس شخص کو حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنا کلام پاک سکھلایا تھا، مگر اس نے نہ شب[7] کو اس کی تلاوت کی، نہ دن میں اس پر عمل کیا، لہٰذا قیامت تک اس کے

حل لغات: (۱) شبہ۔ (۲) دلیل لانا۔ (۳) مل جانا۔ (۴) بحث۔ (۵) بے پرواہی کرنا۔ (۶) معمول۔ (۷) رات۔

ساتھ یہی مُعامَلہ رہے گا۔حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لُطف کے ساتھ اپنے عذاب سے محفوظ رکھیں کہ درحقیقت کلام اللہ شریف اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کے ساتھ بے توجہی پر جو سزا دی جاوے مُناسب ہے۔

قیامت کے دن روزے اور قرآنِ کریم کی سفارِش

(۳۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَقُوْلُ الصِّيَامُ: رَبِّ إِنِّيْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّرَابَ فِي النَّهَارِ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ، وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ: رَبِّ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ فَيُشَفَّعَانِ.

ترجمہ: عبداللہ بن عَمرو رضی اللہ عنہما حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ روزہ اور قرآن شریف دونوں بندہ کے لیے شَفاعت کرتے ہیں۔ روزہ عرض کرتا ہے کہ یااللہ میں نے اس کو دن میں کھانے پینے سے روکے رکھا، میری شفاعت قبول کیجیے اور قرآن شریف کہتا ہے کہ یااللہ میں نے رات کو اس کو سونے سے روکا میری شفاعت قبول کیجیے، پس دونوں کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔

[رواه أحمد وابن أبي الدنيا والطبراني في الكبير والحاكم وقال صحيح على ما شرط مسلم]

ترغیب میں الطَّعَامَ وَالشَّرَابَ کالفظ ہے جس کا ترجمہ کیا گیا۔حاکم میں ''شراب'' کی جگہ 'شَہَوات' کا لفظ ہے، یعنی میں نے روزہ دار کو دن میں کھانے اور خواہشاتِ نفسانیہ سے روکا، اس میں اشارہ ہے کہ روزہ دار کو خواہشاتِ نفسانیہ سے جدا رہنا چاہیے، اگرچہ وہ جائز ہوں جیسا کہ پیار کرنا، لپٹانا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ کلام مجید جوان مرد کی شکل میں آئے گا اور کہے گا کہ میں ہی ہوں جس نے تجھے راتوں کو جگایا اور دن کو پیاسا رکھا۔ نیز اس حدیث شریف میں اشارہ ہے اس طرف کہ کلام اللہ شریف کے حفظ کا مُقتَضیٰ[1] یہ ہے کہ رات کو نوافل میں اس کی تلاوت بھی کرے۔ حدیث نمبر ستائیس میں اس کی تصریح[2] بھی گذر چکی، خود کلام پاک میں مُتعَدَّد جگہ اس کی ترغیب نازل ہوئی۔ ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ﴾ [سورۂ اسراء:۷۹] دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾﴾ [سورۂ دہر] ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿يَتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾﴾ [سورۂ آل عمران] ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿۶۴﴾﴾ [سورۂ فرقان] چنانچہ نبی کریم ﷺ اور حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بعض مرتبہ تلاوت کرتے ہوئے تمام تمام رات گذر جاتی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بعض مرتبہ وِتر کی ایک رکعت میں وہ تمام قرآن شریف پڑھا کرتے تھے، اسی طرح عبداللہ بن زُبیر رضی اللہ عنہما بھی ایک رات میں تمام قرآن شریف پورا فرمالیا کرتے تھے۔ سَعید بِن جُبیرؒ نے دو رکعت میں کَعبہ کے اندر تمام قرآن شریف پڑھا۔ ثابت بُنانیؒ دن رات میں ایک

حل لغات: (۱) تقاضہ۔ (۲) وضاحت، تفصیل۔

قرآن شریف ختم کرتے تھے اور اسی طرح ابوحرۃؒ بھی۔ ابوشیخ ہنائیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک رات میں دو کلام مجید پورے اور تیسرے میں سے دس پارے پڑھے، اگر چاہتا تو تیسرا بھی پورا کرلیتا۔ صالح بن کیسانؒ جب حج کو گئے تو راستہ میں اکثر ایک رات میں دو کلام مجید پورے کرتے تھے۔ منصور بن زاذانؒ صلوٰۃ الضحیٰ[1] میں ایک کلام مجید اور دوسرا ظہر سے عصر تک پورا کرتے تھے اور تمام رات نوافل میں گذارتے تھے اور اتنا روتے تھے کہ عمامہ کا شملہ تر ہوجاتا تھا۔ اسی طرح اور حضرات بھی جیسا کہ محمد بن نصرؒ نے قیام اللیل میں تخریج کیا ہے۔ شرح احیاء میں لکھا ہے کہ سلَف[2] کی عادات ختم قرآن میں مختلف رہی ہیں، بعض حضرات ایک ختم روزانہ کرتے تھے جیسا کہ امام شافعیؒ غیر رمضان المبارک میں اور بعض دو ختم روزانہ کرتے تھے جیسا کہ خود امام شافعی صاحبؒ کا معمول رمضان المبارک میں تھا اور یہی معمول اَسود اور صالح بن کیسان، سعید بن جُبَیر رحمہم اللہ اور ایک جماعت کا تھا۔ بعض کا معمول تین ختم روزانہ کا تھا۔ چنانچہ سلیم بن عترؒ جو بڑے تابعین میں شمار کیے جاتے ہیں، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتحِ مصر میں شریک تھے اور حضرت مُعَاوِیہؓ نے قصص کا امیر ان کو بنایا تھا، ان کا معمول تھا کہ ہر شب میں تین ختم قرآن شریف کے کرتے تھے۔ نوویؒ کتابُ الاذکار میں نقل کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ مقدار جو تلاوت کے باب میں ہم کو پہونچی ہے وہ ابن الکاتبؒ کا معمول تھا کہ دن رات میں آٹھ قرآن شریف روزانہ پڑھتے تھے۔ ابن قُدامہ نے امام احمدؒ سے نقل کیا ہے کہ اس کی کوئی تحدید[3] نہیں، پڑھنے والے کے نَشَاط[4] پر موقوف ہے۔ اہل تاریخ نے امام اَعظمؒ سے نقل کیا ہے کہ رمضان شریف میں اِکسٹھ قرآن شریف پڑھتے تھے، ایک دن کا اور ایک رات کا اور ایک تمام رمضان شریف میں تراویح کا، مگر حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین دن سے کم میں ختم کرنے والا تدبُّر[5] نہیں کرسکتا؛ اسی وجہ سے ابنِ حزمؒ وغیرہ نے تین دن سے کم میں ختم کو حرام بتلایا ہے۔ بندہ کے نزدیک یہ حدیث شریف باعتبار اکثر افراد کے ہے، اس لیے کہ صحابہؓ کی ایک جماعت سے اس سے کم میں پڑھنا بھی ثابت ہے، اسی طرح زیادتی میں بھی جمہور کے نزدیک تحدید نہیں، جتنے اَیَّام[6] میں بہ سہولت[7] ہوسکے کلام مجید ختم کرے، مگر بعض عُلَمَاء کا مذہب ہے کہ چالیس دن سے زائد ایک قرآن شریف میں خرچ نہ ہوں، جس کا حاصل یہ ہے کہ کم از کم تین پاؤ روزانہ پڑھنا ضروری ہے، اگر کسی وجہ سے کسی دن نہ پڑھ سکے تو دوسرے دن اس کی قضا کرلے، غرض چالیس دن کے اندر اندر ایک مرتبہ کلام مجید پورا ہوجاوے۔ جمہور کے نزدیک اگرچہ یہ ضروری نہیں مگر جب بعض عُلَمَاء کا مذہب ہے تو اِحتِیَاط اسی میں ہے کہ اس سے کم نہ ہو، نیز بعض احادیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ صاحبِ مَجْمع نے ایک

حل لغات: (۱) چاشت کی نماز۔ (۲) بزرگانِ دین۔ (۳) حد، پابندی۔ (۴) خوش دلی، تازگی۔ (۵) غور فکر۔ (۶) دنوں۔ (۷) آسانی کے ساتھ۔

حدیث نقل کی ہے: مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فِيْ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً فَقَدْ عَزَّبَ جس شخص نے قرآن شریف چالیس رات میں ختم کیا اُس نے بہت دیر کی۔ بعض عُلَماء کا فتویٰ ہے کہ ہر مہینہ میں ایک ختم کرنا چاہیے اور بہتر یہ ہے کہ سات روز میں ایک کلام مجید ختم کرلے کہ صحابہ ﷡ کا معمول عامّۃً یہی نقل کیا جاتا ہے، جمعہ کے روز شروع کرے اور سات روز میں ایک منزل روزانہ کرکے پَنج شَنْبَہ[1] کے روز ختم کرلے۔ امام صاحبؒ کا مقولہ[2] پہلے گذر چکا کہ سال میں دو مرتبہ ختم کرنا قرآن شریف کا حق ہے، لہٰذا اس سے کم کسی طرح نہ ہونا چاہیے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ کلام پاک کا ختم اگر دن کے شروع میں ہو تو تمام دن اور رات کے شروع میں ہو تو تمام رات ملائکہ[3] اس کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں، اس سے بعض مشائخ نے اِستِنباط[4] فرمایا ہے کہ گرمی کے ایام میں دن کے ابتداء میں ختم کرے اور موسمِ سَرما[5] میں ابتدائی شَب میں تاکہ بہت سا وقت ملائکہ کی دُعا کا مُیَسَّر[6] ہو۔

ہر سفارشی سے بڑا سفارشی قرآن مجید ہے

(۳۴) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ سُلَيْمٍ رَحِمَهُ اللهُ مُرْسَلًا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَا مِنْ شَفِيْعٍ اَعْظَمُ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْقُرْاٰنِ لَا نَبِيٌّ وَّلَا مَلَكٌ وَّلَا غَيْرُهٗ.	سعید بن سُلیمؒ حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کلام پاک سے بڑھ کر کوئی سفارش کرنے والا نہ ہوگا، نہ کوئی نبی نہ فرشتہ وغیرہ۔

[قال العراقي رواه عبدالملك بن حبيب كذا في شرح الإحياء]

کلام اللہ شریف کا شفیع اور اس درجہ کا شفیع ہونا جس کی شفاعت مقبول ہے اور بھی مُتَعَدَّد روایات سے معلوم ہو چکا، حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل سے میرے اور تمہارے لیے اس کو شفیع بنا دے نہ کہ فریقِ مُخالف اور مُدَّعِی۔ ''لآلِی مَصْنُوعَہ'' (کتاب کا نام) میں بزّار کی روایت سے نقل کیا ہے اور وضع[7] کا حکم بھی اس پر نہیں لگایا کہ ''جب آدمی مرتا ہے تو اس کے گھر کے لوگ تجہیز و تکفین[8] میں مشغول ہوتے ہیں اور اُس کے سرہانے[9] نہایت حسین و جمیل صورت میں ایک شخص ہوتا ہے۔ جب کفن دیا جاتا ہے تو وہ شخص کفن کے اور سینہ کے درمیان ہوتا ہے، جب دفن کرنے کے بعد لوگ لوٹتے ہیں اور مُنکَر نکیر آتے ہیں تو وہ اس شخص کو علیحدہ کرنا چاہتے ہیں کہ سوال یکسوئی[10] میں کریں، مگر یہ کہتا ہے کہ میرا ساتھی ہے، میرا دوست ہے، میں کسی حال میں اس کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا، تم سوالات کے اگر مامُور[11] ہو تو اپنا کام کرو، میں اس وقت تک اس سے جدا نہیں ہو سکتا کہ جنت میں داخل کراؤں، اس کے بعد وہ اپنے ساتھی کی طرف متوجہ ہو کر کہتا ہے کہ میں ہی وہ

حل لغات: (۱) جمعرات۔ (۲) قول، بات۔ (۳) فرشتے۔ (۴) مسئلہ نکالنا۔ (۵) سردی کے موسم۔ (۶) حاصل۔ (۷) حدیث گڑھنا۔ (۸) کفن دفن۔ (۹) سر کے پاس۔ (۱۰) تنہائی۔ (۱۱) حکم دیا گیا۔

قرآن ہوں جس کو تو کبھی بلند پڑھتا تھا اور کبھی آہستہ، تو بےفکر رہ، مُنکر نکیر کے سوالات کے بعد تجھے کوئی غم نہیں ہے، اس کے بعد جب وہ اپنے سوالات سے فارغ ہوجاتے ہیں تو یہ مَلَاءِ اَعْلٰی[1] سے بستر وغیرہ کا انتظام کرتا ہے جو ریشم کا ہوتا ہے اور اس کے درمیان مُشک بھرا ہوا ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ اپنے فضل سے مجھے بھی نصیب فرماویں اور تمہیں بھی۔ یہ حدیث بڑے فضائل پر شامل ہے، جس کو تطویل[2] کے خوف سے مُختصر کر دیا۔

(۳۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَقَدِ اسْتَدْرَجَ النُّبُوَّةَ بَيْنَ جَنْبَيْهِ غَيْرَ أَنَّهٗ لَايُوْحٰى إِلَيْهِ لَايَنْبَغِيْ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ أَنْ يَّجِدَ مَعَ مَنْ وَجَدَ وَلَايَجْهَلَ مَعَ مَنْ جَهِلَ وَفِيْ جَوْفِهٖ كَلَامُ اللّٰهِ. [رواه الحاكم وقال صحيح الإسناد]	ترجمہ: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص نے کلام اللہ شریف پڑھا اس نے علومِ نُبُوَّت کو اپنی پسلیوں کے درمیان لے لیا، گو اس کی طرف وحی نہیں بھیجی جاتی، حاملِ قرآن کے لیے مُناسب نہیں کہ غصہ والوں کے ساتھ غصہ کرے یا جاہلوں کے ساتھ جہالت کرے، حالانکہ اس کے پیٹ میں اللہ کا کلام ہے۔

چونکہ وحی کا سلسلہ نبی کریم ﷺ کے بعد ختم ہوگیا اس لیے وحی تو اب نہیں آسکتی، لیکن چونکہ یہ حق سبحانہٗ وتَقَدَّس کا پاک کلام ہے اس لیے علمِ نُبُوَّت ہونے میں کیا تَامُّل[3] ہے اور جب کوئی شخص علومِ نبوت سے نوازا جائے تو نہایت ہی ضروری ہے کہ اس کے مناسب بہترین اخلاق پیدا کرے اور بُرے اخلاق سے احتراز[4] کرے۔ فُضیل بن عِیَاضؒ کہتے ہیں کہ حافظِ قرآن اسلام کا جھنڈا اُٹھانے والا ہے، اس کے لیے مناسب نہیں کہ لہو ولعب میں لگنے والوں میں لگ جاوے یا غافلین[5] میں شریک ہوجاوے یا بیکار لوگوں میں داخل ہوجاوے۔

وہ تین خوش نصیب جو حساب کتاب سے آزاد ہوں گے

(۳۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ثَلٰثَةٌ لَا يَهُوْلُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَلَايَنَالُهُمُ الْحِسَابُ، هُمْ عَلٰى كَثِيْبٍ مِنْ مِّسْكٍ حَتّٰى يُفْرَغَ مِنْ حِسَابِ الْخَلَائِقِ: رَجُلٌ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ، وَأَمَّ بِهٖ قَوْمًا وَهُمْ بِهٖ رَاضُوْنَ؛ وَدَاعٍ يَدْعُوْ إِلَى الصَّلَوَاتِ ابْتِغَاءَ وَجْهِ	ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور اقدس ﷺ کا اِرشاد نقل کرتے ہیں کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کو قیامت کا خوف دَامَنْ گیر[6] نہ ہوگا نہ ان کو حساب کتاب دینا پڑے گا، اتنے مخلوق اپنے حساب کتاب سے فارغ ہو وہ مشک کے ٹیلوں پر تفریح کریں گے: ایک وہ شخص جس نے اللہ کے واسطے قرآن شریف پڑھا اور امامت کی اس طرح پر کہ مُقتَدِی اس سے راضی رہے، دوسرا وہ شخص جو لوگوں کو

حل لغات: (۱) عرش۔ (۲) لمبا ہونا۔ (۳) شک۔ (۴) بچنا۔ (۵) لاپرواہ۔ (۶) پریشان کرنے والا۔

اللهِ، وَرَجُلٌ أَحْسَنَ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ رَبِّهِ وَفِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَوَالِيهِ. [رواه الطبراني في المعاجم الثلثة]	نماز کے لیے بلاتا ہو صرف اللہ کے واسطے، تیسرا وہ شخص جو اپنے مالک سے بھی اچھا معاملہ رکھے اور اپنے ماتحتوں سے بھی۔

قیامت کی سختی، اس کی دہشت، اس کا خوف، اس کی مصیبتیں اور تکالیف ایسی نہیں کہ کسی مسلمان کا دل اُس سے خالی ہو یا بے خبر ہو؛ اس دن میں کسی بات کی وجہ سے بے فکری نصیب ہو جاوے، یہ بھی لاکھوں نعمتوں سے بڑھ کر اور کروڑوں راحتوں سے مُغتنم[1] ہے، پھر اس کے ساتھ اگر تفریح[2] و تنعّم بھی نصیب ہو جاوے تو خوشا[3] نصیب اس شخص کے جس کو یہ میسر ہو اور برَبادی[4] و خُسران ہے اُن بے حسّوں[5] کے لیے جو اس کو لغو بیکار اور اضاعتِ[6] وقت سمجھتے ہیں۔ مُعجمِ کبیر میں اس حدیث شریف کے شروع میں روایت کرنے والے صحابی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اگر میں نے اس حدیث کو حضورِ اقدس ﷺ سے ایک مرتبہ اور ایک مرتبہ اور ایک مرتبہ غرض سات دفعہ یہ لفظ کہا، یعنی اگر سات مرتبہ نہ سنا ہوتا تو کبھی نقل نہ کرتا۔

آیتیں اور رکعتیں

(۳۷) عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: يَا أَبَاذَرٍّ! لَأَنْ تَغْدُوَ فَتَعَلَّمَ آيَةً مِّنْ كِتَابِ اللهِ خَيْرٌ لَّكَ مِنْ أَنْ تُصَلِّيَ مِأَةَ رَكْعَةٍ، وَلَأَنْ تَغْدُوَ فَتَعَلَّمَ بَابًا مِّنَ الْعِلْمِ عُمِلَ بِهِ أَوْلَمْ يُعْمَلْ بِهِ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ تُصَلِّيَ أَلْفَ رَكْعَةٍ. [رواه ابن ماجه بإسناد حسن]	ترجمہ: ابُوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوذر! اگر تو صبح کو جا کر ایک آیت کلام اللہ شریف کی سیکھ لے تو نوافل کی سو رکعات سے افضل ہے اور اگر ایک باب[7] علم کا سیکھ لے، خواہ اس وقت وہ معمول[8] بِہٖ ہو یا نہ ہو، تو ہزار رکعات نفل پڑھنے سے بہتر ہے۔

بہت سی احادیث اس مضمون میں وارد ہیں کہ علم کا سیکھنا عبادت سے افضل ہے۔ فضائلِ علم میں جس قدر روایات وَارِدْ[9] ہوئی ہیں اُن کا اِحَاطہ[10] بالخصوص اس مُختصر[11] میں دُشوار ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ عالم کی عابد پر فضیلت ایسی ہے جیسا کہ میری فضیلت تم میں سے اَدْنٰی[12] شخص پر۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ شیطان پر ایک فقیہ[13] ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔

کم سے کم دس آیت پڑھنے کا اَجر

(۳۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ	ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے نقل کیا

حل لغات: (۱) عمدہ، بہتر۔ (۲) عیش و آرام۔ (۳) اچھی قسمت ہے۔ (۴) ناکامی، نقصان۔ (۵) جن کو احساس نہ ہو۔ (۶) وقت کو برباد کرنا۔ (۷) حصہ۔ (۸) جس پر عمل کیا جائے۔ (۹) آنا۔ (۱۰) مکمل ذکر کرنا۔ (۱۱) یعنی اس کتاب میں۔ (۱۲) معمولی، کم درجے کا۔ (۱۳) شریعت کے مسائل جاننے والا۔

رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَرَأَ عَشْرَ اٰيَاتٍ فِيْ لَيْلَةٍ لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ. [رواه الحاكم وقال صحيح على شرط مسلم]	ہے کہ جو شخص دس آیتوں کی تلاوت کسی رات میں کرے وہ اس رات میں غافلین سے شمار نہیں ہوگا۔

دس آیات کی تلاوت سے جس کے پڑھنے میں چند منٹ صَرف[1] ہوتے ہیں، تمام رات کی غفلت سے نکل جاتا ہے، اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی۔

کم از کم ایک ہی آیت پڑھ لینے کا اجر وثواب

(٣٩) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ حَافَظَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوْبَاتِ لَمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ. وَمَنْ قَرَأَ فِيْ لَيْلَةٍ مِأَةَ اٰيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْقَانِتِيْنَ. [رواه ابن خزيمة في صحيحه والحاكم وقال صحيح على شرطهما]	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص ان پانچوں فرض نمازوں پر مُداوَمت[2] کرے وہ غافلین سے نہیں لکھا جاوے گا، جو شخص سو آیات کی تلاوت کسی رات میں کرے، وہ اس رات میں قانتین[3] سے لکھا جاوے گا۔

حَسَنِ بَصرِیؒ نے حضورِ اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص سو آیتیں رات کو پڑھے کلام اللہ شریف کے مُطالبہ سے بچ جاوے گا۔ اور جو دو سو پڑھ لے تو اس کو رات بھر کی عبادت کا ثواب ملے گا۔ اور جو پانسو سے ہزار تک پڑھ لے اس کے لیے ایک قِنطار ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ قنطار کیا ہوتا ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بارہ ہزار کے برابر (درہم مراد ہوں یا دینار)۔

تمام فتنوں سے نجات قرآن میں ہے

(٤٠) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما قَالَ: نَزَلَ جِبْرَئِيْلُ عليه السلام عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَأَخْبَرَهٗ أَنَّهٗ سَتَكُوْنُ فِتَنٌ. قَالَ: فَمَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَاجِبْرَئِيْلُ؟ قَالَ: كِتَابُ اللّٰهِ. [رواه رزين كذا في الرحمة المهداة]	ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضورِ اقدس ﷺ کو اطلاع دی کہ بہت سے فتنے ظاہر ہوں گے، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ ان سے خلاصی[4] کی کیا صورت ہے؟ انھوں نے کہا کہ قرآن شریف۔

کتاب اللہ پر عمل بھی فتنوں سے بچنے کا کفیل[5] ہے اور اس کی تلاوت کی برکت بھی فتنوں سے خلاصی کا سبب ہے۔ حدیث نمبر بائیس میں گذر چکا ہے کہ جس گھر میں کلام پاک کی تلاوت کی جاتی ہے سکینہ[6] اور رحمت اُس گھر میں نازل ہوتی ہے اور شیاطین اُس گھر سے نکل جاتے ہیں۔ فتنوں سے مراد خروجِ[7] دجّال،

حل لغات: (١) خرچ۔ (٢) پابندی۔ (٣) فرماں بردار بندے۔ (٤) چھٹکارہ۔ (٥) ذمہ دار۔ (٦) خاص سکون۔ (٧) نکلنا۔

فتنۂ تاتار وغیرہ عُلَمَاء نے بتلائے ہیں۔ حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ سے بھی ایک طویل روایت میں حدیثِ بالا کا مضمون وارد ہوا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں وارد ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کہ حق تعالیٰ شانہٗ تم کو اپنے کلام کے پڑھنے کا حکم فرماتا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی قوم اپنے قلعہ میں محفوظ ہو اور اس کی طرف کوئی دشمن متوجہ ہو کہ جس جانب سے بھی وہ حملہ کرنا چاہے اسی جانب میں اللہ کے کلام کو اس کا مُحافِظ[1] پاوے گا اور وہ اس دشمن کو دفع[2] کردے گا۔

خاتمہ

فِي عِدَّةِ رِوَايَاتٍ زَائِدَةٍ عَلَى الْأَرْبَعِينَةِ لَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِهَا لِأَغْرَاضٍ تُنَاسِبُ الْمَقَامَ.

(۱) عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ مُرْسَلًا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : فِيْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ. [رواه الدارمي والبيهقي في شعب الإيمان]	عَبدُالمَلِک بِن عُمَیرؒ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ میں ہر بیماری سے شِفا ہے۔

خاتمہ میں بعض ایسی سورتوں کے فضائل ہیں جو پڑھنے میں بہت مختصر؛ لیکن فضائل میں بہت بڑھی ہوئی ہیں اور اسی طرح دو ایک ایسے خاص اُمُر ہیں جن پر تنبیہ قرآن پڑھنے والے کے لیے ضروری ہے۔

سورۂ فاتحہ کے فضائل بہت سی روایات میں وارد ہوئے ہیں، ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک صحابی نماز پڑھتے تھے، حضور ﷺ نے ان کو بلایا، وہ نماز کی وجہ سے جواب نہ دے سکے، جب فارغ ہو کر حاضر ہوئے، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے پکارنے پر جواب کیوں نہیں دیا؟ انھوں نے نماز کا عُذر کیا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ قرآن شریف کی آیت میں نہیں پڑھا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾ [سورۂ انفال: ۲۴] ''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دو جب بھی وہ تم کو بلاویں''، پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تجھے قرآن شریف کی سب سے بڑی سورت یعنی سب سے افضل بتلاؤں گا، پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ اَلْحَمْدُ کی سات آیتیں ہیں: یہ سبعِ مَثَانِی ہیں اور قرآن عظیم۔

بعض صوفیا سے منقول ہے کہ جو کچھ پہلی کتابوں میں تھا وہ سب کلام پاک میں آگیا اور جو کلام پاک میں ہے وہ سب ''سورۂ فاتحہ'' میں آگیا اور جو کچھ ''فاتحہ'' میں ہے وہ سب ''بسم اللہ'' میں آگیا اور جو ''بسم اللہ'' میں ہے وہ اس کی ''ب'' میں آگیا، اس کی شَرح بتلاتے ہیں کہ ''ب'' کے معنیٰ اس جگہ ملانے کے ہیں اور مقصود سب چیز سے بندہ کا اللہ جلَّ شانہٗ کے ساتھ ملا دینا ہے۔ بعض نے اس کے آگے اِضافہ کیا ہے کہ

حل لغات: (۱) حفاظت کرنے والا۔ (۲) دور کرنا۔

''ب'' میں جو کچھ ہے وہ اس کے نقطے میں آ گیا یعنی وَحْدانیت[1]، کہ نقطہ اِصْطِلَاح میں کہتے ہیں: اس چیز کو جس کی تقسیم نہ ہو سکتی ہو۔ بعض مشائخ سے منقول ہے کہ ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ [سورۂ فاتحہ] میں تمام مَقَاصِدِ دینی و دنیوی آ گئے۔ ایک دوسری روایت میں حضور ﷺ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس جیسی سورت نازل نہیں ہوئی، نہ ''تورات'' میں نہ ''انجیل'' میں نہ ''زبور'' میں نہ بقیہ ''قرآن پاک'' میں۔ مَشَائِخ نے لکھا ہے کہ اگر ''سورۂ فاتحہ'' کو ایمان و یقین کے ساتھ پڑھے تو ہر بیماری سے شفا ہوتی ہے دینی ہو یا دنیوی، ظاہری ہو یا باطنی، لکھ کر لٹکانا اور چاٹنا بھی اَمراض کے لیے نافع[2] ہے۔ صِحَاح کی کتابوں میں وارد ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سانپ بچھو کے کاٹے ہوئے پر اور مرگی والوں پر اور دیوانوں پر ''سورۂ فاتحہ'' پڑھ کر دم کیا اور حضور ﷺ نے اس کو جائز بھی رکھا۔ نیز ایک روایت میں آیا ہے کہ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ پر حضور ﷺ نے اس سورت کو دَم فرمایا اور یہ سورت پڑھ کر لُعاب[3] دہن[4] درد کی جگہ لگایا۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جو شخص سونے کے ارادہ سے لیٹے اور ''سورۂ فاتحہ'' اور ''قل ہو اللہ احد'' پڑھ کر اپنے اوپر دَم کر لے موت کے سوا ہر بلا سے امن پاوے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ''سورۂ فاتحہ'' ثواب میں دو تہائی قرآن کے برابر ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ عرش کے خاص خزانہ سے مجھ کو چار چیزیں ملی ہیں کہ اور کوئی چیز اس خزانہ سے کسی کو نہیں ملی: ''سورۂ فاتحہ، آیۃ الکرسی'' اور ''سورۂ بقرہ'' کی اخیر آیات اور ''سورۂ کوثر''۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حَسَنِ بَصْرِیؒ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جس نے ''سورۂ فاتحہ'' کو پڑھا اُس نے گویا ''تورات انجیل زبور'' اور ''قرآن شریف'' کو پڑھا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ابلیس کو اپنے اوپر نوحہ[5] اور زاری اور سر پر خاک[6] ڈالنے کی چار مرتبہ نوبت آئی: اول جب اس پر لعنت ہوئی، دوسرے جب کہ اس کو آسمان سے زمین پر ڈالا گیا، تیسرے جب کہ حضور اکرم ﷺ کو نبوت ملی؛ چوتھے جب کہ سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔ شَعْبِیؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص اُن کے پاس آیا اور دَرْدِ گُرْدَہ کی شکایت کی، شعبیؒ نے کہا کہ اَسَاس[7] القرآن پڑھ کر دَرْد کی جگہ دَم کر، اس نے پوچھا کہ اَسَاسُ القرآن کیا ہے؟ شعبیؒ نے کہا کہ ''سورۂ فاتحہ''۔ مشائخ کے اعمالِ مُجَرَّب میں لکھا ہے کہ ''سورۂ فاتحہ'' اسمِ اعظم ہے ہر مطلب کے لیے پڑھنی چاہیے اور اس کے دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ صبح کی سنت اور فرض کے درمیان ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کے میم کے ساتھ ''الحمد للہ'' کا لام ملا کر اِکتالیس بار چالیس دن تک پڑھے، جو مطلب ہو گا انشاء اللہ تعالیٰ حاصل ہو گا اور اگر کسی مریض یا جادو کیے ہوئے کے لیے ضرورت ہو تو پانی پر دم کر کے اس کو پلاوے۔ دوسرے یہ کہ نَوچَندی[8] اتوار کو صبح کی سنت اور فرض کے درمیان بلا قید میم ملانے کے

حل لغات: ① اللہ کو ایک ماننا۔ ② فائدہ مند۔ ③ تھوک۔ ④ منہ۔ ⑤ رونا پیٹنا۔ ⑥ مٹی۔ ⑦ بنیاد۔ ⑧ چاند کے مہینے کی پہلی اتوار۔

سَتَّر بار پڑھے اور اس کے بعد ہر روز اسی وقت پڑھے اور دس دس بار کم کرتا جاوے، یہاں تک کہ ہفتہ ختم ہو جاوے، اول مہینے میں اگر مطلب پورا ہو جاوے فَبِهَا[1]، ورنہ دوسرے تیسرے مہینہ میں اسی طرح کرے۔ نیز اس سورت کا چینی کے برتن پر گلاب اور مشک وزعفران سے لکھ کر اور دھو کر پلانا چالیس روز تک اَمراضِ مُزْمِنَہ[2] کے لیے مُجَرَّبْ ہے، نیز دانتوں کے درد اور سر کے درد، پیٹ کے درد کے لیے سات بار پڑھ کر دم کرنا مُجَرَّبْ ہے۔ (یہ سب مضمون مظاہر حق سے مختصر طور سے نقل کیا گیا)۔

مُسلِم شریف کی ایک حدیث میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ ایک مرتبہ تشریف فرما تھے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ آسمان کا ایک دروازہ آج کھلا ہے، جو آج سے قبل کبھی نہیں کھلا تھا، پھر اس میں سے ایک فرشتہ نازل ہوا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک فرشتہ نازل ہوا جو آج سے قبل کبھی نازل نہیں ہوا تھا، پھر اس فرشتہ نے عرض کیا کہ دو نوروں کی بشارت لیجیے۔ جو آپ سے قبل کسی کو نہیں دیے گئے: ایک سورۂ فاتحہ دوسرا خاتمہ سورۂ بقرہ، یعنی سورۂ بقرہ کا اخیر رکوع، ان کو نور اس لیے فرمایا کہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کے آگے آگے چلیں گے۔

② عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ قَالَ: بَلَغَنِيْ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنْ قَرَأَ يٰسٓ فِيْ صَدْرِ النَّهَارِ قُضِيَتْ حَوَائِجُهٗ. [رواه الدارمي]	ترجمہ: عَطَاء بن اَبِی رَبَاحؒ کہتے ہیں کہ مجھے حضورِ اکرم ﷺ کا یہ ارشاد پہونچا ہے کہ جو شخص سورۂ یٰسٓ کو شروع دن میں پڑھے اس کی تمام دن کی حَوائج[3] پوری ہو جاویں۔

احادیث میں سورۂ یٰسٓ کے بھی بہت سے فضائل وَارِدْ ہوئے ہیں۔ ایک روایت میں وارِد ہوا ہے کہ ہر چیز کے لیے ایک دل ہوا کرتا ہے، قرآن شریف کا دل سورۂ یٰسٓ ہے، جو شخص سورۂ یٰسٓ پڑھتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کے لیے دس قرآنوں کا ثواب لکھتا ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے سورۂ طٰہٰ اور سورۂ یٰسٓ کو آسمان وزمین کے پیدا کرنے سے ہزار برس پہلے پڑھا، جب فرشتوں نے سنا تو کہنے لگے کہ خوشحالی ہے اُس اُمت کے لیے جن پر یہ قرآن اُتارا جائے گا اور خوش حالی ہے اُن دلوں کے لیے جو اس کو اُٹھائیں گے، یعنی یاد کریں گے، اور خوشحالی ہے اُن زبانوں کے لیے جو اس کو تلاوت کریں گی۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص سورۂ یٰسٓ کو صرف اللہ کی رضا کے واسطے پڑھے اس کے پہلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں، پس اس سورت کو اپنے مُردوں پر پڑھا کرو۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ سورۂ یٰسٓ کا نام تورات میں ''مُعِمَّہ'' ہے کہ اپنے پڑھنے والے کے لیے دُنیا و آخرت کی بھلائیوں پر مشتمل ہے اور اس سے دنیا و آخرت کی مصیبت کو دور کرتی ہے اور آخرت کے ہَول[4] کو دور کرتی ہے، اس سورت کا نام ''رَافِعَہ خَافِضَہ'' بھی ہے، یعنی مومنوں کے رُتبے بلند کرنے والی اور کافروں کو پَسْت[5] کرنے والی۔ ایک روایت میں ہے کہ

حل لغات: ① تو بہت اچھا۔ ② پرانی بیماریاں۔ ③ ضرورتیں۔ ④ خوف۔ ⑤ ذلیل۔

حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ سورۂ یٰسٓ میرے ہر امتی کے دل میں ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ جس نے سورۂ یٰسٓ کو ہر رات میں پڑھا پھر مر گیا تو شہید مرا۔ ایک روایت میں ہے کہ جو یٰسٓ کو پڑھتا ہے اس کی مغفرت کی جاتی ہے اور جو بھوک کی حالت میں پڑھتا ہے وہ سیر ہو جاتا ہے اور جو راستہ گُم ہو جانے کی وجہ سے پڑھتا ہے وہ راستہ پالیتا ہے اور جو شخص جانور کے گم ہو جانے کی وجہ سے پڑھتا ہے وہ پالیتا ہے اور جو ایسی حالت میں پڑھے کہ کھانا کم ہو جانے کا خوف ہو تو وہ کھانا کافی ہو جاتا ہے اور جو ایسے شخص کے پاس پڑھے جو نزعِ[1] میں ہو تو اس پر نزع میں آسانی ہو جاتی ہے اور جو ایسی عورت پر پڑھے جس کے بچہ ہونے میں دُشواری ہو رہی ہو اس کے لیے بچہ جَننے میں سہولت ہوتی ہے۔ مقریؒ کہتے ہیں کہ جب بادشاہ یا دشمن کا خوف ہو اور اس کے لیے سورۂ یٰسٓ پڑھے تو وہ خوف جاتا رہتا ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے جس نے سورۂ "یٰسٓ اور والصّٰفّٰت" جمعہ کے دن پڑھی اور پھر اللہ سے دُعا کی اس کی دعا پوری ہوتی ہے، (اس کا بھی اکثر مظاہرِ حق سے منقول ہے۔ مگر مشائخِ حدیث کو بعض روایات کی صحت میں کلام ہے)۔

③ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةِ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ أَبَدًا وَكَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ يَأْمُرُ بَنَاتِهِ يَقْرَأْنَ بِهَا كُلَّ لَيْلَةٍ. [رواه البيهقي في الشعب]	ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھے اس کو کبھی فاقہ[2] نہیں ہوگا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی بیٹیوں کو حکم فرمایا کرتے تھے کہ ہر شب میں اس سورت کو پڑھیں۔

سورۂ واقعہ کے فضائل بھی مُتعَدّد روایات میں وارد ہوئے ہیں، ایک روایت میں آیا ہے کہ جو شخص "سورۂ حدید" اور "سورۂ واقعہ" اور "سورۃ الرحمٰن" پڑھتا ہے وہ جنت الفردوس کے رہنے والوں میں پکارا جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ سورۂ واقعہ "سورۃُ الغِنیٰ" ہے اس کو پڑھو اور اپنی اولاد کو سکھاؤ۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کو اپنی بیبیوں کو سکھاؤ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس کے پڑھنے کی تاکید منقول ہے، مگر بہت ہی پَستِ[3] خیالی ہے کہ چار پیسے کے لیے اس کو پڑھا جائے؛ البتہ اگر غِنائے[4] قلب اور آخرت کے نیت سے پڑھے تو دنیا خود بخود ہاتھ جوڑ کر حاضر ہوگی۔

④ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِنَّ سُوْرَةً فِي الْقُرْاٰنِ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتّٰى غُفِرَ لَهٗ وَهِيَ تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ. [رواه أحمد وأبوداؤد والنسائي وابن ماجه والحاكم وصححه وابن حبان في صحيحه]	ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ قرآن شریف میں ایک سورۃ تیس آیات کی ایسی ہے کہ وہ اپنے پڑھنے والے کی شفاعت کرتی رہتی ہے؛ یہاں تک کہ اس کی مغفرت کراوے، وہ سورۂ "تَبَارَكَ الَّذِيْ" ہے۔

حل لغات: ① موت کا وقت۔ ② بھوکا رہنا۔ ③ کم ہمتی۔ ④ دل کی بے نیازی۔

''سورۂ تبارک الذي'' کے متعلق بھی ایک روایت میں حضور ﷺ کا ارشاد آیا ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ یہ سورۃ ہر مؤمن کے دل میں ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ جس نے سورۂ تَبَارَکَ الَّذِيْ اور ''الم سَجْدَہ'' کو مغرب اور عشاء کے درمیان پڑھا گویا اُس نے لیلۃ القدر میں قیام کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ جس نے ان دونوں سورتوں کو پڑھا اُس کے لیے ستّر نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ستر برائیاں دُور کی جاتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جس نے اِن دونوں سورتوں کو پڑھا اس کے لیے عبادتِ لیلۃ القدر کی برابر ثواب لکھا جاتا ہے۔ [کذا فی المظاہر]

ترمذیؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ بعض صحابہ نے ایک جگہ خیمہ لگایا، ان کو علم نہ تھا کہ وہاں قبر ہے، اچانک ان خیمہ لگانے والوں نے اس جگہ کسی کو ''سورۂ تبارک الذي'' پڑھتے ہوئے سنا تو حضور ﷺ سے آکر عرض کیا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ سورۃ اللہ کے عذاب سے روکنے والی ہے اور نجات دینے والی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ اُس وقت تک نہ سوتے تھے جب تک ''الم سجدہ اور سورۂ تبارک الذي'' نہ پڑھ لیتے تھے۔ خالد بن مَعْدَانؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہونچی ہے کہ ایک شخص بڑا گناہ گار تھا اور ''سورۂ سجدہ'' پڑھا کرتا تھا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں پڑھتا تھا، اس سورۃ نے اپنے پَر[1] اس شخص پر پھیلا دیے کہ اے رب! یہ شخص میری بہت تلاوت کرتا تھا، اس کی شفاعت قبول کی گئی اور حکم ہو گیا کہ ہر خطا کے بدلہ ایک نیکی دی جائے۔ خالد بن معدانؒ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ سورۃ اپنے پڑھنے والے کی طرف سے قبر میں جھگڑتی ہے اور کہتی ہے کہ اگر میں تیری کتاب میں سے ہوں تو میری شفاعت قبول کر، ورنہ مجھے اپنی کتاب سے مٹا دے اور بمنزِلَہ پرندہ کے بن جاتی ہے اور اپنے پَر میّت پر پھیلا دیتی ہے اور اس پر عذابِ قبر ہونے سے مانع[2] ہوتی ہے اور یہی سارا مضمون وہ ''تبارک الذي'' کے بارے میں بھی کہتے ہیں۔ خالد بن معدانؒ اس وقت تک نہ سوتے تھے جب تک دونوں سورتیں نہ پڑھ لیتے۔ طاؤسؒ کہتے ہیں کہ یہ دونوں سورتیں تمام قرآن کی ہر سورت پر ساٹھ نیکیاں زیادہ رکھتی ہیں۔ عذابِ قبر کوئی معمولی چیز نہیں ہر شخص کو مرنے کے بعد سب سے پہلے قبر سے سابقہ پڑتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ رِیش[3] مبارک تر ہو جاتی، کسی نے پوچھا کہ آپ جنت وجہنم کے تذکرہ سے بھی اتنا نہیں روتے جتنا کہ قبر سے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ قبر منازِلِ[4] آخرت میں سب سے پہلی منزل ہے، جو شخص اس کے عذاب سے نجات پالے، آئندہ کے واقعات اس کے لیے سَہْل[5] ہوتے ہیں اور اگر اس سے نجات نہ پائے تو آنے والے حوادِث[6] اس سے سخت ہوتے ہیں۔ نیز میں نے یہ بھی سنا ہے کہ قبر سے زیادہ مُتَوَحِّش[7] کوئی منظر نہیں۔ [جمع الفوائد] اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ بِفَضْلِكَ وَمَنِّكَ[8].

حل لغات: (۱) بازو۔ (۲) رکاوٹ۔ (۳) داڑھی۔ (۴) منزل کی جمع۔ (۵) آسان۔ (۶) مصیبتیں۔ (۷) گھبرا دینے والا۔ (۸) اے اللہ اپنے فضل واحسان سے ہماری اس سے حفاظت فرما۔

⑤ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَارَسُوْلَ اللهِ! أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: اَلْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ، قَالَ: يَارَسُوْلَ اللهِ! مَا الْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ قَالَ: صَاحِبُ الْقُرْاٰنِ يَضْرِبُ مِنْ أَوَّلِهٖ حَتّٰى يَبْلُغَ اٰخِرَهٗ وَمِنْ اٰخِرِهٖ حَتّٰى يَبْلُغَ أَوَّلَهٗ؛ كُلَّمَا حَلَّ ارْتَحَلَ.

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ بہترین اعمال میں سے کون سا عمل ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حَالِ مُرتَحِل، لوگوں نے پوچھا کہ حال مُرتَحِل کیا چیز ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ صاحب قرآن ہے جو اول سے چلے حتّٰی کہ اخیر تک پہونچے اور اخیر کے بعد پھر اول پر پہونچے، جہاں ٹھہرے پھر آگے چل دے۔

[رواه الترمذي كما في الرحمة والحاكم، وقال: تفرد به صالح المري وهو من زهاد أهل البصرة إلا أن الشيخين لم يخرجاه، وقال الذهبي: صالح متروك. قلت: هو من رواة أبي داوٗد والترمذي]

حَال کہتے ہیں مَنزِل پر آنے والے کو اور مُرتَحِل کوچ[1] کرنے والے کو، یعنی یہ کہ جب کلام پاک ختم ہوجائے تو پھر ازسرِ نو شروع کرلے، یہ نہیں کہ بس اب ختم ہوگیا دوبارہ پھر دیکھا جائے گا۔ کَنزُالعُمّال کی ایک روایت میں اس کی شرح وارد ہوئی اَلْخَاتِمُ الْمُفْتِحُ ختم کرنے والا اور ساتھ ہی شروع کرنے والا یعنی ایک قرآن ختم کرنے کے بعد ساتھ ہی دوسرا شروع کرلے۔

اسی سے غالبًا وہ عادت ماخوذ[2] ہے جو ہمارے دِیار[3] میں مُتعارَف[4] ہے کہ ختم قرآن شریف کے بعد ﴿مُفْلِحُوْنَ﴾ تک پڑھا جاتا ہے، مگر اب لوگ اسی کو مُستَقِل ادب سمجھتے ہیں اور پھر پورا کرنے کا اہتمام نہیں کرتے، حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ دراصل مَعًا[5] دوسرا قرآن شریف شروع کرنا بظاہر مقصود ہے جس کو پورا بھی کرنا چاہیے۔ شَرحِ اِحیاء میں اور عَلّامہ سیوطیؒ نے اِتقَان میں بروایتِ دَارَمی نقل کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھا کرتے تو سورۂ بقرہ سے ﴿مُفْلِحُوْنَ﴾ تک ساتھ ہی پڑھتے اور اس کے بعد ختمِ قرآن کی دُعا فرماتے تھے۔

⑥ عَنْ أَبِي مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: تَعَاهَدُوا الْقُرْاٰنَ، فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَهُوَ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِّنَ الْإِبِلِ فِيْ عُقُلِهَا. [رواه البخاري ومسلم]

ابوموسیٰ اَشعَرِی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ قرآن شریف کی خبر گیری[6] کیا کرو، قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ قرآنِ پاک جلد نِکل جانے والا ہے سینوں سے، بہ نسبت اونٹ کے اپنی رَسّیوں سے۔

یعنی آدمی اگر جانور کی حفاظت سے غافل ہوجاوے اور وہ رَسّی سے نکل جاوے تو بھاگ جاوے گا، اسی طرح کلام پاک کی اگر حفاظت نہ کی جاوے تو وہ بھی یاد نہیں رہے گا اور بھول جاوے گا؛ اور اصل بات

حل لغات: ① سفر کے لیے نکلنا۔ ② نکالی گئی۔ ③ علاقہ۔ ④ مشہور۔ ⑤ ساتھ ہی۔ ⑥ دیکھ بھال۔

یہ ہے کہ کلام اللہ شریف کا حِفظ یاد ہوجانا درحقیقت یہ خود قرآن شریف کا ایک کُھلا ہوا مُعجِزہ ہے، ورنہ اس سے آدھی تہائی مِقدار کی کتاب بھی یاد ہونا مشکل ہی نہیں، بلکہ قریب بہ مُحال ہے، اسی وجہ سے حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کے یاد ہوجانے کو ''سورۂ قمر'' میں بطورِ احسان کے ذکر فرمایا اور بار بار اس پر تنبیہ فرمائی ہے: ﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾ ﴾ [سورۂ قمر] کہ ہم نے کلام پاک کو حفظ کرنے کے لیے سَہل کر رکھا ہے، کوئی ہے حفظ کرنے والا۔ صاحبِ جَلالَین نے لکھا ہے کہ اِستِفہام[2] اس آیت میں اَمر کے معنی میں ہے، تو جس چیز کو حق تعالیٰ شانہٗ بار بار تاکید سے فرما رہے ہوں اس کو ہم مسلمان لغو اور حماقَت اور بے کار اِضاعتِ[3] وقت سے تعبیر کرتے ہوں، اس حماقَت کے بعد پھر بھی ہماری تباہی کے لیے کسی اور چیز کے انتظار کی ضرورت باقی ہے؟ تعجب کی بات ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام اگر اپنی یاد سے ''تورات'' لکھادیں تو اس کی وجہ سے اللہ کے بیٹے پکارے جاویں اور مسلمانوں کے لیے اللہ جَلَّ شانہٗ نے اس لطف واِحسان کو عام فرما رکھا ہے تو اس کی یہ قدردانی کی جاوے؟ ﴿ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ ﴾ [سورۂ شعراء] بالجملہ یہ محض حق تعالیٰ شانہٗ کا لطف وانعام ہے کہ یہ یاد ہوجاتا ہے، اس کے بعد اگر کسی شخص کی طرف سے بے توجُّہی پائی جاتی ہے تو اُس سے بھلا دیا جاتا ہے، قرآن شریف پڑھ کر بھلا دینے میں بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھ پر اُمت کے گناہ پیش کیے گئے، میں نے اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں پایا کہ کوئی شخص قرآن شریف پڑھ کر بُھلا دے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ جو شخص قرآن شریف پڑھ کر بُھلا دے قیامت کے دن اللہ کے دربار میں کوڑھی حاضر ہوگا۔ ''جَمعُ الفَوائد'' میں رزین کی روایت سے آیتِ ذیل[5] کو دلیل بنایا ہے: اِقْرَءُوْٓا اِنْ شِئْتُمْ ﴿ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ ﴾ [سورۂ طٰہٰ] جو شخص ہمارے ذکر سے اِعراض[6] کرتا ہے اس کی زندگی تنگ کر دیتے ہیں اور قیامت کے روز اس کو اندھا اُٹھائیں گے، وہ عرض کرے گا کہ یا اللہ! میں تو آنکھوں والا تھا مجھے اَندھا کیوں کر دیا؟ ارشاد ہوگا: اس لیے کہ تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں اور تو نے ان کو بھلا دیا، بس آج تو بھی اسی طرح بھلا دیا جاوے گا یعنی تیری کوئی اِعانت[7] نہیں۔

⑦ عَنْ بُرَيْدَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ يَتَأَكَّلُ بِهِ النَّاسَ جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَوَجْهُهٗ عَظْمٌ لَيْسَ عَلَيْهِ لَحْمٌ. [رواه البيهقي في شعب الإيمان]	بُرَیدہ رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے تاکہ اس کی وجہ سے کھاوے لوگوں سے، قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے گا کہ اُس کا چہرہ مَحْض ہڈی ہوگا جس پر گوشت نہ ہوگا۔

حل لغات: ① ناممکن کے قریب ہے۔ ② سوال کرنا۔ ③ وقت کو برباد کرنا۔ ④ مراد لینا۔ ⑤ نیچے کی آیت۔ ⑥ منہ پھیرنا۔ ⑦ مدد۔

یعنی جو لوگ قرآن شریف کو طلبِ[1] دُنیا کی غرض سے پڑھتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہم قرآن شریف پڑھتے ہیں اور ہم میں عَجَمِی[2] و عَرَبِی ہر طرح کے لوگ ہیں جس طرح پڑھتے ہو پڑھتے رہو، عنقریب ایک جماعت آنے والی ہے جو قرآن شریف کے حروف کو اس طرح سیدھا کریں گے جس طرح تیر سیدھا کیا جاتا ہے۔ یعنی خوب سنواریں گے ایک ایک حرف کو گھنٹوں درست کریں گے اور مَخَارِج[3] کی رعایت میں خوب تَکَلُّف کریں گے اور یہ سب دُنیا کے واسطے ہوگا آخرت سے ان لوگوں کو کچھ بھی سَرو[4] کار نہ ہوگا۔ مقصد یہ ہے کہ محض خوش آوازی[5] بے کار ہے جب کہ اس میں اِخلاص نہ ہو محض دنیا کمانے کے واسطے کیا جاوے۔ چہرہ پر گوشت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب اُس نے اَشرَفُ[6] الْاَشْیَاءِ کو ذلیل چیز کمانے کا ذریعہ کیا، تو اَشرَفُ[7] الْاَعْضَاء چہرہ کو رونق سے محروم کر دیا جائے گا۔ عِمرَان بن حُصَین ؓ کا ایک واعظ پر گذر ہوا جو تلاوت کے بعد لوگوں سے کچھ طلب کر رہا تھا، یہ دیکھ کر انھوں نے اِنَّا لِلّٰہِ پڑھی اور فرمایا کہ میں نے حضورِ اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص تلاوت کرے اس کو جو مانگنا ہو اللہ سے مانگے، عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو پڑھنے کے بعد لوگوں سے بھیک مانگیں گے۔ مَشَائِخ سے منقول ہے کہ جو شخص علم کے ذریعے سے دُنیا کماوے اس کی مثال ایسی ہے کہ جوتے کو اپنے رُخسَار[8] سے صاف کرے، اس میں شک نہیں کہ جوتا تو صاف ہو جاوے گا مگر چہرہ سے صاف کرنا حمَاقَت[9] کی مُنتَہا[10] ہے؛ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوا ہے: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى﴾ الآیۃ [سورۂ بقرہ:١٦] (یہی لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلہ میں گُمراہی خریدی ہے، پس نہ ان کی تجارت کچھ نفع والی ہے اور نہ یہ لوگ ہِدَایَت یَافتَہ ہیں) اُبَیُّ بن کَعب ؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو قرآن شریف کی ایک سورۃ پڑھائی تھی اُس نے ایک کمان مجھے ہدیہ کے طور سے دی، میں نے حضور ﷺ سے اس کا تَذکِرَہ کیا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جہنم کی ایک کمان تو نے لے لی۔ اسی طرح کا واقعہ عُبَادَۃ بْنِ الصَّامِتْ ؓ نے اپنے متعلق نقل کیا اور حضور ﷺ کا یہ جواب نقل کیا کہ جہنم کی ایک چنگاری اپنے مونڈھوں کے درمیان لٹکا دی۔ دوسری روایت میں ہے کہ اگر تو چاہے کہ جہنم کا ایک طوق گلے میں ڈالے تو اس کو قبول کر لے۔

یہاں پہونچ کر میں اُن حُفَّاظ کی خدمت میں جن کا مقصود قرآن شریف کے مَکتَبُوں سے فقط پیسہ ہی کمانا ہے، بڑے ادب سے عرض کروں گا کہ لِلّٰہِ اپنے مَنصَب[11] اور اپنی ذمہ داری کا لِحَاظ[12] کیجیے، جو لوگ آپ کی بدنیتوں کے حملہ کی وجہ سے کلام مجید پڑھانا یا حفظ کرانا بند کرتے ہیں اس کے وبال میں وہ تنہا گرفتار نہیں،

حل لغات: (۱) دنیا حاصل کرنا۔ (۲) عربوں کے علاوہ دوسرے لوگ۔ (۳) حروف کے نکلنے کی جگہ۔ (۴) لگاؤ۔ (۵) اچھی آواز۔ (۶) سب سے زیادہ باعزت چیز۔ (۷) سب سے زیادہ باعزت عضو۔ (۸) گال۔ (۹) بے وقوفی۔ (۱۰) حد۔ (۱۱) عہدہ۔ (۱۲) خیال۔

خود آپ لوگ بھی اس کے جَوَاب دِہ[1] اور قرآن پاک کے بند کرنے والوں میں شریک ہیں۔ آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم اِشَاعَت[2] کرنے والے ہیں، لیکن درحقیت اس اشاعت کے روکنے والے ہم ہی لوگ ہیں، جن کی بَدْاَطْوَارِیاں[3] اور بَدنِیَّتِیَاں دُنیا کو مجبور کررہی ہیں کہ وہ قرآنِ پاک ہی کو چھوڑ کر بیٹھیں۔ عُلَمَاء نے تعلیم کی تنخواہ کو اس لیے جائز نہیں فرمایا کہ ہم لوگ اسی کو مقصود بنالیں، بلکہ حقیقتاً مُدَرِّسِیْن کی اصل غرض صرف تعلیم اوراشاعت علم وقرآن شریف ہونے کی ضرورت ہے اور تنخواہ اس کا مُعَاوَضہ[4] نہیں بلکہ رفعِ ضَرورت[5] کی ایک صورت ہے، جس کو مجبوراً اور اِضْطِرَار[6] کی وجہ سے اختیار کیا گیا۔

تَتِمَّہ: کلام پاک کے اِن سب فضائل اور خوبیوں کے ذکر کرنے سے مقصود اس کے ساتھ محبت پیدا کرنا ہے؛ اس لیے کہ کلام اللہ شریف کی محبت حق تعالیٰ شانہٗ کی محبت کے لیے لَازِم ومَلْزُوم[7] ہے اور ایک کی محبت دوسرے کی محبت کا سبب ہوتی ہے، دُنیا میں آدمی کی خِلقَت[8] صرف اللہ جلَّ شانہٗ کی مَعْرِفَت[9] کے لیے ہوئی ہے اور آدمی کے علاوہ سب چیز کی خِلقَت آدمی کے لیے۔

اَبْرو باد ومَہ وخُورشید وَفلَک دَرْ کارَنْد　　　تا تُو نانے بَکَف آرِی وبَغفلَتْ نَخُورِی

ہَمَہ اَزْ بہرِ تُو سَرْگَشْتَہ وَ فرمَانبَرْدَار　　　شَرْطِ اِنْصَاف نَہ بَاشَدْ کہ تُو فرمَاں نَبَرِی

کہتے ہیں بادل وہوا، چاندسورج، آسمان وزمین غرض ہرچیز تیری خَاطِر کام میں مشغول ہے تاکہ تو اپنی حَوَائج[10] ان کے ذریعہ سے پوری کرے اور عِبرَت کی نگاہ سے دیکھے کہ آدمی کی ضروریات کے لیے یہ سب چیزیں کس قدر فرمانبردار و مُطِیع اور وقت پر کام کرنے والی ہیں اور تنبیہ کے لیے کبھی کبھی ان میں تَخَلُّف[11] بھی تھوڑی دیر کے لیے کردیا جاتا ہے، بارش کے وقت بارش نہ ہونا، ہوا کے وقت ہوا نہ چلنا، اسی طرح گرہن کے ذریعہ سے چاند، سورج، غرض ہرچیز میں کوئی تَغَیُّر[12] بھی پیدا کیا جاتا ہے، تاکہ ایک غافل کے لیے تنبیہ کا تازِیَانہ[13] بھی لگے، اس سب کے بعد حَیرَت کی بات ہے کہ تیری وجہ سے یہ سب چیزیں تیری ضروریات کے تابع کی جاویں اور ان کی فرمانبرداری بھی تیری اطاعت اور فرمانبرداری کا سبب نہ بنے اور اطاعت وفرمانبرداری کے لیے بہترین مُعِیْن[14] محبت ہے ''إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعٌ''، جب کسی شخص سے محبت ہوجاتی ہے عِشْق وفَرِیفتگی[15] پیدا ہوجاتی ہے تو اس کی اطاعت وفرمانبرداری طبیعت اور عادت بن جاتی ہے اور اس کی نافرمانی ایسی ہی گِراں[16] اور شَاق[17] ہوتی ہے جیسا کہ بغیر محبت کے کسی کی اطاعت خلافِ عادت وطبع ہونے کی وجہ سے بار ہوتی ہے، کسی چیز سے محبت پیدا کرنے کی صورت اس کے کمالات وجمال

حل لغات: (۱) ذمے دار۔ (۲) پھیلانا۔ (۳) بداعمالیاں۔ (۴) بدلہ۔ (۵) ضرورت پوری ہونا۔ (۶) بہت زیادہ ضرورت۔ (۷) یعنی دونوں ایک دوسرے کے لیے ضروری ہیں۔ (۸) پیدائش۔ (۹) پہچان۔ (۱۰) ضروریات۔ (۱۱) پیچھے رہ جانا۔ (۱۲) تبدیلی۔ (۱۳) کوڑا۔ (۱۴) مددگار۔ (۱۵) انتہائی لگاؤ۔ (۱۶) بھاری۔ (۱۷) دشوار۔

کا مُشَاہَدَہ[1] ہے، حَوَاسِّ ظَاہِرَہ[2] سے ہو یا حَوَاسِّ بَاطِنَہ[3] میں اِستِحضَار[4] سے، اگر کسی کے چہرہ کو دیکھ کر بے اِختِیار اس سے وابستگی[5] ہوجاتی ہے تو کسی کی دِل آوِیز[6] آواز بھی بَسَا اَوقات مَقنَاطِیس[7] کا اثر رکھتی ہے۔

نہ تنہا عشق از دِیدَار خِیزَد بَسَا کِیں دَولَت از گُفتَار خِیزَد

عشق ہمیشہ صورت ہی سے پیدا نہیں ہوتا، بسا اوقات یہ مبارک دولت بات سے بھی پیدا ہوجاتی ہے۔ کان میں آواز پڑ جانا اگر کسی کی طرف بے اختیار کھینچتا ہے، تو کسی کے کلام کی خوبیاں، اُس کے جوہر[8]، اس کے ساتھ اُلفت[9] کا سبب بن جاتی ہیں۔ کسی کے ساتھ عشق پیدا کرنے کی تدبیر اہلِ فن نے یہ بھی لکھی ہے کہ اس کی خوبیوں کا اِستِحضَار کیا جاوے، اس کے غیر کو دل میں جگہ نہ دی جاوے، جیسا کہ عشقِ طبعی میں یہ سب باتیں بے اِختِیار ہوتی ہیں، کسی کا حسین چہرہ یا ہاتھ نظر پڑ جاتا ہے تو آدمی سعی کرتا ہے کوشش کرتا ہے کہ بَقِیَّہ اَعضَاء کو دیکھے تاکہ محبت میں اِضَافَہ ہو، قَلب کو تسکین[10] ہو، حالانکہ تسکین ہوتی نہیں۔

مَرَض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی

کسی کھیت میں بیج ڈالنے کے بعد اگر اس کی آبپاشی[11] کی خبر نہ لی گئی تو پیداوار نہیں ہوتی، اگر کسی کی محبت دل میں بے اختیار آجانے کے بعد اس کی طرف اِلتِفَات[12] نہ کیا جاوے تو آج نہیں تو کل دل سے محو[13] ہوجاوے گی، لیکن اس کے خط و خال[14] سراپا اور رفتار[15] و گفتار کے تصوُّر سے اُس قلبی بیج کو سینچتا رہے تو اس میں ہر لحظہ اِضَافَہ ہوگا۔

مکتبِ عشق کے اَندازِ نِرالے دیکھے اس کو چُھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

اس سبق کو بھلادو گے فوراً چھٹی مل جاوے گی، جتنا جتنا یاد کرو گے اتنا ہی جکڑے جاؤ گے۔ اسی طرح کسی قابلِ عشق سے محبت پیدا کرنی ہو تو اس کے کمالات اس کی دل آویزیوں[16] کا تَتَبُّع[17] کرے، جوہروں کو تلاش کرے اور جس قدر معلوم ہوجاویں اس پر بس نہ کرے بلکہ اس سے زائد کا مُتَلَاشِی[18] ہو کہ فنا ہونے والے محبوب کے کسی ایک عضو کے دیکھنے پر قناعت نہیں کی جاتی، اس سے زیادہ کی ہَوَس جہاں تک کہ امکان میں ہو باقی رہتی ہے۔ حق سبحانہٗ وتَقَدَّس جو حقیقتاً ہر جمال وحسن کا مَنبَع[19] ہیں اور حقیقتاً دنیا میں کوئی بھی جمال[20] ان کے علاوہ نہیں ہے، یقیناً ایسے محبوب ہیں کہ جن کے کسی جمال وکمال پر بس نہیں، نہ اس کی کوئی غایت[21]، ان ہی بے نہایت کمالات میں سے اُن کا کلام بھی ہے جس کے متعلق میں پہلے اِجمالاً[22] کہہ چکا ہوں کہ اس اِنتساب[23] کے بعد پھر کسی کمال کی ضرورت نہیں، عُشَّاق کے لیے اس انتساب کے برابر اور کون سی چیز ہوگی۔

حل لغات: (۱) دیکھنا۔ (۲) وہ ظاہری اعضاء جن سے کسی چیز کا پتہ چلتا ہو۔ (۳) وہ دکھائی نہ دینے والی قوت جس سے کسی چیز کا پتہ چلتا ہو۔ (۴) یاد۔ (۵) محبت۔ (۶) دل لبھانے والی۔ (۷) کھینچنے کی طاقت۔ (۸) ہنر۔ (۹) محبت۔ (۱۰) سکون۔ (۱۱) سینچائی۔ (۱۲) توجہ۔ (۱۳) ختم۔ (۱۴) مکمل شکل وصورت۔ (۱۵) چال چلن۔ (۱۶) دل لبھانے والی چیزیں۔ (۱۷) تلاش۔ (۱۸) ڈھونڈنے والا۔ (۱۹) نکلنے کی جگہ۔ (۲۰) خوبصورتی۔ (۲۱) انتہا۔ (۲۲) مختصر طور پر۔ (۲۳) نسبت۔

اے[1] گُل بتوخرسندم تو بُوئے کسے داری

قطعِ[2] نظراس سے کہ اس انتساب کو اگر چھوڑ بھی دیا جائے کہ اس کا مُوجِد[3] کون ہے اور وہ کس کی صفت ہے، تو پھر حضورِ اقدس ﷺ کے ساتھ اس کو جو نسبتیں ہیں ایک مسلمان کی فریفتگی کے لیے وہ کیا کم ہیں، اگر اس سے بھی قطع[4] نظر کی جاوے تو خود کلام پاک ہی میں غور کیجیے کہ کونسی خوبی دُنیا میں ایسی ہے جو کسی چیز میں پائی جاتی ہے اور کلام پاک میں نہ ہو۔

دامانِ[5] نگہ تنگ و گُلِ حُسنِ تو بسیار گل چینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

فدا ہو آپ کی کس کس ادا پر ادائیں لاکھ اور بیتاب دل ایک

اَحادیثِ سابِقَہ کو غور سے پڑھنے والوں پر مخفی[6] نہیں کہ کوئی بھی چیز دنیا میں ایسی نہیں جس کی طرف احادیث بالا میں متوجہ نہ کر دیا ہو اور انواعِ[7] محبت وافتخار میں سے کسی نوع کا دِلدادہ بھی ایسا نہ ہوگا کہ اسی رنگ میں کلام اللہ شریف کی افضلیت و برتری اس نوع میں کمال درجہ کی نہ بتلا دی گئی ہو، مثلاً کُلّی[8] اور اِجمالی[9] بہترائی جو دنیا بھر کی چیزوں کو شامل ہے، ہر جمال وکمال اس میں داخل ہے، سب سے پہلی حدیث: نمبر (۱) نے کُلّی طور پر ہر چیز سے اس کی افضلیت اور برتری بتلا دی، محبت کی کوئی سی نوع لے لیجیے، کسی شخص کو اَسبابِ غیر مُتناہِیہ[10] میں سے کسی وجہ سے کوئی پسند آئے، قرآن شریف اُسی کُلّی افضلیت میں اس سے افضل ہے، اس کے بعد بِالعُمُوم جو اسباب تعلق ومحبت ہوتے ہیں، جُزئیات[11] وتمثیل[12] کے طور سے اُن سب پر قرآن شریف کی افضلیت بتلا دی گئی، اگر کسی کو ثمرات[13] اور مَنافع کی وجہ سے کسی سے محبت ہوتی ہے تو اللہ جلّ شانہٗ کا وعدہ ہے کہ ہر مانگنے والے سے زیادہ عطا کروں گا۔ حدیث: (۲) اگر کسی کو ذاتی فضیلت، ذاتی جوہر، ذاتی کمال سے کوئی بھاتا[14] ہے تو اللہ جلّ شانہٗ نے بتلا دیا کہ دُنیا کی ہر بات پر قرآن شریف کو اتنی فضیلت ہے جتنی خالق کو مخلوق پر، آقا کو بندوں پر، مالک کو مملوک[15] پر۔ حدیث: (۳) اگر کوئی مال ومتاع حَشَم[16] وخَدَم اور جانوروں کا گرِوِیدہ[17] ہے اور کسی نوع کے جانور پالنے پر دل کھوئے ہوئے ہے، تو جانوروں کے بے مشقت حاصل کرنے سے تحصیل کلام پاک کی افضلیت پر مُتنبِّہ کر دیا۔ حدیث: (۴) اگر کوئی صوفی تقدُّس[18] وتقویٰ کا بھوکا ہے اس کے لیے سَرگرداں[19] ہے تو حضور ﷺ نے بتلا دیا کہ قرآن کے ماہر کا ملائکہ کے ساتھ شُمار ہے، جن کی برابری تقویٰ کا ہونا مشکل ہے کہ ایک آن[20] بھی خلافِ اطاعت نہیں گزار سکتے۔ حدیث: (۵) اگر

حل لغات: (۱) اے پھول میں تجھ سے خوش ہوں اس لیے کہ تو کسی محبوب کی خوشبو رکھتا ہے۔ (۲) اس کے علاوہ۔ (۳) پیدا کرنے والا۔ (۴) نظر ہٹائی جائے۔ (۵) نگاہ کا دامن تنگ ہے اور تیرے حسن کے پھول بہت ہیں، تیری بہار کے پھول توڑنے والے کو دامن سے شکایت ہے۔ (۶) چھپا ہوا۔ (۷) قسمیں۔ (۸) تمام۔ (۹) مختصر۔ (۱۰) بے انتہا۔ (۱۱) چھوٹی چھوٹی باتیں۔ (۱۲) مثال۔ (۱۳) نتیجے۔ (۱۴) اچھا لگنا۔ (۱۵) غلام۔ (۱۶) نوکر چاکر۔ (۱۷) عاشق۔ (۱۸) پاکیزگی (۱۹) پریشان۔ (۲۰) لمحہ۔

کوئی شخص دوہرا حصہ ملنے پر اِفتخار کرتا ہے یا اپنی بڑائی اسی میں سمجھتا ہے کہ اس کی رائے دوراؤں کی برابر شمار کی جاوے تو اَٹکنے والے کے لیے دُوہرا[1] اجر ہے۔ حدیث: (۶) اگر کوئی حاسد بداخلاقیوں کا مَتْوالا[2] ہے دُنیا میں حَسَد ہی کا خوگر[3] ہوگیا ہو اس کی زندگی حسد سے نہیں ہٹ سکتی، تو حضور ﷺ نے بتلادیا کہ اس قابل جس کے مال پر واقعی حسد ہوسکتا ہے وہ حافظِ قرآن ہے۔ حدیث: (۷) اگر کوئی فَواکِہ[4] کا مَتْوالا ہے، اس پر جان دیتا ہے، پھل بغیر اس کو چین نہیں پڑتا، تو قرآن شریف تُرنج[5] کی مُشابَہت رکھتا ہے۔ حدیث: (۸) اگر کوئی میٹھے کا عاشق ہے، مٹھائی بغیر اس کا گذر نہیں، تو قرآن شریف کھجور سے زیادہ میٹھا ہے، اگر کوئی شخص عزت ووقار کا دِلدَادہ[6] ہے مِمبَری اور کونسل بغیر اس سے نہیں رہا جاتا، تو قرآن شریف دُنیا اور آخرت میں رفعِ درجات[7] کا ذریعہ ہے۔ حدیث: (۹) اگر کوئی شخص مُعِین ومددگار چاہتا ہے، ایسا جاں نثار چاہتا ہے کہ ہر جھگڑے میں اپنے ساتھی کی طرف سے لڑنے کو تیار ہے، تو قرآن شریف سُلطانُ السَّلاطِین[8] مَلِکُ المُلوک شہنشاہ سے اپنے ساتھی کی طرف سے جھگڑنے کو تیار ہے۔ حدیث: (۱۰) اگر کوئی نُکتہ رَس[9] باریک بِینِیوں میں عمر خرچ کرنا چاہتا ہے اس کے نزدیک ایک باریک نُکتہ حاصل کرلینا دُنیا بھر کے لَذّات سے اَغراض کو کافی ہے تو بطنِ[10] قرآن شریف دَقائِق[11] کا خزانہ ہے۔ حدیث: (۱۱) اسی طرح اگر کوئی شخص مَخفِی[12] رازوں کا پتہ لگانا کمال سمجھتا ہے، محکمہ سی آئی ڈی میں تَجرِبہ کو ہُنر سمجھتا ہے عمر کھپاتا ہے، تو بطنِ قرآن شریف اُن اَسرارِ مَخفِیَہ[13] پر متنبہ کرتا ہے جن کی انتہا نہیں، اگر کوئی شخص اونچے مکانات بنانے پر مررہا ہے، ساتویں منزل پر اپنا خاص کمرہ بنانا چاہتا ہے تو قرآن شریف ساتویں ہزار منزل پر پہونچاتا ہے۔ حدیث: (۱۲) اگر کوئی اس کا گرْوِیدہ[14] ہے کہ ایسی سہل تجارت کروں جس میں محنت کچھ نہ ہو اور نفع بہت سا ہوجاوے، تو قرآن شریف ایک حرف پر دس نیکیاں دلاتا ہے۔ حدیث: (۱۳) اگر کوئی تاج وتخت کا بھوکا ہے اس کی خَاطِر دنیا سے لڑتا ہے، تو قرآن شریف اپنے رفیق کے والدین کو بھی وہ تاج دیتا ہے جس کی چمک دمک کی دُنیا میں کوئی نظیر ہی نہیں۔ حدیث: (۱۴) اگر کوئی شُعبَدہ[15] بازی میں کمال پیدا کرتا ہے آگ ہاتھ پر رکھتا ہے، جَلتی دِیا سلائی منہ میں رکھ لیتا ہے، تو قرآن شریف جہنم تک کی آگ کو اثر کرنے سے مانع ہے۔ حدیث: (۱۵) اگر کوئی حُکّام رَسِی[16] پر مرتا ہے اس پر ناز ہے کہ ہمارے ایک خط سے فلاں حاکم نے اس مُلزِم کو چھوڑ دیا، ہم نے فلاں شخص کو سزا نہیں ہونے دی، اتنی سی بات حاصل کرنے کے لیے جَجْ وکَلکٹر کی دعوتوں اور خوشامدوں[17] میں جان ومال ضائع کرتا ہے، ہر روز کسی نہ کسی حاکم کی دعوت میں سَرگرداں[18] رہتا ہے، تو قرآن شریف اپنے ہر رفیق کے ذریعہ ایسے دس شخصوں کو

حل لغات: (۱) دوگنا بدلہ۔ (۲) نشہ میں چور۔ (۳) عادی۔ (۴) میوے۔ (۵) لیموں کی طرح کا ایک عمدہ پھل۔ (۶) عاشق۔ (۷) درجات کی بلندی۔ (۸) شہنشاہ۔ (۹) ذہین۔ (۱۰) اندر۔ (۱۱) باریکیوں۔ (۱۲) چھپے ہوئے۔ (۱۳) پوشیدہ راز۔ (۱۴) عاشق۔ (۱۵) نظر بندی۔ (۱۶) حاکموں تک پہونچ۔ (۱۷) چاپلوسی۔ (۱۸) پریشان۔

خَلَاصی[۱] دلاتا ہے جن کو جہنم کا حکم مل چکا ہے۔ حدیث: (۱۶) اگر کوئی خوشبوؤں پر مرتا ہے چمن اور پھولوں کا دِلدادہ ہے تو قرآن شریف بَالْ[۲] چھڑ ہے۔ حدیث: (۱۷) اور اگر کوئی عُطُور[۳] کا فَرِیفتہ ہے حِنَائے مُشکی[۴] میں غسل چاہتا ہو تو کلام مجید سراپا مُشک ہے اور غور کرو گے تو معلوم ہو جاوے گا کہ اس مشک سے اس مشک کو کچھ بھی نسبت نہیں، چہ نسبت[۵] خاک را با عالَمِ پاک؟

کارِ[۶] زُلفِ تُست مُشک اَفشانی اَمّا عاشِقاں　　مَصلِحَت را تُہمَتے بَر آہُوئے چِیں بَستہ اند

حدیث: (۱۸) اگر کوئی جوتہ کا آشنا ڈر سے کوئی کام کرسکتا ہے ترغیب اس کے لیے کارآمد[۷] نہیں، تو قرآن شریف سے خالی ہونا گھر کی بربادی کے برابر ہے۔ حدیث: (۱۹) اگر کوئی عابد افضل العبادات[۸] کی تحقیق میں رہتا ہے اور ہر کام میں اس کا مُتمنّی[۹] ہے کہ جس چیز میں زیادہ ثواب ہو اسی میں مشغول رہوں تو قراءتِ قرآن افضل العبادات ہے اور تصریح[۱۰] سے بتلا دیا کہ نفل نماز روزہ، تسبیح و تہلیل وغیرہ سب سے افضل ہے۔ حدیث: (۲۰) بہت سے لوگوں کو حاملہ جانوروں سے دلچسپی ہوتی ہے، حاملہ جانور قیمتی داموں میں خریدے جاتے ہیں، حضور ﷺ نے مُتنَبِّہ فرمادیا اور خصوصیت سے اس جزو کو بھی مثال میں ذکر فرمایا کہ قرآن شریف اس سے بھی افضل ہے۔ حدیث: (۲۱) اکثر لوگوں کو صحت کی فکر دامن[۱۱] گیر رہتی ہے وَرزِش کرتے ہیں روزانہ غسل کرتے ہیں دوڑتے ہیں، علی الصبح[۱۲] تفریح کرتے ہیں، اسی طرح سے بعض لوگوں کو رنج و غم، فکر و تشویش دامن گیر رہتی ہے، حضور ﷺ نے فرمادیا کہ سورۂ فاتحہ ہر بیماری کی شفا ہے اور قرآن شریف دلوں کی بیماری کو دور کرنے والا ہے۔ حدیث: (۲۲) لوگوں کو افتخار[۱۳] کے اسباب گزشتہ اِفتخارات کے علاوہ اور بھی بہت سے ہوتے ہیں، جن کا اِحاطہ مُشکل ہے اکثر اپنے نسب پر افتخار ہوتا ہے، کسی کو اپنی عادتوں پر، کسی کو اپنی ہر دلعزیزی پر، کسی کو اپنے حسنِ تدبیر پر، حضور ﷺ نے فرمادیا کہ حقیقتاً قابلِ اِفتخار جو چیز ہے وہ قرآن شریف ہے اور کیوں نہ ہو کہ درحقیقت ہر جمال و کمال کو جامع ہے۔

آں[۱۴] چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حدیث: (۲۳) اکثر لوگوں کو خزانہ جمع کرنے کا شوق ہوتا ہے، کھانے اور پہننے میں تنگی کرتے ہیں تکالیف برداشت کرتے ہیں اور ننانوے کے پھیر میں ایسے پھنس جاتے ہیں جس سے نکلنا دشوار ہوتا ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمادیا کہ ذخیرہ کے قابل کلام پاک ہے، جتنا دل چاہے آدمی جمع کرے کہ اس سے بہتر کوئی خزینہ[۱۵] نہیں۔ حدیث: (۲۴) اسی طرح اگر بَرقی روشنیوں کا آپ کو شوق ہے، آپ اپنے کمرہ میں دس قُمقُمے[۱۶]

حل لغات: (۱) چھٹکارا۔ (۲) عمدہ خوشبو، ایک خوشبودار گھاس جو دوا کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ (۳) عطر کی جمع۔ (۴) مشک کی خوشبو۔ (۵) دنیا کا آخرت سے کیا جوڑ۔ (۶) مشک کی خوشبو پھیلانا تیری زلفوں کا کارنامہ ہے، لیکن عاشقوں نے مصلحۃً چین کے ہرن پر اس کی تہمت لگادی۔ (۷) مفید۔ (۸) سب سے اہم عبادت۔ (۹) آرزو کرنے والا۔ (۱۰) وضاحت۔ (۱۱) یعنی لگی رہتی ہے۔ (۱۲) صبح سویرے۔ (۱۳) فخر۔ (۱۴) سب میں ملا کر جو خوبیاں ہیں وہ سب تجھ میں ہیں۔ (۱۵) خزانہ۔ (۱۶) روشنی پھیلانے کے بلب۔

بجلی کے اس لیے نَصَب[1] کرتے ہیں کہ کمرہ جگمگا اٹھے، تو قرآن شریف سے بڑھ کر نورانیت کس چیز میں ہوسکتی ہے۔ حدیث: (۲۵) اگر آپ اس پر جان دیتے ہیں کہ آپ کے پاس ہَدَایا آیا کریں، دوست روزانہ کچھ نہ کچھ بھیجتے رہا کریں، آپ توسیعِ[2] تعلُّقات اسی کے خاطر کرتے ہیں، جو دوست آشنا اپنے باغ کے پھلوں میں آپ کا حصہ نہ لگائے تو آپ اس کی شکایت کرتے ہیں، تو قرآن شریف سے بہتر تحائف دینے والا کون ہے کہ سکینہ اس کے پاس بھیجی جاتی ہے، پس آپ کے کسی پر مرنے کی اگر یہی وجہ ہے کہ وہ آپ کے پاس روزانہ کچھ نَذْرَانَہ لاتا ہے تو قرآن شریف میں اس کا بھی بدل ہے۔ حدیث: (۲۶) اور اگر آپ کسی وزیر کے اس لیے ہر وقت قدم چومتے ہیں کہ وہ دربار میں آپ کا ذکر کردے گا، کسی پیش کار[3] کی اس لیے خوشامد[4] کرتے ہیں کہ وہ کلکٹر کے یہاں آپ کی کچھ تعریف کردے گا، یا کسی کی آپ اس لیے چاپلوسی کرتے ہیں کہ محبوب کی مجلس میں آپ کا ذکر کردے، تو قرآن شریف اَحکم الحاکمین[5] محبوبِ حقیقی کے دربار میں آپ کا ذکر خود محبوب وآقا کی زبان سے کراتا ہے۔ حدیث: (۲۷) اگر آپ اس کے جُویاں[6] رہتے ہیں کہ محبوب کو سب سے زیادہ مرغوب[7] کیا چیز ہے کہ اس کے مُہَیَّا کرنے میں پہاڑوں سے دودھ کی نہر نکالی جائے تو قرآن شریف کی برابر آقا کو کوئی چیز بھی مرغوب نہیں۔ حدیث: (۲۸) اگر آپ درباری بننے میں عمر کھپا رہے ہیں، سلطان کے مُصَاحِب[8] بننے کے لیے ہزار تدبیر اختیار کرتے ہیں، تو کلام اللہ شریف کے ذریعہ آپ اس بادشاہ کے مُصَاحِب شمار ہوتے ہیں، جس کے سامنے کسی بڑے سے بڑے کی بادشاہت کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ حدیث: (۲۹) تعجب کی بات ہے کہ لوگ کونسل کی ممبری کے لیے اور اتنی سی بات کے لیے کہ کلکٹر صاحب شکار میں جاویں تو آپ کو بھی ساتھ لے لیں، آپ کس قدر قربانیاں کرتے ہیں، راحت وآرام جان ومال نثار کرتے ہیں، لوگوں سے کوشش کراتے ہیں دین اور دنیا دونوں کو برباد کرتے ہیں، صرف اس لیے کہ آپ کی نگاہ میں اس سے آپ کا اعزاز ہوتا ہے، تو پھر کیا حقیقی اعزاز کے لیے حقیقی حاکم و بادشاہ کی مُصَاحَبَت[9] کے لیے واقعی درباری بننے کے لیے آپ کو ذرا سی توجہ کی بھی ضرورت نہیں؟ آپ اس نُمائشی اعزاز پر عمر خرچ کیجیے، مگر خدارا[10] اس عمر کا تھوڑا سا حصہ عمر دینے والے کی خوشنودی[11] کے لیے بھی تو خرچ کیجیے، اسی طرح اگر آپ میں چِشْتِیَّت پھونک دی گئی ہے اور ان مَجَالِس بغیر آپ کو قرار نہیں تو مجالسِ تلاوت اس سے کہیں زیادہ دل کو پکڑنے والی ہیں اور بڑے سے بڑے مُسْتَغْنِی[12] کے کان اپنی طرف متوجہ کرلیتی ہیں۔ حدیث: (۳۰) و (۳۱) اسی طرح اگر آپ آقا کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں تو تلاوت کیجیے۔ حدیث: (۳۲) اور آپ اسلام کے مُدَّعِی ہیں، مسلم ہونے کا دعویٰ ہے تو حکم ہے نبی کریم ﷺ کا کہ

حل لغات: (۱) لگانا۔ (۲) تعلقات کو عام کرنا۔ (۳) منیجر۔ (۴) چاپلوسی۔ (۵) حاکموں کا حاکم یعنی اللہ تعالیٰ۔ (۶) تلاش کرنے والا۔ (۷) پسندیدہ۔ (۸) خاص دوست۔ (۹) ساتھ رہنا۔ (۱۰) اللہ کے واسطے۔ (۱۱) خوشی۔ (۱۲) بے پرواہ۔

قرآن شریف کی ایسی تلاوت کرو جیسا کہ اس کا حق ہے، اگر آپ کے نزدیک اسلام صرف زبانی جمع خرچ نہیں ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری سے بھی آپ کے اسلام کو کوئی سَرُوکار[1] ہے تو یہ اللہ کا فرمان ہے اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اس کی تلاوت کا حکم ہے۔ حدیث: (۴۳) اگر آپ میں قومی جوش بہت زور کرتا ہے، تُرکی ٹوپی کے آپ صرف اس لیے دِلدادہ ہیں کہ وہ آپ کے نزدیک خالص اسلامی لباس ہے، قومی شِعَار[2] میں آپ بہت خاص دلچسپی رکھتے ہیں، ہر طرح اس کے پھیلانے کی آپ تدبیر اختیار کرتے ہیں، اَخبَارات میں مضامین شائع کرتے ہیں، جلسوں میں رِیزَولیُوشَن[3] پاس کرتے ہیں، تو اللہ کا رسول ﷺ آپ کو حکم دیتا ہے کہ جس قدر مُمکِن ہو قرآن شریف کو پھیلاؤ۔

بےجا[4] نہ ہوگا اگر میں یہاں پہونچ کر سَربَرَآوردَگانِ[5] قوم کی شکایت کروں کہ قرآنِ پاک کی اشاعت میں آپ کی طرف سے کیا اِعَانَت[6] ہوتی ہے اور یہی نہیں بلکہ خدارا ذرا غور سے جواب دیجیے کہ اس کے سلسلہ کو بند کرنے میں آپ کا کس قدر حصہ ہے، آج اس کی تعلیم کو بے کار بتلایا جاتا ہے، اِضَاعَتِ عُمُر[7] سمجھا جاتا ہے، اس کو بے کار دِمَاغ سوزی[8] اور بے نتیجہ عَرَق رِیزی[9] کہا جاتا ہے، ممکن ہے کہ آپ اس کے مُوَافِق نہ ہوں، لیکن ایک جماعت جب ہمہ تَن[10] اس میں کوشاں[11] ہے تو کیا آپ کا سکوت[12] اُس کی اعانت نہیں ہے؟ مانا کہ آپ اس خیال سے بے زار[13] ہیں، مگر آپ کی اس بے زاری نے کیا فائدہ دیا۔

ہم نے مانا کہ تَغَافُل[14] نہ کروگے لیکن　　خاک ہو جائیں گے ہَم تُم کو خبر ہونے تک

آج اس کی تعلیم پر بڑے زور سے اس لیے انکار کیا جاتا ہے کہ مسجد کے مُلّانوں نے اپنے ٹکڑوں کے لیے دھندا کر رکھا ہے، گویہ عامّۃً نیتوں پر حملہ ہے جو بڑی سخت ذمہ داری ہے اور اپنے وقت پر اس کا ثبوت دینا ہوگا، مگر میں نہایت ہی ادب سے پوچھتا ہوں کہ خدارا ذرا اس کو تو غور کیجیے کہ ان خود غَرض[15] مُلّانوں کی ان خود غرضیوں کے ثمرات[16] آپ دنیا میں کیا دیکھ رہے ہیں اور آپ کی ان بے غَرَضَانَہ[17] تجاویز کے ثمرات کیا ہوں گے اور نَشر و اِشَاعَت[18] کلامِ پاک میں آپ کی ان مُفِید تجاویز سے کس قدر مدد ملے گی؟ بہر حال حضور ﷺ کا ارشاد آپ کے لیے قرآن شریف کے پھیلانے کا ہے، اس میں آپ خود ہی فیصلہ کر لیجیے کہ اس ارشادِ نبوی کا کِس درجہ اِمتِثَال[19] آپ کی ذات سے ہوا اور ہو رہا ہے۔ دیکھیے ایک دوسری بات کا بھی خیال رکھیں، بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم اس خیال میں شریک نہیں تو ہم کو کیا، مگر اس سے آپ اللہ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے، صحابہ ؓ نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا تھا: أَنُهْلَكُ وَفِيْنَا الصَّالِحُوْنَ؟ قَالَ:

حل لغات: (۱) تعلق۔ (۲) علامت۔ (۳) تجویز۔ (۴) بے موقع۔ (۵) بڑے لوگ۔ (۶) مدد۔ (۷) عمر کو برباد کرنا۔ (۸) دماغی محنت۔ (۹) محنت۔ (۱۰) مکمل طور پر۔ (۱۱) کوشش کرنا۔ (۱۲) خاموشی۔ (۱۳) ناخوش۔ (۱۴) غفلت۔ (۱۵) مطلب پرست۔ (۱۶) نتیجے۔ (۱۷) یعنی اخلاص والی فکریں۔ (۱۸) پھیلانا۔ (۱۹) حکم ماننا۔

نَعَمْ إِذَا كَثُرَ الْخُبْثُ ''کیا ہم ایسی حالت میں ہلاک ہوجاویں گے کہ ہم میں صُلحاء[1] موجود ہوں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں جب خَبَاثَت غالب ہوجاوے''۔ اسی طرح ایک روایت میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے ایک گاؤں کے اُلٹ دینے کا حکم فرمایا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اس میں فلاں بندہ ایسا ہے کہ جس نے کبھی گناہ نہیں کیا، ارشاد ہوا کہ صحیح ہے، مگر یہ میری نافرمانی ہوتے ہوئے دیکھتا رہا اور کبھی اس کی پیشانی پر بَل[2] نہیں پڑا۔ درحقیقت عُلَمَاء کو یہی اُمور مجبور کرتے ہیں کہ وہ ناجائز اُمور کو دیکھ کر ناگوارِی[3] کا اِظہار کریں، جس کو ہمارے روشن خیال تنگ نظری سے تعبیر کرتے ہیں، آپ حضرات اپنی اِس وُسعَت خیالی اور وُسعَتِ اخلاق پر مُطْمَئِن نہ رہیں کہ یہ فریضہ صرف علماء ہی کے ذمہ نہیں ہر اس شخص کے ذمہ ہے جو کسی ناجائز بات کا وقوع[4] دیکھے اور اس پر ٹوکنے کی قدرت رکھتا ہو پھر نہ ٹوکے۔ بلال بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مَعْصِیَت[5] جب مَخفی[6] طور سے کی جاتی ہے تو اس کا وبال صرف کرنے والے پر ہوتا ہے، لیکن جب کُھلَّم کُھلَّا کی جاوے اور اس پر اِنکار نہ کیا جاوے تو اس کا وبال عام ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر آپ تاریخ کے دِلْدَادہ[7] ہیں، جہاں کہیں مُعْتَبَر تاریخ پرانی تاریخ آپ کو ملتی ہے آپ اس کے لیے سفر کرتے ہیں، تو قرآن شریف میں تمام ایسی کُتُب کا بدل موجود ہے جو قُرونِ[8] سَابِقَہ میں حجت و معتبر مانی گئی ہیں۔

حدیث: (۳۴) اگر آپ اس قدر اونچے مرتبے کے مُتَمَنِّی[9] ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو آپ کی مجلس میں بیٹھنے اور شریک ہونے کا حکم ہو تو یہ بات بھی صرف کلام اللہ شریف میں ہی ملے گی۔ حدیث: (۳۵) اگر آپ اس قدر کاہل ہیں کہ کچھ کر ہی نہیں سکتے تو بے محنت بے مشقت اکرام بھی آپ کو صرف کلام اللہ شریف میں ملے گا کہ چپ چاپ کسی مکتب میں بیٹھے بچوں کا کلام مجید سنے جایئے اور مفت کا ثواب لیجیے۔ حدیث: (۳۶) اگر آپ مُخْتَلِف اَلْوَان[10] کے گَرْوِیدہ[11] ہیں، ایک نوع[12] سے اُکتا جاتے ہیں، تو قرآن شریف کے معنی میں مُختلف اَلوان مُختلف مضامین حاصل کیجیے، کہیں رحمت کہیں عذاب، کہیں قصے کہیں احکام؛ اور کیفیت تلاوت میں کبھی پکار کر پڑھیں اور کبھی آہستہ۔ حدیث: (۳۷) اگر آپ کی سِیَہ کاریاں[13] حد سے مُتجاوِز[14] ہیں اور مرنے کا آپ کو یقین بھی ہے، تو پھر تلاوتِ کلام پاک میں ذرا بھی کوتاہی نہ کیجیے کہ اس درجہ کا سفارشی نہ ملے گا اور پھر ایسا کہ جس کی سفارش کے قبول ہونے کا یقین بھی ہو۔ حدیث: (۳۸) اسی طرح اگر آپ اس قدر باوقار واقع ہوئے ہیں کہ جھگڑالو سے گھبراتے ہیں، لوگوں کے جھگڑے کے ڈر سے آپ بہت سی قربانیاں کر جاتے ہیں، تو قرآن شریف کے مُطالَبہ سے ڈریے کہ اس جیسا جھگڑالو آپ کو نہ ملے گا، فریقین کے جھگڑے میں ہر شخص کا کوئی نہ کوئی طرف دَار[15] ہوتا ہے، مگر اس کے جھگڑنے میں اس کی تصدیق

حل لغات: (۱) نیک لوگ۔ (۲) فرق نہیں پڑا۔ (۳) ناراضگی۔ (۴) ہونا۔ (۵) گناہ۔ (۶) پوشیدہ۔ (۷) عاشق۔ (۸) پچھلے زمانے۔ (۹) خواہش مند۔ (۱۰) لون کی جمع، رنگ۔ (۱۱) عاشق۔ (۱۲) قسم۔ (۱۳) بدکاریاں۔ (۱۴) بڑھی ہوئی۔ (۱۵) مددگار۔

کی جاتی ہے اور ہر شخص اسی کو سچا بتلائے گا اور آپ کا کوئی طرف دار نہ ہوگا۔ حدیث: (۳۹) اگر آپ کو ایسا رَہبر دَرکار[1] ہے اور اس پر آپ قربان ہیں جو محبوب کے گھر تک پہونچادے تو تلاوت کیجیے۔ اور اگر آپ اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں جیل خانہ نہ ہوجائے، تو ہر حالت میں قرآن شریف کی تلاوت بغیر چارہ نہیں۔ حدیث: (۴۰) اگر آپ علومِ انبیاء حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس کے گَروِیدَہ وشَیدائی ہیں تو قرآن شریف پڑھیے اور جتنا چاہے کمال پیدا کیجیے، اسی طرح اگر آپ بہترین اخلاق پر جان دینے کو تیار ہیں تو بھی تلاوت کی کثرت کیجیے۔ حدیث: (۴۱) اگر آپ کا مُجَلّا ہوا دل ہمیشہ شِملَہ اور منصوری کی چوٹیوں ہی پر تفریح میں بہلتا ہے اور سو جان سے آپ ایک پہاڑ کے سفر پر قربان ہیں تو قرآن پاک مُشک کے پہاڑوں پر ایسے وقت میں تفریح کراتا ہے کہ تمام عَالَم میں نفسا[2] نفسی کا زور ہو۔ حدیث: (۴۲) اگر آپ زاہدوں[3] کی اعلیٰ فہرست میں شمار چاہتے ہیں اور رات دن نَوافل سے آپ کو فرصت نہیں تو کلام پاک سیکھنا سکھانا اس سے پیش[4] پیش ہے۔ حدیث: (۴۳) و (۴۴) اگر دنیا کے ہر جھگڑے سے آپ نجات چاہتے ہیں ہر مَخمَصَہ[5] سے آپ علیحدہ رہنے کے دلدادہ ہیں تو صرف قرآن پاک ہی میں اُن سے مُخلَصِی[6] ہے۔ حدیث: (۴۵) اگر آپ کسی طبیب[7] کے ساتھ وابستگی چاہتے ہیں تو سورۂ فاتحہ میں ہر بیماری کی شفا ہے۔

خَاتمہ حدیث: (۱) اگر آپ کی بے نِہایَت[8] غرضیں[9] پوری نہیں ہوتیں تو کیوں روزانہ "سورۂ یٰسٓ" کی تلاوت آپ نہیں کرتے۔ حدیث: (۲) اگر آپ کو پیسہ کی محبت ایسی ہے کہ اس کے بغیر آپ کسی کے بھی نہیں، تو کیوں روزانہ "سورۂ واقعہ" کی تلاوت نہیں کرتے۔ حدیث: (۳) اگر آپ کو عذابِ قبر کا خوف دامن[10] گیر ہے اور آپ اس کے مُتَحَمِّل[11] نہیں تو اس کے لیے کلام پاک میں نجات ہے۔ حدیث: (۴) اور اگر آپ کو کوئی دائمی[12] مشغلہ[13] درکار ہے کہ جس میں آپ کے مبارک اوقات ہمیشہ مصروف رہیں تو قرآن پاک سے بڑھ کر نہ ملے گا۔ حدیث: (۵) مگر ایسا نہ ہو کہ یہ دولت حاصل ہونے کے بعد چھن جاوے کہ سَلطَنَت ہاتھ آنے کے بعد پھر ہاتھ سے نکل جانا زیادہ حَسرَت[14] وخُسرَان[15] کا سبب ہوتا ہے اور کوئی حرکت ایسی بھی نہ کر جائے کہ نیکی برباد گناہ لازم۔ حدیث: (۶) و (۷) وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ .

مجھ سا ناکارہ قرآنِ پاک کی خوبیوں پر کیا مُتَنَبِّہ ہوسکتا ہے، ناقص سمجھ کے مُوافِق جو ظاہری طور پر سمجھ میں آیا ظاہر کردیا، مگر اہلِ[16] فہم کے لیے غور کا راستہ ضرور کُھل گیا، اس لیے کہ اسبابِ محبت جن کو اہلِ فن نے کسی کے ساتھ محبت کا ذریعہ بتلایا ہے، پانچ چیز میں مُنحَصِر ہیں: اول اپنا وجود کہ طبعًا[17] آدمی اس کو محبوب رکھتا ہے،

حل لغات: (۱) ضرورت۔ (۲) خودغرضی۔ (۳) دنیا سے بے رغبت لوگ۔ (۴) آگے آگے۔ (۵) جھگڑا۔ (۶) چھٹکارا۔ (۷) ڈاکٹر۔ (۸) بے حد۔ (۹) خواہشیں۔ (۱۰) پریشان کرنے والا۔ (۱۱) برداشت کرنے والا۔ (۱۲) ہمیشہ رہنے والا۔ (۱۳) کام کاج۔ (۱۴) افسوس۔ (۱۵) نقصان۔ (۱۶) سمجھ والے۔ (۱۷) طبیعت کے اعتبار سے، فطری طور پر۔

قرآن شریف میں حوادِث[1] سے اَمن ہے، اس لیے وہ اپنی حیات وبقا[2] کا سبب ہے۔ دوسرے طبعی مُنا سَبَت جس کے متعلق اس سے زیادہ وضاحت کیا کر سکتا ہوں کہ کلام صَفَتِ الٰہی ہے اور مالک اور مملوک[3] آقا و بندہ میں جو مُنَاسَبَت ہے وہ واقفوں[4] سے مَخفِی[5] نہیں۔

هَسْتْ[6] رَبُّ النَّاسْ رَا بَا جَانِ نَاسْ اِتّصالے بے تَکَیُّفْ وبے قِیَاسْ

سب سے رَبْط آشنائی ہے اُسے دل میں ہر اِک کے رسائی ہے اُسے

تیسرے جمال۔ چوتھے کمال۔ پانچویں احسان۔ ان ہرسہ[7] اُمور کے متعلق احادیثِ بالا میں اگر غور فرمائیں گے تو نہ صِرف اس جمال و کمال پر جس کی طرف ایک ناقص[8] الفہم نے اشارہ کیا ہے اقتصار[9] کریں گے بلکہ وہ خود بے تَرَدُّد[10] اس امر تک پہونچیں گے کہ عزت وافتخار، شوق وسکون، جمال وکمال، اکرام و احسان، لَذَّت وراحت، مال ومتاع غرض کوئی بھی چیز ایسی نہ پاویں گے جو محبت کے اسباب میں ہو سکتی ہے اور نبی کریم ﷺ نے اس پر تنبیہ فرما کر قرآن شریف کو اسی نوع میں اس سے افضل نہ ارشاد فرمایا ہو۔ اَلْبَتَّہ حِجَاب[11] میں مَستور[12] ہونا دُنیا کے لَوَازِمَات[13] میں سے ہے، لیکن عقلمند شخص اس وجہ سے کہ پیچی کا چھلکا خاردار[14] ہے اس کے گودَہ سے اِعْرَاض[15] نہیں کرتا اور کوئی دل کھویا ہوا اپنی محبوبہ سے اس لیے نفرت نہیں کرتا کہ وہ اس وقت بُرقعہ میں ہے، پردہ کے ہٹانے کی ہر ممکن سے ممکن کوشش کرے گا اور کامیاب نہ بھی ہو سکا تو اس پردہ کے اوپر ہی سے آنکھیں ٹھنڈی کرے گا، اگر اس کا یقین ہو جاوے کہ جس کی خاطر برسوں سے سرگرداں[16] ہوں وہ اسی چادر میں ہے، ممکن نہیں کہ پھر اس چادر سے نگاہ ہٹ سکے۔ اسی طرح کلام پاک کے اُن فَضَائل ومَنَاقِب[17] اور کمالات کے بعد اگر وہ کسی حِجَاب کی وجہ سے محسوس نہیں ہوتے، تو عاقل کا کام نہیں کہ اس سے بے تَوَجُّہی اور لا پرواہی کرے، بلکہ اپنی تقصیر[18] اور نقصان پر افسوس کرے اور کمالات میں غور۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر قلوب[19] نجاست سے پاک ہو جاویں، تو تلاوتِ کلام اللہ سے کبھی بھی سیری نہ ہو۔ ثابِت بُنَانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بیس برس میں نے کلام پاک کو مشقت سے پڑھا اور بیس برس سے مجھے اس کی ٹھنڈک پہونچ رہی ہے۔ پس جو شخص بھی مَعَاصِی[20] سے توبہ کے بعد غور کرے گا کلامِ پاک کو "آں[21] چہ خُوبَاں ہَمَہ دَارَنْد تو تنہا داری" کا مِصْدَاق پائے گا۔ اے کاش کہ ان الفاظ کے معانی مجھ پر بھی صادق آتے۔ میں ناظِرِین[22] سے یہ بھی درخواست کروں گا کہ کہنے والے کی طرف اِلْتِفَات[23] نہ فرمائیں کہ میری ناکارگی[24] آپ کو اہم مقصود سے نہ روکے، بلکہ بات کی طرف توجہ فرمائیں اور

حل لغات: ① حادثہ کی جمع۔ ② باقی رہنا۔ ③ غلام۔ ④ جانکار۔ ⑤ چھپا ہوا۔ ⑥ لوگوں کے رب کو لوگوں کی جان سے ایسا تعلق ہے جس کی حالت کو بیان نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ⑦ تین۔ ⑧ کم عقل۔ ⑨ بس کرنا۔ ⑩ بلا جھجھک۔ ⑪ پردہ۔ ⑫ چھپا ہونا۔ ⑬ ساز و سامان۔ ⑭ کانٹے والا۔ ⑮ منھ پھیرنا۔ ⑯ پریشان۔ ⑰ خوبیاں۔ ⑱ غلطی۔ ⑲ قلب کی جمع، دل۔ ⑳ گناہ۔ ㉑ سارے لوگ مل کر جو خوبیاں رکھتے ہیں وہ تو تنہا رکھتا ہے۔ ㉒ پڑھنے والے۔ ㉓ توجہ۔ ㉔ سستی۔

جہاں سے یہ اُمور ماخوذ[1] ہیں اس کی طرف التفات کیجیے کہ میں درمیان میں صرف نقل کا واسطہ ہوں، یہاں تک پہونچنے کے بعد اللہ کی ذات سے بعید[2] نہیں کہ وہ کسی دل میں حفظ قرآنِ پاک کا وَلولہ[3] پیدا کردے، پس اگر بچہ کو حفظ کرانا ہے تو اس کے لیے کسی عمل کی ضرورت نہیں کہ بچپن کی عمر خود حفظ کے لیے مُعین[4] و مُجرَّب[5] ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص بڑی عمر میں حفظ کا ارادہ کرے، تو اس کے لیے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد فرمایا ہوا ایک مُجرَّب عمل لکھتا ہوں، جس کو ترمذیؒ حاکمؒ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں حضورِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوجاویں، قرآنِ پاک میرے سینہ سے نکل جاتا ہے، جو یاد کرتا ہوں وہ محفوظ نہیں رہتا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تجھے ایسی ترکیب بتلاؤں کہ جو تجھے بھی نفع دے اور جس کو تو بتلادے اس کے لیے بھی نافع ہو اور جو کچھ تو سیکھے وہ محفوظ رہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب جمعہ کی شب آوے، تو اگر یہ ہوسکتا ہے کہ رات کے اخیر تہائی حصہ میں اُٹھے تو یہ بہت ہی اچھا ہے کہ یہ وقت ملائکہ کے نازل ہونے کا ہے اور دُعا اس وقت میں خاص طور سے قبول ہوتی ہے، اسی وقت کے انتظار میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا: ﴿ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ﴾ [سورۂ یوسف:۹۸] عنقریب میں تمہارے لیے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا (یعنی جمعہ کی رات کو) پس اگر اس وقت میں جاگنا دُشوار ہو تو آدھی رات کے وقت اور یہ بھی نہ ہوسکے تو پھر شروع ہی رات میں کھڑا ہو اور چار رکعت نفل اس طرح پڑھے کہ پہلی رکعت میں ''سورۂ فاتحہ'' کے بعد ''سورۂ یٰسٓ شریف'' پڑھے اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد ''سورۂ دُخان'' اور تیسری رکعت میں فاتحہ کے بعد ''سورۂ الم سجدہ'' [ترتیب[6] قرآنی میں یہ سورت پہلی دونوں سورتوں سے مُقدَّم[7] ہے، مگر اول تو نوافل میں فُقہاء[8] نے اس قسم کی گُنجائش فرمائی ہے، دوسرے نوافل کا ہر شَفعہ[9] مُستَقِل نماز کا حکم رکھتا ہے اور اس شفعہ کی دونوں سورتیں آپس میں مُرتَّب[10] ہیں، اس لیے کوئی کراہت[11] نہیں۔ [ہکذا في الکوکب الدری وہامشہ.] اور چوتھی رکعت میں فاتحہ کے بعد ''سورۂ مُلک'' پڑھے اور جب ''التحیات'' سے فارغ ہوجاوے تو اول حق تعالیٰ شانہٗ کی خوب حمد وثنا کر، اس کے بعد مجھ پر درود اور سلام بھیج، اس کے بعد تمام انبیاء پر درود بھیج، اس کے بعد تمام مومنین کے لیے اور اُن تمام مسلمان بھائیوں کے لیے جو تجھ سے پہلے مرچکے ہیں استغفار کر اور اس کے بعد یہ دعا پڑھ۔

حل لغات: ① لیا گیا۔ ② مشکل۔ ③ شوق۔ ④ مددگار۔ ⑤ آزمایا ہوا۔ ⑥ قرآن کی ترتیب کے اعتبار سے۔ ⑦ پہلے۔ ⑧ فقیہ کی جمع، شریعت کے مسائل جاننے والے لوگ۔ ⑨ دو رکعت پر بیٹھنا۔ ⑩ ترتیب سے۔ ⑪ ناپسندیدگی۔

فائدہ: دُعا آگے آرہی ہے اس کے ذکر سے قبل مناسب ہے کہ حمد وثنا وغیرہ جن کا حضور ﷺ نے حکم فرمایا ہے دوسری روایات سے جن کو شروحِ حِصن اور مُناجاتِ مقبول وغیرہ میں نقل کیا ہے، مختصر طور پر ایک ایک دعا نقل کر دی جاوے تا کہ جو لوگ اپنے طور سے نہیں پڑھ سکتے وہ اس کو پڑھیں اور جو حضرات خود پڑھ سکتے ہوں وہ اس پر قناعت[1] نہ کریں بلکہ حمد وصلوٰۃ کو بہت اچھی طرح سے مُبالَغہ[2] سے پڑھیں، دُعا یہ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضٰى نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ اَللّٰهُمَّ لَا أُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ ِالنَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الْهَاشِمِيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهِ الْبَرَرَةِ الْكِرَامِ وَعَلٰى سَائِرِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِجَمِيْعِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ إِنَّكَ سَمِيْعٌ مُّجِيْبُ الدَّعْوَاتِ.	ترجمہ: تمام تعریف جہانوں کے پرورِدگار کے لیے ہے ایسی تعریف جو اس کی مخلوقات کے اَعداد[3] کے برابر ہو، اس کی مَرضی کے مُوافق ہو، اس کے عرش کے وزن کے برابر ہو، اس کے کلمات کی سیاہیوں کے برابر ہو، اے اللہ! میں تیری تعریف کا اِحاطہ[4] نہیں کر سکتا، تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی تعریف خود بیان کی، اے اللہ! ہمارے سردار نبی اُمّی اور ہاشمی پر درود وسلام اور برکات نازل فرما اور تمام نبیوں اور رسولوں اور ملائکہ مُقرَّبین[5] پر بھی، اے ہمارے رب! ہماری اور ہم سے پہلے مسلمانوں کی مَغفِرت فرما اور ہمارے دلوں میں مومنین کی طرف سے کینہ[6] پیدا نہ کر، اے ہمارے رب! تو مہربان اور رحیم ہے، اے الٰہ العالمین! میری اور میرے والدین کی اور تمام مومنین اور مسلمانوں کی مغفرت فرما، بے شک تو دُعاؤں کو سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔

اس کے بعد وہ دُعا پڑھے جو حضورِ اقدس ﷺ نے حدیثِ[7] بالا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تعلیم فرمائی اور وہ یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِتَرْكِ الْمَعَاصِيْ أَبَدًا مَّا أَبْقَيْتَنِيْ وَارْحَمْنِيْ أَنْ أَتَكَلَّفَ مَا لَا يَعْنِيْنِيْ وَارْزُقْنِيْ حُسْنَ النَّظَرِ فِيْمَا يُرْضِيْكَ عَنِّيْ اَللّٰهُمَّ بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ	ترجمہ: اے الٰہ العالمین[8]! مجھ پر رحم فرما کہ جب تک میں زندہ رہوں گناہوں سے بچتا رہوں، اور مجھ پر رحم فرما کہ میں بے کار چیزوں میں کُلفت[9] نہ اُٹھاؤں اور اپنی مَرضیات[10] میں خوش نظری[11] مرحمت فرما، اے اللہ!

حل لغات: (۱) تھوڑی چیز پر راضی ہونا۔ (۲) کسی چیز کو بہت زیادہ کرنا۔ (۳) عدد کی جمع، تعداد۔ (۴) مکمل طور سے ذکر کرنا۔ (۵) اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے۔ (۶) حسد۔ (۷) اوپر ذکر کی ہوئی حدیث۔ (۸) ساری دنیا کے معبود۔ (۹) پریشانی۔ (۱۰) خوشی کی چیزیں۔ (۱۱) رضامندی۔

وَالْأَرْضِ ذَاالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ وَالْعِزَّةِ الَّتِيْ لَاتُرَامُ أَسْئَلُكَ يَااَللّٰهُ يَارَحْمٰنُ بِجَلَالِكَ وَنُوْرِ وَجْهِكَ أَنْ تُلْزِمَ قَلْبِيْ حِفْظَ كِتَابِكَ كَمَا عَلَّمْتَنِيْ وَارْزُقْنِيْ أَنْ أَقْرَاَهٗ عَلَى النَّحْوِ الَّذِيْ يُرْضِيْكَ عَنِّيْ اَللّٰهُمَّ بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ذَاالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ وَالْعِزَّةِ الَّتِيْ لَاتُرَامُ أَسْئَلُكَ يَااَللّٰهُ يَارَحْمٰنُ بِجَلَالِكَ وَنُوْرِ وَجْهِكَ أَنْ تُنَوِّرَ بِكِتَابِكَ بَصَرِيْ وَأَنْ تُطْلِقَ بِهٖ لِسَانِيْ وَأَنْ تُفَرِّجَ بِهٖ عَنْ قَلْبِيْ وَأَنْ تَشْرَحَ بِهٖ صَدْرِيْ وَأَنْ تَغْسِلَ بِهٖ بَدَنِيْ فَإِنَّهٗ لَايُعِيْنُنِيْ عَلَى الْحَقِّ غَيْرُكَ وَلَايُؤْتِيْهِ إِلَّا أَنْتَ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ.	اے زمین اور آسمانوں کے بے نمونہ پیدا کرنے والے! اے عظمت اور بزرگی والے، اور اس غَلَبہ یا عِزَّت کے مالک جس کے حصولؔ کا ارادہ بھی نامُمکن ہے، اے اللہ! اے رحمٰن! میں تیری بزرگی اور تیری ذات کے نور کے طُفَیل تجھ سے مانگتا ہوں کہ جس طرح تو نے اپنا کلام پاک مجھے سکھا دیا، اسی طرح اس کی یاد بھی میرے دل سے چسپاںؔ کر دے اور مجھے توفیق عطا فرما کہ میں اس کو اس طرح پڑھوں جس سے تو راضی ہو جاوے، اے اللہ! زمین اور آسمانوں کے بے نمونہ پیدا کرنے والے، اے عظمت اور بزرگی والے اور اس غلبہ یا عزت کے مالک جس کے حصول کا ارادہ بھی ناممکن، اے اللہ! اے رحمٰن! میں تیری بزرگی اور تیری ذات کے نور کے طفیل تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو میری نظر کو اپنی کتاب کے نور سے مُنَوَّر کر دے اور میری زبان کو اس پر جاری کر دیا ور اس کی برکت سے میرے دل کی تنگی کو دور کر دے اور میرے سینے کو کھول دے اور اس کی برکت سے میرے جسم کے گناہوں کا میل دھو دے کہ حق پر تیرے سوا میرا کوئی مددگار نہیں، اور تیرے سوا میری یہ آرزو کوئی پوری نہیں کر سکتا اور گناہوں سے بچنا یا عبادت پر قدرت نہیں ہوسکتی مگر اللہ برتر و بزرگی والے کی مدد سے۔

پھر حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے علی! اس عمل کو تین جمعہ یا پانچ جمعہ یا سات جمعہ کر، انشاء اللہ دعا ضرور قبول کی جائے گی، قسم ہے اُس ذات پاک کی جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے کسی مومن سے بھی قبولیتِ دُعا نہ چوکے گی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کو پانچ یا سات ہی جمعے گذرے ہوں گے کہ وہ حضور ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! پہلے میں تقریباً چار آیتیں پڑھتا تھا اور وہ بھی مجھے یاد نہ ہوتی تھیں اور اب تقریباً چالیس آیتیں پڑھتا ہوں اور ایسی اَزْبَرؔ ہو جاتی ہیں کہ گویا قرآن شریف میرے سامنے کھلا ہوا رکھا ہے اور پہلے میں حدیث سنتا تھا اور جب اس کو دوبارہ کہتا تھا تو ذہن میں نہیں رہتی تھی اور اب احادیث سنتا ہوں اور جب دوسروں سے نقل کرتا ہوں تو ایک بھی لفظ نہیں چھوٹتا۔

حل لغات: (۱) حاصل کرنا۔ (۲) چپکانا۔ (۳) زبانی یاد ہونا۔

حق تعالیٰ شانہٗ اپنے نبی کی رحمت کے طفیل مجھے بھی قرآن وحدیث کے حفظ کی توفیق عطا فرماویں اور تمہیں بھی۔ وَصَلَّى اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

تکملہ

اوپر جو چہل[1] حدیث لکھی گئی ہے وہ ایک خاص مضمون کے ساتھ مخصوص ہونے کی وجہ سے اس میں اختصار[2] کی رعایت[3] نہیں ہوسکی، اس زمانہ میں چونکہ ہمتیں نہایت ہی پست ہوگئی ہیں، دین کے لیے کسی معمولی سی مشقت کا بھی برداشت کرنا گراں[4] ہے، اس لیے اس جگہ ایک دوسری چہل حدیث نقل کرتا ہوں جو نہایت ہی مختصر ہے اور نبی ﷺ سے ایک ہی جگہ منقول ہے، اس کے ساتھ ہی بڑی خوبی اس میں یہ ہے کہ مہمات[5] دینیہ کو ایسی جامع ہے کہ اس کی نظیر[6] ملنا مشکل ہے۔ کنز العمال میں قدمائے[7] محدثین کی ایک جماعت کی طرف اس کا انتساب کیا ہے اور متاخرین میں سے مولانا قطب الدین صاحب مہاجر مکی نے بھی اس کو ذکر فرمایا ہے، کیا ہی اچھا ہو کہ دین کے ساتھ وابستگی رکھنے والے حضرات کم از کم اس کو ضرور حفظ کرلیں کہ کوڑیوں میں لعل[8] ملتے ہیں، وہ حدیث یہ ہے:

عَنْ سَلْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَنِ الْأَرْبَعِيْنَ حَدِيْثًا اِلَّتِيْ قَالَ: مَنْ حَفِظَهَا مِنْ أُمَّتِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ. قُلْتُ: وَمَا هِيَ يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ، وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ، وَالْمَلٰٓئِكَةِ، وَالْكُتُبِ، وَالنَّبِيِّيْنَ، وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللهِ تَعَالٰى، وَأَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ،

ترجمہ: سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے پوچھا کہ وہ چالیس حدیثیں جن کے بارے میں یہ کہا ہے کہ جو اُن کو یاد کر لے جنت میں داخل ہوگا، وہ کیا ہیں؟ تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (۱) اللہ پر ایمان لاوے یعنی اس کی ذات وصفات پر۔ (۲) اور آخرت کے دن پر۔ (۳) اور فرشتوں کے وُجود پر۔ (۴) اور پہلی کتابوں پر۔ (۵) اور تمام انبیاء علیہم السلام پر۔ (۶) اور مرنے کے بعد دوبارہ زندگی پر۔ (۷) اور تقدیر پر کہ بھلا اور برا جو کچھ ہوتا ہے سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ (۸) اور گواہی دے تو اس اَمر کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضور اکرم ﷺ اس کے سچّے رسول ہیں۔ (۹) اور ہر نماز کے وقت کامل وضو کر کے نماز کو قائم کرے (کامل وضو وہ کہلاتی ہے جس میں آداب ومستحبات کی رعایت رکھی گئی ہو اور ہر نماز

حل لغات: (۱) چالیس۔ (۲) خلاصہ، مختصر۔ (۳) لحاظ۔ (۴) بھاری، بوجھ۔ (۵) دین کی اہم باتیں۔ (۶) مثال۔ (۷) پرانے زمانے کے محدثین۔ (۸) ہیرا۔

وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ بِوُضُوْءٍ سَابِغٍ كَامِلٍ لِوَقْتِهَا، وَتُؤْتِي الزَّكٰوةَ، وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنْ كَانَ لَكَ مَالٌ، وَتُصَلِّيَ اثْنَتَيْ عَشَرَةَ رَكْعَةً فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، وَالْوِتْرَ لَا تَتْرُكُهُ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ، وَلَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَلَا تَعُقَّ وَالِدَيْكَ، وَلَا تَأْكُلْ مَالَ الْيَتِيْمِ ظُلْمًا، وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ، وَلَا تَزْنِ، وَلَا تَحْلِفْ بِاللّٰهِ كَاذِبًا، وَلَا تَشْهَدْ شَهَادَةَ زُوْرٍ، وَلَا تَعْمَلْ بِالْهَوٰى، وَلَا تَغْتَبْ أَخَاكَ الْمُسْلِمَ، وَلَا تَقْذِفِ الْمُحْصَنَةَ، وَلَا تَغُلَّ أَخَاكَ الْمُسْلِمَ، وَلَا تَلْعَبْ، وَلَا تَلْهُ مَعَ اللَّاهِيْنَ، وَلَا تَقُلْ لِلْقَصِيْرِ يَا قَصِيْرُ تُرِيْدُ بِذٰلِكَ عَيْبَهٗ، وَلَا تَسْخَرْ بِأَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ، وَلَا تَمْشِ بِالنَّمِيْمَةِ بَيْنَ الْأَخَوَيْنِ، وَاشْكُرِ اللّٰهَ تَعَالٰى عَلٰى نِعْمَتِهٖ، وَتَصْبِرَ عَلَى الْبَلَاءِ وَالْمُصِيْبَةِ، وَلَا تَأْمَنْ مِنْ عِقَابِ اللّٰهِ، وَلَا تَقْطَعْ

کے وقت اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ نئی وضو ہر نماز کے لیے کرے اگرچہ پہلے سے وضو ہو کہ یہ مُستحَب ہے اور نماز کے قائم کرنے سے اس کے تمام سُنَن اور مُستحبّات کا اِہتمام کرنا مُراد ہے) چنانچہ دوسری روایت میں وارد ہے: إِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلٰوةِ (یعنی جماعت میں صَفُوں کا ہَموار[1] کرنا کہ کسی قسم کی کَجی[2] یا درمیان میں خَلا[3] نہ رہے) یہ بھی نماز قائم کرنے کے مفہوم میں داخل ہے۔ (۱۰) زکوۃ ادا کرے۔ (۱۱) اور رمضان کے روزے رکھے۔ (۱۲) اگر مال ہو تو حج کرے یعنی اگر جانے کی قدرت رکھتا ہو تو حج بھی کرے (چونکہ اکثر مانع[4] مال ہی ہوتا ہے اس لیے اسی کو ذکر فرما دیا، ورنہ مقصود یہ ہے کہ حج کے شرائط پائے جاتے ہوں تو حج کرے۔) (۱۳) بارہ رکعات سنتِ مُؤکَّدہ روزانہ ادا کرے، اس کی تفصیل دوسری روایات میں اس طرح آئی ہے کہ صبح سے پہلے دو رکعت، ظہر سے قبل چار، ظہر کے بعد دو رکعت، مغرب کے بعد دو رکعت، عشاء کے بعد دو رکعت۔ (۱۴) اور وتر کو کسی رات میں نہ چھوڑے (چونکہ وہ واجب ہے اور اس کا اہتمام سنتوں سے زیادہ ہے اس لیے اس کو تاکیدی لفظ سے ذکر فرمایا)۔ (۱۵) اور اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرے۔ (۱۶) اور والدین کی نافرمانی نہ کرے۔ (۱۷) اور ظلم سے یتیم کا مال نہ کھاوے یعنی اگر کسی وجہ سے یتیم کا مال کھانا جائز ہو جیسا کہ بعض صورتوں میں ہوتا ہے تو مُضائقہ[5] نہیں۔ (۱۸) اور شراب نہ پیے۔ (۱۹) زنا نہ کرے۔ (۲۰) جھوٹی قسم نہ کھاوے۔ (۲۱) جھوٹی گواہی نہ دے۔ (۲۲) خواہشاتِ نَفسانیہ پر عمل نہ کرے۔ (۲۳) مسلمان بھائی کی غیبت نہ کرے۔ (۲۴) عَفیفہ[6] عورت کو تُہمت نہ لگائے (اسی طرح عفیف مرد کو)۔ (۲۵) اپنے مسلمان بھائی سے کینہ[7] نہ رکھے۔ (۲۶) لَہو ولَعِب[8] میں مشغول نہ ہو۔ (۲۷) تماشائیوں میں شریک نہ ہو۔

حل لغات: (۱) درست کرنا۔ (۲) ٹیڑھا پن۔ (۳) جگہ۔ (۴) رکاوٹ۔ (۵) حرج۔ (۶) پاک دامن۔ (۷) حسد۔ (۸) کھیل تماشہ۔

أَقْرِبَائِكَ، وَصِلْهُمْ، وَلَا تَلْعَنْ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِ اللهِ، وَأَكْثِرْ مِنَ التَّسْبِيْحِ وَالتَّكْبِيْرِ وَالتَّهْلِيْلِ، وَلَا تَدَعْ حُضُوْرَ الْجُمُعَةِ وَالْعِيْدَيْنِ، وَاعْلَمْ أَنَّ مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَمَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ، وَلَا تَدَعْ قِرَاءَةَ الْقُرْاٰنِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ.	(۲۸) کسی پَسْتَہ قَدْ[1] کو عیب کی نیت سے ٹِھگنا مت کہو یعنی اگر کوئی عیب دار لفظ ایسا مشہور ہوگیا ہو کہ اس کے کہنے سے نہ عیب سمجھا جاتا ہو نہ عیب کی نیت سے کہا جاتا ہو جیسا کہ کسی کا نام بُدّھو پڑ جاوے تو مُضَایَقَہ نہیں، لیکن طَعْن[2] کی غرض سے کسی کو ایسا کہنا جائز نہیں۔ (۲۹) کسی کا مَذاق مت اُڑا۔ (۳۰) نہ مسلمانوں کے درمیان چُغَل خوری کر۔ (۳۱) اور ہر حال میں اللہ جلَّ شانہٗ کی نعمتوں پر اس کا شکر کر۔ (۳۲) بَلا اور مُصیبت پر صبر کر۔ (۳۳) اور اللہ کے عذاب سے بے خوف مت ہو۔ (۳۴) اَعِزَّہ[3] سے قَطْعِ تَعَلُّق[4] مت کر۔ (۳۵) بلکہ اُن کے ساتھ صِلَۂ رَحْمی[5] کر۔ (۳۶) اللہ کی کسی مخلوق کو لَعْنَت مت کر۔ (۳۷) سُبْحَانَ اللهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ. ان الفاظ کا اکثر وِرْد[6] رکھا کر۔ (۳۸) جمعہ اور عیدین میں حاضری مت چھوڑ۔ (۳۹) اور اس بات کا یقین رکھ کہ جو کچھ تکلیف وراحت تجھے پہونچی وہ مُقدَّر میں تھی جو ٹَلْنے والی نہ تھی اور جو کچھ نہیں پہونچا وہ کسی طرح بھی پہونچنے والا نہ تھا۔ (۴۰) اور کلام اللہ شریف کی تلاوت کسی حال میں بھی مت چھوڑ۔
[رواه الحافظ أبو القاسم بن عبد الرحمٰن بن محمد بن إسحاق بن مندة والحافظ أبو الحسن على بن أبي القاسم ابن بابويه الرازي في الأربعين وابن عساكر والرافعي عن سلمان.	

سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضورِ اکرم ﷺ سے پوچھا کہ جو شخص اس کو یاد کرلے اس کو کیا اَجر ملے گا؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق سُبحانہٗ وتَقَدّس اس کا اَنْبِیاء اور عُلَماء کے ساتھ حَشْر فرماویں گے۔

حق سبحانہٗ تعالیٰ ہماری سَیِّئَات[7] سے دَرگُذر[8] فرما کر اپنے نیک بندوں میں محض اپنے لطف سے شامل فرمالیں تو اس کی کریمی شان سے کچھ بھی بعید نہیں، پڑھنے والے حضرات سے بڑی ہی لَجَاجَت[9] کے ساتھ اِسْتِدْعَا[10] ہے کہ دُعائے خیر سے اس سِیَہ کار کی بھی دستگیری[11] فرمادیں۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيْبُ.

محمد زکریا عفی عنہ کاندھلوی

۲۹/ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ پنج شنبہ

حل لغات: (۱) چھوٹے قد والا۔ (۲) طنز، ملامت۔ (۳) رشتے دار۔ (۴) تعلق توڑنا۔ (۵) اچھا سلوک کرنا۔ (۶) بار بار پڑھنا۔ (۷) گناہوں۔ (۸) معاف کرنا۔ (۹) عاجزی۔ (۱۰) درخواست۔ (۱۱) مدد کرنا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ [سورۂ بقرہ:۱۸۵]

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور ہدایت کے بارے میں اس کے بیانات خوب واضح ہیں اور حق و باطل کے درمیان فرق ظاہر کرنے والے ہیں۔



مرتّبہ و مترجمہ

فخر الاماثل زبدۃ الافاضِل حضرت مولانا الحاج الحافظ المحدث محمد زکریا صاحبؒ

اس کی فصلِ اوّل میں دس حدیثیں رمضان شریف کے فضائل میں، دوسری فصل میں سات احادیث لیلۃ القدر کے بارے میں اور سورۂ قدر کی تفسیر میں، تیسری فصل میں تین حدیثیں اعتکاف کے فضائل میں، خاتمہ میں ایک طویل حدیث جو بہت سے بہترین مضامین پر مشتمل ہے، غرضیکہ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ رمضان المبارک کتنی بڑی نعمت ہے، انوارِ الٰہی اس ماہ میں کس کثرت سے نازل ہوتے ہیں اور ان کے حاصِل کرنے کا کیا طریقہ ہے، اِس میں ملاحظہ فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ حَامِدًا وَّمُصَلِّيًا وَّمُسَلِّمًا

حمد وصلوٰۃ کے بعد یہ چند احادیث کا ترجمہ ہے جو رمضان المبارک کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، نبی کریم ﷺ کی رَحْمَۃٌ لِّلْعَالَمِیْن[1] ذات نے مسلمانوں کے لیے ہر باب میں جس قدر فضائل اور ترغیبات ارشاد فرمائی ہیں، ان کا اصل شکریہ اور قدر دانی[2] تو یہ تھی کہ ہم اُن پر مر مٹتے، مگر ہماری کوتاہیاں اور دینی بے رغبتیاں اس قدر روز افزوں[3] ہیں کہ ان پر عمل تو دَرکنار[4] ان کی طرف اِلتفات[5] اور توجہ بھی نہیں رہی؛ حتّٰی کہ اب لوگوں کو ان کا علم بھی بہت کم ہوگیا ہے۔

ان اوراق کا مقصد یہ ہے کہ اگر مساجد کے ائمہ تراویح کے حفاظ اور وہ پڑھے لکھے حضرات جن کو دین کی کسی درجہ میں بھی رغبت ہے، اَوائلِ رمضان[6] میں اس رسالہ کو مساجد اور مجامع[7] میں سنا دیا کریں، تو اللہ کی رحمت سے کیا بعید ہے کہ اپنے محبوب کے کلام کی برکت سے ہم لوگوں کو مبارک مہینے کی کچھ قدر اور اس کی برکات کی طرف کچھ توجہ ہوجایا کرے اور نیک اعمال کی زیادتی اور بداعمالیوں کی کمی کا ذریعہ بن جایا کرے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر حق تعالیٰ شانہٗ تیری وجہ سے ایک شخص کو بھی ہدایت فرمادیں تو تیرے لیے سُرخ اونٹوں سے (جو عمدہ مال شمار ہوتا ہے) بہتر اور افضل ہے۔

رمضان المبارک کا مہینہ مسلمانوں کے لیے حق تعالیٰ شانہٗ کا بہت ہی بڑا انعام ہے، مگر جب ہی کہ اس انعام کی قدر بھی کی جائے، ورنہ ہم سے محروموں کے لیے ایک مہینہ تک رمضان رمضان چلاّئے جانے کے سوا کچھ بھی نہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ رمضان کیا چیز ہے، تو میری امت یہ تمنّا کرے کہ سارا سال رمضان ہی ہوجائے، ہر شخص سمجھتا ہے کہ سال بھر کے روزے رکھنے کارِے دارَد[8]، مگر رمضان المبارک کے ثواب کے مقابلہ میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ لوگ اس کی تمنا کرنے لگیں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ رمضان المبارک کے روزے اور ہر مہینے میں تین روزے رکھنا دل کی کھوٹ اور وساوس کو دور کرتا ہے، آخر کوئی تو بات ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رمضان کے مہینے میں جہاد کے سفر میں باوجود نبی کریم ﷺ کے بار بار کی اِفطار کی اجازت فرمادینے کے روزہ کا اہتمام فرماتے؛ حتّٰی کہ حضور ﷺ کو حکماً منع فرمانا پڑا۔

حل لغات: (۱) یعنی وہ ذات جو پوری دنیا کے لیے رحمت ہے۔ (۲) عزت کرنا۔ (۳) روزانہ بڑھنے والی۔ (۴) الگ رہا۔ (۵) توجہ۔ (۶) شروع رمضان۔ (۷) مجمع کی جمع۔ (۸) ایک مشکل کام ہے۔

مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک غزوہ کے سفر میں ایک مَنزل پر اترے، گرمی نہایت سخت تھی اور غُربت کی وجہ سے اس قدر کپڑا بھی سب کے پاس نہ تھا کہ دھوپ کی گرمی سے بچاؤ کرلیں، بہت سے لوگ اپنے ہاتھ سے آفتاب کی شُعاع[1] سے بچتے تھے، اس حالت میں بھی بہت سے روزہ دار تھے جن سے کھڑے ہو سکنے کا تَحَمُّل[2] نہ ہوا اور گر گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت گویا ہمیشہ تمام سال روزے دار ہی رہتی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سینکڑوں روایات میں مُختلف انواع[3] کے فضائل نقل کیے گئے، جن کا اِحَاطہ[4] تو مجھ جیسے ناکارہ کے اِمکان[5] سے خارِج[6] ہے ہی، لیکن میرا یہ بھی خیال ہے کہ اگر ان کو کچھ تفصیل سے لکھوں تو دیکھنے والے اُکتا جائیں گے کہ اس زمانہ میں دینی اُمور میں جس قدر بے اِلتفاتی[7] کی جارہی ہے وہ محتاجِ[8] بیان نہیں، علم و عمل دونوں میں جس قدر بے پرواہی دین کے بارے میں بڑھتی جارہی ہے وہ ہر شخص اپنی ہی حالت میں غور کرنے سے معلوم کرسکتا ہے؛ اس لیے اِکیس احادیث پر اکتفا کرتا ہوں اور ان کو تین فصلوں پر مُنقسم[9] کرتا ہوں:

فصل اول : رمضان المبارک کے فضائل میں جس میں دس احادیث مذکور ہیں۔

دوسری فصل : شبِ قدر کے بیان میں جس میں سات حدیثیں ہیں۔

تیسری فصل : میں اعتکاف کا ذکر ہے جس میں تین حدیثیں ہیں۔

اس کے بعد خاتمہ میں ایک طویل حدیث پر اس رسالہ کو ختم کردیا۔

حق تعالیٰ شانہ اپنی کریم ذات اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اس کو قبول فرماویں اور مجھ سیہ[10] کار کو بھی اس کی برکات سے اِنتفاع[11] کی توفیق عطا فرماویں۔ **فَإِنَّهٗ بَرٌّ جَوَادٌ كَرِيْمٌ**

حل لغات: (۱) روشنی۔ (۲) برداشت کرنا۔ (۳) نوع کی جمع، قسم۔ (۴) مکمل ذکر کرنا۔ (۵) طاقت۔ (۶) باہر۔ (۷) بے توجہی۔ (۸) بتانے کی ضرورت۔ (۹) تقسیم۔ (۱۰) گنہگار۔ (۱۱) فائدہ اُٹھانا۔

فصل اول: رمضان المبارک کے فضائل میں

① عَنْ سَلْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ اٰخِرِ يَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ، فَقَالَ: يَاأَيُّهَا النَّاسُ! قَدْ أَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ مُّبَارَكٌ، شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ، شَهْرٌ جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهٗ فَرِيْضَةً وَّقِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعًا، مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ كَانَ كَمَنْ أَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ، وَمَنْ أَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ أَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ، وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ، وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ، وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ، وَشَهْرٌ يُّزَادُ فِيْ رِزْقِ الْمُؤْمِنِ فِيْهِ، مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِمًا كَانَ مَغْفِرَةً لِّذُنُوْبِهٖ وَعِتْقَ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ، وَكَانَ لَهٗ مِثْلُ أَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُّنْتَقَصَ مِنْ أَجْرِهٖ شَيْءٌ، قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! لَيْسَ كُلُّنَا يَجِدُ مَايُفَطِّرُ الصَّائِمَ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يُعْطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى تَمْرَةٍ أَوْ شَرْبَةِ مَاءٍ أَوْ مُذْقَةِ لَبَنٍ. وَهُوَ شَهْرٌ أَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَّأَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَّاٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ، مَنْ خَفَّفَ عَنْ مَّمْلُوْكِهٖ فِيْهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَأَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ،	حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے شعبان کی آخری تاریخ میں ہم لوگوں کو وعظ فرمایا کہ تمہارے اوپر ایک مہینہ آرہا ہے جو بہت بڑا مہینہ ہے، بہت مبارک مہینہ ہے، اس میں ایک رات ہے (شبِ قدر) جو ہزاروں مہینوں سے بڑھ کر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے روزہ کو فرض فرمایا اور اس کے رات کے قیام (یعنی تراویح) کو ثواب کی چیز بنایا ہے، جو شخص اس مہینے میں کسی نیکی کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کرے، ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں فرض ادا کیا اور جو شخص اس مہینہ میں کسی فرض کو ادا کرے، وہ ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں ۷۰ رفرض ادا کرے، یہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے اور یہ مہینہ لوگوں کے ساتھ غمخواری[1] کرنے کا ہے، اس مہینہ میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے، جو شخص کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے اس کے لیے گناہوں کے معاف ہونے اور آگ سے خلاصی[2] کا سبب ہوگا اور روزہ دار کے ثواب کی مانند اس کو ثواب ہوگا، مگر اس روزہ دار کے ثواب سے کچھ کم نہیں کیا جائے گا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص تو اتنی وُسعت[3] نہیں رکھتا کہ روزہ دار کو افطار کرائے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ (پیٹ بھر کھلانے پر موقوف نہیں) یہ ثواب تو اللہ جلّ شانہٗ ایک کھجور سے کوئی اِفطار کرادے یا ایک گھونٹ پانی پلاوے یا ایک گھونٹ لسّی پلاوے، اس پر بھی مرحمت فرما دیتے ہیں۔ یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کا اول حصہ اللہ کی رحمت ہے اور درمیانی حصہ مَغفرت ہے اور آخری حصہ آگ سے آزادی ہے۔ جو شخص اس مہینہ میں ہلکا کردے اپنے غلام

حل لغات: ① ہمدردی۔ ② آزادی۔ ③ طاقت۔

وَاسْتَكْثِرُوْا فِيْهِ مِنْ أَرْبَعِ خِصَالٍ: خَصْلَتَيْنِ تُرْضُوْنَ بِهِمَا رَبَّكُمْ، وَخَصْلَتَيْنِ لَاغِنَاءَ بِكُمْ عَنْهُمَا. فَأَمَّا الْخَصْلَتَانِ اللَّتَانِ تُرْضُوْنَ بِهِمَا رَبَّكُمْ: فَشَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَتَسْتَغْفِرُوْنَهُ، وَأَمَّا الْخَصْلَتَانِ اللَّتَانِ لَاغِنَاءَ بِكُمْ عَنْهُمَا: فَتَسْئَلُوْنَ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَ تَعَوَّذُوْنَ بِهٖ مِنَ النَّارِ، وَمَنْ أَسْقٰى صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَايَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ.	(وخادم) کے بوجھ کو حق تعالیٰ شانہٗ اس کی مغفرت فرماتے ہیں اور آگ سے آزادی فرماتے ہیں اور چار چیزوں کی اس میں کثرت رکھا کرو، جن میں سے دو چیزیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے واسطے اور دو چیزیں ایسی ہیں کہ جن سے تمہیں چارہ[1] کار نہیں: پہلی دو چیزیں جن سے تم اپنے رب کو راضی کرو وہ کلمہ طیبہ اور اِستغفار کی کثرت ہے اور دوسری دو چیزیں یہ ہیں کہ جنت کی طلب کرو اور آگ سے پناہ مانگو۔ جو شخص کسی روزہ دار کو پانی پلائے حق تعالیٰ (قیامت کے دن) میرے حوض سے اس کو ایسا پانی پلائیں گے جس کے بعد جنت میں داخل ہونے تک پیاس نہیں لگے گی۔

[رواه ابن خزيمة في صحيحه وقال: إن صح الخبر ورواه البيهقي ورواه أبوالشّيخ ابن حيان في الثواب باختصار عنهما. وفي أسانيدهم علي بن زيد بن جدعان، ورواه ابن خزيمة أيضا والبيهقي باختصار عنه من حديث أبي هريرة، وفي إسناده كثير بن زيد كذا في الترغيب. قلت: علي بن زيد ضعفه جماعة، وقال الترمذي: صدوق وصح له حديثا في السلام و حسن له غير ما حديث، وكذا كثير ضعفه النسائي وغيره، وقال ابن معين: ثقة . وقال ابن عدي: لم أر بحديثه بأسا. وأخرج بحديثه ابن خزيمة في صحيحه كذا في رجال المنذري ٧٠٤ لكن قال العيني: الخبر منكر فتأمّل]

فائدہ: مُحدّثین کو اس کے بعض رُواۃ[2] میں کلام ہے، لیکن اول تو فضائل میں اس قدر کلام قابلِ تَحَمُّل[3] ہے، دوسرے اس کے اکثر مضامین کی دوسری روایات مُؤیِّد[4] ہیں۔ اس حدیث سے چند اُمور معلوم ہوتے ہیں: اول: نبی کریم ﷺ کا اہتمام کہ شعبان کی اخیر تاریخ میں خاص طور سے اس کا وعظ فرمایا اور لوگوں کو تنبیہ فرمائی، تا کہ رمضان المبارک کا ایک سکنڈ بھی غفلت سے نہ گذر جائے، پھر اس وعظ میں تمام مہینہ کی فضیلت بیان فرمانے کے بعد چند اہم امور کی طرف خاص طور سے متوجہ فرمایا، سب سے اول شبِ قدر کہ وہ حقیقت میں بہت ہی اہم رات ہے، ان اوراق[5] میں اس کا بیان دوسری فصل میں مُستقِل آئے گا، اس کے بعد ارشاد ہے کہ اللہ نے اس کے روزہ کو فرض کیا اور اس کے قیام یعنی تراویح کو سنت کیا، اس سے معلوم ہوا کہ تراویح کا ارشاد بھی خود حق سبحانہٗ وتقدّس کی طرف سے ہے، پھر جن روایات میں نبی کریم ﷺ نے اس کو اپنی طرف منسوب فرمایا کہ میں نے سنت کیا، ان سے مراد تاکید ہے کہ حضور ﷺ اس کی تاکید بہت فرماتے تھے؛ اسی وجہ سے سب ائمہ اس کے سنت ہونے پر مُتَّفِق ہیں۔ ''بُرہان'' میں لکھا ہے کہ مسلمانوں میں سے رَوافِض[6] کے سوا کوئی شخص اس کا مُنکِر نہیں۔

حل لغات: (١) چھٹکارا۔ (٢) روایت کرنے والے۔ (٣) چل سکتا۔ (٤) تائید کرنے والی۔ (٥) صفحات۔ (٦) شیعہ۔

حضرت مولانا الشاہ عبدالحق صاحب محدّث دہلویؒ نے "مَاثَبَتَ بِالسُّنَّۃِ" میں بعض کُتُبِ فِقہ سے نقل کیا ہے کہ کسی شہر کے لوگ اگر تراویح چھوڑ دیں، تو اس کے چھوڑنے پر امام ان سے مقاتلہ[1] کرے، اس جگہ خصوصیت سے ایک بات کا لحاظ رکھنے کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ بہت سے لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ جلدی سے کسی مسجد میں آٹھ، دس دن میں کلام مجید سن لیں، پھر چھٹی، یہ خیال رکھنے کی بات ہے کہ یہ دو سنتیں الگ الگ ہیں، تمام کلامُ اللہ شریف کا تراویح میں پڑھنا یا سننا یہ مُستَقِل سنت ہے اور پورے رمضان شریف کی تراویح مستقل سنت ہے، پس اس صورت میں ایک سنت پر عمل ہوا اور دوسری رہ گئی۔ البتہ جن لوگوں کو رمضان المبارک میں سفر وغیرہ یا اور کسی وجہ سے ایک جگہ روزانہ تراویح پڑھنی مشکل ہو، ان کے لیے مُناسب ہے کہ اول قرآن شریف چند روز میں سن لیں تا کہ قرآن شریف ناقص[2] نہ رہے، پھر جہاں وقت ملا اور موقعہ ہوا، وہاں تراویح پڑھ لی کہ قرآن شریف بھی اس صورت میں ناقص نہیں ہوگا اور اپنے کام کا بھی حرج نہ ہوگا۔

عبادات نافلہ

حضور ﷺ نے روزہ اور تراویح کا ذکر فرمانے کے بعد عام فرض اور نفل عبادات کے اہتمام کی طرف مُتَوَجَّہ فرمایا کہ اس میں ایک نفل کا ثواب دوسرے مہینوں کے فرائض کے برابر ہے اور اس کے ایک فرض کا ثواب دوسرے مہینوں کے ۷۰ رفرائض کے برابر ہے، اس جگہ ہم لوگوں کو اپنی اپنی عبادات کی طرف بھی ذرا غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس مبارک مہینہ میں فرائض کا ہم سے کس قدر اہتمام ہوتا ہے اور نوافل میں کتنا اضافہ ہوتا ہے؟ فرائض میں تو ہمارے اہتمام کی یہ حالت ہے کہ سحر کھانے کے بعد جو سوتے ہیں تو اکثر صبح کی نماز قضا ہوگئی اور کم از کم جماعت تو اکثروں کی فوت[3] ہو ہی جاتی ہے، گویا سحر کھانے کا شکر یہ ادا کیا کہ اللہ کے سب سے زیادہ مُہتَم بِالشّان[4] فرض کو یا بالکل قضا کر دیا، یا کم از کم ناقص کر دیا کہ بغیر جماعت کے نماز پڑھنے کو اہلِ اُصول[5] نے اداءِ ناقص فرمایا ہے اور حضور اکرم ﷺ کا تو ایک جگہ ارشاد ہے کہ مسجد کے قریب رہنے والوں کی تو (گویا) نماز بغیر مسجد کے ہوتی ہی نہیں۔

مَظاہِرِحق میں لکھا ہے کہ جو شخص بغیر عذر کے بِدُوْنِ[6] جماعت نماز پڑھتا ہے اس کے ذمہ سے فرض تو ساقط ہو جاتا ہے مگر اس کو نماز کا ثواب نہیں ملتا؛ اسی طرح دوسری نماز مغرب کی بھی جماعت اکثروں کی افطار کی نذر ہو جاتی ہے[7] اور رکعت اُولیٰ یا تکبیرِ اُولیٰ کا تو ذکر ہی کیا ہے اور بہت سے لوگ تو عشاء کی نماز بھی تراویح کے احسان کے بدلے میں وقت سے پہلے ہی پڑھ لیتے ہیں۔ یہ تو رمضان المبارک میں ہماری نماز کا حال ہے جو اہم ترین فرائض میں ہے کہ ایک فرض کے بدلے میں تین[3] کو ضائع کیا، یہ تین[3] تو اکثر ہیں ورنہ ظہر کی نماز قیلولہ کی نذر اور عصر کی جماعت افطاری کا سامان خریدنے کی نَذر ہوتے ہوئے آنکھوں سے

حل لغات: (۱) لڑائی۔ (۲) ادھورا۔ (۳) چھوٹنا۔ (۴) عظیم الشان۔ بہت زیادہ ضروری۔ (۵) فقہاء۔ (۶) بغیر۔ (۷) یعنی چھوٹ جاتی ہے۔

دیکھا گیا ہے۔اسی طرح اور فرائض پر آپ خود غور فرمالیں کہ کتنا اہتمام رمضان المبارک میں ان کا کیا جاتا ہے اور جب فرائض کا یہ حال ہے تو نوافل کا کیا پوچھنا، اِشراق اور چاشت تو رمضان المبارک میں سونے کی نذر رہو ہی جاتے ہیں اور اوّابین کا کیسے اہتمام ہوسکتا ہے جب کہ ابھی روزہ کھولا ہے اور آئندہ تراویح کا سَہُم[1] ہے اور تہجد کا وقت تو ہے ہی عین سَحَر کھانے کا وقت ، پھر نوافل کی گنجائش کہاں ؛ لیکن یہ سب باتیں بے تَوَجُّہی اور نہ کرنے کی ہیں کہ ع تو ہی اگر نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

کتنے اللہ کے بندے ہیں کہ جن کے لیے انہی اوقات میں سب چیزوں کی گُنجائش نکل آتی ہے۔

رمضان المبارک میں مولانا خلیل احمد صاحبؒ کا معمول

میں نے اپنے آقا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نَوّرَاللّٰہُ مَرقَدَہٗ کو متعدّد رمضانوں میں دیکھا ہے کہ باوجود ضُعُف[2] اور پیرانہ[3] سالی کے مغرب کے بعد نوافل میں سوا پارہ پڑھنا یا سنانا اور اس کے بعد آدھ گھنٹہ کھانا وغیرہ ضروریات کے بعد ہندوستان کے قیام میں تقریباً دو سوا دو گھنٹے تراویح میں خرچ ہوتے تھے اور مدینہ پاک کے قیام میں تقریباً تین گھنٹے میں عشاء اور تراویح سے فراغت ہوتی، اس کے بعد آپ حسبِ اختلافِ[4] موسم دو تین گھنٹے آرام فرمانے کے بعد تہجد میں تلاوت فرماتے اور صبح سے نِصف[5] گھنٹہ قبل سَحَر تناول فرماتے، اس کے بعد سے صبح کی نماز تک کبھی حفظ تلاوت فرماتے اور کبھی اَوْرَاد و وظائف میں مشغول رہتے، اِسفار یعنی چاندنی میں صبح کی نماز پڑھ کر اشراق تک مُراقِب[6] رہتے اور اِشْراق کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ آرام فرماتے، اس کے بعد سے تقریباً بارہ بجے تک اور گرمیوں میں ایک بجے تک ''بَذْلُ المَجْهُود'' تحریر فرماتے اور ڈاک وغیرہ مُلاحَظہ فرما کر جواب لکھاتے۔ اس کے بعد ظہر کی نماز تک آرام فرماتے اور ظہر سے عصر تک تلاوت فرماتے، عصر سے مغرب تک تسبیح میں مشغول رہتے اور حاضرین سے بات چیت بھی فرماتے''بَذْلُ المَجْهُود'' ختم ہو جانے کے بعد صبح کا کچھ حصہ تلاوت میں اور کچھ کتبِ[7] بینی میں، ''بذلُ المجهود'' اور ''وفاءُ الوفاء'' زیادہ تر اس وقت زیرِنظر[8] رہتی تھی۔ یہ اس پر تھا کہ رمضان المُبارک میں معمولات میں کوئی خاص تَغیُّر[9] نہ تھا کہ نوافل کا یہ معمول دائمی[10] تھا اور نوافل مذکورہ کا تمام سال بھی اہتمام رہتا تھا، البتہ رکعات کے طُول[11] میں رمضان المبارک میں اِضافہ ہو جاتا تھا، ورنہ جن اکابر کے یہاں رمضان المبارک کے خاص معمولات مستقل تھے ان کا اِتّباع تو ہر شخص سے نبھنا بھی مشکل ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا معمول

حضرت اقدس مولانا شیخ الہندؒ تراویح کے بعد سے صبح کی نماز تک نوافل میں مشغول رہتے تھے اور یکے[12] بعد دیگرے متفرّق[13] حُفّاظ سے

حل لغات: (۱) ڈر۔ (۲) کمزوری۔ (۳) بڑھاپا۔ (۴) موسم کی تبدیلی کے موافق۔ (۵) آدھا۔ (۶) مراقبہ کرتے۔ (۷) کتابوں کا مطالعہ۔ (۸) مطالعہ میں۔ (۹) تبدیلی۔ (۱۰) ہمیشہ۔ (۱۱) لمبا ہونا۔ (۱۲) ایک دوسرے کے بعد۔ (۱۳) الگ الگ۔

کلام مجید سنتے رہتے تھے۔ اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قُدِّس سِرُّہٗ کے یہاں تو رمضان المبارک کا مہینہ دن ورات تلاوت ہی کا ہوتا تھا کہ اس میں ڈاک بھی بند اور ملاقات بھی ذرا گوارا[1] نہ تھی، بعض مخصوص خُدّام کو صرف اتنی اجازت ہوتی تھی کہ تراویح کے بعد جتنی دیر حضرت سادی چائے کے ایک دو فنجان[2] نوش فرمائیں اتنی دیر حاضرِ خدمت ہو جایا کریں۔ بزرگوں کے یہ معمولات اس وجہ سے نہیں لکھے جاتے کہ سرسری نگاہ سے ان کو پڑھ لیا جائے یا کوئی تفریحی فقرہ[3] ان پر کہہ دیا جائے؛ بلکہ اس لیے ہیں کہ اپنی ہمّت کے موافق ان کا اِتّباع کیا جائے اور حَتَّی الْوَسع[4] پورا کرنے کا اہتمام کیا جائے کہ ہر لائن اپنے مخصوص اِمتیازات[5] میں دوسرے پر فائق[6] ہے۔ جو لوگ دنیوی مشاغل[7] سے مجبور نہیں ہیں، کیا ہی اچھا ہو کہ گیارہ[11] مہینے ضائع[8] کر دینے کے بعد ایک مہینہ مَر مِٹنے کی کوشش کر لیں۔ ملازم[9] پیشہ حضرات جو دس[10] بجے سے چار[4] بجے تک دفتر میں رہنے کے پابند ہیں، اگر صبح سے دس[10] بجے تک کم از کم رمضان المبارک کا مبارک مہینہ تلاوت میں خرچ کر دیں تو کیا دِقّت[10] ہے، آخر دنیوی ضروریات کے لیے دفتر کے علاوہ اوقات میں سے وقت نکالا ہی جاتا ہے۔ اور کھیتی کرنے والے تو نہ کسی کے نوکر، نہ اوقات کے تغیُّر[11] میں ان کو ایسی پابندی کہ اس کو بدل نہ سکیں یا کھیت پر بیٹھے بیٹھے تلاوت نہ کر سکیں۔ اور تاجروں کے لیے تو اس میں کوئی دقت ہی نہیں کہ اس مبارک مہینہ میں دوکان کا وقت تھوڑا سا کم کر دیں یا کم از کم دوکان ہی پر تجارت کے ساتھ تلاوت بھی کرتے رہا کریں کہ اس مبارک مہینہ کو کلامِ الٰہی کے ساتھ بہت ہی خاص مُناسبت ہے۔

آسمانی کتابیں رمضان المبارک میں نازل ہوئیں

اسی وجہ سے عموماً اللہ جلَّ شانہٗ کی تمام کتابیں اِسی ماہ میں نازل ہوئی ہیں؛

چنانچہ قرآن پاک لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا پر تمام کا تمام اِسی ماہ میں نازل ہوا، اور وہاں سے حسبِ[12] موقع تھوڑا تھوڑا تئیس[23] سال کے عرصہ[13] میں نازل ہوا۔ اس کے علاوہ حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے صحیفے اسی ماہ کی یکم یا تین[3] تاریخ کو عطا ہوئے اور حضرت داؤد علیہ السلام کو زَبور اٹھارہ[18] یا بارہ[12] رمضان کو ملی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت چھ[6] رمضان المبارک کو عطا ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل بارہ[12] یا تیرہ[13] رمضان المبارک کو ملی؛ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ماہ کو کلامِ الٰہی کے ساتھ خاص مناسبت ہے؛ اسی وجہ سے تلاوت کی کثرت اس مہینہ میں منقول ہے اور مشائخ کا معمول۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر سال رمضان میں تمام قرآن شریف نبی کریم ﷺ کو سناتے تھے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے سنتے تھے۔ علماء نے ان دونوں حدیثوں کے ملانے سے قرآن پاک کے دور کرنے کا جو عام طور سے رائج[14] ہے،

حل لغات: (۱) پسند۔ (۲) پیالی۔ (۳) جملہ۔ (۴) جہاں تک ہو سکے۔ (۵) خوبیاں۔ (۶) بڑھا ہوا۔ (۷) کام کاج۔ (۸) برباد۔ (۹) نوکری کرنے والے۔ (۱۰) پریشانی۔ (۱۱) تبدیلی۔ (۱۲) موقع کے مطابق۔ (۱۳) مدت۔ (۱۴) رواج۔

اِستحبَاب نکالا ہے۔ باِلجُملہ تلاوت کا خاص اہتمام جتنا بھی ممکن ہو سکے کرے اور جو وقت تلاوت سے بچے اس کو بھی ضائع کرنا مُناسب نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اسی حدیث کے آخر میں چار چیزوں کی طرف خاص طور سے متوجہ فرمایا اور اس مہینہ میں ان کی کثرت کا حکم فرمایا: کلمہ طیبہ اور اِستِغفار اور جنت کے حصول اور دوزخ سے بچنے کی دعا؛ اس لیے جتنا بھی وقت مل سکے ان چیزوں میں صَرف[1] کرنا سَعادت[2] سمجھے اور یہی نبی کریم ﷺ کے ارشاد مبارک کی قدر ہے۔ کیا دِقّت[3] ہے کہ اپنے دنیوی کاروبار میں مشغول رہتے ہوئے زبان سے درود شریف یا کلمہ طیبہ کا بھی وِرْد رہے اور کل کو یہ کہنے کا منہ باقی رہے۔

میں گو رہا رَہینِ[4] سِتَم ہائے روزگار لیکن تمہاری یاد سے غافل نہیں رہا

اس مہینہ کی چند خصوصیات

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے اس مہینہ کی کچھ خصوصیتیں اور آداب ارشاد فرمائے، اولاً یہ کہ یہ صبر کا مہینہ ہے یعنی اگر روزہ وغیرہ میں کچھ تکلیف ہو تو اسے ذوق شوق سے برداشت کرنا چاہیے، یہ نہیں کہ مار دھاڑ، ہول پکار[5] جیسا کہ اکثر لوگوں کی گرمی کے رمضان میں عادت ہوتی ہے، اسی طرح اگر اتفاق سے سَحَر نہ کھائی گئی تو صبح سے ہی روزہ کا سوگ[6] شروع ہو گیا۔ اسی طرح رات کی تراویح میں اگر دِقت ہو تو اس کو بڑی بشاشت[7] سے برداشت کرنا چاہیے، اس کو مصیبت اور آفت نہ سمجھیں کہ یہ بڑی سخت محرومی کی بات ہے۔ ہم لوگ دنیوی معمولی[8] اغراض کی بدولت[9] کھانا پینا راحت و آرام سب چھوڑ دیتے ہیں، تو کیا رضائے الٰہی کے مُقابلہ میں ان چیزوں کی کوئی وَقعت[10] ہو سکتی ہے؟

پھر ارشاد ہے کہ یہ غم خواری[11] کا مہینہ ہے یعنی غُرباء، مَساکین کے ساتھ مُدارات[12] کا برتاؤ کرنا، اگر دس[1] چیزیں اپنی افطاری کے لیے تیار کی ہیں تو دو[2] چار[4] غرباء کے لئے بھی کم از کم ہونی چاہئیں، ورنہ اصل تو یہ تھا کہ ان کے لیے اپنے سے افضل[13] نہ ہوتا تو مُساوات[14] ہی ہوتی۔ غرض جس قدر بھی ہمت ہو سکے اپنے افطار و سحر کے کھانے میں غُرباء کا حصہ بھی ضرور لگانا چاہیے۔ صحابہ کرام ﷡ امت کے لیے عملی نمونہ اور دین کے ہر جزو کو اس قدر واضح طور پر عمل فرما کر دکھلا گئے کہ اب ہر نیک کام کے لیے ان کی شاہراہِ[15] عمل کھلی ہوئی ہے۔ ایثار[16] و غم خواری کے باب میں ان حضرات کا اتباع بھی دل گردہ والے کا کام ہے۔ سینکڑوں ہزاروں واقعات ہیں جن کو دیکھ کر بجز[17] حیرت کے کچھ نہیں کہا جاتا۔

ایک واقعہ مثالاً لکھتا ہوں، ابوجَہم ﷛ کہتے ہیں کہ یَرموک کی لڑائی میں مَیں اپنے چچازاد بھائی کو تلاش

حل لغات: (۱) وقت لگانا۔ (۲) خوش قسمتی۔ (۳) مشکل۔ (۴) زمانے کے ظلموں میں گھرا ہوا۔ (۵) چیخ پکار۔ (۶) غم۔ (۷) خوشی۔ (۸) چھوٹے چھوٹے کام۔ (۹) وجہ سے۔ (۱۰) اہمیت۔ (۱۱) ہمدردی۔ (۱۲) اچھی طرح پیش آنا، مہمان نوازی۔ (۱۳) اچھا۔ (۱۴) برابری۔ (۱۵) عمل کرنے کا راستہ۔ (۱۶) اپنے اوپر دوسرے کو ترجیح دینا۔ (۱۷) سوائے۔

کرنے چلا اور اس خیال سے پانی کا مشکیزہ[1] بھی لے لیا کہ اگر اس میں کچھ رَمق[2] باقی ہوئی تو پانی پلا دوں گا اور ہاتھ منہ دھو دوں گا، وہ اتفاق سے پڑے ہوئے ملے۔ میں نے ان سے پانی کو پوچھا، انھوں نے اشارہ سے مانگا کہ اتنے میں برابر سے دوسرے زخمی نے آہ کی، چچازاد بھائی نے پانی پینے سے پہلے اس کے پاس جانے کا اشارہ کیا، اس کے پاس گیا اور پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ بھی پیاسے ہیں اور پانی مانگتے ہیں، کہ اتنے میں ان کے پاس والے نے اشارہ کر دیا، انھوں نے بھی خود پانی پینے سے قبل اس کے پاس جانے کا اشارہ کیا، اتنے میں وہاں تک پہونچا تو ان کی روح پرواز[3] کر چکی تھی، واپس دوسرے صاحب کے پاس پہونچا تو وہ بھی ختم ہو چکے تھے، تو لوٹ کر چچازاد بھائی کے پاس آیا تو دیکھا کہ ان کا بھی وِصَال[4] ہو گیا۔ یہ ہیں تمہارے اسلاف[5] کے ایثار کہ خود پیاسے جان دے دی اور اجنبی بھائی سے پہلے پانی پینا گوارا[6] نہ کیا۔ رَضِيَ اللهُ عَنهُمْ وَأَرْضَاهُمْ وَارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهُم.[7] امین

روحُ البیان میں سُیوطیؒ کی جامع الصّغیر اور سخاویؒ کی مَقاصد سے بَروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ میری امت میں ہر وقت پانچ سو برگزیدہ[8] بندے اور چالیس اَبدال رہتے ہیں، جب کوئی شخص ان میں سے مر جاتا ہے فوراً دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ان لوگوں کے خصوصی اعمال کیا ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظلم کرنے والوں سے درگذر کرتے ہیں اور بُرائی کا معاملہ کرنے والوں سے (بھی) احسان کا برتاؤ کرتے ہیں اور اللہ کے عطا فرمائے ہوئے رزق میں لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور غم خواری کا برتاؤ کرتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث سے نقل کیا ہے کہ جو شخص بھوکے کو روٹی کھلائے یا ننگے کو کپڑا پہنائے یا مسافر کو شب[9] باشی کی جگہ دے، حق تعالیٰ شانہٗ قیامت کے ہَولوں[10] سے اس کو پناہ دیتے ہیں۔ یحییٰ برمکیؒ حضرت سفیان ثوریؒ پر ہر ماہ ایک ہزار درہم خرچ کرتے تھے، تو حضرت سفیانؒ سجدے میں ان کے لیے دعا کرتے تھے کہ یا اللہ! یحییٰ نے میری دنیا کی کفایت[11] کی تو اپنے لطف سے اس کی آخرت کی کفایت فرما۔ جب یحییٰ کا انتقال ہوا تو لوگوں نے خواب میں ان سے پوچھا کہ کیا گذری؟ انھوں نے کہا کہ سفیانؒ کی دعا کی بَدولت مغفرت ہوئی۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے روزہ افطار کرانے کی فضیلت ارشاد فرمائی۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جو شخص حلال کمائی سے رمضان میں روزہ افطار کرائے، اس پر رمضان کی راتوں میں فرشتے رحمت بھیجتے ہیں اور شبِ قدر میں جبرئیل علیہ السلام اس سے مصافحہ کرتے ہیں اور جس سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مُصافَحہ کرتے ہیں (اس کی علامت یہ ہے کہ) اس کے دل میں رِقّت[12] پیدا ہوتی ہے اور آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔

حل لغات: (۱) سلی ہوئی کھال جس میں پانی بھرا جاتا ہے۔ (۲) جان۔ (۳) انتقال ہو جانا۔ (۴) انتقال۔ (۵) سلف کی جمع، بزرگ۔ (۶) پسند۔ (۷) اے اللہ ان سے راضی ہو جائیے اور ان کو راضی کر لیجیے اور ان کی اتباع کی توفیق عطا فرمائیے۔ (۸) نیک صالح۔ (۹) رات گذارنا۔ (۱۰) گھبراہٹ۔ (۱۱) ضرورت پوری کرنا۔ (۱۲) نرمی۔

حمّاد بن سلمہؒ ایک مشہور محدث ہیں، روزانہ پچاس آدمیوں کے روزہ افطار کرانے کا اہتمام کرتے تھے۔

اس مہینے کے تین حصے اور ان کی تفصیل

افطار کی فضیلت ارشاد فرمانے کے بعد فرمایا ہے کہ اس ماہ کا اوّل حصہ رحمت ہے، یعنی حق تعالیٰ شانہٗ کا اِنعام مُتوَجَّہ ہوتا ہے اور یہ رحمتِ عامّہ[1] سب مسلمانوں کے لیے ہوتی ہے، اس کے بعد جو لوگ اس کا شکر ادا کرتے ہیں اُن کے لیے اس رحمت میں اضافہ ہوتا ہے ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ [سورۂ ابراہیم:۷]۔ اور اس کے درمیانی حصہ سے مغفرت شروع ہو جاتی ہے، اس لیے کہ روزوں کا کچھ حصہ گذر چکا ہے، اس کا مُعاوَضہ[2] اور اِکرام مغفرت کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے۔ اور آخری حصہ تو بالکل آگ سے خَلاصی[3] ہے ہی اور بھی بہت سی روایات میں ختمِ رمضان پر آگ سے خَلاصی کی بشارتیں وارد ہوئی ہیں۔ رمضان کے تین۳ حصے کیے گئے جیسا کہ مضمونِ بالا[4] سے معلوم ہوا۔ بندۂ ناچیز کے خیال میں تین حصے رحمت اور مغفرت اور آگ سے خَلاصی کے درمیان میں فرق یہ ہے کہ آدمی تین۳ طرح کے ہیں: ایک: وہ لوگ جن کے اوپر گناہوں کا بوجھ نہیں، ان کے لیے شروع ہی سے رحمت اور انعام کی بارش ہو جاتی ہے۔ دوسرے: وہ لوگ جو معمولی گنہگار ہیں، ان کے لیے کچھ حصہ روزہ رکھنے کے بعد ان روزوں کی برکت اور بدلہ میں مغفرت اور گناہوں کی معافی ہوتی ہے۔ تیسرے: وہ جو زیادہ گنہگار ہیں ان کے لیے زیادہ حصہ روزہ رکھنے کے بعد آگ سے خَلاصی ہوتی ہے، اور جن لوگوں کے لیے ابتداء[5] ہی سے رحمت تھی اور ان کے گناہ بخشے بخشائے تھے، ان کا تو پوچھنا ہی کیا کہ ان کے لیے رحمتوں کے کس قدر انبار[6] ہوں گے (وَاللّٰهُ أَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ أَتَمُّ)

مُلازِموں کے ساتھ نرمی

اس کے بعد حضور ﷺ نے ایک اور چیز کی طرف رغبت دلائی ہے کہ آقا لوگ اپنے ملازموں پر اس مہینہ میں تخفیف[7] رکھیں اس لیے کہ آخر وہ بھی روزہ دار ہیں، کام کی زیادتی سے ان کو روزہ میں دِقّت[8] ہوگی۔ البتہ اگر کام زیادہ ہو تو اس میں مُضَائقہ[9] نہیں کہ رمضان کے لیے ہنگامی[10] ملازم ایک آدھ بڑھا لے، مگر جب ہی کہ ملازم روزہ دار بھی ہو، ورنہ اس کے لیے رمضان بے رمضان برابر۔ اور اس ظلم و بے غیرتی کا تو ذکر ہی کیا کہ خود روزہ خور[11] ہو کر بے حیا منہ سے روزہ دار ملازموں سے کام لے اور نماز روزہ کی وجہ سے اگر تعمیل[12] میں کچھ تساہُل[13] ہو تو بَرَسنے[14] لگے ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ۝﴾ [سورۂ شعراء] ترجمہ: اور عنقریب ظالم لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیسی (مصیبت کی) جگہ لوٹ کر جائیں گے (مراد جہنم ہے)۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے رمضان المبارک میں چار۴ چیزوں کی کثرت کا حکم فرمایا: اول کلمہ

حل لغات: (۱) عام رحمت۔ (۲) اجر، بدلہ۔ (۳) چھٹکارا۔ (۴) اوپر کا مضمون۔ (۵) شروع۔ (۶) ذخیرے۔ (۷) بوجھ ہلکا کرنا۔ (۸) پریشانی۔ (۹) حرج۔ (۱۰) کچھ دن کے لیے۔ (۱۱) روزہ چھوڑنے والا۔ (۱۲) حکم پورا کرنا۔ (۱۳) سستی۔ (۱۴) غصہ ہونا۔

شہادت، احادیث میں اس کو افضل الذکر[1] ارشاد فرمایا ہے۔ مشکوٰۃ میں بروایت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ اللہ جلّ جلالہٗ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ یا اللہ ! تو مجھے کوئی ایسی دعا بتلادے کہ اس کے ساتھ میں تجھے یاد کیا کروں اور دعا کیا کروں، وہاں سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ارشاد ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ کلمہ تو تیرے سارے ہی بندے کہتے ہیں، میں تو کوئی دعا یا ذکر مخصوص چاہتا ہوں۔ وہاں سے ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور ان کے آباد کرنیوالے میرے سوا یعنی ملائکہ[2] اور ساتوں زمین ایک پلڑہ میں رکھ دیے جاویں اور دوسرے میں کلمہ طیبہ رکھ دیا جاوے تو وہی جُھک جائے گا۔

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص اخلاص سے اس کلمہ کو پڑھے آسمان کے دروازے اس کے لیے فوراً کھل جاتے ہیں اور عرش تک پہونچنے میں کسی قسم کی روک نہیں ہوتی، بشرطیکہ کہنے والا کبائر[3] سے بچے۔ عادتُ اللہ[4] اسی طرح جاری ہے کہ ضرورتِ عامّہ[5] کی چیز کو کثرت سے مرحمت فرماتے ہیں۔ دنیا میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز جس قدر ضرورت کی ہوتی ہے اتنی ہی عام ہوتی ہے۔ مثلاً پانی ہے کہ عام ضرورت کی چیز ہے حق تعالیٰ شانہٗ کی بے پایاں[6] رحمت نے اس کو کس قدر عام کر رکھا ہے اور کیمیاء[7] جیسی لغو اور بیکار چیز کو عنقا[8] کر دیا۔ اسی طرح کلمہ طیبہ افضل الذکر ہے، متعدد احادیث سے اس کی تمام اذکار پر افضلیّت معلوم ہوتی ہے، اس کو سب سے عام کر رکھا ہے کہ کوئی محروم نہ رہے، پھر بھی اگر کوئی محروم رہے تو اس کی بدبختی[9] ہے۔ بِالجُملہ بہت سی احادیث اس کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں جن کو اختصاراً ترک[10] کیا جاتا ہے۔

دوسری چیز جس کی کثرت کرنے کو حدیثِ بالا میں ارشاد فرمایا گیا وہ استغفار ہے، احادیث میں اِستِغفار کی بھی بہت ہی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص استغفار کی کثرت رکھتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ ہر تنگی میں اس کے لیے راستہ نکال دیتے ہیں اور ہر غم سے خلاصی نصیب فرماتے ہیں اور ایسی طرح روزی پہونچاتے ہیں کہ اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آدمی گنہگار تو ہوتا ہی ہے، بہترین گنہگار وہ ہے جو توبہ کرتا رہے۔ ایک حدیث قریب آنے والی ہے کہ جب آدمی گناہ کرتا ہے تو ایک کالا نقطہ اس کے دل پر لگ جاتا ہے، اگر توبہ کرتا ہے تو وہ دُھل جاتا ہے ورنہ باقی رہتا ہے۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے دو چیز کے مانگنے کا امر فرمایا ہے جن کے بغیر چارہ ہی نہیں: جنت کا حصول اور دوزخ سے امن۔ اللہ اپنے فضل سے مجھے بھی مرحمت فرمائے اور تمہیں بھی۔

حل لغات: (۱) سب سے افضل ذکر۔ (۲) فرشتے۔ (۳) بڑے بڑے گناہ۔ (۴) اللہ کا طریقہ۔ (۵) عام ضرورت۔ (۶) بے انتہا۔ (۷) دوسری دھاتوں کو سونے یا چاندی بنانے کا علم۔ (۸) غائب، مشکل۔ (۹) بدقسمتی۔ (۱۰) چھوڑنا۔

اُمت کے لیے پانچ تحفے

(۲) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: أُعْطِيَتْ أُمَّتِيْ خَمْسَ خِصَالٍ فِيْ رَمَضَانَ لَمْ تُعْطَهُنَّ أُمَّةٌ قَبْلَهُمْ: خَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ، وَتَسْتَغْفِرُ لَهُمُ الْحِيْتَانُ حَتّٰى يُفْطِرُوْا، وَيُزَيِّنُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ كُلَّ يَوْمٍ جَنَّتَهٗ ثُمَّ يَقُوْلُ: يُوْشِكُ عِبَادِيَ الصَّالِحُوْنَ أَنْ يُّلْقُوْا عَنْهُمُ الْمَئُوْنَةَ وَيَصِيْرُوْا إِلَيْكَ، وَتُصَفَّدُ فِيْهِ مَرَدَةُ الشَّيَاطِيْنِ فَلَا يَخْلُصُوْا فِيْهِ إِلٰى مَا كَانُوْا يَخْلُصُوْنَ إِلَيْهِ فِيْ غَيْرِهٖ، وَيُغْفَرُ لَهُمْ فِيْ اٰخِرِ لَيْلَةٍ قِيْلَ: يَارَسُوْلَ اللهِ! أَهِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ؟ قَالَ: لَا وَلٰكِنَّ الْعَامِلَ إِنَّمَا يُوَفّٰى أَجْرَهٗ إِذَا قَضٰى عَمَلَهٗ.

ابو ہریرہ ﷺ نے حضور اکرم ﷺ سے نقل کیا کہ میری امّت کو رمضان شریف کے بارے میں پانچ۵ چیزیں مخصوص طور پر دی گئی ہیں، جو پہلی امتوں کو نہیں ملی ہیں: (۱) یہ کہ ان کے منہ کی بدبو اللہ کے نزدیک مُشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ (۲) یہ کہ ان کے لیے دریا کی مچھلیاں تک دعا کرتی ہیں اور افطار کے وقت تک کرتی رہتی ہیں۔ (۳) جنت ہر روز ان کے لیے آراستہ[۱] کی جاتی ہے، پھر حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ قریب ہے کہ میرے نیک بندے (دنیا کی) مشقّتیں اپنے اوپر سے پھینک کر تیری طرف آویں۔ (۴) اس میں سرکش شیاطین قید کر دیے جاتے ہیں کہ وہ رمضان میں ان برائیوں کی طرف نہیں پہونچ سکتے، جن کی طرف غیر رمضان میں پہونچ سکتے ہیں۔ (۵) رمضان کی آخری رات میں روزہ داروں کے لیے مغفرت کی جاتی ہے۔ صحابہ ﷺ نے عرض کیا کہ یہ شبِ مغفرت شبِ قدر ہے؟ فرمایا: نہیں، بلکہ دستور[۲] یہ ہے کہ مزدور کو کام ختم ہونے کے وقت مزدوری دے دی جاتی ہے۔

[رواه أحمد والبزار والبيهقي، ورواه أبوالشيخ ابن حبان في كتاب الثواب إلا أن عنده: وتستغفر لهم الملئكة. بدل الحيتان. كذا في الترغيب]

نبی کریم ﷺ نے اس حدیث پاک میں پانچ۵ خصوصیتیں ارشاد فرمائی ہیں، جو اس امت کے لیے حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے مخصوص انعام ہوئی اور پہلی اُمت کے روزہ داروں کو مرحمت نہیں ہوئی، کاش ہمیں اس نعمت کی قدر ہوتی اور ان خصوصی عطایا کے حصول کی کوشش کرتے۔

منہ کی بُو کا مطلب

اول یہ کہ روزہ دار کے منہ کی بدبو جو بھوک کی حالت میں ہو جاتی ہے، حق تعالیٰ شانہٗ کے نزدیک مشک سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔ شُرّاحِ حدیث[۳] کے اس لفظ

حل لغات: (۱) سجایا جانا۔ (۲) قانون۔ (۳) حدیث کا مطلب بیان کرنے والے۔

کے مطلب میں آٹھ[8] قول ہیں، جن کو مُوطّا کی شرح میں بندہ مُفَصَّل نقل کر چکا ہے؛ مگر بندہ کے نزدیک اُن میں سے تین[3] قول رَاجِح[1] ہیں: اول یہ کہ حق تعالیٰ شانہٗ آخرت میں اس بدبو کا بدلہ اور ثواب خوشبو سے عطا فرمائیں گے، جو مشک سے زیادہ عمدہ اور دماغ پرُوَرْ[2] ہوگی۔ یہ مطلب تو ظاہر ہے اور اس میں کچھ بُعد[3] بھی نہیں، نیز دُرِّ منثور کی ایک روایت میں اس کی تصریح بھی ہے، اس لیے یہ بِمَنْزِلَہ[4] متعین کے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قیامت میں جب قبروں سے اُٹھیں گے تو یہ علامت ہوگی کہ روزہ دار کے منہ سے ایک خوشبو جو مشک سے بھی بہتر ہوگی، وہ آئے گی۔ تیسرا مطلب جو بندہ کی ناقص رائے میں ان دونوں سے اچھا ہے وہ یہ کہ دنیا ہی میں اللہ کے نزدیک اِس بُو کی قدر مُشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے اور یہ امر[5] بابُ المحبت[6] سے ہے، جس کو کسی سے محبت و تعلق ہوتا ہے اس کی بدبو بھی فریفتہ[7] کے لیے ہزار خوشبوؤں سے بہتر ہوا کرتی ہے۔

اے حافظِ[8] مِسکیں چہ کُنی مشکِ خُتَن رَا   اَز گیسُوئے اَحمد بِستاں عِطرِ عَدَن رَا

مقصود روزہ دار کا کمالِ تقرُّب ہے کہ بِمَنزِلہ محبوب کے بن جاتا ہے۔ روزہ حق تعالیٰ جلَّ شانہٗ کی محبوب ترین عبادتوں میں سے ہے۔ اسی وجہ سے ارشاد ہے کہ ہر نیک عمل کا بدلہ ملائکہ دیتے ہیں، مگر روزہ کا بدلہ میں خود عطا کرتا ہوں اس لیے کہ وہ خالص میرے لیے ہے۔ بعض مشائخ سے منقول ہے کہ یہ لفظ ((أُجْزٰی بِهٖ)) ہے یعنی یہ کہ اس کے بدلہ میں مَیں خود اپنے کو دیتا ہوں اور محبوب کے ملنے سے زیادہ اونچا بدلہ اور کیا ہوسکتا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ساری عبادتوں کا دروازہ روزہ ہے یعنی روزہ کی وجہ سے قلب مُنوّر[9] ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے ہر عبادت کی رغبت[10] پیدا ہوتی ہے مگر جب ہی کہ روزہ بھی روزہ ہو صرف بھوکا رہنا مراد نہیں؛ بلکہ آداب کی رعایت رکھ کر جن کا بیان حدیث نمبر نو کے ذیل میں مفصل آئے گا۔

روزے میں مسواک

اس جگہ ایک ضروری مسئلہ قابلِ تنبیہ[11] یہ ہے کہ اس ''منہ کی بدبو والی'' حدیثوں کی بناء پر بعض ائمہؒ روزہ دار کو شام کے وقت مسواک کرنے کو منع[12] فرماتے ہیں۔ حنفیہؒ کے نزدیک مسواک ہر وقت مستحب ہے، اس لیے کہ مسواک سے دانتوں کی بو زائل ہوتی ہے اور حدیث میں جس بُو کا ذکر ہے وہ معدہ کے خالی ہونے کی ہے، نہ کہ دانتوں کی۔ حنفیہؒ کے دلائل اپنے موقع پر کتبِ فقہ و حدیث میں موجود ہیں۔

حل لغات: (۱) بہتر، پسندیدہ۔ (۲) دماغ کو تازگی دینے والی۔ (۳) دوری، یعنی مطابق ہے۔ (۴) کی جگہ میں۔ (۵) معاملہ۔ (۶) محبت کی قسم۔ (۷) عاشق۔ (۸) اے مسکین حافظ ختن کے مشک کو کیا کرے گا، احمد ﷺ کی زلفوں سے جنت کی خوشبو لے لے۔ (۹) روشن۔ (۱۰) چاہت۔ (۱۱) بتلانے کے لائق۔ (۱۲) ختم۔

مچھلیوں کا اِستِغفار

دوسری خصوصیت مچھلیوں کے استغفار کرنے کی ہے، اس سے مقصود کثرت سے دعا کرنے والوں کا بیان ہے، متعدد روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ ملائکہ اس کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ میرے چچا جان[1] کا ارشاد ہے کہ مچھلیوں کی خصوصیت بظاہر اس وجہ سے ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾﴾ [سورۂ مریم] ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال کیے، حق تعالیٰ شانہٗ ان کے لیے (دنیا ہی میں) محبوبیت فرما دیں گے۔ اور حدیث پاک میں ارشاد ہے: جب حق تعالیٰ شانہٗ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے فلاں شخص پسند ہے تم بھی اس سے محبت کرو، وہ خود محبت کرنے لگتے ہیں اور آسمان پر آواز دیتے ہیں کہ فلاں بندہ اللہ کا پسندیدہ ہے تم سب اس سے محبت کرو، پس آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں اور پھر اس کے لیے زمین پر قبولیت رکھ دی جاتی ہے اور عام قاعدہ کی بات ہے کہ ہر شخص کی محبت اس کے پاس رہنے والوں کو ہوتی ہے، لیکن اس کی محبت اتنی عام ہوتی ہے کہ آس پاس رہنے والوں ہی کو نہیں بلکہ دریا کے رہنے والے جانوروں کو بھی اس سے محبت ہوتی ہے کہ وہ بھی دعا کرتے ہیں اور گویا "بَرّ"[2] سے مُتَجاوِز[3] ہو کر "بَحر"[4] تک پہونچنا محبوبیت کی انتہا[5] ہے، نیز جنگل کے جانوروں کا دعا کرنا بطریق[6] اَولیٰ معلوم ہو گیا۔

جنت کا سجایا جانا

تیسری خصوصیت جنت کا مُزَیَّن[7] ہونا ہے۔ یہ بھی بہت سی روایات میں وارد ہوا ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ سال کے شروع ہی سے رمضان کے لیے جنت کو آراستہ[8] کرنا شروع ہو جاتا ہے اور قاعدہ کی بات ہے کہ جس شخص کے آنے کا جس قدر اہتمام ہوتا ہے، اتنا ہی پہلے سے اس کا انتظام کیا جاتا ہے، شادی کا اہتمام مہینوں پہلے سے کیا جاتا ہے۔

شیاطین کا قید ہونا

چوتھی خصوصیت سرکش شیاطین کا قید ہو جانا ہے کہ جس کی وجہ سے معاصی[9] کا زور کم ہو جاتا ہے، رمضان المبارک میں رحمت کے جوش اور عبادت کی کثرت کا مُقتَضیٰ[10] یہ تھا کہ شیاطین بہکانے میں بہت ہی انتھک کوشش کرتے اور پاؤں چوٹی کا زور ختم کر دیتے اور اس وجہ سے معاصی کی کثرت اس مہینہ میں اتنی ہو جاتی کہ حد سے زیادہ؛ لیکن باوجود اس کے یہ مُشاہَدہ[11] ہے اور مُحقَّق[12] کہ مجموعی طور سے گناہوں میں بہت کمی ہو جاتی ہے۔ کتنے شرابی کبابی ایسے ہیں کہ رمضان میں خصوصیت سے نہیں پیتے اور اسی طرح اور بھی گناہوں میں کھلی کمی ہو جاتی ہے، لیکن اس کے باوجود گناہ ہوتے ضرور ہیں؛ مگر ان کے سرزَد[13] ہونے سے اس حدیث پاک میں تو کوئی اشکال نہیں، اس لیے کہ اس کا

حل لغات: (١) حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ۔ (٢) خشکی۔ (٣) آگے بڑھ کر۔ (٤) سمندر۔ (٥) آخری حد۔ (٦) اچھی طرح سے (٧) سجایا جانا۔ (٨) سجانا۔ (٩) گناہ۔ (١٠) تقاضا۔ (١١) دیکھنے میں آیا۔ (١٢) ثابت۔ (١٣) واقع ہونا۔

مضمون ہی یہ ہے کہ سرکش شیاطین قید کر دیے جاتے ہیں، اس بناء پر اگر وہ گناہ غیر سرکشوں کا اثر ہو تو کچھ خَلجان نہیں، البتہ دوسری روایات میں سرکش کی قید بغیر مطلقاً شیاطین کے مُقیّد ہونے کا ارشاد بھی موجود ہے پس اگر ان روایات سے بھی سرکش شیاطین کا ہی قید ہونا مراد ہے کہ بسا[1] اوقات لفظ مُطلَق[2] بولا جاتا ہے، مگر دوسری جگہ سے اس کی قُیود[3] ات معلوم ہو جاتی ہیں، تب بھی کوئی اشکال نہیں رہا، البتہ اگر ان روایات سے سب شیاطین کا محبُوس[4] ہونا مراد ہو، تب بھی اِن معاصی کے صادر ہونے سے کچھ خَلجان[5] نہ ہونا چاہیے، اس لیے کہ اگرچہ معاصی عموماً شیاطین کے اثر سے ہوتے ہیں مگر سال بھر تک ان کے تَلبّس[6] اور اِختِلاط[7] اور زہریلے اثر کے جماؤ کی وجہ سے نفس ان کے ساتھ اس درجہ مانوس[8] اور متاثر ہو جاتا ہے کہ تھوڑی بہت غَیبَت[9] محسوس نہیں ہوتی، بلکہ وہی خیالات اپنی طبیعت بن جاتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ بغیر رمضان کے جن لوگوں سے گناہ زیادہ سرزد ہوتے ہیں، رمضان میں بھی انہی سے زیادہ تر صدور ہوتا ہے اور آدمی کا نفس چونکہ ساتھ رہتا ہے اسی لیے اس کا اثر ہے۔ دوسری بات ایک اور بھی ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب آدمی کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب میں ایک کالا نقطہ لگ جاتا ہے، اگر وہ سچی توبہ کر لیتا ہے تو دُھل جاتا ہے ورنہ لگا رہتا ہے اور اگر دوسری مرتبہ گناہ کرتا ہے تو دوسرا نقطہ لگ جاتا ہے، حتیٰ کہ اس کا قلب بالکل سیاہ[10] ہو جاتا ہے، پھر خیر کی بات اس کے قلب تک نہیں پہونچتی۔ اسی کو حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے کلام پاک میں ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ [سورۂ مطففین: ۱۴] سے ارشاد فرمایا ہے کہ ''ان کے قلوب زنگ آلود ہو گئے''، ایسی صورت میں وہ قلوب ان گناہوں کی طرف خود متوجّہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ ایک نوع[11] کے گناہ کو بے[12] تکلّف کر لیتے ہیں، لیکن اسی جیسا جب کوئی دوسرا گناہ سامنے ہوتا ہے تو قلب کو اس سے انکار ہوتا ہے، مثلاً جو لوگ شراب پیتے ہیں ان کو اگر سُوّر کھانے کو کہا جائے تو ان کی طبیعت کو نفرت ہوتی ہے، حالانکہ معصیّت[13] میں دونوں برابر ہیں، تو اسی طرح جب کہ غیر رمضان میں وہ ان گناہوں کو کرتے رہتے ہیں، تو دل ان کے ساتھ رنگے جاتے ہیں، جس کی وجہ سے رمضان المبارک میں بھی ان کے سرزد ہونے کے لیے شیاطین کی ضرورت نہیں رہتی۔ بالجملہ اگر حدیث پاک سے سب شیاطین کا مُقیّد ہو جانا مراد ہے، تب بھی رمضان المبارک میں گناہوں کے سرزد ہونے سے کچھ اشکال نہیں اور اگر مُتمرّد[14] اور خبیث شیاطین کا مقید ہونا مراد ہو، تب تو کوئی اشکال ہے ہی نہیں اور بندہ ناچیز کے نزدیک یہی توجیہ[15] اَولیٰ[16] ہے اور ہر شخص اس کو غور کر سکتا ہے اور تجربہ کر سکتا ہے کہ رمضان المبارک میں نیکی کرنے کے لیے یا کسی معصیت سے بچنے کے لیے اتنے زور نہیں لگانے پڑتے، جتنے کہ غیر رمضان میں پڑتے ہیں، تھوڑی سی ہمت اور توجُّہ کافی ہو جاتی ہے۔

حل لغات: (۱) اکثر وقت۔ (۲) عام۔ (۳) شرطیں۔ (۴) قید ہونا۔ (۵) فکر۔ (۶) میل جول۔ (۷) ساتھ رہنے۔ (۸) گھل مل جاتا۔ (۹) دوری۔ (۱۰) کالا۔ (۱۱) قسم۔ (۱۲) بلا جھجک۔ (۱۳) گناہ۔ (۱۴) سرکش۔ (۱۵) مطلب۔ (۱۶) بہتر۔

حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں حدیثیں مختلف لوگوں کے اعتبار سے ہیں یعنی فُسّاق[1] کے حق میں صرف مُتکبِّر شیاطین قید ہوتے ہیں اور صُلَحاء[2] کے حق میں مُطلَقاً ہر قسم کے شیاطین محبوس[3] ہوجاتے ہیں۔

روزہ داروں کی مغفرت

پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ رمضان المبارک کی آخری رات میں سب روزہ داروں کی مغفرت کردی جاتی ہے۔ یہ مضمون پہلی روایت میں بھی گذر چکاہے؛ چوں کہ رمضان المبارک کی راتوں میں شبِ قدر سب سے افضل رات ہے، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خیال فرمایا کہ اتنی بڑی فضیلت اسی رات کے لیے ہوسکتی ہے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کے فضائل مُستقِل علیحدہ چیز ہے، یہ انعام تو ختم رمضان کا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا

(۳) عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: أُحْضُرُوا الْمِنْبَرَ فَحَضَرْنَا. فَلَمَّا ارْتَقَى دَرَجَةً قَالَ: اٰمِيْنَ. فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّانِيَةَ قَالَ: اٰمِيْنَ. فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّالِثَةَ قَالَ: اٰمِيْنَ. فَلَمَّا نَزَلَ قُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللهِ! لَقَدْ سَمِعْنَا مِنْكَ الْيَوْمَ شَيْئًا مَّا كُنَّا نَسْمَعُهٗ. قَالَ: إِنَّ جِبْرَئِيْلَ عَرَضَ لِيْ فَقَالَ: بَعُدَ[4] مَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهٗ. قُلْتُ: اٰمِيْنَ. فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّانِيَةَ قَالَ: بَعُدَ مَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ. قُلْتُ: اٰمِيْنَ. فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّالِثَةَ قَالَ: بَعُدَ مَنْ أَدْرَكَ

کعب بن عُجرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منبر کے قریب ہوجاؤ، ہم لوگ حاضر ہوگئے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کے پہلے درجہ پر قدم مبارک رکھا تو فرمایا: آمین، جب دوسرے پر قدم مبارک رکھا تو پھر فرمایا: آمین، جب تیسرے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا: آمین۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے فارغ ہوکر نیچے اُترے، تو ہم نے عرض کیا کہ ہم نے آج آپ سے (منبر پر چڑھتے ہوئے) ایسی بات سنی جو پہلے کبھی نہیں سنی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت جبرئیل میرے سامنے آئے تھے (جب پہلے درجہ پر میں نے قدم رکھا تو) انھوں نے کہا کہ: ہلاک ہوجیو وہ شخص، جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی، میں نے کہا: آمین، پھر جب میں دوسرے درجہ پر چڑھا تو انھوں نے کہا: ہلاک ہوجیو وہ شخص، جس کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ مبارک ہو اور وہ درود نہ بھیجے، میں نے کہا: آمین، جب میں تیسرے درجہ پر چڑھا تو انھوں نے کہا: ہلاک ہو وہ شخص، جس کے سامنے اس کے والدین یا ان میں

حل لغات: (۱) گنہگاروں۔ (۲) نیک لوگوں۔ (۳) قید۔ (۴) بضم العين أي: عن الخير وبكسرها أي: هلاك قاله السخاوي.

أَبَوَيْهِ الْكِبَرَ أَوْ اَحَدَهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ. قُلْتُ: اٰمِيْنَ.	سے کوئی ایک بڑھاپے کو پاویں اور وہ اس کو جنت میں داخل نہ کرائیں، میں نے کہا: آمین۔

[رواه الحاكم وقال: صحيح الإسناد كذا في الترغيب وقال السخاوي رواه ابن حبان في ثقاته وصحيحه والطبراني في الكبير والبخاري في برّ الوالدين له والبيهقي في الشعب وغيرهم ورجاله ثقات وبسط طرقه وروى الترمذي عن أبي هريرة بمعناه. وقال ابن حجر: طرقه كثيرة كما في المرقاة]

فائدہ: اس حدیث میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تین بد دعائیں دی ہیں اور حضور اقدس ﷺ نے ان تینوں پر آمین فرمائی، اوّل تو حضرت جبرئیل علیہ السلام جیسے مُقَرَّب[1] فرشتے کی بد دُعا ہی کیا کم تھی اور پھر حضور اقدس ﷺ کی آمین نے تو جتنی سخت بددُعا بنادی وہ ظاہر ہے، اللہ ہی اپنے فضل سے ہم لوگوں کو ان تینوں چیزوں سے بچنے کی توفیق عطا فرماویں اور ان بُرائیوں سے محفوظ رکھیں، ورنہ ہلاکت میں کیا تردّد[2] ہے؟ دُرِّ منثور کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ سے کہا کہ آمین کہو، تو حضور ﷺ نے فرمایا: آمین، جس سے اور بھی زیادہ اہتمام معلوم ہوتا ہے۔

اوّل وہ شخص کہ جس پر رمضان المبارک گذر جائے اور اس کی بخشش نہ ہو، یعنی رمضان المبارک جیسا خیر و برکت کا زمانہ بھی غفلت اور معاصی[3] میں گذر جائے کہ رمضان المبارک میں مغفرت اور اللہ جلّ شانہٗ کی رحمت بارش کی طرح برستی ہے، پس جس شخص پر رمضان المبارک کا مہینہ بھی اسی طرح گذر جائے کہ اس کی بداعمالیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے وہ مغفرت سے محروم رہے، تو اس کی مغفرت کے لیے اور کون سا وقت ہوگا؟ اور اس کی ہلاکت میں کیا تأمّل[4] ہے؟ اور مغفرت کی صورت یہ ہے کہ رمضان المبارک کے جو کام ہیں، یعنی روزہ وتراویح ان کو نہایت اہتمام سے ادا کرنے کے بعد ہر وقت کثرت کے ساتھ اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار کرے۔

دوسرا شخص جس کے لیے بد دعا کی گئی، وہ ہے: جس کے سامنے نبیٔ کریم ﷺ کا ذکر مبارک ہو اور وہ درود نہ پڑھے۔ اور بھی بہت سی روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے، اسی وجہ سے بعض علماء کے نزدیک جب بھی نبیٔ کریم ﷺ کا ذکر مبارک ہو، تو سننے والوں پر درود شریف کا پڑھنا واجب ہے۔ حدیث[5] بالا کے علاوہ اور بھی بہت سی وعیدیں اس شخص کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، جس کے سامنے حضور ﷺ کا تذکرہ ہو اور وہ درود نہ بھیجے، بعض احادیث میں اس کو شَقی[6] اور بخیل ترلوگوں میں شمار کیا گیا ہے، نیز جفا کار[7] اور جنت کا راستہ بھولنے والا، حتّٰی کہ جہنم میں داخل ہونے والا اور بد دین تک فرمایا ہے، یہ بھی وارد ہوا ہے کہ وہ نبیٔ کریم ﷺ کا چہرۂ انور نہ دیکھے گا، مُحقّقین علماء نے ایسی روایات کی تاویل[8] فرمائی ہو، مگر اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ درود شریف نہ پڑھنے والے کے لیے آپ ﷺ کے ظاہر ارشادات اس قدر سخت ہیں کہ ان کا تحمّل دُشوار ہے اور

حل لغات: ① معزز۔ ② شک۔ ③ گناہ۔ ④ شک۔ ⑤ اوپر والی حدیث۔ ⑥ بدبخت۔ ⑦ ظالم۔ ⑧ یعنی دوسرے مطلب بیان کیے ہوں۔

کیوں نہ ہو کہ آپ ﷺ کے اِحسانات امت پر اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ تحریر وتقریر ان کا اِحصاء[1] کر سکے، اس کے علاوہ آپ ﷺ کے حقوق امّت پر اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کو دیکھتے ہوئے درود شریف نہ پڑھنے والوں کے حق میں ہر وعید اور تنبیہ بجا[2] اور موزوں[3] معلوم ہوتی ہے، خود درود شریف کے فضائل اس قدر ہیں کہ ان سے محرومی مُستقِل بدنصیبی ہے، اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوگی کہ جو شخص نبی کریم ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجے، حق تعالیٰ جلّ شانہٗ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتے ہیں، نیز ملائکہ[4] کا اس کے لیے دعا کرنا، گناہوں کا معاف ہونا، درجات کا بلند ہونا، اُحد پہاڑ کے برابر ثواب کا ملنا، شفاعت کا اس کے لیے واجب ہونا وغیرہ وغیرہ اُمورِ مَزِید[5] برآں، نیز اللہ جلّ شانہٗ کی رضا، اس کی رحمت، اس کے غصہ سے امان، قیامت کے ہَول سے نجات، مرنے سے قبل جنت میں اپنے ٹھکانے کا دیکھ لینا وغیرہ بہت سے وعدے درود شریف کی خاص خاص مِقدَاروں پر مقرر فرمائے گئے ہیں، ان سب کے علاوہ درود شریف سے تنگیٔ معیشت[6] اور فقر دور ہوتا ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دربار میں تقرُّب[7] نصیب ہوتا ہے، دشمنوں پر مدد نصیب ہوتی ہے اور قلب کی نفاق اور زنگ سے صفائی ہوتی ہے، لوگوں کو اس سے محبت ہوتی ہے اور بہت سی بشارتیں ہیں جو درود شریف کی کثرت پر احادیث میں وارد ہوئی ہیں، فقہاء نے اس کی تصریح[8] کی ہے کہ ایک مرتبہ عمر بھر میں درود شریف کا پڑھنا عملاً فرض ہے اور اس پر علماءِ مذہب[9] کا اتفاق ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کا ذکرِ مبارک ہو، ہر مرتبہ درود شریف کا پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ بعض علماء کے نزدیک ہر مرتبہ درود شریف کا پڑھنا واجب ہے اور دوسرے بعض کے نزدیک مُستحَب۔

تیسرے وہ شخص کہ جس کے بوڑھے والدین میں سے دونوں یا ایک موجود ہوں اور وہ ان کی اس قدر خدمت نہ کرے کہ جس کی وجہ سے جنت کا مُستحِق ہو جائے، والدین کے حقوق کی بھی بہت سی احادیث میں تاکید آئی ہے، علماء نے ان کے حقوق میں لکھا ہے کہ مُباح[10] امور میں ان کی اطاعت ضروری ہے، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی بے ادبی نہ کرے، تکبّر سے پیش نہ آئے اگرچہ وہ مشرک ہوں، اپنی آواز کو ان کی آواز سے اونچی نہ کرے، ان کا نام لیکر نہ پکارے، کسی کام میں ان سے پیش قدمی[11] نہ کرے، اَمر بِالمَعرُوف اور نَہیٔ عَنِ المُنکَر میں نرمی کرے، اگر قبول نہ کریں تو سلوک کرتا رہے اور ہدایت کی دعا کرتا رہے، غرض ہر بات میں ان کا بہت احترام ملحوظ[12] رکھے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جنت کے دروازوں میں سے بہترین دروازہ باپ ہے، تیرا جی چاہے اس کی حفاظت کر یا اس کو ضائع کر دے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ والدین کا کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ تیری جنت ہیں یا جہنم، یعنی ان کی رضا جنت ہے اور

حل لغات: (۱) شمار کرنا۔ (۲) درست۔ (۳) مناسب۔ (۴) فرشتے۔ (۵) اس کے علاوہ۔ (۶) روزی کی تنگی۔ (۷) نزدیکی۔ (۸) وضاحت۔ (۹) تمام علماء۔ (۱۰) جائز کام۔ (۱۱) آگے نہ بڑھے۔ (۱۲) خیال رکھنا۔

ناراضگی جہنم ہے۔ایک حدیث میں آیا ہے کہ مطیع[1] بیٹے کی محبت اور شفقت سے ایک نگاہ والد کی طرف ایک مقبول حج کا ثواب رکھتی ہے۔ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ شرک کے سوا تمام گناہوں کو جس قدر دل چاہے اللہ معاف فرما دیتے ہیں، مگر والدین کی نافرمانی کا مرنے سے قبل دنیا میں بھی وبال پہونچاتے ہیں۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں جہاد میں جانے کا ارادہ کرتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تیری ماں بھی زندہ ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہاں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی خدمت کر کہ ان کے قدموں کے نیچے تیرے لیے جنت ہے۔ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے اور بھی بہت سی روایات میں اس کا اہتمام اور فضل[2] وارد ہوا ہے۔جو لوگ کسی غفلت سے اس میں کوتاہی کر چکے ہیں اور اب ان کے والدین موجود نہیں، شریعتِ مُطہّرہ[3] میں اس کی تلافی[4] بھی موجود ہے۔ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس کے والدین اس حالت میں مر گئے ہوں کہ وہ ان کی نافرمانی کرتا ہو تو ان کے لیے کثرت سے دعا اور استغفار کرنے سے مطیع شمار ہو جاتا ہے۔ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ بہترین بھلائی باپ کے بعد اس کے ملنے والوں سے حُسنِ[5] سلوک ہے۔

④ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَوْمًا وَّحَضَرَنَا رَمَضَانُ: أَتَاكُمْ رَمَضَانُ شَهْرُ بَرَكَةٍ يَّغْشَاكُمُ اللهُ فِيْهِ . فَيُنْزِلُ الرَّحْمَةَ وَيَحُطُّ الْخَطَايَا وَيَسْتَجِيْبُ فِيْهِ الدُّعَاءَ يَنْظُرُ اللهُ تَعَالٰى إِلٰى تَنَافُسِكُمْ فِيْهِ . وَيُبَاهِيْ بِكُمْ مَلٰئِكَتَهٗ . فَأَرُوْا اللهَ مِنْ أَنْفُسِكُمْ خَيْرًا . فَإِنَّ الشَّقِيَّ مَنْ حُرِمَ فِيْهِ رَحْمَةَ اللهِ عَزَّوَجَلَّ .

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کے قریب ارشاد فرمایا کہ رمضان کا مہینہ آ گیا ہے جو بڑی برکت والا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اس میں تمہاری طرف مُتوجّہ ہوتے ہیں اور اپنی رحمتِ خاصّہ[6] نازل فرماتے ہیں، خطاؤں کو معاف فرماتے ہیں، دعا کو قبول کرتے ہیں، تمہارے تنافُس کو دیکھتے ہیں اور ملائکہ سے فخر کرتے ہیں، پس اللہ کو اپنی نیکی دکھلاؤ، بدنصیب ہے وہ شخص جو اس مہینے میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہ جاوے۔

[رواه الطبراني ورواته ثقات إلا أن محمد بن قيس لا يحضرني فيه جرح ولا تعديل كذا في الترغيب]

فائدہ: تنافس اس کو کہتے ہیں کہ دوسرے کی حرص میں کام کیا جائے، اور مقابلہ پر دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کام کیا جاوے، تفاخُر اور تقابُل[7] والے آویں اور یہاں اپنے اپنے جوہر[8] دکھلاویں۔فخر کی بات نہیں، تحدیث[9] بالنِّعمۃ کے طور پر لکھتا ہوں: اپنی نااہلیت سے خود اگرچہ کچھ نہیں کر سکتا مگر اپنے گھرانہ کی عورتوں کو

حل لغات: ① فرماں بردار۔ ② فضیلت۔ ③ پاکیزہ۔ ④ بھرپائی۔ ⑤ اچھا برتاؤ۔ ⑥ خاص رحمت۔ ⑦ مقابلہ کرنا۔ ⑧ قابلیت۔ ⑨ اللہ کی نعمت کو ظاہر کرنا۔

دیکھ کر خوش ہوتا ہوں کہ اکثروں کو اس کا اہتمام رہتا ہے کہ دوسری سے تلاوت میں بڑھ جاوے، خانگی[1] کاروبار کے ساتھ پندرہ، بیس پارے روزانہ بے تکلّف[2] پورے کرلیتی ہیں، حق تعالیٰ شانہٗ اپنی رحمت سے قبول فرماویں اور زیادتی کی توفیق عطا فرماویں۔

⑤ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ ﷛ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِنَّ لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عُتَقَاءَ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ يَّعْنِيْ فِيْ رَمَضَانَ. وَإِنَّ لِكُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ دَعْوَةً مُّسْتَجَابَةً. [رواه البزار كذا في الترغيب]	نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ رمضان المبارک کی ہر شب[3] وروز میں اللہ کے یہاں سے (جہنم کے) قیدی چھوڑے جاتے ہیں اور ہر مسلمان کے لیے ہر شب وروز میں ایک دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

فائدہ: بہت سی روایات میں روزے دار کی دعا کا قبول ہونا وارد ہوا ہے، بعض روایات میں آتا ہے کہ افطار کے وقت دعا قبول ہوتی ہے، مگر ہم لوگ اس وقت کھانے پر اس طرح گرتے ہیں کہ دعا مانگنے کی تو کہاں فُرصت، خود افطار کی دعا بھی یاد نہیں رہتی، افطار کی مشہور دعا یہ ہے: اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ. ترجمہ: اے اللہ تیرے ہی لیے روزہ رکھا اور تجھی پر ایمان لایا ہوں اور تجھی پر بھروسہ ہے، تیرے ہی رزق سے اِفطار کرتا ہوں۔

حدیث کی کتابوں میں یہ دعا مختصر ملتی ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ﷠ افطار کے وقت یہ دعا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ أَنْ تَغْفِرَ لِيْ. ترجمہ: اے اللہ! تیری اس رحمت کے صدقے جو ہر چیز کو شامل ہے یہ مانگتا ہوں کہ تو میری مغفرت فرمادے۔ بعض کُتب میں خود حضور ﷺ سے یہ دعا منقول ہے: يَا وَاسِعَ الْفَضْلِ اغْفِرْ لِيْ. ترجمہ: اے وسیع عطا والے! میری مغفرت فرما۔ اور بھی مُتعَدّد[4] دعائیں روایات میں وارد ہوئی ہیں، مگر کسی دعا کی تخصیص[5] نہیں، اجابتِ[6] دعا کا وقت ہے، اپنی اپنی ضرورت کے لیے دعا فرماویں، یاد آجاوے تو اس سیاہ کار[7] کو بھی شامل فرمالیں کہ سائل[8] ہوں اور سائل کا حق ہوتا ہے۔

چشمۂ فیض سے گر ایک اشارہ ہوجائے　　لطف ہو آپ کا اور کام ہمارا ہوجائے

⑥ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷛ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: ثَلٰثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ: اَلصَّائِمُ حَتّٰى يُفْطِرَ، وَالْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ	حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تین آدمیوں کی دُعا رَدّ[9] نہیں ہوتی: ایک روزہ دار کی افطار کے وقت تک، دوسرے عادل[10] بادشاہ کی دعا، تیسرے

حل لغات: ① گھریلو کام کاج۔ ② آرام سے۔ ③ دن رات۔ ④ بہت سی۔ ⑤ خاص نہیں کیا ⑥ دعا کا قبول ہونا۔ ⑦ گنہگار۔ ⑧ مانگنے والا۔ ⑨ لوٹائی نہیں جاتی۔ ⑩ انصاف کرنے والا۔

يَرْفَعُهَا اللهُ فَوْقَ الْغَمَامِ وَيُفْتَحُ لَهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَيَقُوْلُ الرَّبُّ: وَعِزَّتِيْ لَأَنْصُرَنَّكَ وَلَوْ بَعْدَ حِيْنٍ. [رواه أحمد في حديث والترمذي وحسنه وابن خزيمة وابن حبان في صحيحيهما كذا في الترغيب]	مظلوم کی جس کو حق تعالیٰ شانہٗ بادلوں سے اوپر اُٹھا لیتے ہیں اور آسمان کے دروازے اس کے لیے کھول دیے جاتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے کہ میں تیری ضرور مدد کروں گا گو (کسی مَصلِحَت سے) کچھ دیر ہو جائے۔

فائدہ: دُرِّ منثور میں حضرت عائشہ ﷞ سے نقل کیا ہے: جب رمضان آتا تھا تو نبیٔ کریم ﷺ کا رنگ بدل جاتا تھا اور نماز میں اضافہ ہو جاتا تھا اور دعا میں بہت عاجزی فرماتے تھے اور خوف غالب ہو جاتا تھا۔ دوسری روایت میں فرماتی ہیں کہ رمضان کے ختم تک بستر پر تشریف نہیں لاتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ رمضان میں عرش کے اٹھانے والے فرشتوں کو حکم فرمادیتے ہیں کہ اپنی اپنی عبادت چھوڑ دو اور روزہ داروں کی دعا پر آمین کہا کرو۔ بہت سی روایات سے رمضان کی دعا کا خصوصیت سے قبول ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ بے تَرَدُّد[1] بات ہے کہ جب اللہ کا وعدہ ہے اور سچے رسول کا نقل کیا ہوا ہے، تو اس کے پورا ہونے میں کچھ تَرَدُّد[2] نہیں، لیکن اس کے بعد بھی بعض لوگ کسی غرض کے لیے دعا کرتے ہیں مگر وہ کام نہیں ہوتا، تو اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ وہ دعا قبول نہیں ہوئی، بلکہ دعا کے قبول ہونے کے معنی سمجھ لینا چاہیے۔

نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب مسلمان دعا کرتا ہے بشرطیکہ قطعِ رحمی[3] یا کسی گناہ کی دعا نہ کرے، تو حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں سے تین چیزوں میں سے ایک چیز ضرور ملتی ہے: یا خود وہی چیز ملتی ہے جس کی دعا کی یا اس کے بدلے میں کوئی برائی، مصیبت اس سے ہٹا دی جاتی ہے یا آخرت میں اسی قدر ثواب اس کے حصّہ میں لگا دیا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہٗ بندہ کو بلا کر ارشاد فرمائیں گے کہ اے میرے بندے! میں نے تجھے دعا کرنے کا حکم دیا تھا اور اس کے قبول کرنے کا وعدہ کیا تھا، تُو نے مجھ سے دعا مانگی تھی؟ وہ عرض کرے گا: مانگی تھی، اس پر ارشاد ہوگا کہ تو نے کوئی دعا ایسی نہیں کی جس کو میں نے قبول نہ کیا ہو، تُو نے فلاں دعا مانگی تھی کہ فلاں تکلیف ہٹا دی جائے، میں نے اس کو دنیا میں پورا کر دیا تھا اور فلاں غم کے دفع[4] ہونے کے لیے دعا کی تھی، مگر اس کا اثر کچھ تجھے معلوم نہیں ہوا، میں نے اس کے بدلے میں فلاں اجر و ثواب تیرے لیے مُتَعَیَّن کیا، حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کو ہر ہر دعا یاد کرائی جاوے گی اور اس کا دنیا میں پورا ہونا یا آخرت میں اس کا عِوَض[5] بتلایا جاوے گا، اس اجر و ثواب کی کثرت کو دیکھ کر وہ بندہ اس کی تمنا کرے گا کہ کاش دنیا میں اس کی کوئی بھی دعا پوری نہ ہوئی ہوتی کہ یہاں

حل لغات: (۱) صحیح، یقینی۔ (۲) شک۔ (۳) رشتے ناطے کو توڑنا۔ (۴) دور۔ (۵) بدلہ۔

اس کا اس قدر اَجر ملتا؛ غرض دعا نہایت ہی اہم چیز ہے، اس کی طرف سے غفلت بڑے سخت نقصان اورخسارہ کی بات ہےاورظاہر میں اگرقبول کے آثار نہ دیکھیں تو بَدْدِل نہ ہونا چاہیے۔

اس رسالہ کے ختم پر جولمبی حدیث آرہی ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بھی حق تعالیٰ شانہٗ بندے ہی کے مَصَالِح[1] پر نظر فرماتے ہیں، اگراس کے لیے اس چیز کا عطا فرمانا مَصْلِحت ہوتا ہے تو مَرْحَمَتْ فرماتے ہیں ورنہ نہیں۔ یہ بھی اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ہم لوگ بسا[2] اوقات اپنی نافہمی[3] سے ایسی چیز مانگتے ہیں، جو ہمارے مُناسب نہیں ہوتی، اس کے ساتھ دوسری ضروری اوراہم بات قابلِ لحاظ یہ ہے کہ بہت سے مرداورعورتیں تو خاص طور سے اس مرض میں مبتلا ہیں کہ بسا اوقات غصے اوررنج میں اولادوغیرہ کو بددُعا دیتے ہیں، یادرکھیں کہ اللہ جلَّ شانہٗ کے عالی دربار میں بعض اوقات ایسے خاص قبولیت کے ہوتے ہیں کہ جو مانگو مل جاتا ہے، یہ احمق[4] غصہ میں اول تو اولادکوکوستی ہیں اور جب وہ مرجاتی ہے یاکسی مصیبت میں مبتلا ہوجاتی ہےتو پھر روتی پھرتی ہیں اوراس کا خیال بھی نہیں آتا کہ مصیبت خودہی اپنی بددُعا سے مانگی ہے۔

نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اپنی جانوں اوراولاد کو نیز مال اور خادموں کو بددُعا نہ دیا کرو، مَبَادا[5] اللہ کے کسی ایسے خاص وقت میں واقع ہوجائے جو قبولیت کا ہے، بالخصوص رمضان المبارک کا تمام مہینہ تو بہت ہی خاص وقت ہے، اس میں اہتمام سے بچنے کی کوشش اَشَد[6] ضروری ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ رمضان المبارک میں اللہ کو یاد کرنے والا شخص بخشا بخشایاہےاوراللہ سے مانگنے والا نامراد نہیں رہتا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے ''ترغیب'' میں نقل کیا ہے کہ رمضان کی ہر رات میں ایک مُنادی[7] پکارتا ہے کہ اے خیر کے تلاش کرنے والے! متوجّہ ہو اور آگے بڑھ، اور اے برائی کے طلبگار! بس کر اور آنکھیں کھول، اس کے بعد وہ فرشتہ کہتا ہے: کوئی مغفرت کا چاہنے والا ہے کہ اس کی مغفرت کی جائے؟ کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ اس کی توبہ قبول کی جائے؟ کوئی دعا کرنے والا ہے کہ اس کی دعا قبول کی جائے؟ کوئی مانگنے والا ہے کہ اس کا سوال پورا کیا جائے؟ اس سب کے بعد یہ امر بھی نہایت ضروری اورقابلِ لحاظ ہے کہ دعا کے قبول ہونے کے لیے کچھ شرائط بھی وارد ہوئی ہیں کہ ان کے فوت[8] ہونے سے بسا اوقات دعا رَد[9] کردی جاتی ہے، مِنْجُمْلہ ان کے حرام غذا ہے کہ اس کی وجہ سے بھی دعا رَدّ ہوجاتی ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہت سے پریشان حال آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگتے ہیں اور یارب یارب کرتے ہیں، مگر کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام، ایسی حالت میں کہاں دعا قبول ہوسکتی ہے؟۔

حل لغات: (۱) بھلائیوں۔ (۲) اکثرمرتبہ۔ (۳) ناسمجھی۔ (۴) بیوقوف۔ (۵) خدانخواستہ۔ (۶) سخت۔ (۷) پکارنے والا۔ (۸) چھوٹنا۔ (۹) لوٹانا۔

مُؤَرِّخِین[1] نے لکھا ہے کہ کوفہ میں مُستجابُ[2] الدعا لوگوں کی ایک جماعت تھی، جب کوئی حاکم ان پر مسلّط ہوتا اس کے لیے بددُعا کرتے وہ ہلاک ہوجاتا، حجّاج ظالم کا جب وہاں تسلّط[3] ہوا تو اس نے ایک دعوت کی، جس میں ان حضرات کو خاص طور سے شریک کیا اور جب کھانے سے فارغ ہوچکے تو اس نے کہا کہ میں ان لوگوں کی بددُعا سے محفوظ ہوگیا کہ حرام کی روزی ان کے پیٹ میں داخل ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہمارے زمانہ کی حلال روزی پر بھی ایک نگاہ ڈالی جائے، جہاں ہر وقت سود تک کے جواز کی کوششیں جاری ہوں، ملازمین رشوت کو اور تاجر دھوکہ دینے کو بہتر سمجھتے ہوں۔

(۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الْمُتَسَحِّرِيْنَ. [رواه الطبراني في الأوسط وابن حبان في صحيحه كذا في الترغيب]	حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ خود حق تعالیٰ شانہٗ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت نازل فرماتے ہیں۔

فائدہ: کس قدر اللہ جلَّ جلالہٗ کا انعام واحسان ہے کہ روزہ کی برکت سے اس سے پہلے کھانے کو جس کو ''سحری'' کہتے ہیں، امت کے لیے ثواب کی چیز بنادیا اور اس میں بھی مسلمانوں کو اجر دیا جاتا ہے، بہت سی احادیث میں سحر کھانے کی فضیلت اور اجر کا ذکر ہے۔ علامہ عینیؒ نے ۱۷ر صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کی فضیلت کی احادیث نقل کی ہیں اور اس کے مُستَحب ہونے پر اِجماع نقل کیا ہے۔ بہت سے لوگ کاہلی[4] کی وجہ سے اس فضیلت سے محروم رہ جاتے ہیں اور بعض لوگ تراویح پڑھ کر کھانا کھا کر سو جاتے ہیں اور وہ اس کے ثواب سے محروم رہتے ہیں، اس لیے کہ لغت میں ''سحر'' اس کھانے کو کہتے ہیں جو صبح کے قریب کھایا جائے جیسا کہ قاموس نے لکھا ہے، بعض نے کہا ہے کہ آدھی رات سے اس کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ [مرقاۃ] صاحبِ کشّافؒ نے اخیر کے چھٹے حصہ کو بتلایا ہے، یعنی تمام رات کو ۶ر حصوں پر تقسیم کرکے اخیر کا حصہ مثلاً اگر غروبِ آفتاب سے طلوعِ صبحِ صادق تک بارہ گھنٹے ہوں تو اخیر کے دو گھنٹے سحر کا وقت ہے اور ان میں بھی تاخیر[5] اَولیٰ ہے، بشرطیکہ اتنی تاخیر نہ ہو کہ روزہ میں شک ہونے لگے، سحری کی فضیلت بہت سی احادیث میں آئی ہے۔

نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہمارے اور اہلِ کتاب (یہود ونصاریٰ) کے روزہ میں سحری کھانے سے فرق ہوتا ہے کہ وہ سحری نہیں کھاتے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ سحری کھایا کرو کہ اس میں برکت ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ تین چیزوں میں برکت ہے: جماعت میں اور ثرید میں اور سحری کھانے میں، اس حدیث میں جماعت سے عام مراد ہے، نماز کی جماعت اور ہر وہ کام جس کو مسلمانوں کی جماعت مل کر کرے کہ اللہ کی مدد اس کے ساتھ فرمائی گئی ہے اور ثَرید گوشت میں پکی ہوئی روٹی کہلاتی ہے جو نہایت لذیذ[6] کھانا ہوتا ہے۔ تیسرے سحری، نبیٔ کریم ﷺ جب کسی صحابی کو اپنے ساتھ سحر کھلانے کے لیے بلاتے تو ارشاد فرماتے کہ آؤ

حل لغات: (۱) تاریخ لکھنے والے۔ (۲) جن کی دعا اللہ قبول کرلیتے ہیں۔ (۳) قبضہ۔ (۴) سُستی۔ (۵) دیری کرنا۔ (۶) مزیدار۔

برکت کا کھانا کھالو۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ سحری کھا کر روزہ پر قوّت حاصل کرو اور دوپہر کو سوکر اخیر[1] شب کے اُٹھنے پر مدد چاہا کرو۔

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں ایسے وقت حاضر ہوا کہ آپ ﷺ سحری نوش فرمارہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک برکت کی چیز ہے جو اللہ نے تم کو عطا فرمائی ہے، اس کو مت چھوڑنا۔ حضور ﷺ نے مُتعَدّد روایات میں سَحور[2] کی ترغیب فرمائی ہے، حتیٰ کہ ارشاد ہے کہ اور کچھ نہ ہو تو ایک چھوارہ ہی کھالے یا ایک گھونٹ پانی ہی پی لے، اس لیے روزہ داروں کو اس ''ہَم خُرمَا[3] و ہَم ثواب'' کا خاص طور سے اِہتمام کرنا چاہیے کہ اپنی راحت، اپنا نفع اور مُفت کا ثواب، مگر اتنا ضروری ہے کہ افراط[4] و تفریط ہر چیز میں مُضِر[5] ہے، اس لیے نہ اتنا کم کھاوے کہ عبادات میں ضُعف[6] محسوس ہونے لگے اور نہ اتنا زیادہ کھاوے کہ دن بھر کھٹّی ڈکاریں آتی رہیں، خود ان احادیث میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ چاہے ایک چُھوارہ ہو یا ایک گھونٹ پانی، نیز مُستقل احادیث میں بھی بہت کھانے کی مُمانعت آئی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ بخاری کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ سحری کی برکات مختلف وُجوہ[7] سے ہیں: اتباعِ سنت، اہلِ کتاب کی مخالفت کہ وہ سحری نہیں کھاتے اور ہم لوگ حتی الوسع[8] ان کی مخالفت کے ماموُر[9] ہیں۔

نیز عبادت پر قُوّت، عبادت میں دل[10] بستگی کی زیادتی، نیز شدّتِ بھوک سے اکثر بد خُلقی[11] پیدا ہو جاتی ہے اس کی مُدافعت[12]، اس وقت کوئی ضرورت مند سائل[13] آجائے تو اس کی اعانت[14]، کوئی پڑوس میں غریب فقیر ہو اس کی مدد، یہ وقت خصوصیت سے قبولیت دعا کا ہے، سحری کی بَدَولت[15] دعا کی توفیق ہو جاتی ہے، اس وقت میں ذکر کی توفیق ہو جاتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

ابن دَقیق العیدؒ کہتے ہیں کہ صوفیاء کو سحور کے مسئلہ میں کلام[16] ہے کہ وہ مقصد روزہ کے خلاف ہے، اس لیے کہ مقصدِ روزہ پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت کا توڑنا ہے اور سحری کھانا اس مقصد کے خلاف ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ مقدار میں اتنا کھانا کہ یہ مصلحت بالکُلّیہ[17] فوت[18] ہو جائے یہ تو بہتر نہیں۔ اس کے علاوہ حسبِ حیثیت[19] و ضرورت مختلف ہوتا رہتا ہے۔ بندہ کے ناقص خیال میں اس بارے میں قولِ[20] فیصل بھی یہی ہے کہ اصل سحور وافطار میں تقلیل[21] ہے، مگر حسبِ ضرورت اس میں تغیُّر[22] ہو جاتا ہے، مثلاً طلباء کی جماعت کہ ان کے لیے تقلیلِ طعام منافعِ[23] صوم کے حاصل ہونے کے ساتھ تحصیلِ[24] علم کی مضرّت[25] کو شامل ہے، اس لیے ان کے لیے بہتر یہ ہے کہ تقلیل نہ کریں کہ علم دین کی اہمیت شریعت میں بہت زیادہ ہے، اسی طرح ذاکرین[26] کی جماعت،

حل لغات: (۱) رات کا اخیری حصہ۔ (۲) سحری کھانا۔ (۳) کھجور بھی کھاؤ ثواب بھی لو۔ (۴) زیادتی اور کمی۔ (۵) نقصان دہ۔ (۶) کمزوری۔ (۷) اسباب۔ (۸) اپنی طاقت بھر۔ (۹) حکم دیا گیا ہو جس کو۔ (۱۰) دل لگنا۔ (۱۱) بداخلاقی۔ (۱۲) روکنا۔ (۱۳) مانگنے والا۔ (۱۴) مدد۔ (۱۵) وجہ سے۔ (۱۶) اختلاف ہے۔ (۱۷) مکمل طور سے۔ (۱۸) چھوٹ جائے۔ (۱۹) طاقت کے موافق۔ (۲۰) آخری بات۔ (۲۱) کمی۔ (۲۲) تبدیلی ہو جاتی ہے۔ (۲۳) روزے کے فائدوں۔ (۲۴) علم حاصل کرنے۔ (۲۵) نقصان۔ (۲۶) ذکر کرنے والا۔

علیٰ ہٰذا دوسری جماعتیں جو تقلیلِ طعام کی وجہ سے کسی دینی کام میں اہمیت کے ساتھ مشغول نہ ہو سکیں۔ نبیِ کریم ﷺ نے ایک مرتبہ جہاد کو تشریف لے جاتے ہوئے اعلان فرمادیا کہ سفر میں روزہ نیکی نہیں، حالانکہ رمضان المبارک کا روزہ تھا، مگر اس جگہ جہاد کا تقابُل[1] آپڑا تھا، البتہ جس جگہ کسی ایسے دینی کام میں جو روزے سے زیادہ اہم ہو ضُعف اور کَسَل[2] روَا[3] نہ ہو، وہاں تقلیلِ طعام ہی مناسب ہے۔ شرحِ اِقْنَاع میں عَلَّامہ شَعْرانیؒ سے نقل کیا ہے کہ ہم سے اس پر عہد لیے گئے کہ پیٹ بھر کھانا نہ کھائیں، بالخصوص رمضان المبارک کی راتوں میں، بہتر یہ ہے کہ رمضان کے کھانے میں غیرِ رمضان سے کچھ تقلیل کرے، اس لیے کہ افطار وسحر میں جو شخص پیٹ بھر کر کھائے اس کا روزہ ہی کیا ہے۔ مشائخ نے کہا ہے کہ جو شخص رمضان میں بھوکا رہے، آئندہ رمضان تک تمام سال شیطان کے زور سے محفوظ رہتا ہے اور بھی بہت سے مشائخ سے اس باب میں شدت[4] منقول ہے۔

شرحِ اِحیاء میں عوارِف سے نقل کیا ہے کہ سہل بن عبداللہ تُستَریؒ پندرہ روز میں ایک مرتبہ کھانا تناول فرماتے تھے اور رمضان المبارک میں ایک لقمہ، البتہ روزانہ اتباعِ سنت کی وجہ سے محض پانی سے روزہ افطار فرماتے تھے۔ حضرت جنیدؒ ہمیشہ روزہ رکھتے، لیکن (اللہ والے) دوستوں میں سے کوئی آتا تو اس کی وجہ سے روزہ افطار فرماتے اور فرمایا کرتے تھے کہ (ایسے) دوستوں کے ساتھ کھانے کی فضیلت کچھ روزہ کی فضیلت سے کم نہیں۔ اور بھی سَلَف[5] کے ہزاروں واقعات اس کی شہادت[6] دیتے ہیں کہ وہ کھانے کی کمی کے ساتھ نفس کی تادیب[7] کرتے تھے، مگر شرط وہی ہے کہ اس کی وجہ سے اور دینی اہم امور میں نقصان نہ ہو۔

⑧ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷛ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: رُبَّ صَائِمٍ لَّيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ إِلَّا الْجُوْعُ، وَرُبَّ قَائِمٍ لَّيْسَ لَهٗ مِنْ قِيَامِهٖ إِلَّا السَّهَرُ.	حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہت سے روزہ رکھنے والے ایسے ہیں کہ ان کو روزہ کے ثَمَرات[8] میں بجز[9] بھوکا رہنے کے کچھ بھی حاصل نہیں اور بہت سے شب بیدار[10] ایسے ہیں کہ ان کو رات کے جاگنے (کی مَشَقَّت) کے سوا کچھ بھی نہ ملا۔

[رواه ابن ماجه واللفظ له والنسائي وابن خزيمة في صحيحه والحاكم وقال: على شرط البخاري ذكر لفظهما المنذري في الترغيب بمعناه]

فائدہ: علماء کے اس حدیث کی شرح میں چند اَقوال ہیں: اوّل یہ کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جو دن بھر روزہ رکھ کر مالِ حرام سے افطار کرتا ہے کہ جتنا ثواب روزہ کا ہوا تھا، اس سے زیادہ گناہ حرام مال کھانے کا ہوگیا اور دن بھر بھوکا رہنے کے سوا اور کچھ نہ ملا۔ دوسرے یہ کہ وہ شخص مراد ہے جو روزہ رکھتا ہے، لیکن غیبت میں بھی مبتلا رہتا ہے، جس کا بیان آگے آرہا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ روزہ کے اندر گناہ وغیرہ سے احتراز[11]

حل لغات: ① مقابلہ۔ ② سستی۔ ③ جائز، درست۔ ④ سختی۔ ⑤ بزرگانِ دین۔ ⑥ گواہی۔ ⑦ اصلاح۔ ⑧ فائدوں۔ ⑨ سوائے۔ ⑩ رات کو جاگنے والے۔ ⑪ بچنا۔

نہیں کرتا، نبیٔ اکرم ﷺ کے اِرشادات جامع[1] ہوتے ہیں، یہ سب صورتیں اس میں داخل ہیں اور ان کے علاوہ بھی۔ اسی طرح جاگنے کا حال ہے کہ رات بھر شب بیداری کی مگر تفریحاً[2] تھوڑی سی غیبت یا کوئی اور حماقت[3] بھی کر لی تو وہ سارا جاگنا بیکار ہو گیا، مثلاً صبح کی نماز ہی قضا کر دی یا محض ریا[4] اور شہرت کے لیے جاگا تو وہ بیکار ہے۔

⑨ عَنْ أَبِيْ عُبَيْدَةَ ﷛ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: الصِّيَامُ جُنَّةٌ مَا لَمْ يَخْرِقْهَا.	حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ روزہ آدمی کے لیے ڈھال ہے جب تک اس کو پھاڑ نہ ڈالے۔

[رواه النسائي وابن ماجه وابن خزيمة والحاكم وصححه على شرط البخاري وألفاظهم مختلفة حكاها المنذري في الترغيب]

فائدہ: ڈھال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے آدمی ڈھال سے اپنی حفاظت کرتا ہے، اسی طرح روزہ سے بھی اپنے دشمن یعنی شیطان سے حفاظت ہوتی ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ روزہ حفاظت ہے اللہ کے عذاب سے۔ دوسری روایت میں ہے کہ روزہ جہنم سے حفاظت ہے۔

ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! روزہ کس چیز سے پھٹ جاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جھوٹ اور غیبت سے۔ ان دونوں روایتوں میں اور اسی طرح اور بھی مُتعدِّد رِوایات میں روزہ میں اس قسم کے امور سے بچنے کی تاکید آئی ہے اور روزہ کا گویا ضائع کر دینا اس کو قرار دیا ہے۔ ہمارے اس زمانے میں روزہ کے کاٹنے کے لیے مَشغلہ اس کو قرار دیا جاتا ہے کہ واہی تباہی، میری تیری باتیں شروع کر دی جائیں۔ بعض عُلَماء کے نزدیک جھوٹ اور غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، یہ دونوں چیزیں ان حضرات کے نزدیک ایسی ہیں جیسے کہ کھانا پینا وغیرہ سب روزہ کو توڑنے والی اشیاء[5] ہیں۔ جمہور[6] کے نزدیک اگرچہ روزہ ٹوٹتا نہیں، مگر روزہ کے برکات جاتے رہنے سے تو کسی کو بھی اِنکار نہیں۔

مَشائخ نے روزہ کے آداب میں چھ امور تحریر فرمائے ہیں کہ روزہ دار کو ان کا اہتمام ضروری ہے: اوّل: نگاہ کی حفاظت کہ کسی بے محل جگہ پر نہ پڑے، حتیٰ کہ کہتے ہیں کہ بیوی پر بھی شہوت کی نگاہ نہ پڑے، پھر اجنبی کا کیا ذکر؟ اور اسی طرح کسی لہو و لعب[7] وغیرہ ناجائز جگہ نہ پڑے۔ نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے، جو شخص اس سے اللہ کے خوف کی وجہ سے بچ رہے، حق تعالیٰ جلَّ شانہٗ اس کو ایسا نورِ ایمانی نصیب فرماتے ہیں، جس کی حَلاوت[8] اور لَذَّت قلب[9] میں محسوس کرتا ہے۔ صُوفیا نے ''بے محل'' کی تفسیر یہ کی ہے کہ ہر ایسی چیز کا دیکھنا اس میں داخل ہے، جو دل کو حق تعالیٰ جلَّ شانہٗ سے ہٹا کر کسی دوسری طرف متوجّہ کر دے۔ دوسری چیز: زبان کی حفاظت ہے، جھوٹ، چغل خوری، لَغو بکواس، غیبت، بدگوئی، بدکلامی، جھگڑا وغیرہ سب چیزیں اس میں داخل ہیں۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے

حل لغات: ① ہر طرح سے مکمل۔ ② ہنسی مذاق میں۔ ③ بے وقوفی۔ ④ دکھاوا۔ ⑤ چیزیں۔ ⑥ اکثر علماء۔ ⑦ کھیل کود۔ ⑧ مٹھاس۔ ⑨ دل۔

کہ روزہ آدمی کے لیے ڈھال ہے، اس لیے روزہ دار کو چاہیے کہ زبان سے کوئی فحش[1] بات یا جہالت کی بات مثلاً تمسخر[2] جھگڑا وغیرہ نہ کرے، اگر کوئی دوسرا جھگڑنے لگے تو کہہ دے کہ میرا روزہ ہے یعنی دوسرے کی اِبتداء کرنے پر بھی اس سے نہ الجھے اگر وہ سمجھنے والا ہو تو اس سے کہہ دے کہ میرا روزہ ہے اور اگر وہ بیوقوف ناسمجھ ہو تو اپنے دل کو سمجھا دے کہ تیرا روزہ ہے، تجھے ایسی لَغْوِیَّات[3] کا جواب دینا مناسب نہیں، بالخصوص غیبت اور جھوٹ سے تو بہت ہی احتراز[4] ضروری ہے کہ بعض علماء کے نزدیک اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ کے زمانے میں دو عورتوں نے روزہ رکھا، روزہ میں اس شدَّت[5] سے بھوک لگی کہ ناقابلِ برداشت بن گئی، ہلاکت[6] کے قریب پہونچ گئیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبیٔ کریم ﷺ سے دریافت کیا، تو حضور ﷺ نے ایک پیالہ ان کے پاس بھیجا اور ان دونوں کو اس میں قے کرنے کا حکم فرمایا، دونوں نے قے کی تو اس میں گوشت کے ٹکڑے اور تازہ کھایا ہوا خون نکلا، لوگوں کو حیرت ہوئی، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انھوں نے حق تعالیٰ شانہٗ کی حلال روزی سے تو روزہ رکھا اور حرام چیزوں کو کھایا کہ دونوں عورتیں لوگوں کی غِیبت کرتی رہیں۔ اس حدیث سے ایک مضمون اور بھی مترشح[7] ہوتا ہے کہ غیبت کرنے کی وجہ سے روزہ بہت زیادہ معلوم ہوتا ہے، حتیٰ کہ وہ دونوں عورتیں روزہ کی وجہ سے مرنے کے قریب ہو گئیں۔ اسی طرح اور بھی گناہوں کا حال ہے اور تجربہ اس کی تائید کرتا ہے کہ روزہ میں اکثر متقی[8] لوگوں پر ذرا بھی اثر نہیں ہوتا اور فاسق[9] لوگوں کی اکثر بُری حالت ہوتی ہے، اس لیے اگر یہ چاہیں کہ روزہ نہ لگے، تب بھی اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ گناہوں سے اس حالت میں احتراز کریں، بالخصوص غیبت سے جس کو لوگوں نے روزہ کاٹنے کا مَشغلہ تجویز[10] کر رکھا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے کلام پاک میں غیبت کو اپنے بھائی کے مُردار گوشت سے تعبیر فرمایا ہے اور احادیث میں بھی بکثرت اس قسم کے واقعات ارشاد فرمائے گئے ہیں، جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کی غیبت کی گئی اس کا حقیقتاً گوشت کھایا جاتا ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے ایک مرتبہ چند لوگوں کو دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ دانتوں میں خلال کرو۔ انھوں نے عرض کیا کہ ہم نے تو آج گوشت چکھا بھی نہیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ فلاں شخص کا گوشت تمہارے دانتوں کو لگ رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ ان کی غیبت کی تھی، اللہ تعالیٰ اپنے حفظ میں رکھے کہ ہم لوگ اس سے بہت ہی غافل ہیں، عوام کا ذکر نہیں خواص مبتلا ہیں، ان لوگوں کو چھوڑ کر جو دنیا دار کہلاتے ہیں دینداروں کی مجالس بھی بالعُمُوم اس سے کم خالی ہوتی ہیں، اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اکثر اس کو غیبت بھی نہیں سمجھا جاتا، اگر اپنے یا کسی کے دل میں کچھ کھٹکا (گناہ ہونے کا احساس) بھی پیدا ہو تو اس پر اظہارِ واقعہ[11] کا پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔

حل لغات: ① بُری باتیں کہنا۔ ② ہنسی مذاق۔ ③ بیکار باتیں۔ ④ بچنا۔ ⑤ زور۔ ⑥ مرنا۔ ⑦ نکلنا۔ ⑧ پرہیزگار۔ ⑨ گناہ گار۔ ⑩ بنانا۔ ⑪ یعنی یہ کہ ہم تو حقیقت کہہ رہے ہیں، غیبت نہیں کر رہے ہیں۔

نبی کریم ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ غِیبت کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی کی پسِ پشت[1] ایسی بات کرنی جو اسے ناگوار[2] ہو۔ سائل نے پوچھا کہ اگر اس میں واقعتاً وہ بات موجود ہو، جو کہی گئی؟ حضور ﷺ نے فرمایا: جب ہی تو غیبت ہے، اگر واقعتاً موجود نہ ہو تب تو بُہتان[3] ہے۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کا دو قبروں پر گذر ہوا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کو عذابِ قبر ہو رہا ہے، ایک کو لوگوں کی غیبت کرنے کی وجہ سے، دوسرے کو پیشاب سے اِحتِیاط نہ کرنے کی وجہ سے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ سود کے ستّر سے زیادہ باب ہیں، سب سے سَہل اور ہلکا درجہ اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے اور ایک درہم سود کا پینتیس۳۵ زنا سے زیادہ سخت ہے اور بدترین[4] سود اور سب سے زیادہ خبیث ترین سود مسلمان کی آبرو ریزی[5] ہے۔ احادیث میں غیبت اور مسلمان کی آبرو ریزی پر سخت سے سخت وعیدیں آئی ہیں۔ میرا دل چاہتا تھا کہ ان میں سے کچھ مُعتدّبہ[6] روایات جمع کروں، اس لیے کہ ہماری مجلسیں اس سے بہت ہی زیادہ پُر رہتی ہیں، مگر مضمون دوسرا ہے اس لیے اسی قدر پر اِکتفا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو اس بلا[7] سے محفوظ فرمائیں اور بزرگوں اور دوستوں کی دعا سے مجھ سیہ کار[8] کو بھی محفوظ فرمائیں کہ باطنی اَمراض میں کثرت سے مُبتلا ہوں۔

کِبر و نُخوَت جَہل و غَفلت حِقد و کِینہ بدظَنی — کِذب و بَدعَہدی ریا و بُغض و غِیبَت دشمنی

کون بیماری ہے یارب جو نہیں مجھ میں ہوئی — عَافِنِيْ مِنْ كُلِّ داءٍ وَاقْضِ عَنِّيْ حَاجَتِيْ

إِنَّ لِيْ قَلْبًا سَقِيْمًا أَنْتَ شَافٍ لِلْعَلِيْلِ

تیسری چیز جس کا روزہ دار کو اہتمام ضروری ہے، وہ کان کی حفاظت ہے ہر مکروہ چیز سے جس کا کہنا اور زبان سے نکالنا ناجائز ہے، اس کی طرف کان لگانا اور سننا بھی ناجائز ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ غیبت کا کرنے والا اور سننے والا دونوں گناہ میں شریک ہیں۔ چوتھی چیز باقی اَعضاءِ بدن مثلاً ہاتھ کا ناجائز چیز کے پکڑنے سے، پاؤں کا ناجائز چیز کی طرف چلنے سے روکنا اور اسی طرح اور باقی اعضاء بدن کا، اسی طرح پیٹ کا افطار کے وقت مُشتبہ[9] چیز سے محفوظ رکھنا۔ جو شخص روزہ رکھ کر حرام مال سے اِفطار کرتا ہے، اس کا حال اس شخص کا سا ہے کہ کسی مرض کے لیے دوا کرتا ہے مگر اس میں تھوڑا سا سَنکھیا[10] بھی ملا لیتا ہے کہ اس مرض کے لیے تو وہ دوا مفید ہو جائے گی، مگر یہ زہر ساتھ ہی ہلاک بھی کر دے گا۔

پانچویں چیز اِفطار کے وقت حلال مال سے بھی اتنا زیادہ نہ کھانا کہ شِکَم سیر[11] ہو جائے، اس لیے کہ روزہ کی غرض اس سے فوت ہو جاتی ہے۔ مقصود روزہ سے قوتِ شہوانیہ اور بَہیمیہ[12] کا کم کرنا ہے اور قوتِ نورانیہ اور مَلکیہ[13] کا بڑھانا ہے۔ گیارہ مہینہ تک بہت کچھ کھایا ہے اگر ایک مہینہ اس میں کچھ کمی ہو جائے گی تو کیا جان

حل لغات: (۱) پیٹھ پیچھے۔ (۲) ناپسند۔ (۳) الزام۔ (۴) سب سے بڑا۔ (۵) بے عزتی کرنا۔ (۶) بہت ساری۔ (۷) آفت۔ (۸) گناہ گار۔ (۹) حلال ہونے میں شک وشبہ والی۔ (۱۰) زہر۔ (۱۱) پیٹ بھر کر کھانا۔ (۱۲) حیوانی۔ (۱۳) فرشتوں کے اوصاف۔

نکل جاتی ہے؟ مگر ہم لوگوں کا حال ہے کہ اِفطار کے وقت ''تلَافِیٔ مَافات[1]'' میں اور سَحر کے وقت ''حفظِ مَاتَقدَّم[2]'' میں اتنی زیادہ مقدار کھا لیتے ہیں کہ بغیر رمضان کے اور بغیر روزہ کی حالت کے اتنی مقدار کھانے کی نوبت بھی نہیں آتی۔ رمضان المبارک بھی ہم لوگوں کے لیے خوید[3] کا کام دیتا ہے۔ علامہ غزالیؒ لکھتے ہیں کہ روزہ کی غرض یعنی قہرِ ابلیس اور شہوتِ نفسانیہ کا توڑنا کیسے حاصل ہوسکتا ہے، اگر آدمی افطار کے وقت اس مقدار کی تلافی[4] کرلے جو فوت[5] ہوئی؟ حقیقتاً ہم لوگ بجز[6] اس کے کہ اپنے کھانے کے اوقات بدل دیتے ہیں، اس کے سوا کچھ بھی کمی نہیں کرتے بلکہ اور زیادتی مختلف انواع[7] کی کر جاتے ہیں جو بغیر رمضان کے میسر[8] نہیں ہوتی۔ لوگوں کی عادت کچھ ایسی ہوگئی ہے کہ عمدہ عمدہ اشیاء[9] رمضان کے لیے رکھتے ہیں اور نفس دن بھر کے فاقہ کے بعد جب ان پر پڑتا ہے تو خوب زیادہ سیر ہوکر کھاتا ہے تو بجائے قوتِ شہوانیہ کے ضعیف ہونے کے اور بھڑک اٹھتی ہے اور جوش میں آجاتی ہے اور مقصد کے خلاف ہوجاتا ہے۔ روزہ کے اندر مختلف اغراض اور فوائد اور اس کے مشروع ہونے سے مختلف مَنَافع مقصود ہیں، وہ سب جب ہی حاصل ہوسکتے ہیں جب کچھ بھوکا بھی رہے۔ بڑا نفع تو یہی ہے جو معلوم ہوچکا یعنی شہوتوں کا توڑنا، یہ بھی اسی پر موقوف ہے کہ کچھ وقت بھوک کی حالت میں گذرے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ شیطان آدمی کے بدن میں خون کی طرح چلتا ہے، اس کے راستوں کو بھوک سے بند کرو۔ تمام اعضاء کا سیر ہونا نفس کے بھوکا رہنے پر موقوف ہے۔ جب نفس بھوکا رہتا ہے تو تمام اعضاء سیر رہتے ہیں اور جب نفس سیر ہوتا ہے تو تمام اَعضَاء بھوکے رہتے ہیں۔ دوسری غرض روزہ سے فُقَراء کے ساتھ تشبُّہ اور ان کے حال پر نظر ہے، وہ بھی جب ہی حاصل ہوسکتی ہے جب سحر میں مِعدَہ کو دودھ جلیبی سے اتنا نہ بھرلے کہ شام تک بھوک ہی نہ لگے، فقراء کے ساتھ مُشابہت جب ہی ہوسکتی ہے جب کچھ وقت بھوک کی بےتابی[10] کا بھی گذرے۔ بِشر حافیؒ کے پاس ایک شخص گئے وہ سردی میں کانپ رہے تھے اور کپڑے پاس رکھے ہوئے تھے۔ انھوں نے پوچھا کہ یہ وقت کپڑے نکالنے کا ہے؟ فرمایا کہ فُقَراء بہت ہیں اور مجھ میں ان کی ہمدردی کی طاقت نہیں، اتنی ہمدردی کرلوں کہ میں بھی ان جیسا ہوجاؤں۔ مشائخِ صوفیہ نے عامۃً اس پر تنبیہ فرمائی ہے اور فُقہاء نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ صاحبِ مَراقِی الفلاحؒ لکھتے ہیں کہ سحور میں زیادتی نہ کرے جیسا کہ مُتنَعِّم[11] لوگوں کی عادت ہے کہ یہ غرض[12] کو فوت کردیتا ہے۔ عَلَّامہ طَحطَاوِیؒ اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ غرض کا مقصود یہ ہے کہ بھوک کی تلخی[13] کچھ محسوس ہو، تاکہ زیادتیٔ ثواب کا سبب ہو اور مساکین وفقراء پر ترس آسکے۔ خود نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ جلَّ شانہٗ کو کسی برتن کا بھرنا اس قدر ناپسند نہیں ہے، جتنا کہ پیٹ

حل لغات: (۱) چھوٹی ہوئی چیز کی بھرپائی۔ (۲) آگے کی تیاری کے لیے۔ (۳) کھانا پینا۔ (۴) بھرپائی۔ (۵) چھوٹنا۔ (۶) سوائے۔ (۷) قسمیں۔ (۸) حاصل۔ (۹) اچھی اچھی چیزیں۔ (۱۰) بےچینی۔ (۱۱) نازونعمت میں پلے ہوئے۔ (۱۲) مقصد۔ (۱۳) سختی۔

کا پُر[1] ہونا ناپسند ہے۔ ایک جگہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی کے لیے چند لقمے کافی ہیں جن سے کمر سیدھی رہے۔ اگر کوئی شخص بالکل کھانے پر تُل جائے تو اس سے زیادہ نہیں کہ ایک تہائی پیٹ کھانے کے لیے رکھے اور ایک تہائی پینے کے لیے اور ایک تہائی خالی۔ آخر کوئی تو بات تھی کہ نبی کریم ﷺ کئی کئی روز تک مُسَلسَل لگاتار روزہ رکھتے تھے کہ درمیان میں کچھ بھی نوش نہیں فرماتے تھے۔ میں نے اپنے آقا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ کو پورے رمضان المبارک دیکھا ہے کہ افطار وسحر دونوں وقت کی مقدار تقریباً ڈیڑھ چپاتی سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ کوئی خادم عرض بھی کرتا تو فرماتے کہ بھوک نہیں ہوتی، دوستوں کے خیال سے ساتھ بیٹھ جاتا ہوں۔ اور اس سے بڑھ کر حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ کے مُتعَلّق سنا ہے کہ کئی کئی دن مسلسل ایسے گذر جاتے تھے کہ تمام شب کی مقدار سحر وافطار بے دودھ کی چائے کے چند فنجان[2] کے سوا کچھ نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت کے مُخْلِص خادم حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ نے لَجاجَت سے عرض کیا کہ ضُعف بہت ہو جائے گا، حضرت کچھ تَناوُل ہی نہیں فرماتے، تو حضرت نے فرمایا کہ الحمد للہ جنت کا لطف حاصل ہو رہا ہے۔ حق تعالیٰ ہم سیہ کاروں[3] کو بھی ان پاک ہستیوں کا اِتباع نصیب فرماویں تو زہے[4] نصیب، مولانا سعدیؒ کہتے ہیں:

ندارند[5] تن پروراں آگہی ‌ ‌ ‌ ‌ کہ پُر مِعْدَہ باشد زحِکْمَت تِہی

چھٹی چیز جس کا لحاظ روزہ دار کے لئے ضروری فرماتے ہیں، یہ ہے کہ روزہ کے بعد اس سے ڈرتے رہنا بھی ضروری ہے کہ نہ معلوم یہ روزہ قابلِ قبول ہے یا نہیں۔ اور اسی طرح ہر عبادت کے ختم پر کہ نہ معلوم کوئی لغزش[6] جس کی طرف التفات[7] بھی نہیں ہوتا، ایسی تو نہیں ہوگئی جس کی وجہ سے یہ منہ پر مار دیا جائے۔ نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہت سے قرآن پڑھنے والے ہیں کہ قرآن پاک ان کو لعنت کرتا رہتا ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت میں جن لوگوں کا اوّلین[8] وَہْلَہ میں فیصلہ ہوگا (ان کے منجملہ[9] ایک شہید ہوگا، جس کو بلایا جائے گا اور اللہ کے جو جو انعام دنیا میں اس پر ہوئے تھے، وہ اس کو جتائے جائیں گے، وہ ان سب نعمتوں کا اقرار کرے گا اس کے بعد اس سے پوچھا جائے گا کہ ان نعمتوں میں کیا حق ادائیگی کی؟ وہ عرض کرے گا کہ تیرے راستہ میں قتال[10] کیا حتیٰ کہ شہید ہوگیا، ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے، بلکہ قتال اس لیے کیا تھا کہ لوگ بہادر کہیں، سو کہا جا چکا۔ اس کے بعد حکم ہوگا اور منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ ایسے ہی ایک عالم بلایا جائے گا، اس کو بھی اسی طرح سے اللہ کے انعامات جَتْلا کر پوچھا جائے گا کہ ان اِنْعَامات کے بدلے میں کیا کارگزاری ہے؟ وہ عرض کرے گا کہ علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور تیری

حل لغات: (۱) بھرنا۔ (۲) پیالی۔ (۳) گناہ گاروں۔ (۴) خوش قسمتی۔ (۵) پیٹ کو پوجنے والے عقل نہیں رکھتے، اس لیے کہ پیٹ بھرا عقل سے خالی ہوتا ہے۔ (۶) غلطی۔ (۷) توجہ۔ (۸) پہلا مرحلہ۔ (۹) ان میں سے۔ (۱۰) جہاد۔

رضا کی خاطر تلاوت کی، ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے، یہ اس لیے کیا گیا تھا کہ لوگ عَلَّامَہ کہیں، سو کہا جاچکا۔ اس کو بھی حکم ہوگا اور منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اسی طرح ایک دولت مند بلایا جائے گا اس سے انعاماتِ الٰہی[1] شمار کرانے اور اقرار لینے کے بعد پوچھا جائے گا کہ اللہ کی ان نعمتوں میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا کہ کوئی خیر کا راستہ ایسا نہیں چھوڑا، جس میں مَیں نے کچھ خرچ نہ کیا ہو، ارشاد ہوگا کہ جھوٹ ہے، یہ اس لیے کیا گیا تھا کہ لوگ سخی کہیں، سو کہا جاچکا۔ اس کو بھی حکم ہوگا اور منہ کے بل کھینچ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اللہ محفوظ فرمائیں کہ یہ سب بدنیتی[2] کے ثمرات ہیں۔ اس قسم کے بہت سے واقعات احادیث میں مذکور ہیں، اس لیے روزہ دار کو اپنی نیت کی حفاظت کے ساتھ اس سے خائف[3] بھی رہنا چاہیے اور دعا بھی کرتے رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ شانہ اس کو اپنی رضا کا سبب بنالیں، مگر ساتھ ہی یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اپنے عمل کو قابلِ قبول نہ سمجھنا امرِ آخر اور کریم آقا کے لُطف پر نگاہ امرِ آخر[4] ہے، اس کے لطف کے انداز بالکل نرالے ہیں معصیت پر بھی کبھی ثواب دے دیتے ہیں، تو پھر کوتاہ عمل کا کیا ذکر

خوبی[5] ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

یہ چھ چیزیں عام صُلَحاء کے لیے ضروری بتلائی جاتی ہیں، خواص[6] اور مُقَرَّبِین[7] کے لیے ان کے ساتھ ایک ساتویں چیز کا بھی اِضافہ فرماتے ہیں کہ دل کو اللہ کے سوا کسی چیز کی طرف بھی متوجّہ نہ ہونے دے، حتیٰ کہ روزہ کی حالت میں اس کا خیال اور تدبیر[8] کہ افطار کے لیے کوئی چیز ہے یا نہیں، یہ بھی ''خطا'' فرماتے ہیں۔ بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ روزہ میں شام کو افطار کے لیے کسی چیز کے حاصل کرنے کا قصد بھی خطا ہے، اس لیے کہ یہ اللہ کے وعدۂ رزق پر اعتماد کی کمی ہے۔ شرحِ اِحیاء میں بعض مشائخ کا قصہ لکھا ہے کہ اگر افطار کے وقت سے پہلے کوئی چیز کہیں سے آجاتی تھی تو اس کو کسی دوسرے کو دے دیتے تھے، مَبادا[9] دل کو اس کی طرف اِلتِفات[10] ہوجائے اور تَوَکُّل[11] میں کسی قسم کی کمی ہوجائے، مگر یہ اُمور بڑے لوگوں کے لیے ہیں، ہم لوگوں کو ان اُمور کی ہَوَس کرنا بھی بے محل ہے اور اس حالت پر پہونچے بغیر اس کو اختیار کرنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ مُفَسِّرِین نے لکھا ہے کہ ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ [سورۂ بقرہ: ۱۸۳] میں آدمی کے ہر جزو پر روزہ فرض کیا گیا ہے، پس زبان کا روزہ جھوٹ وغیرہ سے بچنا ہے اور کان کا روزہ ناجائز چیزوں کے سننے سے احتراز[12]، آنکھ کا روزہ لہو ولعب کی چیزوں سے احتراز ہے اور ایسے ہی باقی اعضاء، حتیٰ کہ نفس کا روزہ حِرص وشہوتوں سے بچنا، دل کا روزہ حُبِّ[13] دنیا سے خالی رکھنا، روح کا روزہ آخرت کی لذتوں سے بھی احتراز اور سِرِّ خاص کا روزہ غیر اللہ کے وجود سے بھی احتراز ہے۔

حل لغات: ① اللہ کے انعامات۔ ② بُری نیت۔ ③ ڈرنا۔ ④ دوسری بات۔ ⑤ خوبی یہی ہے کہ کرشمہ ناز و اکرام نہیں ہے، بہت سے طریقے ہیں محبوبوں کے لئے کہ اس کا نام نہیں ہے۔ ⑥ خاص لوگ۔ ⑦ اللہ تعالیٰ کے قریبی لوگ۔ ⑧ کوشش۔ ⑨ اللہ نہ کرے۔ ⑩ توجہ۔ ⑪ اللہ پر بھروسہ۔ ⑫ پرہیز۔ ⑬ دنیا کی محبت۔

⑩ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِّنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ وَّلَا مَرَضٍ لَّمْ يَقْضِهِ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ وَ إِنْ صَامَهٗ.	نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص (قَصْداً[1]) بلا کسی شرعی عُذر کے ایک دن بھی رمضان کے روزہ کو اِفْطار[2] کردے، غیرِ رمضان کا روزہ چاہے تمام عمر کے روزے رکھے؛ اس کا بَدَل نہیں ہوسکتا۔

[رواه أحمد والترمذي وأبوداؤد وابن ماجه والدارمي والبخاري في ترجمة باب كذا في المشكوة. قلت: وبسط الكلام على طرقه العيني في شرح البخاري]

فائدہ: بعض علماء کا مذہب جن میں حضرت علی کَرَّم اللّٰہ وجہَہٗ وغیرہ حضرات بھی ہیں، اس حدیث کی بناء پر یہ ہے کہ جس نے رمضان المبارک کے روزہ کو بِلاَ وَجہ کھو دیا اس کی قضا ہو ہی نہیں سکتی، چاہے عمر بھر روزے رکھتا رہے؛ مگر جمہور فُقَہاء[3] کے نزدیک اگر رمضان کا روزہ رکھا ہی نہیں، تو ایک روزہ کے بدلے ایک روزہ سے قضا ہوجائے گی اور اگر روزہ رکھ کر توڑ دیا تو قضا کے ایک[1] روزہ کے علاوہ دو[2] مہینے کے روزے کفّارہ کے ادا کرنے سے فرض ذمہ سے ساقط[4] ہوجاتا ہے، البتہ وہ برکت اور فضیلت جو رمضان المبارک کی ہے؛ ہاتھ نہیں آسکتی اور اس حدیث پاک کا مطلب یہی ہے کہ وہ برکت ہاتھ نہیں آسکتی کہ جو رمضان شریف میں روزہ رکھنے سے حاصل ہوتی۔ یہ سب کچھ اس حالت میں ہے کہ بعد میں قضا بھی کرے اور اگر سِرے سے رکھے ہی نہیں جیسا کہ اس زمانہ کے بعض فُسّاق[5] کی حالت ہے تو اس کی گمراہی کا کیا پوچھنا۔

روزہ ارکانِ اسلام سے ایک رُکن ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے اسلام کی بنیاد پانچ[5] چیزوں پر ارشاد فرمائی ہے، سب سے اوّل توحید و رسالت کا اقرار، اس کے بعد اسلام کے چاروں مشہور رُکن: نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج۔ کتنے مسلمان ہیں جو مَردُم شُماری میں مسلمان شمار ہوتے ہیں، لیکن ان پانچوں میں سے ایک کے بھی کرنے والے نہیں، سرکاری کاغذات میں وہ مسلمان لکھے جائیں مگر اللہ کی فہرست میں وہ مسلمان شمار نہیں ہوسکتے؛ حتّٰی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ اسلام کی بنیاد تین[3] چیز پر ہے: کلمہ شہادت، نماز اور روزہ، جو شخص ان میں سے ایک بھی چھوڑ دے وہ کافر ہے، اس کا خون کردینا حلال ہے۔ عُلَماء نے ان جیسی روایات کو اِنْکار کے ساتھ مُقَیَّد[6] کیا ہو یا کوئی تاویل[7] فرمائی ہو، مگر اس سے انکار نہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کے اِرشادات ایسے لوگوں کے بارے میں سخت سے سخت وارد ہوئے ہیں۔ فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی کرنے والوں کو اللہ کے قہر سے بہت ہی زیادہ ڈرنے کی ضرورت ہے کہ موت سے کسی کو چارہ نہیں، دنیا کی عیش وعشرت بہت جلد چھُوٹنے والی چیز ہے۔ کارآمد چیز صرف اللہ کی اِطاعت ہے۔ بہت سے جاہل تو اتنے ہی پر کفایت کرتے ہیں کہ روزہ نہیں رکھتے؛ لیکن بہت سے بددین زبان سے بھی اس قسم کے

حل لغات: ① جان بوجھ کر۔ ② توڑنا۔ ③ اکثر علماء۔ ④ ختم ہونا۔ ⑤ گناہ گار لوگ۔ ⑥ خاص۔ ⑦ دوسرا مطلب بیان کرنا۔

الفاظ بَک دیتے ہیں کہ جو کفر تک پہونچا دیتے ہیں مثلاً: روزہ وہ رکھے جس کے گھر کھانے کو نہ ہو، یا ہمیں بھوکا مارنے سے اللہ کو کیا مل جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ، اس قسم کے الفاظ سے بہت ہی زیادہ اِحتِیاط کی ضرورت ہے۔ اور بہت غور واہتمام سے ایک مسئلہ سمجھ لینا چاہیے کہ دین کی چھوٹی سے چھوٹی بات کا تمسخُر اور مذاق اُڑانا بھی کُفر کا سبب ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص عمر بھر نماز نہ پڑھے، کبھی بھی روزہ نہ رکھے، اسی طرح اور کوئی فرض ادا نہ کرے بشرطیکہ اس کا مُنکِر[1] نہ ہو؛ وہ کافر نہیں، جس فرض کو ادا نہیں کرتا اس کا گناہ ہوتا ہے اور جو اعمال ادا کرتا ہے ان کا اجر ملتا ہے، لیکن دین کی کسی اَدنیٰ[2] سے ادنیٰ بات کا تمسخُر[3] بھی کفر ہے، جس سے اور بھی تمام عمر کے نماز، روزہ، نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ بہت زیادہ قابلِ لحاظ امر ہے اس لیے روزہ کے مُتعلِّق بھی کوئی ایسا لفظ ہرگز نہ کہے اور اگر تمسخُر وغیرہ نہ کرے تب بھی بغیر عُذر افطار کرنے والا فاسق ہے، حتیٰ کہ فُقہاء نے تصریح کی ہے کہ جو شخص رمضان میں عَلَی الاِعلان[4] بغیر عذر کے کھاوے، اس کو قتل کیا جاوے؛ لیکن قتل پر اگر اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے قدرت نہ ہو کہ یہ کام امیر المؤمنین کا ہے تو اس فرض سے کوئی بھی سُبکدوش[5] نہیں کہ اس کی اس ناپاک حرکت پر اظہارِ نفرت کرے اور اس سے کم تو ایمان کا کوئی درجہ ہی نہیں کہ اس کو دل سے بُرا سمجھے۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے مُطیع[6] بندوں کے طُفیل مجھے بھی نیک اعمال کی توفیق نصیب فرماویں کہ سب سے زیادہ کوتاہی کرنے والوں میں ہوں۔ فصلِ اوّل میں دس حدیثیں کافی سمجھتا ہوں کہ ماننے والے کے لیے ایک بھی کافی ہے چہ جائیکہ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ اور نہ ماننے والے کے لیے جتنا بھی لکھا جائے بے کار ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ سب مسلمانوں کو عمل کی توفیق نصیب فرماویں۔

فصلِ دوم: شبِ قدر کے بیان میں

رمضان المبارک کی راتوں میں سے ایک رات ''شبِ قدر'' کہلاتی ہے، جو بہت ہی برکت اور خیر کی رات ہے، کلام پاک میں اس کو ہزار مہینوں سے اُفضَل بتلایا ہے۔ ہزار مہینے: کے تراسی [۸۳] برس چار [۴] ماہ ہوتے ہیں، خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو اس رات کی عبادت نصیب ہو جائے کہ جو شخص اس ایک رات کو عبادت میں گزار دے، اس نے گویا تراسی [۸۳] برس چار [۴] ماہ سے زیادہ زمانہ کو عبادت میں گذار دیا اور اس زیادتی کا بھی حال معلوم نہیں کہ ہزار مہینے سے کتنے ماہ زیادہ اُفضَل ہے۔ اللہ جلَّ شانہٗ کا حقیقتاً بہت ہی بڑا اِنعام ہے کہ قدر دانوں کے لیے یہ ایک بے نہایت نعمت مَرحَمَت فرمائی۔ دُرِّ مَنثُور میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ شبِ قدر حق تعالیٰ جلَّ شانہٗ نے میری امت کو مَرحَمَت فرمائی ہے،

حل لغات: (۱) انکار کرنے والا۔ (۲) چھوٹی۔ (۳) مذاق اڑانا۔ (۴) کھلّم کھلّا۔ (۵) آزاد۔ (۶) فرماں بردار۔

پہلی اُمتوں کونہیں ملی۔اس بارے میں مُختلف روایات ہیں کہ اس انعام کا سبب کیا ہوا۔بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے پہلی امتوں کی عمروں کو دیکھا کہ بہت بہت ہوئی ہیں اور آپ کی اُمت کی عمریں بہت تھوڑی ہیں، اگر وہ نیک اعمال میں ان کی برابری بھی کرنا چاہیں تو ناممکن۔ اس سے اللہ کے لاڈلے نبی کو رنج ہوا۔ اس کی تلافی[1] میں یہ رات مرحمت ہوئی کہ اگر کسی خوش نصیب کو دس راتیں بھی نصیب ہوجاویں اوران کوعبادت میں گزاردے تو گویا آٹھ سوتینتیس (۸۳۳) برس چار ماہ سے بھی زیادہ زمانہ کامل عبادت میں گزاردیا۔بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ ایک ہزار مہینے تک اللہ کے راستے میں جہاد کرتا رہا۔صحابہ رضی اللہ عنہم کواس پر رشک[2] آیا تو اللہ جلّ جلالہٗ وعمّ نوالہٗ نے اس کی تلافی کے لیے اس رات کا نزول فرمایا۔ایک روایت میں ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے بنی اسرائیل کے چار حضرات کا ذکر فرمایا: حضرت ایوب، حضرت زکریا، حضرت حزقیل، حضرت یوشع علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام کہ اسّی (۸۰)، اسّی (۸۰) برس تک اللہ کی عبادت میں مشغول رہے اور پل جھپکنے کے برابر بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی، اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حیرت ہوئی، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضرِ خدمت ہوئے اور **سورۃ القدر** سنائی،اس کے علاوہ اور بھی روایات ہیں۔اس قسم کے اختلافِ روایات کی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک ہی زمانہ میں جب مختلف واقعات کے بعد کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو ہر واقعہ کی طرف نسبت ہوسکتی ہے۔ بہرحال سببِ نزول جو بھی کچھ ہوا ہو؛ لیکن اُمتِ محمدیہ کے لیے یہ اللہ جلّ شانہٗ کا بہت ہی بڑا اِنعام ہے۔ یہ رات بھی اللہ ہی کا عطیّہ ہے اوراس میں عمل بھی اسی کی توفیق سے مُیسّر ہوتا ہے ورنہ

تہی دستانِ[3] قسمت را چہ سُود از رہبرِ کامل کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

کس قدر قابلِ رشک ہیں وہ مشائخ جو فرماتے ہیں کہ بلوغ کے بعد سے مجھ سے شبِ قدر کی عبادت کبھی فوت[4] نہیں ہوئی۔ البتہ اس رات کی تعیین میں عُلماءِ اُمّت کے درمیان میں بہت ہی کچھ اختلاف ہے۔تقریباً پچاس کے قریب اقوال ہیں، سب کا اِحاطہ[5] دشوار ہے، البتہ مشہور اقوال کا ذکر عنقریب آنے والا ہے۔ کتبِ احادیث میں اس رات کی فضیلت مُختلف انواع[6] اور مُتعدّد[7] روایات سے وارد ہوئی ہے، جن میں سے بعض کا ذکر آتا ہے؛ مگر چونکہ اس رات کی فضیلت خود قرآن پاک میں بھی مذکور ہے اور مُستقِل ایک سورت اس کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس لیے مُناسب ہے کہ اول اس سورۂ شریفہ کی تفسیر لکھ دی جائے، ترجمہ حضرت اقدس حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ کی تفسیر

حل لغات: (۱) نقصان کی بھرپائی۔ (۲) اس بات کی تمنا کہ جو چیز دوسرے کو ملی ہے مجھے بھی مل جائے۔ (۳) قسمت کے محروموں کو رہبر کامل سے کیا فائدہ اس لیے کہ خضر علیہ السلام آب حیات کے چشمہ سے سکندر کو پیاسا واپس لے آئے۔ (۴) چھوٹنا۔ (۵) مکمل ذکر کرنا۔ (۶) نوع کی جمع، قسم۔ (۷) بہت سی۔

بیان القرآن سے ماخوذ[1] ہے اور فوائد دوسری کتب سے: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ۝﴾ [سورۂ قدر:] ”بے شک ہم نے قرآن پاک کو شبِ قدر میں اتارا ہے“۔

فائدہ: یعنی قرآن پاک لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر اسی رات میں اُترا ہے، یہ ہی ایک بات اس رات کی فضیلت کے لیے کافی تھی کہ قرآن جیسی عظمت والی چیز اس میں نازل ہوئی، چہ جائے کہ اس میں اور بھی بہت سے برکات وفضائل شامل ہوگئے ہوں۔ آگے زیادتیٔ شوق کے لیے ارشاد فرماتے ہیں۔ ﴿وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ۝﴾ ”آپ کو کچھ معلوم بھی ہے کہ شبِ قدر کیسی بڑی چیز ہے؟“ یعنی اس رات کی بڑائی اور فضیلت کا آپ کو علم بھی ہے کہ کتنی خوبیاں اور کس قدر فضائل اس میں ہیں۔ اس کے بعد چند فضائل کا ذکر فرماتے ہیں: ﴿لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ۬ۙ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَہۡرٍ ۝﴾ ”شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے“۔ یعنی ہزار مہینے تک عبادت کرنے کا جس قدر ثواب ہے، اس سے زیادہ شبِ قدر میں عبادت کرنے کا ثواب ہے اور اس زیادتی کا علم بھی نہیں کہ کتنی زیادہ ہے۔ ﴿تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ﴾ ”اس رات میں فرشتے اُترتے ہیں“۔ علّامہ رازیؒ لکھتے ہیں کہ ملائکہ نے جب ابتداء[2] میں تجھے دیکھا تھا تو تجھ سے نفرت ظاہر کی تھی اور بارگاہِ عالی[3] میں عرض کیا تھا کہ ایسی چیز کو آپ پیدا فرماتے ہیں جو دنیا میں فساد کرے اور خون بہاوے، اس کے بعد والدین نے جب تجھے اول دیکھا تھا جب کہ تو منی کا قطرہ تھا تو تجھ سے نفرت کی تھی، حتیٰ کہ کپڑے کو اگر لگ جاتا تو کپڑے کو دھونے کی نوبت آتی؛ لیکن جب حق تعالیٰ شانہٗ نے اس قطرہ کو بہتر صورت مرحمت فرمادی تو والدین کو بھی شفقت اور پیار کی نوبت آئی اور آج جب کہ توفیقِ الٰہی سے تو شبِ قدر میں معرفتِ الٰہی[4] اور طاعتِ ربّانی[5] میں مشغول ہے تو ملائکہ بھی اپنے اس فقرہ[6] کی معذرت کرنے کے لیے اترتے ہیں۔ ﴿وَالرُّوۡحُ فِیۡہَا﴾ ”اور اس رات میں روح القدس یعنی جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی نازل ہوتے ہیں“۔ روح کے معنی میں مُفسّرین کے چند قول ہیں: جُمہور کا یہی قول ہے جو اوپر لکھا گیا کہ اس سے حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں۔ علّامہ رازیؒ نے لکھا ہے کہ یہی قول زیادہ صحیح ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی افضلیت[7] کی وجہ سے ملائکہ کے ذکر کے بعد خاص طور سے ان کا ذکر فرمایا۔ بعض کا قول ہے کہ روح سے مراد ایک بہت بڑا فرشتہ ہے کہ تمام آسمان وزمین اس کے سامنے ایک لقمہ کے بقدر ہیں۔ بعضوں کا قول ہے کہ اس سے مراد فرشتوں کی ایک مخصوص جماعت ہے جو اور فرشتوں کو بھی صرف لیلۃ القدر ہی میں نظر آتے ہیں۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ اللہ کی کوئی مخصوص مخلوق ہے جو کھاتے پیتے ہیں، مگر نہ فرشتے ہیں نہ انسان۔ پانچواں یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں جو امت محمدیہ کے کارنامے[8] دیکھنے کے

حل لغات: ① لیا گیا ہے۔ ② شروع۔ ③ اللہ تعالیٰ کے دربار۔ ④ اللہ کی پہچان۔ ⑤ رب کی اطاعت۔ ⑥ جملہ۔ ⑦ برتری۔ ⑧ اعمال۔

لیے ملائکہ کے ساتھ اُترتے ہیں۔ چھٹا قول یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے یعنی اس رات میں مَلَائکہ نازل ہوتے ہیں اوران کے بعد میری رحمتِ خاص نازل ہوتی ہے۔ اِن کے علاوہ اَور بھی چند اقوال ہیں، مگر مشہور قول پہلا ہی ہے۔ سُنَنِ بَیْہقی میں حضرت انس ﷛ کے واسطے سے نبیِ کریم ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ شبِ قدر میں حضرت جبرئیل ؑ فرشتوں کے ایک گُروہ[1] کے ساتھ اُترتے ہیں اور جس شخص کو ذکر وغیرہ میں مشغول دیکھتے ہیں، اس کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ ﴿بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ مِّنۡ كُلِّ اَمۡرٍ﴾ ''اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امرِ خیر[2] کو لے کر زمین کی طرف اُترتے ہیں''۔ مظاہرِ حق میں لکھا ہے کہ اسی رات میں ملائکہ کی پیدائش ہوئی اور اسی رات میں آدم ؑ کا مادّہ جمع ہونا شروع ہوا اور اسی رات جنت میں درخت لگائے گئے اور دعا وغیرہ کا قبول ہونا بکثرت روایات میں وارد ہے۔ دُرِّ منثور کی ایک روایت میں ہے کہ اسی رات میں حضرت عیسیٰ ؑ آسمان پر اُٹھائے گئے اور اسی رات میں بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہوئی۔ ﴿سَلٰمٌ﴾ ''وہ رات سَرَاپا[3] سلام ہے''۔ یعنی تمام رات ملائکہ کی طرف سے مومنین پر سلام ہوتا رہتا ہے کہ ایک فوج آتی ہے، دوسری جاتی ہے۔ جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہے، یا یہ مراد ہے کہ یہ رات سراپا سلامتی ہے، شر و فساد وغیرہ سے امن ہے۔ ﴿هِيَ حَتّٰى مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ﴾ ''وہ رات (انہی برکات کے ساتھ) تمام رات طُلوعِ فجر تک رہتی ہے''۔ یہ نہیں کہ رات کے کسی خاص حصّہ میں یہ برکت ہو اور کسی میں نہ ہو، بلکہ صبح ہونے تک ان برکات کا ظہور رہتا ہے۔ اس سورۂ شریفہ کے ذکر کے بعد کہ خود اللہ جلّ جلالہٗ کے کلام پاک میں اس رات کی کئی نوع[4] کی فضیلتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں، احادیث کے ذکر کی ضرورت نہیں رہتی؛ لیکن احادیث میں بھی اس کی فضیلت بکثرت وارد ہوئی ہے، ان میں سے چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷛ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

[كذا في الترغيب عن البخاري ومسلم]

نبیِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص لیلۃُ القدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (عبادت کے لیے) کھڑا ہو، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔

فائدہ: کھڑا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھے۔ اور اسی حکم میں یہ بھی ہے کہ کسی اور عبادت: تلاوت اور ذکر وغیرہ میں مشغول ہو۔ اور ثواب کی اُمید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ رِیَا[5] وغیرہ کسی بدنیتی[6] سے کھڑا نہ ہو، بلکہ اِخلاص کے ساتھ محض اللہ کی رضا اور ثواب کے حصول کی نیت سے کھڑا ہو۔ خَطَّابیؒ کہتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ ثواب کا یقین کرکے بشاشتِ[7] قلب سے کھڑا ہو، بوجھ سمجھ کر بَدْدِلی کے ساتھ نہیں۔ اور کھلی

حل لغات: (۱) جماعت۔ (۲) بھلائی کے کام۔ (۳) مکمل۔ (۴) قسم، طرح۔ (۵) دِکھاوا۔ (۶) بُری نیت۔ (۷) خوش دلی۔

ہوئی بات ہے کہ جس قدر ثواب کا یقین اور اِعتقاد زیادہ ہوگا اتنا ہی عبادت میں مشقت کا برداشت کرنا سہل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص قُرب[1] الٰہی میں جس قدر ترقی کرتا جاتا ہے، عبادت میں اِنہماک[2] زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ نیز یہ معلوم ہوجانا بھی ضروری ہے کہ حدیثِ بالا اور اس جیسی احادیث میں گناہوں سے مراد عُلَماء کے نزدیک "صغیرہ گناہ" ہوتے ہیں، اس لیے کہ قرآن پاک میں جہاں کبیرہ گناہوں کا ذکر آتا ہے، ان کو ﴿إِلَّا مَنْ تَابَ﴾ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اسی بناء پر علماء کا اِجماع[3] ہے کہ کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا۔ پس جہاں احادیث میں گناہوں کے معاف ہونے کا ذکر آتا ہے، علماء اس کو صغائر[4] کے ساتھ مُقیَّد[5] فرمایا کرتے ہیں۔ میرے والد صاحب نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ وَبَرَّدَ مَضْجَعَہٗ کا ارشاد ہے کہ احادیث میں صغائر کی قید دو وجہ سے مذکور نہیں ہوتی: اوّل تو یہ کہ مسلمان کی شان یہ ہے ہی نہیں کہ اس کے ذمہ کبیرہ گناہ ہو، کیونکہ جب کبیرہ گناہ اس سے صادر[6] ہو جاتا ہے تو مسلمان کی اصل شان یہ ہے کہ اس کو اس وقت تک چین ہی نہ آوے جب تک کہ اس گناہ سے توبہ نہ کرلے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب اس قسم کے موقع ہوتے ہیں مثلاً: لیلۃُ القدر ہی میں جب کوئی شخص بااُمیدِ ثواب عبادت کرتا ہے تو اپنی بداعمالیوں پر ندامت[7] اس کے لیے گویا لازم ہے اور ہو ہی جاتی ہے، اس لیے توبہ کا تحقُّق[8] خود بخود ہو جاتا ہے کہ توبہ کی حقیقت گذشتہ پر ندامت اور آئندہ کو نہ کرنے کا عزم[9] ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص کبائر کا مُرتکِب[10] بھی ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ لیلۃُ القدر ہو یا کوئی اور اِجابت[11] کا موقعہ ہو، اپنی بداعمالیوں سے سچے دل سے پُختگی کے ساتھ دل و زبان سے توبہ بھی کرلے تاکہ اللہ کی رحمتِ کاملہ مُتوجّہ ہو اور صغیرہ کبیرہ سب طرح کے گناہ معاف ہو جاویں اور یاد آجاوے تو اس سیہ کار کو بھی اپنی مُخلِصانہ دعاؤں میں یاد فرمالیں۔

② عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: دَخَلَ رَمَضَانُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ هٰذَا الشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ وَفِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ، مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهٗ وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَا إِلَّا مَحْرُوْمٌ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے اوپر ایک مہینہ آیا ہے جس میں ایک رات ہے، جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا، گویا ساری ہی خیر سے محروم رہ گیا اور اس کی بھلائی سے محروم نہیں رہتا مگر وہ شخص جو حقیقتاً محروم ہی ہے۔

[رواه ابن ماجه وإسناده حسن إن شاء الله كذا في الترغيب، وفي المشكوة عنه: إلا كل محروم]

فائدہ: حقیقتاً اس کی محرومی میں کیا تامُّل[12] ہے جو اس قدر بڑی نعمت کو ہاتھ سے کھودے۔ ریلوے مُلازِم چند

حل لغات: ① اللہ تعالیٰ سے قریب ہونا۔ ② مشغولی۔ ③ اتفاق۔ ④ صغیرہ کی جمع، چھوٹے گناہ۔ ⑤ خاص۔ ⑥ واقع ہونا، پیش آنا۔ ⑦ شرمندگی۔ ⑧ وجود۔ ⑨ پکّا ارادہ۔ ⑩ کرنے والا۔ ⑪ دعا قبول ہونا۔ ⑫ شک۔

کوڑیوں کی خاطر رات رات بھر جاگتے ہیں، اگر اسّی برس کی عبادت کی خاطر کوئی ایک مہینہ تک رات میں جاگ لے تو کیا دِقّت[1] ہے۔ اصل یہ ہے کہ دل میں تڑپ ہی نہیں۔ اگر ذرا سا چسکہ[2] پڑ جائے تو پھر ایک رات کیا سینکڑوں راتیں جاگی جاسکتی ہیں۔

الفت میں برابر ہے وَفا ہو کہ جَفا ہو ہر چیز میں لَذّت ہے اگر دل میں مزا ہو

آخر کوئی تو بات تھی کہ نبیٔ کریم ﷺ باوجود ساری بشارتوں اور وعدوں کے جن کا آپ ﷺ کو یقین تھا پھر اتنی لمبی نماز پڑھتے تھے کہ پاؤں وَرَم[3] کر جاتے تھے۔ انہی کے نام لیوا اور امّتی آخر ہم بھی کہلاتے ہیں۔ ہاں جن لوگوں نے ان امور کی قدر کی وہ سب کچھ کر گئے اور نمونہ بن کرامّت کو دکھلا گئے۔ کہنے والوں کو یہ موقعہ بھی نہیں رہا کہ حضور ﷺ کی حِرص کون کرسکتا ہے اور کس سے ہوسکتی ہے؟ دل میں سما[4] جانے کی بات ہے کہ چاہنے والے کے لیے دودھ کی نہر پہاڑ سے کھودنی بھی مشکل نہیں ہوتی، مگر یہ بات کسی کی جوتیاں سیدھی کیے بغیر مشکل سے حاصل ہوتی ہے۔

تمنّا دردِ دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینہ میں

آخر کیا بات تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عشاء کی نماز کے بعد گھر میں تشریف لے جاتے اور صبح تک نماز میں گزار دیتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دن بھر روزہ رکھتے اور رات بھر نماز میں گزار دیتے، صرف رات کے اوّل حصہ میں تھوڑا سا سوتے تھے، رات کی ایک ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔ شرح اِحیاء میں ابوطالب مَکّیؒ سے نقل کیا ہے کہ ۴۰ تابعین سے بَطَرِیقِ تَوَاتُر[5] یہ بات ثابت ہے کہ وہ عشاء کی وضو سے نمازِ صبح پڑھتے تھے۔ حضرت شَدَّادؒ رات کو لیٹتے اور تمام رات کروٹیں بدل کر صبح کر دیتے اور کہتے یا اللہ! آگ کے ڈرنے میری نیند اڑا دی۔ اَسْوَد بن یَزِیْدؒ رمضان میں مغرب، عشاء کے درمیان تھوڑی دیر سوتے اور بس۔ سَعِید بن المسیَّبؒ کے متعلق منقول ہے کہ پچاس[50] برس تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔ صِلَہ بن اَشْیَمؒ رات بھر نماز پڑھتے اور صبح کو یہ دعا کرتے کہ یا اللہ! میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ جنت مانگوں، صرف اتنی درخواست ہے کہ آگ سے بچا دیجیو۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ تمام رمضان تو ہر تین رات میں ایک ختم فرماتے، مگر عشرۂ اَخیرہ[6] میں ہر رات میں ایک قرآن شریف ختم کرتے۔ امام ابوحنیفہؒ کا ۴۰ سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھنا اتنا مشہور و معروف ہے کہ اس سے اِنکار تاریخ کے اِعتماد کو ہٹاتا ہے، جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ قُوّت کس طرح حاصل ہوئی؟ تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے اللہ کے ناموں کے طُفَیل ایک مخصوص طریق پر دعا کی تھی۔ صرف دوپہر کو تھوڑی دیر سوتے اور فرماتے کہ حدیث میں قیلولہ کا ارشاد ہے،

حل لغات: (۱) مشکل۔ (۲) مزہ مل جائے۔ (۳) سوجنا۔ (۴) اُتر جانے۔ (۵) تسلسل کے ساتھ۔ (۶) آخر کی دس راتیں۔

گویا دوپہر کے سونے میں بھی اتباعِ سنت کا ارادہ ہوتا، قرآن شریف پڑھتے ہوئے اتنا روتے کہ پڑوسیوں کو ترس آنے لگتا تھا۔ ایک مرتبہ ساری رات اس آیت کو پڑھتے اور روتے گزار دی ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ الخ﴾ [سورہ قمر: ۴۶] ابراہیم بن اَدْہَمؒ رمضان المبارک میں نہ تو دن کو سوتے نہ رات کو۔ امام شافعیؒ رمضان المبارک میں دن رات کی نمازوں میں ۶۰ رقرآن شریف ختم کرتے۔ اور ان کے علاوہ سینکڑوں واقعات ہیں جنھوں نے ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿٥٦﴾﴾ [سورۂ ذاریات] پر عمل کر کے بتلا دیا کہ کرنے والے کے لیے کچھ مُشکل نہیں۔ یہ سَلَف[1] کے واقعات ہیں، اب بھی کرنے والے موجود ہیں۔ اس درجہ کا مُجاہَدہ[2] نہ سہی، مگر اپنے زمانہ کے مُوافِق اپنی طاقت وقدرت کے موافق نمونۂ سلف اب بھی موجود ہیں اور نبیٔ کریم ﷺ کا سچا اِقتِدا کرنے والے اس دورِ فساد میں بھی موجود ہیں، نہ راحت و آرام اِنہماکِ[3] عبادت سے مانع ہوتا ہے، نہ دنیوی مَشاغل[4] سَدِّ راہ[5] ہوتے ہیں۔ نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ جلَّ جلالہٗ کا ارشاد ہے اے ابن آدم! تو میری عبادت کے لیے فارغ ہو جا، میں تیرے سینے کو غِنا[6] سے بھر دوں گا اور تیرے فَقر کو بند کر دوں گا، ورنہ تیرے سینہ کو مَشاغِل سے بھر دوں گا اور فقر زائل نہیں ہوگا۔ روزمَرّہ[7] کے مُشاہدات[8] اس سچے ارشاد کے شاہدِ عَدل[9] ہیں۔

(۳) عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرَئِيْلُ فِي كَبْكَبَةٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ يُصَلُّوْنَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ أَوْ قَاعِدٍ يَّذْكُرُ اللهَ عَزَّوَجَلَّ، فَإِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدِهِمْ يَعْنِيْ يَوْمَ فِطْرِهِمْ بَاهٰى بِهِمْ مَلَائِكَتَهٗ، فَقَالَ: يَامَلَائِكَتِيْ! مَا جَزَاءُ أَجِيْرٍ وَفّٰى عَمَلَهٗ؟ قَالُوْا: رَبَّنَا جَزَاؤُهٗ أَنْ يُّوَفّٰى أَجْرَهٗ. قَالَ: مَلَائِكَتِيْ عَبِيْدِيْ وَإِمَائِيْ قَضَوْا فَرِيْضَتِيْ عَلَيْهِمْ ثُمَّ خَرَجُوْا يَعُجُّوْنَ إِلَى

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ شبِ قدر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام ملائکہ کی ایک جماعت کے ساتھ آتے ہیں اور اس شخص کے لیے جو کھڑے یا بیٹھے اللہ کا ذکر کر رہا ہے اور عبادت میں مشغول ہے، دعائے رحمت کرتے ہیں اور جب عیدالفطر کا دن ہوتا ہے تو حق تعالیٰ جلَّ شانہٗ اپنے فرشتوں کے سامنے بندوں کی عبادت پر فخر فرماتے ہیں (اس لیے کہ انھوں نے آدمیوں پر طعن کیا تھا) اور ان سے دریافت فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! اس مزدور کا جو اپنی خدمت پوری پوری ادا کر دے، کیا بدلہ ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی اُجرت پوری دے دی جائے، تو ارشاد ہوتا ہے کہ فرشتو! میرے غلاموں نے اور باندیوں نے میرے فریضہ کو پورا کر دیا، پھر دعا کے ساتھ چلّاتے ہوئے (عیدگاہ کی طرف

حل لغات: (۱) بزرگوں۔ (۲) دین کے لیے حد درجہ کوشش کرنا۔ (۳) عبادت میں مشغول ہونے۔ (۴) دنیوی کام وکاج۔ (۵) راستے کی رُکاوٹ۔ (۶) بے نیازی۔ (۷) روزانہ۔ (۸) واقعات۔ (۹) سچے گواہ۔

الدُّعَاءَ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ وَكَرَمِيْ وَعُلُوِّيْ وَارْتِفَاعِ مَكَانِيْ لَأُجِيْبَنَّهُمْ، فَيَقُوْلُ: اِرْجِعُوْا فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ وَبَدَّلْتُ سَيِّاٰتِكُمْ حَسَنَاتٍ، قَالَ: فَيَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَّهُمْ. [رواه البيهقي في شعب الإيمان كذا في المشكوٰة]	نکلے ہیں۔ میری عزت کی قسم! میرے جلال کی قسم! میری بخشش کی قسم! میرے عُلوِّشانؔ کی قسم! میرے بلندیٔ مرتبہ کی قسم! میں ان لوگوں کی دعا ضرور قبول کروں گا۔ پھر ان لوگوں کو خِطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ جاؤ تمہارے گناہ معاف کردیے ہیں اور تمہاری برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا ہے، پس یہ لوگ عیدگاہ سے ایسے حال میں لوٹتے ہیں کہ ان کے گناہ معاف ہوچکے ہوتے ہیں۔

فائدہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام کا ملائکہ کے ساتھ آنا، خود قرآن پاک میں بھی مذکور ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا اور بہت سی احادیث میں بھی اس کی تصریح ہے۔ رسالہ کی سب سے اخیر حدیث میں اس کا مُفَصَّل ذکر آرہا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تمام فرشتوں کو تقاضاؔ فرماتے ہیں کہ ہر ذاکر و شاغلؔ کے گھر جاویں اور ان سے مصافحہ کریں۔ غالِیۃُ المَواعظ میں حضرت اقدس شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی غُنیۃ سے نقل کیا ہے کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے کہنے سے مُتفرِّقؔ ہوجاتے ہیں اور کوئی گھر چھوٹا بڑا، جنگل یا کشتی ایسی نہیں ہوتی جس میں کوئی مومن ہو اور وہ فرشتے مُصافحہ کرنے کے لیے وہاں نہ جاتے ہوں لیکن اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کُتّا یا سوّر ہو یا حرام کاری کی وجہ سے جُنبیؔ یا تصویر ہو۔ مسلمانوں کے کتنے گھر ایسے ہیں جن میں خیالی زینت کی خاطر تصویریں لٹکائی جاتی ہیں اور اللہ کی اتنی بڑی نعمتِ رحمت سے اپنے ہاتھوں اپنے کو محروم کرتے ہیں۔ تصویر لٹکانے والا ایک آدھ ہوتا ہے مگر اس گھر میں رحمت کے فرشتوں کے داخل ہونے سے روکنے کا سبب بن کر سارے ہی گھر کو اپنے ساتھ محروم رکھتا ہے۔

④ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ. [مشکوٰۃ عن البخاري]	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتی ہیں کہ لیلۃُ القدر کو رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کیا کرو۔

فائدہ: جمہور علماء کے نزدیک اخیر عشرہ اکیسویں رات سے شروع ہوتا ہے۔ عام ہے کہ مہینہ ۲۹ ؍ کا ہو یا ۳۰ کا۔ اس حساب سے حدیثِ بالا کے مطابق شبِ قدر کی تلاش ۲۱ ؍ ۲۳ ؍ ۲۵ ؍ ۲۷ ؍ ۲۹ ؍ راتوں میں کرنا چاہیے۔ اگر مہینہ ۲۹ ؍ کا ہو تب بھی اخیر عشرہ یہی کہلاتا ہے۔ مگر ابن حزمؒ کی رائے ہے کہ عشرہ کے معنی دسؔ کے ہیں۔ لہٰذا اگر تیسؔ کا چاند رمضان المبارک کا ہو تب تو یہ ہے، لیکن اگر ۲۹ ؍ کا چاند ہو تو اس صورت میں اخیر عشرہ بیسویں شب سے شروع ہوتا ہے اور اس صورت میں وِتر راتیں یہ ہوں گی ۲۰ ؍ ۲۲ ؍ ۲۴ ؍ ۲۶ ؍ ۲۸ ؍

حل لغات: ① شان کی بلندی۔ ② حکم دینا۔ ③ عبادت میں مشغول۔ ④ الگ الگ۔ ⑤ جس پر غسل فرض ہو۔

لیکن نبیٔ کریم ﷺ لیلۃ القدر ہی کی تلاش میں رمضان المبارک کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور وہ بِالاتّفاق اکیسویں شب سے شروع ہوتا تھا، اس لیے بھی جمہور کا قول اکیسویں رات سے طاق راتوں میں قوی[1] احتمال ہے؛ زیادہ راجح ہے، اگرچہ احتمال اَور راتوں میں بھی ہے۔ اور دونوں قولوں پر تلاش جب ممکن ہے کہ بیسویں شب سے لے کر عید کی رات تک ہر رات میں جاگتا رہے اور شبِ قدر کی فکر میں لگا رہے، دس گیارہ راتیں کوئی ایسی اہم یا مُشکل چیز نہیں، جن کو جاگ کر گزار دینا اس شخص کے لیے کچھ مشکل ہو جو ثواب کی امید رکھتا ہو۔

عُرفی[2] اگر بگریہ مُیسّر شُدے وِصال صَد سال مِیتواں بہ تمنّا گریستن

⑤ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ لِيُخْبِرَنَا بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحٰى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، فَقَالَ: خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ، فَتَلَاحٰى فُلَانٌ وَّفُلَانٌ فَرُفِعَتْ وَعَسٰى أَنْ يَّكُوْنَ خَيْرًا لَّكُمْ، فَالْتَمِسُوْهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ.

[مشکٰوۃ عن البخاري]

حضرت عُبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ اس لیے باہر تشریف لائے تا کہ ہمیں شبِ قدر کی اطلاع فرماویں، مگر دو مسلمانوں میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں اس لیے آیا تھا کہ تمہیں شبِ قدر کی خبر دوں، مگر فلاں فلاں شخصوں میں جھگڑا ہو رہا تھا کہ جس کی وجہ سے اس کی تعیین اُٹھالی گئی، کیا بعید ہے کہ یہ اُٹھالینا اللہ کے علم میں بہتر ہو، لہٰذا اب اس رات کو نویں اور ساتویں اور پانچویں رات میں تلاش کرو۔

فائدہ: اس حدیث میں تین مضمون قابلِ غور ہیں: امرِ اوّل جو سب سے اہم ہے، وہ جھگڑا ہے جو اس قدر سخت بُری چیز ہے کہ اس کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے شبِ قدر کی تعیین اٹھالی گئی اور صرف یہی نہیں بلکہ جھگڑا ہمیشہ برکات سے محرومی کا سبب ہوا کرتا ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمہیں نماز، روزہ، صدقہ وغیرہ سب سے افضل چیز بتلاؤں؟ صحابہ نے عرض کیا: ضرور۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آپس کا سلوک سب سے افضل ہے اور آپس کی لڑائی دین کو مُونڈنے والی ہے۔ یعنی جیسے اُسترے سے سر کے بال ایک دم صاف ہو جاتے ہیں، آپس کی لڑائی سے دین بھی اسی طرح صاف ہو جاتا ہے۔ دنیا دار، دین سے بے خبر لوگوں کا کیا ذکر جب کہ بہت سی لمبی لمبی تسبیحیں پڑھنے والے، دین کے دعوے دار بھی ہر وقت آپس کی لڑائی میں مُبتلا رہتے ہیں۔ اوّل حضور ﷺ کے ارشاد کو غور سے دیکھیں اور پھر اپنے اس دین کی فکر کریں جس کے گھمنڈ میں صلح کے لیے جُھکنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ فصلِ اوّل میں روزہ کے آداب میں گذر چکا ہے

حل لغات: ① زیادہ ممکن ہے۔ ② اے عُرفی: اگر محض رونے سے محبوب سے ملاقات ہوسکتی ہے تو سیکڑوں سال اس تمنا میں رویا جاسکتا ہے۔

کہ نبیِ کریم ﷺ نے مسلمانوں کی آبرو ریزی[1] کو بدترین سود اور خبیث ترین سود ارشاد فرمایا ہے؛ لیکن ہم لوگ لڑائی کے زور میں نہ مسلمان کی آبرو کی پرواہ کرتے ہیں، نہ اللہ اور اس کے سچے رسول ﷺ کے ارشادات کا خیال، خود اللہ جلّ جلالہٗ کا ارشاد ہے: ﴿ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا ﴾ [سورۃ انفال: ۴۶] (الآیۃ) ''اور نزاع[2] مت کرو ورنہ کم ہمت ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی''۔ [بیان القرآن]
آج وہ لوگ جو ہر وقت دوسروں کا وقار گھٹانے کی فکر میں رہتے ہیں، تنہائی میں بیٹھ کر غور کریں کہ خود وہ اپنے وَقار کو کتنا صَدْمہ پہونچا رہے ہیں اور اپنی اِن ناپاک اور کمینہ حرکتوں سے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کتنے ذلیل ہورہے ہیں اور پھر دنیا کی ذلت بدیہی[3]۔ نبیِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ چھوٹ چھٹاؤ رکھے، اگر اس حالت میں مرگیا تو سیدھا جہنم میں جاوے گا۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ہر پیر و جمعرات کے دن اللہ کی حضوری میں بندوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور اللہ جلّ شانہٗ کی رحمت سے (نیک اعمال کی بدولت) مُشرکوں کے علاوہ اوروں کی مغفرت ہوتی رہتی ہے، مگر جن دو میں جھگڑا ہوتا ہے ان کی مغفرت[4] کے متعلق ارشاد ہوتا ہے: کہ ان کو چھوڑے رکھو، جب تک صُلَح نہ ہو۔ ایک حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ ہر پیر، جمعرات کو اعمال کی پیشی ہوتی ہے، اس میں توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول ہوتی ہے اور اِستِغْفار کرنے والوں کی استغفار قبول کی جاتی ہے، مگر آپس میں لڑنے والوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ شبِ برأت میں اللہ کی رحمتِ عامّہ خَلْقَت[5] کی طرف متوجّہ ہوتی ہے (اور ذرا ذرا سے بہانہ سے) مخلوق کی مغفرت فرمائی جاتی ہے، مگر دو شخصوں کی مغفرت نہیں ہوتی: ایک کافر، دوسرا وہ جو کسی سے کینہ رکھے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ تین شخص ہیں جن کی نماز قبولیت کے لیے ان کے سر سے ایک بالِشت[6] بھی اوپر نہیں جاتی، جن میں آپس کے لڑنے والے بھی فرمائے ہیں۔ یہ جگہ ان روایات کے احاطہ[7] کی نہیں، مگر چند روایات اس لیے لکھ دی ہیں کہ ہم لوگوں میں عوام کا ذکر نہیں، خواص میں اور ان لوگوں میں جو شُرفاء کہلاتے ہیں، دیندار سمجھے جاتے ہیں، ان کی مَجالس، ان کے مَجامع[8]، ان کی تقریبات اس کمینہ حرکت سے لبریز[9] ہیں۔ فَإِلَى اللهِ الْمُشْتَكٰى وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ۔ لیکن ان سب کے بعد یہ بھی معلوم ہونا ضروری ہے کہ یہ سب دنیوی دشمنی اور عداوت پر ہے، اگر کسی شخص کے فِسق[10] کی وجہ سے یا کسی دینی امر کی حمایت کی وجہ سے ترکِ تعلق[11] کرے تو جائز ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ حضور ﷺ کا ارشاد نقل فرمایا، تو ان کے بیٹے نے اس پر ایسا لفظ کہہ دیا جو صورتاً[12] حدیث پر اعتراض تھا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مرنے تک ان سے نہیں بولے اور بھی اس قسم کے

حل لغات: ① بے عزتی۔ ② جھگڑا۔ ③ ظاہر ہے۔ ④ بخشش۔ ⑤ مخلوق۔ ⑥ یعنی ذرا سا۔ ⑦ مکمل ذکر کرنا۔ ⑧ مجمع کی جمع، جمع ہونے کی جگہیں۔ ⑨ بھری ہوئی۔ ⑩ گناہ۔ ⑪ تعلق ختم کرنا۔ ⑫ دیکھنے میں۔

واقعات صحابۂ کرام ﷺ کے ثابت ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ شانہٗ دانا وبینا[1] ہیں، قلوب کے حال کو اچھی طرح جاننے والے ہیں، اس سے خوب واقف ہیں کہ کون سا ترکِ تعلق دین کی خاطر ہے اور کون سا اپنی وَجاہت[2] اور کسرِشان[3] اور بڑائی کی وجہ سے ہے۔ ویسے تو ہر شخص اپنے کینہ اور بُغض کو دین کی طرف منسوب کر ہی سکتا ہے۔ دوسرا امر جو حدیثِ بالا میں معلوم ہوتا ہے وہ حکمتِ الٰہی کے سامنے رضا اور قبول وتسلیم ہے کہ باوجود اس کے کہ شبِ قدر کی تعیین کا اُٹھ جانا صورتاً بہت ہی بڑی خیر کا اُٹھ جانا تھا؛ لیکن چونکہ اللہ کی طرف سے ہے، اس لیے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ شاید ہمارے لیے یہی بہتر ہو، نہایت عبرت اور غور کا مقام ہے، اللہ جلَّ شانہٗ کی رحیم وکریم ذات بندہ پر ہر وقت مہربان ہے، اگر بندہ اپنی بداعمالی سے کسی مصیبت میں مبتلا ہوجاتا ہے، تب بھی اللہ جلَّ جلالہٗ کی طرف سے تھوڑی سی توجہ اور اقرارِ عجز[4] کے بعد اللہ کا کرم شاملِ حال ہوجاتا ہے اور وہ مصیبت بھی کسی بڑی خیر کا سبب بنا دی جاتی ہے اور اللہ کے لیے کوئی چیز مشکل نہیں۔ چنانچہ عُلَمَاء نے اس کے اِخفاء[5] میں بھی چند مَصَالح[6] ارشاد فرمائے ہیں: اوّل یہ کہ اگر تعیین باقی رہتی تو بہت سی کوتاہ طَبَائع[7] ایسی ہوتیں کہ اور راتوں کا اِہتمام بالکل ترک کردیتیں اور اس صورتِ موجودہ میں اس اِحتمال پر کہ آج ہی شاید شبِ قدر ہو، متعدد راتوں میں عبادت کی توفیق طلب والوں کو نصیب ہوجاتی ہے۔ دوسری یہ کہ بہت سے لوگ ہیں کہ مَعَاصِی[8] کے بغیر ان سے رہا ہی نہیں جاتا، تعیین کی صورت میں اگر باوجود معلوم ہونے کے اس رات میں معصیت کی جُرأت کی جاتی تو سخت اندیشہ ناک[9] تھا۔ نبیٔ کریم ﷺ ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے کہ ایک صحابی سو رہے تھے، آپ ﷺ نے حضرت علی ﷺ سے ارشاد فرمایا کہ ان کو جگا دو تاکہ وضو کرلیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے جگا تو دیا، مگر حضور ﷺ سے پوچھا کہ آپ تو خیر کی طرف بہت تیزی سے چلنے والے ہیں، آپ نے خود کیوں نہ جگا دیا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: مَبَادَا[10] انکار کر بیٹھتا اور میرے کہنے پر انکار کُفر ہوجاتا، تیرے کہنے سے انکار پر کفر نہیں ہوگا۔ تو اسی طرح حق سُبحانہٗ وتقدّس کی رحمت نے گوارا نہ فرمایا کہ اس عظمت والی رات کے معلوم ہونے کے بعد کوئی گناہ پر جُرأت کرے۔ تیسری یہ کہ تعیین کی صورت میں اگر کسی شخص سے وہ رات اتفاقاً چھوٹ جاتی، تو آئندہ راتوں میں اَفسُردگی[11] وغیرہ کی وجہ سے پھر کسی رات کا بھی جاگنا نصیب نہ ہوتا اور اب رمضان کی ایک دو رات تو کم از کم ہر شخص کو مُیَسَّر[12] ہو ہی جاتی ہیں۔ چوتھی یہ کہ جتنی راتیں طلب میں خرچ ہوتی ہیں ان سب کا مُستقِل ثواب علیحدہ ملے گا۔ پانچویں یہ کہ رمضان کی عبادت میں حق تعالیٰ جلَّ شانہٗ ملائکہ پر تَفَاخُر[13] فرماتے ہیں، جیسا کہ پہلی روایات

حل لغات: (۱) جاننے اور دیکھنے والا۔ (۲) عزت۔ (۳) بے عزتی۔ (۴) عاجزی کا اقرار۔ (۵) چھپانا۔ (۶) مصلحت کی جمع، بھلائی۔ (۷) سست طبیعتیں۔ (۸) معصیت کی جمع، گناہ۔ (۹) بڑے ڈر کی بات۔ (۱۰) خدانخواستہ۔ (۱۱) اُداسی۔ (۱۲) حاصل۔ (۱۳) فخر۔

میں معلوم ہو چکا۔ اس صورت میں تَفَاخُر کا زیادہ موقع ہے کہ بندے باوجود معلوم نہ ہونے کے محض اِحْتِمال اور خیال پر، رات رات بھر جاگتے ہیں اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں کہ جب اِحْتِمال پر اس قدر کوشش کررہے ہیں، اگر بتلا دیا جاتا کہ یہی رات شب قدر ہے، تو پھر ان کی کوششوں کا کیا حال ہوتا۔ ان کے علاوہ اور بھی مَصَالِحْ ہوسکتی ہے۔ ایسے ہی امور کی وجہ سے عادۃُ[1] اللہ یہ جاری ہے کہ اس نوع کی اہم چیزوں کو مُخْفِی[2] فرما دیتے ہیں؛ چنانچہ اسمِ اعظم کو مخفی فرما دیا۔ اسی طرح جمعہ کے دن ایک وقتِ خاص مقبولیتِ دعا کا ہے، اس کو بھی مخفی فرما دیا، ایسے ہی اور بہت سی چیزیں اس میں شامل ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جھگڑے کی وجہ سے اس خاص رمضان المبارک میں تعیین بھلادی گئی ہو اور اس کے بعد دیگر مَصَالِح مذکورہ کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے تعیین ہٹادی ہو۔ تیسری بات جو اس حدیث پاک میں وارد ہے، وہ شبِ قدر کی تلاش کے لیے تین راتیں ارشاد فرمائی ہیں: نویں، ساتویں، پانچویں۔ دوسری روایات کے ملانے سے اتنا تو مُحَقَّق[3] ہے کہ یہ تینوں راتیں اخیر عشرہ[4] کی ہیں؛ لیکن اس کے بعد پھر چند احتمال ہیں کہ اخیر عشرہ میں اگر اوّل سے شُمار کیا جاوے، تو حدیث کا مُحْمَل[5] ۲۹/۲۷/۲۵/رات ہوتی ہے اور اگر اخیر سے شمار کیا جائے جیسا کہ بعض الفاظ سے مُتَرَشِّح[6] ہے تو ۲۹/کے چاند کی صورت میں ۲۱/۲۳/۲۵ اور ۳۰/کے چاند کی صورت میں ۲۲/۲۴/۲۶/رہے۔ اس کے علاوہ بھی تعیین میں روایات بہت مختلف ہیں۔ اور اسی وجہ سے علماء کے درمیان میں اس کے بارے میں بہت کچھ اختلاف ہے، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ پچاس کے قریب علماء کے اقوال ہیں۔ روایات کے بکَثْرت اختلاف کی وجہ مُحَقِّقِیْن کے نزدیک یہ ہے کہ یہ رات کسی تاریخ کے ساتھ مخصوص نہیں؛ بلکہ مختلف سالوں میں مختلف راتوں میں ہوتی ہے، جس کی وجہ سے روایات مختلف ہیں کہ ہر سال نبیٔ کریم ﷺ نے اس سال کے متعلق مختلف راتوں میں تلاش کا حکم فرمایا اور بعض سالوں میں متعین طور سے بھی ارشاد فرمایا؛ چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کی مجلس میں ایک مرتبہ شبِ قدر کا ذکر آیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج کون سی تاریخ ہے؟ عرض کیا گیا کہ ۲۲/رہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ آج ہی کی رات میں تلاش کرو۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ شب قدر نبی کے زمانہ کے ساتھ خاص رہتی ہے یا بعد میں بھی ہوتی ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت تک رہے گی، میں نے عرض کیا کہ رمضان کے کِس حصہ میں ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عشرۂ[7] اول اور عشرۂ[8] اخیر میں تلاش کرو، پھر حضور ﷺ اور باتوں میں مشغول ہوگئے، میں نے موقع پا کر عرض کیا: اَجی یہ تو بتلا ہی دیجیے کہ عشرہ کے کون سے حصہ میں ہوتی ہے؟ حضور ﷺ اتنے ناراض ہوئے کہ نہ اس سے قبل مجھ پر اتنے خفا ہوئے تھے نہ

حل لغات: ① اللہ کا طریقہ۔ ② چھپانا۔ ③ ثابت۔ ④ آخر کی دس راتیں۔ ⑤ مطلب۔ ⑥ ظاہر ہونا۔ ⑦ پہلے کے دس دن۔ ⑧ آخر کے دس دن۔

بعد میں اور فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ شانہٗ کا یہ مقصود ہوتا تو بتلا نہ دیتے، آخر کی سات رات میں تلاش کرو، بس اس کے بعد اور کچھ نہ پوچھو۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے ۲۳ رویں شب متعین طور پر ارشاد فرمائی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں سو رہا تھا، مجھے خواب میں کسی نے کہا کہ اُٹھ آج شبِ قدر ہے، میں جلدی سے اُٹھ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں گیا، تو آپ ﷺ کی نماز کی نیت بندھ رہی تھی اور یہ رات ۲۳ رشب تھی۔ بعض روایات میں مُتَعَیَّن طور سے ۲۴ رکی شب کا ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص تمام سال رات کو جاگے وہ شبِ قدر کو پا سکتا ہے (یعنی شبِ قدر تمام سال میں دائر① رہتی ہے) کسی نے اُبَی ابن کَعب رضی اللہ عنہ سے اس کو نقل کیا، تو وہ فرمانے لگے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی غرض یہ ہے کہ لوگ ایک رات پر قَنَاعَت② کر کے نہ بیٹھ جائیں، پھر قسم کھا کر یہ بتلایا کہ وہ ۲۷ ر رمضان کو ہوتی ہے۔ اور اسی طرح سے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ کی رائے ہے کہ وہ ۲۷ رشب میں ہوتی ہے۔ اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ کی تحقیق یہی ہے، ورنہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تحقیق وہی ہے جو شخص تمام سال جاگے، وہ اس کو معلوم کر سکتا ہے اور دُرِّ منثور کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ سے یہی نقل کرتے ہیں۔ ائمہ میں سے بھی امام ابو حنیفہؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ تمام سال میں دائر رہتی ہے۔ دوسرا قول امام صاحب کا یہ ہے کہ تمام رمضان میں دائر رہتی ہے۔ صَاحِبَیْن③ کا قول ہے کہ تمام رمضان کی کسی ایک رات میں ہے جو متعین ہے، مگر معلوم نہیں۔ شافعیہ کا راجح قول یہ ہے کہ ۲۱ رشب میں ہونا اَقْرَب④ ہے۔ امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کا قول یہ ہے کہ رمضان کے آخر عشرہ کی طاق راتوں میں دائر رہتی ہے، کسی سال کسی رات میں اور کسی سال کسی دوسری رات میں۔ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ ستائیسویں رات میں زیادہ اُمّید ہے۔ شیخ العارفین مُحی الدین ابن عربیؒ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اُن لوگوں کا قول زیادہ صحیح ہے، جو کہتے ہیں کہ تمام سال میں دائر رہتی ہیں؛ اس لیے کہ میں نے دو مرتبہ اس کو شعبان میں دیکھا ہے، ایک مرتبہ ۱۵ رکو اور ایک مرتبہ ۱۹ رکو اور دو مرتبہ رمضان کے درمیانی عشرہ میں ۱۳ رکو اور ۱۸ رکو اور رمضان کے آخر عشرہ کی ہر طاق رات میں دیکھا ہے، اس لیے مجھے اس کا یقین ہے کہ وہ سال کی راتوں میں پھرتی رہتی ہے، لیکن رمضان المبارک میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ شبِ قدر سال میں دو مرتبہ ہوتی ہے: ایک وہ رات ہے جس میں احکامِ خداوندی نازل ہوتے ہیں اور اسی رات میں قرآن شریف لوحِ محفوظ⑤ سے اُترا ہے، یہ رات رمضان کے ساتھ مخصوص نہیں تمام سال میں دائر رہتی ہے، لیکن جس سال قرآن پاک نازل ہوا، اس سال رمضان المبارک میں تھی اور اکثر رمضان المبارک ہی میں ہوتی ہے اور دوسری شبِ قدر وہ ہے جس

حل لغات: ① گھومنا۔ ② راضی ہونا۔ ③ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ۔ ④ بہت قریب۔ ⑤ وہ تختی جس میں کائنات میں ہونے والی تمام چیزیں لکھی ہوئی ہیں۔

میں روحانیت کا ایک خاص اِنتشار[1] ہوتا ہے اور ملائکہ بکثرت زمین پر اُترتے ہیں اور شیاطین دُور رہتے ہیں، دُعائیں اور عبادتیں قبول ہوتی ہیں، یہ ہر رمضان میں ہوتی ہے اور اخیر عشرہ کی وِتْر[2] راتوں میں ہوتی ہے اور بدلتی رہتی ہے۔ میرے والد صاحب نَوَّرَ اللّٰہُ مَرقَدَہٗ وبَرَّدَ مَضجَعَہٗ اسی قول کو راجح فرماتے تھے۔

بہر حال شب قدر ایک[2] ہو یا دو[2]، ہر شخص کو اپنی ہمت و وُسعت کے مُوافق تمام سال اس کی تلاش میں سعی[3] کرنا چاہیے، نہ ہو سکے تو رمضان بھر جُستجو[4] کرنا چاہیے، اگر یہ بھی مُشکِل ہو تو عشرۂ اخیرہ کو غنیمت سمجھنا چاہیے، اتنا بھی نہ ہو سکے تو عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیے اور اگر خُدَانخواستہ یہ بھی نہ ہو سکے تو ستائیسویں شب کو تو بہر حال غنیمتِ[5] بارِدہ سمجھنا ہی چاہیے کہ اگر تائیدِ[6] ایزدی شاملِ حال ہے اور کسی خوش نصیب کو میسر ہو جائے تو پھر تمام دُنیا کی نعمتیں اور راحتیں اس کے مُقابلہ میں ہیچ[7] ہیں، لیکن اگر میسر نہ بھی ہو، تب بھی اَجر سے خالی نہیں، بالخصوص مغرب عشاء کی نماز جماعت سے مسجد میں ادا کرنے کا اہتمام تو ہر شخص کو تمام سال بہت ہی ضرور ہونا چاہیے کہ اگر خوش قسمتی سے شبِ قدر کی رات میں یہ دو[2] نمازیں جماعت سے میسّر ہو جائیں تو کس قدر باجماعت نمازوں کا ثواب ملے۔ اللہ کا کس قدر بڑا انعام ہے کہ کسی دینی کام میں اگر کوشش کی جاوے تو کامیابی نہ ہونے کی صورت میں بھی اس کوشش کا اَجر ضرور ملتا ہے، لیکن اس کے باوجود کتنے ہمت والے ہیں جو دین کے درپے ہیں، دین کے لیے مرتے ہیں، کوششیں کرتے ہیں؟ اور اس کے بِالمُقابِل اَغراضِ[8] دنیویہ میں کوشش کے بعد اگر نتیجہ مُرتَّب[9] نہ ہو تو، وہ کوشش بیکار اور ضائع، لیکن اس پر بھی کتنے لوگ ہیں کہ دُنیوی اَغراض اور بیکار و لَغو اُمور کے حاصل کرنے کے لیے جان و مال دونوں کو برباد کرتے ہیں۔

بَبِین تَفَاوُتِ رَہ از کُجا[10] اَست تا بکُجا

(٦) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ أَنَّهٗ سَأَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ، فَقَالَ: فِيْ رَمَضَانَ فِي الْعَشَرَةِ الْأَوَاخِرِ، فَإِنَّهَا فِيْ لَيْلَةِ وِتْرٍ فِيْ إِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ أَوْ ثَلٰثٍ وَّعِشْرِيْنَ أَوْ خَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ أَوْ سَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ أَوْ تِسْعٍ وَّعِشْرِيْنَ أَوْ اٰخِرَ لَيْلَةٍ مِّنْ رَمَضَانَ، مَنْ قَامَهَا	حضرت عُبادہ رضی اللہ عنہ نے نبئ کریم ﷺ سے شبِ قدر کے بارے میں دریافت کیا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں ہے ۲۱/ ۲۳/ ۲۵/ ۲۷/ ۲۹/ یا رمضان کی آخر رات میں۔ جو شخص ایمان کے ساتھ، ثواب کی نیت سے اس رات میں عبادت کرے، اس کے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس رات کی مِنْجُمْلَہ اور علامتوں کے یہ ہے

حل لغات: (١) پھیلاؤ۔ (٢) طاق۔ (٣) کوشش۔ (٤) تلاش۔ (٥) یعنی بڑی نعمت۔ (٦) اللہ کی توفیق۔ (٧) کچھ نہیں۔ (٨) دنیاوی ضرورتیں۔ (٩) کام نہ بنے۔ (١٠) دیکھ کہ راستے کا فرق کہاں سے کہاں تک ہے۔

إِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ، وَمِنْ أَمَارَاتِهَا: أَنَّهَا لَيْلَةٌ بُلْجَةٌ صَافِيَةٌ سَاكِنَةٌ سَاجِيَةٌ، لَاحَارَّةٌ وَلَا بَارِدَةٌ كَأَنَّ فِيْهَا قَمَرًا سَاطِعًا، وَّلَا يَحِلُّ لِنَجْمٍ أَنْ يُّرْمٰى بِهٖ تِلْكَ اللَّيْلَةِ حَتَّى الصَّبَاحِ، وَمِنْ أَمَارَاتِهَا: أَنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ صَبِيْحَتَهَا لَاشُعَاعَ لَهَا مُسْتَوِيَةٌ كَأَنَّهَا الْقَمَرُ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، وَحَرَّمَ اللّٰهُ عَلَى الشَّيْطَانِ أَنْ يَّخْرُجَ مَعَهَا يَوْمَئِذٍ. [درّمنثور عن أحمد والبيهقي ومحمد بن نصر وغيرهم]	کہ وہ رات کھلی ہوئی چمک دار ہوتی ہے، صاف شفّاف، نہ زیادہ گرم، نہ زیادہ ٹھنڈی بلکہ مُعتدِل[1] گویا کہ اس میں (انوار کی کثرت کی وجہ سے) چاند کھلا ہوا ہے، اس رات میں صبح تک آسمان کے ستارے شیاطین کو نہیں مارے جاتے، نیز اس کی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے بعد کی صبح کو آفتاب بغیر شُعاع[2] کے طلوع ہوتا ہے، ایسا بالکل ہموار[3] ٹِکیہ کی طرح ہوتا ہے جیسا کہ چودھویں رات کا چاند، اللہ جلَّ شانہٗ نے اس دن کے آفتاب کے طلوع کے وقت شیطان کو اس کے ساتھ نکلنے سے روک دیا (بخلاف اور دنوں کے کہ طلوعِ آفتاب کے وقت شیطان کا اس جگہ ظہور[4] ہوتا ہے)۔

فائدہ: اس حدیث کا اوّل مضمون تو سابِقہ[5] روایات میں ذکر ہو چکا ہے، آخر میں شبِ قدر کی چند علامات ذکر کی ہیں جن کا مطلب صاف ہے، کسی توضیح[6] کا مُحتاج نہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بعض علامات روایات میں اور ان لوگوں کے کلام میں ذکر کی گئی ہیں جن کو اس رات کی دولت نصیب ہوئی ہے، بالخصوص اس رات کے بعد جب صبح کو آفتاب نکلتا ہے تو بغیر شُعاع کے نکلتا ہے۔ یہ علامت بہت سی روایاتِ حدیث میں وارد ہوئی ہے اور ہمیشہ پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اور علامتیں لازمی اور لابُدّی[7] نہیں ہیں۔ عَبدَۃُ بنِ اَبِی لُبَابہ ؓ کہتے ہیں کہ میں نے رمضان المبارک کی ستائیس[27] شب کو سمندر کا پانی چکھا تو بالکل میٹھا تھا۔ ایوب بن خالدؒ کہتے ہیں کہ مجھے نہانے کی ضرورت ہوگئی، میں نے سمندر کے پانی سے غسل کیا تو بالکل میٹھا تھا اور یہ تیئیسویں شب کا قصہ ہے۔

مَشَائخ نے لکھا ہے کہ شبِ قدر میں ہر چیز سجدہ کرتی ہے حتّٰی کہ درخت زمین پر گر جاتے ہیں اور پھر اپنی جگہ کھڑے ہو جاتے ہیں، مگر ایسی چیزوں کا تعلُّق اُمورِ کَشفِیَّہ[8] سے ہے جو ہر شخص کو محسوس نہیں ہوتے۔

(۷) عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! أَرَأَيْتَ إِنْ عَلِمْتُ أَيَّ لَيْلَةٍ لَيْلَةُ الْقَدْرِ مَا أَقُوْلُ فِيْهَا؟	حضرت عائشہ ؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اگر مجھے شبِ قدر کا پتہ چل جاوے تو کیا دُعا مانگوں؟ حضور ﷺ نے اَللّٰھُمَّ سے اخیر تک دعا بتلائی، جس کا

حل لغات: (۱) درمیانی۔ (۲) کرن۔ (۳) برابر۔ (۴) نکلنا۔ (۵) پیچھے گذرا ہوا۔ (۶) بیان۔ (۷) ضروری۔ (۸) چھپی ہوئی باتیں جو اللہ تعالیٰ بزرگوں پر ظاہر کر دیتے ہیں۔

قَالَ: قُوْلِيْ: اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ. [رواه أحمد وابن ماجه والترمذي وصححه كذا في المشكوٰة]	ترجمہ یہ ہے: اے اللہ تو بے شک معاف کرنے والا ہے اور پسند کرتا ہے معاف کرنے کو، پس معاف فرما دے مجھ سے بھی۔

فائدہ: نہایت جامع دعا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے لُطف وکرم سے آخرت کے مطالبہ سے معاف فرمادیں تو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے۔

مَنْ نگویم کہ طَاعَتَم بپذیر　　قلمِ عفو بر گُنا ہم کَش[1]

حضرت سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ اس رات میں دُعا کے ساتھ مشغول ہونا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت دوسری عبادات کے، اِبنِ رَجَبؒ کہتے ہیں کہ صرف دُعا نہیں بلکہ مُختَلِف عبادات میں جمع کرنا افضل ہے، مثلاً: تلاوت، نماز، دُعا اور مراقبہ وغیرہ، اس لیے کہ نبیٔ کریم ﷺ سے یہ سب امور منقول ہیں، یہی قول زیادہ اقرب ہے کہ سَابِقہ احادیث میں نماز، ذکر وغیرہ کئی چیزوں کی فضیلت گزر چکی ہے۔

فصل سوم: اعتکاف کے بیان میں

''اِعتِکاف'' کہتے ہیں: مسجد میں اعتکاف کی نیت کر کے ٹھہرنے کو۔ حَنَفِیَّہ کے نزدیک اس کی تین قسمیں ہیں: ایک واجب جو مَنَّت اور نذر کی وجہ سے ہو، جیسے یہ کہے کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو اتنے دنوں کا اعتکاف کروں گا، یا بغیر کسی کام پر موقوف کرنے کے یوں ہی کہہ لے کہ میں نے اتنے دنوں کا اعتکاف اپنے اوپر لازم کرلیا، یہ واجب ہوتا ہے اور جتنے دنوں کی نیّت کی ہے، اُس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ دوسری قسم سنت ہے جو رمضان المبارک کے اخیر عَشرہ[2] کا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ کی عادتِ شریفہ ان ایام کے اعتکاف فرمانے کی تھی۔ تیسرا اعتکاف نفل ہے جس کے لیے نہ کوئی وقت، نہ ایّام کی مِقدار، جتنے دن کا جی چاہے کرلے، حتیٰ کہ اگر کوئی شخص تمام عمر کے اعتکاف کی نیت کرلے تب بھی جائز ہے، البتہ کمی میں اختلاف ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک ایک دن سے کم کا جائز نہیں، لیکن امام محمدؒ کے نزدیک تھوڑی دیر کا بھی جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، اس لیے ہر شخص کے لیے مناسب ہے کہ جب مسجد میں داخل ہو اعتکاف کی نیت کرلیا کرے کہ اتنے نماز وغیرہ میں مشغول رہے، اعتکاف کا ثواب بھی رہے۔ میں نے اپنے والد صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ وبرّد مَضجعہ کو ہمیشہ اس کا اہتمام کرتے دیکھا کہ جب مسجد میں تشریف لے جاتے تو دایاں پاؤں اندر داخل کرتے ہی اعتکاف کی نیت فرماتے تھے اور بسا[3] اوقات خُدّام[4] کی تعلیم کی غرض سے

حل لغات: ① اے اللہ! میں یہ تو نہیں کہتا کہ تو میری عبادتوں کو قبول کرلے، میری تو بس اتنی درخواست ہے کہ میرے گناہوں کو معاف فرمادے۔ ② آخری دس دن۔ ③ اکثر وقت۔ ④ خادموں کی جمع، نوکر۔

آواز سے بھی نیت فرماتے تھے۔ اِعْتِکاف کا بہت زیادہ ثواب ہے اور اس کی فضیلت اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ نبیِ کریم ﷺ ہمیشہ اس کا اہتمام فرماتے تھے، مُعْتَکِفْ کی مثال اُس شخص کی سی ہے کہ کسی کے در پر جا پڑے کہ اتنے میرے درخواست قبول نہ ہو ٹلنے کا نہیں۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

اگر حقیقتاً یہی حال ہو تو سخت سے سخت دل والا بھی پسیجتا[1] ہے اور اللہ جلَّ شانہٗ کی کریم ذات تو بخشش کے لیے بہانہ ڈھونڈتی ہے، بلکہ بے بہانہ مرحمت فرماتے ہیں۔

تُو وہ داتا[2] ہے کہ دینے کے لیے
دَر تری رحمت کے ہیں ہر دم کھلے
خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

اس لیے جب کوئی شخص اللہ کے دروازے پر دنیا سے مُنْقَطِع[3] ہو کر جا پڑے، تو اس کے نوازے جانے میں کیا تَأَمُّل[4] ہو سکتا ہے اور اللہ جلَّ شانہٗ جس کو اِکرام فرمادیں اس کے بھرپور خزانوں کا بیان کون کر سکتا ہے؟ اس کے آگے کہنے سے قاصر ہوں کہ نامَرد بلوغ کی کیفیت کیا بیان کر سکتا ہے، مگر ہاں یہ ٹھان لے کہ

جس گُل کو دل دیا ہے جس پھول پر فِدا ہوں
یا وہ بغل میں آئے یا جاں قَفَس[5] سے چُھوٹے

اِبنِ قَیِّم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اعتکاف کا مقصود اور اس کی روح دل کو اللہ کی پاک ذات کے ساتھ وابستہ کر لینا ہے کہ سب طرف سے ہٹ کر اُسی کے ساتھ مُجْتَمِعْ[6] ہو جائے اور ساری مشغولیوں کے بدلے میں اسی کی پاک ذات سے مشغول ہو جائے اور اس کے غیر کی طرف سے منقطع ہو کر ایسی طرح اس میں لگ جاوے کہ خَیالات تَفَکُّرات سب کی جگہ اس کا پاک ذکر، اس کی محبت سما جاوے۔ حتیٰ کہ مخلوق کے ساتھ اُنس[7] کے بدلہ اللہ کے ساتھ انس پیدا ہو جاوے کہ یہ انس قبر کی وَحشَت[8] میں کام دے کہ اس دن اللہ کی پاک ذات کے سوا نہ کوئی مُونِس، نہ دل بہلانے والا، اگر دِل اس کے ساتھ مانوس ہو چکا ہوگا تو کس قدر لذت سے وقت گذرے گا۔

دل ڈھونڈھتا ہے پھر وہی فُرصت کے رات دن
بیٹھا رہوں تصوّرِ جاناں کیے ہوئے

حل لغات: (١) نرم ہو جانا۔ (٢) دینے والا۔ (٣) الگ، ہٹ کر، جدا ہو کر۔ (٤) شک۔ (٥) پنجرا۔ (٦) یعنی متوجہ ہو جائے۔ (٧) محبت۔ (٨) تنہائی، گھبراہٹ۔

صَاحِبِ مَرَاقِی الْفَلَاح کہتے ہیں کہ اعتکاف اگر اخلاص کے ساتھ ہو تو افضل ترین اعمال میں سے ہے۔ اس کی خصوصیتیں حدِّ[1] اِحصاء سے خارج[2] ہیں کہ اس میں قلب کو دنیا و مَافِیْھَا[3] سے یکسُو[4] کر لینا ہے اور نفس کو مولیٰ کے سپرد کر دینا اور آقا کی چَوکھٹ پر پڑ جانا ہے۔

پھر جی میں ہے کہ دَر پہ کسی کے پڑا رہوں
سَر[5] زیرِ بارِ منّتِ درباں کیے ہوئے

نیز اس میں ہر وقت عبادت میں مشغولی ہے کہ آدمی سوتے جاگتے ہر وقت عبادت میں شمار ہوتا ہے اور اللہ کے ساتھ تقرُّب[6] ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص میری طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے، میں اس سے دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جو میری طرف (آہستہ بھی) چلتا ہے، میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ نیز اس میں اللہ کے گھر پڑ جانا ہے اور کریم میزبان ہمیشہ گھر آنے والے کا اکرام کرتا ہے، نیز اللہ کے قلعہ میں محفوظ ہوتا ہے کہ دشمن کی رَسَائی[7] وہاں تک نہیں وغیرہ وغیرہ، بہت سے فضائل اور خواص اس اہم عبادت کے ہیں۔

مسئلہ: مرد کے لیے سب سے افضل جگہ مسجدِ مکہ ہے، پھر مسجدِ مدینہ منورہ، پھر مسجدِ بَیْتُ الْمُقَدَّس، ان کے بعد مسجد جامع پھر اپنی مسجد۔ امام صاحبؒ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ جس مسجد میں اعتکاف کرے اس میں پانچوں وقت کی جماعت ہوتی ہو۔ صاحبین کے نزدیک شرعی مسجد ہونا کافی ہے اگرچہ جماعت نہ ہوتی ہو۔ عورت کے لیے اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرنا چاہیے، اگر گھر میں کوئی جگہ مسجد کے نام سے مُتَعَیَّن نہ ہو تو کسی کونہ کو اس کے لیے مخصوص کر لے، عورتوں کے لیے اعتکاف بہ نسبت مردوں کے زیادہ سہل ہے کہ گھر میں بیٹھے بیٹھے کاروبار بھی گھر کی لڑکیوں وغیرہ سے لیتی رہیں اور مُفت کا ثواب بھی حاصل کرتی رہیں، مگر اس کے باوجود عورتیں اس سنت سے گویا بالکل ہی محروم رہتی ہیں۔

(۱) عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ ِالْخُدْرِيِّ رضي الله عنه أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اِعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْأَوَّلَ مِنْ رَمَضَانَ ثُمَّ اعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ فِيْ قُبَّةٍ تُرْكِيَّةٍ ثُمَّ أَطْلَعَ رَأْسَهٗ. فَقَالَ: إِنِّيْ اِعْتَكَفْتُ الْعَشْرَ الْأَوَّلَ أَلْتَمِسُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ اعْتَكَفْتُ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ ثُمَّ أُتِيْتُ فَقِيْلَ لِيْ:	ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے رمضان المبارک کے پہلے عشرہ میں اعتکاف فرمایا اور پھر دوسرے عشرہ میں بھی، پھر تُرکی خیمے سے جس میں اعتکاف فرما رہے تھے، باہر سر نکال کر ارشاد فرمایا کہ میں نے پہلے عشرہ کا اعتکاف شبِ قدر کی تلاش اور اہتمام کی وجہ سے کیا تھا، پھر اسی کی وجہ سے دوسرے

حل لغات: (۱) گنے جانے اور شمار کیے جانے کی حد۔ (۲) باہر۔ (۳) دنیا اور دنیا کی تمام چیزیں۔ (۴) الگ تھلگ۔ (۵) سر دربان کے احسان کے بوجھ کے نیچے کیے ہوئے۔ یعنی دروازہ پر پڑا رہوں چاہے دربان کا احسان مند ہونا پڑے۔ (۶) نزدیکی۔ (۷) پہونچ۔

إِنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ. فَمَنْ كَانَ اِعْتَكَفَ مَعِيَ فَلْيَعْتَكِفِ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ فَقَدْ أُرِيْتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ أُنْسِيْتُهَا وَقَدْ رَأَيْتُنِي أَسْجُدُ فِيْ مَاءٍ وَطِيْنٍ مِّنْ صَبِيْحَتِهَا فَالْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ وَالْتَمِسُوْا فِيْ كُلِّ وِتْرٍ. قَالَ: فَمُطِرَتِ السَّمَاءُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَكَانَ الْمَسْجِدُ عَلٰى عَرِيْشٍ فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ فَبَصُرَتْ عَيْنَايَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَعَلٰى جَبْهَتِهٖ أَثَرُ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ مِنْ صَبِيْحَةِ إِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ. [مشكوٰة عن المتفق عليه بأختلاف اللفظ]	عشرہ میں کیا، پھر مجھے کسی بتلانے والے (یعنی فرشتہ) نے بتلایا کہ وہ رات اخیر عشرہ میں ہے، لہٰذا جو لوگ میرے ساتھ اعتکاف کر رہے ہیں وہ اخیر عشرہ کا بھی اعتکاف کریں۔ مجھے یہ رات دکھلا دی گئی تھی پھر بُھلا دی گئی (اس کی علامت یہ ہے کہ) میں نے اپنے آپ کو اس رات کے بعد کی صبح میں کیچڑ میں سجدہ کرتے دیکھا۔ لہٰذا اب اس کو اخیر عشرہ کی طاق[1] راتوں میں تلاش کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ اس رات میں بارش ہوئی اور مسجد چھپّر کی تھی وہ ٹپکی اور میں نے اپنی آنکھوں سے نبیٔ کریم ﷺ کی پیشانی مبارک پر کیچڑ کا اثر اکیس[21] کی صبح کو دیکھا۔

فائدہ: نبیٔ کریم ﷺ کی عادتِ شریفہ اعتکاف کی ہمیشہ رہی ہے، اس مہینے میں تمام مہینے کا اعتکاف فرمایا اور جس سال وصال[2] ہوا ہے اس سال بیس[20] روز کا اعتکاف فرمایا تھا، لیکن اکثر عادتِ شریفہ چونکہ اخیر عشرہ ہی کے اعتکاف کی رہی ہے اس لیے علماء کے نزدیک سُنّتِ مؤکدہ وہی ہے۔ حدیثِ[3] بالا سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس اعتکاف کی بڑی غرض شبِ قدر کی تلاش ہے اور حقیقت میں اعتکاف اس کے لیے بہت ہی مناسب ہے کہ اعتکاف کی حالت میں اگر آدمی سوتا ہوا بھی ہو، تب بھی عبادت میں شُمار ہوتا ہے۔

نیز اعتکاف میں چونکہ آنا جانا اور اِدھر اُدھر کے کام بھی کچھ نہیں رہتے، اس لیے عبادت اور کریم آقا کی یاد کے علاوہ اور کوئی مشغلہ بھی نہ رہے گا، لہٰذا شبِ قدر کے قدر[4] دانوں کے لیے اعتکاف سے بہتر صورت نہیں۔ نبی کریم ﷺ اوّل تو سارے ہی رمضان میں عبادت کا بہت زیادہ اہتمام اور کثرت فرماتے تھے لیکن اخیر عشرہ میں کچھ حد ہی نہیں رہتی تھی۔ رات کو خود بھی جاگتے اور گھر کے لوگوں کو بھی جگانے کا اہتمام فرماتے تھے، جیسا کہ صحیحین کی متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ بخاری ومسلم کی ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اخیر عشرہ میں حضور ﷺ لنگی کو مضبوط باندھ لیتے اور راتوں کا اِحیاء[5] فرماتے (یعنی جاگتے) اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی جگاتے۔ لُنگی مضبوط باندھنے سے کوشش میں اہتمام کی زیادتی بھی مراد ہو سکتی ہے اور بیویوں سے بِالْکُلِّیَہ[6] اِحتراز[7] بھی مراد ہو سکتا ہے۔

حل لغات: (۱) ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹۔ (۲) پردہ فرمایا۔ (۳) اوپر والی حدیث۔ (۴) قدر کرنے والوں۔ (۵) یعنی رات بھر جاگنا اور عبادت کرنا۔ (۶) مکمل طور سے۔ (۷) بچنا۔

② عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ فِي الْمُعْتَكِفِ: هُوَ يَعْتَكِفُ الذُّنُوْبَ وَيُجْرٰى لَهُ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا. [مشكوٰة عن ابن ماجه]	نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مُعتکف گناہوں سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے لیے نیکیاں اتنی ہی لکھی جاتی ہیں جتنی کہ کرنے والے کے لیے۔

فائدہ: دو مخصوص نفعِ اعتکاف کے اس حدیث میں ارشاد فرمائے گئے ہیں: ایک یہ کہ اعتکاف کی وجہ سے گناہوں سے حفاظت ہوتی ہے، ورنہ بسا[1] اوقات کوتاہی اور لغزِش[2] سے کچھ اسباب ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ اس میں آدمی گناہ میں مبتلا ہو ہی جاتا ہے اور ایسے مُتبرَّک[3] وقت میں معصیت[4] کا ہو جانا کس قدر ظلمِ عظیم ہے، اعتکاف کی وجہ سے ان سے امن اور حفاظت رہتی ہے۔ دوسرے یہ کہ بہت سے نیک اعمال جیسا کہ جنازہ کی شرکت، مریض کی عیادت[5] وغیرہ ایسے اُمور ہیں کہ اعتکاف میں بیٹھ جانے کی وجہ سے معتکف ان کو نہیں کرسکتا، اس لیے اعتکاف کی وجہ سے جن عبادتوں سے رُکا رہا، ان کا اجر بغیر کیے بھی ملتا رہے گا۔ اللہ اکبر! کس قدر رحمت اور فیّاضی[6] ہے کہ ایک عبادت آدمی کرے اور دس عبادتوں کا ثواب مل جائے، درحقیقت اللہ کی رحمت بہانہ ڈھونڈھتی ہے اور تھوڑی سی توجہ اور مانگ سے دُھواں دَھار بَرستی ہے۔

بہانہ[7] می دِہَد بہا نمی دِہَد

مگر ہم لوگوں کو سِرے سے اس کی قدر ہی نہیں، ضرورت ہی نہیں، توجہ کون کرے اور کیوں کرے کہ دین کی وقعت[8] ہی ہمارے قلوب میں نہیں۔

اس کے اَلطاف[9] تو ہیں عام شہیدی سب پر　　تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

③ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّهٗ كَانَ مُعْتَكِفًا فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ ثُمَّ جَلَسَ، فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما: يَا فُلَانُ! أَرَاكَ مُكْتَئِبًا حَزِيْنًا. قَالَ: نَعَمْ يَا ابْنَ عَمِّ رَسُوْلِ اللهِ! لِفُلَانٍ عَلَيَّ حَقٌّ وَلَاحُرْمَةُ[10] صَاحِبِ هٰذَا الْقَبْرِ	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ مسجدِ نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں معتکف تھے۔ آپ کے پاس ایک شخص آیا اور سلام کرکے (چُپ چاپ) بیٹھ گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے فرمایا کہ میں تمھیں غمزَدہ اور پریشان دیکھ رہا ہوں، کیا بات ہے؟ اُس نے کہا کہ اے رسول اللہ کے چچا کے بیٹے! میں بے شک پریشان ہوں کہ فلاں کا مجھ پر حق ہے اور نبی کریم ﷺ کی قبرِ اَطہر کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ

حل لغات: ① اکثر مرتبہ۔ ② غلطی۔ ③ برکت والا۔ ④ گناہ۔ ⑤ دیکھ بھال۔ ⑥ سخاوت۔ ⑦ اللہ تعالی بہانہ سے نوازتے ہیں قیمت سے نہیں۔ ⑧ عزت۔ ⑨ مہربانیاں۔ ⑩ هكذا في النسخة التي بأيدينا بلفظ حرف النهي وهو الصواب عندي لوجوه، ووقع في بعض النسخ بلفظ: ولاء بالهمزة في اخره وهو تصحيف عندي من الكاتب وعليه قرائن ظاهرة۔

مَا أَقْدِرُ عَلَيْهِ . قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما: أَفَلَا أُكَلِّمُهُ فِيْكَ؟ قَالَ: إِنْ أَحْبَبْتَ. قَالَ: فَانْتَعَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما ثُمَّ خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ: أَنَسِيْتَ مَا كُنْتَ فِيْهِ؟ قَالَ: لَا وَلٰكِنِّيْ سَمِعْتُ صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ ﷺ وَالْعَهْدُ بِهٖ قَرِيْبٌ، فَدَمِعَتْ عَيْنَاهُ وَهُوَ يَقُوْلُ: مَنْ مَّشٰى فِيْ حَاجَةِ أَخِيْهِ وَبَلَغَ فِيْهَا كَانَ خَيْرًا لَّهٗ مِنْ اِعْتِكَافِ عَشْرِ سِنِيْنَ، وَمَنِ اعْتَكَفَ يَوْمًا اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ جَعَلَ اللهُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّارِ ثَلٰثَ خَنَادِقَ أَبْعَدَ مِمَّا بَيْنَ الْخَافِقَيْنِ.	میں اس حق کے ادا کرنے پر قادر نہیں۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اچھا کیا! میں اس سے تیری سفارش کروں؟ اُس نے عرض کیا کہ جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما یہ سن کر جوتا پہن کر مسجد سے باہر تشریف لائے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ آپ اپنا اعتکاف بھول گئے؟ فرمایا: بھولا نہیں ہوں بلکہ میں نے اس قبر والے (ﷺ) سے سنا ہے اور ابھی زمانہ کچھ زیادہ نہیں گزرا (یہ لفظ کہتے ہوئے) ابن عباس رضی اللہ عنہما کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے کہ حضور فرمارہے تھے کہ جو شخص اپنے بھائی کے کسی کام میں چلے پھرے اور کوشش کرے، اس کے لیے دسؔ برس کے اعتکاف سے افضل ہے اور جو شخص ایک دن کا اِعْتِکاف بھی اللہ کی رضا کے واسطے کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کے اور جہنم کے درمیان تینؔ خَنْدَقیں[1] آڑ فرمادیتے ہیں، جن کی مَسافت[2] آسمان اور زمین کے درمیانی مَسافت سے بھی زیادہ چوڑی ہے (اور جب ایک دن کے اعتکاف کی یہ فضیلت ہے تو دسؔ برس کے اعتکاف کی کیا کچھ مِقدار ہوگی)۔

[رواه الطبراني في الأوسط والبيهقي واللفظ له، والحاكم مختصرا وقال: صحيح الإسناد، كذا في الترغيب. وقال السيوطي في الدرّ: صححه الحاكم وضعفه البيهقي]

فائدہ: اس حدیث سے دوؔ مضمون معلوم ہوئے: اوّل یہ کہ ایک دن کے اعتکاف کا ثواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کے اور جہنم کے درمیان تینؔ خندقیں حائل[3] فرمادیتے ہیں اور ہر خندق اتنی بڑی ہے جتنا سارا جہان۔ اور ایک دن سے جس قدر زیادہ دنوں کا اعتکاف ہوگا اتنا ہی اَجر زیادہ ہوگا۔ علّامہ شَعْرانیؒ نے کَشْفُ الغُمّہ میں نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص عشرۂ رمضان کا اعتکاف کرے، اس کو دوؔ حج اور دوؔ عمروں کا اجر ہے، اور جو شخص مسجدِ جماعت میں مغرب سے عشاء تک اعتکاف کرے کہ نماز، قرآن کے علاوہ کسی سے بات نہ کرے، حق تعالیٰ شانہٗ اس کے لیے جنت میں ایک محل بناتے ہیں۔

دوسرا مضمون جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے وہ مسلمانوں کی حاجت رَوائی[4] کہ دسؔ برس کے اعتکاف سے افضل ارشاد فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے اعتکاف کی پَرْواہ نہیں فرمائی کہ اس کی

حل لغات: (۱) بڑے بڑے گڑھے۔ (۲) فاصلہ، دوری۔ (۳) آڑ، روک۔ (۴) ضرورتوں کا پورا کرنا۔

تلافی[1] پھر بھی ہوسکتی ہے اور اس کی قضا مُمکن ہے۔ اسی وجہ سے صُوفیاء کا مَقولہ[2] ہے کہ اللہ جلَّ شانہٗ کے یہاں ٹوٹے ہوئے دل کی جتنی قدر ہے اتنی کسی چیز کی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مظلوم کی بد دُعا سے احادیث میں بہت ڈرایا گیا ہے۔ حضور ﷺ جب کسی شخص کو حاکم بنا کر بھیجتے تھے اور نصائح[3] کے ساتھ ''وَ اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ'' بھی ارشاد فرماتے تھے کہ مظلوم کی بد دُعا سے بچیو۔

بترس[4] از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دُعا کردن

اِجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

اس جگہ ایک مسئلہ کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ کسی مسلمان کی حاجت روائی کے لیے بھی مسجد سے نکلنے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے اور اگر اعتکاف واجب ہو تو اس کی قضا واجب ہو جاتی ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ ضرورتِ بشری[5] کے علاوہ کسی ضرورت سے بھی مسجد سے باہر تشریف نہیں لاتے تھے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ایثار[6] کہ دوسرے کی وجہ سے اپنا اعتکاف توڑ دیا، ایسے ہی لوگوں کے مناسب ہے کہ دوسروں کی خاطر خود پیاسے تڑپ تڑپ کر مر جاویں، مگر پانی کا آخری قطرہ اس لیے نہ پئیں کہ دوسرا زخمی جو پاس لیٹا ہوا ہے وہ اپنے سے مُقدَّم[7] ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کا یہ اعتکاف نفلی اعتکاف ہو، اس صورت میں کوئی اشکال نہیں۔ خاتمہ میں ایک طویل حدیث جس میں کئی نوع کے فضائل ارشاد فرمائے ہیں، ذکر کر کے اس رسالہ کو ختم کیا جاتا ہے۔

(۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: إِنَّ الْجَنَّةَ لَتُبْخَرُ وَتُزَيَّنُ مِنَ الْحَوْلِ إِلَى الْحَوْلِ لِدُخُوْلِ شَهْرِ رَمَضَانَ. فَإِذَا كَانَتْ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ هَبَّتْ رِيْحٌ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ يُقَالُ لَهَا: الْمُثِيْرَةُ، فَتَصْفِقُ وَرَقَاتِ أَشْجَارِ الْجِنَانِ وَحِلَقَ الْمَصَارِيْعِ، فَيُسْمَعُ لِذٰلِكَ طَنِيْنٌ لَّمْ يَسْمَعِ السَّامِعُوْنَ أَحْسَنَ مِنْهُ، فَتَبْرَزُ الْحُوْرُ الْعِيْنُ حَتّٰى يَقِفْنَ

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ انھوں نے حضور ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا کہ جنت کو رمضان شریف کے لیے خوشبوؤں کی دُھونی دی جاتی ہے اور شروع سال سے آخر سال تک رمضان کی خاطر آراستہ[8] کیا جاتا ہے، پس جب رمضانُ المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو عرش کے نیچے سے ایک ہوا چلتی ہے، جس کا نام ''مُثِیرہ'' ہے (جس کے جُھونکوں کی وجہ سے) جنت کے درختوں کے پتے اور کِواڑوں کے حلقے بجنے لگتے ہیں، جس سے ایسی دل آویز[9] سُریلی آواز نکلتی ہے کہ سُننے والوں نے اس سے اچھی آواز کبھی نہیں سنی، پس خُوشنما[10] آنکھوں والی حوریں اپنے مکانوں

حل لغات: (۱) بھرپائی۔ (۲) قول، بات۔ (۳) نصیحت کی جمع۔ (۴) مظلوموں کی آہ سے بچو کیونکہ جب وہ بد دعا کرتا ہے تو قبولیت اللہ کے دروازے سے اس کی دعا کا استقبال کرتی ہے۔ (۵) انسانی ضرورت۔ (۶) اپنی ضرورت کے باوجود دوسرے کی ضرورت کو پورا کرنا۔ (۷) پہلے۔ (۸) سجایا جانا۔ (۹) دل کو لبھانے والی۔ (۱۰) خوبصورت۔

بَيْنَ شُرَفِ الْجَنَّةِ فَيُنَادِيْنَ. هَلْ مِنْ خَاطِبٍ إِلَى اللهِ فَيُزَوِّجُهُ، ثُمَّ يَقُلْنَ الْحُوْرُ الْعِيْنُ: يَارِضْوَانَ الْجَنَّةِ! مَا هٰذِهِ اللَّيْلَةُ فَيُجِيْبُهُنَّ بِالتَّلْبِيَةِ ثُمَّ يَقُوْلُ: هٰذِهِ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ عَلَى الصَّائِمِيْنَ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ. قَالَ: وَيَقُوْلُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: يَارِضْوَانُ! افْتَحْ أَبْوَابَ الْجِنَانِ. وَ يَا مَالِكُ! أَغْلِقْ أَبْوَابَ الْجَحِيْمِ عَلَى الصَّائِمِيْنَ مِنْ أُمَّةِ أَحْمَدَ ﷺ. وَيَا جِبْرَئِيْلُ! اِهْبِطْ إِلَى الْأَرْضِ فَاصْفِدْ مَرَدَةَ الشَّيَاطِيْنِ وَغَلِّهِمْ بِالْأَغْلَالِ ثُمَّ اقْذِفْهُمْ فِي الْبِحَارِ حَتّٰى لَا يُفْسِدُوْا عَلٰى أُمَّةِ مُحَمَّدٍ حَبِيْبِيْ ﷺ صِيَامَهُمْ. قَالَ: وَيَقُوْلُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ لِمُنَادٍ يُنَادِيْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ: هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَأُعْطِيَهُ سُؤْلَهُ؟ هَلْ مِنْ تَائِبٍ فَأَتُوْبَ عَلَيْهِ؟ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ؟ مَنْ يُّقْرِضُ الْمَلِيَّ غَيْرَ الْعَدُوْمِ وَالْوَفِيَّ غَيْرَ الظَّلُوْمِ؟ قَالَ: وَلِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ عِنْدَ الْإِفْطَارِ أَلْفُ أَلْفِ عَتِيْقٍ مِّنَ النَّارِ كُلُّهُمْ قَدِ اسْتَوْجَبُوا النَّارَ، فَإِذَا كَانَ اٰخِرُ يَوْمٍ مِّنْ شَهْرِ

سے نکل کر جنت کے بالاخانوں[1] کے درمیان کھڑے ہو کر آواز دیتی ہیں کہ کوئی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم سے منگنی کرنے والا تاکہ حق تعالیٰ شانہٗ اُس کو ہم سے جوڑ دیں؟ پھر وہی حُوریں جنت کے داروغہ رِضوان سے پوچھتی ہیں کہ یہ کیسی رات ہے؟ وہ لبَّیک کہہ کر جواب دیتے ہیں کہ رمضان المبارک کی پہلی رات ہے، جنت کے دروازے محمد ﷺ کی اُمت کے لیے (آج) کھول دیے گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ رضوان سے فرما دیتے ہیں کہ جنت کے دروازے کھول دے اور مالک (جہنّم کے دَاروغہ) سے فرما دیتے ہیں کہ احمد ﷺ کی اُمت کے روزہ داروں پر جہنم کے دروازے بند کر دے اور جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ زمین پر جاؤ اور سَرکَش شیاطین کو قید کر و اور گلے میں طوق[2] ڈال کر دریا میں پھینک دو کہ میرے محبوب محمد ﷺ کی اُمت کے روزوں کو خراب نہ کریں۔ نبیِ کریم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ رمضان کی ہر رات میں ایک مُنادی[3] کو حکم فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ یہ آواز دے کہ: ہے کوئی مانگنے والا جس کو میں عطا کروں؟ ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اس کی توبہ قبول کروں؟ کوئی ہے مغفرت چاہنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں؟ کون ہے جو غنی[4] کو قرض دے؟ ایسا غنی جو نادار[5] نہیں، ایسا پورا پورا ادا کرنے والا جو ذرا بھی کمی نہیں کرتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ رمضان شریف میں روزانہ اِفطار کے وقت ایسے دس لاکھ آدمیوں کو جہنم سے خلاصی[6] مرحمت فرماتے ہیں، جو جہنم کے مُستحق ہو چکے تھے اور جب رمضان کا آخری دن ہوتا ہے تو یکم رمضان سے آج

حل لغات: (۱) اوپر کے کمرے۔ (۲) پھندا۔ (۳) آواز دینے والا۔ (۴) مالدار۔ (۵) فقیر۔ (۶) چھٹکارا۔

رَمَضَانَ أَعْتَقَ اللّٰهُ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ
بِقَدْرِ مَا أَعْتَقَ مِنْ أَوَّلِ الشَّهْرِ إِلٰى
اٰخِرِهٖ، وَإِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ الْقَدْرِ يَأْمُرُ
اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ جِبْرَئِيْلَ فَيَهْبِطُ فِيْ
كَبْكَبَةٍ مِّنَ الْمَلٰئِكَةِ وَمَعَهُمْ لِوَاءٌ
أَخْضَرُ فَيُرْكَزُ اللِّوَاءُ عَلٰى ظَهْرِ
الْكَعْبَةِ وَلَهٗ مِأَةُ جَنَاحٍ مِّنْهَا
جَنَاحَانِ لَا يُنْشِرُهُمَا إِلَّا فِيْ تِلْكَ
اللَّيْلَةِ. فَيُنْشِرُهُمَا فِيْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ
فَيُجَاوِزُ الْمَشْرِقَ إِلَى الْمَغْرِبِ
فَيَحُثُّ جِبْرَئِيْلُ عليه السلام الْمَلَائِكَةَ فِيْ
هٰذِهِ اللَّيْلَةِ فَيُسَلِّمُوْنَ عَلٰى كُلِّ قَائِمٍ
وَّقَاعِدٍ وَّمُصَلٍّ وَّذَاكِرٍ وَّيُصَافِحُوْنَهُمْ
وَيُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى دُعَائِهِمْ حَتّٰى يَطْلُعَ
الْفَجْرُ، فَإِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ يُنَادِيْ
جِبْرَئِيْلُ مَعَاشِرَ الْمَلٰئِكَةِ: اَلرَّحِيْلَ!
اَلرَّحِيْلَ! فَيَقُوْلُوْنَ: يَا جِبْرَئِيْلُ! فَمَا
صَنَعَ اللّٰهُ فِيْ حَوَائِجِ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ
أُمَّةِ أَحْمَدَ ﷺ؟ فَيَقُوْلُ: نَظَرَ اللّٰهُ
إِلَيْهِمْ فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ فَعَفَا عَنْهُمْ
إِلَّا أَرْبَعَةً: فَقُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَنْ
هُمْ؟ قَالَ: رَجُلٌ مُّدْمِنُ خَمْرٍ وَعَاقٌ
لِّوَالِدَيْهِ وَقَاطِعُ رَحِمٍ وَّمُشَاحِنٌ.
قُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا الْمُشَاحِنُ؟
قَالَ: هُوَ الْمُصَارِمُ. فَإِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ

تک جس قدر لوگ جہنّم سے آزاد کیے گئے تھے، اُن کے برابر اس ایک دن میں آزاد فرماتے ہیں اور جس رات شبِ قدر ہوتی ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم فرماتے ہیں وہ فرشتوں کے ایک بڑے لشکر کے ساتھ زمین پر اُترتے ہیں، ان کے ساتھ ایک سبز[1] جھنڈا ہوتا ہے جس کو کعبہ کے اوپر کھڑا کرتے ہیں اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سو بازو ہیں، جن میں سے دو بازو کو صرف اسی رات میں کھولتے ہیں، جن کو مشرق سے مغرب تک پھیلا دیتے ہیں، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کو تقاضا فرماتے ہیں کہ جو مسلمان آج کی رات میں کھڑا ہو یا بیٹھا ہو، نماز پڑھ رہا ہو یا ذکر کر رہا ہو، اس کو سلام کریں اور مُصافحہ کریں اور ان کی دعاؤں پر آمین کہیں، صبح تک یہی حالت رہتی ہے، جب صبح ہو جاتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام آواز دیتے ہیں کہ اے فرشتوں کی جماعت! اب کوچ کرو اور چلو، فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے احمد ﷺ کی اُمت کے مؤمنوں کی حاجتوں اور ضرورتوں میں کیا معاملہ فرمایا؟ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر توجّہ فرمائی اور چار[4] شخصوں کے علاوہ سب کو معاف فرما دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! وہ چار شخص کون ہیں؟ ارشاد ہوا کہ ایک[1] وہ شخص جو شراب کا عادی ہو، دوسرا[2] وہ شخص جو والدین کی نافرمانی کرنے والا ہو، تیسرا[3] وہ شخص جو قطع رحمی کرنے والا اور ناطہ توڑنے والا ہو، چوتھا[4] وہ شخص جو کینہ رکھنے والا ہو اور آپس میں قطعِ تعلّق کرنے والا ہو، پھر جب عید الفطر کی رات ہوتی ہے تو اس کا نام (آسمانوں پر) "لَيْلَةُ الْجَائِزَةِ" (انعام کی رات) سے لیا جاتا ہے اور جب عید کی صبح ہوتی

حل لغات: ① ہرا۔

الْفِطْرِ سُمِّيَتْ تِلْكَ اللَّيْلَةُ لَيْلَةَ الْجَائِزَةِ فَإِذَا كَانَتْ غَدَاةُ الْفِطْرِ بَعَثَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الْمَلٰئِكَةَ فِيْ كُلِّ بِلَادٍ، فَيَهْبِطُوْنَ إِلَى الْأَرْضِ فَيَقُوْمُوْنَ عَلٰى أَفْوَاهِ السِّكَكِ فَيُنَادُوْنَ بِصَوْتٍ يَّسْمَعُ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ إِلَّا الْجِنُّ وَالْإِنْسُ فَيَقُوْلُوْنَ: يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ! أُخْرُجُوْا إِلٰى رَبٍّ كَرِيْمٍ يُّعْطِي الْجَزِيْلَ وَ يَعْفُوْا عَنِ الْعَظِيْمِ، فَإِذَا بَرَزُوْا إِلٰى مُصَلَّاهُمْ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِلْمَلٰئِكَةِ: مَا جَزَاءُ الْأَجِيْرِ إِذَا عَمِلَ عَمَلَهٗ؟ قَالَ: فَتَقُوْلُ الْمَلٰئِكَةُ: إِلٰهُنَا وَسَيِّدُنَا! جَزَائُهٗ أَنْ تُوَفِّيَهٗ أَجْرَهٗ، قَالَ: فَيَقُوْلُ: فَإِنِّيْ أُشْهِدُكُمْ يَامَلَائِكَتِيْ إِنِّيْ قَدْ جَعَلْتُ ثَوَابَهُمْ مِنْ صِيَامِهِمْ شَهْرَ رَمَضَانَ وَقِيَامَهُمْ رِضَائِيْ وَمَغْفِرَتِيْ، وَيَقُوْلُ: يَا عِبَادِيْ! سَلُوْنِيْ! فَوَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ! لَا تَسْئَلُوْنِي الْيَوْمَ شَيْئًا فِيْ جَمْعِكُمْ لِاٰخِرَتِكُمْ إِلَّا أَعْطَيْتُكُمْ، وَلَا لِدُنْيَاكُمْ إِلَّا نَظَرْتُ لَكُمْ، فَوَعِزَّتِيْ لَأَسْتُرَنَّ عَلَيْكُمْ عَثَرَاتِكُمْ مَّا رَاقَبْتُمُوْنِيْ، وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ! لَا أُخْزِيْكُمْ وَلَا أُفْضِحُكُمْ بَيْنَ أَصْحَابِ الْحُدُوْدِ، اِنْصَرِفُوْا مَغْفُوْرًا لَّكُمْ قَدْ أَرْضَيْتُمُوْنِيْ وَرَضِيْتُ

ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ فرشتوں کو تمام شہروں میں بھیجتے ہیں، وہ زمین پر اُتر کر تمام گلیوں، راستوں کے سِروں[1] پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایسی آواز سے جس کو جنّات اور انسان کے سِوا ہر مخلوق سُنتی ہے، پکارتے ہیں کہ اے محمد ﷺ کی امت! اس کریم رب کی درگاہ کی طرف چلو، جو بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے اور بڑے سے بڑے قصور کو معاف کرنے والا ہے۔ پھر جب لوگ عیدگاہ کی طرف نکلتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہٗ فرشتوں سے دریافت فرماتے ہیں: کیا بدلہ ہے اس مزدور کا جو اپنا کام پورا کر چکا ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ ہمارے معبود اور ہمارے مالک! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی مزدوری پوری پوری دے دی جائے، تو حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں، میں نے ان کو رمضان کے روزوں اور تراویح کے بدلہ میں اپنی رضا اور مَغفِرت عطا کر دی اور بندوں سے خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے بندو! مجھ سے مانگو، میری عزّت کی قسم، میرے جلال کی قسم، آج کے دن اس اجتماع میں مجھ سے اپنی آخرت کے بارے میں جو سوال کرو گے عطا کروں گا اور دنیا کے بارے میں جو سوال کرو گے اس میں تمہاری مَصلِحَت پر نظر کروں گا، میری عزّت کی قسم کہ جب تک تم میرا خیال رکھو گے، میں تمہاری لَغزِشوں[2] پر ستّاری[3] کرتا رہوں گا (اور اُن کو چھپاتا رہوں گا) میری عزّت کی قسم اور میرے جلال کی قسم! میں تمہیں مُجرِموں (اور کافروں) کے سامنے رُسوا اور فضیحت[4] نہ کروں گا، بس اب بخشے بخشائے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ، تم نے مجھے راضی کر دیا اور میں تم سے راضی ہو گیا، پس

حل لغات: (۱) کنارے۔ (۲) بھول چوک، غلطیاں۔ (۳) چھپانا۔ (۴) بے عزت۔

عَنْكُمْ . فَتَفْرَحُ الْمَلٰئِكَةُ وَتَسْتَبْشِرُ	فرشتے اس اجر وثواب کو دیکھ کر جو اس اُمت کو اِفطَار کے
بِمَا يُعْطِي اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ هٰذِهِ الْأُمَّةُ	دن ملتا ہے خوشیاں مناتے ہیں اور کِھل جاتے ہیں۔
إِذَا أَفْطَرُوْا مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ.	اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ.

[كذا في الترغيب. وقال: رواه أبو الشيخ بن حبان في كتاب الثواب والبيهقي واللفظ له وليس في إسناده من أجمع على ضعفه. قلت: قال السيوطي في التدريب: قد التزم البيهقي أن لايخرج في تصانيفه حديثا يعلمه موضوعا إلخ. وذكر القاري في المرقاة بعض طرق الحديث ثم قال: فاختلاف طرق الحديث يدل على أن له أصلا. اهـ].

فائدہ: اس حدیث کے اکثر مضامین رسالہ کے گزشتہ اوراق میں بیان ہو چکے ہیں، البتہ چند امور قابلِ غور ہیں، جن میں سب سے اوّل اور اہم تو یہ ہے کہ بہت سے محروم رمضان کی مغفرتِ عامّہ سے بھی مُستَثنٰی[1] تھے، جیسا کہ پہلی روایات میں معلوم ہو چکا ہے اور وہ عید کی اس مغفرتِ عامہ سے بھی مستثنٰی کر دیے گئے، جن میں سے آپس کے لڑنے والے اور والدین کی نافرمانی کرنے والے بھی ہیں۔ ان سے کوئی پوچھے کہ تم نے اللہ کو ناراض کر کے اپنے لیے کون سا ٹھکانہ ڈھونڈ رکھا ہے؟ افسوس تم پر بھی اور تمہاری اُس عزّت پر بھی، جس کے حاصل کرنے کے غلط خیال میں تم رسول اللہ ﷺ کی بد دُعائیں برداشت کر رہے ہو، جبرئیل علیہ السلام کی بد دُعائیں اُٹھا رہے ہو اور اللہ کی رحمت ومغفرتِ عامّہ سے بھی نکالے جا رہے ہو، میں پوچھتا ہوں کہ آج تم نے اپنے مُقابِل کو زَک[2] دے ہی دی، اپنی مُونچھ اونچی کر ہی لی، وہ کتنے دن تمہارے ساتھ رہ سکتی ہے؟ جب کہ اللہ کا پیارا رسول ﷺ تمہارے اوپر لعنت کر رہا ہے، اللہ کا مُقرَّب فرشتہ تمہاری ہلاکت کی بد دُعا دے رہا ہے، اللہ جلَّ شانہٗ تمہیں اپنی مغفرت ورحمت سے نکال رہے ہیں، اللہ کے واسطے سوچو اور بس کرو، صبح کا بھٹکا شام کو گھر آ جائے تو کچھ نہیں گیا، آج وقت ہے اور تلافی[3] مُمکِن اور کل جب ایسے حاکم کی پیشی میں جانا ہے جہاں نہ عزت ووجاہت کی پوچھ، نہ مال[4] ومتاع[5] کارآمد، وہاں صرف تمہارے اعمال کی پوچھ ہے اور ہر حرکت لکھی لکھائی سامنے ہے، حق تعالیٰ شانہٗ اپنے حقوق میں درگزر فرماتے ہیں، مگر بندوں کے آپس کے حقوق میں بغیر بدلہ دیے نہیں چھوڑتے۔ نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مُفلِس میری امت میں وہ شخص ہے کہ قیامت کے دن نیک اعمال کے ساتھ آوے اور نماز روزہ صدقہ سب ہی کچھ لاوے، لیکن کسی کو گالی دے رکھی ہے، کسی کو تُہمت لگا دی تھی، کسی کو مار پیٹ کی تھی، پس یہ سب دعوے دار آویں گے اور اس کے نیک اعمال میں سے ان حرکتوں کا بدلہ وصول کر لیں گے اور جب اس کے پاس نیک اعمال ختم ہو جاویں گے تو اپنی برائیاں ان حرکتوں کے بدلہ میں اس پر ڈالتے رہیں گے اور پھر اس اَنبار[6] کی بدولت وہ

حل لغات: (۱) الگ تھلگ۔ (۲) ذلت، نقصان۔ (۳) بھرپائی۔ (۴) سازوسامان۔ (۵) کام آنے والا۔ (۶) ڈھیر۔

جہنم رسید ہو جائے گا اور اپنی کثرتِ اعمال کے باوجود جو حسرت[1] ویاس کا عالم ہوگا وہ مُحتاجِ بیان نہیں۔

وہ مایوسِ تَمنّا کیوں نہ سوئے[2] آسماں دیکھے	کہ جو مَنزِل بمَنزِل اپنی محنت رَائیگاں دیکھے

دوسرا امر قابلِ غور یہ ہے کہ اس رسالہ میں چند مَوَاقعِ مغفرت کے ذکر کیے گئے ہیں اور ان کے علاوہ بھی بہت سے اُمور ایسے ہیں کہ وہ مغفرت کے سبب ہوتے ہیں اور گناہ اُن سے معاف ہو جاتے ہیں، اس پر ایک اِشکال ہوتا ہے، وہ یہ کہ جب ایک مرتبہ گناہ معاف ہو چکے تو اس کے بعد دوسری مرتبہ معافی کے کیا معنی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مَغفِرت کا قاعدہ یہ ہے کہ جب وہ بندہ کی طرف مُتوَجّہ ہوتی ہے، اگر اس پر کوئی گناہ ہوتا ہے تو اس کو مٹاتی ہے اور اگر اس کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہوتا تو اس کے بقدر اس پر رحمت اور انعام کا اِضَافہ ہو جاتا ہے۔

تیسرا امر یہ ہے کہ سَابِقہ احادیث میں بھی بعض جگہ اور اس حدیث میں بھی حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی مغفرت فرمانے پر فرشتوں کو گواہ بنایا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کی عدالت کے معاملات ضابطہ پر رکھے گئے ہیں، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ان کی تبلیغ کے بارے میں بھی گواہ طلب کیے جائیں گے، چنانچہ احادیث کی کتابوں میں بہت سے مواقع پر نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم سے میرے بارے میں سوال ہوگا، لہٰذا تم گواہ رہو کہ میں پہونچا چکا ہوں۔

بخاری وغیرہ میں روایت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام قیامت کے دن بلائے جائیں گے، اُن سے دریافت کیا جائے گا کہ تم نے رِسالت کا حق ادا کیا؟ ہمارے اَحکام پہونچائے؟ وہ عرض کریں گے کہ پہونچائے تھے، پھر اُن کی اُمت سے پوچھا جائے گا کہ تمہیں احکام پہونچائے تھے؟ وہ کہیں گے ﴿مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ﴾ [سورۂ مائدہ:۱۹] ہمارے پاس نہ کوئی بشارت دینے والا آیا، نہ ڈرانے والا، تو حضرت نُوح علیہ السلام سے پُوچھا جائے گا کہ اپنے گواہ پیش کرو، وہ محمد ﷺ اور اُن کی اُمت کو پیش کریں گے، اُمتِ محمّدیہ بلائی جائے گی اور گواہی دے گی، بعض روایات میں آتا ہے کہ اُن سے جرح[3] کی جائے گی کہ تم کو کیا خبر کہ نوح علیہ السلام نے اپنی امت کو احکام پہونچائے؟ یہ عرض کریں گے کہ ہمارے رسول ﷺ نے خبر دی، ہمارے رسول ﷺ پر جو سچّی کتاب اُتری، اس میں خبر دی گئی، اسی طرح اور انبیاء کی اُمت کے ساتھ یہی پیش آئے گا۔ اسی کے متعلق ارشادِ خداوندی ہے ﴿وَكَذٰلِكَ[4] جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ [سورۂ بقرہ:۱۴۳]

امام فخرُ الدین رَازیؒ لکھتے ہیں کہ قیامت میں گواہیاں چار طرح کی ہونگی: ایک ملائکہ کی، جس کے متعلق آیاتِ ذیل میں تذکرہ ہے ﴿وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ﴾ [سورۂ ق:۲۱] ﴿وَمَا يَلْفِظُ

حل لغات: (۱) افسوس۔ (۲) آسمان کی طرف۔ (۳) پوچھ تاچھ، چھان بین۔ (۴) اور (مسلمانو!) اسی طرح تو ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا ہے تاکہ تم دوسرے لوگوں پر گواہ بنو۔

فضائل رمضان

مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴾ [سورۂ ق: ۱۸] ﴿ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ [سورۂ انفطار: ۱۰]

دوسری گواہی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہوگی، جس کے متعلق ارشاد ہے ﴿ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ﴾ [سورۂ مائدہ: ۱۱۷] ﴿ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴾ [سورۂ نساء: ۴۱]

تیسری امت محمدیہ کی گواہی ہوگی ہوگی، جس کے متعلق ارشاد ہے ﴿ وَجِآيْءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ ﴾ [سورۂ زمر: ۶۹]

چوتھی آدمی کی اپنے اَعضاء کی گواہی ہوگی، جس کے متعلق ارشاد ہے ﴿ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ ﴾ الاٰية [سورۂ نور: ۲۴] اور ﴿ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ ﴾ الاٰية [سورۂ یٰس: ۶۹] اختصار کے خیال سے ان آیات کا ترجمہ نہیں لکھا، سب آیات کا حاصل قیامت کے دن ان چیزوں کی گواہی دینے کا ذکر ہے، جن کا بیان آیت کے شروع میں لکھ دیا گیا۔

چوتھا امر حدیثِ بالا میں یہ ارشادِ مبارک ہے کہ میں تم کو کُفّار کے سامنے رُسوا اور فضیحت[۱] نہ کروں گا، یہ حق تعالیٰ شانہٗ کا غایت[۲] درجہ کا لُطف وکرم اور مسلمانوں کے حال پر غیرت ہے کہ اللہ کی رضا کے ڈھونڈنے والوں کے لیے یہ بھی لُطف وانعام ہے کہ ان کی لغزشوں[۳] اور سَیِّئات سے وہاں بھی درگزر اور پردہ پوشی کی جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہٗ ایک مومن کو اپنے قریب بُلا کر اُس پر پردہ ڈال کر کہ کوئی دوسرا نہ دیکھے، اس کی لغزشوں اور سیّئات یاد دلا کر اس سے ہر ہر گناہ کا اقرار کرائیں گے اور وہ اپنے گناہوں کی کثرت[۴] اور اقرار پر یہ سمجھے گا کہ اب ہلاکت کا وقت قریب آگیا، تو ارشاد ہوگا کہ میں نے دنیا میں تجھ پر ستّاری[۵] فرمائی ہے تو آج بھی اُن پر پردہ ہے اور معاف ہیں۔ اس کے بعد اُس کے نیک اعمال کا دفتر اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔

اور بھی سینکڑوں روایات سے یہ مضمون مُستنبَط[۶] ہوتا ہے کہ اللہ کی رضا کے ڈھونڈھنے والوں، اس کے اَحکام کی پابندی کرنے والوں کی لغزشوں سے دَرگُزر کر دیا جاتا ہے، اس لیے نہایت اہمیت کے ساتھ ایک مضمون سمجھ لینا چاہیے کہ جو لوگ اللہ والوں کی کوتاہیوں پر اُن کی غیبت میں مُبتلا رہتے ہیں، وہ اس کا لحاظ رکھیں کہ مَبادا[۷] قیامت میں اُن کے نیک اعمال کی برکت سے اُن کی لغزشیں تو معاف کر دی جائیں اور پردہ

حل لغات: (۱) بے عزت۔ (۲) انتہائی۔ (۳) غلطیاں اور گناہ۔ (۴) زیادتی۔ (۵) پردہ ڈالنا۔ (۶) نکلنا۔ (۷) خدا نہ خواستہ۔

پوشی فرمائی جائے، لیکن تم لوگوں کے اعمال نامے غیبت کا دفتر بن کر ہلاکت کا سبب بنیں۔ اللہ جلَّ شانہٗ اپنے لُطف سے ہم سب سے درگزر فرماویں۔

پانچواں امر ضروری یہ ہے کہ حدیثِ بالا میں عید کی رات کو ''اِنعام کی رات سے'' پکارا گیا، اس رات میں حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے اپنے بندوں کو انعام دیا جاتا ہے، اس لیے بندوں کو بھی اِس رات کی بے حد قدر کرنا چاہیے، بہت سے لوگ عوام کا تو پوچھنا ہی کیا، خواص بھی رمضان کے تھکے ماندے اس رات میں میٹھی نیند سوتے ہیں؛ حالانکہ یہ رات بھی خصوصیت سے عبادت میں مشغول رہنے کی ہے، نبیِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ثواب کی نیت کرکے دونوں عیدوں میں جاگے (اور عبادت میں مشغول رہے) اُس کا دل اُس دن نہ مرے گا، جس دن سب کے دل مرجاویں گے، (یعنی فتنہ وفساد کے وقت جب لوگوں کے قلوب پر مُردنی چھاتی ہے، اس کا دل زندہ رہے گا اور ممکن ہے کہ صُور پھونکے جانے کا دن مُراد ہو کہ اُس کی رُوح بیہوش نہ ہوگی)۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص پانچ راتوں میں (عبادت کے لیے) جاگے، اُس کے واسطے جنت واجب ہوجاوے گی، لَیْلَةُ التَّرْوِیَةْ (آٹھ ذی الحجہ کی رات) لَیْلَةُ الْعَرَفَة (۹ رذی الحجہ کی رات) لَیْلَةُ النَّحر (۱۰ رذی الحجہ کی رات) اور عید الفطر کی رات اور شب برات یعنی ۱۵ رشعبان کی رات۔

فُقَہَاء نے بھی عیدین کی رات میں جاگنا مُستحب لکھا ہے۔ مَا ثَبَتَ بِالسُّنَّةِ میں امام شافعی صاحبؒ سے نقل کیا ہے کہ پانچ راتیں دُعا کی قبولیت کی ہیں: جمعہ کی رات، عیدین کی راتیں، غُرَّہ[1] رجب کی رات اور نِصْفُ شَعْبَان[2] کی رات۔

تَنْبِیْہ

بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ رمضان المبارک میں جمعہ کی رات کا بھی خصوصیت سے اہتمام چاہیے کہ جمعہ اور اس کی رات بہت مُتَبَرَّک[3] اوقات ہیں، احادیث میں ان کی بہت فضیلت آئی ہے، مگر چونکہ بعض روایات میں جمعہ کی رات کو قیام کے ساتھ مخصوص کرنے کی ممانعت بھی وارد ہوئی ہے، اس لیے بہتر ہے کہ ایک دو رات کو اس کے ساتھ اور بھی شامل کرلے۔

آخر میں نَاظِرِین[4] سے لَجَاجَتْ[5] سے درخواست ہے کہ رمضان المبارک کے مخصوص اَوقات میں جب آپ اپنے لیے دُعا فرمائیں، تو ایک سِیَہ کار[6] کو بھی شامل فرمائیں، کیا بَعید ہے کہ کریم آقا تمہاری مخلِصانہ دُعا سے اس کو بھی اپنی رضا اور محبت سے نواز دیں۔

حل لغات: ① رجب کی پہلی رات۔ ② پندرہ شعبان۔ ③ برکت والا۔ ④ پڑھنے والے۔ ⑤ عاجزی۔ ⑥ یعنی حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ۔

مناجات

گر چہ میں بدکار و نالائق ہوں اے شاہِ جہاں   پر ترے دَر کو بتا اب چھوڑ کر جاؤں کہاں
کون ہے تیرے سوا مجھ بے نوا کے واسطے

کشمکش سے نا اُمیدی کی ہُوا ہوں میں تباہ   دیکھ مت میرے عمل، کر لُطف پر اپنے نگاہ
یارب اپنے رحم و احسان و عطا کے واسطے

چرخِ عِصیاں سر پہ ہے زیرِ قدم بحرِ اَلم   چار سُو ہے فوجِ غم، کر جلد اب بَہر کَرَم
کچھ رِہائی کا سبب اس مبتلا کے واسطے

ہے عبادت کا سہارا عابدوں کے واسطے   اور تکیہ زہد کا ہے زاہدوں کے واسطے
ہے عصائے آہ مجھ بے دست و پا کے واسطے

نے فقیری چاہتا ہوں نے امیری کی طلب   نے عبادت نے وَرَع نے خواہشِ علم و ادب
دردِ دل، پر چاہیے مجھ کو خدا کے واسطے

عقل و ہوش و فکر اور نُعمائے دُنیا بے شمار   کی عطا تو نے مجھے، پر اب تو اے پروردگار
بخش وہ نعمت جو کام آئے سَدَا کے واسطے

حَدْ سے اَبتَر ہو گیا ہے حال مجھ ناشاد کا   کر مری اِمْدَاد اللہ! وقت ہے امداد کا
اپنے لُطف و رحمتِ بے انتہا کے واسطے

گو میں ہوں اک بندۂ عاصی غلامِ پُر قصور   جُرم میرا حوصلہ ہے نام ہے تیرا غفور
تیرا کہلاتا ہوں میں جیسا ہوں اے ربِّ شکور   أَنْتَ شَافٍ أَنْتَ كَافٍ فِيْ مُهِمَّاتِ الْأُمُوْرِ
أَنْتَ حَسْبِيْ أَنْتَ رَبِّيْٓ أَنْتَ لِيْ نِعْمَ الْوَكِيْلُ

محمد زکریا کاندھلوی

مقیم مظاہر علوم سہارن پور

وارد: بستی حضرت نظام الدینؒ (نئی دہلی)

۲۷ رشب رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا [سورۂ آل عمران:۱۰۳]

اور سب مل کر اللہ کے دین کو مضبوط پکڑلو



تجویز فرمودہ

حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب نوراللہ مرقدہٗ

مرتّبہ

حضرت مولانا محمد احتشام الحسن صاحب کاندھلویؒ

اظہارِ حقیقت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ حَامِدًا وَّمُصَلِّيًا وَّمُسَلِّمًا

سیدی ومولائی زُبدۃُ[1] الفضلاء[2] قُدوۃُ[3] العلما حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دامؔ[4] مَجدُہٗ کے خاص شغف[5] اور انہماک[6] اور دیگر بزرگانِ ملت اور علماءِ اُمت کی توجہ اور برکت اور عملی جدوجہد[7] سے ایک عرصہ[8] سے مخصوص انداز میں تبلیغِ دین اور اشاعتِ[9] اسلام کا سلسلہ جاری ہے، جس سے باخبر طبقہ بخوبی واقف ہے۔

مجھ بے علم اور سیاہ[10] کار کو ان مُقدّس ہستیوں کا حکم ہوا کہ اس طرزِ[11] تبلیغ اور اس کی ضرورت اور اہمیت کو قلمبند[12] کیا جائے؛ تاکہ سمجھنے اور سمجھانے میں آسانی ہو اور نفع عام ہو جائے۔

تعمیلِ ارشاد[13] میں یہ چند کلمات نذرِ قرطاس[14] کیے جاتے ہیں، جو اِن مقدس ہستیوں کے دریائے علوم ومعارف[15] کے چند قطرے اور اس باغیچۂ دینِ محمدی ﷺ کے چند خوشے[16] ہیں، جو انتہائی عُجلت[17] میں جمع کیے گئے ہیں، اگر ان میں کوئی غلطی یا کوتاہی نظر سے گزرے تو میری لغزشِ[18] قلم اور بے علمی کا نتیجہ ہے۔ نظرِ لطف وکرم سے اس کی اِصلاح فرمادیں تو موجبِ[19] شکر ومنّت[20] ہوگا۔

حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل وکرم سے میری بداعمالیوں اور سیہ کاریوں کی پردہ[21] پوشی فرماویں اور مجھے اور آپ کو ان مقدس ہستیوں کے طفیل[22] سے اچھے اعمال اور اچھے کردار نصیب فرماویں اور اپنی رضا ومحبت اور اپنے پسندیدہ دین کی اِشاعت اور اپنے برگزیدہ[23] رسول ﷺ کی اطاعت اور فرماں برداری کی دولت سے سرفراز فرماویں۔

مدرسہ کاشف العلوم	خاکِ پائے بزرگاں
بستی حضرت نظام الدین اولیاء	محمد احتشام الحسن
نئی دہلی	۱۸؍ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ

حل لغات: ① منتخب، پسندیدہ۔ ② علم وفضل والا۔ ③ رہنما۔ ④ اللہ تعالیٰ ان کی بزرگی کو ہمیشہ باقی رکھے۔ ⑤ شوق۔ ⑥ بہت مشغولی۔ ⑦ کوشش۔ ⑧ زمانہ۔ ⑨ اسلام کو پھیلانا۔ ⑩ گناہ گار۔ ⑪ تبلیغ کا طریقہ۔ ⑫ لکھنا۔ ⑬ حکم پورا کرنا۔ ⑭ لکھنا، تحریر کرنا۔ ⑮ معرفت کی باتیں، گہرے علوم۔ ⑯ گچھے۔ ⑰ جلدی۔ ⑱ بھول چوک۔ ⑲ سبب، ذریعہ۔ ⑳ احسان۔ ㉑ عیب چھپانا۔ ㉒ صدقے، وسیلہ۔ ㉓ چُنا ہوا، پسندیدہ۔

بسم الله الرحمن الرحيم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْأَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ خَاتِمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَأَصْحَابِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ.

آج سے تقریباً ساڑھے تیرہ سو سال قبل جب دنیا کُفر وضَلالت[1]، جَہالت وسَفاہت[2] کی تاریکیوں میں گھری ہوئی تھی، بَطحا[3] کی سنگ لاخ[4] پہاڑیوں سے رُشد[5] وہدایت کا ماہتاب[6] نُمودار[7] ہوا اور مشرق ومغرب، شمال وجنوب غرض دُنیا کے ہر ہر گوشہ[8] کو اپنے نور سے مُنوّر کیا اور تیئیس سال کے قلیل عرصہ[9] میں بنی نوع[10] انسان کو اُس معراجِ ترقی پر پہونچایا کہ تاریخِ عالَم[11] اس کی نظیر[12] پیش کرنے سے قاصر[13] ہے اور رُشد وہدایت، صلاح[14] وفلاح[15] کی وہ مَشعل[16] مسلمانوں کے ہاتھ میں دی، جس کی روشنی میں ہمیشہ شاہراہِ[17] ترقی پر گامزن[18] رہے اور صدیوں اس شان وشوکت سے دنیا پر حکومت کی کہ ہر مُخالِف قوّت کو ٹکرا کر پاش پاش[19] ہونا پڑا۔ یہ ایک حقیقت ہے جو نا قابل انکار ہے، لیکن پھر بھی ایک پارینہ[20] داستان ہے جس کا بار بار دہرانا، نہ تسلی بخش ہے اور نہ کار آمد[21] اور مفید۔ جب کہ موجودہ مُشاہدات[22] اور واقعات خود ہماری سابقہ[23] زندگی اور ہمارے اَسلاف[24] کے کارناموں پر بَدنُما[25] داغ لگا رہے ہیں۔

مسلمانوں کی تیرہ سو سالہ زندگی کو جب تاریخ کے اَوراق[26] میں دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم عزّت وعظمت، شان وشوکت، دَبدَبہ وحَشمت[27] کے تنہا مالک اور اِجارہ[28] دار ہیں؛ لیکن جب ان اَوراق سے نظر ہٹا کر موجودہ حالات کا مُشاہدہ کیا جاتا ہے، تو ہم انتہائی ذلت وخواری[29]، افلاس[30] ونا داری[31] میں مُبتلا نظر آتے ہیں۔ نہ زور وقوت ہے، نہ زَر[32] ودولت ہے، نہ شان وشوکت ہے، نہ باہمی[33] اُخوت[34] واُلفت[35]، نہ عادات اچھی، نہ اخلاق اچھے، نہ اعمال اچھے، نہ کردار اچھے، ہر بُرائی ہم میں موجود اور ہر بھلائی سے کوسوں دور۔ اَغیار[36] ہماری اس زَبوں[37] حالی پر خوش ہیں اور بَرمَلا[38] ہماری کمزوری کو اُچھالا جاتا ہے اور ہمارا مُضحکہ[39] اُڑایا جاتا ہے، اسی پر بس نہیں بلکہ خود ہمارے جگر گوشے[40] نئی تہذیب کے دِلدادہ[41] نوجوان، اسلام کے مُقدّس اُصولوں کا مذاق اُڑاتے ہیں، بات بات پر تنقیدی[42] نظر ڈالتے ہیں اور اس شریعتِ مقدسہ کو نا قابلِ عمل، لغو اور بیکار

حل لغات: (۱) گمراہی۔ (۲) بیوقوفی۔ (۳) مکہ معظّمہ۔ (۴) سخت۔ (۵) بھلائی۔ (۶) چاند۔ (۷) نکلنا۔ (۸) حصہ، کونہ۔ (۹) تھوڑی مدت۔ (۱۰) تمام انسانوں کو۔ (۱۱) دنیا کی تاریخ۔ (۱۲) مثال۔ (۱۳) عاجز۔ (۱۴) بھلائی۔ (۱۵) کامیابی۔ (۱۶) چراغ۔ (۱۷) ترقی کے راستے۔ (۱۸) چلنا۔ (۱۹) ٹکڑے ٹکڑے۔ (۲۰) پُرانی۔ (۲۱) فائدہ مند۔ (۲۲) مشاہدہ کی جمع، دیکھنا، یعنی موجودہ حالات۔ (۲۳) گذری ہوئی۔ (۲۴) بزرگانِ دین۔ (۲۵) بُرا، بھدّا۔ (۲۶) صفحے۔ (۲۷) بزرگی، مرتبہ۔ (۲۸) تنہا حقدار۔ (۲۹) رسوائی۔ (۳۰) غریبی۔ (۳۱) محتاجی۔ (۳۲) مال۔ (۳۳) آپسی۔ (۳۴) بھائی چارگی۔ (۳۵) محبت۔ (۳۶) دشمن۔ (۳۷) بری حالت۔ (۳۸) کھلم کھلا۔ (۳۹) مذاق۔ (۴۰) یعنی بچے۔ (۴۱) عاشق۔ (۴۲) اعتراض کی۔

گرداننتے[1] ہیں۔ عقل حیران ہے کہ جس قوم نے دنیا کو سیراب[2] کیا وہ آج کیوں تشنہ[3] ہے؟ جس قوم نے دنیا کو تہذیب[4] وتمدن کا سبق پڑھایا، وہ آج کیوں غیر مُہذّب اور غیر مُتمدّن ہے؟

رہنمایانِ قوم نے آج سے بہت پہلے ہماری اس حالتِ زار[5] کا اندازہ لگایا اور مختلف طریقوں پر ہماری اصلاح کے لیے جدو جہد[6] کی، مگر

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

آج جب کہ حالت بد سے بدتر[7] ہوچکی اور آنے والا زمانہ، سابق[8] سے بھی زیادہ پُرخطر[9] اور تاریک نظر آرہا ہے، ہمارا خاموش بیٹھنا اور عملی جدو جہد نہ کرنا ایک ناقابلِ تلافی[10] جُرم ہے، لیکن اس سے پہلے کہ ہم کوئی عملی قدم اٹھائیں، ضروری ہے کہ ان اسباب پر غور کریں کہ جن کے باعث[11] ہم اس ذِلّت وخوارِی کے عذاب میں مبتلا کیے گئے ہیں۔ ہماری اس پستی اور انحطاط[12] کے مختلف اسباب بیان کیے جاتے ہیں اوران کے اِزالہ[13] کی متعدد تدابیر[14] اختیار کی گئیں، لیکن ہر تدبیر نامُوافق ونا کام ثابت ہوئی، جس کے باعث ہمارے رہبر بھی یاس[15] وہِراس[16] میں گھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اب تک ہمارے مرض کی تشخیص[17] ہی پورے طور پرنہیں ہوئی۔ یہ جو کچھ اسباب بیان کیے جاتے ہیں، اصل مرض نہیں؛ بلکہ اس کے عوارِض[18] ہیں، پس تاوقتیکہ[19] اصل مرض کی جانب توجہ نہ ہوگی اور مادّۂ حقیقی[20] کی اصلاح نہ ہوگی، عوارِض کی اِصلاح ناممکن اور مُحال[21] ہے؛ پس جب تک کہ ہم اصل مرض کی ٹھیک تشخیص اوراس کا صحیح علاج معلوم نہ کر لیں، ہمارا اصلاح کے بارے میں لب کُشائی[22] کرنا سخت ترین غلطی ہے۔ ہمارا یہ دعوی ہے کہ ہماری شریعت ایک مکمل قانونِ الٰہی ہے، جو ہماری دینی اور دُنیوی فلاح وبہبود[23] کا تاقیامِ قیامت ضامن[24] ہے، پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم خود ہی اپنا مرض تشخیص کریں اور خود ہی اس کا علاج شروع کردیں، بلکہ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم قرآنِ حکیم سے اپنا اصل مرض معلوم کریں اور اسی مرکزِ رُشد وہدایت سے طریقِ علاج معلوم کر کے اس پر کاربند[25] ہوں۔ جب قرآن حکیم قیامت تک کے لیے مکمل دستورُ العَمَل[26] ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس نازک حالت میں ہماری رہبری سے قاصر رہے۔

مالکِ اَرض وسماء[27] جلّ وعلا[28] کا سچا وعدہ ہے کہ رُوئے زمین کی بادشاہت وخلافت مؤمنوں کے لیے ہے:

حل لغات: ① مانتے ہیں۔ ② تروتازہ۔ ③ پیاسی۔ ④ زندگی گزارنے کا طریقہ۔ ⑤ بدترین حالت۔ ⑥ کوشش۔ ⑦ حد سے زیادہ بری۔ ⑧ پہلے۔ ⑨ خطرے سے بھرا ہوا۔ ⑩ ایسا جرم ہے جس کی بھرپائی ممکن نہیں۔ ⑪ وجہ سے۔ ⑫ زوال، گراوٹ۔ ⑬ دور کرنا۔ ⑭ کوشش، علاج۔ ⑮ ناامیدی۔ ⑯ خوف، ڈر۔ ⑰ جانچ۔ ⑱ یعنی بیماری سے پہلے پیش آنے والی چیزیں۔ ⑲ جب تک۔ ⑳ اصلی جڑ۔ ㉑ مشکل۔ ㉒ بات کرنا۔ ㉓ کامیابی اور بھلائی۔ ㉔ ذمہ دار۔ ㉕ عمل کرنا۔ ㉖ قانون۔ ㉗ دنیا اور آسمان کا مالک۔ ㉘ بزرگ وبرتر۔

﴿وَعَدَ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ [سورۂ نور: ۵۵] ''اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیے کہ ان کو ضرور رُوئے زمین کا خلیفہ بنائے گا'' اور یہ بھی اطمینان دِلایا ہے کہ مؤمن ہمیشہ کُفّار پر غالب رہیں گے اور کافروں کا کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔ ﴿وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾﴾ [سورۂ فتح] ''اور اگر تم سے یہ کافر لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے، پھر نہ پاتے کوئی یار و مددگار'' اور مؤمنوں کی نُصرت اور مدد اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور وہی ہمیشہ سَربُلند اور سَرفراز[1] رہیں گے۔ ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾﴾ [سورۂ روم] ''اور حق ہے ہم پر مدد ایمان والوں کی''۔ ﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾﴾ [سورۂ آلِ عمران] ''اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو گے، اگر تم پورے مؤمن رہے''۔ ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [سورۂ منافقون: ۸] ''اور اللہ ہی کی ہے عزت اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی۔

مذکورۂ[2] بالا اِرشادات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی عزت، شان و شوکت، سر بلندی و سرفرازی اور ہر برتری و خوبی ان کی صفتِ ایمان کے ساتھ وابستہ[3] ہے، اگر ان کا تعلق خدا اور رسول ﷺ کے ساتھ مُستحکَم[4] ہے (جو ایمان کا مقصود ہے) تو سب کچھ ان کا ہے اور اگر خدانخواستہ اس رابطہ و تعلق میں کمی اور کمزوری پیدا ہوگئی ہے تو پھر سراسر خُسرَان[5] اور ذلت و خواری[6] ہے جیسا کہ واضح طور پر بتلا دیا گیا ہے۔ ﴿وَالْعَصْرِ ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾﴾ [سورۂ عصر] ''قسم ہے زمانہ کی! انسان بڑے خَسارے[7] میں ہے، مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے اور ایک دوسرے کو حق کی فہمائش[8] کرتے رہے اور ایک دوسرے کو پابندی[9] کی فہمائش کرتے رہے۔

ہمارے اَسلاف[10] عزت کے مُنتہا[11] کو پہونچے ہوئے تھے اور ہم انتہائی ذلت و خواری میں مبتلا ہیں، پس معلوم ہوا کہ وہ کمالِ ایمان سے مُتّصِف[12] تھے اور ہم اس نعمتِ عظمیٰ[13] سے محروم ہیں، جیسا کہ مُخبرِ صادق[14] ﷺ نے خبر دی ہے: سَيَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَّا يَبْقٰى مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اِسْمُهٗ وَلَا مِنَ الْقُرْاٰنِ إِلَّا رَسْمُهٗ ''یعنی قریب ہی ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کے صرف نُقوش[15] رہ جائیں گے''۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ اگر واقعی ہم اس حقیقی اسلام سے محروم ہیں، جو خدا اور رسول کے یہاں مطلوب[16]

حل لغات: (۱) کامیاب۔ (۲) اوپر ذکر کیے ہوئے۔ (۳) متعلق، جُڑی ہوئی۔ (۴) مضبوط۔ (۵) نقصان۔ (۶) رُسوائی۔ (۷) نقصان۔ (۸) نصیحت۔ (۹) صبر۔ (۱۰) بزرگانِ دین۔ (۱۱) انتہائی درجہ۔ (۱۲) یعنی مالامال۔ (۱۳) سب سے بڑی نعمت۔ (۱۴) سچی خبر دینے والے۔ (۱۵) حروف۔ (۱۶) چاہا گیا۔

ہے اور جس کے ساتھ ہماری دین ودنیا کی فَلَاح[1] و بَہبُود وَابَسْتَہ ہے، تو کیا ذریعہ ہے جس سے وہ کھوئی ہوئی نعمت واپس آئے؟ اور وہ کیا اسباب ہیں جن کی وجہ سے روحِ اسلام ہم میں سے نکال لی گئی اور ہم جَسَدِ[2] بے جان رہ گئے؟

جب مُصْحَفِ[3] آسمانی کی تلاوت کی جاتی ہے اور ''امتِ محمدیہ'' کی فضیلت اور برتری کی عِلَّت[4] وغایت ڈھونڈھی جاتی ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کو ایک اعلیٰ اور برتر کام سپرد کیا گیا تھا، جس کی وجہ سے ''خَیْرُ الْاُمَمْ[5]'' کا مُعَزَّز[6] خطاب اس کو عطا کیا گیا۔

دنیا کی پیدائش کا مقصدِ اصلی خدا وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ کی ذات وصفات کی مَعْرِفَت[7] ہے اور یہ اس وقت تک ناممکن ہے کہ جب تک بنی نوعِ انسان[8] کو برائیوں اور گندگیوں سے پاک کر کے بھلائیوں اور خوبیوں کے ساتھ آراستہ[9] نہ کیا جائے۔ اسی مقصد کے لیے ہزاروں رسول اور نبی بھیجے گئے اور آخر میں اس مقصد کی تکمیل کے لیے سید الانبیاء والمرسلین کو مبعوث فرمایا اور ﴿ اَلْیَوْمَ[10] اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ ﴾ [سورۂ مائدہ:۳] کا مُژْدَہ[11] سنایا گیا۔

اب چونکہ مقصد کی تکمیل ہوچکی تھی، ہر بھلائی اور برائی کو کھول کھول کر بیان کردیا گیا تھا، ایک مکمل نظامِ عمل[12] دیا جاچکا تھا، اس لیے رسالت ونبوت کے سلسلہ کو ختم کردیا گیا اور جو کام پہلے نبی اور رسول سے لیا جاتا تھا، وہ قیامت تک ''اُمتِ محمدیہ'' کے سپرد کردیا گیا۔ ﴿ كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ [سورۂ آل عمران:۱۱۰] ''اے امت محمدیہ! تم افضل اُمت ہو، تم کو لوگوں کے نفع کے لیے بھیجا گیا ہے، تم بھلی باتوں کو لوگوں میں پھیلاتے ہو اور بُری باتوں سے ان کو روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔ ﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۴ ﴾ [سورۂ آل عمران] ''اور چاہیے کہ تم میں ایسی جماعت ہو کہ لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور بھلی باتوں کا حکم کرے؛ اور بُری باتوں سے منع کرے اور صرف وہی لوگ فلاح والے ہیں جو اس کام کو کرتے ہیں''۔

پہلی آیت میں ''خیر اُمم'' ہونے کی وجہ یہ بتلائی کہ تم بھلائی کو پھیلاتے ہو اور بُرائی سے روکتے ہو۔ دوسری آیت میں حَصْر[13] کے ساتھ فرمادیا کہ فلاح وبہبود صرف انہی لوگوں کے لیے ہے، جو اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ دوسری جگہ صاف طور پر بیان کردیا کہ اس کام کو انجام نہ دینا لعنت اور پھٹکار کا مُوجِب[14] ہے۔ ﴿ لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَى ابْنِ

حل لغات: (۱) کامیابی اور بھلائی۔ (۲) بے جان جسم۔ (۳) آسمانی کتاب یعنی قرآن مجید۔ (۴) وجہ، سبب۔ (۵) بہترین اُمت۔ (۶) عزت والا۔ (۷) پہچان۔ (۸) تمام انسان۔ (۹) سجانا۔ (۱۰) آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لیے) پسند کرلیا۔ (۱۱) خوشخبری۔ (۱۲) زندگی گزارنے کا مکمل نظام۔ (۱۳) تاکید۔ (۱۴) سبب۔

مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾ [سورۂ مائدہ] ''بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر تھے ان پر لعنت کی گئی تھی داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے، یہ لعنت اس سبب سے ہوئی کہ انہوں نے حکم کی مُخَالَفَت کی اور حد سے نکل گئے، جو بُرا کام انہوں نے کر رکھا تھا اس سے باز نہ آتے تھے، واقعی ان کا یہ فعل بے شک بُرا تھا۔''

اس آخری آیت کی مزید وضاحت احادیث ذیل سے ہوتی ہے:

① وَفِي السُّنَنِ وَالْمُسْنَدِ مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: إِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانَ إِذَا عَمِلَ الْعَامِلُ فِيْهِمْ بِالْخَطِيْئَةِ جَاءَهُ النَّاهِيْ تَعْزِيْرًا، فَقَالَ: يَاهٰذَا! اِتَّقِ اللهَ فَإِذَا كَانَ مِنَ الْغَدِ جَالَسَهٗ وَوَاكَلَهٗ وَشَارَبَهٗ كَأَنَّهٗ لَمْ يَرَهٗ عَلٰى خَطِيْئَةٍ بِالْأَمْسِ، فَلَمَّا رَأَى عَزَّوَجَلَّ ذٰلِكَ مِنْهُمْ ضَرَبَ بِقُلُوْبِ بَعْضِهِمْ عَلٰى بَعْضٍ ثُمَّ لَعَنَهُمْ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهِمْ دَاوٗدَ وَعِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ، ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ. وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَتَأْخُذُنَّ عَلٰى يَدِ السَّفِيْهِ وَلَتَأْطُرُنَّ عَلَى الْحَقِّ أَطْرًا أَوْلَيَضْرِبَنَّ اللهُ بِقُلُوْبِ بَعْضِكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ثُمَّ يَلْعَنُكُمْ كَمَا لَعَنَهُمْ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلی اُمتوں میں جب کوئی خطا کرتا تو روکنے والا اس کو دھمکاتا اور کہتا: خدا سے ڈر، پھر اگلے ہی دن اس کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا، کھاتا پیتا، گویا کل اس کو گناہ کرتے ہوئے دیکھا ہی نہیں، جب حق عزَّ وجلَّ نے ان کا یہ برتاؤ دیکھا تو بعض کے قُلُوب[1] کو بعض کے ساتھ خَلْط[2] کر دیا اور ان کے نبی داؤد اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی زبانی ان پر لعنت کی اور یہ اس لیے کہ انہوں نے خدا کی نافرمانی کی اور حد سے تَجَاوُز[3] کیا۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے! تم ضرور اچھی باتوں کا حکم کرو اور بری باتوں سے منع کرو اور چاہیے کہ بیوقوف نادان کا ہاتھ پکڑو، اس کو حق بات پر مجبور کرو، ورنہ حق تعالیٰ تمہارے قلوب کو بھی خَلَط مَلَط کر دیں گے اور پھر تم پر بھی لعنت ہوگی، جیسا کہ پہلی امتوں پر لعنت ہوئی۔

② وَفِيْ سُنَنِ أَبِيْ دَاوٗدَ وَابْنِ مَاجَهْ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضي الله عنه قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: مَا مِنْ رَّجُلٍ يَّكُوْنُ فِيْ قَوْمٍ يَّعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِيْ يَقْدِرُوْنَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی جماعت اور قوم میں کوئی شخص گناہ کرتا ہے اور وہ قوم باوجود قدرت کے اس کو نہیں روکتی تو ان پر مرنے سے پہلے ہی حق تعالیٰ اپنا

حل لغات: ① دلوں کو۔ ② ملا دیا۔ ③ آگے بڑھ جانا۔

عَلٰى أَنْ يُّغَيِّرُوْا عَلَيْهِ وَلَا يُغَيِّرُوْنَ إِلَّا أَصَابَهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ أَنْ يَّمُوْتُوْا.	عذاب بھیج دیتے ہیں یعنی دنیا ہی میں ان کو طرح طرح کے مَصَائِب[1] میں مُبتَلا کر دیتے ہیں۔
③ وَرَوَى الْأَصْبَهَانِيُّ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا تَزَالُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تَنْفَعُ مَنْ قَالَهَا وَتَرُدُّ عَنْهُمُ الْعَذَابَ وَالنِّقْمَةَ مَالَمْ يَسْتَخِفُّوْا بِحَقِّهَا. قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَا الْاِسْتِخْفَافُ بِحَقِّهَا؟ قَالَ: يُظْهَرُ الْعَمَلُ بِمَعَاصِي اللّٰهِ فَلَا يُنْكَرُ وَلَا يُغَيَّرُ. [ترغيب]	حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمیشہ کلمہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه اپنے پڑھنے والے کو نفع دیتا ہے اور اس سے عذاب وبلا دور کرتا ہے، جب تک کہ اس کے حقوق سے بے پروائی نہ برتی جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اس کے حقوق کی بے پروائی کیا ہے؟ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ کی نافرمانی کُھلے طور پر کی جائے، پھر

نہ ان کا انکار کیا جائے اور نہ ان کے بند کرنے کی کوشش کی جائے۔

④ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ فَعَرَفْتُ فِيْ وَجْهِهِ أَنْ قَدْ حَضَرَهُ شَيْءٌ فَتَوَضَّأَ وَمَا كَلَّمَ أَحَدًا فَلَصِقْتُ بِالْحُجْرَةِ أَسْتَمِعُ مَا يَقُوْلُ فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ وَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ لَكُمْ: مُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ قَبْلَ أَنْ تَدْعُوْا فَلَا أُجِيْبَ لَكُمْ وَتَسْأَلُوْنِيْ فَلَا أُعْطِيَكُمْ وَتَسْتَنْصِرُوْنِيْ فَلَا أَنْصُرَكُمْ. فَمَا زَادَ عَلَيْهِنَّ حَتّٰى نَزَلَ. [ترغيب]	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے چہرۂ انور پر ایک خاص اثر دیکھ کر محسوس کیا کہ کوئی اہم بات پیش آئی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے کسی سے کوئی بات نہیں کی اور وضو فرما کر مسجد میں تشریف لے گئے، میں مسجد کی دیوار سے لگ گئی تا کہ جو کچھ ارشاد ہو اس کو سنوں، حضور اقدس ﷺ منبر پر جَلوہ[2] اَفروز ہوئے اور حمد وثنا کے بعد فرمایا ''لوگو! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بھلی باتوں کا حکم کرو اور بری باتوں سے منع کرو، مَبَادَا[3] وہ وقت آ جائے کہ تم دعا مانگو اور میں اس کو قبول نہ کروں

اور تم مجھ سے سوال کرو اور میں اس کو پورا نہ کروں اور تم مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں۔ حضور اقدس ﷺ نے صرف یہ کلمات ارشاد فرمائے اور منبر سے اتر گئے۔

⑤ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِذَا عَظَّمَتْ أُمَّتِي الدُّنْيَا نُزِعَتْ مِنْهَا هَيْبَةُ الْإِسْلَامِ وَإِذَا تَرَكَتِ	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت دنیا کو قابلِ وَقعت[4] وعظمت سمجھنے لگے گی تو اسلام کی وقعت وہیبت[5] ان کے قلوب سے

حل لغات: ① مصیبت کی جمع۔ ② یعنی بیٹھے۔ ③ خدانخواستہ۔ ④ اہمیت۔ ⑤ رعب، دبدبہ۔

الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ حُرِمَتْ بَرَكَةَ الْوَحْيِ وَإِذَا تَسَابَّتْ أُمَّتِيْ سَقَطَتْ مِنْ عَيْنِ اللهِ. [كذا★ في الدر عن الحكيم الترمذي]	نکل جائے گی اور جب اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دے گی تو وحی کی بَرکات سے محروم ہوجائے گی اور جب آپس میں ایک دوسرے کو سَبّ[1] وشَتم کرنا اختیار کرے گی تو اللہ جلّ شانہٗ کی نگاہ سے گر جائے گی۔

احادیث مذکورہ پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو چھوڑ نا خدا وَحدَہٗ لَاشَرِیکَ کی لعنت اور غضب کا باعِث[2] ہے اور جب امتِ محمد یہ اس کام کو چھوڑ دے گی تو سخت مَصَائِب[3] وآلام[4] اور ذِلت[5] وخواری میں مُبتلا کردی جائے گی اور ہر قسم کی غیبی نُصرت[6] ومدد سے محروم ہوجائے گی، اور یہ سب کچھ اس لیے ہوگا کہ اس نے اپنے فرضِ منصبی[7] کو نہیں پہچانا اور جس کام کی اَنجام دِہی[8] کی ذمہ دار تھی اس سے غافل رہی؛ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو ایمان کا خاصہ اور جزوِ[9] لازمی قرار دیا اور اس کے چھوڑنے کو ایمان کے ضُعف واِضمِحلال[10] کی علامت بتلایا۔ حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ میں ہے:

مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ. [مسلم]	یعنی تم میں سے جب کوئی شخص برائی کو دیکھے تو چاہیے کہ اپنے ہاتھوں سے کام لے کر اس کو دور کرے اور اگر اس کی طاقت نہ پائے تو زبان سے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ پائے تو دل سے اور یہ آخری صورت ایمان کی بڑی کمزوری کا درجہ ہے۔

پس جس طرح آخری درجہ اَضعف[11] ایمان کا ہوا، اسی طرح پہلا درجہ کمالِ دعوت[12] اور کمالِ ایمان[13] کا ہوا۔ اس سے بھی واضح تر[14] حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے:

مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللهُ قَبْلِيْ إِلَّا كَانَ لَهٗ فِيْ أُمَّتِهٖ حَوَارِيُّوْنَ وَأَصْحَابٌ يَّأْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهٖ وَيَقْتَدُوْنَ بِأَمْرِهٖ. ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ يَّقُوْلُوْنَ مَا لَايَفْعَلُوْنَ. وَيَفْعَلُوْنَ	یعنی سنتِ[15] الٰہی یہ ہے کہ ہر نبی اپنے ساتھیوں اور تربیت[16] یافتہ یاروں کی ایک جماعت چھوڑ جاتا ہے، یہ جماعت نبی کی سنت کو قائم رکھتی ہے اور ٹھیک ٹھیک اس کی پیروی کرتی ہے، یعنی شریعتِ الٰہی کو جس حال اور جس شکل میں نبی چھوڑ گیا ہے اس کو بِعَینہٖ[17] محفوظ رکھتے ہیں اور اس میں ذرا بھی فرق نہیں آنے دیتے، لیکن اس کے بعد شرّ[18] وفِتَن[19] کا دور آتا ہے اور ایسے لوگ پیدا ہوجاتے ہیں

★ وكذا رواه ابن أبي الدنيا في كتاب الأمر بالمعروف مفصلا من حديث فضيل كما في فيض القدير ۴۰۵/۵ ـ والسراج المنير ۱۴۹/۲ ـ [طارق]

حل لغات: (۱) گالی گلوچ۔ (۲) سبب۔ (۳) مصیبت کی جمع۔ (۴) رنج وغم۔ (۵) رسوائی۔ (۶) مدد۔ (۷) عہدہ اور مرتبے کی ذمہ داری۔ (۸) پورا کرنا۔ (۹) ضروری حصہ۔ (۱۰) کمزوری۔ (۱۱) ایمان کا سب سے کمزور درجہ۔ (۱۲) دعوت کا انتہائی درجہ۔ (۱۳) ایمان کا انتہائی درجہ۔ (۱۴) زیادہ ظاہر۔ (۱۵) اللہ کا قانون۔ (۱۶) تعلیم وتہذیب پائے ہوئے۔ (۱۷) اسی طرح۔ (۱۸) برائی۔ (۱۹) فتنہ کی جمع۔

مَا لَا يُؤْمَرُوْنَ . فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْإِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ. [مسلم]	جو طریقۂ نبی سے ہٹ جاتے ہیں، اُن کا فعل[1] ان کے دعوے کے خلاف ہوتا ہے اور ان کے کام ایسے ہوتے ہیں جن کے لیے شریعت نے حکم نہیں دیا، سو ایسے لوگوں کے خلاف جس شخص نے قیامِ حق وسنت کی راہ میں اپنے ہاتھ سے کام لیا وہ مومن ہے، اور جو ایسا نہ کر سکا مگر زبان سے کام لیا وہ بھی مومن ہے، اور جس سے

یہ بھی نہ ہو سکا اور دل کے اعتقاد اور نیت کے ثبات[2] کو ان کے خلاف کام میں لایا وہ بھی مومن ہے؛ لیکن اس آخری درجہ کے بعد ایمان کا کوئی درجہ نہیں، اس پر ایمان کی سرحد[3] ختم ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ اب رائی کے دانے برابر بھی ایمان نہیں ہو سکتا۔

اس کام کی اہمیت اور ضرورت کو امام غزالیؒ نے اس طرح ظاہر فرمایا ہے: ''اس میں کچھ شک نہیں کہ اَمر بالمعروف ونہی عن المنکر دین کا ایسا زبردست رُکن ہے جس سے دین کی تمام چیزیں وابستہ[4] ہیں، اس کو انجام دینے کے لیے حق تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث[5] فرمایا، اگر خدانخواستہ اس کو بالائے طاق[6] رکھ دیا جائے اور اس کے علم وعمل کو ترک[7] کر دیا جائے تو اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ[8] نبوت کا بیکار ہونا لازم آئے گا، دِیانت[9] جو شرافتِ انسانی کا خاصّہ[10] ہے، مضمحل[11] اور افسردہ[12] ہو جائے گی، کاہلی اور سُستی عام ہو جائے گی، گمراہی اور ضَلَالَت کی شاہراہیں[13] کھل جائیں گی، جہالت عالمگیر[14] ہو جائے گی، تمام کاموں میں خرابی آ جائے گی، آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی، آبادیاں خراب ہو جائیں گی، مخلوق تباہ وبرباد ہو جائے گی اور اس تباہی اور بربادی کی اس وقت خبر ہوگی جب روزِ محشر خدائے بالا وبرتر کے سامنے پیشی[15] اور باز پُرس[16] ہوگی۔ افسوس صد افسوس! جو خطرہ تھا وہ سامنے آ گیا، جو کھٹکا تھا آنکھوں نے دیکھ لیا۔ كَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَقْدُوْرًا فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. اس سرسبز[17] ستون کے علم وعمل کے نشانات مٹ چکے، اس کی حقیقت ورُسوم[18] کی برکتیں نیست[19] ونابود ہو گئیں، لوگوں کی تحقیر[20] وتذلیل[21] کا سکہ قلوب[22] پر جم گیا، خدائے پاک کے ساتھ کا قلبی تعلق[23] مٹ چکا اور نفسانی خواہشات کے اِتباع میں جانوروں کی طرح بے باک[24] ہو گئے، روئے زمین پر ایسے صادق مومن کا ملنا دشوار وکمیاب ہی نہیں بلکہ معدوم[25] ہو گیا جو اظہارِ حق کی وجہ سے کسی کی ملامت[26] کو گوارا کرے۔ اگر کوئی مردِ مومن اس تباہی اور بربادی کے ازالہ[27] میں سعی[28] کرے اور اس سنت کے احیاء[29] میں کوشش کرے اور اس

حل لغات: ① عمل۔ ② مضبوطی۔ ③ انتہا، باڈر۔ ④ جڑی ہوئی۔ ⑤ بھیجا۔ ⑥ یعنی چھوڑ دیا جائے۔ ⑦ چھوڑ دینا۔ ⑧ اللہ کی پناہ۔ ⑨ ایمانداری۔ ⑩ عادت، صفت۔ ⑪ کمزور۔ ⑫ مُرجھایا ہوا۔ ⑬ راستے۔ ⑭ پوری دنیا میں پھیل جائے گی۔ ⑮ حاضری۔ ⑯ پوچھ تاچھ۔ ⑰ ہرا بھرا۔ ⑱ نشانیاں۔ ⑲ ختم۔ ⑳ کم درجے کا سمجھنا۔ ㉑ ذلیل سمجھنا۔ ㉒ یعنی دل میں بیٹھ گیا۔ ㉓ دلی لگاؤ۔ ㉔ نڈر، آوارہ۔ ㉕ ختم۔ ㉖ برا بھلا کہنا۔ ㉗ ختم کرنا۔ ㉘ کوشش۔ ㉙ زندہ کرنا۔

مُبارک بوجھ کو لے کر کھڑا ہو اور آستینیں چڑھا کر اس سُنّت کے زندہ کرنے کے لیے میدان میں آئے، تو یقیناً وہ شخص تمام مخلوق میں ایک مُمتاز[1] اور نُمایاں[2] ہستی کا مالک ہوگا۔"

امام غزالیؒ نے جن الفاظ میں اس کام کی اہمیت اور ضرورت کو بیان کیا ہے، وہ ہماری تنبیہ اور بیداری کے لیے کافی ہیں۔ ہمارے اس قدر اہم فریضہ سے غافل ہونے کی چند وُجوہ[3] معلوم ہوتی ہیں: پہلی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اس فریضہ کو عُلَماء کے ساتھ خاص کر لیا، حالانکہ خطاباتِ[4] قرآنی عام ہیں جو امتِ محمدیہ کے ہر ہر فرد کو شامل ہیں اور صحابہ کرام ﷺ اور خیر القرون[5] کی زندگی اس کے لیے شاہدِ[6] عَدْل ہے۔

فریضۂ تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو علماء کے ساتھ خاص کر لینا اور پھر ان کے بھروسہ پر اس اہم کام کو چھوڑ دینا ہماری سخت نادانی ہے۔ عُلَماء کا کام راہِ حق بتلانا اور سیدھا راستہ دکھلانا ہے، پھر اس کے موافق عمل کرانا اور مخلوقِ خدا کو اس پر چلانا، یہ دوسرے لوگوں کا کام ہے۔ اسی کی جانب اس حدیث شریف میں تنبیہ کی گئی ہے:

أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ، فَالْأَمِيْرُ الَّذِيْ عَلَى النَّاسِ رَاعٍ عَلَيْهِمْ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُمْ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى أَهْلِ بَيْتِهٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُمْ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهٖ وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ، وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلٰى مَالِ سَيِّدِهٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُ، فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ.★	بے شک تم سب کے سب نگہبان ہو اور تم سب اپنی رعیت[7] کے بارے میں سوال کیے جاؤ گے، پس بادشاہ لوگوں پر نگہبان ہے وہ اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جاوے گا اور مرد اپنے گھر والوں پر نگہبان ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جاوے گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اولاد پر نگہبان ہے وہ ان کے بارے میں سوال کی جاوے گی اور غلام اپنے مالک کے مال پر نگہبان ہے اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جاوے گا؛ پس تم سب نگہبان ہو اور تم سب سے اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جاوے گا۔

اور اسی کو واضح طور پر اس طرح بیان فرمایا ہے: قَالَ: اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ، قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ. [مسلم] حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا: دین سراسر نصیحت ہے۔ (صحابہ ﷺ نے) عرض کیا: کس کے لیے؟ فرمایا: اللہ کے لیے اور اللہ کے رسول کے لیے اور مسلمانوں کے مُقتَداؤں[8] کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے۔ اگر بفرضِ مُحال[9] مان بھی لیا جائے کہ یہ عُلَماء کا کام ہے تب

★ رواه البخاري ومسلم عن ابن عمر ﷺ بتفاوت بعض الألفاظ [طارق] **حل لغات:** ① الگ۔ ② مشہور۔ ③ وجہ کی جمع، سبب۔ ④ قرآن کے خطابات یعنی جو اللہ نے حکم دئے ہیں۔ ⑤ بہترین زمانہ، یعنی آپ ﷺ، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ۔ ⑥ سچے گواہ۔ ⑦ عام لوگ، جو کسی کے ماتحت ہوں۔ ⑧ وہ شخص جس کی لوگ پیروی کریں، پیشوا۔ ⑨ ناممکن کو مانتے ہوئے۔

بھی اس وقت فضاءِ[1] زمانہ کا مُقتضیٰ[2] یہی ہے کہ ہر شخص اس کام میں لگ جائے اور اِعلاءِ کلمۃُ[3] اللہ اور حفاظتِ دینِ[4] متین کے لیے کمر بَستہ[5] ہو جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ اگر ہم خود اپنے ایمان میں پُختہ[6] ہیں تو دوسروں کی گُمراہی ہمارے لیے نُقصان دِہ نہیں، جیسا کہ اس آیتِ شریفہ کا مفہوم ہے:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ﴾ [سورہ مائدہ: ۱۰۵]	ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، جب تم راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ ہے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔ [بیان]

لیکن درحقیقت آیت سے یہ مقصود نہیں جو ظاہر میں سمجھا جا رہا ہے، اس لیے کہ یہ معنی حکمت خُداوندِیہ اور تعلیماتِ شَرعِیَّہ کے بالکل خِلاف ہیں، شریعتِ اسلامی نے اِجتماعی زندگی اور اِجتماعی اِصلاح اور اجتماعی ترقی کو اصل بتلایا ہے اور امتِ مسلمہ کو بمنزِلَہ[7] ایک جسم کے قرار دیا ہے کہ اگر ایک عُضوَ میں درد ہو جائے تو تمام جسم بے چین ہو جاتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ بنی نوعِ[8] انسان خواہ کتنی ہی ترقی کر جائے اور کمال کو پہونچ جائے، اس میں ایسے لوگوں کا ہونا بھی ضروری ہے جو سیدھے راستے کو چھوڑ کر گمراہی میں مبتلا ہوں، تو آیت میں مومنوں کے لیے تَسلّی ہے کہ جب تم ہدایت اور صراطِ مستقیم پر قائم ہو، تو تم کو ان لوگوں سے مَضَرَّت[9] کا اندیشہ[10] نہیں جنھوں نے بھٹک کر سیدھا راستہ چھوڑ دیا۔ نیز اصل ہدایت یہ ہے کہ انسان شریعتِ محمدیہ کو مع تمام اَحکام کے قبول کرے اور منجُملہ[11] احکام خداوندی کے ایک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ہے۔

ہمارے اس قول کی تائید حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے ہوتی ہے:

عَنْ أَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ رضي الله عنه قَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّكُمْ تَقْرَءُوْنَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ: ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ﴾ فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ: إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الْمُنْكَرَ فَلَمْ يُغَيِّرُوْهُ أَوْشَكَ أَنْ يَّعُمَّهُمُ اللهُ بِعِقَابِهٖ.	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! تم یہ آیت ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ﴾ پیش کرتے ہو اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ خلافِ شرع کسی چیز کو دیکھیں اور اس میں تَغیُّر[12] نہ کریں تو قریب ہے کہ حق تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے عمُومی عذاب میں مُبتلا فرمائے۔

عُلَماءِ مُحقِّقین نے بھی آیت کے یہی معنی لیے ہیں۔ امام نَوَوِیؒ شرحِ مسلم میں فرماتے ہیں: "علماءِ محققین

حل لغات: (۱) یعنی وقت اور حالات۔ (۲) تقاضا۔ (۳) اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا۔ (۴) مضبوط دین۔ (۵) تیار۔ (۶) مضبوط۔ (۷) درجے میں۔ (۸) تمام انسان۔ (۹) نقصان۔ (۱۰) ڈر، خوف۔ (۱۱) ان تمام میں سے۔ (۱۲) تبدیلی، یعنی نہ روکیں۔

کا صحیح مذہب اس آیت کے معنی میں یہ ہے کہ جب تم اس چیز کو ادا کر دو جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے، تو تمہارے غیر کی کوتاہی تمہیں مضرّت نہ پہونچائے گی، جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَزِرُ[1] وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ [سورۂ انعام] اور جب ایسا ہے تو منجملہ ان اشیاء[2] کے جن کا حکم دیا گیا امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے، پس جب کسی شخص نے اس حکم کو پورا کر دیا اور مخاطَب[3] نے اس کی تعمیل[4] نہ کی تو اب ناصح[5] پر کوئی عتاب[6] اور سرزنش[7] نہیں، اس لیے کہ جو کچھ اس کے ذمے واجب تھا اور وہ امر و نہی ہے اس نے اس کو ادا کر دیا، دوسرے کا قبول کرنا اس کے ذمے نہیں۔ واللہ اعلم''۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ عوام وخواص، عالم وجاہل ہر شخص اِصلاح سے مایوس ہو گیا اور انہیں یقین ہو گیا کہ اب مسلمانوں کی ترقی اور ان کا عروج[8] ناممکن اور دشوار ہے، جب کسی شخص کے سامنے کوئی اصلاحی نظام پیش کیا جاتا ہے تو جواب یہی ملتا ہے کہ مسلمانوں کی ترقی اب کیسے ہو سکتی ہے، جب کہ ان کے پاس نہ سلطنت و حکومت ہے، نہ مال و زر اور نہ سامانِ حَرب[9] اور نہ مرکزی حیثیت، نہ قوتِ بازو اور نہ باہمی[10] اتفاق واتحاد۔ بالخصوص دیندار طبقہ تو بزعم[11] خود یہ طے کر چکا ہے کہ اب چودھویں صدی ہے، زمانۂ رِسالت کو بُعد[12] ہو چکا، اب اسلام اور مسلمانوں کا انحطاط[13] ایک لازمی[14] شئے ہے پس اس کے لیے جدّ[15] وجُہد کرنا عَبث[16] اور بیکار ہے، یہ صحیح ہے کہ جس قدر مشکوٰۃِ نبوت[17] سے بُعد ہوتا جائے گا، حقیقی اسلام کی شعاعیں[18] ماند[19] پڑتی جائیں گی، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بقاءِ شریعت[20] اور حفاظت دینِ محمدی کے لیے جدوجہد اور سعی[21] نہ کی جائے، اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا اور ہمارے اسلاف[22] بھی خدانخواستہ یہی سمجھ لیتے تو آج ہم تک اس دین کے پہونچنے کی کوئی سبیل[23] نہ تھی، البتہ جب کہ زمانہ ناموافق ہے تو رفتارِ زمانہ کو دیکھتے ہوئے زیادہ ہمت اور استقلال[24] کے ساتھ اس کام کو لے کر کھڑے ہونے کی ضرورت ہے۔

تعجب ہے کہ جو مذہب سراسر عمل اور جہد پر مبنی[25] تھا آج اس کے پیرو[26] عمل سے یکسر[27] خالی ہیں، حالانکہ قرآن مجید اور حدیث شریف میں جگہ جگہ عمل اور جُہد کا سبق پڑھایا اور بتلایا ہے کہ ایک عبادت گزار، تمام رات نفل پڑھنے والا، دن بھر روزہ رکھنے والا، اللہ اللہ کرنے والا ہرگز اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو دوسروں کی اصلاح وہدایت کی فکر میں بے چین ہو۔

قرآن کریم نے جگہ جگہ جہاد فی سبیل اللہ کی تاکید کی اور مجاہد کی فضیلت اور برتری کو نمایاں[28] کیا۔

حل لغات: (۱) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ (۲) چیزیں۔ (۳) جس سے بات کی جائے، مراد جس کو حکم دیا گیا۔ (۴) حکم پورا کرنا۔ (۵) نصیحت کرنے والا۔ (۶) غصہ۔ (۷) برا بھلا کہنا۔ (۸) بلندی۔ (۹) جنگی سامان۔ (۱۰) آپسی۔ (۱۱) اپنے ہی گمان میں۔ (۱۲) دوری۔ (۱۳) پستی، گراوٹ۔ (۱۴) ضروری۔ (۱۵) کوشش۔ (۱۶) بے فائدہ۔ (۱۷) نبوت کا چراغ، یعنی نبوت کا دور۔ (۱۸) روشنیاں۔ (۱۹) دھیمی۔ (۲۰) شریعت کو باقی رکھنا۔ (۲۱) کوشش۔ (۲۲) بزرگانِ دین۔ (۲۳) راستہ۔ (۲۴) مضبوطی۔ (۲۵) بنیاد رکھا ہوا۔ (۲۶) پیچھے چلنے والا۔ (۲۷) بالکل۔ (۲۸) ظاہر۔

﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۚ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ أَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۚ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٩٦﴾﴾ [سورۂ نساء]

''برابر نہیں وہ مسلمان جو بلا کسی عُذر کے گھر میں بیٹھے ہیں اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مال وجان سے جہاد کریں، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا درجہ بہت زیادہ بلند کیا ہے جو اپنے مال و جان سے جہاد کرتے ہیں بہ نسبت گھر بیٹھنے والوں کے، اور سب سے اللہ تعالیٰ نے اچھے گھر کا وَعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مُجاہدین کو بمُقابلہ گھر میں بیٹھنے والوں کے بڑا اجرِ عظیم دیا ہے، یعنی بہت سے درجے جو خدا کی طرف سے ملیں گے اور مغفرت اور رحمت، اور اللہ بڑی مغفرت رحمت والے ہیں۔''

اگرچہ آیت میں جہاد سے مراد کفار کے مُقابلہ میں سِینہ سِپر[1] ہونا ہے تاکہ اسلام کا بول[2] بالا ہو اور کفر و شِرک مغلوب[3] و مقہور[4] ہو، لیکن اگر بد قسمتی سے آج ہم اس سعادتِ عُظمٰی[5] سے محروم ہیں تو اس مقصد کے لیے جس قدر جدوجہد ہماری مَقدرت[6] اور اِستطاعت[7] میں ہے اس میں تو ہرگز کوتاہی نہ کرنی چاہیے، پھر ہماری یہی معمولی حرکت عمل اور جدوجہد ہمیں کشاں[8] کشاں آگے بڑھائے گی ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ [سورۂ عنکبوت: ٦٩] یعنی ''جو لوگ ہمارے دین کے لیے کوشش کرتے ہیں ہم ان کے لیے اپنے راستے کھول دیتے ہیں''۔

اس میں شک نہیں کہ دینِ محمدی ﷺ کی بقا[9] اور تحفُّظ[10] کا حق تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے، لیکن اس کے عروج[11] و ترقی کے لیے ہمارا عمل اور سعی[12] مطلوب[13] ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے لیے جس قدر اَنتھک[14] کوشش کی اسی قدر ثمرات[15] بھی مُشاہدہ[16] کیے اور غیبی[17] نُصرت سے سرفراز[18] ہوئے، ہم بھی ان کے نام لیوا ہیں اگر اب بھی ہم ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں اور اِعلاءِ کلمۃ[19] اللہ اور اشاعتِ[20] اسلام کے لیے کمر بستہ[21] ہو جائیں تو یقیناً ہم بھی نُصرتِ خداوندی اور امدادِ غیبی سے سرفراز ہوں گے۔ ﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ﴿٧﴾﴾ [سورۂ محمد] یعنی اگر تم خدا کے دین کی مدد کے لیے کھڑے ہو جاؤ گے تو خدا تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جب ہم خود ان باتوں کے پابند نہیں اور اس مَنصب[22] کے اہل[23]

حل لغات: (۱) ڈٹا رہنا۔ (۲) ترقی۔ (۳) ہارا ہوا۔ (۴) غصہ کیا گیا، یعنی اس پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔ (۵) بڑی خوش قسمتی۔ (۶) قوت۔ (۷) طاقت۔ (۸) دھیرے دھیرے۔ (۹) باقی رہنا۔ (۱۰) حفاظت۔ (۱۱) بلندی۔ (۱۲) کوشش۔ (۱۳) چاہا گیا۔ (۱۴) بے حد۔ (۱۵) نتیجے۔ (۱۶) دیکھنا۔ (۱۷) یعنی اللہ کی مدد۔ (۱۸) کامیاب۔ (۱۹) اللہ کے کلمے کو بلند کرنا۔ (۲۰) اسلام پھیلانا۔ (۲۱) مکمل تیار۔ (۲۲) ذمہ داری۔ (۲۳) لائق۔

نہیں تو دوسروں کو کس مُنہ سے نصیحت کریں، لیکن یہ نَفْس کا صَرِیح[1] دھوکہ ہے، جب ایک کام کرنے کا ہے اور حق تعالیٰ کی جانب سے ہم اس کے مامور[2] ہیں تو پھر ہمیں اس میں پَس و پیش[3] کی گُنجائش نہیں، ہمیں خدا کا حکم سمجھ کر کام شروع کر دینا چاہیے، پھر ان شاء اللہ یہی جدوجہد ہماری پُختگی[4]، اِسْتِحکام[5] اور اِسْتِقامت[6] کا باعِث[7] ہوگی اور اسی طرح کرتے کرتے ایک دن تقربِ[8] خداوندی کی سعادت نصیب ہو جائے گی، یہ ناممکن اور مُحال ہے کہ ہم حق تعالیٰ کے کام میں جدوجہد کریں اور وہ رحمٰن رحیم ہماری طرف نظر کرم نہ فرمائے۔ میرے اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللهِ! لَانَأْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ حَتّٰى نَعْمَلَ بِهٖ كُلِّهٖ وَلَا نَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ حَتّٰى نَجْتَنِبَهٗ كُلَّهٗ فَقَالَ ﷺ: بَلْ مُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَإِنْ لَّمْ تَعْمَلُوْا بِهٖ كُلِّهٖ. وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَإِنْ لَّمْ تَجْتَنِبُوْهُ كُلَّهٗ. [رواه الطبراني في الصغير والأوسط]	حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم بھلائیوں کا حکم نہ کریں جب تک خود تمام پر عمل نہ کریں اور برائیوں سے منع نہ کریں جب تک خود تمام برائیوں سے نہ بچیں؟ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں بلکہ تم بھلی باتوں کا حکم کرو اگرچہ تم خود ان سب کے پابند نہ ہو اور برائیوں سے منع کرو اگرچہ تم خود ان سب سے نہ بچ رہے ہو۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ ہم سمجھ رہے ہیں کہ جگہ جگہ مدارسِ دینیہ کا قائم ہونا، عُلَماء کا وعظ و نصیحت کرنا، خانقاہوں کا آباد ہونا، مذہبی کتابوں کا تصنیف[9] ہونا، رسالوں کا جاری ہونا؛ یہ سب اَمر بالمعروف و نہی عن المنکَر کے شُعْبے ہیں اور ان کے ذریعہ اس فریضہ کی ادائیگی ہو رہی ہے، اس میں شک نہیں کہ ان سب اداروں کا قیام اور بقا[10] بہت ضروری ہے اور ان کی جانب اِعْتِنَاء[11] اَہَم امور سے ہے، اس لیے کہ دین کی جو کچھ تھوڑی بہت جھلک دکھائی دے رہی ہے وہ انہی اداروں کے مُبارک آثار[12] ہیں، لیکن پھر بھی اگر غور سے دیکھا جائے تو ہماری موجودہ ضرورت کے لیے یہ ادارے کافی نہیں اور ان پر اِکْتِفاء[13] کرنا ہماری کھلی غلطی ہے، اس لیے کہ ان اداروں سے ہم اس وقت مُنتفع[14] ہو سکتے ہیں، جب ہم میں دین کا شوق اور طلب ہو اور مذہب کی وَقعت[15] اور عظمت ہو، اب سے پچاس سال پہلے ہم میں شوق وطلب موجود تھا اور ایمانی جھلک دکھائی دیتی تھی، اس لیے ان اداروں کا قیام ہمارے لیے کافی تھا، لیکن آج غیر اَقْوام[16] کی اَنْتھک[17] کوششوں نے ہمارے اسلامی جَذبات بالکل فنا[18] کر دیے اور طلب و رغبت کے بجائے آج ہم مذہب سے مُتنفِّر[19] اور بےزار

حل لغات: (۱) کھلا ہوا۔ (۲) حکم دیا گیا۔ (۳) ٹال مٹول۔ (۴) مضبوطی۔ (۵) جماؤ۔ (۶) مضبوطی۔ (۷) سبب۔ (۸) اللہ تعالیٰ کی نزدیکی۔ (۹) لکھنا۔ (۱۰) باقی رہنا، وجود۔ (۱۱) توجہ کرنا۔ (۱۲) نشان۔ (۱۳) بس کرنا۔ (۱۴) فائدہ اُٹھانے والا۔ (۱۵) اہمیت۔ (۱۶) قوم کی جمع۔ (۱۷) بہت زیادہ۔ (۱۸) ختم۔ (۱۹) نفرت کرنے والا۔

نظر آتے ہیں، ایسی حالت میں ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم مُستقِل کوئی تحریک ایسی شروع کریں جس سے عوام میں دین کے ساتھ تعلُّق اور شوق ورغبت پیدا ہو اور ان کے سوئے ہوئے جذبات بیدار ہوں، پھر ہم ان اداروں سے ان کی شان کے مطابق مُنتفِع ہو سکتے ہیں، ورنہ اگر اسی طرح دین سے بے رغبتی اور بے اعتنائی[1] بڑھتی گئی، تو اِن اداروں سے انتفاع[2] تو درکنار[3] ان کا بقا بھی دُشوار نظر آتا ہے۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ جب ہم اس کام کو لے کر دوسروں کے پاس جاتے ہیں تو وہ بُری طرح پیش آتے ہیں اور سختی سے جواب دیتے ہیں اور ہماری توہین وتذلیل[4] کرتے ہیں، لیکن ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ کام انبیاء کرام علیہم السلام کی نِیابت[5] ہے اور ان مَصائب[6] اور مَشَقَّتوں میں مُبتلا ہونا اس کام کا خاصّہ[7] ہے اور یہ سب مصائب وتکالیف بلکہ اس سے بھی زائد انبیاء کرام علیہم السلام نے اس راہ میں برداشت کیں، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝﴾ [سورۂ حجر] ”ہم بھیج چکے ہیں رسول تم سے پہلے اگلے لوگوں کے گروہوں میں اور ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا تھا مگر یہ اس کی ہنسی اُڑاتے رہے“۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ دعوتِ حق کی راہ میں جس قدر مجھ کو اذیت اور تکلیف میں مبتلا کیا گیا ہے کسی نبی اور رسول کو نہیں کیا گیا۔ پس جب سردارِ دو عالم ﷺ اور ہمارے آقا و مولیٰ نے ان مصائب اور مشقتوں کو تحمّل[8] اور بُردباری[9] کے ساتھ برداشت کیا تو ہم بھی ان کے پیرو[10] ہیں اور انہی کا کام لے کر کھڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں بھی ان مصائب سے پریشان نہ ہونا چاہیے اور تحمل اور بردباری کے ساتھ ان کو برداشت کرنا چاہیے۔

ماسَبَق[11] سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی ہے کہ ہمارا اصل مرض روحِ اسلامی اور حقیقتِ ایمانی کا ضعف[12] اور اِضمِحلال[13] ہے، ہمارے اسلامی جذبات فنا ہو چکے اور ہماری ایمانی قوت زائل[14] ہو چکی اور جب اصل شئے[15] میں اِنحِطاط[16] آ گیا تو اس کے ساتھ جتنی خوبیاں اور بھلائیاں وابستہ[17] تھیں، ان کا انحطاط[18] پذیر ہونا بھی لابُدّی[19] اور ضروری تھا اور اس ضعف وانحطاط کا سبب اس اصل شئے کا چھوڑ دینا ہے جس پر تمام دین کا بقا اور دارومدار[20] ہے اور وہ ہے: اَمر بِالمعروف اور نَہی عَنِ المنکر۔ ظاہر ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کے افراد خوبیوں اور کمالات سے آراستہ[21] نہ ہوں۔

پس ہمارا علاج صرف یہ ہے کہ ہم فریضۂ تبلیغ کو ایسی طرح لے کر کھڑے ہوں جس سے ہم میں قوتِ ایمانی بڑھے اور اسلامی جذبات اُبھریں، ہم خدا اور رسول کو پہچانیں اور احکامِ خداوندی کے سامنے

حل لغات: ① لاپروائی۔ ② فائدہ اُٹھانا۔ ③ الگ رہا۔ ④ ذلیل کرنا۔ ⑤ کسی کی جگہ پر اس کا نائب ہونا۔ ⑥ مصیبت کی جمع۔ ⑦ خصوصیت۔ ⑧ برداشت۔ ⑨ صبر۔ ⑩ اتباع کرنے والے۔ ⑪ گذری ہوئی باتیں۔ ⑫ کمزوری۔ ⑬ مُرجھانا۔ ⑭ ختم۔ ⑮ چیز۔ ⑯ کمی، گراوٹ۔ ⑰ ملی ہوئی۔ ⑱ گراوٹ ہونا، کمی ہونا۔ ⑲ یقینی۔ ⑳ بنیاد۔ ㉑ سجا ہوا، سنوارا ہوا۔

سَرنگوں[1] ہوں اور اس کے لیے ہمیں وہی طریقہ اختیار کرنا ہوگا جو سَیِّدُ الاَنبِیاء وَالمُرسَلِین ﷺ نے مُشرکینِ عَرَب کی اِصلَاح کے لیے اختیار فرمایا۔ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [سورۂ احزاب:۲۱]

ترجمہ: بے شک تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) میں اچھی پیروی ہے۔

اسی کی جانب امام مالکؒ اشارہ فرماتے ہیں ''لَنْ يُّصْلِحَ اٰخِرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا مَا أَصْلَحَ أَوَّلَهَا'' یعنی اس اُمَّتِ محمدیہ ﷺ کے آخر میں آنے والے لوگوں کی ہر گز اصلاح نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہی طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس نے ابتداء میں اصلاح کی ہے۔

جس وقت نبیٔ کریم ﷺ دعوتِ حق لے کر کھڑے ہوئے، آپ تنہا تھے، کوئی آپ کا ساتھی اور ہم خیال نہ تھا، دنیوی کوئی طاقت آپ کو حاصل نہ تھی، آپ کی قوم میں خودسَری[2] اور خودرائی[3] انتہا درجہ کو پہونچی ہوئی تھی، اُن میں سے کوئی حق بات سننے اور اطاعت کرنے پر آمادہ[4] نہ تھا، بالخصوص جس کلمۂ حق کی آپ تبلیغ کرنے کھڑے ہوئے تھے اس سے تمام قوم کے قلوب مُتَنَفِّر[5] اور بے زار تھے، ان حالات میں کونسی طاقت تھی جس سے ایک مُفلِس[6] ونادار[7]، بے یارومدد[8] گار انسان نے تمام قوم کو اپنی طرف کھینچا، اب غور کیجیے کہ آخر وہ کیا چیز تھی جس کی طرف آپ نے مخلوق کو بلایا اور جس شخص نے اس چیز کو پالیا وہ پھر ہمیشہ کے لیے آپ کا ہو رہا، دنیا جانتی ہے کہ وہ صرف ایک سبق تھا جو آپ کا مَطمحِ نظر[9] اور مقصودِ اصلی تھا، جس کو آپ نے لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ ﴿اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ [سورۂ آلِ عمران:۶۴] ترجمہ: بجُز[10] اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی دوسرے کو رب نہ قرار دے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر۔

اللہ وَحدَہٗ لَاشَرِیکَ لَہٗ کے سوا ہر شے[11] کی عبادت اور اِطاعت اور فرمانبرداری کی مُمانَعت[12] کی اور اَغیار[13] کے تمام بندھنوں اور علاقوں کو توڑ کر ایک نظامِ عمل[14] مُقرّر کر دیا اور بتلا دیا کہ اس سے ہٹ کر کسی دوسری طرف رُخ نہ کرنا۔ ﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ﴾ [سورۂ اعراف:۳]

ترجمہ: تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے اور خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کا اتباع مت کرو۔

یہی وہ اصل تعلیم تھی کی جس کی اِشاعت[15] کا آپ ﷺ کو حکم دیا گیا۔

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ	ترجمہ: ''اے محمد! بلاؤ لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی

حل لغات: (۱) سر جھکانا۔ (۲) سرکشی۔ (۳) نافرمانی۔ (۴) تیار۔ (۵) نفرت کرنے والا۔ (۶) فقیر۔ (۷) خالی ہاتھ۔ (۸) اکیلا۔ (۹) اصلی مقصد۔ (۱۰) علاوہ۔ (۱۱) چیز۔ (۱۲) منع کرنا۔ (۱۳) یعنی اللہ کے علاوہ دوسری تمام چیزیں۔ (۱۴) زندگی گذارنے کا طریقہ۔ (۱۵) پھیلانا۔

الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ [سورۂ نحل]

طرف، حکمت اور نیک نصیحت سے اور ان کے ساتھ بحث کرو جس طرح بہتر ہو، بے شک تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے اس شخص کو جو گمراہ ہوا اس کی راہ سے، اور وہی خوب جانتا ہے راہ چلنے والوں کو"۔

اور یہی وہ شاہراہ[1] تھی جو آپ ﷺ کے لیے اور آپ کے ہر پیرو[2] کے لیے مقرر کی گئی۔

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۸﴾﴾ [سورۂ یوسف]

ترجمہ: کہہ دو یہ ہے میرا راستہ، بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر، میں اور جتنے میرے تابع ہیں وہ بھی، اور اللہ پاک ہے اور میں شریک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾﴾ [سورۂ حم سجدہ]

ترجمہ: اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو خدا کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

پس اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی مخلوق کو بلانا، بھٹکے ہوؤں کو راہِ حق دکھلانا، گمراہوں کو ہدایت کا راستہ دکھلانا، نبیٔ کریم ﷺ کا وظیفۂ[3] حیات اور آپ ﷺ کا مقصدِ اصلی تھا اور اسی مقصد کی نشو و نما[4] اور آبیاری[5] کے لیے ہزاروں نبی اور رسول بھیجے گئے۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾﴾ [سورۂ انبیاء]

ترجمہ: اور ہم نے نہیں بھیجا تم سے پہلے کوئی رسول مگر اس کی جانب یہی وحی بھیجتے تھے کہ کوئی معبود نہیں بجز[6] میرے، پس میری بندگی کرو۔

نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ[7] اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے مقدس لمحاتِ زندگی پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ سب کا مقصد اور نصب العین[8] صرف ایک ہے، اور وہ اللہ ربّ العالمین وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ذات و صفات کا یقین کرنا، یہی ایمان اور اسلام کا مفہوم ہے اور اسی لیے انسان کو دنیا میں بھیجا گیا۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾﴾ [سورۂ ذاریات]

یعنی ہم نے جنات اور انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ بندہ بن کر زندگی بسر کریں۔

اب جب کہ مقصدِ زندگی واضح ہو گیا اور اصل مرض اور اس کے معالجہ[9] کی نوعیت[10] معلوم ہو گئی تو طریقِ علاج کی تجویز[11] میں زیادہ دشواری پیش نہ آئے گی اور اس نظریے[12] کے ماتحت[13] جو بھی علاج کا طریقہ اختیار کیا جائے گا، ان شاء اللہ نافع اور سودمند[14] ہوگا۔

حل لغات: (۱) عظیم راستہ۔ (۲) پیچھے چلنے والا۔ (۳) زندگی کا کام۔ (۴) ترقی۔ (۵) پھلنا پھولنا۔ (۶) علاوہ۔ (۷) پاکیزہ زندگی۔ (۸) اصلی مقصد۔ (۹) علاج۔ (۱۰) قسم۔ (۱۱) انتظام۔ (۱۲) اصول اور ضابطہ۔ (۱۳) یعنی سامنے رکھ کر۔ (۱۴) فائدہ مند۔

مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج

ہم نے اپنی نارَسا[1] فہم کے مُطابق مسلمانوں کی فلاح و[2] بہبود کے لیے ایک نظامِ[3] عمل تجویز کیا ہے، جس کو فی الحقیقت اسلامی زندگی یا اَسلاف[4] کی زندگی کا نمونہ کہا جاسکتا ہے، جس کا اِجمالی نَقشہ آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

سب سے اہم اور پہلی چیز یہ ہے کہ ہر مسلمان تمام اَغراض[5] و مَقاصِدِ دنیوی سے قطع[6] نظر کر کے اِعلاءِ کلمۃ[7] اللہ اور اشاعتِ اسلام اور احکامِ خداوندی کے رواج[8] اور سرسبزی کو اپنا نَصبُ[9] العَین بنادے اور اس بات کا پُختہ[10] عہد کرے کہ حق تعالیٰ کے ہر حکم کو مانوں گا اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا اور کبھی خداوندِ کریم کی نافرمانی نہ کروں گا اور اس نَصبُ العَین کی تکمیل کے لیے اس دستورُ[11] العَمل پر کار[12] بند ہو۔

(۱) کلمہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کا صحتِ الفاظ کے ساتھ یاد کرنا اور اس کے معنی اور مفہوم کو سمجھنا اور ذہن[13] نشین کرنے کی کوشش کرنا اور اپنی پوری زندگی کو اس کے مُوَافِق بنانے کی فکر کرنا۔

(۲) نماز کا پابند ہونا، اس کے آداب و شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے خشوع اور خضوع کے ساتھ ادا کرنا اور ہر ہر رُکن میں خداوندِ کریم کی عظمت و بزرگی اور اپنی بندگی اور بیچار[14] گی کا دھیان کرنا، غرض اس کوشش میں لگے رہنا کہ نماز اس طرح ادا ہو جو اس ربُّ العزّت کی بارگاہ کی حاضری کے شایانِ[15] شان ہو، ایسی نماز کی کوشش کرتا رہے اور حق تعالیٰ سے اس کی توفیق طلب کرے، اگر نماز کا طریقہ معلوم نہ ہو تو اس کو سیکھے اور نماز میں پڑھنے کی تمام چیزوں کو یاد کرے۔

(۳) قرآن کریم کے ساتھ وابستگی[16] اور دل[17] بستگی پیدا کرنا، جس کے دو طریقے ہیں: (الف) کچھ وقت روزانہ ادب واحترام کے ساتھ معنی و مفہوم کا دھیان کرتے ہوئے تلاوت کرنا، اگر عالم نہ ہو اور معنیٰ و مفہوم کو سمجھنے سے قاصِر[18] ہو تب بھی بغیر معنیٰ سمجھے کلامِ ربانی کی تلاوت کرے اور سمجھے کہ میری فلاح[19] و بہبود اسی میں مُضمَر[20] ہے، محض الفاظ کا پڑھنا بھی سعادتِ[21] عظمیٰ ہے اور مُوجِبِ[22] خیر و برکت ہے اور اگر الفاظ بھی نہیں پڑھ سکتا تو تھوڑا وقت روزانہ قرآن مجید کی تعلیم میں صَرف[23] کرنا۔ (ب) اپنے بچوں اور اپنے محلّہ اور گاؤں کے لڑکوں اور لڑکیوں کی قرآن مجید اور مذہبی تعلیم کی فکر کرنا اور ہر کام پر اس کو مُقدَّم رکھنا۔

(۴) کچھ وقت یادِ الٰہی اور ذکر و فکر میں گذارنا، پڑھنے کے لیے کوئی چیز کسی شیخ[24] طریقت، مُتبِعِ[25] سنت سے دریافت[26] کرے ورنہ کلمۂ سوم ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ

حل لغات: (۱) ناقص سمجھ۔ (۲) کامیابی۔ (۳) زندگی گزارنے کا نظام۔ (۴) بزرگانِ دین۔ (۵) دنیا کی غرض اور مقصد۔ (۶) نظر ہٹا کر۔ (۷) اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا۔ (۸) یعنی عام کرنا، پھیلانا۔ (۹) اصلی مقصد۔ (۱۰) پکا۔ (۱۱) زندگی گزارنے کا طریقہ۔ (۱۲) عمل کرے۔ (۱۳) ذہن میں بٹھانا۔ (۱۴) مجبوری، عاجزی۔ (۱۵) شان کے مناسب۔ (۱۶) تعلق۔ (۱۷) لگاؤ۔ (۱۸) مجبور، عاجز۔ (۱۹) کامیابی۔ (۲۰) چھپی ہوئی۔ (۲۱) بڑی خوش قسمتی۔ (۲۲) سبب۔ (۲۳) خرچ کرنا، یعنی لگانا۔ (۲۴) پیر، بزرگ۔ (۲۵) سنت پر چلنے والا۔ (۲۶) پوچھنا۔

وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ'' اور دُرُود واِستِغفَار کی ایک تسبیح صبح اور ایک شام،معنی کا دھیان کرتے ہوئے جی لگا کر اطمینانِ قلب کے ساتھ پڑھے، حدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

۵ ہر مسلمان کو اپنا بھائی سمجھنا، اس کے ساتھ ہمدردی اور غمگُساری کا برتاؤ کرنا، صفتِ اسلام کی وجہ سے اس کا ادب واحترام کرنا، ایسی باتوں سے بچنا جو کسی مسلمان بھائی کی تکلیف واذیت کا باعث[1] ہوں۔

ان باتوں کا خود بھی پابند بنے اور کوشش کرے کہ ہر مسلمان ان کا پابند بن جائے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ خود بھی اپنا کچھ وقت دین کی خدمت کے لیے فارغ کرے اور دوسروں کو بھی ترغیب دے کر دین کی خدمت اور اِشَاعَتِ[2] اسلام کے لیے آمادہ[3] کرے۔

جس دین کی اِشَاعَت کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام نے مَشَقَّتِیں برداشت کیں، طرح طرح کے مَصَائِب میں مُبتَلا ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ہمارے اَسلاف نے اپنی عمروں کو اس میں صَرف کیا اور اس کی خاطر راہِ خدا میں اپنی جانوں کو قربان کیا، اس دین کی ترویج[4] اور بقا[5] کے لیے تھوڑا وقت نہ نکالنا بڑی بدنصیبی اور خُسران[6] ہے اور یہی وہ اہم فریضہ ہے جس کو چھوڑ دینے کی وجہ سے آج ہم تباہ و برباد ہو رہے ہیں۔

پہلے مسلمان ہونے کا مفہوم یہ سمجھا جاتا تھا کہ اپنا جان و مال، عزت وآبرو، اشاعتِ اسلام اور اِعلاءِ کلمۃ اللہ کی راہ میں صَرف[7] کرے اور جو شخص اس میں کوتاہی کرتا تھا وہ بڑا نادان سمجھا جاتا تھا؛ لیکن افسوس کہ آج ہم مسلمان کہلاتے ہیں اور دین کی باتوں کو اپنی آنکھوں سے مِٹتا ہوا دیکھ رہے ہیں، پھر بھی اس دین کی ترویج اور بقا کے لیے کوشش کرنے سے گُریز[8] کرتے ہیں۔ غرض اِعلاءِ کلمۃ اللہ اور اِشَاعَتِ دینِ مَتِین[9] جو مسلمان کا مقصدِ زندگی اور اصلی کام تھا اور جس کے ساتھ ہماری دونوں جہاں کی فلاح[10] وترقی وابستہ[11] تھی اور جس کو چھوڑ کر آج ہم ذلیل[12] وخوار ہو رہے ہیں، اب پھر ہمیں اپنے اصلی مقصد کو اختیار کرنا چاہیے اور اس کام کو اپنا جُزوِ زندگی[13] اور حقیقی مَشغَلہ[14] بنانا چاہیے، تاکہ پھر رحمتِ خداوندی جوش میں آوے اور ہمیں دنیا اور آخرت کی سُرخ رُوئی[15] اور شادابی[16] نصیب ہو۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اپنا تمام کاروبار چھوڑ کر بالکل اس کام میں لگ جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ جیسا اور دُنیوِی ضروریات انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہیں اور ان کو انجام دیا جاتا ہے، اس کام کو بھی ضروری اور اہم سمجھ کر اس کے واسطے وقت نکالا جائے، جب چند آدمی اس مقصد کے لیے تیار ہو جائیں تو ہفتہ میں چند گھنٹے اپنے محلے، اور مہینہ میں تین دن قُرب[17] وجَوار کے مَوَاضِعَات[18] میں اور سال میں ایک چلہ دور کے مواضعات میں اس کام کو کریں اور کوشش کریں کہ ہر مسلمان امیر ہو یا غریب، تاجر ہو یا ملازم، زمین دار ہو یا کاشتکار[19]، عالم ہو یا جاہل، اس کام میں شریک ہو جائے اور ان اُمور کا پابند بن جائے۔

حل لغات: ۱ سبب۔ ۲ پھیلانا۔ ۳ تیار کرنا۔ ۴ پھیلانا۔ ۵ باقی رہنا۔ ۶ گھاٹا۔ ۷ خرچ کرنا۔ ۸ بچتے ہیں۔ ۹ مضبوط۔ ۱۰ کامیابی۔ ۱۱ جڑی ہوئی۔ ۱۲ رُسوا۔ ۱۳ زندگی کا حصہ۔ ۱۴ اصلی کام۔ ۱۵ کامیابی۔ ۱۶ تروتازگی۔ ۱۷ آس پاس۔ ۱۸ علاقے۔ ۱۹ کسان۔

کام کرنے کا طریقہ

کم از کم دس آدمیوں کی جماعت تبلیغ کے لیے نکلے، اول اپنے میں سے ایک شخص کو امیر بنا دیں اور پھر سب مسجد میں جمع ہوں اور وضو کر کے دو رکعت نفل ادا کریں (بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو) بعد نماز سب مِل کر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اِلتجا[1] کریں اور نصرت و کامیابی اور تائیدِ خدا[2] وندی اور توفیقِ الٰہی کو طلب کریں اور اپنے ثبات[3] و استقلال[4] کی دُعا مانگیں، دُعا کے بعد سکون و وقار کے ساتھ آہستہ آہستہ حق تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے روانہ ہوں اور فضول بات نہ کریں، جب اس جگہ پہونچیں جہاں تبلیغ کرنی ہے تو پھر سب مل کر حق تعالیٰ سے دُعا مانگیں اور تمام محلّہ یا گاؤں میں گشت کر کے لوگوں کو جمع کریں، اول ان کو نماز پڑھوائیں اور پھر ان امور کی پابندی کا عہد[5] لیں اور اس طریقہ پر کام کرنے کے لیے آمادہ[6] کریں اور ان لوگوں کے ہمراہ گھروں کے دروازوں پر جا کر عورتوں سے بھی نماز پڑھوائیں اور ان باتوں کی پابندی کی تاکید کریں۔

جو لوگ اس کام کو کرنے کے لیے تیار ہو جائیں ان کی ایک جماعت بنا دی جائے اور ان میں سے ایک شخص کو ان کا امیر مُقرّر کر دیا جائے اور اپنی نگرانی میں ان سے کام شروع کرا دیا جائے اور پھر ان کے کام کی نگرانی کی جائے، ہر تبلیغ کرنے والے کو چاہیے کہ اپنے امیر کی اِطاعت کرے اور امیر کو چاہیے کہ اپنے ساتھیوں کی خدمت گذاری اور راحت[7] رَسانی، ہمت[8] افزائی اور ہمدردی میں کمی نہ کرے اور قابلِ مشورہ باتوں میں سب سے مشورہ لے کر اس کے مُوافق عمل کرے۔

تبلیغ کے آداب

یہ کام حق تعالیٰ کی ایک اہم عبادت اور سعادتِ[9] عُظمیٰ ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی نِیابت[10] ہے، کام جس قدر بڑا ہوتا ہے اسی قدر آداب کو چاہتا ہے، اس کام سے مقصد دوسروں کی ہدایت نہیں بلکہ خود اپنی اِصلاح اور عبدیّت[11] کا اِظہار اور حکمِ خداوندی کی بجا آوری[12] اور حق تعالیٰ کی رضا[13] جوئی ہے، پس چاہیے کہ اُمورِ مُندرَجہ[14] کو اچھی طرح ذہن[15] نشین کرے اور ان کی پابندی کرے۔

(۱) اپنا تمام خرچ: کھانے پینے، کرایہ وغیرہ کا حتّی الوَسع[16] خود برداشت کرے اور اگر گُنجائش اور وُسعت ہو تو اپنے نادار[17] ساتھیوں پر بھی خرچ کرے۔

حل لغات: (۱) دعا کرنا۔ (۲) اللہ کی مدد۔ (۳) ثابت قدمی۔ (۴) جماؤ۔ (۵) وعدہ۔ (۶) تیار۔ (۷) آرام پہونچانا۔ (۸) ہمت بڑھانا۔ (۹) بڑی خوش قسمتی۔ (۱۰) کسی کا قائم مقام ہونا۔ (۱۱) بندگی۔ (۱۲) پورا کرنا (۱۳) خوشی تلاش کرنا۔ (۱۴) نیچے لکھے ہوئے کام۔ (۱۵) ذہن میں بٹھانا۔ (۱۶) جہاں تک ہو سکے۔ (۱۷) غریب۔

(۲) اپنے ساتھیوں اور اس مُقدّس کام کے کرنے والوں کی خدمت گذاری اور ہِمّت افزائی کو اپنی سعادت[1] سمجھے اوران کے ادب واحترام میں کمی نہ کرے۔

(۳) عام مسلمانوں کے ساتھ نہایت تَواضُع اورانکساری[2] کا برتاؤ رکھے، بات کرنے میں نرم لہجہ اورخوشامد[3] کا پہلو اختیار کرے، کسی مسلمان کوحَقارت[4] اور نَفرت کی نظر سے نہ دیکھے، بالخصوص عُلَماءِ دین کی عزت وعظمت میں کوتاہی نہ کرے، جس طرح ہم پرقرآن وحدیث کی عزت وعظمت، ادب واحترام واجب اورضروری ہے اسی طرح ان مُقدّس ہستیوں کی عزت وعظمت، ادب واحترام بھی ضروری ہے جن کوخدا تعالیٰ نے اپنی اس نعمتِ عُظمٰی سے سرفراز[5] فرمایا۔ علماءحق کی توہین، دین کی توہین کے مُرادِف[6] ہے، جوخدا کے غیظ وغضب کا مُوجِب[7] ہے۔

(۴) فرصت کے خالی وقتوں کو بجائے جھوٹ، غیبت، لڑائی فساد، کھیل تماشے کے، مذہبی کتابوں کے پڑھنے اور مذہب کے پابندلوگوں کے پاس بیٹھنے میں گذارے، جس سے خدااوررسول ﷺ کی باتیں معلوم ہوں، خُصوصاً ایّامِ[8] تبلیغ میں فُضُول باتوں اورفضول کاموں سے بچے اوراپنے فارغ اوقات کو یادِالٰہی اور ذکر وفکراوردرودواِستِغفَاراورتعلیم[9] وتعلّم میں گذارے۔

(۵) جائز طریقوں سے حلال روزی حاصل کرے اور کِفایَت[10] شِعَارِی کے ساتھ اس کوخرچ کرے اور اپنے اہل[11] وعیال اوردیگر اَقرِباء[12] کے شرعی حقوق کواداکرے۔

(۶) کسی نِزَاعی[13] مسئلہ اورفروعی[14] بات کونہ چھیڑے بلکہ صرف اصلِ توحید کی طرف دعوت دے اورارکانِ[15] اسلام کی تبلیغ کرے۔

(۷) اپنے تمام افعال واقوال کوخلوصِ نیت کے ساتھ مُزَیّن[16] اورآراستہ[17] کرے کہ اِخلَاص کے ساتھ تھوڑا عمل بھی مُوجِبِ خیروبرکت اور باعثِ ثَمَرات[18] حَسَنَہ ہوتا ہے اور بغیراخلاص کے نہ دنیاہی میں کوئی ثمرہ[19] نکلتا ہے اورنہ آخرت میں اجروثواب ملتا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب نبی کریم ﷺ نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو انہوں نے درخواست کی کہ مجھے نصیحت کیجیے، حضوراقدس ﷺ نے ارشادفرمایا کہ دین کے کاموں میں اِخلَاص کا اِہتِمام رکھنا کہ اخلاص کے ساتھ تھوڑاعمل بھی کافی ہے۔

ایک اورحدیث میں ارشاد ہے کہ ''حق تعالیٰ شانہ، اَعْمَال میں صرف اسی عمل کوقبول فرماتے ہیں جوخالص اُنہی کے لیے کیا گیا ہو''۔ دوسری جگہ ارشاد ہے ''حق تعالیٰ شانہ، تمہاری صورتوں اورتمہارے مال کونہیں دیکھتے، بلکہ تمہارے قلوب اوراعمال کودیکھتے ہیں''۔ پس سب سے اہم اوراصل شئے[20] یہ ہے کہ اس کوخلوص کے ساتھ کیا

حل لغات: (۱) خوش نصیبی۔ (۲) عاجزی۔ (۳) یعنی اچھے طریقے سے بات کرے۔ (۴) کم درجے کا سمجھنا۔ (۵) نوازا۔ (۶) یعنی اسی جیسی۔ (۷) سبب۔ (۸) دعوت وتبلیغ کے دن اوروقت۔ (۹) سیکھنا سکھانا۔ (۱۰) یعنی نہایت سوچ سمجھ کر، یعنی فضول نہ اڑائے۔ (۱۱) گھروالے۔ (۱۲) قریبی لوگ۔ (۱۳) جھگڑے والی بات۔ (۱۴) وہ مسائل جن کا تعلق عقیدے سے نہ ہو۔ (۱۵) رُکن کی جمع، ستون۔ (۱۶) سجایا ہوا۔ (۱۷) سجا ہوا۔ (۱۸) اچھے نتیجوں کا سبب۔ (۱۹) نتیجہ۔ (۲۰) چیز۔

جائے، ریا[1] نمود کو اس میں دَخل نہ ہو، جس قدر اخلاص ہوگا اسی قدر کام میں ترقی اور سرسبزی ہوگی۔ اس دَستورالعمل[2] کا مختصر خاکہ[3] آپ کے سامنے آگیا اور اس کی ضرورت اور اہمیت پر بھی کافی روشنی پڑگئی، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ کشمکش[4] اور اِضطِراب[5] و بے چینی میں یہ طریق[6] کار کس حد تک ہماری رہبری کرسکتا ہے؟ اور کہاں تک ہماری مُشکِلات کو دور کرسکتا ہے؟ اس کے لیے پھر ہمیں قرآن کریم کی طرف رُجوع[7] کرنا ہوگا۔ قرآنِ کریم نے ہماری اس جِدّ[8] و جُہد کو ایک سود[9] مند تجارت سے تعبیر[10] کیا ہے اور اس کی جانب اس طرح رغبت دلائی ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ [سورۂ صف]

ترجمہ: اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی سودا[11] گری بتاؤں جو تم کو ایک دَردناک عذاب سے بچائے، تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں تم اپنے مال و جان سے جہاد کرو، یہ تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے، اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو، اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے، یہ بڑی کامیابی ہے اور ایک اور بھی ہے کہ تم اس کو پسند کرتے ہو، اللہ کی طرف سے مدد اور جلد فتح یابی[12]، اور آپ مومنین کو بشارت[13] دے دیجیے۔

اس آیت میں ایک تجارت کا تذکرہ ہے، جس کا پہلا ثمرہ[14] یہ ہے کہ وہ عذابِ[15] الیم سے نجات دلانے والی ہے، وہ تجارت یہ ہے کہ ہم خدا اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاویں اور خدا کی راہ میں اپنے جان و مال کے ساتھ جہاد کریں، یہ وہ کام ہے جو ہمارے لیے سراسر خیر ہے، اگر ہم میں کچھ بھی عقل[16] وفہم ہو۔ اس معمولی کام پر ہمیں کیا منافع[17] ملے گا؟ ہماری تمام لَغزِشوں[18] اور کوتاہیوں کو ایک دَم معاف کردیا جائے گا اور آخرت میں بڑی بڑی نعمتوں سے سرفراز[19] کیا جائے گا، یہی بہت بڑی کامیابی اور سرفرازی ہے؛ مگر اس پر بس نہیں بلکہ ہماری چاہتی چیز بھی ہمیں دے دی جائے گی اور وہ دنیا کی سرسبزی اور نُصرت و کامیابی اور دشمنوں پر غلبہ وحُکمَرانی ہے۔

حق تعالیٰ نے ہم سے دو چیزوں کا مطالبہ کیا: اوّل یہ کہ ہم خدا اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاویں، دوسرے یہ کہ اپنے جان، مال سے خدا کی راہ میں جہاد کریں اور اس کے بدلے میں دو چیزوں کی ہم سے ضمانت[20]

حل لغات: (۱) دکھلاوا اور شہرت۔ (۲) کام کرنے کا طریقہ۔ (۳) نقشہ۔ (۴) کھینچا تانی۔ (۵) بیقراری۔ (۶) کام کا طریقہ۔ (۷) متوجہ ہونا۔ (۸) کوشش۔ (۹) فائدہ مند۔ (۱۰) بیان کرنا۔ (۱۱) تجارت۔ (۱۲) جیت۔ (۱۳) خوشخبری۔ (۱۴) نتیجہ۔ (۱۵) دردناک عذاب۔ (۱۶) سمجھ۔ (۱۷) فائدے۔ (۱۸) بھول چوک اور غلطیاں۔ (۱۹) یعنی نوازنا۔ (۲۰) ذمہ داری۔

کی: آخرت میں جنت اور اَبدی[1] چین اور راحت اور دنیا میں نُصرت و کامیابی۔ پہلی چیز جو ہم سے مطلوب[2] ہے وہ ایمان ہے، ظاہر ہے کہ ہمارے اس تحریک[3] کا مَنشا[4] بھی یہی ہے کہ ہمیں حقیقی ایمان کی دولت نصیب ہو، دوسری چیز جو ہم سے مطلوب ہے وہ جہاد ہے، جہاد کی اصل اگرچہ کفار کے ساتھ جنگ اور مقابلہ ہے مگر درحقیقت جہاد کا منشا بھی اِعلاءِ کلمۃ[5] اللہ اور احکامِ خداوندی کا نِفاذ[6] اور اِجرا[7] ہے اور یہی ہماری تحریک کا مقصدِ اصلی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ جیسا کہ مرنے کے بعد کی زندگی کا خوشگوار ہونا اور جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہونا، خدا اور رسول ﷺ پر ایمان لانے اور اس کی راہ میں جدوجہد کرنے پر موقوف[8] ہے، ایسا ہی دنیاوی زندگی کی خوشگواری اور دنیا کی نعمتوں سے مُنتَفِع[9] ہونا بھی اس پر موقوف کی ہے کہ ہم خدا اور رسول ﷺ پر ایمان لاویں اور اپنی تمام جِدّوجُہد کو اس کی راہ میں صرف کریں۔ اور جب ہم اس کام کو انجام دے لیں گے یعنی خدا اور رسول پر ایمان لے آویں گے اور اس کی راہ میں جِدّوجُہد کر کے اپنے آپ کو اَعمالِ صالحہ سے آراستہ[10] بنالیں گے تو پھر ہم روئے زمین کی بادشاہت اور خِلافت[11] کے مُستحِق[12] ہوجائیں گے اور سَلطنت وحکومت ہمیں دے دی جائے گی۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ﴾ [سورۂ نور:۵۵]

ترجمہ: ”تم میں جو لوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا، جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو ان کے لیے پسند کیا ہے اس کو ان کے لیے قوت دے گا اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو امن سے بدل دے گا، بشرطیکہ میری بندگی کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں“۔

اس آیت میں تمام اُمت سے وعدہ ہے ایمان وعملِ[13] صالح پر حکومت دینے کا جس کا ظہور عہدِ نبوی سے شروع ہوکر خلافتِ راشدہ تک مُتّصِلاً[14] مُمتَد[15] رہا؛ چنانچہ جزیرۂ عرب آپ ﷺ کے زمانے میں اور دیگر مَمالِک[16] زمانۂ خُلَفاءِ راشدین میں فتح ہوگئے اور بعد میں بھی وقتاً فوقتاً[17] گو[18] اِتّصال[19] نہ ہو، دوسرے صُلَحاء[20] مُلوک وخُلَفاء کے حق میں اس وعدہ کا ظہور ہوتا رہا اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا، جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ﴿اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴾ [سورۂ مائدہ] ونحوہ. [بیان القرآن]

حل لغات: ① ہمیشہ کا۔ ② مانگا گیا۔ ③ یعنی دعوت وتبلیغ کی محنت۔ ④ مقصد۔ ⑤ اللہ کے کلمہ کو بلند کرنا۔ ⑥ لاگو کرنا۔ ⑦ جاری کرنا، چلانا۔ ⑧ یعنی شرط ہے۔ ⑨ فائدہ اٹھانے والا۔ ⑩ سجالینا۔ ⑪ خلیفہ کا عہدہ۔ ⑫ حقدار۔ ⑬ نیک کام۔ ⑭ برابر۔ ⑮ پھیلا رہا۔ ⑯ ملک کی جمع۔ ⑰ کبھی کبھی۔ ⑱ اگرچہ۔ ⑲ لگاتار۔ ⑳ نیک بادشاہ اور خلیفہ۔

پس معلوم ہوا کہ اس دنیا میں چین وراحت اور اِطمینان وسکون اور عزت وآبرو کی زندگی بسر کرنے کی اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں کہ ہم اس طریق پر مضبوطی کے ساتھ کاربند[1] ہوں اور اپنی اِجتماعی اور اِنفرادی ہر قسم کی قوت اس مقصد کی تکمیل[2] کے لیے وَقف[3] کریں۔

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ [سورۂ آل عمران:۱۰۳]	''تم سب دین کو مضبوط پکڑو اور ٹکڑے ٹکڑے مت بنو''۔

یہ ایک مُختصَر ''نظامِ عمل'' ہے، جو درحقیقت اسلامی زندگی اور اَسلاف[4] کی زندگی کا نمونہ ہے۔ ملکِ میوات میں ایک عرصہ سے اس طرز[5] پر کام کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور اس ناتمام کوشش کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ قوم روز بروز تَرَقّی کرتی جارہی ہے، اس کام کے وہ برکات وثَمَرات اس قوم میں مُشاہَدہ[6] کیے گئے جو دیکھنے سے تعَلُّق رکھتے ہیں۔ اگر تمام مسلمان اجتماعی طور پر اس طریقِ زندگی کو اِختیار کرلیں، تو حق تعالیٰ کی ذات سے اُمید ہے کہ ان کی تمام مَصائِب[7] اور مُشکِلات دور ہوجائیں گی اور وہ عزت وآبرو اور اطمینان وسکون کی زندگی پالیں گے اور اپنے کھوئے ہوئے دَبدبے اور وَقار کو پھر حاصل کرلیں گے ﴿وَلِلّٰهِ[8] الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [سورۂ منافقون:۸] ہرچند[9] میں نے اپنے مقصد کو سلجھانے کی کوشش کی، لیکن یہ چَند تجاوِیز[10] کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک عملی نظام کا خاکہ[11] ہے، جس کو اللہ کا ایک برگزیدہ[12] بندہ (سیّدی ومولائی مخدومی ومَخدومُ العَالَم حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ) لے کر کھڑا ہوا اور اپنی زندگی کو اس مُقدَّس کام کے لیے وقف کیا۔ اس لیے آپ کے لیے ضروری ہے کہ آپ ان بے رَبط[13] سُطُور[14] کے پڑھنے اور سمجھنے پر ہرگز اِکتِفاء[15] نہ کریں؛ بلکہ اس کام کو سیکھیں اور اس نظام کا عملی نمونہ دیکھ کر اس سے سبق حاصل کریں اور اپنی زندگی کو اس سانچے[16] میں ڈھالنے کی کوشش کریں، اسی جانب متوجہ کرنا میرا مقصود ہے اور بس۔

میری قِسمت سے الٰہی پائیں یہ رنگِ قبول
پھول کچھ میں نے چُنے ہیں ان کے دَامَن کے لیے

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

حل لغات: (۱) عمل کرنا۔ (۲) پورا کرنا۔ (۳) اللہ کے نام پر لٹادیں۔ (۴) بزرگانِ دین۔ (۵) طریقہ۔ (۶) دیکھنا۔ (۷) مصیبت کی جمع۔ (۸) حالانکہ عزت اللہ ہی کو حاصل ہے اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو۔ (۹) یعنی بہت زیادہ۔ (۱۰) تجویز کی جمع، رائے، فیصلہ۔ (۱۱) نقشہ۔ (۱۲) نیک، مقبول۔ (۱۳) بے جوڑ۔ (۱۴) سطر کی جمع، لکیر۔ (۱۵) کافی سمجھنا۔ (۱۶) یعنی اپنی زندگی میں یہ اعمال پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ [سورۂ احزاب]

اے ایمان والو! حضورِ اقدس ﷺ پر درود اور خوب سلام بھیجو۔



مؤلّفہ

فخر الاماثل زبدۃ الافاضل حضرت مولانا الحاج الحافظ المحدث محمد زکریا صاحبؒ

شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور

جس میں

درود شریف کے فضائل اور نہ پڑھنے پر وعیدیں اور خاص خاص درودوں کے فضائل اور آداب و مسائل اور روضۂ اقدس پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا طریقہ اور درود شریف کے متعلق پچاس قصے ذکر کیے گئے ہیں۔

تمہید

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ حَامِدًا وَمُصَلِّيًا وَمُسَلِّمًا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصّٰلِحٰتُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمَوْجُوْدَاتِ الَّذِيْ قَالَ: أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَأَتْبَاعِهٖ إِلٰى يَوْمِ الْحَشْرِ۔ أما بعد:

اللہ جَلَّ جَلالہٗ عَمَّ نوالہٗ کے لُطف وانعام اور محض اس کے فضل واحسان اوراس کے نیک بندوں کی شفقت اور تَوَجُّہات سے اس ناکارہ ونابکار[1] سِیاہ کار کے قلم سے فضائل کے سِلسلہ میں مُتَعدَّد رسائل لکھے گئے، جونظام الدینؒ کے تبلیغی سلسلہ کے نصاب میں بھی داخل ہیں اوراحباب کے سینکڑوں خطوط سے ان کا بہت زیادہ نافع ہونا معلوم ہوتا رہا، اس ناکارہ کا اس میں کوئی دخل نہیں، اوّلاً محض اللہ جَلَّ شانہٗ کا انعام، ثانیاً اس پاک رسول ﷺ کے کلام کی برکت، جس کے تَرَاجِم ان رسائل میں پیش کیے گئے، ثالثاً ان اللہ والوں کی برکتیں جن کے اِرشَادات سے یہ رسائل لکھے گئے ہیں، یہ اللہ کا محض لطف وکرم ہے کہ ان ساری برکات میں اس ناپاک کی گندگی حائل نہ ہوئی۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهٗ وَلَكَ الشُّكْرُ كُلُّهٗ اَللّٰهُمَّ لَا أُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ.

اس سلسلہ کا سب سے پہلا رسالہ ۱۳۴۸ھ میں ''فضائلِ قرآن'' کے نام سے حضرت اقدس شاہ محمد یٰسین صاحب نگینویؒ[(1)] خلیفہ قُطْبِ عَالَم شَیْخُ الْمَشَائِخ حضرت گنگوہی قُدِّسَ سِرُّہٗ الْعَزِیْز کی تعمیلِ[2] حکم میں لکھا گیا تھا، جیسا کہ اُس رسالہ کے شروع میں تفصیل سے لکھا گیا ہے، حضرت شاہ صاحب نَوَّرَاللہ مَرْقَدہٗ کا وِصال تیس[3] شوال ۶۰ھ شب پنج شنبہ[4] میں ہوا تھا، نَوَّرَاللہ مَرْقَدہٗ واَعْلَی اللہ مَراتِبہٗ۔

(۱) حضرت شاہ صاحبؒ کی ولادت ربیع الاوّل ۱۲۸۵ھ میں ہوئی اس لحاظ سے پچھتر[۷۵] سال کی عمر میں وِصال ہوا۔ نہایت بزرگ، نہایت متواضع، نہایت کم گو، صاحبِ کشف اور صاحبِ تصرُّفات بزرگ تھے۔ اس ناکارہ پر بہت ہی شفقت فرماتے تھے۔ حضرت مَمْدُوح مدرسہ کے سالانہ جلسوں میں نہایت اہتمام سے تشریف لایا کرتے اور جلسہ سے فراغ پر کئی دن اس ناکارہ کے پاس قیام فرماتے، بڑے اہتمام سے اس ناکارہ کے حدیث کے سبق میں بھی تشریف فرما ہوتے۔ اس نابکار کی عادات اسباق میں ڈِبیہ بٹوہ ساتھ لے جانے کی بھی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت مرحوم نے یوں فرمایا کہ میں پان کھانے کو تو منع نہیں کرتا لیکن حدیث پاک کے سبق میں نہ کھایا کریں، اس وقت سے آج تک تقریباً پینتیس سال ہو چکے ہیں، بعض مرتبہ پانچ[۵] چھ[۶] گھنٹہ مسلسل بھی سبق ہوا، لیکن سبق میں کبھی پان کا خیال بھی نہیں آیا، یہ حضرت ہی کا تصرف تھا۔ اس کے علاوہ اور بہت سے واقعات حضرت کی کرامتوں کے سننے میں آئے ہیں۔ رَفَعَ اللہ دَرَجاتہٗ۔

حل لغات: (۱) نکّما۔ (۲) حکم پورا کرنا۔ (۳) جمعرات کی رات۔

حضرتؒ نے اپنے وِصَال[1] کے وقت اپنے اَجَلّ[2] خلیفہ مولانا الحاج عبدالعزیزؒ دعاجو کے ذریعہ یہ پیام اور وَصِیَّت بھیجی کہ جس طرح ''فضائلِ قرآن'' لکھا گیا ہے میری خواہش ہے کہ اسی طرح ''فضائلِ درود شریف'' بھی لکھ دے، حضرت شاہ صاحب نَوَّرَاللہُ مَرقَدَہٗ کے وصال کے بعد مولانا عبدالعزیز صاحبؒ بار بار اس وصیت کی یاددِہَانی اور تعمیل پر اِصرَار کرتے رہے اور یہ ناکارہ بھی اپنی نااہلیت کے باوجود دل سے خواہش کرتا رہا کہ یہ سعادت مُیسر ہوجائے۔شاہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات کا اِصْرَار ہوتا رہا مگر اس ناکارہ پر سَیِّدُالکَونَینْ فخرالرُّسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی جلالتِ شان کا کچھ ایسا رُعب طاری رہا کہ جب بھی اس کا ارادہ کیا، یہ خوف طاری ہوا کہ مَبَادا[3] کوئی چیز شانِ عالی کے خلاف نہ لکھی جائے، اسی لَیتَ وَلَعَلّ[4] میں گذشتہ سال عزیزی مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے اِصْرَار پر تیسری مرتبہ حجَاز کی حاضری مُیسّر ہوئی اور اللہ کے فضل سے چوتھے حج کی سعادت حاصِل ہوئی، حج سے فراغ پر جب مدینہ پاک حاضری ہوئی، تو وہاں پہونچ کر بار بار دل میں یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ ''فضائل درود شریف'' نہ لکھنے کا کیا جواب ہے؟ ہر چند[5] کہ میں اپنے اَعْذَار سوچتا تھا، لیکن بار بار اس قلبی سوال پر یہ ناکارہ پُختہ ارادہ کرکے آیا تھا کہ سفر سے واپسی پر ان شاء اللہ اس مبارک رسالہ کی تکمیل کی کوشش کروں گا، مگر ''خوئے بَدرَا[6] بہانہ بِسیار'' یہاں واپسی پر بھی اِمروز[7] وفَردَا ہوتا رہا، اس مبارک مہینے میں اس دَاعِیَہ[8] نے پھر عَود[9] کیا، تو آج پچیس[25] رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ آخری جمعہ کو جمعہ کی نماز کے بعد اللہ کے نام سے ابتداء تو کرہی دی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے تکمیل کی توفیق عطا فرمائے اور اس رسالے میں اور اس سے پہلے جتنے رسائل لکھے گئے ہیں یا عربی کی کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں جو لغزشیں ہوئی ہوں، محض اپنے لطف وکرم سے ان کو معاف فرمائیں۔

اس رسالہ کو چند فُصول اور ایک خاتمہ پر لکھنے کا خیال ہے: پہلی فصل میں فضائل درود شریف، دوسری فصل میں خاص خاص درود شریف کے خاص فضائل، تیسری فصل میں درود شریف نہ پڑھنے کی وعیدیں، چوتھی فصل فوائدِ مُتَفرِّقَہ[10] میں، پانچویں فصل حکایات میں۔حق تعالیٰ شانہٗ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے، اس رسالہ کے دیکھنے سے ہر شخص خود ہی محسوس کرلے گا کہ درود شریف کتنی بڑی دولت ہے اور اس میں کوتاہی کرنے والے کتنی بڑی سعادت سے محروم ہیں۔

فصل اول: درود شریف کے فضائل میں

اس میں سب سے اہم اور سب سے مُقَدَّم[11] تو خود حق تعالیٰ شانہٗ جَلَّ جَلالہٗ عَمَّ نَوالہٗ کا پاک ارشاد اور حکم ہے،

حل لغات: (۱) انتقال۔ (۲) بڑے۔ (۳) خدانخواستہ۔ (۴) آج کل۔ (۵) ہر طرح سے۔ (۶) بُری عادت کے لیے بہت سے بہانے ہیں۔ (۷) آج کل۔ (۸) خواہش۔ (۹) لوٹنا۔ (۱۰) الگ الگ۔ (۱۱) پہلے۔

چنانچہ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے: (۱) اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ [سورۂ احزاب] بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر پر، اے ایمان والو! تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔ [بیان القرآن]

فائدہ: حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن پاک میں بہت سے اَحکامات ارشاد فرمائے، نماز، روزہ، حج وغیرہ اور بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کی توصیفیں[۱] اور تعریفیں بھی فرمائیں، ان کے بہت سے اِعزاز واِکرام بھی فرمائے، حضرت آدم علیٰ نَبِیِّنَا وَعَلَیہِ الصَّلٰوۃ وَالسَّلام کو پیدا فرمایا تو فرشتوں کو حکم فرمایا کہ ان کو سجدہ کیا جائے، لیکن کسی حکم یا کسی اِعزَاز واِکرَام میں یہ نہیں فرمایا کہ میں بھی یہ کام کرتا ہوں تم بھی کرو، یہ اعزاز صِرف سَیِّدِ الکَونین فخرِ عالم ﷺ ہی کے لیے ہے کہ اللہ جلَّ شانہٗ نے صلوٰۃ کی نسبت اَوَّلاً اپنی طرف، اس کے بعد اپنے پاک فرشتوں کی طرف کرنے کے بعد مسلمانوں کو حکم فرمایا کہ اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں، اے مومنو! تم بھی درود بھیجو، اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی کہ اس عمل میں اللہ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ مؤمنین کی شرکت ہے، پھر عربی داں[۲] حضرات جانتے ہیں کہ آیت شریفہ کو لفظ "اِنَّ" کے ساتھ شروع فرمایا، جو نہایت تاکید پر دلالت کرتا ہے اور صیغۂ مُضَارِع کے ساتھ ذکر فرمایا جو اِستِمرار[۳] اور دَوام پر دلالت کرتا ہے، یعنی یہ قطعی چیز ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے ہمیشہ درود بھیجتے رہتے ہیں نبی پر۔ علامہ سخاویؒ لکھتے ہیں کہ آیتِ شریفہ مضارع کے صیغہ کے ساتھ جو دلالت کرنے والا ہے استمرار اور دوام پر دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ اللہ اور اس کے فرشتے ہمیشہ درود بھیجتے رہتے ہیں نبیٔ کریم ﷺ پر۔ صاحب روح البیانؒ لکھتے ہیں: بعض علماء نے لکھا ہے کہ اللہ کے درود بھیجنے کا مطلب حضورِ اقدس ﷺ کو مقامِ محمود تک پہونچانا ہے اور وہ مقامِ شَفَاعت ہے۔ اور ملائکہ کے درود کا مطلب ان کی دُعا کرنا ہے حضورِ اقدس ﷺ کی زیادتیٔ مرتبہ کے لیے اور حضور ﷺ کی اُمت کے لیے اِستِغفار اور مومنین کے درود کا مطلب حضور ﷺ کا اِتّباع اور حضورِ اقدس ﷺ کے ساتھ محبت اور حضور ﷺ کے اوصافِ[۴] جمیلہ کا تذکرہ اور تعریف، یہ بھی لکھا ہے کہ یہ اعزاز واکرام جو اللہ جلَّ شانہٗ نے حضور ﷺ کو عطا فرمایا ہے، اس اعزاز سے بہت بڑھا ہوا ہے، جو حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کرا کر عطا فرمایا تھا؛ اس لیے کہ حضورِ اقدس ﷺ کے اس اعزاز واکرام میں اللہ جلَّ شانہٗ خود بھی شریک ہیں، بخلاف حضرت آدم علیہ السلام کے اِعزاز کے کہ وہاں صرف فرشتوں کو حکم فرمایا۔

عقل[۵] دُور اندیش مِیدَاند کہ تشریفے چُنیں　　ہیچ دِیں پَرور ندید وَہیچ پیغمبر نیَافت

یُصَلِّي[۶] عَلَيْهِ اللّٰهُ جَلَّ جَلَالُهٗ　　بِهٰذَا بَدَا لِلْعَالَمِيْنَ كَمَالُهٗ

حل لغات: (۱) خوبیاں بیان کرنا۔ (۲) عربی جاننے والا۔ (۳) لگاتار اور ہمیشہ ہونا۔ (۴) اچھی صفات۔ (۵) عقل دور اندیش جانتی ہے کہ ایسی عزت افزائی نہ کسی دیندار نے دیکھی اور نہ کسی نبی نے پائی۔ (۶) اللہ جل جلالہ آپ ﷺ پر رحمت بھیجتے ہیں، اس سے دنیا کے سامنے آپ کا کمال واضح ہوگیا۔

علماء نے لکھا ہے کہ آیت شریفہ میں حضور ﷺ کو نبی کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا، محمد کے لفظ سے تعبیر نہیں کیا، جیسا کہ اور انبیاء کو ان کے اَسماء کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، یہ حضور اقدس ﷺ کی غایتِ عظمت اور غایتِ شرافت کی وجہ سے ہے، اور ایک جگہ جب حضور ﷺ کا ذکر حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ السلام کے ساتھ آیا، تو ان کو تو نام کے ساتھ ذکر کیا اور آپ ﷺ کو نبی کے لفظ سے، جیسا کہ ﴿ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرَاهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ ﴾ [سورۂ آل عمران: ۶۸] میں ہے اور جہاں کہیں نام لیا گیا ہے وہ خصوصی مَصْلِحَتْ کی وجہ سے لیا گیا ہے، عَلَّامَہ سَخَاوِیؒ نے اس مضمون کو تفصیل سے لکھا ہے۔

یہاں ایک بات قابلِ غور یہ ہے کہ ''صَلوٰۃ'' کا لفظ جو آیت شریفہ میں وارد ہوا ہے اور اس کی نسبت اللہ جلَّ شانہٗ کی طرف اور اس کے فرشتوں کی طرف اور مؤمنین کی طرف کی گئی ہے، وہ ایک مُشْتَرَک[1] لفظ ہے جو کئی معنی میں مُسْتَعْمَل[2] ہوتا ہے اور کئی مَقَاصِدْ اس سے حاصل ہوتے ہیں، جیسا کہ صاحبِ رُوح البیان کے کلام میں بھی گذر چکا۔ علماء نے اس جگہ ''صَلوٰۃ'' کے بہت سے معنیٰ لکھے ہیں، ہر جگہ جو معنیٰ اللہ تعالیٰ شانہٗ اور فرشتوں اور مومنین کے حال کے مُنَاسِبْ ہوں گے وہ مراد ہوں گے، بعض علماء نے لکھا ہے کہ ''صَلوٰۃ عَلَی النَّبِی'' کا مطلب نبی کی ثناء و تعظیم رحمت و عُطُوفَت[3] کے ساتھ ہے، پھر جس کی طرف یہ صلوٰۃ منسوب ہوگی، اسی کے شان و مرتبہ کے لائق ثناء و تعظیم مراد لی جائے گی، جیسا کہ کہتے ہیں کہ باپ بیٹے پر، بیٹا باپ پر، بھائی بھائی پر مہربان ہے، تو ظاہر ہے کہ جس طرح کی مہربانی باپ کی بیٹے پر ہے اس نوع[4] کی بیٹے کی باپ پر نہیں؛ اور بھائی کی بھائی پر دونوں سے جدا ہے، اسی طرح یہاں بھی اللہ جلَّ شانہٗ بھی نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجتا ہے، یعنی رحمت و شفقت کے ساتھ آپ کی ثنا و اعزاز و اکرام کرتا ہے اور فرشتے بھی بھیجتے ہیں، مگر ہر ایک کی صلوٰۃ اور رحمت و تکریم اپنی شان و مرتبے کے مُوَافِقْ ہوگی آگے مؤمنین کو حکم ہے کہ تم بھی صلوٰۃ اور رحمت بھیجو۔ امام بخاریؒ نے اَبُوالْعَالِیَہؒ سے نقل کیا ہے کہ اللہ کے درود کا مطلب اس کا آپ کی تعریف کرنا ہے فرشتوں کے سامنے اور فرشتوں کا درود اُن کا دُعا کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿يُصَلُّوْنَ﴾ کی تفسیر یُبَرِّکُوْنَ نقل کی گئی ہے، یعنی برکت کی دُعا کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ یہ قول ابو العالیہ کے مُوَافِقْ ہے البتہ اس سے خاص ہے۔ حافظؒ نے دوسری جگہ ''صلوٰۃ'' کے کئی معنی لکھ کر لکھا ہے کہ ابو العالیہ کا قول میرے نزدیک زیادہ اَوْلیٰ[5] ہے کہ اللہ کی صلوٰۃ سے مراد اللہ کی تعریف ہے حضور ﷺ پر، اور ملائکہ وغیرہ کی صلوٰۃ اس کی اللہ سے طلب ہے اور طلب سے مراد زیادتی کی طلب ہے نہ کہ اصل کی طلب اھ۔ حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا، یعنی التحیات میں جو پڑھا جاتا ہے [اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ

حل لغات: (۱) یعنی وہ لفظ جس کے کئی معنی ہوں۔ (۲) استعمال کیا جاتا ہے۔ (۳) مہربانی۔ (۴) قسم۔ (۵) بہتر۔

وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ] صلوٰۃ کا طریقہ بھی ارشاد فرما دیجیے، آپ ﷺ نے یہ درود شریف ارشاد فرمایا: [اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ. اِلخ ....] فصل ثانی کی حدیث نمبر ایک پر یہ درود مُفصَّل آرہا ہے، یعنی اللہ جلَّ شانہٗ نے مومنین کو حکم دیا تھا کہ تم بھی نبی پر صلوٰۃ بھیجو، نبی ﷺ نے اس کا طریقہ بتا دیا ہے کہ تمہارا بھیجنا یہی ہے کہ تم اللہ ہی سے درخواست کرو کہ وہ اپنی بیش اَز بیش[1] رحمتیں اَبدُالآباد[2] تک نبی پر نازل فرماتا رہے، کیونکہ اس کی رحمتوں کی کوئی حد و نہایت نہیں، یہ بھی اللہ کی رحمت ہے کہ اس درخواست پر جو مزید رحمتیں نازل فرمائے، وہ ہم عاجز و ناچیز بندوں کی طرف منسوب کر دی جائیں، گویا ہم نے بھیجی ہیں، حالانکہ ہر حال میں رحمت بھیجنے والا وہی اکیلا ہے، کسی بندے کی کیا طاقت تھی کہ سیّد الانبیاء کی بارگاہ میں ان کے رُتبے کے لائق تحفہ پیش کر سکتا۔ حضرت شاہ عبد القادر صاحب نور اللہ مرقدہٗ لکھتے ہیں "اللہ سے رحمت مانگنی اپنے پیغمبر پر اور ان کے ساتھ ان کے گھرانہ پر بڑی قبولیت رکھتی ہے، ان پر ان کے لائق رحمت اُترتی ہے اور ایک دفعہ مانگنے سے دس رحمتیں اُترتی ہیں مانگنے والے پر، اب جس کا جتنا بھی جی چاہے اتنا حاصل کر لے" اھ۔ مختصراً یہ حدیث جس کی طرف شاہ صاحبؒ نے اشارہ فرمایا عنقریب نمبر تین پر آرہی ہے۔ اس مضمون سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بعض جاہلوں کا یہ اعتراض کہ آیتِ شریفہ میں مسلمانوں کو حضور ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنے کا حکم ہے اور اس پر مسلمانوں کا [اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ] "اے اللہ تو درود بھیج محمد ﷺ پر" مضحکہ خیز[3] ہے، یعنی جس چیز کا حکم دیا تھا اللہ نے بندوں کو، وہی چیز اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف لوٹا دی بندوں نے، چونکہ اول تو خود حضور اقدس ﷺ نے آیتِ شریفہ کے نازل ہونے پر جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کی تعمیل کی صورت دریافت کی، تو حضور اقدس ﷺ نے یہی تعلیم فرمایا جیسا کہ اوپر گذرا۔ نیز جیسا کہ فصلِ ثانی کی حدیث نمبر ایک پر مُفصَّل آرہا ہے۔ دوسرا اس وجہ سے کہ ہمارا یہ درخواست کرنا اللہ جلَّ شانہٗ سے کہ تو اپنی رحمت خاص نازل کر، یہ اس سے بہت ہی زیادہ اونچا ہے کہ ہم اپنی طرف سے کوئی ہدیہ حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجیں۔ علامہ سخاویؒ قول بدیع میں تحریر فرماتے ہیں:

فائدۂ مُہِمّہ[4]: امیر مصطفیٰ ترکمانی حنفی کی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ نے ہمیں درود کا حکم فرمایا ہے اور ہم یوں کہہ کر کہ [اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ] خود اللہ جلَّ شانہٗ سے اُلٹا سوال کریں کہ وہ درود بھیجے، یعنی نماز میں ہم [اُصَلِّيْ عَلٰى مُحَمَّدٍ] کی جگہ [اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ] پڑھیں، اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی پاک ذات میں کوئی عیب نہیں اور ہم سراپا عیوب ونقائص[5] ہیں، پس جس شخص میں بہت عیب ہوں، وہ ایسے شخص کی کیا ثناء[6] کرے جو پاک ہے، اس لیے ہم اللہ ہی سے درخواست کرتے ہیں کہ وہی حضور ﷺ پر صلوٰۃ بھیجے، تا کہ ربِّ طاہر[7] کی طرف سے نبئ طاہر پر

حل لغات: (۱) زیادہ سے زیادہ۔ (۲) ہمیشہ ہمیش۔ (۳) ہنسی مذاق کا سبب۔ (۴) اہم۔ (۵) برائی۔ (۶) تعریف کرنا۔ (۷) پاک۔

صلوٰۃ ہو۔ ایسے ہی عَلّامہ نَیْشَاپوریؒ سے بھی نقل کیا ہے کہ ان کی کتاب لطَائِف وحِکَم میں لکھا ہے کہ آدمی کو نماز میں [صَلَّيْتُ عَلٰى مُحَمَّدٍ] نہ پڑھنا چاہیے، اس واسطے کہ بندہ کا مرتبہ اس سے قاصِر[1] ہے، اس لیے اپنے رب ہی سے سوال کرے کہ وہ حضور ﷺ پر صلوٰۃ بھیجے، تو اس صورت میں رحمت بھیجنے والا تو حقیقت میں اللہ جلّ شانہٗ ہی ہے اور ہماری طرف اس کی نِسبَت مَجازاً بحیثیت دعا کے ہے۔ اِبنِ اَبِی حَجَلَہؒ نے بھی اسی قسم کی بات فرمائی ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ جلّ شانہٗ نے ہمیں درود کا حکم فرمایا اور ہمارا درود حق واجب تک نہیں پہونچ سکتا تھا، اس لیے ہم نے اللہ جلّ شانہٗ ہی سے درخواست کی کہ وہی زیادہ واقف[2] ہے اس بات سے کہ حضور ﷺ کے درجہ کے مُوافق کیا چیز ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسا دوسری جگہ [لَا أُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ] حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ یا اللہ! میں آپ کی تعریف کرنے سے قاصر ہوں، آپ ایسے ہی ہیں جیسا کہ آپ نے اپنی خود ثنا[3] فرمائی ہے۔ عَلّامہ سَخَاویؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ بات معلوم ہوگئی، تو جس طرح حضور ﷺ نے تلقین[4] فرمایا ہے، اسی طرح تیرا درود ہونا چاہیے کہ اسی سے تیرا مرتبہ بلند ہوگا اور نہایت کثرت سے درود شریف پڑھنا چاہیے اور اس کا بہت اہتمام اور اس پر مُداوَمت[5] چاہیے، اس لیے کہ کثرتِ درود محبت کی علامات میں سے ہے [فَمَنْ أَحَبَّ شَيْئًا أَكْثَرَ مِنْ ذِكْرِهٖ] (جس کو کسی سے محبت ہوتی ہے اس کا ذکر بہت کثرت سے کیا کرتا ہے) اھ مختصراً۔

عَلّامہ سَخَاویؒ نے امام زین العابدینؒ سے نقل کیا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ پر کثرت سے درود بھیجنا اہل سنت ہونے کی علامت ہے (یعنی سنی ہونے کی)۔

عَلّامہ زُرقَانیؒ شرحِ مَواہِب میں نقل کرتے ہیں کہ مقصود درود شریف سے اللہ تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ میں اس کے اِمتثالِ[6] حکم سے تقرُّب[7] حاصل کرنا ہے اور حضورِ اقدس ﷺ کے حقوق جو ہم پر ہیں اس میں سے کچھ کی ادائیگی ہے۔ حافظ عزالدین بن عبدالسلامؒ کہتے ہیں کہ ہمارا درود حضور ﷺ کے لیے سفارش نہیں ہے؛ اس لیے کہ ہم جیسا حضور کے لیے سفارش کیا کرسکتا ہے؟ لیکن بات یہ ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے ہمیں مُحسِن[8] کے احسان کے بدلہ دینے کا حکم دیا ہے اور حضور ﷺ سے بڑھ کر کوئی محسن اعظم نہیں۔ ہم چونکہ حضور ﷺ کے احسانات کے بدلہ سے عاجز تھے۔ اللہ جلّ شانہٗ نے ہمارا عِجز[9] دیکھ کر ہم کو اس کی مُکافَات[10] کا طریقہ بتایا کہ درود پڑھا جائے اور چونکہ ہم اس سے بھی عاجز تھے، اس لیے ہم نے اللہ جلّ شانہٗ سے درخواست کی کہ تو اپنی شان کے موافق مُکافَات فرما۔ اھ مختصراً۔

چونکہ قرآن پاک کی آیت بالا[11] میں درود شریف کا حکم ہے اس لیے علماء نے درود شریف پڑھنے کو

حل لغات: (۱) کم۔ (۲) جاننے والا۔ (۳) تعریف۔ (۴) بتلانا۔ (۵) پابندی۔ (۶) حکم پورا کرنا۔ (۷) قُرب، نزدیکی۔ (۸) احسان کرنے والا۔ (۹) بے بسی، کمزوری۔ (۱۰) بھرپائی۔ (۱۱) اوپر۔

واجب لکھا ہے جس کی تفصیل چوتھی فصل میں فائدہ نمبر ایک پر آئے گی۔ یہاں ایک اِشکال[1] پیش آتا ہے جس کو عَلّامہ رازیؒ نے تفسیرِ کبیر میں لکھا ہے کہ جب اللہ جلَّ شانہٗ اور اس کے ملائکہ حضور ﷺ پر درود بھیجتے ہیں تو پھر ہمارے درود کی کیا ضرورت رہی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا حضور ﷺ پر درود حضور ﷺ کی اِحتیاج[2] کی وجہ سے نہیں، اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے درود کے بعد فرشتوں کے درود کی بھی ضرورت نہ رہتی؛ بلکہ ہمارا درود حضورِ اقدس ﷺ کی اظہارِ عظمت کے واسطے ہے جیسا کہ اللہ جلَّ شانہٗ نے اپنے پاک ذکر کا بندوں کا حکم کیا؛ حالانکہ اللہ جلَّ شانہٗ کو اس کے پاک ذکر کی بالکل ضرورت نہیں۔ اھ مختصراً۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ مجھ سے بعض لوگوں نے یہ اشکال کیا کہ آیتِ شریفہ میں صلوٰۃ کی نسبت تو اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے سلام کی نہیں کی گئی، میں نے اس کی وجہ بتائی کہ شاید اس وجہ سے کہ سلام دو معنیٰ میں مُستعمل ہوتا ہے: ایک دعاء میں دوسرے اِنقیاد و اِتّباع[3] میں، مومنین کے حق میں دونوں معنیٰ صحیح ہو سکتے تھے، اس لیے ان کو اس کا حکم کیا گیا اور اللہ اور فرشتوں کے لحاظ سے تابعداری کے معنیٰ صحیح نہیں ہو سکتے تھے، اس لیے اس کی نسبت نہیں کی گئی۔ اس آیتِ شریفہ کے متعلق علامہ سَخاویؒ نے ایک بہت ہی عِبرتناک قصّہ لکھا ہے، وہ احمد یمانیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ میں صَنعَاء میں تھا، میں نے دیکھا کہ ایک شخص کے گِرد بڑا مجمع ہو رہا ہے، میں نے پوچھا: یہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے بتایا: یہ شخص بڑی اچھی آواز سے قرآن پڑھنے والا تھا۔ قرآن پڑھتے ہوئے جب اس آیت پر پہونچا تو [يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ] کے بجائے [يُصَلُّوْنَ عَلٰى عَلِيِّ النَّبِيِّ] پڑھ دیا۔ جس کا ترجمہ یہ ہوا کہ اللہ اور اس کے فرشتے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر درود بھیجتے ہیں جو نبی ہیں (غالباً پڑھنے والا رافضی[4] ہوگا) اس کے پڑھتے ہی گونگا ہو گیا، بَرَص اور جُذام یعنی کوڑھ[5] کی بیماری میں مُبتلا ہو گیا اور اندھا اور اَپاہج ہو گیا۔ اھ۔ بڑی عبرت کا مقام ہے اللہ ہی محفوظ رکھے، اپنی پاک بارگاہ میں اور اپنے پاک کلام میں اور پاک رسولوں کی شان میں بے ادبی سے ہم لوگ اپنی جہالت اور لاپرواہی سے اس کی بالکل پرواہ نہیں کرتے کہ ہماری زبان سے کیا نکل رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہی اپنی پکڑ سے محفوظ رکھے۔

(۲) ﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى﴾ [سورۂ نمل: ۵۹]	آپ کہیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے سزاوار[6] ہیں اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جس کو اُس نے مُنتخب[7] فرمایا ہے۔ [بیان القرآن]

فائدہ: علماء نے لکھا ہے کہ یہ آیتِ شریفہ اگلے مضمون کے لیے بطور خطبہ کے ارشاد ہے، اس آیت شریفہ میں حضورِ اقدس ﷺ کو اللہ کی تعریف اور اللہ کے مُنتخب بندوں پر سلام کا حکم کیا گیا ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم فرمایا ہے کہ سلام بھیجیں اللہ کے مُختار بندوں پر،

حل لغات: (۱) سوال۔ (۲) ضرورت۔ (۳) پیروی۔ (۴) شیعوں کا ایک فرقہ۔ (۵) خون کی خرابی سے پیدا ہو جانے والی ایک بیماری جس میں یا تو بدن پر سفید داغ پڑ جاتے ہیں یا جسم کے حصوں پر سوجن پیدا ہو کر انگلیاں وغیرہ گرنے لگتی ہیں۔ (۶) مناسب۔ (۷) چُن لیا۔

اور وہ اس کے رسول اور انبیاء کرام ہیں، جیسا کہ عبد الرحمٰن بن زین بن اسلم رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ﴿ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ﴾ سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں جیسا کہ دوسری جگہ اللہ کے پاک ارشاد ﴿ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴾ [سورۂ صافات: ۱۸۰ تا ۱۸۲] میں ارشاد ہے اور امام ثوری وسُدِّی رحمہما اللہ وغیرہ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ اس سے مراد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ قول نقل کیا گیا ہے اور ان دونوں میں کوئی مُنافات[2] نہیں کہ اگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کے مِصداق ہیں تو انبیاء کرام علیہم السلام اس میں بَطریقِ اَولیٰ[3] داخل ہیں۔ اھ۔

(۳) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً وَّاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشَرًا.	حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے اللہ جلَّ شانہٗ اس پر دس دفعہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔

[رواه مسلم وأبوداؤد وابن حِبّان في صحيحه وغيرهم كذا في الترغيب]

فائدہ: اللہ جلَّ شانہٗ کی طرف سے تو ایک ہی درود اور ایک ہی رحمت ساری دنیا کے لیے کافی ہے، چہ جائے کہ ایک دفعہ درود پڑھنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس رحمتیں نازل ہوں، اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت درود شریف کی ہوگی کہ اس کے ایک دفعہ درود پڑھنے پر اللہ جلَّ شانہٗ کی طرف سے دس دفعہ رحمتیں نازل ہوں، پھر کتنے خوش قسمت ہیں وہ اکابِر جن کے معمولات میں روزانہ سوا لاکھ (۱۲۵۰۰۰) درود شریف کا معمول ہو، جیسا کہ میں نے اپنے بعض خاندانی اکابِر کے متعلق سنا ہے۔

علامہ سخاویؒ نے عامر بن رَبیعَہ رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ جلَّ شانہٗ اس پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے۔ تمھیں اختیار ہے جتنا چاہے کم بھیجو جتنا چاہے زیادہ۔ اور یہی مضمون عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی نقل کیا گیا ہے اور اس میں یہ اِضافہ ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے دس دفعہ درود بھیجتے ہیں اور بھی مُتعَدَّد صحابہ رضی اللہ عنہم سے علامہ سخاویؒ نے یہ مضمون نقل کیا ہے اور ایک جگہ لکھتے ہیں کہ جیسا اللہ جلَّ شانہٗ نے حضورِ اقدس ﷺ کے پاک نام کو اپنے پاک نام کے ساتھ کلمۂ شہادت میں شریک کیا اور آپ ﷺ کی اِطاعت[4] کو اپنی اطاعت، آپ ﷺ کی محبت کو اپنی محبت قرار دیا، ایسے ہی آپ ﷺ پر درود کو اپنے درود کے ساتھ شریک فرمایا، پس جیسا کہ اپنے ذکر کے متعلق فرمایا: ﴿ اُذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ ﴾ [سورۂ بقرہ: ۱۵۲] ایسے ہی درود کے بارے میں ارشاد فرمایا جو آپ ﷺ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے۔

ترغیب کی ایک روایت میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص حضور ﷺ پر ایک

حل لغات: (۱) تمہارا پروردگار عزت کا مالک ان سب باتوں سے پاک جو یہ لوگ بناتے ہیں اور سلام ہو پیغمبروں پر اور تمام تر تعریف اللہ کی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ (۲) ایک دوسرے کے خلاف ہونا۔ (۳) بہتر طریقے سے۔ (۴) فرمانبرداری۔

دفعہ دورد بھیجے اللہ تعالیٰ شانہٗ اور اس کے فرشتے اس پر ستّر دفعہ درود (رحمت) بھیجتے ہیں۔ یہاں ایک بات سمجھ لینا چاہیے کہ کسی عمل کے مُتَعلِّق اگر ثواب کے متعلق کمی زیادتی ہو جیسا یہاں ایک حدیث میں دس اور ایک میں ستّر آیا ہے تو اس کے متعلق بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ چونکہ اللہ جلَّ شانہٗ کے اِحسانات اُمَّتِ محمدیہ ﷺ پر روز اَفزوں[1] ہوئے ہیں، اس لیے جن روایتوں میں ثواب کی زیادتی ہے وہ بعد کی ہیں، گویا اَوّلاً حق تعالیٰ شانہٗ نے دس کا وعدہ فرمایا، بعد میں ستّر کا۔ اور بعض علماء نے اس کو اَشخاص[2] اور اَحوال اور اوقات کے اعتبار سے کم وبیش بتایا ہے۔ ''فضائلِ نماز'' میں جماعت کی نماز میں پچیس گنے اور ستائیس گنے کے اختلاف کے بارے میں یہ مضمون گذر چکا ہے۔ مُلَّا علی قاریؒ نے ستّر والی روایت کے متعلق لکھا ہے کہ شاید یہ جمعہ کے دن کے ساتھ مخصوص ہے؛ اس لیے کہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ نیکیوں کا ثواب جمعہ کے دن ستّر گنا ہوتا ہے۔

④ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلْيُصَلِّ عَلَيَّ ، وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ مَرَّةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرًا . وَفِيْ رِوَايَةٍ : مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلٰوةً وَّاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ ، وَّحَطَّ عَنْهُ عَشْرَ سَيِّئَاتٍ وَّرَفَعَهٗ بِهَا عَشْرَ دَرَجَاتٍ .	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس کے سامنے میرا تذکرہ آوے اس کو چاہیے کہ مجھ پر درود بھیجے اور جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے گا اللہ جلَّ شانہٗ اس پر دس دفعہ درود بھیجے گا اور اس کی دس خطائیں معاف کرے گا اور اس کے دس درجے بلند کرے گا۔

[رواه أحمد والنسائي واللفظ لهٗ وابن حِبّان في صحيحه كذا في الترغيب]

فائدہ: عَلَّامہ مُنذِریؒ نے ترغیب میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی یہی مضمون نقل کیا ہے اور اس میں اتنا اِضافہ ہے کہ یہ اس کے لیے دس غلام آزاد کرنے کے بقدر ہوگا۔ اور طَبَرانی کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے اور جو مجھ پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ جلَّ شانہٗ اس پر سو مرتبہ درود بھیجتا ہے اور جو مجھ پر سو دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ جلَّ شانہٗ اس کی پیشانی پر ''بَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ'' لکھ دیتے ہیں، یعنی یہ شخص نفاق سے بھی بری ہے اور جہنم سے بھی بری ہے اور قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ اس کا حشر فرمائیں گے۔ علامہ سَخاویؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: جو مجھ پر دس دفعہ درود بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اس پر سو دفعہ درود بھیجیں گے اور جو مجھ پر سو دفعہ درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر ہزار دفعہ درود بھیجیں گے اور جو عشق وشوق میں اس پر زیادتی کرے گا، میں اس کے لیے قیامت کے دن سفارشی ہوں گا اور گواہ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

حل لغات: ① آئے دن زیادہ۔ ② لوگوں۔

سے مختلف الفاظ کے ساتھ یہ مضمون نقل کیا گیا ہے کہ ہم چار[4] پانچ[5] آدمیوں میں سے کوئی نہ کوئی شخص حضورِ اقدس ﷺ کے ساتھ رہتا تھا، تاکہ کوئی ضرورت اگر حضورِ اقدس ﷺ کو پیش آئے تو اس کی تعمیل[1] کی جائے، ایک دفعہ حضورِ اقدس ﷺ کسی باغ میں تشریف لے گئے، میں بھی پیچھے پیچھے حاضر ہو گیا، حضورِ اقدس ﷺ نے وہاں جا کر نماز پڑھی اور اتنا طویل[2] سجدہ کیا مجھے یہ اَندیشہ[3] ہوا کہ حضورِ اقدس ﷺ کی رُوح پرواز[4] کر گئی، میں اس تصوّر[5] سے رونے لگا، حضور ﷺ کے قریب جا کر حضور ﷺ کو دیکھا، حضور ﷺ نے سجدہ سے فارغ ہو کر دریافت[6] فرمایا: عبدالرحمٰن کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے اتنا طویل سجدہ کیا کہ مجھے اَندیشہ ہوا کہ کہیں (خدانخواستہ) آپ ﷺ کی رُوح تو پرواز نہیں کر گئی، حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جلَّ شانہٗ نے میری اُمت کے بارے میں مجھ پر ایک انعام فرمایا ہے، اس کے شُکرانہ میں اتنا طویل سجدہ کیا وہ انعام یہ ہے کہ اللہ جلَّ شانہٗ نے یوں فرمایا کہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے اللہ جلَّ شانہٗ اس کے لیے دس[10] نیکیاں لکھیں گے اور دس[10] گناہ معاف فرمائیں گے۔ ایک روایت میں اِسی قِصّہ میں ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کہ عبدالرحمٰن کیا بات ہے؟ میں نے اپنا اندیشہ ظاہر کیا، حضور ﷺ نے فرمایا ابھی جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے اور مجھ سے یوں کہا کہ کیا تمہیں اس سے خوشی نہیں ہو گی کہ اللہ جلَّ شانہٗ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جو تم پر درود بھیجے گا میں اس پر درود بھیجوں گا اور جو تم پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلام بھیجوں گا۔ [کذا فی الترغیب] عَلَّامَہ سخاویؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اِسی قسم کا مضمون نقل کیا ہے۔

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ بہت ہی بَشَّاش[7] تشریف لائے، چہرۂ انور پر بَشاشَت[8] کے اَثرات تھے۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کے چہرۂ انور پر آج بہت ہی بشاشت ظاہر ہو رہی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا صحیح ہے، میرے پاس میرے رب کا پیام آیا ہے، جس میں اللہ جلَّ شانہٗ نے یوں فرمایا ہے کہ تیری اُمت میں سے جو شخص ایک دفعہ درود بھیجے گا اللہ جلَّ شانہٗ اس کے لیے دس[10] نیکیاں لکھے گا اور دس[10] سَیِّئَات[9] اس سے مٹائیں گے اور دس[10] درجہ اس کے بَلَنْد کریں گے۔ ایک روایت میں اسی قصہ میں ہے کہ تیری اُمت میں سے جو شخص ایک دفعہ درود بھیجے گا میں اس پر دس[10] دفعہ درود بھیجوں گا اور جو مجھ پر ایک دفعہ سلام بھیجے گا میں اس پر دس[10] دفعہ سلام بھیجوں گا۔ ایک اور روایت میں اسی قصہ میں ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ کا چہرۂ انور بَشاشَت سے بہت ہی چمک رہا تھا اور خوشی کے انوار[10] چہرۂ انور پر بہت ہی محسوس ہو رہے تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! جتنی خوشی آج چہرۂ انور پر محسوس ہو رہی ہے اتنی تو پہلے محسوس نہیں ہوتی تھی، حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے کیوں نہ خوشی ہو، ابھی جبرئیل علیہ السلام میرے پاس سے گئے ہیں اور وہ یوں

حل لغات: (۱) پورا کرنا۔ (۲) لمبا۔ (۳) ڈر۔ (۴) روح نکل جانا۔ (۵) خیال۔ (۶) پوچھا۔ (۷) خوش۔ (۸) خوشی۔ (۹) گناہ۔ (۱۰) یعنی نور۔

کہتے تھے کہ آپ کی اُمت میں سے جو شخص ایک دفعہ بھی درود پڑھے گا، اللہ جلَّ شانہٗ اس کی وجہ سے دس[1] نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھیں گے اور دس[1] گناہ معاف فرمائیں گے اور دس[1] درجے بلند کریں گے اور ایک فرشتہ اس سے وہی کہے گا جو اُس نے کہا، حضور ﷺ فرماتے ہیں: میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا یہ فرشتہ کیسا؟ تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ جلَّ شانہٗ نے ایک فرشتہ کو قیامت تک کے لیے مُقرّر کر دیا ہے کہ جو آپ ﷺ پر درود بھیجے وہ اس کے لیے [وَأَنْتَ صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ] کی دعا کرے۔ [کذا فی الترغیب]
علامہ سَخاویؒ نے ایک اِشکال[1] کیا ہے کہ جب قرآن پاک کی آیت ﴿ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ﴾ [سورۂ انعام: ۱۶۰] کی بنا پر ہر نیکی کا ثواب دس[1] گنے ملتا ہے تو پھر درود شریف کی کیا خصوصیت رہی؟ بندہ کے نزدیک تو اس کا جواب آسان ہے اور وہ یہ کہ حَسبِ ضَابطہ[2] اس کی دس[1] نیکیاں علیحدہ ہیں اور اللہ جلَّ شانہٗ کا دس[1] دفعہ درود بھیجنا مستقل مَزید اِنعام ہے۔ اور خود علامہ سخاویؒ نے اس کا جواب یہ نقل کیا ہے کہ اوّل تو اللہ جلَّ شانہٗ کا دس[1] دفعہ درود بھیجنا اس کی اپنی نیکی کے دس[1] گنے ثواب سے کہیں زیادہ ہے اس کے علاوہ دس[1] مرتبہ درود کے ساتھ دس[1] دَرَجوں کا بلند کرنا، دس[1] گناہوں کا معاف کرنا، دس[1] نیکیوں کا اس کے نامۂ اعمال میں لکھنا اور دس[1] غلاموں کے آزاد کرنے کے بقدر ثواب ملنا مزید[3] برآں ہے۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے "زادُ السَّعید" میں تحریر فرمایا ہے کہ جس طرح حدیث شریف کی تصریح[4] سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار درود پڑھنے سے دس[1] رحمتیں نازل ہوتی ہیں، اسی طرح سے قرآن شریف کے اِشارہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی شانِ اَرفع[5] میں ایک گستاخی کرنے سے نَعُوذُ بِاللهِ مِنهَا اس شخص پر مِنْجَانِبِ اللہ دس[1] لعنتیں نازل ہوتی ہیں؛ چنانچہ وَلِید بن مُغِیرہ کے حق میں اللہ تعالیٰ نے بَسَزاءِ اِستہزاء[6] یہ دس[1] کلِمات ارشاد فرمائے: (۱) حَلَّافٍ (۲) مَّهِيْنٍ (۳) هَمَّازٍ (۴) مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ (۵) مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ (۶) مُعْتَدٍ (۷) اَثِيْمٍ (۸) عُتُلٍّ (۹) زَنِيْمٍ (۱۰) مُكَذِّبٍ لِلْاٰيَاتِ بِدَلَالَةِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴾ [سورۂ قلم]
فقط، یہ الفاظ جو حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمائے ہیں یہ سب کے سب اُنتیسویں[29] پارے میں سورۂ نون کی اس آیت میں وارد ہوئے ہیں: ﴿ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ﴿۱۱﴾ مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿۱۳﴾ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۴﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾ ﴾ [سورۂ قلم] ترجمہ: اور آپ کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا ہو، بے وَقعت ہو، طعنہ دینے والا ہو، چُغلیاں لگاتا پھرتا ہو، نیک کام سے روکنے والا ہو، حد سے گذرنے والا ہو، گناہوں کا کرنے والا ہو، سخت مزاج، اس کے علاوہ حرام[7] زادہ ہو، اس سبب سے کہ وہ مال واولا دوالا ہو، جب ہماری آیتیں اس کے سامنے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ بے سَند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول[8] چلی آتی ہیں۔ [بیان القرآن]

حل لغات: (۱) سوال۔ (۲) قانونی اعتبار سے۔ (۳) اس کے علاوہ۔ (۴) بیان۔ (۵) سب سے بلند۔ (۶) ہنسی اڑانے کی سزامیں۔ (۷) ولید ابن مغیرہ جس کے متعلق ان آیات کا نزول ہوا ہے یہ زنا کی اولاد تھا۔ (۸) بیان ہونا۔

⑤ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلٰوةً.	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ بِلَا شَکّ قیامت میں لوگوں میں سب سے زیادہ مجھ سے قریب وہ شخص ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر دَرُوْد بھیجے۔

[رواه الترمذي وابن حبان في صحيحه كلاهما من رواية موسى بن يعقوب كذا في الترغيب وبسط السخاوي في القول البديع الكلام على تخريجه]

فائدہ: علامہ سَخاویؒ نے قولِ بَدِیع میں، ''اَلدُّرُّ الْمُنَظَّمُ'' سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ تم میں کثرت سے درود پڑھنے والا کل قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب ہوگا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ قیامت میں ہر موقع پر مجھ سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو مجھ پر کثرت سے درود پڑھنے والا ہوگا۔ فصلِ دوم کی حدیث تینؔ[3] میں بھی یہ مضمون آرہا ہے۔ نیز حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو اس لیے کہ قبر میں اِبتداءً[1] تم سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ ایک دوسری حدیث میں نقل کیا ہے کہ مجھ پر درود بھیجنا قیامت کے دن پُل صِراط کے اندھیرے میں نور ہے اور جو یہ چاہے کہ اس کے اعمال بہت بڑی ترازو میں تُلیں اس کو چاہیے کہ مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرے۔ ایک اور حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے سب سے زیادہ نجات والا قیامت کے دِن اس کے ہَولوں[2] سے اور اس کے مقامات سے وہ شخص ہے جو دُنیا میں سب سے زیادہ مجھ پر دَرُوْد بھیجتا ہو۔ ''زَادُالسَّعِید'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو مجھ پر درود کی کثرت کرے گا وہ عرش کے سایہ میں ہوگا۔ علامہ سخاویؒ نے ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ تینؔ[3] آدمی قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے، جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کسی چیز کا سایہ نہ ہوگا: ایک وہ شخص جو کسی مُصِیبت زَدہ کی مصیبت ہٹائے، دوسرا وہ جو میری سنت کو زندہ کرے، تیسرے وہ جو میرے اوپر کثرت سے درود بھیجے۔ ایک اور حدیث میں عَلّامہ سَخاویؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے واسطہ سے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ اپنی مَجَالِس کو درود شریف کے ساتھ مُزَیَّن[3] کیا کرو، اس لیے کہ مجھ پر درود پڑھنا تمہارے لیے قیامت میں نور ہے۔ علامہ سخاویؒ نے ''قُوتُ القُلوب'' سے نقل کیا ہے کہ کثرت کی کم سے کم مقدار تینؔ سوؔ[300] مرتبہ ہے اور حضرت گنگوہی قُدِّسَ سِرُّہٗ بھی اپنے مُتَوَسِّلین[4] کو تینؔ سوؔ[300] مرتبہ بتایا کرتے تھے، جیسا کہ آئندہ فصلِ سوم حدیث تینؔ[3] پر آرہا ہے۔ علامہ سخاویؒ نے حدیثِ بالا[5] ﴿ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ ﴾ کے ذیل میں لکھا ہے کہ ابنِ حِبان نے اپنی صحیح میں حدیثِ بالا کے بعد لکھا ہے کہ اس حدیث میں واضح دلیل ہے اس بات پر کہ قیامت کے دن نبیٔ کریم ﷺ کے قریب سب

حل لغات: ① سب سے پہلے۔ ② خوف۔ ③ سجایا کرو۔ ④ مُریدوں۔ ⑤ اوپر۔

سے زیادہ حضراتِ مُحدِّثین ہوں گے، اس لیے کہ یہ حضرات سب سے زیادہ درود پڑھنے والے ہیں۔ اسی طرح حضرت اَبُوعبیدہؒ نے بھی کہا ہے کہ اس فضیلت کے ساتھ حضراتِ مُحدِّثین مخصوص ہیں، اس لیے کہ جب وہ حدیث نقل کرتے ہیں یا لکھتے ہیں تو حضورِ اقدس ﷺ کے پاک نام کے ساتھ درود شریف ضرور ہوتا ہے۔ اسی طرح سے خطیب نے ابونُعیم سے بھی نقل کیا ہے کہ یہ فضیلت محدثین کے ساتھ مخصوص ہے۔ عُلَمَاء نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ احادیث پڑھتے ہیں یا نقل کرتے ہیں یا لکھتے ہیں تو حضورِ اقدس ﷺ کے پاک نام کے ساتھ کثرت سے درود لکھنے یا پڑھنے کی نوبت آتی ہے۔ محدثین سے مراد اس موقعہ پر ائمہ حَدِیث نہیں ہیں بلکہ وہ سب حضرات اس میں داخل ہیں جو حدیث پاک کی کتابیں پڑھتے یا پڑھاتے ہوں، چاہے عربی میں ہوں یا اُردو میں۔ "زَادُالسَّعِید" میں طَبرانی سے حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص مجھ پر درود بھیجے کسی کتاب میں (یعنی لکھے) ہمیشہ فرشتے اس پر درود بھیجتے رہیں گے جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے گا۔ اور طبرانی ہی سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص صبح کو مجھ پر دس۱۰ بار درود بھیجے اور شام کو دس۱۰ بار، قیامت کے دن اس کے لیے میری شفاعت ہوگی اور امام مُستَغفِریؒ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو کوئی ہر روز سو۱۰۰ بار مجھ پر درود بھیجے اس کی سو۱۰۰ حاجتیں پوری کی جائیں: تیس۳۰ دُنیا کی باقی آخرت کی۔

⑥ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً سَيَّاحِيْنَ يُبَلِّغُوْنِيْ عَنْ أُمَّتِيَ السَّلَامَ.	ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ جلّ شانہٗ کے بہت سے فرشتے ایسے ہیں جو (زمین میں) پھِرتے رہتے ہیں اور میری اُمت کی طرف سے مجھے سلام پہونچاتے ہیں۔

[رواه النسائي وابن حبان في صحيحه كذا في الترغيب. زاد في القول البديع أحمد والحاكم وغيرهما وقال الحاكم صحيح الإسناد]

فائدہ: اور بھی مُتعدّد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے۔ علامہ سخاویؒ نے حضرت علی کرّم اللہ وَجہہٗ کی روایت سے بھی یہی مضمون نقل کیا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ کے کچھ فرشتے زمین میں پھرتے رہتے ہیں جو میری اُمت کا درود مجھ تک پہونچاتے رہتے ہیں۔ ترغیب میں حضرت اِمَامِ حَسَن رضی اللہ عنہ سے حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ تم جہاں کہیں ہو مجھ پر درود پڑھتے رہا کرو، بے شک تمہارا درود میرے پاس پہونچتا رہتا ہے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے "جو کوئی مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ درود مجھ تک پہونچ جاتا ہے اور میں اس کے بدلہ میں اس پر درود بھیجتا ہوں اور اس کے علاوہ اس کے لیے دس۱۰ نیکیاں لکھی جاتی ہیں"۔ مِشکوٰۃ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ "مجھ پر درود پڑھا کرو اس لیے کہ تمہارا درود مجھ تک پہونچتا ہے۔"

⑦ عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رضی اللہ عنہما قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : إِنَّ اللّٰهَ وَكَّلَ بِقَبْرِي مَلَكًا أَعْطَاهُ أَسْمَاعَ الْخَلَائِقِ ، فَلَا يُصَلِّيْ عَلَيَّ أَحَدٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ إِلَّا أَبْلَغَنِيْ بِإِسْمِهٖ وَإِسْمِ أَبِيْهِ هٰذَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ قَدْ صَلّٰى عَلَيْكَ. [رواه البزار كذا في الترغيب وذكر تخريجه السخاوي في القول البديع]	حضرت عمّار بنِ یاسِر رضی اللہ عنہما نے حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے ایک فرشتہ میری قبر پر مقرر کر رکھا ہے، جس کو ساری مخلوق کی باتیں سننے کی قدرت عطا فرما رکھی ہے، پس جو شخص بھی مجھ پر قیامت تک درود بھیجتا رہے گا وہ فرشتہ مجھ کو اس کا اور اس کے باپ کا نام لے کر درود پہونچاتا ہے کہ فلاں شخص جو فلاں کا بیٹا ہے اُس نے آپ پر درود بھیجا ہے۔

فائدہ: عَلّامہ سخاویؒ نے قولِ بدیع میں بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس میں اتنا اِضافہ ہے کہ فلاں شخص جو فلاں کا بیٹا ہے اس نے آپ پر درود بھیجا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ پھر اللہ جلّ شانہٗ اس کے ہر درود کے بدلہ میں اس پر دس ۱۰ مرتبہ درود (رحمت) بھیجتے ہیں۔ ایک اور حدیث سے یہ مضمون نقل کیا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کو ساری مخلوق کی بات سننے کی قوت عطا فرمائی ہے، وہ قیامت تک میری قبر پر مُتعیَّن رہے گا، جب کوئی شخص مجھ پر درود بھیجے گا تو وہ فرشتہ اس شخص کا اور اس کے باپ کا نام لے کر مجھ سے کہتا ہے کہ فلاں نے جو فلاں کا بیٹا ہے آپ پر درود بھیجا ہے، اور اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مجھ سے یہ ذِمّہ لیا ہے کہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے گا، اللہ جلّ شانہٗ اس پر دس ۱۰ دفعہ درود بھیجیں گے۔ ایک اور حدیث سے بھی یہی فرشتہ والا مضمون نقل کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ مضمون ہے کہ میں نے اپنے رب سے یہ درخواست کی تھی کہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے، اللہ جلّ شانہٗ اس پر دس ۱۰ دفعہ درود بھیجے، حق تعالیٰ شانہٗ نے میری یہ درخواست قبول فرمالی۔ حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے بھی حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ جلّ شانہٗ اس پر دس ۱۰ دفعہ درود (رحمت) بھیجتے ہیں اور ایک فرشتہ اس پر مُقَرَّر ہوتا ہے جو اس درود کو مجھ تک پہونچاتا ہے۔ ایک جگہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حضورِ اقدس ﷺ کا یہ اِرشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص میرے اوپر جمعہ کے دن یا جمعہ کی شَب ① میں درود بھیجے اللہ جلّ شانہٗ اس کی سَو ۱۰۰ حاجتیں پوری کرتے ہیں اور اس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیتے ہیں جو اس کو میری قبر میں مجھ تک ایسی طرح پہونچاتا ہے جیسے تم لوگوں کے پاس ہدایا بھیجے جاتے ہیں۔

اس حدیث پر یہ اِشکال ② نہ کیا جائے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک فرشتہ ہے جو قبر اطہر پر متعین ہے، جو ساری دنیا کے صلوٰۃ وسلام حضور ﷺ تک پہونچاتا رہے اور اس سے پہلی حدیث میں آیا تھا کہ اللہ کے بہت سے فرشتے زمین میں پھرتے رہتے ہیں جو حضور ﷺ تک اُمت کا سلام پہونچاتے رہتے

حل لغات: ① رات۔ ② اعتراض۔

ہیں، اس لیے کہ جو فرشتہ قبرِ اَطہر پر مُتعیَّن ہے اس کا کام صرف یہی ہے کہ حضور ﷺ تک اُمت کا سلام پہونچا تا رہے۔ اور یہ فرشتے جو سَیَّاحِین ہیں یہ ذکر کے حلقوں کو تلاش کرتے رہتے ہیں اور جہاں کہیں درود ملتا ہے اس کو حضورِ اقدس ﷺ تک پہونچاتے ہیں، اور یہ عَام مُشَاہَدہ[1] ہے کہ کسی بڑے کی خدمت میں اگر کوئی پیام بھیجا جاتا ہے اور مَجْمَعْ میں اس کو ذکر کیا جاتا ہے تو ہر شخص اس میں فَخر اور تقرُّب سمجھتا ہے کہ وہ پیام پہونچائے۔ اپنے اکابر اور بزرگوں کے یہاں یہ منظر بارہا دیکھنے کی نوبت آئی۔ پھر سَیِّدالکونین فخرالرُّسل ﷺ کی پاک بارگاہ کا تو پوچھنا ہی کیا، اس لیے جتنے بھی فرشتے پہونچائیں بَرمَحَل[2] ہے۔

⑧ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهٗ ، وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ نَائِياً أُبْلِغْتُهٗ.	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص میرے اوپر میری قبر کے قریب درود بھیجتا ہے، میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو دُور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے، وہ مجھ کو پہونچا دیا جاتا ہے۔

[رواه البيهقي في شعب الإيمان كذا في المشكوٰة وبسط السّخاوي في تخريجه]

فائدہ: عَلَّامہ سَخَاوِیؒ نے قول بَدِیع میں مُتعَدَّد روایات سے یہ مضمون نقل کیا ہے کہ جو شخص دُور سے درود بھیجے فرشتہ اس پر مُتعَیَّنْ ہے کہ حضور ﷺ تک پہونچائے اور جو شخص قریب سے پڑھتا ہے حضورِ اقدس ﷺ اس کو خود سنتے ہیں جو شخص دور سے درود بھیجے، اس کے متعلق تو پہلی روایات میں تفصیل سے گذر ہی چکا کہ فرشتے اس پر متعین ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ پر جو شخص درود بھیجے اس کو حضور ﷺ تک پہونچادیں۔ اس حدیث پاک میں دوسرا مضمون کہ جو قبرِ اَطہر کے قریب درود پڑھے، اس کو حضورِ اقدس ﷺ بَنفسِ نَفِیس خود سنتے ہیں، بہت ہی قابلِ فخر، قابلِ عزت، قابلِ لذت چیز ہے۔ علامہ سخاویؒ نے قولِ بدیع میں سلیمان بن سُحَیمؒ سے نقل کیا کہ میں نے خواب میں حضورِ اقدس ﷺ کی زیارت کی، میں نے دریافت کیا: یارسول اللہ! یہ جو لوگ حاضر ہوتے ہیں اور آپ پر سلام کرتے ہیں، آپ اس کو سمجھتے ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں سمجھتا ہوں اور ان کے سلام کا جواب بھی دیتا ہوں۔ اِبرَاہیم بن شَیْبَانؒ کہتے ہیں کہ میں حج سے فَرَاغ پر مدینہ منورہ حاضر ہوا اور میں نے قبرِ شریف کے پاس جا کر سلام عرض کیا، تو میں نے حُجرَہ شَرِیف کے اندر سے وَعَلَيْكَ السَّلَامُ کی آواز سنی۔ مُلَّا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ درود شریف قبرِ اَطہر کے قریب پڑھنا افضل ہے، دُور سے پڑھنے سے، اس لیے کہ قُرب میں جو خُشُوع خُضوع اور حضورِ قلب[3] حاصل ہوتا ہے وہ دور میں نہیں ہوتا۔ صاحبِ مَظَاہِرِ حق اس حدیث پر لکھتے ہیں یعنی پاس والے کا درود خود سنتا ہوں، بلا واسطہ اور دُور والے کا درود، ملائکہ سَیَّاحِین[4] پہونچاتے ہیں اور جواب سلام کا بہرصورت دیتا ہوں۔

حل لغات: ① عام طور سے دیکھا جاتا ہے۔ ② دُرست۔ ③ دل کا حاضر ہونا۔ ④ زمین میں پھرنے والے۔

اس سے معلوم کیا چاہیے کہ حضرت ﷺ پر سلام بھیجنے کی کیا بزرگی ہے اور حضرت ﷺ پر سلام بھیجنے والے کو، خصوصاً بہت بھیجنے والے کو کیا شَرف① حاصل ہوتا ہے۔ اگر تمام عمر کے سلاموں کا ایک جواب آوے سعادت ہے، چہ جائے کہ ہر سلام کا جواب آوے۔

بَہر② سَلام مَکُن رَنجِہ دَرْ جوَابِ آں لَبْ　　　کہ صَدْ سَلام مُرا بَس یَکے جوَاب اَزتُو

اس مضمون کو عَلاّمہ سَخَاوِیؒ اس طرح ذکر کیا ہے کہ کسی بندے کی شرافت کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کا نام خیر کے ساتھ حضورِ اقدس ﷺ کی مجلس میں آجائے۔ اسی ذیل میں یہ شعر بھی کہا گیا ہے۔

ومن خطرت منه ببالك خطرة　　　حقيق بان يسمو وان يتقدّ ما

ترجمہ: ''جس خوش قِسمت کا خیال بھی تیرے دل میں گذر جائے وہ اس کا مُستَحَق ہے کہ جتنا بھی چاہے فخر کرے اور پیش قدمی کرے (اُچھلے کودے)''۔ ع

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس مَحفِل میں ہے

اس روایت میں حضورِ اقدس ﷺ کے خود سننے میں کوئی اشکال نہیں، اس لیے کہ انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اپنی قُبور میں زِندہ ہیں۔ علامہ سَخاویؒ نے قولِ بَدِیع میں لکھا ہے کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ زندہ ہیں اپنی قبر شریف میں اور آپ ﷺ کے بدنِ اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی اور اس پر اِجماع ہے۔ امام بیہقیؒ نے انبیاء کی حیات میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث [اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ] کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ علامہ سخاویؒ نے اس کی مُختَلِف③ طُرق سے تَخرِیج④ کی ہے اور امامِ مُسلِمؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی روایت سے حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ میں شبِ معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرا، وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ نیز مسلمؒ ہی کی روایت سے حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ میں نے حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت کے ساتھ اپنے آپ کو دیکھا، تو میں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیٰ نَبِیِّنا وعلَیہما الصّلوٰۃ والسّلام کو کھڑے ہوئے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ حضورِ اقدس ﷺ کے وِصَال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب نَعش مُبارک کے قریب حاضر ہوئے تو حضورِ اقدس ﷺ کے چہرۂ انور کو جو چادر سے ڈھکا ہوا تھا، کھولا اور اس کے بعد حضورِ اقدس ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان اے اللہ کے نبی! اللہ جلَّ شانہٗ آپ پر دو موتیں جمع نہ کریں: ایک موت جو آپ کے لیے مُقدّر تھی وہ آپ پوری کر چکے۔ [بخاری]

حل لغات: ① عزت۔ ② میرے ہر سلام کے جواب میں اپنے ہونٹوں کو زحمت نہ دیجیے میرے لیے تو بس اتنا کافی ہے کہ میرے سو سلاموں کا آپ ایک بار جواب دیدیں۔ ③ الگ الگ سَندوں۔ ④ بیان کیا ہے۔

عَلّامَہ سُیوطیؒ نے حیاتِ انبیاء علیہم السلام میں مُستَقِل ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے اور فصلِ ثانی کی حدیث نمبر تین[۳] پر بھی مستقل یہ مضمون آرہا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ نے زمین پر یہ چیز حرام کر رکھی ہے کہ وہ انبیاء علیہم السّلام کے بدنوں کو کھائے۔ علامہ سخاویؒ قولِ بدیع میں تحریر فرماتے ہیں کہ مُستَحَب یہ ہے کہ جب مدینہ مُنوّرہ کے مکانات اور درختوں وغیرہ پر نظر پڑے تو درود شریف کثرت سے پڑھے اور جتنا قریب ہوتا جائے اُتنا ہی درود شریف میں اِضافہ کرتا جائے، اس لیے کہ یہ مَوَاقع[۱] وحی اور قرآن پاک کے نزول سے مَعمور[۲] ہیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام کی بار بار یہاں آمد ہوئی ہے اور اس کی مٹی سَیِّدُ الْبَشَر ﷺ پر مُشتَمِل ہے، اسی جگہ سے اللہ کے دین اور اس کے پاک رسول ﷺ کی سُنَّتوں کی اِشاعت[۳] ہوئی ہے، یہ فضائل اور خیرات کے مَناظِر ہیں، یہاں پہونچ کر اپنے قلب کو نہایت ہَیبت اور تعظیم[۴] سے بھرپور کرلے، گویا کہ وہ حضور ﷺ کی زیارت کر رہا ہے اور یہ تو مُحقَّق ہے کہ حضور ﷺ اس کا سلام سُن رہے ہیں، آپس کے جھگڑے اور فضول باتوں سے اِحتراز[۵] کرے، اس کے بعد قبلہ کی جانب سے قبر شریف پر حاضر ہو اور بقدر چار[۷] ہاتھ فاصلہ سے کھڑا ہو اور نیچی نگاہ رکھتے ہوئے نہایت خُشوع خُضوع اور ادب و احترام کے ساتھ یہ پڑھے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ ،	آپ پر سلام اے اللہ کے رسول، آپ پر سلام اے اللہ کے
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللهِ . اَلسَّلَامُ	نبی، آپ پر سلام اے اللہ کی بَرگُزِیدہ ہستی، آپ پر سلام اے
عَلَيْكَ يَا خَيْرَةَ اللهِ . اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ	اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر ذات، آپ پر سلام اے اللہ
يَا خَيْرَ خَلْقِ اللهِ . اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ	کے حبیب، آپ پر سلام اے رسولوں کے سردار، آپ پر
يَا حَبِيْبَ اللهِ . اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ	سلام اے خَاتَمُ النَّبِیِّین[۶]، آپ پر سلام اے رَبُّ الْعَالَمِین کے
يَا سَيِّدَ الْمُرْسَلِيْنَ . اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ	رسول، آپ پر سلام اے سردار اُن لوگوں کے جو قیامت میں
يَا خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ . اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ	روشن چہرے والے اور روشن ہاتھ پاؤں والے ہوں گے (یہ
يَا رَسُوْلَ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ . اَلسَّلَامُ	مسلمانوں کی خاص علامت ہے کہ دُنیا میں جن اعضاء کو وہ
عَلَيْكَ يَا قَائِدَ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ .	وضو میں دھوتے رہے ہیں، وہ قیامت کے دن نہایت روشن
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا بَشِيْرُ . اَلسَّلَامُ	ہوں گے) آپ پر سلام اے جَنَّت کی بَشارت دینے والے،
عَلَيْكَ يَا نَذِيْرُ . اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ	آپ پر سلام اے جہنم سے ڈرانے والے، آپ پر اور آپ
وَعَلٰى أَهْلِ بَيْتِكَ الطَّاهِرِيْنَ .	کے اہل بیت پر سلام جو طَاہِر[۷] ہیں، سلام آپ پر اور آپ کی
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى أَزْوَاجِكَ	اَزْوَاجِ[۸] مُطَہَّرات پر جو سارے مؤمنوں کی مائیں ہیں، سلام

حل لغات: (۱) جگہیں۔ (۲) آباد۔ (۳) پھیلانا۔ (۴) عزت و اِحترام۔ (۵) پرہیز۔ (۶) نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والے۔ (۷) پاک وصاف۔ (۸) حضور ﷺ کی پاک بیویاں۔

الطَّاهِرَاتِ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى أَصْحَابِكَ أَجْمَعِيْنَ ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى سَائِرِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَسَائِرِ عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ ، جَزَاكَ اللّٰهُ عَنَّا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَفْضَلَ مَا جَزٰى نَبِيًّا عَنْ قَوْمِهٖ وَرَسُوْلًا عَنْ أُمَّتِهٖ ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ كُلَّمَا ذَكَرَكَ الذَّاكِرُوْنَ وَكُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِكَ الْغَافِلُوْنَ ، وَصَلَّى عَلَيْكَ فِي الْأَوَّلِيْنَ وَصَلَّى عَلَيْكَ فِي الْاٰخِرِيْنَ أَفْضَلَ وَأَكْمَلَ وَأَطْيَبَ مَا صَلَّى عَلٰى أَحَدٍ مِّنَ الْخَلْقِ أَجْمَعِيْنَ كَمَا اسْتَنْقَذَنَا بِكَ مِنَ الضَّلَالَةِ وَبَصَّرَنَا بِكَ مِنَ الْعَمٰى وَالْجَهَالَةِ ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّكَ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَأَمِيْنُهٗ وَخَيْرَتُهٗ مِنْ خَلْقِهٖ وَأَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَأَدَّيْتَ الْأَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْأُمَّةَ وَجَاهَدْتَ فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ، اَللّٰهُمَّ اٰتِهٖ نِهَايَةَ مَا يَنْبَغِيْ أَنْ يَّأْمُلَهُ الْاٰمِلُوْنَ . [قلت : وذكره النووي في مناسكه بأكثر منه]

آپ پر اور آپ کے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر، سلام آپ پر اور تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام رسولوں پر اور تمام اللہ کے نیک بندوں پر، یارسولَ اللہ! اللہ جلَّ شانہٗ آپ کو ہم لوگوں کی طرف سے ان سب سے بڑھ کر جزائے خیر عطا فرمائے، جتنی کہ کسی نبی کو اس کی قوم کی طرف سے اور کسی رسول کو اس کی امت کی طرف سے عطا فرمائی ہوں اور اللہ تعالیٰ آپ پر درود بھیجے جب بھی ذکر کرنے والے آپ کا ذکر کریں اور جب بھی غافل لوگ آپ کے ذکر سے غافل ہوں، اللہ تعالیٰ شانہٗ آپ پر اَوَّلِین میں درود بھیجے، اللہ تعالیٰ شانہٗ آپ پر آخِرِینْ میں درود بھیجے، اس سب سے افضل اور اَکمل اور پاکیزہ جو اللہ نے اپنی ساری مخلوق میں سے کسی پر بھی بھیجا ہو، جیسا کہ اس نے نجات دی ہم کو آپ کی برکت سے گمراہی سے، اور آپ کی وجہ سے جہالت اور اندھے پَن سے بَصِیرت[1] عطا فرمائی، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کے امین ہیں اور ساری مخلوق میں سے اُس کی برگزیدہ ذات ہیں اور اس کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اللہ کی رِسالت کو پہونچا دیا، اس کی امانت کو ادا کر دیا، اُمت کے ساتھ پوری پوری خیر خواہی فرمائی اور اللہ کے بارے میں کوشش کا حق ادا فرما دیا۔ یااللہ! آپ ﷺ کو اس سے زیادہ سے زیادہ عطا فرما جس کی اُمید کرنے والے اُمید کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد اپنے نفس کے لیے اور سارے مؤمنین اور مؤمنات کے لیے دُعا کرے، اس کے بعد حضراتِ شَیخَین حضرت ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر سلام پڑھے اور ان کے لیے بھی دُعا کرے اور اللہ سے اس کی بھی دُعا کرے کہ اللہ جلَّ شانہٗ ان دونوں حضرات کو بھی ان کی مَساعیِٔ جَمِیلہ[2] جو انھوں نے حضور اقدس ﷺ کی

حل لغات: (۱) یعنی ہدایت۔ (۲) نیک کوششیں۔

مدد میں خرچ کی ہیں اور جو حضورِ اقدس ﷺ کی حق ادائیگی میں خرچ کی ہیں ان پر بہتر سے بہتر جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور یہ سمجھ لینا چاہیے کہ نبیٔ کریم ﷺ کی قبرِ اطہر کے پاس کھڑے ہو کر سلام پڑھنا درود پڑھنے سے زیادہ افضل ہے (یعنی اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، افضل ہے اَلصَّلٰوۃُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ سے) علامہ بَاجیؒ کی رائے یہ ہے کہ درود افضل ہے۔ علامہ سَخاویؒ کہتے ہیں کہ پہلا ہی قول زیادہ صحیح ہے۔ جیسا کہ عَلّامہ مَجْدُ الدِّین صاحبِ قاموسؒ کی رائے ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں ''مَا مِنْ مُسْلِمٍ یُّسَلِّمُ عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ'' آیا ہے۔ [انتہی] علامہ سخاویؒ کا اِشارہ اس حدیث پاک کی طرف ہے جو ابوداوٗد شریف وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ ؓ سے نقل کی گئی ہے کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام کرتا ہے تو اللہ جلّ شانہٗ مجھ پر میری روح لوٹا دیتے ہیں، یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ لیکن اس ناکارہ کے نزدیک صلٰوۃ کا لفظ (یعنی درود) بھی کثرت سے روایات میں ذکر کیا گیا ہے؛ چنانچہ اسی روایت میں جو اوپر ابھی نمبر آٹھ (۸) پر گذری ہے اس میں یہ ہے کہ جو شخص میری قبر کے قریب درود پڑھتا ہے میں اس کو سُنتا ہوں۔ اسی طرح بہت سی روایات میں یہ مضمون آیا ہے، اس لیے بندہ کے خیال میں اگر ہر جگہ درود وسلام دونوں کو جمع کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے، یعنی بجائے [اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ. اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا نَبِيَّ اللّٰہِ وغیرہ کے اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ. اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا نَبِيَّ اللّٰہِ] اسی طرح اخیر تک اَلسَّلَامُ کے ساتھ اَلصَّلٰوۃُ کا لفظ بھی بڑھا دے تو زیادہ اچھا ہے، اس صورت میں علامہ بَاجیؒ اور علامہ سخاویؒ دونوں کے قول پر عمل ہو جائے گا۔ ''وَفاءُ الوفاء'' میں لکھا ہے کہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن الحسین سَامِری حَنبلیؒ اپنی کتاب ''مُستَوعب'' میں زیارۃُ قبر النبی ﷺ کے باب میں آدابِ زیارت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: پھر قبر شریف کے قریب آئے اور قبر شریف کی طرف منہ کرکے اور مِنبَر کو اپنی بائیں طرف کرکے کھڑا ہو اور اس کے بعد علامہ سامری حنبلیؒ نے سلام اور دُعا کی کیفیت لکھی ہے اور مِنجملہ اس کے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ پڑھے: اَللّٰھُمَّ إِنَّكَ قُلْتَ فِيْ كِتَابِكَ لِنَبِيِّكَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: وَلَوْ أَنَّھُمْ إِذْ ظَّلَمُوْا أَنْفُسَھُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا. وَإِنِّيْ قَدْ أَتَیْتُ نَبِیَّكَ مُسْتَغْفِرًا فَأَسْئَلُكَ أَنْ تُوْجِبَ لِيَ الْمَغْفِرَةَ كَمَا أَوْجَبْتَھَا لِمَنْ أَتَاهُ فِيْ حَیَاتِهٖ. اَللّٰھُمَّ إِنِّيْ أَتَوَجَّهُ إِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ ﷺ] ترجمہ: اے اللہ! تو نے اپنے پاک کلام میں اپنے نبی ﷺ سے یوں ارشاد فرمایا کہ ''اگر وہ لوگ جب انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور پھر اللہ جلّ شانہٗ سے معافی چاہتے اور رسول اللہ (ﷺ) بھی ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے، تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ کا قبول کرنے والا، رحمت کرنے والا پاتے'' اور میں تیرے نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا ہوں، اس حال میں کہ اِستِغفار کرنے والا ہوں، تجھ سے یہ مانگتا ہوں کہ تُو میرے لیے مَغفِرت کو واجب کر دے جیسا کہ

تُونے مغفرت واجب کی تھی اس شخص کے لیے جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ان کی زندگی میں آیا ہو۔
اے اللہ! میں تیری طرف مُتَوَجِّہ ہوتا ہوں تیرے نبی ﷺ کے وسیلہ سے اس کے بعد اور لمبی چوڑی دُعائیں ذکر کی۔

⑨ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضي الله عنه قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ ! إِنِّيْ أُكْثِرُ الصَّلَاةَ عَلَيْكَ فَكَمْ أَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلٰوتِيْ ؟ فَقَالَ : مَا شِئْتَ . قُلْتُ : الرُّبُعَ ؟ قَالَ : مَا شِئْتَ ، فَإِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ ، قُلْتُ : النِّصْفَ ؟ قَالَ : مَا شِئْتَ ، فَإِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ ، قُلْتُ : فَالثُّلُثَيْنِ ؟ قَالَ : مَا شِئْتَ ، فَإِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ ، قُلْتُ أَجْعَلُ لَكَ صَلٰوتِيْ كُلَّهَا ، قَالَ : إِذًا تُكْفٰى هَمَّكَ وَيُكَفَّرُ لَكَ ذَنْبُكَ .	حضرت اُبی بن کَعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں آپ پر دُرُود کَثرت سے بھیجنا چاہتا ہوں تو اس کی مِقدار اپنے اوقاتِ دُعا میں سے کتنی مُقرّر کروں؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جتنا تیرا جی چاہے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ایک چوتھائی؟ حضور ﷺ نے فرمایا: تجھے اِختِیار ہے اور اگر اس پر بڑھادے تو تیرے لیے بہتر ہے، تو میں نے عرض کیا کہ نِصف کردوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: تجھے اِختِیار ہے اور اگر بڑھادے تو تیرے لیے زیادہ بہتر ہے، میں نے عرض کیا: تو دوتہائی کردوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: تجھے اِختِیار ہے اور اگر اس سے بڑھادے تو تیرے لیے زیادہ بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! پھر میں اپنے سارے وقت کو آپ کے درود کے لیے مُقرّر کرتا ہوں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: تو اس صورت میں تیرے سارے فکروں کی کِفایت کی جائے گی اور تیرے گناہ بھی معاف کردیے جائیں گے۔

[رواه الترمذي. زاد المنذري في الترغيب أحمد والحاكم وقال: صحيحه وبسط السخاوي في تخريجه]

فائدہ: مطلب تو واضح ہے وہ یہ کہ میں نے کچھ وقت اپنے لیے دعاؤں کا مقرر کر رکھا ہے اور چاہتا یہ ہوں کہ درود شریف کثرت سے پڑھا کروں تو اپنے اس مُعَیَّن[1] وقت میں سے درود شریف کے لیے کتنا وقت تجویز[3] کروں؟ مثلاً میں نے اپنے اَوراد ووَظائف کے لیے دو[2] گھنٹے مقرر کر رکھے ہیں تو اس میں سے کتنا وقت درود شریف کے لیے تجویز کروں۔ عَلّامہ سَخاویؒ نے امام احمدؒ کی ایک روایت سے یہ نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر میں اپنے سارے وقت کو آپ پر درود کے لیے مقرر کردوں تو کیسا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ایسی صورت میں حق تعالیٰ شانہ تیرے دُنیا اور آخرت کے سارے فکروں کی کفایت فرمائے گا۔ علامہ سَخاویؒ نے مُتعدَّد صحابہ رضی اللہ عنہم سے اسی قسم کا مضمون نقل کیا ہے۔ اس میں کوئی اِشکال[3] نہیں کہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس قسم کی درخواستیں کی ہوں۔ علامہ سخاویؒ کہتے ہیں کہ درود شریف چونکہ اللہ کے ذکر پر اور حضور اقدس ﷺ کی تعظیم پر مُشتَمِل[4] ہے تو حقیقت میں یہ ایسا ہی ہے جیسا دوسری حدیث میں

حل لغات: ① مقرر۔ ② طے۔ ③ دُشواری۔ ④ شامل۔

اللہ جلّ شانہٗ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جس کو میرا ذکر مجھ سے دعا مانگنے میں مانع[1] ہو، یعنی کثرتِ ذکر کی وجہ سے دُعاء کا وقت نہ ملے تو میں اس کو دعا مانگنے والوں سے زیادہ دُوں گا۔ صاحِبِ مَظاہِرِ حَق نے لکھا ہے کہ سبب اس کا یہ ہے کہ جب بندہ اپنی طلب ورَغبت کو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیز میں کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو مُقدَّم[2] رکھتا ہے اپنے مَطالِب پر، تو وہ کفایت کرتا ہے اس کے سب مُہِمّات[3] کی [مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ] یعنی جو اللہ کا ہو رہتا ہے وہ کِفایت کرتا ہے اس کو۔

جب شیخ بُزُرگوار عبدالوَہَّاب مُتقِیؒ نے اس مِسکین کو یعنی شیخ عبدالحقؒ کو واسطے زیارتِ مدینہ مُنوَّرہ کی رُخصت کیا، فرمایا کہ جانو اور آگاہ ہو کہ نہیں ہے اس راہ میں کوئی عبادت بعد اَداءِ فَرائِض کے مانند[4] درود کے اوپر سید کائنات ﷺ کے، چاہیے کہ تمام اوقات اپنے کو اس میں صَرف[5] کرنا اور چیز میں مشغول نہ ہونا، عرض کیا گیا کہ اس کے لیے کچھ عدد مُعیَّن ہو، فرمایا: یہاں معین کرنا عدد کا شرط نہیں، اتنا پڑھو کہ ساتھ اس کے رَطبُ[6] اللِّسان ہو اور اس کے رنگ میں رنگین ہو اور مُستَغرِق[7] ہو اس میں۔ اھ۔ اس پر یہ اِشکال[8] نہ کیا جائے کہ اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا کہ درود شریف سب اَوْرَاد ووَظائف کے بجائے پڑھنا زیادہ مفید ہے۔ اس لیے کہ اول تو خود اس حدیث پاک کے درمیان میں اِشارہ ہے کہ انھوں نے یہ وقت اپنی ذات کے لیے دعاؤں کا مقرر کر رکھا تھا، اس میں سے درود شریف کے لیے مقرر کرنے کا ارادہ فرما رہے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ چیز لوگوں کے اَحوال کے اِعتبار سے مُختَلِف ہوا کرتی ہے۔ جیسا کہ فضائلِ ذکر کے بابِ دوم حدیث: بیس[20] کے ذیل میں گذرا ہے کہ بعض روایات میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کو اَفضلُ الدُّعاء کہا گیا ہے اور بعض روایات میں اِستِغفَار کو اَفضَلُ الدُّعاء کہا گیا ہے، اسی طرح سے اور اعمال کے درمیان میں بھی مختلف احادیث میں مختلف اعمال کو سب سے افضل قرار دیا گیا ہے، یہ اختلاف لوگوں کے حالات کے اختلاف کے اعتبار سے اور اوقات کے اعتبار سے ہوا کرتا ہے، جیسا کہ ابھی مَظاہرِ حَق سے نقل کیا گیا ہے کہ شیخ عبدالحق مُحدِّث نَوَّرَاللہ مَرقدہٗ کو ان کے شیخ نے مدینہ پاک کے سفر میں یہ وَصِیَّت کی کہ تمام اوقات درود شریف ہی میں خرچ کریں، اپنے اکابر کا بھی یہی معمول ہے کہ وہ مدینہ پاک کے سفر میں درود شریف کی بہت تاکید کرتے ہیں۔

عَلّامہ مُنذِریؒ نے تَرغیب میں حضرت اُبی رضی اللہ عنہ کی حدیثِ بالا[9] میں ان کے سوال سے پہلے ایک مضمون اور بھی نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب چوتھائی رات گذر جاتی تو حضورِ اقدس ﷺ کھڑے ہو جاتے اور ارشاد فرماتے اے لوگو! اللہ کا ذکر کرو، اے لوگو! اللہ کا ذکر کرو (یعنی بار بار فرماتے) "راجِفَہ" آ گئی اور "رادِفَہ"

حل لغات: (۱) روکنے والا۔ (۲) آگے رکھنا۔ (۳) اہم اہم کاموں۔ (۴) جیسا۔ (۵) لگانا۔ (۶) زبان تر ہو جائے۔ (۷) نہایت مصروف۔ (۸) سوال۔ (۹) اوپر۔

آرہی ہے، موت ان سب چیزوں کے ساتھ جو اس کی ساتھ لاحق ہیں آرہی ہے، موت ان سب چیزوں کے ساتھ جو اس کی ساتھ لاحق ہیں آرہی ہے، اس کو بھی دو مرتبہ فرماتے۔ ''راجِفَہ'' اور ''رادِفَہ'' قرآن پاک کی آیت جو سورۂ وَالنَّازِعَات میں ہے کی طرف اشارہ ہے، جس میں اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝٦ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝٧ قُلُوْبٌ يَّوْمَىِٕذٍ وَّاجِفَةٌ ۝٨ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝٩﴾ [سورۂ نازعات] جس کا ترجمہ اور مطلب یہ ہے کہ اوپر چند چیزوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''قیامت ضرور آئے گی، جس دن ہِلا دینے والی چیز سب کو ہِلا ڈالے گی''۔ اس سے مُراد پہلا صُور ہے۔ ''اس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آئے گی''۔ اس سے مراد دوسرا صور ہے۔ ''بہت سے دل اس روز خوف کے مارے دھڑک رہے ہوں گے، شرم کی وجہ سے ان کی آنکھیں جُھک رہی ہوں گی''۔　[بیان القرآن مع زیادۃ]

(۱۰) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ حِيْنَ يُصْبِحُ عَشْرًا وَّحِيْنَ يُمْسِيْ عَشْرًا أَدْرَكَتْهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. [رواه الطبراني بإسنادين أحدهما جيد لكن فيه انقطاع كذا في القول البديع]

حضرت اَبُو الدَّرْدَاء رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص صبح اور شام مجھ پر دَس دَس مرتبہ درود شریف پڑھے اس کو قیامت کے دن میری شفاعت پہونچ کر رہے گی۔

فائدہ: علامہ سخاویؒ نے مُتَعَدِّد احادیث سے درود شریف پڑھنے والے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت حاصل ہونے کا مُژدَہ[۲] نقل کیا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے، جو مجھ پر درود پڑھے قیامت کے دِن میں اس کا سِفارشی بنوں گا۔ اس حدیث پاک میں کسی مِقْدار کی بھی قید نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور حدیث سے درود نماز کے بعد بھی یہ لفظ نقل کیا ہے کہ میں قیامت کے دن اس کی گواہی دوں گا اور اس کے لیے سِفارش کروں گا۔ حضرت رُوَیْفَع بن ثابِت رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص یہ درود شریف پڑھے [اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّأَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ] اس کے لیے میری شَفَاعَت واجب ہے۔ عَلّامَہ سَخَاوِیؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے، میں اس کو سنتا ہوں اور جو شخص دُور سے مجھ پر درود پڑھتا ہے، اللہ جَلَّ شانہٗ اس کے لیے ایک فرشتہ مُقَرَّر کر دیتے ہیں جو مجھ تک درود کو پہونچائے اور اس کے دُنیا و آخرت کے کاموں کی کِفَایَت کر دی جاتی ہے اور میں قیامت کے دن اس کا گواہ یا سِفَارِشِی بنوں گا۔ ''یا'' کا مطلب یہ ہے کہ بعض کے لیے سفارشی اور بعض کے لیے گواہ۔ مثلاً اہل مدینہ کے لیے گواہ، دوسروں کے لیے سفارشی یا فرمانبرداروں کے لیے گواہ اور گناہ گاروں کے لیے سفارشی، وغیرہ ذلك كما قاله السخاويؒ.

حل لغات: (۱) ملی ہوئی۔ (۲) خوش خبری۔

(۱۱) عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : مَا مِنْ عَبْدٍ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً إِلَّا عَرَجَ بِهَا مَلَكٌ حَتّٰى يُحَيِّيْ بِهَا وَجْهَ الرَّحْمٰنِ عَزَّ وَجَلَّ ، فَيَقُوْلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى : اِذْهَبُوْا بِهَا إِلٰى قَبْرِ عَبْدِيْ تَسْتَغْفِرُ لِقَائِلِهَا وَتَقِرُّ بِهَا عَيْنُهٗ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اَقدَس ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے، تو ایک فرشتہ اس درود کو لے جا کر اللہ جَلَّ شانہٗ کی پاک بارگاہ میں پیش کرتا ہے۔ وہاں سے ارشاد عالی ہوتا ہے کہ اس درود کو میرے بندے کی قبر کے پاس لے جاؤ، یہ اس کے لیے استغفار کرے گا اور اس کی وجہ سے اس کی آنکھ ٹھنڈی ہوگی۔

[أخرجه أبو علي بن البناء والديلمي في مسند الفردوس وفي سنده عمر بن خبيب ضعفه النسائي وغيره كذا في القول البديع]

فائدہ: ''زادُ السَّعِید'' میں ''مَواہِبِ لَدُنِّیہ'' سے نقل کیا ہے کہ قیامت میں کسی مومن کی نیکیاں کم ہو جائیں گی تو رسول اللہ ﷺ ایک پَرچہ سَرِ انگشت[1] کی برابر نکال کر میزان[2] میں رکھ دیں گے جس سے نیکیوں کا پَلّہ وزنی ہو جائے گا، وہ مومن کہے گا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں! آپ کون ہیں؟ آپ کی صورت و سیرت کیسی اچھی ہے؟ آپ ﷺ فرمائیں گے: میں تیرا نبی ہوں اور یہ درود ہے جو تو نے مجھ پر پڑھا تھا، تیری حاجت کے وقت میں نے اس کو ادا کر دیا۔ اس پر یہ اِشکال[3] نہ کیا جائے کہ ایک پَرچہ سَرِ انگُشت کی برابر میزان کے پَلڑے کو کیسے جُھکا دے گا، اس لیے کہ اللہ جَلَّ شانہٗ کے یہاں اِخلاص کی قدر ہے اور جتنا بھی اخلاص زیادہ ہوگا اُتنا ہی وزن زیادہ ہوگا۔ حدیثُ البِطاقہ یعنی ایک ٹکڑا کاغذ کا جس پر کلمۂ شہادت لکھا ہوا تھا، وہ ننانوے دفتروں کے مقابلے میں اور ہر دفتر اتنا بڑا کہ مُنتہائے نظر[4] تک ڈھیر لگا ہوا تھا غالب آ گیا۔ یہ حدیث مُفصَّل اس ناکارہ کے رسالہ ''فضائلِ ذکر'' بابِ دوم، فصلِ سوم کی نمبر چودہ[۱۴] پر گذر چکی ہے، جس کا جی چاہے مُفصَّل وہاں دیکھے اور اس میں یہ بھی کہ اللہ کے نام کے مُقابلے میں کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی اور بھی اُس رسالہ میں مُتعدَّد رِوایات اسی مضمون کی گذری ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے یہاں وزن اخلاص کا ہے۔ فصلِ پنجم حکایات کے ذیل میں حکایات نمبر بیس پر بھی اس کے مُتعلِّق مُختَصَر سا مضمون آ رہا ہے۔

(۱۲) عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهٗ قَالَ : أَيُّمَا رَجُلٍ مُسْلِمٍ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهٗ صَدَقَةٌ فَلْيَقُلْ فِيْ دُعَائِهٖ : اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

حضرت ابو سعید خُدری رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس کے پاس صدقہ کرنے کو کچھ نہ ہو وہ یوں دُعا مانگا کرے اَللّٰھُمَّ صَلِّ سے اخیر تک، اے اللہ! درود بھیج محمد (ﷺ) پر جو تیرے بندے ہیں اور تیرے رسول ہیں اور رحمت بھیج مومن مرد اور مومن عورتوں پر اور مسلمان مرد

حل لغات: (۱) انگلی کی پور۔ (۲) ترازو۔ (۳) اعتراض۔ (۴) جہاں تک نگاہ جا سکتی ہے۔

وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ	اور مسلمان عورتوں پر۔ پس یہ دعا اس کے لیے زکوٰۃ یعنی
فَإِنَّهَا زَكٰوةٌ. وَقَالَ: لَا يَشْبَعُ الْمُؤْمِنُ	صدقہ ہونے کے قَائِمُ مَقَام ہے۔ اور مومن کا پیٹ کسی خیر
خَيْرًا حَتّٰى يَكُوْنَ مُنْتَهَاهُ الْجَنَّةُ.	سے کبھی نہیں بھرتا یہاں تک کہ وہ جنت میں پہونچ جائے۔

[رواه ابن حبان في صحيحه كذا في الترغيب وبسط السخاوي في تخريجه وعزاه السيوطي في الدر إلى الأدب المفرد للبخاري]

فائدہ: علامہ سخاویؒ نے لکھا ہے کہ حافظ ابن حبّانؒ نے اس حدیث پر یہ فَصْل باندھی ہے: اس چیز کا بیان کہ حضورِ اقدس ﷺ پر درود پڑھنا صدقہ نہ ہونے کی صورت میں صدقہ کے قائم مقام ہوجاتا ہے۔ عُلَمَاء میں اس بات میں اِخْتِلَاف ہے کہ صدقہ افضل ہے یا حضورِ اقدس ﷺ پر درود؟ بعض علماء نے کہا ہے کہ حضور ﷺ پر درود صدقہ سے بھی افضل ہے، اس لیے کہ صدقہ صرف ایک ایسا فریضہ ہے جو بندوں پر ہے اور درود شریف ایسا فریضہ ہے جو بندوں پر فرض ہونے کے علاوہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اور اس کے فرشتے بھی اس عمل کو کرتے ہیں، اگرچہ علامہ سخاویؒ خود اس کے مُوَافِق نہیں ہیں۔ علامہ سخاویؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ مجھ پر درود بھیجا کرو، اس لیے کہ مجھ پر درود بھیجنا تمہارے لیے زکوٰۃ (صدقہ) کے حکم میں ہے۔ ایک اور حدیث سے نقل کیا ہے کہ مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو کہ وہ تمہارے لیے زکوٰۃ (صدقہ) ہے۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ مجھ پر تمہارا درود بھیجنا تمہاری دُعاؤں کو محفوظ کرنے والا ہے، تمہارے رب کی رضاء کا سبب ہے اور تمہارے اعمال کی زکوٰۃ ہے (یعنی ان کو بڑھانے والا اور پاک کرنے والا ہے) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ مجھ پر درود بھیجا کرو، اس لیے کہ مجھ پر درود تمہارے لیے (گناہوں کا) کَفّارہ ہے اور زکوٰۃ (یعنی صدقہ) ہے اور حدیث پاک کا آخری ٹکڑا کہ مومن کا پیٹ نہیں بھرتا، اس کو صاحبِ مشکوٰۃ نے فضائلِ علم میں نقل کیا ہے اور صاحبِ مِرْقَات وغیرہ نے خیر سے علم مراد لیا ہے، اگرچہ خیر کا لفظ عام ہے اور ہر خیر کی چیز اور ہر نیکی کو شامل ہے اور مطلب ظاہر ہے کہ مومن کامل کا پیٹ نیکیاں کمانے سے کبھی نہیں بھرتا وہ ہر وقت اس کوشش میں رہتا ہے کہ جو نیکی بھی جس طرح اس کو مل جائے وہ حاصل ہوجائے، اگر اس کے پاس مالی صدقہ نہیں ہے تو درود شریف ہی سے صدقہ کی فضیلت حاصل کرے۔ اِس ناکارہ کے نزدیک خیر کا لفظ عَلَى الْعُمُوم[1] ہی زیادہ بہتر ہے کہ وہ علم اور دوسری چیزوں کو شامل ہے، لیکن صَاحِبِ مَظَاہِرِحق نے بھی صَاحِبِ مِرْقَات وغیرہ کے اِتِبَّاع میں خیر سے علم ہی مراد لیا ہے؛ اس لیے وہ تحریر فرماتے ہیں: ہر گز نہیں سیر ہوتا مومن خیر سے یعنی عِلم سے، یعنی اخیر عمر تک طلب علم میں رہتا ہے اور اس کی برکت سے بَہِشْت[2] میں جاتا ہے۔ اس حدیث میں خوشخبری ہے طالب علم کو کہ دنیا سے باایمان

حل لغات: (۱) عام رکھنا۔ (۲) جنت۔

جاتا ہے اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ اور اس درجہ کو حاصل کرنے کے لیے بعض اہل اللہ اخیر عمر تلک تحصیلِ علم میں مشغول رہے ہیں۔ باوجود حاصل کرنے بہت سے علم کے اور دائرہ علم کا وسیع ہے جو کہ مشغول ہو ساتھ علم کے اگر چہ ساتھ تعلیم وتصنیف کے ہو حقیقت میں ثواب طلب علم اور تکمیل اسکی کا ہی ہے اس کو (حق)۔

تکملہ: اس فصل کو قرآن پاک کی دو آیتوں اور دس احادیث شریفہ پر اِخْتِصَارًا ختم کرتا ہوں کہ فضائل کی روایات بہت کثرت سے ہیں ان کا اِحْصَاء[1] بھی اس مُخْتَصَر رسالہ میں دُشوار ہے اور سعادت کی بات یہ ہے کہ اگر ایک بھی فضیلت نہ ہوتی تب بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وَصَحْبِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ کے اُمت پر اس قدر اِحْسَانَات ہیں کہ نہ ان کا شُمار ہوسکتا ہے اور نہ ان کی حق ادائیگی ہوسکتی ہے۔ اس بِنَا پر جتنا بھی زیادہ سے زیادہ آدمی درود پاک میں رَطْبُ[2] اللِّسان رہتا وہ کم تھا، چہ جائے کہ اللہ جَلَّ شانہٗ نے اپنے لُطف وکرم سے اس حق ادائیگی کے اوپر بھی سیکڑوں اجر وثواب اور احسانات فرما دیے۔ علامہ سخاویؒ نے اول مُجْمَلاً[3] ان انعامات کی طرف اشارہ کیا ہے جو درود شریف پر مُرَتَّبْ ہوئے ہیں؛ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

باب ثانی: درود شریف کے ثواب میں

اللہ جَلَّ شانہٗ کا بندہ پر درود بھیجنا، اس کے فرشتوں کا درود بھیجنا اور حضور اقدس ﷺ کا خود اس پر درود بھیجنا اور درود پڑھنے والوں کی خطاؤں کا کفارہ ہونا اور ان کے اعمال کو پاکیزہ بنادینا اور ان کے درجات کا بلند ہونا اور گناہوں کا معاف ہونا اور خود درود کا مغفرت طلب کرنا درود پڑھنے والے کے لیے اور اس کے نامۂ اعمال میں ایک قیراط کی برابر ثواب کا لکھا جانا اور قیراط بھی وہ جو اُحد پہاڑ کی برابر ہو اور اس کے اعمال کا بہت بڑی ترازو میں تُلنا اور جو شخص اپنی ساری دُعاؤں کو درود بنادے اس کے دُنیا وآخرت کے سارے کاموں کی کِفَایت جیسا کہ قریب ہی نو[9] پر حضرت اُبی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گذر چکا اور خطاؤں کا مٹادینا اور اس کے ثواب کا غلاموں کے آزاد کرنے سے زیادہ ہونا اور اس کی وجہ سے خَطَرَات سے نجات پانا اور نبیٔ کریم ﷺ کا قیامت کے دن اس کے لیے شَاہِد وگواہ بننا اور آپ ﷺ کی شَفَاعَتْ کا واجب ہونا اور اللہ کی رَضَاء اور اس کی رحمت کا نازل ہونا اور اس کی ناراضگی سے امن کا حاصل ہونا اور قیامت کے دن عرش کے سایہ میں داخل ہونا اور اعمال کے تُلنے کے وقت نیک اعمال کے پَلڑے کا جُھکنا اور حوضِ کوثر پر حاضری کا نصیب ہونا اور قیامت کے دن کی پیاس سے امن نصیب ہونا اور جہنم کی آگ سے خَلَاصی کا نصیب ہونا اور پُلْصِرَاط پر سہولت سے گذر جانا اور مرنے سے پہلے اپنا مُقَرَّب ٹھکانا جنت میں دیکھ لینا اور جنت میں بہت ساری بیبیوں کا ملنا اور اس کے ثواب کا بیس جہادوں سے زیادہ ہونا اور نادار[4] کے لیے صدقہ کے قائم مقام ہونا اور

حل لغات: (۱) شمار کرنا۔ (۲) زبان تر رکھنا۔ (۳) مختصر طور پر۔ (۴) غریب، محتاج۔

درود شریف زکوٰۃ ہے اور طہارت ہے اور اس کی وجہ سے مال میں بَرَکت ہوتی ہے اور اس کی برکت سے سو حاجتیں بلکہ اس سے بھی زیادہ پوری ہوتی ہیں اور عبادت تو ہے ہی اور اعمال میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے اور مَجَالِس کے لیے زینت ہے اور فَقْر کو اور تنگیٔ مَعِیشت[1] کو دُور کرتا ہے اور اس کے ذریعہ سے اسبابِ خیر تلاش کیے جاتے ہیں اور یہ کہ درود پڑھنے والا قیامت کے دن حضورِ اقدس ﷺ کے سب سے زیادہ قریب ہوگا اور اس کی برکات سے خود درود پڑھنے والا اور اس کے بیٹے اور پوتے مُنْتَفِع[2] ہوتے ہیں اور وہ بھی مُنْتَفِع ہوتا ہے کہ جس کو درود شریف کا ایصالِ ثواب کیا جائے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں تَقَرُّب حاصل ہوتا ہے اور وہ بے شک نور ہے اور دشمنوں پر غَلَبَہ حاصل ہونے کا ذریعہ ہے اور دِلوں کو نِفاق سے اور زَنگ سے پاک کرتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہونے کا ذریعہ ہے اور خواب میں حضورِ اقدس ﷺ کی زیارت کا ذریعہ ہے اور اس کا پڑھنے والا اس سے محفوظ رہتا ہے کہ لوگ اس کی غیبت کریں۔ درود شریف بہت بابرکت اعمال میں سے ہے اور افضل ترین اعمال میں سے ہے اور دین و دُنیا دونوں میں سب سے زیادہ نفع دینے والا عمل ہے اور اس کے علاوہ بہت سے ثواب جو سمجھدار کے لیے اس میں رغبت پیدا کرنے والے ہیں، ایسا سمجھدار جو اعمال کے ذخیروں کو جمع کرنے پر حَرِیص[3] ہو اور ذَخائرِ اَعمال[4] کے ثَمَرات[5] حاصل کرنا چاہتا ہو۔ علّامہ سَخاویؒ نے باب کے شروع میں یہ اجمالی مضمون ذکر کرنے کے بعد پھر ان مضامین کی روایات کو تفصیل سے ذکر کیا جن میں سے بعض فصلِ اول میں گذر چکی ہیں اور بعض فصلِ ثانی میں آرہی ہیں اور ان روایات کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان احادیث میں اس عبادت کی شرافت پر بَیِّن[6] دلیل ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ کا درود، درود پڑھنے والے پر اَلْمُضَاعَفُ (یعنی دس گنا) ہوتا ہے اور اس کی نیکیوں میں اِضَافَہ ہوتا ہے، گناہوں کا کُفَّارہ ہوتا ہے، درجات بلند ہوتے ہیں، پس جتنا بھی ہوسکتا ہو سَیِّدُ السَّادَات اور مَعْدَنُ السَّعَادَات پر درود کی کَثْرت کیا کر، اس لیے کہ وہ وسیلہ[7] ہے مَسَرَّات[8] کے حُصُول کا اور ذریعہ ہے بہترین عطاؤں کا اور ذریعہ ہے مَضَرَّات[9] سے حفاظت کا اور تیرے لیے ہر اس درود کے بدلہ میں جو تو پڑھے دس درود ہیں جَبَّارُ الْاَرَضِیْنَ[10] وَالسَّمٰوٰات کی طرف سے، اور درود ہے اس کے ملائکۂ کِرام کی طرف سے وغیرہ وغیرہ۔ ایک اور جگہ اَقْلِیْشِیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ کونسا وسیلہ زیادہ شفاعت والا ہوسکتا ہے اور کونسا عمل زیادہ نفع والا ہوسکتا ہے؟ اس ذاتِ اَقْدَس ﷺ پر درود کے مُقَابَلہ میں جس پر اللہ جلّ شانہٗ درود بھیجتے ہیں اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اور اللہ جلّ شانہٗ نے اس کو دنیا اور آخرت میں اپنی قُربت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے، یہ بہت بڑا نُور ہے اور ایسی تجارت ہے جس میں گھاٹا نہیں، یہ اولیاءِ کِرام کا صبح وشام

حل لغات: (۱) روزی روٹی کی تنگی۔ (۲) فائدہ اُٹھانا۔ (۳) لالچی۔ (۴) اعمال کے ڈھیر۔ (۵) فائدے۔ (۶) کھلی ہوئی۔ (۷) ذریعہ۔ (۸) خوشیاں۔ (۹) نقصانات۔ (۱۰) زمینوں اور آسمانوں کے زبردست بادشاہ۔

کا مُستقِل معمول رہا ہے۔ پس جہاں تک ہو سکے درود شریف پر جَمار ہا کر اس سے اپنی گُمراہی سے نکل آئے گا اور تیرے اعمال صاف سُتھرے ہو جائیں گے، تیری اُمیدیں بَر آئیں[1] گی، تیرا قلب مُنوَّر[2] ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ شانہٗ کی رضا حاصل ہوگی، قیامت کے سخت ترین دَہشت[3] ناک دن میں اَمَن نصیب ہوگا۔

دوسری فصل
خاص خاص درود کے خاص خاص فضائل کے بیان میں

(۱) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ لَيْلٰى قَالَ: لَقِيَنِيْ كَعْبُ بْنُ عُجْرَةَ رضی اللہ عنہ فَقَالَ: أَلَا أُهْدِيْ لَكَ هَدِيَّةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ؟ فَقُلْتُ: بَلٰى فَأَهْدِهَا لِيْ، فَقَالَ: سَأَلْنَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَقُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! كَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ. فَإِنَّ اللهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ. قَالَ: قُوْلُوْا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

حضرت عبد الرحمٰن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت کَعب رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی، وہ فرمانے لگے کہ میں تجھے ایک ایسا ہَدیہ دوں جو میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے؟ میں نے عرض کیا: ضرور مَرحَمت فرمائیے، انھوں نے فرمایا کہ ہم نے حضورِ اقدس ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر درود کِن اَلفاظ سے پڑھا جائے، یہ تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتلا دیا کہ آپ پر سلام کس طرح بھیجیں، حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس طرح درود پڑھا کرو: (اَللّٰهُمَّ صَلِّ سے اخیر تک) یعنی اے اللہ! درود بھیج محمد (ﷺ) پر اور ان کی آل پر، جیسا کہ آپ نے درود بھیجا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور ان کی آل (اولاد) پر، اے اللہ! بے شک آپ سِتُودَہ[4] صِفات اور بزرگ ہیں، اے اللہ! برکت نازل فرما محمد (ﷺ) پر اور ان کی آل (اولاد) پر، جیسا کہ بَرکت نازل فرمائی آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور ان کی آل (اولاد) پر، بے شک آپ سِتُودَہ صِفات بزرگ ہیں۔

[رواه البخاري وبسط السخاوي في تخريجه واختلاف ألفاظه وقال: هٰكذا لفظ البخاري على إبراهيم وعلى اٰلِ إبراهيم في الموضعين]

فائدہ: ہَدیہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان حضرات رضی اللہ عنہم کے یہاں مہمانوں اور دوستوں کے لیے بجائے کھانے پینے کی چیزوں کے بہترین تحائِف اور بہترین ہدیے حضورِ اقدس ﷺ کا ذکر شریف، حضور ﷺ کی

حل لغات: (۱) پورا ہونا۔ (۲) روشن۔ (۳) گھبرا دینے والا۔ (۴) اچھی صفتوں والے۔

احادیث، حضور ﷺ کے حالات تھے، ان چیزوں کی قدر ان حضرات کے ہاں مادّی[1] چیزوں سے کہیں زیادہ تھی، جیسا کہ ان کے حالات اس کے شاہدِ عدل[2] ہیں، اسی بِنا پر حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اس کو ہدیہ سے تعبیر کیا۔ یہ حدیث شریف بہت مشہور حدیث ہے اور حدیث کی سب کتابوں میں بہت کثرت سے ذکر کی گئی ہے اور بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مختصر اور مفصّل[3] الفاظ میں نقل کی گئی ہے۔ علّامہ سَخاویؒ نے "قولِ بدیع" میں اس کے بہت طُرُق اور مُختلف الفاظ نقل کیے ہیں، وہ ایک حدیث میں حضرت حسنؒ سے مُرسلاً نقل کرتے ہیں کہ جب آیت شریفہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ [سورۂ احزاب:۵۶] نازل ہوئی، تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! سلام تو ہم جانتے ہیں کہ وہ کس طرح ہوتا ہے، آپ ہمیں درود شریف پڑھنے کا کس طرح حکم فرماتے ہیں؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ [اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلٰوتِكَ وَبَرَكَاتِكَ.... اِلخ] پڑھا کرو۔ دوسری حدیث میں ابو مَسعود بَدرِی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ہم حضرت سَعد بن عُبادہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں تھے کہ وہاں حضور اقدس ﷺ تشریف لائے، حضرت بَشیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ جلّ شانہٗ نے ہمیں درود پڑھنے کا حکم دیا ہے پس ارشاد فرمایئے کہ کس طرح آپ پر درود پڑھا کریں؟ حضور ﷺ نے سکوت[4] فرمایا: یہاں تک کہ ہم تمنّا کرنے لگے کہ وہ شخص سوال ہی نہ کرتا، پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یوں کہا کرو [اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ.... اِلخ] یہ روایت مسلم ابوداؤد وغیرہ میں ہے۔ اس کا مطلب کہ "ہم اس کی تمنا کرنے لگے" یہ ہے کہ ان حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو غایتِ محبّت اور غایتِ اِحترام کی وجہ سے جس بات کے جواب میں نبیٔ کریم ﷺ کو تأمُّل[5] ہوتا یا سُکوت فرماتے، تو ان کو یہ خوف ہوتا کہ یہ سوال کہیں مَنشاءِ[6] مُبارک کے خِلاف تو نہیں ہوگیا یا یہ کہ اس کا جواب نبیٔ کریم ﷺ کو معلوم نہیں تھا، جس کی وجہ سے حضور اقدس ﷺ کو تأمّل فرمانا پڑا، بعض روایات سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ حافِظ ابنِ حَجرؒ نے طَبَری کی روایت سے یہ نقل کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے سکوت فرمایا، یہاں تک کہ حضور ﷺ پر وحی نازل ہوئی۔ مُسنَدِ احمد وابنِ حِبّان وغیرہ میں ایک اور روایت سے نقل کیا ہے کہ ایک صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے، ہم لوگ مجلس میں حاضر تھے، ان صاحب نے سوال کیا: یارسول اللہ! سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہوگیا، جب ہم نماز پڑھا کریں تو اس میں آپ ﷺ پر دُرُود کیسے پڑھا کریں؟ حضور ﷺ نے اتنا سُکوت فرمایا کہ ہم لوگوں کی یہ خواہش ہونے لگی کہ یہ شخص سوال ہی نہ کرتا، اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز پڑھا کرو تو یہ درود پڑھا کرو [اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ.... اِلخ]

ایک اور روایت میں عبدالرحمٰن بن بَشیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ جلّ شانہٗ

حل لغات: (۱) دنیاوی۔ (۲) سچے گواہ۔ (۳) تفصیل سے۔ (۴) خاموشی۔ (۵) سوچ بچار۔ (۶) مرضی۔

نے ہمیں صلوٰۃ وسلام کا حکم دیا ہے، سلام تو ہمیں معلوم ہوگیا، آپ پر درود کیسے پڑھا کریں؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا یوں پڑھا کرو[اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ.... اِلخ]۔ مُسنَدِ اَحمد، تِرمِذی، بَیہَقی وغیرہ کی رِوَایات میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب آیت شریفہ ﴿اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ﴾ الاٰیۃ [سورۂ احزاب:۵۶] نازل ہوئی، تو ایک صاحب نے آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! سلام تو ہمیں معلوم ہے، آپ پر درود کیسے پڑھا کریں؟ تو حضور ﷺ نے ان کو درود تلقین فرمایا۔ اور بھی بہت سی رِوَایات میں اس قِسم کے مضمون ذکر کیے گئے ہیں اور دُرودوں کے الفاظ میں اِختِلَاف بھی ہے، جو اِختِلَافِ رِوایات میں ہوا ہی کرتا ہے، جس کی مُختَلِف وُجُوہ ہوتی ہیں، اس جگہ ظاہر یہ ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم کو مختلف الفاظ ارشاد فرمائے، تاکہ کوئی لفظ خاص طور سے وَاجِب نہ بن جائے، نفسِ درود شریف کا وُجُوب عَلیحِدہ چیز ہے جیسا کہ فَصلِ رَابِع(۱) میں آرہا ہے اور درود شریف کے کسی خاص لفظ کا وجوب علیحدہ چیز ہے، کوئی خاص لفظ واجب نہیں۔ یہ درود شریف جو اِس فَصل کے شروع میں نمبر ایک پر لکھا گیا ہے، یہ بخاری شریف کی روایت ہے جو سب سے زیادہ صحیح ہے اور حَنَفِیہ کے نزدیک نماز میں اسی کا پڑھنا اَولیٰ(۲) ہے، جیسا کہ عَلَّامہ شَامیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت اِمام محمدؒ سے سوال کیا گیا کہ حضور ﷺ پر درود کِن اَلفَاظ سے پڑھے؟ تو انھوں نے یہی درود شریف ارشاد فرمایا، جو فصل کے شروع میں لکھا گیا اور یہ درود مُوَافِق ہے اس کے جو صَحِیحَین [بخاری ومسلم] وغیرہ میں ہے۔ عَلَّامہ شامیؒ نے یہ عبارت "شَرحِ مُنیہ" سے نقل کی ہے، "شرحِ مُنیہ" کی عبارت یہ ہے کہ یہ دُرُود مُوَافِق ہے اس کے، جو صحیحین میں کَعب بِن عُجرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے۔ انتہی۔ اور کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی یہی روایت ہے جو اوپر گذری۔ علامہ سخاویؒ کہتے ہیں کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث سے ان الفاظ کی تعیین ہوتی ہے، جو حضور ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آیت شریفہ کے اِمتِثَالِ اَمر(۳) میں سکھلائے اور بھی بہت سے اَکَابِر سے اس کا افضل ہونا نقل کیا گیا ہے۔ ایک جگہ علامہ سخاویؒ لکھتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس سوال پر کہ ہم لوگوں کو اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے صلوٰۃ وسلام کا حکم دیا ہے تو کون سا درود پڑھیں؟ حضور ﷺ نے یہ تعلیم فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب سے افضل ہے۔ امام نَوَوِیؒ نے اپنی کتاب رَوضہ میں تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ قَسَم کھا بیٹھے کہ میں سب سے افضل درود پڑھوں گا تو اس درود کے پڑھنے سے قَسَم پوری ہو جائے گی۔ "حِصنِ حَصِین" کے حاشیہ پر "حِرزِ ثَمِین" سے نقل کیا ہے کہ یہ درود شریف سب سے زیادہ صحیح اور سب سے زیادہ افضل ہے، نماز میں اور بغیر نماز کے اسی کا اِہتِمَام کرنا چاہیے۔ یہاں ایک بات قابلِ تنبیہ یہ ہے کہ "زَادُالسَّعِید" کے بعض نُسخوں میں کَاتِب کی غلطی سے "حِرزِ ثَمِین" کی یہ عبارت بجائے اس درود شریف کے ایک دوسرے درود کے نمبر پر لکھ دی گئی اس کا لِحَاظ رہے، اس کے بعد اس حدیث شریف میں چند فَوَائِد قابلِ ذکر ہیں:

حل لغات: (۱) چوتھی۔ (۲) بہتر۔ (۳) حکم کو پورا کرنا۔

(۱) اول یہ کہ صحابۂ کرام ﷡ کا یہ عرض کرنا کہ سلام ہم جان چکے ہیں اس سے مراد التحیات کے اندر اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ ہے۔ علامہ سخاویؒ کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ یعنی حافظ ابنِ حجرؒ کے نزدیک یہی مطلب زیادہ ظاہر ہے، "اَوجَز" میں امام بَیہقیؒ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے اور اس میں بھی مُتعَدِّد عُلَمَاء سے یہی مطلب نقل کیا گیا ہے۔

(۲) ایک مشہور سوال کیا جاتا ہے کہ جب کسی چیز کے ساتھ تشبیہ(۱) دی جاتی ہے، مثلاً یوں کہا جائے کہ فلاں شخص حاتِم طَائی جیسا سخی ہے، تو سخاوت میں حاتم کا زیادہ سخی ہونا معلوم ہوتا ہے، اس وجہ سے اس حدیث پاک میں حضرت ابراہیم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے درود کا افضل ہونا معلوم ہوتا ہے، اس کے بھی "اَوجَز" میں کئی جواب دیے گئے ہیں اور حافظ ابن حجرؒ نے "فَتحُ البَارِی" میں دس جواب دیے ہیں، کوئی عالم ہو تو خود دیکھ لے، غیر عالم ہو تو کسی عالم سے دل چاہے تو دریافت(۲) کر لے، سب سے آسان جواب یہ ہے کہ قَاعِدۂ(۳) اَکثَرِیہ تو وہی ہے جو اوپر گذرا، لیکن بسا اوقات بعض مَصَالِح(۴) سے اس کا اُلٹا ہوتا ہے، جیسے قرآن پاک کے درمیان میں اللہ جلّ شانہٗ کے نور کے متعلق ارشاد ہے۔ ﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ.... الآیہ﴾ [سورۂ نور: ۳۵] ترجمہ: اس کے نور کی مثال اس طاق کی سی ہے جس میں چِراغ ہو۔ اخیر آیت تک۔ حالانکہ اللہ جلّ شانہٗ کے نور کو چراغوں کے نور کے ساتھ کیا مُناسبَت؟۔

(۳) یہ بھی مشہور اِشکال ہے کہ سارے انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے درود کو کیوں ذکر کیا، اس کے بھی "اَوجَز" میں کئی جواب دیے گئے ہیں، حضرت اَقدَس تھانوی نَوَّرَاللّٰہ مَرقَدَہٗ نے بھی "زادُ السعید" میں کئی جواب ارشاد فرمائے ہیں، بندے کے نزدیک تو زیادہ پسند یہ جواب ہے کہ حضرت اِبرَاہِیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو اللہ جلّ شانہٗ نے اپنا خلیل قرار دیا؛ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا﴾ [سورۂ نساء: ۱۲۵] لہٰذا جو درود اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوگا وہ محبت کی لائن کا ہوگا اور محبت کی لائن کی ساری چیزیں سب سے اونچی ہوتی ہیں؛ لہٰذا جو درود محبت کی لائن کا ہوگا وہ یقیناً سب سے زیادہ لذیذ اور اونچا ہوگا، چنانچہ ہمارے حضور اقدس ﷺ کو اللہ جلّ شانہٗ نے اپنا حبیب قرار دیا اور حبیب اللہ بنایا اور اسی لیے دونوں کا درود ایک دوسرے کے مُشَابِہ(۵) ہوا۔ مِشکوٰۃ میں حضرت ابن عباس ﷠ کی روایت سے قصہ نقل کیا گیا ہے کہ صحابہ ﷡ کی ایک جماعت انبیاء کرام علیہم السلام کا تَذکِرہ کر رہی تھی کہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور حضرت عیسی علیہ السلام اللہ کا کلمہ اور روح ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ نے اپنا صَفِی(۶) قرار دیا، اتنے میں حضور ﷺ تشریف لائے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا میں نے تمہاری گفتگو سنی، بے شک ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں اور

حل لغات: (۱) مثال۔ (۲) پوچھ لے۔ (۳) عام قاعدہ۔ (۴) مصلحت۔ (۵) مطابق۔ (۶) چنا ہوا، پاک صاف۔

موسیٰ علیہ السلام نجیُّ اللہ ہیں (یعنی کلیم اللہ) اور ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلِمہ اور روح ہیں اور آدم علیہ السلام اللہ کے صَفِیُّ ہیں؛ لیکن بات یوں ہے: غور سے سنو کہ میں اللہ کا حبیب ہوں اور اس پر کوئی فَخر نہیں کرتا؛ اور قیامت کے دن حَمد کا جَھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور اس جھنڈے کے نیچے آدم اور سارے انبیاء علیہم السلام ہوں گے اور اس پر کوئی فخر نہیں کرتا؛ اور قیامت کے دن سب سے پہلے میں شَفاعت کرنے والا ہوں گا؛ اور سب سے پہلے جس کی شفاعت قبول کی جائے گی وہ میں ہوں گا اور اس پر بھی میں کوئی فخر نہیں کرتا اور سب سے پہلے جنت کا دروازہ کُھلوانے والا میں ہوں گا؛ اور سب سے پہلے جنت میں مَیں اور میری اُمت کے فُقَراء[1] داخل ہوں گے اور اس پر بھی کوئی فخر نہیں کرتا؛ اور میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مُکرَّم[2] ہوں اوّلین اور آخرین میں اور کوئی فخر نہیں کرتا۔ اور بھی مُتَعَدَّد رِوایات سے حضور ﷺ کا حبیب اللہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ محبت اور خُلَّت[3] میں جو مُناسَبَت ہے وہ ظاہر ہے، اسی لیے ایک کے درود کو دوسرے کے درود کے ساتھ تشبیہ دی اور چونکہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام حضورِ اقدس ﷺ کے آباء میں ہیں، اس لیے بھی "مَنْ أَشْبَهَ أَبَاهُ فَمَا ظَلَمَ" آباء واَجداد[4] کے ساتھ مُشابہت بہت مَمدُوح[5] ہے۔ "مشکوٰۃ" کے حاشیہ پر "لَمعات" سے اس میں ایک نُکتہ بھی لکھا ہے وہ یہ کہ حبیبُ اللہ کا لقب سب سے اونچا ہے؛ چنانچہ فرماتے ہیں کہ حبیب اللہ کا لفظ جامع[6] ہے خُلَّت کو بھی اور کلیم اللہ[7] ہونے کو بھی اور صفی اللہ[8] ہونے کو بھی، بلکہ ان سے زائد چیزوں کو بھی جو دیگر انبیاء علیہم السلام کے لیے ثابت نہیں اور وہ اللہ کا محبوب ہونا ہے ایک خاص محبت کے ساتھ میں، جو حضورِ اقدس ﷺ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۲) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُّكْتَالَ بِالْمِكْيَالِ الْأَوْفٰى إِذَا صَلّٰى عَلَيْنَا أَهْلَ الْبَيْتِ فَلْيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ ِالنَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَأَزْوَاجِهٖ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَأَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. [رواه أبوداؤد وذكره السخاوي بطرق عديدة]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ جب وہ درود پڑھا کرے ہمارے گھرانے پر، تو اس کا ثواب بہت بڑے پیمانے میں ناپا جائے، تو وہ ان الفاظ سے درود پڑھا کرے (اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ سے اخیر تک) تَرجَمہ: اے اللہ! درود بھیج محمد (ﷺ) پر جو نبی اُمّی ہیں اور آپ ﷺ کی بیویوں پر جو سارے مسلمانوں کی مائیں ہیں اور آپ ﷺ کی آل اولاد[9] پر اور آپ ﷺ کے گھرانے پر، جیسا کہ درود بھیجا آپ نے آلِ ابراہیم پر، بے شک آپ ہی سزاوارِ حَمد[10] ہیں بزرگ ہیں۔

حل لغات: (۱) غریب ایمان والے۔ (۲) باعزت۔ (۳) دوستی۔ (۴) باپ دادا۔ (۵) پسندیدہ۔ (۶) شامل۔ (۷) اللہ تعالیٰ سے بات کرنے والا۔ (۸) اللہ کا پسندیدہ۔ (۹) اولاد۔ (۱۰) تعریف کے لائق۔

فائدہ: ''نبیٔ اُمِّی'' حضور اقدس ﷺ کا خاص لَقَب ہے اور یہ لقب آپ ﷺ کا تورات، انجیل اور تمام کتابوں میں جو آسمان سے اُتریں ذکر کیا گیا ہے۔ [کذافی المظاہر]

آپ ﷺ کو نبی اُمی کیوں کہا جاتا ہے؟ اس میں عُلَمَاء کے بہت سے اقوال ہیں جن کو شُرُوحِ حدیث مِرْقَاۃ وغیرہ میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، مشہور قول یہ ہے کہ اُمی اَن پڑھ کو کہتے ہیں کہ جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو اور یہ چونکہ اہم ترین مُعْجِزَہ ہے کہ جو شخص لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو، وہ ایسا فصیح و بلیغ قرآن پاک لوگوں کو پڑھائے، غالبًا اسی معجزہ کی وجہ سے کُتُبِ سَابِقَہ[1] میں اسی لقب کو ذکر کیا گیا۔

یَتِیْمے کہ نَا کَرْدَہ قرآں دُرُست	کُتُب خَانَہ چَنْد مِلَّت بُشُست

''جو یتیم کہ اس نے پڑھنا بھی نہ سیکھا ہو اس نے کتنے ہی مذہبوں کے کتب خانے دھو دیے، یعنی منسوخ کر دیے''۔

نِگَارِ مَنْ کہ بَمَکْتَب نَہ رَفْت وَخَط نَہ نَوِشْت	بغمزہ مَسْئَلَہ آمُوزِ صَد مُدَرِّس شُد

''میرا محبوب جو کبھی مکتب میں بھی نہیں گیا، لکھنا بھی نہیں سیکھا، وہ اپنے اشاروں سے سیکڑوں مدرسوں کا مُعَلِّم بن گیا''۔

حضرت اقدس شیخ المشائخ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ''حِرْزِ ثَمِیْن'' تیرہ [۱۳] پر تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والدین نے ان الفاظ کے ساتھ درود پڑھنے کا حکم فرمایا تھا ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ ِالنَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ'' میں نے خواب میں اس درود شریف کو حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پڑھا، تو حضور ﷺ نے اس کو پسند فرمایا۔ اس کا مطلب کہ ''بہت بڑے پیمانہ میں ناپا جائے'' یہ ہے کہ عرب میں کھجوریں غَلَّہ وغیرہ پیمانوں میں ناپ کر بیچا جاتا تھا، جیسا کہ ہمارے شہروں میں یہ چیزیں وزن سے بکتی ہیں، تو بہت بڑے پیمانہ کا مطلب گویا بہت بڑی ترازو ہوا اور گویا حدیث پاک کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کے درود کا ثواب بہت بڑی ترازو میں تولا جائے اور ظاہر ہے کہ بہت بڑی ترازو میں وہی چیزیں تولی جائیں گی، جس کی مِقْدَار بہت زیادہ ہوگی، تھوڑی مقدار بڑی ترازو میں تولی بھی نہیں جا سکتی، جن ترازوؤں میں حَمَّام[2] کے لکڑے تولے جاتے ہوں، ان میں تھوڑی چیز وزن میں بھی نہیں آسکتی پَاسَنگ[3] میں رہ جائیں گی۔ مُلَّا عَلِی قاریؒ نے اور اس سے قبل علامہ سخاویؒ نے یہ لکھا ہے کہ جو چیزیں تھوڑی مقدار میں ہوا کرتی ہیں وہ ترازوؤں میں تُلا کرتی ہیں اور جو بڑی مقداروں میں ہوا کرتی ہیں وہ عام طور سے پیمانوں ہی میں ناپی جاتی ہیں، ترازوؤں میں ان کا آنا مشکل ہوتا ہے۔ علامہ سخاویؒ نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی حضور ﷺ کا یہی ارشاد نقل کیا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی حدیث سے بھی یہی نقل کیا ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کا درود بہت بڑے پیمانہ سے ناپا جائے، جب وہ ہم اہل بیت پر درود بھیجے تو یوں

حل لغات: (۱) پہلی کتابوں۔ (۲) غسل خانہ۔ (۳) ترازو کے پلڑوں کی کمی زیادتی کو پورا کرنے کی غرض سے جو وزن ترازو کی ڈنڈی سے باندھا جاتا ہے یا کم وزن پلڑے میں ڈالا جاتا ہے۔

پڑھا کرے: ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلٰوتَكَ وَبَرَكَاتَكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ وَأَزْوَاجِهٖ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَأَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ''. اور حَسن بَصری نے یہ نقل کیا ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ حضورِ اقدس ﷺ کی حوض سے بھرپور پیالہ پیوے وہ یہ درود پڑھا کرے: ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَأَوْلَادِهٖ وَأَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ وَأَهْلِ بَيْتِهٖ وَأَصْهَارِهٖ وَأَنْصَارِهٖ وَأَشْيَاعِهٖ وَمُحِبِّيْهِ وَأُمَّتِهٖ وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ أَجْمَعِيْنَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ''. اس حدیث کو قاضی عِیاض نے بھی ''شِفا'' میں نقل کیا ہے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۳) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: أَكْثِرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَإِنَّهٗ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلٰئِكَةُ، وَإِنَّ أَحَدًا لَنْ يُّصَلِّيَ عَلَيَّ إِلَّا عُرِضَتْ عَلَيَّ صَلٰوتُهٗ، حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا. قَالَ: قُلْتُ: وَبَعْدَ الْمَوْتِ؟ قَالَ: إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ.

حضرت اَبُو الدَّرْدَاء رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ میرے اوپر جمعہ کے دن کثرت سے درود بھیجا کرو، اس لیے کہ یہ ایسا مُبارک دن ہے کہ مَلائکہ اس میں حاضر ہوتے ہیں اور جب کوئی شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے تو وہ درود اس کے فارغ ہوتے ہی مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کے اِنتقال کے بعد بھی؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں، انتقال کے بعد بھی، اللہ جلّ شانہٗ نے زمین پر یہ بات حرام کر دی ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے بدنوں کو کھائے، پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے رزق دیا جاتا ہے۔

[رواه ابن ماجه بإسناد جيد كذا في الترغيب، زاد السخاوي في اٰخر الحديث. فنبي الله حي يرزق، وبسط في تخريجه وأخرج معناه عن عدة من الصحابة. وقال القاري: وله طرق كثيرة بألفاظ مختلفة]

فائدہ: ملا علی قاری کہتے ہیں کہ اللہ جلّ شانہٗ نے انبیاء علیہم السلام کے اَجسام[1] کو زمین پر حرام کر دیا، پس کوئی فرق نہیں ہے ان کے لیے دونوں حالتوں یعنی زندگی اور موت میں اور اس حدیث پاک میں اس طرف بھی اِشارہ ہے کہ دُرود رُوحِ مبارک اور بدن مبارک دونوں پر پیش ہوتا ہے۔ اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ ''اللہ کا نبی زندہ ہے رزق دیا جاتا ہے'' سے مُراد حضورِ اقدس ﷺ کی پاک ذات ہوسکتی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد ہر نبی ہے؛ اس لیے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا، اور اسی طرح حضرتِ ابراہیم عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو بھی دیکھا، جیسا کہ مُسلم شریف کی حدیث میں ہے۔ اور یہ حدیث کہ ''انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں'' صحیح ہے۔

حل لغات: (۱) جسم کی جمع۔

اور رزق سے مراد رزقِ مَعنوِی[1] بھی ہوسکتا ہے اور اس میں بھی کوئی مانع[2] نہیں کہ رزق حِسّی[3] مراد ہو اور وہی ظاہر ہے اور مُتَبَادِر[4]۔ اھ۔ عَلَّامَہ سَخَاوِیؒ نے یہ حدیث بہت سے طُرُق سے نقل کی ہے، حضرت اَوس رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے: تمہارے افضل ترین[5] ایام میں سے جمعہ کا دن ہے، اسی دن میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی، اسی میں ان کی وفات ہوئی، اسی دن میں نَفخہ (پہلا صُور) اور اسی میں صَعقہ (دوسرا صور) ہوگا، پس اس دن میں مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو، اس لیے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا؟ آپ تو (قبر میں) بوسیدہ ہو چکے ہوں گے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جلَّ شانہٗ نے زمین پر یہ بات حرام کردی ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے بدنوں کو کھاوے۔ حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ میرے اوپر ہر جمعہ کے دن کثرت سے درود بھیجا کرو، اس لیے کہ میری اُمت کا درود ہر جمعہ کو پیش کیا جاتا ہے، پس جو شخص میرے اوپر درود پڑھنے میں سب سے زیادہ ہوگا وہ مجھ سے (قیامت کے دن) سب سے زیادہ قریب ہوگا۔ یہ مضمون کہ ''کثرت سے درود پڑھنے والا قیامت کے دن حضور ﷺ سے سب سے زیادہ قریب ہوگا''، فصلِ اَوّل کے نمبر پانچ میں گذر چکا ہے۔ حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جمعہ کے دن میرے اوپر کَثرت سے درود بھیجا کرو، اس لیے کہ جو شخص بھی جمعہ کے دن مجھ پر درود بھیجتا ہے، وہ مجھ پر فوراً پیش ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ میرے اوپر روشن رات (یعنی جمعہ کی رات) اور روشن دن (یعنی جمعہ کے دن) میں کثرت سے درود بھیجا کرو، اس لیے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے، تو میں تمہارے لیے دُعا اور اِستِغفَار کرتا ہوں۔ اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت حَسَنِ بَصرِیؒ، حضرت خالد بنِ مِعدَانؒ وغیرہ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو، سلیمان بن سُحَیمؒ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضورِ اقدس ﷺ کی زیارت کی، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جو لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ کی خدمت میں سلام کرتے ہیں، کیا آپ کو اس کا پتہ چلتا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں! اور میں ان کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ ابراہیم بن شَیبَانؒ کہتے ہیں کہ میں نے جب حج کیا اور مدینہ پاک حاضری ہوئی اور میں نے قبرِ اطہر کی طرف بڑھ کر حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا، تو میں نے رَوضَۂ اَطہَر سے ''وعلیک السلام'' کی آواز سنی۔ ''بُلُوغ المُسَرَّات'' میں حافظ ابنِ قیمؒ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ جمعہ کے دن درود شریف کی زیادہ فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار ہے اور حضورِ اقدس ﷺ کی ذاتِ اطہر سارے مخلوق کی سردار ہے، اس لیے اس دن کو حضورِ اقدس ﷺ

حل لغات: (۱) روحانی۔ (۲) رکاوٹ۔ (۳) محسوس ہونے والا۔ (۴) جلد سمجھ میں آنے والا۔ (۵) سب سے بابرکت۔

پر دُرُود کے ساتھ ایک ایسی خصوصیت ہے جو اور دِنوں کو نہیں۔ اور بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ حضور اقدس ﷺ باپ کی پشت سے اپنی ماں کے پیٹ میں اسی دن تشریف لائے تھے۔

علامہ سخاویؒ کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن درود شریف کی فضیلت حضرت ابو ہریرہ، حضرت اَنَس، اَوْس ابن اَوْس، ابواُمامہ، اَبُوالدَّرْدَاء، اَبُومَسْعُود، حضرت عُمَرؓ، ان کے صاحبزادے عبداللہ وغیرہ حضرات رضی اللہ عنہم سے نقل کی گئی ہے، جن کی رِوَایات علامہ سخاویؒ نے نقل کی ہیں۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا　　عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

④ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اَلصَّلٰوةُ عَلَيَّ نُوْرٌ عَلَى الصِّرَاطِ، وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثَمَانِيْنَ مَرَّةً غُفِرَتْ لَهٗ ذُنُوْبُ ثَمَانِيْنَ عَامًا. [ذكره السخاوي من عدة روايات ضعيفة بألفاظ مختلفة]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مجھ پر درود پڑھنا پُل صراط پر گذرنے کے وقت نور ہے اور جو شخص جمعہ کے دن اَسّی دفعہ مجھ پر درود بھیجے اس کے اَسّی سال کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

فائدہ: علامہ سخاویؒ نے "قولِ بدیع" میں اس حدیث کو مُتَعَدَّد رِوَایات سے جن پر ضُعْف کا حکم بھی لگایا ہے نقل کیا اور صاحبِ اِتّحاف نے بھی شرحِ اِحیاء میں اس حدیث کو مختلف طُرُق[1] سے نقل کیا ہے، اور مُحَدِّثِیْن کا قاعدہ ہے ضعیف روایت بالخصوص جب کہ وہ متعدد طُرُق سے نقل کی جائے فَضَائل میں مُعْتَبَر[2] ہوتی ہے، غالبًا اسی وجہ سے "جَامِع صَغِیْر" میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر حَسَنْ کی علامت لگائی ہے۔ ملاعلی قاریؒ نے "شرحِ شفاء" میں "جَامع صغیر" کے حوالہ سے بَرِوَایتِ طبرانی اور دارِقُطْنِی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ علامہ سخاویؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی نقل کی جاتی ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد اپنی جگہ سے اُٹھنے سے پہلے اَسّی مرتبہ یہ درود شریف پڑھے: "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ ٍالنَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا" اس کے اَسّی سال کے گناہ معاف ہوں گے اور اَسّی سال کی عبادت کا ثواب اس کے لیے لکھا جائے گا۔ دارِقُطْنِی کی ایک روایت میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر اَسّی مرتبہ درود شریف پڑھے، اس کے اَسّی سال کے گناہ معاف کیے جائیں گے، کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! درود کس طرح پڑھا جائے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَنَبِيِّكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ" اور یہ پڑھ کر ایک اُنگلی بند کر لے۔ اُنگلی بند کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اُنگلیوں پر شُمار کیا جائے۔ نبیِ کریم ﷺ سے اُنگلیوں پر گِنْنے کی ترغیب وارد ہوئی ہے اور ارشاد ہوا کہ انگلیوں پر گِنا کرو، اس

حل لغات: ① سندوں۔ ② بھروسے کے قابل۔

لیے کہ قیامت میں ان کو گویائی[1] دی جائے گی اور اُن سے پوچھا جائے گا۔ جیسا کہ فضائلِ ذکر میں فصلِ دوم کی حدیث نمبر اٹھارہ ۱۸ میں یہ مضمون تفصیل سے ذکر کیا جا چکا۔ ہم لوگ اپنے ہاتھوں سے سیکڑوں گناہ کرتے ہیں، جب قیامت کے دن پیشی[2] کے وقت میں ہاتھ اور انگلیاں وہ ہزاروں گناہ گِنوائیں، جو ان سے زندگی میں کیے گئے ہیں، تو ان کے ساتھ کچھ نیکیاں بھی گِنوائیں، جو ان سے کی گئی ہیں یا ان سے گنی گئی ہیں۔ دارِ قطنی کی اس روایت کو حافظ عِرَاقیؒ نے حُسَنْ بتلایا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن سو مرتبہ درود پڑھے، اس کے ساتھ قیامت کے دن ایک ایسی روشنی آئے گی کہ اگر اس روشنی کو ساری مخلوق پر تقسیم کیا جائے تو سب کو کافی ہو جائے۔ حضرت سَہَل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلِّمْ" اسّی ۸۰ دفعہ پڑھے، اس کے اسّی ۸۰ سال کے گناہ معاف ہوں۔ علامہ سخاویؒ نے ایک دوسری جگہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے اور وہ قبول ہو جائے، تو اس کے اسّی ۸۰ سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حضرت تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ نے "زادُ السّعید" میں بحوالہ "دُرِّ مُختار اَصبہانی" سے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو نقل فرمایا ہے۔ عَلَّامَہ شَامیؒ نے اس میں طویل[3] بَحث کی ہے کہ درود شریف میں بھی مقبول اور غیر مقبول ہوتے ہیں یا نہیں؟ شیخ ابو سُلَیمان دَارانیؒ سے نقل کیا ہے کہ ساری عبادتوں میں مقبول[4] اور مردود[5] ہونے کا اِحتمال[6] ہے۔ لیکن حضورِ اقدس ﷺ پر تو درود شریف قبول ہی ہوتا ہے اور بھی بعض صوفیہ سے یہی نقل کیا ہے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

⑤ عَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتِ الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنْ قَالَ: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّأَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ. [رواه البزار والطبراني في الأوسط وبعض أسانيدهم حسن كذا في الترغيب]

حضرت رُوَیفِع رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں: جو شخص اس طرح کہے "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّأَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ" اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔

فائدہ: درود شریف کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے "اے اللہ آپ محمد ﷺ پر درود بھیجیے اور ان کو قیامت کے دن ایسے مُبارک ٹھکانے پر پہونچایئے جو آپ کے نزدیک مُقَرَّب ہو۔"

علماء کے "مَقْعَدِ مُقَرَّب" یعنی مقرب ٹھکانے میں مُختَلِف اَقوال ہیں، علامہ سخاویؒ کہتے ہیں کہ مُحتَمَل[7] ہے کہ اس سے وسیلہ مراد ہو یا مقامِ محمود یا آپ ﷺ کا عرش پر تشریف رکھنا یا آپ ﷺ کا وہ مقامِ عالی[8] جو سب

حل لغات: (۱) بولنے کی طاقت۔ (۲) حاضری۔ (۳) لمبی۔ (۴) قبول ہونا۔ (۵) قبول نہ ہونا۔ (۶) شک۔ (۷) ہوسکتا۔ (۸) بلند۔

سے اَعْلٰی[1] واَرْفَعْ ہے۔ "حرزِ ثمین" میں لکھا ہے کہ مَقْعَدْ کو مُقَرَّبْ کے ساتھ اس لیے موصوف کیا ہے کہ جو شخص اس میں ہوتا ہے وہ مقرب ہوتا ہے، اس وجہ سے گویا اس مکان ہی کو مقرب قرار دیا اور اس کے مصداق میں علاوہ ان اقوال کے جو سخاویؒ سے گزرے ہیں، کرسی پر تشریف فرما ہونے کا اِضافہ کیا ہے۔ ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ مَقْعَدِ مُقَرَّبْ سے مراد مقامِ محمود ہے، اس لیے کہ روایت میں ''یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ'' کا لفظ ذکر کیا گیا ہے اور بعض رِوَایات میں ''اَلْمُقَرَّبُ عِنْدَكَ فِي الْجَنَّةِ'' کا لفظ آیا ہے، یعنی وہ ٹھکانہ جو جنت میں مقرب ہو، اس بِناء پر اس سے مُراد وسیلہ ہوگا جو جنت کے درجات میں سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ بعض عُلَماَء نے کہا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ کے لیے دو مقام علیحدہ علیحدہ ہیں، ایک مقام تو وہ ہے جب کہ حضورِ اقدس ﷺ شفاعت کے میدان میں عرشِ مُعَلّٰی کے دائیں جانب ہوں گے، جس پر اَوّلین[2] وآخرین[3] سب کو رَشک ہوگا اور دوسرا آپ ﷺ کا مقام جنت میں جس کے اوپر کوئی درجہ نہیں۔ بخاری شریف کی ایک بہت طویل[4] حدیث میں جس میں نبی کریم ﷺ کا بہت طویل خواب، جس میں حضورِ اقدس ﷺ نے دوزخ، جنت وغیرہ اور زنا کار، سود خور وغیرہ لوگوں کے ٹھکانے دیکھے، اس کے اخیر میں ہے کہ پھر وہ دونوں فرشتے مجھے ایک گھر میں لے گئے، جس سے زیادہ حسین اور بہتر مکان میں نے نہیں دیکھا تھا، اس میں بہت سے بوڑھے اور جوان عورتیں اور بچے تھے، اس کے بعد وہاں سے نکال کر مجھے وہ ایک درخت پر لے گئے، وہاں ایک مکان پہلے سے بھی بڑھیا تھا، میرے پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ پہلا مکان عام مسلمانوں کا ہے اور یہ شُہداء کا، اس کے بعد انھوں نے کہا کہ ذرا اُوپر سر اُٹھائیے، تو میں نے سر اُٹھا کر دیکھا تو ایک اَبر[5] سا نظر آیا، مَیں نے کہا میں اس کو بھی دیکھ لوں؟ ان دونوں فرشتوں نے کہا کہ ابھی آپ کی عمر باقی ہے، جب پوری ہو جائے گی جب آپ اس میں تشریف لے جائیں گے۔ درود شریف کی مختلف احادیث میں مختلف الفاظ پر شَفَاعَتْ واجب ہونے کا وَعْدہ پہلے بھی گذر چکا، آئندہ بھی آرہا ہے، کسی قیدی یا مُجْرِم کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ حاکم کے یہاں۔ فلاں شخص کا اثر ہے اور اس کی سفارش حاکم کے یہاں بڑی وَقِیع[6] ہوتی ہے، تو اس سفارش کی خوشامد میں کتنی دوڑ دھوپ کی جاتی ہے، ہم میں سے کون سا ایسا ہے جو بڑے سے بڑے گناہ کا مجرم نہیں؟ اور حضورِ اقدس ﷺ جیسا سفارشی جو اللہ کا حبیب، سارے رسولوں اور تمام مخلوق کا سردار، وہ کیسی آسان چیز پر اپنی سفارش کا وعدہ اور وعدہ بھی ایسا مُؤَکَّدْ[7] کہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر اس کی سفارش واجب ہے، پھر بھی اگر کوئی شخص اس سے فائدہ نہ اُٹھائے تو کس قدر خَسَارَہ[8] کی بات ہے۔ لَغْوِیَات[9] میں اوقات ضائع کرتے ہیں، فضول باتوں بلکہ غیبت وغیرہ گناہوں میں قیمتی اوقات کو برباد کرتے ہیں، ان اوقات کو درود شریف میں اگر خرچ کیا جائے تو کتنے فوائد حاصل ہوں۔

حل لغات: ① بلند۔ ② پہلے لوگ۔ ③ پچھلے لوگ۔ ④ لمبی۔ ⑤ بادل۔ ⑥ بہت اہم۔ ⑦ مضبوط۔ ⑧ نقصان۔ ⑨ بیکار باتوں۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

⑥ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَالَ: جَزَى اللّٰهُ عَنَّا مُحَمَّدًا مَّا هُوَ أَهْلُهٗ أَتْعَبَ سَبْعِيْنَ كَاتِبًا أَلْفَ صَبَاحٍ.	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں جو شخص یہ دُعا کرے "جَزَى اللّٰهُ عَنَّا مُحَمَّدًا مَّا هُوَ أَهْلُهٗ" ترجمہ: اللہ جلَّ شانہٗ جزا دے محمد (ﷺ) کو ہم لوگوں کی طرف سے جس بدلے کے وہ مُستحَق ہیں، تو اس کا ثواب ستّر فرشتوں کو ایک ہزار دن تک مَشقّت میں ڈالے گا۔

[رواه الطبراني في الكبير والأوسط كذا في الترغيب وبسط السخاوي في تخريجه ولفظه: أنهب سبعين ملكا ألف صباح]

فائدہ: نُزہۃُ المَجالِس میں بَرِوَایَتِ طَبَرانی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص صبح شام یہ درود پڑھا کرے "اَللّٰهُمَّ رَبَّ مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاجْزِ مُحَمَّدًا ﷺ مَا هُوَ أَهْلُهٗ" وہ اس کا ثواب لکھنے والوں کو ایک ہزار دن تک مشقت میں ڈالے رکھے گا۔ "مشقت میں ڈالے گا" کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک ہزار دن تک اس کا ثواب لکھتے لکھتے تھک جائیں گے۔ بعض عُلَمَاء نے "جس بدلے کے وہ مستحق ہیں" کی جگہ "جو بدلہ اللہ کی شان کے مناسب ہے" لکھا ہے۔ یعنی جتنا بدلہ عطا کرنا تیری شایانِ شان ہو وہ عطا فرما اور اللہ تعالیٰ کی شان کے مناسب بالخصوص اپنے محبوب ﷺ کے لیے ظاہر ہے کہ بے اِنتہا ہوگا۔ حضرت حَسَن بَصَرِیؒ سے ایک طویل[1] درود شریف کے ذیل میں نقل کیا گیا ہے کہ وہ اپنے درود شریف میں یہ الفاظ بھی پڑھا کرتے تھے "وَاجْزِهٖ عَنَّا خَيْرَ مَا جَزَيْتَ نَبِيًّا عَنْ أُمَّتِهٖ" اے اللہ! حضور ﷺ کو ہماری طرف سے اس سے زیادہ بہتر بدلہ عطا فرمائیے، جتنا کسی نبی کو اس کی اُمت کی طرف سے آپ نے عطا فرمایا"۔ ایک اور حدیث میں نقل کیا گیا ہے، جو شخص یہ الفاظ پڑھے: "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَكُوْنُ لَكَ رِضًا وَّلِحَقِّهٖ أَدَاءً، وَّأَعْطِهِ الْوَسِيْلَةَ وَالْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ، وَاجْزِهٖ عَنَّا مَا هُوَ أَهْلُهٗ، وَاجْزِهٖ عَنَّا مِنْ أَفْضَلِ مَا جَزَيْتَ نَبِيًّا عَنْ أُمَّتِهٖ، وَصَلِّ عَلٰى جَمِيْعِ إِخْوَانِهٖ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصَّالِحِيْنَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ" جو شخص سات جُمعوں تک ہر جمعہ کو سات مرتبہ اس درود کو پڑھے، اس کے لیے میری شفاعت واجب ہے۔ ایک عَلّامہ جو ابنُ المُشتَہِر کے نام سے مشہور ہیں، یوں کہتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اللہ جلَّ شانہٗ کی ایسی حَمد کرے جو اس سب سے زیادہ افضل ہو جو اب تک اس کی مخلوق میں سے کسی نے کی ہو، اوّلین[2] وآخرین[3] اور ملائکہ مُقَرَّبین[4] آسمان والوں اور زمین والوں سے بھی افضل ہو اور اسی طرح یہ چاہے کہ حضور اقدس ﷺ پر ایسا درود شریف پڑھے جو اس سب سے افضل ہو جتنے

حل لغات: ① لمبا۔ ② پہلے لوگ۔ ③ پچھلے لوگ۔ ④ اونچے درجے والے فرشتے۔

درود کسی نے پڑھے ہیں اور اسی طرح یہ بھی چاہتا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ شانہٗ سے کوئی ایسی چیز مانگے جو اس سب سے افضل ہو جو کسی نے مانگی ہو، تو وہ یہ پڑھا کرے ''اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا أَنْتَ اَهْلُهٗ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا أَنْتَ أَهْلُهٗ وَافْعَلْ بِنَا مَا أَنْتَ أَهْلُهٗ فَإِنَّكَ أَنْتَ أَهْلُ التَّقْوٰى وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ'' جس کا ترجمہ یہ ہے: اے اللہ! تیرے ہی لیے حَمد ہے جو تیری شان کے مُناسِب ہے، پس تو محمد ﷺ پر درود بھیج جو تیری شان کے مناسب ہے اور ہمارے ساتھ بھی وہ معاملہ کر جو تیری شایانِ شان ہو، بے شک تُو ہی اس کا مُستَحِق ہے کہ تجھ سے ڈرا جائے اور مغفرت کرنے والا ہے۔'' ابوالفضل قُومانیؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص خُراسان سے میرے پاس آیا اور اس نے یہ بیان کیا کہ میں مدینہ پاک میں تھا، میں نے حضورِ اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی تو حضور ﷺ نے مجھ سے یہ ارشاد فرمایا: جب تُو ہَمدان جائے تو ابوالفَضل بن زِیرک کو میری طرف سے سلام کہہ دینا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ یہ کیا بات؟ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ مجھ پر روزانہ سو مرتبہ یا اس سے بھی زیادہ یہ درود پڑھا کرتا ہے۔ ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ جَزَى اللّٰهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنَّا مَا هُوَ أَهْلُهٗ'' ابوالفَضلؒ کہتے ہیں کہ اس شخص نے قسم کھائی کہ وہ مجھے یا میرے نام کو حضورِ اقدس ﷺ کے خواب میں بتانے سے پہلے نہیں جانتا تھا۔ اَبُوالفضلؒ کہتے ہیں: میں نے اس کو کچھ غلہ دینا چاہا تو اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں حضورِ اقدس ﷺ کے پیام کو بیچتا نہیں (یعنی اس کا کوئی مُعاوَضَہ[1] نہیں لیتا)۔ ابوالفَضلؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد پھر میں نے اس شخص کو نہیں دیکھا۔ [بدیع] اس نوع[2] کا ایک دوسرا قصہ حکایات میں انتا[39]لیس پر آ رہا ہے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

⑦ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہما أَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ، ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّهٗ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا، ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِيْ إِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ أَنَا هُوَ فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ.

[رواه مسلم وأبوداؤد والترمذي كذا في الترغيب]

حضرت عبداللہ بن عَمْرو رضی اللہ عنہما حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب تم اذان سُنا کرو تو جو الفاظ مؤذن کہے وہی تم کہا کرو، اس کے بعد مجھ پر درود بھیجا کرو، اس لیے کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے، اللہ جلَّ شانہٗ اس پر دس دفعہ درود بھیجتے ہیں، پھر اللہ جلَّ شانہٗ سے میرے لیے وسیلہ کی دُعا کیا کرو، وسیلہ جنت کا ایک درجہ ہے جو صرف ایک ہی شخص کو ملے گا اور مجھے اُمید ہے کہ وہ ایک شخص میں ہی ہوں، پس جو شخص میرے لیے اللہ سے وسیلہ کی دُعا کرے گا اس پر میری شَفاعَت اُتر پڑے گی۔

حل لغات: ① بدلہ۔ ② قسم۔

فائدہ: ''اُتر پڑے گی'' کا مطلب یہ ہے کہ مُحقَّق[1] ہو جائے گی، اس لیے کہ بعض روایات میں اس کی جگہ یہ ارشاد ہے کہ اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔ بخاری شریف کی ایک حدیث میں یہ ہے کہ جو شخص اذان سُنے اور یہ دعا پڑھے '' اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ '' اس کے لیے میری شفاعت اُتر جاتی ہے۔ حضرت ابوالدَّرداء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جب حضورِ اقدس ﷺ اذان سنتے تو خود بھی یہ دعاء پڑھتے: اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰتِہٖ سُؤْلَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ، اور حضور ﷺ اتنی آواز سے پڑھا کرتے تھے کہ پاس والے اس کو سُنتے تھے۔ اور بھی مُتعَدَّد احادیث سے عَلّامہ سخاویؒ نے یہ مضمون نقل کیا ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جب تم مجھ پر درود پڑھا کرو، تو میرے لیے وسیلہ بھی مانگا کرو۔ کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وسیلہ کیا چیز ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جنت کا اعلیٰ درجہ ہے جو صرف ایک ہی شخص کو ملے گا اور مجھے یہ اُمید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں گا۔ علامہ سخاویؒ کہتے ہیں کہ وسیلہ کے اصل معنیٰ لُغت میں تو وہ چیز ہے کہ جس کی وجہ سے کسی بادشاہ یا کسی بڑے آدمی کی بارگاہ میں تَقَرُّب حاصل کیا جائے، لیکن اس جگہ ایک عالی[2] درجہ مراد ہے۔ جیسا کہ خود حدیث میں وارد ہے کہ وہ جنت کا ایک درجہ ہے اور قرآن پاک کی آیت ﴿ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ ﴾ [سورۂ مائدہ: ۳۵] میں ائمۂ تفسیر کے دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس سے وہی تَقَرُّب مُراد ہے جو اوپر گزرا۔ حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہما، مُجاہدؒ، عطاؒ وغیرہ سے یہی قول نقل کیا گیا ہے۔ قَتادہؒ کہتے ہیں: اللہ کی طرف تقرّب حاصل کرو اس چیز کے ساتھ جو اس کو راضی کردے۔ واحِدی، بَغوی، زَمَخْشَری رَحِمَہُمُ اللہ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ وسیلہ ہر وہ چیز ہے، جس سے تقرّب حاصل کیا جاتا ہو، قرابت ہو یا کوئی عمل اور اس قول میں نبیٔ کریم ﷺ کے ذریعہ سے تَوَسُّل[3] حاصل کرنا بھی داخل ہے۔ اھ۔ عَلّامہ جَزَرِیؒ نے حِصنِ حَصین میں آدابِ دعاء میں لکھا ہے '' وَأَنْ یَّتَوَسَّلَ إِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی بِأَنْبِیَائِہٖ وَالصَّالِحِیْنَ مِنْ عِبَادِہٖ '' یعنی تَوَسُّل حاصل کرے اللہ جلّ شانہٗ کی طرف اس کے انبیاء کے ساتھ، جیسا کہ بُخاری، مُسنَدِ بَزّار اور حاکِمْ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، اور اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ، جیسا کہ بخاری سے معلوم ہوتا ہے۔ علامہ سخاویؒ کہتے ہیں اور دوسرا قول آیت شریفہ میں یہ ہے کہ اس سے مُراد محبت ہے یعنی اللہ کے محبوب بنو، جیسا کہ ماوَرْدِیؒ وغیرہ نے ابو زَید سے نقل کیا ہے اور حدیث پاک میں فضیلت سے مراد وہ مرتبۂ عالیہ[4] ہے، جو ساری مخلوق سے اونچا ہو، اور اِحتمال[5] ہے کوئی اور مرتبہ مُراد ہو یا وسیلہ کی تفسیر ہو اور مقامِ محمود وہی ہے جس کو اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے پاک کلام میں سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا ہے ﴿ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ

حل لغات: ① ثابت۔ ② اونچا۔ ③ وسیلہ، ذریعہ۔ ④ اونچا۔ ⑤ ہوسکتا ہے۔

رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ [سورۂ اسراء:۷۹] ترجمہ: ''اُمید ہے کہ پہنچائیں گے آپ کو آپ کے رب مَقامِ محمود میں''،مَقامِ محمود کی تفسیر میں عُلمَاء کے چَند اَقْوال ہیں: یہ کہ وہ حضورِاقدس ﷺ کا اپنی اُمت کے اوپر گواہی دینا ہے، اور کہا گیا ہے کہ حَمْد کا جھنڈا جو قیامت کے دن آپ کو دیا جائے گا، مُرَاد ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ آپ ﷺ کو قیامت کے دن عرش پر اور بعض نے کہا: کُرسی پر بٹھانے کو کہا ہے۔ اِبْنِ جَوْزیؒ نے ان دونوں قولوں[۱] کو بڑی جماعت سے نقل کیا ہے اور بعضوں نے کہا کہ اس سے مُرَاد شفاعت ہے، اس لیے کہ وہ ایسا مقام ہے کہ اس میں اَوَّلِین[۲] وآخِرِین[۳] سب ہی آپ کی تعریف کریں گے۔ علامہ سخاویؒ اپنے استاذ حافظ اِبْنِ حَجَرؒ کے اتباع میں کہتے ہیں: ان اقوال میں کوئی مُنافات[۴] نہیں، اس واسطے کہ احتمال[۵] ہے کہ عرش وکرسی پر بٹھانا شفاعت کی اجازت کی علامت ہو اور جب حضور ﷺ وہاں تشریف فرما ہو جائیں تو اللہ جلّ شانہٗ ان کو حَمْد کا جھنڈا عطا فرمائے اور اس کے بعد حضورِاقدس ﷺ اپنی اُمت پر گواہی دیں۔ ابن حِبّانؒ کی ایک حدیث میں حضرت کَعْب بِن مَالِک رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ قیامت کے دن لوگوں کو اُٹھائیں گے، پھر مجھے ایک سبز[۶] جوڑا پہنائیں گے، پھر میں وہ کہوں گا جو اللہ چاہیں، پس یہی مقامِ محمود ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ''پھر میں کہوں گا'' سے مراد وہ حَمْد وثناء ہے جو حضورِاقدس ﷺ شفاعت سے پہلے کہیں گے، اور مقامِ محمود ان سب چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے، جو اس وقت میں پیش آئیں گی انتہی۔ حضور ﷺ کے اس اِرْشَاد کا مطلب کہ ''میں وہ کہوں گا جو اللہ تعالیٰ چاہیں گے''۔ حدیث کی کتابوں بُخاری، مُسْلِم شریف وغیرہ میں شفاعت کی طویل[۷] حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے، جس میں یہ مذکور ہے کہ جب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کروں گا تو سجدہ میں گر جاؤں گا، اللہ جلّ شانہٗ مجھے سجدہ میں جب تک چاہیں گے پڑا رہنے دیں گے، اس کے بعد اللہ جلّ شانہٗ کا ارشاد ہوگا: ''محمد! سر اُٹھاؤ اور کہو، تمہاری بات سنی جائے گی، سفارش کرو قبول کی جائے گی، مانگو تمہارا سوال پورا کیا جائے گا''۔ حضورِاقدس ﷺ فرماتے ہیں: ''اس پر میں سجدہ سے سر اُٹھاؤں گا، پھر اپنے رب کی وہ حَمْد وثَنَاء کروں گا جو اُس وقت میرا رب مجھے اِلہام[۸] کرے گا، پھر میں اُمت کے لیے سِفارِش کروں گا''۔ بہت لمبی حدیث سفارش کی ہے جو مشکوٰۃ میں بھی مذکور ہے۔

ہاں ہاں اجازت ہے تجھے آ، آج عزت ہے تجھے
زیبا[۹] شَفَاعَت ہے تجھے بے شک یہ ہے حِصّہ تِرَا

یہاں ایک بات قابلِ لِحَاظ ہے کہ اوپر کی دُعاء میں ''اَلْوَسِیْلَةَ وَالْفَضِیْلَةَ'' کے بعد ''وَالدَّرَجَة

حل لغات: ① باتوں۔ ② پہلے لوگ۔ ③ پچھلے لوگ۔ ④ ٹکراؤ۔ ⑤ ممکن ہے۔ ⑥ ہرا۔ ⑦ لمبی۔ ⑧ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بات کا دل میں ڈالا جانا۔ ⑨ مناسب۔

الرَّفِيْعَةَ'' کالفظ بھی مشہور ہے۔ محدثین فرماتے ہیں کہ یہ لفظ اس حدیث میں ثابت نہیں۔ البتہ بعض روایات میں جیسا کہ حصنِ حصین میں بھی ہے اس کے اخیر میں ''إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ'' کا اضافہ ہے۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

⑧ عَنْ أَبِيْ حُمَيْدٍ أَوْ أَبِيْ أُسَيْدٍ السَّاعِدِيِّ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ فِي الْمَسْجِدِ فَلْيُسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، ثُمَّ لِيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَإِذَا خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَلْيُسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ لِيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ فَضْلِكَ.

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا کرے، تو نبی (کریم) ﷺ پر سلام بھیجا کرے پھر یوں کہا کرے: ''اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ'' ''اے میرے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے'' اور جب مسجد سے نکلا کرے تب بھی نبی کریم ﷺ پر سلام بھیجا کرے اور یوں کہا کرے ''اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ فَضْلِكَ'' ''اے اللہ! میرے لیے اپنے فضل (یعنی روزی) کے دروازے کھول دے''۔

أخرجه أبو عوانة في صحيحه وأبو داؤد والنسائي وابن خزيمة وابن حبان في صحيحيهما كذا في البديع

فائدہ: مسجد میں جانے کے وقت رحمت کے دروازے کھلنے کی وجہ یہ ہے کہ جو مسجد میں جاتا ہے، وہ اللہ کی عبادت میں مشغول ہونے کے لیے جاتا ہے، وہ اللہ کی رحمت کا زیادہ محتاج ہے کہ وہ اپنی رحمت سے عبادت کی توفیق عطا فرمائے، پھر اس کو قبول فرمائے۔ مظاہر حق میں لکھا ہے: دروازے رحمت کے کھول بسبب برکت اس مکان شریف کے، یا بسبب توفیق دینے نماز کی اس میں، یا بسبب کھولنے حقائقِ نماز کے۔ اور مراد ''فضل'' سے رزقِ حلال ہے کہ بعد نکلنے کے نماز سے اس کی طلب کو جاتا ہے۔ اھ۔ اس میں قرآن پاک کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے، جو سورۂ جمعہ میں وارد ہے: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللهِ﴾ [سورۂ جمعہ: ۱۰] علامہ سخاویؒ نے حضرت علی ﷺ کی حدیث سے نقل کیا ہے کہ جب مسجد میں داخل ہوا کرو، تو حضور ﷺ پر درود بھیجا کرو۔ اور حضور اقدس ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے، تو درود وسلام بھیجتے محمد پر (یعنی خود اپنے اوپر) اور پھر یوں فرماتے ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ'' اور جب مسجد سے نکلتے تب بھی اپنے اوپر درود وسلام بھیجتے اور فرماتے ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ فَضْلِكَ''. حضرت انس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو پڑھا کرتے ''بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ'' اور جب باہر تشریف لاتے تب بھی یہ پڑھا کرتے ''بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ''. حضرت ابن عمر ﷺ سے نقل

کیا گیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے نواسے[1] حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو یہ دُعا سکھلائی تھی کہ جب وہ مسجد میں داخل ہوا کریں، تو حضور اقدس ﷺ پر درود بھیجا کریں اور یہ دُعاء پڑھا کریں "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَافْتَحْ لَنَا أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ" اور جب نکلا کریں جب بھی یہی دُعا پڑھا کریں اور " أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ" کی جگہ " أَبْوَابَ فَضْلِكَ " پڑھا کریں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص تم میں سے مسجد میں جایا کرے، تو حضور ﷺ پر سلام پڑھا کرے اور یوں کہا کرے: اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اور جب مسجد سے نکلا کرے تو حضور ﷺ پر سلام پڑھا کرے اور یوں کہا کرے: "اَللّٰهُمَّ اعْصِمْنِيْ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ." حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں تجھے دو باتیں بتاتا ہوں، انہیں بھولنا مت، ایک یہ کہ جب مسجد میں جائے تو حضور ﷺ پر درود بھیجے اور یہ دُعا پڑھے " اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ " اور جب باہر نکلے (مسجد سے) تو یہ دُعا پڑھا کر "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَاحْفَظْنِيْ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ." اور بھی بہت سے صحابہ اور تابعین سے یہ دُعائیں نقل کی گئی ہیں۔ صاحب حِصنِ حصین نے مسجد میں جانے کی اور مسجد سے نکلنے کی متعدد دُعائیں مختلف احادیث سے نقل کی ہیں۔ ابوداؤد شریف کی روایت سے مسجد میں داخل ہونے کے وقت یہ دُعا نقل کی ہے " أَعُوْذُ بِاللهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" میں پناہ مانگتا ہوں اس اللہ کے ذریعے سے جو بڑی عظمت[2] والا ہے اور اس کی کریم ذات کے ذریعہ سے اور اس کی قدیم[3] بادشاہت کے ذریعہ سے شیطان مردود کے حملہ سے" حِصنِ حصین میں تو اتنا ہی ہے، لیکن ابوداؤد میں اس کے بعد حضور اقدس ﷺ کا یہ پاک ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ جب آدمی یہ دعا پڑھتا ہے، تو شیطان یوں کہتا ہے کہ مجھ سے تو یہ شخص شام تک کے لیے محفوظ ہو گیا۔ اس کے بعد صاحب حِصن مختلف احادیث سے نقل کرتے ہیں کہ جب مسجد میں داخل ہو تو "بِسْمِ اللهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ" کہے۔ ایک اور حدیث میں "وَعَلٰى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللهِ" ہے اور ایک حدیث میں "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ" اور مسجد میں داخل ہونے کے بعد "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ" پڑھے۔ اور جب مسجد سے نکلنے لگے، جب بھی حضور اقدس ﷺ پر سلام پڑھے "بِسْمِ اللهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ." اور ایک حدیث میں "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ اَللّٰهُمَّ اعْصِمْنِيْ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" ہے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

حل لغات: ① بیٹی کا لڑکا۔ ② بڑائی۔ ③ ہمیشہ کی۔

خواب میں رسولِ اکرم ﷺ کی زیارت کرنے کے اعمال

(۹) حضورِ اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی تمنا کون سا مسلمان ایسا ہوگا جس کو نہ ہو، لیکن عشق ومحبت کی بقدر اس کی تمنائیں بڑھتی رہتی ہیں اور اکابر[۱] ومشائخ نے بہت سے اعمال اور بہت سے درودوں کے متعلق اپنے تجربات تحریر کیے ہیں کہ ان پر عمل سے سیّد الکونین[۲] ﷺ کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی۔ علامہ سخاویؒ نے قول بدیع میں خود حضورِ اقدس ﷺ کا بھی ایک ارشاد نقل کیا ہے ''مَنْ صَلّٰى عَلٰى رُوْحِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَرْوَاحِ وَعَلٰى جَسَدِهٖ فِي الْأَجْسَادِ وَعَلٰى قَبْرِهٖ فِي الْقُبُوْرِ'' جو شخص رُوحِ محمد (ﷺ) پر ارواح میں اور آپ کے جسدِ[۳] اَطہر پر بدنوں میں اور آپ کی قبرِ مبارک پر قبور میں درود بھیجے گا، وہ مجھے خواب میں دیکھے گا اور جو مجھے خواب میں دیکھے گا وہ قیامت میں دیکھے گا اور جو مجھے قیامت میں دیکھے گا، میں اس کی سفارش کروں گا اور جس کی میں سفارش کروں گا وہ میری حوض سے پانی پیے گا اور اللہ جلّ شانہٗ اس کے بدن کو جہنم پر حرام فرمادیں گے۔ علامہ سخاویؒ کہتے ہیں کہ ابو القاسم بُستیؒ نے اپنی کتاب میں یہ حدیث نقل کی ہے، مگر مجھے اب تک اس کی اصل نہیں ملی۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں: جو شخص یہ ارادہ کرے کہ نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھے، وہ یہ درود پڑھے ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا أَمَرْتَنَا أَنْ نُّصَلِّيَ عَلَيْهِ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا هُوَ أَهْلُهٗ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى'' جو شخص اس درود شریف کو طاق[۴] عدد کے موافق پڑھے گا، وہ حضورِ اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کرے گا اور اس پر اس کا اضافہ بھی کرنا چاہیے ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى رُوْحِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَرْوَاحِ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى جَسَدِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَجْسَادِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى قَبْرِ مُحَمَّدٍ فِي الْقُبُوْرِ''۔

حضرت تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ ''زادُ السّعید'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ لذیذ[۵] تر اور شیریں[۶] تر خاصیت درود شریف کی یہ ہے کہ اس کی بدولت عُشّاق[۷] کو خواب میں حضورِ پُر نور ﷺ کی دولتِ زیارت میسّر[۸] ہوئی ہے۔ بعض درودوں کو بالخصوص بزرگوں نے آزمایا ہے۔ شیخ عبد الحق محدّث دہلویؒ نے کتاب ''ترغیب اہل السعادات'' میں لکھا ہے کہ شبِ[۹] جمعہ میں دو رکعت نمازِ نفل پڑھے اور ہر رکعت میں گیارہ بار ''آیۃ الکرسی'' اور گیارہ بار ''قُل ھو اللہ'' اور بعد سلام سو بار یہ درود شریف پڑھے، ان شاء اللہ تین جمعے نہ گزرنے پائیں گے کہ زیارت نصیب ہوگی، وہ درود شریف یہ ہے ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَاٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلِّمْ''۔

دیگر شیخ موصوف نے لکھا ہے کہ جو شخص دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں بعد الحمد کے پچیس بار

حل لغات: (۱) بزرگ حضرات۔ (۲) دونوں جہاں کے سردار۔ (۳) پاک بدن (۴) یعنی تین، پانچ، سات وغیرہ۔ (۵) مزیدار۔ (۶) میٹھا۔ (۷) بہت زیادہ محبت کرنے والا۔ (۸) حاصل۔ (۹) جمعہ کی رات۔

قل ھواللہ اور بعد سلام کے یہ درود شریف ہزار مرتبہ پڑھے، دولتِ زیارت نصیب ہو، وہ یہ ہے: ''صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ.''

دیگر نیز شیخ موصوف نے لکھا ہے کہ سوتے وقت ستّر بار اس درود کو پڑھنے سے زیارت نصیب ہو ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بَحْرِ أَنْوَارِكَ وَمَعْدِنِ أَسْرَارِكَ وَلِسَانِ حُجَّتِكَ وَعُرُوْسِ مَمْلَكَتِكَ وَإِمَامِ حَضْرَتِكَ وَطِرَازِ مُلْكِكَ وَخَزَائِنِ رَحْمَتِكَ وَطَرِيْقِ شَرِيْعَتِكَ الْمُتَلَذِّذِ بِتَوْحِيْدِكَ إِنْسَانُ عَيْنِ الْوُجُوْدِ وَالسَّبَبُ فِيْ كُلِّ مَوْجُوْدٍ عَيْنُ أَعْيَانِ خَلْقِكَ الْمُتَقَدِّمُ مِنْ نُّوْرِ ضِيَائِكَ صَلٰوةً تَدُوْمُ بِدَوَامِكَ وَتَبْقٰى بِبَقَائِكَ لَا مُنْتَهٰى لَهَا دُوْنَ عِلْمِكَ صَلٰوةً تُرْضِيْكَ وَتُرْضِيْهِ وَتَرْضٰى بِهَا عَنَّا يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ.''

دیگر اس کو بھی سوتے وقت چند بار پڑھنا زیارت کے لیے شیخ نے لکھا ہے: ''اَللّٰهُمَّ رَبَّ الْحِلِّ وَالْحَرَامِ وَرَبَّ الْبَيْتِ الْحَرَامِ وَرَبَّ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ أَبْلِغْ لِرُوْحِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ مِّنَّا السَّلَامَ.'' مگر بڑی شرط اس دولت کے حصول میں قلب کا شوق سے پُر ہونا اور ظاہری و باطنی معصیتوں[1] سے بچنا ہے۔ [انتہی]

ہمارے حضرت شیخ المشائخ قُطب الارشاد شاہ ولی اللہ صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ نے اپنی کتاب ''نوادر'' میں بہت سے مشائخِ تصوف اور ابدال کے ذریعہ سے حضرت خضر علیہ السلام سے متعدد اعمال نقل کیے ہیں، اگر چہ مُحدّثانہ حیثیت سے ان پر کلام ہے، لیکن کوئی فقہی مسئلہ نہیں جس میں دلیل اور حجت کی ضرورت ہو، مُبشّرات[2] اور مَنامات[3] ہیں۔ منجملہ ان کے لکھا ہے کہ ابدال میں سے ایک بزرگ نے حضرت خضر علیہ السلام سے درخواست کی کہ مجھے کوئی عمل بتائیے جو میں رات میں کیا کروں۔ انھوں نے فرمایا کہ مغرب سے عشاء تک نفلوں میں مشغول رہا کر، کسی شخص سے بات نہ کر، نفلوں کی دو دو رکعت پر سلام پھیرتا رہا کر اور ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور تین مرتبہ قل ھواللہ پڑھتا رہا کر، عشاء کے بعد بھی بغیر بات کیے اپنے گھر چلا جا اور وہاں جاکر دو رکعت نفل پڑھ، ہر رکعت میں ایک دفعہ سورۂ فاتحہ اور سات مرتبہ قل ھواللہ، نماز کا سلام پھیرنے کے بعد ایک سجدہ کر جس میں سات دفعہ استغفار، سات مرتبہ درود شریف اور سات دفعہ ''سُبْحَانَ اللّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ'' پھر سجدہ سے سر اُٹھا کر دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھا اور یہ دُعا پڑھ ''يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ يَا إِلٰهَ الْأَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ يَا رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَرَحِيْمَهُمَا يَا رَبِّ يَا رَبِّ يَا رَبِّ يَا اَللّٰهُ يَا اَللّٰهُ يَا اَللّٰهُ'' پھر اسی حال میں ہاتھ اُٹھائے ہوئے کھڑا ہو اور کھڑے ہو کر پھر یہی دُعا پڑھ، پھر دائیں کروٹ پر قبلہ کی طرف منہ کر کے لیٹ جا

حل لغات: (۱) گناہ۔ (۲) خوشخبریاں۔ (۳) خواب۔

اور سونے تک درود شریف پڑھتا رہ۔ جو شخص یقین اور نیک نیتی کے ساتھ اس عمل پر مُداوَمت[1] کرے گا، مرنے سے پہلے حضور اقدس ﷺ کو ضرور خواب میں دیکھے گا۔ بعض لوگوں نے اس کا تجربہ کیا، انھوں نے دیکھا کہ وہ جنت گئے، وہاں انبیاء کرام علیہم السلام اور سید الکونین ﷺ کی زیارت ہوئی اور ان سے بات کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس عمل کے بہت سے فضائل ہیں، جن کو ہم نے اختصاراً چھوڑ دیا اور بھی متعدد عمل اس نوع[2] کے حضرت پیرانِ پیرؒ سے نقل کیے ہیں۔

علامہ دِمیریؒ نے ''حَیٰوۃُ الْحَیْوَان'' میں لکھا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے بعد باوضو ایک پرچہ پر محمد رسول اللہ، احمد رسول اللہ پینتیس مرتبہ لکھے اور اس پرچہ کو اپنے ساتھ رکھے، اللہ جلّ شانہٗ اس کو طاعت پر قوت عطا فرماتا ہے اور اس کی برکت میں مدد فرماتا ہے اور شیاطین کے وساوس سے حفاظت فرماتا ہے اور اگر اس پرچہ کو روزانہ طلوعِ آفتاب[3] کے وقت درود شریف پڑھتے ہوئے غور سے دیکھتا رہے تو نبی کریم ﷺ کی زیارت خواب میں کثرت سے ہُوا کرے۔

تَنْبِیہ: خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت ہو جانا بڑی سعادت ہے، لیکن دو اَمر قابلِ لحاظ ہیں: اوّل وہ جس کو حضرت تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ نے ''نَشْرُ الطِّیب'' میں تحریر فرمایا ہے۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں: جاننا چاہیے کہ جس کو بیداری میں یہ شرف نصیب نہیں ہوا، اس کے لیے بجائے اس کے خواب میں زیارت سے مُشَرَّف ہو جانا سرمایۂ تسلّی[4] اور فی نفسہٖ[5] ایک نعمتِ عُظمیٰ، دولتِ کُبریٰ[6] ہے اور اس سعادت میں اِکتساب[7] کو اصلاً[8] دَخَل نہیں، محض مَوْہُوب[9] ہے۔ ''وَلَنِعْمَ مَا قِیْلَ''

ایں سَعَادَت بزورِ بازو نیست تا نہ بَخْشَد خُدائے بَخْشِندہ

ترجمہ کسی نے کیا ہی اچھا کہا کہ: یہ سعادت قوتِ بازو سے حاصل نہیں ہوتی ہے جب تک اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے عطا اور بخشش نہ ہو۔

ہزاروں کی عمریں اس حسرت[10] میں ختم ہو گئیں، البتہ غالب یہ ہے کہ کثرتِ درود شریف و کمالِ اتباعِ سُنّت و غلبۂ محبت پر اس کا تَرَتُّب[11] ہو جاتا ہے، لیکن چونکہ لازمی اور کُلّی[12] نہیں، اس لیے اس کے نہ ہونے سے مغموم[13] و محزون نہ ہونا چاہیے کہ بعض کے لیے اسی میں حکمت و رحمت ہے، عاشق کو رضاءِ محبوب سے کام خواہ وَصل[14] ہو تب، ہجر[15] ہو تب۔ وَلِلّٰهِ دَرُّ مَنْ قَالَ:

أُرِيْدُ وِصَالَهٗ وَيُرِيْدُ هِجْرِيْ فَأَتْرُكُ مَا أُرِيْدُ لِمَا يُرِيْدُ

حل لغات: (۱) پابندی۔ (۲) قسم۔ (۳) سورج نکلنے کا وقت۔ (۴) تسلی کا سامان۔ (۵) خود ہی۔ (۶) بڑی دولت۔ (۷) عمل۔ (۸) بالکل۔ (۹) اللہ کا عطیہ۔ (۱۰) افسوس۔ (۱۱) حصول۔ (۱۲) ضروری۔ (۱۳) غمگین اور رنجیدہ۔ (۱۴) ملاپ۔ (۱۵) دوری۔

اور اللہ ہی کے لیے خوبی ہے اس کہنے والے کی جس نے کہا کہ ’’میں اس کا وصال چاہتا ہوں اور وہ مجھ سے فِرَاق[1] چاہتا ہے، میں اپنی خوشی کو اس کی خوشی کے مقابلہ میں چھوڑتا ہوں‘‘ قَالَ العَارِفُ الشِّیْرَازِيْ.

فِرَاقْ ووَصْل چہ بَاشَدْ رَضَاءِ دوست طَلَبْ　　کہ حَیْفْ بَاشَدْ اَزُوْ غَیرْ اُوْ تَمَنَّائے

ترجمہ: عارف شیرازیؒ فرماتے ہیں ’’فراق ووصل کیا ہوتا ہے محبوب کی رضا ڈھونڈ، کہ محبوب سے اس کی رضا کے سوا تمنا کرنا ظلم ہے۔‘‘

اسی سے یہ بھی سمجھ لیا جاوے کہ اگر زیارت ہوگئی، مگر طاعت سے رضا حاصل نہ کی تو وہ کافی نہ ہوگی۔ کیا خود حضورِ اقدس ﷺ کے عَہْدِ مُبارک[2] میں بہت سے صورۃً زائر معنیً مہجور اور بعضے صورۃً مہجور جیسے اَوَیْسِ قَرنی۔ اویس قرنی معنیً قرب سے مسرور تھے یعنی حضورِ اقدس ﷺ کے پاک زمانہ میں کتنے لوگ ایسے تھے کہ جن کو حضورِ اقدس ﷺ کی ہر وقت زیارت ہوتی تھی، لیکن اپنے کفر ونفاق کی وجہ سے جہنمی رہے اور حضرت اویس قرنیؒ مشہور تابعی ہیں، اَکابرِ صوفیہ میں ہیں، حضورِ اقدس ﷺ کے زمانہ میں مسلمان ہو چکے تھے لیکن اپنی والدہ کی خدمت کی وجہ سے حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے، لیکن اس کے باوجود حضورِ اقدس ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ان کا ذکر فرمایا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو تم میں سے ان سے ملے، وہ ان سے اپنے لیے دعاءِ مغفرت کرائے۔ ایک روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ حضور ﷺ نے ان سے حضرت اویسؒ کے متعلق فرمایا کہ اگر وہ کسی بات پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ اس کو ضرور پورا کرے، تم ان سے دعاءِ مغفرت کرانا۔ [اِصابہ]

گو تھے اُویس دُور مگر ہو گئے قریب　　بُوجَہل تھا قریب مگر دُور ہو گیا

دوسرا اَمر قابلِ تنبیہ[3] یہ ہے کہ جس شخص نے حضورِ اقدس ﷺ کو خواب میں دیکھا، اس نے یقیناً اور قطعاً[4] حضورِ اقدس ﷺ ہی کی زیارت کی۔ روایاتِ صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے اور مُحَقَّق ہے کہ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت عطا نہیں فرمائی کہ وہ خواب میں آ کر کسی طرح اپنے آپ کو نبیِ کریم ﷺ ہونا ظاہر کرے، مثلاً یہ کہے کہ میں نبی ہوں، یا خواب دیکھنے والا شیطان کو نعوذُ باللہ نبیِ کریم ﷺ سمجھ بیٹھے، اس لیے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا، لیکن اس کے باوجود اگر نبیِ کریم ﷺ کو اپنی اصلی ہیئت[5] میں نہ دیکھے، یعنی حضورِ اقدس ﷺ کو ایسی ہیئت اور حُلیہ[6] میں دیکھے جو شانِ اقدس ﷺ کے مُناسِب نہ ہو تو وہ دیکھنے والے کا قصور ہوگا، جیسا کہ کسی شخص کی آنکھ پر سُرخ یا سَبْز یا سیاہ عَیْنَک[7] لگا دی جائے، تو جس رنگ کی آنکھ پر عینک ہوگی اسی رنگ کی سب چیزیں نظر آئیں گی۔ اسی طرح بھینگے کو ایک کے دو نظر آتے ہیں۔ اگر نئے ٹائم پیس کی لمبائی میں کوئی شخص اپنا چہرہ دیکھے تو اتنا لمبا نظر آئے گا کہ حد نہیں اور اگر اس کی چوڑائی میں اپنا چہرہ دیکھے تو ایسا چوڑا نظر آئے گا کہ خود

حل لغات: (۱) دوری۔ (۲) مبارک زمانہ۔ (۳) بتلانے کے لائق۔ (۴) تحقیقی طور سے۔ (۵) حالت۔ (۶) شکل وصورت۔ (۷) چشمہ پہنا دیا جائے۔

دیکھنے والے کو اپنے چہرہ پر ہنسی آجائے گی۔ اسی طرح سے اگر خواب میں حضور اقدس ﷺ کا کوئی ارشاد شریعتِ مُطَہَّرہ کے خلاف سُنے تو وہ محتاجِ تعبیر ہے، شریعت کے خلاف اس پر عمل کرنا جائز نہیں، چاہے کتنے ہی بڑے شیخ اور مُقتَدیٰ[1] کا خواب ہو، مثلاً کوئی شخص دیکھے کہ حضور اقدس ﷺ نے کسی ناجائز کام کے کرنے کی اجازت یا حکم دیا، تو وہ درحقیقت حکم نہیں بلکہ ڈانٹ ہے جیسا کوئی شخص اپنی اولاد کو کسی برے کام کو روکے اور وہ مانتا نہ ہو، تو اس کو تَنبِیہ کے طور پر کہا جاتا ہے کہ کر اور کر، یعنی اس کا مزہ چکھاؤں گا اور اسی طرح سے کلام کے مطلب کا سمجھنا جس کو ''تعبیر'' کہا جاتا ہے، یہ بھی ایک دقیق[2] فن ہے۔ ''تَعْطِیرُ الاَنام فی تَعْبِیرِ الْمَنَام'' میں لکھا ہے: ایک شخص نے خواب میں یہ دیکھا کہ اس سے ایک فرشتہ نے کہا کہ تیری بیوی تیرے فلاں دوست کے ذریعہ تجھے زہر پلانا چاہتی ہے۔ ایک صاحب نے اس کی تعبیر یہ دی اور وہ صحیح تھی کہ تیری بیوی اس فلاں سے زنا کرتی ہے۔ اسی طرح اور بہت سے واقعات اس قسم کے فنِ تعبیر کی کتابوں میں لکھے ہیں۔

''مظاہرِ حق'' میں لکھا ہے کہ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ جس نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا، اس نے آنحضرت ﷺ ہی کو دیکھا، خواہ آپ کی صفتِ[3] معروفہ پر دیکھا ہو یا اس کے علاوہ۔ اور اختلاف اور تَفَاوُت[4] صورتوں کا باِعتِبار[5] کمال ونقصان دیکھنے والے کے ہے، جس نے حضرت ﷺ کو اچھی صورت میں دیکھا بَسَبَبْ کمالِ دین اپنے کے دیکھا اور جس نے بَرخِلَاف اس کے دیکھا بَسَبَبْ نقصان اپنے دین کے دیکھا۔ اسی طرح ایک نے بُڈھا دیکھا، ایک نے جوان اور ایک نے راضی اور ایک نے خفا۔ یہ تمام مَبْنِی ہے اوپر اختلاف حال دیکھنے والے کے، پس دیکھنا آنحضرت ﷺ کا گویا کسوٹی[6] ہے معرفتِ احوال[7] دیکھنے والے کے اور اس میں ضابطہ مُفِیدہ ہے سالکوں کے لیے کہ اس سے احوال اپنے باطن کا معلوم کر کے علاج اس کا کریں۔ اور اسی قیاس پر بعض اربابِ تمکین نے کہا ہے کہ جو کلام آنحضرت ﷺ سے خواب میں سنے تو اس کو سنتِ قویمہ پر عرض[8] کرے، اگر موافق ہے تو حق ہے اور اگر مخالف ہے تو بسبب خللِ[9] سامعہ اس کی کے ہے، پس رؤیائے ذاتِ کریمہ اور اس چیز کا کہ دیکھی یا سنی جاتی ہے، حق ہے اور جو تفاوت اور اختلاف سے ہے، تجھ سے ہے۔ حضرت شیخ علی مُتَّقِی رحمہ اللہ نقل کرتے تھے کہ ایک فقیر نے فقراءِ مغرب سے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ اس کو شراب پینے کے لیے فرماتے ہیں، اس نے واسطے رفع[10] اس اِشکال کے علماء سے استفتاء[11] کیا کہ حقیقتِ حال کیا ہے؟ ہر ایک عالِم نے مُحْمَل اور تاویل اس کی بیان کی، ایک عالم تھے مدینہ میں، نہایت مُتَّبِع سنّت، ان کا نام ''شیخ محمد عرات'' تھا، جب وہ استفتاء ان کی نظر سے گزرا۔ فرمایا: یوں نہیں جس طرح اُس نے سنا ہے، آنحضرت ﷺ نے اُس کو فرمایا کہ ''لَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ'' یعنی شراب نہ پیا کر اُس نے

حل لغات: (۱) رہنما۔ (۲) باریک اور نازک۔ (۳) مشہور شکل وصورت۔ (۴) فرق۔ (۵) بسبب۔ (۶) جانچنے کا آلہ۔ (۷) حالات جاننا۔ (۸) پیش۔ (۹) اس کے غلط سننے کی وجہ سے ہے۔ (۱۰) اس پریشان کن بات کو دور کرنے کے لیے۔ (۱۱) پوچھا۔

''لَا تَشْرَبْ'' کو ''اِشْرَبْ'' سنا۔ حضرت شیخ عبدالحقؒ نے اس مقام کو تفصیل سے لکھا ہے اور میں نے مختصر (انتهی مختصرًا بتغیر)۔ جیسا کہ حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ ''لَا تَشْرَبْ'' کو ''اِشْرَبْ'' سن لیا مُحتَمَلؔ[1] ہے، لیکن جیسا اس ناکارہ نے اوپر لکھا، اگر ''اِشرب الخمر'' ہی فرمایا ہو یعنی پی شراب، تو یہ دھمکی بھی ہوسکتی ہے جیسا کہ لہجے کے فرق سے اس قسم کی چیزوں میں فرق ہوجایا کرتا ہے۔ سہارن پور سے دہلی جانے والی لائن پر آٹھواں اسٹیشن کھتولی ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ بچپن میں جب میں ابتدائی صرف ونحو پڑھتا تھا اور اسٹیشن پر گزر رہوتا تھا، تو اس کے مختلف معنی بہت دیر تک دل میں گھوما کرتے تھے۔ یہ مضمون مختصر طور پر رسالہ ''فضائل حج'' اور شمائلِ ترمذی کے ترجمہ ''خصائل'' میں بھی گزر چکا ہے۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۱۰) حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ نے ''زادُ السعید'' میں درود وسلام کی ایک چہل حدیث تحریر فرمائی ہے اور اسی سے ''نَشْرُ الطِّیب'' میں بھی حوالوں کے حَذْف کے ساتھ نقل فرمائی ہے، اس کو اس رسالہ میں ترجمہ کے اِضافہ کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے تا کہ وہ برکت حاصل ہو جو حضرتؒ نے تحریر فرمائی ہے۔ ''زادُ السعید'' میں حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ یوں تو مشائخِ کرامؒ سے صدہا[2] صیغے اس کے منقول[3] ہیں، ''دلائل الخیرات'' اس کا ایک نمونہ ہے، مگر اس مقام پر صرف جو صیغے صلوٰۃ وسلام کے احادیثِ مرفوعہ حقیقیہ یا حکمیہ میں وارد ہیں، ان میں سے چالیس صیغے مرقوم[4] ہوتے ہیں، جس میں پچیس صلوٰۃ اور پندرہ سلام کے ہیں گویا یہ مجموعہ درود شریف کی چہل حدیث ہے۔ جس کے باب میں بشارت آئی ہے کہ جو شخص امرِ دین کے متعلق چالیس حدیثیں میری اُمت کو پہونچاوے، اس کو اللہ تعالیٰ زُمرۂ علماء[5] میں مَحْشور[6] فرمائیں گے اور میں اس کا شَفِیع[7] ہوں گا۔ درود شریف کا اَمرِ دِین سے ہونا بوجہ اس کا ماموربہٖ[8] ہونے کے ظاہر ہے، تو ان احادیث شریف کے جمع کرنے سے مُضاعَف[9] ثواب (اجرِ درود و اجرِ تبلیغ چہل حدیث) کی توقع[10] ہے۔ ان احادیث سے قبل دو صیغے قرآن مجید سے تبرکًا[11] لکھے جاتے ہیں جو اپنے عمومِ لفظی سے صلوٰۃِ نبویہ کو بھی شامل ہیں۔ اگر کوئی شخص ان سب صیغوں کو روزانہ پڑھ لیا کرے تو تمام فضائل وبرکات جو جدا جدا ہر صیغے کے متعلق ہیں، بِتَمامِہا[12] اس شخص کو حاصل ہوجائیں۔

صیغۂ قرآنی

(۱) سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى.	''سلام نازل ہو اللہ کے بَرگُزِیدہ بندوں پر''۔
(۲) سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ.	''سلام ہو رسولوں پر''۔

حل لغات: (۱) ممکن ہے۔ (۲) سیکڑوں۔ (۳) نقل کیے گئے ہیں۔ (۴) لکھے جاتے ہیں۔ (۵) علماء کی جماعت۔ (۶) میدانِ محشر میں اُٹھانا۔ (۷) سفارش کرنے والا۔ (۸) حکم دیا جانا۔ (۹) دوگنا۔ (۱۰) امید۔ (۱۱) برکت حاصل کرنے کے واسطے۔ (۱۲) مکمل طور سے۔

چہل حدیث مشتمل بر صلوٰۃ وسلام (باضافۂ ترجمہ) صیغ صلوٰۃ

① اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّأَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ.	”اے اللہ! سیدنا محمد ﷺ اور آل[1] محمد ﷺ پر درود نازل فرما اور آپ ﷺ کو ایسے ٹھکانے پر پہونچا جو تیرے نزدیک مُقَرَّبْ ہو“
② اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ الْقَائِمَةِ وَالصَّلٰوةِ النَّافِعَةِ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّارْضَ عَنِّيْ رِضًا لَّا تَسْخَطُ بَعْدَهٗ أَبَدًا.	”اے اللہ (قیامت تک) قائم رہنے والی اس پکار اور نافع[2] نماز کے مالک! درود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ پر اور مجھ سے اس طرح راضی ہوجا کہ اس کے بعد کبھی ناراض نہ ہو“۔
③ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ.	”اے اللہ درود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ پر، جو تیرے بندے اور رسول ہیں اور درود نازل فرما سارے مؤمنین اور مؤمنات اور مسلمین اور مسلمات پر“۔
④ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ وَرَحِمْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.	”اے اللہ! درود نازل فرما سیّدنا محمد ﷺ اور آلِ سیّدنا محمد ﷺ پر اور برکت نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیّدنا محمد ﷺ پر اور رحمت نازل فرما سیّدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر، جیسا کہ تو نے درود و برکت و رحمت سیدنا ابراہیم علیہ السلام و آلِ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر نازل فرمایا، بے شک تو سْتُوْدَہ[3] صفات بزرگ ہے“۔
⑤ ☆ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.	”اے اللہ! درود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آل سیدنا محمد ﷺ پر جس طرح تو نے درود نازل فرمایا آلِ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر، بے شک تو سْتُوْدَہ صِفَات بزرگ ہے۔ اے اللہ! برکت نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر، جس طرح تو نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر برکت نازل فرمائی، بے شک تو ستودہ صفات بزرگ ہے“۔
⑥ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ، وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.	”اے اللہ! درود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر، جیسا کہ تو نے درود نازل فرمایا آلِ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر، بے شک تو ستودہ صفات بزرگ ہے اور برکت نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر جیسا کہ تو نے برکت نازل فرمائی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر، بے شک تو ستودہ صفات بزرگ ہے“۔

حل لغات: ☆ والفرق بين الخامس والسادس بلفظ : اللهم قبل بارك كما يظهر من السعاية ومنها أخذهما في زاد السعيد. ① اولاد۔ ② نفع پہونچانے والا۔ ③ اچھی صفت والا۔

⑦ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.	''اے اللہ! درود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر، جس طرح تو نے درود نازل فرمایا سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر، بے شک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔ اے اللہ! برکت نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر، جس طرح تو نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر برکت نازل فرمائی، بے شک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔''
⑧ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.	''اے اللہ! درود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر، جیسا کہ تو نے درود نازل فرمایا سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور آلِ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر، بے شک تو ستودہ صفات بزرگ ہے اور برکت نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر، جیسا کہ تو نے برکت نازل فرمائی سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر، بے شک تُو ستودہ صفات بزرگ ہے۔
⑨ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.	''اے اللہ! درود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر، جس طرح تو نے درود نازل فرمایا سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر اور برکت نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر، جس طرح تو نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر برکت نازل فرمائی، بے شک تو سَتُودَہ صِفات بزرگ ہے''۔
⑩ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.	''اے اللہ! درود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر، جیسا کہ تو نے درود نازل فرمایا سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر، بے شک تُو ستودہ صفات بزرگ ہے۔ اے اللہ! برکت نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر، جیسا کہ تُو نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر برکت نازل فرمائی، بے شک تُوسَتُودَہ صِفات بزرگ ہے''۔
⑪ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ فِي الْعٰلَمِيْنَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.	''اے اللہ! درود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر، جس طرح تو نے آلِ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر درود نازل فرمایا اور برکت نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر، جس طرح تو نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر برکت نازل فرمائی سارے جہانوں میں، بے شک تو ستودہ صفات بزرگ ہے''۔

⑫ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّأَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّأَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.	”اے اللہ! درود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آپ کی اَزْوَاجِ مُطَہَّرَات[1] اور ذُرِّیات[2] پر، جس طرح تو نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر درود نازل فرمایا اور برکت نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آپ کی ازواجِ مطہرات اور ذُرِّیات پر، جس طرح تو نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر برکت نازل فرمائی، بے شک تو سَتُودہ صِفات[3] والا بزرگ ہے۔“
⑬ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى أَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى أَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.	”اے اللہ! درود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آپ کی اَزْوَاجِ مُطَہَّرَات اور آپ کی ذُرِّیات پر، جیسا تو نے درود نازل فرمایا آلِ ابراہیم علیہ السلام پر، اور برکت نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آپ کی ازواجِ مطہرات اور آپ کی ذرّیات پر، جیسا کہ تو نے آلِ ابراہیم علیہ السلام پر برکت نازل فرمائی، بے شک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔“
⑭ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ وَأَزْوَاجِهٖ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَأَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.	”اے اللہ! درود نازل فرما نبیٔ اکرم سیدنا محمد ﷺ پر اور آپ کی اَزْوَاجِ مُطَہَّرَات پر، جو سارے مسلمانوں کی مائیں ہیں اور آپ کی ذُرِّیات اور آپ کے اہلِ بیت[4] پر، جیسا تو نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر درود نازل فرمایا، بے شک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔“
⑮ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَتَرَحَّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ.	”اے اللہ! درود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ پر اور آل سیدنا محمد ﷺ پر، جس طرح تو نے درود نازل فرمایا سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور آلِ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر اور برکت نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر، جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور رحمت بھیج سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر، جس طرح تو نے رحمت بھیجی سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر۔“
⑯ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ	”اے اللہ! سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر درود نازل فرما، جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولا د پر درود نازل فرمایا، بے شک تو ستودہ صفات

حل لغات: ① پاک بیویاں۔ ② اولاد۔ ③ اچھی صفت والا۔ ④ گھر والے۔

إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ تَرَحَّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ تَحَنَّنْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَحَنَّنْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا سَلَّمْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

بزرگ ہے۔اے اللہ! سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر برکت نازل فرما، جس طرح تو نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر برکت نازل فرمائی، بے شک تو سُتُودَہ[1] صِفات بزرگ ہے۔اے اللہ! رحمت بھیج سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر، جس طرح تو نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر رحمت بھیجی، بے شک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔اے اللہ! سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر محبت[2] آمیز شفقت فرما، جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر محبت آمیز شفقت فرمائی، بے شک تو سُتُودَہ صِفات بزرگ ہے۔اے اللہ! سلام بھیج سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر، جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر سلام بھیجا، بے شک تو ستودہ صفات بزرگ ہے''۔

(۱۷) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ وَتَرَحَّمْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

''اے اللہ! درود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی آل[3] پر اور برکت وسلام بھیج سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر اور رحمت فرما سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر، جیسا تو نے درود و برکت اور رحمت نازل فرمائی سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور آلِ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر سارے جہانوں میں، بے شک تو سُتُودَہ صِفات بزرگ ہے۔''

(۱۸) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

''اے اللہ! سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر درود نازل فرما، جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر درود نازل فرمایا، بے شک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔اے اللہ! سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر برکت نازل فرما، جس طرح تو نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر برکت نازل فرمائی، بے شک تو ستودہ صفات بزرگ ہے''۔

حل لغات: (۱) اچھی صفت والا۔ (۲) محبت بھرے۔ (۳) اولاد۔

فضائل درود شریف

یہ نماز والا مشہور درود شریف ہے۔ فصلِ ثانی کی حدیث نمبر ایک پر اس پر مُفَصَّل کلام گزر چکا ہے۔ ''زَادُ السَّعِید'' میں لکھا ہے کہ یہ سب صیغوں سے بڑھ کر صحیح ہے۔ ایک ضروری بات قابلِ تَنْبِیہ یہ ہے کہ ''زَادُ السعید'' کے حوالوں میں کاتب کی غلطی سے تَقَدُّم تَأَخُّر[1] ہو گیا، اس کا لحاظ رہے۔

(۱۹) اَللّٰهُمَّ صَلِّ☆ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ.	''اے اللہ! اپنے بندے اور رسول سیدنا محمد ﷺ پر درود نازل فرما، جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر درود نازل فرمایا اور سیدنا محمد ﷺ اور آلِ سیدنا محمد ﷺ پر برکت نازل فرما، جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر برکت نازل فرمائی۔''
(۲۰) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.	''اے اللہ! درود نازل فرما نبی اُمّی سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر، جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود نازل فرمایا اور برکت نازل فرما نبی اُمّی سیدنا محمد ﷺ پر، جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر برکت نازل فرمائی، بے شک تو ستودہ صفات[2] بزرگ ہے''۔
(۲۱) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَكُوْنُ لَكَ رِضًى وَّلَهٗ جَزَاءً وَّلِحَقِّهٖ أَدَاءً وَّأَعْطِهِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ وَاجْزِهٖ عَنَّا مَا هُوَ أَهْلُهٗ وَاجْزِهٖ أَفْضَلَ مَا جَازَيْتَ نَبِيًّا عَنْ قَوْمِهٖ وَرَسُوْلًا عَنْ أُمَّتِهٖ وَصَلِّ عَلٰى جَمِيْعِ إِخْوَانِهٖ مِنَ النَّبِيِّيْنَ	''اے اللہ! اپنے (بَرگُزِیدہ[3]) بندے اور اپنے رسول نبی اُمّی سیدنا محمد ﷺ پر اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر درود نازل فرما۔ اے اللہ! سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر ایسا درود نازل فرما، جو تیری رِضا[4] کا ذریعہ ہو اور حضور ﷺ کے لیے پورا بدلہ ہو اور آپ کے حق کی ادائیگی ہو اور آپ ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت اور مقامِ محمود جس کا تو نے وعدہ کیا ہے، عطا فرما۔ (ان تینوں کا بیان فصلِ ثانی[5] کی حدیث نمبر سات پر گذر گیا) اور حضور ﷺ کو ہماری طرف سے ایسی جزا عطا فرما، جو آپ کی شانِ عالی[6] کے لائق ہو اور آپ کو ان سب سے افضل[7] بدلہ عطا فرما، جو تو نے کسی نبی کو اس کی قوم کی طرف سے اور کسی رسول کو اس کی اُمت کی طرف سے عطا فرمایا اور حضور ﷺ کے تمام

حل لغات: ☆ زيد في نشر الطيب بعده، إنك حميد مجيد وليس هو في زاد السعيد و هو الصحيح، لأنه أخذه من الحصن وليست فيه هذه الزيادة. (۱) آگے پیچھے۔ (۲) اچھی صفت والا۔ (۳) پسندیدہ۔ (۴) خوشی۔ (۵) دوسری فصل۔ (۶) بلند شان۔ (۷) سب سے بہتر۔

وَالصَّالِحِيْنَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

برادران[1] انبیاء وصالحین پر اے ارحم الراحمین درود نازل فرما۔"

(۲۲) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ ِالنَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدِ ِالنَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

"اے اللہ! درود نازل فرما نبی اُمی سیدنا محمد ﷺ پر اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر، جیسا تو نے درود نازل فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر، اور برکت نازل فرما نبی اُمی سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر، جیسا تو نے برکت نازل فرمائی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر، بے شک تو سَتُوْدَہ[2] صِفات بزرگ ہے۔"

(۲۳) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى أَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْنَا مَعَهُمْ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى أَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَيْنَا مَعَهُمْ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَصَلَوَاتُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مُحَمَّدِ ِالنَّبِيِّ الْأُمِّيِّ.

"اے اللہ! درود نازل فرما سیدنا محمد ﷺ پر اور آپ کے گھر والوں پر، جیسا تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود نازل فرمایا، بے شک تو ستودہ صفات بزرگ ہے، اے اللہ! ہمارے اوپر ان کے ساتھ درود نازل فرما، اے اللہ! برکت نازل فرما سیدنا محمد ﷺ پر اور آپ کے گھر والوں پر، جیسا تو نے برکت نازل فرمائی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر، بے شک تو ستودہ صفات بزرگ ہے۔ اے اللہ! ہمارے اوپر ان کے ساتھ برکت نازل فرما، اللہ تعالیٰ کے بَکَثْرَتْ دُرُوْدْ اور مومنین کے بَکَثْرَتْ دُرُوْدْ نبی اُمی سیدنا محمد ﷺ پر نازل ہوں۔

(۲۴) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلْتَهَا عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

"اے اللہ! اپنے درود اور اپنی رحمت اور اپنی برکتیں سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر (نازل) فرما، جیسا تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر فرمایا، بے شک تو ستودہ صفات بزرگ ہے اور برکت فرما سیدنا محمد ﷺ اور سیدنا محمد ﷺ کی اولاد پر، جیسا تو نے برکت نازل فرمائی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر، بے شک تو سَتُوْدَہ صِفات بزرگ ہے۔"

(۲۵) وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ.

"اور اللہ تعالیٰ درود نازل فرمائیں نبی اُمی ﷺ پر"۔

حل لغات: (۱) بھائی۔ (۲) اچھی صفت والا۔

فضائل درود شریف

صیغ السّلام[1]

﴿۲۶﴾ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ. اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ . أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.	''ساری عباداتِ قولیہ[2] اور عباداتِ بدنیہ[3] اور عباداتِ مالیہ[4] اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں آپ پر نازل ہوں، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر، میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ بیشک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ بیشک سیّدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں''۔
﴿۲۷﴾ اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ. اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ. أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.	''ساری عباداتِ قولیہ، عباداتِ مالیہ، عباداتِ بدنیہ اللہ کے لیے ہیں، اے نبی آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر، میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں''۔
﴿۲۸﴾ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ. اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ. أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ. وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.	''تمام عباداتِ قولیہ، مالیہ، بدنیہ اللہ ہی کے لیے ہیں، اے نبی آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر، میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور شہادت دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں''۔
﴿۲۹﴾ اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ. سَلَامٌ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ سَلَامٌ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ. أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.	''ساری بابرکت[5] عباداتِ قولیہ، عباداتِ بدنیہ، عباداتِ مالیہ اللہ کے لیے ہیں، سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر، میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ بے شک سیّدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں''۔

حل لغات: ① سلام کے الفاظ۔ ② زبان سے کہی جانے والی۔ ③ بدن سے کی جانے والی۔ ④ مال سے ادا کی جانے والی۔ ⑤ برکت والی۔

﴿۳۰﴾ بِسْمِ اللّٰهِ وَ بِاللّٰهِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَ الطَّيِّبَاتُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، أَسْأَلُ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ.	اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اور اللہ کی توفیق سے شروع کرتا ہوں، ساری عباداتِ قولیہ[۱]، عباداتِ بدنیہ[۲]، عباداتِ مالیہ[۳] اللہ کے لیے ہیں سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر (بھی) سلام ہو، میں شہادت دیتا ہوں کہ بے شک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ بے شک سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ سے میں جنت کی درخواست کرتا ہوں اور جہنم سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔"
﴿۳۱﴾ اَلتَّحِيَّاتُ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.	"پاکیزہ عباداتِ قولیہ، عباداتِ مالیہ، عباداتِ بدنیہ اللہ کے لیے ہیں۔ سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر (بھی) سلام ہو، میں شہادت دیتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ بے شک سیدنا محمد ﷺ، اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں"۔
﴿۳۲﴾ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ خَيْرِ الْأَسْمَاءِ، اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، أَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّأَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّارَيْبَ فِيْهَا، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَاهْدِنِيْ.	"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اور اللہ ہی کی توفیق سے جو سارے ناموں میں سب سے بہتر نام ہے، ساری عباداتِ قولیہ، عباداتِ مالیہ، عباداتِ بدنیہ اللہ کے لیے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ بلا شک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ بلا شک سیدنا محمد ﷺ، اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ آپ کو حق کے ساتھ (فرمانبرداروں) کے لیے خوشخبری دینے والا (نافرمانوں کے لیے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ قیامت آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے، سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر، اے اللہ! میری مغفرت فرما اور مجھ کو ہدایت دے"۔

حل لغات: ① زبان سے کہی جانے والی۔ ② بدن سے کی جانے والی۔ ③ مال سے ادا کی جانے والی۔

۳۳ اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ وَ الصَّلَوَاتُ وَالْمُلْكُ لِلّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ.	''ساری عباداتِ قولیہ[1]، عباداتِ مالیہ[2] اور عباداتِ بدنیہ[3] اور مُلک اللہ کے لیے ہے، سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں''۔
۳۴ بِسْمِ اللّٰهِ، التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ، السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ، شَهِدْتُّ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ شَهِدْتُّ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ.	''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، ساری عباداتِ قولیہ اللہ کے لیے ہیں، ساری عباداتِ بدنیہ اللہ کے لیے ہیں، ساری پاکیزہ عبادات اللہ کے لیے ہیں، سلام ہو نبی پر اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر، میں نے اس بات کی گواہی دی کہ بلاشک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں نے گواہی دی کہ بلاشک سیّدنا محمد ﷺ، اللہ کے رسول ہیں۔
۳۵ اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ.	''ساری عباداتِ قولیہ، عباداتِ مالیہ، عباداتِ بدنیہ اور ساری پاکیزگیاں اللہ کے لیے ہیں، میں شہادت دیتا ہوں کہ بے شک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور بے شک سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر''۔
۳۶ اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوَاتُ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ.	''ساری عباداتِ قولیہ، مالیہ اور عباداتِ بدنیہ اور ساری پاکیزگیاں اللہ کے لیے ہیں۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر''۔
۳۷ اَلتَّحِيَّاتُ الصَّلَوَاتُ لِلّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ.	''تمام عباداتِ قولیہ، بدنیہ اللہ کے لیے ہیں، سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر''۔

حل لغات: (۱) زبان سے کہی جانے والی۔ (۲) مال سے ادا کی جانے والی۔ (۳) بدن سے کی جانے والی۔

۳۸ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.	''تمام عباداتِ قولیہ[1]، بدنیہ[2]، مالیہ[3] اللہ کے لیے ہیں، سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت ہو، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر، میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ بے شبہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں''۔
۳۹ اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ. اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ.	''ساری با برکت عباداتِ قولیہ، عباداتِ بدنیہ، عباداتِ مالیہ اللہ کے لیے ہیں، سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر، میں شہادت دیتا ہوں کہ بے شبہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ بے شک سیدنا محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں''۔
۴۰ بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ.	''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اور سلام ہو اللہ کے رسول ﷺ پر''۔

تکملہ: کن کن موقعوں پر درود شریف پڑھنا چاہیے

عَلّامہ سخاویؒ نے ''قولِ بدیع'' میں مُستَقِل ایک باب ان درودوں کے بارے میں تحریر فرمایا ہے جو اوقاتِ مخصوصہ[4] میں پڑھے جاتے ہیں اور اس میں یہ مَواقع گنوائے ہیں:

وضو اور تیمّم سے فراغت پر اور غُسلِ جَنَابت[5] اور غسلِ حیض سے فراغت پر، نیز نماز کے اندر اور نماز سے فراغ[6] پر اور نماز قائم ہونے کے وقت اور اس کا مُؤَکَّد ہونا صبح کی نماز کے بعد اور مغرب کے بعد اور التَّحیات کے بعد اور قنوت میں اور تہجد کے لیے کھڑے ہونے کے وقت اور اس کے بعد اور مساجد پر گزرنے کے وقت اور مساجد کو دیکھ کر اور مساجد میں داخل ہونے کے وقت اور مساجد سے باہر آنے کے وقت اور اذان کے جواب کے بعد اور جمعہ کے دن میں اور جمعہ کی رات میں اور شنبہ[7] کو، اتوار کو، پیر کو، منگل کو اور خطبہ میں جمعہ کے اور دونوں عیدوں کے خطبے میں اور استسقاء[8] کی نماز کے اور کُسوف[9] کے اور خُسوف[10] کے

حل لغات: ① زبان سے کہی جانے والی۔ ② بدن سے کی جانے والی۔ ③ مال سے ادا کی جانے والی۔ ④ خاص خاص وقت میں۔ ⑤ یعنی وہ غسل جو بیوی سے خصوصی تعلق کے بعد یا احتلام کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ ⑥ فارغ ہونا۔ ⑦ سنیچر۔ ⑧ طلب بارش۔ ⑨ سورج گرہن۔ ⑩ چاند گرہن۔

خطبوں میں اور عیدین اور جنازہ کی تکبیرات کے درمیان میں اور میّت کے قبر میں داخل کرنے کے وقت اور شعبان کے مہینے میں اور کعبہ شریف پر نظر پڑنے کے وقت اور حج میں صَفا مَرْوَہ پر چڑھنے کے وقت اور لبیک سے فراغت پر اور حجرِ اَسود کے بوسہ کے وقت اور مُلْتَزَم سے چمٹنے کے وقت اور عرفہ کی شام کو اور مِنٰی کی مسجد میں اور مدینہ منوّرہ پر نگاہ پڑنے کے وقت اور حضور اقدس ﷺ کی قبرِ اَطہر کی زیارت کے وقت اور رخصت کے وقت اور حضور اقدس ﷺ کے آثارِ شریفہ اور گزرگاہوں[۱] اور قیام گاہوں[۲] جیسے بدر وغیرہ پر گزرنے کے وقت اور جانور کو ذبح کرنے کے وقت اور تجارت کے وقت اور وصیت کے لکھنے کے وقت، نکاح کے خطبے میں، دن کے اوّل آخر میں، سونے کے وقت اور سفر کے وقت اور سواری پر سوار ہونے کے وقت اور جس کو نیند کم آتی ہو اس کے لیے اور بازار جانے کے وقت، دعوت میں جانے کے وقت اور گھر میں داخل ہونے کے وقت اور رسالے شروع کرنے کے وقت اور بسم اللہ کے بعد اور غم کے وقت، بے چینی کے وقت، سختیوں کے وقت اور فقر کی حالت میں اور ڈوبنے کے موقع پر اور طاعون کے زمانے میں اور دُعا کے اول اور آخر اور درمیان میں، کان بجنے کے وقت، پاؤں سونے کے وقت، چھینک آنے کے وقت اور کسی چیز کو رکھ کر بھول جانے کے وقت اور کسی چیز کے اچھا لگنے کے وقت اور مولی کھانے کے وقت اور گدھے کے بولنے کے وقت اور گناہ سے توبہ کے وقت اور جب ضرورتیں پیش آویں اور ہر حال میں اور اس شخص کے لیے جس کو کچھ تہمت[۳] لگائی گئی ہو اور وہ اس سے بَرِی[۴] ہو اور دوستوں سے ملاقات کے وقت اور مجمع کے اجتماع کے وقت اور ان کے علیحدہ ہونے کے وقت اور قرآن پاک کے ختم کے وقت اور قرآن پاک کے حفظ کرنے کی دُعا میں اور مجلس سے اُٹھنے کے وقت اور ہر اس جگہ میں جہاں اللہ کے ذکر کے لیے اجتماع کیا جاتا ہو اور ہر کلام کے افتتاح[۵] میں اور جب حضور اقدس ﷺ کا ذِکر مبارک ہو، علم کی اِشاعت[۶] کے وقت، حدیث پاک کی قرأت کے وقت، فتوی اور وعظ کے وقت اور جب حضور اقدس ﷺ کا نام مبارک لکھا جائے۔

علامہ سخاویؒ نے اوقاتِ مخصوصہ کے باب میں یہ مَوَاقِعْ ذکر کیے ہیں اور پھر ان کی تائید میں روایات[۷] اور آثار[۸] ذکر کیے ہیں۔ اختصاراً صرف مواقع[۹] کے ذکر پر اِکْتِفَا[۱۰] کیا گیا، البتّہ ان میں سے بعض کی روایات اس فصل میں ذکر کی جا چکی ہیں۔ البتّہ ایک بات قابلِ تنبیہ[۱۱] یہ ہے کہ علامہ سخاویؒ شافعی المذہب ہیں اور یہ سب مواقع شافعیہ کے یہاں مُسْتَحَب ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک چند مَوَاقِعْ میں مستحب نہیں بلکہ مکروہ ہے۔ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں کہ درود شریف نماز کے قعدۂ اخیر میں مطلقاً[۱۲] اور سُنّتوں کے علاوہ بقیہ نوافل کے قعدۂ اولیٰ

حل لغات: (۱) راستوں۔ (۲) ٹھہرنے کی جگہیں۔ (۳) الزام۔ (۴) پاک۔ (۵) شروع۔ (۶) پھیلانا۔ (۷) حدیثیں۔ (۸) صحابہ اور تابعین کے اقوال۔ (۹) جگہیں۔ (۱۰) کافی سمجھنا۔ (۱۱) بتلانے اور خبرداری کے لائق۔ (۱۲) مستقل۔

میں بھی اور نمازِ جنازہ میں بھی سُنّت ہے اور جن اوقات میں بھی پڑھ سکتا ہو پڑھنا مُستَحب ہے، بشرطیکہ کوئی مَانِع[1] نہ ہو اور علماء نے تصریح[2] کی ہے اس کے اِستحبَاب کی جمعہ کے دن میں اور اس کی رات میں اور شنبہ[3] کو، اتوار کو، جمعرات کو اور صبح، شام اور مسجد کے داخل ہونے میں اور نکلنے میں اور حضور اقدس ﷺ کی قبرِ اَطہر کی زیارت کے وقت اور صَفا مَروَہ پر، جمعہ وغیرہ کے خُطبہ میں، اذان کے جواب کے بعد اور تکبیر کے وقت اور دُعا مانگنے کے شروع میں، بیچ میں، اور اخیر میں اور دُعاءِ قنوت کے بعد اور لبَّیک سے فراغت کے بعد اور اِجتماع[4] اور اِفتراق[5] کے وقت، وضوء کے وقت، کان کے بجنے کے وقت اور کسی چیز کے بھول جانے کے وقت، وعظ کے وقت، علوم کی اِشاعَت کے وقت، حدیث کی قرأت کے اِبتدا[6] میں اور اِنتہا[7] میں، اِستِفتاء اور فَتوٰی کی کِتابَت[8] کے وقت اور ہر مُصَنِّف اور پڑھنے پڑھانے والے کے لیے اور خطیب[9] کے لیے اور منگنی کرنے والے کے لیے، اپنا نکاح کرنے والے کے لیے، دوسرے کا نکاح کرنے کے لیے اور رسالوں میں اور اہم امُور[10] کے شروع کے وقت اور حضور اقدس ﷺ کا پاک نام لینے یا سننے یا لکھنے کے وقت۔ اور سات اوقات میں درود شریف پڑھنا مکروہ ہے: صحبت کے وقت، پیشاب پاخانہ کے وقت، بیچنے کی چیز کی تشہیر[11] کے لیے، ٹھوکر کھانے کے وقت، تعجب کے وقت، جانور کے ذبح کرنے کے وقت، چھینک کے وقت، اسی طرح قرآن پاک کی قرأت کے درمیان میں اگر حضور اقدس ﷺ کا پاک نام آئے تو درمیان میں درود شریف نہ پڑھے، اھ۔ چوتھی فصل کے آدابِ مُتفرِّقہ کے نمبر پانچ پر بھی اس کے مُتعلِّق بعض مسائل آرہے ہیں۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا　　عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

تیسری فصل: ان احادیث کے بیان میں جن میں نبیٔ اکرم ﷺ پر درود نہ پڑھنے کی وعیدیں وارد ہوئی ہیں

① عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اُحْضُرُوا الْمِنْبَرَ فَحَضَرْنَا، فَلَمَّا ارْتَقٰى	حضرت کَعب بِن عُجرَہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ منبر کے قریب ہو جاؤ، ہم لوگ حاضر ہوگئے، جب حضور ﷺ نے منبر کے پہلے درجہ پر قدم مُبارک رکھا تو فرمایا:

حل لغات: ① رُکاوٹ۔ ② صاف طور سے بیان کرنا۔ ③ سنیچر۔ ④ ملاقات۔ ⑤ جدا ہونا۔ ⑥ شروع۔ ⑦ آخر۔ ⑧ لکھنا۔ ⑨ تقریر کرنے والا۔ ⑩ کاموں، معاملوں۔ ⑪ مشہور کرنا۔

دَرَجَةً قَالَ: اٰمِيْنَ، ثُمَّ ارْتَقَى الثَّانِيَةَ فَقَالَ: اٰمِيْنَ، ثُمَّ ارْتَقَى الثَّالِثَةَ فَقَالَ: اٰمِيْنَ. فَلَمَّا نَزَلَ قُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَدْ سَمِعْنَا مِنْكَ الْيَوْمَ شَيْئًا مَّا كُنَّا نَسْمَعُهُ، فَقَالَ: إِنَّ جِبْرِيْلَ عليه السلام عَرَضَ لِيْ، فَقَالَ: بَعُدَ مَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْلَهُ، قُلْتُ: اٰمِيْنَ. فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّانِيَةَ، قَالَ: بَعُدَ مَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ، فَقُلْتُ: اٰمِيْنَ. فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّالِثَةَ قَالَ: بَعُدَ مَنْ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ الْكِبَرَ عِنْدَهُ أَوْ اَحَدَهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ، قُلْتُ: اٰمِيْنَ.

آمین، جب دوسرے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا: آمین، جب تیسرے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا: آمین۔ جب آپ ﷺ خُطبَہ سے فارغ ہوکر نیچے اُترے، تو ہم نے عرض کیا کہ ہم نے آج آپ سے (مِنبَر پر چڑھتے ہوئے) ایسی بات سنی جو پہلے کبھی نہیں سنی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت جبریل علیہ السلام میرے سامنے آئے تھے (جب پہلے درجہ پر میں نے قدم رکھا تو) انھوں نے کہا: ہلاک ہوجیووہ شخص جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا پھر بھی اس کی مَغفِرت نہ ہوئی، میں نے کہا: آمین، پھر جب میں دوسرے درجہ پر چڑھا تو انھوں نے کہا: ہلاک ہوجیووہ شخص جس کے سامنے آپ کا ذکرِ مبارک ہوا اور وہ درود نہ بھیجے، میں نے کہا: آمین، جب میں تیسرے درجہ پر چڑھا تو انھوں نے کہا: ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پاویں اور وہ اس کو جنت میں نہ داخل کرائیں، میں نے کہا: آمین۔

رواه الحاكم وقال: صحيح الإسناد، والبخاري في بر الوالدين، وابن حبان في صحيحه وغيرهم، ذكرهم السخاويؒ

فائدہ: یہ روایت فضائلِ رمضان میں گزر چکی ہے، اُس میں یہ لکھا تھا ''اس حدیث میں حضرت جبریل علیہ السلام نے تین بددُعائیں دی ہیں اور حضورِ اقدس ﷺ نے ان تینوں پر آمین فرمائی۔ اول حضرت جبریل علیہ السلام جیسے مُقرَّب[1] فرشتہ کی بددُعا ہی کیا کم تھی اور پھر حضورِ اقدس ﷺ کی آمین نے تو جتنی سخت بددُعا بنادی، وہ ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل سے ہم لوگوں کو ان تینوں چیزوں سے بچنے کی توفیق عطا فرماویں اور ان بُرائیوں سے محفوظ رکھیں ورنہ ہلاکت میں کیا تَرَدُّد[2] ہے۔ دُرِّ مَنثُور کی بعض رِوَایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور ﷺ سے کہا کہ آمین کہو، تو حضور ﷺ نے آمین فرمایا، جس سے اور بھی زیادہ اہتمام معلوم ہوتا ہے۔ عَلاَّمہ سخاویؒ نے اس مضمون کی متعدد روایتیں ذکر کی ہیں۔ حضرت مالک بن حُوَیرِث رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ ایک مرتبہ منبر پر چڑھے جب پہلے درجہ پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین، پھر دوسرے درجہ پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین، پھر تیسرے پر قدم رکھا تو

حل لغات: (۱) قریبی، معزز۔ (۲) شک وشبہ۔

فرمایا: آمین، پھر ارشاد فرمایا کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے تھے، انھوں نے کہا: اے محمد ﷺ! جو شخص رمضان کو پاوے اور اس کی مغفرت نہ کی جائے، اللہ اس کو ہلاک کرے، میں نے کہا: آمین، اور وہ شخص کہ جس نے ماں باپ یا ان میں سے ایک کا زمانہ پایا ہو، پھر بھی جہنم میں داخل ہو گیا ہو (یعنی ان کی ناراضی کی وجہ سے) اللہ اس کو ہلاک کرے، میں نے کہا: آمین، اور جس کے سامنے آپ کا ذکرِ مبارک آوے اور وہ درود نہ پڑھے، اللہ اس کو ہلاک کرے، میں نے کہا: آمین۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مضمون نقل کیا گیا ہے، وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ منبر کے ایک درجہ پر چڑھے اور فرمایا: آمین، پھر دوسرے درجہ پر چڑھ کر فرمایا: آمین، پھر تیسرے پر چڑھ کر فرمایا: آمین۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے آمین کس بات پر فرمائی تھی؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے تھے اور انھوں نے کہا (زمین پر) ناک رگڑے وہ شخص جس نے اپنے والدین یا ان میں سے ایک کا زمانہ پایا ہو اور انھوں نے اس کو جنت میں داخل نہ کرایا ہو، میں نے کہا: آمین، اور ناک رگڑے وہ شخص (یعنی ذلیل ہو) جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اس کی مغفرت نہ کی گئی ہو، میں نے کہا: آمین، اور ناک رگڑے وہ شخص جس کے سامنے آپ کا ذِکر کیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے، میں نے کہا: آمین۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی یہ قصہ نقل کیا گیا ہے اور اس میں بھی منبر پر تین مرتبہ آمین، آمین کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کے سوال پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب میں پہلے درجے پر چڑھا تو میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور انھوں نے کہا: بدبخت ہوجیو وہ شخص جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور وہ مبارک مہینہ ختم ہو گیا اور اس کی مغفرت نہ ہوئی، میں نے کہا: آمین، پھر انھوں نے کہا: بَدْ بَخْتَ ہوجیو وہ شخص جس نے اپنے والدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو پایا ہو اور انھوں نے اس کو جنت میں داخل نہ کرایا ہو، میں نے کہا: آمین، پھر کہا: بدبخت ہوجیو وہ شخص جس کے سامنے آپ کا ذِکرِ مبارک ہو اور اس نے آپ پر درود نہ بھیجا ہو، میں نے کہا: آمین۔

حضرت عَمّار بِن یاسر رضی اللہ عنہما سے بھی یہ قصہ نقل کیا گیا ہے اور اس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ہر بد دُعا کے بعد یہ اِضافہ[1] ہے کہ جبریل نے علیہ السلام مجھ سے کہا: آمین کہو۔ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ منبر والا قصہ نقل کیا گیا ہے اور اس میں اور سخت الفاظ ہیں: حضور ﷺ نے فرمایا: جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے اور انھوں نے یوں کہا کہ جس شخص کے سامنے آپ کا ذِکر کیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے، وہ جہنم میں داخل ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کرے اور اس کا مَلیامیٹ[2] کر دے، میں نے کہا: آمین، اسی طرح والدین اور رمضان کے قصہ میں بھی نقل کیا۔ حضرت ابوذر و حضرت بُرَیدَہ اور

حل لغات: (۱) زیادہ۔ (۲) تباہ و برباد۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ان مضامین کی رِوَایتیں ذکر کی گئی ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی یہ اِضَافَہ ہے کہ ہر مرتبہ میں مجھ سے حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ کہو: آمین، جس پر میں نے آمین کہا۔ حضرت جَابِرْ بِنْ سَمُرَہْ رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مضمون نقل کیا گیا ہے۔ نیز عبداللہ بن الحَارِثْ رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث نقل کی گئی ہے، اس میں بَدْدُعا دو دفعہ ہے۔ اس میں ارشاد ہے کہ جس کے سامنے آپ کا ذِکر کیا گیا ہو اور اس نے درود نہ پڑھا ہو، اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کرے پھر ہلاک کرے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک دوسری حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جس کے سامنے میرا ذِکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے، وہ بد بخت ہے۔ اور بھی اس قسم کی وعیدیں کَثْرَت سے ذکر کی گئی ہیں۔ علاّمہ سخاویؒ نے ان وعیدوں کو جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ مبارک کے وقت درود شریف نہ پڑھنے پر وارد ہوئی ہیں، مُخْتَصَرْ الفاظ میں جمع کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص پر ہلاکت کی بددُعا ہے اور شَقَاوَت[1] کے حاصل ہونے کی خبر ہے، نیز جنت کا راستہ بھول جانے کی اور جہنم میں داخل ہونے کی اور یہ کہ وہ شخص ظالم ہے اور یہ کہ وہ سب سے زیادہ بخیل[2] ہے۔ اور کسی مجلس میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھا جائے، اس کے بارے میں کئی طرح کی وعیدیں ذکر کی ہیں اور یہ کہ جو شخص حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھے اس کا دین سَالِم[3] نہیں اور یہ کہ وہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی زیارت نہ کر سکے گا، اس کے بعد علامہ سخاویؒ نے ان سب مضامین کی روایات ذکر کی ہیں۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا　　عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

② عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: اَلْبَخِيْلُ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ.	حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ بخیل ہے وہ شخص جس کے سامنے میرا ذکر کیا جاوے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

رواه النسائي والبخاري في تاريخه والترمذي وغيرهم بسط طرقه السخاوي

فائدہ: علامہ سخاویؒ نے کیا ہی اچھا شعر نقل کیا ہے:

مَنْ لَّمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ إِنْ ذُكِرَ اسْمُهٗ　　فَهُوَ الْبَخِيْلُ وَزِدْهُ وَصْفَ جَبَانٖ

ترجمہ: ''جو شخص حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجے، جس وقت کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک نام ذکر کیا جا رہا ہو، پس وہ پکّا بخیل ہے اور اتنا اِضَافَہ[4] کر اس پر کہ وہ بُزْدِل نامَرْد بھی ہے''۔

حدیثِ بَالا[5] کا مضمون بھی بہت سی احادیث میں بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا گیا ہے۔ علامہ سخاویؒ نے حضرت امامِ حَسَنْ رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ آدمی کے بُخْل کے لیے یہ

حل لغات: ① بدبختی۔ ② کنجوس۔ ③ محفوظ، سلامت۔ ④ زیادتی۔ ⑤ اوپر۔

کافی ہے کہ میرا ذکر اس کے سامنے کیا جاوے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ حضرت امام حُسَین رضی اللہ عنہ سے بھی حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے: بخیل وہ شخص ہے کہ جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ مضمون نقل کیا گیا ہے کہ بخیل اور پورا بخیل ہے وہ شخص جس کے سامنے میرا ذکر کیا جاوے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ وہ شخص بخیل ہے کہ جس کے سامنے میرا ذکر کیا جاوے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ اور ایک حدیث میں یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں کہ میں تم کو سب بخیلوں سے زیادہ بخیل بتاؤں؟ میں تمہیں لوگوں میں سب سے زیادہ عاجز[1] بتاؤں؟ وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا ہو پھر وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک قِصّہ نقل کیا گیا ہے، جس کے اخیر میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جو مجھے قیامت میں نہ دیکھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ وہ شخص کون ہے جو آپ کی زیارت نہ کرے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: بخیل، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: بخیل کون؟ حضور ﷺ نے فرمایا: جو میرا نام سنے اور درود نہ بھیجے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے: آدمی کے بُخل کے لیے یہ کافی ہے کہ جب میرا ذکر اس کے پاس کیا جاوے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ حضرت حَسَنِ بَصَرِیؒ کی روایت سے بھی حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ آدمی کے بُخل کے لیے یہ کافی ہے کہ میں اس کے سامنے ذکر کیا جاؤں اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔ حضرت اَبُوذَر غِفَارِی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا، حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: میں تم کو سب سے زیادہ بخیل آدمی بتاؤں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ضرور، حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے سامنے میرا ذکر کیا جاوے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے، وہ شخص سب سے زیادہ بخیل ہے۔

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا　　عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

③ عَنْ قَتَادَةَ مُرْسَلًا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مِنَ الْجَفَاءِ أَنْ أُذْكَرَ عِنْدَ رَجُلٍ فَلَا يُصَلِّ عَلَيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. أخرجه النميري ورواته ثقات قاله السخاوي	حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ یہ بات ظلم سے ہے کہ کسی آدمی کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

فائدہ: یقیناً اس شخص کے ظُلم میں کیا تردّد[2] ہے؟ جو نبیِ کریم ﷺ کے اتنے اِحسانات پر بھی نبیِ کریم ﷺ پر درود نہ پڑھے۔ حضرت گنگوہی قُدِّسَ سِرُّہٗ کی سَوانحِ عُمرِی[3] ''تذکرۃ الرّشید'' میں لکھا ہے کہ حضرت عموماً[4] مُتَوَسِّلِین[5] کو درود شریف پڑھنے کی تعلیم فرماتے تھے کہ کم سے کم تین سو مرتبہ روزانہ پڑھا جائے اور اتنا نہ ہو سکے تو ایک تسبیح میں تو کمی نہ ہونی چاہیے، آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ جَنابِ رسول اللہ ﷺ کا بہت بڑا

حل لغات: ① بے بس، مجبور۔ ② شک وشبہ۔ ③ حالات زندگی۔ ④ عام طور سے۔ ⑤ تعلق رکھنے والے۔

احسان ہے، پھر آپ ﷺ پر درود بھیجنے میں بھی بُخل ہو تو بڑی بے مُرَوّتی[1] کی بات ہے، درود شریف میں زیادہ تر پسند وہ تھا، جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد وہ اَلفاظِ صَلوٰۃ وسَلام جو احادیث میں منقول ہیں، باقی دوسروں کے مُؤلَّفہ[2] دُرُودِ تاج، لَکّھی وغیرہ عُموماً آپ کو پسند نہ تھے، بلکہ بعض الفاظ کو دوسرے معنیٰ کا مُوہِم[3] ہونے کے سبب خلافِ شرع فرمادیتے تھے۔ علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ جفاء سے مراد بِرّ وصِلَہ[4] کا چھوڑنا ہے اور طبیعت کی سختی اور نبیٔ کریم ﷺ سے دُوری پر بھی اِطلاق[5] کیا جاتا ہے۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

④ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَّجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللهَ تَعَالٰى فِيْهِ وَلَمْ يُصَلُّوْا عَلٰى نَبِيِّهِمْ ﷺ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ مِّنَ اللهِ تِرَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. فَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ. رواه أحمد وأبوداؤد وغيرهما بسطه السخاوي

حضرت ابو ہریرہ ؓ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں جو قوم کسی مجلس میں بیٹھے اور اس مجلس میں اللہ کا ذکر اور اس کے نبی پر درود نہ ہو، تو یہ مجلس ان پر قیامت کے دن ایک وَبال ہوگی، پھر اللہ کو اختیار ہے کہ ان کو معاف کردے یا عذاب دے۔

فائدہ: ایک اور حدیث میں حضرت ابو ہریرہ ؓ ہی سے یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں کہ جو قوم کسی مجلس میں بیٹھتی ہے، پھر وہ اللہ کے ذکر اور نبی پر درود سے پہلے مجلس بَرخاست[6] کردیں، تو ان پر قیامت تک حَسرت[7] رہے گی۔ ایک اور حدیث میں ان الفاظ سے نقل کیا گیا ہے کہ جو قوم کسی مجلس میں بیٹھتی ہے اور اس مجلس میں حضور ﷺ پر درود نہ ہو، تو وہ مجلس ان پر وَبال[8] ہوتی ہے۔ حضرت ابو اُمامہ ؓ سے بھی حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں، پھر اللہ کے ذکر اور حضور اقدس ﷺ پر درود سے پہلے اُٹھ کھڑے ہوں، تو وہ مجلس قیامت کے دن وبال ہے۔ حضرت ابو سعید خُدرِی ؓ سے بھی حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور وہ حضور اقدس ﷺ پر درود سے پہلے مجلس برخاست کریں، تو ان کو حسرت ہوگی، چاہے وہ جنت ہی میں (اپنے اعمال کی وجہ سے) داخل ہو جائیں بوَجہِ اس ثواب کے جس کو وہ دیکھیں گے، یعنی اگر وہ اپنے دوسرے اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل ہو بھی جائیں، تب بھی ان کو درود شریف کا ثواب دیکھ کر اس کی حسرت ہوگی کہ ہم نے اس مجلس میں درود کیوں نہ پڑھا تھا۔ حضرت جابر ؓ سے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جب لوگ کسی مجلس سے بغیر اللہ کے ذکر اور حضور اقدس ﷺ پر درود کے اُٹھیں، تو ایسا ہے جیسا کسی سڑے ہوئے مردار جانور پر سے اُٹھے ہوں، یعنی ایسی گندگی محسوس ہوگی جیسے کسی سڑے ہوئے جانور کے پاس بیٹھ کر دماغ سڑ جاتا ہے۔

حل لغات: ① بے غیرتی، بے حیائی، بے شرمی۔ ② جمع کیے ہوئے۔ ③ شک میں ڈالنے والا۔ ④ نیکی اور بھلائی۔ ⑤ استعمال کرنا، بولا جانا۔ ⑥ اٹھا دینا، ختم کردینا۔ ⑦ افسوس۔ ⑧ آفت، مصیبت۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

⑤ عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَاعِدٌ، إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰى، فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: عَجِلْتَ أَيُّهَا الْمُصَلِّيْ! فَإِذَا صَلَّيْتَ فَقَعَدْتَّ فَاحْمَدِ اللهَ بِمَا هُوَ أَهْلُهٗ وَصَلِّ عَلَيَّ ثُمَّ ادْعُهُ. قَالَ: ثُمَّ صَلّٰى رَجُلٌ اٰخَرُ بَعْدَ ذٰلِكَ. فَحَمِدَ اللهَ وَصَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ ﷺ. فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: أَيُّهَا الْمُصَلِّيْ! اُدْعُ تُجَبْ. [رواه الترمذي وروى أبوداؤد والنسائي نحوه كذا في المشكوٰة]

حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ تشریف فرما تھے، ایک صاحب داخل ہوئے اور نماز پڑھی، پھر "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ" کے ساتھ دعا کی، حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: اُو نمازی! جلدی کر دی، جب تُو نماز پڑھے تو اوّل تو اللہ جلّ شانہٗ کی حمد کر، جیسا کہ اس کی شان کے مُناسِب ہے، پھر مجھ پر درود پڑھ پھر دُعا مانگ، حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر ایک اور صاحب آئے، انھوں نے اوّل اللہ جلّ شانہٗ کی حَمْد کی اور حضور اقدس ﷺ پر درود بھیجا، حضور ﷺ نے ان صاحب سے یہ ارشاد فرمایا: اے نمازی! اب دُعا کر تیری دُعا قبول کی جائے گی۔

فائدہ: یہ مضمون بھی بکثرت روایات میں ذکر کیا گیا ہے۔ علامہ سخاویؒ کہتے ہیں کہ درود شریف دُعا کے اوّل میں، درمیان میں اور اخیر میں ہونا چاہیے۔ علماء نے اس کے اِستحباب[1] پر اِتفاق نقل کیا ہے کہ دُعا کی ابتدا[2] اللہ تعالیٰ شانہٗ کی حمد وثنا، پھر حضور اقدس ﷺ پر درود سے ہونی چاہیے اور اسی طرح اسی پر ختم ہونا چاہیے۔ اُقْلِیْشِیؒ کہتے ہیں کہ جب تو اللہ سے دُعا کرے تو پہلے حَمْد کے ساتھ ابتدا کر، پھر حضور ﷺ پر دُرُوْد بھیج اور درود شریف کو دُعا کے اوّل میں، دُعا کے بیچ میں، دُعا کے اخیر میں کر، اور درود کے وقت میں حضور اقدس ﷺ کے اعلیٰ فضائل کو ذکر کیا کر، اس کی وجہ سے تو "مُسْتَجَابُ الدَّعْوَات[3]" بنے گا اور تیرے اور اس کے درمیان سے حِجَاب[4] اُٹھ جائے گا (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ مجھ کو سوار کے پیالے کی طرح سے نہ بناؤ، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! سوار کے پیالے سے کیا مطلب؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مسافر اپنی حاجت[5] سے فراغت پر برتن میں پانی ڈالتا ہے، اس کے بعد اس کو اگر پینے کی یا وضو کی ضرورت ہوتی ہے تو پیتا ہے یا وضو کرتا ہے، ورنہ پھینک دیتا ہے، مجھے اپنی دُعا کے اوّل میں بھی کیا کرو اوسط[6] میں بھی، آخر میں بھی۔ علامہ سخاویؒ کہتے ہیں کہ مسافر کے پیالہ سے مراد یہ ہے کہ مسافر اپنا پیالہ سواری کے پیچھے لٹکایا کرتا ہے، مطلب یہ ہے کہ مجھے دُعا میں سب سے اخیر میں نہ رکھو، یہی مطلب صاحب اِتحاف نے شَرحِ اِحیاء میں بھی لکھا ہے کہ سوار اپنے پیالہ کو پیچھے

حل لغات: ① مستحب ہونا۔ ② شروعات۔ ③ وہ لوگ جن کی دعائیں اللہ قبول کر لیتا ہے۔ ④ پردہ، آڑ۔ ⑤ ضرورت۔ ⑥ بیچ، درمیان۔

لٹکا دیتا ہے، یعنی مجھے اپنی دعا میں سب سے اخیر میں نہ ڈال دو۔ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص اللہ سے کوئی چیز مانگنے کا ارادہ کرے، تو اس کو چاہیے کہ اوّلاً[1] اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے ساتھ ابتدا کرے، ایسی حمد وثنا جو اس کی شایانِ شان ہو، پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے اور اس کے بعد دُعا مانگے، پس اَقْرَبْ[2] یہ ہے کہ وہ کامیاب ہوگا اور مقصد کو پہونچے گا۔ حضرت عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ دعائیں ساری کی ساری رُکی رہتی ہیں، یہاں تک کہ اس کی اِبتدا اللہ کی تعریف اور حضور ﷺ پر درود سے نہ ہو، اگر ان دونوں کے بعد دُعا کرے گا تو اس کی دُعا قبول کی جائے گی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ہر دُعا رُکی رہتی ہے، یہاں تک کہ حضورِاقدس ﷺ پر درود بھیجے۔ حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ تمہارا مجھ پر درود پڑھنا تمہاری دُعاؤں کی حفاظت کرنے والا ہے، تمہارے رب کی رضا[3] کا سبب ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ دُعا آسمان اور زمین کے درمیان مُعَلَّق[4] رہتی ہے، اوپر نہیں چڑھتی، یہاں تک کہ حضورِاقدس ﷺ پر درود پڑھے۔ ایک دوسری حدیث میں یہ مضمون اِن الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے کہ دُعا آسمان پر پہونچنے سے رُکی رہتی ہے اور کوئی دُعا آسمان تک اس وقت تک نہیں پہونچتی، جب تک حضورِاقدس ﷺ پر درود نہ بھیجا جائے، جب حضور ﷺ پر درود بھیجا جاتا ہے تب وہ آسمان پر پہونچتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے: جب تو دُعا مانگا کرے، تو اپنی دُعا میں حضور ﷺ پر درود بھی شامل کیا کر، اس لیے کہ حضورِاقدس ﷺ پر درود تو مقبول ہے ہی اور اللہ جلَّ شانہٗ کے کرم سے یہ بعید[5] ہے کہ وہ کچھ کو قبول کرے اور کچھ کو رَدّ[6] کر دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضورِاقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ کوئی دُعا ایسی نہیں ہے کہ جس میں اور اللہ کے درمیان حجاب[7] نہ ہو یہاں تک کہ حضورِاقدس ﷺ پر درود بھیجے، پس جب وہ ایسا کرتا ہے تو وہ پَرْدَہ پھٹ جاتا ہے اور وہ دُعا محلِ[8] اِجابت میں داخل ہو جاتی ہے ورنہ لوٹا دی جاتی ہے۔ ابن عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دُعا کے لیے کچھ ارکان ہیں اور کچھ پَر ہیں اور کچھ اسباب ہیں اور کچھ اوقات ہیں، اگر اَرکان کے مُوافِق ہوتی ہے تو دُعا قوی[9] ہوتی ہے اور پروں کے موافق ہوتی ہے تو آسمان پر اُڑ جاتی ہے اور اگر اپنے اوقات کے موافق ہوتی ہے تو فائز[10] ہوتی ہے اور اسباب کے موافق ہوتی ہے تو کامیاب ہوتی ہے۔ دعا کے ارکان: حُضُورِ[11] قَلب، رِقَّت[12]، عاجزی، خشوع اور اللہ کے ساتھ قلبی تعلق۔ اور اس کے پر صِدْق[13] ہے اور اس کے اوقات: رات کا آخری حصّہ، اور اس کے اسباب: نبیٔ کریم ﷺ پر درود بھیجنا۔ اور بھی مُتَعَدَّد احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ دُعا رُکی رہتی ہے، جب تک کہ حضور ﷺ پر درود نہ بھیجے۔

حل لغات: (۱) سب سے پہلے۔ (۲) زیادہ امید۔ (۳) خوشی۔ (۴) لٹکی ہوئی۔ (۵) دور۔ (۶) قبول نہ کرنا۔ (۷) آڑ، پردہ۔ (۸) قبول ہونے کی جگہ۔ (۹) طاقتور۔ (۱۰) کامیاب۔ (۱۱) دل کی حاضری۔ (۱۲) رونا۔ (۱۳) سچ۔

صَلوٰۃُ الحَاجَۃ

حضرت عَبْدُاللہ بنُ اَبِی اَوْفیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ باہر تشریف لائے اور یوں ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو کوئی حاجت[1] اللہ تعالیٰ شانہٗ سے یا کسی بندے سے پیش آجائے، تو اس کو چاہیے کہ اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے، پھر اللہ جلّ شانہٗ پر حمد و ثنا کرے اور نبیِ کریم ﷺ پر درود بھیجے، پھر یہ دُعا پڑھے: لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ. سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. أَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ، وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ، وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ، وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ. لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا إِلَّا غَفَرْتَهٗ، وَلَا هَمًّا إِلَّا فَرَّجْتَهٗ، وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ. ’’نہیں کوئی معبود بجز[2] اللہ کے، جو بڑے حلیم[3] والا ہے اور بڑے کرم والا ہے، ہر عیب سے پاک ہے، اللہ جو رب ہے عرشِ عظیم کا، تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو رب ہے سارے جہانوں کا، اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان چیزوں کا جو تیری رحمت کو واجب کرنے والی ہوں اور مانگتا ہوں تیری مغفرت کی مُؤَکَّدَات کو (یعنی ایسے اعمال کہ جن سے تیری مغفرت ضروری ہو جائے) اور مانگتا ہوں حصہ ہر نیکی سے اور سلامتی ہر گناہ سے، میرے لیے کوئی ایسا گناہ نہ چھوڑیئے جس کی آپ مغفرت نہ کر دیں اور نہ کوئی ایسا فکر و غم جس کو تو زائل[4] نہ کر دے اور نہ کوئی ایسی حاجت جو تیری مرضی کے موافق ہو اور تُو اس کو پورا نہ کر دے، اے ارحم الراحمین۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا　عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

چوتھی فصل: فوائدِ متفرقہ کے بیان میں

(۱) فَصلِ اوّل میں اللہ جلّ شانہٗ کا حکم درود کے بارے میں گزر چکا اور حکم کا تقاضا وُجُوب ہے، اس لیے جمہور علماء کے نزدیک درود شریف کا کم سے کم عُمر بھر میں ایک مرتبہ پڑھنا فرض ہے۔ بعض علماء نے اس پر اجماع بھی نقل کیا ہے۔ لیکن تیسری فصل میں جو وعیدیں اس مضمون کی گزری ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ کے پاک نام آنے پر درود نہ پڑھنے والا بخیل ہے، ظالم ہے، بد بخت ہے، اس پر حضور ﷺ کی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے ہَلَاکَت کی بد دُعائیں ہیں وغیرہ وغیرہ، ان کی بنا پر بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ جب بھی نبیِ کریم ﷺ کا نامِ نامی آئے، اس وقت ہر مرتبہ درود پڑھنا واجب ہے۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے ’’فَتْحُ الْبَارِی‘‘ میں اس میں دس مَذہَب نقل کیے ہیں اور ’’اَوْجَزُ الْمَسَالِکْ‘‘ میں زیادہ بحث تفصیلی اس پر کی گئی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ بعض عُلَماء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ ہر مسلمان پر عمر بھر میں کم سے کم ایک مرتبہ پڑھنا فرض ہے اور اس کے بعد میں اِختِلَاف[5] ہے۔ خود حَنَفِیَّہ کے یہاں بھی اس میں دو قول ہیں: اِمام طَحَاوِیؒ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ

حل لغات: (۱) ضرورت۔ (۲) سوا، علاوہ۔ (۳) بردبار۔ (۴) دور۔ (۵) الگ الگ۔

جب بھی نبیٔ کریم ﷺ کا نام نامی آئے تو درود شریف پڑھنا واجب ہے ان روایات کی بنا پر جو تیسری فصل میں گزریں۔ امام کرخیؒ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ فرض کا درجہ ایک ہی مرتبہ ہے اور ہر مرتبہ اِستحبابؔ[1] کا درجہ ہے۔

(۲) نبیٔ کریم ﷺ کے نام نامی کے ساتھ شروع میں ''سَیِّدنا'' کا لفظ بڑھا دینا مستحب ہے۔ دُرِّ مختار میں لکھا ہے کہ سیدنا کا بڑھا دینا مستحب ہے، اس لیے کہ ایسی چیز کی زیادتی جو واقعہ میں ہو، وہ عینِ ادب ہے جیسا کہ رملیؒ، شافعیؒ وغیرہ نے کہا ہے۔ اھ۔ یعنی نبیٔ کریم ﷺ کا سید ہونا ایک امرِ واقعی ہے، لہٰذا اس کے بڑھانے میں کوئی اِشکال[2] کی بات نہیں، بلکہ ادب یہی ہے، لیکن بعض لوگ اس سے منع کرتے ہیں، غالبًا ان کو ابوداؤد شریف کی ایک حدیث سے اشتباہ[3] ہو رہا ہے۔ ابوداؤد شریف میں ایک صحابی ابومُطَرِّف رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ میں ایک وفد[4] کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم نے حضور ﷺ سے عرض کیا ''اَنْتَ سَيِّدُنَا'' آپ ہمارے سردار ہیں۔ حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا ''اَلسَّيِّدُ اللهُ''، یعنی حقیقی سید تو اللہ ہی ہے اور یہ ارشادِ عالی بالکل صحیح ہے، یقیناً حقیقی سِیَادَتْ[5] اور کمالِ[6] سیادت اللہ ہی کے لیے ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضور ﷺ کے نام پر ''سیدنا'' کا بڑھانا ناجائز ہے، بالخصوص جب کہ خود حضورِ اقدس ﷺ کا پاک ارشاد جیسا کہ مشکوٰۃ میں بِرِوَایتِ شیخین (بخاری ومسلم) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ''أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ'' [الحدیث] کہ میں لوگوں کا سردار ہوں گا قیامت کے دن اور دوسری حدیث میں مسلم کی روایت سے نقل کیا ہے ''أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ'' کہ میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا۔ نیز بروایت ترمذی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے ''أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا فَخْرَ'' کہ میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور کوئی فخر کی بات نہیں۔ حضور ﷺ کے اس پاک ارشاد کا مطلب جو ابوداؤد شریف کی روایت میں گزرا، وہ کمالِ سیادت مراد ہے، جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ مسکین وہ نہیں ہے جس کو ایک ایک، دو دو لقمے دَرْبَدَر پھراتے ہوں، بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس نہ وُسعت[7] ہو، نہ لوگوں سے سوال کرے۔ اسی طرح مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ تم پچھاڑنے والا کس کو سمجھتے ہو (یعنی وہ پہلوان جو دوسرے کو زیر[8] کر دے)؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس کو سمجھتے ہیں جس کو کوئی دوسرا پچھاڑ نہ سکے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ پہلوان نہیں بلکہ پچھاڑنے والا (یعنی پہلوان) وہ ہے، جو غصہ کے وقت میں اپنے نفس پر قابو پائے۔ اسی حدیث پاک میں حضور ﷺ کا یہ سوال بھی نقل کیا گیا کہ تم رَقُوب (یعنی لاوَلد) کس کو کہتے ہو؟

حل لغات: (۱) مستحب۔ (۲) اعتراض۔ (۳) شک، شبہ۔ (۴) جماعت۔ (۵) حقیقی سرداری۔ (۶) مکمل سرداری، مکمل بادشاہت۔ (۷) گنجائش۔ (۸) گرانا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ جس کے اولاد نہ ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ لا وَلد نہیں، بلکہ لا وَلد وہ ہے جس نے کسی چھوٹی اولاد کو ذخیرۂ آخرت نہ بنایا ہو (یعنی اس کے کسی معصوم بچہ کی موت نہ ہوئی ہو)۔ اب ظاہر ہے کہ جو مسکین بھیک مانگتا ہو، اس کو مسکین کہنا کون ناجائز کہہ دے گا۔ اسی طرح جو پہلوان لوگوں کو پچھاڑ دیتا ہو، لیکن اپنے غصہ پر اس کو قابو نہ ہو، وہ تو بہر حال پہلوان ہی کہلائے گا۔ اسی طرح سے ابوداؤد شریف میں ایک صحابی کا قصہ نقل کیا ہے کہ انھوں نے حضورِ اقدس ﷺ کی پُشت[1] مبارک پر مہرِ نبوت دیکھ کر یہ درخواست کی تھی کہ آپ کی پشتِ مبارک پر یہ (جو اُبھرا ہوا گوشت ہے) مجھے دکھلایئے کہ میں اس کا علاج کروں کیونکہ میں طبیب ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: طبیب تو اللہ تعالیٰ شانہٗ ہی ہیں، جس نے اس کو پیدا کیا (الیٰ آخر القصہ)۔ اب ظاہر ہے کہ اس حدیث پاک سے مُعالجوں کو طبیب کہنا کون حرام کہہ دے گا، بلکہ صاحبِ مجمع نے تو یہ کہا ہے کہ اللہ کے ناموں میں سے طبیب نہیں ہے اور اسی طرح سے احادیث میں بہت کثرت سے یہ مضمون ملے گا کہ حضورِ اقدس ﷺ نے ایسے مواقع میں کمال[2] کے اعتبار سے نفی[3] فرمائی ہے، حقیقت کی نفی نہیں۔ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علامہ مجد الدین رحمۃ اللہ علیہ (صاحبِ قاموس) نے لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ'' کہتے ہیں اور اس میں بحث ہے، وہ یوں کہتے ہیں کہ نماز میں تو ظاہر ہے کہ نہ کہنا چاہیے، نماز کے علاوہ میں حضورِ اقدس ﷺ نے اس شخص پر انکار کیا تھا جس نے آپ کو ''سیدنا'' سے خطاب[4] کیا تھا، جیسا کہ حدیث مشہور میں ہے (وہی حدیث ابوداؤد جو اوپر گزری) لیکن حضور ﷺ کا انکار احتمال[5] رکھتا ہے کہ تواضع[6] ہو یا منہ پر تعریف کرنے کو پسند نہ کیا ہو یا اس وجہ سے کہ یہ زمانۂ جاہلیت کا دستور[7] تھا یا اس وجہ سے کہ انھوں نے مبالغہ[8] بہت کیا، چنانچہ انھوں نے کہا تھا کہ آپ ہمارے سردار ہیں، آپ ہمارے باپ ہیں، آپ ہم سے فضیلت میں بہت زیادہ بڑھے ہوئے ہیں، آپ ہم پر بخشش[9] کرنے میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں اور آپ جَفْنَةُ الْغَرَّاء ہیں (یہ بھی زمانۂ جاہلیت کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ وہ اپنے اس سردار کو جو بڑا کھلانے والا ہو اور بڑے بڑے پیالوں میں لوگوں کو دُنبوں کی چکتی[10] اور گھی سے لبریز[11] پیالوں میں کھلاتا ہو) اور آپ ایسے ہیں اور آپ ایسے ہیں، تو ان سب باتوں کے مجموعہ پر حضور ﷺ نے انکار فرمایا تھا اور فرمایا تھا کہ شیطان تم کو مبالغہ میں نہ ڈال دے۔ حالانکہ صحیح حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد ثابت ہے ''اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ'' کہ میں اولادِ آدم کا سردار ہوں۔ نیز حضور ﷺ کا قول ثابت ہے اپنے نواسہ حسن رضی اللہ عنہ کے لیے ''اِبْنِيْ هٰذَا سَيِّدٌ''، میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ اسی طرح سے حضورِ اقدس ﷺ کا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کی قوم کو یہ کہنا ''قُوْمُوْا اِلٰى

حل لغات: (۱) پیٹھ۔ (۲) پورا ہونا، مکمل ہونا۔ (۳) انکار۔ (۴) پکارنا۔ (۵) امکان۔ (۶) عاجزی، انکساری۔ (۷) طریقہ۔ (۸) حد سے بڑھنا۔ (۹) دینا، عطا کرنا۔ (۱۰) دُنبے کے پچھلے حصے میں لٹکی ہوئی چربی۔ (۱۱) بھرے ہوئے۔

سَیِّدُکُمْ'' کہ کھڑے ہو جاؤ اپنے سردار کے لیے۔ اور امام نسائی کی کتاب ''عَمَلُ الْیَوْمِ وَاللَّیْلَۃِ'' میں حضرت سہل بن حُنَیف رضی اللہ عنہ کا حضور اقدس ﷺ کو ''یا سیّدی'' کے ساتھ خطاب کرنا وارد ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے درود میں ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ'' کا لفظ وارد ہے۔ ان سب امور میں دَلَالتِ[1] وَاضِحَہ ہے اور روشن دلائل ہیں اس لفظ کے جواز میں، اور جو اس کا انکار کرے وہ محتاج ہے اس بات کا کہ کوئی دلیل قائم کرے، علاوہ اس حدیث کے جو اوپر گزری، اس لیے کہ اس میں احتمالاتِ[2] مذکورہ ہونے کی وجہ سے اس کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا (الی آخر ماذکرہٗ)۔ یہ تو ظاہر ہے جیسا کہ اوپر بھی ذکر کیا گیا کہ کمال سِیَادَت[3] اللہ ہی کے لیے ہے، لیکن کوئی دلیل ایسی نہیں جس کی وجہ سے اس کا اِطلاق غیر اللہ پر ناجائز معلوم ہوتا ہو۔ قرآن پاک میں حضرت یحییٰ علٰی نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ﴿ سَیِّدًا وَّحَصُوْرًا ﴾ [سورۂ آل عمران: ۳۹] کا لفظ وارد ہے۔ بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد منقول ہے وہ فرمایا کرتے تھے ''أَبُوْبَکْرٍ سَیِّدُنَا وَأَعْتَقَ سَیِّدَنَا یَعْنِيْ بِلَالًا'' ''ابوبکر ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار یعنی بلال کو آزاد کیا''۔ علامہ عینیؒ شرحِ بخاری میں لکھتے ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ نے انصار کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں '' قُوْمُوْا إِلٰی سَیِّدِکُمْ'' یعنی اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ کہا تو اس سے استدلال کیا جاتا ہے اس بات پر کہ اگر کوئی شخص سیّدی اور مولائی کہے، تو اس کو نہیں روکا جائے گا، اس لیے کہ سیادت[4] کا مرجع اور مآل[5] اپنے ماتحتوں پر بڑائی ہے اور ان کے لیے حسنِ تدبیر[6]، اسی لیے خاوند[7] کو ''سیّد'' کہا جاتا ہے، جب قرآن پاک میں ﴿ وَاَلْفَیَا سَیِّدَھَا ﴾ فرمایا۔ حضرت امام مالکؒ سے کسی شخص نے پوچھا تھا کہ کیا کوئی شخص مدینہ منورہ میں اس کو مکروہ سمجھتا ہے کہ اپنے سردار کو ''یا سیدی'' کہے؟ انھوں نے فرمایا: کوئی نہیں الخ۔ امام بخاریؒ نے اس کے جواز پر حضور ﷺ کے ارشاد ''مَنْ سَیِّدُکُمْ'' سے بھی استدلال کیا ہے، جو ایک حدیث کا ٹکڑا ہے، جس کو خود امام بخاریؒ نے اَدبُ المفرد میں ذکر کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے بنو سلمہ سے پوچھا ''مَنْ سَیِّدُکُمْ'' کہ تمہارا سردار کون ہے؟ انھوں نے عرض کیا: جد بن قیس، حضور ﷺ نے فرمایا ''بَلْ سَیِّدُکُمْ عَمْرُو بْنُ جَمُوْحٍ'' بلکہ تمہارا سردار عمرو بن جموح ہے۔ نیز ''إِذَا نَصَحَ الْعَبْدُ سَیِّدَہٗ''، مشہور حدیث ہے، جو مُتَعَدَّد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے حدیث کی اکثر کتابوں بخاری شریف وغیرہ میں مذکور ہے۔ نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بخاری شریف میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ کوئی شخص '' أَطْعِمْ رَبَّكَ وَضِّئْ رَبَّكَ '' نہ کہے، یعنی اپنے آقا کو رب کے لفظ سے تعبیر نہ کرے ''وَلْیَقُلْ سَیِّدِيْ وَمَوْلَايَ'' بلکہ یوں کہے کہ میرا سید اور میرا مولیٰ، یہ تو سید اور مولیٰ کہنے کا حکم صاف ہے۔

حل لغات: (۱) کھلی ہوئی دلالت۔ (۲) ذکر کیے گئے امکانات۔ (۳) مکمل سرداری۔ (۴) سرداری۔ (۵) انجام اور نتیجہ۔ (۶) اچھی تدبیر کرنا۔ (۷) شوہر۔

(۳) اسی طرح سے نبی کریم ﷺ کے پاک نام پر ''مولانا'' کا لفظ بھی بعض لوگ پسند نہیں کرتے۔ مُمانَعت[۱] کی کوئی دلیل باوجود تلاش کے اس ناکارہ کو اب تک نہیں ملی۔ البتہ غزوۂ اُحد کے قصہ میں ابوسفیان کو جواب دیتے ہوئے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ''اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ'' وارد ہے اور قرآن پاک میں سورۂ محمد میں ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝۱۱ ﴾ وارد ہوا ہے، لیکن اس سے غیر اللہ پر لفظِ ''مولیٰ'' کے اِطلاق[۲] کی مُمانَعت معلوم نہیں ہوتی۔ یہاں بھی کمالِ ولایت[۳] مُراد ہے کہ حقیقی مولا وہی پاک ذات ہے۔ جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ نے ارشاد فرمایا: ﴿ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴾ [سورۂ شوریٰ:۳۱] کہ تمہارے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی ولی ہے نہ کوئی مددگار۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [سورۂ بقرہ:۱۰۷] اور بخاری شریف میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے ''مَنْ تَرَكَ كَلًّا أَوْ ضِيَاعًا فَأَنَا وَلِيُّهٗ'' یہاں حضور اقدس ﷺ نے اپنے آپ کو ''ولی'' بتایا ہے۔ ابھی بخاری شریف کی حدیث سے حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ''وَلْيَقُلْ سَيِّدِيْ وَمَوْلَايَ'' گزر ہی چکا ہے کہ اپنے آقا کو سیّدی و مولائی کہا کرے۔ حضور ﷺ کا پاک ارشاد ''مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ'' مشہور ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے: ﴿ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ ﴾ الآية [سورۂ نساء:۳۳] اور حدیث وفقہ کی کتاب النکاح تو کِتابُ الاَوْلِیاء سے پُر ہے۔ اور مشکوٰۃ شریف میں بِرِوایتِ شیخین حضور اقدس ﷺ کا ارشاد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ''أَنْتَ أَخُوْنَا وَمَوْلَانَا'' وارد ہے۔ نیز بِرِوایتِ مسند احمد و ترمذی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے ''مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ''، یعنی جس کا میں مولیٰ ہوں علی اس کے مولا ہیں، یہ حدیث مشہور ہے۔

[قال صاحب تحفة الأحوذي لحديث الترمذي أخرجه أحمد والنسائي والضياء وفي الباب عن بريدة رضي الله عنه أخرجه أحمد وعن البراء بن عازب أخرجه أحمد وابن ماجه وعن سعد بن أبي وقاص أخرجه ابن ماجه وعن علي أخرجه أحمد. اهـ. وقال القاري بعد ذكر تخريجه والحاصل أن هذا حديث صحيح لا مرية فيه بل بعض الحفاظ عده متواترا إذ في رواية لأحمد أنه سمعه من النبي ﷺ ثلاثون صحابيًا وشهدوا به لعلي لما توزع في خلافته اهـ]

مُتعَدّد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل کی گئی ہے۔ ملا علی قاریؒ اس حدیث کی شرح میں نہایہ سے لکھتے ہیں کہ مولیٰ کا اِطلاق بہت سے معنیٰ پر آتا ہے، جیسے رب اور مالک اور سیّد اور مُنعِم یعنی احسان کرنے والا اور مُعتِق یعنی غلام آزاد کرنے والا اور ناصر (مددگار) اور مُحِبّ[۴] اور تابع اور پڑوسی اور چچازاد بھائی اور حلیف وغیرہ وغیرہ بہت سے معنیٰ گنوائے ہیں، اس لیے ہر کے مناسب معنیٰ مراد ہوں گے۔ جہاں ''اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ'' وارد ہوا ہے وہاں ''رب'' کے معنیٰ میں ہے اور حضور ﷺ کے نام مبارک پر آیا ہے جیسا کہ ''مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ

حل لغات: (۱) روکنا، منع کرنا۔ (۲) بولا جانا۔ (۳) مکمل ولی ہونا۔ (۴) محبوب، دوست۔

فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ'' وہاں ''ناصر'' اور ''مددگار'' کے معنی میں ہے۔ مُلّا علی قاریؒ نے اس حدیث کا شانِ ورود یہ لکھا کہ حضرت اُسامہ بن زَید رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے یہ کہہ دیا تھا کہ تم میرے مولیٰ نہیں ہو، میرے مولیٰ حضورِ اقدس ﷺ ہیں۔ اس پر حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں جس کا مولیٰ ہوں ''علی'' اس کے مولیٰ ہیں۔ علامہ سخاویؒ نے ''قولِ بدیع'' میں اور علامہ قسطلانیؒ نے ''مواہب لدنیہ'' میں حضورِ اقدس ﷺ کے اسماءِ مبارکہ میں بھی لفظ ''مولیٰ'' کا شمار کرایا ہے۔ عَلّامہ زُرقانیؒ لکھتے ہیں: مولیٰ یعنی سید، مُنعِم، مددگار، محبّ اور یہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کے ناموں میں سے ہے اور عنقریب مصنف یعنی علامہ قسطلانیؒ کا استدلال اس نام پر ''أَنَا أَوْلَى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ'' سے آرہا ہے۔ اس کے بعد علامہ زرقانیؒ علامہ قسطلانیؒ کے کلام کی شرح کرتے ہوئے حضور ﷺ کے ناموں کی شرح میں کہتے ہیں کہ ''ولی'' اور ''مولیٰ'' یہ دونوں اللہ کے ناموں میں سے ہیں اور ان دونوں کے معنیٰ مددگار کے ہیں۔ اور حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے جیسا کہ بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے ''أَنَا وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ''۔ اور بخاری ہی میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ کوئی مومن ایسا نہیں کہ میں اس کے ساتھ دنیا و آخرت میں اَولیٰ[1] نہ ہوں، پس جس نے مال چھوڑا ہو وہ اس کے وَرَثہ[2] کو دیا جائے اور جس نے قرضہ یا ضائع ہونے والی چیزیں چھوڑی ہوں وہ میرے پاس آئے، میں اس کا مولیٰ ہوں۔ نیز حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس کا میں مولیٰ ہوں علی اس کا مولیٰ ہے۔ اِمام تِرمِذیؒ نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کو حسن بتایا ہے۔ [انتہٰی]

علامہ رازیؒ سورۂ محمد کی آیتِ شریفہ ﴿وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝﴾ کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ اگر یہ اشکال کیا جائے کہ آیتِ بالا اور دوسری آیت شریفہ ﴿ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ﴾ [سورۂ انعام:۶۲] میں کس طرح جمع کیا جائے؟ تو یہ کہا جائے گا کہ ''مولیٰ'' کے کئی معنی آتے ہیں: سردار کے، رب کے، مددگار کے، پس جس جگہ یہ کہا گیا ہے کہ کوئی مولیٰ نہیں ہے، وہاں یہ مُراد ہے کہ کوئی مددگار نہیں اور جس جگہ ﴿مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ﴾ کہا گیا ہے، وہاں ان کا رب اور مالک مراد ہے۔ [انتہٰی]

صاحبِ جلالینؒ نے سورۂ انعام کی آیت ﴿مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ﴾ کی تفسیر ''مالک'' کے ساتھ کی ہے۔ اس پر صاحبِ جُمَلؒ لکھتے ہیں کہ مالک کے ساتھ تفسیر اس واسطے کی گئی ہے کہ آیت شریفہ مومن اور کافر دونوں کے بارے میں وارد ہوئی ہے اور دوسری آیت یعنی سورۂ محمد میں ﴿اَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝﴾ وارد ہوا ہے۔ ان دونوں میں جمع اس طرح پر ہے کہ مولیٰ سے مراد پہلی آیت میں مالک، خالق اور معبود ہے اور دوسری روایت میں مددگار، لہٰذا کوئی تَعارُض[3] نہیں رہا۔ اس کے علاوہ بہت سی وجوہ اس بات پر دال ہیں کہ ''مولانا'' جب کہ رب اور مالک کے معنیٰ میں استعمال ہو تو وہ مخصوص ہے اللہ جلَّ شانہٗ کے ساتھ، لیکن

حل لغات: (۱) افضل اور اعلیٰ۔ (۲) وارثوں۔ (۳) ٹکراؤ۔

جب سردار اور اس جیسے دوسرے معنیٰ میں مستعمل ہو، تو اس کا نہ صرف نبیٔ کریم ﷺ پر بلکہ ہر بڑے پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس سے پہلے نمبر میں حضور ﷺ کا ارشاد غلاموں کے بارے میں گزر چکا ہے کہ وہ اپنے آقا کو سیدی و مولائی کے لفظ سے پُکارا کریں۔ ملا علی قاریؒ نے بِرِوَایتِ احمد حضرت رَباحؒ سے نقل کیا ہے کہ ایک جماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کوفہ میں آئی، انھوں نے آ کر عرض کیا: السلام علیک یا مولانا! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہارا مولیٰ کیسے ہوں، تم عرب ہو، انھوں نے عرض کیا: ہم نے حضورِ اقدس ﷺ سے سنا ہے ''مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ'' میں جس کا مولیٰ ہوں علی اس کے مولیٰ ہیں۔ جب وہ جماعت جانے لگی تو میں ان کے پیچھے لگا اور میں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ انصار کی جماعت ہے، جس میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ ''فتح الباری'' میں اس سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مولیٰ کا اِطلاق سید کے بہ نسبت اَقْرَب الیٰ عدمِ الکراہتہ[1] ہے، اس لیے کہ سید کا لفظ تو اعلیٰ[2] ہی پر بولا جاتا ہے، لیکن لفظ ''مولیٰ'' تو اعلیٰ اور اسفل[3] دونوں پر بولا جاتا ہے۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا　عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۴) آداب میں سے یہ ہے کہ اگر کسی تحریر[4] میں نبیٔ کریم ﷺ کا پاک نام گزرے تو وہاں بھی درود شریف لکھنا چاہیے۔ مُحَدِّثین رحمہم اللہ اجمعین کے یہاں اس مسئلہ میں انتہائی تشدّد[5] ہے کہ حدیث پاک لکھتے ہوئے کوئی ایسا لفظ نہ لکھا جائے جو اُستاذ سے نہ سنا ہو، حتیٰ کہ اگر کوئی لفظ اُستاذ سے غلط سنا ہو تو اس کو بھی یہ حضرات نقل میں بعینہٖ[6] اسی طرح لکھنا ضروری سمجھتے ہیں جس طرح اُستاذ سے سنا ہے۔ اس کو صحیح کر کے لکھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اسی طرح اگر توضیح[7] کے طور پر کسی لفظ کے اضافہ[8] کی ضرورت سمجھتے ہیں، تو اس کو اُستاذ کے کلام سے ممتاز[9] کر کے لکھنا ضروری سمجھتے ہیں، تا کہ یہ شبہ نہ ہو کہ یہ لفظ بھی اُستاذ نے کہا تھا۔ اس سب کے باوجود جملہ[10] حضراتِ محدثین اس کی تصریح[11] فرماتے ہیں کہ جب حضورِ اقدس ﷺ کا نام نامی آئے تو درود شریف لکھنا چاہیے، اگرچہ اُستاذ کی کتاب میں نہ ہو۔ جیسا کہ امام نَوَوِیؒ نے ''شرحِ مسلم شریف'' کے مُقَدَّمہ میں اس کی تصریح کی ہے۔ اسی طرح امام نَوَوِیؒ ''تقریب'' میں اور علامہ سیوطیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں: ضروری ہے یہ بات کہ حضورِ اقدس ﷺ کے ذکرِ مبارک کے وقت زبان کو اور اُنگلیوں کو درود شریف کے ساتھ جمع کرے، یعنی زبان سے درود ''شریف'' پڑھے اور انگلیوں سے لکھے بھی اور اس میں اصل کتاب کا اتباع نہ کرے، اگرچہ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اصل کا اتباع کرے۔ [انتہیٰ] بہت سی روایاتِ حدیث بھی اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں۔ اگرچہ وہ مُتَكَلَّمٌ فِيهِ بلکہ بعض کے اوپر موضوع ہونے کا بھی حکم لگایا گیا ہے،

حل لغات: (۱) مکروہ نہ ہونے کے زیادہ قریب۔ (۲) اونچے مرتبہ والا (۳) کم مرتبہ والا۔ (۴) لکھنا، عبارت۔ (۵) سختی۔ (۶) ہو بہو۔ (۷) کھول کر بیان کرنا۔ (۸) زیادتی۔ (۹) الگ کرنا۔ (۱۰) تمام۔ (۱۱) صاف طور سے بیان کرنا۔

لیکن کئی روایات اس قسم کے مضمون کی وارد ہونے پر اور جُملَہ علماء کا اس پر اتفاق اور اس پر عمل اس بات کی دلیل ہے کہ ان احادیث کی کچھ اصل ضرور ہے۔ علامہ سخاویؒ "قولِ بدیع" میں لکھتے ہیں کہ جیسا کہ تو حضورِ اقدس ﷺ کا نام نامی لیتے ہوئے زبان سے درود پڑھتا ہے، اسی طرح نام مبارک لکھتے ہوئے اپنی اُنگلیوں سے بھی درود شریف لکھا کر کہ تیرے لیے اس میں بہت بڑا ثواب ہے، اور یہ ایک ایسی فضیلت ہے جس کے ساتھ علم حدیث لکھنے والے کامیاب ہوتے ہیں۔ علماء نے اس بات کو مستحب بتایا ہے کہ اگر تحریر میں بار بار نبیٔ کریم ﷺ کا پاک نام آئے، تو بار بار درود شریف لکھے اور پورا درود لکھے اور کاہلوں اور جاہلوں کی طرح سے "صلعم" وغیرہ الفاظ کے ساتھ اشارہ پر قناعت نہ کرے۔ اس کے بعد علامہ سخاویؒ نے اس سلسلہ میں چند حدیثیں بھی نقل کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضورِ اقدس ﷺ کا پاک ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص کسی کتاب میں میرا نام لکھے، فرشتے اس وقت تک لکھنے والے پر درود بھیجتے رہتے ہیں جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص مجھ سے کوئی علمی چیز لکھے اور اس کی ساتھ درود شریف بھی لکھے، اس کا ثواب اس وقت تک ملتا رہے گا جب تک وہ کتاب پڑھی جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص مجھ پر کسی کتاب میں درود لکھے، اس وقت تک اس کو ثواب ملتا رہے گا، جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے۔ عَلَّامَہ سخاویؒ نے مُتَعَدَّد روایات سے یہ مضمون بھی نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن علماءِ حدیث حاضر ہوں گے اور ان کے ہاتھوں میں دواتیں ہوں گی (جن سے وہ حدیث لکھتے تھے) اللہ جلَّ شانہٗ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمائیں گے کہ ان سے پوچھو یہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ وہ عرض کریں گے کہ ہم حدیث لکھنے پڑھنے والے ہیں۔ وہاں سے ارشاد ہوگا کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ، تم میرے نبی پر کثرت سے درود بھیجتے تھے۔ عَلَّامَہ نَوَوِیؒ "تقریب" میں اور عَلَّامَہ سُیُوطیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ ضروری ہے کہ درود شریف کی کتابت[1] کا بھی اہتمام کیا جائے، جب بھی حضورِ اقدس ﷺ کا پاک نام گزرے اور اس کے بار بار لکھنے سے اُکتاوے نہیں، اس واسطے کہ اس میں بہت ہی زیادہ فوائد ہیں اور جس نے اس میں تَسَاہُل[2] کیا، بہت بڑی خیر سے محروم رہ گیا۔ عُلَمَاء کہتے ہیں کہ حدیث پاک "إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ" (پانچ فصل اول میں گزری ہے) اس کے مِصْدَاق مُحَدِّثین ہی ہیں کہ وہ بہت کثرت سے درود شریف پڑھنے والے ہیں۔ اور علماء نے اس سلسلے میں اس حدیث کو بھی ذکر کیا ہے، جس میں حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ جو شخص میرے اوپر کسی کتاب میں درود بھیجے، ملائکہ اس کے لیے اس وقت تک استغفار کرتے رہتے ہیں جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے۔ اور یہ حدیث اگر چہ

حل لغات: (۱) لکھنا۔ (۲) سستی۔

ضعیف ہے، لیکن اس جگہ اس کا ذکر کرنا مناسب ہے اور اس کی طرف اِلْتِفَات[1] نہ کیا جائے کہ ابن جَوْزِیؒ نے اس کو مَوْضُوعَات میں ذکر کر دیا ہے، اس لیے کہ اس کے بہت سے طُرُق[2] ہیں جو اس کو موضوع ہونے سے خارِج[3] کر دیتے ہیں اور اس کے مُقْتَضِی[4] ہیں کہ اس حدیث کی اصل ضرور ہے، اس لیے کہ طبرانی نے اس کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے اور ابنِ عَدِیؒ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اور اصبہانیؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے اور ابو نُعَیمؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا ہے۔ [انتہی]

صاحبِ اِتّحافؒ نے "شرحِ احیاء" میں بھی اس کے طرق پر کلام کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ حافظ سخاویؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث جعفر صادقؒ کے کلام سے موقوفاً نقل کی گئی ہے۔ ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ یہ زیادہ اقرب ہے۔

صاحب اتحافؒ کہتے ہیں کہ طلبۂ حدیث کو عُجلت اور جلد بازی کی وجہ سے درود شریف کو چھوڑنا نہ چاہیے، ہم نے اس میں بہت مبارک خواب دیکھے ہیں۔ اس کے بعد پھر انھوں نے کئی خواب اس کے بارے میں نقل کیے ہیں۔ حضرت سُفیان بِن عُیَیْنَہؒ سے نقل کیا ہے کہ میرا ایک دوست تھا وہ مر گیا تو میں نے اس کو خواب میں دیکھا، میں نے اس سے پوچھا کہ کیا معاملہ گزرا؟ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرمادی۔ میں نے کہا: کس عمل پر؟ اس نے کہا کہ میں حدیث پاک لکھا کرتا تھا اور جب حضور اقدس ﷺ کا پاک نام آتا تھا، تو میں اس پر "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھا کرتا تھا اسی پر میری مغفرت ہوگئی۔ اَبُوالْحَسَن مَیْمُونیؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے اُستاذ ابو علی کو خواب میں دیکھا، اُن کی اُنگلیوں کے اوپر کوئی چیز سونے یا زعفران کے رنگ سے لکھی ہوئی تھی۔ میں نے ان سے پوچھا! یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں حدیث پاک کے اوپر "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھا کرتا تھا۔ حسن بن محمدؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ کو خواب میں دیکھا، انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ کاش تو یہ دیکھتا کہ ہمارا نبی کریم ﷺ پر کتابوں میں درود لکھنا کیسا ہمارے سامنے روشن اور منوّر ہو رہا ہے۔ [بدیع] اور بھی متعدد خوابات اس قسم کے ذکر کیے ہیں، فَصْلِ حکایات میں اس قسم کی چیزیں کثرت سے آئیں گی۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۵) حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے "زادُ السعید" میں ایک مستقل فصل آدابِ مُتَفَرِّقَہ[5] میں لکھی ہے۔ اگرچہ اس کے متفرق مضامین پہلے گزر چکے ہیں۔ اہمیت کی وجہ سے ان کو یکجا[6] ہی ذکر کیا جاتا ہے۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں: (۱) جب اسم مبارک لکھے، صلوٰۃ و سلام بھی لکھے، یعنی "صلی اللہ علیہ وسلم" پورا لکھے، اس میں کوتاہی نہ کرے، صرف "ﷺ" یا "صلعم" پر اِکتفاء[7] نہ کرے۔ (۲) ایک شخص حدیث شریف لکھتا تھا اور بسببِ[8] بخل

حل لغات: (۱) توجہ۔ (۲) سند۔ (۳) باہر۔ (۴) تقاضہ کرنے والا۔ (۵) الگ الگ۔ (۶) ایک ہی جگہ۔ (۷) کافی سمجھنا۔ (۸) کنجوسی کی وجہ۔

نام مبارک کے ساتھ درود شریف نہ لکھتا تھا، اس کے سیدھے ہاتھ کو مرض اکلہ عارِض ہوا، یعنی اس کا ہاتھ گل گیا۔ (۳) شیخ ابنِ حَجَر مَکّیؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک شخص صرف ''صلی اللہ علیہ'' پر اکتفا کرتا تھا ''وسلم'' نہ لکھتا تھا۔ حضورِ انور ﷺ نے اس کو خواب میں ارشاد فرمایا: تو اپنے کو چالیس نیکیوں سے کیوں محروم رکھتا ہے۔ یعنی ''وسلم'' میں چار حرف ہیں۔ ہر حرف پر ایک نیکی اور ہر نیکی پر دس گنا ثواب، لہٰذا ''وسلم'' میں چالیس نیکیاں ہوئیں۔ مُفَصَّل حکایات میں نمبر چھبیس [۲۶] پر بھی اس نوع کا ایک قصہ آرہا ہے۔ (۴) درود شریف پڑھنے والے کو مُنَاسِب ہے کہ بدن و کپڑے پاک وصاف رکھے۔ (۵) آپ ﷺ کے نام مبارک سے پہلے لفظ ''سیدنا'' بڑھا دینا مُستَحَب اور افضل ہے۔ [انتہی] اس اکلہ والے قصے کو اور چالیس نیکیوں والے قصہ کو علامہ سخاویؒ نے بھی ''قولِ بدیع'' میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے درود شریف کے مُتَعَلِّق ایک مُستَقِل فصل مسائل کے بارے میں تحریر فرمائی ہے، اس کا اِضَافہ بھی اس جگہ مُنَاسِب ہے۔ حضرتؒ تحریر فرماتے ہیں۔

مسئلہ: (۱) عمر بھر میں ایک بار دُرُودْ شریف پڑھنا فرض ہے، بَوَجہِ حُکْمِ [۱] ''صَلُّوْا'' کے، جو شعبان ۲ھ میں نازل ہوا۔ (۲) اگر ایک مجلس میں کئی بار آپ ﷺ کا نام پاک ذکر کیا جائے، تو طحاویؒ کا مذہب یہ ہے کہ ہر بار میں ذکر کرنے والے اور سننے والے پر درود پڑھنا واجب ہے، مگر مُفتیٰ بِہٖ یہ ہے کہ ایک بار پڑھنا واجب ہے پھر مُستَحَب ہے۔ (۳) نماز میں بجز تشہدِ اخیر کے دوسرے ارکان میں درود شریف پڑھنا مکروہ ہے۔ [درمختار]۔ (۴) جب خُطبَہ میں حضورِ اقدس ﷺ کا نام مبارک آوے یا خطیب یہ آیت پڑھے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝۵۶﴾ [سورۂ احزاب] اپنے دل میں بلا جُنبشِ [۲] زبان کے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کہہ لے۔ [درمختار]۔ (۵) بے وضو درود شریف پڑھنا جائز ہے اور باوضو نورٌ علیٰ نور ہے۔ (۶) بجُز حضراتِ انبیاء، حضراتِ ملائکہ علیٰ جمیعہم السلام کے کسی اور پر اِستِقلالاً [۳] درود شریف نہ پڑھے البتہ تبعاً مُضَائِقہ [۴] نہیں، مثلاً یوں نہ کہے ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ'' بلکہ یوں کہے ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ'' [درمختار]۔ (۷) دُرِّ مُختَار میں ہے کہ اسبابِ تجارت کھولنے کے وقت یا ایسے ہی کسی موقع پر یعنی جہاں درود شریف پڑھنا مقصود نہ ہو، بلکہ کسی دنیوی غرض کا اس کو ذریعہ بنایا جائے؛ درود شریف پڑھنا ممنوع ہے۔ (۸) دُرِّ مُختَار میں ہے کہ درود شریف پڑھتے وقت اَعضاء کو حرکت دینا اور بلند آواز کرنا جَہْل [۵] ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض جگہ جو رسم ہے کہ نمازوں کے بعد حلقہ باندھ کر بہت چلاّ چلاّ کر درود شریف پڑھتے ہیں؛ قَابِلِ تَرْک [۶] ہے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

حل لغات: (۱) جس بات پر فتویٰ ہو۔ (۲) بغیر ہلائے ہوئے۔ (۳) مستقل طور پر۔ (۴) حرج۔ (۵) نادانی۔ (۶) چھوڑنے کے قابل۔

پانچویں فصل: درودشریف کے متعلق حکایات میں

درودشریف کے بارے میں اللہ تعالیٰ شانہٗ کے حکم اور حضورِ اقدس ﷺ کے پاک اِرشادات کے بعد حکایات کی کچھ زیادہ اہمیت نہیں رہتی، لیکن لوگوں کی عادت کچھ ایسی ہے کہ بزرگوں کے حالات سے ترغیب زیادہ ہوتی ہے، اسی لیے اَکابِر کا دستور [1] اس ذیل میں کچھ حکایات لکھنے کا بھی چلا آرہا ہے۔ حضرت تھانوی نَوَّرَاللّٰہُ مَرقَدَہٗ نے ایک فصل "زادُالسّعید" میں مُستَقِل حِکَایات میں لکھی ہے، جس کو بِعَینِہٖ [2] لکھتا ہوں۔ اس کے بعد چند دوسری حکایات بھی نقل کی جائیں گی اور اس سلسلے کی بہت سی حکایات اس ناکارہ کے رسالہ "فَضَائِلِ حَج" میں بھی گزر چکی ہیں۔ حضرتؒ تحریر فرماتے ہیں: فَصلِ پنجم حکایات واخبارِ مُتعَلِّقہ درود شریف کے بیان میں۔

(۱) "مَوَاہِبِ لَدُنِّیہ" میں تفسیرِ قُشَیری سے نقل کیا ہے کہ قیامت میں کسی مؤمن کی نیکیاں کم وزن ہوجائیں گی، تو رسول اللہ ﷺ ایک پَرچۂ سَرِ انگشت [3] کے برابر نکال کر میزان میں رکھ دیں گے، جس سے نیکیوں کا پَلّہ وزنی ہوجائے گا۔ وہ مؤمن کہے گا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوجائیں! آپ کون ہیں؟ آپ کی صورت اور سیرت کیسی اچھی ہے۔ آپ ﷺ فرمائیں گے: میں تیرا نبی ہوں اور یہ درود شریف ہے، جو تو نے مجھ پر پڑھا تھا، میں نے تیری حاجت [4] کے وقت اس کو ادا کردیا۔ [حاشیہ حصن] یہ قصہ فَصلِ اَوّل کی حدیث گیارہ پر بھی گذرا اور اس جگہ اس کے مُتعَلِّق ایک کلام اور بھی گزرا۔

(۲) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کہ جلیل القدر تابعی ہیں اور خلیفۂ راشد ہیں۔ شام سے مدینہ منورہ کو خاص قاصد [5] بھیجتے تھے کہ ان کی طرف سے روضہ شریفہ پر حاضر ہوکر سلام عرض کرے۔ [حاشیہ حصن از فتح القدیر]

(۳) "رَوضَۃُ الْاَحْبَاب" میں امام اسمٰعیل بن ابراہیم مُزَنِیؒ سے جو امام شافعیؒ کے بڑے شاگردوں میں ہیں، نقل کیا ہے کہ میں نے امام شافعیؒ کو بعد انتقال کے خواب میں دیکھا اور پوچھا: اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا مُعَامَلہ فرمایا؟ وہ بولے: مجھے بخش دیا اور حکم فرمایا کہ مجھ کو تعظیم واحترام کے ساتھ بہشت [6] میں لے جائیں اور یہ سب برکت ایک درود کی ہے جس کو میں پڑھا کرتا تھا۔ میں نے پوچھا: وہ کون سا درود ہے؟ فرمایا: یہ ہے "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کُلَّمَا ذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ وَکُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ." [حاشیہ حصن]

(۴) مَنَاہِجُ الْحَسَنَات میں ابنِ فَاکِہَانیؒ کی کتاب فجرِ منیر سے نقل کیا ہے کہ ایک بزرگ نیک صالح موسیٰ ضَرِیرؒ بھی تھے، انھوں نے اپنا گزرا ہوا قصہ مجھ سے نقل کیا کہ ایک جہاز ڈوبنے لگا اور میں اس میں موجود تھا، اس وقت مجھ کو غُنودگی [7] سی ہوئی۔ اس حالت میں رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو یہ درود تعلیم فرما کر ارشاد فرمایا کہ جہاز

حل لغات: (۱) طریقہ۔ (۲) اسی طرح۔ (۳) انگلی کا پور۔ (۴) ضرورت۔ (۵) پیغام لے جانے والا۔ (۶) جنت۔ (۷) ہلکی نیند۔

والے اس کو ہزار بار پڑھیں۔ ہُنوز[1] تین سو بار پر نوبت پہونچی تھی کہ جہاز نے نجات پائی۔ اور ''بَعْدَ الْمَمَاتِ'' کے بعد ''إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'' بھی اس میں پڑھنا معمول ہے اور خوب ہے۔ وہ درود یہ ہے: ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُنْجِيْنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ الْأَهْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِيْ لَنَا بِهَا جَمِيْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَهِّرُنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ السَّيِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِهَا أَعْلَى الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِهَا أَقْصَى الْغَايَاتِ مِنْ جَمِيْعِ الْخَيْرَاتِ فِي الْحَيٰوةِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ''

اور شیخ مجد الدینؒ صاحبِ قاموس نے بھی اس حکایت کو بِسَنَد خود ذکر کیا ہے۔ [فض]

⑤ بعض رسائل میں عُبَیْدُ اللہ بن عُمَر قَوَارِیرِیؒ سے نقل کیا ہے کہ ایک کاتب[2] میرا ہمسایہ[3] تھا وہ مر گیا، میں نے اس کو خواب میں دیکھا اور پوچھا: اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کہا: مجھے بخش دیا، میں نے سبب پوچھا، کہا: میری عادت تھی جب نام پاک رسول اللہ ﷺ کا کتاب میں لکھتا تو ''صلی اللہ علیہ وسلم'' بھی بڑھاتا، خدائے تعالیٰ نے مجھ کو ایسا کچھ دیا کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی دل پر گزرا۔ [گلشن جنت]

⑥ ''دَلَائِلُ الْخَیْرَات'' کی وَجہِ تالیف[4] مشہور ہے کہ مُؤَلِّف[5] کو سفر میں وضو کے لیے پانی کی ضرورت تھی اور ڈول رسّی کے نہ ہونے سے پریشان تھے، ایک لڑکی نے یہ حال دیکھ کر دریافت کیا اور کنویں کے اندر تھوک دیا، پانی کنارے تک اُبل آیا، مُؤَلِّف نے حیران ہو کر وجہ پوچھی، اس نے کہا: یہ برکت ہے درود شریف کی، جس کے بعد انھوں نے یہ کتاب ''دَلَائِلُ الْخَیْرَات'' تالیف کی۔

⑦ شیخ زَرُّوقؒ نے لکھا ہے کہ مُؤَلِّف ''دَلَائِلُ الْخَیْرَات'' کی قبر سے خوشبو مشک و عنبر کی آتی ہے اور یہ سب برکت درود شریف کی ہے۔

⑧ ایک مُعْتَمَد[6] دوست نے رَاقِم[7] سے ایک خوشنویس[8] لکھنؤ کی حکایت بیان کی، ان کی عادت تھی کہ جب صُبح کے وقت کِتَابَتْ شروع کرتے تو اوّل ایک بار درود شریف ایک بیَاض[9] پر جو اسی غرض سے بنائی تھی، لکھ لیتے اس کے بعد کام شروع کرتے، جب ان کے اِنتِقَال کا وقت آیا تو غلبۂ فکر آخرت سے خوفزدہ[10] ہو کر کہنے لگے کہ دیکھیے وہاں جا کر کیا ہوتا ہے، ایک مجذوب آ نکلے اور کہنے لگے: بابا کیوں گھبراتا ہے، وہ بیاض سرکار میں پیش ہے اور اس پر صاد بن رہے ہیں۔

⑨ مولانا فیض الحسن صاحب سہارن پوری مرحوم کے داماد نے مجھ سے بیان کیا کہ جس مکان میں مولوی صاحب کا انتقال ہوا، وہاں ایک مہینہ تک خوشبو عطر کی آتی رہی۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ

حل لغات: ① ابھی۔ ② کتاب لکھنے والا۔ ③ پڑوسی۔ ④ لکھنے کی وجہ۔ ⑤ لکھنے والا۔ ⑥ بھروسہ مند۔ ⑦ یعنی مجھ سے۔ ⑧ اچھا لکھنے والا۔ ⑨ کاپی۔ ⑩ ڈرنا۔

سے اس کو بیان کیا، فرمایا: یہ برکت درود شریف کی ہے۔ مولوی صاحب کا معمول تھا کہ ہر شبِ جمعہ کو بیدار[1] رہ کر درود شریف کا شُغل[2] فرماتے۔

(۱۰) ابوزُرعہؒ نے ایک شخص کو خواب میں دیکھا کہ آسمان میں فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے، اس سے سبب حصول اس درجے کا پوچھا، اس نے کہا: میں نے دس لاکھ حدیثیں لکھی ہیں۔ جب نام مبارک آنحضرت ﷺ کا آتا میں درود لکھتا تھا، اس سبب سے مجھے یہ درجہ ملا۔ [فض] زادُ السعید میں یہ قصہ اسی طرح نقل کیا ہے۔ بندہ کے خیال میں کاتب سے غلطی ہوئی، صحیح یہ ہے کہ ابوزُرعہؒ کو ایک شخص نے خواب میں دیکھا، جیسا کہ حکایات میں نمبر اُنتیس پر آرہا ہے۔

(۱۱) امام شافعیؒ کی ایک اور حکایت ہے کہ ان کو بعد انتقال کے کسی نے خواب میں دیکھا اور مَغْفِرت کی وجہ پوچھی، انھوں نے فرمایا: یہ پانچ درود شریف جمعہ کی رات کو میں پڑھا کرتا تھا ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ. وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ لَّمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ. وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا اَمَرْتَ بِالصَّلٰوةِ عَلَيْهِ. وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ أَنْ يُّصَلّٰى عَلَيْهِ. وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا يَنْبَغِيْ أَنْ يُّصَلّٰى عَلَيْهِ'' اس درود کو ''درودِ خمسہ'' کہتے ہیں۔ [فض] امام شافعیؒ کے متعلق اور بھی حکایات نقل کی گئی ہیں، جو نمبر تیس پر آرہی ہیں۔

(۱۲) شیخ ابن حجر مکیؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک صالح کو کسی نے خواب میں دیکھا، اس سے حال پوچھا، اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم کیا اور مجھے بخش دیا اور جنت میں داخل کیا، سبب پوچھا گیا تو اس نے کہا: فرشتوں نے میرے گناہ اور میرے درود کو شمار کیا، سو درود کا شمار زیادہ نکلا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: اتنا بس ہے، اس کا حساب مت کرو اور اس کو بہشت[3] میں لے جاؤ۔ [فض] یہ قصہ نمبر اُنیس پر قولِ بدیع سے بھی آرہا ہے۔

(۱۳) شیخ ابنِ حجر مکیؒ نے لکھا ہے کہ ایک مردِ صالح نے معمول مقرر کیا تھا کہ ہر رات کو سوتے وقت درود (بِعَدَدٍ مُّعَيَّنٍ[4]) پڑھا کرتا تھا۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور تمام گھر اس کا روشن ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ منہ لاؤ جو درود پڑھتا ہے کہ بوسہ دوں، اس شخص نے شرم کی وجہ سے رُخسارہ[5] سامنے کر دیا، آپ ﷺ نے اس رخسارہ پر بوسہ دیا، بعد اس کے وہ بیدار ہو گیا تو سارے گھر میں مُشک کی خوشبو باقی رہی۔ [فض] یہ واقعہ نمبر اڑتیس پر تفصیل سے آرہا ہے۔

(۱۴) شیخ عَبدُالحق مُحدِّث دِہلَویؒ نے ''مَدَارِجُ النُّبُوَّة'' میں لکھا ہے کہ جب حضرت حواء علیہا السلام پیدا ہوئیں، حضرت آدم علیہ السلام نے ان پر ہاتھ بڑھانا چاہا، ملائکہ نے کہا: صبر کرو جب تک نکاح نہ ہو جائے اور مہر ادا نہ کر دو، انھوں نے پوچھا: مَہر کیا ہے؟ فرشتوں نے کہا کہ رسول مقبول ﷺ پر تین بار درود شریف

حل لغات: (۱) جاگنا۔ (۲) یعنی مشغول رہتے۔ (۳) جنت۔ (۴) متعین مقدار۔ (۵) گال۔

پڑھنا اور ایک روایت میں بیس بار آیا ہے ۔ فقط یہ واقعات زادُ السعید میں نقل کیے ہیں۔ان میں سے بعض کو دوسرے حضرات نے بھی نقل کیا ہے اور ان کے علاوہ بھی بہت سے واقعات اور بہت سے خواب درود شریف کے سلسلہ میں مشائخ نے لکھے ہیں، جن میں سے بعض کا ذکر اس رسالہ میں کیا جاتا ہے۔ جو زادُالسعید کے قصّوں پر اضافہ ہے۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۱۵) عَلّامہ سخاویؒ لکھتے ہیں کہ رشید عطار نے بیان کیا کہ ہمارے یہاں مصر میں ایک بزرگ تھے، جن کا نام ابوسعید خیّاط[۱]ؒ تھا، وہ بہت یکسو[۲] رہتے تھے ،لوگوں سے میل جول بالکل نہیں رکھتے تھے۔اس کے بعد انہوں نے ابن رشیقؒ کی مجلس میں بہت کثرت سے جانا شروع کر دیا اور بہت اہتمام سے جایا کرتے ، لوگوں کو اس پر تعجب ہوا،لوگوں نے ان سے دریافت کیا: تو انہوں نے بتایا کہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی اور کہا کہ حضور ﷺ نے مجھ سے خواب میں ارشاد فرمایا کہ ان کی مجلس میں جایا کر، اس لیے کہ یہ اپنی مجلس میں مجھ پر کثرت سے درود پڑھتا ہے۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۱۶) ابوالعباس احمد بن منصورؒ کا جب انتقال ہو گیا تو اہلِ شیراز میں سے ایک شخص نے ان کو خواب میں دیکھا کہ وہ شیراز کی جامع مسجد میں محراب[۳] میں کھڑے ہیں اور ان پر ایک جوڑا ہے اور سر پر ایک تاج ہے جو جواہر اور موتیوں سے لدا ہوا ہے،خواب دیکھنے والے نے ان سے پوچھا،انھوں نے کہا: اللہ جلَّ شانہٗ نے میری مغفرت فرمادی اور میرا بہت اکرام فرمایا اور مجھے تاج عطا فرمایا اور یہ سب نبیٔ کریم ﷺ پر کثرتِ درود کی وجہ سے۔ [قول بدیع]

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۱۷) صوفیاء میں سے ایک بزرگ نقل کرتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو کہ جس کا نام ''مِسطح'' تھا اور وہ اپنی زندگی میں دین کے اعتبار سے بہت ہی بے پرواہ اور بے باک[۴] تھا (یعنی گناہوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتا تھا) مرنے کے بعد خواب میں دیکھا، میں نے اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیا مُعَامَلَہ کیا؟ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے میری مغفرت فرمادی، میں نے پوچھا: یہ کس عمل سے ہوئی ؟ اس نے کہا کہ میں ایک مُحدِّث کی خدمت میں حدیث نقل کر رہا تھا، اُستاذ نے درود شریف پڑھا، میں نے بھی ان کے ساتھ بہت آواز سے درود پڑھا، میری آواز سن کر سب مجلس والوں نے درود پڑھا، حق تعالیٰ شانہٗ نے اس وقت ساری مجلس والوں کی مغفرت فرمادی۔[قول بدیع] نُزہۃُ المجالس میں بھی اسی قسم کا ایک اور قصہ نقل کیا ہے کہ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میرا ایک پڑوسی تھا، بہت

حل لغات: (۱) درزی۔ (۲) اکیلے، تنہا۔ (۳) امام کے کھڑے ہونے کی جگہ۔ (۴) نڈر۔

گناہ گار تھا، میں اس کو بار بار توبہ کی تاکید کرتا تھا مگر وہ نہیں کرتا تھا، جب وہ مر گیا تو میں نے اس کو جنت میں دیکھا، میں نے اس سے پوچھا کہ تُو اس مرتبہ پر کیسے پہونچ گیا؟ اس نے کہا: میں ایک مُحدِّث کی مجلس میں تھا، انھوں نے یہ کہا کہ جو شخص نبیٔ کریم ﷺ پر زور سے درود پڑھے، اس کے لیے جنت واجب ہے، میں نے آواز سے درود پڑھا اور اس پر اور لوگوں نے بھی پڑھا اور اس پر ہم سب کی مغفرت ہوگئی، اس قِصَّہ کو ''رَوْضُ الْفَائِق'' میں بھی ذرا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ صوفیاء میں سے ایک بزرگ نے کہا کہ میرا ایک پڑوسی تھا، بہت گناہ گار، ہر وقت شراب کے نشہ میں مَدہُوش[1] رہتا تھا، اس کو دن رات کی بھی خبر نہ رہتی تھی۔ میں اس کو نصیحت کرتا تو سنتا نہیں تھا۔ میں توبہ کو کہتا تو وہ مانتا نہ تھا، جب وہ مر گیا تو میں نے اس کو خواب میں بہت اونچے مقام پر اور جنت کے لباسِ فاخِرہ[2] میں دیکھا، بڑے اعزاز و اکرام میں تھا، میں نے اس کا سبب پوچھا، تو اُس نے اوپر والا قصہ مُحدِّث کا ذکر کیا۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۱۸) اَبُوالحسن بَغْدَادِی دارمیؒ کہتے ہیں کہ انھوں نے ابوعبداللہ بن حامدؒ کو مرنے کے بعد کئی دفعہ خواب میں دیکھا، ان سے پوچھا کہ کیا گذری؟ انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرمادی اور مجھ پر رحم فرمایا، انھوں نے ان سے یہ پوچھا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتاؤ، جس سے میں سیدھا جنت میں داخل ہو جاؤں، انھوں نے بتایا کہ ایک ہزار رکعت نفل پڑھ اور ہر رکعت میں ایک ہزار مرتبہ قُلْ هُوَ اللهُ، انھوں نے کہا کہ یہ تو بہت مُشکِل عمل ہے، تو انھوں نے کہا کہ پھر تو ہر شب میں ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھا کر، دارمیؒ کہتے ہیں کہ یہ میں نے اپنا معمول بنالیا۔ [بدیع]

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۱۹) ایک صاحب نے اَبُوحَفْص کاغذیؒ کو ان کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا، ان سے پوچھا کہ کیا معاملہ گزرا؟ انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے مجھ پر رحم فرمایا، میری مغفرت فرمادی، مجھے جنت میں داخل کرنے کا حکم دے دیا، انھوں نے کہا: یہ کیا ہوا؟ انھوں نے بتایا کہ جب میری پیشی ہوئی تو ملائکہ کو حکم دیا گیا، انھوں نے میرے گناہ اور میرے درود شریف کو شُمار کیا، تو میرا درود شریف گناہوں پر بڑھ گیا، تو میرے مولیٰ جلَّ جلالہٗ نے ارشاد فرمایا کہ اے فرشتو! بس بس آگے حِساب نہ کرو اور اس کو میری جنت میں لے جاؤ۔ [بدیع] یہ قصہ نمبر بارہ پر ابن حجر مکیؒ سے مختصر گزر چکا۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۲۰) علامہ سخاویؒ بعض تواریخ سے نقل کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت گناہ گار تھا، جب وہ مر گیا تو

حل لغات: (۱) بے ہوش۔ (۲) قیمتی لباس۔

لوگوں نے اس کو ویسے ہی زمین پر پھینک دیا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی بھیجی کہ اس کو غسل دے کر اس پر جنازہ کی نماز پڑھیں، میں نے اس شخص کی مَغْفِرَت کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: یا اللہ! یہ کیسے ہو گیا؟ اللہ جلَّ شانہٗ نے فرمایا کہ اس نے ایک دفعہ تورات کو کھولا تھا، اس میں محمد (ﷺ) کا نام دیکھا تھا، تو اس نے ان پر درود پڑھا تھا، تو میں نے اس کی وجہ سے اس کی مغفرت کر دی۔ [بدیع]

اِس قسم کے واقعات میں کوئی اشکال کی بات نہیں، نہ تو ان کا یہ مطلب ہے کہ ایک دفعہ درود شریف پڑھ لینے سے سارے گناہِ کبیرہ[1] اور حقوق العباد[2] سب معاف ہو جاتے ہیں اور نہ اس قسم کے واقعات میں کوئی مُبالغہ[3] یا جھوٹ وغیرہ ہے، یہ مالک کے قبول کر لینے پر ہے، وہ کسی شخص کی معمولی سی عبادت، ایک دفعہ کا کلمۂ طَیِّبَہ قبول کر لے۔ جیسا کے فصلِ اوّل کی حدیث نمبر گیارہ میں ''حَدِیثُ البِطَاقَہ'' میں گزر چکا ہے، تو اس کی برکت سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [سورۂ نساء: ۴۸] اللہ تعالیٰ کا قرآن پاک میں ارشاد ہے ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ شانہٗ اِس کی تو مغفرت نہیں فرماتے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے (یعنی مشرک و کافر کی تو مغفرت ہے نہیں) اس کے علاوہ جس کو چاہیں گے بخش دیں گے''۔ اس لیے ان قصّوں میں اور اس قسم کے دوسرے قصوں میں کوئی اِشکال[4] نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کو کسی کا ایک دفعہ کا درود پڑھنا پسند آ جائے، وہ اس کی وجہ سے سارے گناہ معاف کر دے، بااِختیار ہے۔ ایک شخص کے کسی کے ذمہ ہزاروں روپے قرض ہیں، وہ قرضدار کی کسی بات پر جو قرض دینے والے کو پسند آ گئی ہو یا بغیر ہی کسی بات کے اپنا سارا قرضہ معاف کر دے، تو کسی کو کیا اِعْتِراض ہو سکتا ہے، اسی طرح اللہ جلَّ شانہٗ اگر کسی کو محض اپنے لُطف و کرم سے بخش دے، تو اس میں کیا اشکال کی بات ہے۔ ان قصوں سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ درود شریف کو مالک کی خوشنودی میں بہت زیادہ دَخَل ہے، اس لیے بہت ہی کثرت سے پڑھتے رہنا چاہیے، نہ معلوم کس وقت کا پڑھا ہوا اور کس محبت کا پڑھا ہوا پسند آ جائے، ایک دفعہ کا بھی پسند آ جائے تو بیڑا پار ہے۔

بس ہے اپنا ایک ہی نالہ[5] اگر پہونچے وہاں   گر چہ کرتے ہیں بہت سے نالۂ و فریاد ہم

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا   عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۲۱) ایک بزرگ نے خواب میں ایک بہت ہی بُری بَدْہَیْئَت[6] صورت دیکھی، انھوں نے اس سے پوچھا: تو کیا بلا ہے؟ اس نے کہا: میں تیرے برے عمل ہوں، انھوں نے پوچھا: تجھ سے نجات کی کیا صورت ہے؟ اس نے کہا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر درود کی کثرت۔ [بدیع]

حل لغات: (۱) بڑے بڑے گناہ۔ (۲) بندوں کے حقوق۔ (۳) بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا۔ (۴) اعتراض۔ (۵) فریاد۔ (۶) خوفناک، ڈراوَنی۔

ہم میں سے کون سا شخص ایسا ہے، جو دن رات بد اعمالیوں میں مبتلا نہیں ہے، اس کے بَذْرَقَہ[1] کے لیے درود شریف بہترین چیز ہے، چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے جتنا بھی پڑھا جا سکے دَرِیغ[2] نہ کیا جائے کہ اِکسیرِ اَعْظَم[3] ہے۔

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۲۲) شَیْخُ الْمَشَائِخ حضرت شبلی نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ سے نقل کیا گیا ہے کہ میرے پڑوس میں ایک آدمی مر گیا، میں نے اس کو خواب میں دیکھا، میں نے اس سے پوچھا: کیا گزری؟ اس نے کہا: شبلی بہت ہی سخت پریشانیاں گزریں اور مجھ پر مُنکَر نکیر کے سوال کے وقت گڑبڑ ہونے لگی، میں نے اپنے دل میں سوچا کہ یا اللّٰہ! یہ مُصِیبَت کہاں سے آرہی ہے، کیا میں اسلام پر نہیں مرا؟ مجھے ایک آواز آئی کہ یہ دُنیا میں تیری زبان کی بے احتیاطی کی سزا ہے، جب ان دونوں فرشتوں نے میرے عذاب کا ارادہ کیا، تو فوراً ایک نہایت حسین شخص میرے اور ان کے درمیان حائل[4] ہو گیا، اس میں سے نہایت ہی بہتر خوشبو آرہی تھی، اس نے مجھ کو فرشتوں کے جوابات بتا دیے، میں نے فوراً کہہ دیے، میں نے ان سے پوچھا کہ اللّٰہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے! آپ کون صاحب ہیں؟ انھوں نے کہا: میں ایک آدمی ہوں جو تیرے کَثْرَتِ دُرُوْد سے پیدا کیا گیا ہوں، مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں ہر مصیبت میں تیری مدد کروں۔ [بدیع] نیک اعمال بہترین صورتوں میں اور برے اعمال قبیح[5] صورتوں میں آخرت میں مُمَثَّل[6] ہوتے ہیں۔ فَضَائِلِ صَدَقَات حصہ دوم میں مُردہ کے جو احوال تفصیل سے ذکر کیے گئے ہیں اس میں تفصیل سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ میت کی نعش جب قبر میں رکھی جاتی ہے، تو نماز اس کی دائیں طرف، روزہ بائیں طرف اور قرآن پاک کی تلاوت اور اللّٰہ کا ذکر سر کی طرف وغیرہ وغیرہ کھڑے ہو جاتے ہیں اور جس جانب سے عذاب آتا ہے وہ مُدَافعت[7] کرتے ہیں۔ اسی طرح سے برے اعمال خبیث صورتوں میں، زکوٰۃ کا مال ادا نہ کرنے کی صورت میں، تو قرآن پاک اور احادیث میں کثرت سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ مال اَژدہا بن کر اس کے گلے کا طوق ہو جاتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ[8].

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۲۳) حضرت عبد الرحمٰن بِنْ سَمُرَہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ میں نے رات ایک عجیب منظر دیکھا کہ ایک شخص ہے۔ وہ پُل صراط کے اوپر کبھی تو گھسٹ کر چلتا ہے، کبھی گھٹنوں کے بل چلتا ہے، کبھی کسی چیز میں اٹک جاتا ہے۔ اتنے میں مجھ پر درود پڑھنا اس شخص کا پہونچا اور اس نے اس کو کھڑا کر دیا، یہاں تک کہ وہ پُل صراط سے گزر گیا۔ [بدیع عن الطبرانی وغیرہ]

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۲۴) حضرت سفیان بن عُیَیْنَہؒ حضرت خَلَفؒ سے نقل کرتے ہیں کہ میرا ایک دوست تھا، جو میرے ساتھ

حل لغات: (۱) حفاظت۔ (۲) کنجوسی، بخل۔ (۳) بہت مفید چیز۔ (۴) بیچ میں آنا۔ (۵) بُرا، ناپسند۔ (۶) شکل اختیار کرنا۔ (۷) روکنا۔ (۸) اے اللّٰہ اس (عذاب) سے ہمارے حفاظت فرما۔

حدیث پڑھا کرتا تھا، اس کا انتقال ہوگیا، میں نے اس کو خواب میں دیکھا کہ وہ نئے سبز[1] کپڑوں میں دوڑتا پھر رہا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ تو حدیث پڑھنے میں تو ہمارے ساتھ تھا، پھر یہ اعزاز واکرام تیرا کس بات پر ہورہا ہے؟ اس نے کہا کہ حدیثیں تو میں تمہارے ساتھ ہی لکھا کرتا تھا، لیکن جب بھی نبیِ کریم ﷺ کا پاک نام حدیث میں آتا، میں اس کے نیچے "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھ دیتا تھا۔ اللہ جلَّ شانہٗ نے اس کے بدلہ میں میرا یہ اکرام فرمایا جو تم دیکھ رہے ہو۔ [بدیع]

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۲۵) اَبُوسُلیمان محمد بن الْحُسَیْن حَرَّانِیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پڑوس میں ایک صاحب تھے کہ جن کا نام فضل تھا، بہت کثرت سے نماز روزہ میں مشغول رہتے تھے۔ انھوں نے بیان کیا کہ میں حدیث لکھا کرتا تھا، لیکن اس میں درود شریف نہیں لکھتا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضورِ اقدس ﷺ کو خواب میں دیکھا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تُو میرا نام لکھتا ہے، یا لیتا ہے تو درود شریف کیوں نہیں پڑھتا؟ (اس کے بعد انھوں نے درود کا اہتمام شروع کردیا) اس کے کچھ دنوں بعد حضورِ اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تیرا درود میرے پاس پہونچ رہا ہے، جب میرا نام لیا کرے تو (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا کر۔ [بدیع]

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۲۶) اِنھیں ابوسُلیمان حرانیؒ کا خود اپنا ایک قصہ نقل کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابوسلیمان! جب تو حدیث میں میرا نام لیتا ہے اور اس پر درود بھی پڑھتا ہے، تو پھر "وسلم" کیوں نہیں کہا کرتا، یہ چار حرف ہیں اور ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں، تو تو چالیس نیکیاں چھوڑ دیتا ہے۔ [بدیع] فَصْلِ چہارم کے اخیر میں آداب کے سلسلہ میں "زادالسعید" سے بھی اس نوع کا ایک قصہ گزر چکا ہے۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۲۷) ابراہیم نَسَفیؒ کہتے ہیں: میں نے نبیِ کریم ﷺ کی خواب میں زیارت کی، تو میں نے نبیِ کریم ﷺ کو کچھ اپنے سے مُنْقَبِض[2] پایا، تو میں نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر نبیِ کریم ﷺ کے دستِ[3] مبارک کو بوسہ[4] دیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں تو حدیث کے خدمت گاروں میں ہوں، اہلِ سُنت سے ہوں، مسافر ہوں۔ حضور ﷺ نے تبسم[5] فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ جب تُو مجھ پر درود بھیجتا ہے تو سلام کیوں نہیں بھیجتا۔ اس کے بعد سے میرا معمول ہوگیا کہ میں "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھنے لگا۔ [بدیع]

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

حل لغات: (۱) ہرا۔ (۲) ناراض۔ (۳) ہاتھ مبارک۔ (۴) چوما۔ (۵) مسکرانا۔

(۲۸) ابن ابی سلیمانؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو انتقال کے بعد خواب میں دیکھا، میں نے ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرمادی، میں نے پوچھا: کس عمل پر؟ انھوں نے فرمایا کہ ہر حدیث میں مَیں حضورِ اقدس ﷺ پر درود لکھا کرتا تھا۔ [بدیع]

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا　　عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۲۹) جعفر بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ میں نے (مشہور محدِّث) حضرت اَبُوزُرعہؒ کو خواب میں دیکھا کہ وہ آسمان پر ہیں اور فرشتوں کی امامت نماز میں کر رہے ہیں، میں نے پوچھا کہ یہ عالی[۱] مرتبہ کس چیز سے ملا؟ انھوں نے کہا کہ میں نے اپنے اس ہاتھ سے دس لاکھ حدیثیں لکھی ہیں اور جب حضورِ اقدس ﷺ کا نامِ مبارک لکھتا، تو حضورِ اقدس ﷺ کے نامِ نامی پر صلوٰۃ و سلام لکھتا اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے، اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ درود (رحمت) بھیجتے ہیں۔ [بدیع] اس حساب سے حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ایک کروڑ درود ہوگیا، اللہ تعالیٰ شانہٗ کی تو ایک ہی رحمت سب کچھ ہے پھر چہ جائے کہ ایک کروڑ۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا　　عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۳۰) حضرت امام شافعیؒ کے متعلق ایک دو قصے ''زادُ السَّعید'' سے بھی گزر چکے ہیں، حضرت موصوفؒ کے متعلق اس نوع[۲] کے کئی خواب منقول[۳] ہیں۔ علامہ سخاویؒ ''قولِ بدیع'' میں عبداللہ بن عبدالحَکَمؒ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام شافعیؒ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اللہ نے آپ کی ساتھ کیا معاملہ کیا؟ انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم فرمایا، میری مغفرت فرمادی اور میرے لیے جنت ایسی مُزَیَّن[۴] کی گئی، جیسا کہ دولہن کو مُزَیَّن کیا جاتا ہے اور میرے اوپر ایسی بِکھیر کی گئی جیسا دولہن پر بکھیر کی جاتی ہے (شادی میں دولہا اور دولہنوں پر رُوپے پیسے وغیرہ نچھاور[۵] کیے جاتے ہیں) میں نے پوچھا کہ یہ مرتبہ کیسے پہونچا؟ مجھ سے کسی کہنے والے نے یوں کہا کہ ''کتابُ الرسالہ'' میں جو درود لکھا ہے اس کی وجہ سے، میں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ مجھ سے بتایا گیا کہ وہ ''صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَاذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَعَدَدَ مَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ'' ہے، جب میں صبح کو اُٹھا، تو میں نے امام صاحب کی ''کتابُ الرسالہ'' میں یہ درود اسی طرح پایا۔ نُمیریؒ وغیرہ نے امام مُزنیؒ کی روایت سے ان کے خواب کا قصہ اس طرح نقل کیا ہے کہ میں نے حضرت امام شافعیؒ کو خواب میں دیکھا، میں پوچھا کہ آپ کے ساتھ اللہ نے کیا معاملہ کیا؟ انھوں نے کہا: میری مغفرت فرمادی ایک درود کی وجہ سے، جو میں نے اپنی کتاب رسالہ میں لکھا تھا وہ یہ ہے ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ'' بَیہقِی نے ابوالحسن شافعیؒ سے ان کا اپنا خواب نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضورِ اقدس ﷺ کی

حل لغات: (۱) بلند، بڑا۔ (۲) قسم۔ (۳) بیان کیے گئے۔ (۴) سجانا۔ (۵) لٹانا۔

خواب میں زیارت کی، میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! امام شافعی نے جو اپنے رسالہ میں درود لکھا ہے ''صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ کُلَّمَا ذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ وَغَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ'' آپ کی طرف سے ان کو اس کا کیا بدلہ دیا گیا ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری طرف سے یہ بدلہ دیا گیا ہے کہ وہ حساب کے لیے نہیں روکے جائیں گے۔ اِبْنِ بَنَان اَصْبَہَانیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی، میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! محمد بن ادریس یعنی امام شافعیؒ آپ کے چچا کی اولاد ہیں (چچا کی اولاد اس وجہ سے کہا کہ آپ کے دادے ہاشم پر جا کر ان کا نسب مل جاتا ہے، وہ عبد یزید بن ہاشم کی اولاد میں ہیں) آپ نے کوئی خصوصی اکرام ان کے لیے فرمایا ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں! میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کی ہے کہ قیامت میں اس کا حساب نہ لیا جائے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ اکرام ان پر کس عمل کی وجہ سے ہوا؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے اوپر درود ایسے الفاظ کے ساتھ پڑھا کرتا تھا کہ جن الفاظ کے ساتھ کسی اور نے نہیں پڑھا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کیا الفاظ ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کُلَّمَا ذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ''۔ [بدیع]

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

(۳۱) اَبُوالْقَاسِم مَرْوَزِیؒ کہتے ہیں کہ میں اور میرے والدؒ رات میں حدیث کی کتاب کا مقابلہ کیا کرتے تھے، خواب میں یہ دیکھا گیا کہ جس جگہ ہم مقابلہ کیا کرتے تھے، اس جگہ ایک نور کا ستون[۱] ہے جو اتنا اونچا ہے کہ آسمان تک پہونچ گیا، کسی نے پوچھا: یہ ستون کیسا ہے؟ تو یہ بتایا گیا کہ وہ درود شریف ہے جس کو یہ دونوں کتاب کے مقابلہ کے وقت پڑھا کرتے تھے۔ ''صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَشَرَّفَ وَکَرَّمَ''۔ [بدیع]

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

(۳۲) اَبُو اسحٰق نَہْشَلِیؒ کہتے ہیں کہ میں حدیث کی کتاب لکھا کرتا تھا اور اس میں حضور ﷺ کا پاک نام اس طرح لکھا کرتا تھا ''قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا'' میں نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے میری لکھی ہوئی کتاب مُلاحَظہ[۲] فرمائی اور ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ یہ عمدہ ہے۔ (بظاہر لفظ ''تسلیما'' کے اضافہ کی طرف اشارہ ہے)۔ علامہ سخاویؒ نے اور بھی بہت سے حضرات کے خواب اس قسم کے لکھے ہیں کہ ان کو مرنے کے بعد جب بہت اچھی حالت میں دیکھا گیا اور ان سے پوچھا گیا کہ یہ اعزاز[۳] کس وجہ سے ہے؟ تو انھوں نے بتایا کہ ہر حدیث میں حضور اقدس ﷺ کے پاک نام پر درود شریف لکھنے کی وجہ سے۔ [بدیع]

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

حل لغات: (۱) کھمبا۔ (۲) دیکھنا، نظر کرنا۔ (۳) عزت و اکرام۔

(۳۳) حَسَن بن موسیٰ الحَضرَمِیؒ جو ابنِ عُجَینَہ کے نام سے مشہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں حدیث پاک نقل کیا کرتا تھا اور جلدی کے خیال سے حضور اقدس ﷺ کے پاک نام پر درود لکھنے میں چُوک ہو جاتی تھی۔ میں نے حضور اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی، حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تو حدیث لکھتا ہے، تو مجھ پر درود کیوں نہیں لکھتا جیسا کہ اَبُوعَمرو طَبَرِیؒ لکھتے ہیں؟ میری آنکھ کھلی تو مجھ پر بڑی گھبراہٹ سوار تھی، میں نے اسی وقت عہد کرلیا کہ اب سے جب کوئی حدیث لکھوں گا تو ''صلی اللہ علیہ وسلم'' ضرور لکھوں گا۔ [بدیع]

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۳۴) اَبوعلی حَسَن بن عَلِی عَطَّارؒ کہتے ہیں کہ مجھے ابوطاہر نے حدیث پاک کے چند اجزاء لکھ کر دیے میں نے ان میں دیکھا کہ جہاں بھی کہیں نبی کریم ﷺ کا پاک نام آیا، وہ حضور ﷺ کے پاک نام کے بعد ''صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا'' لکھا کرتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ اس طرح کیوں لکھتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ میں اپنی نوعمری میں حدیث پاک لکھا کرتا تھا اور حضور اقدس ﷺ کے پاک نام پر درود نہیں لکھا کرتا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے سلام عرض کیا، حضور اقدس ﷺ نے منہ پھیر لیا، میں نے دوسری جانب حاضر ہو کر سلام عرض کیا، حضور ﷺ نے ادھر سے بھی منہ پھیر لیا، میں تیسری دفعہ چہرۂ انور کی طرف حاضر ہوا، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ مجھ سے رُوگردانی[۲] کیوں فرمارہے ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس لیے کہ جب تو اپنی کتاب میں میرا نام لکھتا ہے تو مجھ پر درود نہیں بھیجتا۔ اس وقت سے میرا یہ دستور[۳] ہوگیا کہ جب میں حضور اقدس ﷺ کا پاک نام لکھتا ہوں تو ''صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا'' لکھتا ہوں۔ [بدیع]

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۳۵) اَبُوحَفص سَمَرقَندیؒ اپنی کتاب رَونَقُ المَجَالِس میں لکھتے ہیں کہ بَلخ میں ایک تاجر تھا، جو بہت زیادہ مال دار تھا۔ اس کا انتقال ہوا، اس کے دو بیٹے تھے، میراث میں اس کا مال آدھا آدھا تقسیم ہوگیا، لیکن تَرکَہ میں تین بال بھی حضور اقدس ﷺ کے موجود تھے۔ ایک ایک دونوں نے لے لیا۔ تیسرے بال کے متعلق بڑے بھائی نے کہا کہ اس کو آدھا آدھا کرلیں۔ چھوٹے بھائی نے کہا: ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم! حضور ﷺ کا موئے مبارک[۴] نہیں کاٹا جاسکتا۔ بڑے بھائی نے کہا: کیا تُو اس پر راضی ہے کہ یہ تینوں بال تُو لے لے اور یہ مال سارا میرے حصے میں لگادے؟ چھوٹا بھائی خوشی سے راضی ہوگیا۔ بڑے بھائی نے سارا مال لے لیا اور چھوٹے بھائی نے تینوں موئے مبارک لے لیے۔ وہ ان کو اپنی جیب میں ہر وقت رکھتا اور بار بار

حل لغات: (۱) بھول۔ (۲) چہرہ پھیرنا۔ (۳) قاعدہ۔ (۴) بال مبارک۔

نکالتا، ان کی زیارت کرتا اور درود شریف پڑھتا، تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ بڑے بھائی کا سارا مال ختم ہو گیا اور چھوٹا بھائی بہت زیادہ مالدار ہو گیا، جب اس چھوٹے بھائی کی وفات ہوئی تو صُلحاءؒ میں سے بعض نے حضور اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی کو کوئی ضرورت ہو، اس کی قبر کے پاس بیٹھ کر اللہ تعالیٰ شانہٗ سے دُعا کیا کرے۔[بدیع] "نُزْہَۃُ المجالس" میں بھی یہ قصہ مُختصر نقل کیا ہے، لیکن اتنا اس میں اِضافہ ہے کہ بڑا بھائی جس نے سارا مال لے لیا تھا بعد میں فقیر ہو گیا، تو اس نے حضور اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی اور حضور ﷺ سے اپنے فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ حضور ﷺ نے خواب میں فرمایا: او محروم! تُو نے میرے بالوں میں بے رغبتی کی اور تیرے بھائی نے ان کو لے لیا اور وہ جب ان کو دیکھتا ہے مجھ پر درود بھیجتا ہے، اللہ جلَّ شانہٗ نے اس کو دنیا اور آخرت میں سعیدؒ بنا دیا، جب اس کی آنکھ کھلی تو آ کر چھوٹے بھائی کے خادموں میں داخل ہو گیا۔ فقط

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

۳۶ مردے کو خواب میں دیکھنے کا عمل

ایک عورت حضرت حَسَن بَصرِیؒ کے پاس آئی اور عرض کیا کہ میری لڑکی کا انتقال ہو گیا۔ میری یہ تمنا ہے کہ میں اسکو خواب میں دیکھوں۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ عشاء کی نماز پڑھ کر چار رکعت نفل نماز پڑھ اور ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد ﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ پڑھ اور اس کے بعد لیٹ جا اور سونے تک نبیٔ کریم ﷺ پر درود پڑھتی رہ۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس نے لڑکی کو خواب میں دیکھا کہ نہایت ہی سخت عذاب میں ہے: تارکول کا لباس اس پر ہے، دونوں ہاتھ اس کے جکڑے ہوئے ہیں اور اس کے پاؤں آگ کی زنجیروں میں بندھے ہوئے ہیں۔ میں صبح کو اُٹھ کر پھر حضرت حَسَن بَصرِیؒ کے پاس گئی۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اس کی طرف سے صدقہ کر، شاید اللہ جلَّ شانہٗ اس کی وجہ سے تیری لڑکی کو معاف فرما دے۔ اگلے دن حضرت حسنؒ نے خواب میں دیکھا کہ جنت کا ایک باغ ہے اور اس میں ایک بہت اونچا تخت ہے اور اس پر ایک بہت نہایت حسین جمیل خوبصورت لڑکی بیٹھی ہوئی ہے، اس کے سر پر ایک نور کا تاج ہے، وہ کہنے لگی: حسن! تم نے مجھے بھی پہچانا؟ میں نے کہا: نہیں! میں نے تو نہیں پہچانا۔ کہنے لگی: میں وہی لڑکی ہوں جس کی ماں کو تم نے درود شریف پڑھنے کا حکم دیا تھا (یعنی عشاء کے بعد سونے تک) حضرت حسنؒ نے فرمایا کہ تیری ماں نے تو تیرا حال اس کے بالکل برعکسؒ بتایا تھا جو میں دیکھ رہا ہوں۔ اس نے کہا کہ میری حالت وہی تھی جو ماں نے بیان کی تھی، میں نے پوچھا: پھر یہ مرتبہ کیسے حاصل ہو گیا؟ اس نے کہا کہ ہم ستر ہزار آدمی اسی عذاب میں مبتلا تھے جو میری ماں نے آپ سے بیان کیا، صُلحَاء میں سے ایک

حل لغات: (۱) نیک لوگ، اللہ والے۔ (۲) غربت۔ (۳) خوش قسمت۔ (۴) الٹا۔

بزرگ کا گزر ہمارے قبرستان پر ہوا۔ انھوں نے ایک دفعہ درود شریف پڑھ کر اس کا ثواب ہم سب کو پہونچا دیا۔ ان کا درود اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسا قبول ہوا کہ اس کی برکت سے ہم سب اس عذاب سے آزاد کر دیے گئے اور ان بزرگ کی برکت سے یہ رُتبہ نصیب ہوا۔ [بدیع] ''رَوضُ الفائق'' میں اسی نوع[1] کا ایک دوسرا قصہ لکھا ہے کہ ایک عورت تھی، اس کا لڑکا بہت ہی گناہگار تھا۔ اس کی ماں اس کو بار بار نصیحت کرتی، مگر وہ بالکل نہیں مانتا تھا، اسی حال میں وہ مر گیا، اس کی ماں کو بہت ہی رنج[2] تھا کہ وہ بغیر توبہ کے مرا، اس کو بڑی تمنا تھی کہ کسی طرح اس کو خواب میں دیکھے، اس کو خواب میں دیکھا تو وہ عذاب میں مُبْتَلَا تھا، اس کی وجہ سے اس کی ماں کو اور بھی زیادہ صَدْمَہ ہوا، ایک زمانہ کے بعد اس نے دوبارہ خواب میں دیکھا تو بہت اچھی حالت میں تھا نہایت خُوش وخُرَّم، ماں نے پوچھا کہ یہ کیا ہوگیا؟ اس نے کہا کہ ایک بہت بڑا گناہ گار شخص اس قبرستان پر کو گزرا، قبروں کو دیکھ کر اس کو کچھ عِبرت ہوئی، وہ اپنی حالت پر رونے لگا اور سچے دل سے توبہ کی اور کچھ قرآن شریف اور بیس مرتبہ درود شریف پڑھ کر اس قبرستان والوں کو بخشا، جس میں مَیں تھا، اس میں سے جو حصہ مجھے ملا اس کا یہ اثر ہے جو تم دیکھ رہی ہو، میری اماں! حضور ﷺ پر درود دلوں کا نور ہے، گناہوں کا کفارہ ہے اور زِندہ اور مردہ دونوں کے لیے رحمت ہے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۳۷) حضرت کَعْب اَحْبَارؒ جو توارت کے بہت بڑے عالم ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اللہ جلَّ شانہٗ نے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس وحی بھیجی کہ اے موسیٰ! اگر دنیا میں ایسے لوگ نہ ہوں جو میری حمد وثناء کرتے رہتے ہیں تو آسمان سے ایک قطرہ پانی کا نہ ٹپکاؤں اور زمین سے ایک دانہ نہ اُگاؤں اور بھی بہت سی چیزوں کا ذکر کیا، اس کے بعد ارشاد فرمایا: اے موسیٰ! اگر تُو یہ چاہتا ہے کہ میں تجھ سے اس سے بھی زیادہ قریب ہو جاؤں، جتنا تیری زبان سے تیرا کلام اور جتنے تیرے دل سے اس کے خطرات اور تیرے بدن سے اس کی روح اور تیری آنکھ سے اس کی روشنی؟ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا: یا اللہ! ضرور بتائیں، ارشاد ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر کثرت سے درود پڑھا کر۔ [بدیع]

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۳۸) محمد بن سعید بن مُطَرِّفؒ جو نیک لوگوں میں سے ایک بزرگ تھے، کہتے ہیں کہ میں نے اپنا یہ معمول بنا رکھا تھا کہ رات کو جب سونے کے واسطے لیٹتا تو ایک مقدار معین درود شریف کی پڑھا کرتا تھا۔ ایک رات کو میں بَالَاخانہ[3] پر اپنا معمول پورا کر کے سو گیا تو حضور اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی، میں نے دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ بالَاخانہ کے دروازہ سے اندر تشریف لائے، حضور ﷺ کی تشریف آوری سے بالاخانہ

حل لغات: (۱) قسم۔ (۲) دُکھ، غم۔ (۳) اوپر کا کمرہ۔

سارا ایک دم روشن ہو گیا، حضورِ اقدس ﷺ میری طرف کو تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ لا اُس منہ کو لا! جس سے تو کثرت سے مجھ پر درود پڑھتا ہے، میں اس کو چوموں گا، مجھے اس سے شرم آئی کہ میں دَہَن① مبارک کی طرف منہ کروں تو میں نے اِدھر سے اپنے منہ کو پھیر لیا، تو حضورِ اقدس ﷺ نے میرے رُخسار② پر پیار کیا، میری گھبرا کر ایک دم آنکھ کھل گئی، میری گھبراہٹ سے میری بیوی جو میرے پاس پڑی ہوئی تھی اس کی بھی ایک دم آنکھ کُھل گئی، تو سارا بالا خانہ مُشک کی خوشبو سے مَہک رہا تھا۔ اور مشک کی خوشبو میرے رُخسار میں سے آٹھ دن تک آتی رہی۔ [بدیع]

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۳۹) محمد بن مالکؒ کہتے ہیں کہ میں بغداد گیا تا کہ قاری ابوبکر بن مُجاہدؒ کے پاس کچھ پڑھوں۔ ہم لوگوں کی ایک جماعت ان کی خدمت میں حاضر تھی اور قرأت ہو رہی تھی، اتنے میں ایک بڑے میاں ان کی مجلس میں آئے جن کے سر پر بہت ہی پُرانا عمامہ تھا، ایک پُرانا کرتا تھا، ایک پُرانی سی چادر تھی، ابو بکرؒ ان کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور ان کو اپنی جگہ بٹھایا اور ان سے ان کے گھر والوں کی، اہل و عیال کی خیریت پوچھی، ان بڑے میاں نے کہا: رات میرے ایک لڑکا پیدا ہوا، گھر والوں نے مجھ سے گھی اور شہد کی فرمائش کی، شیخ ابو بکرؒ کہتے ہیں کہ میں ان کا حال سن کر بہت ہی رنجیدہ ہوا اور اسی رنج و غم کی حالت میں میری آنکھ لگ گئی، تو میں نے خواب میں نبیِّ کریم ﷺ کی زیارت کی، حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: اتنا رنج کیوں ہے؟ علی بن عیسیٰ وزیر کے پاس جا اور اس کو میری طرف سے سلام کہنا اور یہ علامت③ بتانا کہ تو ہر جمعہ کی رات کو اس وقت تک نہیں سوتا؟ جب تک کہ مجھ پر ایک ہزار مرتبہ درود نہ پڑھ لے، اور اس جمعہ کی رات میں تُو نے سات سو مرتبہ پڑھا تھا کہ تیرے پاس بادشاہ کا آدمی بلانے آ گیا تو وہاں چلا گیا اور وہاں سے آنے کے بعد تُو نے اس مِقدَار کو پورا کیا۔ یہ علامت بتانے کے بعد اس سے کہنا کہ اس نومولود④ کے والد کو سَو دینار (اَشرفیاں) دے دے، تا کہ یہ اپنی ضروریات میں خرچ کر لے۔ قاری ابو بکرؒ اُٹھے اور ان بڑے میاں، نَومولود کے والد کو ساتھ لیا اور دونوں وزیر کے پاس پہونچے، قاری ابو بکرؒ نے وزیر سے کہا: ان بڑے میاں کو حضور ﷺ نے تمہارے پاس بھیجا ہے، وزیر کھڑے ہو گئے اور ان کو اپنی جگہ بٹھایا اور ان سے قصہ پوچھا، شیخ ابو بکرؒ نے سارا قصہ سنایا جس سے وزیر کو بہت ہی خوشی ہوئی اور اپنے غلام کو حکم کیا کہ ایک توڑا نکال کر لائے (توڑا ہِمیَانی تھیلی جس میں دس ہزار کی مقدار ہوتی ہے) اس میں سے سَو دینار اس نَومولود کے والد کو دیے، اس کے بعد سو اور نکالے تا کہ شیخ ابو بکرؒ کو دے، شیخ نے ان کے لینے سے انکار کیا، وزیر نے اِصرار کیا کہ ان کو لے لیجیے اس لیے کہ یہ اس بشارت کی وجہ سے ہے جو آپ نے مجھے اس واقعہ کے مُتعلِّق سنائی، اس لیے کہ

حل لغات: ① منہ۔ ② گال۔ ③ نشانی۔ ④ بچہ۔

یہ واقعہ یعنی ایک ہزار درود والا ایک راز ہے۔ جس کو میرے اور اللہ تعالیٰ کے سِوا کوئی نہیں جانتا، پھر سَو دینار اور نکالے اور یہ کہا کہ یہ اس خوشخبری کے بدلہ میں ہیں کہ تم نے مجھے اس کی بشارت سنائی کہ نبیٔ کریم ﷺ کو میرے درود شریف پڑھنے کی اطلاع ہے؛ اور پھر سَو اشرفیاں اور نکالیں اور یہ کہا کہ یہ اس مشقت کے بدلہ میں ہے جو تم کو یہاں آنے میں ہوئی اور اسی طرح سَو سَو اشرفیاں نکالتے رہے یہاں تک کہ ایک ہزار اشرفیاں نکالیں، مگر انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم اس مقدار یعنی سَو دینار سے زائد نہیں لیں گے، جن کا حضورِ اقدس ﷺ نے حکم فرمایا۔ [بدیع]

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۴۰) عبدالرحیم بن عبدالرحمٰنؒ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ غسل خانے میں گرنے کی وجہ سے میرے ہاتھ میں بہت ہی سخت چوٹ لگ گئی اس کی وجہ سے ہاتھ پر وَرَم[1] آ گیا، میں نے رات بہت بے چینی میں گذاری، میری آنکھ لگ گئی تو میں نے نبیٔ کریم ﷺ کی خواب میں زیارت کی، میں نے اتنا ہی عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تیری کثرتِ درود نے مجھے گھبرا دیا۔ میری آنکھ کُھلی تو تکلیف بالکل جاتی رہی تھی اور وَرَم بھی جاتا رہا تھا۔ [بدیع]

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۴۱) عَلّامہ سَخَاویؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے شیخ احمد بن رسلانؒ کے شاگردوں میں سے ایک مُعْتَمَد[2] نے کہا کہ ان کو نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی اور حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں یہ کتاب ''قول بدیع فی الصلوٰۃ عَلَی الْحَبِیْبِ الشَّفِیْعِ''، جو حضورِ اقدس ﷺ پر درود ہی کے بیان میں عَلّامہ سَخَاویؒ کی مشہور تالیف ہے اور اس رِسَالہ کے اکثر مضامین اسی سے لیے گئے ہیں، حضور ﷺ کی خدمت میں یہ کتاب پیش کی گئی، حضورِ اقدس ﷺ نے اس کو قبول فرمایا، بہت طویل[3] خواب ہے جس کی وجہ سے مجھے انتہائی مَسَرّت ہوئی اور میں اللہ کے اور اس کے پاک رسول ﷺ کی طرف سے اس کی قبولیت کی اُمید رکھتا ہوں اور ان شاء اللہ دَارَیْن[4] میں زیادہ سے زیادہ ثواب کا اُمیدوار ہوں، پس تُو بھی او مُخَاطَب اپنے پاک نبی ﷺ کا ذکر خوبیوں کے ساتھ کرتا رہا کر اور دل و زبان سے حضورِ اقدس ﷺ پر کثرت سے درود بھیجتا رہا کر، اس لیے کہ تیرا درود حضورِ اقدس ﷺ کے پاس حضور ﷺ کی قبرِ اَطہر میں پہونچتا ہے؛ اور تیرا نام حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ [بدیع]

''صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَأَتْبَاعِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَكُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ''

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

حل لغات: (۱) سوجن۔ (۲) بھروسہ مند آدمی۔ (۳) لمبا۔ (۴) دنیا و آخرت۔

(۴۲) عَلَّامَہ سَخَاوِیؒ، ابوبکر بن محمدؒ سے نقل کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر بن مجاہدؒ کے پاس تھا کہ اتنے میں شیخ المشائخ حضرت شبلیؒ آئے، ان کو دیکھ کر ابوبکر بن مجاہدؒ کھڑے ہوگئے ان سے مُعَانَقَہ(۱) کیا ان کی پیشانی کو بوسہ دیا، میں نے ان سے یہ عرض کیا کہ میرے سردار آپ شبلی کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہیں، حالانکہ آپ اور سارے عُلَمَاءِ بَغْدَاد یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ پاگل ہیں، انھوں نے فرمایا کہ میں نے وہی کیا کہ جو حضورِ اقدس ﷺ کو کرتے دیکھا۔ پھر انھوں نے اپنا خواب بتایا کہ مجھے حضورِ اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی کہ حضور ﷺ کی خدمت میں شبلی حاضر ہوئے، حضورِ اقدس ﷺ کھڑے ہوگئے اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور میرے استفسار(۲) پر حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ہر نماز کے بعد ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ [سورۂ توبہ: ۱۲۸] آخر سورت تک پڑھتا ہے اور اس کے بعد مجھ پر درود پڑھتا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب بھی فرض نماز پڑھتا ہے اس کے بعد یہ آیتِ شریفہ ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ [سورۂ توبہ: ۱۲۸] پڑھتا ہے اور اس کے بعد تین مرتبہ ''صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَامُحَمَّدُ صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَامُحَمَّدُ صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَامُحَمَّدُ'' پڑھتا ہے۔ ابوبکرؒ کہتے ہیں کہ اس خواب کے بعد جب شبلیؒ آئے تو میں نے ان سے پوچھا کہ نماز کے بعد کیا درود پڑھتے ہو؟ تو انھوں نے یہی بتایا۔ ایک اور صاحب سے اسی نوع(۳) کا ایک قصہ نقل کیا گیا ہے: ابوالقاسم خَفَّافؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت شبلیؒ، ابوبکر بن مجاہدؒ کی مسجد میں گئے، ابوبکر ان کو دیکھ کر کھڑے ہوگئے، ابوبکر کے شاگردوں میں اس کا چرچا ہوا، انھوں نے استاذ سے عرض کیا کہ آپ کی خدمت میں وَزِیرِ اَعْظَم آئے ان کے لیے تو آپ کھڑے ہوئے نہیں، شبلیؒ کے لیے آپ کھڑے ہوگئے، انھوں نے فرمایا کہ میں ایسے شخص کے لیے کیوں نہ کھڑا ہوں جس کی تعظیم حضورِ اقدس ﷺ خود کرتے ہوں۔ اس کے بعد استاذ نے اپنا ایک خواب بیان کیا اور یہ کہا کہ رات میں نے حضورِ اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی تھی، حضورِ اقدس ﷺ نے خواب میں ارشاد فرمایا تھا کہ کل کو تیرے پاس ایک جنتی شخص آئے گا، جب وہ آئے تو اس کا اکرام کرنا۔ ابوبکرؒ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے دو ایک دن کے بعد پھر حضورِ اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی، حضورِ اقدس ﷺ نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ اے ابوبکر! اللہ تمہارا بھی ایسا ہی اکرام فرمائے جیسا کہ تم نے ایک جنتی آدمی کا اکرام کیا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! شبلی کا یہ اعزاز(۴) آپ کے یہاں کس وجہ سے ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ پانچوں نمازوں کے بعد یہ آیت پڑھتا ہے ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ﴾ الاٰیۃ اور اَسّی برس سے ان کا یہ مَعْمُول ہے۔ [بدیع]

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا　　عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

حل لغات: (۱) گلے ملنا۔ (۲) پوچھنا۔ (۳) قسم، طرح۔ (۴) عزت واکرام۔

(۴۳) اِمَام غَزَالیؒ نے اِحیاءُ العلوم میں عبدالواحد بن زید بَصرِیؒ سے نقل کیا ہے کہ میں حج کو جارہا تھا، ایک شخص میرا رفیق سفر ہوگیا، وہ ہر وقت چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے حضور اقدس ﷺ پر درود بھیجا کرتا تھا، میں نے اس سے کثرتِ درود کا سبب پوچھا، اس نے کہا کہ جب میں سب سے پہلے حج کے لیے حاضر ہوا تو میرے باپ بھی ساتھ تھے، جب ہم لوٹنے لگے تو ہم ایک مَنزِل[۱] پر سو گئے، میں نے خواب میں دیکھا: مجھ سے کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ اُٹھ! تیرا باپ مر گیا اور اس کا منہ کالا ہوگیا۔ میں گھبرایا ہوا اُٹھا تو اپنے باپ کے منہ پر سے کپڑا اُٹھا کر دیکھا تو واقعی میرے باپ کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کا منہ کالا ہو رہا تھا، مجھ پر اس واقعہ سے اتنا غم سوار ہوا کہ میں اس کی وجہ سے بہت ہی مرعوب[۲] ہو رہا تھا، اتنے میں میری آنکھ لگ گئی، میں نے دوبارہ خواب میں دیکھا کہ میرے باپ کے سر پر چار حبشی، کالے چہرے والے جن کے ہاتھ میں لوہے کے بڑے ڈنڈے تھے مُسلَّط[۳] ہیں، اتنے میں ایک بزرگ نہایت حسین چہرہ دو سبز کپڑے پہنے ہوئے تشریف لائے اور انھوں نے ان حبشیوں کو ہٹا دیا اور اپنے دستِ مبارک کو میرے باپ کے منہ پر پھیرا اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اُٹھ اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کے چہرے کو سفید کر دیا، میں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میرا نام محمد (ﷺ) ہے۔ اس کے بعد سے میں نے حضور اقدس ﷺ پر درود کبھی نہیں چھوڑا۔ ''نُزْہَۃُ الْمَجَالِس'' میں ایک اور قصہ اسی نوع کا اَبُو حَامِد قَزْوِینیؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص اور اس کا بیٹا دونوں سفر کر رہے تھے، راستہ میں باپ کا انتقال ہوگیا اور اس کا سر (منہ وغیرہ) سُوَّر جیسا ہوگیا، وہ بیٹا بہت رویا اور اللہ جلَّ شانہٗ کی بارگاہ میں دُعا اور عاجزی کی، اتنے میں اس کی آنکھ لگ گئی تو خواب میں دیکھا کوئی شخص کہہ رہا ہے: تیرا باپ سود کھایا کرتا تھا، اس لیے یہ صورت بدل گئی، لیکن حضور اقدس ﷺ نے اس کے بارے میں سفارش کی ہے، اس لیے کہ جب یہ آپ ﷺ کا ذکر مبارک سنتا تو درود بھیجا کرتا تھا، آپ ﷺ کی سفارش سے اس کو اس کی اپنی اصلی صورت پر لوٹا دیا گیا۔

''رَوضُ الفائق'' میں اسی نوع[۴] کا ایک قصہ اور نقل کیا ہے۔ وہ حضرت سفیان ثوریؒ سے نقل کرتے ہیں کہ میں طواف کر رہا تھا، میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ہر قدم پر درود ہی پڑھتا ہے اور کوئی چیز تسبیح و تہلیل وغیرہ نہیں پڑھتا، میں نے اس سے پوچھا: اس کی کیا وجہ؟ اس نے پوچھا: تُو کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں سفیان ثوریؒ ہوں، اس نے کہا کہ اگر تُو اپنے زمانہ کا یکتا[۵] نہ ہوتا تو میں نہ بتاتا اور اپنا راز نہ کھولتا، پھر اس نے کہا کہ میں اور میرے والد حج کو جا رہے تھے، ایک جگہ پہونچ کر میرا باپ بیمار ہوگیا، میں علاج کا اہتمام کرتا رہا کہ ایک دم ان کا انتقال ہوگیا اور منہ کالا ہوگیا، میں دیکھ کر بہت ہی رنجیدہ[۶] ہوا اور ''اِنَّا لِلّٰہ'' پڑھی اور کپڑے سے ان کا منہ ڈھک دیا، اتنے میں میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک صاحب

حل لغات: (۱) جگہ، مقام۔ (۲) ڈرا ہوا ہونا۔ (۳) مقرر، متعین۔ (۴) قسم۔ (۵) بے مثل، بے نظیر۔ (۶) غمگین۔

جن سے زیادہ حسین میں نے کسی کو نہیں دیکھا اور ان سے زیادہ صاف سُتھرا لباس کسی کا نہیں دیکھا اور ان سے زیادہ بہترین خوشبو میں نے کہیں نہیں دیکھی، تیزی سے قدم بڑھائے چلے آرہے ہیں، انھوں نے میرے باپ کے منہ پر سے کپڑا ہٹایا اور اس کے چہرہ پر ہاتھ پھیرا تو اس کا چہرہ سفید ہوگیا، وہ واپس جانے لگے، تو میں نے جلدی سے ان کا کپڑا پکڑ لیا اور میں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے آپ کون ہیں کہ آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے میرے باپ پر مُسافَرَت[1] میں احسان فرمایا؟ وہ کہنے لگے کہ تو مجھے نہیں پہچانتا؟ میں محمد بن عبد اللہ صاحب قرآن ہوں۔ (ﷺ)۔ یہ تیرا باپ بڑا گناہ گار تھا لیکن مجھ پر کثرت سے درود بھیجتا تھا، جب اس پر یہ مصیبت نازل ہوئی تو میں اس کی فریاد کو پہونچا اور میں ہر اُس شخص کی فریاد کو پہونچتا ہوں، جو مجھ پر کثرت سے درود بھیجے۔

يَامَنْ يُّجِيْبُ دُعَاءَ الْمُضْطَرِّ فِي الظُّلَمِ ۔۔۔ يَاكَاشِفَ الضُّرِّ وَالْبَلْوٰى مَعَ السَّقَمِ

شَفِّعْ نَبِيَّكَ فِي ذُلِّيْ وَمَسْكَنَتِيْ ۔۔۔ وَاسْتُرْ فَإِنَّكَ ذُوْفَضْلٍ وَّذُوْكَرَمِ

وَاغْفِرْ ذُنُوْبِيْ وَسَامِحْنِيْ بِهَا كَرَمًا ۔۔۔ تَفَضُّلًا مِّنْكَ يَاذَا الْفَضْلِ وَالنِّعَمِ

إِنْ لَّمْ تُغِثْنِيْ بِعَفْوٍ مِّنْكَ يَا أَمَلِيْ ۔۔۔ وَاخَجْلَتِيْ وَا حَيَائِيْ مِنْكَ وَا نَدَمِيْ

يَارَبِّ صَلِّ عَلَى الْهَادِيْ الْبَشِيْرِ وَمَنْ ۔۔۔ لَّهُ الشَّفَاعَةُ فِيْ الْعَاصِيْ أَخِيْ النَّدَمِ

يَارَبِّ صَلِّ عَلَى الْمُخْتَارِ مِنْ مُّضَرٍ ۔۔۔ أَزْكَى الْخَلَائِقِ مِنْ عَرَبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

يَارَبِّ صَلِّ عَلٰى خَيْرِ الْأَنَامِ وَمَنْ ۔۔۔ سَادَ الْقَبَائِلَ فِيْ الْأَنْسَابِ وَالشِّيَمِ

صَلّٰى عَلَيْهِ الَّذِىْ أَعْطَاهُ مَنْزِلَةً ۔۔۔ عُلْيَاءَ إِذْ كَانَ حَقًّا أَفْضَلَ الْأُمَمِ

صَلّٰى عَلَيْهِ الَّذِيْ أَعْلَاهُ مَرْتَبَةً ۔۔۔ ثُمَّ اصْطَفٰهُ حَبِيْبًا بَارِءُ النَّسَمِ

صَلّٰى عَلَيْهِ صَلٰوةً لَا انْقِطَاعَ لَهَا ۔۔۔ مَوْلَاهُ ثُمَّ عَلٰى صَحْبٍ وَّذِيْ رَحِمِ

ترجمہ: (۱) اے وہ پاک ذات جو مُضطَرّ[2] کی اندھیریوں کی دُعائیں قبول کرتا ہے، اے وہ پاک ذات جو مضرّتوں[3] کو، بلاؤں کو، بیماریوں کو زائل[4] کرنے والا ہے۔

(۲) اپنے نبی ﷺ کی شفاعت میری ذِلت اور عاجزی میں قبول فرمالے اور میرے گناہوں کی پردہ پوشی[5] فرما، بے شک تو احسان اور کرم والا ہے۔

(۳) میرے گناہوں کو معاف فرما اور ان سے مُسامَحَت[6] فرما، اپنے کرم اور احسان کی وجہ سے، اے احسان والے اور اے نعمتوں والے۔

حل لغات: (۱) سفر کی حالت۔ (۲) تکلیف میں مبتلا۔ (۳) نقصانات۔ (۴) ختم۔ (۵) چھپانا۔ (۶) درگذر فرمانا۔

④ اے میری اُمید[1] گاہ! اگر تُو اپنے عَفو سے میری مدد نہیں فرمائے گا، تو مجھے کتنی خَجالت[2] ہوگی، کتنی تجھ سے شرم آئے گی اور کتنی ندامت[3] ہوگی۔

⑤ اے میرے رب! درود بھیج ہادِی[4] بَشِیر[5] پر اور اس ذات پر جس کے لیے شفاعت کا حق ہے، گناہ گار اور ندامت والے کے حق میں۔

⑥ اے رب! درود بھیج اس شخص پر جو قبیلہ مُضر (آپ ﷺ کے خاندان کا نام) میں سب سے زیادہ برگزیدہ[6] ہے اور جو ساری مخلوق میں عَرَب کی ہو یا عَجَم[7] کی، سب سے افضل ہے۔

⑦ اے رب! درود بھیجیے اس شخص پر جو ساری دُنیا سے افضل ہے اور اس شخص پر جو تمام قبائل کا سردار بن گیا ہے، نسب کے اعتبار سے بھی اور اخلاق کے اعتبار سے بھی۔

⑧ جس پاک ذات نے اس کو اعلیٰ مرتبہ عطا فرمایا ہے، وہی اس پر درود بھی بھیجے، بے شک وہ اس درجہ کا مُستحق بھی ہے اور ساری مخلوق سے افضل۔

⑨ وہی پاک ذات اس پر درود بھیجے جس نے اس کو اعلیٰ مرتبہ عطا فرمایا، پھر اس کو اپنا محبوب بنانے کے لیے چھانٹا، وہ پاک ذات جو مخلوق کو پیدا کرنے والی ہے۔

⑩ اس کا مولیٰ اس پر ایسا درود بھیجے جو کبھی ختم ہونے والا نہ ہو، اس کے بعد اس کے صحابہ پر درود بھیجے اور اس کے رشتہ داروں پر رضی اللہ عنہ۔ [روض الفائق]

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۴۴) "نُزہۃُ المجالس" میں لکھا ہے کہ ایک صاحب کسی بیمار کے پاس گئے (ان کی نَزع[8] کی حالت تھی) ان سے پوچھا کہ موت کی کڑواہٹ کیسی مل رہی ہے؟ انھوں نے کہا کہ مجھے کچھ نہیں معلوم ہو رہا ہے، اس لیے کہ میں نے عُلَمَاء سے سنا ہے کہ جو شخص کثرت سے درود شریف پڑھتا ہے وہ موت کی تلخی[9] سے محفوظ رہتا ہے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۴۵) "نُزہۃُ المجالس" میں لکھا ہے کہ بعض صلحاء میں سے ایک صاحب کو حَبسِ[10] بَول ہو گیا، انھوں نے خواب میں عارف باللہ حضرت شیخ شِہابُ الدّین بن رَسلانؒ کو جو بڑے زاہد اور عالم تھے دیکھا اور ان سے اپنے مرض کی شکایت و تکلیف کہی۔ انھوں نے فرمایا تو تریاقِ[11] مُجرَّب سے کہاں غافل ہے، یہ درود پڑھا کرے "اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى رُوْحِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِي الْأَرْوَاحِ وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى قَلْبِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِي الْقُلُوْبِ وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى جَسَدِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَجْسَادِ وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى

حل لغات: ① امید کی جگہ، جس سے امید کی جائے۔ ② شرمندگی۔ ③ شرمندگی۔ ④ ہدایت کرنے والا۔ ⑤ خوشخبری سنانے والا۔ ⑥ بزرگ۔ ⑦ عرب کے علاوہ تمام ملک۔ ⑧ جان نکلنے کی حالت۔ ⑨ کڑواہٹ۔ ⑩ پیشاب کا بند ہونا۔ ⑪ ایسی دوا جس سے بیمار کا ٹھیک ہونا تجربہ سے ثابت ہو۔

قَبْرِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِي الْقُبُوْرِ.'' خواب سے اُٹھنے کے بعد ان صاحب نے اس درود کو کثرت سے پڑھا اور ان کا مرض زائل[1] ہوگیا۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۴۶) حافظ ابونُعیمؒ حضرت سفیان ثوریؒ سے نقل کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ باہر جا رہا تھا، میں نے ایک جوان کو دیکھا کہ جب وہ قدم اُٹھاتا ہے یا رکھتا ہے، تو یوں کہتا ہے ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ'' میں نے اس سے پوچھا: کیا کسی علمی دلیل سے تیرا یہ عمل ہے؟ (یا محض اپنی رائے سے)؟ اس نے پوچھا: تم کون ہو؟ میں نے کہا: میں سُفْیَانِ ثوری، اس نے کہا: کیا عراق والے سفیان؟ میں نے کہا: ہاں! کہنے لگا: تجھے اللہ کی مَعْرِفت[2] حاصل ہے؟ میں نے کہا: ہاں ہے، اس نے پوچھا: کس طرح معرفت حاصل ہے؟ میں نے کہا: رات سے دِن نکالتا ہے، دِن سے رات نکالتا ہے، ماں کے پیٹ میں بچے کی صورت پیدا کرتا ہے، اس نے کہا کہ کچھ نہیں پہچانا، میں نے کہا: پھر تو کس طرح پہچانتا ہے؟ اس نے کہا: کسی کام کا پُختہ ارادہ کرتا ہوں اس کو فسخ[3] کرنا پڑتا ہے اور کسی کام کے کرنے کی ٹھان لیتا ہوں مگر نہیں کر سکتا، اس سے میں نے پہچان لیا کہ کوئی دوسری ہستی ہے جو میرے کاموں کو انجام دیتا ہے، میں نے پوچھا: یہ تیرا درود کیا چیز ہے؟ اس نے کہا: میں اپنی ماں کے ساتھ حج کو گیا تھا، میری ماں وہیں رہ گئی (یعنی مرگئی) اس کا منہ کالا ہوگیا اور اس کا پیٹ پھول گیا، جس سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ کوئی بہت بڑا سخت گناہ ہوا ہے اس سے، میں نے اللہ جلّ شانہٗ کی طرف دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو میں نے دیکھا کہ تہامہ (حجاز) سے ایک اَبر[4] آیا، اس سے ایک آدمی ظاہر ہوا، اس نے اپنا مبارک ہاتھ میری ماں کے منہ پر پھیرا، جس سے وہ بالکل روشن ہوگیا اور پیٹ پر ہاتھ پھیرا تو ورم[5] بالکل جاتا رہا، میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کون ہیں کہ میری اور میری ماں کی مصیبت کو دور کیا، انھوں نے فرمایا کہ میں تیرا نبی محمد (ﷺ) ہوں، میں نے عرض کیا: مجھے کوئی وصیت کیجیے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی قدم رکھا کرے یا اُٹھایا کرے ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ'' پڑھا کر۔ [نُزہۃ]

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۴۷) صاحبِ اِحْیَاء نے لکھا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو رہے تھے اور یوں کہہ رہے تھے کہ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! ایک کھجور کا تنہ جس پر سہارا لگا کر آپ منبر بننے سے پہلے خطبہ پڑھا کرتے تھے، پھر جب منبر بن گیا اور آپ اس پر تشریف لے گئے تو وہ کھجور کا تنہ آپ کے فِرَاق[6] سے رونے لگا، یہاں تک کہ آپ نے اپنا دَستِ مُبَارک اس پر رکھا جس سے اس کو سکون ہوا (یہ حدیث کا مشہور قِصّہ ہے) یا رسول اللہ! آپ کی اُمت آپ کے فِرَاق سے رونے کی زیادہ

حل لغات: (۱) ختم۔ (۲) پہچان۔ (۳) توڑنا۔ (۴) بادل۔ (۵) سوجن، پھولنا۔ (۶) جدائی۔

مُستحِق ہے بہ نِسبت اس تنے کے، (یعنی اُمت اپنے سکون کے لیے توجہ کی زیادہ مُحتاج ہے) یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کا عالی مرتبہ اللہ کے نزدیک اس قدر اونچا ہوا کہ اس نے آپ کی اِطاعت① کو اپنی اطاعت قرار دیا، چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ [سورۂ نساء:۸۰] ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی''، یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کی فضیلت اللہ کے نزدیک اتنی اونچی ہوئی کہ آپ سے مُطَالَبہ سے پہلے معافی کی اطلاع فرمادی، چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾ [سورۂ توبہ:۴۳] ''اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے، تم نے ان مُنافِقوں کو جانے کی اجازت دی ہی کیوں''۔ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کا عُلُوِّ② شان اللہ کے نزدیک ایسا ہے کہ آپ اگرچہ زمانہ کے اعتبار سے آخر میں آئے، لیکن انبیاء کی مِیثاق③ میں آپ کو سب سے پہلے ذکر کیا گیا، چنانچہ ارشاد ہے ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ﴾ الاٰیۃ [سورۂ احزاب:۷] یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کی فضیلت کا اللہ کے یہاں یہ حال ہے کہ کافر جہنم میں پڑے ہوئے اس کی تمنّا کریں گے کہ کاش آپ کی اطاعت کرتے اور کہیں گے ﴿يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝۶۶﴾ [سورۂ احزاب] یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! اگر حضرت موسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کو اللہ جلّ شانہٗ نے یہ مُعجِزہ عطا فرمایا ہے کہ پتھر سے نہریں نکال دیں، تو یہ اس سے زیادہ عجیب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اُنگلیوں سے پانی جاری کر دیا (کہ حضور ﷺ کا یہ معجزہ مشہور ہے) یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! کہ اگر حضرت سُلیمان (علیٰ نبینا وعلیہ والصلوٰۃ والسلام) کہ ہَوا ان کو صبح کے وقت میں ایک مہینہ کا راستہ طے کرادے اور شام کے وقت میں ایک مہینہ کا طے کرادے، تو یہ اس سے زیادہ عجیب نہیں کہ آپ کا براق رات کے وقت میں آپ کو ساتویں آسمان سے بھی پرے لے جائے اور صبح کے وقت آپ مکہ مکرمہ واپس آجائیں، '' صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ '' اللہ تعالیٰ ہی آپ پر درود بھیجے، یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! اگر حضرت عیسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ عطا فرمایا کہ وہ مُردوں کو زندہ فرماویں، تو یہ اس سے زیادہ عجیب نہیں کہ ایک بکری جس کے گوشت کے ٹکڑے آگ میں بھون دیے گئے ہوں، وہ آپ سے یہ درخواست کرے کہ آپ مجھے نہ کھائیں اس لیے کہ مجھ میں زہر ملایا گیا ہے، یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے قوم کے لیے یہ ارشاد فرمایا: ﴿رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝۲۶﴾ [سورۂ نوح] ''اے رب! کافروں میں سے زمین پر بسنے والا کوئی نہ چھوڑ'' اگر آپ بھی ہمارے لیے بددعا کر دیتے تو ہم

حل لغات: ① فرمانبرداری۔ ② بلندی۔ ③ عہدوپیمان۔

میں سے ایک بھی باقی نہ رہتا، بے شک کافروں نے آپ کی پُشتِ مبارک[1] کو روندا (کہ جب آپ نماز میں سجدے میں تھے، آپ ﷺ کی پُشتِ مبارک پر اونٹ کا بچہ دان رکھ دیا تھا اور غزوۂ اُحد میں) آپ کے چہرۂ مبارک کو خون آلودہ کیا، آپ کے دَنْدانِ مبارک[2] کو شہید کیا اور آپ نے بجائے بددُعا کے یوں ارشاد فرمایا: ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ'' ''اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما کہ یہ لوگ جانتے نہیں (جاہل ہیں)'' یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کی عمر کے بہت تھوڑے سے حصے میں (کہ نبوت کے بعد تیئیس ہی سال ملے) اتنا بڑا مجمع آپ پر ایمان لایا کہ حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طویل عمر (ایک ہزار برس) میں اتنے آدمی مسلمان نہ ہوئے، (کہ حجۃ الوداع میں ایک لاکھ چوبیس ہزار تو صحابہ رضی اللہ عنہم تھے اور جو لوگ غائبانہ مسلمان ہوئے حاضر نہ ہو سکے، ان کی تعداد تو اللہ ہی کو معلوم ہے) آپ پر ایمان لانے والوں کی تعداد بہت زیادہ سے زیادہ ہے۔ (بخاری کی مشہور حدیث عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَمُ میں ہے ''رَأَيْتُ سَوَادًا كَثِيْرًا سَدَّ الْأُفُقَ'' ''کہ حضور ﷺ نے اپنی امت کو اتنی کثیر تعداد میں دیکھا کہ جس نے سارے جہاں کو گھیر رکھا تھا'') اور حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے بہت تھوڑے ہیں (قرآن پاک میں ہے ﴿وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝۴۰﴾ [سورۂ ہود] یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! اگر آپ اپنے ہم جِنْسُوں[3] ہی کے ساتھ نَشَسْت و بَرْخَواسْت[4] فرماتے تو آپ ہمارے پاس کبھی نہ بیٹھتے، اور اگر آپ نکاح نہ کرتے مگر اپنے ہی ہم مرتبہ سے تو ہمارے میں سے کسی کے ساتھ بھی آپ کا نکاح نہ ہو سکتا تھا، اور اگر آپ اپنے ساتھ کھانا نہ کھلاتے مگر اپنے ہی ہَمسَروں[5] کو تو ہم میں سے کسی کو اپنے ساتھ کھانا نہ کھلاتے، بے شک آپ نے ہمیں اپنے پاس بِٹھایا، ہماری عورتوں سے نکاح کیا، ہمیں اپنے ساتھ کھانا کھلایا، بالوں کے کپڑے پہنے، (عربی) گدھے پر سواری فرمائی اور اپنے پیچھے دوسرے کو بٹھایا اور زمین پر (دسترخوان بچھا کر) کھانا کھایا اور کھانے کے بعد اپنی انگلیوں کو (زبانِ مبارک سے چاٹا) اور یہ سب امور آپ نے تواضع کے طور پر اختیار فرمائے ''صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ'' اللہ تعالیٰ ہی آپ پر درود سلام بھیجے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۴۸) نُزہۃُ البَساتین میں حضرت ابراہیم خَواصؒ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ کو سفر میں پیاس معلوم ہوئی اور شدتِ پیاس سے بیہوش ہو کر گر پڑا، کسی نے میرے منہ پر پانی چھڑکا، میں نے آنکھیں کھولیں تو ایک مردِ حسین خوبُرو[6] کو گھوڑے پر سوار دیکھا، اس نے مجھ کو پانی پلایا اور کہا میرے ساتھ رہو، تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ اُس جوان نے مجھ سے کہا: تم کیا دیکھتے ہو؟ میں نے کہا: یہ مدینہ ہے، اس نے کہا: اُتر جاؤ، میرا اسلام حضرت رسولِ خدا ﷺ سے کہنا اور عرض کرنا آپ کا بھائی خِضر آپ کو سلام کہتا ہے۔

حل لغات: (۱) پیٹھ مبارک۔ (۲) دانت مبارک۔ (۳) اپنے جیسے۔ (۴) اُٹھنا، بیٹھنا۔ (۵) مرتبہ والا، برابر والا۔ (۶) خوبصورت۔

شیخ ابوالخیر اقطعؒ فرماتے ہیں: میں مدینہ منورہ میں آیا، پانچ دِن وہاں قیام کیا، کچھ مجھ کو ذوق[1] ولطف حاصل نہ ہوا، میں قبر شریف کے پاس حاضر ہوا اور حضرت رسولِ خدا ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سلام کیا اور عرض کیا: اے رسول اللہ! آج میں آپ کا مہمان ہوں پھر وہاں سے ہٹ کر منبر کے پیچھے سو رہا، خواب میں حضور سرورِ عالم ﷺ کو دیکھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی داہنی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کی بائیں جانب تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ آپ ﷺ کے آگے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ کو ہلایا اور فرمایا کہ اُٹھ! رسولِ خدا ﷺ تشریف لائے ہیں، میں اُٹھا اور حضرت ﷺ کے دونوں آنکھوں کے درمیان چوما، حضور ﷺ نے ایک روٹی مجھ کو عنایت فرمائی، میں نے آدھی کھائی اور جاگا تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی، یہ شیخ ابوالخیرؒ کا قصہ علّامہ سخاویؒ نے "قولِ بدیع" میں بھی نقل کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ "نُزہۃ" کے ترجمہ میں کچھ تسامُح[2] ہوا۔ "قولِ بدیع" کے الفاظ یہ ہیں "أَقَمْتُ خَمْسَةَ أَيَّامٍ مَا ذُقْتُ ذَوَاقًا" جس کا ترجمہ یہ ہے کہ میں پانچ دن رہا اور مجھے ان دنوں میں کوئی چیز چکھنے کو بھی نہیں ملی، ذوق وشوق حاصل نہ ہونا ترجمہ کا تسامُح ہے۔ اس ناکارہ کے رسالہ "فضائلِ حج" کے زیارتِ مدینہ کے قصوں میں آٹھ پر بھی یہ قصہ گذر چکا ہے اور اس میں اسی نوع[3] کا ایک قصہ تئیس پر ابنُ الجلاء کا بھی "وفاءُ الوفاء" سے گذر چکا ہے اور اس نوع کے اور بھی مُتعَدَّد قصے اکابر کے ساتھ پیش آچکے ہیں جو "وفاءُ الوفاء" میں کثرت سے ذکر کیے گئے ہیں۔ ہمارے حضرت اقدس شیخُ المشائخ مُسندِ ہند امیرُ المومنین فی الحدیث حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نَوَّرَ اللہُ مرقدہٗ اپنے رسالہ "حرزِ ثمین فی مُبَشَّراتِ النَّبی الاَمِین" جس میں انھوں نے چالیس خواب یا مُکاشَفات اپنے یا اپنے والد ماجدؒ کے حضور اقدس ﷺ کی زیارت کے سِلسِلَہ میں تحریر فرمائے ہیں، اس میں نمبر بارہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز مجھے بہت ہی بھوک لگی (نہ معلوم کے دن کا فاقہ ہوگا) میں نے اللہ جلَّ شانہٗ سے دُعا کی تو میں نے دیکھا کہ نبیِ کریم ﷺ کی رُوحِ مُقَدَّس آسمان سے اُتری اور حضور اقدس ﷺ کے ساتھ ایک روٹی تھی، گویا اللہ جلَّ شانہٗ نے حضور ﷺ کو ارشاد فرمایا تھا کہ یہ روٹی مجھے مرحمت فرمائیں۔ نمبر تیرہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن مجھے رات کو کھانے کو کچھ نہیں ملا، تو میرے دوستوں میں سے ایک شخص دُودھ کا پیالہ لایا، جس کو میں نے پیا اور سو گیا، خواب میں نبیِ کریم ﷺ کی زیارت ہوئی، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ دودھ میں نے ہی بھیجا تھا یعنی میں نے توجہ سے اس کے دل میں یہ بات ڈالی تھی کہ وہ دودھ لے کر جائے [اھ]۔ اور جب اکابر صوفیہ کی توجُّہات مَعْرُوف[4] ومُتَوَاتِر ہیں تو پھر سید الاوّلین والآخرین ﷺ کی توجہ کا کیا پوچھنا۔ حضرت شاہ صاحبؒ پندرہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ میرے والد نے مجھ سے بتایا کہ وہ ایک دفعہ بیمار ہوئے، تو خواب میں نبیِ کریم ﷺ کی زیارت ہوئی، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے بیٹے! کیسی طبیعت ہے؟ اس کے بعد شِفَا کی بَشَارَت عطا

حل لغات: (۱) مزہ۔ (۲) غلطی، سہو۔ (۳) قسم۔ (۴) مشہور۔

فرمائی اور اپنی داڑھی مبارک میں سے دو بال مرحمت فرمائے، مجھے اسی وقت صحّت ہوگئی اور جب میری آنکھ کھلی تو وہ دونوں بال میرے ہاتھ میں تھے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ والد صاحب نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ نے ان دو بالوں میں سے ایک مجھے مَرحَمَتْ فرمایا تھا۔ اسی طرح شاہ صاحبؒ نمبر اٹھارہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ اِبتِداءِ طَالِبِ عِلمی میں مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں، مگر مجھے اس میں علماء کے اختلاف کی وجہ سے تَرَدُّد[1] تھا کہ ایسا کروں یا نہ کروں، میں نے خواب میں نبیٔ کریم ﷺ کی زیارت کی، حضورِ اقدس ﷺ نے مجھے خواب میں ایک روٹی مرحمت فرمائی، حضراتِ شیخین وغیرہ تشریف فرما تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اَلْهَدَایَا مُشْتَرَکَةٌ“، میں نے وہ روٹی ان کے سامنے کردی، انہوں نے ایک ٹکڑا توڑ لیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اَلْهَدَایَا مُشْتَرَکَةٌ“ میں نے وہ روٹی ان کے سامنے کردی، انہوں نے بھی ایک ٹکڑا توڑ لیا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اَلْهَدَایَا مُشْتَرَکَةٌ“، میں نے عرض کیا: اگر یہی ”اَلْهَدَایَا مُشْتَرَکَةٌ“، رہا یہ روٹی تو اسی طرح تقسیم ہو جائے گی، مجھ فقیر کے پاس کیا بچے گا۔ حِرزِ ثمین میں تو یہ قصہ اتنا ہی لکھا ہے، لیکن حضرتؒ کی دوسری کتاب ”اَنفاسُ العارفین“ میں کچھ اور بھی تفصیل ہے، وہ یہ کہ میں نے سونے سے اُٹھنے کے بعد اس پر غور کیا کہ اس کی کیا وجہ کہ حضراتِ شیخین کے کہنے پر تو میں نے روٹی ان کے سامنے کردی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فرمانے پر انکار کردیا؟ میرے ذہن میں اس کی وجہ یہ آئی کہ میری نِسبَتِ نَقشَبَندِیہ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ملتی ہے اور میرا سِلسِلۂ نَسَب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، اس لیے ان دونوں حضرات کے سامنے تو مجھے انکار کی جُرأت نہیں ہوئی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے میرا نہ تو سِلسِلۂ سُلوک ملتا تھا، نہ سلسلۂ نسب، اس لیے وہاں بولنے کی جُرأت ہوگئی۔ یہ حدیث ”الهدایا مُشترَکة“ والی مُحَدِّثِینْ کے نزدیک تو مُتَکَلَّم فیہ ہے اور اس کے متعلق اپنے رسالہ ”فَضَائِلِ حج“ کے ختم پر بھی دو قصے: ایک قصہ ایک بزرگ کا اور دوسرا قصہ حضرت امام ابو یوسف فقیہ الامتؒ کا لکھ چکا ہوں۔ اس جگہ اس حدیث سے تَعَرُّض[2] نہیں کرنا تھا، اس جگہ تو یہ بیان کرنا تھا کہ أَجْوَدُ النَّاسِ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ عَلَیْهِ أَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَالتَّسْلِیْمِ کی اُمت پر مَادِّی[3] بَرَکات بھی روز افزوں[4] ہیں۔ حضرت شاہ صاحب اپنے رسالہ ”حِرزِ ثمین“ میں نمبر اُنیس پر تحریر فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے ارشاد فرمایا کہ وہ رمضان المبارک میں سفر کر رہے تھے، نہایت شدید گرمی تھی جس کی وجہ سے بہت ہی مُشقَّت اُٹھانی پڑی، اسی حالت میں مجھے اونگھ آ گئی تو نبیٔ کریم ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی، حضور ﷺ نے بہت ہی لذیذ کھانا جس میں چاول اور میٹھا اور زعفران اور گھی خوب تھا (نہایت لذیذ زَردَہ) مرحمت فرمایا، جس کو خوب[5] سیر ہو کر کھایا، پھر حضور ﷺ نے پانی مرحمت فرمایا جس کو خوب سیر ہو کر پیا،

حل لغات: (۱) پس وپیش۔ (۲) یعنی اس حدیث کا ذکر نہیں کرنا تھا۔ (۳) دنیاوی چیزیں۔ (۴) دن بدن زیادہ۔ (۵) پیٹ بھرنا۔

جس سے بھوک پیاس سب جاتی رہی اور جب آنکھ کھلی تو میرے ہاتھوں میں سے زعفران کی خوشبو آرہی تھی۔[اھ] ان قصوں میں کچھ تردُّد[1] نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ احادیثِ صَومِ وِصال میں ''إِنِّيْ يُطْعِمُنِيْ رَبِّيْ وَ يَسْقِيْنِيْ'' (مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے) میں ان چیزوں کا مَاخَذ[2] اوراصل موجود ہے اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد ''إِنِّي لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ'' (کہ میں تم جیسا نہیں ہوں) عوام کے اعتبار سے ہے، اگر کسی خوش نصیب کو یہ کرامت حاصل ہو جائے تو کوئی مانع[3] نہیں۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ کراماتِ اولیاء حق ہیں۔ قرآن پاک میں حضرت مریم علیہا السلام کے قصہ میں ﴿ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ﴾ الاٰیۃ [سورۂ آل عمران: ۳۷] وارد ہے، یعنی جب بھی حضرت زکریا علیہ السلام ان کے پاس تشریف لے جاتے تو ان کے پاس کھانے پینے کی چیزیں پاتے اور ان سے دریافت فرماتے کہ اے مریم! یہ چیزیں تمہارے پاس کہاں سے آئیں؟ وہ کہتیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئی ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے استحقاق[4] رزق عطا فرماتے ہیں۔ ''دُرِّ مَنْثور'' کی روایات میں اس رزق کی تفاصیل وارد ہوئی ہیں کہ بغیر موسم کے انگوروں کی زنبیل[5] بھری ہوئی ہوتی تھی اور گرمی کے زمانہ میں سردی کے پھل اور سردی کے زمانہ میں گرمی کے پھل۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۴۹) نُزہۃُ المجالس میں ایک عجیب قصہ لکھا ہے کہ رات اور دن میں آپس میں مناظرہ ہوا کہ ہم میں سے کون سا افضل ہے؟ دِن نے اپنی افضلیت کے لیے کہا کہ میرے میں تین فرض نمازیں ہیں اور تیرے میں دو، اور مجھ میں جمعہ کے دن ایک سَاعَتِ اِجَابَت[6] ہے، جس میں آدمی جو مانگے وہ ملتا ہے (یہ صحیح اور مشہور حدیث ہے) اور میرے اندر رمضان المبارک کے روزے رکھے جاتے ہیں، تُو لوگوں کے لیے سونے اور غفلت کا ذریعہ ہے اور میرے ساتھ تیقُّظ[7] اور چوکنّا پن ہے اور مجھ میں حرکت ہے اور حرکت میں برکت ہے اور میرے میں آفتاب نکلتا ہے جو ساری دُنیا کو روشن کر دیتا ہے۔ رات نے کہا کہ اگر تو اپنے آفتاب[8] پر فخر کرتا ہے، تو میرے آفتاب اللہ والوں کے قلوب[9] ہیں، اہلِ تہجد اور اللہ کی حکمتوں میں غور کرنے والوں کے قلوب ہیں، تو اُن عاشقوں کی شراب تک کہاں پہونچ سکتا ہے، جو خَلوَت[10] کے وقت میں میرے ساتھ ہوتے ہیں، تو مِعْراج کی رات کا کیا مُقابلہ کرسکتا ہے؟ تو اللہ جلَّ شانہٗ کے پاک ارشاد کا کیا جواب دے گا جو اس نے اپنے پاک رسول سے فرمایا ﴿ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ﴾ [سورۂ اسراء: ۷۹] کہ ''رات کو تہجد پڑھیے جو بطورِ نافلہ کے ہے آپ کے لیے''، اللہ نے مجھے تجھ سے پہلے پیدا کیا، میرے

حل لغات: (۱) شک، شبہ۔ (۲) کسی چیز کے نکلنے کی جگہ۔ (۳) رکاوٹ۔ (۴) بغیر حق، بغیر قابلیت۔ (۵) جھولا، ٹوکری۔ (۶) دعا قبول ہونے کی گھڑی۔ (۷) جاگنا۔ (۸) سورج۔ (۹) دل۔ (۱۰) تنہائی۔

اندر لَیْلَةُ الْقَدْر ہے جس میں مالک کی نہ معلوم کیا کیا عطائیں ہوتی ہیں، اللہ کا پاک ارشاد ہے کہ وہ ہر رات کے آخری حصہ میں یوں ارشاد فرماتا ہے: کوئی ہے مانگنے والا جس کو دوں؟ کوئی ہے توبہ کرنے والا جس کی توبہ قبول کروں؟ کیا تجھے اللہ کے اس پاک ارشاد کی خبر نہیں ﴿ يَآ اَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ﴾ [سورۂ مزمل] کیا تجھے اللہ کے اس پاک ارشاد کی خبر نہیں کہ جس میں اللہ نے ارشاد فرمایا: ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا ﴾ [سورۂ اسراء:۱] پاک ہے وہ ذات جو رات کو لے گیا اپنے بندے کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک۔ فقط۔ یقیناً حضور اقدس ﷺ کے مُعجزات میں معراج کا قصہ بھی ایک بڑی اہمیت اور بڑی خصوصیت رکھتا ہے۔ قَاضِی عَیَاض ؒ ''شِفَاء'' میں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے فضائل میں معراج کی کرامت بہت ہی اہمیت رکھتی ہے اور بہت ہی فضائل کو مُتَضَمِّن[۱] ہے: اللہ جلّ شانہٗ سے سرگوشی[۲]، اللہ تعالیٰ شانہٗ کی زیارت، انبیاء کرام علیہم السلام کی اِمَامَتْ اور سِدْرَۃُ الْمُنْتَہیٰ تک تشریف بَرِی ﴿ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ۝۱۸ ﴾ [سورۂ نجم] کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی بڑی بڑی نشانیوں کی سَیر۔ یہ معراج کا قصہ حضور اقدس ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے اور اس قصہ میں جتنے درجاتِ رَفیعہ[۳] جن پر قرآن پاک اور احادیثِ صحیحہ میں روشنی ڈالی گئی ہے، یہ سب حضور اقدس ﷺ کی خصوصیات ہیں۔ اس قصہ کو صاحب قَصِیدۂ بُردَہ نے مختصراً لکھا ہے اور جس کو حضرت تھانوی نوّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ نے مع ترجمہ کے ''نَشْرُ الطِّیب'' میں ذکر کیا ہے، اسی سے یہاں نقل کیا جاتا ہے:

من القصيدة

(۱) سَرَيْتَ مِنْ حَرَمٍ لَيْلًا إِلٰى حَرَمٍ   كَمَا سَرَى الْبَدْرُ فِيْ دَاجٍ مِّنَ الظُّلَمِ

''آپ ﷺ ایک شب میں حرم شریفِ مکہ سے حرمِ مُحْتَرم مسجدِ اقصیٰ تک (باوجودیکہ ان میں فاصلہ چالیس روز کے سفر کا ہے) ایسے ظاہر و باہر، تیز رَو کمالِ نورانیت وارتفاعِ[۴] کدورت کے ساتھ تشریف لے گئے جیسا کہ بَدْر[۵] تاریکی کے پَردہ میں نہایت دُرَخْشَانِی[۶] کے ساتھ جاتا ہے''۔

(۲) وَبِتَّ تَرْقٰى إِلٰى أَنْ نِّلْتَ مَنْزِلَةً   مِنْ قَابَ قَوْسَيْنِ لَمْ تُدْرَكْ وَلَمْ تُرَمِ

''اور آپ ﷺ نے بَحالتِ ترقی رات گذاری اور یہاں تک ترقی فرمائی کہ ایسا قربِ الٰہی حاصل کیا، جس پر مُقَرَّبانِ درگاہ خداوندی سے کوئی نہیں پہونچایا گیا تھا، بلکہ اس مرتبہ کا بَسَبَبِ غایتِ[۷] رُفعت کسی نے قَصْد[۸] بھی نہیں کیا تھا''۔

حل لغات: (۱) شامل۔ (۲) چپکے چپکے بات کرنا۔ (۳) بلند۔ (۴) یعنی سکون واطمینان کے ساتھ۔ (۵) چاند۔ (۶) چمک دمک۔ (۷) انتہائی بلند ہونے کی وجہ سے۔ (۸) ارادہ کرنا۔

(۳) وَقَدَّمَتْكَ جَمِيْعُ الْأَنْبِيَاءِ بِهَا   وَالرُّسْلِ تَقْدِيْمَ مَخْدُوْمٍ عَلٰى خَدَمِ

''اور آپ ﷺ کو مسجدِ بَیْتُ الْمَقْدِس میں تمام انبیاء و رُسل علیہم السلام نے اپنا اِمام و پیشوا بنایا، جیسا مخدوم خادموں کا امام و پیشوا ہوتا ہے''۔

(۴) وَأَنْتَ تَخْتَرِقُ السَّبْعَ الطِّبَاقَ بِهِمْ   فِيْ مَوْكَبٍ كُنْتَ فِيْهِ صَاحِبَ الْعَلَمِ

''(اور مِنْجُمْلَہ آپ ﷺ کی ترقیات کے یہ اَمر ہے کہ) آپ ﷺ سات آسمانوں کو طے کرتے جاتے تھے جو ایک دوسرے پر ہے ایسے لشکرِ مَلَائِکہ میں (جو بلحاظ آپ کی عظمت و شان و تالیفِ[۱] قلبِ مبارک آپ ﷺ کے ہمراہ تھا اور) جس کے سردار اور صاحبِ[۲] عَلَم آپ ﷺ ہی تھے''۔

(۵) حَتّٰى إِذَا لَمْ تَدَعْ شَأْوًا لِمُسْتَبِقٍ   مِنَ الدُّنُوِّ وَلَا مَرْقًا لِمُسْتَنِمِ

''(آپ ﷺ رتبۂ عالی کی طرف برابر ترقی کرتے رہے اور آسمانوں کو برابر طے کرتے رہے) یہاں تک کہ جب آگے بڑھنے والے کی قُرب و مَنْزِلَت کی نہایت نہ رہی اور کسی طالبِ[۳] رُفعت کے واسطے کوئی موقع ترقی کا نہ رہا تو''۔

(۶) خَفَضْتَ كُلَّ مَكَانٍ بِالْإِضَافَةِ إِذْ   نُوْدِيْتَ بِالرَّفْعِ مِثْلَ الْمُفْرَدِ الْعَلَمِ

''(جس وقت آپ ﷺ کی ترقیات نہایت درجہ کو پہونچ گئیں تو آپ ﷺ نے ہر مقامِ انبیاء کو یا ہر صاحبِ مقام کو) بہ نِسْبَت اپنے مرتبہ کے جو خداوند تعالیٰ سے عنایت ہوا پَست کر دیا جبکہ آپ ''اُدْنُ'' (یعنی قریب آجا) کہہ کر واسطے ترقیٔ مرتبہ کے مِثْلِ یکتا و نامور شخص کے پکارے گئے''۔

(۷) كَيْمَا تَفُوْزَ بِوَصْلٍ أَيِّ مُسْتَتِرٍ   عَنِ الْعُيُوْنِ وَسِرٍّ أَيِّ مُكْتَتَمِ

(''یہ ندا'' یا محمد'' کی اس لیے تھی) تا کہ آپ ﷺ کو وہ وَصل حاصل ہو جو نہایت درجہ آنکھوں سے پوشیدہ تھا (اور کوئی مخلوق اس کو دیکھ نہیں سکتی اور تا کہ آپ ﷺ کامیاب ہوں اس اچھے بھید سے جو غایت مرتبہ پوشیدہ ہے''۔ [عطر الوردہ]

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا   عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

یہاں تک تو حضرت نے قصیدۂ بُرْدَہ سے مِعْرَاج کا قصہ نقل فرمایا اور عطر الوردہ جو قصیدہ بُرْدَہ کی اُردو شرح حضرت شیخ الہند مولانا الحاج محمود الحسن صاحب دیوبندی قدس سرہٗ کے والد ماجد حضرت مولانا ذوالفقار علیؒ کی ہے، اس سے ترجمہ نقل کیا، اس کے بعد آخری شعر یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ...اِلخ تحریر فرما کر اپنی طرف سے عِبَارتِ ذَیل کا اِضافہ کیا ہے:

وَلْنَخْتِمُ الْكَلَامَ عَلٰى وَقْعَةِ الْإِسْرَاءِ   بِالصَّلٰوةِ عَلٰى سَيِّدِ أَهْلِ الْإِصْطِفَاءِ

حل لغات: (۱) دل بستگی، دل جوئی۔ (۲) جس کے ہاتھ میں جھنڈا ہو، مراد سردار۔ (۳) بلندی چاہنے والا۔

وَاٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَهْلِ الْإِجْتِبَاءِ　　مَا دَامَتِ الْأَرْضُ وَالسَّمَاءِ

جس کا ترجمہ یہ ہے: ''ہم ختم کرتے ہیں معراج والے قصہ پر کلام کو درود شریف کے ساتھ، اس ذات پر جو سردار ہے سارے بَرگُزِیدہ[1] لوگوں کی اور ان کے آل واصحاب پر جو مُنتخَب[2] ہستیاں ہیں، جب تک کہ آسمان اور زمین قائم رہیں۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا　　عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

(۵۰) اس سیاہ کار کو ان فَضَائِل کے رَسَائِل لکھنے کے زمانہ میں بعض مرتبہ خود کو اور بعض مرتبہ بعض دوسرے احباب کو کچھ مَنَامَات[3] اور مُبَشِّرَات[4] بھی آئے۔ اس رسالہ فضائل درود کے لکھنے کے زمانہ میں ایک رات خواب میں یہ دیکھا کہ مجھے یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ اس رسالہ میں قصیدہ ضرور لکھیو، لیکن قصیدہ کی تعیین نہیں معلوم ہوسکی، البتہ خود اس ناکارہ کے ذہن میں خواب ہی میں یا جاگتے وقت دوخوابوں کے درمیان میں، اس لیے کہ اسی وقت دوبارہ بھی اسی قسم کا خواب دیکھا تھا، یہ خیال آیا کہ اس کا مِصْدَاق[5] مولانا جامی نَوَّرَاللّٰہ مَرقدہٗ کی وہ مشہور نعت ہے جو یوسف زلیخا کے شروع میں ہے۔ جب اس ناکارہ کی عمر تقریباً دس گیارہ سال کی تھی، گنگوہ میں اپنے والد صاحبؒ سے یہ کتاب پڑھی تھی، اسی وقت ان کی زبانی اس کے متعلق ایک قصہ بھی سنا تھا اور وہ قصہ ہی خواب میں اس کی طرف ذہن کے مُنتقِل ہونے کا داعیہ بنا۔

ملا جامیؒ کا ایک عجیب وغریب قصہ

قصہ یہ سنا تھا کہ مولانا جامی نَوَّرَاللّٰہ مَرقدہٗ واَعْلَی اللّٰہ مَرَاتِبَہٗ یہ نعت کہنے کے بعد جب ایک مرتبہ حج کے لیے تشریف لے گئے، تو ان کا ارادہ یہ تھا کہ روضۂ اَقْدَس کے پاس کھڑے ہو کر اس نظم کو پڑھیں گے، جب حج کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری کا ارادہ کیا تو اَمِیرِ[6] مکہ نے خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت کی، حضور اقدس ﷺ نے خواب میں ان کو یہ ارشاد فرمایا کہ اس کو (جامی کو) مدینہ نہ آنے دیں۔ امیرِ مکہ نے مُمَانَعَت کر دی، مگر ان پر جذب وشوق اس قدر غالب تھا کہ یہ چُھپ کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیے۔ امیرِ مکہ نے دوبارہ خواب دیکھا، حضور ﷺ نے فرمایا: وہ آرہا ہے اس کو یہاں نہ آنے دو۔ امیر نے آدمی دوڑائے اور ان کو راستہ سے پکڑوا کر بلایا، ان پر سختی کی اور جیل خانہ میں ڈال دیا۔ اس پر امیر کو تیسری مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ کوئی مُجْرِم نہیں بلکہ اس نے کچھ اَشْعَار کہے ہیں، جن کو یہاں آکر میری قبر پر کھڑے ہو کر پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے، اگر ایسا ہوا تو قبر سے مُصَافَحَہ کے لیے ہاتھ نکلے گا جس میں فِتنَہ ہوگا، اس پر ان کو جیل سے نکالا گیا اور بہت اعزاز واکرام کیا گیا۔ اس قصہ کے سننے میں یا یاد میں تو اس ناکارہ کو تَرَدُّد[7] نہیں، لیکن اس وقت اپنے ضُعفِ[8] بینائی اور امراض کی وجہ سے مُرَاجَعَت[9] کتب سے معذوری ہے۔

حل لغات: (۱) نیک۔ (۲) پسندیدہ، برگزیدہ۔ (۳) خواب۔ (۴) خوشخبریاں۔ (۵) مراد۔ (۶) حاکم، سردار۔ (۷) شک۔ (۸) نظر کی کمزوری۔ (۹) کتابوں کے دیکھنے۔

ناظرین میں سے کسی کو کسی کتاب میں اس کا حوالہ اس ناکارہ کی زندگی میں ملے تو اس ناکارہ کو بھی مُطّلع فرما کر ممنون فرمائیں اور مرنے کے بعد اگر ملے تو حاشیہ اِضافہ[1] فرما دیں۔ اس قصہ ہی کی وجہ سے اس ناکارہ کا خیال اس نعت کی طرف گیا تھا اور اب تک یہی ذہن میں ہے اور اس میں کوئی اِستِبعاد[2] نہیں۔ سَیِّد اَحمد رِفَاعیؒ مشہور بزرگ اکابرِ صوفیہ میں سے ہیں۔ ان کا قصہ مشہور ہے کہ جب ۵۵۵ھ میں وہ زیارت کے لیے حاضر ہوئے اور قبر اطہر کے قریب کھڑے ہوکر دو شعر پڑھے، تو دَستِ مُبارک[3] باہر نکلا اور انھوں نے اس کو چوما۔ اس ناکارہ کے رسالہ ''فضائل حج'' کے حکایات زیارتِ مدینہ کے سلسلہ میں نمبر تیرہ پر یہ قصہ مُفَصَّل علامہ سیوطیؒ کی کتاب ''الحاوی'' سے گذر چکا ہے۔ اور بھی مُتَعَدِّد قصے اس میں روضۂ اقدس سے سلام کا جواب ملنے کے ذکر کیے گئے ہیں۔ بعض دوستوں کا خیال یہ ہے کہ میرے خواب کا مِصداق[4] قصیدۂ بُردہ ہے، اسی لیے اس سے پہلے نمبر پر چند اَشعار اس سے بَسِلسِلۂ معراج نقل کر دیے اور بعض دوستوں کی رائے یہ ہے کہ حضرت نانوتوی نَوَّرَ اللہ مرقدہٗ کے قَصَائِد میں سے کوئی قصیدہ مُراد ہے، اس لیے خیال ہے کہ مولانا جامیؒ کی نعت کے بعد حضرت اقدس مولانا نانوتوی نَوَّرَ اللہُ مَرقَدہٗ کے قصائِدِ قاسمی میں سے بھی کچھ اَشعار نقل کر دوں اور انھیں پر اس رسالہ کو ختم کر دوں۔ [وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ]

مولانا جامیؒ کا قصیدہ فارسی میں ہے اور ہمارے مدرسہ کے ناظم مولانا الحاج اسعد اللہ صاحبؒ فارسی سے خصوصیت کے ساتھ ساتھ اَشعار سے بھی خصوصی مُناسَبت رکھتے ہیں اور حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب نَوَّرَ اللہ مرقدہٗ کے جلیلُ القدر خلفاء میں ہیں، جس کی وجہ سے عِشقِ نبوی کا جذبہ بھی جتنا ہو بَرمَحَل[5] ہے، اس لیے میں نے مولانا موصوف سے درخواست کی تھی کہ وہ اس کا ترجمہ فرماویں جو اس نعت کی شان کے مُناسِب ہو، مولانا نے اس کو قبول فرمالیا، اس لیے ان اشعار کے بعد ان کا ترجمہ بھی پیش کر دیا جائے گا اور اس کے بعد قصائِدِ قاسمی کے چند اشعار لکھ دیے جائیں گے۔

مثنوی مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ

زمہجوری بر آمد جانِ عالم	①	تَرَحَّمْ یانبی اللہ ترحم
نہ آخر رحمۃٌ للعالمینی	②	زمحروماں چرا غافل نشینی
زخاک اے لالۂ سیراب برخیز	③	چونرگس خواب چند از خواب برخیز
بروں آور سر از بُردِ یمانی	④	کہ روئے تُست صبح زندگانی
شب اندوہ مارا روز گرداں	⑤	زرویت روزما فیروز گرداں
بہ تن در پوش عنبر بوئے جامہ	⑥	بسر بربند کافوری عمامہ

حل لغات: ① زیادہ۔ ② دوری۔ ③ مبارک ہاتھ۔ ④ مراد۔ ⑤ صحیح۔

فرود آویز از سر گیسواں را	۷	فگن سایہ بیا سرِو رواں را
اَوِیم طائفے نعلین پاکُن	۸	شراک از رشتۂ جان ہائے ماکُن
جہانے دیدہ کردہ فرش رہ اند	۹	چو فرش اقبالِ پابوس تو خواہند
زحجرہ پائے درصحن حرم نہ	۱۰	بفرق خاکِ رہ بوساں قدم نہ
بدہ دستی زپا افتادگاں را	۱۱	بکن دلدارئے دِل دادگاں را
اگرچہ غرق دریائے گناہم	۱۲	فتادہ خشک لب بر خاک راہم
تو اَبر رحمتی آں بہ کہ گاہے	۱۳	کنی بر حال لب خشکاں نگاہے
خوشا کز گرد رہ سویت رسیدیم	۱۴	بدیدہ گرد از کویت کشیدیم
بمسجد سجدۂ شکرانہ کردیم	۱۵	چراغت راز جاں پروانہ کردیم
بگردِ روضہ ات گشتیم گستاخ	۱۶	دلم چوں پنجرۂ سوراخ سوراخ
زدیم از اشک ابر چشم بے خواب	۱۷	حریمِ آستاں روضہ ات آب
گہے رفتیم زاں ساحت غبارے	۱۸	گہے چیدیم زو خاشاک و خارے
ازاں نورِ سوادِ دیدہ دادیم	۱۹	وزیں برریش دل مرہم نہادیم
بسوئے منبرت رہ بر گرفتیم	۲۰	زچہرہ پایہ اش در زر گرفتیم
زمحرابت بسجدہ کام جُستیم	۲۱	قدم گاہت بخون دیدہ شستیم
بپائے ہرستوں قدر است کردیم	۲۲	مقام راستاں درخواست کردیم
زداغ آرزویت بادلِ خوش	۲۳	زدیم ازدل بہر قندیل آتش
کنوں گرتن نہ خاک آں حریم ست	۲۴	بحمد اللہ کہ جاں آں جا مقیم ست
بخود در ماندہ ام از نفس خود رائے	۲۵	ببیں در ماندۂ چندیں بہ بخشائے
اگر نہ بود چو لطف دست یار ے	۲۶	زدست ما نیاید ، ہیچ کارے
قضامی افگند از راہ مارا	۲۷	خدا را از خدا در خواہ مارا
کہ بخشد از یقیں اول حیاتے	۲۸	دہد آنگہ بکارویں ثباتے
چو ہَول روز رُستا خیز خیزد	۲۹	بآتش آبروئے مانہ ریزد
کند با ایں ہمہ گمراہئ ما	۳۰	ترا اذنِ شفاعت خواہئ ما
چو چوگاں سر فگندہ آوری روے	۳۱	بمیدانِ شفاعت اُمتی گوے
بحسن اہتمامت کارِ جامی	۳۲	طفیل دیگراں یابد تمامی

ترجمہ از حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم خلیفہ مُجازِ بَیْعَت اَزْ حکیم الامت حضرت مولانا الحاج اشرف علی صاحب تھانوی نَوَّرَ اللہ مرقدہٗ۔

① آپ کے فِراق سے کائناتِ عالم کا ذرّہ ذرّہ جاں بَلَب[1] ہے اور دم توڑ رہا ہے۔ اے رسولِ خدا! نگاہِ کرم فرمائیے۔ اے ختم المرسلین! رحم فرمائیے۔

② آپ یقیناً رحمۃ اللعالمین ہیں۔ ہم حِرمَاں[2] نصیبوں اور ناکامانِ قِسمت سے آپ کیسے تغَافُل[3] فرما سکتے ہیں؟۔

③ اے لالۂ[4] خوش رنگ[5]! اپنی شادابی[6] وسَیرابی سے عالم کو مُستَفِید[7] فرمائیے اور خوابِ[8] نرگسیں[9] سے بیدار ہو کر ہم محتاجانِ ہدایت کے قلوب کو مُنَوَّر فرمائیے۔

اَے بَسرا پَردَہ یَثرِب بخَواب — خیز کہ شُد مَشرِق ومَغرِب خَراب

④ اپنے سر مبارک کو یمنی چادروں کے کفن سے باہر نکالیے، کیونکہ آپ کا روئے انور[10] صبح زندگانی ہے۔

⑤ ہماری غمناک[11] رات کو دن بنا دیجیے اور اپنے جمالِ جہاں[12] آرا سے ہمارے دن کو فیروزمندی[13] و کامیابی عطا کر دیجیے۔

⑥ جسمِ اطہر پر حسبِ عادت عنبر بیز[14] لباس آراستہ فرمائیے اور سفید کافوری عمامہ زیب سر فرمائیے۔

⑦ اپنی عنبر بار و مُشکیں[15] زلفوں کو سر مبارک سے لٹکا دیجیے، تاکہ ان کا سایہ آپ کے بابرکت قدموں پر پڑے (کیونکہ مشہور ہے کہ قامتِ اطہر و جسمِ انور کا سایہ نہ تھا، لہٰذا گیسوئے[16] شبگوں[17] کا سایہ ڈالیے)۔

⑧ حسبِ دستور طائف کے مشہور چمڑے کی مبارک نعلین[18] پہنیے اور ان کے تسمے[19] اور پٹیاں ہمارے رشتۂ جاں[20] سے بنائیے۔

⑨ تمام عَالَم اپنے دیدہ[21] و دل کو فرشِ راہ[22] کیے ہوئے اور بچھائے ہوئے ہے اور فرشِ زمین کی طرح آپ کی قدم بوسی[23] کا فخر حاصل کرنا چاہتا ہے۔

⑩ حُجرۂ شریف یعنی گُنبدِ خَضرا سے باہر آ کر صَحنِ حرم میں تشریف رکھیے، راہِ مبارک کے خاک بوسوں[24] کے سر پر قدم رکھیے۔

⑪ عاجزوں کی دستگیری[25]، بے کسوں کی مدد فرمائیے اور مُخلِص عُشّاق کی دلجوئی و دلداری کیجیے۔

حل لغات: ① مرنے کے قریب۔ ② بدقسمت۔ ③ غفلت، بے پروائی۔ ④ ایک قسم کا سرخ پھول۔ ⑤ اچھا رنگ۔ ⑥ نرم و تازگی۔ ⑦ فائدہ پہونچائیے۔ ⑧ نیند۔ ⑨ ایک قسم کا پھول جس کو شاعر لوگ آنکھ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ ⑩ چہرۂ مبارک۔ ⑪ اداس۔ ⑫ دنیا کو سجانے والا۔ ⑬ کامیابی۔ ⑭ عنبر کی خوشبو والا۔ ⑮ مشک کی خوشبو والا۔ ⑯ سر کے لمبے بال۔ ⑰ رات کی طرح۔ ⑱ جوتے۔ ⑲ جوتے میں چمڑے کی پٹی۔ ⑳ سانس لینے کا سلسلہ۔ ㉑ نظر، نگاہ۔ ㉒ راستے بچھاتے ہوئے۔ ㉓ قدم چومنا۔ ㉔ زمین چومنے والا۔ ㉕ مدد۔

(۱۲) اگر چہ ہم گناہوں کے دریا میں از سر[۱] تا پا غرق[۲] ہیں، لیکن آپ کی راہِ مبارک پر تشنہ[۳] وخشک لب[۴] پڑے ہیں۔

(۱۳) آپ ابرِ[۵] رحمت ہیں، شایانِ شان گرامی ہے کہ پیاسوں اور تشنہ لبوں پر ایک بار نگاہِ کرم ڈالی جائے۔

اب اگلے اشعار کے ترجمہ سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اکثر حضرات کا تو خیال ہے کہ حضرت جامیؒ یہاں سے زمانۂ گذشتہ کی زیارتِ مُقدَّسہ کا حال بیان فرماتے ہیں اور بعض کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ آئندہ کے لیے تمنّا فرما رہے ہیں، حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ کا رجحان اسی طرف ہے اسی لیے اب ترجمہ میں اس کی رعایت کی جائے گی۔

(۱۴) ہمارے لیے کیسا اچھا وقت ہوتا کہ ہم گردِ[۶] راہ سے آپ کی خدمت گرامی میں پہونچ جاتے اور آنکھوں میں آپ کے کوچہ[۷] مبارک کی خاک کا سُرمہ لگاتے۔

وہ دِن خدا کرے کہ مدینہ کو جائیں ہم　　　خاکِ درِ رسول کا سُرمہ لگائیں ہم

(۱۵) مسجدِ نبوی میں دوگانۂ شکر ادا کرتے، سجدۂ شکر بجالاتے، روضۂ اقدس کی شمعِ[۸] روشن کا اپنی جانِ حزیں[۹] کو پَروانہ بناتے۔

(۱۶) آپ کے روضۂ اطہر اور گُنبدِ خضرا کے اس حال میں مَستانہ اور بے تابانہ چکّر لگاتے کہ دل صدمہائے[۱۰] عشق اور وفورِ[۱۱] شوق سے پاش پاش[۱۲] اور چھلنی ہوتا۔

(۱۷) حَریمِ قُدس اور رَوضۂ پُرنور کے آستانۂ[۱۳] محترم پر اپنی بے خواب آنکھوں کے بادلوں سے آنسو برساتے اور چھڑکاؤ کرتے۔

(۱۸) کبھی صحن حرم میں جھاڑو دے کر گردوغُبار کو صاف کرنے کا فخر اور کبھی وہاں کے خَس وخاشاک[۱۴] کو دُور کرنے کی سعادت حاصل کرتے۔

(۱۹) گو[۱۵] گردوغبار سے آنکھوں کو نقصان پہونچتا ہے، مگر ہم اس سے مَردُمکِ[۱۶] چشم کے لیے سامانِ روشنی مہیا کرتے اور گو خس وخاشاک زخموں کے لیے مضر[۱۷] ہے مگر ہم اس کو جراحتِ[۱۸] دِل کے لیے مرہم بناتے۔

(۲۰) آپ کے منبر شریف کے پاس جاتے اور اس کے پائے مبارک کو اپنے عاشقانہ زرد[۱۹] چہرے سے مَل مَل کر زرّیں[۲۰] وطلائی[۲۱] بناتے۔

(۲۱) آپ کے مصلائے مبارک ومحراب شریف میں نماز پڑھ پڑھ کر تمنائیں پوری کرتے اور حقیقی مقاصد

حل لغات: (۱) سر سے پاؤں تک۔ (۲) ڈوبنا۔ (۳) پیاسا۔ (۴) سوکھے ہونٹ۔ (۵) بادل۔ (۶) راستے کا غبار۔ (۷) محلّہ، گلی۔ (۸) روشن، موم بتی۔ (۹) غمگین جان۔ (۱۰) چوٹ۔ (۱۱) زیادتی، کثرت۔ ۱۲ ٹکڑے ٹکڑے۔ (۱۳) چوکھٹ۔ (۱۴) کوڑا کرکٹ۔ (۱۵) اگرچہ۔ (۱۶) آنکھ کی پتلی۔ (۱۷) نقصان دہ۔ (۱۸) دل کا زخم۔ (۱۹) پیلے۔ (۲۰) قیمتی۔ (۲۱) سنہری۔

میں کامیاب ہوتے اور مُصَلّٰی میں جس جائے مُقَدَّس پر آپ کے قدمِ مبارک ہوتے تھے، اس کو شوق کے اَشکِ خُونیں[1] سے دھوتے۔

(۲۲) آپ کی مسجدِ اطہر کے ہر ستون[2] کے پاس ادب سے سیدھے کھڑے ہوتے اور صدیقین کے مرتبے کی درخواست و دعا کرتے۔

(۲۳) آپ کی دل آویز[3] تمناؤں کے زخموں اور دل نشیں[4] آرزوؤں کے داغوں سے (جو ہمارے دل میں) انتہائی مُسَرَّت کے ساتھ ہر قندیل[5] کو روشن کرتے۔

(۲۴) اب اگرچہ میرا جسم اُس حریم اَنْوَر[6] و شَبِستانِ[7] اَطْہَر میں نہیں ہے، لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ روح وہیں ہے۔

(۲۵) میں اپنے خود بیں[8] و خود رائے[9] نفسِ اَمّارہ سے سخت عاجز آچکا ہوں، ایسے عاجز و بے کس کی جانب التفات[10] فرمائیے اور بخشش کی نظر ڈالیے۔

(۲۶) اگر آپ کے الطافِ کریمانہ کی مدد شامل حال نہ ہوگی، تو ہم عُضْوِ مُعَطَّل[11] و مفلوج[12] ہو جائیں گے اور ہم سے کوئی کام انجام نہ پا سکے گا۔

(۲۷) ہماری بدبختی ہمیں صراطِ مستقیم و راہِ خدا سے بھٹکا رہی ہے، خدارا[13] ہمارے لیے خداوندِ قُدُّوس سے دُعا فرمائیے۔

(۲۸) (یہ دُعا فرمائیے) کہ خداوندِ قدوس اوّلاً[14] ہم کو پختہ یقین اور کامل اعتقاد کی عظیم الشان زندگی بخشے اور پھر احکامِ دین میں مکمل استقلال اور پوری ثابت قدمی عطا فرمائے۔

(۲۹) جب قیامت کی حشر خیزیاں[15] اور اس کی زبردست ہولناکیاں پیش آئیں، تو مالک یوم الدین، رحمٰن ورحیم ہم کو دوزخ سے بچا کر ہماری عزت بچائے۔

(۳۰) اور ہماری غلط روی[16] اور صغیرہ کبیرہ گناہوں کے باوجود آپ کو ہماری شفاعت کے لیے اجازت مرحمت فرمائے کیونکہ بغیر اس کی اجازت شفاعت نہیں ہو سکتی ہے۔

(۳۱) ہمارے گناہوں کی شرم سے آپ سَرِ خَمِیدہ[17] چوگاں کی طرح میدانِ شَفَاعَتْ میں سر جھکا کر (نفسی نفسی نہیں بلکہ) یا رَب اُمتی اُمتی فرماتے ہوئے تشریف لائیں۔

(۳۲) آپ کے حسنِ اہتمام[18] اور سعیٔ جمیل[19] سے دوسرے مقبول بندگانِ خدا کے صدقہ میں غریب جامؔی کا بھی کام بن جائے گا۔

شنیدم کہ در روزِ اُمید و بیم بداں را بہ نیکاں بجشند کریم

حل لغات: (۱) خون کے آنسو۔ (۲) کھمبا۔ (۳) دل لبھانے والا۔ (۴) دل پر اثر کرنے والی۔ (۵) ایک قسم کا چراغ جسے لٹکایا جاتا ہے۔ (۶) منور مکان۔ (۷) پاکیزہ خواب گاہ۔ (۸) متکبر، گھمنڈی۔ (۹) کسی کی نہ ماننے والا۔ (۱۰) توجہ۔ (۱۱) بے کار۔ (۱۲) ناکارہ۔ (۱۳) اللہ کے لیے۔ (۱۴) پہلے۔ (۱۵) حشر کی مصیبتیں، آفتیں۔ (۱۶) غلط چال چلن۔ (۱۷) سر جھکائے ہوئے۔ (۱۸) اچھا انتظام۔ (۱۹) بہترین کوشش۔

الحمد للہ حضرت شیخ کی توجہ و برکت سے اُلٹا سیدھا ترجمہ ختم ہوگیا۔ صبح ۲۶ رذی قعدہ ۱۳۸۴ھ۔
انتہیٰ از مولانا اسعد اللہ صاحب زاد مجدہٗ۔ اس کے بعد قصائد قاسمی میں سے حضرت اقدس حُجَّۃُ الاِسْلَام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی دار العلوم نَوَّرَ اللہُ مرقدہٗ کے مشہور قصیدۂ بہاریہ میں سے چند اشعار پیش کرتا ہوں، جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا، یہ قصیدہ بہت طویل① ہے، ڈیڑھ سو سے زائد اشعار اس قصیدہ کے ہیں، اس لیے سب کا لکھنا تو مُوجِبِ② طُول تھا، جو صاحب پورا دیکھنا چاہیں اصل قصیدہ کو ملاحظہ فرمائیں، اس میں سے ساٹھ اشعار سے کچھ زائد پر اکتفا کیا جا رہا ہے، جس سے حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کی والہانہ محبت اور عشق نبوی کا اندازہ ہوتا ہے۔

نہووے نغمہ سرا کس طرح سے بلبل زار　　کہ آئی ہے نئے سر سے چمن چمن میں بہار

ہر اِک کو حسبِ لیاقت بہار دیتی ہے　　کسی کو برگ کسی کو گل اور کسی کو بار

خوشی سے مرغِ چمن ناچ ناچ گاتے ہیں　　کف ورق سے بجاتے ہیں تالیاں اشجار

بجھائی ہے دلِ آتش کی بھی تپش یارب　　کرم میں آپ کو دشمن سے بھی نہیں انکار

یہ قدر خاک ہے ہیں باغ باغ وہ عاشق　　کبھی رہے تھا سدا جن کے دل کے بیچ غبار

یہ سبزہ زار کا رتبہ ہے شجرۂ موسیٰ　　بنا ہے خاص تجلی کا مطلع انوار

اسی لیے چمنستان میں رنگ مہندی نے　　کیا ظہور ورقہائے سبزہ میں ناچار

پہونچ سکے شجر طور کو کہیں طوبےٰ　　مقامِ یار کو کب پہونچے مسکن اَغیار

زمین و چرخ میں ہو کیوں نہ فرقِ چرخ و زمیں　　یہ سب کا بار اُٹھائے وہ سب کے سر پر بار

کرے ہے ذرّہ کوئے محمدی سے خجل　　فلک کے شمس و قمر کو زمین لیل و نہار

فلک پہ عیسیٰ و ادریس ہیں تو خیر سہی　　زمیں پہ جلوہ نما ہیں محمد (ﷺ) مختار

فلک پہ سب سہی پر ہے نہ ثانیٔ احمد (ﷺ)　　زمیں پہ کچھ نہ ہو پر ہے محمدی سرکار

ثنا کر اس کی فقط قاسم اور سب کو چھوڑ　　کہاں کا سبزہ کہاں کا چمن کہاں کی بہار

الٰہی کس سے بیاں ہو سکے ثنا اس کی　　کہ جس پہ ایسا تری ذاتِ خاص کا ہو پیار

جو تو اسے نہ بناتا تو سارے عالَم کو　　نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار

کہاں وہ رتبہ کہاں عقل نارسا اپنی　　کہاں وہ نورِ خدا اور کہاں یہ دیدۂ زار

حل لغات: ① لمبا۔ ② زیادہ بڑا اور لمبا ہونے کا سبب۔

چراغِ عقل ہے گل اس کے نور کے آگے
زباں کا منہ نہیں جو مدح میں کرے گفتار

جہاں کہ جلتے ہوں پر عقل کل کے بھی پھر کیا
لگی ہے جان جو پہونچیں وہاں مرے افکار

مگر کرے مری رُوح القدس مددگاری
تو اس کی مدح میں میں بھی کروں رقم اشعار

جو جبرئیل مدد پر ہو فکر کی میرے
تو آگے بڑھ کے کہوں اے جہان کے سردار

تو فخر کون و مکاں زبدۂ زمین و زمان
امیر لشکر پیغمبراں شہ ابرار

تو بوئے گل ہے اگر مثل گل ہیں اور نبی
تو نورِ شمس گر اور انبیاء ہیں شمس و نہار

حیات جان ہے تو، ہیں اگر وہ جانِ جہاں
تو نورِ دیدہ ہے گر ہیں وہ دیدۂ بیدار

طفیل آپ کے ہے کائنات کی ہستی
بجاہے کہیے اگر تم کو مبدأ الاثار

جلو میں تیرے سب آئے عدم سے تا بوجود
قیامت آپ کی تھی دیکھیے تو اِک رفتار

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں
ترے کمال کسی میں نہیں مگر دوچار

پہونچ سکا ترے رتبہ تلک نہ کوئی نبی
ہوئے ہیں معجزہ والے بھی اس جگہ ناچار

جو انبیاء علیہم السلام ہیں وہ آگے تری نبوت کے
کریں ہیں اُمتی ہونے کا یا نبی اقرار

لگاتا ہاتھ نہ پتلے کو بوالبشر کے خدا
اگر ظہور نہ ہوتا تمہارا آخر کار

خدا کے طالب دیدار حضرتِ موسیٰ
تمہارا لیجے خدا آپ طالبِ دیدار

کہاں بلندیٔ طور اور کہاں تری معراج
کہیں ہوئے ہیں زمین آسمان بھی ہموار؟

جمال کو ترے کب پہونچے حسن یوسف کا
وہ دِل ربائے زلیخا تو شاہد ستار

رہا جمال پہ تیرے حجابِ بشریت
نجانا کون ہے کچھ بھی کسی نے جز ستار

سما سکے تری خلوت میں کب نبی و ملک
خدا غیور تو اس کا حبیب اور اغیار

نہ بن پڑا وہ جمال آپ کا سا اِک شب بھی
قمر نے گوکہ کروڑوں کیے چڑھاؤ اُتار

خوشا نصیب یہ نسبت کہاں نصیب مرے
تو جس قدر ہے بھلا میں برا اسی مقدار

نہ پہونچیں گنتی میں ہرگز تیرے کمالوں کی
مرے بھی عیب شہ دوسرا شہ ابرار

عجب نہیں تری خاطر سے تیری اُمت کے
گناہ ہوویں قیامت کو طاعتوں میں شمار

بکیں گے آپ کی اُمت کے جرم ایسے گراں
کہ لاکھوں مغفرتیں کم سے کم پہ ہوں گی نثار

ترے بھروسہ پہ رکھتا ہے غرۂ طاعت
گناہِ قاسم برگشتہ بخت بداطوار

تمہارے حرفِ شفاعت پہ عفو ہے عاشق
اگر گناہ کو ہے خوف غصۂ قہار

یہ سن کے آپ شفیع گناہ گاراں ہیں
کیے ہیں میں نے اکٹھے گناہ کے انبار

ترے لحاظ سے اتنی تو ہوگئی تخفیف
بشر گناہ کریں اور ملائک استغفار

یہ ہے اجابتِ حق کو تری دُعا کا لحاظ
قضاءِ مبرم و مشروط کی سنیں نہ پکار

برا ہوں، بد ہوں، گناہ گار ہوں، پہ تیرا ہوں
ترا کہیں ہیں مجھے گو کہ ہوں میں نانہجار

لگے ہے تیرے سگ کو گو میرے نام سے عیب
پہ تیرے نام کا لگنا مجھے ہے عزو وقار

تو بہترین خلائق، میں بد ترین جہاں
تو سرورِ دو جہاں، میں کمینہ خدمت گار

بہت دِنوں سے تمنا ہے کیجیے عرضِ حال
اگر ہو اپنا کسی طرح تیرے دَرتک بار

مگر جہاں ہو فلک آستاں سے بھی نیچا
وہاں ہو قاسم بے بال و پر کا کیونکہ گذار

دیا ہے حق نے تجھے سب سے مرتبہ عالی
کیا ہے سارے بڑے چھوٹوں کا تجھے سردار

جو تو ہی ہم کو نہ پوچھے تو کون پوچھے گا؟
بنے گا کون ہمارا ترے سوا غم خوار

لیا ہے سگ نمط ابلیس نے مرا پیچھا
ہوا ہے نفس موا سانپ سا گلے کا ہار

رجاء و خوف کی موجوں میں ہے اُمید کی ناؤ
کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شمار

جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مور و مار

اُڑا کے باد مری مشت خاک کو پس مرگ
کرے حضور کے روضہ کے آس پاس نثار

وَلے یہ رتبہ کہاں **مشتِ** خاکِ قاسم کا
کہ جائے کوچۂ اَطہر میں تیرے بن کے غبار

غرض نہیں مجھے اس سے بھی کچھ رہی لیکن
خدا کی اور تیری اُلفت سے میرا سینہ فگار

لگے وہ تیر غم عشق کا مرے دل میں
ہزار پارہ ہو دِل خون دِل میں ہوں سرشار

لگے وہ آتش عشق اپنی جان میں جس کی
جلادے چرخ ستم گر کو ایک ہی جھوں کار

تمہارے عشق میں رو رو کے ہوں نحیف اتنا
کہ آنکھیں چشمۂ آبی سے ہوں درونِ غبار

رہے نہ منصب شیخ المشائخی کی طلب
نہ جی کو بھائے یہ دُنیا کا کچھ بناؤ سنگار

ہوا اشارہ میں دو ٹکڑے جوں قمر کا جگر
کوئی اشارہ ہمارے بھی دل کے ہو جاپار

تو تھام اپنے تئیں حد سے پا نہ دھر باہر
سنبھال اپنے تئیں اور سنبھل کے کر گفتار

اَدَب کی جا ہے یہ، چپ ہوتو اور زباں بند کر　　　وہ جانے چھوڑ اسے پر نہ کر تو کچھ اصرار

بس اب درود پڑھ اس پر اور اس کی آل پے تو　　　جو خوش ہو تجھ سے وہ اور اس کی عترتِ اَطہار

الٰہی اس پر اور اس کی تمام آل پے بھیج
وہ رحمتیں کہ عدد کر سکے نہ ان کو شمار

تمت

یہ رسالہ جیسا کہ شروع میں لکھا گیا پچیس رمضان المبارک کو شروع کیا گیا تھا۔ ماہِ مُبَارک کے مَشَاغِل[1] کی وجہ سے اس وقت تو بسم اللہ اور چند سطور[2] کے علاوہ لکھوانے کا وقت ہی نہیں ملا، اس کے بعد بھی مہمانوں کے ہجوم[3] اور مدرسہ کے ابتداءِ سال کے مَشَاغِل کی وجہ سے بہت ہی تھوڑا وقت ملتا رہا، تاہم تھوڑا بہت سلسلہ چلتا ہی رہا کہ گذشتہ جمعہ کو عزیز مُحتَرَم مولانا الحاج محمد یوسف صاحبؒ کاندھلوی امیرِ جماعتِ تبلیغ کے حادثۂ انتقال سے یہ تَخَیُّل[4] پیدا ہوا کہ اگر یہ نا کارہ بھی اسی طرح بیٹھے بیٹھے چل دیا تو یہ اوراق[5] جو اَب تک لکھے ہیں یہ بھی ضائع ہو جائیں گے۔ اس لیے جتنا ہو چکا ہے اسی پر اکتفاء کروں اور آج ۶/ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ جمعہ کی صبح کو اِس رسالہ کو ختم کرتا ہوں، اللہ جلَّ شانہٗ اپنے لطف وکرم سے اپنے پاک رسول ﷺ کے طفیل سے جو لَغزِشیں[6] اس میں ہوئی ہوں، ان کو معاف فرمائے۔ آمین

محمد زکریا عفی عنہ کاندھلوی
مقیم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔
۶/ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ

حل لغات: (۱) کاموں۔ (۲) لکیریں۔ (۳) بھیڑ۔ (۴) خیال۔ (۵) صفحے۔ (۶) غلطیاں، کوتاہیاں۔